قومی راج





شری راجیو گاندھی، ۳۱ ردسمبر
راشٹرپتی بھون نئی دہلی میں صدر جمہوریہ
گیانی ذیل سنگھ کے ہاتھوں بھارت
وزیر اعظم کی حیثیت سے اپنے عہدے
رازداری کا حلف لے رہے ہیں۔

، نئی کابینہ کے وزراء اپنے عہدے اور
رازداری کا حلف لیتے ہوئے۔



پندرہ روزہ
قومی راج
ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

زرِ سالانہ: دس روپے
فی کاپی: ۵۰ پیسے

مشترکہ شمارہ ۱۰ جنوری اور ۲۵ جنوری ۱۹۸۵ء
جلد نمبر ۱۲ شمارہ نمبر ۱ - ۲

چیف ایڈیٹر: ایس کے سگنے

ایڈیٹر: فیروزہ فیاض خان

ترسیلِ زر و مراسلت کا پتہ:
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
گورنمنٹ آف مہاراشٹر۔ منترالیہ۔ بمبئی ۳۲ ۴۰۰۰

ترتیب

صفحہ نمبر



شری راجیو گاندھی کے مختصر حالاتِ زندگی

خلیق، نرم مزاج اور حلیم الطبع شری راجیو گاندھی کی سربراہی میں کانگریس نے آٹھویں عام انتخابات میں تاریخی فتح حاصل کی۔ وہ فتح جو پنڈت جواہر لال نہرو اور شریمتی اندرا گاندھی کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ شری راجیو گاندھی سیاست میں ابھی نئے ہیں۔

صرف دو برس قبل انہوں نے کمرشیل پائلٹ کی ملازمت ترک کر کے کانگریس پارٹی کے جنرل سیکریٹری کا عہدہ سنبھالا تھا۔ سیاست میں ان کی شرکت کا باقاعدہ اعلان ار مئی ۱۹۸۱ء کو کیا گیا تھا۔

۳۱ر اکتوبر کو شریمتی اندرا گاندھی کے بہیمانہ قتل کے بعد آپ کو اتفاق الرائے سے وزیر اعظم چنا گیا۔

چالیس سالہ شری گاندھی دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے سب سے کم عمر وزیر اعظم ہیں۔

وزارت اعلیٰ کے عہدے کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد پہلے ۷۲ گھنٹوں کے دوران آپ نے اپنے ذاتی غم کو برداشت کرتے ہوئے نہ صرف شریمتی اندرا گاندھی کے قتل کے بعد کی صورتِ حال کو سنبھالا بلکہ کئی اہم فیصلے بھی کئے۔

آپ کا ایسا ہی ایک اہم فیصلہ ۱۳ر اکتوبر کو جب شورش زدہ علاقوں کی صورتِ حال قابو سے باہر ہو گئی تو وہاں فوج کو تعینات کرنے کا تھا۔ دوسرا اہم فیصلہ دیکھتے ہی گولی مار دینے کے احکامات جاری کرنے کا تھا۔

آپ نے تشدد کو سختی سے کچلنے کا تہیہ کر لیا تھا جس کی وجہ سے ملک کی ان سات ریاستوں میں صورتِ حال کو معمول پر لانے میں مدد ملی جہاں حالات دگرگوں تھے

شری گاندھی نے نومبر میں وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا اور دسمبر کے آخری ہفتے میں انتخابات کرانے کا اعلان کر کے سب کو متحیر کر دیا۔

امیٹھی حلقۂ انتخاب سے لوک سبھا کی نشست کی خاطر اپنے کاغذاتِ نامزدگی داخل کرنے کے بعد آپ نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ صاف ستھرا انتظامیہ نیز ملک کی ایکتا کی تقویت، وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

انتخابات کے سلسلے میں آپ نے متعدد ریاستوں میں ۵۰۰ سے زیادہ عوامی جلسوں کو خطاب کیا اور اپنی تقریر میں صاف ستھرے انتظامیہ کی ضرورت اور ملک کی ایکتا کی بقا کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔

امیٹھی حلقۂ انتخاب سے تین لاکھ سے زیادہ ووٹوں کی اکثریت کے ساتھ منتخب ہونے کے بعد اخباری نمائندوں سے گفتگو کے دوران آپ نے ان ہی خیالات کا اعادہ کیا۔

شری گاندھی ۲۰ر اگست ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا بچپن اس وقت کے وزیر اعظم اور آپ کے نانا پنڈت جواہر لال نہرو کی رہائش گاہ میں گزرا۔

دہلی کے سینٹ کولمبس اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ دہرہ دون کے دون اسکول میں داخل کئے گئے۔ وہاں سے اعلیٰ تعلیم کے لئے کیمبرج کے ٹرینیٹی کالج (Trinity College) میں داخل ہو گئے۔

بچپن ہی سے آپ بڑے ہو کر پائلٹ بننا چاہتے تھے۔

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

لوک سبھا میں پہلی بار کانگریس (آئی) کو

تین چوتھائی سے زیادہ اکثریت

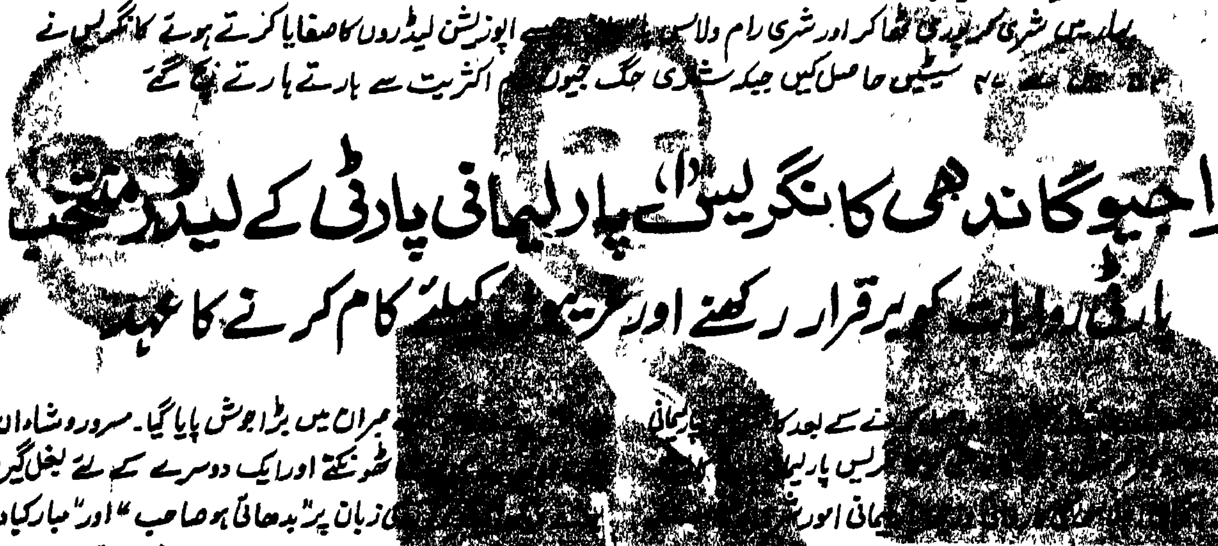
ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار کانگریس نے دو تہائی نہیں بلکہ تین چوتھائی سے بھی زیادہ اکثریت حاصل [illegible] طرح شری راجیو گاندھی نے شریمتی اندرا گاندھی اور شری جواہر لال نہرو کو [illegible] مات کر دیا۔ شری جواہر لال نہرو کے دور [illegible] ۱۹۵۷ء کے چناؤ میں کانگریس کو ۳۷۱ سیٹیں ملی تھیں جبکہ آٹھویں لوک سبھا کے چناؤ میں اندرا کانگریس [illegible] سیٹیں حاصل کر لیں۔

کانگریس کی لہر میں چار اپوزیشن لیڈروں کے ماسوا باقی سب شکست سے دو چار ہوئے۔ ان چاروں میں سے دو شمالی ہند میں اور دو مغربی ہندوستان میں کانگریسی لہر کے باوجود کامیاب ہوئے۔ شمالی ہند میں جہاں دلت مزدور کسان پارٹی کے صدر شری چرن سنگھ اور کانگریس (جے) کے شری جگ جیون رام کامیاب ہو پائے۔ وہاں مغربی ہندوستان میں جنتا پارٹی کے شری مدھو دنڈوتے اور کانگریس (ایس) کے شری شرد پوار نے کامیابی حاصل کی۔ مغربی بنگال جموں وکشمیر اور آندھرا کو چھوڑ کر ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اپوزیشن ناکام ہوئی اور اپوزیشن کی ناکامی کے ساتھ ساتھ کانگریس کے صد سالہ جشن کا آغاز بھی ہوا۔

اندرا کانگریس کی عظیم الشان کامیابی کا ثبوت راجستھان، مدھیہ پردیش، ہریانہ، دہلی اور ہماچل پردیش ہیں جہاں تمام کی تمام سیٹوں پر اندرا کانگریس نے قبضہ کیا۔

اتر پردیش میں ۸۴ میں سے صرف دو سیٹیں اس کے ہاتھ سے گئیں جن پر شری چرن سنگھ اور ان کی پارٹی کا ایک اور امیدوار کامیاب ہوا۔

بہار میں شری کرپوری ٹھاکر اور شری رام ولاس [illegible] اپوزیشن لیڈروں کا صفایا کرتے ہوئے کانگریس نے [illegible] ۴ سیٹیں حاصل کیں جبکہ شری جگ جیون رام اکثریت سے ہارتے ہارتے بچ گئے



راجیو گاندھی کانگریس (آئی) پارلیمانی پارٹی کے لیڈر منتخب

پارٹی روایات کو برقرار رکھنے اور غریبوں کیلئے کام کرنے کا عہد

[illegible] نے کے بعد کا [illegible] پارلیمانی پارٹی [illegible] ریس پارلیمانی [illegible] منتخب [illegible] یمانی اور [illegible] کی زیر صدارت انجام پائی۔

یہ اجلاس [illegible] بجکر ۵ منٹ پر شروع ہونے والا تھا لیکن منتخب ممبران اور دیگر پارٹی لیڈران کم از کم ایک گھنٹہ قبل عظیم الشان سینٹرل ہال میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ کانگریس (آئی) کارگزار صدر شری کملا پتی ترپاٹھی کے فوری بعد ساڑھے ۱۲ بجے مسٹر گاندھی ہال میں داخل ہوئے [illegible]

[illegible] ممبران میں بڑا جوش پایا گیا۔ مسرور و شاداں اراکین [illegible] ٹھونکتے اور ایک دوسرے کے لئے بغل گیر ہوتے [illegible] زبان پر "بدھائی ہو صاحب" اور "مبارکباد" کے نعرے تھے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہال کی شان و شوکت آج قدرے [illegible] تھی منتخب ممبران میں چند اراکین ہی پائے گئے جن میں [illegible] شری سنیل دت، شری امیتابھ بچن اور [illegible] بھی شامل ہیں۔ شری سنیل دت کو اپنے فلمی ساتھیوں کا سہارا [illegible]

[illegible] نوکلا رج

مہاراشٹر سے نئی مرکزی کابینہ کے وزراء



شری ایس۔بی چوان
وزیر داخلہ



شری پی۔وی نرسمہاراؤ
وزیر دفاع



شری وی۔پی ساٹھے
وزیر برائے فولاد، کان اورکوئلہ



شری وی۔این گاڈگل
وزیر مملکت برائے اطلاعات ونشریات



شری غلام نبی آزاد
وزیر مملکت برائے پارلیمانی امور



شری شیوراج پاٹل
وزیر مملکت برائے سائنس وٹکنولوجی، اٹومک انرجی اسپیس والیکٹرونکس

وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کی زیر قیادت

مرکز میں نئی وزارت کی تشکیل، ۴۰ رکنی وزارت میں ۱۶ نئے چہروں کی شمولیت

وزیر اعظم شری راجیو گاندھی نے حالیہ عام انتخابات میں کانگریس (آئی) کی تاریخی کامیابی کے بعد ۳۱ دسمبر کو نئی وزارت تشکیل دی۔ چالیس اراکین پر مشتمل اس وزارت میں ۱۶ نئے چہرے شامل کئے گئے ہیں۔ نئی وزارت دو درجاتی ہے جس میں ۱۵ وزرا بشمول وزیر اعظم کابینہ سطح کے وزیر ہیں اور باقیماندہ ۲۵ وزراء، وزرائے مملکت ہیں۔ نئی کابینہ میں بعض پرانے وزیروں کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ شری ایچ۔ کے۔ ایل بھگت پرانی وزارت میں وزیر مملکت تھے۔ اب نئی وزارت میں انہیں کابینی وزیر کا درجہ دیا گیا ہے۔

بھارت کے صدر گیانی ذیل سنگھ کے ہاتھوں ۳۱ دسمبر کی شام کو راج بھون کے اشوک ہال میں منعقدہ ایک تقریب میں وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کے ۱۴ وزراء نے انگریزی میں اپنے عہدے اور رازداری کا حلف اٹھایا۔ ان میں شری عبدالغفور، شری اشوک سین، شری پی۔ شنکرآنند، شری بنسی لال، شری بوٹا سنگھ، شری ایچ۔ کے۔ ایل بھگت، شریمتی محسنہ قدوائی، شری پی۔ وی۔ نرسمہا راؤ، شری بریندر سنگھ، شری وشوناتھ پرتاپ سنگھ، شری کے۔ سی۔ پنت، شری ایس۔ بی۔ چوان، شری وسنت ساٹھے اور شری دیریندر پاٹل شامل ہیں۔

جلد ہی وزارت میں توسیع

رسم حلف کے فوراً بعد وزیر اعظم نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ بہت جلد اپنی وزارت میں توسیع کریں گے۔

ایک سوال کے جواب میں آپ نے بتایا کہ جو لوگ معیار پر پورے نہیں اترے انہیں وزارت میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

نئے چہرے

نئے چہروں میں سابق وزیر اعلیٰ بہار شری عبدالغفور جنرل سکریٹری کل ہند کانگریس (ا) کمیٹی اور سابق وزیر قانون اور دستور کے ماہر شری اشوک سین، سابق وزیر اعلیٰ ہریانہ شری بنسی لال اور سابق وزیر دفاع شری وشوناتھ پرتاپ سنگھ ہیں۔

نئی وزارت دو درجاتی ہے۔ باقیماندہ تمام ۲۵ اراکین وزرائے مملکت ہیں۔ ان میں چھ اپنے محکمات کے نگراں ہوں گے۔ ان میں دو وزارت کے لئے نئے ہیں۔ ایک شری مرگتھم چندر شیکھر اور دوسرے سابق وزیر اعلیٰ آندھرا، شری ٹی۔ انجیہ۔

سابق وزرائے مملکت شری بھگوت جھا آزاد، شریمتی شیلا کول شری سی۔ کے جعفر شریف اور شری ایم۔ کے۔ پی سالوے کو نئی وزارت میں شامل نہیں کیا گیا۔

نئے وزرائے مملکت میں سابق خارجہ سکریٹری سرو شری نٹور سنگھ سابق سفیر شری کے آر نارائنن۔ شری آر کے جائے چندرا۔ شریمتی مارگریٹ الوا، شری ارون نہرو، شری ایچ۔ آر بھاردواج۔ شری ہیرسینا۔ شری مادھو راؤ سندھیا اور شری سی این چندراکر ہیں۔ نئی وزارت میں سابقہ وزارت سے ۹ وزراء کم ہیں۔

وزیر اعظم شری راجیو گاندھی نے جب حلف اٹھایا تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا جس کے بعد انہوں نے کاغذ پر دستخط کئے اور اپنی جگہ پر آبیٹھے صدر نے تمام وزراء کو مبارکباد دی اور ان سے ہاتھ ملایا۔

نئی وزارت میں کوئی نائب وزیر نہیں ہے۔ رسم حلف نصف گھنٹے جاری رہی جس کے بعد صدر اور وزیر اعظم نے نئے وزراء کے ساتھ گروپ فوٹو اتروایا جس میں نائب صدر شری آر وینکٹ رامن بھی شامل تھے۔

وزیر اعظم نے بعد میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ وزیر اعظم نے فرمایا کہ "تمام وزراء کی کارگزاری پر کڑی نظر رکھی جائے گی کیونکہ پارٹی نے رائے دہندوں سے صاف ستھری کارگذار اور ایماندار حکومت کا وعدہ کیا ہے۔"

آپ نے وزراء کے لئے تین خصوصیات ضروری قرار دی ہیں۔ انہیں بہت سرگرمی کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ ان میں وقار ضروری ہے اور ان کے کام کے نتائج برآمد ہونا چاہئے۔

اگلی صف میں شری گاندھی کے وزراتی رفقاء اور پارٹی عہدیداران بنچوں پر براجمان تھے۔ جب معز شری تریپاٹھی اپنے ساتھی کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوتے ہال میں داخل ہوئے تو شری نرسمہا راؤ فوراً کھڑے ہوئے اور انہیں اپنی نشست پیش کی۔

تمام اراکین نشستوں پر بیٹھ گئے جیسے ہی گھڑی نے ساڑھے بارہ بجائے، تمام نگاہیں شری راجیو گاندھی کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ہال کے گیٹ کی طرف اٹھیں۔ شری گاندھی سی پی پی سکریٹری شری جے۔ سے۔ جین کے ساتھ ہال میں داخل ہوئے۔ اس لمحے ہال میں مکمل خاموشی تھی۔ شری گاندھی جو سفید کرتے پاجامے اور نہرو جاکیٹ میں ملبوس تھے، کو پھولوں سے سجے ہوئے اسپیشل ٹیبل کے پاس کرسی پر بٹھایا گیا ــــ وزیر مالیات شری پرنب مکرجی، شری بوٹا سنگھ اور پارٹی جنرل سکریٹری شری جی۔ کے۔ موپنار جنہوں نے شکریہ کا ووٹ پیش کیا، شری گاندھی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

شری بوٹا سنگھ جو رنگین راجستھانی پگڑی سر پر زیب تن کئے ہوئے تھے، نے آج کی میٹنگ کی صدارت کی۔ شری وی۔ پی نرسمہا راؤ نے لیڈر کے لئے شری گاندھی کا نام پیش کیا اور شریمتی محسنہ قدوائی اور شری وشوا ناتھ پرتاپ سنگھ نے اس کی تائید کی۔

شری گاندھی کے کانگریس (آئی) پارلیمانی پارٹی کے بالاتفاق لیڈر منتخب ہونے کے فوری بعد شری بوٹا سنگھ نے اراکین سے درخواست کی کہ جو لوگ شری گاندھی کی گلپوشی کرنا چاہیں وہ مہربانی کرکے آگے بڑھیں۔ گلپوشی کے بعد شری بوٹا سنگھ نے نئے لیڈر سے حاضرین کو خطاب کرنے کی درخواست کی۔

لیڈر منتخب کرنے پر شری گاندھی نے پارٹی کے اراکین کا شکریہ ادا کیا۔ سینٹرل ہال "راجیو گاندھی زندہ باد" اور "نئے لیڈر کو مبارکباد" کے نعروں سے گونج اٹھا۔

شری گاندھی نے دھیمے مگر پُراعتماد لہجے میں نئے منتخبہ پارٹی اراکین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں فی المقدور پارٹی کی شاندار روایات کو برقرار رکھنے اور غریبوں کی فلاح کے لئے انتھک کوشش کروں گا۔

شری راجیو گاندھی کو جنرل ضیاء الحق نے مبارکباد دی

دونوں ملکوں میں امن و خوشحالی کیلئے کام کرنے کی بھی پیش کش

پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق نے وزیراعظم شری راجیو گاندھی کو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اعتماد اور بھروسے کے باہمی سودمند تعلقات کو مضبوط کرنے کے لئے مکمل اشتراک کی پیش کش کی۔ شری گاندھی کو مبارکباد کے پیام میں جنرل ضیاء نے کہا کہ وہ اس حلقے میں امن اور استحکام کے فروغ کے لئے مل کر کام کرنے کے منتظر ہیں۔ جنرل ضیاء الحق نے مزید کہا کہ آپ کی شاندار کامیابی پر پاکستان کی حکومت اور عوام آپ کو پُرخلوص مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ کانگریس (آئی) پارٹی نے جو فیصلہ کن کامیابی حاصل کی ہے وہ آپ کی قیادت کو خراجِ تحسین ہے اور آپ پر ہندوستانی عوام کے اعتماد کا کھلا ثبوت ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے ہندوستان کے عوام کی مسلسل ترقی اور خوشحالی کے لئے بھی نیک خواہشات پیش کیں۔

بے مثال کامیابی کیلئے شری راجیو گاندھی کو نیپال کے راجہ بریندر کی مبارکباد

نیپال کے راجہ بریندر نے پارلیمنٹ کے لئے بے مثال اکثریت سے کامیاب ہونے پر وزیراعظم شری راجیو گاندھی کو مبارکباد دی۔

اپنے پیغام میں راجہ بریندر نے یہ امید ظاہر کی کہ آئندہ سالوں میں ہندوستان کے استحکام اور یک جہتی کو برقرار رکھنے کی کوششوں میں شری راجیو گاندھی کامیاب ہوں گے۔

انہوں نے اس یقین کا بھی اظہار کیا کہ ان کی قیادت میں نیپال اور ہندوستان کے تعلقات دونوں ممالک کی عوام کی خوشحالی کے لئے مزید بہتر اور مستحکم ہوں گے۔

شاندار کامیابی پر راجیو گاندھی کو ریگن کی مبارکباد

امریکی صدر رونالڈ ریگن نے امید ظاہر کی کہ امریکہ اور ہندوستان کے درمیان قائم تعلقات کو مزید تقویت ملے گی۔ وزیراعظم شری راجیو گاندھی کو ان کی عظیم الشان کامیابی پر مبارکباد دیتے ہوئے شری ریگن نے کہا کہ دونوں ملکوں میں حالیہ آزادانہ انتخاب نے جمہوری نظام اور روایت میں ہمارے نظریات کی تصدیق کر دی ہے۔

کانگریس (آئی) کی دوبارہ تنظیم

وزیر اعظم شری راجیو گاندھی سے دریافت کیا گیا کہ سابقہ وزارت کے جن اراکین کو نئی وزارت میں شامل نہیں کیا گیا ہے کیا بعد میں ان کی شمولیت کا امکان ہے؟

شری گاندھی نے جواب دیا۔ "نہیں، نہیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے" آپ نے ایک دوسرے سوال پر بتایا کہ برسر اقتدار کانگریس (۱) پارٹی کو دوبارہ منظم کیا جائے گا۔

ایک صحافی نے آپ سے دریافت کیا کہ نائب وزراء کا عہدہ کیوں ختم کر دیا گیا ہے۔ وزیر اعظم شری گاندھی نے کہا کہ دراصل نائب وزراء قطعی غیر ضروری تھے۔ ان کے لئے کوئی کام نہیں تھا۔ آپ نے ایک صحافی سے کہا کہ نئی وزارت کام کرے گی اور قوم کے بہترین مفادات پورے کرے گی۔ وزیر اعظم نے بتایا کہ اسمبلی چناؤ کا جب وقت آئے گا تو وہ بھی کرا لئے جائیں گے۔ آپ نے کہا کہ ان کی حکومت چور بازاریوں اور بدعنوان عناصر کو کچل دے گی۔

نئی کابینہ کی تشکیل

صدر جمہوریۂ ہند گیانی ذیل سنگھ نے شری راجیو گاندھی کو بھارت کا وزیر اعظم مقرر کیا ہے اور ان کی صلاح پر درج ذیل حضرات کو وزراء کی کونسل میں لیا گیا ہے۔

وزراء کابینہ

شری عبدالغفور ــــ ـــ ـــ ـــ تعمیرات و مکانات
شری اشوک سین ــــ ـــ ـــ ـــ قانون و انصاف
شری پی شنکر آنند ــــ ـــ ـــ آبپاشی اور توانائی
شری بنسی لال ــــ ـــ ـــ ـــ ریلوے
شری بوٹا سنگھ زراعت اور دیہی ترقیات
شری ایچ کے ایل بھگت ــــ ـــ ـــ پارلیمانی امور
شری کے ۔سی ۔ پنت ــــ ـــ ـــ تعلیم
شریمتی محسنہ قدوائی ــــ ـــ ـــ صحت اور خاندانی بہبود
شری پی ۔وی نرسمہا راؤ ــــ ـــ ـــ وفاع (عارضی طور پر وہ منصوبہ بندی کے بھی انچارج ہوں گے)

شری راؤ بریندر سنگھ ــــ ـــ ـــ خوراک اور شہری رسدات
شری ایس ۔بی ۔چوان ــــ ـــ ـــ امور داخلہ
شری وسنت ساٹھے ــــ ـــ ـــ فولاد کانیں اور کوئلہ
شری وریندر پاٹل ــــ ـــ ـــ کیمیاوی اشیاء اور کیمیاوی کھادیں
شری وشوناتھ پرتاپ سنگھ ــــ ـــ ـــ خزانہ

وزیر اعظم تجارت اور سپلائی، ماحولیات و جنگلات، امور خارجہ صنعت اور کمپنی امور، سائنس اور ٹیکنالوجی، ایٹمی توانائی، ثقافت الیکٹرانک، بحری ترقی، عملہ جاتی اور انتظامی اصلاحات، خلا سیاحت اور شہری رسدات، نوجوانوں کے امور اور کھیل کود نیز ان محکموں کے جن کا ابھی تک کسی وزیر کابینہ یا وزیر مملکت کو آزادانہ چارج نہیں دیا گیا، انچارج ہوں گے۔

وزراء مملکت (آزادانہ چارج)

شریمتی مرگاتھم چندر شیکھر ــــ ـــ ـــ خواتین و سماجی بہبود
شری نول کشور شرما ــــ ـــ ـــ پیٹرولیم
شری رام نواس مردھا ــــ ـــ ـــ مواصلات
شری ٹی ۔انجیا ــــ ـــ ـــ محنت
شری وی ۔این گاڈگل ــــ ـــ ـــ اطلاعات و نشریات
شری زیڈ ۔آر ۔انصاری جہازرانی اور نقل و حمل

وزراء مملکت

شری عارف محمد خان ــــ ـــ ـــ صنعت و کمپنی امور
شری ارون نہرو ــــ ـــ ـــ توانائی
شری اشوک گیہلوٹ ــــ ـــ سیاحت اور شہری ہوابازی
شری بیر سین ــــ ـــ ـــ ماحولیات اور جنگلات
شری چندو لال چندراکر ــــ ـــ ـــ دیہی ترقیات
شری غلام نبی آزاد ــــ ـــ ـــ پارلیمانی امور
شری ایچ آر بھاردواج ــــ ـــ ـــ قانون و انصاف
شری جناردھن پجاری ــــ ـــ ـــ خزانہ

شری خورشید عالم خان ـ ـ ـ ـ ـ امورِ خارجہ
شری کے ۔ پی سنگھ دیو ـ ـ ـ ـ عملہ جاتی اور انتظامی اصلاحات اور ثقافت
شری کے آر نارائنن ـ ـ ـ ـ منصوبہ بندی
شری مادھو راؤ سندھیا ـ ـ ـ ـ ریلوے
شریمتی مارگریٹ الوا ـ ـ ـ ـ پارلیمانی امور
شری نٹور سنگھ ـ ـ ـ ـ فولاد
شری پی ۔ اے سنگما ـ ـ ـ ـ تجارت اور سپلائی
شری آر کے جے چندرا سنگھ ـ ـ ـ ـ نوجوانوں کے امور اور کھیل کود
شریمتی رام دلاری سنہا ـ ـ ـ ـ محکمہ امورِ داخلہ
شری شیوراج پاٹل ـ ـ ـ ـ سائنس اور ٹیکنالوجی بحری ترقی، ایٹمی توانائی، خلا اور الیکٹرانک
شری یوگیندر مکوانہ ـ ـ ـ ـ صحت

شری راجیو گاندھی نے ریکارڈ توڑ دیا ۸۳٫۶۷ فی صد ووٹ ملے

حالیہ لوک سبھا چناؤ میں وزیرِ اعظم شری راجیو گاندھی کو امیٹھی میں جائز ووٹوں میں سے ۸۳٫۶۷ فی صدی ووٹ ملے ہیں ۔
آپ کو اپنے قریبی حریف سے ۷۶٫۱۷ فی صدی ووٹ زیادہ ملے ہیں ۔ آزادی کے بعد کسی امیدوار وزیرِ اعظم کو اتنے زیادہ ووٹ کبھی نہیں ملے ۔
وزیرِ اعظم شری راجیو گاندھی سے ذرا کم اعداد و شمار سابق وزیرِ اعظم شری مرارجی دیسائی کے ہیں جنہیں ۱۹۵۷ء میں علاقہ سورت سے ۸۳ فی صدی ووٹ ملے تھے ۔

اروَن سنگھ ، اوسکر فرنانڈیز اور احمد پٹیل ، پارلیمانی سکریٹری

وزیرِ اعظم شری راجیو گاندھی نے تین پارلیمانی سکریٹریوں کو منتخب کیا جن کے نام اس طرح ہیں ۔ شری اروَن سنگھ ، شری اوسکر فرنانڈیز اور شری احمد پٹیل ۔

اولمپک کھلاڑی اسلم شیر خان بھی لوک سبھا کیلئے منتخب

سابق اولمپک کھلاڑی اندرا کانگریس کے امیدوار شری اسلم شیر خان بتول نشست سے منتخب کر لئے گئے ۔
انہوں نے اپنے قریبی مقابل ایم ۔ این ۔ بج (آزاد) کو ۳۸ ہزار ووٹوں سے شکست دی ۔

شریمتی وجنتی مالا بالی ، عورتوں کی بہبودی کیلئے کام کریں گی

مشہور رقاصہ اور سابق فلم ایکٹرس شریمتی وجنتی مالا بالی نے جو جنوبی مدراس کے حلقے سے لوک سبھا کے لئے منتخب ہوئی ہیں ، سماج میں ہندوستان کی خواتین کا درجہ بلند کرنے کی جانب کام کرنے کا عزم کیا ہے ۔
شہر مدراس کی اپنی رہائش گاہ پر اپنے شوہر ڈاکٹر بالی اور واحد لڑکے سچندر کے درمیان گھری ہوئی شریمتی وجنتی مالا نے جوش و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں عورتوں کے لئے بہت کچھ کرنا باقی ہے ۔
انہوں نے کہا کہ فلموں میں بے بس عورتوں کا استحصال کیا جاتا ہے اور ان کی عریاں تصاویر کی عکاسی کی جاتی ہے ۔ دیہی علاقوں میں لڑکیوں کی تعلیم بھی ایک مسئلہ ہے ۔

پارٹی پوزیشن

کل نشستیں	۵۰۸
نتیجہ کا اعلان باقی	۱
کانگریس (آئی)	۴۰۱
تیلگو دیشم	۲۸
سی پی آئی ایم	۲۲
آل انڈیا انا ڈی ایم کے	۱۲
جنتا پارٹی	۱۰
کمیونسٹ (سی پی آئی)	۶
کانگریس (ایس)	۴
نیشنل کانفرنس (فاروق)	۳
ڈی ایم کے	۳
بی جے پی	۲
کانگریس (جے)	۱
آزاد و دیگر	۱۵

مہاراشٹر میں پارٹی پوزیشن

کل نشستیں	۴۸
کانگریس (آئی)	۴۳
کانگریس (ایس)	۲
جنتا	۱
پی ڈبلیو پی	۱
آزاد	۱

لوک سبھا کے کمسن ترین رکن

نیشنل اسٹوڈنٹ یونین آف انڈیا (آئی) سے تعلق رکھنے والے شری مکل واسنک لوک سبھا کے کمسن ترین رکن ہیں — بلڈانہ (مہاراشٹر) سے وہ چنے گئے ہیں — ان کی عمر ۲۵ سال ۲ ماہ ہے۔

بہار پارٹی پوزیشن

کل نشستیں	۵۴
نتائج کا اعلان	۵۳
کانگریس (آئی)	۴۸
جنتا پارٹی	۱
دلت مزدور کسان پارٹی	۱
کانگریس (جے)	۱
سی پی آئی	۱
آزاد	۱

ایک کا نتیجہ باقی ہے۔

بنگال پارٹی پوزیشن

نتائج کا اعلان	۲۰
سی پی آئی ایم	۱۱
فارورڈ بلاک	۱
سی پی آئی	۱
کانگریس (آئی)	۷

آندھرا میں پارٹی پوزیشن

کل نشستیں	۴۰
نتیجہ ظاہر	۴۰
تیلگو دیشم	۲۸
کانگریس (آئی)	۶
جنتا	۱
بی جے پی	۱
مارکسٹ	۱
کمیونسٹ	۱
کانگریس (ایس)	۱
مجلس	۱

سری کلم اور راجا پیٹھ میں دو آزاد امیدواروں کی موت کی وجہ سے الیکشن ملتوی ہوگیا۔ اب ۲۸ جنوری کو ہوگا۔

کشمیر میں پارٹی پوزیشن

کل نشستیں	۵
نتائج کا اعلان	۴
نیشنل کانفرنس (فاروق)	۳
کانگریس (آئی)	۱
باقی	۱

اروناچل پردیش (اسمبلی)

کل نشستیں	۳۰
نتائج ظاہر	۳۰
کانگریس (آئی)	۲۱ (ایک بلامقابلہ منتخب)
پیوپلز پارٹی	۴
بی جے پی	۱
آزاد امیدوار	۴

مدھیہ پردیش فائنل پارٹی پوزیشن

کل نشستیں	۴۰
نتائج کا اعلان	۳۹
کانگریس (آئی)	۳۹

ایک حلقہ (بھوپال) کا انتخاب باقی ہے ۔

گجرات پارٹی پوزیشن

کل نشستیں	۲۶
کانگریس (آئی)	۲۴
جنتا	۱
بی جے پی	۱
نتائج کا اعلان	۲۶

یو۔ پی فائنل پارٹی پوزیشن

کل نشستیں	۸۵
نتائج کا اعلان	۸۴
کانگریس (آئی)	۸۲
ڈی ایم کے پی	۲

ایک حلقہ میں الیکشن ملتوی کیا گیا ۔

گوا اسمبلی فائنل پارٹی پوزیشن

کل نشستیں	۳۰
نتائج کا اعلان	۳۰
کانگریس (آئی)	۱۸
گومنتک پارٹی	۸
گوا کانگریس	۱
آزاد	۳

یوتھ فورم :

'یوتھ فورم' کا مستقل فیچر، کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے ۔ اس فیچر میں قوم کی سماجی اور معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کے خاتمے اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے ۔

اپنے مضامین اس پتے پر مرحمت فرمائیں : ایڈیٹر 'قومی راج' نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، ۱۵ واں منزل، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

ایلکشن کی جھلکیاں




آٹھویں لوک سبھا کے انتخابات پر امن طریقے سے ۲۴ اور ۲۷ دسمبر ۱۹۸۴ء کو مہاراشٹر میں انجام پائے۔ بوڑھوں، اپاہجوں، نابیناؤں، ادیباسیوں اور مسلمان ووٹروں میں بڑا جوش وخروش پایا گیا۔ ایسے نوجوان جو پہلی مرتبہ حق رائے دہی کا استعمال کر رہے تھے، انہوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انتخابات کے موقع کی چند جھلکیاں پیش ہیں۔








وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری وسنت راؤ پاٹل ضلع سانگلی میں پرما لے مقام پر اپنا ووٹ ڈالتے ہوئے ۔

مسلمان خواتین پولنگ اسٹیشن پر روایتی برقعہ اوڑھے ہوئے ۔



۸۰ سالہ بزرگ شری سکاگینو نبدکو لے اور اپنی بیٹی کو گود میں لئے شریمتی سندھو آتمارام اپنے حق رائے دہی کا استعمال کرتے ہوئے دوسری طرف خواتین ووٹرس کی قطار ۔





شری مرلی مکند (۲۱ سال) ایک ادیباسی نوجوان بھی پہلی مرتبہ حقِ رائے دہی استعمال کر رہا ہے۔



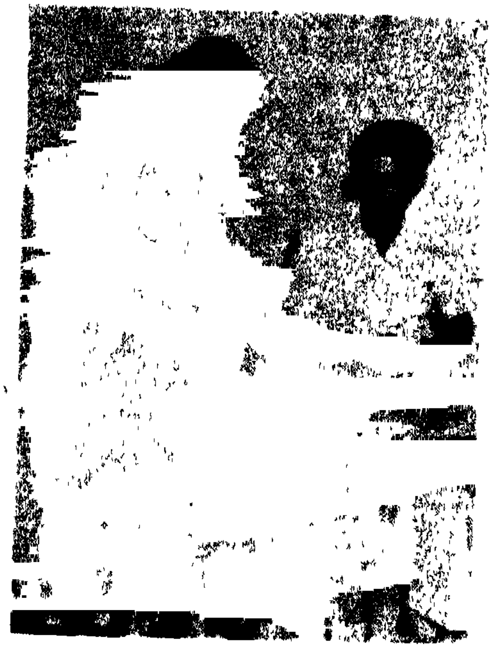
شبھانگی ورتک (۲۱ سال) پہلی مرتبہ اپنا ووٹ ڈال رہی ہیں۔

۱۰۵ سالہ ایکناتھ بنگلے اپنا ووٹ ڈالنے کے بعد واپس لوٹ رہے ہیں۔ ان کے پوتا پوتی ان کے ساتھ ہیں۔



لامن ونجارا خاتون (قبائلی) اپنا ووٹ ڈالتے ہوئے۔





شریمتی ونگی بائی شیو رام پاٹل اپنا ووٹ ڈال رہی ہیں۔

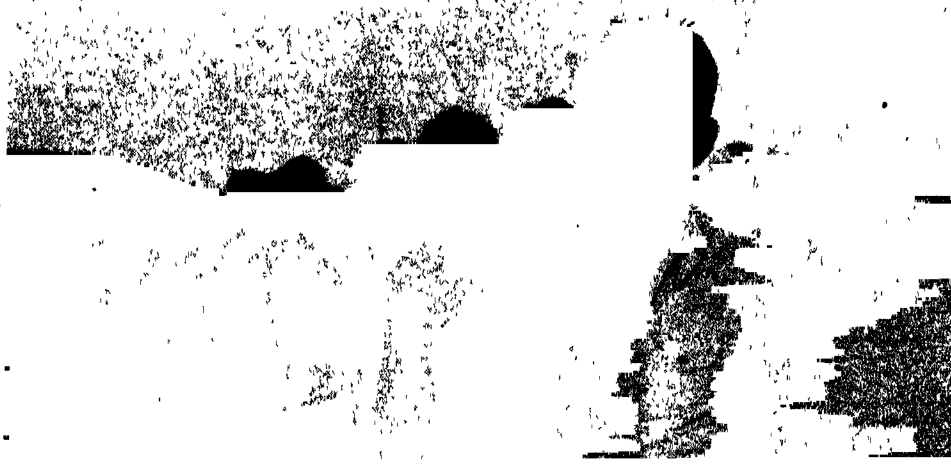


نابینا افراد نے بھی ووٹ ڈالے



برقعہ پوش
مسلم خواتین پولنگ بوتھ پر

محمد انصاری عبدل اپنا ووٹ ڈالتے ہوئے۔ سید سے ہاتھ پر مسلمان نوجوان ووٹ ڈالنے کیلئے اپنی باری کا انتظار کرتے ہوئے۔







ووٹوں کی گنتی کا منظر



۱۰۶ سالہ معمر خاتون
جمنا بائی گلانی، اپنا ووٹ ڈالتے ہوئے



ایک معمر ادیباسی خاتون
اپنا ووٹ ڈال رہی ہے۔

ایک معمر جوڑا پولنگ بوتھ کی جانب رواں



کیلنڈر حکومتِ مہاراشٹر ۱۹۸۵ء

جدوجہد آزادی کا ایک تابناک دور

ڈاکٹر بھیّا صاحب دونکو



۱۸۸۵ء تا ۱۹۴۷ء
ہندوستان کی تحریکِ آزادی کا تابناک دور
ڈائریکٹوریٹ آف گورنمنٹ پرنٹنگ
اینڈ اسٹیشنری، مہاراشٹر اسٹیٹ، بمبئی۔

۲۸ر دسمبر ۱۸۸۵ء کو انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد ڈالی گئی اور ہندوستان کو ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی ملی۔ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۴۷ء کا عرصہ ہماری جدوجہدِ آزادی کا ایک اہم ترین دور رہا۔ بہت سی تحریکیں اور احتجاجات اس دوران ہوئے، ہزاروں افراد متاثر ہوئے۔ سیکڑوں لوگ شہید ہوتے۔ اس دور کے سات اہم ترین واقعات کو حکومتِ مہاراشٹر نے ایک کیلنڈر کے روپ میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

ڈائریکٹوریٹ آف گورنمنٹ پرنٹنگ اینڈ اسٹیشنری نے ۱۹۸۵ء کے کیلنڈر میں انہیں شائع کیا اور کانگریس کے صد سالہ جنم دن کی یاد تازہ ہوگی۔ اس کیلنڈر میں تصاویر بنانے کا کام مجھے سونپا گیا۔ ان سات اہم واقعات کو مختصراً بیان کیا جارہا ہے۔

مہاراشٹر گورنمنٹ کیلنڈر کا ابتدا ہی سے یہ مقصد رہا ہے کہ وہ مہاراشٹر کی ثقافت، تعلیم، ترقی وغیرہ کا پرچار کرے۔ اب تک جن کیلنڈروں کی اشاعت ہوئی ہے۔ وہ مختلف مضامین پر مشتمل تھے۔ جیسے ہم عصر پینٹنگس، تین۔ مہنت۔ شاعروں کی نگاہوں کے مطابق طرزِ زندگی، کالیداس کے امر ڈرامے، شیواجی مہاراج کی زندگی اور ان کا مشن، دیواروں پر مراٹھا دور کی پینٹنگس، دکھنی طرز میں بھگوت گیتا پر پینٹنگس، راجہ کیلکر میوزیم وغیرہ۔ ان میں سے چار کیلنڈروں پر، نہایت عمدہ طباعت اور ڈیزائنین کے لئے آل انڈیا مقابلے میں انعامات ملے ہیں۔ اب تک مہاراشٹر کے سرکاری مطبعوں نے ۴۸ انعامات جیتے ہیں۔ ہندوستان میں کوئی دوسرا سرکاری پریس اس قابل نہیں ہے کہ وہ ریاستی حکومت کے مطبعوں میں چھپا ہے کے اس حیرت انگیز معیار کی پیروی کرسکے۔

کانگریس کا قیام

ہندوستانی عوام کی امیدوں اور امنگوں کو ابھارنے کے لئے اور ان کی صحیح نمائندگی کے لئے سر آلین اوہیوم نے ۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء کو انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں لایا۔ آپ نے سوچا کہ انگلستان کی طرح ہندوستان میں ایسی کوئی اپوزیشن پارٹی نہیں ہے جو حکومت کی پالیسیوں کی بابت عوامی احساسات و جذبات کی نمائندگی کر سکے ۔ اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ وہ ہندوستانی جو سیاست میں اپنا دخل رکھتے ہیں وہ سال میں ایک بار اکٹھا ہوں اور حکومت کو انتظامیہ کی خامیوں سے روشناس کرائیں اور ان خامیوں کو دور کرنے سے متعلق تجاویز پیش کریں ۔ اس وقت کے وائسرائے لارڈ ڈفرین نے کانگریس کے قیام کی اجازت دی تھی ۔ اس کانگریس کا پہلا اجلاس ۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء کو بمبئی کے گوکل داس تیج پال سنسکرت کالج میں منعقد ہوا ۔ شری ایش چندر بنرجی نے اس کی صدارت کی ۔ دادا بھائی نوروجی، جسٹس مہادیو گووند راناڈے ، سر فیروز شاہ مہتا ، سر دینشاہ واچا ، بدرالدین طیب جی ، سر سریندر ناتھ بنرجی، الفریڈ ویب اور کے ۔ ٹی ۔ تیلنگ ، جیسی مشہور و معروف ہستیوں نے اس میں شرکت کی ۔ اس پہلے اجلاس کا مقصد مخلص سیاسی و سماجی ورکروں کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع فراہم کرنا اور آئندہ سال کے لئے سیاسی اقدامات کا تعین کرنا تھا ۔ یہ پہلا اجلاس ہماری تحریکِ آزادی کا منبع تھا۔ جسے آگے چل کر تقویت ملی ۔

لوک مانیہ تلک کے مقدمے کی سماعت

برٹش حکومت نے کیسری کے دو اداریوں کو قابلِ اعتراض گردانا اور لوک مانیہ تلک پر مقدمہ دائر کیا ۔ ان اداریوں کے عنوان تھے "ملک کی بدقسمتی" اور " یہ اقدامات غیر مستقل ہیں"۔ اس مقدمہ کی سنوائی جسٹس داور کی عدالت میں ۱۳ر جولائی ۱۹۰۸ء کو شروع ہوئی اور ۲۲ر جولائی ۱۹۰۸ء کو ختم ہوئی ۔

رات کے ۸ بجے سے لوگوں کا ہجوم جج کا فیصلہ سننے کے لئے بے چین تھا ۔ دادا صاحب کھاپرڈے ، این ۔ سی کیلکر اور ستارا کے معروف وکیل کرندیکر جیسے تلک کے چاہنے والے عدالت

لوک مانیہ تلک کے مقدمے کی سنوائی کا ایک منظر

سودیشی تحریک کے دوران بابو گینو کی شہادت کا منظر

مہاتما گاندھی نے نمک کا قانون توڑنے کیلئے ڈانڈی یاترا کی ۔

قومی راج

ہیں موجود تھے۔ پورے ملک کو اس عدالتی فیصلے میں دل چسپی تھی۔

صرف دو قابلِ اعتراض اداریوں کی بنا پر لوک مانیہ تلک کو ۶ ماہ کی قید با مشقت اور ایک ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنا دی گئی۔ لوک مانیہ کی ضعیف العمری کو دیکھتے ہوئے لوگوں نے سوچا کہ اب، وہ جیل سے زندہ واپس نہیں لوٹیں گے۔

عدالت کے اس فیصلے کے جواب میں لوک مانیہ تلک کے الفاظ تاریخ میں سنہری حرفوں میں لکھے جاتے ہیں ——

"جیوری کے فیصلے کے باوجود میرا کہنا ہے کہ میں اپنی اس بات پر قائم ہوں کہ میں بے گناہ ہوں۔ ایسی بلند اور اعلیٰ طاقتیں بھی ہیں جو چیزوں کی یا مخلوقات کی قسمتوں پر حکمرانی کرتی ہیں اور ممکن ہے کہ مالک کی مرضی یہ ہو کہ وہ معاملہ، جس کی نمائندگی میں کر رہا ہوں، میرے آزاد رہنے کی بنا پر نہیں بلکہ میرے مبتلائے مصیبت رہنے کی بدولت زیادہ پھولے اور پھلے۔"

لوک مانیہ کی یہ آواز اس خدائی طاقت کو ظاہر کرتی ہے جو محبانِ وطن کے دلوں میں بسی ہوتی تھی۔ یہ لوگ تحریکِ آزادی کو مسلسل جاری رکھے ہوتے تھے۔ یہ زریں خیالات اس کورٹ کی دیواروں پر مستقل طور پر کندہ کر دیے گئے ہیں جہاں آپ کو یہ سزا سنائی گئی تھی۔

مہاتما گاندھی نے ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی کے گوالیا ٹینک میدان میں "ہندوستان چھوڑو" کا نعرہ بلند کیا۔

بابو گینو کی شہادت

سوتنتر ویر ساورکر نے فرگوسن کالج میں اپنے زمانۂ طالب علمی کے دوران غیر ملکی کپڑوں کی ہولی جلائی، لوگوں کے دلوں میں غیر ملکی مصنوعات کے خلاف نفرت پھیلنے لگی۔ غیر ملکی مصنوعات کے استعمال کو ترک کرنے کی تحریک زور پکڑنے لگی۔ لوک مانیہ تلک نے بھی تہہ دل سے اس تحریک کی حمایت کی۔ مہاتما گاندھی نے چرخے کو دیسی مصنوعات کی علامت بنا کر پیش کیا اور سودیشی تحریک کو تقویت بخشی۔ ۱۹۳۰ء میں تحریک عدم تعاون کو آگے بڑھانے میں سودیشی تحریک بے حد معاون ثابت ہوئی۔

بابو گینو ایک قلی تھے۔ اس تحریک کے لئے ان کی قربانی یہ

"چلو دلی" کا نعرہ لگانے کے بعد نیتاجی سبھاش چندر بوس اپنے ساتھیوں کے ساتھ دہلی کے لال قلعہ پر ترنگا لہرانے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔

۱۴-۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی نصف شب کو بھارت آزاد ہوا اور پنڈت جواہر لال نہرو نے آزاد بھارت کے پہلے وزیرِ اعظم کے عہدے کا حلف اٹھایا۔

ثابت کرتی ہے کہ یہ تحریک سماج کے چھوٹے سے چھوٹے طبقے تک پھیلی ہوئی تھی اور ان میں اس قدر مقبول تھی کہ وہ اس کے لئے جان کی بازی لگا دیتے تھے۔ بابوگینو کی یہ قربانی ملک گیر تحریکِ آزادی کی مضبوطی کی غماز تھی۔

ایک انگریز تاجر جارج فریزر نے ۱۲ دسمبر ۱۹۳۰ء کو پولس بندوبست کے ساتھ اپنی دکان پر برطانیہ میں تیار کیا گیا کپڑا بیچنے کا فیصلہ کیا۔ بابوگینو اس ہجوم میں شامل تھے جو اس کی مذمت و مخالفت میں مظاہرہ کررہا تھا۔ ہجوم سے تمام تر احتجاج کے باوجود برطانوی کپڑے سے لدی ہوئی ٹرک جب دکان کی جانب بڑھنے لگی تو اسے روکنے کے لئے بابوگینو اس کے سامنے لیٹ گئے اور وہ ٹرک انہیں کچلتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ جائے واردات ہی پر بابوگینو کی موت واقع ہوگئی۔ بابوگینو کی اس قربانی سے ہر شخص بشمول برٹش پولس کے متحیر تھا۔

شری کنہیالال منشی اس وقت کانگریس کمیٹی کے صدر تھے۔ عدالت کی اجازت سے انہوں نے بابوگینو کے جسدِ خاکی کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ بابوگینو کے جسدِ خاکی کو عوام کے درشن کی خاطر مانڈوی میں رکھا گیا۔ ان کی ارتھی مانڈوی، پایدھونی، عبدالرحمٰن اسٹریٹ، تامبا کانٹا، لوہار چال، کرافورڈ مارکیٹ کے راستوں سے لے جائی گئی۔ ارتھی میں لوگوں کا ایک جم غفیر شریک تھا۔ وار کونسل کی صدر شریمتی سینہ لتا ہجرت نے ان کی چتا میں آگ لگائی۔ شریمتی سینہ لتا ہجرت اور جمنا داس دوارکا داس نے ارتھی میں شامل لوگوں سے خطاب کیا۔ ایک برس تک ہر مہینے یومِ بابوگینو منایا گیا۔

ڈانڈی یاترا

انگریز حکومت نے ایک من (Maund) نمک پر ڈھائی روپیہ نمک ٹیکس عاید کیا تھا۔ نمک قدرت کا عطیہ ہے۔ اسے ہر شخص استعمال کرتا ہے۔ گاندھی جی نے محسوس کیا کہ غریبوں کو بلا وجہ اس ٹیکس کا بھار اٹھانا پڑ رہا ہے۔ لہٰذا انہوں نے بغیر ٹیکس ادا کئے ساحل سمندر سے نمک اٹھا کر لانے کا فیصلہ کیا۔ گویا انہوں نے قانون توڑنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ چنانچہ

وہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۰ء کی صبح ۶½ بجے سابرمتی آشرم سے ڈانڈی یاترا کے لئے چل پڑے۔ انہوں نے عہد کیا کہ اگر وہ اپنی تحریک میں کامیاب نہیں ہوئے تو آشرم نہیں لوٹیں گے۔ ڈانڈی یاترا کی جانب دنیا بھر کی نگاہیں مرکوز ہوگئیں۔ یہ یاترا ملک کی آزادی کی تڑپ کی غمازی کررہی تھی۔

۷ اپریل ۱۹۳۰ء کی صبح مہاتما جی نے اپنے پیروکاروں کے ہمراہ ساحلِ سمندر پر پرارتھنا کی۔ ۸½ بجے انہوں نے ایک چٹکی نمک اٹھایا۔ شریمتی سروجنی نائیڈو نے بڑے فخر کے ساتھ تحریک عدم تعاون کے آغاز کا اعلان کیا۔ انگریز حکومت کی پولس کا کوئی آدمی موجود نہیں تھا۔

ڈانڈی ستیہ گرہ کے بعد یہ تحریک ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ مہاتما گاندھی گرفتار کر لئے گئے۔ لوگوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مہاراشٹر میں بھی یہ تحریک وڈالا، ولے پارلے، شیروڈے، چیمبر، سولہ پور اور دیگر مقامات پر پھیل گئی۔ ملک بھر میں تقریباً ۷۵ ہزار لوگ گرفتار کئے گئے۔ بالآخر انگریز حکومت نے ہتھیار ڈال دیئے۔ مہاتما گاندھی رہا کئے گئے اور گول میز کانفرنس بلائی گئی۔

'بھارت چھوڑو' تحریک

۱۹۴۲ء کی تحریک جدوجہد آزادی کی ایک یادگار تحریک ہے۔ ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی کے گوالیا ٹینک پر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس میں انگریزوں سے بھارت چھوڑنے کے لئے کہا گیا۔

مہاتما گاندھی پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، سردار ولبھ بھائی پٹیل، ڈاکٹر راجندر پرشاد، شریمتی سروجنی نائیڈو، عبدالغفار خان، اچاریہ کرپلانی، چکرورتی راج گوپال اچاریہ اور دوسرے معروف رہنما اسٹیج پر بیٹھے تھے۔ مولانا آزاد اس وقت کانگریس کے صدر تھے۔ انہوں نے مکمل آزادی کا مطالبہ کیا۔ پنڈت نہرو نے کہا "ہم آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں ــ اس کے لئے ہم اپنی جانیں تک قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔"

مہاتما گاندھی نے دو گھنٹوں تک تقریر کی اور آزاد ہندوستان کا مطالبہ کیا۔ اس وقت ان کی آواز تمام ہندوستانیوں کی آواز تھی۔

انہوں نے کہا "میں آپکو ایک منتر دیتا ہوں۔ ایک چھوٹا سا منتر۔ میں چاہوں گا کہ آپ اسے اپنے دل پر نقش کرلیں تاکہ آپ کا ہر سانس آپ کو اس کی یاد دلائے۔ وہ منتر ہے "کرو یا مرو"، ہم یا تو ہندوستان کو آزاد کریں گے یا اس کوشش میں مارے جائیں گے۔ ہم اپنی غلامی کی بقا دیکھنے کے لئے زندہ نہیں رہیں گے۔" تقریر کے آخر میں انہوں نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور کہا "کل سے آپ سب آزاد ہیں۔"

اس دن علی الصباح انگریز حکومت نے مہاتما گاندھی کے ساتھ کانگریس کے لیڈروں کو گرفتار کرلیا۔ ملک بھر میں ان گرفتاریوں کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ تقریباً ۱۰۲۸ محبانِ وطن نے اپنی جانیں قربان کردیں۔ ہزاروں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ برٹش پولس نے ۵۰۰ سے زیادہ مرتبہ فائرنگ کی۔ لوگوں نے ۳۱۸ ریلوے اسٹیشن، ۱۹۲ پولس اسٹیشن اور ۳۰۹ پوسٹ آفسوں کو جلاکر خاک کر دیا۔ متعدد مقامات پر عوام کی حکومت قائم کی گئی۔ انگریز اقتدار کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔ آزادی کی صبح زیادہ دور نہیں تھی۔

آزاد ہند فوج

نیتاجی سبھاش چندر بوس کی قائم کردہ آزاد ہند فوج نے ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی تحریک میں بہادری کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران جرمنی اور جاپان نے برطانیہ اور اس کے رفقاء ممالک کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نیتاجی نے ایک نئی اسکیم وضع کی تھی جس کے تحت آزاد ہند فوج کے ذمہ ہندوستان سے باہر جنگ میں جرمنی اور جاپان کی مدد کرنا شامل تھا۔ نیتاجی ۱۷ جنوری ۱۹۴۱ء کو برطانیہ کی قید سے بھاگ نکلے اور جرمنی میں اپریل ۱۹۴۱ء میں ہٹلر سے ملاقات کی۔ ساڑھے تین ماہ کی مسافرت کے بعد وہ جاپان پہنچے اور وہاں جاپان حکومت کی مدد سے آزاد ہند حکومت کا اعلان کر دیا اور آزاد ہند فوج کو استحکام بخشا۔

ہندوستان سے باہر ہزاروں محبانِ وطن نے اس مقصد کے لئے دامے، درمے، سخنے ہر طرح سے مدد کی۔ ہزاروں فوجیوں نے حصولِ آزادی کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کا عہد کیا۔ نیتاجی نے اس موقع پر فرمایا: "کامریڈ! میرے نوجوان فوجیو، ہمارا نعرہ ہے چلو دہلی، ہم میں سے کتنے لوگ بچ نکلیں گے اس کا مجھے علم نہیں۔ البتہ میں اتنا جانتا ہوں کہ ہمارے ہیرو برطانوی سامراج کے ایک اور قبرستان یعنی پرانی دہلی یعنی لال قلعہ پر فتح و کامرانی کی پریڈ کرتے ہوئے چلے جائیں گے۔"

نیتاجی نے نئی دہلی میں اپنے ساتھی میجر جنرل شاہنواز، کرنل پی۔ کے سہگل، کرنل جی۔ اے ڈھلن، لفٹننٹ کرنل جگناتھ راؤ بھوسلے اور کیپٹن لکشمی سے بات چیت کر کے ترنگا لہرانے کا منصوبہ بنایا جس میں برطانوی فوج پر مشرق سے حملہ کرنے کا بھی منصوبہ شامل تھا۔

سنگاپور، پہانگ، انڈومان، منڈالیہ کو فتح کرتی ہوئی آزاد ہند فوج امپھال اور کوہیما کی سرحد پر پہنچی اور ہندوستانی ترنگا ہندوستان کی سرزمین پر ۱۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو لہرایا گیا۔

افسوس کہ نیتاجی کے منصوبے عملی جامہ نہ پہن سکے۔ جاپان کو جنگ میں شکست ہوئی اور آزاد ہند فوج کی سرگرمیاں ختم ہوگئیں اور جاپان نے اس بات کا اعلان کیا کہ نیتاجی کی موت ۱۷ اگست ۱۹۴۵ء کو ایک ہوائی جہاز کے حادثے کی وجہ سے ہوئی۔ نیتاجی کی بہادری کی کہانی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امر ہوگئی جو کہ تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھی گئی ہے۔

آزادی کی حصولیابی

آخرکار ۱۴۔ ۱۵ اگست کی آدھی رات کو بھارت آزاد قرار دیا گیا۔ محبانِ وطن کی قربانیاں رنگ لائیں۔ شہروں میں چراغاں ہوا۔ خوشیاں منائی گئیں۔ لاکھوں افراد سڑک پر خوشی سے ناچنے لگے۔ انسانوں کا سمندر امڈ پڑا۔

راشٹرپتی بھون کو اختیارات سونپ دیئے گئے۔ وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پنڈت جی کو پہلے وزیر اعظم ہند کی حیثیت سے حلفِ وفاداری اور رازداری دلوایا۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد ملک کے پہلے صدر بنائے گئے اور وزراء کی کابینہ میں چند اہم ترین نام یہ تھے۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل،

مولانا آزاد، سردار بلدیو سنگھ وغیرہ۔

پنڈت جی نے اپنی پہلی تاریخی تقریر میں کہا کہ آج جب کہ آدھی رات کے وقت پوری دنیا سو رہی ہے، بھارت جاگا ہے۔ اور اس نے آزاد زندگی کی جانب قدم رکھا ہے۔

تاریخ میں ایسے لمحات کم ہی آتے ہیں جب ہم پرانی دنیا سے نئے عہد میں قدم رکھتے ہیں۔ جب ہزاروں سال کے استحصال سے ایک قوم کھلی ہوا میں سانس لیتی ہے۔

پنڈت نہرو جی نے جمہوریت اور ایک جہتی کو سچی لگن کے ساتھ آزادی کے بعد کے ہندوستان میں فروغ دینے کے لئے جد و جہد کی۔ پنڈت جی کے پنچ شیل نے ناوابستہ تحریک کے ذریعے دنیا کو پُرامن رہنے کا ایک نیا راستہ دکھایا۔

پنڈت جی کے بعد لال بہادر شاستری جی نے بھارت کو "جے جوان، جے کسان" کا نعرہ دیا جس کی وجہ سے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں بھی پاکستان سے فتح حاصل ہوئی۔ اس کے بعد کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے ۲۰ نکاتی پروگرام کے ذریعے سماجی و معاشی مسائل کو حل کرنے اور غریبی ہٹانے کا بیڑا اٹھایا تھا۔

اب ہمارے چوتھے وزیر اعظم شری راجیو گاندھی اپنے پیش روؤں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے نئے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں تاکہ ہمارا مستقبل روشن رہے۔



یوتھ فورم

یوتھ فورم کا مستقل فیچر، کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنیوالے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے اس فیچر میں قوم کی سماجی، معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کا خاتمہ اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے

اپنے مضامین اس پتہ پر مرحمت فرمائیں: ایڈیٹر "قومی راج"، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، ۱۵ واں منزلہ، مقابل منترالیہ، ممبئی ۴۰۰۰۳۲

معین الدین جینابڑے
۶۴۷، شانتی نگر۔ چیمبور۔ بمبئی ۴۰۰۰۷۱

وؔلی۔ ایک مطالعہ

تقریباً تین سوا تین سو سال قبل جب وؔلی نے غزل گوئی اختیار کی اس وقت غزل کو وہ مقبولیت حاصل نہیں تھی جو آج اس کا حصّہ ہے۔ اُن دِنوں غزل میں مستقل طبع آزمائی کرنا کسی شاعر کے لئے باعثِ فخر امر نہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ محمد قلی قطب شاہ کے علاوہ دؔلی سے قبل اردو میں کوئی خالص غزل گو شاعر نہیں گزرا۔ غواصی[1]، نصرتی[2]، وجہی[3] اور ابنِ نشاطی کے شعری سرمایہ میں غزل کو ضمنی حیثیت حاصل ہے۔ محمد قلی قطب شاہ، ولی کا وہ واحد پیش رو ہے جس نے متعدد غزلیں کہیں اور غزل کی شعری ہیئت میں ان مضامین کو نظم کیا جو اس وقت اور آج بھی دیگر اصنافِ سخن مثلاً مثنوی کے موضوع متصوّر ہوتے ہیں۔

ولی نے تقریباً تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے لیکن ان کے کلیّات کا بڑا حصّہ غزلوں پر مشتمل ہے۔ ولی کی غزلوں کے بیشتر اشعار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی غزل گو شعراء سے متاثر تھے۔ ایک غزل میں انہوں نے یہ جدّت دکھائی ہے کہ فارسی شعراء کے ناموں کی مناسبت سے محبوب کے اوصاف بیان کئے ہیں۔

فارسی غزل گو شعراء سے وؔلی کی اثر پذیری کو تسلیم کرنے کے باوجود اسے غزل میں ان کی غیر معمولی دل چسپی کے جواز کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ ولی کے پیش رو دکنی شعراء فارسی غزل گو شعراؔ سے اس درجہ متاثر نہیں ہوئے کہ ان کے کلیّات کا بڑا حصّہ صرف غزلوں پر مبنی ہوتا۔ وؔلی اپنے متقدمین کے نقشِ قدم پر نہیں چلے۔ انہوں نے فارسی غزل گو شعراؔ سے اثر قبول کیا اور غزل کو وہ مقام عطا کیا جس پر وہ آج بھی نازاں ہے۔ یہ دلی کی غزل ہی تھی جس کی وجہ سے شمال کے فارسی زدہ استاد شعراؔ کو یہ احساس ہوا کہ بول چال کی زبان میں بھی اعلیٰ پایہ کی ادبی تخلیق پیش کی جا سکتی ہے۔ فارسی غزل گو شعراؔ سے اثر پذیری میں وؔلی کی تخصیص کی وجوہات کی دریافت ہی اس گتھی کو سلجھا سکتی ہے کہ وؔلی سے قبل

[1] ۔ غوّاصی نے مثنویوں کے علاوہ قصیدے، غزلیں، نظمیں، رباعیات، ترکیب بند اور مرثیے بھی لکھے ہیں۔ اس کی غزلیں گیتوں کے مزاج سے قریب تر ہیں۔ (۲۰۴۴) ؛ نمونۂ غزل صفحہ ۴۸۴، ۴۸۳ (جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو (جلد اوّل)

[2] ۔ صائب اور بیدل کی طرز پر نصرؔتی کی ایک فارسی غزل اور دو دکنی غزلیں ملتی ہیں
(محمد اکبر الدین صدیقی۔ بجھتے چراغ۔ صفحہ ۹۳-۹۱)

[3] ۔ فارسی دیوان۔ دکنی کی غزلیں۔ بعنوان گفتارِ وجہی (محمد اکبر الدین صدیقی۔ بجھتے چراغ صفحہ ۱۰۳-۱۰۱)
چند غزلیں قطب مشتری میں شامل ہیں۔

دکن میں کوئی خالص غزل گو شاعر کیوں پیدا نہیں ہوا ۔ ؟

ادب دراصل ماحول کی پیداوار ہے اور ماحول ہمیشہ تغیر پذیر ہوتا ہے اسی لئے ادب بھی ہمیشہ انقلابات سے دوچار ہوتا رہتا ہے ۔ ادب میں جب بھی انقلاب آیا ہے مواد اور ہیئت دونوں سطحوں پر آیا ہے ۔ کسی ایک سطح پر تبدیلی کا آنا محال ہے ۔ تبدیلی پہلے مواد میں آتی ہے اور جب تبدیل شدہ مواد مروجہ و مقبول ہیئت کی حدود میں رہ کر پوری طرح ادبی تخلیق کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا تو وہ خود بخود اپنے لئے کسی مناسب و موزوں ہیئت کا انتخاب کرتا ہے ۔ موضوع کی تبدیلی میں کچھ تو وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے احساس کا ہاتھ ہوتا ہے اور کچھ ادیب کی طبیعت کے میلان کا ۔

ولی سے قبل کا زمانہ دکن کی سیاسی خود مختاری اور دکنی تہذیب کے عروج کا زمانہ تھا ۔ فوجی، معاشی اور تہذیبی اعتبار سے دکن ایک منفرد اکائی کی حیثیت رکھتا تھا ۔

ادبا اور شعرا بادشاہوں کی درباداری کرتے تھے ۔ شاہی دربار تک رسائی اور درباری شاعر کے مرتبے کا حصول شاعر کی زندگی کا عین مقصد ہوا کرتا تھا ۔ دربار میں شاعروں کی حیثیت قصہ گو کی ہوتی تھی ۔ بادشاہ کی وقت گزاری اور تفنن طبع کی خاطر شاعر حسب ہدایت منظوم داستانیں لکھا کرتے تھے ۔ شاعری ہی ان کا ذریعۂ معاش تھی ۔ اس لئے وہ خود پسند بادشاہوں کی شان میں قصیدے کہہ کر ان کی انا کی تسکین کا سامان بھی فراہم کرتے تھے ۔ زر و جواہر سے نوازے جاتے تھے ۔ ان کے ذمے بعض اوقات تاریخ نگاری کا کام بھی دیا جاتا تھا[1] اس اطمینان کے ساتھ کہ دربار سے وابستہ شاعر بہر صورت بادشاہ کو تاریخی ہیرو ثابت کر دے گا ۔

غرضیکہ ادب بھی ایک کاروبار تھا اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کوئی کاروبار اظہارِ ذات کا وسیلہ کبھی نہیں بن سکتا ۔ شخصی وجود کے بقا کا ضامن ضرور ہو سکتا ہے ۔ اظہارِ ذات کے لئے ترفع کا ہی سہارا لینا پڑتا ہے ۔ جاگیردارانہ نظام میں پلنے والے ان ادیبوں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے وجود کی خاطر فن کا سودا کیا ۔ انہوں نے اپنے مفاد کو شاہی محلوں اور جاگیرداروں کی حویلیوں سے وابستہ کیا اور اس جاگیردارانہ نظام کی جڑیں مضبوط کرنے میں لگے رہے جس کی بنیاد عوام کے استحصال پر تھی ۔

ولی کے آتے آتے دکن کی سیاسی خود مختاری ختم ہو جاتی ہے سرزمینِ دکن پر مغل پرچم لہراتا ہے ۔ بظاہر یہ شاہی اقتدار کی منتقلی ہے لیکن سیاسی تبدیلی ہمیشہ معاشی، معاشرتی اور تہذیبی سطح پر اثر انداز ہوتی ہے ۔ جاگیردارانہ نظام قائم رہتا ہے لیکن نئے حالات میں اس کی خامیوں اور کمزوریوں کو مزید فروغ ملتا ہے ۔

ولی نے اسی بگڑتے ہوئے جاگیردارانہ نظام میں آنکھیں کھولیں ۔ یہ ولی کی خصوصیت ہے کہ وہ اس نظام کا جزو نہیں بنے ۔ انہوں نے عوام کا استحصال کرتے والوں کا ساتھ نہیں دیا ۔ ولی کی زندگی کا دامن منصب، جاگیر اور وظیفے کے دھبّوں سے پاک تھا ۔ ؎

نہیں منصب و جاگیر نہیں روز وظیفہ
تجھ نام کا ہر روز وظیفہ ہے ولی کوں

اسی پاک دامنی کے صدقے میں ولی کو اظہارِ ذات کی وہ آزادی حاصل ہوئی ۔ جس سے ان کے پیش رو محروم تھے ۔ ولی نے اس آزادی کا استعمال اپنی طبیعت کے میلان اور جولانی کے تحت تصوف و حسن پرستی کے اظہار کے لئے کیا ۔ درج ذیل شعر میں "ہمہ اوست" کی کیفیت ملاحظہ کیجئے ۔ ؎

عیاں ہے ہر طرف عالم میں حسنِ بے حجاب اس کا
بغیر از دیدۂ حیراں نہیں جگ میں نقاب اس کا

ولی کے نزدیک عقل کی کیا حیثیت ہے ملاحظہ کیجئے ؎

دریا میں بیم کے یاں گرداں ہے کشتیٔ عقل
اس موجِ شعلہ زن میں کیا آسرا ہے خس کا

دریائے بیم کو ولی نے آگ کا شعلہ زن دریا کہہ کر عقل کو خس و خاشاک کی طرح حقیر بتایا ہے ۔ غور کیجئے یہ شعر اقبال کے مندرجہ ذیل شعر سے بھی کس قدر بلند ہے ۔ ؎

---

[1] ۔ علی نامہ تفصیل کیلئے دیکھئے جمیل جالبی : تاریخ ادب اردو (جلد اول) (۳۴۹-۳) علی نامہ، مرتبہ عبد المجید صدیقی ۔ مطبوعہ سالار جنگ دکنی پبلشنگ کمیٹی ۱۹۵۹ء

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

ولی کی نظر میں عشق کا درجہ کس قدر بلند ہے ؎

عارفاں پر ہمیشہ روشن ہے
کہ فنِ عاشقی عجب فن ہے

ولی آتے ہیں راہِ عشق میں وہ
کہ جن کو استقامت کا عصا ہے

اے ولی طرزِ عشق آساں نئیں
آزمایا ہوں میں کہ مشکل ہے

اس کے ساتھ ہی حافظ کا مطلعِ دیوان ملاحظہ فرمائیے۔

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً وناولہا
کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکل ہا

اور پھر میر کے ان اشعار کا بھی لطف لیجئے ؎

ہوگا کسی دیوار کے سائے کے تلے میر
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

ولی کے یہاں عشق کا درجہ بہت بلند ہے۔ ؎

طریقۂ عشق بازاں کا عجب نادر طریقہ ہے
جو کوئی عاشق نئیں اس کو مسلماں کر نہیں گنتے

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

در وادیٔ حقیقت جس نے قدم رکھا ہے
اول قدم ہے اس کا عشقِ مجاز کرنا

معلوم ہوتا ہے یہ شعر کہتے وقت ولی کے ذہن میں جامی کا درج ذیل شعر تھا ؎

متاب از عشق رو گرچہ مجازیست
کہ آں بہر حقیقت کار سازیست

ولی معاملاتِ عشق میں دل ہی کو ہمراز و ہم سفر بناتے ہیں۔ عقل پر تکیہ نہیں کرتے۔ ؎

ہے پہنچنے کا سامان کچھ کوں مدعا کے
دریائے عاشقی میں دل کوں جہاز کرنا

اور دل بھی وہ جسے تصوف کی اصطلاح میں قلبِ مصفّٰی و مجلّٰی کہا جاتا ہے ؎

کیوں نہ ہو مظہرِ تجلیٔ یار
کہ دلِ صاف مثلِ درپن ہے

مجکوں پہنچی ہے آرسی سوں یہ بات
صاف دل وقت کا سکندر ہے

حاصلِ عشق وصل و دیدارِ یار ہوتا ہے۔ اس کی اہمیت کو ولی نے کس خوبصورتی سے بیان کیا ہے ؎

مدرس مدرسے میں گر نہ دیوے درس درشن کا
تو اس کوں عاشقاں استاد کامل کر نہیں گنتے

اس شعر میں ولی نے مرشد کامل کی ضرورت پر بھی روشنی ڈالی ہے اسی خیال کو اقبال نے مندرجہ ذیل اشعار میں پیش کیا ہے ؎

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت اے دوست
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے

وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایمان ہے۔ ولی اس کی اہمیت پر یوں زور دیتے ہیں ـــ

رہیں گے خاک ہو تیری گلی میں
وفاداری ہماری اس قدر ہے

ولی نے عشق کا ذکر کرتے ہوئے ان بوالہوسوں کی بھی خبر لی ہے جن کی وجہ سے آبروئے شیوۂ اہلِ نظر لٹ جاتی ہے ـــ

گزر ہے تجھ طرف ہر بوالہوس کا
ہوا دھاوا مٹھائی پر مگس کا

ولی عشق اور تصوف کے سہارے مستِ مئے پندار ہو کر بھی دینِ شریعت اور خانقاہی نظام کی پابندی ضروری سمجھتا ہے۔ عشقِ الٰہی کے ساتھ وہ عشقِ رسول کا بھی متوالا ہے اور حضور کی شفاعت کا متمنی ہے ـــ

حشر کا خوف ولی کو تو نہیں ہے واللہ
ہے شفاعت جو واں احمدِ مختار کے ہاتھ

نہ ڈر روزِ محشر ستی سیّدا
کہ آلِ نبی پر نہ آوے گی آل

ہم کوں شفیعِ محشر و دیں پناہ بس ہے
شرمندگی ہماری عذرِ گناہ بس ہے

ولی کے اس آخری شعر کے ساتھ غالبؔ کے اس شعر کا بھی لطف لیجئے ـــ

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

ولی مذہب کی ظاہر داریوں کو خاطر میں نہیں لاتے وہ جانتے ہیں کہ ملتوں کے مٹ جانے کے بعد ان کی فرسودہ رسمیں جزوِ ایمان بن جاتی ہیں۔ ولی سبحہ و زنار میں فرق نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک دونوں ایک ہیں ـــ

گرچہ ہے طالب آزادگی
بندِ مت ہو سبحہ و زنار کا

تسبیح تیری زلف کوں کہتے ہیں صنم
یک تار دے کہ رشتۂ زنار کر رکھوں

درجِ ذیل اشعار میں خانقاہی نظام کی اخلاقی قدروں کا پاس ملاحظہ کیجئے ـــ

سیہ رو ولی نہ لے جا حشر میں دنیا تے فانی سوں
سیہ نامے کوں دھو لے بے خبر انجھواں کے پانی سوں

نزکِ جاناں کے گر تحفہ لے جانا ہے تو اے دانا
لے جا گلدستۂ اعمال باغِ زندگانی سوں

خاطر سوں گئی ہے خواہش اسبابِ دنیوی کے
ہمت برہ کی رہ میں مجہ زادِ راہ بس ہے

سختی کے بعد عیش کا امیدوار رہ
آخر ہے روزہ دار کو اک روز عیدیاں
سب کام اپنے سونپ کے حق کوں نچنت رہ
یہ ہے تمام مقصدِ گفت و شنیدیاں

ولی ایک آزاد طبع صوفی منش فرد تھا۔ احساس کی شدت جذبہ کی اُمنگ اور طبیعت کی موزونیت نے اسے شاعری پر مجبور کر دیا۔ قصیدہ گوئی اس کی فطرت نہیں تھی۔ وہ دربار داری سے کوسوں دور تھا۔ قصے کہانیاں اور مثنویوں سے دل بہلانا اس کے مزاج کے خلاف تھا۔ لے دے کر غزل ہی ایک ایسی صنفِ سخن رہ گئی تھی جس میں وہ کھل کر حقیقت و مجاز کی باتیں تصوف کے رنگ میں کہہ سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے غزل کی ہیئت کو اپنایا، عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی کے لطیف موضوعات کو اپنے مواد کے طور پر استعمال کیا۔

اس صنفِ سخن اور اس مواد کے ساتھ وہ اپنے دور کا ایک ایسا قدآور شاعر ہے کہ اس کے معاصرین میں سے (جو ضرور کہیں نہ کہیں موجود ہوں گے) کوئی اس کی ہمسری

(باقی صفحہ ۳۵ پر)

تبصرہ

تبصرہ نگار :—
ظفر ادیب۔ دفتر انجمن ترقی اردو (ہند)
کوچہ پنڈت علی غزل۔ دہلی ۶

ہمارے قومی ہیرو

مصنف : اندرجیت لال

ملنے کا پتہ : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار دہلی : بمبئی علی گڑھ کی شاخوں سے —

ماڈرن پبلشنگ ہاؤس ۹ گولہ مارکیٹ۔ دریا گنج دہلی۔

صفحات : ۱۶۸ سائز : $\frac{20\times30}{16}$ قیمت : ۲۳ روپے

اندرجیت لال اردو کے جانے پہچانے مصنف ہیں۔ انہوں نے سائنسی موضوعات میں اختصاص کی حیثیت حاصل کی ہوئی ہے۔ ان کی دسیوں تصانیف ہیں جن میں سائنس کے علاوہ دوسرے موضوعات سے متعلق بھی کئی کتابیں ہیں۔

"ہمارے قومی ہیرو"، قومی یک جہتی کے نقطۂ نظر سے نہایت اہم کتاب ہے۔ یہ مہاتما گاندھی، علامہ اقبال۔ سوامی رام تیرتھ۔ راجہ رام موہن رائے اور ڈاکٹر ذاکر حسین، عنوانات پر مشتمل ہے۔

ہندوستان کی تاریخ اور تہذیب "کثرت میں وحدت" دیکھنے کا شعار رکھتی ہے اور یہی صحیح جمہوریت کی بنیاد بھی ہو سکتی ہے حالیہ دور میں یہ "کثرت میں وحدت" مہاتما گاندھی کے ہاتھوں پروان چڑھی اور ہر اعتبار سے وہی اس وحدت کی نمائندہ شخصیت رہے۔ انہوں نے نہ صرف اپنی نظریاتی روش بلکہ اپنی عملی زندگی سے بھی اس امر کا ثبوت دیا۔ سوامی رام تیرتھ وحدت الوجود — اور فنا فی الذات کا شعور رکھنے والے روحانیت کے روشن مینار تھے۔ انہوں نے قومی زندگی کی بنیاد بننے والے صالح خیالات پیش کئے جن سے انسان کی عظمت بحیثیت انسان ابھر کر سامنے آتی ہے۔ راجہ رام موہن رائے سماجی برائیوں کو دور کرنے کے لئے کوشاں رہے اور ان برائیوں کو ہندوستانیوں کے ذہنوں سے ایک حد تک محو کر دیا جو ہندوستانیوں میں پسماندگی لائے ہوئے تھیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین ہندوستانی قومیت کے صحیح نمائندے تھے۔ ان کی تعلیمی اولیات کے علاوہ ان کا قومی اور تہذیبی شعار ان کی پہچان بن گیا تھا۔ ایسے سلجھے ہوئے صاف ذہن کے لوگ کہیں صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی عظمت اس میں ہے کہ انہوں نے ہر ایک آدمی کو انسان کی حیثیت سے دیکھا اور اس سے برتاؤ کیا۔ اقبال کا جہاں تک قومی شاعری سے تعلق ہے وہ نہایت محترم ہیں۔ ان کے بعد کے سیاسی نظریات سے قطع نظر وہ ایسے عالموں میں سے تھے جنہوں نے دنیا میں ہندوستان کا نام اونچا کیا۔ وہ بہر کیف ہندوستان کی قومی زندگی کا ایک اٹوٹ حصہ رہے۔ اسی لئے ہندوستان کے لئے قابلِ احترام ہیں۔

اندرجیت لال نے ان مختلف دائرہ ہائے عمل کے بزرگوں کے کردار اور عمل کی نہایت اعلیٰ عکاسی کی ہے۔

اپنی بات کے تحت اندرجیت لال اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :—

"ہماری مجلسی زندگی میں کئی ایسے مشاہیر ہماری قوم کے رہنما بنے، ایسے مشاہیر کو میں ان کی بے مثال زندگی، اخلاقی اوصاف فکر و نظر کی بلندی، وسیع القلبی اور خدمتِ خلق کی وجہ سے قومی ہیرو کے نام سے یاد کرتا ہوں۔"

اقبال کی شمولیت کا بجا جواز پیش کرتے ہوئے اندرجیت لکھتے ہیں "ان کے کلام و پیام کا اثر آج تک ہمارے دلوں پر ثبت ہے۔ علامہ اقبال بھی ایسے ہی ہیرو تھے جو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مفکر و عالم تھے، ہماری قوم کے کرم فرما، ہماری تقدیر کو تدبیر سے بدلنے والے ہیرو۔ وہ عملی انسان تھے — اور عمل ہمیشہ ان کا اصول رہا۔"

آخر میں اسی عنوان کے تحت لکھتے ہیں :— "ان پانچ قومی ہیروؤں کی کہانی ہمارے ملک کی کہانی ہے۔ ہماری تعلیم و تعمیر کی کہانی ہے — ہماری دیش بھگتی تمدن اور تقدیر کی کہانی ہے۔ ہمارے ماضی اور حال دونوں کی کہانی ہے۔ ان پانچوں ہیروؤں کا کمال اور عظمت ان کے اپنے اپنے شعبے میں ہے۔"

ان ہیروؤں کی کہانی ہمارے ملک کی ترقی و تعمیر کی کہانی ہے۔ ہماری دیش بھگتی تمدن اور تقدیر کی کہانی۔ ہمارے ماضی و حال دونوں کی کہانی — ان کی زندگی، اقوال، ایثار اور خدمات ہمیں اپنی ملکی ترقی و تعمیر میں بڑی راہ سجھاتی ہے، تاریخ میں ان مشاہیر کا نام و کام اتنا بیش قیمت ہے کہ اسے کسی حالت میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ سوانح عمری کے اعتبار سے اسے ایک کتاب ہی کا درجہ دیا جا سکتا ہے لیکن جہاں تک اس کا تعلق موضوع سے ہے — یہ اعلیٰ درجے کی کتابوں میں شمار کئے جانے کے لائق ہے۔ رواں دواں اسلوب نے اسے دل چسپ بھی بنا دیا ہے اور ایسی کتابوں کی پذیرائی ہونی چاہیئے۔

حیات وارثی
باغ الزار۔ لکھنو۔ ۳

قطعات

مشورہ

لفظوں کا خرچ روک کفایت شعار بن
دانشوروں میں بیٹھ علامت نگار بن
خدمت کے آئینے میں ہے مخدومیت کا عکس
فرقِ خودی جھکا کے عبادت گذار بن

اتحاد

اعتماد دھوکا ہے، اعتبار جھوٹا ہے
خود ہماری غفلت نے کارواں کو لوٹا ہے
کل کے ساتھ تھا جب تک موج تھا سمندر تھا
قطرہ خود نما ہو کر جنبشوں سے ٹوٹا ہے

تعلق

چھڑا ذکر تشنگی کا، مجھے جام یاد آیا
مرا نام جس نے پوچھا ترا نام یاد آیا
کبھی شوخیٔ صبا سے جو کلی کی نیند ٹوٹی
وہ لطیف جنبشِ لب وہ سلام یاد آیا

پیغام

دلوں میں عزم شفق رنگ اب ضروری ہے
بدل دو فکر کا آہنگ اب ضروری ہے
حدوں سے بڑھنے لگا ہے غرور تیرہ شبی
نئی سحر کے لئے جنگ اب ضروری ہے

شری راجیو گاندھی صفحہ ۲ سے آگے

نئی دہلی کے صفدر جنگ فلائینگ کلب میں تربیت حاصل کرنے کے بعد آپ نے کمرشیل پائیلٹ کا لائسنس حاصل کیا — اور انڈین ایر لائینس میں معاون پائیلٹ بنے۔

آپ مئی ۱۹۸۱ء تک انڈین ایر لائنس کی ملازمت میں رہے۔ ملازمت سے مستعفی ہوتے وقت آپ فاکر فرینڈشپ ایئر و ایئر کرافٹ ان طیاروں کے کیپٹن تھے۔

استعفے سے قبل آپ نے بوئینگ ۷۳۷ کے معاون پائیلٹ کی تربیت بھی حاصل کی تھی۔

سیاست میں آپ کی شرکت کے باقاعدہ اعلان کے بعد آپ نے امیٹھی حلقۂ انتخاب سے لوک سبھا کی نشست کے لئے کاغذات نامزدگی داخل کئے۔ اِس سے قبل اِس حلقۂ انتخاب سے آپ کے برادرِ خورد آنجہانی شری سنجے گاندھی منتخب ہو کر آئے تھے۔

۲ فروری ۱۹۸۳ء کو آپ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری بنے۔

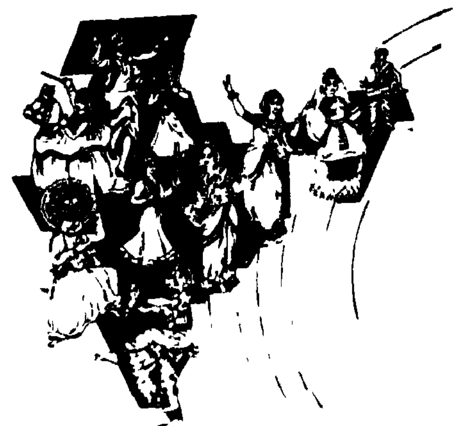
قارئین سے ضروری گذارش

"قومی راج" کے بارے میں ہمیں آپ کی گراں قدر رائے کا انتظار ہے۔ اس سلسلے میں ایک "سوالنامہ" اس شمارے کے ساتھ منسلک ہے۔ ازراہ کرم اسی سوالنامے پر اپنا جواب، اپنی رائے اور مفید مشورے تحریر فرما کر سپرد ڈاک کر دیں۔ آپ کو ڈاک ٹکٹ چسپاں کرنے کی ضرورت نہیں ہے — ڈاک خرچ ادارہ ادا کرے گا۔

(ایڈیٹر)

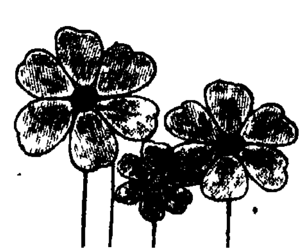
واحد پریمی
نزد گنوری اسکول۔ بھوپال ۴۶۲۰۰۱

سالِ نو



اس طرح آئے

ختم ہو جائے نفرتوں کی خزاں
ہر طرف پیار کی بہار آئے
سالِ نو اس طرح وطن کے لئے
کاش پُر کیف و خوشگوار آئے



لطفی رضوانی
سلور کاٹیج بسی نیس۔ کراس کینڈل روڈ
ماہم، بمبئی ۱۶

دنیائے عمل

تقدیر پہ اپنی کبھی رونا نہیں اچھا
امید سے ہاتھ اس طرح دھونا نہیں اچھا
دنیائے عمل میں کبھی راتیں نہیں آتیں
اور دن کو کسی حال میں سونا نہیں اچھا

فَاعْتَبِرُوا....

میں نے افلاک سے گرتے ہوئے گھر دیکھے ہیں
دفعتاً بدلے ہوئے شام و سحر دیکھے ہیں
جن سروں میں تھی ہوا، بندوں کو ٹھکرانے کی
ٹھوکریں کھاتے ہوئے میں نے وہ سر دیکھے ہیں

رازِ مسرت

گردشِ آسماں سے گھبرا کر!
لوگ قسمت کو اپنی روتے ہیں
اور ہم گردشوں کو ٹھکرا کر!
غم اٹھاتے ہیں، شاد ہوتے ہیں

دوست

جس بات سے زبان ہے قاصر نہ پوچھئے
احباب کا تعلق خاطر نہ پوچھئے
باطن کی خوبیاں تو جو کچھ ہیں وہ ہیں مگر
کتنا نظر فریب ہے ظاہر نہ پوچھئے

سیلِ حوادث

بے آب ہے اگر آبِ صدف بند نہیں
بے کیف ہے گر نغمہ خوش آئند نہیں
ایک سیلِ حوادث ہے جوانی لطفی
جذبات جو اخلاق کے پابند نہیں

غزلیں

کامل چاند پوری

ب کبھی ذہن میں احساس کے بادل پھیلے
ں لگا جیسے کسی شوخ کا کاجل پھیلے

یار کی بات چھپانے سے کہیں چھپتی ہے
یہ وہ خوشبو ہے جو پھیلے تو مسلسل پھیلے

ب کسی شب تری یادوں کی دھنک لہرائی
برے خوابوں میں کئی رنگ کے آنچل پھیلے

ندی جسم ترا اُبا ہیں ہیں شاخِ صندل
چلی جائے جدھر خوشبوئے صندل پھیلے

دمی نے تجھے گلزار بنایا ہے زمیں
رنہ صدیوں تری آغوش میں جنگل پھیلے

مناظر حسن شاہین

مڈل اسکول لکشمی پور۔ ڈاکخانہ: لکشمی پور
براستہ چاکند۔ ضلع گیا۔ بہار ۸۰۴۴۰۴

صحنِ چمن میں جب پت جھڑ کے سائے تھے
پھر بھی ہم نے ہر سو پھول کھلائے تھے
وقت پڑا تو اپنوں نے منہ موڑ لیا
غیر جو تھے وہ غمخواری کو آئے تھے
کس کو کرتے پیش تبسّم کا تحفہ
بزم میں دیکھا سارے لوگ پرائے تھے
ہجر میں تیرے اور بڑھی کچھ تاریکی
دل میں گرچہ لاکھوں دیپ جلائے تھے
من کی کوئل کوک اُٹھی تھی پل بھر میں
کالے بادل جب آکاش پہ چھائے تھے
درد، خلش، تنہائی، آنسو اور آہیں
بزم سے اُن کی کیا کیا تحفے لائے تھے
اس کی منزل دُور ابھی تھی، اور شاہینؔ
آبلہ پا تھا شام کے بڑھتے سائے تھے

ممنون قنوجی

قنوج - ۲۰۹۷۲۵
فرخ آباد (یو۔پی)

دیکھتا کوئی میرا چہرہ کیا
آسماں کا زمیں سے رشتہ کیا
غم، خلش، اضطراب، بے تابی
حُسن والوں سے اور ملنا کیا
خود طلب کی تھی روشنی میں نے
گھر تو جلتا تو اور ہوتا کیا
شہر کا شہر ہے لئے پتّھر
میری دیوانگی کا ہوگا کیا
آج تک ہیں اسی خمار میں ہم
چشمِ میگوں سے اس نے دیکھا کیا
جس کا محرومیاں مقدر ہوں
وہ کسی دوسرے کو دے گا کیا
عشق والوں کے سامنے ممنونؔ
یہ سمندر یہ آگ و دریا کیا

غزلیں

عبدالستار طاہر بھڑگانوی
ادن والا چال روم ۱ ۔ پائپ روڈ کرلا
بمبئی ۴۰۰۰۷۰

✻

جو تعصب سے گریزاں نہیں ہونے پاتے
کچھ بھی ہو جائیں وہ انساں نہیں ہونے پاتے

سر فروشانِ محبت کی ہے پہچان یہی
کوئی عالم ہو ہراساں نہیں ہونے پاتے

یوں بھی رو لیتے ہیں جب یاد تری آتی ہے
اشک آنکھوں سے نمایاں نہیں ہونے پاتے

کس قدر ہے انہیں احساس خود آرائی کا
رُخ پہ گیسو بھی پریشاں نہیں ہونے پاتے

طور و فاراں کی قسم دیر و حرم کی سوگند
اُن کے جلوے کبھی ارزاں نہیں ہونے پاتے

یوں تو مانوس ہیں ماحولِ چمن سے ہم بھی
کیا کہیں پھر بھی غزل خواں نہیں ہونے پاتے

لاکھ طوفان و حوادث میں گھرے ہوں طاہر
حوصلہ مند پریشاں نہیں ہونے پاتے

حباب ہاشمی
سب انسپکٹر آف اسکولس، پرتاپ گڑھ (یو۔پی)

✻

پھر جنوں سلسلہ جنباں نظر آتا ہے مجھے
دور تک ایک بیاباں نظر آتا ہے مجھے

وحشتِ دل کا بُرا ہو کہ خود اپنا دامن
آپ کا گوشۂ داماں نظر آتا ہے مجھے

مرحبا اپنی گُل افشانیٔ خونِ دل سے
اب تو زنداں بھی گلستاں نظر آتا ہے مجھے

وہ کہ سفاک و جفاکش و خود آرا تھا بہت
کس لئے آج پشیماں نظر آتا ہے مجھے

میری آشفتہ مزاجی مرے کام آ ہی گئی
آج وہ بھی تو پریشاں نظر آتا ہے مجھے

جس کو غرّہ تھا بہت اپنی خرد مندی کا
وہ بھی اب چاک گریباں نظر آتا ہے مجھے

دل کا کیا حال بیاں ہو تری فرقت میں حبابؔ
اک چراغ تہہ داماں نظر آتا ہے مجھے

جلیل ساز
مومن پورہ
ناگپور ۔ ۴۴۰۰۱۸

✻

ندی کی ریت پر لیٹا ہوا ہوں
مگر برسات سے سہما ہوا ہوں
ہزاروں بار اکٹھا بھیڑ کی ہے
ہزاروں بار میں تنہا ہوا ہوں
کہوں سچ تو مجھے مصلوب کر دیں
میں ایسی قوم میں پیدا ہوا ہوں
مرے قبضے میں دریا اور سمندر
مگر کیوں پیاس کا مارا ہوا ہوں
ہتھیلی آنکھ پر رکھ دو تو سو لوں
ہزاروں رات کا جاگا ہوا ہوں
مری خواہاں رہی کوئی زلیخا
کسی بلقیس کا چاہا ہوا ہوں
زمانہ پھول برساتے کہ پتھر
تمہارے شہر میں آیا ہوا ہوں
ہوا احساس مجھ کو تم سے مل کر
کہ اپنے آپ سے بچھڑا ہوا ہوں
زمانہ دھول بن کر اُڑ گیا ہے
مری قسمت کہ نقشِ پا ہوا ہوں
مرے پیچھے ہزاروں راہرو تھے
ارے تو یہ کہاں تنہا ہوا ہوں
مرے ماضی سے پھر مجھ کو ملا دو
میں پچھلی زندگی بھولا ہوا ہوں
خوشی ہوتی تھی جن سے سازؔ مل کر
ان ہی سے مل کے آزردہ ہوا ہوں

غزلیں

رونق شہری

لکچرر شعبہ اردو چاس کالج،
چاس ۔ بوکارو،
(دھنباد) ۸۲۸۱۱۱
(بہار)

جھیل سوکھی کشتیاں جلنے لگیں
دھوپ میں آبادیاں جلنے لگیں
اس کی آنکھیں جب ہوئیں گیلی بہت
میری لکھی چٹھیاں جلنے لگیں
سانحہ یہ ہے چھوا اس کو نہیں
اور ہماری انگلیاں جلنے لگیں
جب وجود اپنا دھواں دینے لگا
آپ کی پرچھائیاں جلنے لگیں
سونے چاندی سے لہو ارزاں ہوا
پھر بہو اور بیٹیاں جلنے لگیں
ریت اندر کی بھی سورج بن گئی
پانیوں میں مچھلیاں جلنے لگیں
جھوٹ کہہ کر لوگ ٹھنڈے ہو گئے
وقت کی سچائیاں جلنے لگیں

★

اظہر شکیل

موتی کارنجہ ۔
اورنگ آباد

★

ہر رات وہ نیندوں کے عذابوں سے ڈرے گا
دیکھے گا اگر کوئی خواب تو خوابوں سے ڈریگا
گذریگا ہر اک شاخ سے دامن کو بچا کر
اب ہاتھ بھی آئیں تو گلابوں سے ڈریگا
چھیڑے گا سرِ راہ ہر اک پردہ نشیں کو
جھونکا نہ ہواؤں کا نقابوں سے ڈریگا
الٹے گا ورق کوئی تو تحریر ڈسے گی
پڑھتے ہوئے سنجیدہ کتابوں سے ڈریگا
پانی کا ستایا ہوا جو شخص ہے اظہر
صحرا کے سفر میں وہ سرابوں سے ڈریگا

★

فاروق جائسی

انسپکٹر کسٹمس، سینٹرل ایکسائز،
سیتاپور ۔ (یو پی)

★

شاہدِ معنی تو اپنی جادو داں منزل میں آ
میں ہوں شاعر میرے قرطاس و قلم کے دل میں آ
رہروِ ناکام تجھکو ہے جو منزل کی تلاش
آ مرے ہمراہ دشتِ سعیِ لاحاصل میں آ
واقفِ آلامِ اہلِ دہر ہونے کیلئے
اے مقدر کے ستارے قیدِ آب و گل میں آ
تو کمیں گاہِ خرد سے طنز کے پتھر نہ پھینک
تاب ہو تو امتحاں گاہِ حق و باطل میں آ
تجھ میں جو ہر ہے عمل کا تو مری تقلید کر
حال کا کیا غم رہِ تعمیرِ مستقبل میں آ
کوئی طوفاں سے جو کترا کر نکل آیا تو کیا
زورِ طوفاں توڑ کر تو دامنِ ساحل میں آ
تجھکو اپنا کر وہ کردیگا ہر اک انساں سے دور
تو نہ اے فاروق دامِ دشمنِ عاقل میں آ

★

خشک سالی کا جائزہ لینے کیلئے تمام پارٹیوں کی کمیٹی کی تشکیل

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاست میں خشک سالی سے متاثرہ علاقوں کا جائزہ لے کر وہاں راحت کے کاموں کے بارے میں مشورے دینے کے لئے وزیر اعلیٰ کی صدارت میں ایک آل پارٹی کمیٹی مقرر کی ہے۔

وزیر محصول اس کمیٹی کے نائب صدر مقرر کئے گئے ہیں۔ دیگر ممبران حسب ذیل ہیں :-

وزیر زراعت، وزیر مالیات، وزیر دیہی ترقی، وزیر رفاہ عامہ، وزیر آبپاشی، وزیر مملکت برائے محصول، وزیر مملکت برائے ضمانت روزگار اسکیم، وزیر مملکت برائے امداد باہمی، وزیر مملکت برائے باز آبادکاری۔ ودھان سبھا میں حزب مخالف کے لیڈر شری شرد پوار، ودھان پریشد میں حزب مخالف کے لیڈر شری دتا میگھے، سیاسی لیڈر شری این۔ایم کامبلے، سرو شری موتی رام لہانے، بن ساؤ ٹھاسنے، گنپت راؤ دیشمکھ، سودم دیشمکھ، ڈاکٹر ڈی سبرامنیم، دادا صاحب سبلے، بھگونت راؤ گائیکواڑ، سوریہ کانت پلانڈے، بھیا صاحب ٹھاکر اور آئی۔ این بھوسیکر (ایم ایل سی اور ایم ایل اے)

ریلیف کمشنر کو اس کمیٹی کا ممبر سکریٹری مقرر کیا گیا ہے۔

خاندانی بہبود پروگرام انعامات کی نئی اسکیم وضع

حکومتِ مہاراشٹر نے سال ۸۵-۱۹۸۴ء کے لئے آئی یو ڈی استعمال کرنے کی مقررہ نشانہ پورا کرنے میں کارکردگی کا مظاہرہ پیش کرنے والے ضلع پریشدوں میں واقع پنچایت سمیتیوں کے سبھاپتیوں اور گرام پنچایتوں کے سرپنچوں کو وہاں کے علاقائی روایت کے مطابق پگڑی یا شال اور ناریل دینے کی ایک نئی اسکیم کا اعلان کیا ہے۔

اس انعام کو حاصل کرنے کے لئے پنچایت سمیتی/گرام پنچایت کو ۱۰۰۰ نفوس میں سے کم از کم ۴۰ افراد کو آئی یو ڈی کے استعمال کروانے کے نشانے کو پورا کرنا ہوگا۔

اول یہ اسکیم سال ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران نافذ العمل ہوگی۔ انعامات کا اعلان ۳۰ جون ۱۹۸۵ء سے قبل کر کے اسے تمام ضلع پریشدوں میں ۱۵ اگست ۱۹۸۵ء تک تقسیم کیا جائے گا۔

۱۰۰۰ نفوس سے کم آبادی والی گرام پنچایتوں پر اس اسکیم کا اطلاق نہیں ہوگا۔

اس انعامی اسکیم کے تحت حکومت نے ہر ضلع پریشدوں کے چیف ایگزیکیٹو افسران کو ۲۰۰۰ روپے کی رقم پگڑی شال اور ناریل کے خرچ کے لئے دیئے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔

شریمتی ساوتری پھولے ایوارڈ

وزیر تعلیم شری سدھاکر راؤ نائیک نے ۲ جنوری کو تین مشہور سماجی خدمت گار خواتین شریمتی شکنتلا شنکر راؤ پاٹل کولہاپور، شریمتی رادھا بائی کسان لال جی گوئنکا، آکولہ اور شریمتی آشا تائی آنند راؤ واگ مارے اورنگ آباد کو حکومتِ مہاراشٹر کی طرف سے امسال شریمتی ساوتری بائی پھولے ایوارڈ کے لئے منتخب کئے جانے کا اعلان کیا۔

۵۰۰۰ روپے پر مشتمل یہ انعام ہر سال خواتین کی تعلیم، سماج کے کمزور طبقات سے تعلق رکھنے والے لڑکے لڑکیوں کو تعلیم دلانے اور وہ جنہوں نے سماجی مساوات کے لئے انتھک کوششیں کی ہیں، کو دیا جاتا ہے۔

حکومتِ مہاراشٹر نے شریمتی ساوتری بائی پھولے کی یاد میں انعام جاری کیا ہے جنہوں اپنی ساری زندگی خواتین میں تعلیم عام کرنے میں گزار دی۔ یہ انعام شریمتی ساوتری بائی کے جنم دن ۳ جنوری کو ہر سال دیا جاتا ہے۔

نیشنل یوتھ ہفتہ منانے کا اعلان

حکومتِ مہاراشٹر نے اقوام متحدہ کی طرف سے اعلان کردہ انٹرنیشنل یوتھ ایئر منانے کے فیصلے کو مدنظر رکھتے ہوئے امسال ۱۲ جنوری سے ۱۹ جنوری تک انٹرنیشنل یوتھ ہفتہ منانے کا اعلان کیا ہے جو کہ اتفاق سے سوامی وویکانند کا جنم سال بھی ہے۔

حکومت نے اس ہفتے کو منانے کے لئے رہنمایانہ خطوط بھی جاری کئے ہیں جن میں نوجوانوں کی ترقی سے موضوع پر سیمینار، مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، شریمتی اندرا گاندھی کی زندگی سے متعلق پند و نصیحت آمیز مقالے، نمائش اور مضمون نویسی کے مقابلے

تمام وغیرہ بھی شامل ہیں۔

اس موقع پر نوجوانوں کو درخت اگاؤ رضاکارانہ خدمات، ف صفائی مہم جیسے تعمیراتی کاموں کی طرف راغب کیا جائیگا۔ وہ ازیں نوجوانوں کی صلاحیتوں کو بیدار کرنے والے پروگراموں ل آوری کو فوقیت دی جائے گی۔

ے تے سٹی وارڈز
لاع نامہ کی اشاعت

حکومتِ مہاراشٹر نے پونے میونسپل کارپوریشن کے متوقع انتخابات کے لئے ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کی بنیاد پر ۸۵ رائے دہندگان وارڈوں اور مندرج جاتیوں کے لئے محفوظ ستوں کی تشکیل کو اپنے ایک اطلاع نامہ کے ذریعے مہاراشٹر ننٹ گزٹ غیر معمولی مورخہ ۱۴ر دسمبر ۱۹۸۴ء میں شائع کردیا ہے۔

۸۵ وارڈوں میں سے مندرج جاتیوں کے لئے آٹھ وارڈز محفوظ گئے ہیں جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:۔

سارس باغ، راستے واڑی، ٹمبر مارکیٹ، لوہیا نگر، کاسں واڑی ہیر انڈسٹریل اسٹیٹ گستور با سمارک اور لاہو گاؤں۔

اس اعلان نامہ کی کاپیاں میونسپل کمشنر پونے، میونسپل کارپوریشن فتر میں برائے اطلاع دستیاب ہیں۔

ہاراشٹر اسٹیٹ لاٹری سے
لگام کے ایک کلرک نے ۱۱ لاکھ روپے
اپہلا انعام جیتا

مہاراشٹر اسٹیٹ لاٹری نے بیلگام کے لرک کے سنہری سپنوں کو پورا کردیا۔

شری گروشاتیہ کنڈیہ ہیرے ماتھ بیلگام کی ایک چھوٹی سی پر کلرک کے طور پر کام کرتے ہیں۔ آپ گزشتہ اکتوبر میں رہ مہاراشٹر اسٹیٹ لاٹری کے ۱۱ لاکھ روپے کا پہلا رکہ انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب فرد ہیں۔

شری جی۔ آر بیڈگے ڈپٹی سکریٹری اور ڈائرکٹر آف اسمال ب اینڈ لاٹری نے بمبئی میں ۱۹ر دسمبر کو شری ہیرے ماتھ کو ٹکٹ نمبر ۵۰۲۰۳۰۹، زیڈ کے: پر مذکورہ رقم کا چیک پیش کیا۔

شری ہیرے ایک لاکھ روپے دیوستھان اور تعلیمی اداروں کو بطور عطیہ دیں گے۔ آپ کا ارادہ ایک لاکھ روپے سے بزنس کرنے کا ہے اور بقیہ رقم اپنی فیملی کے نام سے بنک میں جمع کریں گے۔

آئی۔اے۔ایس امتحان میں
شرکت کرنے والے امیدواروں
کے لئے رہنمائی

مہاراشٹر کاسموپولیٹن ایجوکیشن سوسائٹی کے بزنس اینڈ ایمپلائمنٹ گائیڈنس بیورو (کے۔بی ہدایت اللہ روڈ، یتو مودی خانہ، اینگلو اردو ہائی اسکول کیمپس، کیمپ پونے، فون نمبر ۲۶۲۸۸) نے آئی اے ایس امتحان میں شریک ہونے والے امیدواروں کی رہنمائی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

سول سروسیس اگزامینیشن ۱۹۸۵ء (آئی۔اے۔ایس) میں شرکت کے خواہشمند امیدوار یونین پبلک سروس کمیشن دہلی کے مقرر کردہ درخواستوں کے نمونے و دیگر تفصیلات درج بالا پتے سے صبح ۱۰ بجے سے شام ۵ بجے تک (کام کے دنوں میں) حاصل کر سکتے ہیں۔

نرسوں کیلئے
انعامات

حکومتِ مہاراشٹر نے سال ۸۰-۱۹۷۹ء اور ۸۱-۱۹۸۰ء کے لئے نرسنگ کے میدان میں بہترین خدمات انجام دینے والی ۵ تربیت یافتہ نرسوں اور ۵ بہترین اسٹوڈنٹس نرسوں کو انعامات پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

یہ انعامات یوم جمہوریہ ۲۶ر جنوری ۱۹۸۵ء کے موقع پر وزیرِ اعلیٰ کے ہاتھوں پیش کئے جائیں گے۔

پریل میں ہینڈ لوم نمائش

حکومتِ مہاراشٹر نے ۵ر جنوری سے ۳ر فروری تک بمبئی میں سینٹرل ریلوے میکانکس انسٹی ٹیوٹ گراؤنڈ۔ ڈاکٹر امبیڈکر روڈ۔ پریل میں ایک ہینڈ لوم نمائش و فروخت کا اہتمام کیا ہے جہاں خریداروں کو ۲۰ فی صد کی خصوصی رعایت دی جائے گی۔

یوم ہوم گارڈ تقریب

وزیرِ اعلیٰ نے ہوم گارڈ اور شہری دفاع کے کارناموں کو سراہا

وزیرِ اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل نے حال ہی میں بمبئی میں یوم ہوم گارڈ اور شہری دفاع اور مہاراشٹر ہوم گارڈ کے ۳۸ ویں سالانہ جشن کے اہتمام کردہ پروگرام کے موقع پر رسمی پریڈ کی سلامی لی۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیرِ اعلیٰ نے ہوم گارڈ اور شہری دفاع کے والنٹیروں کو مبارکباد دی کہ وہ بہت ہی چاق وچوبند ہیں اور قدرتی آفات اور دیگر مصیبتوں کے وقت وہ عوام کی خدمت کے لئے بڑی تندہی کے ساتھ مفید کام انجام دیتے ہیں۔ ہوم گارڈ شہریوں کی ایک تربیت یافتہ جماعت ہے جو ریاست اور عوام کی اندرونی حفاظت کا کام انجام دیتی ہے۔ اس کے والنٹیر فوری مدد، آگ سے بچاؤ اور ابتدائی صحت اسکیموں وغیرہ سے عوام کی خدمت کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہوم گارڈ کے ادارے عوام کو تربیت دینے میں مدد کرتے ہیں۔ تاکہ بوقت ضرورت سماج کی مدد میں سہولت حاصل ہو۔

وزیرِ اعلیٰ نے کراٹے، اونچی عمارتوں سے کوہ پیمائی تکنیکوں کے ذریعے بچاؤ کے طریقے، آگ سے بچاؤ، ذاتی تحفظ وغیرہ جیسے مظاہروں کا معائنہ کیا اور ان مظاہروں کو پیش کرنے والوں کی ہمت افزائی کی۔

اس قسم کی تربیتیں نوجوانوں کی جسمانی صحت کے لئے بہت مفید ہیں۔ آخر میں وزیرِ اعلیٰ نے فرمایا کہ ہوم گارڈ کے ادارے نے ہر بُرے وقت عوام کی خدمت کی ہے اور آپ نے یہ امید ظاہر کی کہ اس کے والنٹیر مستقبل میں بھی عوام کی ایسی ہی خدمات انجام دیتے رہیں گے۔

اس تقریب کی صدارت شری شیواجی راؤ دیشمکھ، وزیرِ مملکت برائے داخلہ نے کی۔

اس سے قبل شری ایم۔ ایس کسبیکر کمانڈنٹ جنرل ہوم گارڈ اور ڈائرکٹر آف سول ڈیفنس نے اپنے استقبالیہ خطبہ میں ان خدمات سے وابستہ اداروں کے کارناموں اور کارروائیوں کا ایک جائزہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ لوک سبھا کے انتخابات میں تقریباً ۲۵۰۰۰ ہوم گارڈ اور ۱۲۰۰۰ شہری دفاع کے والنٹیر پولس کی ضروری خدمات میں مدد دیں گے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ریاست میں جب وزیرِ اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے قتل کے سبب ریاست کے کچھ علاقوں کے حالات بگڑے تو تقریباً ۱۴۰۰۰ ہوم گارڈوں نے پولس کی مدد کی اور نظم وضبط کو برقرار رکھا۔ تقریباً ۱۰۰ ہوم گارڈ ریاست میں ایسی خدمات کے لئے متعین ہیں۔ شری کسبیکر نے ان اداروں کی طرف عوام کو پہنچائی جانے والی خدمات کو مستقبل میں جاری رکھنے کی یقین دہانی کرائی۔

وزیرِ اعلیٰ نے درجِ ذیل ہوم گارڈوں اور شہری دفاع کے والنٹیروں کو ان نمایاں خدمات کے صلے میں ستائشی سرٹیفکیٹ دیئے۔ سرو شری اے۔ آئی۔ بھنسالی، ایم۔ ایف۔ دیولانی والا، این۔ ایچ دوارکا داس (یہ تمام حضرات ہوم گارڈ بٹالین کے کمانڈر ہیں)، وی۔ ایچ مورے، ہوم گارڈ پولس کمانڈر، کسان پیریکر، اے۔ اے گائیکواڑ، بی۔ جی۔ جوشی (یہ تمام حضرات ہوم گارڈ ہیں)

آر۔ جی۔ کوہلی، وی۔ ایس۔ چھورگے اور اجیت جان (یہ تمام حضرات شہری دفاع کے والنٹیر ہیں)

اس رسمی پریڈ کو شری اروند بھنسالی نے کمانڈ کیا۔ اس پریڈ میں نئی تشکیل کردہ طلبا کی ہوم گارڈ جماعت، ہوم گارڈ اور شہری دفاع کے والنٹیر اسٹیٹ موبائل سول ایمرجنسی کالم شامل تھے آخر میں رنگ برنگے آبی فواروں کا نظارہ پیش کیا گیا۔

شری وسنت راؤ پاٹل کے صاحبزادے شری پرکاش پاٹل سانگلی سے کامیاب

وزیرِ اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل کے صاحبزادے شری پرکاش پاٹل سانگلی لوک سبھا حلقہ سے لوک سبھا کیلئے منتخب ہوگئے ہیں۔ انھوں نے اپنے واحد حریف جنتا پارٹی کے وشواس راؤ پاٹل کو ایک لاکھ ۳۳ ہزار سے زائد ووٹوں سے شکست دی۔

اس حلقہ سے لوک سبھا کے پچھلے چناؤ میں ان کی والدہ شریمتی شالینی تائی منتخب ہوئی تھیں اور ان کے خلاف بھی شری وشواس راؤ پاٹل نے ہی چناؤ لڑا تھا۔

سانگلی ریاست کا واحد حلقہ تھا جہاں صرف دو امیدوار تھے اور راست مقابلہ ہوا۔



شری ششی کانت دیتھنکر سیکریٹری تعلیم،
اطلاعات و رابطۂ عامہ نے فری ہیلتھ کیمپ
کا شیواجی پارک، چتنیہ بھومی، بمبئی میں حال ہی
میں افتتاح کیا۔ اس کیمپ کا انعقاد سنگھ
مترا اور پرجا دھا کے اشتراک سے کیا گیا
تھا جس میں بمبئی میونسپل کارپوریشن کی مدد
بھی شامل ہے۔ تصویر میں ڈاکٹر کے۔ ٹی۔ رنگاری
ایک بچہ کا معائنہ کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں،
شری ایس۔ کے۔ بورائی، ڈپٹی کمشنر میونسپل
کارپوریشن، شری ڈیتھنکر، شری سدھیر
مشرام، ڈپٹی کلکٹر بمبئی اور شری ڈی۔ آر۔
بھالیراؤ، سنگھ مترا کے سیکریٹری بھی
دیکھے جا سکتے ہیں۔

ٹریہ ملٹری کالج

داخلے کے امتحانات

ـ میں منتخبہ مرکزوں پر یکم فروری اور ۲ فروری ۱۹۸۵ء
ٹریہ انڈین ملٹری کالج، دہرادون میں داخلے کے
ان ہوگا۔ امیدواروں کا انتخاب انگلش، ریاضی اور
ومات کے امتحانات کے بعد کیا جائے گا۔ امیدواروں
ت اور شخصیت دیکھنے کے لئے انٹرویو بھی لیا جائے گا۔
اخلے کے متمنی امیدواروں کا یکم جولائی ۱۹۸۵ء کو
ـ ۱۲ سال کے درمیان ہونا چاہیئے۔

مقررہ درخواست فارم پر درخواست کی دو نقلیں
پے کے پوسٹل آرڈر اور امیدوار کی تین پاسپورٹ سائز
وں کے ساتھ اس ریاست کے چیف سیکریٹری تک
نی چاہئیں جس کے حلقۂ اختیار میں یکم جنوری ۱۹۸۵ء کو
سے قبل امیدوار کے والدین یا سرپرست رہائش پذیر ہوں
جاتیوں اور قبائلیوں کے لئے پوسٹل آرڈر کی رقم ۵ روپے
ـ ڈھائی روپے ہوگی۔ پوسٹل آرڈر کمانڈنٹ آر آئی ایم سی
کو واجب الادا ہوگا۔

رخواست اور پراسپیکٹس، کمانڈنٹ، راشٹریہ
ملٹری کالج دہرادون کینٹ (یو۔پی) ۲۴۸۰۰۳
صل کئے جا سکتے ہیں۔

صفحہ ۲۵ سے آگے

ولی ۔ ایک مطالعہ

کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے دور کا ایک منفرد شاعر تھا اور عظیم شاعر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے متاخرین نے اس کی تقلید کو باعثِ افتخار جانا چنانچہ خدائے سخن میر کہتے ہیں ؎

معشوق جو تھا اپنا باشندہ دکن کا تھا

ولی کو فائز نے بھی خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ مسعود حسین رضوی ادیب نے دیوانِ فائز مرتب کر کے ایسی متعدد غزلوں کی نشاندہی کی ہے جن سے فائز کا ولی سے مستفیض ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ ولی اپنے لئے بجا طور پر کہتے ہیں ؎

ولی ایران و توران میں ہے مشہور
اگرچہ شاعرِ ملکِ دکن ہے





وزیرِ اعلیٰ مہاراشٹر شری وسنت راؤ پاٹل سونے گاؤں ایئرپورٹ، ناگپور پر وزیرِ اعظم شری راجیو گاندھی کا استقبال کر رہے ہیں۔



وزیرِ اعلیٰ مہاراشٹر شری وسنت راؤ پاٹل نے ناگپور میں وزیرِ اعظم شری راجیو گاندھی کی خدمت میں ڈائریکٹوریٹ جنرل برائے اطلاعات و رابطۂ عامہ کی طرف سے شائع کردہ پندرہ روزہ جریدے "لوک راجیہ" کے خصوصی شمارہ "آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی نمبر" پیش کیا۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔





خبریں - تصویروں میں

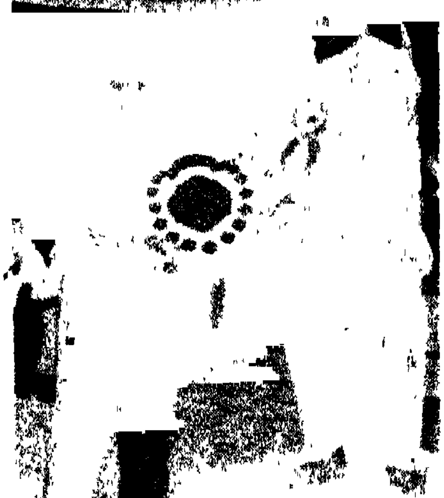
وزیرِ اعظم شری راجیو گاندھی کی ۱۵ دسمبر کو بمبئی آمد پر چیف سیکریٹری شری رام پردھان آپ کا استقبال کر رہے ہیں۔



وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری وسنت راؤ پاٹل، ایم ایل اے ہوسٹل میں ۲۱ دسمبر کے روز راشٹرماتا بلیدان جیوتی کو روشن کرتے ہوئے۔ تصویر میں آنجہانی سابق وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کا نصف مجسمہ اور جیوتی دونوں نظر آرہے ہیں۔ ۱۱ دسمبر سے اندرا او چار واہنی کے ذریعے جیوتی کو پوری ریاست میں یونار سے شروع کرکے روشن کیا جارہا ہے۔

شری یوراج پاٹل، کل ہند کشتی چیمپئن نے مہاراشٹر ریاستی سرما اسپورٹس میلے میں انعامات جیتنے والوں کو شیواجی اسٹیڈیم، رتناگیری میں انعامات تقسیم کئے۔ تصویر میں وہ شیلڈ دیتے نظر آرہے ہیں۔





شری رام پردھان چیف سکریٹری نے نیشنل ایڈورٹائزمنٹ ایکزیبیشن کا افتتاح روایتی شمع جلاکر سر جے جے اسکول آف آرٹس، بمبئی میں ۱۷ دسمبر کو کیا۔ تصویر میں ڈاکٹر رام ترنیجا، مینجنگ ڈائریکٹر ابینٹ کولمین اینڈ کمپنی بھی نظر آرہے ہیں۔

برطانیہ کی وزیر اعظم مسز مارگریٹ تھیچر کا
اپنے ٹرانزٹ قیام کے دوران سنتا کروز
ایئر پورٹ پر ۱۸ دسمبر کے روز شری
آر۔ ڈی۔ پردھان چیف سکریٹری نے
استقبال کیا۔ تصویر میں بائیں جانب شری
پی۔ پی مہانا سکریٹری جنرل ایڈ منسٹریشن
(پروٹوکول) نظر آرہے ہیں۔



مہاراشٹر میں کانگریس کی لوک سبھا
انتخابات میں زبردست کامیابی کے موقع
پر شری رام منوہر ترپاٹھی ایم ایل سی ا
وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل کی گلپوشی
کر رہے ہیں۔



شری ششی کانت دیتھنکر سیکریٹری برائے
وزارت تعلیم اطلاعات و رابطہ عامہ نے
۱۷ دسمبر کے روز کامیاتی انسٹی ٹیوٹ
پونے کا دورہ کیا جہاں ذہنی طور پر مفلوج
بچوں کا علاج کیا جاتا ہے۔
تصویر میں شریمتی سندھو تائی جوشی
انسٹی ٹیوٹ کی چیئرمین بھی نظر آرہی ہیں۔





۵ ایم ڈبلیو پاور اسٹیشنوں کے
درجوں میں آنے والے ناسک تھرمل پاور
اسٹیشن کو بجلی پیداوار میں بہترین کارگزاری
پر دوسرا انعام دیا گیا۔ مہاراشٹر اسٹیٹ
الیکٹریسٹی بورڈ کے چیئرمین ـــــ شری
اے پی دھندے حال ہی میں یہ انعام
شری وینکٹ رامن نائب صدر ہند کے
ہاتھوں سے دہلی میں وصول کر رہے ہیں۔





گورنر مہاراشٹر ایئر چیف مارشل
دریس حسن لطیف نے "ریٹروسپکٹو آف
شیکر" نامی نمائش کا جو کہ مشہور
صور شنکر پلشیکر کی یاد میں کیا گیا
تھا۔ جہانگیر آرٹ گیلری بمبئی میں
ار دسمبر کو افتتاح کیا۔



وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے
تیراکی مقابلوں میں جیتنے والوں کو انعامات
دیئے۔ یہ انعامات "نیوی ہفتہ" کے
دوران اختتامی تقریب ۸ر دسمبر کے
روز دیئے گئے۔ یہ مقابلے اور کے گروپ
آف انڈسٹریز نے منعقد کئے تھے۔



محمد اسحاق ایوبی (ایم۔اے)
ریٹائرڈ انفارمیشن آفیسر، پی۔آئی۔بی گورنمنٹ آف انڈیا۔
اے / ۱۱۱۔۲۔۱۲، مہدی پٹنم۔مراد نگر۔حیدرآباد ۲۸ ...۵

'قومی راج' برابر موصول ہو رہا ہے۔ اس کی ٹکر کا کوئی سرکاری رسالہ کم از کم میری نظر سے نہیں گزرا۔ آپ لوگوں کی محنت' ادیبوں اور شاعروں کا تعاون اور معلوماتی خبروں کی گوناگونی، قومی راج کو جگمگاتا تاج پہنا دیتی ہے۔ اللہ نظرِ بد سے بچائے۔ آپ کے تبصرے اور مقالے بھی دیکھے۔ اچھوتے اندازِ بیان میں ادبی رنگ یوں جھلکتا ہے جیسے ساکت حوض میں گلاب کا پھول۔
اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

ابورافع
معرفت ایم یعقوب الرحمٰن
۴۔م محبوب بلاکس۔شندے نگر۔ایوت محل (مہاراشٹر) ۴۴۵۰۰۱

قومی راج کا تازہ شمارہ "یوم آزادی خصوصی نمبر" باصرہ نواز ہوا۔ قومی یک جہتی جیسے موضوع پر ڈھیر سارے جاندار مضامین پڑھنے کو ملے۔ مبارکباد قبول کیجئے۔ اس قسم کے موضوعات پر عموماً ایک آدھ مضمون یا دو ڈھائی نظمیں شائع کروا کے حق ادا کرنے کی رسم عام ہے۔

قومی یک جہتی کے فروغ کے لئے دوسری زبانوں میں جو کام ہو رہا ہے انہیں یکجا کر کے اردو میں پیش کیجئے تاکہ اردو والوں کو بھی یہ علم ہو کہ ادھر کیا ہو رہا ہے۔ یہ وقت کی ضرورت ہے اور آپ اسے بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

عبدالصمد رضا
معرفت ستار پان سینٹر، پٹھان چوک، امراؤتی۔(مہاراشٹر) ۴۴۴۶۰۱

قومی راج دستیاب ہوا۔ سرِورق سے لے کر اندرونی صفحات اور مضامین وغیرہ نہایت ہی عمدہ ہیں۔ کہیں کہیں طباعت کی صفائی برابر نہیں ہے۔ ممکن ہے اس طرف توجہ فرمائیں تاکہ قومی [illegible] ہر لحاظ سے قابلِ تعریف بن سکے۔

جناب نثار اختر انصاری صاحب کا مضمون "قومی یک جہتی اور مہابھارت" بہت اچھا ہے اور فردوسیٔ ہند فروغ نقاش صاحب کی تصویر۔ جس مشاعرے میں انھیں سپاسنامہ دیا گیا ناچیز بھی اس مشاعرہ میں بحیثیت شاعر مدعو تھا۔

ماسٹر اسلم عزیز
۶۵۵۔نیاپورہ۔چھوٹی گلی۔مالیگاؤں۔ ۴۲۳۲۰۳
ضلع ناشک (مہاراشٹر)

محترم شانتارام سنگتے صاحب کو ان کے نئے منصب پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ امید قوی ہے کہ "قومی راج" نئی قیادت میں جدت طرازی اور ترقی کی منازل سے ہمکنار رہے گا۔

علاوہ ازیں "راشٹریہ سنت تکڑوجی مہاراج نمبر" کے کارکردگی کا شاندار آغاز دکھائی دیا۔ واقعی ایک "دستاویزی مجلہ" کیا ہے جو قابلِ ستائش ہے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ اسی طرح "شیرِ (ای۔بی۔چوان (سورگباشی) نمبر اور ۲۶ رجنوری، یوم جمہوریہ اسپیشل نمبر کے ساتھ اس درمیان مادرِ ہند شریمتی اندرا گاندھی نمبر شائع کیا جانا از حد ضروری خیال کرتا ہوں۔
ع اللہ کرے زورِ ہنر اور زیادہ

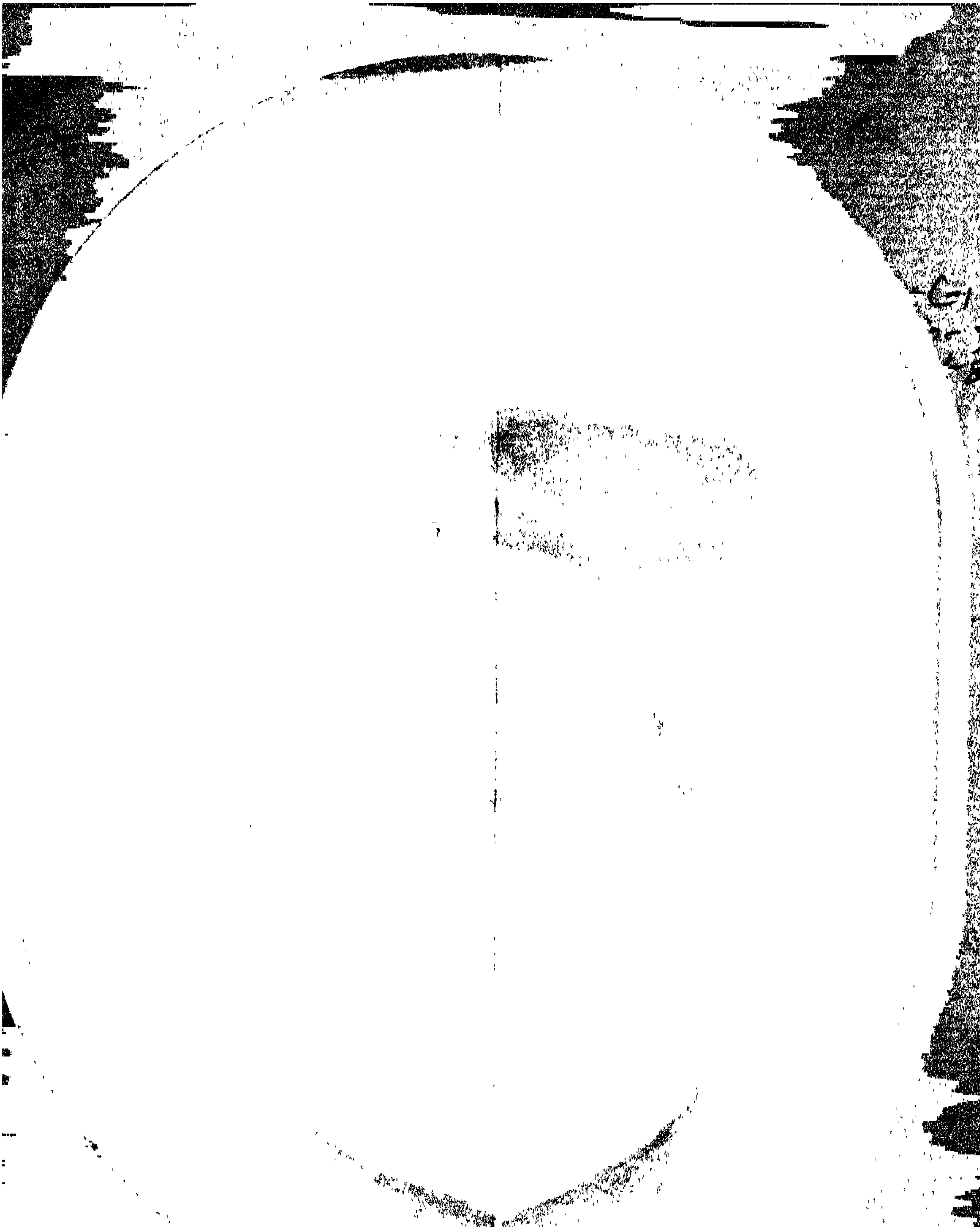
محمد مصباح اللہ (بی اے، بی ایس سی، بی آئی)
۸/۸۸ (بی)، چدمبرا ناتھن اسٹریٹ۔
پالیورم۔مدراس ۴۸ :۶۰۰

سالِ نو کی آمد پر میری طرف سے آپ کو اور ادارے کے تمام اراکین کو نئے سال کی خوشیاں ہی خوشیاں مبارک ہوں۔ خدا کرے آنے والا سال ہم سب کے مقاصد کو بر لاوے اور ہر حیثیت سے خیر و برکت کا موجب بنے۔ اس موقع پر میری نیک خواہشات آپ سب کے ساتھ ہیں۔



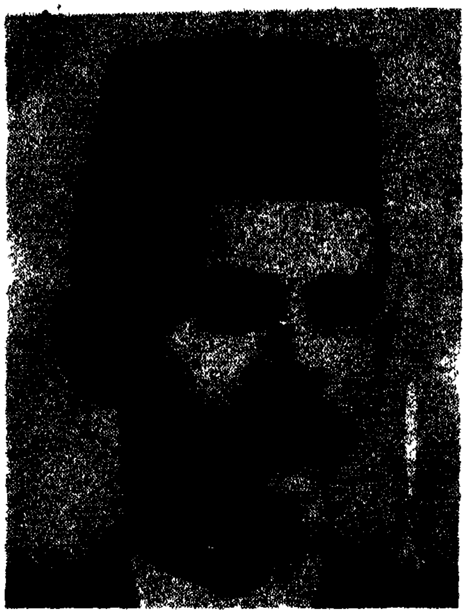
بھارت کے وزیرِ اعظم کی حیثیت سے حلف اٹھانے کے بعد وزیر اعظم شری راجیو گاندھی ۳۱ دسمبر کو راشٹرپتی بھون، نئی دہلی میں نئی کابینہ کے وزراء کے ساتھ، صدر ہند شری گیانی ذیل سنگھ بھی تصویر میں نظر آرہے ہیں۔

AUMIRAJ : Regd. No. MH-BY South-544 *Licence No. 89 for 'without prepayment of postage'*









آنجہانی رام گنیش گڈکری جشن شتابدی خصوصی نمبر

۱۰ فروری ۱۹۸۵ء

جلد نمبر ۱۲ ، شمارہ نمبر ۳

سالانہ: دس روپے، فی کاپی: پچاس پیسے

چیف ایڈیٹر : شانتا رام سنگنے

ایڈیٹر : فیروزہ فیاض خان

اس شمارے میں

سرورق : چندرکلا کدم

آنجہانی رام گنیش گڈکری کے حالاتِ زندگی ایک نظر میں

۲۶ مئی ۱۸۸۵ء :
گجرات میں نوساری کے مقام پر پیدائش ۔

۱۸۹۳ء :
والد کی وفات، ماں کے ساتھ کرجت آمد ۔

۱۸۹۷ء :
ماں کی نوساری واپسی ۔

۱۸۹۹ء :
خاندان کی کرجت واپسی ۔

۱۹۰۰ء :
قصبہ پیٹھ پونے میں قیام ۔ منڈھولے کے کاغذ کے کارخانے میں بحیثیت فٹر ملازمت ۔

۱۹۰۴ء :
پہلی شادی (سیتا بائی کے ساتھ)، میٹرک میں کامیابی

۱۹۰۵ء :
Previous کے امتحان میں ناکامی ۔

۱۹۰۶ء :
کرلوسکر ناٹک منڈلی میں ملازمت ۔
تاتیا صاحب کولہاٹکر سے پہلی ملاقات مئی مہینے میں ۔

۱۹۰۷ء :
پہلی کتاب کی اشاعت ۔

۱۹۰۸ء اگست اور ستمبر :
"گروانر مان" اور "ویڑیا نچا بازار" ان دونوں ڈراموں کی تخلیق ۔ ماہنامہ رنگ بھومی کے لئے بھی لکھا ۔

۱۹۰۹ء :
پہلی نظم [illegible] کی اشاعت ۔

۱۹۰۹ء، ۱۰ نومبر :
کرلوسکر ناٹک منڈل کی ملازمت سے استعفیٰ ۔ گیان پرکاش اور نیو انگلش اسکول، پونے میں ملازمت ۔

۱۹۱۰ء، نومبر :
پریم سنیاس کی تخلیق ۔

۱۹۱۱ء :
Previous امتحان میں کامیابی ۔

۱۹۱۲ء، مارچ :
'پریم سنیاس' اسٹیج ہوا ۔

۱۹۱۲ء :
'پریم سنیاس' کی کتابی شکل میں اشاعت ۔
'پُنیہ پربھاؤ' کی تصنیف ۔

۱۹۱۶ء، جون :
'پُنیہ پربھاؤ' اسٹیج ہوا ۔

۱۹۱۶-۱۷ء :
راج سنیاس کی تخلیق ۔

۱۹۱۷ء :
'پُنیہ پربھاؤ' کی کتابی شکل میں اشاعت ۔
"ایکچ پیالہ" کی تخلیق، دوسری شادی (رما بائی کے ساتھ ۔ رما بائی اب بھی حیات ہیں ۔

۱۹۱۸ء :
بھاو بندھن کی تخلیق ۔

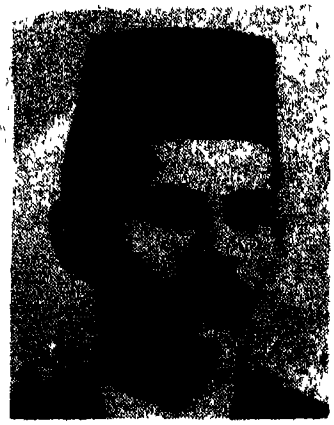
۱۹۱۹ء :
وردھا کے مقام ساونیر میں رحلت ۔ موت سے ایک گھنٹہ قبل بھاؤ بندھن مکمل کیا ۔

۱۹۱۹ء، ۲۰ فروری :
"ایکچ پیالہ" کا پہلا شو اسٹیج ہوا ۔

۱۹۱۹ء، ۱۹ اکتوبر :
'بھاو بندھن' کا پہلا شو اسٹیج ہوا ۔

۱۹۲۲ء :
"راج سنیاس" کا پہلا شو اسٹیج ہوا ۔
(نامکمل ڈرامہ ہی اسٹیج کیا گیا تھا ۔)

۱۹۲۲ء :
چنتامن راؤ کولہٹکر نے "ویڑیا نچا بازار" کو مکمل کیا اور اسے اسٹیج کیا ۔



پروفیسر آر۔ بی۔ جوشی

مراٹھی ادب میں گڈکری کا مقام

اس صدی کے اوائل کے مراٹھی ادیبوں میں گڈکری بے شک ایک ممتاز و منفرد مقام کے حامل ہیں۔ ان کی عمر نے وفا نہ کی — اور انہوں نے بہ حیثیت ادیب کے محض دس بارہ سال ہی لکھا۔ پھر بھی انہوں نے مراٹھی ڈرامے، شاعری اور مزاح نگاری میں وہ مقام پیدا کیا جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہے وہ اپنے عہد میں ہی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا کر مراٹھی جاننے والوں کے دل میں گھر کر چلے تھے۔

گڈکری کا جنم ۲۴ مئی ۱۸۸۵ء کو گجرات میں نوساری کے قریب گن دیوی مقام پر ہوا اور ان کا انتقال مہاراشٹر میں ناگپور کے قریب ساونیر میں ۱۹۱۹ء میں ہوا۔ انہوں نے مختلف نام و تخلص اپنائے۔ مثلاً شاعری کرتے وقت انہوں نے اپنا نام گووند اگرج رکھا جس کے معنی ہیں گووند کا بڑا بھائی۔ یہ نام انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی گووند کی موت پر اسے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنایا۔ مزاح نگاری کے لئے انہوں نے جو نام اپنایا تھا وہ تھا بالک رام۔ ۱۹۰۵ء میں میٹرک کرنے کے بعد انہوں نے مشہور سنگیت ناٹک کمپنی کرلوسکر ناٹک منڈلی میں بہ حیثیت معلم نوکری کر لی۔ وہ نئے آرٹسٹوں کو تعلیم دیتے تھے۔ اس طرح وہ پہلی مرتبہ تھیٹر اور اسٹیج سے قریب ہوئے اور آخری دم تک اس سے وابستہ رہے۔ ۱۹۰۸ء میں انہوں نے کرلوسکر سنگیت منڈل کو چھوڑ دیا اور تقریباً تین سال تک ادھر ادھر نوکری کرتے رہے۔

۱۹۱۱ء میں انہوں نے فرگوسن کالج پونے میں داخلہ لیا۔ اس وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی۔ ہو سکتا ہے اس وقت کئی اساتذہ عمر میں ان سے چھوٹے ہوں مگر ان کا مطالعہ اتنا زیادہ تھا کہ وہ اپنے لیکچرر حضرات سے ادب کے بارے میں زیادہ جانتے تھے۔ انہوں نے شیکسپیر کے تقریباً تمام ڈرامے پڑھے تھے لو،[illegible] تنقیدوں کا بھی بڑے غور سے مطالعہ کیا تھا۔ انہوں نے مراٹھی شاعری اور ادب کا بھی گہرا مطالعہ کیا جس میں بکھر، پوواڑے اور لاونی شامل ہیں۔ وہ سنسکرت بھی بہت اچھی جانتے تھے۔ اس کے علاوہ ۱۹۱۱ء میں انہوں نے بہ حیثیت ادیب کے اپنا لوہا منوا لیا تھا۔

۱۹۱۲ء میں انہوں نے ایک مکمل ڈرامہ پریم سنیاس لکھا اس سے قبل انہوں نے دو ڈرامے لکھے تھے مگر اس میں سے ایک نامکمل رہا اور دوسرے کا مسودہ ہی کھو گیا تھا۔ چونکہ گڈکری کو بہ حیثیت تمثیل نگار کے شہرت ملی۔ اس لئے ہم فی الحال اسی پہلو کو لے کر آگے بڑھیں گے۔

کولہاٹکر اور کھاڈلکر

جب گڈکری نے مراٹھی ڈرامے کی دنیا میں قدم رکھا تو اس وقت دو نام ایسے تھے جو مراٹھی تھیٹر کو اپنی مٹھی میں لئے ہوئے تھے۔ ان کے نام ہیں شری پد کرشنا کولہاٹکر اور کرشن جی پربھاکر کھاڈلکر۔

جدید مراٹھی ڈرامے کو محض سو سال ہوئے تھے — زیادہ تر ڈرامے شیکسپیر کے ڈراموں اور سنسکرت ڈراموں کا چربہ ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ پارسی تھیٹر سے بھی استفادہ کیا جاتا تھا جسے دیکھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ان میں پڑھے لکھے لوگ بھی شامل تھے۔ مگر جو چیز سب سے زیادہ ہر دلعزیز تھی وہ

تھے۔

انا صاحب کرلوسکر کے بعد کولہاٹکر نے ہی مراٹھی ڈرامے کو فروغ دیا۔ وہ پارسی تھیٹر سے بھی واقف تھے اور پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے اور جن کا شغلہ لکھنا پڑھنا تھا۔ وہ ایک بہت اچھے تنقید نگار تھے۔ انہوں نے کرلوسکر سنگیت ناٹک منڈلی میں کئی ڈرامے لکھے اور مراٹھی ڈرامے کو عوام سے قریب کیا۔ ان کے ڈراموں میں مزاح تھا اور گیت ہندوستانی راگوں پر مبنی ہوتے تھے۔ اس سے گلوکاروں کو کافی موقع ملا۔ ان کے پہلے ڈرامے ہی نے لوگوں کے دلوں میں جگہ پالی اور وہ تقریباً ۲۰ سالوں تک مقبول رہا۔

گڈکری نے ان کے ڈرامے دیکھے انہیں پڑھا اور سمجھا۔ اور وہ انہیں سے متاثر بھی ہوتے۔ اسی وجہ سے کولہاٹکر کو ان کا گرو مانا جاتا ہے۔ دونوں کی پہلی ملاقات کرلوسکر منڈلی میں ہوئی اور کولہاٹکر نے ہی گڈکری کی سفارش کی اور انہیں منڈلی میں شامل کیا۔

دوسرے اہم ڈرامہ نگار کھاڈلکر قدرے مختلف تھے انہوں نے بھی قانون کی ڈگری حاصل کی تھی اور وہ پیشے کے اعتبار سے صحافی تھے اور تلک کے پرچوں میں کام کرتے تھے۔ ان کے ڈرامے تاریخ اور مائتھالوجی پر مبنی نہیں ہوتے تھے۔ ان کے ڈراموں میں سیاسی شعور کو بیدار کرنے کی اپیل تھی اور شیکسپیئر کے اثرات ان کے ڈراموں میں بخوبی محسوس کئے جا سکتے تھے۔

ان کا پہلا ڈرامہ تھا سوائی مادھوراؤ چا مرتیو، جو کہ پیشوا مادھوراؤ کی موت پر مبنی تھا۔ اس ڈرامے کے کرداروں میں ہمیں شیکسپیئر کے کرداروں کی خوبو ملتی ہے۔ گڈکری کے ڈرامے کھاڈلکر کے سنگیت ناٹک "مان اپمان" کے بعد ہی گڈکری کو پریم سنیاس لکھنے کی خواہش ہوئی اور اس کے بعد انہوں نے پانچ ڈرامے پنیہ پربھاو، بھاو بندھن، ایکچ پیالہ اور راج سنیاس، ویڑیا بچا بازار (نامکمل) لکھے۔

گڈکری نے بھی اپنے استاد کولہاٹکر کی طرح سماجی مسائل پر قلم اٹھایا۔ البتہ راج سنیاس کا بنیادی خیال تاریخ پر اور ویڑیا بچا بازار کا جو کہ مراٹھی ڈراموں کی پیروڈی ہے مختلف ہے۔ گڈکری کے ڈراموں میں تماشائیوں میں سنسنی کی سی لہر پیدا کرنے کی تمام تر خوبیاں موجود ہیں لیکن یہ یہیں تک کے محدود نہیں بلکہ اس سے بہت کچھ زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے

توی ح

ڈراموں نے اس زبان کے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی اپنی جانب متوجہ کیا۔ کیونکہ آج سے ۷۰ سال قبل خواتین کی تعلیم اور آزادی سے متعلق کافی بحثیں ہوا کرتی تھیں اور یہ ایک سماجی مسئلہ تھا کہ خواتین کو تعلیم و آزادی کہاں تک دی جا سکتی ہے۔

گڈکری کے دوسرے ڈرامے 'پنیہ پربھاو'، جو کہ ۱۹۱۶ء میں اسٹیج کیا گیا فیوڈل ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔ اس میں عورت کی عصمت اور انا کو لے کر مرد کی خودغرضی کو پیش کیا گیا جو کہ معاشرے پر چھایا ہوا ہے۔ یہاں ورنداون جو کہ ایک نوجوان ہے محض اسی لئے وسوندھرا سے شادی نہیں کرسکتا ہے کہ اس کا سماجی رتبہ قدرے کم ہے۔ چنانچہ وہ انتقام لینے پر آمادہ ہو جاتا ہے مگر وسوندھرا جو کہ باعصمت اور وفاشعار عورت ہے۔ اس کی ہوس کا شکار ہونے سے خود کو بچالیتی ہے۔ یہ ڈرامہ پریم سنیاس سے کم پیچیدہ ہے۔

'بھاو بندھن' ۱۹۱۹ء میں سامنے آیا۔ اس کی بنیاد بھی سماجی مسائل ہی ہیں۔ مرکزی خیال کافی پیچیدہ، انسان کی ذہنی کشمکش اس کی اچھائیوں اور برائی پر مبنی یہ ڈرامہ بھی کافی مقبول ہوا۔

ایک مرتبہ دھنڈی راج کے یہاں کسی موقع سے کئی نوجوان جمع تھے۔ گھنشیام نے اس وقت سب کے سامنے مالتی سے اپنی شادی کا پیغام پیش کیا۔ گھنشیام کی اس پیشکش پر سب متحیر ہوئے کیونکہ دھنڈی راج دیا نیشور کی مل میں ایک معمولی کلرک تھا۔ لتیکا اس پیشکش پر آگ بگولہ ہوئی اور اس نے گھنشیام کو بری طرح لتاڑا۔ گھنشیام نے اس ذلت کا انتقام لینے کا تہیہ کرلیا۔ گھنشیام ذہین ہے لیکن مکار بھی ہے۔ شرارت پسند ہے۔ اس نے کسی طرح ایک ایسی تحریر پر دھنڈی راج کے دستخط لے لئے جس کی وجہ سے دھنڈی راج پر چوری کا الزام ثابت ہوتا ہے۔ وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ دھنڈی راج کی تجوری سے بعض اہم دستاویزات چرا کر دھنڈی راج پر دباؤ ڈالتا ہے کہ وہ مالتی کی شادی دیانیشور سے کردے۔ بالآخر گھنشیام خود اپنے بنائے ہوئے جال میں پھنس جاتا ہے اور جب پولس اسے گرفتار کرنے آتی ہے تو دھنڈی راج کہتا ہے۔ "اسے گرفتار مت کیجئے جو بھی ہو یہ ہمارے گھر کا ایک فرد ہے۔ دھنڈی راج کے اس رویے سے گھنشیام بہت متاثر ہوتا ہے اور خود کو بدلتا ہے۔

گھنشیام کی اس ماہیت قلبی کا موازنہ 'پنیہ پربھاو' کا کردار ورنداون اور "پریم سنیاس" میں کملاکر کے کردار سے

کیا جا سکتا ہے۔

گڈکری کا آخری مکمل ڈرامہ "صرف ایک جام" ان کا بہترین ڈرامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس میں ایک ذہین اور قابل نوجوان کی تباہی کا المیہ ہے جس کا باعث شراب نوشی ہے۔ ایک مرتبہ یہ نوجوان عدالت میں جرح کے وقت آدابِ عدالت کو ملحوظ نہیں رکھتا جس کی پاداش میں چھ ماہ کی مدت کے لیے اس کی سند ضبط ہوتی ہے۔ ان دنوں اس کی بیوی میکے میں ہوتی ہے۔ نوجوان وکیل شدید ذہنی اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر اس کا نوکر تلی رام اسے اس اذیت کو شراب کے سہارے بھلانے کی راہ سجھاتا ہے اور بالآخر وہ شراب کا ایک جام پی ہی لیتا ہے۔ یہی ایک جام اس کی تباہی کا سامان بن جاتا ہے۔ عدالت کے دوسرے وکیل اس پیشے میں سدھاکر کی ترقی کی وجہ سے اس سے حسد کرتے تھے۔ اب وہ سب خوش ہوئے۔ ادھر تلی رام کے بہکاوے میں آکر سدھاکر بلا کا شراب نوش بن جاتا ہے۔ ایک مرتبہ نشے کے عالم میں عدالت چلا جاتا ہے اور جرح کرنے لگتا ہے جس کی پاداش میں اس کی سند ہمیشہ کے لیے ضبط کر دی جاتی ہے۔ وہ شراب میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔ اب وہ بے روزگار ہے۔ اس کے ہم پیالہ وکیل اور دوسرے پیشہ ور اسے شرابی کہہ کر کام دینے سے یا سفارش کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ بالآخر وہ اپنے بچے اور بیوی کا قتل کرتا ہے اور خود زہر ملا ہوا شراب کا جام پی کر اپنا بھی خاتمہ کرتا ہے۔

اس ڈرامے کی زبان بہت صاف ستھری ہے۔ بعض مقامات پر فلسفہ طرازی بھی پائی جاتی ہے۔ ایلوپیتھی اور آیورویدک طریقۂ علاج کی مخالفت اور موافقت میں پیش کی گئی۔ دلائل دل چسپ ہیں۔ تلی رام اپنے طرز کا ایک منفرد ویلین ہے۔

گڈکری کا ایک اور المیہ ڈرامہ ہے 'راج سنیاس'۔ یہ المیہ شیواجی کے فرزند سمبھاجی کا ہے۔ سمبھاجی کی شخصی کمزوریاں اس کے المیے کے لیے راہیں ہموار کرتی ہیں۔ گڈکری نے سمبھاجی کے کردار کی خوبیوں کو کچھ اس طرح اجاگر کیا ہے کہ ناظرین کو نہ صرف اس سے ہمدردی ہوتی ہے بلکہ وہ سمبھاجی کی عزت بھی کرنے لگتے ہیں۔ اس ڈرامے کی زبان اٹھارویں صدی کی مراٹھی نثر سے مشابہ ہے۔ گڈکری کے مسودات کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ذہن میں ڈرامے کا مکمل خاکہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ڈرامے کا آخری ایکٹ پہلے لکھا۔ اگر یہ ڈرامہ مکمل ہوتا تو ان کا شاہکار قرار پاتا۔

آج بحیثیت ڈرامہ نگار گڈکری کی شہرت "بھاو بندھن" اور "ایک پیالہ" پر منحصر ہے جن دنوں گڈکری کی تخلیقی صلاحیتیں عروج پر تھیں۔ اس وقت مراٹھی کے ایک نئے ڈرامہ نگار ماما وریرکر بھی منظرِ عام پر آ رہے تھے جن کے موضوعات سماجی ہوا کرتے تھے لیکن غلبہ گڈکری ہی کا رہا۔

گڈکری بحیثیت شاعر

گڈکری ایک شاعر بھی تھے۔ ان کا شمار اپنے وقت کے پانچ بڑے شاعروں میں ہوتا تھا۔ باقی چار کے نام اس طرح ہیں

(۱) کیشوست (کرشنا کیشو داملے ۱۹۰۵ء – ۱۸۶۶ء)

(۲) نارائن وامن تلک (۱۹۱۹ء – ۱۸۶۵ء)

(۳) ونایک جناردھن کرندیکر (۱۹۱۹ء – ۱۸۷۲ء)

(۴) بال کوی (ترمبک باپوجی ٹھومبرے ۱۹۶۰ء – ۱۸۹۰ء)

ان میں کیشوست خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ جدید مراٹھی شاعری کے بانی قرار دیے گئے ہیں۔ انہوں نے مراٹھی شاعری میں انقلاب لایا۔ ان کی وجہ سے مغربی ادب کا اثر مراٹھی شاعری پر نمایاں طور پہ دیکھا جا سکتا ہے۔

مراٹھی کی جدید شاعری ۱۸ ویں صدی اور ۱۹ ویں صدی کے رومانیت پسند انگریز شاعروں کی تخلیقات سے متاثر ہوئی۔ اس میں فطرت کے حسن کے بیان کو خصوصی دخل تھا۔ کیشوست نے قدیم سنسکرت بحروں میں نظمیں ضرور کہیں لیکن انہوں نے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ مراٹھی میں نظم معریٰ کو جگہ دی۔ مراٹھی میں سانیٹ کو پہلی مرتبہ کیشوست نے متعارف کرایا۔

باقی تین شاعر یعنی تلک، ونایک اور بال کوی محدود دائرے کے شاعر تھے۔ تلک پھولوں اور بچوں کے شاعر کہے جاتے وہ ایک محبِ وطن اور مصلح تھے لہٰذا انہوں نے ان موضوعات پر بھی نظمیں کہیں۔ ونایک کی شاعری کا موضوع بھی حب الوطنی اور وطن پرستی تھا لیکن اس کا اظہار وہ ماضی کی تاریخی عظمت کے بیان کی صورت میں کرتے تھے۔ بال کوی فطرت کے حسن کے شاعر تھے۔

گڈکری کا تخلص گووندا گرج تھا۔ یہ گڈکری کی خصوصیت ہے کہ انہوں نے ان تمام موضوعات کو اپنایا جو مذکورۂ بالا شاعروں نے انفرادی طور پر علیحدہ علیحدہ اختیار کیے تھے۔

ان نظموں کو بالخصوص نوجوان ناظرین میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ کوششیں کی گئیں کہ معلوم کیا جائے آیا گڈکری کی کوئی خاص منظورِ نظر تھی جسے اس نے اپنی ان نظموں میں مخاطب کیا ہے۔ ان کی نظموں کو پڑھنے کے بعد اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ ان کی زندگی میں کوئی ایسی "رانی" ضرور آئی ہوگی جس سے انہوں نے محبت کی ہوگی لیکن جس نے بے رخی برتی۔ پھر بھی ان کوششوں کا کوئی قابلِ اعتبار نتیجہ نہیں نکلا اور اس کی محبت کی رانی تاحال اسی طرح ایک معمہ بنی ہوئی ہے جس طرح شیکسپیئر کے سانیٹوں (انگریزی میں ۱۴ مصرعوں والی ایک نظم جس کی ایک خاص بحر ہوتی ہے) کی "کالی لیڈی"۔

"راج ہنس"، "گلابی کوڑے"، "گھنگرو والا"، "ہلتے پیپل کے پتے" میں "اوسار آواتیل ایکچ پھول" اس کی بعض دوسری نظمیں ہیں جو بہت مقبول ہوئیں۔ "راج ہنس" ایک نوجوان بیوہ کی آہ وزاری ہے جو اپنے بچے کی موت پر اس کی زبان ودل سے ادا ہوتی ہے۔ "گھنگرو والا" اس نازک بیانی کا مرقع ہے جسے نئے شادی شدہ جوڑے محبت کے اولین الفاظ کے روپ میں ہچکچاہٹ کے ساتھ، ڈرتے ڈرتے، شرماتے شرماتے' ادا کرتے ہیں اور پھر وہ الفاظ جو باہمی اعتبار کے بعد ادا کئے جاتے ہیں۔ "ہلتے پیپل کے پتے" میں ایسے متعدد خیالات کی عکاسی ہے جو ایک لرزتے ہوئے پتے کو دیکھ کر اس کے دماغ میں پیدا ہوتے ہیں۔ "اوسار آواتیل ایکچ پھول" ایک اکیلے پھول کی شکستہ دلی کے بارے میں جو ایک سنسان مقام پر ایک ویران کنویں کے تہہ کے قریب ہے۔

گڈکری بحیثیت شاعر کے جوانوں، بالخصوص کالج کے طلباء میں بہت مقبول ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ گڈکری نے گویا خود ان ہی کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کی ہے۔ رومانیت' جوش وولولہ، نصب العینیت، یاسیت وناامیدی ——— رجائیت وامید پروری، سب کے سب، وہ کیفیات ہیں جو جوانوں کے دماغ کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ گڈکری نے قدیم سنسکرت' قدیم مراٹھی اور قدیم انگریزی ادبیات اور انگریزی رومانی نظموں کا الگ الگ عنوانات پر گہرا اور وسیع مطالعہ کیا تھا۔ وہ نہ صرف الفاظ کا ماہر واستاد تھا بلکہ اسے الفاظ سے محبت تھی اور وہ اس کے ہاتھ میں موم کی طرح تھے جنہیں وہ اپنی مرضی کے مطابق بنالیتا اور ڈھال لیتا تھا۔ اس کے خیالات کی پرواز غیر محدود تھی۔ تشبیہات، کنایات اور استعارات کے استعمال کا اسے زبردست ملکہ تھا۔ صنعتِ ایہام سے کام لینا مختلف خیالات کی یکجائی، طرزِ ادا کی ندرت جس سے گڈکری نے اپنی عشقیہ نظموں میں اکثر کام لیا ہے۔ جذبات آفرینی سے زیادہ معقولیت پسندی کا رجحان رکھتے تھے جو جوانوں کی نظر میں زیادہ پسندیدہ تھے۔

بایں ہمہ اس بات کو ذہن نشیں رکھنا چاہیئے کہ گڈکری کی تمام نظمیں موجودہ دور میں اتنی پسندیدہ نہیں ٹھہریں گی جتنی کہ ——— وہ ساٹھ / ستر برس پہلے تھیں۔ بعض اوقات، وہ مضمون آفریں، نثار اور سخن گو بن جاتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو کیشواست کا چیلا کہا کرتے تھے اور یہ صحیح بھی ہے لیکن اول الذکر کے کلام کی گہرائی، شوخی اور بلندی کو گڈکری نہیں پہنچ سکے۔ پھر بھی بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ان کی اکثر نظمیں وقت کی آزمائش پر پوری اتری ہیں

مزاح نگاری

گڈکری کے ڈراموں میں کافی حد تک مزاح وظرافت ہے۔ اور بعض نظموں میں بھی لیکن انہوں نے ظریفانہ نثر بھی کم نہیں لکھی اور یہ صنعت خاص طور پر توجہ طلب ہے۔ اپنی مزاحیہ نگاری کے لئے انہوں نے "بالک رام" کا قلمی نام اختیار کر رکھا تھا۔ ڈراموں میں اور مزاحیہ نگاری میں اپنے آپ کو کولہاٹکر کا چیلا کہا کرتے تھے کیونکہ وہ کولہاٹکر ہی تھے جنہوں نے پہلے پہل ایسے مضامین لکھے جن کا جوہر اور بنیاد مزاح تھے۔ وہ مزاحیہ نگاری کے ذریعے دھرم کی باتوں کا مذاق اڑاتے ——— اور سماجی طور طریقوں اور رسم ورواج کی دھجیاں بکھیرتے تھے۔ بالخصوص ان سماجی بندھنوں کو جن پر عمل کرنے والے خود بھی شرمندگی محسوس کرتے تھے کیونکہ زمانے کے لحاظ سے ان پر فرسودگی کی مہر لگ چکی تھی۔

کولہاٹکر کی بعض ظرافت آمیز نگارشات، بالکل مزاحیہ روپ میں ہیں جن سے قدامت پسند ناظرین کے احساسات کو ٹھیس پہنچتی تھی لیکن سماج اور دھرم کی خرابیوں کی اصلاح پر ایسی صورتِ حال ہمیشہ رونما ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی متعدد ظریفانہ نگارشات موجودہ دور کے نوجوان ناظرین کی نظر میں قابلِ التفات و لحاظ نہیں رہیں کیونکہ ان رسموں کا اب وجود بھی نہیں رہا جن پر انہوں نے طنز کیا تھا۔ باوجود ان سب باتوں کے مراٹھی زبان میں طنزومزاح کے بانی کی حیثیت سے

ان کا درجہ و مقام مستحکم و مستند ہے۔

گڈکری اپنے آپ کو کولہاٹکر کا چیلا اس لئے کہتے تھے کہ کولہاٹکر کی نگارشات نے ہی انہیں اس صنعت تحریر پر اکسایا۔ پھر بھی گڈکری کے طنز و مزاح میں کولہاٹکر جیسی تندہی نہیں ہے اور وہ وسیع میدان کا احاطہ بھی کرتے ہیں بلکہ وہ ان تمام ترکیبوں سے استفادہ کرنے کا خیال رکھتے ہیں جن سے طبیعت میں بے ساختہ ہنسی پیدا ہو۔ کہا جا سکتا ہے کہ گڈکری کے مزاج میں فطرتاً مزاح پسندی ظرافت تھی۔

گڈکری کی تمام مزاحیہ نگارشات کو خواہ وہ مکمل ہوں یا غیر مکمل، ایک مجموعے کی شکل دی جا چکی ہے جس کا نام "سمپورنا بالک رام" اور جس میں تقریباً دو درجن مضامین ہیں جس طرح کولہاٹکر نے تین کردار ۔۔۔ پانڈو تاتیہ، بنڈو نانا اور سداما وضع کئے تھے جن میں سے آخری کردار بیان کنندہ خود تھے، ویسے ہی گڈکری نے تین کرداروں کو اپنی نگارشات کا محور بنایا یعنی "ٹھمبو نانا، آیا بھٹ جی اور بالک رام" جن میں سے آخری کردار خود صاحب افسانہ ہی تھے۔

تین مضامین کا تعلق ٹھکی نام کی لڑکی اور اس کی دونوں بہنوں کی شادی کے مسائل اور درپیش آنے والی دشواریوں پر مشتمل ہیں کسی درمیانی طبقے سے تعلق رکھنے والی ہندو لڑکی کے بیاہ کا مسئلہ خصوصاً جبکہ اس کا رنگ، روپ، درمیانی نوعیت کا ہو، آج بھی ٹیڑھا مسئلہ ہے۔ انہیں دشواریوں کو پیش نظر رکھ کر گڈکری نے اپنے قلم کے جوہر دکھاتے ۔۔۔ اور انہیں سلجھانے پر توجہ لیا۔

لڑکی ٹھکی ایک جگہ سے دوسری جگہ ہونے والے بر کو اور اس کے رشتہ داروں کو رونمائی کے لئے لی جاتی جاتی ہے۔ دس میں سے نو بَر اور ان کے رشتہ دار لڑکی کو ناپسند کرتے ہیں اور بے معنی سی خامی کو بنیاد بنا کر انکار کر دیتے ہیں۔ اگر لڑکی بناوٹ سے کام نہیں لیتی تاکہ اچھی دکھائی دے، یا اگر قدرے بدشکل ہے تو دشواریاں سوگنا بڑھ جاتی ہیں اور شادی سال بہ سال ملتوی ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ لڑکی شادی کی عمر سے تجاوز کر جاتی ہے اور پھر غالباً اسے زندگی کنواری رہ کر بتانی پڑتی ہے۔ گڈکری نے اس صورت حال کو ہندو سوسائٹی کے لئے نہایت افسوسناک اور لڑکی کے لئے زبردست بدنصیبی قرار دیا۔ ٹھکی سے پچھتر روپیہ کو گڈکری نے جس انداز میں بیان کیا ہے اسے بادی النظر میں سنگ دلی اور بے رحمی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن مخلصانہ طور پر اس نے اس مضمون کو جس طرح نبھایا ہے ان کے پیش نظر گڈکری کے سخت الفاظ نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔

ایک جماعت ٹھکی کے لئے بَر کی تلاش میں روانہ ہوتی ہے اس جماعت کے کسی خاص گاؤں یا قصبہ میں پہنچنے کا پرچار پہلے ہی اس طرح سے کر دیا جاتا ہے گویا کوئی تھیٹریکل گروپ آرہا ہے ہینڈ بل تقسیم کے لئے پہلے سے بھیج دیئے جاتے ہیں۔ یہ گروپ بیل گاڑیوں میں سفر کرتا ہے اور بیل گاڑیوں کے سب بازوؤں پر تفصیل بتلانے والی تصاویر لٹکا دی جاتی ہیں ۔۔۔ جس طرح لین دین میں سودے بازی ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی طرح طرح کے وعدے وغیرہ کئے جاتے ہیں جیسے کہ دو لڑکیوں سے شادی کر لینے والے بر کو سودے کے اصولوں پر تیسری بھی دی جائے گی۔

ایک موقع پر شادی کی بات چیت آخری مرحلے پر ٹوٹ جاتی ہے۔ اس لئے کہ دولہے طرف سے کسی شخص کا زائچہ بیل گاڑیوں میں جوتے ہوئے بیلوں میں سے ایک بیل کے زائچے کے ساتھ راس نہیں آتا۔ شادی کی بات آج بھی ٹوٹتی ہے جن کی وجہ نہایت معمولی ہوتی ہے۔ بالک رام کو ایسا جھٹکا (شاک) لگتا ہے کہ وہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔ ایک کونسل بٹھائی جاتی ہے کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ نبض دیکھنے اور تشخیص سے پتہ چلتا ہے ۔۔۔ کہ بالک رام کا دل اتنا کمزور ہے کہ ایسے جھٹکے وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس کے دل کو بدل دینے کا فیصلہ ہوتا ہے۔

پھر کونسل یہ سوچتی ہے کہ بالک رام کے دل کی جگہ کس کا دل لگایا جائے۔ ایک موچی اسے مضبوط چمڑے سے اس طرح سی دینے کی پیشکش کرتا ہے کہ پھر اس کا دل اتنا مضبوط ہو رہے گا کہ ایسے جھٹکوں سے متاثر نہ ہوگا۔ ایک سنگ تراش دل کی شکل کا ایک سرخ کھردرا پتھر (سینڈ اسٹون) دل کی جگہ رکھ دینے کی پیشکش کرتا ہے۔ تیسری رائے یہ پیش ہوتی ہے کہ کسی "مانگ" کا دل لگا دیا جائے کیونکہ وہ منقلب ہوتا ہے اور اس لئے ہر جھٹکے کو برداشت کر لینے کے لائق ہوتا ہے۔ (آج کے قانون کے مطابق لفظ "مانگ فرقہ" کا استعمال جرم ہوگا لیکن اس زمانے میں یہ جرم نہیں تھا)۔ کسی مانگ کا دل (الٹا قلب) ضرب المثل کے طور پر ہر احساس سے خالی ہوتا ہے۔

آخر کار جب شادی ہو جاتی ہے تو بڑے بوڑھوں میں سے ایک شخص دلہن کو یوں آشیرواد دیتا ہے کہ "وہ یہ خوشگوار شادی تجھے آٹھ لڑکیوں سے نوازے۔" اس کے معنی تو یہ تھے گویا آسمانی مصیبت میں اسے گرفتار رہنے کی بددعا دی جا رہی تھی۔ "آٹھ" کا لا دا جانا "شراپ" سمجھا جاتا ہے۔ مرد اپنے کئے پر دہشت زدہ رہ جاتا ہے۔ پرائشچت پر آمادہ ہوتا ہے لیکن پھر بھی اس پر سزا لگا دی جاتی ہے جو تین طرفہ ہوتی ہے (۱) اسے کھاڈلکر کے ڈراموں میں جو گانے ہیں ان کو عروض و بحر کے ساتھ مطابقت دے کر ترجمہ کرنا۔ ان گانوں کا سمجھ سے باہر ہونا ضرب المثل بن چکا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کھاڈلکر کا نام اس لئے لیا گیا کہ وہ سیاسی اور سماجی طور پر کولہاٹکر کے مخالف کیمپ میں تھے۔ (۲) اسے پونے کے کسی طعام خانے میں پورے ایک ہفتے تک کھانا کھانا ہوگا۔ اور (۳) اسے مدراس ساؤدرن مراٹھا ریلوے سے سفر کرنا ہوگا جو نہایت دھیمے چلتی ہے۔

مبالغہ کی نہایت انوکھی مثال بھی گڈکری کے نگارشات سے دی جا سکتی ہے۔ ایک شخص وکٹوریہ ٹرمینس اسٹیشن پر پہنچتا ہے۔ اترتے ہی ایک ٹکٹ چیکر اسے آواز دیتا ہے لیکن وہ پھسل جاتا ہے اور ٹکٹ چیکر اس کے انگرکھے کی آستین کا کونا پکڑ لیتا ہے۔ مسافر بغیر محسوس کئے ہوئے آگے بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک جب وہ گرگام پہنچتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کی آستین کا کونا کوئی پکڑے ہوئے ہے۔

ایک اور مبالغہ کی مثال ملاحظہ ہو۔ پروفیسر کوئی ٹوپے صاحب ایک اچھے پڑھے لکھے انسان ہیں جو ایک روتے ہوئے بچے کو چپ کرانے کے لئے آسمان کے عجائبات، سیاروں کی گردشوں، ستاروں کے درمیان فاصلہ وغیرہ بیان کرتے ہیں لیکن یہ جتنا زیادہ بیان کرتے ہیں اتنا ہی زیادہ بچہ روتا چیختا ہے۔ آخر کار بچے کی بڑی بہن آتی ہے، اسے گود میں اٹھا لیتی ہے اور لوری گانے لگتی ہے اور بچہ فوراً چپ ہو جاتا ہے۔

ایک مختصر سا سین ہے "سکال چا ابھیاس" (سویرے کا سبق) تین یا چار چھوٹے بچے صبح سویرے سبق پڑھنے میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر الٹ سی، شور، چھوٹے چھوٹے جھگڑے، پوری آواز سے پڑھائی، ساری باتیں ہو رہی ہیں اور انہیں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک اچھا خاصہ تماشا اور مذاق معلوم ہوتا ہے۔ جگو نام کا ایک لڑکا ایک شادی میں شریک ہوتا ہے اور اس

کی ایک رپورٹ تحریر کرتا ہے۔ وہ اس واقعہ کو تھیئٹر کے انداز پر لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اسٹیج اچھا بنا ہوا تھا لیکن ویسا نہیں تھا جیسا تھیئٹروں میں ہوتا ہے جو لوگ تماشہ دیکھنے آئے تھے وہ سب اسٹیج پر ہجوم کئے ہوئے تھے۔ اصل کیریکٹر یعنی ہیرو اور ہیروئن (دولہا اور دلہن) اپنا کردار ادا کرنے میں ٹھیک نہیں تھے لیکن پنڈتوں نے برابر ادا کیا اور وہ ان (دلہا اور دلہن) کو برابر (ادائیگی کردار پر) آمادہ کرتے رہے۔

گڈکری اچھے خوش مذاق تھے، اچھے پڑھے لکھے اور زبان کے استاد تھے۔ الفاظ سے کھیلنا (صنعت ایہام) خوب جانتے تھے بلکہ روزمرہ بات چیت میں بھی وہ اس سے کام لیتے تھے۔ ان کی نگارشات میں مبالغہ آمیزی، ظرافت، صنعت ایہام، الفاظ کے ذریعے کرتبوں کا نقشہ کھینچنا، لفظوں کا الٹ پھیر اس طرح پائی جاتی ہیں کہ سب مل کر ظرافت کا اچھا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ گڈکری کی ظریفانہ نگارشات آج بھی عوام میں مقبول ہیں۔

گڈکری نے زیادہ یا طویل زندگی نہیں پائی۔ ان کی وفات ۳۵ سال کی عمر میں ہوئی اور یہ مختصر عرصۂ زندگی بھی سرگرمیوں سے بھری ہوئی تھی۔ مالی طور پر وہ کبھی خوش حال نہیں رہے شروع میں کرلوسکر سنگیت ناٹک منڈلی میں لڑکوں کے اتالیق کی حیثیت سے انہیں ۲۵ روپے ماہانہ ملتے تھے ـــــ اور یہ رقم بھی کبھی ایک ساتھ انہیں نہیں ملی اور نہ باقاعدہ وقت پر ملی۔ ڈرامہ نویس کی حیثیت سے بھی ان کی سالانہ آمدنی ۱۲۰۰ روپے سے آگے نہیں بڑھی اور یہ رقم بھی وقت پر باقاعدگی کے ساتھ کبھی نہیں ملی۔ اگرچہ مستقل رہائش پونے میں تھی لیکن ہمیشہ تھیئٹریکل کمپنیوں میں دوڑ بھاگ میں لگے رہتے تھے۔ ساتھ ہی خاندان بھی بڑا تھا جس کی کفالت انہیں کے ذمے تھی۔ شادی شدہ زندگی اچھی طرح گزاری۔ ان کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی سے علیحدہ کئے جانے کے بعد انہوں نے دوسری شادی ۱۹۱۷ء میں کی تھی یعنی وفات سے صرف دو برس پہلے جبکہ ان کی صحت بھی ٹھیک نہیں تھی۔

مشاغل

گڈکری کی زندگی ہمیشہ لکھتے رہنے میں گزری۔ مطالعہ بہت کرتے تھے اور ان کے یہاں کتابوں سے بھری

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

این۔ایم۔ پشیٹھ



گڈکری کے گرو کولہاٹکر

امسال مراٹھی کے مشہور ترین تمثیل نگار، شاعر اور مزاح نگار شری رام گنیش گڈکری کے صد سالہ جشن کے موقع پر انہیں خراجِ عقیدت پیش کرتے وقت ان کے گرو کولہاٹکر کا ذکر نہ کرنا نامناسب ہے۔ شری پد کرشنا عرف تاتیا صاحب کولہاٹکر مرحوم، این۔ سی۔ کیلکر اور کے۔ پی کھاڈلکر (جو کہ مشہور ادیب و جرنلسٹ تھے) کے ہم عصر تھے۔ مراٹھی ادب میں بحیثیت تمثیل نگار، مزاح نگار اور تنقید نگار کے ان کا رول اتنا زبردست ہے کہ انہیں جدید مراٹھی ادبی تنقید کا بانی کہا جاتا ہے۔

حالانکہ کولہاٹکر کے ڈرامے لوگوں نے پسند کئے مگر وہ عوام کے ذہن پر کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکے۔ انہوں نے ۱۲ ڈرامے یعنی ویرتانیہ، موک نایک، گپت سنجوتا، مائی ویر، پریم شودھن، ودھو، پریکشا، سہچارنی، پریورتن، جنم رہسیہ، شوپاربتی، شرم سپھلیہ اور مایا، وواہ لکھے جن میں سے بعض ڈراموں میں کافی رومانٹک اور بعض حقیقت پر مبنی ہیں۔ موک نایک ایک ایسا ڈرامہ ہے جہاں اُن کی ذہانت اور شائستگی کھل کر سامنے آتی ہے اور یہ ڈرامہ اپنے وقت کا مشہور ترین ڈرامہ تھا۔ ویرتانیہ دوسرا ڈرامہ تھا جسے کرلوسکر کمپنی کا انعام بھی ملا تھا۔

مزاحیہ ڈرامے

کولہاٹکر نے اپنے مزاحیہ ڈراموں میں شیکسپیئر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مزاح اور Fantasy کو اس طرح یکجا کیا تھا کہ دیکھنے والے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکتے تھے۔ قدرے پیچیدہ پلاٹ، اچانک حالات کا پلٹا کھانا اور پھر خوبصورت گیت۔ یہی بات گڈکری کے "ایکچ پیالہ" میں بھی پائی جاتی ہے۔ مکالمے اتنے برجستہ اور اچھے۔ چونکا دینے والے تھے۔ کولہاٹکر کے ڈرامے اس کے باوجود بھی اتنے کامیاب نہ تھے جتنے کہ دیول کا شاردا یا کرلوسکر کا سوبھدرا تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ انہوں نے مراٹھی ڈرامے میں جمالیاتی حسن کو پیدا کیا اور اسے روحانیت عطا کی۔

کارہائے نمایاں

ان کا سب سے بڑا حقیقی کارہائے نمایاں مراٹھی ادب میں یہ ہے کہ انہوں نے گڈکری جیسا شاگرد پیدا کیا۔

بحیثیت مزاح نگار

مزاح نگاری میں ان کا جواب نہ تھا۔ آج مزاح نگاری ادب کا جزو لاینفک بن گیا ہے مگر اس زمانے میں ایسا نہ تھا اس وقت مزاحیہ ڈرامے تفریح کا ذریعہ سمجھے جاتے تھے۔ انہیں ادبی مقام حاصل نہیں تھا۔ یہ کولہاٹکر کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مزاح نگاری نے بھی ادب میں اپنا مقام پیدا کیا۔

سماجی طنز

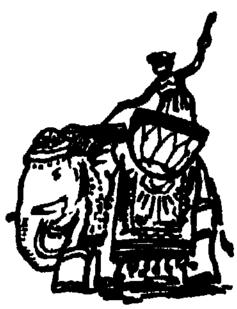
ان کے ڈراموں میں محض سطحی مزاح نہ تھا بلکہ ایک طرح کا چبھتا ہوا طنز تھا کیونکہ ان کا مقصد چھپی ہوئی مکاریوں کو ظاہر کرنا تھا جو کہ انسانی کرداروں میں چھپی حقیقت ہے۔ انہوں نے ہندو تہواروں اور رسموں کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔ مگر ان کا خاص نشانہ وہ پیشہ ور طبقہ تھا جو کہ اپنے اوپر مکاری کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ اس ضمن میں صحافیوں پر لکھا ان کا مضمون ناقابل فراموش ہے۔

شری سی۔ وی۔ جوشی نے ان کی عظمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آج جو مراٹھی ادب میں مزاح نگاری کو مقام حاصل ہے۔ کولہاٹکر میں یہ صلاحیت تھی کہ وہ مزاحیہ کردار کو بخوبی گڑھ سکیں اس معاملے میں ان کے یہاں آمد ہی تھی کہیں بھی بے جا کوشش نہیں کی گئی تھی۔ ان کے تمام کردار جیسے سداما، بندو نانا وغیرہ لافانی کردار بن کر رہ گئے ہیں۔

انہیں کی وجہ سے مراٹھی میں شری رام گنیش گڈکری۔ سی۔ وی۔ جوشی، پی۔ کے۔ آترے اور پی۔ ایل۔ دیشپانڈے جیسے مزاح نگار تمثیل نگار جنم لے سکے۔

پُرکشش شخصیت

کولہاٹکر کی شخصیت بہت پرکشش تھی جس کا عکس ان کی تحریروں میں ملتا ہے۔ یہ ان کی پرکشش شخصیت کا نتیجہ ہے کہ ان کے اردگرد شاعروں کا اور ادیبوں کا جگمگھٹا لگا رہتا تھا۔ ان سے متاثر ہونے والے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ادیبوں میں رام گنیش گڈکری کا نام تو امر ہے ہی مگر دوسرے بھی ایسے ادیب ہیں جو کہ بہت مشہور اور ہردلعزیز ہیں مثلاً ماما صاحب ویریکر، دی۔ ایس کھانڈیلکر ـــــ اور جی۔ ٹی مدکھولکر وغیرہ وغیرہ۔





صفحہ ۸ سے آگے

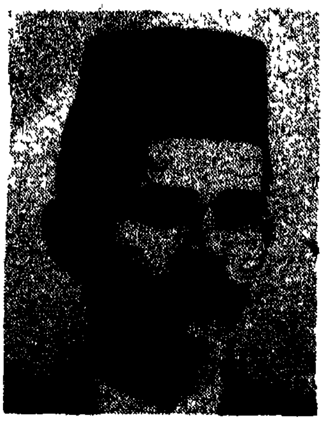
مراٹھی ادب میں گڈکری کا مقام

ہوتی لائبریری تھی جس میں سنسکرت، مراٹھی اور انگریزی کی کتابیں تھیں۔ کتابوں سے انہیں گہری محبت تھی اور وہ ان سے کنارہ کش ہونا تو درکنار دور رہنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ اتنی کم عمری میں اس قدر کتابوں اور تحریروں کا ذخیرہ ان کی جانفشانی اور غیر معمولی قابلیت پر دال ہے۔

ان کی بہترین تصانیف میں "بھاو بندھن" ـــــ اور "ایکچ پیالہ" ہیں جو اُن کی وفات کے بعد اسٹیج کی زینت بنے۔ ان کی نظموں کا مجموعہ (واگوے جینتی) ان کی ۱۹۱۹ء میں وفات کے بعد اشاعت پذیر ہوا۔ کولہاٹکر گڈکری سے بڑی محبت کرتے تھے اگرچہ موخرالذکر کبھی کبھی اول الذکر کے خلاف سخت باتیں بھی کہہ جاتے تھے۔

یہ بات آیا گڈکری ڈرامہ نویس اور شاعر کی حیثیت سے بڑے تھے یا بحیثیت ظرافت نگار کے، آسانی سے فیصلہ نہیں کیا جا سکتا لیکن بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان سب میدانوں کے اچھے شہسوار تھے۔ گڈکری کی صدسالہ سالگرہ پر جو تقریبات منعقد کی جارہی ہیں اسے خلوصِ دل سے اس اعتراف کا نام دیا جا سکتا ہے جو گڈکری نے مراٹھی زبان اور ادب پر کی ہے۔





مرزا ساز قاسمی
۱۴۹ ایکیو/۴ - اے، فیت والا کمپاؤنڈ،
پائپ روڈ کرلا۔ بمبئی ۴۰۰۰۷۰

گڈکری پر ایک نظر

نام تھا، رام گنیش گڈکری۔ پیدا ہوئے ۱۸۸۵ء میں اور دنیا کو خیرباد کہا ۱۹۱۹ء میں۔ مراٹھی زبان کے اس عظیم ڈرامہ نگار، بلند پایہ شاعر اور مزاح نگار نے واقعی بڑی مختصر زندگی پائی۔

گڈکری سچ مچ بڑی رنگا رنگ شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے ڈرامے لکھے گڈکری کے نام سے، شعر کہے گووندا گرج کے نام سے اور مزاح نگاری میں بالک رام، اس نام سے شہرت پائی۔

مراٹھی ڈرامہ نگاری کے تعلق سے گڈکری کا شمار مراٹھی ڈرامہ نگاروں کے دوسرے دور میں ہوتا ہے۔ پہلے دور کے اہم ڈرامہ نگار تھے :۔ بھاوے، کرلوسکر اور دیول۔ کرلوسکر کے 'شکنتلا' (۱۸۸۰ء) اور 'سوبھدرا' (۱۸۸۲ء) اور دیول کے مرچھ کٹک، جھنجار راؤ، شاردا اور سنشیہ کلورڈ اپنے عہد کے ممتاز ڈراموں میں شمار کئے جاتے ہیں اور ان کے بعد ۱۸۸۵ء کے لگ بھگ سے مراٹھی ڈرامے کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں کولہاٹکر نے بارہ، کھانڈیکر نے پندرہ، اور گڈکری نے اپنی مختصر سی زندگی میں صرف پانچ ڈرامے لکھے جو درج ذیل ہیں :۔

(۱) پریم سنیاس (۱۹۱۲ء) (۲) پنیہ پربھاؤ (۱۹۱۶ء) (۳) ایکچ پیالہ (۱۹۱۹ء) (۴) بھاو بندھن (۱۹۱۹ء) اور (۵) راج سنیاس (۱۹۱۷ء) جو چند نامساعد حالات کی بنا پر نامکمل ہی رہا۔ ہر چند کہ گڈکری نے اپنی مختصر زندگی میں صرف پانچ ہی ڈرامے لکھے ہیں لیکن انہیں پانچ ڈراموں نے انہیں مراٹھی زبان، مراٹھی ادب اور مراٹھی ڈرامے کی دنیا میں زندہ جاوید بنا دیا۔

گڈکری کے ڈرامے بھی ان کی زندگی اور شخصیت کی طرح رنگا رنگ پہلو لئے ہوتے ہیں مگر ڈراموں کی اس رنگا رنگی میں بھی بنیادی موضوعات، کہانی اور پلاٹ کی ترتیب، ان کے کردار اور کردار سے متعلق، روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے گھریلو اور سماجی مسائل اور ان مسائل کے الجھے سلجھے نتائج سبھی کا ایک حسین امتزاج، سبھی میں ایک خوبصورت ہم آہنگی کے درشن ہوتے ہیں اور پھر انہوں نے ہر جگہ اپنی شاعرانہ زبان اور فلسفیانہ مکالموں سے ان میں جان ڈال دی ہے۔ بوریت سے بچنے بچانے کے لئے انہوں نے اپنے ڈراموں میں، مزاحیہ کرداروں کی بھی جگہ جگہ مدد لی ہے۔ جو اپنی طنز و مزاح آمیز حرکتوں اور باتوں سے بوریت کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ اپنے ڈھنگ کا تاثر پیدا کرتے ہیں۔ گویا گڈکری نے طنز و مزاح کی آڑ لے کر سماجی اصلاح کے خوبصورت پہلو بھی نکالے ہیں۔

آیئے ہم ان کے ڈراموں کا مختصر جائزہ لیں۔

'پریم سنیاس' گڈکری کا پہلا ڈرامہ ہے اور اسی لئے اپنے پہلے اور ابتدائی ڈرامے کی تحریر میں ایک ڈرامہ نگار جس درجہ کاوشوں سے کام لے سکتا ہے'۔ گڈکری نے اس ڈرامے کی تحریر اور تزئین میں اسی قدر کاوشوں سے کام لیا ہے۔ یہ ایک سماجی اور گھریلو قسم کا ڈرامہ ہے جس میں ودھوا وواہ یا پنر وواہ یعنی بے بس اور مجبور بیواؤں کی دوسری شادی کے مسئلے کو چھیڑا گیا ہے۔ اس میں گڈکری چاہتے تو یہ تھے کہ ایک جوان، خوبصورت بیوہ لیلا اور کہانی کے ہیرو جینت کی خوش آئند شادی پر طربیہ انداز میں ڈرامے کا خاتمہ ہو لیکن سماجی دقیانوسی عناصر سے خوفزدہ ہو کر

کہ سماج کے موجودہ نظام اس شادی کو قبول ہی نہیں کرے گا۔ آپ نے ڈرامے کا خاتمہ لیلا کی خودکشی اور جینت کے سنیاس پر کیا ہے، اور اسی لئے شاید ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ڈرامہ، دودھا اور واہ کی اصلاحی سطح پر کامیاب ڈرامہ ثابت نہیں ہوا۔ البتہ ڈرامے کے میدان میں یہ ایک انتہائی کامیاب ڈرامہ تسلیم کیا گیا ہے۔ جینت، لیلا سے محبت کرتا ہے لیکن چونکہ اس کی شادی سورماسے ہو چکی ہے اس کی محبت کامیاب نہیں ہو پاتی۔ برخلاف لیلا بیوہ ہونے کے باوجود کملاکر سے محبت کرتی ہے۔ لیکن کملاکر ہندوستانی ڈراموں کے روایتی ویلن کی طرح ایک بدکردار آدمی ہے اور اسی لئے شاید وہ خودکشی کو محبت کی کامیابی پر ترجیح دیتی ہے۔ تب کملاکر، لیلا کے بعد کہانی کی دوسری ہیروئن جوان بیوہ دمن کو اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھانستا ہے وہ حاملہ ہو جاتی ہے اور پھر سماجی ذلت سے بچنے کے لئے خودکشی کر لیتی ہے۔ کہانی کی تیسری ہیروئن، شیلا بھی ایک جوان خوبصورت بیوہ ہی ہے لیکن گڈکری نے شاید اسے کرداروں کے حسنِ تضاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک سچی ہندوستانی عورت کی پاکیزگی کا نمونہ بنا کر پیش کیا ہے اور اسی لئے وہ دوسری شادی کے واہمہ تک سے بچ بچ کر پاکیزہ زندگی گذارنے چلی جاتی ہے۔ کملاکر، جیسے کہ ایک روایتی ویلن کا انجام ہوتا ہے، اپنے ہی ایک بدکردار ساتھی کے ہاتھوں قتل کروا دیا گیا ہے۔

غرض گڈکری نے اپنے پلاٹ کو قتل، خودکشی، ڈکیتی، زہر نوشی اور مقدمات (کورٹ کے مناظر) جیسے مختلف جزویات کے خلط ملط سے پُر پیچ بناتے ہوئے دل چسپ اور موثر بنانے کی حتی الامکان کوشش کی ہے لیکن ان سب کے علاوہ ڈرامے کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے ڈرامے کو مذکورہ بالا واقعات اور سانحات کے تحت خشک ہونے سے بچانے کے لئے گوکل اور اس کی بیوی، متھرا ایسے دو کامیڈی کردار بھی سجاتے ہیں جو وقوع پذیر ہونے والے واقعات اور سانحات کے ضمن میں اپنے طنز و مزاح سے بھرپور مکالموں سے ڈرامے کے ماحولیاتی تکدر کو خوش رنگ بنانے کی بھی کامیاب کوشش کرتے ہیں۔ ساتھ ہی گوکل اور اس کا بھائی سماجی مسائل اور ان کے حل کو لے کر جگہ جگہ طنز و مزاح آمیز اپنی خوبصورت بحث سے بھی ڈرامے کو بوریت سے بچانے کی کوشش میں خاصے کامیاب نظر آتے ہیں حالانکہ گڈکری کی طرف سے پلاٹ کی ترتیب میں کہیں کہیں ہلکی پھلکی تکنیکی لغزشیں اور خامیاں بھی سرزد ہوتی ہیں، تاہم یہ تسلیم کرنے سے انکار کی جرأت نہیں ہوتی کہ پریم سنیاس ان کا پہلا ڈرامہ ہونے کے باوجود کامیاب ترین ڈرامہ ہے۔

'پنیہ پربھاؤ' ایک الم انگیز طربیہ کہانی (Tragi - Comedy) ہے، جس میں بدی کے نیکی میں ڈھلنے کی اور پاکیزگی، پاکدامنی اور عقیدتمندی کی، بدمعاشی، بدکاری اور مجرمانہ ذہنیت پر فتح کی داستان یا روداد بیان کی گئی ہے۔

وسندھرا ایک ایسی دوشیزہ ہے جو اپنے حسن و جمال، ذہانت، خوش طبعی اور خوش خلقی کے لئے مشہور ہے۔ کہانی میں بیک وقت تین ایسے مردانہ کردار ہیں جو وسندھرا کے برابر برابر طالب اور آرزومند ہیں۔ ایک الیشور جو محبت میں ناکام ہو کر پریم سنیاس کے جینت کی طرح سنیاس لے لیتا ہے۔ دوسرا ورنداون جس کی شادی کالندی سے ہو جاتی ہے اور دونوں اپنی ازدواجی زندگی سے ہر طرح مطمئن ہو کر زندگی گزارنے لگتے ہیں، اور تیسرا آرزومند ہے، بھوپالی جو راج دربار میں فنڈیشور کے وزارتی عہدے پر مامور ہے اور اسی لئے وسندھرا کا باپ اسے بھوپالی سے بیاہ دیتا ہے۔ وقت کے ساتھ وسندھرا کے یہاں دینار پیدا ہوتا ہے اور کالندی کے یہاں کیتن۔ چند مخصوص اسباب کی بنا پر ایک طرف کالندی وسندھرا سے حسد کرتی ہے اور دوسری طرف ورنداون کے دل میں وسندھرا کیلئے گناہ کا جذبہ پھر ایک بار شدت اختیار کرتا ہے اور وہ بھوپالی کو شہزادے کے قتل کے الزام میں گرفتار کرا دیتا ہے اور وسندھرا کو اس کے شوہر اور بچے کی زندگی کے تعلق سے دھمکیاں دے کر اپنے شہوانی جذبات کی تسکین کی ناکام کوشش کرتا ہے لیکن وسندھرا اپنی بحث اور دلیلوں سے اس کے دل سے گناہ کے تمام تر جذبات اور خیالات کو دور کر دیتی ہے اور بالآخر تمام حالات معمول پر آجاتے ہیں اور ایک المیہ طرب انگیز انداز میں ختم ہو جاتا ہے۔ گڈکری نے 'پنیہ پربھاؤ' میں بھی 'پریم سنیاس' کے مزاحیہ کردار گوکل اور متھرا کی طرح سدام اور اس کی بیوی دامنی دو مزاحیہ کردار کی ڈرامہ کے المیہ ماحول میں تفریحی توازن برقرار رکھنے میں بڑی مدد لی ہے نیز ڈرامہ میں مختلف مواقع پر وسندھرا اور کالندی کے درمیان گڈکری نے خوبصورت نالے اور مکالموں کے دوران اشعار کا جو خوبصورت تصرف کیا ہے وہ مراٹھی ڈرامے کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔

گڈکری کا تیسرا ڈرامہ ہے "ایک ہی پیالہ" ظاہر ہے اس کا بنیادی موضوع شراب بندی ہی ہے۔ ماما صدیرکر کی رائے بجا ہی ہے کہ یہ ڈرامہ شراب بندی کی تحریک کی وکالت کرتا ہے۔ اس موضوع پر ہندوستان کی مختلف زبانوں کے ڈرامے کی تاریخ میں غالباً

قومی راج

یہ سب سے زیادہ عبرت انگیز اور سبق آموز ڈرامہ ہے۔ اچاریہ اتریے نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ گڈکری کے اس ڈرامے کا محرک شیکسپیئر کا اوتھیلو (Othello) ہے جس میں آیاگو (Iago) کیشیو (Cassio) کو پورے یقین کے ساتھ یہ ترغیب دیتا ہے کہ اگر وہ شراب کا صرف ایک پیالہ، اور پی لے تو وہ ایک پیالہ اسے پاگل کتا اور بھوکا شیر بنا سکتا ہے۔ 'ایکچ پیالہ' اپنے میں ایک مکمل المیہ ہے۔ سدھاکر ایک ذہین، قابل اور کامیاب وکیل ہے سندھو سے شادی کر کے وہ بے حد خوش ہے لیکن اس کے ساتھ ہی دنیا کی طرف سے اپنی تضحیک اور تذلیل کے سبب وہ چل نکل کر شراب کا عادی ہو جاتا ہے، شراب کا شکار ہو جاتا ہے اور ذہنی انتشار کی وجہ سے کورٹ میں اور کورٹ کے باہر اس سے کچھ ایسی لغزشیں سرزد ہو جاتی ہیں کہ سرکار اس کی وکالت کی سند ہی چھ مہینے کے لئے ضبط کر لیتی ہے۔ انہیں چھ مہینوں کے دوران اس کی شراب نوشی اور زیادہ شدت اختیار کر لیتی ہے اور پھر ایک دن تلی رام کی غلط ترغیب پر کچھ اور شرابی ساتھیوں کے ساتھ سدھاکر مدہوشی کی حالت میں کورٹ میں جاتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی سند ہمیشہ کے لئے معطل قرار دے دی جاتی ہے اور پھر سارے شرابی ساتھی بھی اس سے منہ موڑ لیتے ہیں لیکن سندھو جو ایک مثالی آریہ ہندو بیوی ہے۔ بہرحال آخر میں اس کا ساتھ دیتی ہے اور سدھاکر کے ناموس کی خاطر اپنے بھائی اور باپ کی طرف سے ملنے والی ہر طرح کی امداد کو ٹھکرا دیتی ہے۔ سدھاکر کی طرف سے بھی یہی تنبیہ کی جاتی ہے کہ وہ کسی کی بھی طرف سے کسی بھی قسم کی مدد قبول کرنے سے باز رہے اور ان حالات میں سندھو جو کہ حقیقتاً ایک باوفا اور شوہر پرست بیوی ہے بذاتِ خود محنت مزدوری کر کے گھر کا خرچ چلاتی ہے۔ تلی رام کی سندھو کے لئے بدنیتی اور نظرِ بد، سندھو کی ازدواجی زندگی میں زہر گھول دیتی ہے۔ سدھاکر اپنی بیوی کے کردار سے مشکوک ہو کر اس پر اور اس کے اور اپنے بچے پر قاتلانہ حملہ کرتا ہے اور اس طرح سدھاکر کے خلاف سندھو کا بھائی دوہرے قتل کی شکایت پولس میں درج کراتا ہے۔ سندھو اپنے شوہر کو بچانے کے لئے بسترِ مرگ پر نزع کی حالت میں بھی غلط بیان دیتی ہے کہ وہ خود بچے سمیت زینہ سے گر گئی ہے اور بچہ اسی کے نیچے دب کر مر گیا ہے اور پھر وہ سدھاکر کی گود میں سر رکھ کر مرتے مرتے اس سے وعدہ لیتی ہے کہ وہ پھر شراب کا ایک پیالہ کیا، ایک قطرہ بھی کبھی نہیں پیئے گا سدھاکر سندھو کی وفاشعاری اور قربانی سے بے حد متاثر ہوتا ہے

اور خود بھی شراب میں زہر ملا کر یہ کہہ کر 'بس یہ ایک ہی پیالہ' پی جاتا ہے اور اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتا ہے اور اس کی موت یہ ثابت کر دیتی ہے کہ شراب نوشی کے اثرات و نتائج کس طرح تباہ کن اور قیامت خیز ہوتے ہیں۔

گڈکری کی اس پُراثر المیہ کہانی کو ان کی زبان کی نرمی و نازکی، شیرینی اور تاثر نے، بیان کے زور نے تخیل کی بلند پروازی نے کرداروں کی طویل خود کلامیوں (Soliloquies) نے زوردار مکالموں نے جن میں انہوں نے بیٹے ہی کی طرح حقائق کی خوبصورت عکاسی کی ہے — لافانی بنا دیا ہے۔ تاہم گڈکری کے سدھاکر کا اگر کسی بھی شیکسپیئرین کردار سے موازنہ کیا جائے تو یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ جو سوا اپنی تدبیر اور حکمت آتھیلو، میکبتھ، ہیملیٹ یا کنگ لیئر میں ملتی ہے سدھاکر میں اس کا فقدان ہے۔ آتھیلو حاسد تھا — اس نے ڈسڈیمونا کی وفاداری کو بھی شک کی نظر سے دیکھا ہے۔ میکبتھ کا تدبر حصولِ عظمت کی خواہش یا ہوس میں پنہاں نظر آتا ہے۔ بادشاہ ہوتے ہوئے بھی لیئر دنیا کے بغض و حسد کو نہیں سمجھ سکا۔ غرض یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ سدھاکر نے تلی رام کو جو اپنا دشمن اور رقیب مانا ہے وہ اس کا دشمن اور رقیب نہیں ہے، بلکہ اس کا اصلی دشمن شراب ہے۔ سدھاکر کے مقابلے میں ان کا عظیم تر کردار تو ان کی سندھو ہے جو کمزور اور بے بس مگر مثالی بیوی کی عظیم صفت بن کر رہ گئی ہے۔ اس کے مصائب اور انجام حقیقتاً انسانی زندگی کے المیے کی انتہا ہے وہ سدھاکر کو ہر الزام سے بری کر دیتی ہے۔ بلاشبہ "ایکچ پیالہ" گڈکری کا عظیم شاہکار ہے۔

'بھاو بندھن' بھی گڈکری کے مشہور و مقبول ڈراموں میں سے ہے۔ توقعات سے پرے وہ عداوت، جو آدمی کو کوئی غلط تحریک دے اور بے لوث، عفو و درگذر کا جذبہ یہی وہ چیزیں ہیں جو انسان کو انسانی زندگی کی بلندیوں پر پہنچاتی ہیں، اسی حقیقت کا نمونہ ہے گڈکری کے بھاو بندھن کا ویلن گھنشیام جو معصوم مالتی، لتکا، ڈھنڈیراج اور دھینشور کو پریشان کن حالات میں زندگی بھر کے لئے ازدواجی رشتوں میں باندھ دیتا ہے جو ان کے لئے ناگوار اور مکروہ ثابت ہوتے ہیں۔ گھنشیام، بنیہ پر بھاؤ کے ورندا بن کا ہی گویا ایک ہمزاد ہے۔ بھاو بندھن ایک المیہ ڈرامہ ہے لیکن اس کے تمام تر واقعات، اور سانحات دل کو چھونے والے ہیں۔ بدزیب خدوخال والی اندو اور بندو کے طنز و مزاح کے تیز نشتر سامعین اور ناظرین کے جذبات پر کاری ضرب لگاتے ہیں۔

غرض گڈکری کے ڈراموں کا، ان کے کرداروں کا ـــ اور ان کرداروں کی زندگی کا جائزہ لے چکنے کے بعد ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ گڈکری انسانی زندگی اور انسان کی سماجی زندگی کے بڑے بھاری نباض تھے، انہوں نے ان کی نبضیں ٹٹولنے کے ساتھ ساتھ ان کے دل، دماغ اور ذہنوں کو کھنگالا ہے۔ انہوں نے انسانی زندگی میں زہر گھولنے والے بدقماش انسانوں کا، حاسد شوہروں کا اور اخلاقی جفا بیوں کا بڑے حسن و خوبی کے ساتھ نفسیاتی تجزیہ کیا ہے۔ گڈکری اپنی ذات میں ایک عظیم اور مکمل ڈرامہ نگار تھے، ہر دور کے ڈرامہ نگار!

اب آیئے، یہ دیکھیں کہ گڈکری مراٹھی زبان کے کس طرح ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ یہ ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ رام گنیش گڈکری نے مراٹھی شاعری کی دنیا میں "گووند اگرج" اس نام سے شہرت پائی ہے مراٹھی ادب میں جدید نظم کو اہلِ مراٹھی تک گووند اگرج ہی نے پہنچایا ہے انہیں اپنی آزاد نظم کے ذریعے ہی بے مثال قبولیت عام حاصل ہوئی ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ انہیں ڈرامے کی دنیا میں بے پناہ کامیابی حاصل کرنے کی بنا پر ہی شاعری کے میدان میں عزت حاصل ہوئی لیکن بات ایسی نہیں ہے بلکہ حقیقتاً یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ مراٹھی زبان و ادب کے تعلق سے نوجوان طبقے میں نظم کے مطالعہ کا ذوق پیدا کرنے والا پہلا شاعر گووند اگرج ہی ہے۔ نظم کے شوقین ان رسالوں کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتے تھے جن میں ان کی نظمیں شائع ہوتی تھیں۔ مراٹھی شاعری میں یوں تو اور شاعروں کے بھی مداح ہیں لیکن گووند اگرج کے مداحوں کے مقابلے میں نسبتاً بے حد کم۔ اور شاعروں کے مداح اگر کچھ لوگ ہوتے بھی تھے تو وہ بھی صرف شاعر ہی ہوتے تھے لیکن گووند اگرج کی شاعری نے عوام میں شاعری کا عام چسکا پیدا کیا۔ کچھ لکھنے لکھانے والا طبقہ نثر اور نظم دونوں میں برابر ان کی تقلید کرنے لگا۔ یہ ان کی مقبولیت ہی تھی کہ لوگوں نے ان کے تذکرے لکھے اور ان کی اشاعت کی اور طرہ یہ کہ وہ تذکرے تمام تر حقائق پر مبنی ہیں۔ ان میں دروغ گوئی اور تصنع کا کہیں نام و نشان تک نہیں اور اسی طرح وہ تذکرے گویا ان کی زندگی، ان کی شخصیت اور ڈرامہ نگاری، شاعری اور مزاح نگاری سبھی کے اعتبار سے ان کے ادبی رجحانات کو غایت درجہ اُجاگر کرتے ہیں۔ مزاح نگاری کے میدان میں اہلِ مہاراشٹر انہیں بالک رام کے نام سے بخوبی پہچانتے ہیں۔ مراٹھی ادب میں بالک رام اور مزاح نگاری باہم صفت و موصوف کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ یہ بے باک اور نڈر مزاح نگار رات کے اندھیرے سے بہت ڈرا کرتا تھا۔ سماجی قدامت پرستی پر طنز و مزاح کے تیر و نشتر چلانے والا مصلح، اسد حارک، انتہائی نیک انسان تھا۔ دراصل ان کی شخصیت کے اسی تضاد سے ان کی عظمت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کس درجے سیدھے سچے نیک اور انسان دوست انسان تھے ان کے تحریر کردہ "انا میکا پچھ ایمنگ" ان کی ان صفات کا کھلا ثبوت دیتے ہیں۔

آپ گجرات میں پیدا ہوئے۔ آپ کا بچپن وہیں گزرا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریر میں گجراتی اندازِ بیان کی ہلکی ہلکی جھلک ملتی ہے۔ بعدہٗ کرجت اور پونے میں آپ نے تعلیم حاصل کی۔ آپ کی تمنا ڈگری امتحان پاس کرنے کی تھی لیکن ناسازگار حالات اور آپ کی وضع داری مانع ہوئی اور آپ کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ کرلوسکر ناٹک منڈل میں ملازمت کرتے ہوئے آپ نے تعلیم جاری رکھی اور اسی دوران چونکہ آپ کی تعلیم ایک امتحان میں شریک ہونے والے طالبِ علم کی سی تھی آپ کو قدیم و جدید مراٹھی ادب کے مطالعہ کا بھرپور موقعہ ملا اور اسی مطالعہ کے سہارے آپ نے اپنے ڈراموں اور اپنی شاعری کو سنوارا، سجایا۔ آپ فرگوسن کالج کے متعلم تھے۔ آپ کو اپنے کالج سے بے پناہ محبت تھی۔ کالج کی اس محبت کے رشتے میں تلک اور اگرکر کی عزت اور احترام کا جذبہ جھلکتا نظر آتا ہے۔ کیوں نہ ہو، یہ وہی تو تلک اور اگرکر کے شاگرد ہیں، جو کلاس شروع ہونے کی حالت میں بھی آدیٹی اور ڈناریا کو کڑیں، (بے وقت چکنے والی کوئل سے) جیسی نظمیں لکھتے رہے ہیں۔

گووند اگرج نے قدیم شاعری کا بھی بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ کیا جس میں ابھنگ، لاونی، پوواڑے، ونندی، کوتا جیسے سبھی مراٹھی اصناف، سخن آ جاتے ہیں۔ لاونیوں اور پواڑوں کی رسیلی اور پُراثر زبان اور طرزِ بیان کا ان کے مزاج پر اس قدر گہرا اثر پڑا تھا کہ اس زبان اور بیان کی جھلک نمایاں طور پر ان کے ڈراموں میں بھی نظر آ جاتی ہے۔ "بکھر" (کسی راجہ، بادشاہ اور اس کے نظامِ حکومت کی نثری تاریخی روداد) کے مطالعے نے بھی نثری اور شعری تخلیقات میں ان کی بھرپور مدد کی ہے۔ کیشوست نے شعر کے ظاہری حسن کو جسے ہم زبان و بیان کا حسن کہہ سکتے ہیں بہت کم اہمیت دی ہے لیکن ان کے برخلاف گووند اگرج نے شعر کے اسی ظاہری حسن کو پنڈتی یا عالمانہ اور فاضلانہ شاعری کے بلند درجے پر تو نہیں پہنچایا، لیکن اسے اپنی شاعری میں اور اپنی شاعری سے

کے ذریعے مراٹھی شاعری میں ایک اہم مقام اور مقبولیت ضرور دلوا دی۔ گووند اگرج اپنے کو کیشوسُت (کرشناجی کیشو داملے ۱۸۶۶ء۔ ۱۹۰۵ء) کا چیلا سچا (تلمیذ حقیقی) کہلانے میں نہایت فخر محسوس کرتے تھے۔ آپ کیشوسُت کی بے حد عزت اور احترام کرتے تھے۔ آپ نے ان کی ذات اور شخصیت سے متعلق دو نظمیں بھی لکھی ہیں لیکن گووند اگرج کے اس اخلاص کے باوجود آج کیشوسُت کا یہ سچا چیلا بیشتر ناقدین کی نظر میں کچا محسوس ہونے لگا ہے کیونکہ اسی چیلے کے سبب کیشوسُت کی شہرت، عزت اور مقبولیت پر گہری ضرب پڑی ہے۔ ۱۹۲۰ء کے آس پاس مہاراشٹر والے، اہلِ مراٹھی کیشوسُت کو اور ان کی شاعری کی عظمت کو قدر لیے سمجھنے لگے تھے جب ۱۹۱۷ء میں کیشوسُت کی موت کے تقریباً پندرہ سال بعد ان کا پہلا مجموعۂ کلام شائع ہوا تھا — اور امید کی یہ جھلک نظر آنے لگی تھی کہ وہ کیشوسُت کے لئے اپنی عقیدتمندی کی تلافی کر لیں گے لیکن اسی زمانے میں گووند اگرج کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے اس امید پر بھی اوس پڑ گئی۔ گووند اگرج کی شاعرانہ چمک دمک کے سامنے کیشوسُت کی شاعری پھیکی بے رنگ — اور بے ہنگم نظر آنے لگی، ایسے ہی میں گووند اگرج کی بے وقت موت سے اہلِ مراٹھی کچھ ایسے ذہنی اضطراب کا شکار ہوئے کہ وہ کیشوسُت اور دیگر جدید شاعروں کو وقتی طور پر جیسے فراموش ہی کر بیٹھے حالانکہ کیشوسُت کی شاعری میں جو عظمتِ تخیل پائی جاتی ہے وہ گووند اگرج کے ہاں اتنی واضح شکل میں دکھائی نہیں دیتی۔ گووند اگرج کے ہاں کیشوسُت کی طرح موضوعِ سخن — اور جذباتیت میں ہم آہنگی عموماً کچھ کم ہی پائی گئی ہے اور اس کا سبب ہے، بیان میں زورِ زبان کا نشہ۔ بعض اوقات — وہ جذبات اور خیالات کی رو میں بے قابو ہو کر بہہ جاتے ہیں۔ زبان کی روانی اور آہنگ کے جادو میں گویا وہ گم ہو جاتے ہیں۔ اپنی شاعری میں، استعارہ کے تو مانو، وہ دیوانہ ہی ہیں — استعاروں کے استعمال پر انہیں اس بات کا بھی ہوش نہیں رہتا کہ ان کا کلام بے رنگ اور خالی از آہنگ ہوتا جا رہا ہے اور اسی سبب جیسے مراٹھی شاعری میں تصنع آمیزی کا پھر چلن بڑھنے لگا بال کوی ترمبک باپوجی ٹھومرے (۱۸۹۰ء۔ ۱۹۱۸ء) Thomare اور گووند اگرج دونوں نے اپنی نظموں میں ایک خاص استعارے اُنّی ارنیا۔ سورج کا رتھ بان) کا استعمال کیا ہے۔ اگر دونوں کا مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو بال کوی کے ہاں سادگی آمیز حسن کا نظارہ ملتا ہے اور گووند اگرج کے ہاں رنگ و روغن ملتا بھی ہے تو تصنع آمیز — رسیلی زبان اور نزاکتِ بیان سے سجی سجائی تمثیلی شاعری، اگر قارئین اپنے ہوش و حواس کھو نہ بیٹھیں تو کیا ہوا؟ لیکن عمیق مطالعہ پر جب، یہ بات قارئین کی نظر میں آتی ہے کہ اگر کسی نظم میں الفاظ، الفاظ میں اور اشعار، اشعار میں مدغم ہو کر، ایک جان ایک دل نہیں ہو پا رہے ہیں تو وہ نظم، مختلف، خوبصورت اور رنگارنگ پیوند جوڑ کر تیار کی گئی گدڑی کی مانند دکھائی دینے لگتی ہے۔

دتاتریا لکشمن گوکھلے نے 'گووند اگرج اچی کویتا (گووند اگرج کی شاعری) نامی، دل کو چھونے والے اپنے مضمون میں لکھا ہے — "گووند اگرج کے ہاں اپنے تخیل کی نیرنگی کے لئے جذباتیت اور اس کا یک رنگی غلاف یا خون کارگر ثابت نہیں ہوتا۔" گوکھلے کی رد نہایت ٹھوس اور اہم ہے۔ یہیں ہمیں کیشوسُت اور گووند اگرج کے درمیان گہرا فرق اور بڑا فاصلہ دکھائی دینے لگتا ہے۔ گووند اگرج میں جذباتیت کی شدت اور زور ہے لیکن جب وہ بے قابو ہو جاتے ہیں تو کلام کی اثر انگیزی اور تاثر بھی کم ہو جاتا ہے۔ برخلاف کیشوسُت، دیگر لوازمات اور عناصر پر قابو رکھ کر، مرکزی خیال کی پرواز میں رفعت پیدا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں گووند اگرج کے مقابلے میں زیادہ گہرائی اور گیرائی ہے۔ گووند اگرج کے تعلق سے دشنو سکھارام کھانڈیکر کی بھی یہی رائے ہے — وہ کہتے ہیں "گووند اگرج کے کلام میں رنگینی، شیرینی، ترکیب الفاظ میں موزونیت اور چستی کا جگہ جگہ فقدان نظر آتا ہے۔" کھانڈیکر کی رائے سے بھی بیشتر نقاد اتفاق کرتے ہیں۔ زورِ تخیل گووند اگرج کو مشیت کی ایک خوبصورت دین تھی لیکن وہ خود اسی کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں اور ان کی شاعری، ان کا کلام، مانو اپنی عظمت ہی کھو بیٹھا ہے۔

"واگویجینتی" (Wagvaijayanti) گووند اگرج کی ۱۵۰ نظموں کا مجموعہ ہے جو مختلف موضوعات کی حامل ہیں۔ ان کی نظموں کی درجہ بندی یوں کی جا سکتی ہے :—

(الف) عشقیہ نظمیں : گووند اگرج کی مندرجہ ذیل عشقیہ نظمیں اہم اور مشہور و مقبول نظمیں ہیں :

(۱) نردئے بالیس (بے رحم دوشیزہ سے)
(۲) پریم آنی مرن (محبت اور موت)
(۳) پریم کاڑ (دورِ عشق یا زمانۂ عشق)
(۴) شیوٹاچے پریم گیت (آخری نغمۂ عشق)
(۵) تی کون؟ (وہ کون؟) وغیرہ۔

گووند اگرج ، پریما پچھ شاہیر (شاعرِ تعشق) اس لقب سے مشہور ہیں۔ ان کی عشقیہ نظموں کا ہیرو ، اردو اور فارسی کی داستانوں کے ہیرو سے ایک دم مشابہ ہے۔ نردتے بالیس اس نظم کا ہیرو اپنی محبوبہ کی طرف سے ٹھکرا دیا جاتا ہے ۔۔۔ اور وہ یاس و نا امیدی کا مارا ہمیشہ کے لئے خدا اور محبت کا منکر ہو جاتا ہے۔

"پریم آنی مرن" گووند اگرج کی بالیقین ایک یادگار نظم ہے۔ جسے پروفیسر اے۔ این۔ دیشپانڈے جیسا نقاد بھی نظر انداز کر گیا ہے۔ اس نظم کا ہیرو ، درخت ہے ، جو بجلی کا لمحہ بھر کا ناچ (رقصِ برق) دیکھ کر اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو جاتا ہے اور بجلی کے عشق میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہے۔ وہ اس کے عشق میں جل کڑھ کر ، سوکھ کر کانٹا ہو جانے کے لئے تیار ہے اور پھلنے پھولنے کے لئے تیار نہیں۔ یہی ہے اس کا "پریتی چا روگ" (مرضِ عشق ، بیماریٔ دل) جسے گووند اگرج نے "ٹھراہٹ روگ" کہہ کر پکارا ہے۔ عشق میں ، درخت کا حوصلہ دیکھئے ۔۔۔ "شن ایک پُرے پریما چا ، ورشا پڈو مرنا چا مگ پڈ جے" (عشق کرنے والے کے لئے پیار کا ایک لمحہ کافی ہے۔ اس کے بعد چاہے موت کی برسات ہونے لگے) ۔ گووند اگرج کا پیار کا یہ تخیل صرف شاعرانہ اور جذباتی نہیں ہے بلکہ خواب انگیز بھی ہے۔ صنعتِ تجنیسِ حرفی یا لفظی کے گاہ بہ گاہ استعمال کے تحت گویا زبان و بیان کے خوبصورت ملبوسات نے اس نظم کو دلہن کی طرح شوخ و شنگ بنا دیا ہے۔ بالآخر ، "اشکا چا زہری پیالہ ۔ نشیبی جیا بجا آلا" (عشق کا زہریلا جام جن کا مقدر بن جائے) کے مصداق ، مشیت اس کی دلی مراد برلاتے ہوئے "وِیج (بجلی) ، گگنا تیل چنچل بالا" (آسمان کی اس شوخ حسینہ) کا اس سے ملن کرا دیتی ہے۔ وہ اسے گلے لگا لیتی ہے اور اس کی زندگی ابدی طور پر باغ و بہار ہو کر رہ جاتی ہے۔ غرض گووند اگرج کی دیگر عشقیہ نظمیں اسی طرح پیار و محبت کے جذبات سے لبریز ہیں ، مانو ، ان کی ہر عشقیہ نظم میں شیلی (Shelley) ، بائرن (Byron) اور کیٹس (Keats) کی (La Bella Dame Sans, Merci - The beautiful lady without any mercy.) - بے رحم حسینہ ، کھل کر اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔ اسی کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ "تی کون ؟" (وہ کون ؟) نظم کیا ہے - "ریتا ریدیا چا ہا اداس ناد" (محرومیوں کے مارے دل کا ایک اداس نغمہ) بسا اوقات یہ بھرم بھی ہونے لگتا ہے کہ گووند اگرج عشق و محبت کے تعلق سے اپنا ایک جدا گانہ نظریہ رکھتے ہیں اور ان کی بعض نظمیں "پریا پیکشا ، پریما پیا پریما تون" (محبت کے مقابلے میں محبت سے محبت ...) اس جذبے سے جنم لیتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ گویا عشقیہ تخیلات کے اردگرد چکر لگاتے ہوئے شدتِ جذبات کے ساتھ کسی موضوع کو عشقیہ انداز میں نظم کرنا ہی ان کا مزاج ہے۔ کسی جگہ کہا ہے ؎

"وشو بھرلے ۔ وشو بھرلے
پریم جلا جا بھڈ مار ۔ کر جیو اگاری بگار"

(عشق سے ہی جہان میں بہار آتی ہے۔ عشق ہی سے جہان مہکتا ہے۔ پیار اور محبت کی لگاتار برسات ہی (انسان کی) زندگی کو ٹھنڈک پہنچاتی ہے ، سکون بخشتی ہے -) اور یہ سچ بھی ہے۔ جو ان دلوں کو مہکانے والی اور ٹھنڈک پہنچانے والی شاعری کو جتنا سراہا جائے کم ہے۔

گووند اگرج کی عشقیہ نظموں میں لفظ "چُمبن" (بوسہ) جگہ جگہ دکھائی دیتا ہے۔ مانو یہ "چمبن" ہی ان کی عشقیہ نظموں میں عاشقانہ ، جذباتیت کا ایک لیبل ہو کر رہ گیا ہے۔ آپ اپنی نظم "پریم کارڈ" (دورِ عشق) میں لکھتے ہیں :

"آتا چمبن ، نتر چمبن ، چمبن جیون مئے کرو"

(ابھی اس وقت بوسہ ، بعد میں بوسہ ، (آؤ) زندگی بوسوں سے معمور کر دیں) ۔ اپنی ایک نظم "پہلے چمبن" (پہلا بوسہ) میں عرض کرتے ہیں :

"مرن سوساوے ۔ پر پہلے چمبن گھیاوے"

(موت کو گوارا کر لیں لیکن پہلا بوسہ (ضرور) لیں)

گووند اگرج کی نظموں کی درجہ بندی : (ب) ۔ اس ضمن میں گووند اگرج کی وہ نظمیں آتی ہیں جو انہوں نے سماجی موضوعات کو لے کر لکھی ہیں۔ ایلزابتھ ڈریو (Elizabeth Drew) کا قول ہے ۔۔ "شاعر فضاؤں میں پرواز کرنے والا ایک فلاسفر ہوتا ہے"۔ اسی لئے ہم گووند اگرج کی نظم "کیشوسُت میلا" (اور کیشوسُت مر گیا) کو ان کی سماجی نظموں کی تمہید کہہ سکتے ہیں۔ گووند اگرج نے اپنے کو کیشوسُت کا "سچا چیلا" کہا ہے وہ کیشوسُت کی جس انداز میں تعریف و توصیف کرتے ہیں اسی سے ان کے

سماجی نظریات کی عکاسی ہو جاتی ہے۔ گووند اگرج "دسرا" (دسہرہ) میں تنبیہ کرتے ہیں کہ

"جنیا متا بجا جاڑا کرا۔ شرت شمر تینا آتا دسرا"

(قدامت پرستانہ خیالات کی غلاظت کو جلا دو۔ شرت کے یادوں کو اب بھلا دو)۔ گووند اگرج نے دسہرہ میں ایک بیوہ کی زندگی کو سنوارنے بنانے کے مسئلہ پر بحث کی ہے — میری نظر میں "تتاری" (منہ سے بجانے کا ایک مخصوص باجا) کی طرح ہی "دسہرہ" یہ نظم بھی ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ "دسرا" میں تو گووند اگرج نے گویا حکم لگا دیا ہے کہ "قدامت پرستی کی حدود کو لانگھ جانا ہی سماج کا سچا دسہرہ ہے۔"

جہاں تک شاعری میں دل سوزی کا تعلق ہے گووند اگرج اور شاعروں کو مات دیتے نظر آتے ہیں، "راج ہنس ما جھا نجلا" (میرا راج ہنس (جان سے عزیز بیٹا) سو گیا۔) اس کی ایک روشن مثال ہے۔ یہ نظم کیا ہے۔ ایک جوان بیوہ کی دلدوز چیخ ہے۔ بیوگی کے ایک مختصر عرصے کے بعد ہی ایک غریب بیوہ پر اپنے اکلوتے پیارے چہیتے بیٹے کی اچانک موت کا سانحہ گزر جاتا ہے۔ اس کا دل اس بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اس کا بیٹا، موت کی ویدی پر چڑھ گیا۔ وہ اس بھرم میں مبتلا ہے کہ وہ میٹھی نیند سویا ہے اور اسی لئے اس کے دل سے یہ آواز اٹھ رہی ہے :—

"جا، جاوَتی سانگا کا ڑا۔ راج ہنس ما جھا نجلا۔"

(جاؤ۔ جاکر موت (موت کے فرشتے) سے کہہ دو میرا راج ہنس سو گیا)

اسی طرح، گووند اگرج کی نظم "شری مہاراشٹر۔ گیت" تھانسی کرے کے نظموں کی طرح قومیت اور حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہے۔ گووند اگرج نے اس نظم میں مالو، سارے مہاراشٹر کی تاریخ اور جغرافیہ دونوں کا نہایت عمدہ طریقہ پر محاسبہ اور پیمائش کر ڈالی ہے انہوں نے اس نظم کے لئے مہاراشٹر کی تاریخ سے بہترین واقعات کا انتخاب کیا ہے اور اہلِ مہاراشٹر کی نمایاں اور ممتاز خصوصیات کو مختصراً لیکن بڑے جامع انداز میں پیش کیا ہے آزادی سے پہلے کے ایام میں یہ نظم اہلِ مہاراشٹر کے لئے انتہائی مقبول اور نصابی اہمیت کی حامل رہی ہے جہاں پانی پت کی جنگ کا ذکر آتا ہے ہر مراٹھی بولنے والے آدمی کا سر فخر سے اونچا ہو جاتا ہے۔ اسی جنگ کے ایک نہایت المناک پہلو کو گووند اگرج نے "اپنی ایک نظم "پانی پت چا پھٹکا" (پانی پت کا حملہ) کا موضوع بنایا ہے۔ اس نظم کا ہیرو ایک ایسا سپاہی ہے جو اپنے دشمن کا بھی احترام کرتا ہے اور یہ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ تمام ہندوستانیوں میں بلا امتیاز مذہب و ملت — اتحاد اور بھائی چارہ پیدا ہو جائے۔

اس موقع پر یہ مناسب نہیں لگتا کہ گڈکری کے نامکمل ڈرامے "راج سنیاس" کی طرح ہم گووند اگرج کی ایک نامکمل منظوم تاریخی داستان "کرشنا کاٹھی کنڈل" (کرشنا کے کنارے کا کنڈل (ایک فرضی مقام) کو فراموش کر جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر گووند اگرج یہ نظم مکمل کر لیتے تو وہ نظم مراٹھی نظم کی تاریخ میں اپنے آپ میں ایک سنگ میل کی حامل ہوتی۔ نامکمل نظم میں انہوں نے بے پناہ حسن سمو دیا ہے۔ اگر یہ نظم مکمل ہو گئی ہوتی تو اس حسن کا جانے کیا عالم ہوتا! رانے باغ کا رایا، جو شیواجی کا ایک گھڑسوار ہے اس داستان کا ہیرو ہے اور ہیروئن ہے کنڈل کے ایک مراٹھا سردار مانے کی بیٹی مینا۔ دونوں کی محبت کنڈل کی جنگلاتی فضا اور ماحول میں پروان چڑھتی ہے۔ اس داستان میں نہ تو کرشنا ندی اور اس کے کنارے دکھائے گئے ہیں نہ ہی کنڈل مقام کی کوئی جغرافیائی حقیقت ہے اور نہ رایا، مینا، مانے جیسے کرداروں کی کوئی تاریخی حقیقت۔ تاہم گووند اگرج نے اس داستان پر تاریخ اور جغرافیہ کا ایک خوبصورت خول اپنے حسن بیان — اور زور زبان کی مدد سے چڑھایا ہے جیسے خوابوں کی دنیا کو ایک حقیقی شکل دے دی گئی ہو۔ پھر رایا اور مینا کے، اپنی پیار بھری ملاقاتوں کے دوران عاشقانہ شوخ و شنگ مکالمے کہانی میں شیرینی کے ساتھ رنگینی بھی پیدا کر دیتے ہیں اور قارئین کو تخیل پر بھی حقیقت کا گمان ہونے لگتا ہے۔

سماجی نظموں کی ایک اور کڑی ہے "کوی آنی قیدی" (شاعر اور قیدی)۔ عام سادہ، دنیوی زندگی کی سطح پر قدامت پرستانہ روایتی قید و بند سے آزاد ہونے کی جد و جہد اس نظم کا بنیادی خیال ہے۔ شری ہرشے (Harshe) نے اس نظم سے یہ جرأت مندانہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس میں شاعر جو بذاتِ خود نظم کا ہیرو ہے۔ "پایں گنجتا بیڑی پڑلی" (پیروں میں زنگ خوردہ بیڑیاں پڑ گئیں) کہہ کر شادی کا بندھن توڑ کر فرار اختیار کرنا چاہتا ہے۔ اس نظم میں انسانی فطرت کی گووند اگرج نے نہایت خوبصورت عکاسی کی ہے — ویسے

شری ہرشے نے اس نظم پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ واقعات اور حقائق کے بیان میں گووند اگرج نے دروغ گوئی کی اور دیہاتی پچھڑے پن کی عکاسی سے کام لیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نظم میں دروغ گوئی کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں، زبان میں "بنیاد بھکاری" (ملعون۔ فقیر) جیسی اصطلاحوں کے استعمال سے نظم کے حسنِ بیان میں قدرے کمی ضرور پیدا ہوتی ہے۔ تاہم بیشتر بند ایسے ملتے ہیں جن میں زورِ بیان نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

علاوہ ازیں گووند اگرج نے ہندوستانی فلسفہ کی بنیاد پر بھی کچھ اہم نظمیں کہی ہیں جن میں "گوڑھ گنجن" (نغمۂ پنہاں) — "پھٹکی پیلی" (چھوٹا ہوا برتن)، "مرلی" (بنسی)، "ورام چینہ" (صرف نحو کے وقفے یا تحریری ٹھہراؤ کی علامتیں)۔ "کلغی چے گانے" (کلغی کا گیت) وغیرہ خاص ہیں۔ "گوڑھ گنجن" میں زبان و بیان کی ہم آہنگی کی کمی کی وجہ سے کچھ ناپختگی کا احساس ہوتا ہے۔ "پھٹکی پیلی" جیسی نظم میں شاعر لفظ و بیان کے عمق کی بھول بھلیوں میں الجھ کر معنوی گہرائی اور گیرائی میں بھی قدرے ناکام نظر آتا ہے اور قارئین نظم سے مفہوم کو سمجھنے میں الجھن محسوس کرنے لگتے ہیں۔ "مرلی" میں بھی یہی کیفیت ملتی ہے۔ نظم میں ظاہری اور لفظی حسن ایسے کہرہ کی مانند پھیلا ہوا ہے کہ معنوی حسن اس کہرے میں گم ہو کر رہ گیا ہے کہ آگے چل کر ایسی نظموں کی جو اندھا دھند تقلید کی گئی ہے اس پر ناقدین بہت بگڑے ہیں اور اس طرح اچھے شاعر بھی ان کی بددلی کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ البتہ گووند اگرج کی "ورام چینہے" خیال کی جدت اور ندرت کے سبب قارئین پر گہرا تاثر چھوڑنے والی نظم ہے جس طرح صرف نحو میں وقفے یا تحریر میں ٹھہراؤ کی علامتیں ہوتی ہیں اسی طرح انسانی زندگی کی تحریر میں بھی ایسے وقفے یا ٹھہراؤ کی علامتیں قدم قدم پر ہوا کرتی ہیں۔ یہ تخیل کی شعبدہ بازی سہی لیکن بے معنی نہیں ہے۔ "کلغی چے گانے" کی بنیاد بھی ہندوستانی فلسفیانہ فکر پر ہی رکھی گئی ہے۔ یہاں بھی خیال روایتی قسم کا ہی ہے لیکن اس کا اظہار اور عکاسی گووند اگرج نے نہایت موثر طریقہ پر کی ہے۔ اس نظم میں بھی گووند اگرج نے ہیرو اور ہیروئن کے لئے کلغی اور ترا کی شکل میں علامتی استعارے استعمال کئے ہیں۔ اس میں بھی ہیرو بالکل اپنے روایتی انداز میں ہیروئن کے ساتھ فریب اور دغا سے ہی کام لیتا ہے اور گووند اگرج نے اس نظم میں بھی اسی بات کا ماتم کیا ہے کہ کلغی ترا کی طرف سے اپنے ہر سوال کے جواب سے محروم ہی رہتا ہے۔

غرض یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ مراٹھی شاعری میں گووند اگرج نے اپنا ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ ہمیں ان میں بیک وقت بائرن کا ڈان جوان (Dan Juan)، شیلی کی افلاطونی محبت۔ کیٹس کی بے رحم حسینہ اور گرے (Gray) کی کلاسیکی علمیت اور موسیقی بسکیپی کا عکسِ جمیل دیکھنے کو ملتا ہے۔

ہم ابتدائی سطروں میں دیکھ ہی چکے ہیں کہ گڈکری کا سب سے بہتر ایک مزاح نگار بھی ہستا تھا جس نے بالک رام کے نام سے شہرت پائی ہے۔ یوں تو مراٹھی ادب میں شری پاد کرشن کولہاٹکر مزاح نگاری کے باپ (THE FATHER OF HUMOUR) مانے جاتے ہیں۔ بالک رام نے اپنے آپ کو انہیں کا شاگرد گردانا ہے لیکن بالک رام کے مزاح میں اپنے استاد کی طرح گہرائی نہیں ہے۔ مزاح نگاری میں بالک رام نے اپنے استاد کے "سدا ایما پھ پوہے" (سدا ما رے پوہے) کی تکنیک اپنائی ہے۔

کولہاٹکر کی طرح بالک رام نے بھی ٹھکی، اس کا باپ، ٹھونا نا، بھیوراؤ اور بذاتِ خود بالک رام کی شکل میں چار یادگار مزاحیہ کردار تخلیق کئے ہیں۔ بالک رام کی مزاحیہ تخلیق "رکام پنا چی کامگری" (کاہلوں کی مہمات) میں ڈاکٹر جانسن (Dr. Johnson) کے "The Idlers" (کاہل) کی نمایاں جھلک نظر آتی ہے بالک رام کی پہلی طنز و مزاح آمیز تخلیق ہے۔ "ور سنشودھن" (دولہے کی تلاش)۔ یہ دراصل درمیانی طبقے کے ہندوؤں کی شادی بیاہ کے رسم و رواج کے تعلق سے ایک خوبصورت طنز ہے جس میں کنڈلیاں ملانا، نسلی اور فرقہ وارانہ برابری، دلہن کا انتخاب، جہیز وغیرہ تضحیک آمیز رواجوں پر کاری ضرب لگائی گئی ہے۔ بالک رام لکھتے ہیں "ماں باپ (خصوصاً لڑکیوں کے) بیٹی کی شادی جلد از جلد کر دینے کی کوشش میں ہی جہیز کا شکار ہوتے ہیں لیکن جہیز کا طریقہ آدرش اور شاہی طریقہ ہے۔ اس سے معاشی نظام کا معیار بلند ہوتا ہے کیونکہ اسی جہیز کی وجہ سے مختلف خاندانوں کی دولت اور ملکیت مختلف خاندانوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔" بالک رام کے خیال میں پونہ شہر شادی بیاہ طے کرنے کا ایک روایتی مرکز (Marriage Market) ہے اور بیشتر والدین شادی بیاہ کے موسم میں پونے جاکر ٹھہرتے ہیں۔ کسی موقع پر ٹھکی اور ٹھونا نا بھی بالک رام کو ساتھ لے کر ٹھکی کے لئے دولہے کی تلاش میں پونے جاکر ایک کرائے کے مکان میں قیام کرتے ہیں۔

ٹھبو نانا اور بالک رام اپنے دوست بھبوراؤ کو وطن ہی میں چھوڑ آئے ہیں کیونکہ اس کی بیوی کی زچگی میں بہت کم وقت باقی تھا۔ کچھ ہی دنوں میں ٹھبو نانا کے نام بھبوراؤ کا ٹیلیگرام آتا ہے — "میں تباہ ہوگیا۔ خط لکھ رہا ہوں۔" ٹھبو نانا اور بالک رام سوچتے ہیں کہ بھبوراؤ کی بیوی ضرور ہی مرگئی ہے۔ ٹھبو نانا، بالک رام کے ہاتھوں بھبوراؤ کو ٹیلیگرام بھجواتے ہیں۔ "دل برداشتہ نہ ہوا ہے ٹھکی ہے" دوسرے دن بھبوراؤ کا خط تفصیلی خط انہیں ملتا ہے جس میں لکھا ہے۔ "کل مسز کی ڈیلیوری ہوئی۔ ماں اور بچہ دونوں بخیریت ہیں۔ نوزائیدہ بچہ لڑکی ہے۔ میں تباہ ہوگیا۔ مجھے یہ یاد کرکے بڑا صدمہ ہو رہا ہے کہ ٹھبو نانا کو اپنی ٹھکی کے بیاہ کے لئے کن کن آزمائشوں سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ ٹھبو نانا کی ہمدردانہ پیشکش فضول ہے۔"

ٹھبو نانا کسی نئی دلہن کو دعا دیتے ہیں، "اسٹ کنیام سوبھاگیہ وتی بھو" اور تقریب میں شامل لوگ ان کی زبان کی پھسلن کے سبب، ان کی دعا کو بد دعا سمجھ کر انہیں خوب پیٹتے ہیں۔ بات کورٹ تک پہنچتی ہے لیکن چونکہ مجسٹریٹ بھی چار لڑکیوں باپ ہے، وہ ٹھبو نانا کو ملزم قرار دے کر سزا سنا دیتا ہے حالانکہ ٹھبو نانا عدالت سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ ان کی بد دعا کے مطابق دلہن کے اگر سچ مچ آٹھ لڑکیاں ہوئیں تو وہ اور بالک رام دونوں ایک ایک لڑکی سے شادی کر لیں گے اور ساتھ ہی دوسری چار لڑکیوں کا جہیز بھی ادا کریں گے لیکن ان کی اپیل مسترد کر دی جاتی ہے۔

اسی طرح "ادنیان پرکاش" (ایک مراٹھی رسالے کا نام) کے باہمی امدادی انجمنوں (Co-operative Societies) کے تعلق سے بالک رام کے اداریے "مان اپمان" کے گیت، پونے کے بورڈنگ ہاؤس میں قیام کے موقع پر کھانے کے دوران بالک رام اور ٹھبو نانا کے درمیان گفتگو اور ہفتے کے اختتام پر ایم ایس ایم ریلوے کے تیسرے درجے میں پونے سے میرج کے لئے سفر کرتے ہوئے مسافروں کے ساتھ بالک رام کی باتیں یہ سب طنز و مزاح کے بہترین نمونے ہیں۔

"لگن چیا موہیمے چی پوڑو تیاری (شادی کی مہم کی ابتدائی تیاریاں) اپنے اس مضمون میں شادی بیاہ سے متعلقہ اشتہار بازی کے طریقے پر بالک رام ضرب لگاتے ہیں۔ دیکھئے اشتہار کی جدید تکنیک — "ایک دلہا چاہیے۔ بلا شرط۔ دلہن تندرست اور صحت مند۔ دلہن کی عمر — اپنی چھوٹی بہن سے کچھ زیادہ — جنم کنڈلیاں جتنی درکار ہوں، موجود ہیں۔ جو کوئی دو دلہنوں سے شادی کرے گا اسے ایک زائد دلہن تحفہ کی شکل میں مفت دی جائے گی۔ جلدی کیجئے۔ یہ سہولت، صرف اسی وقت تک کے لئے جب تک ٹھبو نانا کی ساری بیٹیوں کی شادیاں نہیں ہو جاتیں۔ شادی کے خواہشمند کو فوراً سے پیشتر شادی کرنی ہوگی۔ تاخیر کا کوئی سبب قابلِ قبول نہیں ہوگا۔"

"لگن موڑنیا چی کارنے" (شادی رد کرنے کے اسباب) اس مضمون میں بھی بالک رام نے شادی بیاہ طے کرتے وقت جو وحشیانہ اور مہذبانہ طریقہ جسے ہم "وَدھو پریکشا" دلہن کا انٹرویو یا آزمائشی امتحان کہہ سکتے ہیں، اس پر بھی بالک رام نے خوب تازیانے برسائے ہیں۔

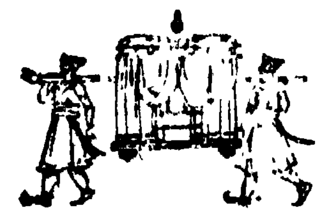
اسی طرح "کویچا کارخانہ (شاعروں کا کارخانہ — Factory of poets) بالک رام کا یہ مضمون ایک گہری ضرب ہے۔ طفیلی شاعروں اور ان کی بکواس شاعری پر شاعری کی دنیا کے اس گھناؤنے پہلو کو دیکھتے ہوئے بالک رام نے "کارخانہ" یہ جو اصطلاح ایجاد کی ہے، یہ انہیں کا حصہ ہے۔ حالانکہ دورِ جدید میں "کارخانہ کی جگہ "ورکشاپ" یہ اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جیسے مصنفوں کا ورکشاپ، ٹیچروں کا ورکشاپ، شاعروں کا ورکشاپ وغیرہ، الیکزینڈر پوپ (Alexandar Pope) نے ڈاکٹر اربتھناٹ (Dr. Arbuthnot) اور ڈنسیاڈ (Dunciad) کو لکھے اپنے مراسلوں میں بے معنی شعر کہنے والے بے وقعت اور نقال شاعروں کی انتہائی تضحیک کی ہے — بالک رام کے مضمون "ناٹک کسے پہاوے" (ڈرامہ کیسے دیکھیں) پر ڈاکٹر پوپ کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ پھر بھی چونکہ ادیبوں کی حکمتِ عملی کا شاطرانہ مشاہدہ کرتے ہوئے بالک رام نے اپنے اس مضمون میں طنز و مزاح کے باوجود ان پر تلخ ناقدانہ حملے کرنے سے گریز کیا ہے سو آپ کا یہ مضمون لوگ اب بھی بڑی پسندیدگی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ہم ادبی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں اس سوال کو اکثر زیرِ بحث پاتے ہیں کہ "ڈرامہ کس طرح دیکھیں؟" بالک رام نے اسی سوال کی وضاحت یوں کی: "ٹکٹ خریدے بغیر ڈرامہ کیسے دیکھیں؟" بالک رام (گڈکری) چونکہ خود ڈرامہ کمپنیوں سے منسلک تھے، اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ بہت سے لوگ مفت میں ڈرامہ دیکھنے کے لئے کس کس طرح سر کھپاتے ہیں۔ وہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے کہ ان کے اس رویہ سے ڈرامہ کمپنیوں

کو کسی قدر مالی نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے ۔

گڈکری کا ایک مختصر ڈرامہ "موک نایک" (خاموش ہیرو) ایک ہندو نوجوان کی زندگی کا پیدائش سے موت تک کا المیہ ہے جو انگریزی دور میں پیدا ہوا ہے ۔ اس ڈرامے کا ہیرو وکرانت جو ایک سرکاری مالیاتی محکمہ کا کلرک ہے ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اپنے پیچھے آٹھ عدد بچے چھوڑ کر مر جاتا ہے ۔ ان آٹھ بچوں کا ورثہ ہی اس کی زندگی کا یادگار کارنامہ ہے ۔ گڈکری کا "ویڈ ٹانی" (سیانا) ڈرامہ دانشمندوں پر ایک تضحیک آمیز طنزیہ ہے ۔ پروفیسر کوٹی بدھے (Prof Kotibuddhe) ایک عظیم دانشمند ہیں لیکن وہ اپنے اٹھارہ ماہ کے روتے ہوئے بچے کو اپنی تمام تر دانشمندانہ اور فلسفیانہ دلیلوں سے چپ کرانے میں ناکام ثابت ہوتے ہیں ۔ جبکہ ان کی ایک معصوم بیٹی چند ہی ثانیوں میں اپنے بے معنی لیکن خوش آواز نغمے سے اس بچے کی دلجوئی کر کے بہلا لینے میں کامیاب ہو جاتی ہے اس پر بھی پروفیسر صاحب ہیں کہ اپنی بیٹی کے بے معنی گیت کا جس میں ان کی نظر میں سنجیدہ ادبیت کا مکمل فقدان ہے ، ماتم کرتے رہ جاتے ہیں ۔ گڈکری کا ایک اور مختصر پلے (Play) "سکارچا ابھیاس" (صبح کا مطالعہ) بچوں کے لئے ایک مختصر پلے ہے جس میں ان کی پڑھائی ، اسکول کا معائنہ (Inspection) اور اسکول کی دنیا کی فضا کی خوبصورت عکاسی کی گئی ہے ۔ یہ پلے گویا اسکول کے بچوں کی زندگی کی نشاط انگیز تصویر ہے ۔

غرض گڈکری ، گووند اگرج ، بالک رام کی تمام تر تخلیقات اور تحریرات ان کے عمیق مشاہدے اور تخیل کی بلند پروازی کا نتیجہ ہیں انہیں زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے ۔ وہ صنائع بدائع کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ ان کے جملے جملے میں صنائع بدائع کا خوبصورت مظاہرہ کیا جا سکتا ہے ۔ بالک رام کی مزاح نگاری کے تعلق سے عموماً ایک سوال کیا جاتا ہے " بالک رام کی مزاح نگاری کا حقیقی مقصد کیا ہے ؟ " اس سوال کا جواب مختلف نقاد مختلف انداز میں دیتے ہیں ۔ اچاریہ اترے بڑے یقین کے ساتھ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی مزاح نگاری کی بنیاد سماجی مسائل اور مقاصد پر رکھی گئی ہے ۔ پروفیسر اے ۔ این ۔ دیشپانڈے کا خیال ہے " یہ محض مبالغہ آمیزی ہے " دیشپانڈے کی یہ رائے ہے کہ اگر مزاح نگاری ان اسباب کا نام ہے جن کا نتیجہ سماجی اصلاح ہے تو یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ بالک رام نے اپنی زیادہ تر توجہ اس بات پر صرف کی ہے ۔ برگسن (Bergson) کا قول ہے " ہر قہقہہ کسی مقصدیت کا حامل ہوتا ہے ۔ اسی لئے یہ ظرافت بھی اپنے میں یقیناً کوئی سماجی مقصد لئے ہوتا ہے کسی بامقصد قہقہہ میں تخیل سے بڑا بدخواہ بدخواہ ، ضرر رساں یا معصوم قہقہہ بھی پوشیدہ ہو سکتا ہے ۔ قہقہہ چاہے جس نوعیت کا ہو اپنے میں ایک پیغام لئے ہوتا ہے ۔ یہ قطعی مناسب نہیں ہے کہ کسی ادیب پر ایسی کوئی چھاپ یا لیبل لگا دیا جائے جس کے بارے میں ادیب نے بذات خود کبھی کچھ بھی سوچا نہ ہو ۔

یوتھ فورم



"یوتھ فورم" کا مستقل فیچر ... کی رہنمائی ، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے ۔ ۲۰ نکاتی پروگرام قوم کی سماجی و معاشی ترقی پر روشنی ڈالی جاتی ہے ۔ قومی پروگرام جیسے جہیز مخالف تحریک ، صفائی مہم ، چھوت چھات کا خاتمہ اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے ۔



اپنے مضامین اس پتے پر روانہ فرمائیں :
ایڈیٹر 'قومی راج' ۱۵ اول منزل ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ ،
مقابل منترالیہ ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲



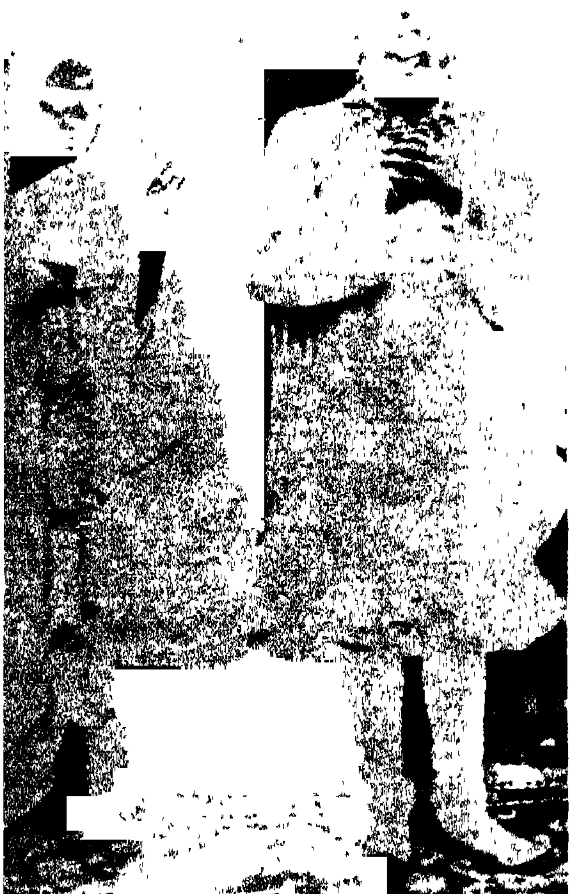


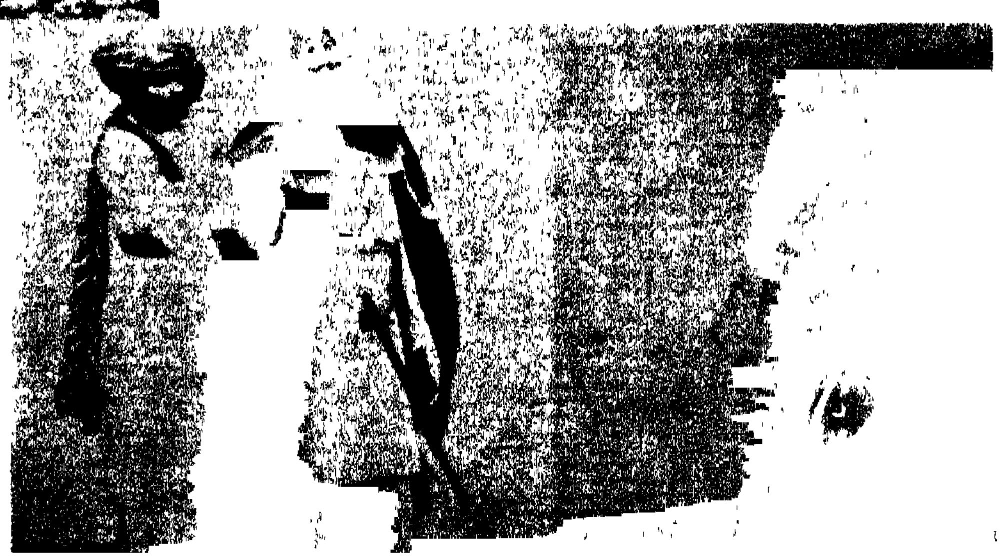






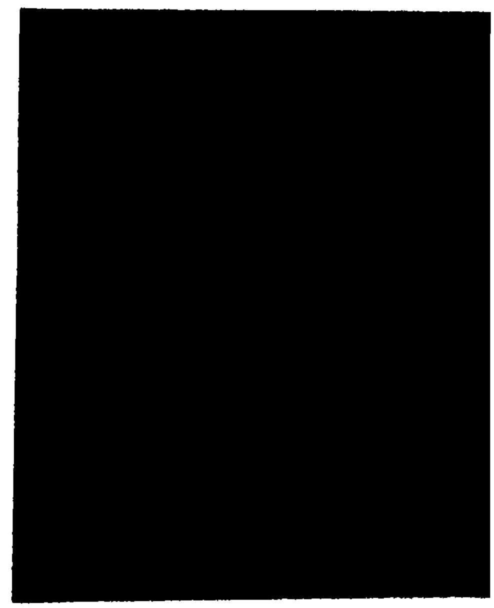


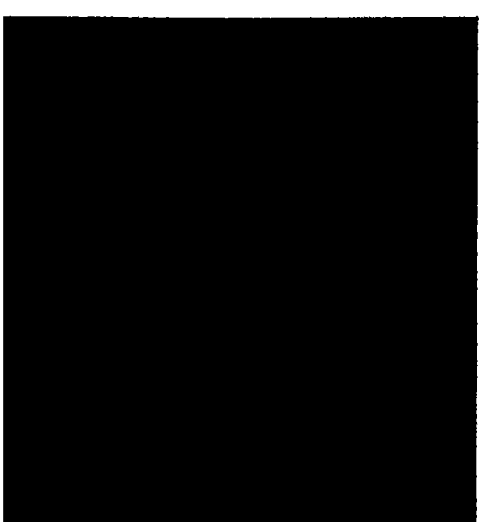
















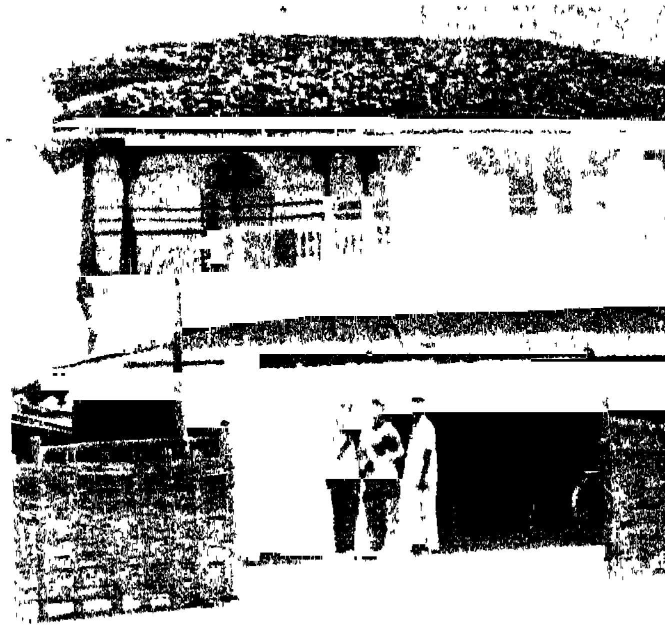


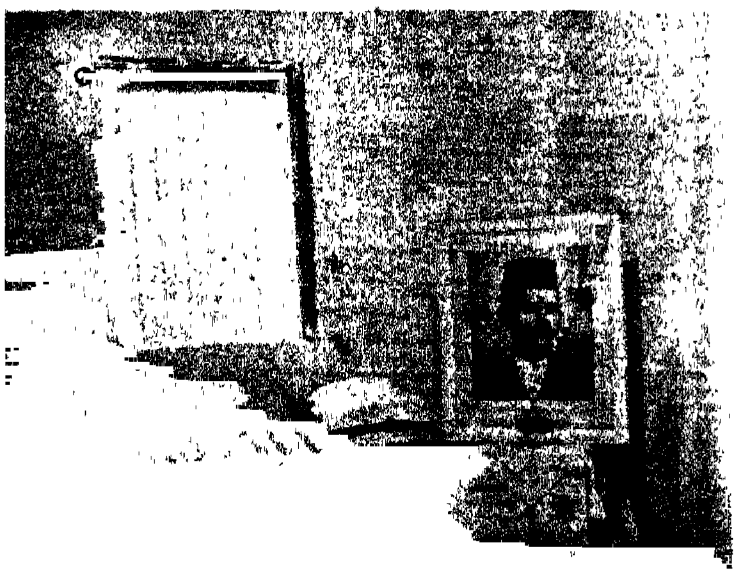














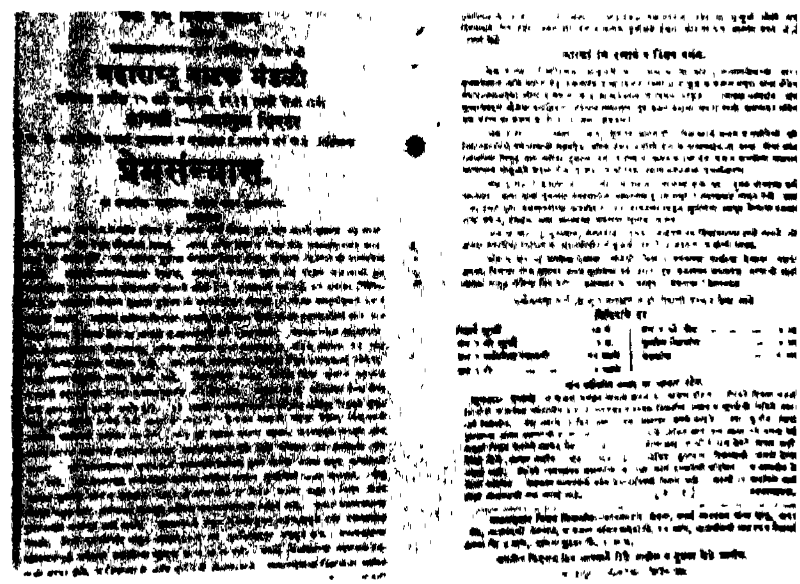










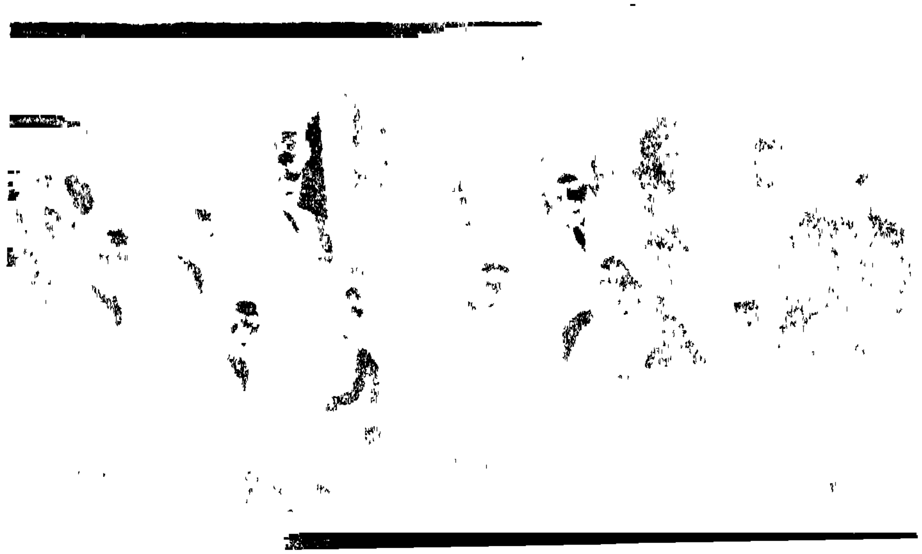






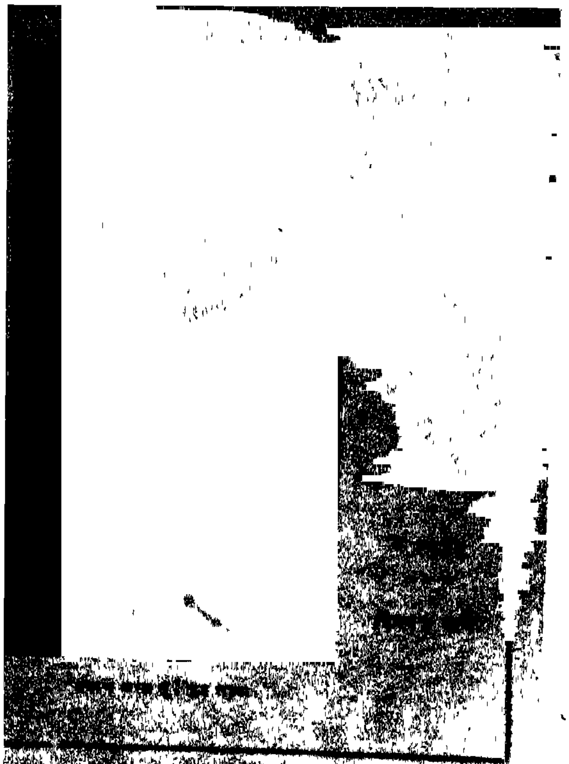


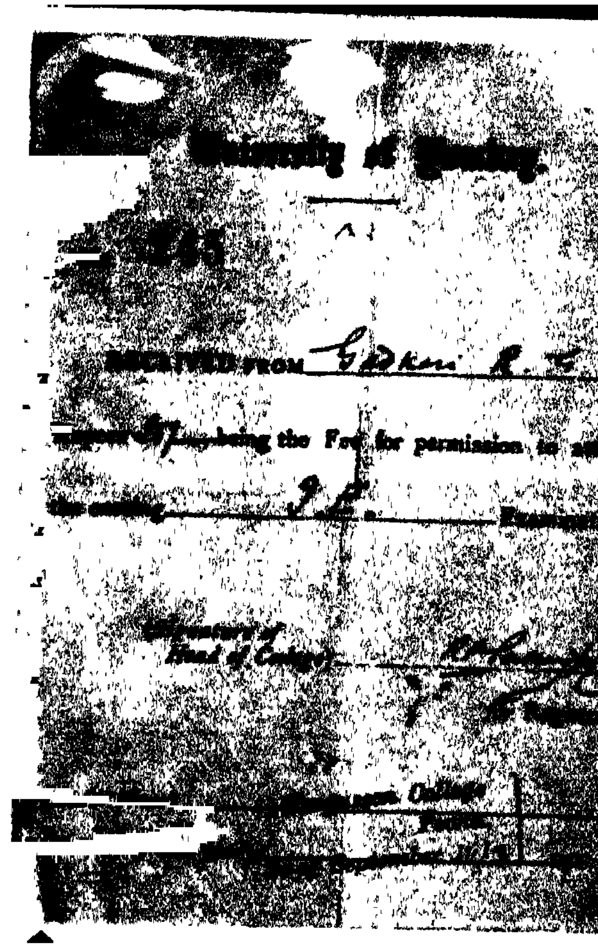








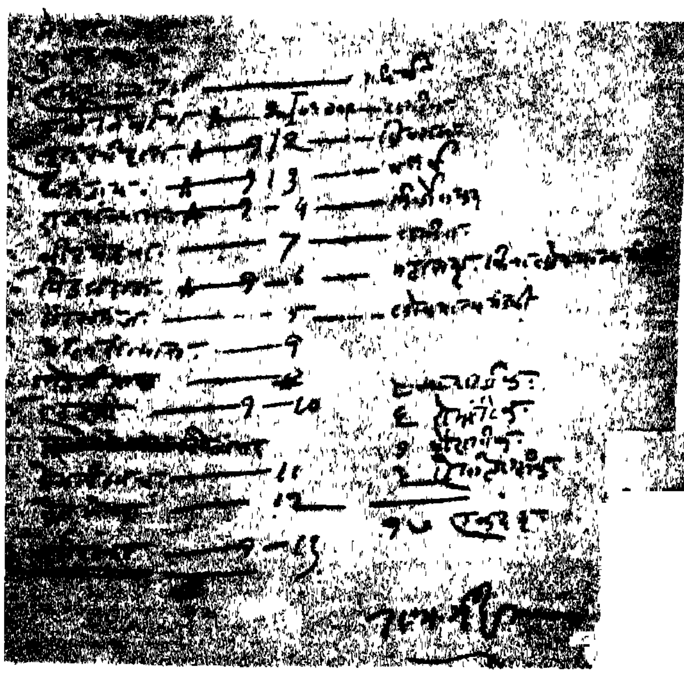


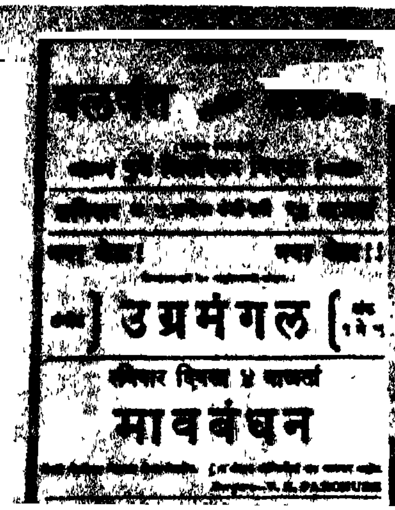
University of Bombay

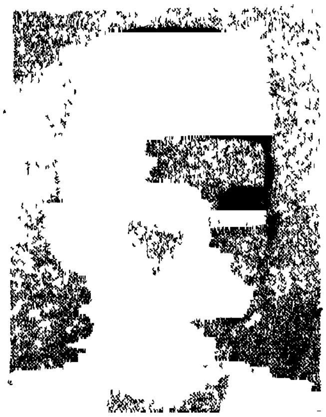
RECEIVED FROM

being the Fee for permission

Head of College







پی۔ ایس۔ نیرورکر

رام گنیش گڈکری کی مزاح نگاری

رام گنیش گڈکری کی زندگی بڑی مختصر تھی۔ انہوں نے اپنی اس مختصر زندگی کے مجموعی طور پر گیارہ برس سے زیادہ مدت تصنیف وتالیف میں گذاری۔ انتقال کے وقت ان کی عمر تیس برس ہی تھی لیکن آج مراٹھی ادب میں ان کی مثال نہیں ملتی ــــ وہ ایک عہدساز ڈرامہ نگار تھے۔ بحیثیت شاعر، ڈرامہ نگار، مزاح نگار گڈکری نے مراٹھی ادب پر انمٹ نشان ثبت کئے ہیں۔ ان کا زمانہ ۱۸۸۰ء سے ۱۹۱۸ء تک کا ہے۔

یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے اس مختصر سی مدت میں مراٹھی میں پانچ ڈرامے لکھے اور بے شمار نظمیں کہیں۔ ان کا ایک ڈرامہ ادھورا رہ گیا۔ ان کی یہ ادبی تخلیقات مواد اور ہیئت دونوں اعتبار سے بلند پایہ ہیں۔ ان میں تخیل کی نیرنگیاں اور دلکشی کا سحر بھی کارفرما ہے۔ انہوں نے مراٹھی ادب کو مزاحیہ ادب کا بھی ایک اچھا خاصہ ذخیرہ دیا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے معروف ومشہور معاصرین کے نام لکھے ہوئے ان کے خطوط نیز ان کی ڈائری کے اوراق بھی ادبی اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ مراٹھی کے شیکسپیئر بننا چاہتے تھے۔ اپنے طور پر وہ ایک حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ وہ ہر اعتبار سے مراٹھی کے شیکسپیئر بن جاتے اگر وقت سے پہلے انہیں داعی اجل کو لبیک کہنا نہیں پڑتا۔ تاہم ان کے ادبی سرمایہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ ماننے میں کوئی باک نہیں کہ اگر عمر وفا کرتی تو وہ ضرور مراٹھی اسٹیج کے شیکسپیئر بن جاتے ــ وہ شیکسپیئر کی طرح زندگی کے دونوں پہلوؤں یعنی المیہ اور طربیہ سے انصاف کرپاتے۔

گڈکری اپنے زمانے سے متاثر ہوئے۔ وہ زمانہ مہاراشٹر کی تاریخ میں سیاسی، سماجی اور ادبی انقلابات کا زمانہ تھا۔ اس وقت مہاراشٹر میں لوک مانیہ تلک، گوپال کرشن گوکھلے جیسے سیاسی رہنما نیز گوپال گنیش اگرکر اور جیوتی راؤ پھلے جیسے سماجی دانشور اور رہنما اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ گڈکری کالج کی تعلیم مکمل نہیں کرسکے۔ وہ پونے کے فرگوسن کالج کے طالب علم تھے اور انہیں اس پر فخر تھا۔ وہ سنسکرت ادب سے کماحقہ واقف تھے۔ انگریزی ادب کا ان کا مطالعہ بھی وسیع تھا۔ وہ زیادہ تر پونے میں رہے۔ اس وقت پونے میں رجعت پسندی اور جدیدیت ایک دوسرے سے دست وگریباں تھے۔ شہر کے دانشور بھی دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک قدامت پرست، رجعت پسندوں کا تھا اور دوسرا مصلحین کا۔ انگریزی زبان، انگریزی تعلیم اور برطانوی حکومت کی وجہ سے تاریخ کو نئے تناظر میں دیکھنے کا رجحان عام ہو رہا تھا ــ ثقافتی، سماجی اور ادبی سطح پر بھی اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔ ہری بھاؤ آپٹے اور کیشوسُت جیسے ادیبوں کی تخلیقات ــــ نیز گوپال گنیش اگرکر اور جیوتی راؤ پھلے جیسے دانشوروں اور صحافیوں کی کوششوں کے نتیجے میں قدامت پسند ہندو سماج کو کئی جھٹکے لگے۔ اب اس سماج کو اندر اور باہر دونوں طرف سے خطرہ لاحق ہو رہا

تھا۔

جدید شاعری کا آغاز

اسی دوران رام گنیش گڈکری ادبی سطح پر ابھرے اور شری پدکرشنا کولہاٹکر کے ساتھ ادب کی دنیا پر چھا گئے۔ بحیثیت شاعر گڈکری کیشوست کو اپنا معنوی استاد تسلیم کرتے تھے۔ کیشوست نے مراٹھی میں جدید شاعری کا آغاز کیا۔ ان کی نظم "تُتاری" بہت مشہور ہے جس میں انہوں نے مہاراشٹر کے عوام کو "قدامت" کے خلاف جنگ آزما ہونے پر اُکسایا ہے۔

شری پدکرشنا کولہاٹکر مراٹھی کے مقبول ڈرامہ نویس مزاح نگار تھے۔ گڈکری ان سے بے حد متاثر تھے اور انہیں اس میدان میں اپنا معنوی استاد تسلیم کرتے تھے۔ گڈکری اور کولہاٹکر دونوں اپنے وقت کے مصلح گوپال گنیش اگرکر سے بے حد متاثر تھے۔

اچاریہ اترے کا مضمون

آج تک گڈکری پر ہر زاویے سے بحثیں ہوئی ہیں اور ان کا مطالعہ کیا گیا ہے لیکن مراٹھی کے مشہور ڈرامہ نگار، شاعر اور صحافی پی۔ کے۔ اترے کا طویل مضمون اس ضمن میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ اترے اس وقت گڈکری سے قریب تھے جسے گڈکری کی تصنیفی زندگی کا ابتدائی دور کہا جا سکتا ہے۔

اچاریہ اترے، گڈکری کی مزاح نگاری کی جڑیں تلاش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے شری پدکرشنا کولہاٹکر کے اسلوب کو بڑی کامیابی کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ کولہاٹکر نے مزاح نگاری کی ابتداء مزاحیہ مضمونوں سے کی۔ گڈکری نے بھی ایسا ہی کیا۔ گڈکری نے مزاح نگاری کا آغاز بائیس برس کی عمر میں کیا۔ کولہاٹکر نے اپنے لئے دو مزاحیہ کردار تخلیق کئے تھے۔ ایک پنڈو تاتیا اور دوسرا بنڈو نانا۔ یہ دونوں کردار مراٹھی متوسط طبقے کے نمائندے تھے۔ ان کا تیسرا کردار سداما تھا جو دراصل خود کولہاٹکر ہیں۔ سداما پہلے دونوں کرداروں کی زندگی کے واقعات بیان کرتا ہے۔ گڈکری نے بھی مزاح نگاری کے لئے اپنے کردار تخلیق کئے۔ وہ اپنی مزاحیہ تحریریں مختلف فرضی ناموں سے شائع کراتے تھے۔ ان کا سب سے زیادہ مشہور فرضی نام "بالک رام" ہے۔ گڈکری بنیادی طور پر ڈرامہ نگار تھے۔ ان کی مزاح نگاری کے نمونے ان کے ڈراموں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ گڈکری نے اپنی ابتدائی مزاحیہ تحریروں کے لئے جو موضوعات چُنے وہ ڈرامہ اور اسٹیج ہی سے وابستہ تھے جیسے "ڈراما کیسے لکھا جائے" یا "ڈراما کیسے دیکھا جائے" وغیرہ ایسی ہی ایک مزاحیہ تصنیف ہے "جگّو کی رپورٹ" — یہ گڈکری کی ابتدائی مزاحیہ تصانیف میں سے ہے۔ اس میں ایک ایسے بچے کا ذکر ہے جس کی پرورش بچپن ہی سے ایک ڈراما کمپنی میں ہوتی ہے اور اس نے باہر کی دنیا بالکل نہیں دیکھی ایک مرتبہ یہ بچہ پہلی بار باہر کی دنیا میں قدم رکھتا ہے اور ایک شادی کی تقریب میں شرکت کرتا ہے۔ ڈراما کمپنی میں واپس آکر وہ بچہ اس تقریب کی روداد اس طرح سناتا ہے گویا اس نے ایک ڈراما یا ڈرامے جیسی کوئی چیز دیکھی ہے۔ اس بیان کے لئے وہ ڈراما اور اسٹیج میں استعمال کی جانے والی تمام اصطلاحات کا استعمال کرتا ہے۔ دراصل گڈکری نے اس تحریر میں سماج میں رائج شادی کے طور طریقوں پر گہری چوٹ کی ہے اور اس کا مذاق اڑایا ہے۔

گڈکری کی زیادہ تر مزاحیہ تحریریں سمپورن بالک رام میں جمع ہیں۔ انہوں نے اپنے موضوع ہندو سماج سے لئے ہیں۔ وہ فرسودہ سماجی رسم و رواج پر چوٹ کرتے ہیں۔ خصوصاً شادی بیاہ کے طور طریقوں اور زائچہ ملا کر شادی کرنے کے رواج کو وہ اپنا نشانہ بناتے ہیں۔

بیکاری کا شُغل

"بیکاری کا شُغل" میں گڈکری انتہائی مزاحیہ انداز میں ان والدین کی دشواریوں کو بیان کرتے ہیں جو اپنی بیٹیوں کے لئے مناسب لڑکوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ اس بیانیہ کے سہارے انہوں نے ذات پات، اندھے اعتقادات، علم نجوم پر بھروسہ کرنا، خاندان کے کھوکھلے وقار۔ جہیز کی رسم جیسی متعدد معاشرتی برائیوں پر چوٹ کی ہے۔ ذیل میں گڈکری کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے جس سے ان کی مزاح نگاری اور طنز کے نشتر کی تیزی کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

" اب تک کے میرے بیانات سے قارئین یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں جہیز کی رسم کا حامی ہوں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ صرف ایک وجہ کے بیان ہی سے قارئین کی سمجھ میں بات آجائے گی۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں عوام کا رجحان

تجارت کی طرف کم ہے لوگ نسل در نسل اپنی غیر منقولہ جائیداد سے چمٹے رہتے ہیں۔ معاشیات کے اصول کی رو سے یہ امر ملک کی ترقی کی راہ میں حائل ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہم سب پر آشکار ہے کہ ہر سال ایک لڑکی کی شادی میں جہیز دینے کے لئے لوگ اپنی گھریلو استعمال کی چیزیں فروخت کرتے ہیں۔ اس طرح ہمارے ملک میں پیسہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موقع کی نزاکت کی وجہ سے بیچنے والے کو کم قیمت ملے لیکن یہ ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ ملک و قوم کی ترقی کے لئے ایسی قربانی کے لئے تیار رہے۔"

شاعروں کا کارخانہ

گڈکری نے اپنے ایک مضمون "شاعروں کا کارخانہ" میں ان حضرات کی خوب خبر لی ہے جن میں موزونیٔ طبع تو نام کو نہیں ہوتی اور جو محض تک بندی کے سہارے شاعر اور شاعرِ اعظم کہلانا چاہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ گڈکری نے مراٹھی شاعری کے روایتی انداز پر سختی سے کاربند رہنے کے رجحان پر بھی چوٹ کی ہے نیز مواد موضوع اور فکر کی تازگی کو عروض اور قواعد سے بلند بتایا ہے۔

ڈراموں میں مزاح نگاری

گڈکری نے اپنے ڈراموں میں بھی مزاح نگاری کے جوہر دکھاتے ہیں۔ ان کے سنجیدہ اور فکر انگیز ڈراموں میں بھی مزاحیہ سین پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنے ڈراموں میں مزاحیہ کردار رکھتے تھے۔ ان کرداروں کی مدد سے وہ سنجیدہ ڈراموں کی فضا کو بوجھل ہونے سے روکتے تھے۔ ان کے مزاحیہ کردار بھرتی کے نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ کہانی کے پس منظر میں ان کرداروں کے سماجی رتبے اور ان کے نفسیاتی نشیب و فراز کو بھی ملحوظ رکھتے تھے۔ اس ضمن میں اچاریہ پی۔ کے اترے کا یہ بیان قابلِ غور ہے — "بلاشبہ گڈکری کو مزاح نگاری کی تحریک کولہاٹکر سے ملی۔ انہوں نے تکنیک کے میدان میں بھی کولہاٹکر ہی کی تقلید کی ہے یہ اعتراف کرنا ہوگا۔ سماجی سیاق و سباق میں کولہاٹکر کی مزاح نگاری گڈکری کی مزاح نگاری کے مقابلے میں زیادہ ترقی پسند ہے لیکن موضوع کے تنوع، موضوع کی وسعت اور اثر پذیری کو پیش نظر رکھا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ گڈکری کولہاٹکر کے مقابلے میں زیادہ آگے ہے۔ ضخامت کے اعتبار سے گڈکری کی مزاح نگاری بہت کم ہے۔ چار مکمل اور دو نامکمل ڈراموں میں ان کی مزاح نگاری کے نمونے بکھرے پڑے ہیں۔ ان کے بکھرے ہوئے ان نمونوں کو یکجا کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ کولہاٹکر کی تمام مزاحیہ نگارشات ان کے سامنے پھیکی پڑ جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گڈکری کے گرو کولہاٹکر مہاراشٹر کے لوگوں کی زندگی میں مزاح کو مقبول نہیں بنا سکے اور اسے باوقار مقام بھی نہ عطا کر سکے جبکہ شاگرد گڈکری کو ایسا کرنے میں کامیابی نصیب ہوئی۔

ناقدین کی آراء

مراٹھی ادب میں گڈکری کی مزاح نگاری پر تنقیدیں بھی ہوئی ہیں۔ ان کی مزاح نگاری کو "غلو" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کتابی مزاح نگاری کہا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی مزاح نگاری لفظوں کے الٹ پھیر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ ان کے ناقدین کا یہ بھی کہنا ہے کہ مزاح نگاری کے وقت وہ بعض اوقات انسانی زندگی کا حقیقت پسندانہ اظہار بھی نہیں کر پاتے۔ گڈکری کی مزاح نگاری کے نمونے ان کی شاعری میں بھی ملتے ہیں لیکن بہت کم۔

اپنے ایک ابتدائی ڈرامے "بے وقوفوں کا بازار" میں انہوں نے کامیاب مزاحیہ ڈرامائی کردار تخلیق کرنے کی صلاحیت کا اظہار کیا تھا۔ جو ان کے بعد کے ڈراموں میں ان کے بہت کام آیا۔ ان کے بعض مزاحیہ کردار مراٹھی اسٹیج پر آج بھی زندہ ہیں جیسے ڈرامہ "پریم سنیاس کا گوکل" ایک زن مرید شوہر جس کی یادداشت بے حد کمزور ہے اور اس وجہ سے وہ کئی مشکل مرحلوں سے دوچار ہوتا ہے۔ اسی طرح ڈرامہ "پُنیہ پربھاؤ" کے تین کردار نوپور، سدن اور کن کن کے بھی نام لئے جا سکتے ہیں۔

ناقدین کا جواب

گڈکری کی مزاح نگاری پر کی گئی تمام تر تنقید کے باوجود اچاریہ پی۔ کے۔ اترے کی یہ رائے توجہ طلب ہے۔

"گڈکری کی مزاح نگاری میں پائی جانے والی خامیوں کے باوجود ان کے موضوعات کے تنوع اور اثر پذیری کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس میدان میں وہ مغربی ادیبوں سے بھی آگے ہیں۔ انسانی فطرت، سماجی نابرابری اور سماجی برائیوں کے موضوع



जेव्हां जीवनलेखनास जगतीं प्रारंभ मी मांडिला,
जो जो दृष्टिस ये पदार्थ सहजीं वाटे हवासा मला;
[illegible] पहिली अशी [illegible] दृष्टी सदा [illegible],
तेव्हां 'स्वल्पविराम' मात्र दिसती स्वच्छंद चोहींकडे! 1

✻

आहे काय जगांत? नाव तिकडे? हें कोण? कोठें असे?
सांगा ईश्वर कोण? त्यापलिकडे तें काय? केव्हां? कसें?
जें तें पाहुनि यापरी [illegible]; [illegible] टाकित,
सारा जीवनलेख [illegible] तें 'प्रश्नचिन्हांकित'! 2

✻

अर्धांगी [illegible] वरी मला, शृंगारदेवी [illegible],
[illegible] सार्थ [illegible] साक्षी [illegible] पटे,
[illegible]!
केला 'अर्धविराम' तेथ; [illegible]! 3

✻

आलों व्यापक [illegible]; [illegible] विश्वांतरीं,
दिक्कालादि अनंतरूप बघतां मी होत [illegible]!
सूक्ष्म-स्थूलहि [illegible]; [illegible] अंत न,
[illegible] 'उद्गार' [illegible]! 4

✻

[illegible],
हो [illegible] आज [illegible] चिता [illegible]!
[illegible];
देवा! 'पूर्णविराम' [illegible], दे शीघ्र [illegible]! 5

پر ان کی طنز سے ملی ہوئی مزاحیہ تحریریں لاجواب ہیں ۔ گوکیا، لزپور، کن کن، سدن، تکارام، کاما اور دہو جیسے گڈکری سے تخلیق کردہ مراٹھی اسٹیج کے مزاحیہ کردار اس وقت تک لوگوں کو یاد رہیں گے جب تک مراٹھی زبان زندہ رہے گی۔"

فرانس کے مشہور ڈرامہ نگار مولیئر کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ اس کی تخلیقات فرانسیسی تہذیب کا جز بن گئی ہیں۔ یہی بات مہاراشٹر کی تہذیب اور گڈکری کے تعلق سے کہی جاسکتی ہے۔ بحیثیت ایک مزاح نگار گڈکری انسانیت پرست تھے زندگی نے ان کے ساتھ کوئی رحم دلی کا برتاؤ نہیں کیا لیکن زندگی اور انسان میں ان کا یقین کبھی ڈانواں ڈول نہیں ہوا۔ ان کا [illegible] نفسیاتی اور سماجی تضادات کا میدان جنگ بنا ہوا تھا۔ ان [illegible] انسانی کمزوریاں بھی پائی جاتی تھیں۔ مثلاً وہ اندھیرے اور موت سے بہت خوف زدہ ہوتے تھے۔

گڈکری کے تعلق سے وہ الفاظ دہرائے جاسکتے ہیں، جو جان ووڈ (John Wood) نے مولیئر کے ڈراموں سے متعلق لکھے ہیں۔

"ان کی مسرت [illegible] سطحی نہیں اور نہ ہی یہ دل لگی اور مسخرا پن ہے۔ حالانکہ دل لگی اور مسخرہ پن ان کے یہاں ضرور پایا جاتا ہے ان کا مزاح ان کے کرداروں نیز زندگی سے متعلق ان کے نظریے کی دین ہے"

(ترجمہ:۔ معین الدین جینابڑے)



مرزا ساز قاسمی
۱۴۹ اے کمرہ/۴ اے، فیت والا کمپاؤنڈ،
پائپ روڈ، کرلا، بمبئی ۴۰۰۰۷۰

وقفے ...

(گووندا گرج کی نظم "ورام چنہہ" کا آزاد خاکہ)

۱۔ میں نے
جس لمحہ، تیری دنیا میں،
اپنی ہستی کا لیکھا،
شروع کیا لکھنا،
۲۔ جو جو چیزیں،
نظر میں آئیں مری،
یوں لگا،
ساری چاہئیں مجھ کو!
۳۔ (یہ تو ایسا ہی ہے، جیسے ...)
اپنے بچپن کی،
بدنیتی، مچلتی پہلی نظر،
ناچنے لگتی ہے خوشی میں سدا!
۴۔ تب ہر اک سمت میں آزادانہ،
صرف " وقفے "
دکھائی دیتے ہیں مجھ کو!
۵۔ کیا ہے دنیا میں؟
کیا وہاں؟
یہ کون؟
ایسا کہاں؟
۶۔ کچھ بتاؤ تو۔
ایشور؟ کون؟ کون دیو مرا؟
پھر کہیں دور دور، اس سے پرے
وہ کیا؟
کہاں کوئی؟
کون؟ کیسا؟
۷ اس طرح یہ .... وہ ....
جانے کیا کیا دیکھ کر سوچ کر
ڈال دیتی ہے مجھ کو اپنی نظر،
اک عجب شک میں، وسوسے میں عجیب
دینے لگتی ہے کیسے بہلاوے!
۸۔ اور تب زندگی کے سارے لیکھے پر،
میں لگا دیتا ہوں،
"سوالیہ نشان!"
۹۔ جسم آدھا مرا،
مری بیوی،
ایک سُندر۔ سنگار کی دیوی،
جس کا پیکر حسین و جمیل،
بس میں کرتی ہے
دل مرا باربار!
۱۰۔ اور پھر ....
دل جو دیتا ہے، اس گواہی پر
ہونے لگتا ہے یہ یقین مجھے،
سرخرو ہو سکے گی پھر بے شک،
میری یک نصف زندگی یوں ہی!
اور پھر اس کے بعد،
ہم دونوں،
جیسے اک جان ہو کے رہ جائیں،
جیسے جنت زمین پر اتر آئے!
۱۲۔ پھر وہاں " آدھا۔ وقفہ "
(Semi-colon) لگا دیا میں نے،
مجھ کو محسوس یوں ہوا جیسے۔
اب وہاں سے ہٹایا نہ جائے گا!
۱۳۔ میری نظروں میں آ گئی وسعت،
میرا دل غرق استعجاب ہوا،
اور میں کائنات کے دل میں
(ڈوب کر) سیر کرنے لگا،
۱۴۔ میں نے جب دیکھا روپ، لامحدود،
وقت کا اور سمتوں کا،
رہ گیا جیسے ہو کے دیوانہ،
۱۵۔ اور کائنات کی مختلف چیزیں،
چھوٹی، بڑی، نرم و نازک، سخت تر،
اجناس کا یہ تضاد باہم
ہیں مسلسل بھرم کا جس سے شکار،
خاتمہ اس بھرم کا نہیں معلوم!
۱۶۔ پھر اسی وقت میرا دل چاہے،
ہو گیا فطرتاً ہی غوطہ زن،
حیرتوں کے اتھاہ ساگر میں،
جیسے دل خود، زبانِ حیرت، ہو!
۱۷۔ آرزوئیں مری، مری چاہت،
اک نئی شان، اک نئی حرمت،
تشنگی آنکھ میں ہے شہرت کی،
دل میں نام و نمود کی مسرت۔
۱۸۔ یہ ہر اک چیز، میرے دل کو آج،
گر نہ قابل کسی طرح ہوتی،
کہ اپنے قابو میں رکھ سکے پیہم۔
۱۹۔ اور جہاں ان تمام چیزوں کا،
اپنی ساری بلندیوں کے ساتھ،
اپنی بے پایاں عظمتوں کے طفیل،
ہو گیا ایک جاوداں سنگم،
۲۰۔ دیو میرے، مجھے وہیں دے دو،
اپنے قدموں میں، (اپنے سائے میں)،
اک "مکمل اور مستقل ٹھہراؤ"۔

سُریش دیسائی



صِرف ایک جَام

ایک شیکسپیری المیہ کے رُوپ میں

مشہور قدیم یونانی شاعر ہومر کی منظومات کے وہ تراجم جو چیپمین نے بزبان انگریزی کیا تھا انہیں پڑھ کر کیٹس (انگریزی شاعر) نے کہا تھا کہ "میں نے اسے پڑھ کر ویسی ہی جوش کی کیفیت اور جذبات کی لہر محسوس کی جیسی کہ ہسپانوی سیاح اور جہازی کا نکوسٹا ڈور کورٹیز نے محسوس کی ہوگی جس دم اس نے بحرالکاہل کے ناپید اکنار وسعت پر پہلے پہل نظر ڈالی تھی۔"

مراٹھی کے وہ طلبا ء بھی جنہیں انیسویں صدی کے وسط میں پہلے پہل انگریزی تعلیم و تعلم سے واسطہ پڑا تھا، ایسے ہی تجربے سے گزرے ہوں گے۔ جب انہیں شیکسپیر کی حیرت انگیز اور غیر معمولی تخلیقی ذہانت کی گہرائی و گیرائی کا علم ہوا ہوگا اور وہ بھی ان انگریزوں کی زبانی جو اس وقت ان کے پروفیسر تھے، یقیناً شیکسپیر اس نسل کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دل و دماغ پر چھا گیا ہوگا۔ آتھیلو کا ترجمہ جسے مہادیو شاستری کولہاٹکر نے مراٹھی میں کیا تھا، ۱۸۶۷ء میں منظرِ عام پر آیا۔ وسنت کانٹکر نے شیکسپیر کے نہایت معروف المیہ ڈراموں پر مبنی ایک مراٹھی ڈرامہ کولہاٹکر کے ترجمہ آتھیلو سے ۱۱۵ برس بعد یعنی ۱۹۸۲ء میں لکھا "نٹ سمراٹ" جسے وی۔ وی شرواڈکر (کسُماگرج) نے لکھا، اور جس کی بنیاد "کنگ لیئر" پر ہے تقریباً گزشتہ دس سال سے ہاؤس فل چل رہا ہے۔ گووند بلال دیول کا "زنشر راؤ" جو آتھیلو کا مراٹھی اسٹیج کے لئے سازگار بنایا گیا، جو یہ ہے، اب تک مقبولِ عام ہے۔ "ترا ٹیکا" (شترو کو مطیع کرلینا) اور "وکار ولاست"۔ دگوپال گنیش اگرکر "ہیملیٹ" کا نہایت قابل ترجمہ بڑی کامیابی کے ساتھ اسٹیج کی جگمگاہٹ بنے ہے۔ بابِیں ہمہ شیورام پنت پرانجپے کا "ماناجی راؤ" (میکبتھ) اور دیول کا درگا (اسابیلا) اب ذہن سے محو ہو چکے ہیں۔ شرواڈکر "راج مکٹ" (میکبتھ)، اگرچہ مقبولیت کی سمت ایک شاندا[ر] کوشش تھی لیکن اس کی عمر مختصر ثابت ہوئی۔ مراٹھی کے اول درج[ے] کے ڈرامہ نویسوں جیسے کولہاٹکر، دیول، کھاڈیلکر، گڈکری، شرواڈکر اور کانٹکر کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ و[ہ] شیکسپیر کے افسانوں اور قصص سے بغیر کسی لیت و لعل کے متا[ثر] ہیں۔ شیکسپیر کے آٹھ المیہ ڈراموں میں سے صرف "ٹائیٹس اینڈ رونیکل" ایسا ڈرامہ ہے جس کا مراٹھی میں ترجمہ نہیں ہوا ہے

جن ڈراموں کے تراجم کئے گئے یا جو سازگار بنائے گئے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے، ان سے اصل ڈراموں کی اچھ[ی] گرفت کا اظہار تو ہوتا ہے لیکن یہ بات عجیب سی ہے کہ ان میں سے کوئی ڈرامہ ایسا نہیں ہے جس میں شیکسپیر کے اصل ڈرامے کی سی گہرائی، روانی، بیساختگی اور شوکت الفاظ ہوں۔

بیساختگی سے عاری

دوسرے متعدد مغربی خیالات کی طرح شیکسپیر کا ڈرامہ بھی مراٹھی کلچر والوں پر لاد دیا گیا ہے۔ یہ کوئی خود بخود پیش آنے وا[لا]

سرتی نہیں تھی۔ شیکسپیئر ایک آزاد، سرگرم، جیتور، خوش حال اور
اولوالعزم قوم کا فرد تھا جو بے مثل شہنشاہانہ شان و شوکت
کی دہلیز پر تھی۔ اس کے برعکس مہاراشٹر اپنی آزادی اور
شاہانہ وراثت سے ایک اجنبی قوم کے ہاتھوں محروم ہو چکا تھا۔
سماجی نظریات میں قرون وسطیٰ کے رسم و رواج جیسے اور
اعتقادات میں، جو اس وقت جاری و ساری تھے، کوئی سرگرمی
باقی نہیں تھی۔ کوئی شیکسپیئر ایسے ماحول میں پیدا نہیں ہوا کرتا۔
ہم تو صرف نقالی پر ہی قناعت کر سکتے تھے۔ مراٹھی ڈرامہ
نویسوں نے نقالی بخوبی انجام دی۔

رام گنیش گڈکری کا "صرف ایک جام" مراٹھی میں
قبولیت کے لحاظ سے بے مثل ہے۔ اس کے متعلق بکثرت لکھا
اور کہا جاتا رہا ہے اور اسے بہت سے معزز ناقدین نے مراٹھی کے
المیہ ڈراموں کا ایک بہترین نمونہ قرار دیا ہے اور اس بات سے
انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مصنف بھی المیہ ترسیمی ہی کی کر رہا تھا۔
چنانچہ "صرف ایک جام" کی طرز نگارش اور اسلوب بیان اس
بات کی بلاشک و شبہ شہادت دیتے ہیں کہ اس موقع پر یونانیوں
کا نمونہ نہیں بلکہ شیکسپیئر ہی کا نمونہ اس کے پیش نظر تھا۔

گڈکری نہایت کامیاب ڈرامالسٹ تھا، وہ اپنے سامعین
کا نبض شناس تھا، ان کی پسند و عدم پسند سے واقف تھا۔
اور اپنی تیز فہمی کے سبب جانتا تھا کہ بال گندھرو کو مراٹھی دیوالا
پر دل کشی کی کتنی عجیب و غریب مہارت حاصل ہے۔ اس نے غیر طبعی
لیکن عملی طور پر سمجھ لیا تھا کہ اگر کر کو ہیملیٹ میں جو زبردست
مقبولیت نصیب ہوئی تھی اور مراٹھی ڈراموں کے دیکھنے والوں نے
جو اسے بہت پسند کیا تھا، اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ پلاٹ اچھا
تھا بلکہ اس کی وجہ اداکاروں کا دلوں کو موہ لینے والا کردار تھا۔
اگر انہیں کسی ایسے موضوع کے مطابق ڈھالا جا سکتا جس سے
سماجی حیثیت سے مہاراشٹر کے لوگوں کو اُنس اور دل بستگی ہے
تو اس کا نتیجہ صحیح معنوں میں زبردست کامیابی کے مترادف ہوتا
بال گندھرو کے لئے بھی الم۔ پر۔ مبنی۔ فرحیہ ڈراموں کے حالات
پیدا کرتا المیہ پن کا عنصر ضرور رکھتا۔ کھاڈیلکر نے بھی
شیکسپیئری کرداروں کو اختیار کرنے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش
کیشوت شاستری کے (لیئر)، سوائی مادھوراؤ کے (ہیملیٹ)
راگھوباداد کے (میکبتھ) اور آنندی بائی کے (لیڈی میکبتھ)
سے جا مطابقت رکھتی تھی۔ یہ بکسارتیں بآسانی معلوم کی جا سکتی
تھیں اور گڈکری اپنے زبردست خیالاتی اور تصوراتی قوت مدرکہ
کے بل پر اس کھائی میں گرنے سے بچنا چاہتے تھے — چنانچہ
"صرف ایک جام" کا غالباً کوئی کردار سوائے گیتا کے یہ دعویٰ
نہیں کر سکتا کہ وہ کسی المیہ سے بالراست تعلق رکھتا ہے۔

شیکسپیئر کا زمانہ

اگرچہ اس میں شیکسپیئر سے حوصلہ یابی پائی جاتی ہے، لیکن وہ
اصلی تصانیف ہیں اور وہ اس حد تک اصلی ہیں کہ انہیں اکثر اصلی
انسانی زندگی کے ساتھ مطابقت دی جاتی ہے۔ مراٹھی تھیٹر کی
تاریخ میں پہلی دفعہ گڈکری اس خیال سے دلچسپی لے رہا تھا کہ
کسی معاصر، درمیانی درجہ کے پس منظر کے ساتھ ایک شیکسپیری
المیہ تشکیل دی جائے۔ مراٹھی میں اب تک شیکسپیئر کو صرف
اس حد تک حسب حال بنالیا جاتا تھا کہ اس سے رومانی تخیلات
یا تاریخی واقعات کی خانہ پُری ہو سکے۔ گڈکری اس تخیل کو تقریباً
روزمرّہ کے اصلی سماجی مضمون کی شکل دینے کا خیال کر رہا تھا۔

المناک خامی

شیکسپیئر کے سب ہی ہیرو غیر معمولی کردار کے لازماً
اچھے، شاہی یا امیرانہ پس منظر رکھنے والے، بہادر، اشراف
لوگ تھے لیکن جو اگر ان میں دماغی میک۔ آپ کی ایک المناک
خامی نہ ہوتی تو، باوقار شرفا میں گنے جاتے۔ یہ المناک خامیے،
ہیملیٹ میں بے استقلالی، آتھیلو میں عملی طور پر جلد بازی، میکبتھ
میں حد سے بڑھی ہوئی حب جاہ اور لیئر کی خوش اعتقادی ان
کے اعلیٰ کردار کو تباہ کر دیتی ہے جس وقت وہ ایسے حالات
میں ہوتے ہیں جہاں ٹھیک ان کے برعکس کردار ضروری ہوتے ہیں۔

ان خاص حالات میں جنہیں شیکسپیئر اپنے المیوں کے ہیروؤں
کے لئے پیدا کرتے ہیں، بدقسمتی کا ایک المناک عنصر ہمیشہ ہوتا ہے
اگرچہ ان کے کردار کی وہ المناک خامی ہی انہیں اس المناک غلطی
کے ارتکاب کی طرف لے جاتی ہے (ارسطاطالیس کا ہرتیشیا)، لیکن
قسمت کی شدنی کر فیصلے کے ناگزیر عنصر سے یکسر انکار نہیں کیا
جا سکتا۔ اس بات میں کہ ہیملیٹ کی ماں زانیہ ہے۔ ہیملیٹ کا
کوئی قصور نہیں اور نہ لیڈی میکبتھ کی خونی سنگدلی میں میکبتھ کو
کوئی دخل ہے۔ خوبصورت ڈاسڈیمونا مور کی والہانہ محبت میں
گرفتار ہے۔ مور اسے ساتھ فریب کاری سے کام لے رہا ہے۔

ڈاسڈیموراکی مور سے ساتھ یہ والہانہ محبت اپنے اندر مرگِ ناگہانی کا عنصر رکھتی ہے۔ شیکسپیئر کے المیوں کا سب سے زیادہ متحیر کرنے والا پہلو المناک عنصر کے بارے میں اس کا وہ تجربہ ہے جو ناگزیر ہوتا ہے اور جو المیہ پر منتج ہوتا ہے۔ ہیملیٹ کا المیہ دفع نہیں کیا جا سکتا صرف اس لئے کہ اس کا جو کردار ہے وہ ثابت ہے۔ اسے وہی برتاؤ کرنا چاہیئے تھا جو اس نے کیا۔ المناک خاتمہ کا ناگزیر ہونا اس پر لادا نہیں گیا، وہ تو ہیرو کے کردار کا لازمی جز ہے۔ جدید محاورے میں ہم شاید اسے جان بوجھ کر کردمیم کے دوسرے مرکبات سے رنگ سازی کا کمال کہہ دیں۔

شیکسپیئر کے ہیرو اپنے بیرونی ماحول سے الجھ پڑتے ہیں لیکن وہ قابل لوگ ہیں اور بیرونی حالات سے اغلباً انہیں مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے اپنے ماحول سے ٹکرانا ہمیشہ غیر اہم ہوتا ہے کیونکہ ان کی خمیر کا جز ہی ایسا ہے جو انہیں کامیاب بنائے گا لیکن ان کے کردار کی ایک المناک خامی انہیں اندرونی ٹکراؤ پر غالب آنے کے ناقابل بنا دیتی ہے۔ وہ اس کی شدت کے سبب پریشانی محسوس کرتے ہیں اور غلط فیصلے کر بیٹھتے ہیں۔ جو انہیں المیہ کی گہری کھائی میں ڈھکیل دیتے ہیں۔

شیکسپیئر کی ٹریجڈیاں دراصل کردار کی ٹریجڈی ہوتی ہے۔ ڈرامہ میں ڈرامائی عمل خود ہیرو کی کسی خصوصیت کی وساطت سے، اور اس کا نفسیاتی تفاعل (انٹر-ایکشن) ویلن کی شخصیت اور دوسرے کرداروں کے ذریعے پیش آتا ہے بعض اوقات کوئی عمل، ہیرو کی المناک خامی کا پاسنگ بن جاتا ہے جیسے ہیملیٹ میں بانکو کی شبیہ لیرٹیس سے ضمیر کی صورت مجازی بن کر سامنے آتی ہے۔ شیکسپیئر بھی خلافِ معمول اور ما فوق البشری امور سے کام لیتا ہے جو واضح طور پر ہیرو کے کیریکٹر میں کسی نمایاں خصوصیت کی توسیعات ہوا کرتی ہیں۔ میکبتھ میں جو جادوگرنیاں دکھائی گئی ہیں وہ میکبتھ کے دماغ میں پوشیدہ سیاہ خیالات کا عکس ہیں۔ ہیملیٹ کے باپ کا بھوت اس کی وہ ذہنی کاوشیں ہیں جو اپنے چچا کے گندے اعمال کا انتقام لینے کے لئے اُس کے ذہن میں پرورش پا رہی تھیں۔ اس کی دیوانگی، اس کے کسی فیصلے پر نہ پہنچنے کی عکاسی کرتی ہے۔ شیکسپیئر کے المیوں کی بلندی کا ظہور ان گہری تنقیدوں اور بار... بین نگارشات سے ہوتا ہے جو اس کے انوکھے شاندار اسلوب میں زندگی کے کئی پہلوؤں پر، بعض کرداروں کی زبانی، مجنوں کے بڑ کے طور پر ادا کروائی گئی ہے۔

توری راج

سیمابے جیسی پروازِ فکر

رام گنیش گڈکری میں ان صفات میں سے کوئی صفت نہیں تھی۔ البتہ اس میں سیماب جیسی پروازِ فکر ضرور تھی جس اس کے ذہن میں تقریباً خود بخود آنے والے تصورات تخالف میں اور ڈرامے کے اہم مقام اور ہیرو کی امتیازی خصلت کے مابین مشابہتوں میں زبانی طور پر ورزشی افعال صدور ہوتا تھا۔ ڈرامے کے یہ اہم مقامات اکثر و بیشتر اس جدت طرازی ہوتی ہے جن کا اس کے فطری عادات و اطوار کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسا کر شرد کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں رام لال کی بھل بھول یا بھاگیرتھ کا اپنے گرد کے لئے اپنے محبت کو قربان کر دینے پر آمادگی۔

"صرف ایک جام" میں سدھاکر کسی غیر معمولی انسانی صفت کا مظاہرہ نہیں کرتا ہے۔ وہ اپنے وقت کے درمیانی درجے کے لوگوں کی بس ایک مثالی پیداوار ہے۔ یعنی وہ اچھا تعلیم یافتہ قانون دانی کے لحاظ سے ترقی کی دہلیز کو چھو لینے میں کامیاب محبت کرنے والی بیوی کا شوہر اور دولت مند خسر کا داماد۔ پھر بھی زندگی کی دوڑ دھوپ میں، روزمرہ معاملات سے ذہانت و صلاحیت کے ساتھ عہدہ برآ ہونے میں، اس کا درجہ اوسط سے بھی پست ہے کیونکہ وہ عدم قابلیت کی ایک جنبش سے اور جلد بازی سے کام لے کر "منصف" کو اپنی قانونی سند معطل کر دینے پر اکساتا ہے۔ وہ سند کو کیریکٹر کی کسی المناک خامی کی بدولت نہیں بلکہ ایک معمولی سے دماغی فتور کے سبب کھو دیتا ہے۔ سند کھو دینے کے بعد اسے جن پریشانیوں سے غالباً گزرنا پڑتا۔ اس کی نوعیت صرف کچھ وقت کے لئے کام سے بیکاری ہوتی اور اس سے ذرا سا وقار کو ٹھیس پہنچتی۔ اسے اخلاقی مشکل کا سامنا کرنے کی نوبت پیش نہیں آتی۔ تھوڑی سی موقع شناسی اور قوتِ برداشت سے وہ پیش آمدہ الجھنوں پر غالب سدھاکر اس طرح عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے کیونکہ بنیادی طور پر اخلاق کی بلند صلاحیتوں سے محروم ہے۔ پھر اس کا شراب نوشی کی پستی میں گرنا کوئی وقار و عظمت کی علامت نہیں ہے۔ بہتیرے درمیانی طبقے کے لوگ بعض چھوٹی معمولی قسم کی پریشانیوں سے پیدا ہونے والی الجھنوں کو ٹھا

سے لئے شراب نوشی شروع کر دیتے ہیں جسے وہ بعد میں اس حد تک جزو زندگی بنا لیتے ہیں کہ غرق مے ناب ہونے کو وہ وجہ عافیت سمجھتے ہیں۔ ہیملیٹ کی نگاہوں میں اس کی ماں اور چچا کا گناہ اتنا بڑا عظیم تھا کہ اس کے مقابلے میں ہر دوسری خرابی اسے ناقابل التفات دکھائی دیتی تھی۔ ریگن اور گونیری کی سیاہ احسان فراموشی نے لیئر کو دل شکستہ کر دیا اور اس کی مصیبتیں کارڈیلیا کی تباہی سے المضاعف ہو گئیں اگرچہ اس کی تباہی خود اسی کی لائی ہوئی تھی۔ لیئر کی جو حالت ہوئی وہ پیری پاتیا کے بارے میں (الٹا کر) ارسطا طالیس کے تصورات کی صحیح عکاسی ہے یعنی کہ ہیرو کو اپنے عمل سے جس نتیجے کی امید ہوتی ہے اس کے برعکس نتیجہ بر آمد ہوتا ہے۔ لیئر اپنی بادشاہت اپنی دو احسان فراموش لڑکیوں کو بخش دیتا ہے اور تیسری لڑکی کو، جو حقیقتاً باپ کو بہت چاہتی ہے، وراثت سے محروم کر دیتا ہے میکبتھ، ڈنکن کو مار ڈالتا ہے تاکہ خود بادشاہ بن بیٹھے۔ اور تباہی اور موت کی آغوش میں جا پہنچتا ہے۔ آتھیلو، ڈیسڈیمنڈ کو گلا گھونٹ کر مار ڈالتا ہے کیونکہ وہ اسے زناکاری کی سزا دینا چاہتا ہے لیکن اس کام کو انجام دینے کے بعد اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے گناہ تھی۔ ان سب کاموں کے الٹا ہو جانے سے ان کاموں کے کرنے والوں کی طبیعت پر جو دباؤ اور دل پر جو بوجھ پڑتا ہے اس کے سبب ان کی زندگی شکستگی کی نذر ہو جاتی ہے

شرابی دماغ

سدھاکر کے بارے میں پیری پاتیا کا سا انجام پیش آتا یا الٹا نتیجہ بر آمد ہوتا ہے وہ کسی سے انتقام لینا نہیں چاہتا۔ حتیٰ کہ اس "منصف" سے بھی نہیں جس نے اس کی سند معطل کر دی ہے۔ سندھو کی وفاداری پر شک و شبہ کرنے کی اس کے پاس کوئی وجہ نہیں۔ جب وہ ایسا کرتا ہے تو وہ کوئی انسانی غلطی نہیں ہوتی بلکہ ایک گندی، شرابی دماغ کی غلط [illegible] ہوتی ہے۔ ڈرامے میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ سدھاکر وسیع قلبی، جرأت اور زود حسی جیسی بلند صفتیں رکھتا ہے جن کی بدولت سندھو کی غیر معمولی محبت کا اندازہ لگا سکے۔ ایک چھوٹا سا واقعہ اسے شراب نوشی کی طرف لے جاتا ہے جو آخر کار خود اس کی اور اس کے خاندان بھر کی وحشتناک تباہی پر منتج ہوتا ہے۔ مقابلتاً، بھاگیرتھ، جو ایک بیوہ سے شادی کرنے کے لئے شراب نوشی ترک کر دیتا ہے سدھاکر سے کہیں زیادہ جرأت مند دکھائی دیتا ہے۔ سدھاکر میں شیکسپیئر کے ہیروؤں جیسی صفتیں نہیں ہیں۔ وہ بڑی شان والا بھی نہیں ہے۔ بڑی شان کو چھوڑئیے، وہ تو ویسی اوسط بھی نہیں رکھتا۔

المیہ کا ہیرو

لہٰذا کسی المیہ کے ہیرو کی سطح تک پہنچنے میں سدھاکر کی ناکامی "ایک ہی جام" کو شیکسپیری المیہ ہونے کے ہر دعوے سے محروم کر دیتا ہے۔ ہندستان کی زندگی کے بارے میں گڈکری کی سوجھ بوجھ اور وسیع نظری اتنی ناکافی تھی کہ وہ شیکسپیری پائے کا کیریکٹر پیدا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ گڈکری کے کیریکٹر اسی کے ناپختہ گو چرکنے اور مستعد خیالات کی پیداوار ہیں اور ان کیریکٹروں میں، گہرائی اور گیرائی کا فقدان ہے۔ وہ اپنے ماحول سے ٹکرانا تو کجا، خود ہی متاثر ہو جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر تلی رام کو لیجئے۔ وہ نہ پوری طرح مسخرا ہے نہ ماہر ویلن لیکن ٹکڑوں کی شکل میں اسے دونوں ہی طرح کی ایکٹنگ دی جاتی ہے۔ وہ سدھاکر کو شراب کے گھونٹ کی پہلی چسکی پینے پر آمادہ کرتا ہے لیکن ایسا کرنے میں اس کا ارادہ سدھاکر کی تباہی نہیں ہے۔ اس کے دل میں سدھاکر کے خلاف کوئی برا ارادہ نہیں ہے اور نہ اس کے لئے ایسا کرنے کی کوئی وجہ ہے۔ تلی رام کی شراب نوشی، اپنی بیوی کے ساتھ زیورات کے لئے اس کا غصہ و غضب ناکی، جذبہ و جوش اور چڑچڑاپن، اسے ایک شائی کم درجے کا شراب نوش ثابت کرتے ہیں۔ اس کی تمسخر آمیز اور طنزیہ باتیں مزاح و انشراح تو پیدا کرتی ہیں لیکن اس کی حیثیت کے لحاظ سے کچھ زیب نہیں دیتیں۔ اس میں شک نہیں کہ گڈکری کو مزاقیات میں برتری حاصل ہے۔ درحقیقت پروفیسر ڈبلیو۔ ایل۔ کلکرنی کے بطور گڈکری کے اختراعی دماغ کا بہترین وصف اس کی شوخی اور مزاقیات ہیں۔ تلی رام شائی مزور ہے لیکن اتنا پُر مذاق، پرسخن، شوخ اور پُرگو ہے کہ بغیر کسی لیت و لعل کے دلوں کو موہ لیتا ہے۔

سندھو کا المیہ

یونانی اور اسی طرح شیکسپیری المیئے، خوف اور رحم کے

احساسات جگاتے ہیں۔ اگرچہ یہ ایک بحث طلب امر ہے ۔ آیا یہ احساسات، اظہارِ جذبات کے مواقع بھی فراہم کرتے ہیں یا نہیں، جیسا کہ ارسطا طالیس کا دعویٰ ہے۔ "صرف ایک جام" سندھو کے دل میں صرف رحم کا جذبہ بیدار کرتا ہے۔ سندھو ایک ایسی کیریکٹر ایکٹریس ہے جو جذبہ کے مارے تھر تھرانے لگتی ہے۔ وہ ہندو روایات کے عین مطابق اپنے شوہر کے ساتھ محبت اور لگاؤ میں شریف النفس اور بے لوث ہے محبت کی اپنی بہترین صلاحیت کے ساتھ جس حد تک وہ پتی ورتا کا پالن کرتی ہے وہی اس کے کیریکٹر کی وہ خامی ثابت ہوتی ہے۔ جو اس کے المناک انجام کا سبب بنتی ہے یعنی یہ کہ وہ اپنے شوہر کو راہِ راست پر لانے کے لئے چونکہ سخت اقدامات نہیں کرتی اس لئے یہ کوتاہی اس کے حق میں المیہ بن جاتی ہے ——

"ایک ہی جام" سندھو کا المیہ ہے، سدھاکر کا نہیں ۔ یہ سندھو ہی کا کیریکٹر ہے جس میں اس کے گانے شامل ہیں، جو "صرف ایک جام" کی بے پناہ مقبولیت کی کنجی ہے۔ سدھاکر کا گرنا ایک اوسط سے کم درجہ والے، نااہل، سیدھے سادے بھولے بھالے شخص کا گرنا ہے جو کوئی امتیازی خصوصیت نہیں رکھتا اور جو معمولی درجہ کی سادہ لوحی کی سطح سے اوپر اٹھنے کی صلاحیت سے عاری ہے۔ البتہ سندھو کا گرنا ایک غیر معمولی، وفادار اور مخلص شریکِ حیات کا گرنا ہے جو زندگی کی ہر خوشی کو اپنے ایک روایتی اعتقاد کی خاطر بھینٹ کر دیتی ہے۔ کہ زندگی کے تمام سرد و گرم حالات میں اسے اپنے شوہر کی پاس داری کرنی لازمی ہے۔ ڈرامے کے ناظرین نے بھی قسمت کے ناگزیر ہاتھ کو دیکھا ہوگا جس نے بے مصرف اور ناکارہ سدھاکر جیسے شخص کے دامن سے سندھو جیسی فداکار کو وابستہ کر دیا تھا۔

اس ڈرامے میں گڈکری نے شرد اور بھاگیرتھ کی ایک تحتی پلاٹ کا جال بھی بن دیا ہے۔ شرد کے لئے بھاگیرتھ کی محبت اور رام لال سے ساتھ اس کا عزت و احترام کا برتاؤ، ڈرامہ کے مرکزی عمل سے ساتھ کوئی میل نہیں کھاتا۔ یہ صرف بھاگیرتھ کی قابلیت کا کرشمہ ہے جس نے محبت کی خاطر شراب نوشی کی عادت ترک کروا دی، جس نے اس کے کیریکٹر کو سدھاکر کی عادت شراب نوشی کو ترک کرنے میں ناکامی کا پاسنگ بنا دیا۔ لیکن اس امر کا کوئی اطمینان بخش نقشہ پیش نہیں کیا گیا کہ بھاگیرتھ کیونکر

ترک شراب نوشی میں کامیاب ہوا اور سدھاکر غرق مئے ناب ہو گیا۔ پھر بھی اس تحت پلاٹ نے تینوں مذکورہ کرداروں کے سا[تھ] ڈراماٹسٹ کو کافی میدان بہم پہنچا دیا کہ وہ سماج سدھار، بیوہ شادی، ملک کی خدمت وغیرہ جیسے امور پر دل کھول کر فصاحت بلاغت کے دریا بہاتے جنہیں عوام کی مقبولیت اور ہم عصروں سے بھرپور پسندیدگی حاصل ہے۔

خیال بندی

مراٹھی زبان اور اس کے صرف و نحو پر دل نشیں عبور حاص[ل] رکھنے کے باوجود گڈکری اس صلاحیت تک پہنچنے سے قا[صر] رہا جسے شیکسپیر کی خود کلامیوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ گڈکری کے ڈراموں میں خیال بندی، شیکسپیر کے مقابلے میں بہت کم ہے اگرچہ اس کے زمانے کے بہت سے دوسرے مراٹھی ڈراموں [کی] بہ نسبت گڈکری کی زبان زیادہ مالا مال ہے۔ سدھاکر کی تقر[یر] الکحلیت (نظام انسانی پر شراب کے اثر) پر پروپیگنڈہ [کے] لئے اچھے ٹکڑے ہیں لیکن شنکر اچاریہ کے "ودیا ہرن" سے (کھاڈیلکر کے ڈراموں میں) ڈرامے کے لحاظ سے زیادہ مؤثر ہیں گڈکری لازمی طور پر ایک شاعر تھا اور کبھی کبھی اس کے اسلوب کی تغزلی کیفیت بہت بلند پرداز ی رکھتی ہے لیکن اس کی ا[صل] خامی یہ ہے کہ اپنی طور پر تو اس کا کلام دل کشی رکھتا ہے —— یا یہ ہمہ ڈراماتی عملوں کو ان سے بڑھاوا نہیں ملتا۔ تلی رام اور آر[ب] مدیرا منڈل کی زبانی جنگوں کے سین ہجوم در ہجوم اکٹھا کر سکتے ہ[یں] خواہ ان کا تعلق سندھو اور سدھاکر کے افسانے سے نہ بھی [ہو]۔ علاوہ ازیں "صرف ایک جام" کے مزاح، درد اور لسانیت کا طور پر باہم مربوط نہیں کئے گئے ہیں۔ کیریکٹروں کے تفاعل با[ہمی] میں ناگزیریت کا پہلو نہیں پایا جاتا جیسا کہ لازمی طور شیکسپیری المیوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے —— رام گنیش گڈکری ایک ڈراماٹسٹ کی حیثیت سے ولیم شیکسپ[یر] کے مقابلے میں بہت ہی کمتر درجہ رکھتا تھا۔

مجبور کُن ظریف الطبع

گڈکری مجبور کن بذلہ سنج تھا اور اس کی ظرافت، مرا[ٹھی] ادب کا زیور ہے۔ اس نے اپنے المیوں میں سوز و گداز کو بذلہ

نوبی طرح

کے ساتھ اولیدل نے اسے اسلوب میں رکھا جیسا کہ چارلس ڈکنس سے اسٹائل میں ہے جس نے اسلوب مذکور کو اپنی ناولوں میں برتا شیکسپیر کے المیوں اور گڈکری کے المیوں میں جو ظرافتیں پائی جاتی ہیں۔ ان دونوں میں صفاتی لحاظ سے واضح فرق ہے۔ ہیلمیٹ کے رشک وحسد کے تیر — جو اس نے اپنی مشہور خود کلامی کے دوران آخر آخر میں قبرستان میں برسائے تھے — یا "کنگ لیئر" میں طنزاً جو فقرے کسے گئے تھے، گڈکری کی پہنچ اور سوجھ بوجھ سے باہر تھے۔ شیکسپیر کی ظرافت، ڈرامائی عمل کے مرکزی خیال کی فطری توسیع ہوا کرتی ہے۔ وہ ہرگز زبردستی ٹھونسی ہوئی نہیں نظر آتی بلکہ ہمیشہ بلند ہوتی جاتی ہے اور المیہ کی شدت اور اہمیت کی عکاسی کرتی ہے — گڈکری کی ظرافت ہمیں صرف زبانی طور پر اس کی سحر کاری کی عظیم الشان صلاحیت کی ایک جھلک دکھاتی ہے۔ گڈکری کی ظرافت گہرائی سے عاری ہے کیونکہ زندگی کے بارے میں اس کی نظر خود گہرائی تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ اس کی ظرافت میں چمک دمک تو ہوتی ہے لیکن صرف سطحی جیسی کہ شری کیری، کولہاٹکر، چی۔ وی۔ جوشی یا پی۔ ایل۔ دیشپانڈے کے یہاں پائی جاتی ہے۔

ان تمام تفصیلات کی روشنی میں جو اوپر گزریں "صرف ایک جام" شیکسپیری المیوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے باوجود اس ڈرامے نے مہاراشٹریوں کے دلوں کو ناقابل تخفیف حد تک متاثر کیا ہے۔ اس کی اس درجہ مقبولیت کا راز کیا ہے؟ میرے خیال میں اس کا سبب، گڈکری کی اپنے ناظرین کی نفسیات سے غیر معمولی واقفیت ہے۔ نظام انسانی پر شراب کے تباہکارانہ اثر سے متعلق مضمون لامتناہی ہونا، ایسے پُرشور سوزوگداز کا، جیسے — اس بربادی کو چھوڑ کر جیسے شراب نوشی کا نتیجہ قرار دیا جائے — جذبات کے اس نوع کا جو بال گندھرو کی شاندار (سنہری) گلوکاری کو پوری آزادی کی پیش کش کرے نہایت بلند پایہ میلو ڈراماٹک (جذبات فروشانہ) تخلیق گردانا جانا، کسی آرام کرسی پر دراز شخص کا، اس سماجی اور سیاسی فضا پر جو جذباتی سرگرمیوں سے معمور ہو، تبصرہ کرنا، بدمست شرابیوں کے غول کا۔ تلی رام کے آریہ مدیرا منڈل کے لنگوٹیا دوستوں کی طرح، اپنی ظریفانہ دھاچوکڑی سے آسمان سر پر اٹھا لینا۔ بعض ان اہم اجزا میں شمار کئے جا سکتے ہیں جن کی بنیاد پر مراٹھی دماغ نے رام گنیش گڈکری کے اس ادبی شاہکار کی بے پناہ حمایت کی۔

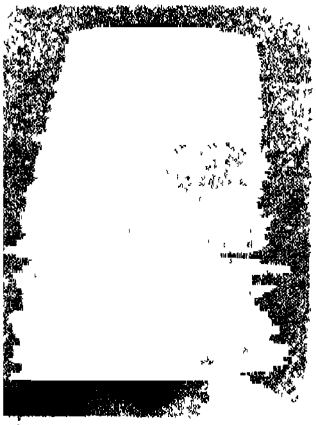
عوامی مقبولیت

شاید کہ "صرف ایک جام" کی مقبولیت کی توضیح یوں کی جا سکتی ہو کہ یہ شیکسپیری نوعیت کی کوئی ٹریجڈی نہیں ہے۔ بے شک، مراٹھی کے اسکالروں نے اپنے شیکسپیر کو نہایت عمدگی کے ساتھ پہچانا ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ مراٹھی اسٹیج کے عام ناظرین عقلاً اور جذباتی طور پر اس حد تک آراستہ ہیں کہ وہ شیکسپیر کی دقیقہ سنجیوں کا لطف اٹھا سکیں۔ شاید "صرف ایک جام" کو اتنی مقبولیت حاصل نہ ہوتی جتنی کہ اسے مہاراشٹر میں ہوئی۔ اگر یہ ایک کامیاب شیکسپیری المیہ ہوتا "صرف ایک جام" ایک درمیانی درجہ کے مراٹھی شراب نوش اور اس کی فداکار بیوی کا سادہ جذبات سے بھرا ہوا المیہ ہے اور اس میں دل کش مترنم غزلیات ہیں جو ادھورے پن کے ساتھ ایسے قدیم ٹکسالی نغمات سے پُر ہیں جن پر مراٹھی تھیٹر کے سب سے بڑے دیومالائی روایتوں والے بال گندھرو کی چھاپ لگی ہے۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ سدھاکر کا پارٹ ادا کرنے والوں میں بعض اعلیٰ ترین ایکٹر — مثل این۔ آر پھاٹک تھے اور تاریخ دانی میں مہاراشٹر کے بہترین دماغ جیسے سری رام لاگو اور داجی بھانو ڈیکر اس کی طرف کھنچتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ دراصل چھبیل داس میں، ناظرین کی مختصر سی تعداد کے ماسوا، مراٹھی ڈرامہ پرانے ڈھرّے پر چلی جا رہی ہے اور عقلمند ایکٹروں کے لئے اب اس میں نہ ترقی کے مواقع باقی ہیں اور نہ کوئی کشش — قدرتاً انہیں رام گنیش گڈکری کے ڈراموں کی سمت ہی نگاہ کرنی چاہیئے جن کا مراٹھی نثر پر اور نغمات و زبان پر، ور مکالمے لکھنے کے طرز پر اعلیٰ درجہ کا اثر ہے اور ڈرامائی حالات و امور کے سلسلے میں جن کی کوششیں جاری ہیں۔ یہ باتیں ان ایکٹروں کے لئے زبردست کشش کا باعث ہیں جو مراٹھی ناظرین کے روبرو اپنے جوہر کا اظہار کرنے کے خواہش مند ہیں۔



راجا دھیکش

تمثیل نگار
رام گنیش گڈکری



چنتامن راؤ کولہاٹکر، عظیم اداکار و ہدایت کار نے اپنی سوانح حیات بھورو پا میں رام گنیش گڈکری کی زندگی کے آخری لمحات کو بے حد جذباتی ڈھنگ سے قلم بند کیا ہے۔

۲۳ جنوری ۱۹۱۹ء کی رات، مقام ناگپور کے قریب ساونیر۔ اس رات یکایک گڈکری کی طبیعت بگڑنے لگی۔ رات کے دس بجے انہوں نے اپنے ڈرامے "بھاوبندھن" کا آخری منظر لکھنا شروع کر دیا۔ جیسے جیسے منظر آگے بڑھتا گیا ویسے ویسے ان کی آواز بھی تیز تر ہوتی گئی۔ "آہستہ" ان کی ماں نے ان سے کہا۔ گڈکری نے جواب دیا کہ "یہ فوجدار کے مکالمے ہیں۔ انہیں نرم و نازک لہجے میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔" یہ منظر ختم ہو گیا اور ڈرامہ بھی مکمل ہو گیا۔ گڈکری آرام کرنے کے لئے گئے اور کچھ دیر بعد ہمیشہ کے لئے انہوں نے آنکھیں موندلیں۔ جب ان کی ارتھی کو شمشان میں آخری رسمیں ادا کرنے کے لئے لایا گیا تو اس روز خلافِ موسم زبردست بارش ہوئی، گھن گرج کے ساتھ غرضیکہ آدھی رات سے قبل ہی مراٹھی ادب کا چراغ بجھ گیا اور اس کی کمی کبھی پوری نہ کی جا سکے گی۔

گڈکری نے چار مکمل ڈرامے لکھے اور ان سے دو نامکمل ڈرامے بھی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنا ایک ڈرامہ گرو نردان ضائع کر دیا جو کہ پرہلاد اور ہرن کاشیاپو کے مرکزی خیال کو لے کر لکھا گیا تھا۔ ان کی زندگی میں جو نشیب و فراز آئے تھے ـــــ جو دشواریاں انہوں نے اٹھائی تھیں ان باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کا کام بہت کم تھا۔ ان کی روزی روٹی کا دارو مدار لکھنے پڑھنے یا تمثیل نگاری سے ہی وابستہ ہوتے ہوئے بھی وہ ایک ایسے سچے آرٹسٹ تھے کہ انہوں نے اس ذریعے کو کبھی روپے پیسے کمانے کے لئے غلط استعمال نہیں کیا۔

گڈکری نے اپنے پہلے ڈرامے "پریم سنیاس" سے ہی کمالیا۔ جس میں ایک طرح کی شاعرانہ خوبو بھی رچی بسی تھی۔ اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اپنے کیریئر کی ابتدا انہوں نے اتفاقیہ طور پر کی بلکہ وہ تو اس وقت سے ڈرامے لکھتے رہے ہیں جبکہ ان کی عمر محض چھ یا سات سال کی تھی۔ کرلوسکر ناٹک منڈل سے وابستگی نے ڈرامہ نویسی میں ان کی بے حد مدد کی وہاں چھوٹے موٹے کام کرتے وقت انہیں ڈرامے سے متعلق تمام تجربات حاصل ہوئے اور خاص طور سے ڈرامیٹک اپیل سے ان کی واقفیت ہوئی۔ یہاں ہم ولیم شیکسپیر کی مثال دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ شروعات میں وہ بھی تھیٹر میں چھوٹے موٹے کام کیا کرتے تھے۔ گڈکری کا شمار نہ صرف مراٹھی کے بہترین ڈرامہ نویسوں

بھی ہوتا ہے بلکہ وہ شیکسپیئر مولیئر اور ابسن کے ہم پلہ تمثیل نگار سمجھے جاتے ہیں۔

جس طرح شیکسپیئر ڈرامہ نویسوں کے آئیڈیل رہے اور ان کے ڈراموں کی تلخیص طرح طرح سے اور تقریباً تمام زبانوں میں کی گئی۔ مراٹھی ڈرامہ نویسوں میں کولہاٹکر اور کھاڈلکر نے بھی شیکسپیئر کو اپنا گرو بنایا مگر گڈکری کے ڈراموں میں شیکسپیئر کا اثر ان کے گرو کولہاٹکر کی وجہ سے تھوڑا بہت آیا ہے۔ پھر بھی شیکسپیئر کے ڈراموں کی روح ان میں کولہاٹکر اور کھاڈلکر کے ڈراموں سے زیادہ آتی ہے اور جبکہ ان کے ڈرامے کولہاٹکر سے متاثر ہوتے ہوتے بھی ان سے بالکل مختلف ہیں۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ گڈکری نہ تو کسی کے چیلے تھے اور نہ ہی گرو۔

ان کی تخلیقی استعداد کسی بھی طرح کی پابندیوں سے مبرا تھی۔ پلاٹ کے اعتبار سے ان کے پہلے دو ڈرامے "پریم سنیاس" اور "پنیہ پربھاد" کسی قدر کمزور ہیں —— ان میں بہت زیادہ پیچیدگیاں ہیں کہ بعض اوقات وہ خلافِ عقل لگنے لگتے ہیں۔ دیگر دو ڈراموں میں بھی ایسی پیچیدگیاں ہیں۔ کیا اس کی وجہ لاپرواہی تھی۔ جہاں تک میرا خیال ہے گڈکری اپنے ڈرامے کے کرداروں سے جتنے زیادہ قریب ہوتے تھے اتنے ان کے احترام سے یا برتاؤ سے نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ منظر تک سلسلہ وار نہیں لکھتے تھے۔ انہوں نے راج سنیاس کا آخری منظر سب سے پہلے لکھا۔ یہ ڈرامہ ادھورا ہے۔ اس کے دو مناظر مکمل ہیں اور تیسرے سین کی چند سطریں —— اور سین نمبر ۲ اور سین نمبر ۳ بالکل نہیں لکھا گیا ہے۔ اس سے نہ صرف گڈکری کے ڈرامہ نویسی پر روشنی پڑتی ہے بلکہ ڈرامے کو بنانے میں ان کے رجحانات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ہر ایک منظر کی طرح گڈکری اپنے کرداروں کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں —— جیسے "پریم سنیاس" میں کملاکر، "ایکچ پیالہ" میں سدھاکر —— "بھاو بندھن" میں گھنشیام اور "راج سنیاس" میں سنبھاجی کے کردار ہیں۔ یہ اتنے اہم اور مضبوط کردار ہیں کہ ان کے سامنے دوسرے تمام کردار پھیکے پڑ جاتے ہیں اور یہ سب سے زیادہ دلچسپی کی بات ہے کہ ان میں سے تین ویلن ہیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ان کے یہاں تصادم کہیں نہیں ہے۔

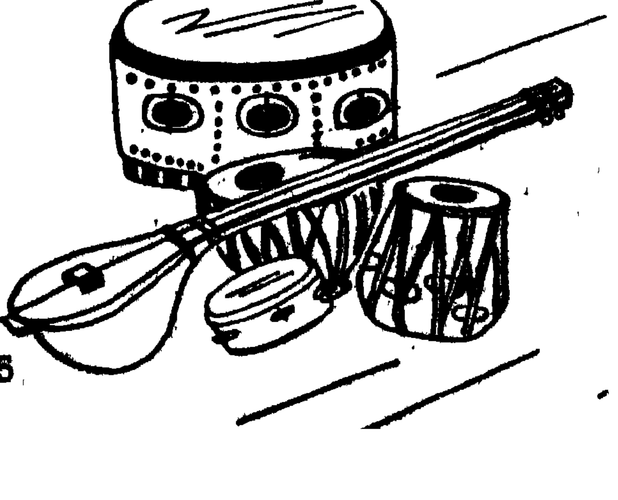
اگر کوئی کشمکش یا لڑائی ہے تو وہ خود کردار کے اپنے اندر ہے۔ سدھاکر جو کہ ایک المیہ کردار رہے۔ اس اندرونی کشمکش کی بہترین مثال ہے۔ البتہ ورنداون اور گھنشیام جو کہ ویلن کے کردار ہیں۔ ان میں اچھائیاں اور برائیاں دونوں بیک وقت موجود ہیں اور آخر میں یہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں جن کے لئے انہوں نے برا سوچا تھا یا برا کیا تھا۔

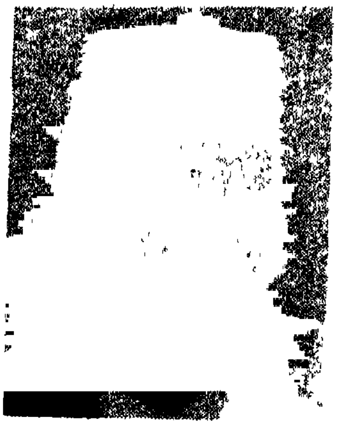
گڈکری کے کرداروں کی یہی ایک بات قابلِ ذکر بھی ہے کیونکہ مراٹھی ڈراموں میں اس سے قبل یہ چیز موجود نہیں تھی۔ ذہنی کشمکش کو اس سے قبل مراٹھی ڈراموں میں جگہ نہیں دی گئی تھی بلکہ سیدھے سادے کردار لکھے جاتے تھے جو کہ شروع سے آخر تک ایک ہی خوبی یا خرابی کے مالک ہوتے تھے۔ کہیں بھی خود پر نکتہ چینی کی گنجائش نہ تھی۔ گڈکری نے اپنے کرداروں کو فارمولا سے نکال کر اصلیت کا رنگ دیا۔

اس کے باوجود رام گنیش گڈکری روایتی سماجی اخلاقیات کے علمبردار تھے۔ ان کے ڈراموں سے کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں جہاں انہوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ترقی پسندی یا تبدیلی برائیوں کو جنم دے سکتی ہے اور خواتین کو چاہیے کہ وہ روایتی اخلاقیات سے منہ نہ موڑیں۔ جیسے سندھو (خاتون کردار) کی مثال لے لیں جو کہ اپنا سب کچھ گنوا دیتی ہے —— اخلاقی قدروں پر چلنے کے لئے۔

آخر میں گڈکری کی زبان کے بارے میں کہوں گا کہ انہوں نے زباندانی کا زبردست مظاہرہ کیا ہے۔ ایک فنکار کی طرح لفظوں کو گڑھا اور بٹھایا ہے۔ اس لئے کبھی کبھی وہ شاعر نظر آتے ہیں شیکسپیئر کی طرح۔

تلخیص و ترجمہ: فیروزہ فیاض خان





ڈاکٹر سُدھا کرہاڑے

گڈکری کے ڈراموں میں نسوانی کردار نگاری

رام گنیش گڈکری نے ہوسکتا ہے کہ کئی ڈرامے لکھنے کے خواب دیکھے ہوں مگر وہ اپنی زندگی میں پانچ یا چھ ڈراموں سے زیادہ نہ لکھ سکے۔ بہ حیثیت ڈرامہ نگار ان کا ڈرامہ "ویڑیا نچا بازار" متاثر نہ کرسکا۔ انہوں نے بھکت پرہلاد کی زندگی پر بھی دیومالائی ڈرامے "گروِنروان" کے کچھ مناظر لکھے۔ اتفاق سے اِن دنوں جبکہ برطانوی راج بھارت پر مسلّط تھا۔ جیکسن کو بھارتی انقلابیوں نے گولی ماردی تھی اور گڈکری نے اپنے ڈرامے میں ہرانیاکشپو کے قتل کی واردات بیان کی تھی جو جیکسن کے قتل سے مشابہت رکھتی تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے اپنا یہ ڈرامہ تلف کردیا۔ گڈکری نے اپنا ایک اور ڈرامہ "راج سنیاس" بھی مکمل نہیں کیا۔ انہیں جو شہرت حاصل ہوئی ہے وہ چار ڈراموں یعنی پریم سنیاس، پُنیہ پربھاؤ، ایکچ پیالہ اور "بھاؤ بندھن" سے ہی ہوئی ہے۔

گڈکری کے ڈراموں کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ ان کے ڈراموں میں مسائل کی بھرمار ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر "پریم سنیاس" میں انہوں نے بیوہ کی شادی کا منظر پیش کیا ہے اور انہوں نے اس پلاٹ کو تین بیواؤں — لیلا، سوشیلا اور دھرودمن کا کردار دے کر پورا کیا۔ اس طرح سے ڈرامہ نگار نے ان نشاط کرداروں کو یکجا کرکے اور ان کے ذریعے مکالمے ادا کرواکے ایک سماجی حل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ دوبارہ شادی کرنے کی امید میں دھرودمن جو کہ اس ڈرامے کا ایک کردار ہے ولین کا نشانہ بن کر اپنی زندگی سے ہاتھ دھو لیتی ہے۔ جب لیلا جینت کے ساتھ شادی کرنے والی ہوتی ہے تو ولین اسے آہستہ آہستہ سرایت کرنے والا زہر دے دیتا ہے۔ سوشیلا کا شوہر ختم ہونے کی صورت میں وہ بیوہ کی سی زندگی گزارتی ہے۔ اس کا شوہر سین میں اس وقت نمودار ہوتا ہے جب تمام تکالیف پر قابو پالیا جاتا ہے اور اس طرح سے سوشیلا کی دکھ بھری زندگی کا خاتمہ ہوتا ہے لیکن اِسے دوبارہ شادی نہیں کہا جاسکتا۔ اس طرح سے ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ گڈکری نے ناکامیابیوں اور مایوسیوں کو اپنا موضوع بنایا نہ کہ دوبارہ شادی کے موضوع کو۔ جینت اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ محبت کرتے ہوئے بھی منورما کے ساتھ شادی کرتا ہے۔ اس دوران جینت کی بیوی منورما مرجاتی ہے جس کی وجہ نہیں بتائی جاتی ہے۔ جینت کو منورما کے قتل کے جرم میں موت کی سزا ہوجاتی ہے حالانکہ آخری لمحات میں وہ بے قصور ثابت ہوتا ہے لیکن وہ لیلا سے نہیں مل سکتا کیونکہ اس کی رہائی سے قبل ہی وہ مرجاتی ہے۔

ڈرامہ کی اصل طاقت اس کے کرداروں میں پوشیدہ ہے جس کے ذریعے مختلف مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ گڈکری کے ڈرامہ "پریم سنیاس" کی ہیروئن کون ہے ؟ سوشیلا یا لیلا ـــــ اس سوال کا جواب ڈرامے کے پلاٹ کی اہمیت پر انحصار کرتا ہے حالانکہ اس ڈرامے کی تھیم اور کہانی بہت کمزور اور ادھوری ہے ـ اس ڈرامے میں دو پلاٹ ہیں ـــ ایک سوشیلا ـ ودیادھر، اور دوسرا لیلا ـ جینت ـــــ جن کے ذریعے ڈرامے کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔

گڈکری اپنے پہلے ڈرامے "ویڑیا نچا بازار" میں ناکامیاب رہے ہیں ـ شاید انہوں نے اس ڈرامے میں اپنے شاعرانہ تخیل کی پرواز کو پوری طرح سے پیش نہیں کیا تھا ـ 'پریم سنیاس' ان کا پہلا کامیاب ڈرامہ کہا جاسکتا ہے حالانکہ اس کی تھیم کمزور اور کہانی ادھوری تھی ـ وہ ویلین کے ظلم وستم کی وجہ سے ایک خوفناک کہانی بن گئی ـ

گڈکری نے 'پریم سنیاس' کی کمزوریوں پر نظر رکھتے ہوئے اپنا اگلا ڈرامہ "پنیہ پربھاو" مکمل کیا ـ

پریم سنیاس میں جینت، ودیادھر کو ان اصولوں پر چلنے کی تلقین کرتا ہے جس سے اس کے ذہن میں وہ تمام باتیں ختم ہوجائیں جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ـــ اور ایشور اس بات کا اندازہ صحیح وقت پر کرلیتی ہے ـ وسوندھرا جس سے ایشور نے پیار کیا وہ بھوپل سے شادی کرلیتی ہے ـ اس لئے وہ قسم کھاتا ہے کہ وہ وسوندھرا کو بالکل بھول جائے گا ـــ اور ایشور کی یہی خوبیاں وسوندھرا کو مشکلات میں بچانے کے کام آتی ہیں ـ وسندھرا کا باپ ورنداون کو اپنے داماد کے روپ میں قبول کرنے سے انکار کرتا ہے جس کی بنا پر ورنداون انتقام لینا چاہتا ہے اور ایشور کے برعکس وہ اس کے بیٹے کو قتل کر دیتا ہے اور اس کے شوہر کو بھی مار ڈالنے کی دھمکی دیتا ہے ـ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ وسوندھرا بھوپل کی بیاہتا ہے ـ وہ اس سے علامتی شادی پر بھی رضامند ہو جاتا ہے اور خدا پر بھروسہ رکھ کر اسے بری طرح دھتکارتی ہے ـ بعد میں آخر ورنداون کو اپنے گناہوں کا احساس ہوتا ہے اور وہ وسوندھرا سے معافی مانگ لیتا ہے ـ ڈرامے میں ایک جگہ سوشیلا کا شوہر ودیادھر اسے دوبارہ شادی کرنے کا مشورہ دیتا ہے ـ سوشیلا معصوم اور اعلیٰ کردار کی عورت ہے ـ وہ ودیادھر کی یہ ہمدردی سمجھ نہ پاتی ہے اور اس سے نفرت کرتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ خود اعتمادی عورت کی حفاظت کا ایک موثر ہتھیار ہے ـ اس کی معلومات کے مطابق اس کا شوہر ودیادھر زندہ نہیں ہے ـ (سچ میں اسے شہر بدر کر دیا گیا ہے ـ) وہ اس نظریے کی معتقد تھی کہ دوسری شادی کا خیال ہی اس کی پہلی شادی کی تقدس کو ٹھیس پہنچائے گا لہٰذا وہ بیوگی کی زندگی گزارنے کو ترجیح دیتی ہے ـ

پریم سنیاس کے مرکزی خیال کے بارے میں متضاد خیالات ہوسکتے ہیں ـ موضوع دوبارہ شادی یا محبت میں ناکامی کا ہوسکتا ہے ـ اگر ان دونوں باتوں کو مرکزی خیال مان کر آگے بڑھا جائے تب بھی لیلا کی دکھوں بھری زندگی مرکزی کردار کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے گی اور معصوم عورت کا کردار کم اہمیت کا حامل معلوم ہوتا ہے کیونکہ سوشیلا کو مرکزی حیثیت نہیں دی جاتی ہے ـ پریم سنیاس لیلا اور جینت کی ٹریجڈی اور سوشیلا اور ودیادھر کی خوشیوں کی روایتی کردار نگاری ہے یہی وجہ ہے کہ لیلا کا کردار زیادہ اہم بن جاتا ہے اور سوشیلا کا کردار دب جاتا ہے ـ

اس ڈرامے میں ایک جوڑا بتایا گیا ہے ـ گوکل اور متھرا یہ ڈرامے کے مزاحیہ کردار ہیں اور عوام کی دلچسپی کے لئے فراہم کئے گئے ہیں ـ متھرا گوکل سے جھگڑتی رہتی ہے اور اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاتی ہے لیکن اس کا باپ اس کو واپس بھیج دیتا ہے اور متھرا حالات سے سمجھوتا کرلیتی ہے ـ

"پریم سنیاس" لکھنے کے بعد گڈکری نے عورت کی مرد کے تئیں وفاداری سے متعلق مزید لکھنے کا خیال حاصل کیا ہوگا ـ

"پنیہ پربھاو" میں وسوندھرا کا خاص کردار ہے ـ اس کا ذہن، ورینداون جو کہ ڈرامہ کا ویلن ہے، دیکھ کر بدل جاتا ہے قدرتی طور پر وسوندھرا کے خیالات اور اس کا کردار اور اس کی شخصیت اس ڈرامے میں ممتاز رہی ہے ـ

"ایکچ پیالہ" میں سندھو ایک مثالی بیوی کے روپ میں خود کو ظاہر کرتی ہے ـ وہ اپنے آپ کو اور اپنی دلچسپیوں کو اپنے خاوند سدھاکر کی عادات و اطوار کے مطابق ڈھال لیتی ہے ـ وہ ایک شرابی کی مثالی بیوی ہے ـ "ایکچ پیالہ" ایک عظیم المیہ ہے ـ اس ڈرامے کے مرکزی خیال سے متعلق مختلف رائے پائی جاتی ہے ـ بعض ناقدین کے نزدیک ڈرامے کا مقصد شراب

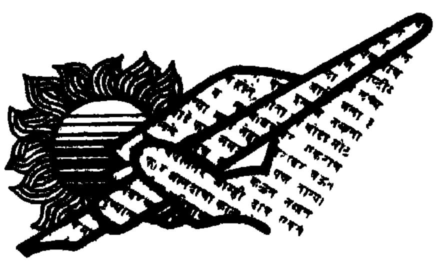
زشتی کی خرابیوں کو اجاگر کرتا ہے جبکہ دوسروں کے مطابق یہ ایک شخصی المیہ ہے۔ ڈرامے کے مرکزی کردار اس طرح ہیں :—
سدھاکر سندھو اور گیتا۔ گیتا تلی رام کی بیوی ہے۔ وہ بہت باتونی ہے۔ تلی رام کو ابتدا ہی سے شراب کی لت میں گرفتار بتایا گیا ہے۔ سدھاکر کو ذہین اور ابتدا ہی سے ذمہ دار شخص بتایا گیا ہے اور سندھو باعصمت خاتون ہے۔ وناستعاری جس سے فیر میں رچی بسی ہے۔ اس کے مطابق شادی شدہ عورت کا شوہر کے علاوہ دوسرا کوئی رشتہ دار نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ اس نے سدھاکر کے ساتھ غلط سلوک پر گیتا کو ڈانٹا بھی۔ سندھو کے کردار میں سوشیلا وسندھرا اور کالندی کی خوبیاں بھی ہیں۔

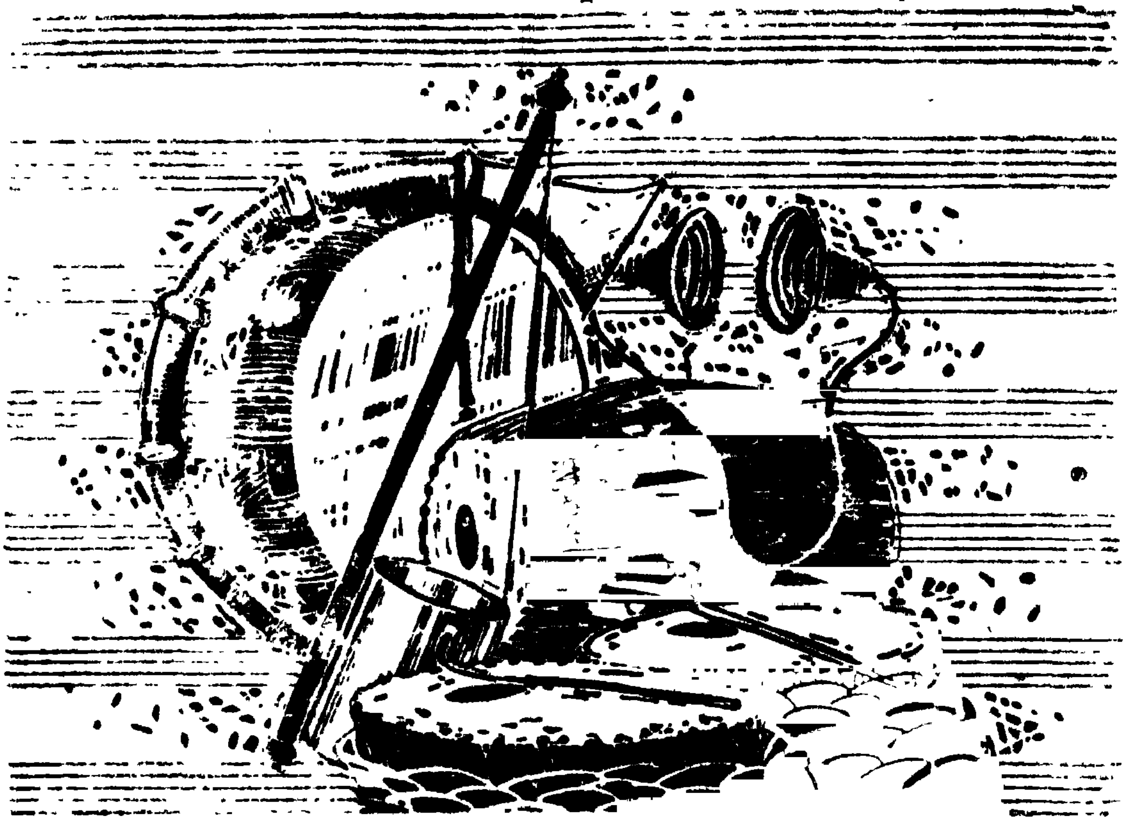
پنچھیہ پر بھاؤ کے آخر میں راجہ کو ایک سوال درپیش ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر شوہر اپنی بیوی کی قدر نہ جانے تو انجام کیا ہوگا۔ اس کا جواب واضح ہے کہ شوہر کی یہ غلطی دونوں کا المیہ بن جائے گی — پنچھیہ پر بھاؤ میں گڈکری نے اس سوال کو محسوس کیا ہے اور اس کا جواب انہوں نے 'ایکچ پیالہ' میں دیا ہے۔

'پریم سنیاس' میں ودیا دھر اسی طرح 'پنچھیہ پر بھاؤ' میں بھوپ اور ونراؤن تاخیر سے سہی عورت کی قدر جان جاتے ہیں۔ اس کے برعکس تلی رام کو ذرا بھر بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ اپنی بیوی کی تکالیف میں مبتلا ہونے پر ہمدردی کا اظہار تک نہیں کرتا۔ سدھاکر حالانکہ پختہ ذہن رکھتا ہے لیکن عورت کی قدر نہیں جانتا۔ سدھاکر سندھو کی زندگی کا خاتمہ کرتا ہے اس طرح وہ نسوانی خوبیوں کو ختم کرتا ہے اور خود کو بھی۔

گڈکری کے ڈرامے 'بھاو بندھن' کے دو نسوانی کردار لتیکا اور مالتی، گڈکری کے دوسرے تمام نسوانی کرداروں سے الگ ہیں۔ ایکچ پیالہ کی تخلیق کے وقت شاید گڈکری زندگی کی نئی حقیقتوں کو محسوس کرنے لگے تھے۔ بیسویں صدی کی ابتدائی دو دہائیوں کے دوران عورتوں کی تعلیم کے میدان میں ہمارے سماج نے بہت ترقی کر لی تھی جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ عورت کا مرد پر اعتماد کم ہونے بلکہ ختم ہونے لگا تھا اور وہ معاشی طور پر خود کفیل ہونے لگی تھی۔

بھاو بندھن کے ان کے نسوانی کرداروں کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر گڈکری کچھ برس اور زندہ رہتے تو وہ نئے خیالات، رجحانات اور نظریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے— "نئی عورت" کی تخلیق کرتے۔





تبصرہ

تبصرہ نگار : مشتاق مومن
۱۹/ ۲۹۸، میونگ منیشن، دوسرا مالا
شاستری مارگ۔ کرلا۔ بمبئی ۷۰۰۰۴



کتاب کا نام :- **فنکاری**
مُصنّف :- الورخاں
قیمت :- ۲۵ روپے

ملنے کا پتہ :- مکتبہ جامعہ، دہلی۔ علی گڑھ
اور بمبئی کی شاخ بے۔ جے اسپتال۔ بمبئی ۔۳

الورخاں ساتویں دہائی کے ایک ممتاز فنکار ہیں۔ ان کے پہلے افسانوی مجموعے 'راستے اور کھڑکیاں' میں کل سترہ افسانے تھے اور ان کی دوسری کتاب 'فنکاری' میں ۲۱ افسانے ہیں۔ یعنی مجموعی طور سے الورخاں کا افسانوی اثاثہ ۳۸ افسانوں کا ہے اور بغیر کوئی تنقیدی جیک لگائے الورخاں ہندوپاک کے ایوانِ افسانہ کا ایک اہم اور معتبر نام ہے اور میرا اپنا یہ خیال ہے کہ الورخاں نئے اردو افسانے کا پہلا ضامن ہے۔

ان کے پہلے مجموعے 'راستے اور کھڑکیاں' کی تین کہانیاں — کرّوں سے ڈھکا آسمان، 'جب بوڑھا فریم سے نکل گیا' — اور "شاندار موت کے لئے" — ان کی کلیدی کہانیاں تھیں جو ان کی پہچان بنیں۔ ان کی پہلی کتاب پر رسالہ اظہار میں تبصرہ کرتے ہوئے سلام بن رزاق نے لکھا تھا۔ "کہانی اپنے اختتام کو پہنچتے پہنچتے روشنی کی ایک لکیر سی اپنے پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔"

الورخاں کے ادبی اور ذہنی سفر کا اندازہ فن کاری کے افسانوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ ماضی کی روشنی کی یہ لکیر حال کے افسانوی آسمان پر فن کاری کی کہکشاں بن گئی ہے۔ زندگی کے اس Context میں جہاں الورخاں خود کو موجود پاتے ہیں اور اپنے آس پاس کی زندگی کو محسوس کرتے ہیں اس کو انہوں نے فن کاری، شام رنگ، عرفان، روزن، ضدی لڑکی اور دوسری میں مختلف رنگوں اور مختلف سروں میں بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

الورخاں کی افسانوی زبان پر اکثر بحث کی جاتی ہے اور اکثر اعتراض کیا جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ الورخاں چاہیں تو بڑی آسانی اور بڑی روانی سے رواں اور شاعرانہ نثر لکھ سکتے ہیں اور اس میں انہیں دقت نہیں ہوگی مگر میں نے ایسا محسوس کیا ہے کہ الورخاں نیا اظہار، نیا پیرائے بیان، نئے محاورے کی دریافت اور افسانوی زبان کی تلاش میں ہیں اور اگر زیادہ کھل کر کہا جائے تو انہوں نے اسے پا بھی لیا ہے۔

شاید الورخاں افسانے کو شاعری سے الگ رکھنا پسند کرتے ہیں۔ پہلے یہ چلن تھا کہ لوگ افسانہ لکھتے تھے تو لوگ تعریف میں کہا کرتے تھے کہ صاحب آپ نے افسانہ کیا لکھ دیا شعر کہہ دیا۔ الورخاں کی نثر میں شعری کیفیت غالب نہیں ہے بلکہ ان کی نثر میں تھوڑا سا کھردرا پن ... regidness ہے جو ہمیں راجندر سنگھ بیدی کی یاد دلاتا ہے جنہیں مرحوم کہتے ہوئے جی دکھ دکھ جاتا ہے۔

" سماج کو بدل ڈالو، ایک محندوش چیخ فضا میں بلند ہوئی ایک مضطرب سا سناٹا چھا گیا اور پھر سرگوشیاں ہونے لگیں پھر لوگ اچانک بپھر پڑے۔
یہ کون لوگ ہیں جنہیں واویلا کا بھی سلیقہ نہیں؟"
ان بے روزگار جوانوں کو باہر نکال دیا گیا۔"
(فنکاری)

اردو افسانے کی زبان کیسی ہونی چاہیئے۔ یہ بڑی پرانی بحث ہے ہم دیکھتے ہیں کہ تنقید کی زبان ہوسکتی ہے۔ انشائیے کی زبان ہوسکتی ہے۔ اسی طرح سیاسی زبان ہے، مذہبی زبان ہے۔ اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جانے والی زبان ہے — تو افسانوی اظہار کی زبان بھی ہوسکتی ہے کیونکہ ادب میں متعین اسلوب، متعین امیجز اور متعین پیکر نہیں ہوتے تو اس طرح الورخاں کی نثر اور افسانوی لہجہ پیرایۂ بیان اور محاورے کی تلاش کی عمدہ مثال ہیں جن کا رشتہ ہماری ادبی اور افسانوی روایت سے ملتا ہے اور جس میں لفظ کی اہمیت اور قوت بھی ہے کیونکہ موجودہ دور میں زبان کو زندگی میں لطف اور معنی پیدا کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور ایک دوسرے کو ذلیل کرنے اور دھوکا دینے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور فکر اور گفتگو کا یہ دوغلاپن، پریس، ریڈیو اور ٹیلی ویژن اور سگریٹ کے پیکٹس اور ہماری تنقید میں ہمیں صاف طور سے نظر آتا ہے۔

الورخاں کے افسانے اس دورخی اور دوغلی پالیسی کو واضح

پر پیش کرتے ہیں ۔
ب بھی انورخاں کے افسانوں کی بات چلے گی Long form
Short story کی بات بھی زیرِ بحث آئے گی ۔ انورخاں
ں افسانے ــــ فن کاری میں خاص طور سے مختصر ہیں اور
نو شمع اسٹائل میں مختصر مختصر، افسانے مختصر ہیں مگر
اختصار صرف سطروں، مضمون اور لفظوں ــــ کی
ے ۔ اور یہ کوئی کلیہ نہیں ہے کہ کوئی افسانہ اگر طویل ہے
ینا بڑا اور معیاری افسانہ ہوگا اور کوئی کہانی اگر چھوٹی
عنویت کے لحاظ سے بھی چھوٹی ہوگی ۔
ن کی کہانیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا
خاں کی کئی کہانیاں معنویت کے لحاظ سے ہمیں بہت دور
ہ جاتی ہیں ان میں، شام رنگ، فنکاری، روزن اور
ن، خاص طور سے ہیں ۔ یہ معنویت کئی رنگوں اور کونے
سوچ کی پرتوں کے روپ بس ہیں اور اگر آپ فن کاری
انوں کا بغور مطالعہ کریں تو دیکھیں گے کہ بعض بعض افسانوں
چند صفحوں میں انورخاں نے وہ بات کہہ دی ہے کہ جسے
نے کے لئے ایک volume درکار ہوتی ہے ۔ فنکاری
نگ، محوں کی موت، غرفا ۔ ترسری، اپنائیت، روزن،
یں بیٹھی ہوئی عورت، نورخاں کی کامیاب کہانیاں
یں تہذیبی پس منظر کے علاوہ ایک قسم کا
Metaphys رنگ بھی ہے ۔
وہ بلند خیالی اور پلاٹ کو بھی اپنے افسانوی کرافٹ میں
ے ہیں اور گلاب کے پھول جیسے موضوع کو بھی بخوبی برت لیتے
یہ کوہ کنی بظاہر آسان سہی مگر ہے بہت جان لیوا کام ۔
ی فنکاری ان کی شناخت اور پہچان ہے ۔ ان کی کہانیاں اپنے
م پر کاغذ سے اتر کر انسانی ذہن و دل کے دروازوں پر
ـ دیتی ہیں اور جب دروازہ کھولنے والا یہ دیکھنے کے لئے کہ
ہے دروازہ وا کرتا ہے تو یہ کہانیاں اس کے شعور میں
ہو جاتی ہیں ۔

"اے میرے مولا
اگر تو جانتا ہے کہ میں تیری عبادت کرنے خلق کئے ہوئے
ے خوف سے کرتا ہوں تو، تو مجھے اس کا ایندھن بنا دے ۔
سمجھتا ہے کہ میں تیری عبادت تیری تعمیر کی ہوئی جنت کی
طمع میں کرتا ہوں تو، تو اس سے بھی مجھے محروم کر دے اور اگر
تو جانتا ہے کہ میری عبادت صرف تیرے شوقِ دیدار میں ہے تو
پھر تیرا جو جی چاہے میرے ساتھ سلوک کر ۔"

یہ علی بن موفق کی ایک مناجات ہے جو ہماری تنقیدی
طرز پر بھی صادق آتی ہے ۔ ادھر چند مہینوں سے یہ سننے میں
آیا ہے اور خود بعض ان کے افسانوں سے بھی پتہ چلتا ہے ــــ کہ
انورخاں تصوف سے دلچسپی لے رہے ہیں ــــ تصوف کی
طرف مائل ہو رہے ہیں ۔

پیرت کے پنتھ میں جو کئی سفر کرتے ہیں رات ہور دن
تصوف کے مطالب کوں وہ مشکل کر نہیں گنتے

تصوف برائے شعر گفتن خواب است، صوفی شاعر تو سنا
تھا ۔ صوفی افسانہ نگار نہیں سنا تھا ہمیں انورخاں حال کے صوفی ہیں یا
قال کے صوفی، انھوں نے تصوف کو خواجہ میر درد کی طرح اپنایا
ہے یا غالب کا سا انداز ہے ۔ سیاسی زوال اور سماجی انحطاط
کے دور میں صوفیا اپنے آپ کو حالات کے بہاؤ پر نہیں چھوڑتے
بلکہ توکل و فقر کا سہارا لیتے ہیں ۔ انورخاں نے بچاؤ کے لئے نہیں
اٹیک (attack) کے لئے سہارا لیا ہوگا ۔

صوفیا پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ وہ ترک دنیا اور
حقائق سے گریز اور جد و جہد سے فرار کی تلقین کرتے ہیں ۔
انورخاں کے افسانوں میں اس قسم کا فرار نظر نہیں آتا تصوف
کی دو اصطلاحیں اور ہیں ۔ فلسفۂ وحدت الوجود ــــ اور
فلسفۂ وحدت الشہود افسانوی سیاق و سباق میں یہ کہا جا سکتا
ہے کہ تنقیدی وحدت الوجود اور تنقیدی وحدت الشہود کی
موشگافیوں سے بے نیاز انورخاں کی فن کاری جاری ہے اور
شر و فساد، کردار کشی اور تشدد کے طلسم کے خلاف ان کا عمل
جاری ہے اور وہ اپنے ادبی تجربے کو جمالیاتی قدر بنانے
میں مصروفِ عمل ہیں اور دیانت داری اور محنت سے لکھ رہے ہیں ۔

• جے۔ کے مانکٹالہ
اے۔۱۰ اسن سیٹھ اپارٹمنٹس
پالی ہل، کھار، بمبئی ۴۰۰۰۵۲

۲۵ راگست ۱۹۸۴ء کا "قومی راج" ملا۔ اس میں میتابیت نگم پر جناب معین الدین جینابڑے کا تبصرہ بھی پڑھا۔ تبصرہ خیال انگیز ہے۔
اس تبصرے کی آخری سطروں میں رسالہ "زمانہ" کے سلسلے میں موصوف لکھتے ہیں "... واقف صاحب نے سال کے ساتھ ہی "زمانہ" کے اجراء اور منشی جی کی ادارت کی ابتدا کے مہینوں کا تعین کر کے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا ہے۔ تاہم یہ سوال ضرور رہ جاتا ہے کہ فروری سے نومبر ۱۹۰۳ء تک اس کے مدیر کون تھے نیز یہ بھی کہ بریلی سے نکلنے والے اس رسالے کی ادارت کانپور کے ایک نوجوان کے سپرد کیوں کی گئی۔"

قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ یہ رسالہ بریلی سے شیوبرت لال ورمن صاحب نے جاری کیا تھا۔ وہی اس کے مدیر اور مالک بھی تھے۔ ورمن صاحب کا رجحان مذہب و تصوف وغیرہ کی طرف زیادہ تھا۔ ان کے گھر میں چند بہت ہی قریبی عزیزوں (غالباً لڑکے اور بیوی) کی اموات نے انہیں بہت دل گیر کر دیا تھا اور گھر گرہستی اور دنیاوی امور سے ان کا من اچاٹ ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ "زمانہ" کی ادارت (اور غالباً ملکیت بھی) منشی دیانرائن نگم کے سپرد کر کے ایک طویل تیرتھ یاترا پر نکل گئے تھے۔
نگم صاحب پر ان کا قرعۂ انتخاب کیوں پڑا اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔
یہ رسالہ کانپور میں منتقل ہونے کے بعد بھی کافی عرصے تک بریلی ہی میں "قیصری پریس" بریلی سے شائع ہوتا رہا۔ میری نظر سے "زمانہ" کا جو سب سے پہلا پرچا گزرا ہے وہ جنوری ۱۹۰۴ء کا ہے۔ اس کی طباعت مذکورہ بالا پریس میں بریلی ہی میں ہوتی تھی۔ نگم صاحب کی ادارت میں آنے کے بعد اس کے ٹائیٹل پر "سلسلۂ جدید" لکھا جاتا تھا۔
اس شمارے کے بعد فروری ۱۹۰۵ء کا شمارہ مجھے پڑھنے کو دستیاب ہوا۔ اس پر اشاعت کی تفصیل اس طرح سے ہے "محمد رحمت اللہ خاں صاحب کے اہتمام سے نامی پریس کانپور سے طبع ہو کر نیا چوک کانپور سے شائع ہوا۔"
نگم صاحب نے چند سال بعد اپنا پرنٹنگ پریس بھی لگا لیا تھا۔ اس میں سب سے پہلے جو کتاب شائع ہوئی وہ منشی پریم چند کی پانچ کہانیوں کا مجموعہ "سوزِ وطن" تھی (جون، جولائی ۱۹۰۸ء کے قریب) زمانہ پریس کے اجراء کے وقت سے صرف "زمانہ" ہی شائع ہوتا تھا۔ کتابوں کی طباعت کا کام متذکرہ بالا کتاب سے شروع ہوا تھا اور بعد میں بھی زیادہ تر کتابیں پریم چند ہی کی شائع ہوئیں۔

سید حسن عباس فطرت
امام باڑہ کیپاؤنڈ۔ سانتا جارج اسٹریٹ۔ پونہ ۴۱۱۰۰۱

"قومی راج" کو پڑھ کر ایک نئی جہت کا احساس برابر ہوتا ہے ملک کے خصوصاً مہاراشٹر کے کتنے ہی پوشیدہ جواہرات کو "قومی راج" نے اردو داں حلقے کے سامنے رکھا ہے اور اس زمرے میں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ چھوٹے چھوٹے ادبی مضامین اور مختصر تبصروں میں بھی انفرادیت ہے ـــــ شمیم کرہانی والا (رفیع اکمل صاحب کا تحریر کردہ) مضمون تو مہینوں بعد بھی یاد ہے۔

شرقی ملیح آبادی
سکریٹری بزم عروجِ ادب
۱۱۶/۳۵۴۔ پوسٹ آفس راوت پور۔ کانپور ۲۰۸۰۱۹ (یوپی)

۱۰ راگست ۱۹۸۴ء کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ اس کے صوری و معنوی حسن کی دل کشی قابلِ رشک ہے۔ معیاری ادبی تخلیقات اور مفید معلوماتی مضامین کی شمولیت پر مبارکباد قبول فرمائیں۔
بلاشبہ "قومی راج" روز افزوں بلندی و ترقی کی منفرد شاہراہ پر گامزن ہے۔ حسین گیٹ اپ، رنگین تصاویر اور علمی و ادبی مواد کی فراہمی آپ کی پُرمغز ادارت اور کوششوں میں خدا کرے اور زیادہ نکھر ے۔

PRINTED AT THE GOVT. PHOTOZINCO PRESS, PUNE–1985
H-221-1F.B







[illegible]

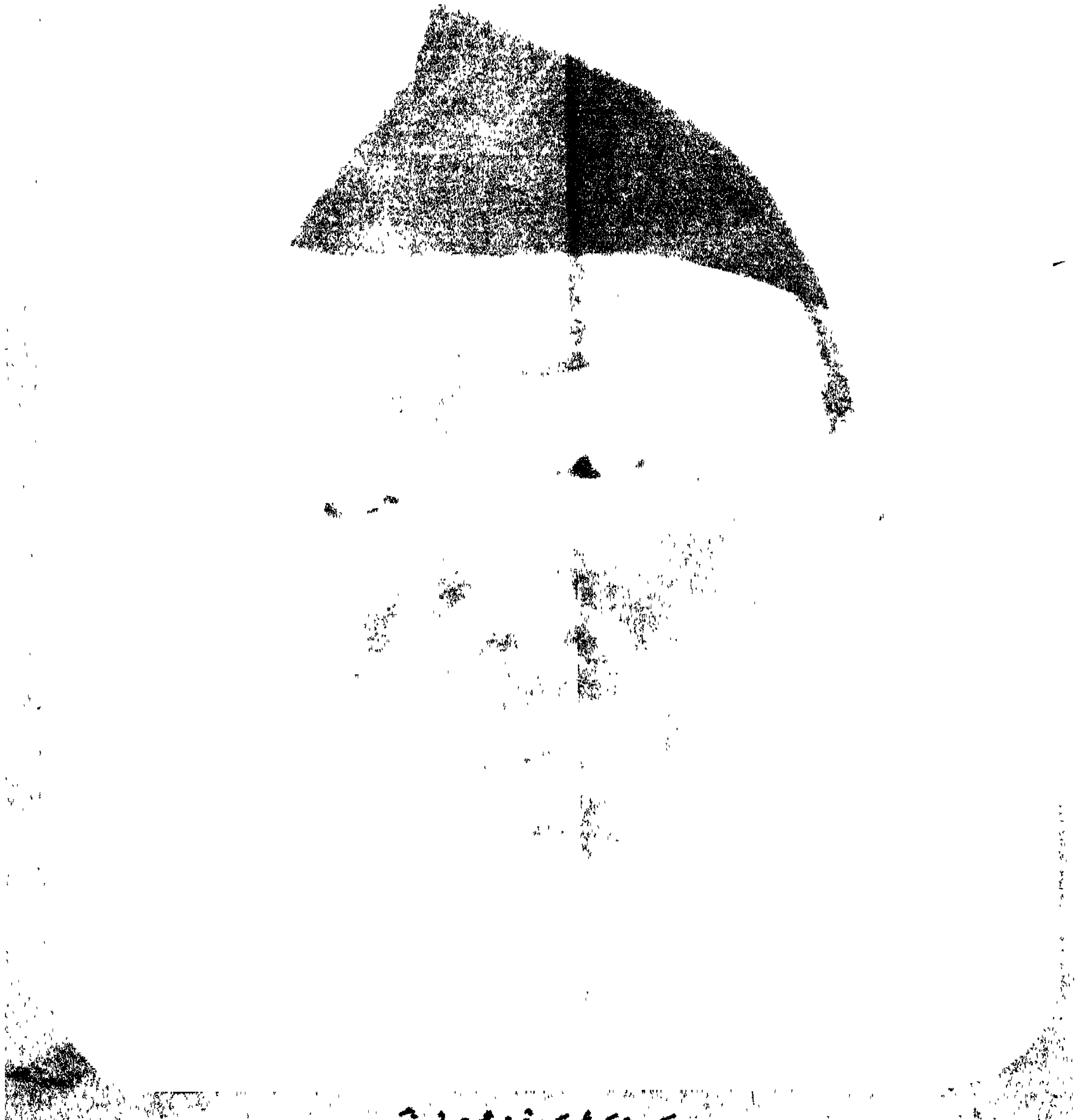




قومی راج

۱۰ مارچ سنہ ۱۹۸۵ء

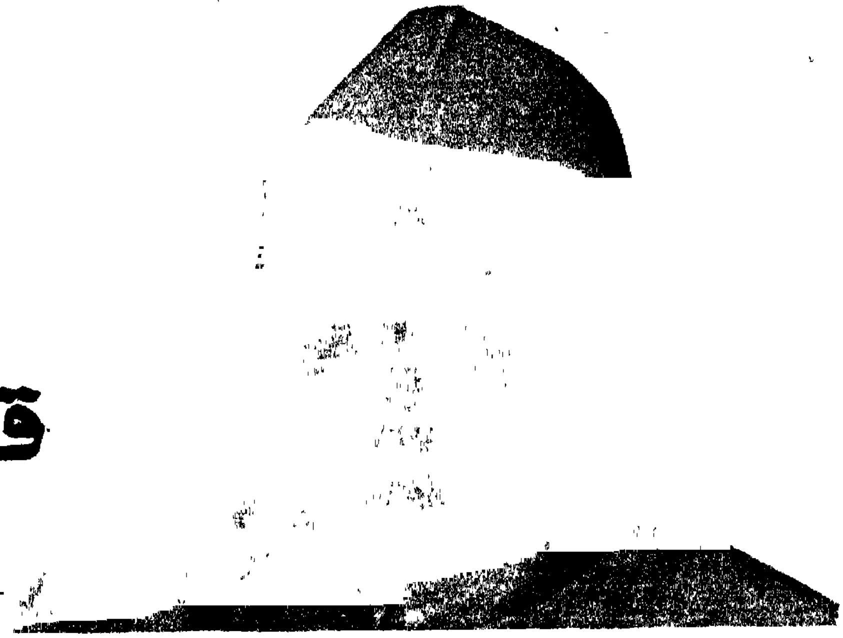
قیمت: دو روپے



یشونت راؤ چوان خصوصی نمبر







قومی راج

آنجہانی یشونت راؤ چوان نمبر

۲۵ فروری، ۱۰ مارچ ۱۹۸۵ء (مشترکہ شمارہ)
جلد ۱۲ شمارہ ۴ و ۵

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے
سالانہ دس روپے فی پرچہ ۵۰ پیسے

اس شمارے کی قیمت ۲ روپے

چیف ایڈیٹر :- ایس۔ کے۔ سگنے
مینجنگ ایڈیٹر :- ریاض احمد خاں

مراٹھی، ہندی، انگریزی، گجراتی، سندھی اور اردو
چھ زبانوں میں شائع ہونے والا پندرہ روزہ

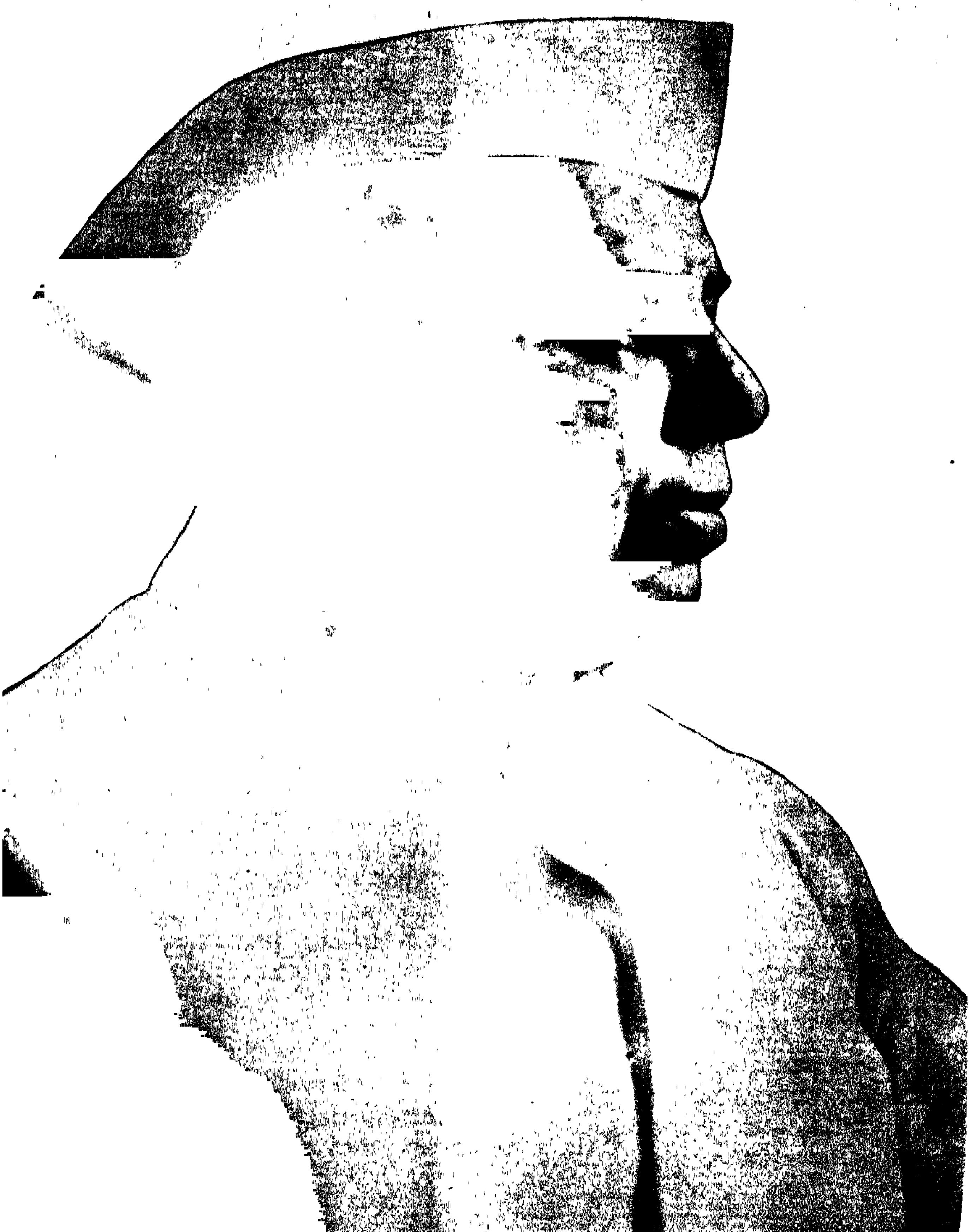
ترسیلِ زر و مراسلت کا پتہ :-
ڈپٹی ڈائریکٹر (انفارمیشن)
ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
حکومتِ مہاراشٹر،
۱۵- واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ،
مقابل منترالیہ۔ بمبئی نمبر ۴۰۰۰۳۲
فون نمبر- ۲۰۲۳۰۰۶، ۲۰۲۳۹۵۷، ۲۰۲۰۷۵۱

نادر تصاویر کی فراہمی کے لئے ہم پریس انفارمیشن بیورو گورنمنٹ آف انڈیا، کراڈ کالج آف آرٹس اینڈ کامرس کراڈ، شری راجارام مانے، شری بابو راؤ کوتوال اور شری باباصاحب مورے کے مشکور ہیں۔ (ادارہ)

ترتیب

صفحہ نمبر

سرورق ۲ یشونت راؤ چوان - وزیر اعظم جواہر لال نہرو کے ہمراہ
سرورق ۳ یشونت راؤ چوان - اپنی والدہ وِٹھا بائی کے ہمراہ





اداریہ

امسال یکم مئی کو ریاست مہاراشٹر کی تشکیل کا جشن سیمیں منایا گیا۔ اس موقع پر تمام ریاست نے اپنے عظیم رہنما، فلسفی اور راہبر شری یشونت راؤ چوان کو صمیم قلب سے یاد کیا۔ لہٰذا آنجہانی شری یشونت راؤ چوان کی یاد کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے "قومی راج" کا یہ خصوصی شمارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ آپ نہ صرف جدید مہاراشٹر کے معمار ہیں بلکہ آپ نے جمہوریت اور سوشلزم کی راہِ راست پر ملک کی پیش رفت میں اس کی رہنمائی بھی کی ہے۔ آپ کے خیالات و نظریات پر مارکس، لینن، ایم۔ این۔ رائے، برٹرانڈ رسل، گاندھی جی اور جواہر لال نہرو کی تحریروں کا اثر تھا۔ لیکن بنیادی طور پر سوشلزم پر ان کے اعتماد کی وجہ بے شمار بھارت واسیوں کی غربت و افلاس تھا جس کے دامن میں انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پروان چڑھے۔

ان کے ذہن میں ایک ایسے بھارت کا تصور تھا جو معاشی اور بنیادی طور پر پائیدار ہو جس میں سماجی نابرابری نہ پائی جائے جس میں معاشی فارغ البالی کا دور دورہ ہو۔ ہر شخص کو ترقی کے یکساں مواقع فراہم ہوں نیز ملک اپنے طور پر اپنی سالمیت و حریت کا دفاع کرنے کا اہل ہو۔ ان کے مطابق مستقبل میں بھارت ایک ایسا، مضبوط سوشلسٹ، سیکولر جمہوری ملک ہوگا جو بین الاقوامی امن کے قیام میں مثبت کردار ادا کرے گا۔

شری یشونت راؤ جی غالباً واحد سیاسی رہنما تھے جنہوں نے دیہاتوں کو جدید سائنسی ترقی سے روشناس کرانے اور اس کی روشنی میں دیہاتوں کو ترقی دینے کی ضرورت محسوس کی نیز زرعی صنعتوں کے نظریے کو عام کیا۔ اس نظریے کو فروغ دینے کے لیے انہوں نے ریاست میں امداد باہمی سوسائٹیاں قائم کیں۔ مہاراشٹر کی تقلید میں ملک کے باقی ماندہ حصے میں بھی ایسی سوسائٹیاں قائم ہوئیں اور آج ملکی معیشت میں یہ سوسائٹیاں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے ضلع پریشدوں کے قیام سے جمہوری لامرکزیت کے نظریے کو عملی جامہ پہنایا۔ انہوں نے بینکوں کو قومیانے نیز سابق راجہ مہاراجاؤں کو دی جانے والی رقم بند کرنے کی حمایت کی ــــ دراصل وہ جمہوریت پسند تھے۔

وہ ایک قابل منتظم تھے انہوں نے مختلف اہم عہدوں پر ادائیگی فرائض کے دوران اپنی انتظامی صلاحیتوں کے نقش چھوڑے ہیں۔ وہ ذہین اور معقول رہنما تھے۔ انہوں نے اپنی ذہانت اور عوامی مقبولیت کے سہارے زندگی میں مختلف مدارج طے کئے۔ ان کی ترقی کے سفر کی ابتدا مجاہدِ آزادی کی حیثیت سے ہوئی۔ اس کے بعد وہ مسلسل آگے بڑھتے چلے گئے، پارلیمانی سیکریٹری وزیر، وزیر اعلیٰ، مرکزی وزیر کے فرائض انجام دینے کے بعد آپ نے ملک کے نائب وزیر اعظم کا بھی عہدہ سنبھالا۔ انہوں نے ہر حیثیت میں یہ خیال ضرور رکھا کہ ملک کی ترقی سے غریب عوام مستفید ہو۔ ان کی موجودگی سے ماحول میں خود اعتمادی کی لہر دوڑ جاتی تھی اور وہ معاملات کو بڑی خوش اسلوبی سے طے کرتے تھے۔ ان کی سیاسی سوجھ بوجھ اور بیدار سماجی شعور نیز باوقار رہنمائی سے نہ صرف مہاراشٹر بلکہ پورے ملک نے فائدہ اٹھایا ہے۔

زیرِ نظر خصوصی شمارہ آنجہانی شری یشونت راؤ چوان کے معاصرین کے مضامین اور ان سے لئے گئے انٹرویو پر مشتمل ہے نیز اس میں یشونت راؤ جی کی بعض تحریروں کے تراجم بھی پیش کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی زندگی کے بعض اہم واقعات پر لی گئی ۱۵۰ نادر تصاویر بھی اس شمارے میں شامل ہیں جو قارئین کی خصوصی دلچسپی کا سامان فراہم کرتی ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ آنجہانی شری یشونت راؤ چوان کی زندگی اور ان کے کارناموں کی تفصیلات سے بھرپور یہ شمارہ قارئین کے لئے نہ صرف دلچسپ بلکہ معلوماتی بھی ہوگا اور ہمارے قارئین اسے اپنی لائبریری میں جگہ دیں گے۔

ہم اس خصوصی شمارے کے قلمکاروں کا شکریہ ادا کرتے ہیں نیز ان حضرات کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود ہمیں انٹرویو دیئے۔ اسی طرح ان تمام حضرات کے بھی ہم شکر گزار ہیں جنہوں نے ہمیں نادر تصاویر فراہم کیں۔ آخر میں گورنمنٹ سنٹرل پریس کا شکریہ بھی واجب ہے کہ اس کے عملے نے اس شمارے کو دیدہ زیب بنانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

March 12, 1985



شری یشونت راؤ چوان، مہاراشٹر کے
وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل کے ساتھ

وسنت راؤ پاٹل
وزیر اعلیٰ مہاراشٹر

جمہوری سوشلزم کے علمبردار
یشونت راؤ چوان

ایک کمسن لڑکے نے فخر کے ساتھ اور بے باک انداز میں کہا — "میں صرف یشونت راؤ بنوں گا —" جبکہ دوسرے لڑکے ڈاکٹر، انجینئر، مہاتما گاندھی — یا جواہر لال نہرو بننے کی خواہش ظاہر کر رہے تھے۔ یشونت راؤ کے اس جملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بچپن ہی سے انہیں اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں پر کس قدر اعتماد تھا۔ انہوں نے کم سنی میں کہے ہوئے اپنے اس جملے کو صحیح ثابت کیا اور وہ اپنی زندگی ہی میں ایک کامیاب رہنما بن گئے۔

یشونت راؤ ایک غریب گھر میں پیدا ہوئے اور ان کا بچپن افلاس کے سائے میں بیتا۔ ابھی وہ صرف چار سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوا لیکن ان کی والدہ اور دو بڑے بھائیوں نے تمام تر تکالیف کے باوجود یشونت راؤ کو تعلیم دلانے کا تہیہ کر لیا۔ اس کے لئے ان کی والدہ دن رات چھوٹے موٹے کام کرتی تھیں۔ یشونت راؤ نے بی۔ اے پاس کرنے کے بعد قانون کی بھی ڈگری حاصل کی۔ اپنی اس پیشہ ورانہ قابلیت کے سہارے ان دنوں وہ بے انتہا دولت کما کر اپنے عزیزوں کو خوش حال کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ملک کو آزاد کرنے اور آزادی کی جنگ میں عملی شرکت کرنے کا فیصلہ کیا تھا جس کی وجہ سے وہ ایک عظیم جمہوریت پسند سوشلسٹ لیڈر بنے۔

اسکول کے دنوں ہی سے یشونت راؤ جنگِ آزادی میں حصہ لینے لگے تھے۔ سنہ ۱۹۳۰ء کی تحریک میں انہوں نے اپنے ہم جماعتوں کو تیار کیا اور خود ہاتھ میں ترنگا لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ جلوس میں شریک ہوئے نیز "مہاتما گاندھی کی جے" "انقلاب زندہ باد" کے نعرے لگائے۔ سنہ ۱۹۴۲ء کی تحریک کے وقت انگریز حکومت نے ان کی گرفتاری پر ایک ہزار روپے کا انعام رکھا تھا — ان حالات میں بھی ان کی والدہ نیز ان کی نو بیاہتا بیوی وینو تائی نے ان کی مخالفت نہیں کی بلکہ دونوں نے ان کی حمایت کی اور ان کا حوصلہ بڑھایا۔ وینو تائی خود کو پولس کی حراست میں دے کر جیل گئیں اور صحیح معنوں میں آپ کی رفیقۂ حیات ہونے کا ثبوت دیا۔ وینو تائی نے آخری دم تک اپنی اس روایت کو برقرار رکھا اور یشونت راؤ کی زندگی میں آنے والے غم اور خوشی کے ہر موقعے پر ان کا برابر ساتھ دیا۔ حصولِ آزادی کے بعد وینو تائی نے سیاست میں عملی طور پر شرکت نہیں کی۔ انہوں نے ایک گرہستن کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔

سمیکت مہاراشٹر تحریک کے وقت یشونت راؤ کی رہنمائی
ان تھا۔ مہاراشٹر کے عوام کی ایک بڑی اکثریت ان کے
ت تھی۔ عوام کے لئے یہ مسئلہ زندگی اور موت کا مسئلہ بن گیا
تاہم یشونت راؤ نے قومی مفاد کو ریاست مہاراشٹر کے
پر ترجیح دی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اس صورت میں یہ اندیشہ
۔ مہاراشٹر قومی دھارے سے کٹ جائے اور اس کی ترقی منفی
پر اثر انداز ہو لہٰذا انہوں نے لسانی بنیاد پر ریاستوں کی
م کے نظریے کو قبول کرنے کے باوجود بمبئی کے ذولسانی ریاست
رار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ انہوں نے ایس۔ ایم۔ جوشی،
و راؤ پاٹل اور اچاریہ اترے جیسی بلند قامت شخصیتوں کی
ت کے باوجود ریاست کا نظم و نسق حسن و خوبی سے چلایا۔ وہ
ب مخالف کی رائے اور خیالات کا احترام کرتے تھے اور فیصلے
نے وقت انہیں ملحوظ رکھتے تھے۔ انہیں جب یہ یقین ہو گیا کہ مہاراشٹر
رات ایک ریاست نہیں رہ سکتے تو انہوں نے پنڈت
لال نہرو اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کو صورتِ حال سے آگاہ کیا
یکت مہاراشٹر کی تشکیل پر انہیں آمادہ کیا۔

ریاست مہاراشٹر کی تشکیل کے بعد آپ اس کے پہلے
علیٰ بنے۔ وزیر اعلیٰ بننے کے بعد آپ نے ترقی یافتہ اور
حال مہاراشٹر کے اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے
قدامات شروع کر دیئے۔ اسکولوں اور کالجوں کے دنوں ہی سے
و مطالعہ کا شوق تھا اور آپ عوز و خوض کیا کرتے تھے۔ آپ
وق جیل کے دنوں میں بھی آپ کے ساتھ رہی۔ آپ کو
این رائے، اچاریہ بھاگوت اور ایس۔ ایم۔ جوشی جیسے مفکروں
بت نصیب ہوئی جس نے آپ کی فکر کو جلا بخشی۔ یہی وجہ ہے
نے سوشلسٹ سیکولر جمہوری ملک کا خواب دیکھا۔ آپ نے
کیا کہ مہاراشٹر میں "مراٹھی راج" ہوگا نہ کہ "مراٹھا راج"۔
ی ۱۹۶۰ء کی نصف شب کو ریاست مہاراشٹر کی تشکیل کے
پر آپ نے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے وعدہ کیا کہ
ت مہاراشٹر عوام کی بہبود کے لئے کام کرے گی۔ ہمارے
دینے لائق جو بہترین چیز ہوگی، ہماری زندگی کا جو عزیز
یہ ہوگا نیز ہمارا جو بھی بیش قیمت اثاثہ ہوگا اسے ہم پہلے
کی راہ میں وقف کر دیں گے۔

یشونت راؤ ایک ترقی پسند سماجی جمہوریت کے علمبردار
۔ انہوں نے غریبی کی تکالیف برداشت کی تھیں۔ وزیر اعلیٰ
بننے کے بعد انہوں نے اپنی تمام تر توجہ دیہی افراد کی حالت
سدھارنے کی طرف مرکوز کر دی۔ ان کے نزدیک ملک و قوم کی
بہتری اسی میں تھی کہ دیہاتوں کو ترقی دی جائے۔ شاید وہ پہلے
سیاسی مدبر تھے جس نے زرعی، صنعتی سماج کے نظریے کی
وکالت کی اور اس نظریے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے
امداد باہمی تحریک کی بھرپور ہمت افزائی کی۔ ان کے نزدیک
جمہوری سوشلزم کو فروغ اسی وقت مل سکتا ہے جب وقت
امداد باہمی تحریک کامیاب ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ آج مہاراشٹر
میں شکر کی سو سے زائد امداد باہمی فیکٹریاں ہیں۔ ان فیکٹریوں کی
وجہ سے ہماری دیہی زندگی میں بہت سدھار آیا ہے۔ معاشی سطح پر ہمارے
دیہاتوں نے اور دیہاتیوں نے خوب ترقی کی ہے۔ شکر کی امداد
باہمی تحریک کی اس حوصلہ افزائی اور انتہائی سود مند کامیابی کے
پیشِ نظر ہماری ریاست میں امداد باہمی تنظیموں اور فیکٹریوں
کا جال سا بچھ گیا ہے۔ مثال کے طور پر کپڑے کی کتائی اور بُنائی
کی امداد باہمی فیکٹریوں اور کارخانوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ مجھے
یقین ہے کہ مستقبل قریب میں مہاراشٹر کا مقابلہ کسی بھی آسودہ
اور خوش حال زرعی صنعتی سماج سے کیا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ
اس کا سہرا یشونت راؤ کے سر بندھتا ہے۔

یشونت راؤ، مہاتما پھولے اور راج رشی شاہو مہاراج
جیسے سماج مصلحین سے بے حد متاثر تھے۔ ان کا اعتماد تھا کہ
تعلیم ترقی کے دروازے کھولتی ہے۔ لہٰذا انہوں نے معاشی اعتبار
سے پسماندہ طبقات کے بچوں کی تعلیم کے لئے ایک اسکیم وضع کی
جس کے تحت جن طلباء کے والدین یا سرپرست کی سالانہ آمدنی
نو سو روپے سے کم تھی۔ انہیں مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ مہاراشٹر
ملک کی پہلی ریاست ہے جہاں ایسا اقدام کیا گیا۔ بعض دانشوروں نے
یشونت راؤ کے اس اقدام پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اس سے
تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی فوج تیار ہو جائے گی۔ اس اعتراض کا
جواب یشونت راؤ نے یہ کہہ کر دیا کہ وہ تعلیم یافتہ روزگاروں
کی فوج کو غیر تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی فوج پر ترجیح دیں گے۔
دراصل یشونت راؤ کو یہ یقین تھا کہ تعلیم عام ہونے سے ملک کو
درپیش مسائل حل کرنے میں مدد ملے گی۔

جمہوری لامرکزیت

یشونت راؤ کا ایک اہم کارنامہ، مہاراشٹر میں

قومی راج

ضلع پریشدوں کا قیام ہے جس کا مقصد جمہوری لامرکزیت کے ذریعے ترقیاتی پروگراموں میں عام آدمی کی شرکت حاصل کرنا ہے۔ یشونت راؤ کے مطابق ضلع پریشد اور پنچایت سمیتیاں دیہاتوں میں قیادت اور رہنمائی کی صلاحیت پیدا کرنے اور اسے اُجاگر کرنے میں معاون ثابت ہوں گی۔ یشونت راؤ کا یہ خیال صحیح ثابت ہوا ہے۔ ضلع پریشد اور پنچایت سمیتیوں سے عوامی رہنمائی کا آغاز کرنے والے کئی نوجوان اب ریاستی اور قومی سطح پر قیادت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ضلع پریشد اور پنچایت سمیتیوں کے قیام کی وجہ سے ضلع واری اور تعلقہ سطح پر فیصلے کرنے میں نوجوانوں کو نئے کردار ادا کرنے کا موقع ملا جس کی وجہ سے مہاراشٹر میں موثر قیادت کی راہیں ہموار ہوئیں۔ یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ ضلع پریشد مہاراشٹر اور گجرات میں کامیاب ثابت ہوئی ہے اس کی وجہ جیسا کہ ظاہر ہے کہ صرف یہیں اسے یشونت راؤ چوان کی سرپرستی حاصل تھی۔

قابل منتظم

کوئی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ یشونت راؤ ایک قابل اور ماہر منتظم تھے۔ انہوں نے مہاراشٹر اور بھارت کو صاف اور ایماندار انتظامیہ دیا حتیٰ کہ ان کے مخالفین بھی اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے اقتدار کا کبھی غلط استعمال نہیں کیا۔ حزبِ مخالف کو بھی ان پر بھروسہ تھا اور وہ ان کے مداح تھے وہ اہم اقدامات سے قبل حزبِ مخالف کا اعتماد ضرور حاصل کرتے تھے۔

چین کے حملے کے وقت یشونت راؤ نے وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی دعوت قبول کرتے ہوئے مرکزی وزارتِ دفاع کی باگ ڈور سنبھالی۔ انہوں نے سب سے پہلے ہمارے فوجی افسران اور جوانوں میں خود اعتمادی پیدا کی۔ علاوہ ازیں انہوں نے جنرل ہنڈرسن کی سفارشات کی روشنی میں ہماری فوج کی تجدید کی جس کی وجہ سے ہم ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں کامیابی سے ہم کنار ہو سکے۔ اس کے بعد بحیثیت مرکزی وزیر داخلہ، مرکزی وزیر مالیات اور وزیرِ خارجہ کی حیثیت سے انہوں نے کئی نازک مراحل کامیابی کے ساتھ طے کیے۔

انہی تمام خصوصیات کے باعث یشونت راؤ ایک قابل منتظم بن گئے۔ عوام انہیں اب بھی یاد کرتے ہیں اور ماہرین آج بھی انہیں ایک مثالی وزیر قرار دیتے ہیں۔

مہاراشٹر کے انتظامیہ کی شہرت ملک کے بہترین انتظامیہ کی حیثیت سے ہماری جغرافیائی حدود سے باہر پہنچ گئی ہے — عالمی بینک جیسے بین الاقوامی ادارے تک نے اس کی تعریف کی ہے جس کا سہرا یشونت راؤ کے سر بندھتا ہے — یشونت راؤ ہر کسی سے درپیش مسائل پر بحث کرتے تھے حتیٰ کہ وہ مخالفین کو بھی اپنا زاویۂ نگاہ سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ اپنے افسران سے پورا رابطہ رکھتے تھے۔ افسر جو بھی کہنا چاہتے تھے صبر و اطمینان سے سنتے تھے تاکہ انتظامیہ کو سرعت کے ساتھ موثر انداز میں چلایا جا سکے۔ موثر اور پاک صاف انتظامیہ کی یہ روایت جسے یشونت راؤ نے قائم کیا تھا آج بھی مہاراشٹر میں زندہ ہے۔

شریمتی اندرا گاندھی کے بہیمانہ قتل کے بعد وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کو دلاسہ دینے کے لیے یشونت راؤ دہلی گئے۔ اور انہیں ان الفاظ میں دلاسہ دیا — "اندرا جی اور میرے بڑے قریبی تعلقات تھے۔ خاندانی روابط تھے۔ وہ میری بہن تھیں۔ میں تمہارے خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے ہر مرحلے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔"

یشونت راؤ کی موت کی غیر متوقع خبر سن کر راجیو گاندھی نے کہا — "میں نہیں جانتا کہ دوسروں کو کتنا نقصان ہوا ہے لیکن یہ میرا ایک ذاتی نقصان ہے۔ میں ایک عظیم سہارے سے محروم ہو گیا ہوں۔"

اگر آج یشونت راؤ زندہ ہوتے تو میرے خیال میں اُن کا عمر بھر کا تجربہ صاف اور موثر انتظامیہ چلانے میں وزیر اعظم راجیو گاندھی کے لیے بے حد معاون ثابت ہوتا لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہم یشونت راؤ کی یاد کو صحیح معنوں میں خراجِ عقیدت صرف اس طرح پیش کر سکتے ہیں کہ ہم ان کے ترقی پسند نظریات کی پیروی کریں نیز مہاراشٹر اور ملک کی ترقی کی راہیں ہموار کریں۔



انٹرویو

یشونت راؤ چوان ۔ "جمہوریت کے علمبردار"

شرد پوار

شری شرد پوار ایک فعال نوجوان رہنما ہیں ۔ شری سریش دیسائی سے اپنے ایک انٹرویو میں انہوں نے شری یشونت راؤ چوان کے بارے میں جذباتی انداز میں انٹرویو دیا ۔ انٹرویو کے دوران انہوں نے آنجہانی لیڈر کی سیاسی شخصیت اور کارنامے کا بڑے خوبصورت انداز میں تذکرہ کیا ۔ شری یشونت راؤ کی سیاست کے بارے میں جو کچھ بھی کہا گیا ہو، لیکن وہ موقع پرست کبھی نہیں رہے ۔ نہ انہوں نے اختیارات کا کبھی غلط استعمال کیا اور ہمیشہ ایسے متبادل کا انتخاب کیا جو ریاست اور لوگوں کے مفاد میں ہو ۔ ذیل میں ان کا انٹرویو درج ہے ۔

س :۔ براہِ مہربانی آپ ہمیں یہ بتائیں کہ آپ کا سب سے پہلا تعارف شری یشونت راؤ سے کب ہوا ؟

پوار :۔ یہ ۱۹۵۸ء کی بات ہے کہ میری ان سے ملاقات ہوئی ۔ میں اُن نوجوان لوگوں میں سے تھا ــــ جو سمیکت مہاراشٹر کی تشکیل کے لئے اصرار کر رہے تھے ۔ ہم لوگ شری یشونت راؤ جی کے اس عجیب رویے کے لئے جو انہوں نے

استعفے کے سوال پر اپنایا تھا، متفق ہونا پسند نہ کرتے تھے بھاؤ صاحب ہیرے اور دیگر لوگ سمیکت مہاراشٹر کے مسئلے کے لئے استعفیٰ دینا چاہتے تھے لیکن وائی۔بی چوان نے کہا کہ استعفیٰ دینے سے ہم لوگ بالکل کنارہ کش کر دیئے جائیں گے اور مہاراشٹر سیاسی دھارے سے کٹ جائے گا جسے کوئی بھی پسند نہ کرتا۔ اس خیال کی کوئی خاطر خواہ پذیرائی ریاست میں نہیں ہوئی بلکہ لوگ سوچنے لگے کہ ہمیں سیاسی دھارے میں رہتے ہوئے اس مسئلے کا حل تلاش کرنا چاہیئے۔ مجھے اس میں سیاسی عقلمندی نظر آئی اور اس طرح میں ان کے مزید قریب آگیا۔ ۵۹-۱۹۵۸ء میں ہم نے انہیں اپنے کالج میں مدعو کیا۔ اس دوران میں کالج کا جنرل سیکریٹری تھا۔ ان کی روشن خیالی کی وجہ سے میں اور دیگر کئی طلباء ان سے نزدیک تر ہوتے گئے۔ ہم نے کانگریس پارٹی میں نوجوانوں کو منظم کرنے کے کام کی ذمہ داری قبول کی اور ایک ماتحت رفیق کار کی حیثیت سے پونے شہر میں تنظیم کا کام مجھے سونپا گیا۔ اس طرح ہمیں ان سے ملاقات کرنے کا اکثر موقع ملتا تھا۔ سنہ ۱۹۶۰ء میں سمیکت مہاراشٹر کی تشکیل کے بعد میں نے سوچا کہ ریاست میں نوجوان نسل کے ذریعے مجھے یشونت راؤ جی کے نئے مہاراشٹر کی تعمیر کے خواب کی تعبیر کے لئے کوئی کردار ادا کرنا چاہیئے۔ مجھے مغربی مہاراشٹر میں کام کرنے کے لئے منتخب کیا گیا۔ سنہ ۱۹۶۴ء میں مجھے کہا گیا کہ میں ساری ریاست میں نوجوان صف کی نگرانی کروں۔ ان دنوں میں نے بحث و مباحثے کے ذریعے یشونت راؤ جی سے جو تعلقات پیدا کئے وہ آخر تک قائم رہے۔ ان کے کام کرنے کے طریقے، ان کے سوچنے کا انداز اور دوسروں کو سمجھنے کا مادہ یہ وہ چیزیں تھیں جنہوں نے مجھ میں ان سے ایک قسم کی اُنسیت پیدا کی۔

سوال:- اُن کے ذہن میں نئی ریاست مہاراشٹر کا کیا تصور تھا؟

شرد پوار:- یشونت راؤ جی نے جو خواب سنہ ۱۹۶۰ء میں دیکھا تھا وہ مہاراشٹر کی یکسانیت کے بارے میں تھا۔ اگر ان کے مشورے پر ایماندارانہ طور پر عمل کیا گیا ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ آج جو ایک قسم کی تلخی ہم محسوس کر رہے ہیں وہ بالکل نہ پیدا ہوتی۔ وہ ریاست کو یکسانیت کے ڈھانچے میں ڈھالنا چاہتے تھے اور اسی لئے انہوں نے ناگپور کو دوسرا صدر مقام بنانے کے لئے پہل کی۔ ناگپور معاہدہ اور ودربھ کے لئے چند خصوصی رعایتیں بھی ان کے متحد کرنے کے خیالات کی عکاسی کرتی ہیں۔ مراٹھواڑہ ایک پسماندہ علاقہ تھا۔ چوان نے وہاں ایک یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ تعلیم ہی لوگوں کو ترقی اور خوش حالی کی طرف لے جا سکتی ہے۔ اسی طرح انہوں نے کوکن کے لوگوں میں اور مختلف زبانیں بولنے والے شہر بمبئی کے لوگوں میں اعتماد کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مختلف علاقوں کو یکسانیت کے ڈھانچے میں ڈھالنا ضروری تھا اور اس طرح ایک یک رنگی ریاست بنانے کا مسئلہ تھا۔ وہ ایک نازک چیلنج تھا۔ کسی نے یشونت راؤ سے پوچھا کہ ریاست میں مراٹھا راج ہوگا یا مراٹھی راج۔ چوان نے یہ اعلان کر کے کہ وہ مراٹھی ریاست ہوگی، تمام شکوک رفع کر دیئے۔ وہ سماج کے ہر طبقے میں یگانگت قائم کرنے کے خواہاں تھے اور بعد میں آنجہانی کنموار اور وسنت راؤ نائیک جو پسماندہ طبقے سے تعلق رکھتے تھے ریاست کے لیڈر بنے۔ یہ یشونت راؤ جی کے دور رس خیالات کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔

سوال:- اتحاد کو حاصل کرنے کے لئے ان کا طریقۂ کار کیا تھا؟

شرد پوار:- اس چیز کو یقینی صورت دینے کے لئے کہ کسانوں اور مہاراشٹر کے دوسرے لوگ جو ایک طرف بہوجن سماج کہلاتے ہیں اور دوسرے جو پسماندہ دلت ہیں ان کے درمیان تعلقات غیر کشیدہ اور خوشگوار رہیں — چوان نے دادا صاحب گائیکواڑ کی ریپبلیکن پارٹی سے دوستی کی پالیسی اپنائی انہیں اس میں نمایاں طور پر کامیابی بھی ملی۔ آج ہمارے سامنے کچھ کشیدگیاں، کچھ شبہات اور غلط فہمیاں ہیں اور ہمیں چوان جی کے خیالات کی ضرورت ہے جو ان باتوں کو دور کر سکیں۔

سوال:- مہاراشٹر کے مستقبل کے بارے میں یشونت راؤ جی کے خواب کے بارے میں کچھ بتائیں۔

شرد پوار:- ویسے تو یشونت راؤ جی مہاراشٹر میں اتحاد اور یکسانیت کے لئے سوچ رہے تھے لیکن وہ مہاراشٹر کے مستقبل کی تصویر کے بارے میں بھی غور و خوض میں مصروف تھے۔ وہ ثقافتی سرگرمیوں کی اہمیت کو بخوبی جانتے تھے اور اسی لئے انہوں نے اسٹیٹ بورڈ آف لٹریچر اینڈ کلچر کی بنیاد ڈالی۔ وہ چاہتے

(باقی صفحہ ۳۱ پر)



مہاراشٹر کے گورنر شری پرکاشا،
شری یشونت راؤ چوان کو مہاراشٹر کے
وزیر اعلیٰ کے عہدے اور رازداری کا حلف
دلا رہے ہیں۔

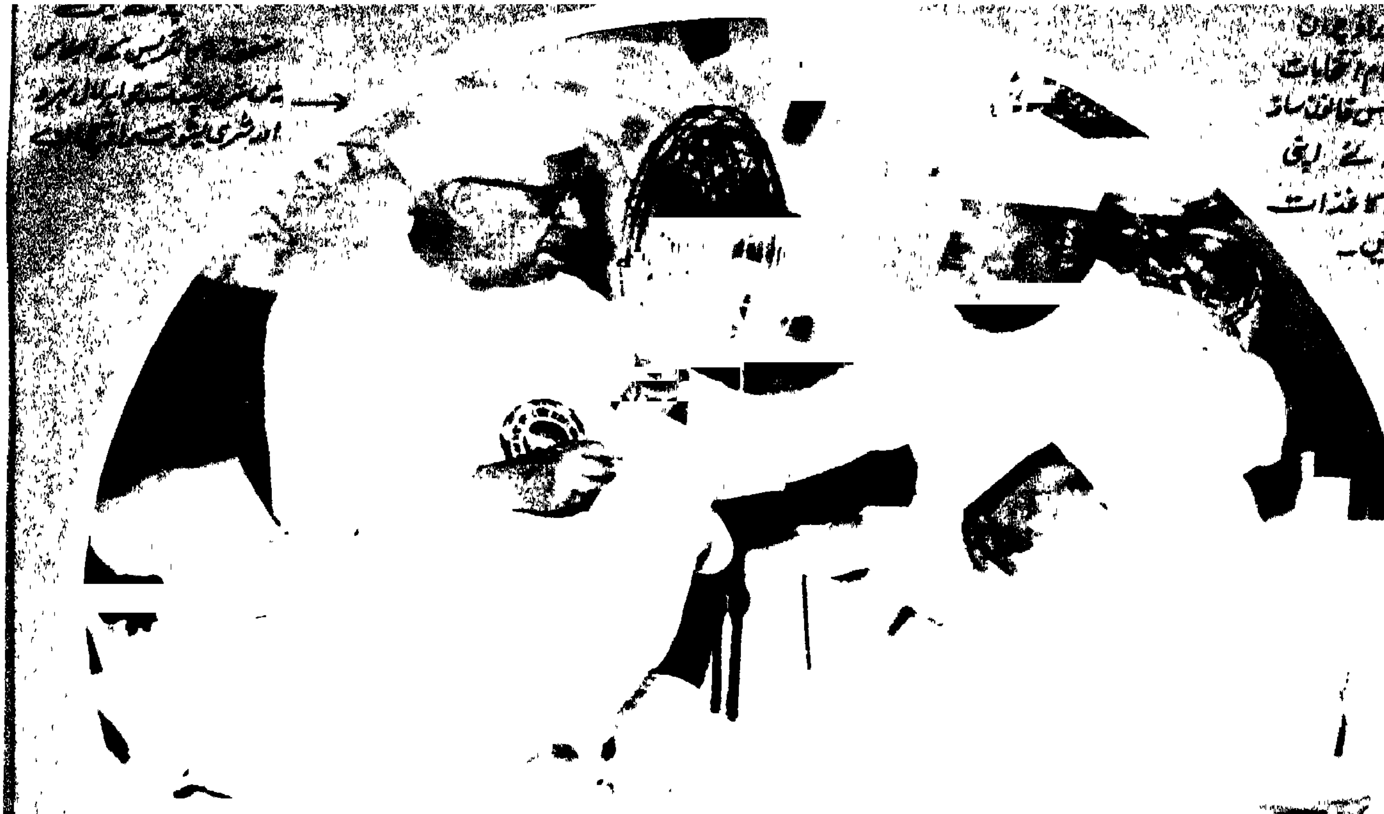
ظری پنڈت جواہر لال نہرو،
لے کر ریاست مہاراشٹر کا
ر رہے ہیں۔



وزیر اعظم شری پنڈت جواہر لال نہرو اور اس وقت کی ذولسانی ریاست "بمبئی" کے وزیر اعلیٰ شری یشونت راؤ چوان پرتاپگڈھ کے دورے پر ——



نئی دہلی میں لوک مانیہ تلک کے مجسمے کی نقاب کشائی کے موقع پر شری یشونت راؤ چوان" وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کو تلک کے مجسمے کا نمونہ پیش کر رہے ہیں ——



لس قانون ساز
ے کے لیے
کاغذات
ہیں۔



چوان کے [illegible] کے دورے کے
وقت شیواجی کی تصویر اور بھوانی تلوار
پیش کی گئی۔



بھارت کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد
نے ۱۹۶۵ء میں شری یشونت راؤ چوان شکشن
سنستھا کے سائنس کالج کی عمارت کا افتتاح
کیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں اس
وقت کے مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری
یشونت راؤ چوان بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



کے موقع پر بھارت کے پہلے وزیر اعظم شری جواہر لال نہرو اور شری یشونت راؤ چوان کو دیکھا جاسکتا ہے۔ نیچے ایسے ہی موقع پر بھارت کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد اور شری یشونت راؤ چوان کو دیکھا جاسکتا ہے۔





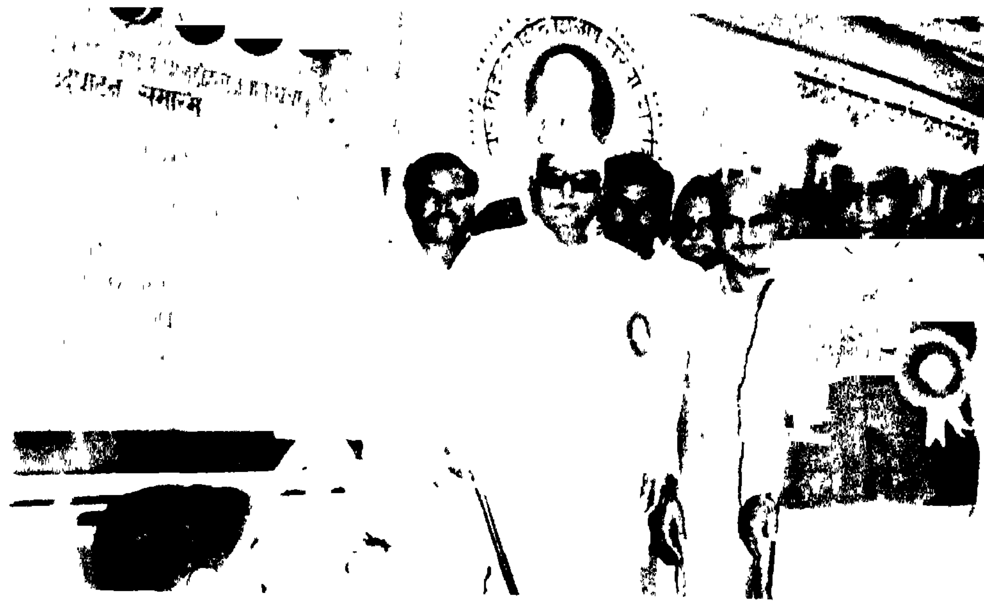


فلم اسٹیج اینڈ
نٹ کارپوریشن اور
کی "چترنگری"
کے موقع پر لی گئی
انجہانی یشونت راؤ
فلم ساز شری وی۔
اداکارہ راکھی اداکار
اور مہاراشٹر کے
ری وسنت راؤ پاٹل
نے رہا۔

معروف صحافی آنجہانی ڈی بی تنڈولکر کی یاد میں لوناولے میں بنائے گئے چترکار بھون کا افتتاح اپریل ۱۹۶۹ء میں آنجہانی یشونت راؤ چوان کے ہاتھوں عمل میں آیا۔



کولہاپور ضلع کے مقام گڑ ہنگلج میں
انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کے
افتتاح کے موقع پر لی گئی تصویر میں
شری یشونت راؤ چوان اور وزیر اعلیٰ
شری وسنت راؤ پاٹل دیکھے جاسکتے ہیں



شری یشونت راؤ چوان ستارا ضلع
کے مقام پھلٹن میں کپاس کی
اجارہ دارانہ خرید اسکیم کے افتتاح
کے موقع پر منعقدہ تقریب میں
حاضرین سے خطاب کر رہے ہیں
اسکیم کپاس کے کاشتکاروں کے حق میں
بے حد مفید ثابت ہوئی



شری یشونت راؤ چوان اور وزیر اعلیٰ
وسنت راؤ پاٹل کراڈ میں کرشنا چیریٹیبل
ٹرسٹ میڈیکل کالج کے افتتاح کی
تقریب کے موقع پر دیکھے جاسکتے
سرکاری گرانٹ کے بغیر مہاراشٹر میں
تین طبی کالج کھولے گئے ہیں





یمتی اندرا گاندھی نے ۱۹۶۶ء کی خشک سالی
آنجہانی شری یشونت راؤ چوان
ت کے وزیراعلیٰ شری وی پی نائیک
رنے کے دیہی علاقوں کا دورہ کیا
سالی سے متاثرہ افراد کو دلاسہ دیا۔





مرکزی وزیر داخلہ آنجہانی یشونت راؤ چوان
سنہ ۱۹۷۰ء میں مہاراشٹر کے اس وقت کے
وزیراعلیٰ اور اپنے معاونین کے ساتھ
بھیونڈی کے فسادزدگان کی اشک شوئی کی



وزیر اعظم جواہر لال نہرو اور شری
یشونت راؤ چوان کوئنا ہائیڈرو الیکٹرک
پروجیکٹ کی سرنگ کا معائنہ کر رہے ہیں



وزیر اعلیٰ یشونت راؤ چوان کے
ہاتھوں ۱۹۶۲ء میں کوئنا ہائیڈرو
الیکٹرک پروجیکٹ کے پہلے جنریٹر کا
افتتاح عمل میں آیا







ت راؤ چوان کے
ت ریسرچ سینٹر
رے کے موقع پر
ویر

یشونت راؤچوان
رینو تائی چوان کھلے
کی رسم بھومی پوجا
ہے ہیں

(ڑسے آگے)

د۔ہی مہاراشٹر ترقی کرے ۔ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی
تھے کہ نوجوانوں میں بڑے کاروبار کرنے کا ولولہ پیدا ہو
ے کی ترقی کے نلیے یہ ان کا سب سے اہم تعاون تھا۔
بڑے کاروبار کو فروغ دینے کی ان کی کوششوں کا آج یہ
ہے کہ ریاست میں ۱۰۰ شکر کی فیکٹریاں ہیں ۔ وہ چاہتے
سپننگ ملیں بھی اسی طرح کی ترقی کی شاہراہ پر گامزن
ن اس میں کچھ زیادہ کارگزاری ممکن نہ ہوسکی لیکن اب
ے کچھ آثار نمایاں ہوگئے ہیں ۔
وہ لوگوں کے مختلف طبقوں میں ہم آہنگی اور باہمی اتحاد پیدا
ہتے تھے اور ایک دوسرے سے میل جول کے ماحول کو فروغ
ایک پھلتا پھولتا مہاراشٹر دیکھنے کے متمنی تھے ۔انہوں نے
الیسیاں بنائیں ، جو بھی اقدامات کئے اس نقطہ نظر کو
رکھ کر کئے ۔

ل :۔ سمیکت مہاراشٹر کی تشکیل کے لئے ان کا تعاون کیا تھا؟

پوار :۔ اُن دنوں انہوں نے جن خیالات کا اظہار کیا تھا وہ
اختلافی حیثیت اختیار کر گئے تھے ۔ ان کے خیالات پر
تہ چینی ہوتی لیکن وہ دوررس نگاہ رکھتے تھے ۔ انہوں نے
ال کا اظہار کیا کہ سمیکت مہاراشٹر پر پارلیمنٹ، مرکزی
ت اور کانگریس ورکنگ کمیٹی اس پر فیصلہ دے سکتی ہیں
ادہ جگہیں تھیں جہاں سے فیصلے صادر کئے جا سکتے تھے
، راؤ جی شروع سے ہی ملک میں قومی اتحاد اور سیاسی
ے کے بارے میں صاف اور کھلا ذہن رکھتے تھے ۔ وہ
از فکر سے ذرا بھی نہیں ہٹے ۔ انہیں جب بھی موقع ملا
ے ایوان حکومت میں اپنے خیالات کا بہترین طریقے پر
ا ۔ انہوں نے جواہر لال نہرو پر بھی زور دیا کہ وہ ان کے
، کو سمجھیں اور مسئلے کو صحیح انداز میں دیکھنے کی کوشش
اس چیز نے سمیکت مہاراشٹر کی تشکیل میں بڑا کام
ا ۔ مزید برآں ، ورکنگ کمیٹی میں شریمتی اندرا گاندھی سے
قت کانگریس کی صدر تھیں اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی
ن تک اچھی رسائی تھی ۔ اسی رسائی کی بنا پر چوان جی سمیکت
ٹر کی تشکیل کے فیصلے پر ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر
ں کامیاب رہے ۔ اس میں شک نہیں کہ یشونت راؤ جی
ست کی تشکیل میں گراں قدر حصہ لیا ۔

ے :۔ آپ ضلع پریشد اور جمہوری لامرکزیت کے بارے
میں اپنے خیالات کا اظہار کریں گے ؟



شری یشونت راؤ چوان شری شرد پوار کے ساتھ ۔

شرد پوار :۔ شری یشونت راؤ جی پیدائشی اور پکے جمہوریت
پسند تھے ۔ جمہوریت میں اختیارات بٹے ہوئے
ہوتے ہیں ۔ مقامی لوگوں کو مقامی مسائل سے نمٹنے کے قابل ہونا
چاہیئے ۔ اس خیال کے پیش نظر انہوں نے ضلع پریشد کے قیام
کی تجویز پیش کی ۔ میرا خیال ہے کہ وسنت راؤ جی نائیک اسی
دوران ایک وزیر تھے اور ایک کمیٹی جو ان کے زیر قیادت تھی
اس کے ذریعے اس کا خاکہ تیار کیا گیا تھا ۔ یشونت راؤ جی چاہتے
تھے کہ لوگ ضلع پریشد کی ہر سطح سے لیڈر بن کر آئیں اور
ان کی خواہشات کسی حد تک پوری بھی ہوئیں ۔ ضلع پریشد کے
کئی کارکنوں نے ودھان سبھا میں ، ریاستی حکومت میں اور
پارلیمنٹ میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے لہٰذا اس سے
چوان جی کے خیالات کی کامیابی ظاہر ہوتی ہے ۔ اس سلسلے میں
مہاراشٹر اور گجرات ریاستیں دوسری ریاستوں کی بہ نسبت زیادہ
کامیاب ثابت ہوئی ہیں کیونکہ یہاں جمہوری اختیارات کا بٹوارہ
کسی ایک پارٹی تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ ان لوگوں تک پہنچا جنہوں

نے اس کو قبول کیا۔

سوال :۔ پیدائشی جمہوریت پسند ہونے کے ناطے اُن کی لوگوں تک رسائی کس قسم کی تھی ؟

شرد پوار :۔ یشونت راؤ جی کے مخالفین بھی کبھی کبھار کہتے ہیں کہ وہ با ہمت، سرگرم اور عملی انسان تھے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے وہ ایک پیدائشی جمہوریت پسند تھے۔ انہوں نے ہمیشہ لوگوں کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوتے پالیسیاں مرتب کیں۔ انہوں نے اکثریت کی آرا کو ترجیح دی۔ حتیٰ کہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف تھیں۔ میں اس سلسلے میں ایک مثال دوں گا۔ ۷۵-۱۹۷۴ء کی بات ہے، مراٹھواڑہ کے لوگوں نے مطالبہ کیا کہ مراٹھواڑہ سے کسی کو وزیر اعلیٰ بنایا جائے۔ میں نے بھی اس کی حمایت کی تھی۔ یشونت راؤ جی نے حالانکہ محسوس کیا کہ یہ ایک اچھا مطالبہ ہے لیکن آنجہانی وسنت راؤ جی نائیک کو منتخب کیا گیا تھا اور وہ انہیں پانچ سال کی میعاد مکمل کروانے کے حق میں تھے اس کے علاوہ وسنت راؤ جی کو دس بارہ سال کا اچھا تجربہ تھا لیکن یشونت راؤ جی نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اکثریت کا یہی مطالبہ ہے تو انہوں نے اپنے موقف میں تبدیلی کی اور اس طرح شری شنکر راؤ چوان، وزیر اعلیٰ بنے۔ اس قسم کی اور بھی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

سوال :۔ بہ حیثیت ایک سوشلسٹ اُن کا کیا مقام تھا ؟

شرد پوار :۔ انہیں سوشلسٹ کہنا غلط ہوگا۔ انہوں نے جمہوری اشتراکیت کا نظریہ ریاست اور ملک کے لوگوں کے سامنے رکھا۔ سوشلزم کا مطلب جمہوریت ضرور ہوتا ہے۔ چوان جی کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ جمہوری عمل کو مضبوط کرنا چاہتے تھے اور اسی روشنی میں وہ سوشلزم کے بارے میں بولا کرتے تھے۔

سوال :۔ بینک کے قومیانے کے بارے میں کچھ بتائیں۔ کیا انہوں نے اس کی حمایت کی تھی ؟

شرد پوار :۔ اگرچہ یشونت راؤ جی کے کہنے پر مہاراشٹر پردیش کانگریس کمیٹی نے ۱۹۶۴ء میں ایک ریزولیوشن بینک قومیانے کے بارے میں پاس کیا تھا۔ تاہم اس پر ۱۹۶۹ء میں فیصلہ کیا گیا۔ اہم بات یہی ہے کہ یہ تجویز سب سے پہلے مہاراشٹر میں یشونت راؤ جی کی قیادت میں پیش کی گئی تھی۔

سوال :۔ ان کا یہ کہنا کہ اختیارات کا آلہ کار لوگوں کی خدمت

قومی راج

کے لئے ضروری ہے، آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے ؟

شرد پوار :۔ یشونت راؤ جی کا یقین تھا کہ امداد باہمی، تعلیم، کھیل کود اور زندگی کے ہر شعبے میں مختلف اداروں کے ذریعے کام کیا جائے اور جب تک آپ کے پاس اختیارات نہ ہوں آپ ان اداروں کو قائم نہیں رکھ سکتے اور نہ ہی انہیں تعمیری کام میں لگا سکتے ہیں۔ ادارے اور تنظیمیں جو کافی محنت کے بعد شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کرنے لگتی ہیں اگر زوال پذیر ہوں تو اس کا غلط اثر ایک عام آدمی کے اخلاق اور زندگی پر پڑے گا اور اسی لئے ان کا خیال تھا کہ ہمیں چاہئے اختیار سے ہٹنا نہیں چاہیئے۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اختیارات کو ترقی اور ازسر نو تعمیر کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ذریعے کے طور پر استعمال کرنے چاہئیں۔

سوال :۔ شری یشونت راؤ بحیثیت ایک تنظیم کار کے آپ کی کیا رائے ہے ؟

شرد پوار :۔ یشونت راؤ جی ایک قابل، ماہر پارلیمان تھے ۵۷-۱۹۵۶ء کے دوران جب کانگریس اسمبلی میں قطعی اکثریت میں نہیں تھی اور حزب مخالف میں شری ایس۔ ایم۔ جوشی، شری اُدھو راؤ پاٹل اور شری اچاریہ اترے جیسے شہرت یافتہ لوگ تھے۔ چوان جی نے ان شخصیتوں کا بڑے ہنرمندانہ طریقے پر مقابلہ کیا۔ جب وہ مرکزی وزیر داخلہ بنے تب بڑا ہی کٹھن وقت تھا۔ کئی ریاستوں میں غیر کانگریسی حکومتیں برسر اقتدار آئیں۔ اس کے علاوہ مشرقی ریاستوں کا بھی مسئلہ تھا۔ چوان جی کی قابلیت بحیثیت ماہر پارلیمان کے سخت امتحان سے گزری اور اسی چمک دمک سے نمودار ہوتے جیسے کہ ہمیشہ ان کا وطیرہ رہا ہے۔ وہ ایک قابل تنظیم کار بھی تھے۔ وہ کئی سال اقتدار میں تھے لیکن ان کے کٹر مخالفین بھی یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ انہوں نے اختیارات کا غلط استعمال کیا۔

میں صاف گوئی سے اقرار کرتا ہوں کہ میں نے جو بھی ذمہ داریاں سنبھالیں مثلاً نوجوان رضاکار کی حیثیت سے، کانگریس تنظیم کار یجسلیچر، وزیر اعلیٰ یا ایک حزب مخالف لیڈر کی حیثیت سے میں نے ہمیشہ ان کی رہبری حاصل کی۔ میں اعلانیہ تسلیم کرتا ہوں کہ مجھے عوامی زندگی میں شہرت حاصل کرنے کے لئے یشونت راؤ جی نے جو مدد کی وہ بہت بڑی ہے۔

[ترجمہ : سید روشن عبدالقادر]

انا صاحب شندے

زرعی ترقیات اور سماجی بہبود کے سرگرم رہنما۔ یشونت راؤ چوان



اسٹیٹ کوآپریٹو بینک کی میٹنگ میں شری یشونت راؤ چوان (بالکل بائیں جانب)، شری انا صاحب شندے کے ساتھ۔

گذشتہ ایک صدی میں اور خصوصاً ہندوستان میں انگریزوں کے دورِ حکومت کے دوران مہاراشٹر میں ایسے کئی مثالی رہنما — جن میں قابلِ ذکر مہاتما جیوتی با پھُلے، گوپال کرشن گوکھلے اور لوکمانیہ تلک ہیں، گذر چکے ہیں جنھوں نے اپنے کارہائے نمایاں سے اس ریاست اور ملک کے سماجی، معاشی اور سیاسی حالات پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ یشونت راؤ چوان وہ قابلِ قدر ہستی ہیں جنھوں نے مہاتما پھُلے کے نظریاتِ زندگی یعنی سماجی برابری، ناداروں کی بہبودی اور دیہی ترقیات کے عمل کو جاری رکھا۔ لوکمانیہ تلک کی باوصف حُبّ الوطنی اور گوپال کرشن گوکھلے کی وسیع النظری کی مثالیں پیش کیں۔

یشونت راؤ چوان ایک باعمل انسان تھے۔ اپنی زندگی میں انہوں نے کئی پیچیدہ مسائل حل کئے۔ وہ مشکلات میں حالات سے سمجھوتہ کرنے پر بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ ان کی زندگی کے ان ہی وصائف نے مہاراشٹر کے حالات اور تہذیب کو بے حد متاثر کیا ہے۔

نظریات

یشونت راؤ چوان کا جنم ایک غریب دیہی خاندان میں ہوا لیکن آپ اپنے اعلیٰ اخلاقی معیار اور سماجی بہبود کے نظریات کے باعث جلد ہی شہرت کی اونچائی پر پہنچ گئے تھے۔ نہ صرف یہ کہ آپ اپنے ساتھیوں میں عزیز سمجھے جاتے تھے بلکہ ان کی دوست نوازی کا یہ بھی ایک ثبوت ہے کہ آپ اپنے کئی ہم نواؤں کو ان کے نام سے جانتے تھے اور خطاب کیا کرتے تھے۔ لوگوں کو متاثر کرتا اور انہیں منظم کرنے کی صلاحیت آپ میں خوب تھی ملک و ریاست کے تمام شعبوں سے وابستہ افراد کے درمیان آپ ایک پسندیدہ شخصیت کے حامل تھے۔

مرکز ریاست تعلقات، اندرون پارٹی جمہوریت، جمہوریت کے استحکام، اقتدار کی لامرکزیت، دیہی ترقیات جیسے مسائل کے بارے میں یشونت راؤ کے اپنے خیالات کچھ اور ہی تھے۔ اندرون پارٹی یا بیرون پارٹی، عوام کے کسی بھی طبقے کے ساتھ چاہے وہ ان کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں، آپ نے ہمیشہ انسانی نقطۂ نظر اور جمہوری اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے رابطہ برقرار رکھا۔ اس سلسلے میں آپ گاندھی جی کے نظریات سے کافی متاثر نظر آتے تھے۔ جمہوری اصولوں کی سختی سے پابندی کی فطرت کے باعث آپ کو کئی بار متعدد سیاسی بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض اوقات تو خود ان کے قریبی حلقوں نے آپ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ آپ کی یہ خوبی تھی کہ وہ عام لوگوں میں سے رہنما ڈھونڈ نکالا کرتے تھے۔ اور آپ ہی جدوجہد کے باعث کئی ایسے لوگوں کو نہ صرف شہرت حاصل ہوئی بلکہ کئی ایک سماجی و سیاسی تنظیمات اور سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے لیکن ان ہی فیضیاب لوگوں میں سے کئی ایک غلط فہمی کا شکار ہو کر خود یشونت راؤ کے مخالف بن کر بھی سامنے آئے۔

مدبرانہ صلاحیت

یشونت راؤ کے بارے میں اکثر لوگوں نے یہ غلط رائے قائم کی ہے کہ وہ ایک شاطر سیاست داں تھے۔ وہ کم گو تھے انہیں خاموشی زیادہ پسند تھی بجائے اس کے کہ ان کی زبان سے ایسے الفاظ ادا ہو جائیں جن سے غلط فہمیاں پیدا ہوں ان کی اسی عادت کی وجہ سے ہی ان کے بارے میں غلط افواہیں عام ہوئیں۔ گو کہ یہ حقیقت ہے کہ سیاست میں ماہر شخص کو مدبر اور مصلحت پسند ہونا چاہیئے لیکن یشونت راؤ ان میں سے کوئی بھی نہ تھے۔

مجھے آنجہانی لال بہادر شاستری کی موت کے بعد کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے۔ شاستری جی کی موت کے بعد اندرا گاندھی، شری مرارجی دیسائی اور یشونت راؤ ان کا نام بہ حیثیت شاستری کے جانشین کے لیا جارہا تھا۔ حتیٰ گلزاری لال نندہ بھی اس دوڑ میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ یہ [illegible] بات ہے کہ ان کا کوئی رفیق یا تائید کرنے والا نہ تھا۔ [illegible]جی دیسائی نے اپنی امیدواری اعلان کر دیا تھا جبکہ اندرا گاندھی اور یشونت راؤ کے درمیان لیڈرشپ کے سلسلے میں محض بات چیت کا سلسلہ جاری تھا۔ یشونت راؤ اندرا گاندھی کی حمایت کا فیصلہ کر چکے تھے۔ یہ بات انہوں نے مجھے اور آنجہانی کشن ویر کو بتائی تھی اور ہمیں بھی ان سے اختلاف کی کوئی وجہ نظر نہیں آرہی تھی۔ پھر بھی ہم نے انہیں یہ مشورہ دینا ضروری سمجھا کہ وہ اندرا گاندھی کی حمایت کا اعلان اس روز نہیں بلکہ دوسرے روز کریں لیکن یشونت راؤ نے صاف کہہ دیا کہ وہ اس مشورے پر عمل نہیں کریں گے جبکہ ہم ان کے قریبی رفقاء میں شمار کئے جاتے تھے۔ ۱۹۶۲ء میں ہندوستانی سیاست کے افق پر آپ کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔ صرف کامراج ہی آپ کے مساوی حیثیت میں تھے۔ پورا مہاراشٹر آپ کے ساتھ تھا۔ آپ کی [illegible] حمایت اور عملی تعاون کے باعث اندرا گاندھی وزیر اعظم [illegible] اور مرارجی دیسائی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

جمہوری قدروں کے علمبردار

شری چوان کی اندرا کانگریس میں واپسی کا مہاراشٹر میں کئی عرصہ تک کافی چرچا ہوتا رہا۔ ۱۹۵۶ء میں جب انہوں نے ذولسانی ریاست کی تشکیل کی حمایت کی تو یہ مسئلہ بھی سخت تنقیدوں کا باعث بنا تھا۔ عوام کی ایک بڑی تعداد آپ کی مخالفت میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ جگہ جگہ کالی جھنڈیوں سے آپ کا استقبال کیا گیا۔ آپ کے خلاف نعرے لگائے گئے [illegible] اس [illegible]

الفت سے باوجود یشونت راؤ اپنے موقف پر اٹل رہے اور
لآخر مرکز نے سمیکت مہاراشٹر کی تشکیل کا فیصلہ کیا۔ یشونت راؤ
ے اس سلسلے میں مرکز سے پورا پورا تعاون کیا اور جس مدبرانہ ڈھنگ
سے آپ نے اس مسئلہ کو حل کیا۔ اس سے مرکزی لیڈرشپ کو کوئی ضرر نہیں
ہنچا۔ یہ تھا آپ کی اعلیٰ کارکردگی کا اعلیٰ نمونہ۔ اس کے بعد حالات
ں بالکل بدل گئے۔ وہی لوگ جو کل تک "یشونت راؤ مردہ باد" کے
نرے لگا رہے تھے اب "یشونت راؤ زندہ باد" کے نعرے لگاتے
لے۔ ذولسانی مسئلہ پر آپ کی حمایت کو عوام نے بھلا دیا — اور
ذبِ مخالف نے بھی آپ کی اس کارکردگی کی تعریف کی۔

نصاف پسندی

مہاراشٹر میں پورے ملک کی طرح ہر مذہب اور ذات
ے لوگ بستے ہیں۔ وزارتِ اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہونے کے
بعد یشونت راؤ نے اپنی حکومت میں ذات پات اور دھرم کے
بھید بھاؤ کے تفرقات سے دور رہتے ہوئے لوگوں کے ساتھ
ساں برتاؤ کی کوشش کی۔ اسی حکمتِ عملی کا مظاہرہ کرتے
ہوئے۔ انہوں نے مہاتما گاندھی کے قتل کے بعد رونما ہونے والے فسادات سے
ا ثرہ ان تمام برہمنوں کے قرضہ جات معاف کر دیئے جنہوں نے
پنے افراد خاندان کی بازآبادکاری کے لیے قرضے حاصل کئے تھے
س طرح انہوں نے دو فرقوں کے مابین خوشگوار تعلقات بحال
رنے کی کوشش کی۔ پسماندہ اقوام کی طرح نو بدھسٹ لوگوں کو
ہولتیں عطا کیں۔

چند تاریخی وجوہات کی بنا پر برہمن لوگ مہاتما گاندھی کی
ریکوں میں شامل نہیں رہے تھے۔ یشونت راؤ انہیں قومی
ھارے میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے سب سے پہلا
قدم اٹھاتے ہوئے آنجہانی ایس۔ جی۔ برو ے کو آئی سی ایس کے
عہدے سے مستعفی ہونے پر راضی کیا اور انہیں اپنی کابینی وزارت
ں جگہ دی۔ ایسے کئی فیصلوں اور اقدامات کے ذریعے آنجہانی
یشونت راؤ نے مہاراشٹر میں ایسا ماحول تیار کیا جس میں ہر
شخص کو چاہے وہ کسی بھی فرقہ یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو،
نصاف حاصل ہوا۔

جب وزارتِ دفاع کے عہدے کی پیش کش ہوئی تو اس
عہدے پر قائم رہتے ہوئے آپ نے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ
کیا۔ پنڈت نہرو اور شاستری دونوں ہی آپ پر پورا اعتماد رکھتے تھے

بہترین فیصلے

یشونت راؤ کے طرزِ فکر و عمل کی وجہ سے کانگریس پارٹی پر
آپ کا جو رسوخ قائم تھا، اس کا اندازہ آج کی نئی نسل نہیں لگا سکتی۔
وزیرِ دفاع کا عہدہ ملنے پر یشونت راؤ کی جگہ مہاراشٹر کے
لیے نئے وزیرِ اعلیٰ کی تلاش ہوئی۔ اگر یشونت راؤ چاہتے تو ان
کی سفارش پر کسی کو بھی وزیرِ اعلیٰ بنایا جا سکتا تھا لیکن چونکہ مہاراشٹر
کی تشکیل ہوتے ابھی دو برس کا عرصہ گزرا تھا اور اس میں ودربھ
اور مراٹھواڑہ بھی نئے نئے شامل ہوئے تھے،
لہٰذا یہ ضروری تھا کہ مہاراشٹر میں شامل تمام علاقوں کے مابین
خوشگوار تعلقات برقرار رہے۔ یشونت راؤ مراٹھا فرقے سے
تعلق رکھتے تھے جو کہ مہاراشٹر میں اکثریت میں تھے۔ اگر وہ
کسی مراٹھا شخص کو اپنا جانشین مقرر کرتے تو یہ ان کی بہت
بڑی بھول ہوتی۔ اس کے علاوہ بمبئی نہ صرف صدر مقام بلکہ ایک
کاسموپولیٹن شہر کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان حالات میں یشونت راؤ
پر یہ بہت بڑی ذمہ داری عائد کی گئی تھی کہ وہ ایسا شخص تلاش
کریں جو کہ تمام جاتیوں، فرقوں اور علاقوں کی نمائندگی کر سکے چنانچہ
یشونت راؤ نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے
پہلے آنجہانی ایم۔ ایس کنموار اور بعد میں آنجہانی وسنت راؤ نائیک
کو بہ حیثیت وزیرِ اعلیٰ مہاراشٹر بننے میں مدد دی۔ یہ دونوں ہی
وزرائے اعلیٰ اقلیتی فرقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس طرح سماجی
انصاف پر عمل کرتے ہوئے متعدد فیصلوں کے ذریعے آپ نے
اپنی پارٹی کے وقار کو بلند کیا۔

معاشی نقطۂ نظر سے ہمارا ملک کافی پسماندہ ہے ——
یشونت راؤ ہی وہ واحد سیاسی رہنما ہیں جنہوں نے ملک کی
ترقی اور خوشحالی کے لیے دیہی ترقیات کی ضرورت کو محسوس کیا۔

جمہوری اقدامات

جمہوریت کے پھیلاؤ کے لیے مہاراشٹر میں ملک کے دیگر
علاقوں سے زیادہ وسیع پیمانے پر اقدامات کئے گئے ہیں۔ گجرات
میں بھی اس اصول کو اپنایا گیا ہے۔ دیہی پنچایتیں اور اسی طرح
کے دوسرے ادارے فرسودہ حالات میں کام کر رہے تھے اور
یہ ضروری ہو گیا تھا کہ ملک کی جمہوریت کو مستحکم کرنے کے لیے ان
اداروں کی کارکردگی کو سدھارا جائے اور ایسے مزید ادارے فروغ

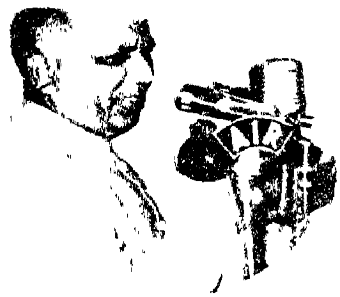
دیئے جائیں ۔ یشونت راؤ جمہوری اصولوں کے پاسبان تھے ۔ اس لئے انہوں نے مذکورہ اداروں سے منسلک دیگر کئی اداروں مثلاً ضلع پریشد، پنچایت سمیتی، امداد باہمی، شکر اور کپڑا مل وغیرہ کا جال بچھایا ۔

زرعی صنعتی ترقی

یشونت راؤ نے سب سے پہلے ملک میں زرعی ۔ صنعتی سماج کے تصور کو عام کیا۔ وزیر اعلیٰ مہاراشٹر بننے کے بعد آپ نے کئی عوامی جلسوں میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ریاست مہاراشٹر کی تشکیل کے بعد اس تصور کو ریاست کے رہنما اصول کے طور پر ملک کے سامنے پیش کیا گیا ۔

۲۰ ویں صدی کے اوائل میں ریاست بمبئی (مہاراشٹر گجرات اور کرناٹک پر مشتمل) میں امداد باہمی تحریک زور پکڑ رہی تھی آنجہانی لیڈران آر۔جی سرریہ، دیکھو بھائی مہتہ ـــــــ اور ڈاکٹر دھنن جے راؤ گاڈ گل کئی سالوں سے ریاست بمبئی میں امداد باہمی تحریکوں کو فروغ دینے کی جدوجہد میں مصروف تھے ۔ ڈاکٹر گاڈ گل اور شری دکھے پاٹل کی کوششوں سے ۱۹۵۰ء میں شکر امداد باہمی ادارے وجود میں آئے جن کی بدولت مہاراشٹر کی دیہی زندگی میں ایک انقلاب رونما ہوا ۔ موجودہ وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل بھی ان کوششوں میں شامل تھے ۔ انہوں نے زرعی پیداوار سے متعلق کارخانے قائم کرتے ہوتے سانگلی کے دیہی علاقوں کو صنعتی علاقوں میں تبدیل کرنے کی کوشش کی ۔ ان علاقوں کی معاشی بہبودی کو خیال میں رکھتے ہوئے آپ نے یہ نصب العین اپنایا تھا کہ زرعی ۔ صنعتی سماج کی تشکیل سے نئے صنعتی ترقیات محض شہری علاقوں تک محدود نہ رہیں بلکہ ان ترقیات کے دائرۂ عمل میں دیہی علاقوں کو زیادہ سے زیادہ شامل کیا جاتے انہوں نے محسوس کیا کہ بمبئی شہر کی تجدید کے بعد معاشی حیثیت سے بمبئی کا شمار ملک کے صدر مقامات میں ہونے لگا لیکن اسی بمبئی سے تقریباً سو دو سو کلو میٹر کے فاصلے پر تھانہ ضلع میں وارلی فرقہ کے لوگ ابھی تک قبائلی زندگی گزار رہے تھے ۔ آپ نے اندازہ لگایا کہ اس فرق سے قومی زندگی کس حد تک متاثر ہو سکتی ہے ۔

قومی راج



زرعی صنعتی امداد باہمی

چنانچہ وزیر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے یشونت راؤ نے زرعی ۔ پالیسی پر بڑے پیمانے پر عمل درآمد شروع کیا اور اس میں نہ صرف عوام سے تعاون حاصل کیا بلکہ امداد باہمی ادا[illegible] کو حکومت کی جانب سے ان پروگرام کی تکمیل میں شریک [illegible] کے لئے کئی رعایتوں کا اعلان کیا ۔ اس اقدام کے ذریعے [illegible] چاہتے تھے کہ کسانوں کو استحصال سے بچائیں اور سا[illegible] ساتھ دیہی ترقیات کا مقصد بھی حاصل ہو سکے ۔

امداد باہمی بنیاد پر صنعتی ترقیات کے لئے انہوں نے حکومت کی ساری قوت لگا دی زراعت سے متعلق امداد [illegible] اداروں کے لئے تشکیل کردہ کابینی کمیٹی کی صدارت بھی خو[illegible] ذمہ لی ۔ اپنی حکومت کی جانب سے انہوں نے مرکز سے ضرو[illegible] لائسنس کے لئے امداد باہمی اداروں کو اپنا تعاون دیا ۔ ان ادار[illegible] کو صنعتی اور مالی اداروں سے مالی امداد کے حصول کے لئے حکومت کو بطور ضامن پیش کرنے کی سہولت عطا کی ۔ آپ اس پالیسی کو نیشنل پلاننگ پالیسی میں بھی شامل کرنے کی کوشش کی ۔ یشونت راؤ کی اسی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج ہم ا[illegible]

ریاست میں بڑے پیمانے پر شکر کارخانے، کپڑا ملیں اور دیگر متعدد امداد باہمی اداروں کا جال بچھا ہوا دیکھ رہے ہیں آج مہاراشٹر دیہی صنعتی ترقیات اور شکر کارخانوں کے معاملے میں سب سے آگے ہے اور اس کا سارا کریڈٹ یشونت راؤ کو جاتا ہے۔

دیہی عوام کی بہبودی اور جمہوری اصولوں کی پابندی یشونت راؤ کے ذہن سے کبھی دور نہیں ہوئی۔ اسی طرز فکر کو آپ نے اپنی پالیسیوں میں ظاہر کیا۔ اس کا تجربہ خود مجھے ہے جب یشونت راؤ وزیراعلیٰ تھے تو آپ چند سالوں تک مہاراشٹر سہکاری ساکھر سنگھ کے صدر بھی رہے۔ اسی سنگھ کے لئے کابینی سطح کی مشاورتی کمیٹی بنائی گئی تھی جس کے صدر خود یشونت راؤ اور میں اور ڈاکٹر دھنن جے گاڈگل رکن تھے۔ جبکہ ہم کوئی وزیر نہ تھے۔ اس زمانہ میں محکمۂ امداد باہمی کے رہنما اصول کے پیش نظر حکومت ایسے شکر امداد باہمی اداروں کے لئے ضامن ہوا کرتی تھی جنہیں مالی اداروں سے مالی تعاون دیا جاتا تھا لیکن ایک خامی یہ تھی کہ مذکورہ بالا سنگھ کے ڈائرکٹروں سے فیصلے کو رد کرنے کا اختیار حکومت کے نمائندے کو حاصل تھا چونکہ یہ ایک غیر جمہوری بات تھی۔ سنگھ نے فیصلہ کیا کہ ریاستی حکومت سے نمائندگی کر کے اس قاعدے کو منسوخ کیا جائے، چنانچہ میں اور گاڈگل نے وزیراعلیٰ یشونت راؤ سے ملاقات کی جو کہ کابینی کمیٹی کے صدر بھی تھے۔ آپ نے ہمارے مطالبہ کو غور سے سنا اور یقین دلایا کہ حکومت اس سلسلے میں جلد ہی کوئی قدم اٹھائے گی لیکن آپ کے فیصلے نے ہمیں حیرت زدہ کر دیا کیونکہ آپ نے ہدایت جاری کی کہ حکومت کا نمائندہ سنگھ کی میٹنگوں میں ہی شرکت نہ کرے۔ یہ تھی یشونت راؤ کی جمہوریت پسندی۔ آپ کے اس فیصلے کا مقصد یہ تھا کہ محکمۂ امداد باہمی کے افسران کو امداد باہمی تحریکوں میں مداخلت کرنے کا موقع نہ ملے۔ بعد میں خود ہم نے یشونت راؤ سے درخواست کی کہ وہ اپنے فیصلے میں تبدیلی کریں کیونکہ حکومت کے افسران سے ہمیں کافی تعاون ملا کرتا تھا۔

صنعتی فروغ کے ذریعے دیہی ترقیات میں کامیابی یشونت راؤ کی سیاسی تدبر کا عملی ثبوت ہے۔ آج آپ ہی کے قابلِ تعریف اقدامات کی بدولت جس میں موجودہ وزیراعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل کا بھی تعاون شامل ہے۔ مہاراشٹر کی تجدید اعلیٰ پیمانے پر ہو سکی ہے۔ مستقبل کے مورخین یشونت راؤ کو زرعی صنعتی انقلاب کے علمبردار کی حیثیت سے پیش کریں تو غلط نہ ہوگا۔

(ترجمہ : ایم۔ اقبال)



قارئین کیلئے ضروری اعلان

آپ قومی راج میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات پسند کرتے ہیں اور کس قسم کی تخلیقات کو ناپسند کرتے ہیں۔

حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کر سکتے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنی تعمیری رائے کا اظہار بھی کر سکتے ہیں۔ بس یہ خیال رکھئے کہ آپ کا خط ۳۰۰ الفاظ سے زائد پر مشتمل نہ ہو۔

اپنے خطوط آپ اس پتہ پر روانہ فرمایئے :

ایڈیٹر، 'قومی راج'، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

لفٹننٹ جنرل ایس۔پی۔پی تھوراٹ
[ریٹائرڈ]



یشونت راؤ چوان بحیثیت وزیرِ دفاع

ہندوستانی فوج اپنے زمانے کے بہترین وزیرِ دفاع اور سابق نائب وزیرِ اعظم شری یشونت راؤ چوان سے محروم ہو گئی۔ آپ ۲۵ نومبر ۱۹۸۴ء کو اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ چالیس سالہ وابستگی کے سبب مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی شش و پنج محسوس نہیں ہو رہا ہے کہ آپ ہندوستانی عوامی زندگی میں بہترین اور قابل شخصیت کے مالک تھے۔ آپ پنڈت جواہر لال نہرو کے ذریعے کرشنا مینن کی جگہ پر لیڈر مقرر ہوئے کیونکہ کرشنا مینن کے زمانے میں چین نے این۔ای۔ایف۔اے (نارتھ ایسٹرن فرنٹیر ایجنسی) پر حملہ کیا اور ہمیں سنگین شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

چین نے اکتوبر ۱۹۶۲ء میں ہندوستان اور چین کے درمیان تسلیم شدہ سرحد میک موہن لائن پار کر کے این ای ایف اے میں واقع ہماری چھوٹی چوکیوں پر حملہ کیا تھا وہ ناقص — اور ناکافی اسلحہ سے لیس ہمارے جوانوں پر غلبہ پانے میں کامیاب ہوئے اور برہمپترا وادی کے نصف حصہ تک پہنچ گئے۔ اس اقدام نے حکومتِ ہند کو حیرت زدہ کر دیا تھا کیونکہ اس اقدام کی آگاہی تین سال قبل دی جا چکی تھی۔ فوج نے اکتوبر ۱۹۵۹ء میں چین کے اس ناپاک ارادے سے وزارتِ دفاع کو آگاہ کر دیا تھا کہ چین این ای ایف اے کے مخصوص علاقوں کو آزاد کرنا چاہتا ہے جنہیں وہ اپنی ملکیت سمجھتا ہے — بطور جنرل آفیسر کمانڈنگ اِن چیف ایسٹرن کمانڈ، میں نے بذاتِ خود ایک طویل نوٹ اِس مشورے کے ساتھ فوجی ہیڈ کوارٹر کو روانہ کی تھی کہ چین کے اس ناپاک عزم کو کس طرح ناکام بنایا جائے۔ میرے اس مشورے کو تسلیم کیا گیا اور اس کی ایک نقل وزارت دفاع کو فوری اقدام کے لئے روانہ کی گئی۔ بدقسمتی سے اس وقت کے وزیرِ دفاع شری کرشنا مینن نے میری اس نوٹ اور مشورے پر توجہ نہیں دی اور تلخ ریمارک دیئے۔ میرا ایک اہم ترین مشورہ یہ تھا کہ این ای ایف کو دفاعی مقاصد کے لئے مشرقی کمانڈ کے تحت دیا جاتے تاکہ آسام رائفل بری الذمہ ہو جائے۔ چونکہ آسام رائفل صرف نیم فوجی پولس دستہ تھی اور جنگ لڑنے میں ماہر نہیں تھی۔ میرا یہ مشورہ بھی اس وجہ سے قبول نہیں کیا گیا کہ وزیر دفاع اس بات کو نہیں مانتے تھے کہ چین ہندوستان پر حملہ کرے گا۔ شاید وہ اس بات سے ناواقف تھے کہ گزشتہ چند مہینوں میں چینی فوج سے مسلسل کئی بار خلاف ورزیاں سرزد ہو چکی تھیں۔ وزیر دفاع اور وزیرِ اعظم "ہندی چینی بھائی بھائی" نظریے کے اس قدر قائل تھے کہ میرے مشوروں اور سفارشات پر ذرا بھی غور نہیں کیا گیا — لیکن جیسے جیسے سرحدی تنازعہ بڑھتا گیا پریس نے اور بعد ازاں



شری یشونت راؤ چوان ایک فوجی کی بہادری پر اس کی ستائش کرتے ہوئے۔
آپ کے ساتھ جنرل جے۔ این چودھری بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

ں نے اس پر سختی سے توجہ دی۔
ری مین نے یا تو پارلیمانی سوالات کے جواب دینے سے
یا غیر تسلی بخش جوابات دیتے جس سے پارلیمنٹ معلین
۔ ممبران نے خود وزیراعظم پر نکتہ چینی شروع کر دی۔
۔ وزیراعظم کو راضی کیا گیا کہ این۔ای۔ ایف۔ اے کو دفاعی
۔ کے لئے مشرقی کمانڈ کے تحت رکھا جائے لیکن این۔ای۔
اے کو خوش اسلوبی سے ترتیب دینے کے لئے ضروری
امان اور زائد فوج مہیا کرنے میں کئی مہینے بیت گئے
ں دوران میں ریٹائر ہو گیا۔
ین۔ای۔ایف۔اے کے دفاعی تعمیری کام کی رفتار بہت
ت تھی کہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو چین نے ہم پر حملہ کر دیا
دفاعی فوج قلیل المقدار میں تھی۔ نتیجتاً حملہ آور
ی۔ایف۔اے کے نصف حصے تک پہنچ چکے تھے۔
ہ گوشے گوشے سے کرشنا مینن کے استعفیٰ کا مطالبہ
تھا لیکن اس کے باوجود وزیراعظم نے ان کی مکمل حمایت
، جب انہیں اس بات کا پتہ چلا کہ ملک میں غصے کی
ور پکڑ رہی ہے تو ان کے پاس کرشنا مینن سے استعفیٰ
رنے کے سوا اور کوئی راستہ نہ رہا لیکن مشکل یہ تھی
نا مینن کے بعد کون؟ کیونکہ دانستہ طور پر کوئی بھی

سینیئر ممبر اس رسوائے زمانہ وزارت دفاع کو نہ قبول کرنے کو تیار تھا اور نہ ہی اپنا سیاسی مستقبل خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار تھا۔ ان حالات میں وزیراعظم نے اپنے جرأت مندانہ فیصلے کے ذریعے اس وقت کے مہاراشٹر کے وزیراعلیٰ شری یشونت راؤ چوان کو اپنا وزیر دفاع بنایا۔ جہاں پنڈت جی اس دانش مندانہ فیصلے کے لئے مبارکباد کے مستحق تھے وہیں یشونت راؤ چوان بھی اس عظیم عہدے کے لئے لائق تعریف تھے جسے آپ نے سیاسی مستقبل کے بارے میں بغیر کسی رائے زنی کے وزیراعظم کے وقار کی خاطر قبول کیا۔ آپ نومبر ۱۹۶۲ء کو دہلی روانہ ہوئے اور ابتر فوج اور ناپسندیدہ وزارت کا مقدر اپنے ہاتھوں میں لیا۔ عہدہ سنبھالتے ہی یشونت راؤ نے فوج میں دوبارہ اعتماد بحال کرنا اپنا فرض اولین سمجھا اور اس بات کی کوشش کی کہ فوج اور وزارت میں جو مزاحمت پیدا ہو گئی تھی اسے دور کیا جائے۔ ذی ہوش ہونے کے ناطے آپ نے اس ابتری کی بنیادی وجہ جاننا چاہی۔ سابق عہدہ داروں کے برعکس یشونت راؤ چوان بالکل مختلف تھے۔ دلفریب شخصیت خوش اسلوبی اور سخت محنت کی وجہ سے آپ نے دہلی میں کافی عزت اور مقبولیت پائی۔ آپ فوج میں بھی کافی مقبول تھے،



وزیرِ دفاع شری وائی۔ بی چوان
بھارتی بحریہ کے جہاز
"آئی این ایس برہمپتر" میں۔

جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ جنگ کے بارے میں ایک سپاہی سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے۔ جوکہ کرشنا مینن کی عادت تھی۔ اپنی ثابت قدمی اور صلاحیت کی بنا پر فوج اور وزارت کو قریب تر لاتے میں آپ کامیاب ہوئے حالانکہ چین نے اپنے پہلے حملے کے بعد یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کر دیا تھا اور تبت کے فوجی صدر نے کیمپ سے فوجیوں کو واپس بلا لیا تھا لیکن یشونت راؤ چوان نے کبھی بھی چین کے دوبارہ حملے کے امکانات کو نظرانداز نہیں کیا اور چین کے خلاف دفاع کو موثر طریقے سے دوبارہ ترتیب دینے کا کام شروع کر دیا اس کام کے لئے اعلیٰ معیار کے جنگی سازوسامان کے علاوہ کپڑے اور دیگر سامان ضروری تھے۔ ضمناً چین کے ساتھ مقابلہ آرائی کے بعد ہماری فوج اِن چیزوں سے محروم تھی۔ اس وقت تک آپ یقین کر چکے تھے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں ارضی اور آگہی مواصلاتی نظام ناقص ہیں جنگ آزمائی بے کار ہے۔ مزید برآں آپ نے اس بات کا بھی اندازہ لگایا کہ فوجی نقل و حرکت کا منصوبہ مناسب دیکھ بھال کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا اور بغیر اس کے فوج کو جنگ میں جھونکنا یا تو شکست تسلیم کرنا ہے یا موت کو گلے لگانا ہے۔ آپ جب بھی دورے پر گئے آپ نے فوج کے معمولات پر نگاہ رکھی۔

وزیر دفاع کے ابتدائی ایام میں یشونت راؤ چوان کا اہم مسئلہ شمالی اور شمال مشرقی سرحد تھا۔ جموں کشمیر اور ناگا لینڈ سے متعلق تحریکوں سے آپ باخبر تھے۔ اسی طرح آپ پُرامن علاقے میں قیام پذیر فوج کی فلاح و بہبودی کے لئے بھی متفکر تھے۔ آپ ہی نے ان افسران اور اسٹاف کے علیحدہ خاندان کے لئے جانے سکونت مہیا کی۔ اس کے بعد دیگر وزراء اس جانب متوجہ نہیں ہو سکے کیونکہ اس مقصد کے لئے وہ مالی تعاون مہیا نہیں کر سکے۔ آپ نے ان تمام باتوں کو وزیر مالیات اور وزیرِ اعظم تک پہنچایا۔ آپ کو ہمیشہ یہ کہتے سنا گیا کہ اگر میں فوجی جوانوں اور افسروں کی شکایات پر غور نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا ؟

یشونت راؤ چوان زیادہ عرصے تک وزیر دفاع نہیں رہے فوج میں اعتماد بحال کرنے کے بعد وزیراعظم نے آپ کی کارکردگی کو دیگر محکمات میں استعمال کیا۔ آپ کو وزارتِ داخلہ، وزارتِ مالیات اور وزارتِ خارجہ کے جلیل القدر عہدوں پر فائز کیا گیا ـــ جہاں بھی آپ کا تقرر ہوا، آپ نے اپنی نمایاں انتظامی، قابلیت سے انمٹ نقش ثبت کئے۔

دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت میں نائب وزیراعظم کے منصب اعلیٰ پر آپ کا تقرر آخری اور بالکل صحیح تھا۔ آپ کی آتما کو شانتی ملے یہی دعا ہے۔ (ترجمہ : اظہر خان)

*****



وزیر دفاع شری وائی۔ بی چوان برّی، بحری اور ہوائی افواج کے سربراہوں کے ساتھ ۔

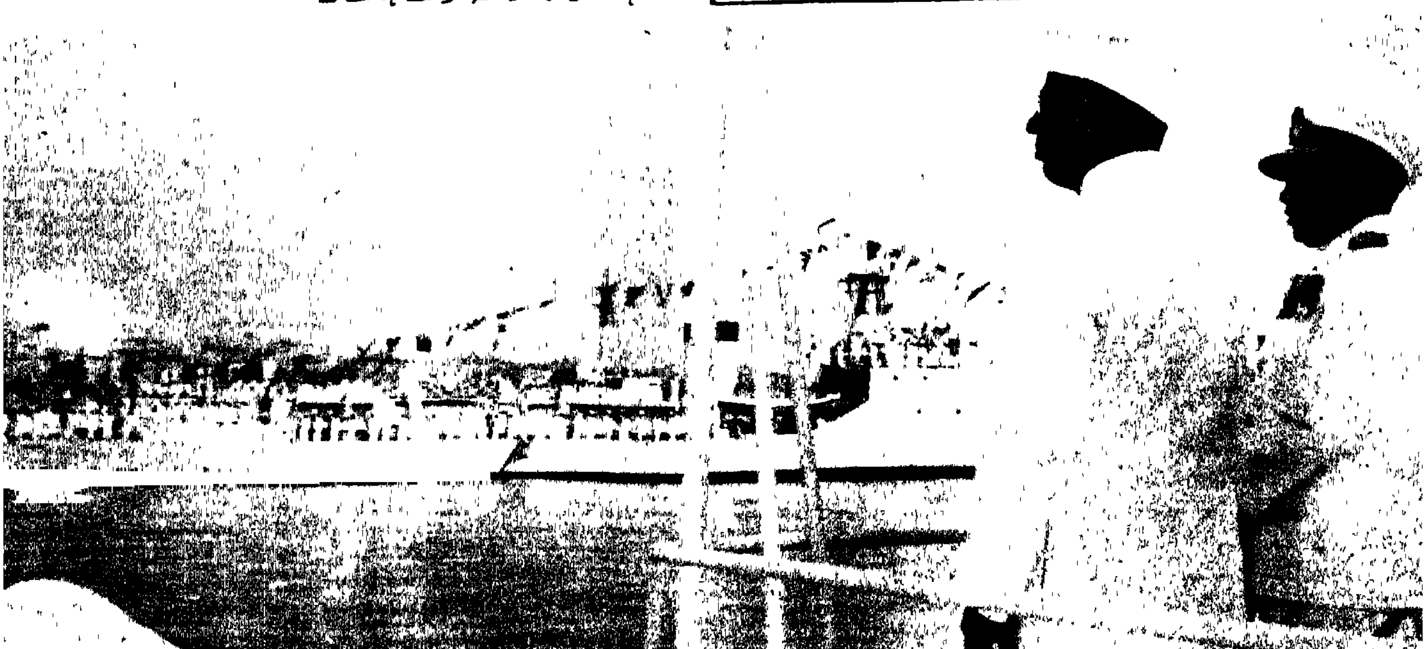
وزیر دفاع شری وائی۔ بی چوان سرحد پر جوانوں سے خطاب کرتے ہوئے۔





ایک فوجی افسر ۱۹۶۵ء کی ہند و پاک جنگ میں پاکستان کی حکمت عملی کی وضاحت کرتے ہوئے۔

وائی۔بی چوان نیوی ڈے کے موقعہ پر بھارتی بحریہ کے جہازوں کا معائنہ کرتے ہوئے۔



ویجے۔ ایس۔ نیروکر



یشونت راؤ چوان
ایک حساس انسان

شری یشونت راؤ چوان کی موت کو ناگہانی تو کہہ سکتے ہیں لیکن شاید اتنی بے وقت نہیں کہ انہوں نے بے حال مہاراشٹر کی سیاسی، سماجی اور ثقافتی میدانوں میں بے پناہ خدمات انجام دی ہیں۔ اپنی اہلیہ کی موت کے بعد شری یشونت راؤ حقیقتاً جذباتی طور پر انتہائی افسردہ اور آزردہ ہوگئے تھے۔ سیاسی طور پر، اپنی زندگی کے آخری چند برسوں میں آپ کو کافی پس پشت ڈال دیا گیا تھا جس سے آپ کے سیاسی ذوق اور توانائی میں خاصی کمی پیدا ہوگئی تھی، حالانکہ نہرو دور کے اعلیٰ سیاست دانوں میں آپ کا بھی ایک عظیم سیاست داں کی حیثیت سے شمار ہوتا ہے آپ اپنی زندگی کے آخری ایام تک ایک راسخ اور پکّے محبّ وطن رہے ہیں اور آپ نے ملک و قوم کی خدمات سے کبھی جی نہیں چرایا اور مادرِ وطن کی پکار اور اشارے پر ہمیشہ چاق و چوبند اور ہوشیار رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت کی سرزمین پر چینیوں کی پیش قدمی اور حملے کے موقع پر آپ کوہ سہیادری کی مانند، ہمالیہ اور ہمالیائی علاقے کی مدد اور بچاؤ کے لئے اس وقت بھارت کے وزیرِ دفاع کی شکل میں تن کر کھڑے ہوگئے۔ بھارت کے پہلے وزیرِاعظم پنڈت جواہرلال نہرو نے اس ہنگامی موقع پر ملک کے دفاع اور تحفظ کی جو عظیم ذمے داری ڈالی، اسے آپ نے بڑے حوصلے، بڑی جانبازی اور بڑے استحکام کے ساتھ قبول کیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یشونت راؤ چوان نے ایک عظیم قومی لیڈر کا کردار نہایت راستبازی، دیانتداری، خیرخواہی اور وفاداری کے ساتھ نبھایا۔ آپ نے وزیرِ دفاع کی حیثیت سے ملک بھر میں اور ملک کے سپوتوں میں شیواجی کی طرح پُرعزم روح پھونکی اور ملک کی عظمت اور قدر و منزلت کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچایا۔

سیاسی پنڈتوں نے یشونت راؤ چوہان کو، امور سلطنت ایک عظیم مدبّر، ایک اعلیٰ منتظم اور عوام کا ایک مہان نیتا تسلیم ہے۔ ان میں سے بعض کی رائے اور دانست میں تو صرف شری

چوان، ایک ایسی ہستی تھے جو اپنی عظیم سیاسی کارگذاریوں — اور کارکردگیوں کے باوجود بھارت کے وزیرِاعظم بن کر اپنی عظمت کی بلندیوں پر نہیں پہنچ سکے اور یہ بات اگر سیاسی نقطۂ نگاہ

سے دیکھا جائے تو واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی زندگی کے آخری چند برس مبہم، مشکوک اور غمگین گذرے ہیں۔ کیا ہم ان کی زندگی کے اس دور کو تاریک دور کہہ سکتے ہیں جس نے ان سے ساتھ فریب کاری سے کام لیا ہے؟ تاہم لیشونت راؤ چوہان اپنی زندگی کے اس زوال پذیر دور میں بھی مہاراشٹر کے لئے وہی لیشونت راؤ چوان رہے جو اپنے ابتدائی دور میں تھے، مہاراشٹر کے پسماندہ اور مظلوم عوام کے حامی اور مددگار۔ کورٹ سے ایک بیلف کا بیٹا، جیسا کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو کہتے تھے، سمجھتے تھے۔ کیا پتہ تھا، ایک دن مہاراشٹر کا وزیر اعلیٰ بن جائے گا۔ اس کا عروج سہیادری کے سرزمین پر محض اتفاقیہ نہیں تھا نہ ہی وہ اس کی ذات پر یوں ہی لاد دیا گیا تھا بلکہ وہ ایک خود ساختہ اور اپنی ذات کی تعمیر کی بھرپور صلاحیت کا مالک انسان تھا اور اسی لئے وہ اپنے عزم، اپنی صنائعی اپنے استقلال اور تحمل اور اپنی ثابت قدمی سے عظمت کی بلندیوں پر پہنچا۔ اُن کی ذات میں سماجی اور سیاسی انقلابی کی روح سنِ طفولیت اور لڑکپن سے ہی بیدار ہو چکی تھی اور اس بیداری کے محرک تھے۔ اس کے آس پاس کے محنت مشقت کے باوجود بدحالی کی زندگی گزارنے والے جاہل، بدحال اور پچھڑے ہوئے لوگ، وہ بذاتِ خود ان کے اپنے آدمی تھے اور ہمیشہ ان کے اپنے بنے رہے، یہ جذبہ پایا تھا انہوں نے۔ انیسویں صدی کے اواخر سے مہان سماجی اور قومی رہنما مہاتما جیوتی راؤ پھلے۔ اسی طرح ان پر گہری چھاپ تھی۔ ریاست کولہاپور کے حاکم اور عظیم مصلح مہارشی شاہو مہاراج کی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ لیشونت راؤ چوان مہاراشٹر کے دلت اور بے بس دیس واسیوں کے خیر خواہ اور سدھارک کی حیثیت سے سامنے آئے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام تو انہوں نے مہاراشٹر کے ان ہی دلتوں اور پسماندہ لوگوں کی بھلائی اور ترقی کے لئے وقف کر دیئے۔ یہ محض ان کا خیال یا وہم نہیں تھا کہ اپنی موت سے پہلے انہوں نے حقیقتاً بابا صاحب امبیڈکر کی مکمل سوانح عمری تحریر کرنے کا تہیہ کیا تھا۔ گذشتہ چند برسوں کے دوران مہاراشٹر کے مختلف پچھڑے ہوئے فرقوں اور طبقوں کی جدید تعلیم یافتہ نئی پیڑھی کے نوجوانوں نے، جو اُن کے قریب آئے یا جنہیں انہوں نے اپنے سے قریب کیا، انہیں اپنی مشکلات اور مسائل کے تعلق سے اپنا انتہائی مخلص حامی و مددگار پایا۔ لیکن اب، مہاراشٹر کی زندگی سے، شری لیشونت راؤ چوان کی یہ ابدی دوری مہاراشٹر کے ان بلند حوصلہ، ترقی پذیر مگر مظلوم

بے بس اور پسماندہ عوام کی زندگی پر تاریکی چھائی رہے
وہ ان کے لئے خیال امید اور جذبہ کی شکل میں روشنی کے مینا
جب کوئی لیشونت راؤ چوان کی پچھلی مکمل زندگی کا ا
محاسبہ کرتا ہے تو ان کی پُر جلال، گوناگوں اوصاف کی حامل
شخصیت اس کی نظر میں آتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ ان کی ظ
سادگی نے ان کے باطنی اخلاص کو کبھی نہیں جھٹلایا۔ اس
تکذیب نہیں کی۔ ان کے لئے بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ا
ہمیشہ اسی بات کی تلقین کی جس پر خود عمل پیرا رہے اور ج
کار رہا، انہوں نے اسی کی تلقین اور ہدایت کی۔ ہزدو کا سا
ستھرا کھادی کا لباس۔ تنے ہوئے سر پر بڑی سج دھج
رکھی گاندھی ٹوپی اور قدرے دیہاتیوں کی سی ان کی شباہ
والوں کو بڑی اپنائیت اور قربت کا احساس دلائے بغیر
تھی۔ ان کی مسکراہٹ، ہمدردی، نرمی اور نازکی کا منظ
کہ دیکھتے، محسوس کرنے والوں کے دل پسیج جائیں، جیے
مسکراہٹ بدھ کے کسی پیرو کے باطنی کرب کا اظہار ک
ان کی ہر بات ولولہ انگیز ہوتی مگر اس میں کسی طرح تصنع
یا دکھاوا نہ ہوتا۔ ان کا ہر لفظ جذبات اور شعور کی گہر
نکلتا تھا، ابھرتا تھا۔ وہ ریاکاری اور مکاری سے نف
تھے۔ انہیں فنونِ لطیفہ اور ادب کا وسیع ذوق او
تھا۔ حقیقتاً مہاراشٹر کا کوئی وزیر اعلیٰ جس نے فن، ا
ثقافت کو سیاست کی بہ نسبت اونچا درجہ بخشا اور ریا
میں انہیں اپنا صحیح مقام و معیار عطا کیا، اگر تھا تو وہ لی
تھے۔ وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے یہ انہیں کے عمل، دخل اور
نتیجہ ہے کہ مہاراشٹر اسٹیٹ میں "مہاراشٹر اسٹیٹ ب
لٹریچر اینڈ کلچر" کے نام سے ایک مستقل ادبی اور ثقاف
کا قیام عمل میں آیا۔ لیشونت راؤ چوان مہاراشٹر کے فنک
ادیبوں کے ہمیشہ دوست، ہمدرد اور خیر خواہ رہے
جہاں کہیں ہوتے، ان کے گھر کا دروازہ مہاراشٹر کے
فنکاروں اور دانشوروں کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا۔ ج
تخلیقی اور تعمیری صلاحیتوں کے مالک ہوتے اور ج
میں ہو، چاہے رات میں، ان کے دروازے پر دستک
ان کے جھرمٹ میں چوان صاحب بے پناہ خوشی اور تسک
کرتے۔ زندگی یا ادب میں وہ جہاں کہیں کوئی مزاحیہ با
پاتے، بے ساختہ قہقہے مار کر ہنستے اور جہاں کہیں کوئ

ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ مجھے ان کی بے شمار تقریریں یاد آتی ہیں جو انہوں نے مہاراشٹر میں اور مہاراشٹر سے باہر، مختلف سیاسی، سماجی، ثقافتی اور ادبی پلیٹ فارموں پر کی ہیں۔ لیکن ان میں سے اس ایک تقریر کی گونج میرے کان، میرا ذہن، میرا ضمیر، اب تک سنتا محسوس کرتا ہے جو انہوں نے ۱۹۶۱ء میں بمبئی میں منعقدہ، گرودیو رابندر ناتھ ٹیگور کے صد سالہ جشن کے افتتاحیہ کے شکل میں 'پنڈت جواہر لال نہرو کی موجودگی میں جو اس جلسے کے صدر تھے' انگریزی میں کی تھی۔ صرف پانچ منٹ کی تقریر، لیکن ایک شاہکار تقریر ــــ اس تقریر میں انہوں نے رابندر ناتھ ٹیگور کے بارے میں کیا نہیں کہا؟ وہ سب کچھ کہا، جو وہ پانچ منٹ کے مختصر وقفے میں، اور جو وقفہ انہوں نے خود اپنی تقریر کے لئے طے کر لیا تھا، نہیں کہہ سکتے تھے۔ فی الواقع وہ ایک تقریر کیا تھی، ایک شہپارہ تھا، جو ایک دانشور ذہن وادراک کے چراغوں سے تراشا ہے اور اسے ایک غزلیاتی انداز میں پیش کرتا ہے۔ اس تقریر میں ٹیگور کے فن کی حسیاتی آسودگی کی دلآویز آمیزش تھی۔ وہ تقریر' ادب اور فن کا ایک تراشیدہ جواہر تھی جس نے پنڈت جواہر لال نہرو کو بدرجۂ اتم متاثر کیا تھا، اور برگزیدہ سامعین کو سحر زدہ کر دیا تھا۔

چند برس پہلے کراڈ میں مراٹھی ادبی کانفرنس منعقد ہوئی ہے۔ اس میں یشونت راؤ چوان نے اپنی افتتاحی تقریر میں "دلت ادبی تحریک" کی پرزور حمایت کی تھی' ان کی اس تقریر نے مراٹھی کے روایتی ادب میں ایک ہلچل اور تہلکہ مچا دیا تھا ــــ یشونت راؤ چوان بلاشبہ دلتوں کے لٹریچر اور دلت مصنفوں کے قدردان تھے جنہوں نے پہلی بار، یہ کہا جا سکتا ہے کہ مراٹھی زبان وادب کی حقیقت پسندانہ تحریر کے نئے دور کا آغاز کیا۔ یشونت راؤ چوان نے مراٹھی زبان میں اس ادبی تغیر کے تعلق سے محض زبانی ہمدردی کا اظہار نہیں کیا بلکہ افتتاحی تقریر مرتب کرنے سے پہلے جو انہیں سالانہ مراٹھی ادبی کانفرنس میں کرنی تھی، انہوں نے دلت ادیبوں کے منظوم ادب اور نثری ادب میں قصے کہانیوں اور ادب کی دیگر صنفوں کا عمیق مطالعہ کر کے اس کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد ہی اس ادب کو سراہا اور اس کی اعانت کا وعدہ کیا۔ اچل کرنجی میں منعقد ہونے والی مراٹھی ادبی کانفرنس کی بات ہے کہ انہوں نے کانفرنس کے شامیانے میں دیگر سامعین کے ساتھ بیٹھنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا کیونکہ وہاں اس بات کا

احتمال تھا اور اس بات پر مراٹھی کے چند دانشوروں میں شدید بحث وتکرار بھی ہو چکی تھی کہ کسی بھی منسٹر کو محض اس کی سیاسی شہرت اور عظمت کی بنا پر اور اس کے ایک غیر ادبی شخصیت ہونے کے ناطے کسی بھی ادبی اور ثقافتی محفل یا مجلس میں شرکت کی اجازت نہیں ہونی چاہئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ یشونت راؤ چوان میں ایک مصنف کے لئے لازمی پیدائشی لیاقت اور ادب کے فطری لوازمات موجود تھے اور انہوں نے رائے کے فلسفے اور تصوراتی فکر مطالعہ کی بنیاد پر اپنے آپ کو ایک بلند پایہ دانشمند منوا لیا تھا۔ کامریڈ ڈانگے کی طرح چوان بھی مطالعہ کے ایک بلا خیز شوقین تھے اور اپنے مطالعے کی روش اور رفتار میں بھی کسی طرح کا فرق پیدا نہیں ہونے دیتے تھے اور اسی لئے مراٹھی ادب کے' دن بدن بدلتے ہوئے مزاج ومیلان سے وہ برابر آشنا اور مانوس رہے اور مہاراشٹر میں رونما ہونے والے ادبی تغیرات بھی باقاعدہ سمجھتے رہے۔ ان کے ہاں ایک شاعر کا دل اور ایک سیاست داں کا ذہن تھا۔

یشونت راؤ چوان کی اسکول اور کالج کی زندگی کی بات کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی مہمات کا بیان اپنی نظموں میں کرتے تھے۔ ان کا اپنا قول ہے "نوجوانی میں ہر انسان اپنی ذات میں ایک شاعر ہوتا ہے۔" لیکن خود ان کے اپنے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں تھی کیونکہ وہ عمر رسیدہ ہوتے پر بھی شاعر رہے ہیں۔ اپنی اہلیہ شریمتی وینو تائی کی موت پر وہ کس قدر دل برداشتہ تھے اس کا ادراک اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے جو چوان اپنے عزیز واقارب سے کہا کرتے تھے۔ "اب تک میں اپنی کتنی ہی تقریروں میں موت کے تعلق سے بولتا رہا ہوں۔ آزادی سے پہلے کے ایام میں، میرا مزاج بھی جذباتی رہا ہے۔ ان دنوں اگر کوئی مر بھی جاتا تو میں یہ سمجھتا جیسے کوئی عام بات ہوئی ہو۔ گویا موت کو میں ناچیز اور فضول سی شے سمجھتا تھا۔ ان دنوں اپنی ہی موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنے کی جسارت تھی لیکن علم تو علم گمان میں بھی کبھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ اپنے کسی محبوب ترین ساتھی کی موت کو آدمی کس طرح برداشت کر سکتا ہے؟ وینو تائی کیا گئیں گویا میری تمام تر تندہی اور توانائی میری ذات اور میرے وجود سے خارج اور رخصت ہو گئی۔ جیسے میرے اپنے آنسوؤں نے مجھے مکمل شکست دے دی اور میرا وجود بکھر کر رہ گیا۔ میں اپنا ہی ذات میں جیسے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا!" یشونت راؤ نے اپنی نجی اور

عوامی زندگی، احباب سے گفت وشنید کے دوران بڑے وثوق اور تیقن کے ساتھ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ تمام مصنف، ادیب اور سیاست داں آپس میں "شید بند ھو"، (لفظی / قلمی برادران) ہیں۔ بمبئی شہر میں فنکاروں اور ادیبوں کے لئے بلاشرکتِ غیرے۔ ایک آزاد کوآپریٹیو سوسائیٹز کا قیام، تنہا انہیں کے ذہن کی اپج تھا۔ کلانگر، ادر ساہتیہ سہواس نیا (جہاں کا میں بھی ایک مکین ہوں) بمبئی کے نواحی علاقے میں ایک مخصوص طرز زندگی کی، مخصوص ثقافتی علامتیں سمجھے جاتے ہیں پروفیسر اننت کانیکر مرحوم نے جو مراٹھی کے ایک شہرت یافتہ شاعر، انشا پرداز اور عالم فاضل تھے اور جو ساہتیہ سہواس کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹیڈ، کے بانی ممبران میں ایک تھے، ہمیشہ کھل کر اس بات کا اعتراف اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ اپنے وقت کے، مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری یشونت راؤ چوان ہی تھے جن کے ذہن میں، شرق باندرہ میں، ادیبوں کے لئے کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی کے قیام اور تعمیر کے منصوبے کا خیال جنا اور اس ضمن میں جنہوں نے بانیانِ منصوبے کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا ـــــ کسی دن پروفیسر کانے کر، منترالیہ میں وزیرِ اعلیٰ کے چیمبر میں ان سے ملنے گئے تھے جہاں وزیر اعلیٰ نے انتہائی خلوصِ دل سے ان کا خیر مقدم کیا تھا اور نہایت خوش خلقی کے ساتھ باندرہ میں کلانگر کے قیام وتعمیر کے سلسلے میں گفت وشنید کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی شری چوان نے کانے کر صاحب سے یہ شکایت بھی کی تھی کہ اس سے پہلے کبھی کسی نے اس قسم کے منصوبے کے بارے میں کچھ نہیں سوچا اور نہ ہی حکومت نے مراٹھی کے ادیبوں کے تعلق سے کبھی کوئی ایسی بات سوچی اور اسی وقت ان کی زبان پر جیسے اچانک یہ سوال آیا تھا "آخر ایسا کیوں؟ آپ (شری کانے کر) نے بھی کبھی کوئی ایسی تجویز ہمارے سامنے نہیں رکھی" اور پروفیسر اننت کانے کر نے بھی ردّ و کد کے بغیر اعتراف کیا تھا کہ ہاں یہ سچ ہی ہے۔'

"تو آگے بڑھیئے، اپنے منصوبے کی تفصیلات مجھے دے دیجئے، میں آپ کی ہر ممکن مدد کروں گا" وزیر اعلیٰ نے انہیں پورا یقین دلایا تھا اور پروفیسر اننت کانے کر سکون و اطمینان کی بے پناہ خوشیاں لے کر لوٹے تھے۔

علاوہ ازیں یہ بھی حقیقت ہے کہ شری یشونت راؤ چوان اپنے مخالفین اور نکتہ چینوں سے غایت درجے چڑتے تھے اور ایسے مواقع پر ان کا بر وقت طنز و مزاح، ان کے حریفوں کے لئے انتہائی ہیبت ناک زہریلی ڈنک یا زہر میں بجھا ہوا مہلک تیر ثابت ہوتا تھا، تاہم انہوں نے اپنے دشمنوں کے خلاف بغض وکینہ کا زہر ہرگز ہرگز استعمال نہیں کیا بلکہ وہ مزاحاً پریشان کن حالات میں بھی خوش خلقی کی مجلسوں میں قہقہوں کی شراب کے نشے میں ضرور بدمست ہو جایا کرتے تھے۔ ایسے تھے وہ عناصر جن سے یشونت راؤ چوان کی تخلیق ہوئی تھی۔ اگر ان کی ذات سے کبھی کوئی غلطی بھی ہو جاتی، کبھی کسی کے لئے، کبھی کسی کے لئے کسی بات پر غلط فہمی بھی ہو جاتی تو وہ اس کے اعتراف کے بعد اس کے لئے معذرت پیش کرنے میں ہرگز کوئی شرم اور جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔ بلکہ بسا اوقات وہ اپنی اس غلطی کا کفارہ ادا کرنے کے لئے بھی ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ شریمتی اندرا گاندھی کی طرح، شری چوان بھی کانگریس کے چند آخری جانباز شہسواروں میں سے ایک تھے جن کی موت سے بالعموم بھارت کی سیاسی زندگی اور بالخصوص مہاراشٹر کی سیاسی، سماجی اور ثقافتی دنیا ـــــ جیسے بے رنگ ہو کر رہ گئی۔

(مترجم: مرزا ساز قاسمی)



SLIM NELL CENTRE



وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی اور شری یشونت راؤ چوان، ایک
ملٹری اسپتال میں فوجیوں سے بات چیت کر رہے ہیں ——







مرکزی وزیر خارجہ آنجہانی شری
یشونت راؤ چوان کے ہاتھوں نومبر ۱۹۷۶ء
میں بمبئی کے جسلوک ہسپتال میں
کینسر اور ریڈی ایشن تھراپی نیوکلیر
میڈیسن کے شعبہ کا افتتاح
عمل میں آیا۔ ←

مہاراشٹر کرناٹک سرحدی
تنازعہ کا حل ڈھونڈنے کے لئے
مہاراشٹر کے پہلے وزیر اعلیٰ شری





شری یشونت راؤ چوان نے
اپنے دورے مراٹھواڑہ کے دوران
مختلف سرکاری کاموں کا معائنہ کیا۔



مہاراشٹر سوشیل ویلفیر بورڈ کی
جانب سے ۱۹۶۸ء میں ناگپور میں تعمیر کردہ
للت کلا بھون اور کامگار کلیان کیندر کی
عمارت کا افتتاح اس وقت کے مرکزی وزیر داخلہ
آنجہانی شری یشونت راؤ چوان کے ہاتھوں
عمل میں آیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں
آپ کے ساتھ تقریب کے صدر آنجہانی
وسنت راؤ نائیک اور شری وسنت راؤ پاٹل
بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



ایک دلچسپ منظر: منسٹروں اور
سکریٹریوں کے مابین رسّہ کشی کا مقابلہ





(اوپر) شری یشونت راؤچوان کا بحیثیت مرکزی دفاع تقرر ہونے پر مہاراشٹر اسٹیٹ گورنمنٹ ایمپلائز فیڈریشن نے ان کے اعزاز میں الوداعیہ تقریب کا اہتمام کیا۔ یہ تصویر اسی موقع کی ہے ——



[دائیں جانب) وزیراعلیٰ شری یشونت راؤچوان نے ۱۹۶۱ء میں دیگر لا میونسپلٹی کا دورہ کیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں مہاراشٹر کے سابق وزیر شری پی۔ کے ساونت بھی دیکھے جا سکتے ہیں ——



شری یشونت راؤ چوان، ساونت واڑی سے شائع ہونے والے مراٹھی اخبار

یشونت راؤ چوان

شخصیت کے مختلف روپ





شخصیت کے
مختلف روپ

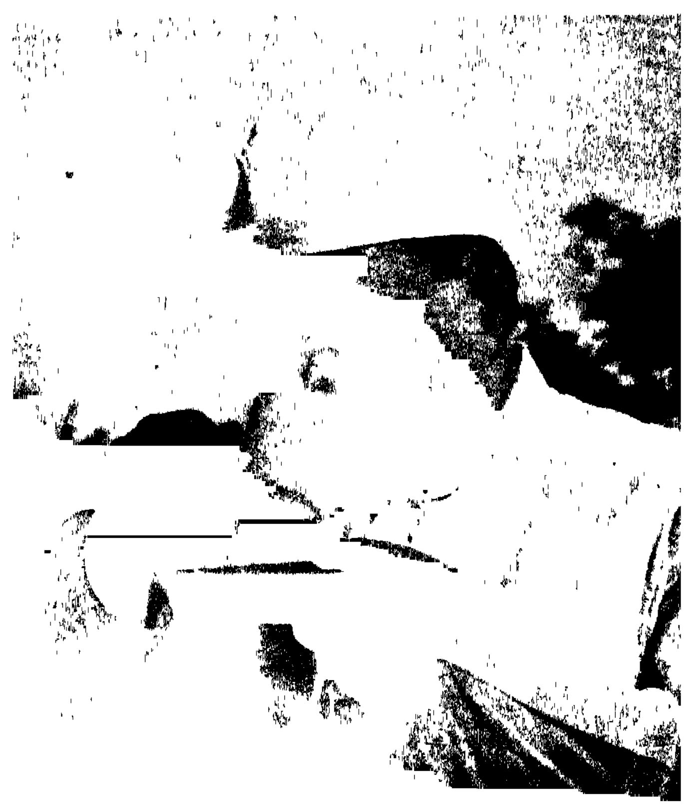












آنجہانی یشونت راؤ چوان مطالعہ میں غرق ہیں





مرکزی وزیرِ داخلہ شری یشونت راؤ چوان سردار بھگت سنگھ کی والدہ سے گفتگو کر رہے ہیں۔





مرکزی وزیر داخلہ شری یشونت راؤ چوان ایک عشائیہ کے موقع پر ملکی اخبارات کے مدیروں کے ساتھ۔



شری یشونت راؤ چوان
شریمتی اندرا گاندھی
کو ایک انگریزی کتاب
جس کا عنوان ہے
"INDIA -
A Portrait
of People"
پیش کر رہے ہیں۔

(نیچے] سال
کا وظیفہ بند کر
میں منعقدہ ای
میں شری یشو
چوان کو بعض
مہاراجوں کے
دیکھا جا سکتا





۱۹۶۵ء میں ہندوپاک جنگ
دوران اس وقت کے وزیر دفاع
یشونت راؤ چوان پاکستان کے
دیہات برکی میں ایک گھر کی چھت
پر دیکھے جا سکتے ہیں ـــــ



شری یشونت راؤ چوان فوجی جوانوں
سے بات چیت کر رہے ہیں اور اُن
کی ہمت بندھا رہے ہیں ـــــ



وزیر دفاع شری یشونت راؤ چوان
اور وزیر اعظم جواہر لال نہرو، فوجی
اسپتال میں ایک فوجی جوان سے
اسکی خیریت پوچھ رہے تھے—



ی یشونت راؤ چوان
پنڈت نہرو شرقی سیکٹر
جوانوں سے محو گفتگو ہیں



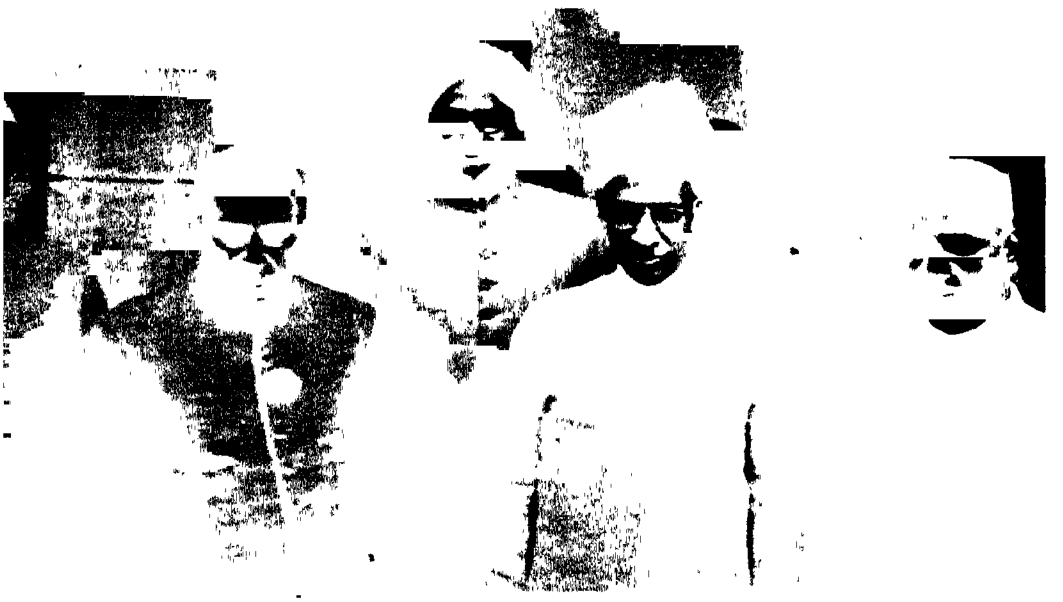
معروف قومی شخصیتوں کے ساتھ

شری یشونت راؤ چوان سے
وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو
کے ساتھ ـــــــ

[نیچے] شری یشونت راؤ چوان بھارت کے سابق صدر جمہوریہ شری فخرالدین علی احمد کے ساتھ۔









[اوپر] سابق وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی اور شری یشونت راؤ چوان ـــــ

شری یشونت راؤ چوان (درمیان میں) شری مرارجی دیسائی، پنڈت جواہر لال نہرو، مرکزی وزیر سردار سورن سنگھ اور بھارت کے سابق صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن کے ساتھ ـــــ

ڈاکٹر ایس رادھا کرشنن اور شری یشونت راؤ





۱۹۶۲ء میں اس وقت کے بھارت کے صدر ڈاکٹر سروپلی رادھاکرشن شری یشونت راؤ چوان کو مرکزی وزیر دفاع کے عہدے سے اور رازداری کا حلف دلا رہے ہیں تصویر میں وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور مرکزی وزیر شری گلزاری لال نندہ بھی دیکھے جا سکتے ہیں



شری یشونت راؤ بھارت کے سابق صدر وی۔وی گری



↑
شری یشونت راؤ
مہاراشٹر کے سابق
وزیراعلیٰ شری
وسنت راؤ نائیک
کے ساتھ ——



شری یشونت راؤ
اور سابق وزیراعلیٰ
نیز کانگریس (ایس)
کے صدر شری
شرد پوار ——

شری یشونت راؤ گجرات
کے سابق وزیراعلیٰ
ڈاکٹر جیوراج مہتا کے ساتھ

• دنکر ساکریکر



وائی۔ بی۔ چوان

ایک ادیب اور سیاست داں

ایک دیدہ زیب کتاب جس کا سرِ ورق سنہری مائل، بھورے رنگ کا ہے اور اس پر کتاب اور مصنف کا نام نقش ہے۔ کتاب کا عنوان ہے कृष्णाकाठ اور مصنف کا نام ہے یشونت راؤ چوان۔ یہ کتاب مصنف کی خودنوشت سوانح عمری کی پہلی جلد ہے جس کا سالِ اشاعت ۱۹۸۴ء ہے۔ کہتے ہیں کہ دوسری جلد بھی تیار تھی اور جلد شائع ہونے والی تھی کہ اچانک غیر متوقع طور پر صاحبِ کتاب کا دیہانت ہو گیا۔

اگر چوان اپنی خودنوشت سوانح عمری کی ہی ایک کتاب لکھتے
راٹھی ادب کے اور کسی موضوع پر قلمکاری نہ کرتے تو انہیں
ٹھی ادب کی تاریخ میں تب بھی ایک مستقل مقام و مرتبہ حاصل ہوتا۔
مراٹھی ادب خودنوشت سوانح عمریوں سے کافی مالا مال ہے
یہ برسوں میں ہی خودنوشت سوانح عمریوں پر دلیتوں کے
یرات نے کافی وسعت دی ہے۔ خودنوشت سوانح عمریوں
ہراتی، تنوع اور کثرت کو بخوبی تسلیم کرتے ہوئے — اور
ت سوانح عمریوں کی سماجی اہمیت کو پوری وقعت دیتے ہوئے
، پھر بھی کہوں گا کہ شری چوان کی سوانح عمری ایسی عجیب تحریر
ہ کہ اسے مراٹھی ادب میں بہت بلند مقام حاصل رہے گا۔
سیاست کی دنیا کے وہ بے بدل شہسوار تھے۔ عام طور سے
ات زبان زد رہی ہے کہ لوکمانیہ تلک کے بعد کسی دوسرے
راشٹری سیاست داں کو ویسی قومی بلندی حاصل نہیں ہوئی
ی یشونت راؤ جی کے حصے میں آئی کیونکہ عوام میں سے اٹھے
ر قسمتاً رفتہ رفتہ ان کی امیدوں اور امنگوں

کی علامت بن گئے۔ انہوں نے دیہات میں رہنے والوں سے اور دیہاتی سماج سے اپنے رشتے ناطے کبھی نہیں توڑے۔

یہ لوگ ان کی اس کتاب میں خود اپنی زندگی کی حرکت کرتی ہوئی تصویر کا عکس دیکھیں گے جس کا بیان نہایت وضاحت کے ساتھ اس میں جگہ جگہ موجود ہے۔

بے شک انہوں نے اپنے خاندان، ماں، باپ، بھائی اور دوستوں کے متعلق بھی لکھا ہے لیکن انہوں نے اس میں دیہاتیوں کی بیداری، قومی ہوشمندی اور مہاتما گاندھی کی جاری کردہ زبردست تحریک میں شرکت کی کہانی بھی بیان کی ہے۔ اسی لئے جہاں یہ کتاب دلوں کو گرمی عطا کرنے والی ایک عجیب و غریب شخصی زندگی کی داستان ہے وہیں یہ سماج کے نشاۃ الثانیہ کا مرقع بھی ہے۔

کتاب کو کھولتے ہی پڑھنے والے کی نظر جوں ہی پہلی سطر پر پڑے گی اسے مہاراشٹری شاعر گووند اگرج اور اس کی

مشہور نظم دکھائی دے گی۔ جو اسے ... طور پر جس مصرع کو انہوں
نے دہرایا ہے وہ بالکل سادہ ہے۔۔ "اب کرشنا ندی کے ساحلوں
پر کنڈل ناپید ہے"۔ اور یہ کنڈل قریب میں واقع گاؤں
کا نام ہے جہاں اس کی ماں کا ننھیالی مکان تھا۔ گاؤں کا اب
پتہ نہیں ہے لیکن وہ اپنے آپ کو بھی اسی علاقے کا ایک
فرد سمجھتا ہے۔ ندی، سرزمین، درخت اور پھول بلکہ لوگ بھی
ان کی جڑ بنیاد ہیں اور وہ جمال پرستوں کی شان سے شاعرانہ
انداز میں اپنی پیدائش کی اس سرزمین کا اور اس کے ساکنوں
کا ذکر بڑے والہانہ طور پر کرتا ہے۔

ان کی دماغی تربیت جن خطوط پر ہوئی اسے بھی ادب
سے ساتھ ان کے لگاؤ کو کافی دخل ہے۔ تقریباً وہ کتاب جو پہلے
پہل انہوں نے پڑھی وہ اس بڑے سماجی انقلاب پسند کی
خود نوشت سوانح عمری تھی جس کا نام نامی جیوتی با پھولے
تھا اور اسی طرح سب سے پہلا شاعر جس سے وہ واقف
ہوئے ساورکر تھے جس کی شاعری میں حب وطن کی شعلہ بیانی
تھی۔ جب ادب سے دل چسپی بڑھی تو انہوں نے گووند اگرج جیسے نغمہ نگار ہری نارائن آپٹے جیسے ناول نویسوں
کی تحریروں پر نظر دوڑائی جن میں شانی سماج کا زبردست
پیغام تھا۔ ان اثرات کو مزید تقویت پہنچی جب انہیں پہلی
مرتبہ یرودا جیل جانا پڑا جو راست تعلیم اور صحیح رہنمائی
کا ایک ذریعہ ثابت ہو۔ خوش قسمتی سے وہاں قید خانے میں
انہیں گاندھیائی اسکالر اچاریہ جاوڈیکر جیسے ساتھی قیدی
کی ہم نشینی ملی جو ساورکر کی سیاست کے سخت خلاف تھے
اگرچہ وہ اس کی شاعری بالخصوص ... اور ... کو پسند کرتے تھے۔

اچاریہ جی نے یشونت راؤ جی کو انہیں نظموں کے پڑھنے
کی ترغیب دی جسے موخرالذکر نے نہایت جوشیلے انداز میں
پڑھا۔ یہیں سے شاعری کے ساتھ ان کی وابستگی بڑھی —
اچاریہ جی نے ان کے ہمراہ کالیداس کے کلام دہرائے جس میں
"شکنتلا" خصوصیت کے ساتھ شامل تھی۔ شاعری اور ادب
سے ساتھ ان کی یہ وابستگی تب بھی قائم رہی جب وہ ...
کام کاج میں لگ گئے اور مراٹھی کی جدید کتابیں ان کی ...

موصول ہوا کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شخصی دوستوں
میں مقبول مصنفین اور شعراء تھے۔ "اننت کانیکر" — یا
پی۔ ایل۔ دیشپانڈے، ماڈگولکر یا مہانور۔ کا شمار ان کے
پسندیدہ ہم نشینوں میں تھا۔

یشونت راؤ جی کو مہاراشٹر کے مراٹھی ڈراموں اور تھیٹروں
سے بھی دل چسپی تھی۔ اپنی اسکول کی تعلیم کے دوران انہوں نے
لٹریری کے ڈرامے پڑھے تھے جس کی سو سالہ سالگرہ حال ہی
میں منائی جا رہی ہے۔ لٹریری کے ڈرامے "راج سنیاس" سے بالخصوص
انہیں گہری دل چسپی تھی اور اس کے بعض پرجوش مکالمے انہیں
زبانی یاد تھے۔ انہیں عوامی گیت جیسے ... اور ...
بھجن، لاونی اور تماشوں سے بھی کافی دلچسپی تھی۔
یہ مہاراشٹر کی خوش قسمتی تھی کہ ... جیسا ...
نصیب ہوا تھا کیونکہ انہیں ... تمام چیزوں سے دل چسپی تھی
جو مہاراشٹر کے عوام کے لئے دل چسپی کا باعث تھیں۔ وزیراعلیٰ کی
حیثیت سے انہوں نے "بورڈ آف لٹریچر اینڈ کلچر" کی بنیاد رکھی تھی
اور اس کے چیئرمین کی حیثیت سے مہاراشٹر کے سب سے بڑے
اسکالر ... لکشمن شاستری جوشی کا تقرر فرمایا تھا۔
یہ ... ہے جس کی وساطت سے انہوں نے مراٹھی
ادب کی نہایت بلند پایہ تصنیف "مراٹھی انسائیکلوپیڈیا" کی
بیس جلدیں "انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا" کے اصول پر تیار کروائیں
ہندوستان کے کسی دوسرے وزیراعلیٰ نے ریاست کی عام زبان
کی اتنی خدمت نہیں کی۔

یہ بھی حسن اتفاق ہی تھا کہ جس زمانے میں ہندوستان کا
وزیراعظم وہ تھا جسے شاعری سے زبردست محبت تھی اسی زمانے
میں مہاراشٹر کا پہلا وزیراعلیٰ وہ تھا جو وزیراعظم ہی کی طرح
شاعری اور ادب کا دلدادہ تھا۔

یشونت راؤ جی کی سیاسی مقبولیت سے قطع نظر انہوں
نے مراٹھی مصنفوں کے دلوں میں جگہ پیدا کر لی تھی خود اچاریہ اترے
جو مہاراشٹری تحریک کے زمانے میں ان کے ہمنوا تھے، آخر وقت
تک ان کے زبردست معترف رہے۔ ادبی تنظیموں نے کم از کم دو
بار یشونت راؤ جی کی ادبی خدمات تسلیم کرتے ہوئے — انہیں
۱۹۶۴ء میں دوسرے ساہتیہ سمیلن کے افتتاح کے لئے اور پھر
۱۹۷۵ء میں مجلس استقبالیہ کے چیئرمین کی حیثیت سے چنا

تھا۔ یہ کانفرنس ایمرجنسی کے زمانے میں منعقد ہوئی تھی
ی صدارت، شریمتی درگا بھاگوت نے فرمائی تھی۔
ی اور حکومت کی نہایت شدید مخالف تھیں۔ بار۔۔۔
ل استقبالیہ کمیٹی اور صدر کانفرنس کی دو متضاد خیالات
ی شخصیتوں کی یکجائی نے کانفرنس کی کامیابی کے متعلق طرح
خیالات کو جنم دیا تھا لیکن یشونت راؤ جس طرح سیاست
ے ہوتے تھے اسی طرح بحر ادبیات کے بھی یکتا شناور
چنانچہ انہوں نے اس عمدگی سے یہ کانفرنس کو کامیاب
ر کیا کہ سب عش عش کر اٹھے۔ استقبالیہ کمیٹی کے
ی حیثیت سے کانفرنس کے افتتاح کے موقع پر ان
ر مراٹھی لٹریچر کے مختلف ادوار پر تبصرے و تجزیے
ے بلند پایہ نگارشات میں سے ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ یشونت راؤ جی کی اکثر تقریروں میں
صاف ادبیت کی چاشنی ہوتی تھی۔ انہیں الفاظ کے
ہ کا بخوبی علم تھا۔ نیز اس خودنوشت سوانح عمری کی
یر کردہ تمہید میں آپ فرماتے ہیں کہ الفاظ ایسی قوتیں
ر سکتے ہیں جو نئی دنیا پیدا کر دیں اور وہ ایسی طرز کی
ں کو بروئے کار لا سکتے ہیں جو شہنشاہیت کو جڑ بنیاد سے

نابود کر سکتے ہیں۔۔۔ اپنے متعلق کہتے ہیں کہ "بھائیو! میں ایک
لفظ" ہی ہوں۔ ادب کے ساتھ میرے تعلقات کی ترجمانی
انہیں کی وساطت سے ان کے ساتھ منسلک ہے جو الفاظ کو پرکھنے
والے برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان کی تین حصوں پر مشتمل خودنوشت سوانح عمری مراٹھی
ادب میں ایک زبردست اضافہ ہے۔ اس سے ان کی ادبی
معلومات، اسلوب، سادہ اور سیدھا لیکن دلکش انداز تحریر
اور تسلسل ۔۔۔ ساری باتیں واضح ہوتی ہیں۔ یہی سب خوبیاں
ہیں جن کی بنا پر ادبیات کے سلسلے میں انہیں "ینڈی کیلکر پرائز"
سے نوازا گیا تھا۔ اس عزت افزائی کو وہ ہمیشہ اس طرح انمول
سمجھتے رہے جس طرح اس عزت کو جو سیاست کی راہ سے ان
کے حصے میں آئی۔

یہ حقیقت ہے کہ یشونت راؤ چوان نہرو روایات
میں بلند پایہ ادبی سیاست داں تھے۔

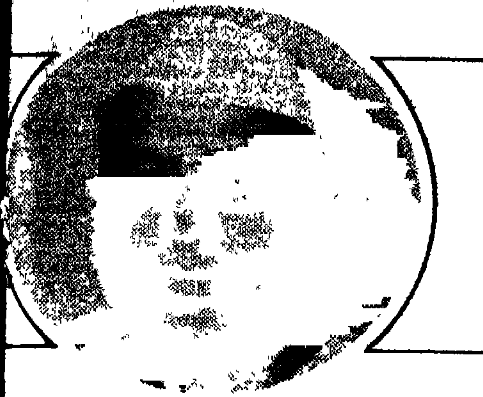
[ترجمہ: عبدالخالق۔ کرلا بمبئی]

☆

"اس میں شبہے کی کوئی گنجائش نہیں کہ بعض غیبی طاقتیں انسان کو آگے
یا پیچھے کی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ انسان میں قوت ارادہ بے حد
طاقت ور ہے مگر وہ اس پر پوری طرح سے قابو حاصل نہیں کر پاتا۔ ورنہ
لفظ "اتفاق" کے معنی ہی کیا؟ خیال بھی ایک بڑی طاقت ہے۔ مگر اس
سے بھی بڑی طاقت قدرت ہے جس کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ قدرت کو پوری
طرح سے معلوم کر لینا ممکن نہیں اور یہ حالت بدلنا کسی کے بس کی بات نہیں
ہے۔ دنیا کا آدھا حصہ اندھیرے اور آدھا حصہ اجالے میں رہتا ہے اور
اسی طرح انسانی زندگی کے تعلق سے کچھ باتیں واضح ہو جاتی ہیں اور بعض کو
معلوم کرنا ممکن نہیں ہے۔ کسی بھی شہر میں آپ جائیں تو وہاں کے بلند
مقامات ضرور دیکھئے مگر شہر پناہ کو بھولئے نہیں۔"

یشونت راؤ چوان

ایم۔آر۔کولہاٹکر
سکریٹری (II) محکمہ مالیات
حکومت مہاراشٹر



آنجہانی یشونت راؤ چوان
یادوں کے سائے تلے

شری یشونت راؤ چوان کراڈ علاقے سے تعلق رکھتے ہیں جوکہ دریائے کورشنا کے کنارے واقع ایک چھوٹا سا تعلقہ ہے۔ یہ تعلقہ ضلع ستارا میں واقع ہے۔ یہاں کے لوگ اپنے اس علاقے سے بے حد محبت کرتے ہیں کیونکہ یہ زمانہ قدیم سے ہی تاریخی حیثیت کا حامل رہا ہے۔ یہ علاقہ قدیم زمانے میں صنعت و حرفت کا صدر مقام تھا۔ بیجاپور کی سلطنت کے دوران کراڈ ایک اہم مقام تھا۔ یہاں کے مینار مشہور گول گنبد کا عین عکس ہیں۔ ———

اس کے علاوہ ایک دھارمک وجہ کے ساتھ یہاں کے لوگ اس علاقے کا زیادہ احترام کرتے ہیں۔ اس علاقے میں دریائے کرشنا اور دریائے کوئنہ ساتھ ساتھ بہتی ہوئی ایک سنگم پر ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں۔ یہ سنگم "وصل جاہ" ([redacted]) کے نام سے مشہور ہے —— ان تاریخی اور قدرتی نظاروں کے باوجود کراڈ کافی عرصے تک غیر معروف رہا۔ سوائے یہاں کی فصلیں پیداوار ادرک اور خام شکر کے جس کی بازار میں زیادہ کھپت رہا کرتی تھی —— لیکن شری یشونت راؤ چوان کے تعلق سے اس علاقے کی شہرت مزید بڑھ گئی ہے۔

کراڈ میں لوکمانیہ تلک کے نام سے منسوب تلک ہائی اسکول سنہ ۱۹۲۰ء میں قائم کیا گیا ہے۔ اس اسکول کے قیام کی اہمیت یہ ہے کہ یہ اسکول چند ایسے معزز سماجی خدمت گاروں کی جدوجہد کی دین ہے جن کی بے لوث عوامی خدمات یادگار بن گئی ہیں اور ہمیشہ لوگوں کو تحریک دلاتی رہتی ہیں۔ اس اسکول کے سابق طلبا میں یشونت راؤ اور میں خود شامل ہیں۔

تلک ہائی اسکول نے نصب العین کے طور پر اپنا موقف "سخت محنت سے کامیابی یقینی" اپنایا تھا۔ اس زمانے میں تلک ہائی اسکول کے طلبا اور اساتذہ کا معیار مشہور درس گاہوں مثلاً نوتن مراٹھی ودیالیہ، نیو انگلش اسکول پونے بال موہن ودیا مندر یا چکتسک سامرہ ہائی اسکول، بمبئی جیسا نہ تھا۔ اس کے باوجود اساتذہ اور طلبہ نے اپنے حوصلے بلند رکھے اور اس اسکول کو جسے یشونت راؤ چوان جو کہ اس وقت ریاست بمبئی کے کونسل برائے وزراء کے رکن تھے اور اولمپک کھلاڑی کھاشا با جادھو (جنہیں واحد ہندوستانی پہلوان ہونے کا فخر حاصل ہے جنہوں نے اولمپک کے کشتیوں کے مقابلے میں ہندوستان کے لئے سونے کا تمغہ جیتا تھا) کی سرپرستی حاصل رہی ہے، اس قابل بنایا کہ یہاں کے طلبہ ایس ایس سی امتحان

نمبروں سے کامیاب ہوتے تھے۔ ایس ایس سی
امتیازی نمبرات حاصل کرنا مہاراشٹر میں کمتی کم فخر
ی۔ ۱۹۵۳ء میں اسی اسکول کے ایک طالب علم
سے میں قدیم بمبئی ریاست میں اول نمبر سے کامیاب
یہ ایک ایسی کامیابی تھی جس پر نہ صرف مجھے اپنے
لہ میرے خاندان اور سارے شہر کو فخر تھا —
مبارکبادی کے پیغامات کی جیسے بوچھار ہوگئی۔
میں میرے لئے قابلِ فخر مبارکباد یشونت راؤ چوان
م تھا جو کہ انہوں نے اپنی کابینی مصروفیت کے
بھیجا تھا۔

میں ایم۔اے کرنے کے بعد میں آئی اے ایس کے
شریک ہوا اور ۱۹۶۰ء میں آئی اے ایس میں
بعد میرے پتاجی نے مشورہ دیا کہ میں مسوری میں
ی آف ایڈمنسٹریشن میں داخلے سے قبل
ز چوان سے ملوں۔ مئی ۱۹۶۰ء کے شروع کے
میں یشونت راؤ اپنی شہرت کے عروج پر تھے
سال یکم مئی کو ریاست مہاراشٹر کا قیام عمل میں
اہر ہے کہ ملاقات کی درخواست دیتے ہوئے ابھی
ہوتے تھے اور اتنے مختصر عرصے میں ایک مصروف
یت سے ملاقات کی امید رکھنا مشکل تھا لیکن
ت راؤ جی کو میری درخواست کا پتہ چلا تو انہوں
اپنے سکریٹری (فی الوقت کے چیف سکریٹری)
پردھان کو فوراً ملاقات کا وقت دینے کی ہدایت
میں اپنے والد کے ہمراہ یشونت راؤ جی کے روبرو
انہوں نے مجھے بدھائی دی۔ یشونت راؤ جی سے
مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔

ت کا تقاضہ تھا کہ مجھے یشونت راؤ جی کے لئے
ت کام کرنے کا موقعہ نہیں ملا کیونکہ جب میں ڈویژنل
اس وقت یشونت راؤ دہلی روانہ ہو چکے تھے لیکن
تا ۱۹۶۹ء کے دوران یشونت راؤ کے ایک قریبی
ی آتما صاحب شندے کے ساتھ دہلی میں کام کرنے
لا جو کہ اسی زمانے میں مرکزی وزیرِ مملکت برائے
اعت تھے۔ بہرحال غیر رسمی طور پر جب بھی میری

ملاقات یشونت راؤ جی سے ہوئی انہوں نے ہمیشہ میرا نام یاد رکھا۔ جب ۱۹۷۹ء میں وہ نائب وزیرِ اعظم بنے تب کچھ عرصے کے لئے مجھے ان کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا۔ اس کے بعد جب وہ آٹھویں مالیاتی کمیشن کے چیئرمین مقرر ہوئے میری ان سے مختصر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ۱۹۸۴ء میں جب میں بمبئی واپس لوٹا تو یہاں سے میں نے انہیں دیوالی کی مبارکبادی کا تہنیتی رقعہ بھیجا۔ یشونت راؤ جی کی جانب سے شکریہ کا خط ہی شاید ان کا آخری خط تھا۔

یشونت راؤ جی کی وسیع النظری اور پختہ سیاست دانی کی تعریف میں جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ ملک کے اس بحرانی دور میں آپ کی ناگہانی رحلت سے ملک کو اور ریاست کو جو شدید نقصان پہنچا ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔ یہ تو ایک دائمی نقصان ہے لیکن ۶۲-۱۹۶۰ء میں جو کہ نو تشکیل شدہ ریاست مہاراشٹر کے لئے "انتہائی نازک" زمانہ تھا، یشونت راؤ کو اچانک دہلی بلا لیا گیا۔ حالانکہ دہلی میں انہیں بلانا ایک قومی ضرورت تھی لیکن نوزائیدہ ریاست سے اچانک ان کا قطع تعلق کم نقصان دہ نہ تھا۔ اگر وہ مہاراشٹر میں موجود رہتے تو شاید مہاراشٹر جو آج ہے اس سے کہیں زیادہ بہتر ہوتا۔ بہرحال یشونت راؤ نے جو کچھ بھی مہاراشٹر کے لئے کیا ہے مہاراشٹر کے استحکام اور بہتری کے لئے یہی کافی ہے۔

یشونت راؤ کی تعریف میں لوگ بہت کچھ کہتے سنتے آتے ہیں لیکن جس انسان دوستی اور شفقت کے ساتھ آپ مجھ جیسے عام اشخاص سے پیش آتے تھے وہ ناقابلِ فراموش مگر قابلِ تقلید ہے

(ترجمہ: ایم۔ اقبال)

فوری توجہ کیلئے ہمیشہ "حوالہ نمبر" (جو آپ کے پتہ کے اوپری حصہ پر درج ہوتا ہے) ضرور تحریر فرمائیں۔ اپنا پتہ صاف لکھیں اور اُردو کے ساتھ ہندی، مراٹھی یا انگریزی میں بھی تحریر فرمائیں۔

(ادارہ)



ایم کے۔ مناشکر

یشونت راؤ بلونت راؤ چوان

ہمہ جہت سماجی خدمت گار

مہاراشٹر کے عظیم لیڈر شری وائی۔ بی چوان اب ہمارے درمیان نہیں رہے آپ اس ریاست کے ہی نہیں بلکہ ملک کے سیاسی افق پر ایک ہمہ جہت سیاسی اور سماجی خدمت گار تھے۔ سیاسی میدان میں آپ کی مدبّرانہ صلاحیت فطرتی اوصاف کے عین مطابق تھی۔ شری چوان گو کہ تیز خو نہیں تھے پھر بھی بے قاعدگی کو سخت ناپسند کرتے تھے اور خلاف ورزی پر سختی سے پیش آتے تھے۔ مہاراشٹر میں آپ ایک عظیم رہنما تو تھے ہی لیکن قومی رہنماؤں میں اعلیٰ مقام پانے کے باوجود بھی آپ نے اپنے فرائض کی تکمیل اسی انداز سے کی۔ خوش اخلاقی اور انکساری کے سبب حکومتِ ہند کی تقریباً تمام وزارت میں آپ مقبول تھے۔

شری چوان ۲۵ نومبر ۱۹۸۴ء کو مختصر علالت کے بعد ۷۱ سال کی عمر میں یکا یک اس دنیا سے چل بسے۔ آپ ہندوستانی جدوجہد آزادی کی دین تھے۔ آپ نے اپنا سیاسی کردار بحیثیت ایک مجاہدِ آزادی شروع کیا اور ملک میں ایک عظیم سیاستداں کی حیثیت سے ابھرے۔ اگست ۱۹۴۲ء آپ کے لئے لیڈری کا پہلا امتحان تھا جب مہاتما گاندھی نے ہندوستان چھوڑو تحریک کا آغاز کیا تھا۔ آپ نے خفیہ طور سے جدوجہد آزادی کا آغاز اپنے آبائی وطن ضلع ستارہ میں کیا اور اس تحریک میں انقلابی نوجوانوں کو کثیر تعداد میں انگریزوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے بھرتی کیا۔ یہ خفیہ تحریک اس قدر کامیاب ہوئی کہ ستارہ میں ایک متوازن حکومت کا قیام عمل میں آیا نومبر ۱۹۴۳ء کو ایک دن جب یہ انقلابی نوجوان اپنی بیمار بیوی کے پاس بیٹھا ہوا تھا جس سے اس نے چھ ماہ قبل ہی شادی کی تھی کسی نے پولس کو خبر دی اور شری چوان گرفتار کر لئے گئے۔ اپنی تنظیمی قابلیت کی وجہ سے آپ نے کافی شہرت حاصل کی۔ ۱۹۴۵ء میں آپ کو رہا کیا گیا۔

۱۹۳۲ء میں جب آپ دوسری بار جیل گئے تب وہاں پر آپ نے سیاسی ماحول کا بغور مطالعہ کیا۔ ساتھ ہی سوشلزم پر انگریز مصنفین اور مارکسزم پر ایک ہندوستانی مصنف ایم۔ این رائے کی کتابوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔ چوان نے اپنے دوسری بار جیل جانے کو "میرے لئے انقلابی سال" سے تعبیر کیا — ۴۴۔۱۹۴۳ء میں نظر بندی کے دوران مارکسزم سے انہیں غیر معمولی طور پر لگاؤ پیدا ہوا۔ آپ نے جیل میں حب الوطنی پر

ملیں تھیں ۔ آپ نے کانگریسی معاملات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دیگر ہندوستانی لیڈروں کے مقابلے میں سیاسی اور معاشی امور میں آپ کا ایک اہم مقام تھا۔ آپ ترقی پسند اور ملی سیاست داں تھے۔

پہلے ہندوستان کے وزیر دفاع اور بعد میں وزیر داخلہ کی حیثیت سے ان کی کارکردگی دیکھتے ہوئے کئی لیڈران جن میں لال بہادر شاستری اور جے پرکاش نارائن شامل ہیں آپ کی صلاحیتوں کے معتقد ہوئے لیکن ہندوستان میں سیاسی بحران کی وجہ سے اس وقت تقریباً ۴ سال تک آپ کو گوشۂ گمنامی میں ڈال دیا گیا۔

۱۹۶۲ء میں جب آپ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ تھے، چین نے ہندوستان پر حملہ کر دیا اور اس قومی بحران کے دوران آپ کو پنڈت جواہر لال نہرو نے وزیر دفاع کے عہدے پر فائز کیا۔ دیگر ہمعصر ہندوستانی لیڈروں کی طرح چوان نے اپنی شروعات بڑی انکساری سے کی۔ آپ کے والد ستارا ضلع کے دیوراشٹر نامی گاؤں کے ایک غریب کسان تھے۔ شری یشونت راؤ چوان اسی گاؤں میں ۱۲ مارچ ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر بمشکل چار سال ہوگی کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ اور بڑے بھائی نے آپ کی پرورش کی۔ اپنے بچپن میں ایک بار آپ نے کہا تھا کہ "ہم جب دیہاتی زندگی اور شہری زندگی میں موازنہ کرتے ہیں تو ہم دیہاتی زندگی کو مظلوم پاتے ہیں۔"

آپ کی ابتدائی تعلیم کراڈ شہر میں ہوئی ـــــ یہاں مضمون نویسی میں آپ نے غیر معمولی خود اعتمادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک انفرادی مقام پیدا کیا۔ ایک بار کا ذکر ہے استاد نے اسکول میں تمام طالب علموں سے یہ سوال پوچھا کہ وہ شیواجی اور تلک دونوں میں کسی ایک ہیرو کا انتخاب کریں۔ آپ نے فوراً خود اعتمادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ میری نظروں میں صرف یشونت راؤ چوان بطور ہیرو ہے۔" ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ کولہاپور کالج میں زیر تعلیم رہے جو انگریزوں کے زیر سرپرست تھی۔ بچپن ہی سے آپ نہایت ذہین اور ہوشیار تھے۔ ۱۶ سال کی عمر میں پونے میں تقریری مقابلے میں "دیہی ترقی" عنوان پر تقریر کا پہلا انعام حاصل کیا۔

۱۹۳۰ء سیاسی سرگرمیوں کا سال تھا۔ مہاتما گاندھی کے ذریعے چلائی گئی تحریک عدم تعاون نے مختلف خیالات کی تنظیموں کو ایک نئی روشنی دی اور اعتدال پسند، انتہا پسند جمہوریت پسند، سوراجی اور انقلابی تنظیموں نے تحریک آزادی میں حصہ لینا شروع کر دیا لیکن چوان نے صرف وہی راستہ اپنایا جو مہاتما گاندھی نے دکھایا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں آپ کو ۱۸ مہینے کی قید با مشقت ہوئی۔ اس وقت آپ ششم جماعت کے طالب علم تھے۔ آپ کے رہا ہونے کے فوراً بعد ہی ۱۹۳۲ء میں دوبارہ آپ کو گرفتار کیا گیا اور مزید ۱۸ مہینوں کی جیل ہوئی۔ اس طویل قید کے دوران شری چوان نے اپنے تعلیمی نقصان کو پورا کیا اور ایسی تنظیم میں شامل ہو گئے جو خلاف قانون مطبوعات اور اخبارات درآمد کیا کرتی تھی۔ آپ نے سیاسی مفکروں کا گہرا مطالعہ کیا۔ خاص طور سے مارکس اور لینن کا۔ آپ مارکسزم اور روس کے انقلاب سے کافی متاثر تھے۔ آپ نے گاندھی جی کے اصولوں پر مبنی سوشلزم کا انتخاب کیا اور ۱۹۳۵ء میں مہاراشٹر سوشلسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۴۲ء میں دوبارہ گرفتار ہوئے۔ نظر بندی کے دوران سرکاری عمارت پر قومی ترنگا لہرانے کی کوشش کی جس پر سرکار نے آپ کے خلاف *--- ۵ روپے کا انعام بھی رکھا۔ آپ کا یہ پلان انگریز سرکار کو کسی طرح معلوم ہو گیا اور پولس نے آپ کے ساتھیوں پر فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں تین ساتھی مارے گئے۔ چوان اس حادثے سے بری طرح متاثر ہوئے۔ آپ نے مکمل طور پر تحریک عدم تعاون کی حمایت کی۔ ۱۹۴۶ء میں بمبئی قانون ساز اسمبلی کا الیکشن آپ کا اہم کارنامہ تھا۔ آپ بی۔ جی۔ کھیر کی وزارت میں بحیثیت پارلیمانی سکریٹری مقرر ہوئے۔ شری چوان کا شمار ان عظیم لیڈروں میں بھی ہوتا ہے جنہوں نے فرقہ وارانہ جنونیت کے وقت متواتر متاثرہ افراد کی بحالی اور امداد پر خاص دھیان دیا۔ ۱۹۵۲ء میں کانگریس نے جنرل الیکشن میں زبردست فتح حاصل کی اور شری چوان، مرارجی دیسائی کی وزارت میں بحیثیت وزیر سول سپلائز سے شامل کئے گئے۔ جب شری مرارجی دیسائی نے ۱۹۵۶ء میں مرکزی حکومت میں شمولیت حاصل کی، شری چوان کو بمبئی ریاست کا وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ آپ ۱۹۵۷ء میں دوبارہ وزیر اعلیٰ کے عہدے پر



آنجہانی یشونت راؤ چوان، بھیونڈی کے فساد زدہ علاقوں کا دورہ کر رہے ہیں۔

قائز ہوئے۔ ۱۹۶۰ء میں جب بمبئی مہاراشٹر اور گجرات دو، حصوں میں منقسیم کیا گیا آپ تب بھی اس از سرِ نو تشکیل شدہ مہاراشٹر حکومت کے وزیرِ اعلیٰ رہے۔ مہاراشٹر میں آپ کے زبردست اثر و رسوخ کی بدولت ۱۹۶۲ء میں کانگریس زبردست فتح سے ہم کنار ہوئی۔

مہاراشٹر کا یہ مستحکم عزم انسان ۱۹۶۲ء میں وزیرِ اعظم پنڈت جواہرلال نہرو کے ذریعے دہلی بلایا گیا۔ اس وقت سارا ملک قومی بحران سے دوچار تھا۔ چینی حملے کے دوران یشونت راؤ چوان کو وزیرِ دفاع بنایا گیا تاکہ ہماری فوج میں حوصلہ اور اعتماد بحال کیا جا سکے اور وزارتِ دفاع کو از سرِ نو تنظیم کیا جا سکے۔ آپ نے مختصر عرصے میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے اور آپ کی ہی لگن اور انتھک کوششوں کا یہ نتیجہ تھا کہ ہم نے ۱۹۶۵ء میں کامیابی کے ساتھ پاکستانی حملے کو پسپا کر دکھایا۔ ۱۹۶۴ء میں شری لال بہادر شاستری کی وزارت میں اور ۱۹۶۶ء میں شریمتی اندرا گاندھی کی وزارت میں آپ کے کاندھوں پر وزارت کی ذمہ داری سونپی گئی ـــــ ۶۷-۱۹۶۶ء میں ہمارے امن و امان کی صورتِ حال کو پھر خطرہ لاحق ہوا۔ لہٰذا شریمتی اندرا گاندھی نے نومبر ۱۹۶۶ء میں یشونت راؤ چوان کو وزارتِ داخلہ کے عہدے پر فائز کیا۔ جس مہارت سے چوان نے گاؤکشی، طلباء، اکالی مظاہرہ اور دہلی پولس کی بغاوت جیسے سنگین مسائل کا سامنا کیا وہ قابلِ تعریف ہے۔ وزیرِ اعظم راجیو گاندھی نے اپنے تعزیتی پیغام میں بجا فرمایا ہے کہ شری چوان نے ایمانداری اور بے لوث سیاسی اور سماجی خدمات کے ذریعے عوامی زندگی پر اپنی یادوں کے انمٹ نشان ثبت کئے ہیں۔

(ترجمہ ـ اظہر خان)

مراسلت و ترسیلِ زر

مراسلت و ترسیلِ زر کے دوران حوالہ نمبر (جو آپ کے پتے یا خط کے اوپر درج ہوتا ہے) پن کوڈ نمبر ضرور تحریر فرمائیے۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پتہ صاف صاف لکھئے، بلکہ اردو کے ساتھ ہندی یا انگریزی میں بھی تحریر فرما دیجئے۔

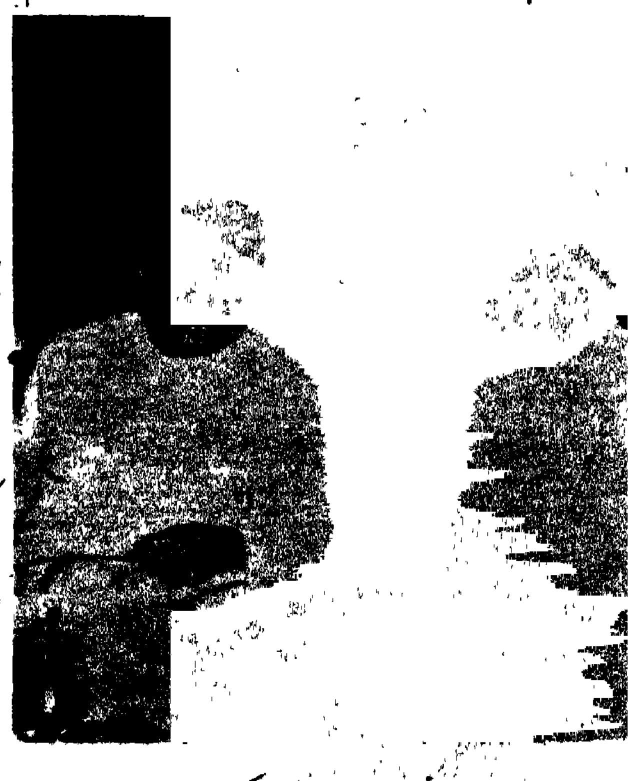
(ادارہ)

ایم۔ ایس۔ کنموار
سابق وزیرِ اعلیٰ مہاراشٹر

آنجہانی یشونت راؤ چوان کے ساتھ

شری یشونت راؤ ایک عوامی شخصیت تھے اور جن رشتوں نے انھیں عوام سے باندھے رکھا ۔ وہ ابھی تک اتنے ہی تروتازہ ہیں جتنے کہ عرصہ پہلے یہ استوار کیے گئے تھے ۔ دراصل گاندھی جی کے فلسفۂ حیات کے سانچے میں ڈھلا ۔ یہ شخص عوام کا محبوب رہنما تھا۔

یشونت راؤ اکثر کہا کرتے تھے اگر میں نے وزیر اعلیٰ کی قبول کی تو صرف اس لیے کہ ریاست کے غریب کسانوں اور ...کش عوام کی خدمت کر سکوں ۔ اگر میں اس مشن میں ناکام



آنجہانی یشونت راؤ چوان، شری ایم ایس کنموار کے ہمراہ

رہا تو یہ کسانوں اور مزدوروں کے ساتھ بددیانتی بھی جائے گی ۔ اگر مہاتما گاندھی آج زندہ ہوتے تو وہ یقیناً ایک کسان کو وزیر اعلیٰ کی آفس سے خدمتِ خلق کرتا دیکھ کر بے انتہا خوش ہوتے ۔ درحقیقت گاندھی جی سے یشونت راؤ کی ذہنی قربت کی وجہ بھی یہی تھی ۔ وہ بھی مہاتما گاندھی کی طرح عوام کا معاشی، مذہبی اور سیاسی استحصال ختم کرنے کا عہد کر چکے تھے ۔

کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ غریب خاندان کا پروردہ یشونت راؤ کبھی وزیر اعلیٰ کے مقتدر عہدے تک پہنچ جائے گا۔ نوجوان یشونت راؤ نے جب مہاتما گاندھی کا حق کے لیے اعلانِ جنگ سنا تو صدقِ دل سے آزادی کے لیے ساری صعوبتیں برداشت کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اپنے تابناک مستقبل کو یوں بھلا دیا جیسے وہ سرے سے موجود ہی نہ ہو۔

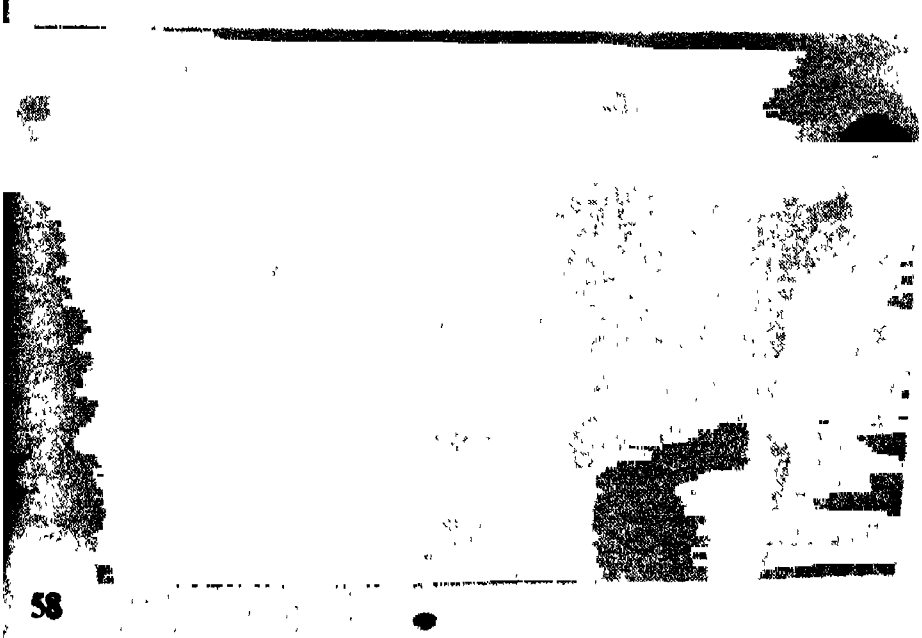
۱۹۳۲ء میں پہلی بار انھیں اٹھارہ مہینوں کے لیے جیل میں ٹھونس دیا گیا ۔ پھر تو جیسے جیل یاترا ان کا مقدر بن گئی ۔ یہاں تک کہ شادی کے ایک سال بعد وہ پوری طرح جدوجہد آزادی میں شامل ہو گئے ۔ ایسی جدوجہد جس کا نعرہ تھا ۔ "اب آزادی حاصل کریں گے یا اپنی جانیں لٹا دیں گے ۔" ان دنوں جب یہ انگریزی حکام کے تشدد سے چھپتے پھر رہے تھے، اس وقت ان کے خاندان پر برا وقت آن پڑا تھا لیکن مصائب و آلام کے ان دنوں میں ان کی شفیق والدہ اور محبت کرنے والی رفیقِ حیات نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا بلکہ یشونت راؤ کی ہر قدم پر حوصلہ افزائی کی جس کا ذکر اپنے اچھے دنوں میں یشونت راؤ بڑی عقیدت سے کیا کرتے ۔

ودربھ کے عوام نے یشونت راؤ کو اگر ٹوٹ کر چاہا تو اس لئے نہیں کہ وہ وزیراعلیٰ تھے بلکہ اس لئے کہ خود انہیں بھی ودربھ کے عوام اور یہاں کی مٹی سے بے انتہا پیار تھا۔ اگر تاریخ آزادی کے اوراق دیکھیں تو یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ ودربھ ہی وہ علاقہ تھا جو آزادی سے قبل ہندوستان کی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہیں پہ مہاتما گاندھی نے اپنے سیواگرام کی بنیاد رکھی اور اپنی مصروف زندگی کا بیشتر وقت یہیں گزارا۔ آشرم میں ان کی موجودگی ہی وہ معجزہ تھی جس نے آس پاس کے علاقے کے بیشتر نوجوانوں میں خدمت کی وہ روح پھونکی جس کے زیر اثر وہ نہ صرف گاندھیائی فلسفہ کے بے دام غلام ہو گئے بلکہ مادر وطن کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے کے لئے بھی تیار ہو گئے۔ اس پس منظر کے تحت یشونت راؤ اور ودربھ کے عوام کی باہمی محبت کو دیکھا جائے تو یقین کرنے میں دشواری نہیں ہوتی کہ آخر ودربھ کی تشکیل نو سے قبل عوام یشونت راؤ کو اپنا مخلص اور محبوب رہنما کیوں تسلیم کرتے تھے۔

یوں تو مغربی مہاراشٹر اور ودربھ دو مختلف جغرافیائی اکائیاں تھیں مگر یہ قومی تحریک کا کرشمہ ہی تھا جس نے ان دو مختلف علاقوں کو ہم آہنگ کر دیا۔ لوکمانیہ تلک کی موت کے بعد گاندھی جی کا فلسفہ بھی ایسا فکری انقلاب تھا جس نے ان دونوں علاقوں کو نہ صرف ایک دوسرے سے قریب تر کر دیا بلکہ ان میں باہمی یک رنگی اور اتحاد کا بھی سبب بنا۔

ریاستوں کی تشکیل نو اس سیاسی فضا میں ایک اہم موڑ تھا۔ کانگریس پارٹی اس مسئلہ پر خود بھی اندرونی کشمکش سے دوچار تھی۔ لہٰذا یہ ذمہ داری بھی یشونت راؤ کے کندھوں پر آن پڑی اور اس مسئلہ کی بازگشت کانگریس کے منعقد کردہ کنونشن میں بھی سنائی دی جب یکم دسمبر ۱۹۵۵ء کو یہ سوال اٹھایا گیا کہ کیا ایک فرد سے وفاداری کا جذبہ تنظیمی مقاصد سے بھی ارفع ہے۔ بہرحال اس متنازعہ فیہ مسئلہ کے حل کے باب میں بھی یشونت راؤ نے نہایت تدبر سے حتمی طور پر اپنی رائے پیش کی۔ صوبہ بمبئی کی تشکیل نو کے سلسلے میں میں بالآخر کانگریس کی انتظامیہ کے فیصلوں کا پابند ہوں۔ اس کے باوجود اگر متحدہ مہاراشٹر اسٹیٹ ــــ اور پنڈت نہرو کے درمیان کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑ جائے تو میں بلا جھجک پنڈت جی کو ترجیح دوں گا۔" لگتا تھا یہ سیاسی بحران کانگریس پارٹی کے لئے لاینحل مسئلہ بن کر رہ جائے گا ــــ اس قسم کے خدشات اجلاس کی مختلف تقاریر سے صاف عیاں تھے۔

مگر یشونت راؤ کی انتظامی صلاحیتوں اور سیاسی سوجھ بوجھ نے اس طوفان کو بھی مزے سے جھیل لیا اور ریاستی کانگریس کسی بڑے بحران کی زد میں آتے آتے رہ گئی۔ دوسرے لفظوں میں



آنجہانی یشونت راؤ چوان، ناگپور میں ایک مجسمہ کی نقاب کشائی کر رہے ہیں۔ تصویر میں آپ کے ساتھ آپ کی اہلیہ آنجہانی وینو تائی چوان اور مہاراشٹر کے سابق وزیراعلیٰ آنجہانی وسنت راؤ نائیک نظر آ رہے ہیں۔

یہ یشونت راؤ کی سیاسی تدبر کا امتحان تھا ورنہ اس واٹر لو سے کامیاب ہونا تقریباً ناممکن تھا۔ نتیجہ میں نہ صرف کانگریس کی تنظیم ایک نئے جوش اور ایک نئے ولولے سے ہمکنار ہوئی بلکہ ان کی بے داغ اور اعلیٰ قیادت نے ان سارے مخالفین کے منہ بند کر دیئے جو اپنی کوششوں سے ایک آزاد ودربھ کی بنیاد ڈالنے کے درپے تھے۔ اس طرح سے اجلاس سے ایک طرف یشونت راؤ کے مداحین کی تعداد میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف کانگریس کو مغربی مہاراشٹر کے علاوہ ودربھ سے بھی وفاداروں کا ایک حلقہ نصیب ہوا۔

ریڈیو پر پنڈت نہرو کا یہ اعلان سنتے ہی کہ بمبئی کی مرکزی انتظامی حیثیت برقرار رہے گی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوسرے ہی دن ۱۷ جنوری ۱۹۵۶ء کو ودربھ کی الگ ریاست کا مطالبہ واپس لے لیا۔ ساتھ ہی ہم نے مہاراشٹر کے کانگریسی سیاست دانوں کو اس کا بھی یقین دلایا کہ ہم اس مسئلے میں یشونت راؤ کی ہی تقلید کریں گے۔ چاہے وہ پارٹی میں اقلیت ہی میں کیوں نہ ہوں اور اس فیصلے پر پہنچنے کی بنیادی وجہ، ہم کانگریسیوں کی' چاہے ہم مہاراشٹر کے ہوں یا ودربھ کے صرف یہی تھی کہ ہم دل سے وطن پرست تھے، ہندوستانی تھے۔ لگتا تھا یشونت راؤ آ ئہ ایک نظر دیکھا اور فتح یاب ہوئے۔

مجھے اعتراف ہے کہ ان کی واضح پالیسیوں اور غیر مبہم فیصلوں نے ہمیں ہر دم مسرور رکھا۔ انہوں نے کابینہ تک میں اپنے فیصلے دوسروں پر نہیں لادے بلکہ ہر دم ٹیم اسپرٹ سے ساتھ کام کرتے رہے۔ چونکہ ان کا ذہن تعصبات سے پاک تھا۔ اس نے وسعت نظری اور عالی ظرفی کے ... کابینہ ہمیشہ دوستانہ ماحول میں کام کرتی رہی۔

یشونت راؤ کے کام کرنے کا طریقہ سب سے مختلف تھا۔ جب تک وہ ایک مسئلہ کو حل نہیں کر دیتے دوسرے مسئلے پر بحث کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ مسائل کے سامنے ہتھیار ڈالنا تو انہوں نے سیکھا ہی نہیں تھا اور دوسروں کی آرا کو صبر و سکون سے پوری طرح سن لینے کے بعد ہی اپنی جانب سے کوئی فیصلہ صادر فرماتے۔ انہیں اس وقت شدید تکلیف ہوتی جب کانگریسی کارکنان غیر اہم علاقائی مسائل یا ذاتی رنجشوں کے حل کے لئے ان سے رجوع کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ اس قسم کے مسائل کو آپسی صلح صفائی اور باہم گفت و شنید کے ذریعے ہی حل کر دینا چاہیے۔

انہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ ایک مضبوط مہاراشٹر کی تعمیر میں لگا دیا۔ ان کے بے داغ کردار اور پابند زندگی بالواسطہ کانگریس پارٹی کے لئے قوت بخش ثابت ہوئی۔ کانگریس پر ان کے پختہ ایمان کی اس سے بہتر اور کیا مثال دی جا سکتی ہے کہ جب ان کے اپنے بھائی کانگریسی امیدوار کے خلاف کراڈ میونسپل الیکشن میں کود پڑے تو انہوں نے خود اپنے حقیقی بھائی کے خلاف الیکشن مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

مجھے آج بھی پورا یقین ہے کہ اگر یشونت راؤ کی قیادت نے مہاراشٹر کو ترقی اور کامیابی سے ہمکنار کیا ہے تو صرف اس لئے کہ انہیں اپنے مشن میں شیواجی مہاراج، مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو کی دعائیں حاصل تھیں۔

◆

قارئین سے ضروری گذارش

"قومی راج" کے بارے میں ہمیں آپ کی گراں قدر رائے کا انتظار ہے۔ اس سلسلے میں ایک "سوالنامہ" اس شمارے کے ساتھ منسلک ہے۔ ازراہ کرم اسی سوالنامے پر اپنا جواب، اپنی رائے اور مفید مشورے تحریر فرما کر سپرد ڈاک کر دیں۔ آپ کو ڈاک ٹکٹ چسپاں کرنے کی ضرورت نہیں ہے — ڈاک خرچ ادارہ ادا کرے گا۔

(ایڈیٹر)

ایس۔ ایم۔ جوشی

مشہور سوشلسٹ اور عوامی لیڈر شری ایس۔ ایم جوشی نے اپنے ایک انٹرویو میں شری جی۔ بی۔ گوجر سے کہا تھا کہ " ملک کو ابھی مزید کئی سالوں تک یشونت راؤ چوان جیسے جمہوریت پسند لیڈر کی ضرورت تھی۔ وہ ہمارے نوجوان وزیرِ اعظم شری راجیو گاندھی کو صاف ستھری حکومت بنانے میں بے حد مددگار ثابت ہوتے۔ "



یشونت راؤ چوان جمہوری اشتراکیت کے سچے پیروکار

وہ ۷ر فروری کی ایک انتہائی خوشگوار صبح تھی۔ میں مہاراشٹر کے مشہور سوشلسٹ لیڈر ایس۔ ایم جوشی سے پہلے سے طے شدہ وقت کے مطابق ملنے کیلئے پہنچا، باوجود اپنی طبیعت کی ناسازی کے موصوف نے مجھے اپنا قیمتی وقت دیا تھا اور میں بے چین تھا کہ یشونت راؤ چوان سے متعلق ان کے خیالات جان سکوں تاکہ قومی راج کے خصوصی شمارے میں اسے شریکِ اشاعت کیا جا سکے۔ میں ٹھیک ۹ بجے ان کے گھر آنندی اپارٹمنٹ پہنچ گیا، ہمیشہ کی طرح اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے میرا استقبال کیا۔ انہیں یہ بخوبی یاد تھا کہ آخری مرتبہ میں نے ان سے " سلنے گروجی اور ان کے مشن " کے بارے میں انٹرویو لیا تھا۔ ہم نے بات چیت کا آغاز سیاست کی موجودہ صورتِ حال سے کیا اور پھر رخ یشونت راؤ چوان کی طرف ہوا۔ انہوں نے کہا۔" یشونت راؤ چوان ایک جمہوریت پسند لیڈر تھے۔ حزبِ مخالف کے لیڈران سے ان کے تعلقات ہمیشہ ہی خوشگوار رہے خواہ وہ مہاراشٹر کے چیف منسٹر کی حیثیت سے ہوں یا بحیثیت ممبر پارلیمان یا مرکزی وزیر۔

" سمیکت مہاراشٹر تحریک " کے دوران، میں شری یشونت راؤ جی سے قریب آیا۔ میں سوشلسٹ پارٹی کا لیڈر تھا اور وہ یوتھ موومنٹ کے۔ ان کا تعلق کراڈ سے تھا اور وہ مجھ سے عمر میں دس سال چھوٹے تھے۔ اس لئے ہم لوگ زیادہ۔

بے تکلف نہیں ہو سکے، لیکن "سمیکت مہاراشٹر تحریک" کے دوران "سمیکت مہاراشٹر سمیتی" کے جنرل سکریٹری اور اسمبلی کے پہلے سال میں اپوزیشن لیڈر ہونے کے بعد ہمارے تعلقات مستحکم ہوتے چلے گئے باوجود اس کے کہ میں اپوزیشن لیڈر رہا، ہمارے تعلقات کبھی خراب نہیں ہوئے بلکہ ہم اور زیادہ بے تکلف ہو گئے۔ وہ اسمبلی میں حزب مخالف کے اراکین کو بھی بڑے غور سے سنتے۔ انہیں سمجھنے کی کوشش کرتے اور نہایت صبر و سکون سے ایک ایک بات کا جواب دیتے۔ مختلف باتوں پر تبادلۂ خیال کرتے اور اسی سبب ہم میں باہمی اعتماد زور پکڑتا گیا۔ ہم ایک دوسرے پر بھروسہ کرنے لگے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ "سمیکت مہاراشٹر کا کلش" یشونت راؤ چوان نے ہی دلایا۔ یہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ لیجسلیٹو کونسل میں اپنی تقریر میں یشونت راؤ نے کہا تھا کہ "ہم نے اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے، اسے پانے کے لئے مفاہمت کا راستہ اختیار کیا اور ہم اس میں کامیاب رہے جبکہ سمیتی یا پریشد اس مسئلہ میں ناکام ہو چکی ہے اور اس کامیابی کا سہرا میں صرف اپنی کاوشوں سے سر باندھنا نہیں چاہتا بلکہ اس کامیابی کے ذمہ دار مہاراشٹر کے سارے عوام ہیں حالانکہ یشونت جی کا یہ بیان صحیح نہیں تھا کیونکہ پنڈت نہرو نے مصالحانہ گفتگو کے لئے سمیتی کے لوگوں کو کبھی نہیں بلایا، گو کہ حقیقی معنوں میں میں سمجھتا ہوں کہ پنڈت نہرو جی بہت ہی جمہوریت پسند انسان تھے اور انہیں سمجھوتے کے لئے سمیتی کے لوگوں کو مدعو کرنا چاہئیے تھا۔

اچاریہ اترے نے اسمبلی میں یشونت راؤ چوان کے اس بیان پر سخت تنقید کی جو کہ اخباروں میں شائع ہوئی تھی۔ یشونت راؤ نے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اپنی تقریر کا وہ حصہ بتایا جس میں انہوں نے سمیکت مہاراشٹر کا سہرا عوام کے سر باندھا تھا نہ کہ سمیتی کے سر۔

یشونت راؤ چوان کے اشتراکی تصور سے متعلق بتاتے ہوئے شری ایس۔ ایم جوشی نے کہا کہ "مساوات، سوشلزم کا بنیادی اصول ہے۔ بشمول جملہ خصوصیات خواہ وہ سماجی ہوں، اقتصادی ہوں یا تعلیمی ہوں۔ لیکن ہم نے زیادہ اہمیت سماجی مساوات کو دی ہے کیونکہ ہمارے سماج میں ذات پات کا بھید بھاؤ بہت بڑھ گیا ہے ..."

شری یشونت راؤ چوان نے غیر برہمن پارٹی میں نہ کبھی حصہ لیا اور نہ ہی اس کی قومی تحریک میں شامل ہوئے لیکن بہوجن سماج کی بڑے پیمانے پر ترقی کے لئے سدا کوشاں رہے اور وہ بہوجن سماج سے نا انصافی کے خاتمے کے لئے مسلسل لڑتے رہے اور انہوں نے اس سماج کے عوام کے



آنجہانی یشونت راؤ چوان مہاراشٹر کے ضلع ادھیکاریوں، ضلع پریشدوں کے صدر اور ایگزیکیٹو افسران کو ہدایات دے رہے ہیں

استحصال کو رکوایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک سوشلسٹ لیڈر تھے۔ انہیں اس بات کا احساس ہوگیا تھا کہ عوام کے استحصال کا خاتمہ کر کے ہی ان کے اقتصادی مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے شکر کو آپریٹیو سوسائیٹوں، کو آپریٹیو بنک اور دیگر کو آپریٹیو فیکٹریوں کی حوصلہ افزائی کی۔ انہوں نے ضلع پریشد کے ذریعے بنک اور فیکٹریوں میں ایک نئی اور مثبت لیڈرشپ کی تعمیر میں ایک اہم قدم اٹھایا۔ ان کا خیال تھا کہ عام آدمی کو خواہ وہ کسی بھی مذہب یا ذات پات سے تعلق رکھتا ہو سماج میں باعزت طور پر جینے کا حق ہے اور اسے وہ حق اور انصاف ملنا چاہیئے۔

شری یشونت راؤ چوان جمہوری اقدار پسند تھے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ شری والچند کوٹھاری کے اخبار "پربھات" میں سمیکت مہاراشٹر تحریک سے متعلق ایک قابلِ اعتراض مضمون شائع ہوا تھا یہ مضمون مہاراشٹر لیجسلیٹو اسمبلی کے خلاف مراعات شکنی سے متعلق تھا اور یشونت راؤ چوان کی ایما پر مراعات کمیٹی کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس مضمون نے مہاراشٹر لیجسلیٹو اسمبلی کی ایک روایت کو توڑا تھا۔ یشونت راؤ نے اس خصوص میں میری رائے جاننا چاہی، میں نے انہیں مشورہ دیا کہ گو کہ یہ مراعات شکنی کا معاملہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قانون شکنی کی گئی ہے تاہم میری یہ رائے ہے کہ انہیں کم سے کم سزا دے کر یہ معاملہ ختم کر دیا جائے اور میری یہ رائے یشونت راؤ جی نے مان لی۔ ان تمام باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یشونت راؤ چوان اسی بات پر یقین رکھتے تھے کہ حزبِ مخالف کا اعتماد حاصل کر کے ہی جمہوریت کو زندہ رکھا جاسکتا ہے۔ ایس۔ ایم۔ جوشی نے ایک مثال کے ذریعے مزید اس بات کا اظہار کیا یشونت راؤ چوان یہ محسوس کرتے تھے اور یہ ان کی عین خواہش تھی کہ نچلے طبقے کی انجمنیں اور کمزور طبقات زیادہ باثر بنیں۔ سمیکت تحریک کے دوران ہم لوگوں نے آئی این ٹی یو سی [INTUC] یونین کے مقابل کپڑا ملوں کے ورکرز کی ایک یونین بنائی تھی۔ تقریباً ایک سے ڈیڑھ لاکھ مزدور اس یونین سے منسلک تھے۔ جب یشونت راؤ جی کو اس کا پتہ چلا تو وہ شخصی طور پر مجھ سے ملنے آئے اور مجھے مبارکباد دی۔ ان کا یہ رویہ، ان کی حوصلہ افزائی، ان کے حسنِ سلوک کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ موصوف ایک نہایت ہی مہذب انسان تھے۔ گو کہ اچاریہ اترے نے ان کی شخصیت پر بہت تنقیدیں کی ہیں لیکن جواباً شری یشونت راؤ چوان نے ہمیشہ ہی اچاریہ اترے کی ادبی خدمات کا اعتراف کیا اور اسے سراہا ہے۔ یشونت راؤ چوان اور میرے تعلقات بہت ہی خانگی رہے ہیں۔ وہ ہمیشہ ہی میرے خاندان کے افراد کی خبر گیری کرتے۔ ہر ملاقات پر وہ بغیر بھولے مجھ سے میری اہلیہ تارا بائی سے متعلق پوچھتے ان کی خیریت دریافت کرتے۔ آخر آخر میں تو ہمارے تعلقات ان حدوں تک پہنچ گئے تھے جب ایک کی کمی سے دوسرا بے چین ہو اٹھتا تھا۔

شریمتی اندرا گاندھی کے بہیمانہ قتل کے بعد شری یشونت راؤ چوان کی موت بلاشبہ مہاراشٹر کے لئے نہ صرف تباہ کن بلکہ سارے ہندوستان کی جمہوریت کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ شری ایس۔ ایم۔ جوشی نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کو یشونت راؤ چوان جیسے عظیم لیڈر کی آج بھی سخت ضرورت ہے جو جمہوری اقدار پر یقین رکھتا ہو اور سختی سے اس پر عمل پیرا بھی ہو۔

جیسا کہ ہمارے نوجوان وزیرِ اعظم شری راجیو گاندھی نے نئے ہندوستان کی ایک تاریخ مرتب کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے ایسے آزمائشی دور میں شری یشونت راؤ چوان جیسی تجربہ کار جہاں شناس شخصیت کی بے حد ضرورت تھی۔ راجیو جی نے ہندوستان کے عوام کو ایک صاف ستھری اور صحت مند حکومت دینے کا یقین دلایا ہے۔ اس ضمن میں یشونت راؤ چوان ایک جمہوریت پسند کردار حزبِ مخالف کے لئے بہت ہی اہم رول ادا کر سکتا تھا۔

ایس۔ ایم۔ جوشی سے یشونت راؤ چوان سے متعلق ان کے زریں خیالات جان کر مجھے بے حد خوشی ہوئی اور میں نے ان کی بہتر صحت کے لئے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کر کے ان سے رخصت لی۔

انٹرویو : جے۔ جے۔ گوجر
ترجمہ : اقبال نیازی

..بھکتہ وتسل رائے
پوسٹ آفس لین
حیدرآباد ۵۰۰۰۴۴



وائی بی چوان

ھندوستان ایک عظیم دیش ھے۔ اس دیش کی آزادی کے لئے کئی
مور ھستیوں نے قربانیاں دی ھیں، خدمات انجام دیئے ھیں،
رنامے کر دکھلائے ھیں۔ زبانیں الگ الگ ھیں لیکن جد وجہد آزادی
ے ھر خطے کے لوگ، نیتا پیش پیش رھے ھیں۔ پنجاب، بنگال کے ساتھ
تھ مہاراشٹر کا بھی اپنا رول رھا ھے۔ گوکھلے، تلک کے درخشاں کارنامے
یخ کے ابواب ھیں۔ مشعل راہ ھیں۔ آنے والی نسلوں کے لئے اس
ے مہاراشٹر کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں یشونت راؤ بلونت راؤ چوان
نم ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۱۳ء کو ھوا۔ ایک کسان خاندان سے تعلق رکھتے تھے
کے والد سیدھے سادے آدمی تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم کراڈ میں
ئے۔ مضمون نگاری، تصاویر کے مقابلوں میں بے حد دلچسپی لیتے
ے —

چوان بچپن ہی سے نہایت ہی خود دار و اقع ہوئے
ر استاد نے جماعت میں پوچھا کہ آپ لوگ کیا
؟ شیواجی یا تلک — چوان نے فوراً جواب
نت راؤ چوان ہی بننا چاہتا ہوں" بعد میں
کرنے کے لئے کوہاپور گئے۔ مارکسزم سے بھی
تھے۔ مہاتما گاندھی کی تحریک عدم تعاون سے
ہ ۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں کانگریس پروگرام میں شریک
میں پارلیمانی سکریٹری بھی تھے بمبئی اسمبلی
ئے۔ اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے
اہ سے پیدل ہی جایا کرتے تھے۔ گھر پر
ں کے لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ہر ایک کی خاطر

تواضع کرتے تھے۔ نہایت ہی شفقت سے پیش آتے
تھے۔ ان کی اولاد تو تھی نہیں لیکن بھائی کے بچے اور
ہمسایوں کے بچے ان کے گھر میں کھیل کود میں حصہ لیتے
تھے۔ ان میں، ان کی اہلیہ میں پریم بھاونا ایک بحیرہ کی
طرح تھا۔ بمبئی ریاست کی تقسیم کے بعد یکم مئی ۱۹۶۰ء سے
دو سال تک مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ رہے۔ ایک کارکن
کی حیثیت سے ایک وزیر کی حیثیت سے فلاح و بہبود
کے کاموں میں حصہ لئے

ہندوستان پر ۱۹۶۲ء میں چین کا جارحانہ حملہ ہوا —
کرشنا مینن وزیر دفاع تھے۔ پنڈت نہرو نے وائی۔ بی۔ چوان
کو دہلی آنے کے لئے کہا اور دفاعی وزارت کا عہدہ ان کے ذمے
قومی راج

کر دیا۔ اس وقت کہا گیا کہ ہمالیہ کی رکھشا کے لئے سہیادری کو بلایا گیا ہے۔ مرکزی سرکار میں وزیرِ دفاع کے علاوہ وزیرِ داخلہ کے طور پر بھی کام کئے۔ فینا[illegible]ے وزیر بھی تھے۔ مجاہدِ آزادی کے علاوہ ایک اچھے ایڈمنسٹریٹر تھے۔ ایک مدبر انسان تھے ان کے چہرے پر تھکان کوئی محسوس نہیں کر پاتا تھا۔ ۱۹۷۷ء میں لوک سبھا کے انتخابات ہوئے۔ اپوزیشن کے لیڈر بھی رہے۔ کانگریس (یو) میں تھوڑی مدت تک رہے ــ اور ۱۹۸۱ء میں پھر سے کانگریس (آئی) میں واپس آ گئے۔ ایک طرح سے گھر کی طرف لوٹ جانا ہی تھا۔ آٹھویں فینانس کمیشن کے صدر رہے۔ مزاح کا جذبہ اُن میں بھرپور تھا لہٰذا تھکن ان سے دور ہی رہتی تھی۔ وہ ترقی کے کاموں میں دل چسپی لینے کے علاوہ ہندوستان کی تہذیب میں بے انتہا عقیدت کا اظہار بھی کرتے تھے۔ مہاراشٹر کے سیاسی و سماجی کارکن تو بلا جھجک کے کہہ دیتے تھے کہ "وہ ایک شیواجی واقع ہوئے ہیں دورِ حاضرہ کے"

ایکتھر سال کے ہو گئے شری وائی۔ بی چوان' سرگرم کارکن کی حیثیت سے دیش کی خدمت کرتے رہے۔ ان کو ذیابطیس کی شکایت تھی۔ گردے کا عارضہ بھی تھا۔ خون میں بھی جرثومہ کا حملہ ہوا تھا۔ ان تمام نے ان کی زندگی کی آخری گھڑیوں کی تمہید کی۔ ناگہانی موت کے پنجوں سے کون بچ سکتا ہے۔ ۲۵ نومبر ۱۹۸۴ء شام کے سات بجکر ۴۵ منٹ کو آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنس میں شری وائی۔ بی چوان کی صحت بگڑ گئی اور روح پرواز کر گئی۔ بمبئی سے ماہرینِ علاج کے لئے بلواتے گئے۔ موت نے زندگی پر قابو پالیا تھا اور شری وائی۔ بی چوان ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ ۲۶ نومبر ۱۹۸۴ء کی شام کو "پریتی سنگم" کے پاس ان کے آخری رسومات سرکاری اعزازات کے ساتھ انجام دی گئی۔ ارتھی کے جلوس میں بمبئی میں دو لاکھ لوگوں نے حصہ لیا۔ دو کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے لئے اس جلوس کو دو گھنٹے درکار ہوتے۔ سوگواروں کا ہجوم بھجن گاتے ہوئے آگے بڑھتا گیا۔

کانگریس (آئی) کے منشور کی تیاری میں حصّہ لئے۔
۱۹۶۵ء معاہدہ تاشقند کے وقت بات چیت کے دوران بھی لال بہادر شاستری و جنرل ایوب کے درمیان رہے۔ آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی نے ان کی مدبرانہ صلاحیتوں کا جائزہ لے کر انہیں وزیرِ داخلہ بنایا تھا۔

ان کی سیاسی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کے لئے ستارا سے ٹکٹ بھی دیا گیا تھا عام انتخابات پارلیمان کے لئے۔ کسے معلوم تھا کہ موت ہم سے انہیں کھینچ لے گی۔

وہ ایک کرم یوگی تھے۔ وہ ایک مینارِ نور تھے ــ وہ ایک میرِ کارواں تھے۔ وہ ایک بے لوث خدمت گار تھے ایک منظم انسان تھے۔ ایک صاحبِ رائے تھے۔ ملنسار تھے خلوص کے سربراہ تھے۔ سادگی، صداقت کے رہنما تھے۔

آئے دن عوام ان کے کارناموں کا مطالعہ کریں ــ جائزہ لیں۔ تجزیہ کریں۔ یہی خراجِ عقیدت ہو سکتا ہے ان کے لئے۔

گو وہ ہم سے جدا ہو گئے لیکن ان کے کارنامے ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ دیش میں جو ہم انتشارات دیکھ رہے ہیں ان کو کم کرنے میں ــ مٹانے میں اور قومی یک جہتی میں اضافہ کرنے کے لئے ان کی خدمات کا جائزہ لینا اور عمل آور ہونا وقت کی پکار ہے۔

قارئین سے گذارش ہے کہ

- دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت ' حوالہ نمبر' ضرور تحریر فرمائیں۔ جو آپ کے خط یا رسالہ کے ریپر کے اوپری حصّہ پر درج ہوتا ہے،
- جواب طلب امور کے لئے جوابی خط / لفافہ یا ڈاک ٹکٹ روانہ فرمانے کی زحمت نہ فرمائیں۔ ادارہ کی طرف سے ہر خط کا جواب روانہ کیا جاتا ہے۔
- منی آرڈر کوپن پر (منی آرڈر فارم کے نچلے حصّہ میں)، ہمیشہ اپنا پورا نام اور پتہ، پن کوڈ نمبر کے ساتھ صاف صاف اردو، مراٹھی، ہندی یا انگریزی میں ضرور تحریر فرمائیں۔ صرف دستخط سے نام اور پتہ کا علم نہیں ہوتا۔

(ادارہ)

تمنا راشد

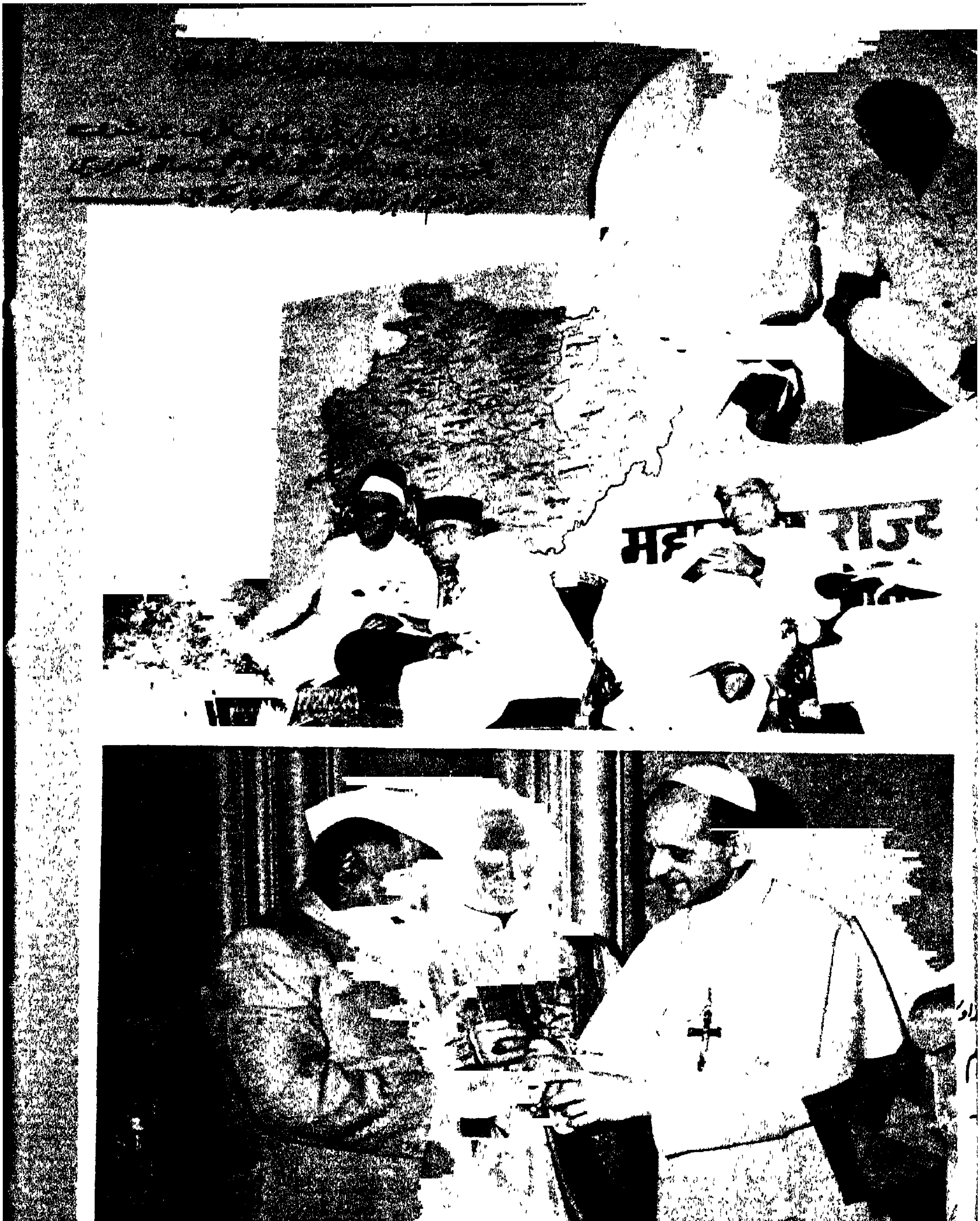


[illegible]



[illegible]







[illegible]



[illegible] نت راؤ اور ان کی اہلیہ مسز تارا [illegible]
[illegible] کے ساتھ



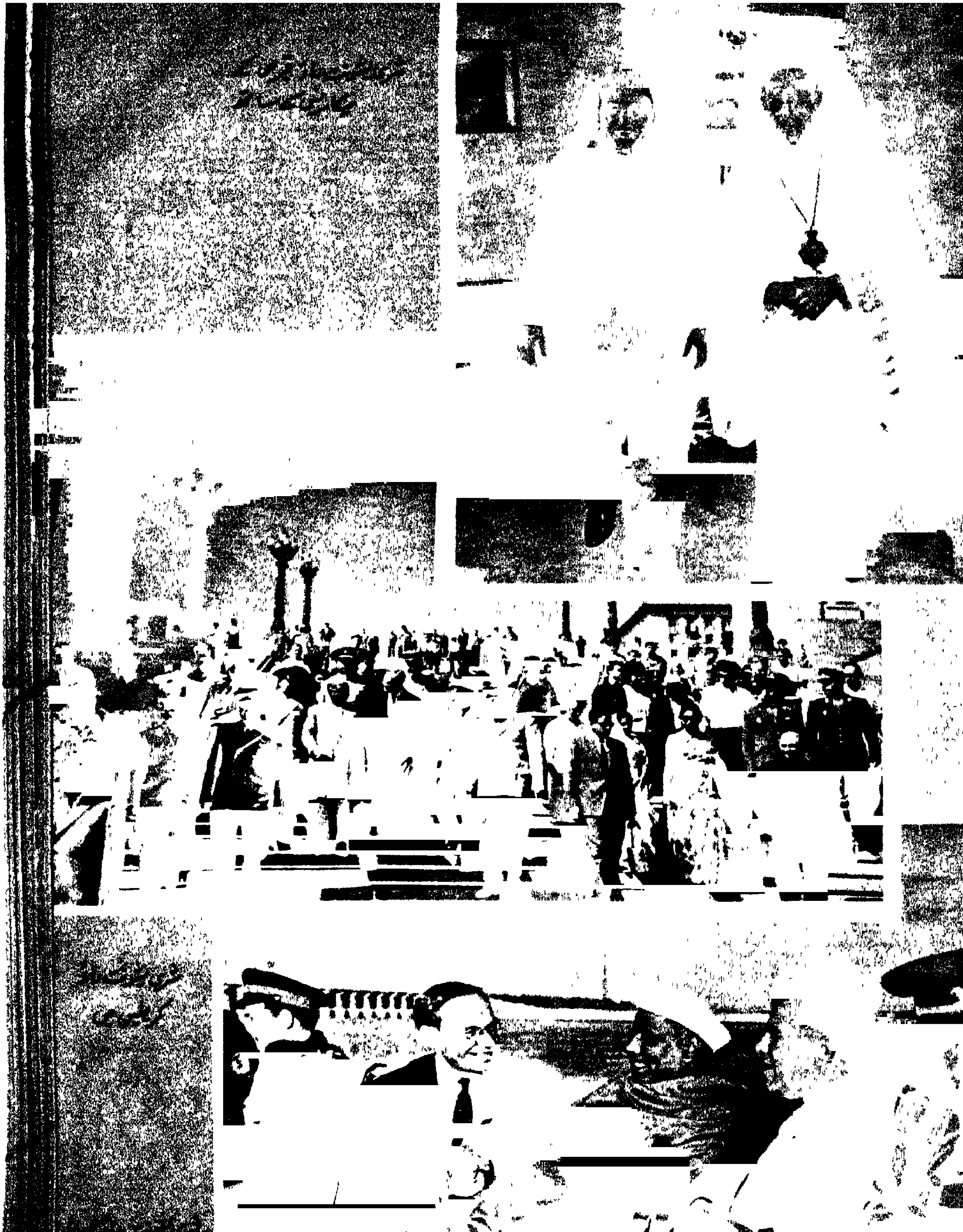
[illegible]












NOW
THE GOVERNOR
INDIA





یشونت راؤ

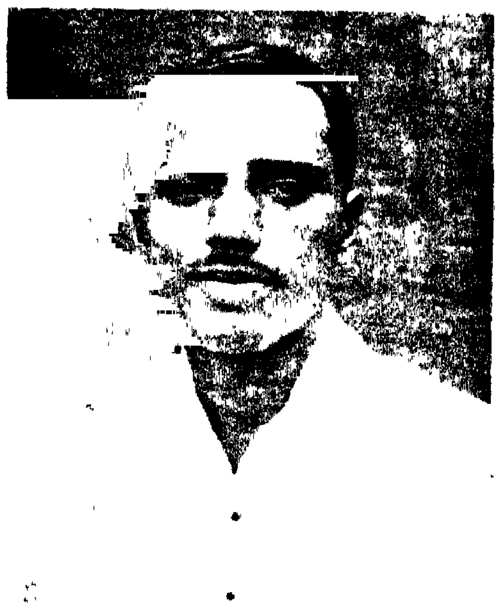






[اوپر] اسکول کے
دنوں میں

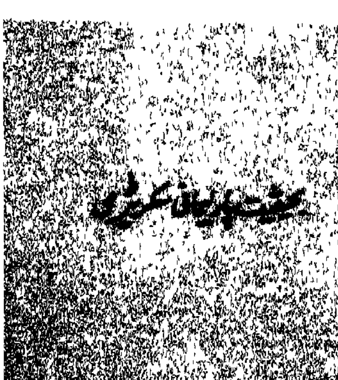
کالج کے دنوں میں



[درمیان میں]
"میں یشونت راؤ بنوں گا"

یشونت راؤ — ایک
نوجوان وکیل





[illegible]

یشونت راؤ کے والدین



بلونت راؤ

وٹھابائی





رشتے داروں کے ساتھ

یشونت راؤ اپنی اہلیہ وینو تائی اور وینو تائی کے بھائی باباصاحب مورے کے ساتھ

یشونت راؤ کے بھائی



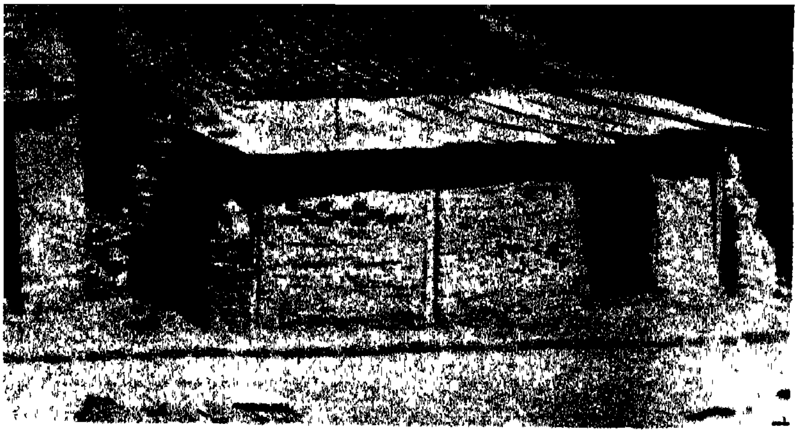
مراٹھی کے معروف ادیب شری
رنجیت دیسائی کی تصنیف "شریمان یوگی"
آنجہانی یشونت راؤ چوان نے کیا۔
اور آنجہانی یشونت راؤ چوان۔



یشونت راؤ شاہ ایپ
کے ساتھ

یشونت راؤ معروف
ونت راؤ بینانی کے

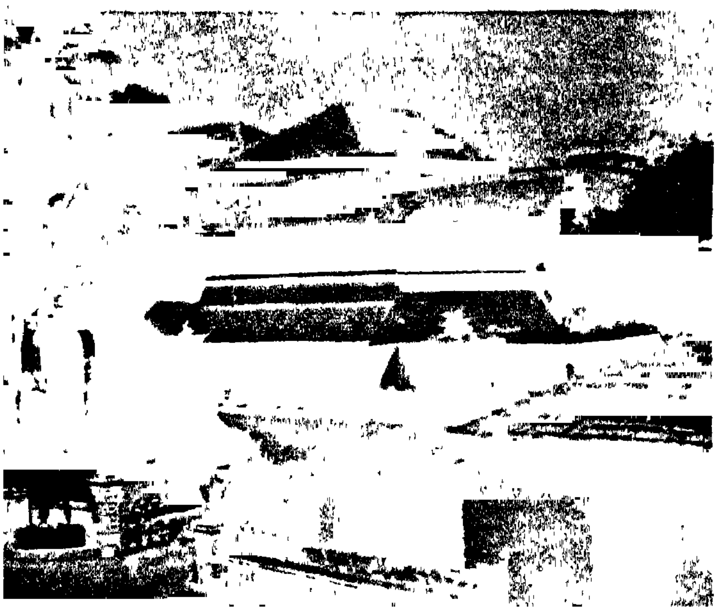
یشونت راؤ کی رہائش گاہیں



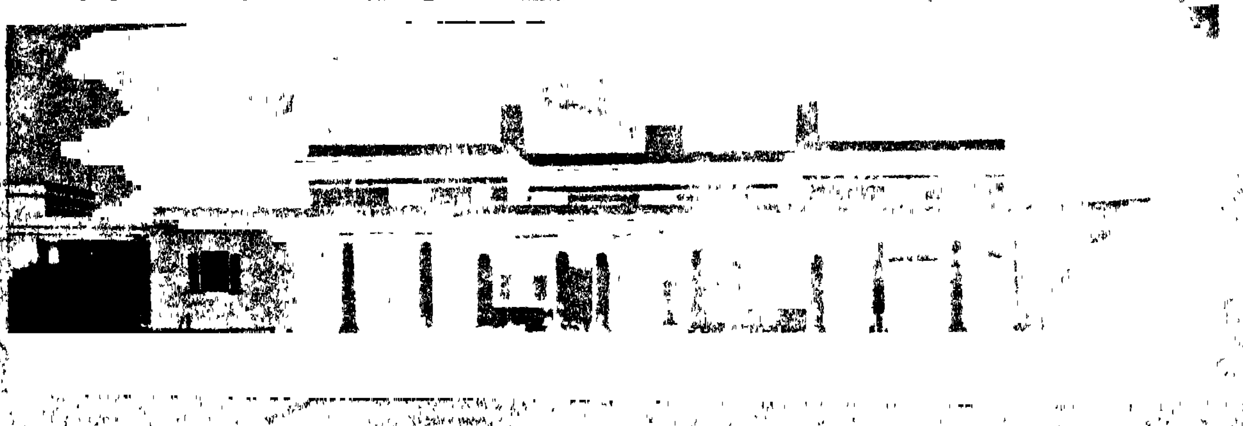
مہاراشٹر میں وہ مقام جہاں یشونت راؤ کی پیدائش ہوئی تھی۔

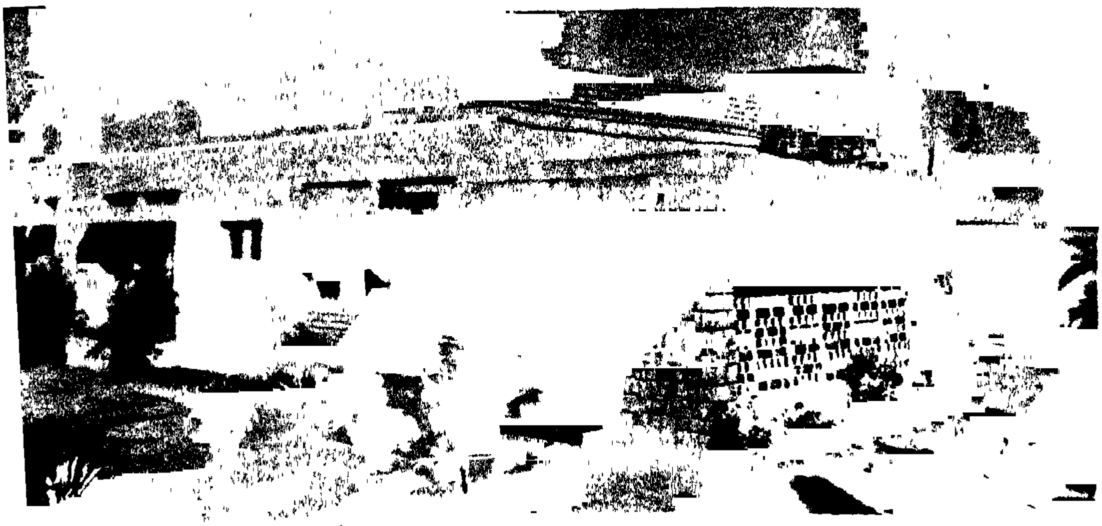


بحیثیت مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ بمبئی میں یشونت راؤ کی سرکاری رہائش گاہ سہیادری ـــــ



کراڈ میں یشونت راؤ کا پرانا مکان







مہاراشٹر کا اسکول

کراڈ کا تلک ہائی اسکول جہاں
یشونت راؤ نے تعلیم حاصل کی۔



ڈی۔ڈی۔ساٹھے
سابق چیف سکریٹری۔ریاست مہاراشٹر



فیصلہ کن معاملات میں شری یشونت راؤجی کا اہم کِردار

یہ میری خوش نصیبی تھی کہ مجھے شری یشونت راؤجی جیسے عالی دماغ۔ دوست رہنما، فلاسفر اور سرگرم عمل شخص سے واسطہ پڑا اور یہ تعلق ۳۶ سال تک قائم رہا۔ مجھے مدراس سے بمبئی لانے والے شری بالا صاحب کھیر تھے جو اس وقت یہاں کے وزیر اعلیٰ تھے۔ مدراس میں ایک ہی سال کے اندر میں نے پورے شہر کے ٹرانسپورٹ کو قومیا لینے کا کام انجام دیا تھا۔ ریاستی ٹرانسپورٹ آفس اور موٹر ٹرانسپورٹ کنٹرولر کی حیثیت سے میں ریجنل ٹرانسپورٹ آفس کا انچارج تھا اور ساتھ ہی کنٹرولر آف پٹرول، اسپیر پارٹس کی تقسیم وغیرہ کا بھی، جن کی اس وقت راشن بندی تھی۔ علاوہ ازیں میں پاسنجر روڈ ٹرانسپورٹ کے قومیانے کا اور بی۔ای۔ایس۔ٹی کو حکومتی تحویل میں لانے کا پلان بنا رہا تھا۔ اس اسکیم پر عمل درآمد کی ابتداء یکم جون ۱۹۴۸ء سے ہوئی تھی اور سب کے سب پاسنجر ٹرانسپورٹ، پوری ریاست میں ۱۹۵۳ء تک قومیایا جا چکا تھا۔

یشونت راؤجی کی تائید

اس اثناء میں، شری یشونت راؤجی وزیر اعلیٰ کے پارلیمنٹری سکریٹری تھے۔ چونکہ مذکورہ اسکیم کے سبب مالکان بس اور ان کے سیاسی سرپرست کی طرف سے کافی تنازع و بحث اور مخالفت کی جا رہی تھی۔ مجھے شری مرارجی دیسائی — اور شری بالا صاحب کھیر سے کئی معاملات میں مشورہ لینا پڑا۔ اسی دوران مجھے اس مسئلہ کو شری یشونت راؤجی کے ساتھ زیر بحث لانے کا اتفاق ہو۔ اس وقت میں ۳۰ برس کا جوان عمر تھا اور ہم دونوں میں سماجی فلاسفی پر ذہنی یگانگت تھی۔ ان کا مشورہ ہمیشہ علمی ہوتا تھا اور انہوں نے قومیانے کے بارے میں میرے طریقۂ عمل کی پوری حمایت کی۔

ایسے اتفاقات بھی پیش آئے جب آپریٹروں نے اکثر بعض ممبران اسمبلی بلکہ وزیروں کی حمایت حاصل کر کے شری بالا صاحب کھیر کی خدمت میں نمائندگی کی کہ بعض خاص حلقوں میں تب تک قومیائے جانے پر عمل درآمد ملتوی رکھا جائے۔ میں ان خاص راستوں (روٹس) کو انتخاب کرنے کی وجوہات پیش کرتا اور شری یشونت راؤ اپنی فطری ظرافت کے انداز میں یہ کہہ کر میری حمایت کرتے کہ اگر ہم نے دوسرے حلقوں کی جیبوں پر بوجھ ڈالا تو ان حلقوں کے متاثر ہونے والے آپریٹر یہاں والوں کی طرح دوسرے سرپرستوں کے ساتھ، ایسی ہی نمائندگی کریں گے اور پھر یہ سلسلہ کہیں ختم نہ ہوگا۔

بہرحال، ان تمام تنازعات اور اس جائداد سے دلچسپی رکھنے والوں سے نپٹتے ہوئے، بمبئی اسٹیٹ ٹرانسپورٹ نے کل کی کل پرانی ریاست بمبئی کو اپنے اختیار میں لے لیا اور دنیا کی عظیم ترین ٹرانسپورٹ آرگنائزیشن کے شانہ بشانہ آگئی۔

کارکنوں کے ساتھ تعلقات رکھنا دوسرا نازک مرحلہ تھا کیونکہ وہ ابتداءً ان ذاتی ٹرانسپورٹ مالکوں کے ستائے ہوئے تھے جو ان کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اس موقع پر بھی یشونت راؤ جی کی مداخلت اکثر میری مددگار رہی۔ پورے چھ سال (۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۴ء) تک ہڑتال تو درکنار کام میں تساہلی بھی پیش نہیں آئی۔ ہم ایک ایسا پانچ سالہ اقرارنامہ کر چکے تھے جو دونوں فریق کے لئے اطمینان بخش تھا۔ شری یشونت راؤ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ (ایس۔ ٹی) کو لوگوں کا یعنی "عوامی ٹرانسپورٹ"، بنا دو۔ پھر "مسافروں کی خدمت گار" کو اس کے ساتھ جوڑ دینے کے بعد اس نعرے سے وہ بہت خوش ہوتے کیونکہ اس کے ذریعے گاؤں دیہات کے لوگوں کو اپنی دنیاوی ضروریات کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں بڑی سہولت حاصل ہوئی۔

ایک آزمودہ کار منتظم

۱۹۵۴ء میں میرا تبادلہ بحیثیت کلکٹر، دھارواڑ، کر دیا گیا ۱۹۵۶ء میں جب بڑی دولسانی ریاست بنائی گئی ــــ تو یشونت راؤ جی وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ انہوں نے مجھے احمد آباد ڈویژن کے ڈویژنل آفیسر اور کمشنر کے عہدے پر سرفراز فرمایا۔ دھارواڑ سے واپس ہوتے ہوئے میں نے ۳۰ نومبر کو بوقت شام یشونت راؤ جی سے ان کے مکان پر ملاقات کی اس وقت مہاگجرات تحریک پورے شباب پر تھی۔ اس کے بارے میں انہوں نے مجھ سے کچھ خلاصہ بیان کیا۔ میں نے یشونت راؤ جی سے پوچھا کہ انہوں نے احمد آباد کے لئے مجھے کیوں منتخب کیا۔ میں نے انہیں یاد دلایا کہ ۱۹۵۴ء میں جب اسٹیٹ ٹرانسپورٹ (ایس۔ ٹی) سے میرا تبادلہ کیا گیا تھا تو بعض لوگوں کو یہ شکایت تھی کہ ایس۔ ٹی میں معاملہ فہمی کی بنا پر بعض امور کی تعمیل میں میرا جھکاؤ مہاراشٹریوں کی طرف زیادہ تھا۔ میرے علاوہ تین یا چار ایسے دوسرے لوگ بھی تھے جو غیر مہاراشٹری تھے۔ پھر نظرِ انتخاب مجھ پر ہی کیوں پڑی۔ یشونت راؤ جی نے، حسبِ عادت، مسکرا کر کہا کہ اس مشکل حلقے کے لئے تمہیں میں نے خاص طور سے چنا تھا اور مجھے یقین دلایا کہ جو اقدامات بھی میری طرف سے کئے جائیں گے، ان کی وہ پوری تائید کریں گے۔ ہم دونوں نے محسوس کیا کہ تب تک ہر مہینے کی آٹھویں تاریخ "شہیدوں کا دن" ہوتا تھا اور لازمی طور پر اس دن "شوٹنگ" اور "قتل" کے واقعات پیش آتے ہی تھے جس سے کہ شہیدوں کی تعداد بڑھتی تھی۔ میں نے کہا کہ میری پالیسی یہ ہوگی کہ "شوٹنگ" سے قطعاً بچوں خواہ ایسی صورت میں مجھے خود خطرے میں پڑنا پڑے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ یہ بات مقامی کانگریس کو پسند نہیں آئے گی جس کا دہلی سے رابطہ ہوگا۔

مجھے یاد ہے کہ جب حالات نے زیادہ شدت اختیار کی تو یشونت راؤ جی میرے ساتھ ایک کار میں آئے تاکہ پروگرام میں فرق نہ پڑنے پائے۔ اگرچہ یہ معلوم تھا کہ ہم پر پتھراؤ ہوگا۔ یہ بات یقیناً پیش آئی لیکن سنگین نہ تھی بوقت شام جب ہم حالات پر تبصرہ کر رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ کچھ خطرے کے بغیر اچھا کا حصول ممکن نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے ان تمام حالات پر مسکرا دیا اور پھر بھی ان کا ذہن بالکل صاف تھا۔ اس سے یہی احساس ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک سیاسی لیڈر تھے بلکہ ایک آزمودہ کار منتظم بھی۔

دودھ پاکٹوں (دودھ والے علاقوں) کی ابتداء

مہاگجرات کی شورش جب سرد پڑ گئی تو میں سکریٹری، ایگریکلچر کو آپریشن اور فوڈ اینڈ سول سپلائیز کی حیثیت سے

بمبئی آگیا۔ سکریٹریٹ میں بہت سی اسکیموں اور ان اقدامات کے سلسلے میں شری یشونت راؤ جی سے میں بہت قریب رہا، جنہیں انہوں نے ودربھ اور مراٹھواڑہ کے نئے حلقوں کو ریاست کے اصل چشمے سے ملانے کے بارے میں نہایت غور و خوض کرنے کے بعد اختیار کیا تھا۔ اس مدت میں دو بہت دور اندیشانہ فیصلے تھے جن کے وہی پوری طرح ذمہ دار تھے۔ پہلا فیصلہ یہ تھا کہ بمبئی اور پونے کے شہری مرکزوں کو دودھ کی فراہمی کے بارے میں پورا نظریہ بدل دیا جانا چاہیئے۔ اس کے لئے آرے ڈیری قائم کی گئی اور بھینسوں کو اچھی نگرانی میں رکھا جانا قرار پایا۔ آنند کے نمونے پر ہم نے اس نظریئے کو بدل کر دودھ کی پیداوار کو شہری حلقوں میں بالکل ختم کرنے کی بجائے حتی الامکان گھٹایا جا سکے جس نے لازمی طور پر بہت سے ماحولیاتی مسائل پیدا کر دیئے، کیونکہ ایسے اقدامات کئے گئے جس کی بدولت دیہی علاقوں میں دودھ کی پیداوار بڑھائی جا سکے اور اس کے لئے بہتر نسل کے مویشیوں کی فراہمی ضروری ٹھہری اور پھر دودھ کی فراہمی کے مراکز قائم کرنے پڑے اور سائنسی طریقے سے بھینسوں میں جراثیم کشی کے لئے ٹیکے کے ذریعے علاج کرنے والے یونٹوں کا قیام عمل میں لانا پڑا اور پھر اس دودھ کو شہری علاقوں کی طرف ٹرانسپورٹ کرنے پر توجہ دینی پڑی۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ پوری ریاست میں دودھ پاکٹ (دودھ والے علاقے) پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں کسانوں کی آمدنی بڑھی اور ان کی حالت میں بہتری آئی اور اب ہم ایسی حالت میں ہیں کہ دودھ اکسپورٹ بھی کر سکتے ہیں۔

شکر کارخانوں کا قیام

یشونت راؤ جی کا دوسرا فیصلہ، جس سے متعلق لوگوں کو کم علم ہے، شکر کے کارخانوں کے قیام سے متعلق تھا۔ حکومتِ ہند نے اپنے اس ارادے کا اعلان کیا کہ وہ مزید لائسنس دینے پر آمادہ ہیں۔ اس وقت ریاست بمبئی میں صرف چند عدد کوآپریٹیو شکر کے کارخانے تھے۔ وزیر اعلیٰ سے گفتگو کرنے کے بعد میں نے ایک نوٹ لکھا کہ ہمیں چاہیئے کہ مرکزی حکومت کو اطلاع دے دیں کہ پرائیویٹ پارٹیوں کو خواہ وہ نئی ہوں یا توسیع کرنا چاہتی ہوں، لائسنس بالکل نہ دیئے جائیں مرکز اس بات کا فیصلہ کرے کہ وہ کتنی تعداد میں لائسنس دینے کے حق میں ہے۔ پھر ریاستی حکومت گنا کی دستیابی کا مطالعہ کرے گی اور چنی ہوئی چند ایسی کوآپریٹیو فیکٹریوں کو لائسنس دے جو "زندہ رہو اور زندہ رہنے دو" کے اصول پر ہوں۔ اس پر ان ذاتی فائدوں پر نظر رکھنے والوں کی طرف سے پرزور مخالفت کا طوفان اٹھا جو اس فیصلے سے متاثر ہوتے تھے اور جو پرائیویٹ سیکٹر میں اچھی طاقت کے مالک تھے اور سیاسی میدان میں بھی۔ یشونت راؤ جی نے اپنی فطری خوش طبعی کے ساتھ اپنے دوستوں کو مطمئن کر دیا کہ یہی وہ بہترین اقدام ہے جس کے ذریعے ہم دیہاتی علاقوں کو ترقی دے سکتے ہیں اور دیہات کے باشندوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ پرانی ریاست بمبئی جس میں گجرات بھی شامل تھا، صرف اکیلی ریاست تھی جو اس نقطۂ نظر کی حامی تھی۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ خود مرکزی حکومت نے بھی اس خیال کو کچھ زیادہ پسند نہیں کیا لیکن یشونت راؤ جی نے اس معاملے پر برابر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اسے منظور کروا کر ہی دم لیا اور اس طرح بہت سے دیہی علاقوں کو خوشحالی سے دوچار کیا۔

ضلع پریشدوں کے اختیارات

۱۹۶۰ء میں جب مہاراشٹر کی الگ سے تشکیل ہوئی تو مجھے ڈیولپمنٹ کمشنر اور سکریٹری، دیہی ترقی اور باہمی تعاون کا عہدہ ۱۹۶۰ء کی ابتدا میں دیا گیا۔ اس سے پہلے بلونت راؤ مہتا کمیٹی کی رپورٹ اور پنچایت راج کا قیام ایسے مضامین تھے جن پر بہت گرم بحثیں جاری تھیں۔ اس وقت وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو پنچایت راج پر بہت زور دیتے تھے۔ ایک ایک کر کے تمام ریاستوں نے بلونت راؤ مہتا رپورٹ کو تسلیم کر لیا اور پنچایت سمیتیوں کا قیام عمل میں آیا۔ مہاراشٹر میں ہم لوگ قدرے سست رفتار تھے۔ اس لئے کہ ہم کچھ انتہا پسندانہ خیالات رکھتے تھے۔ نائیک کمیٹی برائے عدم مرکزیت جمہوریت کا تقرر کیا جا چکا تھا جس کا میں ممبر سکریٹری تھا۔ یہاں پھر ایک بار، نہایت دلیرانہ دوررس سیاسی اور انتظامی فیصلے کرنے کی نوبت آ پہنچی اور ان فیصلوں میں سے متعدد بلکہ بعض بہت اہم فیصلے ایسے تھے جو ٹھیک ان کے

خلاف پڑتے تھے جن کا مرکزی حکومت کی طرف سے دوسری ریاستوں میں پرچار کیا جا رہا تھا۔ اصل سوال یہ تھا کہ آیا سیاسی طور پر یہ مقصد خلوص کے ساتھ اور واقعی طور پر ہے بھی یا نہیں کہ سیاسی اور انتظامی اختیارات میں عدم مرکزیت لائی جائے۔ اسے کئی ایک سیاسی لیڈروں نے جو صاحب اختیار تھے اور تقریباً پوری گورنمنٹ مشینری نے ناپسند کیا۔ یہ تھا وہ مرحلہ جہاں یشونت راؤ جی نے آنجہانی شری. وی. پی نائیک اور آنجہانی شری بالا صاحب دیسائی کی مدد سے مجلس وزراء کو آمادہ کیا۔ مجوزہ قانون کو کل کا کل منظور کیا جائے کیونکہ اسے لیجسلیچر نے پورے اتفاق رائے سے منظور کیا تھا اور حیرت اس پر ہے کہ اس ایکٹ میں یہ بات قرار پا چکی تھی کہ ایم۔ پی حضرات ایم ایل اے حضرات اور ایم ایل سی حضرات کے لئے ضلع پریشدوں میں کوئی جگہ نہیں ہوگی کیونکہ بڑے پیمانے کے جمہوری ڈھانچے میں ان کے فرائض دیگر جگہوں کے لئے ہیں۔ پیچھے مڑ کر دیکھئے تو مہاراشٹر اور ساتھ ہی گجرات کے ضلع پریشد بھی جنہوں نے ہماری ہی پالیسی اپنائی تھی معقول طور پر اور کامیابی کے ساتھ کام کر رہی ہیں۔ پنچایت راج جو دوسری ریاستوں میں اس وقت قائم ہوا تھا، مر چکا ہے اور اب یہ کوششیں ہو رہی ہیں کہ انہیں ہمارے خطوط پر زندہ کیا جائے ـــــ یہ یشونت راؤ جی کی دیہاتیوں سے امنگوں، خواہشوں اور ضرورتوں کی گہری نگاہوں کی کارفرمائی ہے جس کی بدولت یہ ممکن ہو سکا کہ مہاراشٹر میں ضلع پریشد قائم ہوئے اور ساتھ ہی انہیں وسیع پیمانے پر پالیسی سازی اور انتظامی اختیارات حاصل ہوتے۔

پہلا دفاعی پلات

ہند چین کے واقعہ کے بعد یشونت راؤ جی کو مرکز میں بلالیا گیا جہاں انہیں وزیر دفاع جیسی ذمہ داری سونپی گئی۔ انہوں نے فوراً ہی سکریٹری کے عہدے سے لے کر نیچے تک کے پورے انتظامی ڈھانچے کی اوور ہالنگ کی۔ اس میں مہاراشٹر سے بعض دوسرے کے ساتھ میں بھی چن لیا گیا تاکہ اس وزارت میں شریک ہو جاؤں۔ دفاعی خدمات کی شباہت بہت المناک تھی، ان کی اخلاقی، نظم وضبط اور اعتماد نفس کی حالت پست تھی اور سامان پرانے متروک الاستعمال قسم کے تھے ـــــ یشونت راؤ جی کے لئے یہ مرحلہ ہرکیولیس کے کارناموں کی طرح نہایت دشوار گزار تھا اور پرانے سامانوں کو نئے اقسام سے بدلنا اور دفاع کے لوازمات کو پوری طرح درست اور زمانے کی رفتار کے موافق کرنا بہت بڑا کام تھا جس کے تحت فوجی بحری اور ہوائی سروسیز کی تمام شاخوں میں تمام سامانوں کی پوری تجدید شامل تھی اور تجدید بھی ایسی جو طویل میعاد تک کار آمد ٹھہرے۔

****



مرکزی وزیر مالیات آنجہانی شری یشونت راؤ چوان مہاراشٹر راجیہ سہکاری سنگھ کی گولڈن جوبلی تقریب کا افتتاح کر رہے ہیں۔



مرکزی وزیر دفاع آنجہانی شری یشونت راؤ چوان نے ۱۹۶۴ء میں ورن گاؤں میں واقع اسلحہ سازی کے کارخانے کا دورہ کیا۔

میں جوائنٹ سکریٹری تھا اور پالیسی اور پلاننگ کا انچارج تھا اور یہ کام انجام دینا میری ہی ذمہ داری تھی۔ ملک کا پہلا دفاعی پلان تیار کیا گیا اور یشونت راؤ جی نے اس کی منظوری وزیراعظم اور کابینہ سے حاصل کرلی۔ اسی پلان پر عملدرآمد کی کرشمہ سازی تھی جس نے بالخصوص ۱۹۷۱ء میں نہ صرف بچاؤ کی صورت پیدا کی بلکہ ہندوستان کے لئے یقینی فتح کا سبب بنا۔

محوری رول

یشونت راؤ جی نے دوررس پالیسیوں کے بنانے اور انتظامی فیصلے کرنے میں محوری رول ادا کیا ہے۔ چنانچہ ان کے دل و دماغ کی یہ بہت بڑی صفت تھی کہ مسئلے کی نوعیت اور حالات کو بخوبی سمجھ لیتے تھے اور اس پر جلد اور واضح فیصلہ کرتے تھے ان سب معاملات میں وہ افسران کے ساتھ اپنے دوستوں کی طرح برتاؤ کرتے تھے اور ہم ان کے ساتھ پیش آمدہ امور کے تمام گوشوں پر بحث کرنے میں پوری طرح آزاد تھے خواہ ان میں سے انہیں اختلاف ہی کیوں نہ ہوتا اور ان کا اختلاف بھی اس درجہ بادلیل اور معقول ہوتا اور اس کو اتنی عمدگی کے ساتھ پیش کیا جاتا کہ ہم ان کی کرشمہ سازی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ افسران ان کے ساتھ دل کی گہرائی سے وفاداری، احترام اور محبت کا دم بھرتے تھے ان کی وفات ہمارے سیاسی افق میں مستقل خلا پیدا کرنے کا باعث ہوئی ہے جس کا درد مہاراشٹر بالخصوص شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔

(ترجمہ۔ عبدالخالق)

قلمی معاونین سے گذارش ہے کہ اپنی تخلیقات کے خاتمے یا پشت پر اپنا مکمل پتہ، پن کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔ مضمون کاغذ کے صرف ایک ہی طرف لکھیں اور قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی تحریر کریں ـــ غیر طلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔

(ادارہ)

بابوراؤ کوتوال



یادیں

میری پرورش میرے ماموں یشونت راؤ جی نے کی جس کی وجہ سے بچپن ہی سے مجھے انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

میں مشکل سے دس برس کا تھا اور اُن دنوں نوجوان کانگریس سیوادل میں شرکت کا متمنی تھا۔ اس وقت ۱۹۳۹-۴۰ء میں کانگریس میں بڑی تعداد میں ممبر بنائے جا رہے تھے ـــــ قومی جذبے سے سرشار ہو کر میں نے اپنے ماموں سے کہا ـــ "میں بھی ممبر بناؤں گا، مجھے بھی ایک بُک دو۔" اس وقت ممبرشپ کی فیس ۴ آنے تھی۔ میں نے اپنے ماموں سے وعدہ کیا کہ میں کم از کم دس ممبر بناؤں گا حالانکہ میں پانچ ممبر بھی بنانے کے لائق نہ تھا۔ آخرکار میں ان کے ہاتھوں میں پانچ ممبروں کے ایک روپیہ چار آنے رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس طرح سے میں نے اپنے ماموں کے ذریعے عوامی خدمت کا پہلا درس حاصل کیا۔

جب میں چوتھی انگریزی جماعت میں تعلیم حاصل کر رہا تھا جو کہ آج آٹھویں جماعت مانی جاتی ہے۔ اس دوران اس بات کا علم ہوا کہ ماموں اے آئی سی سی کی بمبئی میں میٹنگ میں شرکت کرنے والے ہیں جس میں آزادی کی جد و جہد کی تحریک کا پروگرام بنایا جانے والا تھا۔ ہم نے اس تحریک میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ کانگریسی لیڈروں پر کڑی نگرانی کی جا رہی تھی اور برطانوی پولس انہیں گرفتار کر رہی تھی۔ جب ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے ماموں کراڈ آنے والے ہیں ـــــ بابوراؤ کالے، گجانن راؤ پادسکر اور میں، اور دیگر افراد خفیہ طور پر اسٹیشن پہنچ گئے اور میرے ماموں کو بال کرشنا کے مٹھ میں لے آئے۔

شانتارام گروڈ اور جینتی گڑپتے اسکول چھوڑ فیصلہ کیا خبرناموں کی اشاعت اور تقسیم۔ سرکاری کی لوٹ مار اور ٹیلیفون وائر کاٹنے جیسے پروگرام بنائے ہم نے دھیبے واڑی سے کراڈ جانے والی ڈاک لوٹنے کر لیا۔ دھیبے واڑی روڈ کے قریب ایک پانی کی ٹانکی قریب ہم چھپ کر بیٹھ گئے۔ ہم نے وہ تھیلے لے لئے ڈاک تھی ـــ اور آگاشی ننگر پہاڑی پر چڑھ گئے منی آرڈر کے ۱۴۵ روپے ملے ہم وہ رقم لے کر جیکسو چلے آئے۔ اِس دوران پولس کو اطلاع دی گئی۔ کراڈ گور سے گاؤں اور ہمٹو ہوتے ہوئے ہم لوٹ آئے۔ وہ رقم ماموں کے حوالے کی۔ انہوں نے ہم سے شرکار کی دریافت کی۔

دوسرے پروگرام طے کرنے کے لئے کلیری سے کے ڈی۔ پاٹل کے گھر میں میٹنگ تھی۔ واپسی کے وقت کے ڈی پاٹل نے ماموں کو ایک سائیکل دی میرے ذمے تھا کہ انگریزی میں لکھا ہوا ایک خط لے کر سائیکل ہو کر دوبارہ کے ڈی کے یہاں آؤں۔ راستے میں وہ خط پڑھا۔ اس کا ایک جملہ مجھے اب بھی یاد ہے جو اس طرح تھا ـــ "ایک کتے نے بھی ہم پر نہیں بھونکا"۔ مطلب تھا کہ وہ بخیر و عافیت پہنچ گئے۔

قومی راج



شری یشونت ... اپنے
بھانجے شری بابوراؤ گوتوال کے ہمراہ

کراڈ میں بہت بڑا مورچہ نکالنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ایک اہم خط مجھے بالاصاحب اندلکر تک پہنچانا تھا۔ بُٹیرے اندوی ور دوسرے مقامات سے لوگوں نے مورچے میں شرکت کی لاصاحب اندلکر گرفتار کر لئے گئے۔ میں نے یہ اطلاع اپنے وں تک پہنچا دی۔ وہ اوگلے واڑی میں وینکٹ راؤ اوگلے کے ہاں رہتے تھے۔ پرمیسوی پہنچا تھا۔ کچھ دیر ہم بیل گاڑی پر وار رہے۔ بعد میں پیدل چل پڑے۔ مجھ سے چلا نہیں جا رہا ھا۔ مجھے ماموں نے اپنے کندھے پر بٹھا لیا۔

مورچے پر فائرنگ کی گئی تھی، کئی لوگ شہید ہو چکے تھے۔ مجھے ایڈوکیٹ کے پاس بھیجا گیا تاکہ میں انہیں تفصیل سے آگاہ روں۔ غروب آفتاب کے وقت میں ایڈوکیٹ اُجت کے یہاں پہنچا۔ میرے پہنچنے سے کچھ لمحہ قبل پولس اُن کے گھر پر چھاپہ مار چکی تھی اور ایڈوکیٹ کو حراست میں لے چکی تھی۔
ایڈوکیٹ کے والد نے جب دیکھا کہ ان کے بیٹے سے ملنے میں آیا ہوں تو وہ بہت خوف زدہ ہوئے۔ مجھے چھپا دیا گیا۔ مجھے صبح ۳ بجے سے قبل رانگنکر دیشپانڈے کے گھر پہنچنا تھا۔ ان کا گھر مقام اُوند میں تھا لہٰذا مجھے زیادہ دیر تک چھپا کر نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ مجھے بھوتوں کا ڈر لگ رہا تھا۔ میں کانپنے لگا۔ مجھے گھنٹی کی آواز سنائی دی جو اس ہاتھی کے گلے میں تھی جو ادھر آ رہا تھا۔ ہاتھی کو ایک ضعیف شخص لے جا رہا تھا۔ اس نے میری خیریت پوچھی۔ پانی پلایا اور اپنے لڑکے کو مجھے راستہ دکھانے کو بھیجا ــــ میں دیشپانڈے کے گھر پہنچا تو مجھے یہ افسوسناک خبر ملی کہ فائرنگ میں اس کے دونوں بیٹے زخمی ہو گئے ہیں۔ میں بری طرح تھک چکا تھا۔ میں دو قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا تھا لیکن وہاں زیادہ دیر رُکنا مناسب نہیں تھا جو بھی اطلاع مجھے ملی وہ لے کر میں کراڈ کی طرف چلا گیا ــــ وہاں پہنچ کر ماموں سے سب تفصیلات بیان کیں۔

ماموں کی ہدایت کے مطابق مجھے کولنے جا کر کسن ویر کو ایک پستول، گولیاں اور ایک خط دینا تھا۔ مجھے کولنے کا راستہ معلوم نہیں تھا۔ شام کے قریب میں کولنے اسٹیشن پہنچا۔ میں نے ایک ٹرک کو آتے دیکھا۔ میں نے ٹرک ڈرائیور سے درخواست کی کہ وہ مجھے جیتی وہیر تک لے جائے۔ اس نے مجھے لے تو لیا لیکن نو دس کلومیٹر کے بعد ٹرک بند پڑ گیا۔ میں نے پیدل سفر جاری رکھا۔ دو تین فرلانگ چلنے کے بعد مجھے بیل گاڑی ملی۔ بیل گاڑی والے نے مجھے بٹھا لیا اور مجھے کشن وہیر تک لے گیا۔ مجھے راہ دکھانے کے لئے ایک آدمی بھی میرے ساتھ کر دیا۔ اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہماری تحریک عام لوگوں میں بھی کتنی مقبول تھی۔ میں نے تمام چیزیں حفاظت کشن ویر کے حوالے کی۔ میرے ماموں بہت خوش ہوئے انہوں نے میری پیٹھ ٹھونکی۔

ہمارا پروگرام کراڈ چوکی کو جلانے کا تھا۔ میرے ماموں اور ان کے ساتھیوں نے شیروڈا اسٹیشن جلانے کا فیصلہ کیا۔ جماد گے کراڈ، کندل، چارتے گاؤں وغیرہ سے کچھ مزدور جمع ہو گئے۔ اس وقت وہاں اندھیرا تھا۔ کاسیگاؤنکر، وریدیا، سداشیو پنڈھارکر آگے آئے۔ اسٹیشن ماسٹر کو شک ہوا کہ کراڈ کس نے فون کیا ہے۔ اس وقت ہم نے اسٹیشن سے یہی بتا دیا تھا کہ ہمارے



شری یشونت راؤ چوان کے
وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری
وسنت راؤ پاٹل، شری
بابوراؤ گھوریڑے اور دیگر
حضرات۔

پاس سات گن ہیں۔ بابوراؤ کالے، شانتارام، انعامدار، گجانن پاوسکر، گنپت راؤ چوان، بدناودھن جادھوبہادر راؤ پوار اور میں نے گن کے ساتھ آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ جیسے ہی ہم نے محسوس کیا کہ پولس ہم کو پکڑ لے گی، ہم چھپ گئے اور اپنے گن زمین میں گاڑ کر چھپا دیئے۔ دوسری رات ہم گن لے آئے۔

مجھے شانتارام اور انعامدار کے ہمراہ اپنے ماموں سے ملنے پونے جانا تھا۔ وہ ایک لاج میں خفیہ طور پر چھپے ہوئے تھے لیکن جیسے ہی پولس کو اس خفیہ سرائے کا پتہ چلا اس نے فوراً پکڑ لیا۔ اور ۲۷ دنوں تک مجھے حراست میں رکھ کر تکالیف دی گئیں۔ خوش قسمتی سے میں یہ تمام تکالیف جھیل گیا لیکن میں نے اپنے ماموں کی قیام گاہ کا پتہ نہیں بتایا۔ اسی دوران شری ورداکیس شروع ہو گیا۔ ۱۸ سال کے اندر کے لڑکوں کو بید سے اس بری طرح سے مارا گیا کہ وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ میرے ماموں نے پیغام بھیجا کہ ہمیں کورٹ میں اپنی اپنی عمر ۱۸ سال سے زیادہ بتانی چاہیئے اور اس طرح سے ہمیں پونے، وجاپور، شاہ پور وغیرہ کی جیلوں میں رکھا گیا۔ ہم ۲۴-۲۵ قیدی بنائے گئے لڑکوں نے کورٹ سے جیل تک کے راستے کے دوران حب الوطنی کے گیت گائے اور "مہاتما گاندھی زندہ باد" کے نعرے لگائے۔ ایڈوکیٹ تیرولکر نے ہماری پیروی کی۔ عوام نے ہم کو مٹھائیاں پیش کرنی چاہیں لیکن پولس نے اسے قبول کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ہمارے وکیل نے اس کو عدالت میں بیان کیا اور بتایا کہ عوام مجاہدین آزادی سے کتنا جذبۂ ہمدردی رکھتے ہیں۔

(شری بابوراؤ کوتوال (سابق ایم ایل اے کراڈ) نے اپنے ماموں یشونت راؤ چوان سے متعلق بیان کیں جنہیں شری پروین لانجے کر نے قلمبند کیا۔)

(ترجمہ: عـ[illegible]

فوری توجہ کیلئے

ہمیشہ "جوا[illegible] (جو آپ کے [illegible] حصہ کو درج ہوتا ہے) ضرور تحریر فرمائیں۔ اپنا پتہ صاف [illegible] ہندی، مراٹھی یا انگریزی میں بھی تحریر فرمادیں۔

[illegible]

اپّا صاحب دیشپانڈے

شری یشونت راؤ چوان، اپّا صاحب دیشپانڈے کے ساتھ



شونت راؤ چند یادیں

یشونت راؤ جی مجھ سے سات آٹھ برس سینیئر تھے۔ جب وہ میٹرک میں تھے اس وقت میں نیا نیا اسکول میں داخل ہوا تھا۔ ان دنوں وہ ہمارے محلے میں رہتے تھے۔ وہ جدوجہد آزادی کے دن تھے — آنجہانی مادھوراؤ جادھو، آنجہانی کے۔ ڈی پاٹل، یشونت راؤ جی اور میں نے مل کر ایک گروپ بنایا تھا۔

بعدازاں یشونت راؤ جی ایک عظیم رہنما بنے لیکن ہمارا ان دنوں کا آپسی خلوص آخر تک برقرار رہا۔ میں جب بھی یشونت راؤ جی کو یاد کرتا ہوں ان کی شخصیت کے مختلف پہلو میرے ذہن میں جاگ اٹھتے ہیں۔ وہ ایک اچھے منتظم تھے، بے غرض محب وطن تھے۔ عظیم رہنما تھے، اچھے دوست تھے، فرمانبردار بیٹے تھے۔ ایک بااخلاق فرد تھے، اچھے مقرر تھے، ادب کے دلدادہ تھے، باہمت تھے، مہذب تھے۔ غرضیکہ ان کی شخصیت میں بے پناہ خوبیاں پائی جاتی تھیں۔

انہوں نے عمر بھر عوام کی بہبود کے لئے کام کیا اور اپنے لئے مہاراشٹر کی تاریخ میں ایک لافانی مقام حاصل کر لیا۔ اگر ہم کسی دوسری عظیم شخصیت سے ان کا موازنہ کر سکتے ہیں تو وہ چھترپتی شیواجی مہاراج کی شخصیت ہے۔ ان میں شیواجی مہاراج جیسی دوراندیشی تھی اور ان ہی کی طرح عوام کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ اپنی ان غیر معمولی صلاحیتوں اور خوبیوں کے باوجود وہ مجھ جیسے عام فرد کے اچھے دوست بھی تھے۔ یہ میری بہت بڑی خوش قسمتی تھی کہ میں ان کا عزیزترین اور قریب ترین دوست تھا۔

جب بھی وہ کراڈ آتے تھے ان کے پروگراموں کی ترتیب و تنظیم کی ذمہ داری میری ہوا کرتی تھی۔ زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستہ متعدد افراد اپنے سکھ دکھ سنانے کے لئے ان سے ملتے تھے یشونت راؤ جی ان کا خیرمقدم کرتے تھے۔ خوش دلی سے ملتے تھے اور ان کی مدد کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ ان میں فخر نام کو نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ انکساری سے کام لیتے تھے۔

ان کی ایک قابلِ ذکر خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے لئے کام کرنے والوں کا بڑا احسان مانتے تھے۔ ان کا شکریہ ادا کرتے تھے۔ دورے کے وقت وہ اپنے سیکریٹری اور ڈرائیور کی اس طرح فکر کرتے تھے گویا وہ ان کے اہلِ خانہ ہیں۔ ان کے ملازم دن رات ان کے لئے بڑے خلوص کے ساتھ کام کرتے تھے۔ خوش قسمتی سے انہیں وینو تائی جیسی رفیقِ حیات ملی جو ان کے مہمانوں کی خاطر داری میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتی تھیں۔

تعلیم کی اہمیت

یشونت راؤ جی ملک کی تعلیمی ترقی میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ انہیں یہ احساس تھا کہ ان کے جیسا دیہات کا پروردہ شخص صرف اس لئے قومی سطح پر خدمات انجام دے سکا کہ انہوں نے ڈگری سطح کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کے مطابق تعلیم کا نظریہ صرف ملازمت کے حصول یا فراہمی کا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس سے شہریوں کی شخصیت کے دھارے کو موڑا جانا چاہیئے تاکہ وہ سائنسی نکتۂ نظر اختیار کر سکیں۔ وہ خود اپنے استاد کرم ویر انا اور آبجھائی کاکا کر سیکنڈر سے بڑے احترام کے ساتھ ملتے تھے۔ ان کے ہی نظریات کی وجہ سے انہوں نے کراڈ میں سائنس کالج قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ حالانکہ انہوں نے کئی محکموں کی وزارت سنبھالی سب میں انہیں یہ تمنّی رہا کہ محکمۂ زراعت ان کے

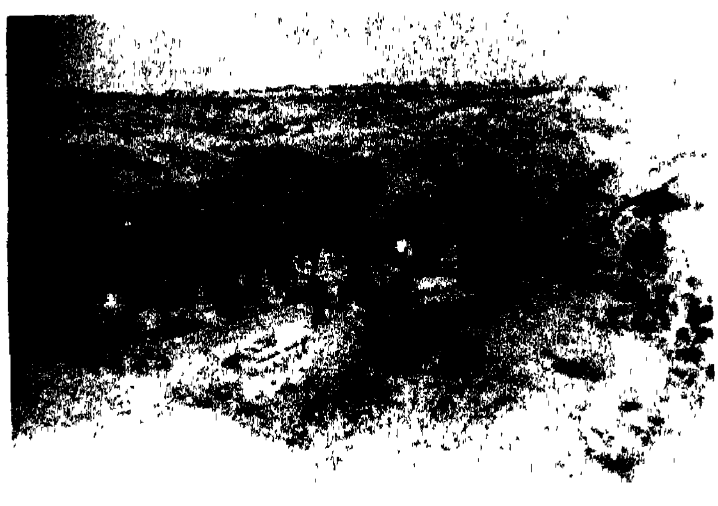
نے کبھی نہیں آیا۔

ادب وثقافت سے لگاؤ

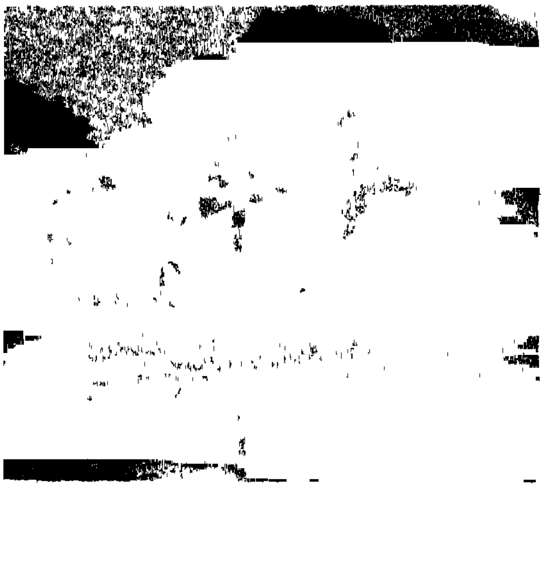
یشونت راؤ جی کی ایک اور قابلِ ذکر خصوصیت ثقافت سے ان کا گہرا لگاؤ تھا۔ گ۔ دی۔ ما رنجیت دیسائی، یشونت، پی۔ ایل دیشپانڈے، وینکٹیش ماڈگولکر، شری نیواس کلکرنی جیسے ادیبوں کی صحبت میں وہ بہت خوش رہا کرتے تھے۔ ان کی انسانی اقدار کی آفاقیت پر بحث کرتے تھے اور کہا سماجی، سیاسی اور ادبی اقدار کو ایک دوسرے سے کیا جا سکتا۔

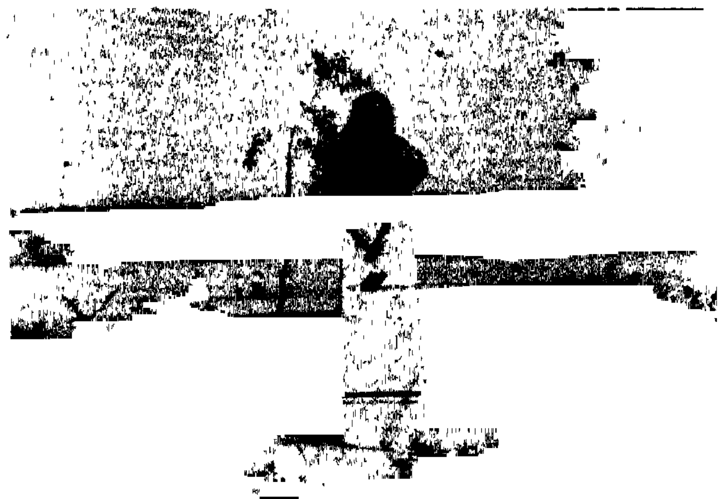
مراٹھی کے مشہور و معروف ادیب دی۔ سی تخلیقی زندگی کے آغاز ہی میں انہوں نے کھانڈیکر صلاحیتوں کے اعتراف میں انہیں کراڈ میں ہونے کی ادبی کانفرنس میں مدعو کیا۔ وہ بنیادی طور پر ا تھے لیکن بعض لوگوں نے اسے غلط طور پر ان کی حکمتِ عملی قرار دیا جس سے انہیں بہت تکلیف ہوئی مطبوعہ تینوں کتابوں سے ان کی ادبی صلاحیتوں کا احساس ہوتا ہے۔ بالآخر ان کی سوانح حیات "کر کی اشاعت نے عوام کو ان کی ادبی صلاحیتوں کا

یورا سٹریٹ کا سہیور کے رلیسور مندر

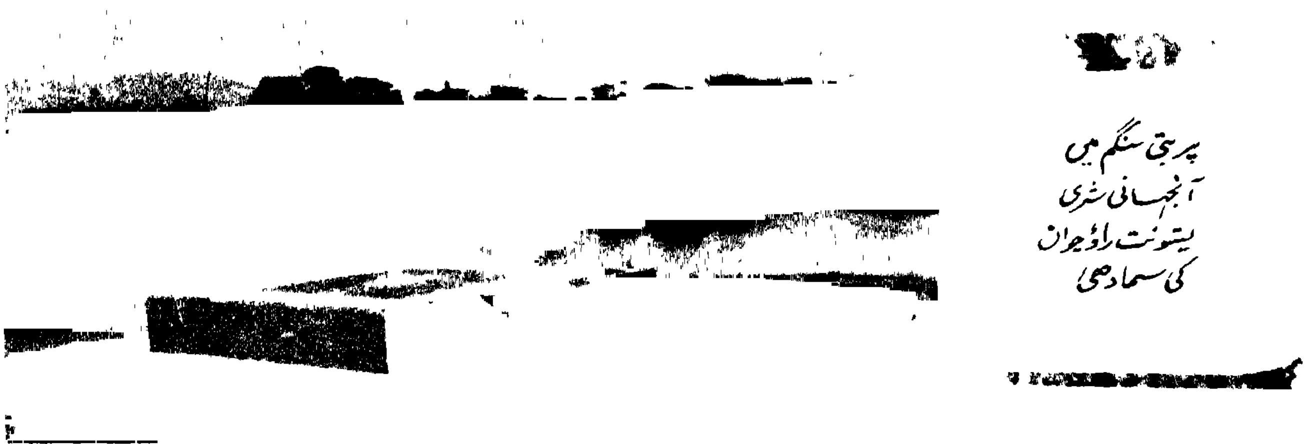


دیوا ستھریہ کا وہ نالہ جس کے کنارے تھے تسرت اِڈ کھیلے





دیوراشٹریہ کے
کرانتی میدان میں
وٹھا ساتا کا
نیم مجسمہ



پریتی سنگم میں
آنجہانی شری
یشونت راؤ چوان
کی سمادھی

یہ میری بدقسمتی تھی کہ میں نے اس مہذب شخص کو زندگی ـے آخری دنوں میں اکیلا پایا۔ کانگریس (آئی) میں ان کی واپسی ں وجہ سے وہ سب سے الگ تھلگ ہو گئے تھے۔ ان کا ہونہار بھتیجہ راجہ ایک حادثہ میں مارا گیا اور پھر وینوتائی بھی چلی گئیں۔

حالیہ لوک سبھا کے انتخابات نے ثابت کر دیا ہے کہ انگریس (آئی) میں دوبارہ شامل ہونے کا یشونت راؤ جی کا نیصلہ صحیح تھا لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ وہ عوام سے دور ہو گئے تھے۔ اس عوام سے جسے وہ بہت چاہتے تھے جس کی وجہ سے آخری دنوں میں وہ ذہنی طور پر پریشان تھے۔

مجھے ان کی زندگی کے کئی واقعے یاد ہیں۔ یہاں میں صرف ان کے ایک خواب کا ذکر کروں گا۔

پریتی سنگم سے محبّت

انہیں پریتی سنگم کا مقام بے حد عزیز تھا۔ یہ مقام کراڈ میں ہے جہاں کوئینا اور کرشنا یہ دو ندیاں آپس میں ملتی ہیں۔ وہ اس مقام کو خوبصورت بنانا چاہتے تھے۔ وہ کرشنا ندی کی "پری کرما" بھی کرنا چاہتے تھے۔ یہ امر ہمارے لئے اطمینان بخش ہے کہ ان کی آخری رسومات کراڈ ہی میں ادا کی گئیں۔ یہ میری تمنا ہے کہ ریاستی حکومت اس مقام کو نئی دہلی کے "شانتی ون" کے طرز پر "یشونت بن" میں تبدیل کرے۔

[شری اپا صاحب دیشپانڈے کراڈ میونسپلٹی کے سابق چیف آفیسر ہیں۔ یہ مضمون ان کے ایک انٹرویو پر مبنی ہے جو کراڈ میں کراڈ آرٹس اینڈ کامرس کالج کے پروفیسر کے۔ ڈی دیشپانڈے نے لیا تھا۔]

◆

آنجہانی شری یشونت راؤ چوان



تقریریں اور تحریریں

ملک کی سالمیت اور ہمارے عزم کا امتحان

میں ایک بڑی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے بمبئی چھوڑ کر مہاراشٹر سے باہر جا رہا ہوں۔ تقریباً ایک ماہ قبل جب میں چوپاٹی کے اسی میدان میں چین کے مسئلے سے متعلق آپ سے خطاب کر رہا تھا، اس وقت مجھے یہ گمان بھی نہیں تھا کہ قسمت مجھے دہلی لے جائے گی۔ اس وقت میں نے آپ کو یقین دلایا تھا کہ اگر وقت کا تقاضا ہوا تو میں وزارتِ اعلیٰ سے مستعفی ہو کر بھی ملک کی خدمت کروں گا۔ اب وہ وقت آ گیا ہے۔ اب مجھے جانا چاہیئے۔ ایک گھنٹے بعد میں اپنے عالیہ عہدے سے مستعفی ہو کر ملک کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے دہلی کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔

اس لئے نہیں کہ مجھے وزیرِ دفاع کا جلیل القدر عہدہ حاصل ہو رہا ہے بلکہ اس لئے کہ یہ ملک کا بلاوا ہے۔ قومی رہنما کا بلاوا ہے۔ میں وہاں ایک سپاہی کی حیثیت سے جا رہا ہوں جو وقت پڑنے پر ملک و قوم کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر دے گا۔

۱۹۴۲ء میں بھی میں ایسے ہی ایک جذباتی لمحے سے گزرا تھا۔ میں نے آزادی کی تحریک میں شرکت کے لئے گھر چھوڑ دیا تھا اور سادھو سنتوں کی سی زندگی گزارنے کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کر رہا تھا۔ آج میرا ذہن کچھ ایسے ہی خیالات اور دل کچھ ایسے ہی احساسات سے بھرا ہوا ہے جو میں محسوس کئے تھے۔ آپ نے مجھے ایک بندوق اور ایک ؟ تحفتاً دیا ہے۔ آپ کے اس تحفے کے پس پشت کے جذبات اور احساسات کا مجھے احساس ہے۔

قومی راج

مدر کرتا ہوں اور آپ کا شکر گزار ہوں لیکن میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جنگ میں فتح سے ہم کنار ہونے کے لئے عزم مصمم، ت اور استقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ چین بھارت کو زور کرنے اور اسے ذلیل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہمیں ملک و قوم کے مفاد کی خاطر سب کچھ قربان کرنے اور "بن باسی" لے بن جانے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

آپ مجھے وزیر دفاع بنا کر رخصت کر رہے ہیں ——— ۱۹۴۷ء کی تحریک کا انجام انتہائی پُرمسرّت انجام رہا۔ ۱۹۴۷ء ں تاریخ عالم میں ایک انہونی بات ہوئی۔ وہ انگریز جنہوں نے ہٹلر کو شکست دی تھی اور پوری دنیا فتح کرنا چاہتے تھے اور وہ جاپان جو پورے ایشیا پر قبضہ جمانا چاہتا تھا انہوں نے ہندوستان کے غیر مسلح عوام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ لیا یہ ایک انہونی بات نہیں تھی؟ گاندھی جی نے ملک میں ایک عظیم طاقت کو بیدار کیا تھا جس کے سامنے شکست قبول کئے بنا انگریزوں کے لئے چارہ نہیں تھا۔ اب ہمیں خود کو ٹٹولنا چاہیئے کہ آیا اب بھی ہم میں وہ طاقت ہے یا نہیں۔

عزم اور استقلال کی ضرورت

چین نے ہم پر حملہ بہت بڑے پیمانے پر کیا ہے۔ تاریخ ں ہم پر اتنا بڑا حملہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس سے پہلے ہم پر شمال مغربی سرحد یا سمندر کی جانب سے حملے ہوتے تھے۔ کچھ اپنے ہاتھ میں ترازو لے کر آتے اور کچھ تلوار لے کر اور اس تلوار کو مذہب کے نام پر چلا کر دہلی پر قبضہ کر لیا لیکن یہ نیا حملہ بہت ہی زبردست حملہ ہے۔ وہ ہماری زمین پر قبضہ جمانا چاہتا ہے پنی ابتدائی جیت کی وجہ سے اس کا سر فخر سے اونچا ہے۔ اس پر فتح حاصل کرنے کے لئے ہمیں ذہنی طور پر باعزم اور مستقل مزاج رہنا ہوگا۔ اس غلط فہمی میں مت رہیئے کہ میرے دہلی پہنچتے ہی کوئی معجزہ وقوع پذیر ہوگا۔ چین کو شکست دینے کیلئے اور اسے پیچھے ڈھکیلنے کیلئے ہمیں تیاریاں کرنی ہوں گی۔ ہمیں اپنی ابتدائی شکست کو قبول کرنا ہوگا۔ چین ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ ہمارے ایک سپاہی کو اس کے تین سپاہیوں سے لڑنا ہوگا۔ ہمیں چین جتنی بڑی فوج بھی تیار کرنی ہوگی۔ ہمیں اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں کو بڑھانا ہوگا اور ہمارے جوانوں کے حوصلوں اور ولولوں کو تین گنا بڑھانا ہوگا۔ تب کہیں جا کر ہم یہ جنگ جیت سکتے ہیں۔

ہم میں سے وہ دیش واسی جو میدانِ جنگ سے دور ہیں محض تماشائی نہیں بنے رہ سکتے۔ یہ ہمارے عزم، استقلال اور استحکام کا امتحان ہے۔ ہمیں اس کے لئے نفسیاتی اور جسمانی دونوں پر تیار رہنا چاہیئے۔ ہمارے ذہن مضبوط ہونے چاہئیں ۱۹۴۲ - ۴۵ کا زمانہ یاد کیجئے۔ اس وقت کے محبانِ وطن اور سماجی خدمت گار باعزم اور مستقل مزاج تھے۔ میں نے انہیں جنگلوں، بیابانوں اور پہاڑوں میں ننگے پیر گھومتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے انہیں قید کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ کسی بھی قسم کی قربانی کے لئے تیار تھے۔ آج ہمیں ایسے ہی لوگوں کی ضرورت ہے جو ہر قربانی کے لئے تیار رہوں۔ ملک و قوم کی خاطر ہمیں مضبوطی اور اٹل ارادے سے کام لینا چاہیئے۔ ہمیں ہر وقت ملک کے بارے ہی میں سوچنا چاہیئے ——— گفتگو کرتے وقت، کام کرتے وقت، گھومتے پھرتے وقت، ہر وقت ہمیں ملک کے مفاد ہی کے بارے میں سوچنا چاہیئے۔ صرف وہی ملک اپنی آزادی کی حفاظت کر سکتا ہے جس کے عوام اس کی حفاظت کو مقدم مانتے ہیں۔

ہر فرد ایک قلعہ بن جائے

مجھے یقین ہے کہ میرا ملک آزادی سے محبت کرتا ہے۔ لوک مانیہ تلک نے لوگوں کو آواز دی اور مہاتما گاندھی نے اس میں روح پھونکی۔ کیا ہم انہیں بھول سکتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ مہاتما گاندھی کا خون دہلی کے تخت کے قریب ہی بہایا گیا تھا۔ یہ ہماری سب سے بڑی خوش قسمتی تھی کہ ہم ایسی مقدس ہستی کا دیدار کر سکے۔ ہم نے رام اور کرشنا کی کہانیاں سنی تھیں لیکن ہم نے دیکھا کہ رام اور کرشنا جیسا ہی ایک جیتا جاگتا انسان ہمارے درمیان تھا۔ مہاتما گاندھی کی شہادت سے قبل دہلی کے تخت پر لعنت برستی تھی جس کی وجہ سے کوئی بھی حکومت دو سو سال سے زیادہ قائم نہیں رہ سکی۔ غوریوں، لودھیوں اور مغلوں کی حکومت ڈیڑھ تا دو سو سال سے زیادہ نہیں رہی ——— لیکن گاندھی جی کے مقدس خون نے اس تخت کی تطہیر کی ہے۔ اس تخت کا تحفظ جو کسی فرد، مذہب یا طبقے کا نہیں ہے، ہم سب پر فرض ہے۔ یہ ۴۵ - ۴۰ کروڑ بھارت واسیوں کا تخت ہے جس کی حفاظت ہمیں چاند سورج کی زندگی تک کرنی ہوگی۔

قومی راج

کیونکہ یہ تخت ہماری آزادی اور جمہوریت کی علامت ہے۔ ہمارے دلوں میں حب الوطنی کی شمع ہمیشہ روشن رہنی چاہیئے۔ اس کے لئے ہم میں سے ہر ایک کو ایک قلعہ بن جانا چاہیئے۔ گذشتہ زمانے میں حکومت کے تحفظ کے لئے سہیادری کی پہاڑیوں پر قلعے بنائے جاتے تھے۔ اب یہ قلعے نہ تو حکومتوں کو جیت سکتے ہیں اور نہ ان کا تحفظ کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے اب ہمیں ہمارے ذہنوں میں عزم مصمم کے قلعے تعمیر کرنے ہوں گے۔ ہر عورت مرد اور بچے کو اپنے آپ میں ایک قلعہ بن جانا چاہیئے تاکہ وہ ملک کی آزادی کی حفاظت کر سکے اگر ہمارے پاس یہ طاقت آجاتی ہے تو چین کو شکست دینے کے لئے ہمیں ہتھیاروں اور ہوائی جہازوں کی ضرورت نہیں ہوگی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ناانصافی کی بقا کے لئے حملہ کرنے والے تے ہمیشہ عزم مصمم کے سامنے شکست کھائی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب کی بار بھی یہی ہوگا۔

شیواجی مہاراج کا کشتریہ دھرم

ہندوستان کی قدیم تاریخ شاہد ہے کہ اس ملک نے کبھی کسی دوسرے ملک کے ساتھ ناانصافی نہیں کی۔ ہم نے ہمیشہ امن کا راستہ اور پالیسی اختیار کی ہے اور ہم اس پر پچھتاتے نہیں۔ میں توثیق کرتا ہوں کہ ہم کبھی کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کریں گے اور نہ کبھی کسی ملک پر حملہ کریں گے۔ ہم نے انسانیت اور آفاقی قدروں کی خاطر اپنے ملک کے تحفظ کے لئے اقدامات کئے ہیں تاہم اگر کوئی ہم پر حملہ آور ہوتا ہے تو اسے روکیں گے اور اپنا دفاع کریں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہم اپنے اصول سے انحراف کر رہے ہیں۔ اگر ہمارے اصول ہمیں کامیابی سے ہمکنار نہیں کر سکتے تو انسانیت کی خدمت سے متعلق کی جانے والی تمام باتیں بے معنی ہو جائیں گی۔ یہ حکومت کروڑوں غریب ہندوستانیوں کی حکومت ہے۔ اس کا مقصد ان غریبوں کے دامن کو خوشیوں سے بھرنا ہے۔ ہمیں گاندھی جی اور تلک کا آشیرواد حاصل ہے۔ ہم رانا پرتاپ، شیواجی مہاراج اور جھانسی کی رانی کے کشتریہ دھرم کا پالن کرتے ہیں۔ اگر ایسا ملک اپنی آزادی سے محروم ہو جاتا ہے تو پھر کونسا ملک آزاد رہ سکتا ہے؟ ہمیں چاہیئے کہ عزم کے ساتھ آگے بڑھیں۔ ہمیں سب کچھ قربان کرنے اور بن باسی بننے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ رامائن بن باس کے دوران ہی لکھی جا سکتی ہے۔ آج آپ کے ذہن اس کے لئے تیار ہیں لہٰذا دہلی میں اپنے فرائض کی ادائیگی کے وقت آپ کے احساسات اور جذبات ہمیشہ مجھے تقویت بخشیں گے۔

جب کبھی ملک پر کوئی آفت آئی ہے اس کا مقابلہ کرنے والوں میں بمبئی ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب کی بار بھی بمبئی سب سے آگے ہی رہے گا۔ اب ہم اپنے دفاع کے ایک نئے دور میں داخل ہو رہے ہیں۔ میں آپ سب سے درخواست کرتا ہوں کہ ثابت قدمی کے ساتھ نئی ذمہ داریوں کو حسن و خوبی سے نبھائیں۔ خدا کرے کہ ہماری قوت کے سورج کی کرنوں سے چین کی برف پگھل جائے۔

[چین کے حملے کے وقت شری وائی۔ بی چوان کو ملک کا وزیر دفاع بنائے جانے پر ۱۹ نومبر ۱۹۶۲ء کو ان کے اعزاز میں بمبئی کے مقام چوپاٹی پر پُرجوش الوداعی تقریب منعقد کی گئی۔ یہ مضمون شری چوان کی اس وقت کی تقریر پر مبنی ہے]

(مترجمہ۔ معین الدین جینا بڑے)

☆

قلمی ذخیرہ

... ادارہ ... اپنی تحقیقات کے خاتمے پر پشت پر اپنا مکمل پتہ، پن کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔ مضمون کاغذ کے صرف ایک ہی طرف لکھیں اور قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی تحریر کریں۔ غیر طلبیہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔

(ادارہ)

آنجہانی شری یشونت راؤ چوان



لوکمانیہ میری نظر میں

تقریباً ایک مہینہ پہلے مجھ سے فرمائش کی گئی کہ تلک کی برسی منائی جارہی ہے۔ اس شام میں آؤں اور ان کے تعلق سے کچھ کہوں۔ یہ سوچ کر کہ یہ دعوت میرے لئے اعزاز کی بات ہے، میں نے بخوشی دعوت قبول کرلی دعوت تو اس امید اور اس یقین کے ساتھ قبول کی تھی کہ میں تلک کے بارے میں بہت کچھ بول لوں گا لیکن آج دل کی کیفیت کچھ اور ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقفے کے دوران پونے شہر ایک آفت اور اور انتشار کا شکار رہا ہے۔ "پانشیٹ" (Panshet) کی بلا اب بھی سب کے ذہنوں پر مسلط ہے۔ اور میرا اپنا ذہن بھی اس کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکا ہے۔

پھر میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ مجھے تو لوکمانیہ تلک کی زندگی کے تعلق سے کچھ بولنے کا بھی حق نہیں ہے۔ میں نے ذاتی طور پر نہ تو انہیں دیکھا ہے نہ ہی میں نے تلک کے شہر پونے میں پرورش پائی ہے۔ پھر بھی میں یہ چھوٹا سا دعویٰ کرنے کی جسارت کرسکتا ہوں کہ مجھے ان سے کچھ نسبت ہے اور وہ یوں کہ جس دیہات میں میرا بچپن گزرا ہے وہاں "لوکمانیہ تلک" کے نام سے ایک اسکول پایا جاتا ہے اور میں اسی اسکول کا طالبِ علم رہا ہوں۔ یہاں کئی مواقع ایسے آتے ہیں جب میں نے تلک کی عظمت کی داستانیں اپنے کانوں سے سنی ہیں اور ان کی عظمت کے گیت دیگر طلبا کے ساتھ گاتے ہیں۔ اس اسکول کی یہ بھی ایک پرانی روایت رہی ہے کہ طلباء اجتماعی طور پر لوک مانیہ تلک کی زندگی کا مطالعہ کریں، ان کی زندگی کے حالات اور واقعات کو لے کر مضامین لکھیں اور اسی تعلق سے تحریری اور تقریری مقابلے ہوں اور اسی سبب میں نے بھی اپنے انداز میں تلک کی تخلیقات اور تحریرات کا مطالعہ کیا۔ یہ مبالغہ نہیں ہے حقیقت ہے کہ انہیں دنوں میں نے بھی "لوک مانیہ اینڈ لیجسلیچرس" (لوکمانیہ اور قانون سازی) اس عنوان سے ایک مضمون قلمبند کیا تھا اور پہلا امتیازی انعام حاصل کیا تھا حالانکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ میں ان دونوں ـــــ لوکمانیہ اور لیجسلیچر (لوکمانیہ اور قانون سازی) کے بارے میں بہت کم جانتا تھا۔ یہ بات آج مجھے یونہی چلتے چلتے یاد آگئی جبکہ میں ان کی برسی کی تقریب میں شرکت کے لئے جا رہا ہوں۔ بچپن کی وہ باتیں آج بھی میرے ذہن پر نقش ہیں اور یہ بھی تلک کی عظمت کی ایک علامت ہے۔

اس بات کا انحصار عقیدے اور نظریے پر ہے کہ لوکمانیہ تلک کی زندگی کو کون کس نظر سے دیکھتا ہے۔ مجھے یاد آتا ہے،



آنجہانی شری یشونت راؤ چوان
بمبئی میں "ممبئی مراٹھی پترکار بھون"
کا افتتاح کرتے ہوئے۔ آپ
کے ہمراہ شری شنکر راؤ چوان بھی
دیکھے جاسکتے ہیں۔

کچھ برس پہلے، "اگر آج لوکمانیہ زندہ ہوتے... !" اس موضوع پر چند حضرات نے اپنے مختلف نظریات کو ہوا دی تھی۔ اس قسم کی باتوں کی کیا اور کتنی اہمیت ہے، یہ ایک جداگانہ امر ہے۔ بہرکیف ہم، لوکمانیہ جیسی عظیم شخصیت کو کسی عجائب خانہ کے محض ایک فنکارانہ تجزیے کی حیثیت سے نہیں دیکھتے، بلکہ ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہم، ان کی زندگی سے حال اور مستقبل کے مسائل کو حل کرنے کی تحریک پاسکیں، رہنمائی حاصل کرسکیں۔

میں یہ نہیں جانتا کہ ہندوستان کا وہ مخصوص دور جب لوکمانیہ کی شخصیت میں شگفتگی اور بالیدگی آئی، ان کے وقت، حالات اور تاریخ کے ساتھ تصادم کی حدوں کو ان کی لیڈرشپ یا سیاسی رہنمائی کو محدود کر دیا۔ وہ شخصیت جو عظیم وسعتوں کی حامل ہو، تاریخ کے ایک مختصر باب کے دائرے اور گھیرے میں بند نہیں کی جاسکتی۔ ایسی عظیم شخصیتوں کی عظمت محض وقت کے بہاؤ کے ساتھ ہی محسوس کی جاسکتی ہے۔ جیسے جیسے یہ تصادم فروغ پاتا ہے، ویسے ویسے عظیم آدمی، دنیا کو عظیم تر نظر آنے لگتا ہے۔ فن کی دنیا پر بھی اس اصول کا اطلاق ہوتا ہے۔ اگر آپ کسی کو، کسی فن کے شاہکار کو دیکھنے کی دعوت دیں اور اگر وہ شخص اس شاہکار کو نہایت قریب جاکر، اسے حیرت زدہ ہوکر، چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کرے تو فنکار اس شخص پر ضرور ہنسے گا۔ ایک فنی شاہکار کو کسی دوربین کے ذریعے ایک مخصوص زاویہ سے دیکھنا چاہیئے۔ عظیم شخصیتوں کا جائزہ بھی ہمیں اسی دوربینی انداز میں لینا چاہیئے۔ وہی شخص عظیم ہے جس کی شخصیت کردار اور عمل اس کے جانے کے بعد بھی ہمیں برسہا برس تک عمل کی تحریک دے اور جس قدر وقت گزرتا جائے اسی قدر ہم اس کی عظمت کے معترف ہوتے جائیں۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے بے شمار لوگوں کی مثالیں ملتی ہیں جن کی عظمت کو دنیا، ان کی زندگی میں محسوس نہیں کر پاتی۔ مہاراشٹر کی تاریخ میں بھی ایسی عظیم شخصیتوں کی کمی نہیں ہے اور لوکمانیہ، عظمت کی کہکشاں کے ان ہی اقبال مند ستاروں میں سے ایک ہیں جن کی زندگی ہی میں لوگوں نے ان کی عظمت کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اسے ہر طرح سراہا بھی ہے۔ حالانکہ لوکمانیہ کو اپنی زندگی میں بے شمار سختیاں جھیلنی پڑیں۔ شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن یہی باتیں شہرت، عزت اور قدردانی کی شکل میں ان کی زندگی کی تکمیل اور تسکین کا باعث بھی بنیں اور آج ان کی موت کے کئی برس بعد آج بھی اور جب تک جدید ہندوستان کی تاریخ لکھی اور پڑھی جائے گی، اس ملک کا ہر شہری بڑے فخر کے ساتھ یہ دعویٰ کرے گا کہ لوکمانیہ کی زندگی، ہم میں بھی عظمت اور برتری کا احساس جگاتی ہے، اس طرح اور اس قدر عظیم تھی لوکمانیہ کی زندگی اور ان کی شخصیت۔

ہم جو اس انداز میں سوچتے اور محسوس کرتے ہیں ان کی ایک

صریح اور صاف وجہ ہے۔ پرانوں سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ کرشن مختلف لوگوں کو مختلف شکلوں میں نظر آتے تھے جب وہ متھرا میں اپنے ماما کنس کا ودھ کرنے آئے، بالکل اسی طرح، جب ہم لوکمانیہ کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ان کی شخصیت کے مختلف رُخ، مختلف پہلو نظر آنے لگتے ہیں — جیسے ایک صحافی لوکمانیہ، ایک خوش خلق انسان لوکمانیہ — ایک سیاست داں، رہنما لوکمانیہ۔ ایک دانش مند محقق لوکمانیہ، ایک مدبر لوکمانیہ، ایک فلاسفر لوکمانیہ وغیرہ وغیرہ۔ غرض لوکمانیہ نے ان تمام شعبوں میں اپنے لئے، اپنا ایک خاص مقام اور معیار قائم کر لیا تھا۔ جدوجہد وعمل کے ان تمام میدانوں میں ان کی عظیم کارکردگیوں نے ہی ان کی زندگی اور شخصیت کو بے پناہ عظمت کا حامل بنا دیا ہے۔ اس طرح اور اس قدر عظیم تھی لوکمانیہ کی زندگی اور ان کی شخصیت!

مذکورہ بالا تمام تر شعبوں کے ماہرین، ان کی زندگی اور شخصیت کی گہرائی اور گیرائی کی تصدیق اور اعتراف کرتے ہیں لیکن آج میں ان میں سے کسی چیز کو اپنی تقریر کا موضوع نہیں بنا رہا ہوں۔ میں آج، لوکمانیہ کی زندگی اور شخصیت کو ایک عام انسان کے نقطۂ نظر سے دیکھنے جا رہا ہوں۔ میں نے مہاراشٹر میں بیشتر مقامات پر اکثر یہ کہا ہے کہ لوکمانیہ کی عظمت اس بات پر منحصر ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ملک کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ عظمت آپ نے عالم شباب میں حاصل کر لی تھی اور کئی سال گزر جانے کے بعد، آج بھی ہم اپنے آپ کو محوِ حیرت پاتے ہیں — جب ہم سوچتے ہیں کہ ان کا، اپنے آپ کو ملک کے لئے وقف کر دینے کا فیصلہ ہی ان کی عظمت کا ضامن ثابت ہوا ہے۔ اپنے، دکن کالج کے ساتھی طلباء کے ساتھ، ملک کے اہم مسائل پر پرجوش مباحثے کرکے، آپ نے، اپنا ایک خاص مقام بنا لیا تھا۔ اور اس کے بعد انہوں نے اور ان کے ساتھی اگرکر نے اپنی تمام تر زندگی، اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ ملک کی خدمت کے لئے وقف کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آج جب ہم، اپنے تصور میں تلک اور اگرکر کو دکن کالج کی روشوں میں قومی مسائل پر دانش مندانہ بحث کرتے ہوئے گھومتے دیکھتے ہیں تو حیرت کے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔

میں آپ کو بتانا چاہوں گا کہ ان دنوں لوگوں کے سوچنے کا انداز" کیا تھا۔ شری رام پنت پرانجپے نے اپنے ایک مضمون میں ایک ہی جملے میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے — وہ خوبصورت، معنی آفریں اور پرمغز جملہ، ہم پر یہ واضح کر دیتا ہے کہ اس وقت کے دانشور اور خود نگر لوگ، اس سوال کے ضمن میں اپنے کیا خیالات رکھتے تھے۔ اس وقت لوگوں کے فکر و نظر کا عجیب عالم تھا، جو کچھ وہ بننا نہیں چاہتے تھے، وہ بن جاتے تھے اور جو کچھ وہ بننا چاہتے تھے بن نہیں پاتے تھے۔" اس دور کا ذہین، باہوش نوجوانوں کا طبقہ اسی کشمکش، اسی الجھن کا شکار تھا۔ اس طبقے کے نوجوان کسی بھی چیز کے حصول کو اپنے لئے سہل تصور کرتے تھے —

لوکمانیہ تلک نے خود کسی موقع پر کہا تھا کہ ان کی خواہشیں، ان کے حوصلے اور ان کے ارادے کیا ہیں۔ وہ علم ریاضی کے ایسے پروفیسر بننا چاہتے تھے جو ریاضی کے لاینحل نکات کو حل کر سکے اور اس ضمن میں انہوں نے بلاشبہ اپنی دانشمندانہ باریک بینی اور فراست کی بنا پر اس مضمون کی کئی باریکیوں پر روشنی ڈالی ہے۔

میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ وہ کیا بننا چاہتے تھے — اور آپ یہ جانتے ہیں کہ وہ کیا تھے۔ وہ "کیسری" کے ایڈیٹر تھے ان دنوں صحافت کا پیشہ آج کی طرح نہ اتنا آسان ہی تھا نہ اتنا سود مند ہی۔ بننے کو وہ "کیسری" کے ایڈیٹر تو بن گئے لیکن ان کے اداریوں نے جیل خانے کی سیر کو ان کا معمول بلکہ مشغلہ بنا دیا۔ اپنے اداریوں میں جو لکھنا انہوں نے مناسب سمجھا، غیر جانبدارانہ انداز میں بے خوف وخطر، بے باکانہ لکھا — زندگی بھر رہ رہ کر جیل یاترائیں کرنی پڑیں جو کچھ وہ بننا چاہتے تھے، وہ بنے لیکن بعدہٗ انہوں نے اپنی اس خواہش کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے انہیں کے تعلق سے لکھی ہوئی کسی کتاب میں ایک حکایت پڑھی تھی۔ "جن دنوں تلک کالج جانے لگے تھے، ان کی بہن نے ان سے پوچھا۔ "بھیا تم کیا بنو گے؟" تلک نے بہن کے اس سوال پر خود ہی اس سے سوال کیا — "وہ کیا چاہتی ہے کہ اس کا بھائی کیا بنے؟" کوکن میں پلی بے چاری غریب لڑکی بھلا کیا جواب دیتی۔ اس نے بڑی معصومیت سے کہا — "میں چاہتی ہوں کہ میرا بھائی تعلقہ کا معاملتدار بنے۔" اگر آپ ہمدردانہ اور مخلصانہ انداز میں سوچیں تو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ ایک بہن کی

اس خواہش کی تہہ میں کون سا جذبہ پوشیدہ ہے۔ بہن کا سپنا یہ ہے کہ جب اس کا بھائی معاملتدار ہوگا تو وہ آکر اسے، اس کے سسرال سے دو گھوڑوں والی بگھی میں بٹھا کر اس کے میکے لے جایا کرے گا۔ اُس دور کی ایک معصوم بہن اپنے بھائی سے بھلا اور چاہتی بھی کیا!؟ لیکن لوکمانیہ کو اس سے بہت آگے کچھ اور بننا تھا۔ اس دور کے حالات اور ماحول کے تحت اس شخص کا جسے اعلیٰ ذہانت کی دین ہو، مناسب ترین فیصلہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی ملک اور قوم کے مفاد کے لئے وقف کر دے۔

انہیں دنوں سماجی زندگی اور اس کی حق سے تقاضے بھی کچھ ایسے ہی تھے کہ آدمی خدمتِ خلق کو اپنی زندگی کا مسلک بنا کر انسانی فلاح کے کام کرے۔ میں انسانوں کا باہمی مقابلہ کر کے کسی کی برتری اور کسی کی کمتری ثابت کرنے کو پسند نہیں کرتا لیکن میری اپنی یہ ذاتی رائے ہے کہ تلک اور اگرکر کا قومی زندگی میں شرکت کا فیصلہ اجتماعی نہیں تھا۔ یہ فیصلہ یقیناً مہاراشٹر کی سطح پر تھا۔

جب تلک اور اگرکر اپنی تجویز اپنی تحریک اور اپنے مشن کے تعلق سے بات چیت کرنے کے لئے جسٹس راناڈے کے پاس گئے۔ وہاں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے ان کا مذاق اڑایا تھا۔ ان کی تضحیک کی ـــ لیکن راناڈے کی نظر سے یہ بات چھپی نہیں رہ سکی کہ ان دونوں بچوں کے ذہن میں کچھ شعاعوں کی چمک ہے اور وہ عام لوگوں سے کچھ ہٹ کر، کچھ مختلف، کچھ نیا کرنا چاہتے ہیں اور راناڈے نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ باوجودیکہ ان کی ذہانت، قابلیت اور پیش قدمی ان کی مادی ترقی کا سبب بن سکتی تھیں۔ لوکمانیہ نے وہ سب کچھ قربان کر دینے کا فیصلہ کیا اور محض ملک و قوم کی خدمت کے جذبے کے تحت اتنا ہی نہیں، بے حس قوم کو جھنجھوڑ کر جگانے کی پاداش میں بے شمار دشواریاں، سختیاں، مشکلیں آفتیں ان کا مقدر بن گئیں۔ اس کے باوجود وہ اپنے مشن کو بے پناہ اہمیت کا حامل سمجھتے تھے۔ شاید اسی مشن کا صدقہ ہے کہ آج ملک کا باغ پھل پھول رہا ہے۔ ہم نے آزادی حاصل کر لی ہے، ہم نے ریاستوں کا حالعہ کر لیا ہے اور آج یہاں میں ایک ریاست کے وزیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے ہی بول رہا ہوں۔ لیکن ہمیں ان لوگوں کا یہ نظر غائر جائزہ لینا چاہیئے جو اپنے آپ کو سنگِ بنیاد بنانا چاہتے ہیں۔ ان دونوں نوجوانوں نے (تلک اور اگرکر) نے ایک تاریک رات میں باہمی گفت وشنید کے بعد اپنا مشن مرتب کیا تھا۔ ہمیں نہایت شکر گزاری اور احسان مندی کے ساتھ یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ ان کے مشن کی تہہ میں آج کے ہندوستان کی ترقی اور اقبال مندی کے بیج پوشیدہ تھے۔

ہم کئی بیرونی یا غیر ملکی، اہلِ اقتدار لوگوں سے ملتے ہیں، جو ہمارے ملک کے دورے پر آتے ہیں۔ بالخصوص وہ لوگ جو مشرقی ایشیا اور برِاعظم افریقہ سے آتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ ہماری قومی آزادی کی تاریخ کا عمیق۔ محققانہ نظر سے جائزہ لیتے ہیں۔ ابھی ابھی مجھے مشرقی نائجیریا کے وزیرِ اعلیٰ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے بڑے احترام سے ساتھ تلک اور گوکھلے کے تعلق سے مجھ سے بات چیت کی۔ میرا دعویٰ ہے کہ لوکمانیہ کی تحریک اور مشن کے ماتحت تخلیق پانے والے خیالات، جذبات اور حرکات و اعمال کسی لسانی علاقے کے کیا بلکہ کسی ملک کے حدود و قیود کے بھی پابند نہیں ہیں ـــ وہ ایسے خیالات اور جذبات ہیں جو ہر اس سماج کے لئے، جو اپنا احترام آپ کرنا جانتا ہے۔ مشعلِ راہ بن سکتے ہیں۔ وہ ملک جس کا ماضی نہایت شاندار رہا ہو لیکن وہ غیر ملکی طاقت کے ماتحت غلامی کے بوجھ تلے دبا رہا ہو۔ اسے آزادی دلانے کے لئے جدوجہد کی جانی چاہیئے۔ لوکمانیہ نے اسی عزم کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسی عزم کے ساتھ وہ اپنی پوری زندگی جئے ہیں۔ "آزادی میرا پیدائشی حق ہے اور وہ میں حاصل کر کے رہوں گا"، آزادی کا منتر لوکمانیہ نے ہندوستان کے عوام کو اس وقت دیا جبکہ آزادی کے حصول میں کامیابی کے خیال کا دور تک کوئی نشان بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ انہوں نے صرف آزادی یہ منتر ہی نہیں دیا بلکہ اپنی زندگی کا ایک ایک پل جہد آزادی کے لئے وقف کر دیا۔ آج ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کی تحریک کو، ان کے مشن کو سراہا گیا اور ان کی زندگی کامیاب ثابت ہوئی لیکن یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ لوگوں میں بیداری پیدا کرنے کی کوشش میں وہ اپنی زندگی میں ہی کامیاب ہو چکے تھے۔

بہر کیف لوکمانیہ اپنی زندگی کو خوش آئند نہیں بنا سکے جس کے خواب زندگی میں ہر انسان دیکھتا ہے لیکن تلک کو



یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا جس کے لئے انہوں نے بے پناہ ہمت اور حوصلے کے ساتھ انتھک کوششیں کیں۔ انسانی زندگی میں کامیابی اور ناکامی دونوں ایک دوسرے کا متواتر تعاقب کرتی رہتی ہیں لیکن لوکمانیہ کو بالآخر ایک درد انگیز موت، مرنا تھا کیونکہ ان کی نجی زندگی ہمیشہ درد و آلام سے پُر رہی ہے۔ ان کے بعض خطوط اس بات کی واضح طور پر نشاندہی کرتے ہیں۔ جب ہم ان کے خطوط پڑھتے ہیں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں ——

ان کے اپنے خاندان کے ساتھ تعلقات اور بالخصوص اپنی بیمار بیوی کی صحت کی فکر، ان کی زندگی کی ان کیفیات کی عکاسی کرتی ہے جو دلوں کو چھو جاتی ہیں۔ آپ مانڈلے جیل سے اپنے خطوط میں بار بار اس بات کی تاکید کرتے تھے کہ ان کی بیمار بیوی کو یہ جتلایا جائے کہ وہ مانڈلے میں بخیر و خوبی ہیں اور اپنے خطوط میں وہ خود یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے تھے کہ وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ محض اس کا دل رکھنے کے لئے ایسا لکھ رہے ہیں۔ بلکہ وہ سچ مچ بخیریت ہیں۔

لوکمانیہ کے لئے جیل میں جانا، گویا یاترا کے لئے جانے کے مترادف تھا۔ جب وہ جیل یاترا کے لئے روانہ ہوتے، ان کی عمر اکتالیس برس کی تھی۔ آج ہم نے اس جیل کا بھی معائنہ کیا۔ جہاں سے ان کی جیل یاترا کا آغاز ہوا تھا۔ جیل کے افسران نے ہمیں اپنے رجسٹر میں ان چیزوں کی فہرست بھی دکھائی جو اکتالیس سال کی عمر میں پہلی بار جیل جانے پر، انہوں نے جیل کے افسران کے سپرد کی تھیں —— ان میں ایک کوٹ، ایک پگڑی، ایک دھوتی، ایک قمیص۔ نو روپے چار آنے اور تین پائی —— اتنی رقم اور پچپن کتابیں شامل ہیں۔ جس وقت انہوں نے جیل کے دروازے کے اندر قدم رکھا —— مانو اسی وقت اپنی تمام تر فکریں —— پریشانیاں اور تکلیفیں، انہوں نے باہر ہی جھٹک کر پھینک دیں اور جیل کے اندر اپنے آپ کو سنجیدگی سے مطالعہ میں محو کر دیا۔ یہ کوئی سہل کام نہیں ہے۔ اس کے لئے حیرت انگیز روحانی قوت درکار ہوتی ہے۔ ہم قدیم دانشوروں کی اکثر ایسی کہانیاں پڑھتے ہیں جن میں وہ اپنی ذات اور وجود کو فراموش کر کے روح کی حقیقت کو جان سمجھ لیتے ہیں۔ جو انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ "ودیہی" (جس کا کوئی جسم ہی نہ ہو) کہلاتا ہے۔ ہم ایسے ہی ایک "ودیہی" جنک کے بارے میں پڑھتے ہیں کہ اس کے ایک پاؤں پر تو گھی ملا جاتا تھا لیکن دوسرا پاؤں دہکتی ہوئی آگ میں رکھا ہوتا تھا۔ ہمیں اپنے آپ پر ناز کرنا چاہیئے کہ ہمیں اپنی آنکھوں سے ایسے ہی ایک ودیہی کے دیدار کا شرف حاصل ہے۔ یہ وہی لوکمانیہ ہیں، جو ایک طرف مانڈلے جیل میں قدم دھرتے ہیں اور دوسری طرف اپنی گھریلو اور ازدواجی زندگی کو یک لخت فراموش کر دیتے ہیں۔ نفس کشی اور تپسیا کی یہ اپنے آپ میں ایک بے مثال مثال ہے۔ اسی طرح گویا انہوں نے کئی فلسفیانہ مسائل اور ذہنی الجھنوں کو سلجھا لیا ہے۔ لوکمانیہ یہ بات ہرگز نہ کر پاتے اگر وہ ایک "ودیہی" نہ ہوتے۔ یوں تو میں بھی کئی بار جیل میں گیا۔ میں نے بھی جیل میں وسیع مطالعہ کیا لیکن ایک فلاسفر کی سی یکسوئی کے ساتھ کام کرنے کی اہلیت لوکمانیہ کا ان کا اپنا حصہ تھی۔ انہوں نے اپنی جیل یاترا کے دوران جو کچھ لکھا ایک بے پناہ خود اعتمادی کے ساتھ لکھا ہے۔ آج ہم سنتے ہیں کہ مغربی ممالک میں ایک ادیب کے ساتھ کئی فاضل محققین، اس کے معاونین کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف لوکمانیہ نے اپنا عظیم الشان شاہکار "گیتا رہسیہ" صرف چار ماہ کی جیل کے دوران اور محض ان کتابوں کی مدد سے جو ان کے پاس موجود تھیں مکمل لکھ ڈالا۔ مجھے اسی کے تعلق سے ایک واقعہ یوں بھی سنایا گیا ہے کہ جب تلک جیل سے رہا ہو کر پونے آئے

"گیتا رہسیہ" کا مکمل مسودہ سرکار ہی کے قبضے میں تھا جو اسے تلک کو واپس بھیجنا تھا۔ ایسی حالت میں بہت سے لوگوں کے لئے یہ اندیشہ بے حد تکلیف کا باعث بنا ہوا تھا کہ آیا حکومت وہ مسودہ تلک کو لوٹاتے گی یا نہیں۔ ایسے میں لوکمانیہ نے بڑے عزم کے ساتھ یہ دعویٰ کیا تھا، "ساری کتاب میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ میں صرف چار مہینے کے عرصے میں اسے دوبارہ تحریر کرسکتا ہوں۔ حکومت کے پاس تو صرف کتاب کے صفحات ہیں حکومت مجھ سے میرے خیالات نہیں چھپا سکتی۔" یہ عالم تھا لوکمانیہ کی ذہنی صلاحیتوں کا!

اس کے ساتھ ہی لوکمانیہ اپنی ذات میں کئی اعلیٰ اور حقیقی صفات کے مالک تھے۔ پونے شہر کی زندگی کو ایسی صفات کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے۔ جس طرح ہم سب کو میری صفات دکار ہیں۔ مہاراشٹر کو ان صفات کی ضرورت ہے۔ جب میں پونے شہر کو دیکھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے اس شہر کو بھی ایسی صفات کی ضرورت ہے۔ یہاں میرا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ پونے کی زندگی میں ان صفات کا فقدان ہے، لیکن ہمیں لوکمانیہ سے یہ سیکھنا ہے کہ حالات اور مصائب کا کس طرح سامنا کیا جائے۔ اسی بات کے تعلق سے لوکمانیہ کے چرول کا مقدمہ ہار جانے کے بعد لندن سے لکھے ہوئے چند جملوں نے مجھے غایت درجے متاثر کیا۔ انہوں نے چرول کا مقدمہ جیتنے کی بے حد کوشش کی مگر جیت نہ سکے۔ یہ بات ان کے ڈھلتے دور میں ان کی ذات پر ایک کاری ضرب تھی اور اس کے فوراً بعد پونے میں یہ افواہ پھیلی کہ خلافِ توقع نتیجہ کی بنا پر لوکمانیہ اپنے کردار کی سطح سے گر کر بداطوار ہو گئے۔ ان افواہوں کی تردید کرتے ہوئے لوکمانیہ نے جو خطوط لکھے ہیں وہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ میں ان کے ایک خط کے کچھ جملے پڑھنا چاہوں گا۔ یہاں پہلا جملہ یوں ہے "چرول مقدمے کے خلاف توقع نتیجے کے سبب، میرے اپنے کردار کی سطح سے گر جانے کی خبریں قطعی بے بنیاد ہیں۔" آگے چل کر وہ لکھتے ہیں۔ "میں اب اتنا بوڑھا ہو گیا ہوں کہ اب اگر مجھ پر کسی سبب آسمان بھی ٹوٹ پڑے تو میرا مزاج برہم نہیں ہوگا۔" اور پھر آپ کے خط کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ "اگر مجھ پر کبھی آسمان بھی ٹوٹ پڑے تو میں اس کا استعمال بھی حصولِ مقصد کے لئے کروں گا۔ اس سے میرے حوصلے ہرگز پست نہیں ہوں گے۔"

لوکمانیہ کی دور اندیشی، بلند حوصلگی، قوت برداشت اور یہ تیور، یہ تمام صفات نہ صرف مہاراشٹر کو، نہ ہندوستان کو بلکہ تمام بنی نوع انسان کو ان میں جوش، حوصلہ پیدا کر کے، بیداری کا پیغام دیتی ہیں۔ لوکمانیہ کے خط کا وہ آخری جملہ، ان ممالک کے لئے جو قیامت خیز حالات سے دوچار ہوں۔ اپنے سالار یا اپنے قومی رہنماؤں کے حرف کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر اس انسان کو جو دوسرے انسانوں کی خوشی اور بہبودی کے لئے کوشاں ہوتا ہے یہ جملہ اپنے دل پر نقش اور کندہ کر لینا چاہیئے۔ یہ جملہ محض فصاحت و بلاغت کی کوئی مثال، کوئی نمونہ نہیں ہے اور نہ لوکمانیہ نے اسے کسی پلیٹ فارم سے کسی سیاسی سطح پر ادا کیا ہے بلکہ یہ جملہ اس خط سے لیا گیا ہے جو انہوں نے اپنے کسی دوست کو لکھا ہے جو مفتوح اور محکوم نہ ہونے کا جو عظیم جذبہ ہمیں اس خط میں ملتا ہے وہی اصل میں لوکمانیہ کی زندگی کے آخری ایام کا ہمدم ان کے بڑھاپے کا سہارا رہا ہے۔ یہ تو صرف تصور کرنے کی چیز ہے کہ اپنی عمر کے شباب میں حالات کے مطابق ان کا کردار کیا اور کیسا رہا ہے۔

لوکمانیہ کی زندگی انسانی زندگی میں اعلیٰ وارفع کاموں کے تعلق کا لامحدود ذریعہ ہے۔ حالانکہ ان کی سیاست میں مختلف طریقوں کا امتزاج نظر آتا ہے۔ آج لوکمانیہ کی ایک مد... حیثیت نہیں رہی ہے، اب وہ اور کسی جماعت یا انجمن کے نہیں رہے ہیں۔ وہ تو اپنی ذات میں خود ایک عظیم پیغ... الہام ہیں اور اسی سے ہماری تاریخ روشن ہے۔

لوکمانیہ نے ہمیں حب الوطنی اور قومیت کی تعلیم... قومی یکجہتی کا تصور آج بھی اپنی بے پناہ اہمیت ک... انسان کا قومی وجود، یہ انسانی زندگی کے لئے ایک چ... جسے ہندوستان کی زندگی میں لوکمانیہ نے پیدا کیا اور...

لوکمانیہ مہاراشٹر کے عظیم سپوتوں میں سے ایک... ایسی راہیں تلاش کرنی چاہئیں کہ مہاراشٹر کے عوام کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنانا سیکھ سکیں۔ ہمیں اپنے... کا صحیح اور سچا پیروکار ثابت کرنے کیلئے اتحاد کی اہمیت کو سمجھنا سیکھنا چاہیئے۔ آج مہاراشٹر...

قومی راج

دور کی دہلیز پر کھڑا ہے۔ اگر آج ہم تے عناد، تعصب اور فرقہ وارانہ مسموم ذہنیت کو ختم کر کے اتحاد، مساوات اور بھائی چارہ کو اپنا مسلک بنا لیا تو ہمارے بے شمار مسائل اپنے آپ حل ہو جاتے ہیں۔ زندگی اور سیاست کے میدان میں پارٹیاں اور افراد جیتے رہیں گے ، ہارتے رہیں گے ، حکومتیں بنتی رہیں گی۔ ختم ہوتی رہیں گی لیکن لوکمانیہ کا مہاراشٹر ہمیشہ زندہ رہے گا۔ جب میں "لوکمانیہ کا مہاراشٹر" یہ فقرہ استعمال کرتا ہوں تو اس سے میرا مقصد وہ مہاراشٹر نہیں ہوتا جہاں لوکمانیہ کے بولنے ، لکھنے کی زبان بولی اور لکھی جاتی ہے حالانکہ یہ امر بھی ہمارے لئے کم قابلِ فخر نہیں ہے کہ لوکمانیہ نے ہماری مادری زبان (مراٹھی) کو ایک اپنا عظیم بنیادی تصور دیا ہے جس کا مطالعہ نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرونی ملک میں بھی بڑے چاؤ سے کیا جاتا ہے مگر ہاں اس سے میرا یہ اشارہ بھی نہیں ہے کہ ہم اپنے ہم وطنوں میں لوکمانیہ کی تحریک کی صفات ان کی طرح موت سے انحراف کا جذبہ اور ان کی سی شدید بے باکی اور بے خوفی پیدا کریں۔ ہمیں تو لوکمانیہ سے بس سبق سیکھنا ہے کہ اگر ہم پر آسمان بھی ٹوٹ پڑے تو ہمیں استقلال اور استحکام سے کام لینا ہے۔ حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔ حالات پر فتح پانی ہے۔

حاضرین ، میں فخر محسوس کر رہا ہوں کہ آپ نے لوکمانیہ تلک کی برسی کے اس موقع پر مجھے دعوت دی مجھے پونے بلایا اور میں پونے آکر لوکمانیہ کی یادوں کو سمیٹ کر عقیدت کا نذرانہ پیش کر رہا ہوں اور یقین ہے کہ آپ لوگوں کی طرح میں بھی یہاں سے اپنے ساتھ ، اپنے میں کوئی عظیم جذبہ لے کر لوٹوں گا۔

آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اور لوکمانیہ کی عظیم شخصیت کو نیازمندانہ سلام کرتے ہوئے میں آپ سے اجازت طلب کرتا ہوں۔

(یشونت راؤ چوان کی اس تقریر سے ماخوذ جو پونے میں یکم اگست ۱۹۶۱ء کو لوکمانیہ کی برسی کے موقع پر دی گئی۔) ●

(ترجمہ : ستار قاسمی)

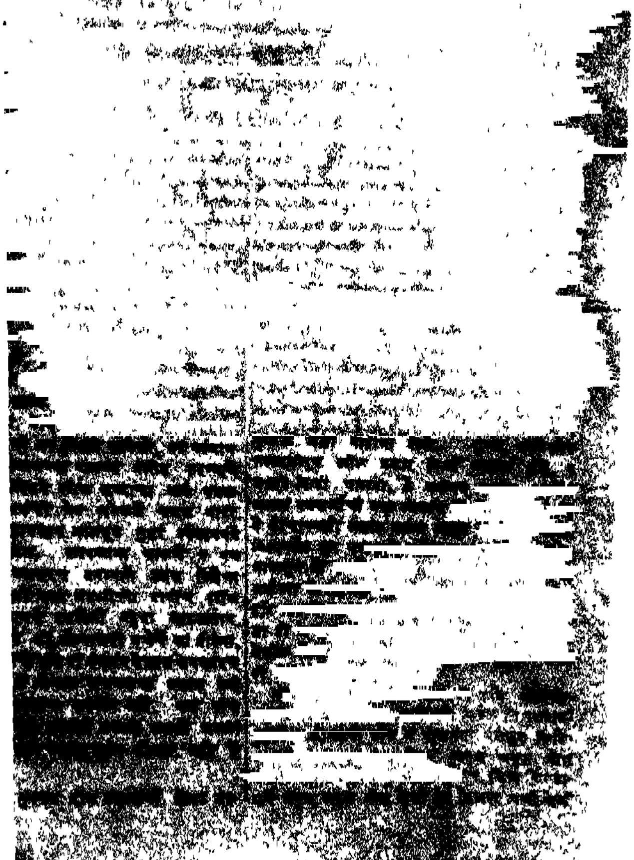




" میں اس قسم کے نعروں سے رنجیدہ نہیں ہوتا کہ ہندوستان کی جمہوریت خطرے میں ہے۔ بھارت میں لوک راج کی جڑیں مضبوط بن چکی ہیں اور چھوٹے موٹے طوفانوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ حکومت کے کاروبار کا درجہ سدھارنا اور اس کو اونچا بنانا ضروری ہے۔ کاروبار سنبھالنے کے لئے اچھے اچھے نوجوان آرہے ہیں اور ان کا حوصلہ بڑھانا ضروری ہے۔" یشونت راؤ چوان

آنجہانی شری یشونت راؤ چوان

جنگِ آزادی میں مراٹھی اخبارات کا حصّہ



ھندوستان کی جنگِ آزادی کئی طریقوں سے مختلف محاذات پر لڑی گئی۔ حتیٰ کہ فوجی سطح پر بھی لڑائیاں ہوئیں۔ انقلابی دنیا پر متواتر اس بات کا اظہار کر دینا چاہتے تھے کہ وہ غیر ملکی حکومت سے دینے والے نہیں۔ ساتھ ھی ساتھ برطانوی حکمرانوں کو بذریعہ قانونی اقدامات ھندوستان کے نقطۂ نظر سے آشنا رکھنا چاہتے تھے۔

تھے۔ لوک مانیہ تلک اور مہاتما گاندھی نے عوام کو ان کے اپنے حقوق سے روشناس کرانے کی جد و جہد کی اور عوام کی اس بے چینی سے جنگِ آزادی کو بڑھاوا دینے کی کوشش کی اور جنگِ عظیم اوّل و دوم میں اس تحریکِ آزادی کا بیرونِ ہند بھی اجر اکیا لیکن عوام کو قومی راج

بیدار کرنا اور اپنی جد و جہد کو بار آور کرنے کے لئے کی روح پھونکنا نہایت ضروری تھا۔ آزادیٔ وطن کے جوت جلائے رکھنا ایک لازمی امر تھا اور ہندوستا ان تمام ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہوتے۔ اس طرح

ہندوستان کی تاریخ آزادی میں مرکزی رول ادا کیا۔

اغراض ومقاصد

متضاد حالات کے باوجود مراٹھی اخبارات کی ایک شاندار تاریخ ہے۔ ان دنوں انگریز ہندوستان میں اپنی حکومت مستحکم کر رہے تھے۔ انگریزی تعلیم اور سرکاری ملازمت کی مراعات دے کر ہندوستان کے ذہین طبقے کو متاثر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس حرص وتحریص کا شکار اور مغرب زدہ اصلاحات کی گرویدہ ایک جماعت آہستہ آہستہ سر اٹھا رہی تھی۔ انگریز اس نئی تعلیم یافتہ مغرب زدہ جماعت کی مدد سے حکومت چلانے کی کوشش کر رہے تھے اور اپنے اغراض ومقاصد میں کامیاب ہو رہے تھے۔ دوسری جماعت ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جو ملک کی قدیم روایات پر ایمان رکھتے تھے اور انگریز حکومت کی جانب سے مشکوک تھے۔ ملک کی غلامی ان کے لئے دماغی اذیت کا باعث تھی اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس قسم کی جماعت نے بھی تحریکِ آزادی کی داغ بیل ڈالی۔ یہی جماعت تھی جس نے سب سے پہلے اخبارات کی افادیت کا اعتراف کیا۔ بال شاستری جامبیکر اور بھاؤ مہاجن نے مراٹھی اخبارات کا اجرا کیا۔

اخبار "درپن" کے اغراض ومقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے بھاؤ مہاجن نے لکھا ہے کہ اس اخبار کا اجراء ہی ہندوستانیوں کو مغربی علوم کی دعوتِ درس وتدریس دینے کے لئے کیا گیا ہے اور ایسے لوگوں کے ایک گروہ کی تخلیق کرنا ہے جو بہبودیٔ وطن اور عوام کی ترقی کے لئے بے لاگ اظہارِ خیال کر سکے۔ اس طرح اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مدیرانِ اخبارات ملک کے حالاتِ حاضرہ اور اس کی ترقی کے لئے قلم اٹھانے میں نقطۂ آغاز سے ہی دل چسپی رکھتے تھے۔ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ قوم کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے اور انہیں اس حقیقت سے بھی آگاہی تھی کہ اخبارات کا حربہ اس سلسلے میں کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سماجی اصلاحات

یہ کہنا حسبِ حال ہوگا کہ دونوں اخبارات دیان پرکاش اور کیسری اخبار نے ذہین اور باشعور لوگوں کو ایک حد تک متاثر کیا۔ دیان پرکاش جس کا اجراء ۱۸۴۹ء میں ہوا تھا، بیرونی ممالک کی خبروں کا مرقع ہوتا تھا۔ دیان پرکاش نے اپنے پہلے ہی اداریے میں اس بات پر زور دیا کہ مطبع (نشر واشاعت) بابُ الاصلاحات ہے۔ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کا اس بات پر ایمان تھا کہ اخبار عوام کے خیالات کی تربیت اور قوم کو بیدار کرنے کا ایک خاص ذریعہ ہے۔

تلک کا کارنامہ

کیسری کی مجلسِ ادارت میں تلک اور گوپال گنیش اگرکر جیسے اپنے وقت کے عظیم مفکر تھے۔ اس اخبار نے تربیتِ عوام اور خبر رسانی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ قوم کو بنانے کی اور اس میں آزادی کی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ تلک کا زاویۂ نگاہ اور حکمتِ عملی دونوں اظہر من الشمس ہیں۔ اس سے علی الاعلان کہا کہ نوکر شاہی لوگوں کو خواہ مخواہ تکلیف دے رہی ہے — اور انہیں حصولِ حقوق کی خاطر متحد ہو جانا چاہیئے لیکن اس زمانے میں اس قسم کا اظہارِ خیال اتنا آسان نہیں تھا اس لئے کہ اخبارات پر پابندیاں تھیں۔ تلک نے ان پابندیوں کے خلاف مسلسل جنگ کی۔ تقسیم بنگال اور مہاراشٹر کی پلیگ پر اس کے تحریر شدہ اداریہ شہنشاہیت کے خلاف ایک اعلانِ جنگ تھا۔ کسی نے ایک مرتبہ تلک سے سوال کیا — "تم انگریز سرکار کو کیوں ستاتے ہو؟" تلک نے جواب دیا — "یہ میری تجویز تھی کہ قانون شکنی کرکے اور انڈین پینل کوڈ کی قلم 124A کی دھجیاں اڑا کر قانون بغاوت کو معدوم کر دوں۔ یکے بعد دیگرے ہر قومی اخبار کے پانچ ایڈیٹروں نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ درحقیقت جیل کی جانب میں نے پہلا قدم اٹھایا تھا لیکن جیل جانے کے بعد دوسرے ایڈیٹر خوف زدہ ہو گئے۔" یہ اس بات کی نشاندہی ہے کہ تلک بغاوت کے کیس لڑنا چاہتے تھے۔

غیر ملکی حکومت سے پریس کی آزادی کے لئے لوک مانیہ تلک نے کئی مرتبہ قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اس لئے ہندوستان کی تاریخ میں یہ جیل یاترائیں اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہیں۔ ان کے ایک ہم عصر شیورام پنت پرانجپے نے ایک پیروڈی (Parody) میں گورنمنٹ کو بری طرح تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس زمانے میں مراٹھی اخبارات خبروں کو اولیت کا درجہ نہیں دیتے تھے بلکہ ان کے کالموں

میں جنگِ آزادی پر تبصرے ہوتے تھے تلک کے ایک دوسرے ہم عصر گوپال گنیش اگرکر تے اپنے اخبار سدھارک (ہفتہ واری) میں سماج سدھار پر زور دیا۔ مختصر یہ کہ قومی آزادی — اور سماجی اصلاحات اس زمانے کے مراٹھی اخبارات کے محبوب موضوع تھے جو خصوصیت کے ساتھ زیرِ بحث آتے تھے۔

مقامی اخبارات

اخبار "کامگار" (۱۸۹۲ء) کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا جو مِل مزدوروں کے مفاد کی حفاظت اور صنعتی ترقی سے متعلق لکھتا تھا۔ اخبار زیادہ دن نہیں چلا پھر بھی اس کی اہمیت کو کم نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ وہ ایک خاص طبقے کے مفاد سے منسلک تھا۔

دوسرے مقامی اخبارات (Distt Papers) کے بارے میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے۔ ناشک ورت (Nasik Vritta) اور پونے ویبھو (Pune Vaibhav) اور دیگر اخبارات نے بھی عوام کی بیداری۔ تحریکِ آزادی اور سماج سدھار کے سلسلے میں بہت اہم کام انجام دیئے۔ ان اخبارات کا اجراء ۱۸۷۰ء کے آس پاس ہوا تھا۔

ذہنی تصادم کا دور

تلک کی موت سے اخباری دنیا کا ایک دور ختم ہوگیا۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۰ء کا زمانہ ایک ذہنی تصادم کے دور سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اسی زمانے میں یہ بات تسلیم کی گئی کہ صرف سیاسی خود مختاری پر ہی اکتفا نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی بین الاقوامی اور سماجی صورت ہونی چاہیئے۔ یہ محسوس کیا گیا کہ ایک مخصوص اقتصادی پالیسی وضع کی جائے ستیہ گرہ، تشدد، عدم تشدد، ہندوستانی قومیت، طریقِ حصول وغیرہ ایک اونچی سطح پر زیرِ بحث آئے۔

تلک کے زمانے میں ہی اچوت راؤ کولہٹکر نے ہندوستانی سیاست کی دھجیاں بکھیر دیں اور بین الاقوامی مسائل پر بھرپور روشنی ڈالنی شروع کر دی۔ کولہٹکر کے اندازِ خاص اور جارحانہ طرزِ تخیل کی وجہ سے اس کا "سندیش" ایک مقبولِ عام اخبار بن گیا۔ وہ ان مخصوص مدیرانِ اخبارات میں سے تھے جنہوں نے مقصدی طریقوں سے تحریکِ آزادی پر انتقادی روشنی ڈالی۔ کیسری کے این۔ ایس۔ کیلکر نے بھی مختلف الموضوع عنوانات پر قلم اٹھاتی اور سماجی تخیل تخیل کو مالامال کر دیا۔ مہاراشٹر، ناگپور کے شری دمو راج

گوپال راؤ اوگلے نے بھی اپنی انفرادی تحریروں سے ذر[یعہ] اخبار بین پیدا کر لئے۔ "بہسکرت بھارت" اور "سماٹا" میں بابا صاحب امبیڈکر نے دلتوں کو اونچا اٹھانے کی تبلیغ کی۔ اچاریہ جاودیکر سوشلسٹ خیالات کا ایک عظیم مبل[غ] جس نے گاندھیائی طرز تصور اور تلک کے اندازِ تخیل کو دوسرے میں مدغم کر کے پیش کیا۔ متعدد مرد و زن جو [ان کے] طرزِ تحریر کے گرویدہ ہوگئے۔ سانے گروجی کا نام بھ[ی] نہیں رہا جاسکتا جنہوں نے مختلف اخبارات کے ذری[عے] کے خیالات کی تبلیغ و تشہیر کی۔ ویرساورکر نے بھی مخ[تلف] مضامین میں ہندوؤں کے قدیم رسم و رواج اور روای[ات] کڑی تنقید کی۔ انہوں نے کہا گائے افادیت والا جا[نور] ہے لیکن ماں یا دیوی نہیں۔ اس قسم کی ذہنی تحریروں نے کی قدامت پرستی کی بنیادیں ہلا دیں اور نوجوان طبقے کو ہموار کرنے میں کافی مددگار ثابت ہوئیں۔ اس بات [کا سہرا] اخبارات کو ملنا چاہیئے جنہوں نے نہ صرف ذہین طبقے قوتِ برداشت کو ابھارا بلکہ ایک طرح سے مہاراشٹ[ر میں] جمہوریت کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔

مراٹھی اخبارات نے مختلف علوم کے باب وا[کرنے] میں بھی ایک خاص کام کیا ہے۔ انہوں نے اخبار بینوں کو غیر رجعت پسند خیالات تک کر دی اور اقتصادی، سما[جی اور] سیاسی خیالات پر کھلے دل و دماغ سے میلتے ہو[ئے]۔ علاوہ بریں وشنو شاستری چپلنکر، ہری نارا[ین] کے۔ پی کھاڈلکر، این۔ سی کیلکر اور دیگر اہلِ قلم نے [ان] تحریکوں کی ہمت افزائی اور قابلِ احترام رہبری کی تح[ریکِ] آزادی میں علمی خیالات اور رویے او[ر] کو اتنی ہی اہمیت حاصل ہے جتنی "بے چینی" کو۔ مرا[ٹھی] کی تاریخ اس بات کی شہادت ہے اور اسی لئے مراٹھی ا[خبارات] قابلِ فہم آزادی و جمہوریت کو آخری فرد تک پہنچانے [میں کامیاب] ہوئے۔

مترجمہ: غلام صوفی۔
۱۲/ ۲۰۴ ۔ انڈین ایر لائنس کالینہ۔ شانتا کروز۔ بمبئی

شری یشونت راؤ چوان، ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی، ایم۔ایل سی اور صدر مہاراشٹرا اسٹیٹ ہندی اکاڈیمی کے ساتھ۔





شری یشونت راؤ چوان شری ایس۔ایم۔جوشی کے ساتھ۔

شری یشونت راؤ چوان شری آبا صاحب پارلیکر، سابق ایم۔ایل۔اے اور صدر ستارا ضلع پریشد کے ہمراہ۔



یشونت راؤ چوان



تہذیب کی طاقت

میں ایک انسان ہوں جو ماضی کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے کام میں سرگرم رہتا ہے اور مجھ میں تہذیب اور سنسکاروں کو قبول کرنے کی اہلیت ہے میں اپنے ماحول سے سمجھوتا کرتا آیا ہوں اور اسی انداز میں آگے بڑھ رہا ہوں۔ میں نے پہلے سے ہی کچھ کرنے کا منصوبہ کر کے اپنے کو کسی ڈھرّے سے وابستہ کر لینے کی کوشش کبھی نہیں کی ہے اور نہ ہی یہ میری طبیعت کے لئے موزوں ہے۔ میں نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں بھی یہ کبھی محسوس نہیں نہیں کیا کہ مجھ میں کوئی امتیازی عناصر موجود ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جوں جوں میری عمر بڑھتی گئی اور میرے اردگرد جو واقعات رونما ہوتے رہے ان سے اس بات کا پتہ چلتا تھا یا احساس ہوتا تھا کہ میں ایک معروف خاندان کا آدمی ہوں میں اس بات پر غور ضرور کرتا تھا مگر اس کے باوجود حالات کبھی ایسے نہیں تھے کہ مجھ کو اس پر ندامت محسوس ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اپنی والدہ کی نگرانی میں پلا ــــ وہ مجسم محبت کہلانے کے لائق تھی۔ وہ کبھی اسکول نہیں گئیں مگر اس کے کارنامے زبردست تھے۔ فی الحقیقت وہ ایک نیک ماں رہی آج جب میں بڑی بڑی ہستیوں کو دیکھتا ہوں جن کی پرورش اپنی ماں کی محبت کی بدولت ہوئی ہے تو اس وقت میری ماں کی خوبیوں کی شناخت اور بھی اُبھر آتی ہے۔ میرے خاندان کا سرمایہ ماں ہی تو ہے۔ اس نے مجھے اپنے دل کا مالک بن جانا سکھایا ــــ پانڈوؤں کی ماں کنتی نے دھرم راج کو اپنا دل وسیع بنانے کی نصیحت دی تھی۔ میری ماں نے ہم بھائیوں کے دلوں کو اسی طرح وسیع بنایا تھا۔ گو میری ماں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ دل کی کوتاہی پریشانیوں کی جڑ بن سکتی ہے مگر اس کے سلوک سے مجھ پر یہ بات روشن ہو جاتی تھی۔ سب سے پہلا سبق جو ماں نے مجھے سکھایا یہ تھا کہ مصیبتوں میں ہمت نہیں ہارنا۔

توہی راج

ان دنوں ہم کراڈ میں رہتے تھے۔ ہم لوگ بہت مفلس تھ میرے بچپن میں ہی والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ گھر میں کمانے وا کوئی نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے گزارا ہو رہا تھا۔ ایسی حالت میں ما ہماری پرورش کرتی تھی۔ ان کی جفاکشی دیکھ کر نادانستہ طور پ مجھ میں ایک ضد سی پیدا ہوتی گئی۔

اسکول کی تعلیم ایسی حالت میں انجام پائی۔ ماں کو اپ بچوں کے دُبلے ہونے کا بے حد افسوس تھا۔ وہ اس بات سے رو پڑتی تھی کہ اپنے بچوں کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ مگر اس نے ہمیں یہ کبھی محسوس ہونے نہیں دیا۔ وہ ہمیشہ اس بات کا احتیا برتتی تھیں کہ ہم کسی دوسرے کے طفیلئے نہ بنیں۔ مجھے اس بار کا احساس ضرور تھا مگر میرے پاس اس کا کوئی علاج نہ تھا۔ اگ

ا شعور بچوں میں پید ہو جائے تو طفولیت اس دنیا
ے ہو جائے ۔ ایسا قدرت کا منشا نہیں ہے ۔ فطرت
ہتی کہ دنیا میں صرف خوش حالی ہی رہے ۔ یا محض
رہے ۔ شری کھنڈ جیسی مٹھائی کھاتے وقت ہری
چٹنی چکھنے سے ذائقہ میں اضافہ ہو جاتا ہے اور
ت شری کھنڈ بھر پیٹ کھایا جا سکتا ہے ۔ مگر ہم
کھانے سے ہی لالے پڑ گئے تھے ۔ ماں تو ایسی حالت
عت پسند تھی مگر میں اس خوبی سے نا آشنا تھا ۔
انہ تصوراتی انتشار سا تھا ۔ مجھے تعجب ہے کہ میں کس
ثرات سے مستثنیٰ رہا ۔ برہمنوں کے خلاف جو تحریک
اس کا خاطر خواہ اثر مجھ پر نہیں ہوا ۔ اس بات کا
ا آج بھی میرے لئے مشکل ہے کہ کیوں مجھے اس تحریک
شش پیدا نہیں ہوئی ۔ میرے خیال میں اس کی ایک وجہ
لتی ہے کہ میں ان تصورات کا قائل نہیں تھا ۔ میں ایک
ں کی تلاش میں سرگرداں تھا ۔

جب اسکول میں تھا تو اس تحریک نے زور پکڑا تھا ۔
ں کے خلاف بولنا اور لکھنا ایک شیوہ سا بن گیا تھا ۔
ے بڑے جوش و خروش سے اس تحریک میں شامل
۔ اس کے بارے میں میں بہت کچھ پڑھتا ضرور
ن کی اصلیت اور وجوہات معلوم کرنے کی کوشش
نا زیادہ کچھ نہیں سمجھ پایا ۔ اس کے برخلاف میرے
بات کھٹک رہی تھی کہ اتنے سارے عقل مند
ی حالت اور اس کے مسائل پر اپنی زبان کیوں نہیں
یں خود ہی کچھ ٹھوس کام کرنا چاہتا تھا مگر کروں تو
؟ خوش نصیبی سے اس کا جواب ڈھونڈنے میں
نہیں لگی ۔ میں نے سنجیدگی سے مطالعہ کرنا شروع کیا
ھتا تھا اس میں قومی لیڈروں کی سوانح حیات تلک
ت ، جنگ آزادی کے انقلاب پسند اشخاص کے
ا نگریسی لیڈروں کی نصیحتیں وغیرہ باتیں ہوتی تھیں ۔
ے ساتھ پڑھتا تھا اور پڑھ کر بھی اس پر غور کرتا تھا ۔
جربوں کے ساتھ انہیں ملا کر دیکھتا تھا ۔ یہی عادت
کر میری فطرت کا حصہ بن گئی ۔ ان دنوں سے ہی
وصیت کا دائمی پہلو یہ رہا ہے کہ میں پہلے سوچتا



شری وائی ۔ بی چوان کی ہمشیرہ
شریمتی رادھا اکا ۔

ہوں اور اپنے تجربوں کی روشنی میں پرکھنے کے بعد ہی میں اپنے تصورات کا اظہار کرتا ہوں ۔ گذشتہ بیالیس سال کی میری سیاسی زندگی میں یہ ضابطہ پرستی میرے لئے بے حد مفید ثابت ہوئی ہے

ان دنوں کراڈ کی حالت ایسی تھی کہ لکھنے اور پڑھنے کی سرگرمی زوروں پر تھی اور اس کو تجربوں کی بنیاد بھی حاصل ہو گئی تھی ۔ کراڈ کا علاقہ ہمیشہ بیدار رہا ــــ ستیہ شودھک یعنی محققانِ اصلیت کی تحریک کی بدولت سماج میں بہت کچھ تبدیلی ہوئی ہے ۔ میں اس کا تجربہ کر چکا ہوں لیکن میرا دل کسی اور حق یا ستیہ کا متلاشی ہے ۔

میں نے یہ پڑھا کہ بڑے بڑے لوگ جیل میں جاتے ہیں اور وہاں سزائے مشقت بھگتتے ہیں ۔ جوشیلے نوجوان ملک کی آزادی کے لئے طاقتور انگریزوں سے لڑتے ہیں ۔ جان قربان کرتے ہیں ہنستے ہنستے پھانسی کی ڈوری کو اپنی گردن پر کس لیتے ہیں ــ اور "جے بھارت" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنی ہستی کو مٹا دیتے

تری راج

۔ مجھے تعجب ہوتا تھا کہ ستیہ شودھک تحریک والے اس
نوع پر اپنی زبان کیوں نہیں کھولتے ؟ آخرکار آزادی ہی
ب سے بڑا ستیہ یا اصلیت ہے۔ اس بارے میں میرے
یں کوئی شبہ نہ تھا مگر سماجی زندگی میں میں نے جو کچھ دیکھا
مجھے بہت بے چین کرتا تھا لیکن اپنا تجربہ چاہے وہ اچھا
یا برا وہ رائیگاں نہیں ہوتا یہ میرا عقیدہ ہے۔ اس لئے
ں اپنے تجربوں کے سرمایہ میں ہر چھوٹے بڑے تجربے کا
اضافہ کرلیتا ہوں۔

اس زمانے میں میری عمر ۱۶ یا ۱۷ سال کی ہوگی۔ ان دنوں
ادھر طاعون (پلیگ) کی وبا نے تہلکہ مچا رکھا تھا۔ شہر
ھے سے زیادہ خالی ہوگیا تھا اور لوگ بہت دور یعنی دو تین
ل کے فاصلے پر جنگل میں بسیرے بنا لیتے تھے۔ طاعون سے
رسے آبادی منتشر ہوگئی تھی اور ان میں آپسی میل ملاپ باقی
یں رہا تھا۔ اسکول بند تھے اور اس لئے پڑھائی بھی ٹھپ
تھی تھی لیکن یہ مصیبت بھی میرے لئے فالِ نیک ثابت ہوئی
یونکہ میں نے اپنا مطالعہ سنجیدگی سے جاری رکھا اور اس
ے میرے دل کو اچھی خاصی راحت نصیب ہوتی۔ ان دنوں
ے بعض واقعات مجھے آج بھی یاد ہیں۔ وہ زمانہ انقلاب
ر دازوں کی جاں نثاری کا تھا۔ "سازشِ لاہور" کے مقدمے
نے سارے ہندوستان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی تھی۔ حکومت
ے کارندے انقلاب پسندوں کو قید خانے میں ٹھونس دیتے
تھے اور وہاں پر ان کی زندگی کو اجیرن بنا ڈالتے تھے ۔ جن
لوگوں سے سرکاری افسر عداوت رکھتے تھے انہیں ان کے
معصوم ہونے کے باوجود "سازشِ لاہور" کے مقدمے میں
ملزم ٹھہراتے تھے۔ ان لوگوں میں بنگال کے انقلابی لیڈر
جوتیندرناتھ بھی تھے۔ دراصل حکومت کے پاس جوتیندرناتھ
کی سازشِ لاہور میں شرکت کا کوئی ثبوت نہیں تھا مگر پھر بھی
اس نے انہیں گرفتار کیا تھا۔ وہ ۱۹۲۰ء کی نان کوآپریشن
تحریک میں شریک ہوگئے تھے اور اس لئے وہ ان پر ناراض
تھی۔ اس نے انہیں چار سال کے اندر پانچ مرتبہ جیل میں
بھیجا تھا۔ چوتھی بار جب وہ میمن سنگھ کے قید خانے میں تھے
ان پر اس قدر مظالم ڈھائے گئے کہ وہ طیش میں آکر جیل
سپرنٹنڈنٹ سے مار پیٹ پر اتر آتے۔ ان کو اندھیرے
کمرے میں رکھا گیا۔ تب انہوں نے "آن ستیہ گرہ" یعنی
بھوک ہڑتال شروع کی اور ۲۳ دنوں کی فاقہ کشی کے بعد
انہیں انصاف ملا۔

انہیں سازشِ لاہور کے مقدمے میں پھنسا کر قید کرلیا
گیا۔ پھر بھی پہلے جیسے واردات رونما ہونے لگے۔ جوتیندرناتھ
نے دیکھا کہ سیاسی قیدیوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک روا
رکھا جاتا ہے جو پیشہ ور مجرموں سے کیا جاتا ہے۔ پھر انہوں
نے بھوک ہڑتال شروع کی۔ اخباروں میں ان کی فاقہ کشی کی
خبریں شائع ہوتی تھیں۔ جوتیندرناتھ سے پہلے بھی بٹکیسر دت
اور سردار بھگت سنگھ نے سیاسی قیدیوں کے حق میں بعض
سہولتوں کے واسطے بھوک ہڑتال شروع کی تھی۔ انقلابیوں
کی فاقہ کشی سے سارے ملک میں تشویش پھیل گئی۔ دوسری سمت
پر حکومت کا تشدد بھی بڑھتا جارہا تھا۔ انقلابیوں نے ایک
مہینے تک برت جاری رکھا مگر حکومت کا دل نہیں پسیجا۔ اس کے
اس کے جواب میں جیل کے سبھی قیدیوں نے "ان ستیہ گرہ"
شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بٹکیسر دت اور بھگت سنگھ کی بھوک
ہڑتال کو تقویت حاصل ہوئی اور حالات نے سنجیدہ صورت
اختیار کی۔ آئے دن بھیانک واردات کی خبریں آنے لگیں۔

ان دنوں کراڈ میں صرف کیسری۔ گیان پرکاش ـــ اور
نواکال، یہ پرچے آتے تھے اور پڑھنے کو ملتے تھے۔ بھوک
ہڑتال کا حال معلوم کرنے کے لئے میں ہر روز دو تین میل
پیدل چل کر شہر میں آتا تھا۔ ندی میں کمر تک پانی ہوتا تھا اور
میں اسے پار کرکے آتا تھا۔ ان دنوں اخبار پڑھنے کو ملنا آج
کی طرح آسان نہیں تھا جن کے گھر میں وہ آتا تھا وہاں جاکر
پڑھنا پڑتا تھا اور یہ میں ہر روز کرتا تھا۔ انقلابیوں کی
بھوک ہڑتال سے میں بہت بے چین ہوگیا تھا۔ بٹکیسر دت اور
بھگت سنگھ فاقوں کی وجہ سے بہت کمزور ہوگئے تھے۔ اس سے
زیادہ بھیانک حالت جوتیندرناتھ کی ہوگئی تھی۔ انہوں نے
ایک مہینے سے ہڑتال شروع کی تھی۔ اس کا انجام دو طرح سے
ہوسکتا تھا یا تو حکومت ہوش میں آتی یا انقلاب والے جان سے
ہاتھ دھو بیٹھتے۔ ان دنوں اخبارات میں تشویش کن خبریں آتی
تھیں۔ نہ جانے کیوں جوتیندرناتھ کی بھوک ہڑتال کی خبریں سن کر
مجھے بہت دکھ ہوا۔ آخری بیس دنوں میں جوتیندرناتھ کی طبیعت
ہر گھڑی گرتی جارہی تھی۔ میں وہ خبریں سن کر دل میں دھڑکن

محسوس کرتا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ جو سنگ دلی حکومت جوتیندر ناتھ سے برتتی تھی وہ جمہوراج کو بھی شرمندہ کرتی تھی جوتیندر ناتھ کی آخری گھڑیاں قریب آئی تھیں اور حکومت پنجاب انہیں ان کے بھائی کے ہاتھ میں سونپنے کے لئے تیار بھی تھی مگر ایسی حالت میں بھی حکومت نے انہیں ضمانت پر رہا کرنے کے سلسلے میں توہین آمیز شرط لگائی۔ مگر ایسی شرط ماننے کے لئے جوتیندر ناتھ کے بھائی آمادہ نہیں تھے اور جب بعض حضرات نے ضمانت مہیا کرنے کی پیش کش کی تو خود جوتیندر ناتھ ضمانت پر رہا ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ حیات کے زندان سے دائمی رہائی کے خواہش مند ہو گئے تھے۔

ان باتوں کا میرے دل پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ مجھے لگا کہ ملک کے لئے اپنی جان کی بازی لگانے والے جوتیندر ناتھ میرے قریبی رشتہ دار ہیں۔ انہوں نے باسٹھ دنوں تک ملک کے لئے اپنی جان کی آہوتی دے دی اور وہ باسٹھویں دن دوپہر کو لاہور کے قید خانے میں چل بسے۔

اس دن ہر طرف جوتیندر ناتھ کے "آتم یگیہ" کا ہی چرچا تھا۔ میں نے بھی اخباروں میں اس "آتم بلیدان" کی خبر پڑھی اور اس حادثہ سے بے حد حواس باختہ ہوا۔ جوتیندر ناتھ نے ملک کے حق میں جو اپنی جان کی قربانی دی تھی اس سے میں بہت رنجیدہ ہو گیا تھا اور ساری سمجھ بوجھ کھو کر ماتم کے دریا میں ڈوب گیا۔ میں نہیں سمجھ پایا کہ کہاں جاؤں کس سے کہوں؟ اور میں چلتے چلتے رونے لگا۔ کرائڈ کے خالی مکانات مجھے ڈرانے لگے۔ شام کو ندی پار کرتے وقت میں نے اپنے گھونسلوں کو لوٹنے والے پرندوں کی طرف دیکھا تک نہیں جنگل میں ہوا سست ہو گئی تھی۔ پیڑ پودے بھی خاموش کھڑے تھے۔ سارا ماحول سہما سا لگ رہا تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ باہری دنیا میں اپنے دل کی اندرونی حالت کی عکاسی دیکھ رہا تھا اور اس سے میرے غم کی شدت بڑھ گئی۔ دن ڈھل گیا اور جب میں گھر لوٹا تو چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔ جھونپڑوں کی مدھم روشنی اندھیرا کم نہیں کر سکی۔ میں ہر روز رات کے اندھیرے میں ستاروں کی روشنی سے خوش ہو جاتا تھا۔ مگر اس رات کو میری توجہ ستاروں کی طرف گئی تو میں ان میں جوتیندر کو ڈھونڈ رہا تھا۔ میں بھوکا ضرور تھا لیکن کھانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ بھوک پیاس بھلا کر میں لگاتار رو رہا تھا۔



شری وائی۔ بی۔ چوان، شری موہن دھاریہ کے ساتھ

میری ماں مجھے تسلی دے رہی تھی مگر میں روتا ہی رہا۔ ایسی حالت میں رات بیت جانے پر بھی میرا ماتم جاری ہی تھا۔ ماں کا نرم دل مرجھا گیا۔ اس کے لئے یہ سمجھنا مشکل تھا کہ میں دور دراز کے شہر کلکتہ کے کسی آدمی کی موت پر اس قدر شدت سے کیوں ماتم زدہ ہو گیا ہوں۔ میری قابلِ رحم حالت کو دیکھ کر وہ گھبرا گئی تھی اور پڑوسیوں سے التجا کر رہی تھی کہ دیکھو اس کو کیا ہو گیا۔ میں بات تو سمجھ سکتا تھا مگر ماں کو دل کھول کر اصلی وجہ بتا دینا میرے لئے مشکل تھا۔ میں اس بے چاری کو کیوں کر بتا سکتا تھا کہ جوتیندر ناتھ کے دل میں جو قومی آزادی کے لئے آگ تھی وہ مجھے جھلسا رہی تھی؟ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے میری طبیعت میں تبدیلی ہوئی۔ ملک بھر میں جو بھی واقعات رونما پذیر ہوتے تھے ان سب میں میں دلچسپی لینے

ا اور ان کی اہمیت سمجھنے کے قابل بن گیا۔ کراڈ میں ان دنوں
ی ہستیوں نے مثلاً میرے اسکول ماسٹر شری بابوراؤ گوکھلے
دا شیوراؤ آلتے کر اور ان کے صاحبزادے گن پت راؤ آلتے کر
یزہ شخصیتوں نے میرے دل پر کافی اثر ڈالا۔ میں انکے خیالات
ور سے سنتا تھا۔ میری تعلیم اور سیاسی اشتیاق کے لحاظ سے
۱۹۲۷ء سے لے کر ۱۹۴۰ء تک کے عرصے کو بڑی اہمیت
اصل ہے۔ اس دوران جو واقعات رونما ہوئے ان میں قید وبند
ور تصوراتی کھلبلی قابلِ ذکر ہیں۔ ایسے موقعوں پر میرے
وستوں نے مجھے کافی دلاسا دیا۔ میں یہ مانتا آیا ہوں کہ میرے
دوستوں کی دعاؤں اور ان کی کوششوں سے ہی میری شخصیت
نشکیل پائی ہے۔ ۱۹۳۰ء میں میں نے قومی تحریک میں
شرکت کی اور اس وقت میرے دل میں تصوراتی کشمکش
پیدا ہوئی۔ میں اس بات کا قائل ہوا کہ جنگِ آزادی کے لئے
سماجی اور اقتصادی پہلوؤں کا ہونا ضروری ہے۔ اس لحاظ
سے مجھ پر مالویندر ناتھ رائے کے خیالات کا کافی اثر پڑا۔

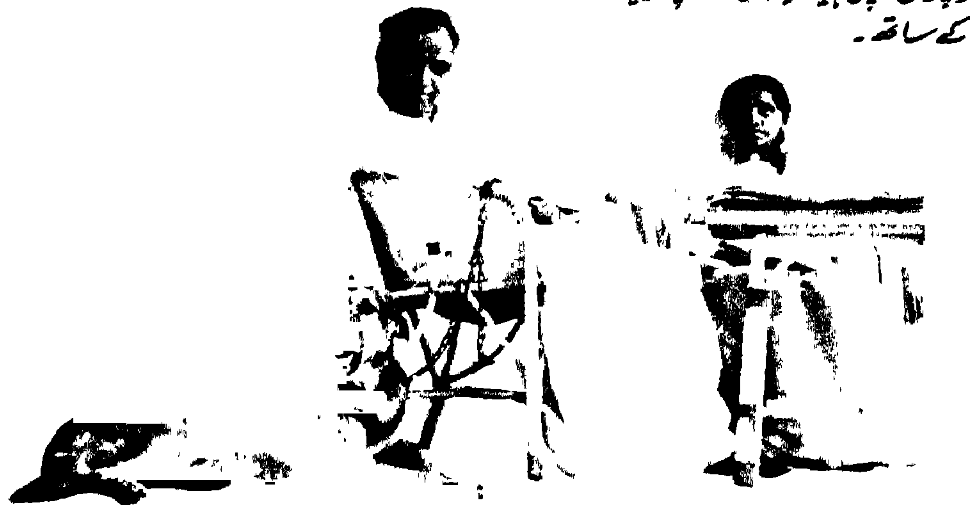
فرقہ پرستی مجھے پسند نہیں ہے۔ میں ایسے خیالات اور عمل
سے گریز کرتا ہوں جس سے روزمرہ کی زندگی میں مناسب رہنمائی
میسّر نہیں ہوتی۔ میں یہ مانتا ہوں کہ کسی اصول کا درست ہونا
تبھی ممکن ہے جب وہ کوئی ٹھوس اثر پیدا کرے۔ اگر ایسا
نہیں ہوتا تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس اصول میں کوئی نقص ضرور
ہے۔ اگر واقعی کوئی نقص ہو تو اس پر دوبارہ غور کرنا میں
پسند کرتا ہوں۔ ۱۹۴۰ء سے لے کر آج تک کی میری سیاسی
مسافری میں میں نے یہی طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔

میرا یہ خیال ہے کہ انسان اگر اپنے ساتھیوں اور رفیقوں
میں صحبت میں رہے تو وہ ترقی کر سکتا ہے اور میرا تجربہ بھی یہی
ہے۔ اگر میری شخصیت میں کوئی ممتاز پہلو نظر آتے تو وہ یقیناً
میرے دوستوں کی دین ہے۔ میں نے کبھی نہیں سوچا کہ آدمی
اپنی ساری ترقی اپنے آپ، بلا شرکتِ غیرے حاصل کر سکتا ہے۔
میری اب تک جو زندگی بیت چکی ہے اس میں اتفاق کو دخل ضرور
ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ قابلیت کو کچھ بھی اہمیت نہیں۔
فلسفے کے لحاظ سے یہ درست ہے کہ انسان اپنی راہ خود ڈھونڈ
لے سکتا ہے مگر کاروباری دنیا میں آدمی اپنی قابلیت کو محدود پاتا ہے۔

اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ بعض غیبی طاقتیں
انسان کو آگے یا پیچھے کی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ
انسان کا "ول پاور" (Will power) یعنی قوتِ ارادہ بیحد
طاقتور ہے مگر وہ اس پر پوری طرح سے قابو حاصل نہیں کر پاتا
ورنہ لفظ "اتفاق" کے معنی ہی کیا؟ خیال بھی ایک بڑی طاقت
ہے مگر اس سے بھی بڑی طاقت قدرت ہے جس کو ٹالا
نہیں جا سکتا۔ قدرت کو پوری طرح سے معلوم کر لینا ممکن نہیں
اور یہ حالات بدلنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ دنیا کا آدھا
حصّہ اندھیرے میں اور آدھا حصہ روشنی میں رہتا ہے اور اسی
طرح سے انسانی زندگی کے تعلق سے کچھ باتیں واضح ہو جاتی ہیں
اور بعض کو معلوم کرنا ممکن نہیں ہے۔ کسی شہر میں آپ جائیں
تو وہاں کے بلند مکانات ضرور دیکھئے مگر شہر پناہ کو
بھولئے نہیں۔

میں اس قسم کے نعروں سے رنجیدہ نہیں ہوتا کہ ہندوستان
کی جمہوریت خطرے میں ہے۔ بھارت میں 'لوک راج' کی
جڑیں مضبوط بن چکی ہیں اور چھوٹے موٹے طوفانوں کا اس
پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ حکومت کے کاروبار کا درجہ سدھارنا
اور اس کو اونچا بنانا ضروری ہے۔ کاروبار سنبھالنے کے
لئے اچھے اچھے نوجوان آ رہے ہیں اور ان کا حوصلہ بڑھانا
ضروری ہے۔ یہ جوان، نسلِ جدید کے نمائندے ہوتے ہیں
اور وہ سیاسی، سماجی اور تعلیمی اعتبار سے بہت ترقی یافتہ
پائے جاتے ہیں۔ عوام کے نمائندے یعنی ایم۔ ایل۔ اے
یا منسٹر وغیرہ ان لوگوں کے ساتھ معقول سلوک برتیں اور
ان سے خوبی سے کام کرائیں تو ٹھیک ہوگا۔ سندی نوکروں
کا فولادی ڈھانچہ اب بھی مضبوط ہے — اور بڑے
بڑے آئی۔ سی۔ ایس، آئی۔ اے۔ ایس افسر اپنے پرانے
ضابطے کے مطابق ہی کام کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں پرانے
اور نئے نوکروں کو ساتھ میں لے کر ان سے عوامی خوائد
کے کام کرا لینا چاہیئے۔ یہ ایک اچھی بات ہے کہ کبھی سیاسی
پارٹیوں میں تجربہ کار اور تعلیم یافتہ افراد موجود ہیں اور وہ
سرکاری کاروبار میں اور قانون ساز اسمبلیوں میں اپنا کام
بخوبی نبھاتے ہیں۔ آج کے بدلے ہوئے حالات میں ان
لوگوں پر بڑی ذمہ داری آن پڑی ہے۔ عوامی اور سماجی

راؤ چوان، اپنی اہلیہ وینوتائی اور اپنے بیا
نے کے ساتھ ۔



کہ خود اپنے پر کچھ ضوابط عائد کریں اور
دیں۔ اخلاقی سیرت ، قابلیت ، مطالعہ
لسی اور مقبولیت یہ ایسے گن ہیں کہ ان
ی خاص ترقی نہیں کرسکتا۔ خود غرضی کی
زاری اچھی اور عیش پرستی کے مقابلے
یہ اچھا کہلاتا ہے۔ عوام میں ایسی خوبیوں
تی ہے۔ اسی طرح پرانے اور تجربہ کار لوگوں
ھنا اچھا ہے۔ خدمت گزاری کا شیوہ
ہی ترقی کرنا آسان ہو جاتا ہے ۔ اگر کوئی
ہ خود سب کچھ جانتا ہے اور ہر طرح سے
ی غلطی کرتا ہے ۔ حکومت کے دائرے
ے لوگ اپنے نیک کاموں میں مصروف رہتے
ت کے کارندوں کی ہر حرکت کی چھان بین
یں۔ صرف ان سے تعریف اور تحسین حاصل
یں چلے گا ۔ ان سے صلاح و مشورہ کرنا اور
بھی اسی قدر ضروری ہے ۔ میں بمبئی اور مہاراشٹر
دقت اس سمت میں خاص توجہ دیتا تھا اور ایسا
ہے ۔ اعلیٰ افسروں کو چاہیئے کہ وہ اپنے ماتحتین
ت قائم کریں اور ان کا زاویۂ نظر معلوم کریں۔
نقید پڑھ کر یا جلسوں میں کئے جانے
اس یافتہ نہیں ہونا چاہیئے اور کسی کے خلاف

غصہ یا کینہ پروری کا جذبہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے ۔ صبر اور شانتی سے کام کرنے کی عادت اچھی ہے۔ اس قسم کے رویے سے مجھے نازک حالت میں بڑا فائدہ ہوا ہے ۔ سوال یہ نہیں ہے کہ حکومت کس پارٹی کی ہے اور کون چلاتا ہے بلکہ یہ ہے کہ کاروبار کیسے چلایا جائے ۔ حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور زمانہ کڑی آزمائش کا ہے ۔ جمہوریت کو بھی بار بار خطرہ پیدا ہو جاتا ہے ۔ ایسے حالات میں مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ ہندوستان کی جمہوریت استقلال اور ترقی حاصل کرے گی ۔

(مترجمہ :۔ ڈاکٹر بی ۔ ڈی ۔ دیویکر)

"قومی راج" میں شائع شدہ مواد حوالہ یا بلا حوالہ نقل کیا جا سکتا ہے۔ تاہم جس شمارے میں یہ مواد شامل ہو اس کی ایک کاپی
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر، منترالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲ کے نام ارسال فرمائیں



شری وائی۔ بی۔ چوان، پونے کے ڈپارٹمنٹ آف کمیونیکیشن اینڈ جرنلزم کے طلباء اور عملہ کے ساتھ۔



شری وائی۔ بی۔ چوان کے ہاتھوں، ۱۹۵۸ء میں نئی دہلی کے پرگتی میدان میں منعقدہ "پہلی بین الاقوامی نمائش" میں دکھائے گئے "بہترین پویلین" کا انعام، حکومت مہاراشٹر کیلئے، شری بنود راؤ حاصل کر رہے ہیں۔



شری یشونت راؤ چوان نئی دہلی کے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ماس کمیونیکیشن میں زیر تربیت افسران کے ہمراہ۔

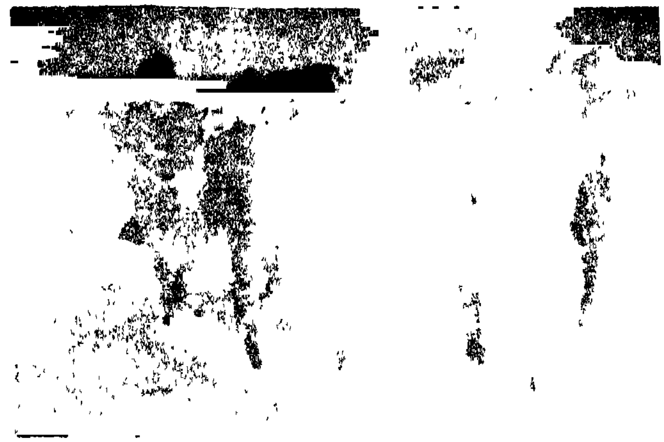
PRINTED AT THE GOVT PHOTOZINCO PRESS PUNE 1985

H/45.1-F

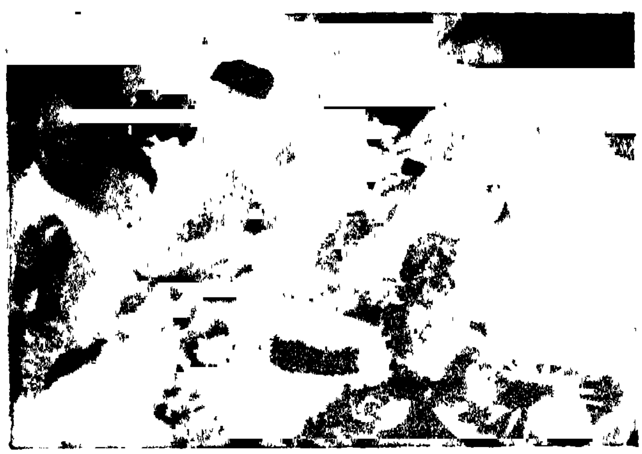


for ' without prepayment of pos





سوگوار







قومی راج

۲۵ مارچ د ۱۰ اپریل ۱۹۸۵ء



ایک خاتون ووٹر، پولنگ
بوتھ میں اپنے چھوٹے
لڑکے کے ساتھ۔





خواتین ایک پولنگ بوتھ
کی جانب بیل گاڑی میں
بیٹھ کر جارہی ہیں۔

شری ششی کانت دیتھنکر سکریٹری تعلیم
اور اطلاعات بحیثیت سنٹرل آبزرور
الیکشن کے انتظامات کا معائنہ فرمارہے
ہیں۔





مہاراشٹر کیلئے سینٹر آبزرور جن
کا تقرر الیکشن کمیشن کی جانب سے ہوا
تھا، مختلف سیاسی رہنماؤں کے ساتھ
الیکشن کے انتظامات پر تبادلۂ خیال
کرتے ہوئے۔ شری سریندر اسنگھ،
سینٹرل آبزرور، شری شانتا رام سگنے
ڈائریکٹر جنرل اطلاعات و رابطۂ عامہ
حکومتِ مہاراشٹر اور چیف الیکشن آفیسر
اور اڈیشنل چیف سکریٹری شری
ل۔ بکے علاوہ حکومتِ مہاراشٹر بھی
دیکھے جاسکتے ہیں۔

قومی راج

مراٹھی، ہندی، انگریزی، گجراتی، سندھی اور اردو
چھ زبانوں میں شائع ہونے والا پندرہ روزہ رسالہ
— ہر ماہ کی ۱۰ ر اور ۲۵ ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے —

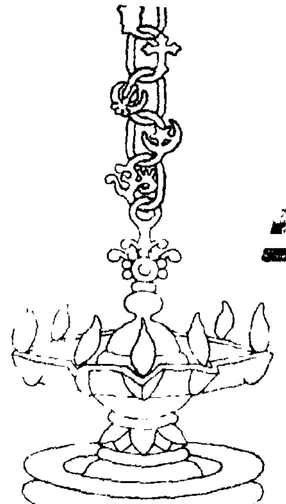
سالانہ : دس روپے

فی کاپی : پچاس پیسے

مشترکہ شمارہ ۲۵ ر مارچ و ۱۰ ر اپریل ۱۹۸۵ء

جلد ۱۲ — شمارہ ۶، ۷





وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل، اپنے عہدے کا حلف لینے کے بعد سیدھے منترالیہ تشریف لائے جہاں انہوں نے چھترپتی شیواجی مہاراج کی تصویر کی گلپوشی کی۔ تصویر میں شری پاٹل چھترپتی شیواجی مہاراج کو خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

ترتیب

صفحہ نمبر

چیف ایڈیٹر : ایس۔ کے۔ سگنے

ایڈیٹر : فیروزہ فیاض خان

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ :-
ڈائریکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز۔
گورنمنٹ آف مہاراشٹر، منترالیہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

وزیرِ اعلیٰ کا پالیسی بیان

منشور میں مذکور یقین دہانیوں کو پورا کرنے کا عہد

اپنی ۱۳ مارچ ۱۹۸۵ء کی اُس تقریر میں، جسے بمبئی دُور درشن اور آل انڈیا ریڈیو سے ٹیلی کاسٹ اور براڈ کاسٹ کیا گیا تھا۔ شری وسنت راؤ پاٹل نے، جو مہاراشٹر کے عہدۂ وزارتِ اعلیٰ پر چوتھی بار فائز ہوئے ہیں، لوگوں کو یقین دلایا کہ وہ ان یقین دہانیوں کو حتمی طور پر پورا کریں گے جو کانگریس منشور میں مذکور ہیں۔ ان یقین دہانیوں میں حسبِ ذیل امور شامل ہیں۔ کسانوں کو مالی مدد، انہیں قرض کے سود پر معافی دینے کے لئے گرام پنچایتوں کے ذریعہ بجلی پر خرچ کی ہوئی رقم کی تلافی انتظامیہ کے لئے اصلاحی بورڈ (ایڈمنسٹریٹیو ریفارمس بورڈ) تاکہ حکومتی کاموں کو جلد از جلد انجام دیا جا سکے اور جھونپڑ پٹیوں میں رہنے والوں کو اونرشپ (مالکانہ) بنیاد پر پلاٹ دینا۔

وزیرِ اعلیٰ کا پالیسی بیان اس طرح ہے۔

" آج میں آپ کے سامنے پھر بحیثیت وزیرِ اعلیٰ کے کھڑا ہوں۔ میں آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے حالیہ انتخابات میں میری پارٹی کو اور مجھے اقتدار سونپا۔ یہ سال میرے لئے، اکاؤنٹس کے لئے بھی اہم ہے۔ یہ سال کانگریس کی سو سالہ جشن کا ہے۔ ہم کانگریس کی پیدائش کے سو سالہ جشن منانے کا اہتمام کر رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی مہاراشٹر کے ۲۵ سالہ جشن کی تیاریاں بھی کیونکہ مہاراشٹر نے اپنی زندگی کے ۲۵ سال پورے کر لئے ہیں۔ آپ نے مجھے ان دونوں تقریبات میں شرکت کرنے کی عزت بخشی، اس لئے میں آپ کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

سُودکی معافی

کانگریس پارٹی نے اپنا ایک اِنتخابی منشور شائع کیا ہے جس پر پانچ سال کے دوران عمل کرنا مقصود ہے۔ لیکن بعض وعدے ایسے ہیں جن پر فوراً عملدرآمد کیا جانا چاہیئے۔ اس لئے میں ان میں سے بعض وگراموں پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ جن کی تعمیل ہم دو، ن برس کے دوران ہی کرنا چاہتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم نے کسانوں کو دیئے ہوئے رض پر آنے والے سال سے شرح سود کم کردینا چاہتے ں۔ اس کے لئے ہم نے ریزرو بینک کی اجازت طلب تھی۔ لیکن وہ اجازت مرکزی وزیر مالیات نے نہیں ی۔ اس کے باوجود ہم اس اسکیم پر منصوبہ کے لئے منظور کردہ بجٹ کی رقم کو چھوڑ کر عمل درآمد کرنے کے واہش مند ہیں خواہ حکومت ہند ہمیں مالی امداد ے یا نہ دے۔ اس لئے ہم ۶٪ فیصد سے زیادہ سود کو ن قرضہ جات پر جو کسانوں نے امدادِ باہمی بینکوں ے لی تھی، معاف کردینا چاہتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ دیہاتوں سے متعلق ہے۔ میں دیہاتوں دیکھ چکا ہوں۔ اور ان میں رہ بھی چکا ہوں۔ میں ان معاشی حالات اور کام کے انداز سے واقف ہوں یں ان کے لئے فوری طور پر کچھ مزید کرنا چاہیے ہیں۔ رام پنچایت نے آمدنی کے وسائل مقرر کر دیئے ہیں۔ ایسے ین لگان، مکان کا ٹیکس اور بعض گرانٹ ملتے ہیں ے اپنے اسٹاف پر اسی حقیر وسائل آمدنی سے خرچ یجات کرنے پڑتے ہیں۔ اب دیہاتوں میں بجلی آگئی ہے س کے لئے گرام پنچایتوں کو رقمیں خرچ کرنی ہیں۔ میں نے گرام پنچایتوں کو دیکھا ہے جو دیہاتوں کی سہولیات پر یادہ خرچ نہیں کر سکتے باوجود یہ کہ وہ اس کی دلی خواہش ھتے ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ ان کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھائیں۔ اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ گرام پنچایتوں نے بجلی جو کچھ بھی خرچ کیا ہے انہیں معاف کردیں۔

پینے کے پانی کا مسئلہ

ہم گذشتہ دو سال سے پینے کے پانی کی تنگی محسوس کر رہے ہیں۔

ہزاروں دیہاتوں کو ابھی اس مسئلہ سے نپٹنا ہے۔ اس لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ۵ یا ۱۰ فیصد عطیہ پانی کی اسکیموں کے لئے لوگوں سے طلب کرنے کے باوجود ہم اس قسم کی اسکیموں پر تمام خرچ خود کریں۔ دیہاتوں تک پانی لانے کے لئے بجلی کا خرچ برداشت کرنا ہوگا۔ پائپ لائن ڈالنی پڑے گی اور پانی کو کسی "حوض" میں جمع کرنا ہوگا۔ پانی کیلئے گڑھوں کی کھدائی بھی کرنی پڑے گی۔ لیکن گرام پنچایتوں میں اتنی استطاعت نہیں ہے کہ وہ ان اخراجات کو برداشت کر سکیں۔ اس لئے ہم اب اس خرچ کا نصف حصہ بطور عطیہ کے ان گرام پنچایتوں کو دینے کے حق میں ہیں۔ جو فوری طور پر آدھا خرچ برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس کی بناء پر گرام پنچایتیں مقامی انتظامیہ کو بہتر طور پر انجام دے سکیں گی۔

لال فیتہ شاہی ختم کرنے کیلئے بورڈ کا قیام

لوگوں کا کام بسرعت تمام انجام دیا جانا چاہیئے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ سرکاری مشینری لال فیتہ شاہی کا ایک جنگل ہے۔ ہمارے کانوں تک لال فیتہ شاہی جیسی شکایت نہیں آنی چاہیئے۔ اس لئے ہم اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ انتظامیہ اصلاحی بورڈ قائم کریں جو اپنی رپورٹ تین مہینے کے اندر اندر پیش کرے۔

بورڈ ایک ایسا طریقہ کار پیش کرے گا جس سے لوگوں کو اپنے معاملات میں انصاف اور سہولت مل سکے گی۔ ہم اس بات کے خواہش مند ہیں کہ اس کی سفارشات پر فی الفور عمل کیا جائے گا۔ یہ بورڈ سرکاری طریقۂ کار کو فراخ دلی کے ساتھ اتنا آسان بنا دے گا کہ لوگوں کو انصاف

حاصل کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔

جھونپڑپٹیوں میں رہنے والوں کا مسئلہ

شہر بمبئی خود اپنے مسائل سے دوچار ہے۔ اس کے بارے میں، میں کئی بار کہہ چکا ہوں۔ لیکن سب سے زیادہ دشوار مسئلہ جھونپڑپٹیوں میں رہنے والوں کا ہے نہ صرف یہ کہ، یہ مسئلہ بالخصوص بمبئی سے وابستہ ہے بلکہ پونے، کولہاپور، ناگپور اور اورنگ آباد جیسے دوسرے شہروں کا بھی ہے۔ ہم سب مل کر اس مسئلہ پر غور کر رہے ہیں کہ انہیں اونرشپ کی بنیاد پر پلاٹ دے دیئے جائیں۔ اور ایسے انتظامات کریں جس سے جھونپڑپٹیوں میں رہنے والے ان پلاٹس پر مکان بنانے میں دلچسپی لیں۔ ہم نے انہیں خطوط پر بمبئی کے سلسلے میں غور کیا ہے۔ ۱۹۷۶ء میں بمبئی میں جھونپڑے رجسٹرڈ کیئے گئے تھے۔ اور ہم نے بطور تجربہ کے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جھونپڑوں میں رہنے والوں کو ان پلاٹس کا مالک بنا دیں جن پر ان کے جھونپڑے قائم ہیں۔ لیکن اس فیصلہ پر اب تک عملدرآمد نہ ہوسکا ہے۔ لیکن ہم کو حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔ ان پلاٹوں کو جھونپڑپٹیوں میں رہائش پذیر افراد کو اونرشپ بنیاد پر دینے کے لیے حکومت کی طرف سے جاری کردہ ایک سرٹیفکیٹ حاصل کرنا پڑے گا۔ ہم ایک انتظامی مشینری کے قیام کی بابت سوچ رہے ہیں تاکہ ان جھونپڑپٹیوں میں رہنے والے لوگ ایک سال کے دوران یہ ثابت کرسکیں کہ یہ پلاٹ ان کی ملکیت ہیں۔

علاوہ ازیں یہ بات جھونپڑپٹیوں کے باسیوں کے لئے آسان نہیں ہے کہ وہ گھروں کو تعمیر کرسکیں اس کے لئے ایسی کوئی مشینری نہیں ہے جو اس سلسلے میں حسب ضرورت قرض فراہم کرے۔ اس لئے ہم جھونپڑپٹیوں میں رہنے والے لوگوں کو پلاٹ ۳۰ تا ۹۹ سال کے معاہدہ پر دینے کی بابت غور کر رہے ہیں اس سے وہ "اونرشپ" حقوق کو حاصل کرسکیں گے۔ اور اس سے وہ کسی بھی مالی امداد بہم پہنچانے والے ادارے یا بینک سے قرض حاصل کرسکیں گے۔ یہ قرض اور ان کی ذاتی رقم یقیناً جھونپڑپٹیوں میں ایک قسم کی تبدیلی پیدا کردے گی۔ وہ اپنا ذاتی "اوٹا" یا فرش بنواسکیں گے اس مقصد کے لئے میں محسوس کرتا ہوں، حکومت کو بطور ضمانت اپنے آپ کو پیش کرنا چاہیئے۔ ہم یقیناً ان لوگوں کی مدد کے لئے پیش پیش ہیں۔ جو باتیں ہم نے اپنے منشور میں کہی ہیں۔ ہم ان پر فی الفور عمل درآمد کرنا چاہتے ہیں۔

آپ لوگوں کو اسی بات کی یقین دہانی میں کروانا چاہتا ہوں اور میں دوبارہ آپ لوگوں سے ملاقات کروں گا۔ میں آپ لوگوں کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مہاراشٹر کی نئی کابینہ —— رسمِ حلف برداری

ریاستی کانگریس لیجسلیٹو پارٹی کا لیڈر
جانے کے بعد متفقہ طور پر شری وسنت راؤ پاٹل نے
ارچ کو راج بھون بمبئی میں گورنر مہاراشٹر ائیر چیف
شل آئی۔ ایچ۔ لطیف کے ہاتھوں وزیر اعلیٰ مہاراشٹر
حیثیت سے اپنے عہدہ اور وفاداری کا حلف لیا۔
ی پاٹل چوتھی بار وزیر اعلیٰ مہاراشٹر کے عہدے کے لئے
گئے ہیں۔ یہ تقریب، راج بھون کے سرسبز لان میں انجام پائی۔

اس تقریب میں سینیئر سرکاری عہدیداران، غیر ممالک
نصل کے عہدیداران، لیجسلیٹو اسمبلی کے نئے منتخبہ
ن، شریمتی شالینی تائی پاٹل، وزیر اعلیٰ کی اہلیہ اور ایم این اے
نیسر این۔ ایچ۔ کابلے۔ صدر مہاراشٹر پردیش کانگریس
شری مرلی دیورا، صدر بمبئی پردیش کانگریس کمیٹی
ممتاز شہری شریک تھے۔

اس شام وزیر اعلیٰ نئی دہلی کے لئے کانگریس ہائی کمانڈ
ئی کابینہ کی تشکیل کے سلسلے میں مشورہ کے لئے روانہ
ئے۔ واپسی پر شری پاٹل نے ۲۲ وزراء کی فہرست کا اعلان
جن میں ۷ کابینی وزراء اور ۱۵ وزراء مملکت شامل ہیں

وزراء نے حلف لیا

مہاراشٹر کے معمار شری وائی۔ بی۔ چوان کی سالگرہ
ن، ۷ کابینی وزراء اور ۱۵ وزراءِ مملکت نے ۱۲
ج کے روز راج بھون میں ایک سادہ سی تقریب میں
عہدے اور وفاداری کا حلف اُٹھایا۔

گورنر ائیر چیف مارشل آئی۔ ایچ۔ لطیف کے
وں حلف وفاداری کی رسم ادا ہوئی۔

اس موقع پر پروگریسو ڈیموکریٹک فرنٹ کے لیڈر
ی شرد پوار اور حزبِ مخالف کے دیگر لیڈران
بھی موجود تھے۔

سات کابینی وزراء، شری سدھاکر نائیک،
شری سوشیل کمار شندے، شری سوروپ سنگھ نائیک،
اور ڈاکٹر دی سبرامنیم اور ہاؤس کے ممبران ہیں۔ جبکہ شری
نریندر ترڑکے، شری جاورلال دادرا اور شری بھائی ساونت
کونسل کے ممبران ہیں۔

چودہ وزراءِ مملکت میں وہ نو آئین وزراء بھی شامل
ہیں۔ یہ دونوں اسمبلی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی
کونسل کے رکن ہیں۔

کابینی وزراء میں شری سدھاکر نائیک پہلے وزیر
تھے جنہوں نے حلف وفاداری کی رسم کا آغاز کیا۔ اسی
طرح وزراءِ مملکت میں سب سے پہلے شری شیواجی راؤ دیشمکھ
نے حلف اٹھایا۔ ان کے بعد شری ولاس راؤ دیشمکھ
نے حلف اٹھایا۔ پروفیسر جاوید خان نے ہندی، شریمتی
پروفیسر ڈی سلوا نے انگریزی اور باقی ماندہ وزراء نے حلف
خدا کے نام سے مراٹھی میں لیا۔

اس تقریب میں وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل،
شری شرد پوار، شری ڈی۔ ایم۔ اکرالے۔ کونسل میں حزب مخالف
کے لیڈر، شری رام کاسپے، شری شرد دیگھے ایم پی، شری
مرلی دیورا بی آر سی سی (آئی) کے صدر اور شریمتی اوشا
تائی چودھری ایم پی موجود تھے۔

سنہ ۱۹۶۲ء سے اپنے سیاسی کریئر میں شری ترڑکے نے ۱۱ر
مرتبہ بطور وزیر کے حلف لے کر ایک مثال قائم کی۔

وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل نے اپنے کابینی
وزراء میں قلمدان کی تقسیم اس طرح کی کہ جنرل ایڈمنسٹریشن
داخلہ شہری ترقیات، اطلاعات و رابطہ عامہ اور ڈیری
ڈیولپمنٹ محکمہ جات کو اپنے پاس رکھا۔

قلمدان کی تقسیم کچھ اس طرح ہے:

شری سوشیل کمار شندے کو مالیات، منصوبہ بندی، ثقافتی امور، اسپورٹس اور بہبود نوجوانان جبکہ شری سدھاکر نائیک کے ذمہ محصول کر دیا گیا بجائے تعلیم کے، صنعت بھی ان کے ذمہ ہے۔

شری نریندر ترڑکے جو کہ انتولے کی کابینہ میں وزیر محنت اور لیجسلیٹو امور تھے۔ اب بھی انہیں وہی ذمہ داری سونپی گئی۔

شری جواہر لال دادراکو وزیر آبپاشی اور سیاحت مقرر کیا گیا۔ وزیر مملکت میں شری بھائی ساونت کو دیہی ترقیات، صحت عامہ، اور ضمانت روزگار اسکیم کا قلمدان سونپا گیا۔

ریاستی کابینہ اور وزراء مملکت میں مندرجہ ذیل قلمدان تقسیم کئے گئے ہیں۔

وزیر اعلیٰ

شری وسنت راؤ پاٹل :۔
جنرل ایڈمنسٹریشن، داخلہ، شہری ترقیات، شہری اراضی حد بندی، مفاد عامہ، اطلاعات و رابطہ عامہ، ڈیری ترقیات، پروٹوکول اور ایسے تمام محکمے جو کسی بھی وزیر کو نہیں دیئے گئے ہیں۔

نریندر ترڑکے :۔
امداد باہمی، محنت، لیجسلیٹو امور

جواہر دادرا :۔
آبپاشی، سیاحت،

سدھاکر راؤ نائیک :۔
صنعت، محصول، بازآبادکاری، اور سماجی بہبود۔

سروپ سنگھ نائیک :۔
جنگلات، سماجی جنگل بانی، قبائلی بہبود، غذا اور شہری رسد

سوشیل کمار شندے :۔
مالیات، منصوبہ بندی، ثقافتی امور، اسپورٹس، بہبود نوجوانان اور قانون عدلیہ۔

بھائی ساونت :۔
دیہی ترقیات، صحت عامہ، طبی تعلیم، امداد ادویات، خاندانی بہبود، ضمانت روزگار اسکیم، اسپورٹس، کھاراراضی، ماہی گیری اور خصوصی امداد۔

دی سبرامنین :۔
ہاؤسنگ سلم سدھار، ہاؤسنگ ریپیرز، سدھار، نشہ بندی اور ایکسائز،

وزرائے مملکت

وجے سنگھ موہتے پاٹل :۔
آبپاشی اور سی اے ڈی اے، امداد باہمی اور سیاحت۔

اننت راؤ تھوپٹے :۔
محنت، ڈیری، ترقیات، اینمل ضمانت روزگار اسکیم۔

ابھے سنگھ راجے بھونسلے :۔
جنگلات اور سماجی جنگل بانی اور قبائلی بہبود

وامن گڈم وار :۔
دیہی ترقیات، امداد خصوصی، ہاؤسنگ،

پروفیسر جاوید خان :۔
ہاؤسنگ، سلم سدھار، ہاؤسنگ ریپیرز۔ اوقاف اور پروٹوکول مالیات،

سیلن ڈی سلوا :۔ مالیات، منصوبہ بندی، سماجی بہبود، سیاحت۔

ناکل پاٹل :۔
غذا و شہری رسد، ہائی کلچر، اسپورٹس اور بہبود نوجوانان۔

رجنی ساتو :۔
محصول اور بازآبادکاری، ثقافتی امور، قانون و عدلیہ۔

.بی ٹی۔مہاجن :۔
جنرل ایڈ منسٹریشن، صنعت اور
لیجسلیٹو امور۔
رانیل و ر ہڑے :۔
صحت عامہ، خاندانی بہبود، طبی
تعلیم اور ادویات
رام منوہر ترپاٹھی :۔
شہری ترقیات، اطلاعات، و
رابطہ عامہ
راؤ پالودکر :۔
پبلک ورکس، نشہ بندی،
و ایکسائز۔

وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل اار مارچ کو
بمبئی پہنچے۔ ان کا یہ دورہ ریاستی کابینہ کے
اور وزراءِ مملکت کے تقرری سے متعلق ہائی کمانڈ
لاح و مشورہ کرنے کے سلسلے میں تھا۔ انہوں نے پچھلی
میں سے ۳ کابینی وزراء اور ۵ وزراءِ مملکت کو بحال
شری بھائی ساونت جو کہ پچھلی وزارت میں وزیر
تھے اب انہیں کابینی وزراء کا درجہ دیا گیا۔

شری پاٹل نے رام منوہر ترپاٹھی کو دوبارہ وزیر بنایا
۱۹۷ء میں ان کی وزارت میں شامل تھے۔
شری جواہر لال دارڈا، شری این۔ ایچ۔ ترڈکے اور
مبرامنین، یہ تمام کابینی وزراء ہیں جو کہ دوبارہ وزیر
گئے ہیں۔

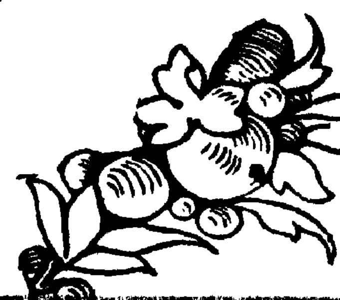
شری شیواجی راؤ دیشمکھ اور شری ولاس راؤ دیشمکھ
پچھلی وزارت میں وزراءِ مملکت تھے اب بھی انہیں
وزراءِ مملکت کی حیثیت سے بحال رکھا گیا ہے اور
اپنے محکموں کے آزادانہ چارج انہیں سونپے گئے۔

شری سوروپ سنگھ نائیک اور شری ابھے سنگھ
بونسلے پچھلے چودہ وزراء میں سے دو وزیر ہیں جنہیں
مرتبہ پھر وزارت میں شامل کیا گیا۔

شری شیواجی راؤ موگھے اور شریمتی رجنی ساتو جو کہ
بھوسلے وزارت میں وزیر مملکت تھے۔ دوبارہ نئی وزارت
میں شامل کئے گئے۔
نئی ٹیم میں بمبئی کے چار نمائندے ہیں۔ ان کے نام
ڈاکٹر وی سبرامنین، پروفیسر جاوید خان، شریمتی
کیلین۔ ڈی بسلوا اور ڈاکٹر ترپاٹھی۔

شری وجے سنگھ موہتے، پاٹل، شری اننت راؤ تھوپٹے
اور شری ابھے سنگھ بھونسلے جو کہ پچھلی وزارت میں وزیر
مملکت تھے اب بھی ان کا عہدہ بحال رکھا گیا۔

شری مانک راؤ پالودکر ضلع اورنگ آباد کے مراٹھواڑہ
علاقے سے چنے گئے ہیں۔ آپ مہاراشٹر راجیہ سہکاری
شکر کارخانہ سنگھ کے سینئر کو آپریٹیو اور صدر ہیں۔
شری جے۔ بی ٹی۔ مہاجن ضلع جلگاؤں سے تعلق
رکھتے ہیں۔



ضروری گذارش! رقم روانہ کرنے والے حضرات سے

منی آرڈر کوپن پر اپنا نام، پتہ اور چندہ نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔ عموماً منی آرڈر
کوپن پر لوگ اپنا نام و پتہ نہیں لکھتے جس کی وجہ سے شکایتی خطوط آنے
پر کافی چھان بین کے بعد پرچہ جاری کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اگر کوپن پر
نام، پتہ تحریر ہو تو قومی راج فوراً جاری کر دیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

نئے وزراء کا تصویری تعارف



شری جواہر لال دردا



وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل



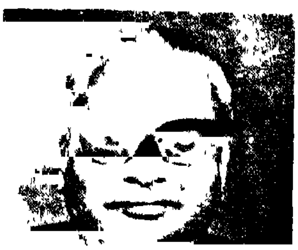
شری [illegible] تٹکرے



شری سوشیل کمار شندے



شری سروپ سنگھ نائیک



شری سدھاکر راؤ نائک



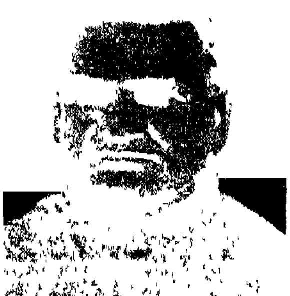
ڈاکٹر وی۔ سبرامنیم



شری بھائی ساونت



شری ولاس راؤ دیشمکھ



شری شیواجی راؤ دلیت

← وزراء مملکت →

(آزادانہ چارج)



ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی



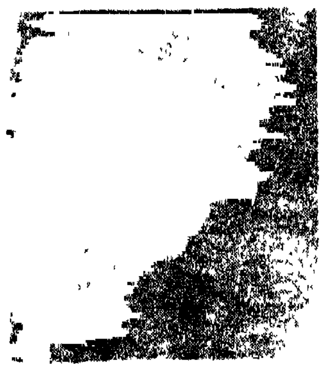
شری وامن راؤ گدوار



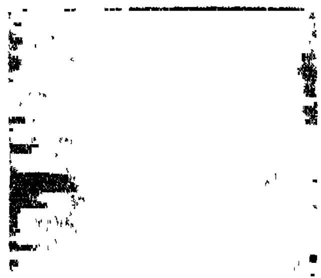
پروفیسر جاوید خان



شری ابھے سنگھ بھوسلے



شری مانک راؤ پولاڈکر



شری نکل پاٹل



شری آننت راؤ تھوپٹے



ڈاکٹر انل درباڑے



شری وجے سنگھ موہتے پاٹل



شری شیواجی راؤ موگھے



شری جے۔ ٹی۔ مہاجن

وزراء مملکت



شریمتی رجنی ساتو



شریمتی کیلین ڈی سلوا

مہاراشٹر اسمبلی الیکشن میں کانگریس (آئی) کو اکثریت حاصل

مہاراشٹر لیجسلیٹو اسمبلی کے انتخابات ۲ را ور ۵ رمارچ کو ہوئے۔
پہلے راؤنڈ میں کل ۱۲۴۲ امیدوار تھے۔ پارٹی کے مطابق ان کی تعداد یوں تھی۔
کانگریس (آئی) ۷ ۱۵، کانگریس (ایس) ۱۵ جنتا ۴۷ بھارتیہ جنتا پارٹی ۱۴۵ ، ڈی ڈبلیو پی ۔ ۱ ، سی پی آئی ۱۶ ، سی پی آئی (ایم) ۱۰ ۔ آر پی آئی ۔ ۲۴ ۔ آر پی آئی (کھوبراگڑے) ۷ ، لوک دل ۲۸ ، مسلم لیگ ۷ ، فارورڈ بلاک ۱ ، اور آزاد امیدوار ۸۴۰

پہلا دور :-

انتخابات کے پہلے دور میں چار براہِ راست مقابلہ شمالی سولاپور (ایس سی) شیر دلا ، تس گاؤں اور جاٹ (ایس سی) میں ہوئے ۔ وزیر مالیات شری سوشیل کمار شندے کا راست مقابلہ آزاد امیدوار سے شمالی سولاپور کے حلقۂ انتخاب ہوا ۔ وزیر مملکت برائے داخلہ شری شیواجی راؤ دیشمکھ کا مقابلہ شری نارائن پانڈورنگ چوان کانگریس (ایس) کے امیدوار سے شیرلا حلقۂ انتخاب میں ہوا۔

اس کے علاوہ ۹ انتخابی مقابلے ایسے تھے جو تین امیدواروں کے درمیان ۱۱ انتخابی مقابلے ایسے تھے جو ۴ امیدواروں کے اور ۴۲ مقابلے ۵ امیدواروں کے درمیان تھے۔

دوسرا دور :-

دوسرے انتخابی دور میں پارٹی کے مطابق امیدواروں کی فہرست اس طرح ہے ۔
کل امیدوار ۹۸۸ ، کانگریس (آئی) ۱۳۱ — کانگریس ایس ۷۵ ، جنتا ۱۴ ، بی جے پی ۲۲ ، پی ڈبلیو پی ۲۵ ، سی آئی پی ۱۴ ، سی پی آئی (ایم) ۵ ، آر پی آئی ۲۷ ، آر پی آئی (کھوبراگڑے) ۱۰ ، لوک دل ۸ ، مسلم لیگ ۶ ، فارورڈ بلاک ۲ اور آزاد امیدوار ۶۵۴ ۔

دوسرے دور میں ووٹنگ ۵ رمارچ کو ہوئی۔ اس میں ۵ مقابلے راست تھے۔ سات تین امیدواروں کے درمیان اور ۲ انتخابی مقابلے ۴ امیدواروں کے درمیان ۔۔۔ دو سابق وزرائے اعلیٰ بہ حیثیت امیدوار انتخاب لڑ رہے تھے ۔ شری دردھن حلقۂ انتخاب میں سابق وزیر اعلیٰ بیرسٹر اے ۔ آر ۔ انتولے انتخاب لڑ رہے تھے

۲۸۸ سیٹوں میں سے کانگریس (آئی) نے ۱۶۲ سیٹیں جیتیں ۔ پروگریسو ڈیموکریٹک فرنٹ بشمول کانگریس (ایس) ، بھارتیہ جنتا پارٹی نے ۱۳ ۔۔۔ حاصل کیں ۔ باقی ماندہ ۲۳ سیٹیں آزاد امیدوار ۔۔۔ کو ملیں ۔

اہم جیتنے والوں کے نام :-

وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل ، سابق وزرائے ۔۔۔ شری شرد پوار اور شری اے ۔ آر ۔ انتولے ۔۔۔
وزراء میں جو جیتے ہیں ان کے نام ہیں -
وزیر مالیات شری سوشیل کمار شندے ۔
وزیر تعلیم شری سدھاکر راؤ نائیک ،
وزیر برائے قبائلی بہبود شری سوروپ سنگھ نائک ۔۔۔
اور وزرائے مملکت میں شری یشونت راؤ شیر بکرے ، شیوا ۔۔۔ راؤ دیشمکھ ، دلاس راؤ دیشمکھ ، وجے سنگھ ۔۔۔ پاٹل ابھے سنگھ راجے بھوسلے اور اننت راؤ تھو ۔۔۔ شامل ہیں جو کہ انتخابات جیت گئے ۔ سابق وزیر ۔۔۔ شری بالو صاحب پربھو گاؤنکر بھی الیکشن جیت گئے ۔
وزیر محنت پروفیسر ایس ۔ ایم ۔ آئی اشیر ، وزیر ۔۔۔ شری اے ۔ ٹی ۔ پوار اور شری مدھوکر چکنکر الیکشن ہار ۔۔۔
تو ۔۔۔

شریمتی تارابائی ورتک ، داداصاحب دیو تھلے ، بابوراؤ مادوی ، ڈاکٹر شری کانت جچکر ، شری ڈی ۔ ڈی ۔ چوان ، کانگریس کے خاص اُمیدواروں میں سے تھے جو کہ اِنتخابات میں ہار گئے ۔

حزبِ مخالف میں اہم جیتنے والوں کے نام :-
پدم سنگھ پاٹل ، کیشوراؤ دھونڈگے ، گنپت راؤ دیشمکھ ، رام کاپسے ، ڈی جوشی ، پی ۔ کے ۔ پاٹل ، نہال احمد ، ببن راؤ دھاکنے ،

شری سدھیر جوشی ، ڈاکٹر ایم ۔ آئی ۔ جھنجھانہ والا ، ہنسکھ اُپادھیائے ، ویدیا ، ڈاکٹر اروند لیلے ، جگنا تھ پاٹل پران لال وورا ، ہارنے والے اہم حزبِ مخالف کے لیڈران میں سے ہیں ۔

۲ مارچ کو [illegible] انتخاب میں ووٹنگ ہوئی جس میں بمبئی اضلاع کے ۴۴۳ حلقے شامل ہیں ۔ ۱۳۱ باقی ماندہ حلقہ انتخابات میں ووٹنگ ۵ مارچ کو ہوئی ۔ اِنتخابات کے دونوں مرحلوں میں ریاست بھر میں امن دامان قائم رہا ۔

۴۴ لاکھ نئے ووٹر :-

لوک سبھا انتخابات کے مقابلے میں اس مرتبہ ۴۴ لاکھ نئے ووٹروں نے حصّہ لیا ۔ اسمبلی انتخابات کیلئے ۴۴۸۶۳ پولنگ بوتھ تیار کئے گئے اور ۲۵۳ افراد اِنتظامات میں جٹے ہوئے تھے ۔

پہلے دور یعنی ۲ مارچ کو ۵۰ سے ۶۰ فیصد ووٹنگ ہوئی ۔ سندھ کھیڑ راجہ جو کہ بلڈانہ میں ہے سب سے زیادہ یعنی ۷۱٪ ووٹ پڑے ۔

دوسرے مرحلہ میں یعنی ۵ مارچ کے روز ۵۵ سے ۶۰ فیصد ووٹنگ ہوئی ۔ سب سے زیادہ ووٹ پُونے ضلع میں موضع واقع بارامتی میں پڑے یعنی ۸۶ فیصد ۔ جیلوں میں سب سے کم یعنی ۳۹ فیصد ووٹ پڑے ۔





پارٹی پوزیشن :-

کانگریس	(آئی)	۱۶۲
کانگریس	(ایس)	۵۴
بھارتیہ جنتا پارٹی		۱۶
کسان مزدور پارٹی		۱۳
جنتا پارٹی		۲۰
کمیونسٹ		۲
کمیونسٹ مارکسسٹ پارٹی		۲
آزاد اُمیدوار		۱۹
کل تعداد		**۲۸۸**

نئی کابینہ

وزراء کا تعارف

شری وسنت راؤ پاٹل :-

وزیر اعلیٰ،

جنرل ایڈمنسٹریشن، داخلہ، شہری ترقی، حد بندی شہری اراضی، پبلک ورکس، اطلاعات و رابطۂ عامہ، ڈیری ترقیات، پروٹوکول اور وہ دوسرے قلمدان جو کسی منسٹر کو الاٹ نہ کئے گئے ہوں۔

یہ ایک انوکھا امتیاز ہے کہ شری وسنت راؤ پاٹل، چوتھی بار مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ چُنے گئے۔ انہوں نے ریاستی کانگریس کی آٹھ برس سے زیادہ عرصہ تک قیادت کی۔

عوام کے خاص اشخاص میں سے ہونے کی وجہ سے شری وسنت راؤ پاٹل نے ہمیشہ ان سے رابطہ رکھا اور ان کے معاملات کی عمدگی کے ساتھ وکالت کی۔ اس پر تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ ایسے ان گنت لوگ ہیں جو ان کی طرف والدین کی سی دیکھ بھال، نصیحت اور رہنمائی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

شری پاٹل نے مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے پہلے پہل ۱۷ اپریل ۱۹۷۷ء کو حلف لیا تھا۔ اس کے بعد فروری ۱۹۷۸ء میں اسمبلی کے انتخابات ہو جانے پر انہوں نے مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے پھر کانگریس (ایس) اور کانگریس (آئی) کے متحدہ حکومت کی قیادت فرمائی اور اس حیثیت سے جون ۱۹۷۸ء تک قائم رہے۔ انہیں لوک سبھا کے عام انتخابات میں جو جنوری ۱۹۸۰ء میں ہوا تھا، سانگلی سے بحیثیت رکن پارلیمنٹ چنا گیا تھا۔ یہ ستمبر ۱۹۸۰ء میں کانگریس (آئی) کے جنرل سیکریٹری مقرر کئے گئے تھے۔

فروری ۱۹۸۳ء میں شری پاٹل جو اس وقت آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سیکریٹری اور رکن پارلیمنٹ تھے، ریاستی سیاست میں پھر داخل ہوئے اور شری بابا صاحب بھونسلے کے بعد وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے۔ اب انہیں بحیثیت وزیر اعلیٰ کے دوبارہ منتخب کیا گیا ہے۔

آنجہانی شری وائی بی چوان بھی مہاراشٹر کے ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۰ء، ۱۹۶۲ء میں وزیر اعلیٰ چنے گئے تھے۔ اس کے بعد انہیں ۱۹۶۲ء میں دہلی بلا لیا گیا تھا۔ جہاں ان کا تقرر بحیثیت وزیر دفاع کے ہوا تھا۔

شری پاٹل کی پیدائش پدمالہ گاؤں ضلع سانگلی میں ۱۳ نومبر ۱۹۱۷ء کو ہوئی تھی۔ یہ اپنی جوانی کے وقت سے ہی کانگریس کے ممبر رہے ہیں۔ انہیں ۱۹۴۰ء میں ستیہ گرہ تحریک میں شرکت کی بناء پر چھ مہینے کے لئے جیل جانا پڑا تھا۔ اس تحریک کے دوران جسے "ہندوستان چھوڑ دو" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ روپوش ہو گئے تھے اور ضلع سانگلی، اور ستارہ سے لوگوں کو برطانوی حکومت کے خلاف بیدار کرتے رہے۔

شری پاٹل کے کندھے میں اس وقت پولس فائرنگ میں زخم آیا تھا جب وہ ۱۵ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ۱۹۴۲ء کی تحریک میں رائفل لے کر نکل جانے کی کوشش میں تھے۔ اس کے بعد وہ گرفتار کئے گئے تھے اور انہیں ۱۳ برس کی سزا دی گئی تھی لیکن آزادی ملنے کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا تھا۔

عوام انہیں وسنت دادا (مراٹھی میں دادا کے معنی بڑے بھائی کے ہیں) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ نیز ان کے ماننے والے بھی انہیں اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔ شری پاٹل، عوام میں سے ہیں اور دفتر میں ہوں یا دفتر کے باہر، لوگ ہمیشہ انہیں گھیرے رہتے ہیں اور اپنی شکایات کے سلسلے میں ان کی مدد اور رہنمائی کے متلاشی رہتے ہیں۔

انہیں اس ریاست کا "کامراج" سمجھا جاتا ہے، کیونکہ یہ سادگی پسند ہیں اور لوگوں کے خیالات کو بہتر طور پر سمجھتے اور تنظیمی قابلیت رکھتے ہیں۔

شری پاٹل ایک قدیم مجاہد آزادی ہیں اور تعاونی طبیعت رکھتے ہیں۔

انہوں نے مغربی مہاراشٹر کے علاقے میں امداد باہمی کی

تحریک کو کافی وسعت دی تا آنکہ اس علاقہ کا صنعتی نقشہ ہی بدل دیا۔

امدادِ باہمی تحریک کی قیادت پر سادہ لوح دیہی کسانوں کو بڑا بھروسہ تھا۔ شری پاٹل نے زرعی، صنعتی، سوسائٹی کا پیغام دوسرے حصے کے مزدوروں تک پہنچایا اور اس سے ان کی نیک نامی میں کافی اضافہ ہوا جس کی بناء پر ان کے ماننے والوں کی اور ایثار پیشہ مزدوروں کی کافی تعداد ان کے گرد جمع ہو گئی جس کی بدولت زراعتی کام کو ان حلقوں میں کافی ترقی حاصل ہوئی۔ انہوں نے مشہور ماہر معاشیات ڈاکٹر گاڈگل کی رہنمائی میں شکری، سہکاری، شکر کارخانہ، امدادِ باہمی کی بنیاد پر سانگلی میں قائم کیا جو آج اس علاقہ کا ایک قیادت پذیر ادارہ ہے۔

ان کا پہلا بڑا کارنامہ سانگلی کے مارکیٹ یارڈ کی ترقی ہے۔ انہوں نے کسانوں کے اس نقطۂ نظر کو کہ ان کی پیداوار وزن کر کے لی جائے اور اس پر صحیح طور پر نگرانی رکھی جائے، جو کسانوں کی اولین مانگ تھی، بڑی جدوجہد کے بعد منوایا اس کے بعد سے شری پاٹل کا ضلع ستارہ اور سانگلی میں امدادِ باہمی سوسائٹیوں کے منظم کرنے میں غالب حصہ رہا ہے متعدد امدادِ باہمی تنظیموں کے ساتھ ان کا سرگرم تعلق رہا ہے جن میں بعض یہ ہیں۔ زرعی امدادِ باہمی ادارے مارکیٹنگ کمیٹیاں، امدادِ باہمی ڈسٹلریز، سہکار سیمنٹ فیکٹری، سہکاری بینک، ڈسٹرکٹ لینڈ ڈیولپمنٹ بینک، کوآپریٹیو اسپننگ ملس، کوآپریٹیو پولٹری فارم، اور کوآپریٹیو شوگر کارخانے۔ سانگلی اور میرج میں امدادِ باہمی سوسائٹیوں کے ذریعے صنعتی کارخانوں کے قیام میں انہوں نے کافی سرگرمی سے حصہ لیا۔ چنانچہ سانگلی میں صنعتی تعلیمی ادارہ کے افتتاح میں بڑی ہمت افزائی کی۔ اس ادارہ سے ٹکنیکل ماہرین اور کارپرداز کام سیکھ کر نکلتے ہیں جس سے شری وسنت راؤ کی دوراندیشی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ شری وسنت راؤ مہاراشٹرا اسٹیٹ کوآپریٹو بینک کے چیئرمین اور آل انڈیا کوآپریٹو شوگر ملس فیڈریشن کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔

مہاراشٹر پردیش کانگریس کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے ان کی تنظیمی قابلیت ظاہر ہوئی۔ بمبئی کے راشٹریہ مل مزدور سنگھ کو بھی انہوں نے اپنے طور پر نوازا۔ ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۷۲ء میں مہاراشٹر کی کابینہ میں انہیں وزیر برائے آبپاشی و توانائی کی حیثیت سے شامل کیا گیا تھا اور وہ اس عہدے پر فروری سنہ ۱۹۷۶ء تک قائم رہے۔ ایم پی سی سی کے سربراہ کی حیثیت سے شری پاٹل کی سرکردگی میں کانگریس پارٹی نے سنہ ۱۹۷۲ء کے لوک سبھا اور اسمبلی انتخابات میں سیٹوں کی کافی تعداد حاصل کی تھی۔

شری پاٹل "انٹک" کے ساتھ ملحق راشٹریہ مل مزدور سنگھ کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ سنگھ مذکور بمبئی میں کپڑا مزدوروں کی یونین کی نمائندگی کرتی ہے۔

کابینی وزراء

شری نریندر تڑکے

وزیر برائے امداد باہمی، محنت اور قانونی امور

آپ ۲ نومبر سنہ ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے تھے۔ آپ بی۔ اے (آنرز) ایل ایل بی ہیں۔ مدھیہ پردیش کی طلباء کانگریس کے جنرل سیکریٹری اور پھر صدر رہے۔ آپ آل انڈیا اسٹوڈنٹس کانگریس کے تنظیمی سیکریٹری، مدھیہ پردیش کی طلباء کے نیشنل یونین کے کنوینر، طلباء کے نیشنل یونین کی آل انڈیا سیشن کی اسٹیرنگ کمیٹی کے چیئرمین، ودربھ علاقہ یوتھ کانگریس کے کنوینر اور ناگپور پردیش کانگریس کمیٹی کی یوتھ ونگ کے سیکریٹری رہ چکے ہیں۔ سنہ ۱۹۴۲ء کی تحریک آزادی میں شرکت کی بناء پر آپ کو قید و بند کی سزا ہوئی تھی۔ آپ کو محنت اور اس کے مسائل سے کافی دلچسپی ہے۔ آپ راشٹریہ مزدور سنگھ، ناگپور کے صدر، بلارپور پیپر مل مزدور سبھا کے صدر رہ چکے ہیں۔ ان کے علاوہ کئی ٹریڈ یونینوں میں بحیثیت عہدہ دار رہے ہیں۔ آپ نے سنہ ۱۹۵۶ء میں انڈین لیبر کی آئی۔ ایل۔ او کانفرنس جینوا میں نمائندگی کی تھی۔ سنہ ۱۹۵۶ء میں صنعتوں کے ساتھ انسانی تعلق پر ممالک دولتِ مشترکہ کی مطالعاتی کانفرنس میں بمقام آکسفورڈ شرکت فرمائی۔ یو۔ ایس۔ ایس۔ آر، زیکوسلواکیہ،

یوگوسلاویہ، ڈنمارک، مغربی جرمنی، جیسے ممالک کی مطالعاتی سیاحت فرمائی۔ اور ان ملکوں کے تعلیمی معاملات کے ساتھ گہری دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ آپ ناگپور یونیورسٹی کورٹ کے ایک رکن بھی رہ چکے ہیں۔

آپ مہاراشٹر کی پہلی ریاستی کابینہ میں دیہی ترقیات کے ڈپٹی منسٹر تھے۔ ۱۹۶۲ء میں ناگپور کے ساؤنیر حلقۂ انتخابات سے مہاراشٹر کی مجلس قانون ساز کے ایک رکن منتخب ہوئے اور شری ایم ایس کنوزار کی وزارت میں دیہی ترقیات کے ڈپٹی وزیر مقرر کیے گئے تھے۔ اسی طرح آپ ۱۹۸۰ء میں شری انتولے کی وزارت میں وزیر محنت تھے۔

شری جواہر لال دردا

(وزیر آب پاشی و سیاحت)

آپ کی تاریخ پیدائش ۲ جولائی ۱۹۲۳ء ہے۔ مراٹھی زبان کے روزنامہ "لوک مت"، ناگپور چیف ایڈیٹر تھے۔ تحریک آزادی میں شرکت فرمائی ۱۹۴۲ء میں جیل گئے۔ ایوت محل ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی کے کچھ عرصہ تک چیرمین رہے اور ودربھ پی سی سی کے ایک رکن بھی۔

ودربھ میں امداد باہمی کی بنیاد پر ہاؤسنگ سوسائٹی کے قیام میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۶۵ء میں مہاراشٹر ہاؤسنگ فینانس سوسائٹی کے چیرمین تھے۔

آل انڈیا ہاؤسنگ فیڈریشن کے وائس چیرمین، اور عالمی ہاؤسنگ تنظیم کے ایک رکن رہے۔ سابق میں امولک چند کالج "ایوت محل"، کی گورننگ باڈی کے چیرمین ۱۹۷۲ء سے ریاستی قانون ساز کاؤنسل کے ممبر، ۱۹۷۵ء میں شری وسنت راؤ پاٹل کی وزارت میں وزیر توانائی، اور ۱۹۸۰ء میں شری انتولے کی وزارت میں وزیر صنعت رہے۔

شری سدھاکر راؤ نائیک

وزیر صنعت، محصولات، باز آبادکاری، اور سماجی بہبود۔

پیدائش ۲۱ اگست ۱۹۳۴ء، بمقام گہلی،

تعلقہ پوساد، ضلع ایوت محل۔ بی، اے۔ سابق ایڈیٹر مراٹھی ہفتہ وار "گرام سوراجیہ"، اور مدیر مراٹھی ماہنامہ "سونالی"، آپ پھول سنگھ نائیک مہاودیالیہ کے بانی — ممبر، راشٹریہ شکشن پرسارک منڈل کے صدر، جنتا شکشن پرسارک منڈل کے سکریٹری اکھل بھارتیہ مراٹھی ساہتیہ سمیلن، منعقدہ پرشاد کے آرگنائزر، مہاراشٹر راجیہ مراٹھی ناٹیہ پریشد، منعقدہ ایوت محل کے نائب صدر، مہاتما گاندھی اور ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کے مجسمے کی تعمیر کرنے والی متر منڈل — ایوت محل کی جانب سے سرگرم شریک کار، پوساد اور ایوت محل میں میڈیکل اور سرجیکل کیمپوں کے تنظیم کار، پوساد تعلقہ پنچایت سمیتی (۷۲-۱۹۶۲ء) کے چیرمین، ایوت محل ضلع پریشد (۷۷-۱۹۷۲ء) کے صدر اور ضلع کانگریس کمیٹی کے سکریٹری اپریل ۱۹۷۷ء میں وزیر مملکت، جون ۱۹۷۷ء میں ناگپور لوکل باڈیز کے حلقہ انتخاب سے قانون ساز کونسل کے لئے چنے گئے۔ مارچ ۱۹۷۸ء میں ریاستی اسمبلی کے لئے چنے گئے وزیر مکانات (مارچ تا جولائی ۱۹۷۸ء) ۱۹۸۰ء میں پوسد کے حلقہ انتخاب سے قانون ساز اسمبلی کے لئے منتخب شدہ رکن۔ سابقہ وزارت میں تعلیم اور صنعت کے وزیر۔

شری سروپ سنگھ نائیک

وزیر جنگلات، سماجی جنگل بانی، قبائلی ترقی، غذا و شہری رسد،

پیدائش: ۱۰ ستمبر ۱۹۳۸ء۔ بمقام نواگاؤں (دھوا) تعلقہ نواپور، ضلع دھولے۔

کانگریس پارٹی کے ایک سچے کارپرداز۔ ادیباسی کی اصلاح و ترقی کے لئے کام کرتے رہے۔ ایک آشرم اسکول کے ڈائرکٹر، ضلع دھولے کے فروخت و خرید یونین کے نائب چیرمین رہ چکے ہیں۔ (نواگاؤں وکاس کاریہ سیوا سنگھ کے چیرمین) اور نواپور تعلقہ شکشن پرسارک منڈل کے ممبر، کچھ برسوں تک ضلع دھولے کانگریس کمیٹی کے سکریٹری تھے۔ سکول گروپ ویلیج پنچایت سمیتی کے ممبر اور ضلع پریشد کے ایک ممبر بھی تھے۔

سنہ ۱۹۷۲ء میں نواپور کے محفوظ حلقۂ انتخاب سے ریاستی قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ سنہ ۱۹۷۷ء میں نندربار کے محفوظ حلقۂ انتخاب سے لوک سبھا کے ممبر چنے گئے اور سنہ ۱۹۸۰ء میں دوسری بار اسی حلقۂ انتخاب سے لوک سبھا کے لئے منتخب ہوئے۔

سنہ ۱۹۸۰ء میں انتولے کابینہ میں قبائلی بھلائی اور سماجی بہبود کے وزیر بنائے گئے۔ فروری سنہ ۱۹۸۲ء میں بھونسلے وزارت میں قبائلی بہبود اور اشغال عامہ کے وزیر اور اس سے قبل کی وزارت میں وزیر جنگلات، سماجی جنگلات اور قبائلی بہبود تھے۔

شری سوشیل کمار شندے

وزیر مالیات، پلاننگ ثقافتی امور،
کھیل کود اور جوانوں کی بہبود۔ قانون اور عدالت،

پیدائش: ۴ ستمبر سنہ ۱۹۴۱ء ایک پسماندہ خاندان میں بمقام سولاپور۔ تعلیم کی ابتدا سولاپور میں اور تکمیل پونے میں کی۔ بی۔ اے (آنرز)۔ ایل۔ ایل۔ بی ہیں۔

انہوں نے اپنی تعلیم بہت سی دشواریوں پر غالب آتے ہوئے جاری رکھی۔ نتیجتہً جب اسکول میں تھے، تو واڈیا ہاسپٹل میں، اور پھر سولاپور کی کورٹ میں ملازمت اختیار کرنی پڑی۔

اپنی کفالت آپ کرنے کے عزم بالجزم کے سبب دشواریوں پر بآسانی غالب آ گئے۔ سخت محنت کے طفیل ترقی کی طرف قدم جاری رہا۔ ڈگری حاصل کرنے کے بعد محکمۂ پولس میں سب انسپکٹر کے بطور ملازمت کرلی۔ پولس کے محکمہ میں ملازمت کے دوران بہت سے سیاسی ورکروں سے قریبی تعلقات قائم ہوئے۔ چونکہ طبیعت میں خلوص، دوستانہ خوبو، نرم گفتاری اور سماجی خدمات کا جذبہ تھا۔ انہوں نے سیاسی سرگرمیوں میں بے جھجک شرکت کی۔ انہیں مہاراشٹر کانگریس فورم برائے سوشلزم کا کنوینر نامزد کیا گیا۔ اور اس کے لئے انہوں نے محکمۂ پولس سے استعفیٰ دے دیا۔ شری شندے نے سولاپور کے کرملا حلقۂ انتخاب سے اسمبلی کی نشست کے لئے کامیابی کے ساتھ انتخاب جیتا اور سنہ ۱۹۷۴ء میں ایم۔ ایل۔ اے بن گئے۔ انہیں ریاستی کابینہ میں وزیر مملکت کے بطور شامل کیا گیا اور جوانوں کی بہبود اور نقل و حمل کا قلمدان وزارت دی گئی۔ بعد میں انہیں سماجی بہبود، جوانوں کی بہبود، کھیل کود اور ثقافتی امور، ڈیری کی ترقیات وغیرہ کے محکمے سنہ ۱۹۷۵ء میں سونپے گئے۔

سنہ ۱۹۷۷ء کے عام انتخابات کے بعد انہیں صحت عامہ اور سماجی بہبود کے محکمے دیئے گئے۔ سنہ ۱۹۷۸ء کے اسمبلی کے عام انتخابات میں شری شندے شمالی سولاپور کے حلقۂ انتخاب سے چنے گئے۔ انہیں محنت اور سیاحت کا وزیر بنایا گیا۔ جون سنہ ۱۹۷۹ء میں بین الاقوامی لیبر کانفرنس میں جس کا انعقاد جینیوا میں ہوا تھا۔ انہیں مہاراشٹر کے نمائندے کے طور پر دعوت دی گئی تھی۔ اس کے بعد وہ انگلستان اور جرمنی گئے تاکہ وہاں ان لوگوں کی زندگی کے متعلق پوری واقفیت حاصل کریں جن کا تعلق عام مزدوروں سے تھا۔

سنہ ۱۹۸۰ء کے عام انتخابات میں دوبارہ ریاستی اسمبلی کے اسی حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوئے۔ اس سے پہلے کی وزارت میں شری شندے وزیر مالیات، پلاننگ، سیاحت اور ثقافتی امور کے وزیر تھے۔

شری بھائی ساونت۔

وزیر دیہی ترقیات، صحت عامہ،
میڈیکل تعلیم، اور ڈرگس، خاندانی بہبود،
ضمانت روزگار اسکیم، بندرگاہوں، کھاری زمینوں،
فیشریز، اور خصوصی امداد،

پیدائش: ۴ فروری سنہ ۱۹۲۴ء بمقام مجگاؤں، (ساونت واڑی) ضلع سندھو درگ۔ آپ ساونت واڑی شکشن پرسارک منڈل کے صدر۔ رتناگیری ضلع پریشد کی ورکس اور صحت کمیٹی کے چیرمین (سنہ ۶۷-۱۹۱۴ء)، زراعت و امداد باہمی کمیٹی کے چیرمین (سنہ ۶۸-۱۹۶۸ء) ضلع پریشد کے صدر (سنہ ۷۲-۱۹۷۲ء) ایگرو انڈسٹریز کارپوریشن مہاراشٹر

اسٹیٹ کے ڈائریکٹر (سنہ ۱۹۷۵-۷۷ء) مہاراشٹر اسٹیٹ آبپاشی ترقیاتی کارپوریشن کے ڈائریکٹر (سنہ ۱۹۷۶-۷۸ء) مہاراشٹر اسٹیٹ امداد باہمی بینک اور مہاراشٹر اسٹیٹ امداد مارکیٹنگ فیڈریشن کے ڈائریکٹر۔ ضلع پریشدوں کے مالی امور سے متعلق کمیٹی کے کنوینر (سنہ ۱۹۷۷ء)
مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل کے، سندھو درگ لوکل باڈیز حلقۂ انتخاب سے ممبر۔ سابقہ وزارت میں وزیر محاصل تھے۔

ڈاکٹر وی۔ سبرامنین

وزیر برائے مکانات، سلم امپرومنٹ، مرمت مکانات و تعمیر نو، نشہ بندی، اور اکسائز۔

پیدائش: ۲۶ جنوری سنہ ۱۹۱۹ء، بمقام شیوگنگا، واقع رام ناتھ پورم، ضلع تامل ناڈو۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی ڈی لٹ بمبئی یونیورسٹی۔ آپ نے آرمی آرڈی نینس کور میں ملازمت کی۔ پھر سنہ ۱۹۴۷ء تک آئی اے ایس میں ملازم رہے۔ رجسٹرار کوآپریٹیو سوسائٹیز، سکریٹری محکمۂ جات محاصل، داخلہ اور مالیات ڈپٹی ٹیکسٹائل کمشنر کے طور پر بھی آپ نے کام کیا۔ سنہ ۱۹۷۳ء سے شان مکھانند فائن آرٹس اینڈ سنگیت سبھا کے چیرمین۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن کی ایگزیکیٹو کمیٹی کے ممبر۔ بمبئی یونیورسٹی سینیٹ کے ممبر، بھونسلے وزارت میں مالیات اور منصوبہ بندی کے وزیر۔

وزراءِ مملکت

شری شیواجی راؤ دیشمکھ

وزیر مملکت برائے زراعت توانائی اور نقل و حمل (آزادانہ چارج)

پیدائش: یکم ستمبر سنہ ۱۹۳۵ء بمقام تلاؤنی تعلقہ

ہاتھ کننگلے، ضلع کولہاپور۔ بی۔ اے (زراعت) انہوں نے دیہی علاقوں میں تعلیمی اور سماجی میدانوں میں کام کیا۔ کوئنا کے زلزلے زدہ مقاموں میں کام کیا۔ سنہ ۱۹۶۷-۷۲ء کے دوران شیرالا تعلقہ پنچایت کمیٹی کے چیرمین۔ سنہ ۱۹۷۲-۷۸ء کے دوران سانگلی ضلع پریشد کی زراعتی کمیٹی کے ممبر سنہ ۱۹۷۲ء کے دوران مہاتما پھلے ایگریکلچرل یونیورسٹی کی ایگزیکیٹو کونسل کے ممبر سنہ ۱۹۷۸ء میں ریاستی اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے۔ سنہ ۱۹۷۸-۸۰ء میں پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کے ممبر سنہ ۱۹۷۸-۸۰ء میں تخمینہ لگانے والی کمیٹی کے ممبر۔ دوسری بار سانگلی ضلع کے شیرالہ حلقۂ انتخابات سے ریاستی اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے۔
اس سے پہلے کی وزارت میں وزیر مملکت برائے جنرل ایڈمنسٹریشن، داخلہ، اطلاعات و رابطۂ عامہ تھے۔

شری وِلاس راؤ دیشمکھ

وزیر مملکت برائے تعلیم ٹیکنیکل تعلیم و ملازمت (آزادانہ چارج)

پیدائش: ۲۵ مئی سنہ ۱۹۴۵ء بمقام بابھل گاؤں، ضلع عثمان آباد، ابتدائی تعلیم بابھل گاؤں میں اور ثانوی تعلیم لاتور میں حاصل کی۔ پونے یونیورسٹی سے بی۔ ایس۔ سی، بی۔ اے اور ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔
آنجہانی شری سنجے گاندھی کے حالات سے ہمت پاکر شری دیشمکھ سیاست میں داخل ہوئے۔ سنہ ۱۹۷۴ء میں بابھل گاؤں ویلیج پنچایت کے سرپنچ منتخب ہوئے۔ سنہ ۱۹۷۴ء سے سنہ ۱۹۷۶ء تک ضلع عثمان آباد یوتھ کانگریس کی ضلعی یونٹ کے صدر تھے۔ سنہ ۱۹۷۴ء سے سنہ ۱۹۸۰ء تک لاتور پنچایت سمیتی کے چیرمین اور عثمان آباد ضلع پریشد کے ممبر تھے۔ سنہ ۱۹۷۹ء سے عثمان آباد ڈسٹرکٹ سنٹرل کوآپریٹیو بنک اور مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو بینک کے ڈائریکٹر رہے ہیں۔ سنہ ۱۹۷۵ء سے لاتور کی زراعتی پیداوار کی مارکیٹنگ کمیٹی کے ڈائریکٹر بہت سے بدیسی ملکوں کا دورہ کیا۔ جیسے جاپان، تھائی لینڈ، فلپائن،

ن اور ہانگ کانگ سنہ ۱۹۸۰ء میں، مغربی جرمنی، فرانس،
ستان، امریکہ، اور پھر جاپان کا دورہ سنہ ۱۹۸۱ء میں
کہ امداد باہمی کی تحریک اور زراعتی ترقیات کا مطالعہ
۔ سنہ ۱۹۸۰ء میں ضلع عثمان آباد میں لاتور کے حلقہ
ب سے مہاراشٹر اسمبلی کے لئے چنے گئے۔
پچھلی وزارت میں آپ وزیر مملکت برائے
ٹوکول، نقل وحمل، زراعت، تعلیم، فنی تعلیم
بیت، دیہی ترقیات، کھیل اور جوانوں کی بہبود
سابقہ وزارت میں آپ جنرل ایڈمنسٹریشن، داخلہ
لاعات کے وزیر مملکت تھے۔

پروفیسر جاوید خان

وزیر مملکت برائے مکانات، گندی بستیوں
کی اصلاح، مرمت مکانات و تعمیر نو، اوقاف
اور پروٹوکول۔

پیدائش: یکم اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء۔ ایم۔ ایس۔ سی،
، جوائنٹ سکریٹری بمبئی ریجنل کانگریس (آئی)
تنزلی سیل، بی۔ آر۔ سی۔ سی (آئی) کے چیرمین، بی۔
سی (آئی) ٹیچرس سیل کے کنوینر، آل انڈیا مسلم
فرنس کی بمبئی یونٹ کے صدر، مہاراشٹر کالج آف
، سائنس اور کامرس، بمبئی، میں ڈپارٹمنٹ آف
ملس اینڈ اسٹاٹسٹکس کے پروفیسر اور سربراہ،
ورسٹی میں بورڈ آف اسٹڈیز ان میتھیمیٹکس کے
بمبئی یونیورسٹی میں فیکلٹی آف آرٹس، فیکلٹی
نس اور فیکلٹی آف کامرس کے ممبر، نیشنل فورم
ٹیلیکچوئیلس، بمبئی کے جنرل سکریٹری، کاسموپولیٹن
ٹیچرس، بمبئی کے جنرل سکریٹری، انڈین نیشنل
نریس، ریاست مہاراشٹر کے ممبر۔ گذشتہ دس سال
ل ایگزیکیٹو مجسٹریٹ، بمبئی عقلی، ساؤتھ انڈیا
بی، مہاراشٹر کے نائب صدر، ان کے علاوہ
ملق بمبئی کے بہت سے ثقافتی اور کھیل کود (اسپورٹس)

کی تنظیموں سے ہے۔

شری وامن راؤ گلٹھوار

وزیر مملکت برائے دیہی ترقیات وخصوصی امداد

پیدائش: یکم نومبر سنہ ۱۹۳۷ء
مشہور ترقی پسند کسان
سنہ ۱۹۷۲ء سے سنہ ۱۹۷۷ء تک، چندرا پور ضلع
پریشد کے چیرمین کی حیثیت سے سرگرمی کے ساتھ کام کرتے رہے
سنہ ۱۹۷۸ء سے کانگریس (آئی) کمیٹی کے چیرمین
سنہ ۱۹۸۲ء میں چندرا پور ضلع پریشد کے
ممبر کی حیثیت سے چنے گئے۔

شریمتی سیلین ڈی سلوا

وزیر مملکت برائے مالیات،
پلاننگ، سماجی بہبود و سیاحت،

پرنسپل لٹل ٹاور انگلش ہائی اسکول، گھاٹ کوپر
انہوں نے سیوا دل والنٹیر کی حیثیت سے کام کیا ہے۔
بمبئی شمال مشرقی ڈسٹرکٹ کانگریس اور ایگزیکیٹو
کمیٹی کی جنرل سکریٹری۔ بی آر سی سی کی ممبر۔ بمبئی ہاؤسنگ
اینڈ ایریا ڈیولپمنٹ بورڈ اور سماجی بہبود ایڈوائزری
بورڈ اور بمبئی شہر سماجی تعلیمی بورڈ کی ممبر رہ چکی ہیں۔

ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی

وزیر مملکت برائے شہری ترقیات،
اطلاعات و رابطۂ عامہ،

پیدائش ۲۵؍ جنوری سنہ ۱۹۳۲ء بمقام مسرکھیڑا، ضلع رائے بریلی
یوپی۔ ایم اے، (پونے یونیورسٹی) پی۔ ایچ۔ ڈی (بمبئی یونیورسٹی)

اور صحافی۔ آپ کی شائع کردہ تصنیفات یہ ہیں۔ انہوں نے ادبی مضامین کا دوسری زبانوں سے ہندی میں ترجمہ کیا۔ لال بہادر شاستری سوانح عمری ——— باپو (گجراتی ترجمہ) ویر تبیں وارہ (چھوٹی رزمیہ نظم)

کئی ایک سماجی اور تعلیمی اداروں سے وابستہ رہے۔ ہیں۔ بمبئی شہر اور مضافات کے کرایہ داروں اور گندی بستی میں رہنے والوں کے مسائل کو حل کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہے بہت سی چال کمیٹیاں قائم کیں۔ سیمیناروں، شاعروں، پر بحث ومباحثہ، مصنفین اور صحافیوں کی تنظیم کی۔ کرلا تعلقہ کانگریس کے جنرل سکریٹری تھے۔ ۱۹۵۸ء سے پردیش کانگریس کمیٹی کے ممبر ۷۶-۱۹۷۷ء میں بمبئی پردیش کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری مقرر کئے گئے۔ ۱۹۶۱-۶۲ء تک بمبئی میونسپل کارپوریشن کے ممبر تھے۔ کارپوریشن کی کسی کمیٹیوں میں مقرر کئے گئے۔ ۱۹۶۳-۱۹۷۱ء میں بمبئی میونسپل کانگریس پارٹی کے چیف وہپ تھے۔ اقل ترین اجرت کمیٹی کے دوبار چیرمین بنائے گئے۔ مہاراشٹر لیجسلیٹو اسمبلی کے ۱۹۷۲ء تک ممبر رہے۔ مارچ ۱۹۷۸ء میں لیجسلیٹو کونسل کیلئے منتخب ہوئے۔

مارچ ۱۹۷۸ء میں شہر ترقیات، پروٹوکول، اطلاعات و رابطہ عامہ کے شری وسنت راؤ پاٹل کی وزارت میں وزیر مملکت تھے۔ مارچ ۱۹۸۴ء میں دوسری بار لیجسلیٹو کونسل کے لئے منتخب ہوئے۔ ہندی اکیڈمی کے چیرمین بنائے گئے۔ بمبئی یونیورسٹی کی طرف سے معاصرانہ نظموں کی تحقیق پر پی۔ ایچ۔ ڈی ڈگری سے نوازے گئے۔ نیز نو بھارت ٹائمز میں بطور معاون مدیر کے کام کیا۔

شری اننت راؤ تھوپٹے

وزیر مملکت برائے محنت، ڈیری ترقیات،
مویشیوں کی کفایت کے ساتھ انتظام کاری،
اور ضمانت روزگار اسکیم۔

پیدائش: ۱۱ رجنوری ۱۹۳۶ء بمقام ہتنوشی، ضلع پونے بی اے جی ڈی سی۔ بین یونیورسٹی کشتیوں کے چیمپئن۔ پونے یونیورسٹی ٹیم کے کپتان تھے۔ زراعت کار، زراعتی امداد باہمی فروخت / خرید سوسائٹی، بھور کے صدر، امداد باہمی کی بنیاد پر ٹائلس نیکٹری کا قیام فرمایا۔ بھور اور ویلے تعلقہ زراعتی اور صنعتی ترقیاتی کمیٹی کے اور بھور امداد باہمی یونین کے بانی۔ ۱۹۷۸ء میں پونے ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی کے صدر۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۸ء تک مہاراشٹر لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر اور ۱۹۸۰ء میں پھر منتخب ہوئے۔ بھونسلے وزارت میں وزیر مملکت برائے دیہی ترقیات، ڈیری ترقیات اور مویشیوں کی کفایت کے ساتھ انتظام کاری اور بازآبادکاری تھے۔ سابقہ وزارت میں وزیر مملکت برائے ڈیری ترقیات اور مویشیوں کی کفایت کے ساتھ انتظام کاری تھے۔

شری ناکل پاٹل

وزیر مملکت برائے غذا و شہری
رسد، باغبانی، جوانوں کی بہبود،
کھیل کود اور ماہی گیری۔

پیدائش: یکم ستمبر ۱۹۳۶ء۔ بمقام ڈومبیولی، تعلقہ کلیان، ضلع تھانے۔ بی، اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ۱۹۸۰ء سے ایم ایل اے۔ اور کلیان (مشرق) ریجن کانگریس (آئی) کمیٹی کے صدر۔ سماجی اور محنت کے میدانوں میں کام کرتے رہے۔ یوتھ فیڈریشن کے تنظیم کار،

شری مانک راؤ پالوڈکر

وزیر مملکت برائے پبلک ورکس،
نشہ بندی، ایکسائز

پیدائش: ۱۹ رجون ۱۹۲۶ء۔ ضلع پربھنی،

قومی راج

اورنگ آباد کے صدر۔ اورنگ آباد سول اسپتال کے ممبر (۱۹۶۷ء)

شری ابھے سینہہ بھوسلے

وزیر مملکت برائے داخلہ وجیل خانے

پیدائش: ۱۶ مئی ۱۹۴۴ء بمقام دھارا،
مدھیہ پردیش بی اے کاشت کار۔ زراعت سے خاص
دلچسپی، بہت سے مقامی سماجی اور تعلیمی اداروں سے
وابستہ، دیہی اور پس ماندہ اقوام کے طلباء کو صنعتی
ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں مختلف کورسیس کے لئے بڑی
تعداد میں داخل کروانے میں خاص طور سے پہل کی اور کوششیں
فرمائیں۔ ستارہ ڈسٹرکٹ پلاننگ اینڈ ڈیولپمنٹ
کمیٹی کے تمام کاموں کی تعمیل میں گہری دلچسپی لی۔ اپنے حلقۂ
انتخاب کے دور دراز کے دیہی حلقوں اور قریہ جات کے
لئے پینے کے پانی کی متعدد اسکیمیں جاری کیں۔ دور دراز
علاقوں کو بڑے راستے سے جوڑنے کے لئے نیز تالاب بندی
کے کام، بجلی پہنچانا اور اسی طرح کے دوسرے کام دیہی
علاقوں کے لئے تجویز کرنے اور منظوری لینے کی اسکیموں پر
کام کے بارے میں جدوجہد کی۔ ضلعی صنعتی مرکز، ستارا
کے ذریعہ تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے لئے مختلف قسم
کی صنعتی اسکیمیں جاری کرنے کے لئے خاص کوششیں کیں۔
۱۹۷۸ء میں ستارا حلقۂ انتخاب سے ریاستی
اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے۔ اسی حلقۂ انتخاب سے ۱۹۸۰ء
میں پھر چنے گئے۔ آپ انتولے وزارت میں وزیر مملکت
برائے داخلہ، آبپاشی اور زراعت تھے اور اس سے قبل کی
وزارت میں وزیر مملکت برائے امداد باہمی تھے۔

شری جے۔ ٹی۔ مہاجن

وزیر مملکت برائے جنرل ایڈمنسٹریشن،
صنعت اور قانونی امور

راج

پیدائش: ۱۳ اگست ۱۹۲۴ء بمقام نہاوی،
ضلع ایوت مل۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ سترینج نہاوی گرام پنچایت
(۱۹۵۸ء) سبھاپتی، پنچایت سمیتی، یاول (۱۹۶۲ء-۱۹۶۷ء)
یاول سے ۱۹۶۷ء، ۱۹۷۲ء-۱۹۷۸ء، اور ۱۹۸۰ء کے
انتخابات میں اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے۔ مختلف لیجسلیچر
کمیٹیوں کے ممبر رہے۔ جلگاؤں ضلع امداد باہمی دودھ ترقیات
فیڈریشن کے بانی اور صدر۔ مدھوکر امداد باہمی شگر فیکٹری
کے بانی اور چیرمین۔ فیض پور میں ایک کالج کے قیام میں
اہم رول ادا کیا۔ متعدد تعلیمی اداروں سے گہرے طور پر وابستہ رہے۔
جلگاؤں ضلعی کانگریس کمیٹی کے نائب صدر اور صدر تھے۔

شری شیواجی راؤ موگھے

وزیر مملکت برائے جنگلات و
سماجی جنگل بانی اور قبائلی ترقیات،

پیدائش: ۲۷ مارچ ۱۹۴۵ء بمقام
بسنت پور۔ تعلقہ، دیگراج ضلع ایوت مل۔
ایم کام ایل۔ ایل۔ بی ایڈوکیٹ اور کاشتکار ۱۹۷۰ء
میں مہاراشٹر ادیباسی یووک سنگھ کو قائم کیا۔ وہ دور بعد میں
ادیباسی سدھار کے کام میں خاص دلچسپی لی۔ ۱۹۶۸ء
سے کانگریس پارٹی میں شامل۔ ڈیگراس بلاک کانگریس
کمیٹی کے صدر۔
ایوت ضلع راشٹریہ شیٹ مزدور سنگھ کے نائب
صدر، بھوسلے وزارت میں قبائلی بہبود اور سماجی بہبود، اور
پبلک ورکس کے ڈپٹی وزیر تھے۔

شری وجے سنگھ موھتے۔ پاٹل

وزیر مملکت برائے آبپاشی اور
سی اے ڈی اے، امداد باہمی
اور سیاحت

پیدائش: ۱۲ جون ۱۹۴۴ء، بمقام اسکلونج،

ضلع سولاپور۔ اکلوج دودھ کاریا کاری سیوا سہکاری سوسائٹی، یشونت سہکاری ساکھر کارخانہ، کرشی اتپن بازار کمیٹی کے چیئرمین، سولاپور ڈسٹرکٹ سنٹرل کوآپریٹو بینک اور شیتکری سہکاری بینک اکلوج کے ڈائریکٹر آنجہانی شری شنکر راؤ موہتے۔ پاٹل۔ سہکاری سوت گرنی کے اعانت کار، مہاراشٹر راجیہ سہکاری ساکھر کارخانہ سنگھ کے ۱۹۷۹ء سے ڈائریکٹر۔ راشٹریہ سہکاری ساکھر کارخانہ سنگھ کے ۱۹۷۹ء سے ڈائریکٹر۔ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۲ء تک اکلوج گرام پنچایت کے سرپنچ۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۹ء تک سولاپور ضلع پریشد کے صدر۔ ۱۹۸۰ء کے انتخابات میں ریاستی اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے۔ بھونسلے وزارت میں زراعت، سیاحت اور امور جوانان کے ڈپٹی منسٹر تھے۔ سابقہ وزارت میں وزیر مملکت برائے آبپاشی تھے۔

ڈاکٹر انیل ورہاڈے

وزیر مملکت برائے صحت عامہ،
خاندانی بہبود، طبی تعلیم اور ڈرگس،

پیدائش: ۱۴ ستمبر ۱۹۴۷ء۔ بی اے ایم ایس، موزاری کالج اسٹوڈنٹ یونین کے سکریٹری کی حیثیت

سے کام کیا۔ ۱۹۷۷ء کی "اندرا گاندھی جیل بھرو" تحریک میں شرکت فرمائی۔ ضلع پریشد کے ممبر ہوئے۔ ۱۹۸۱ء میں امراوتی ضلع پریشد کے چیئرمین ہوئے۔

شریمتی رجنی ساتو

وزیر مملکت برائے محصولات اور
بازآبادکاری، ثقافتی امور، قانون
وعدالت۔

پیدائش ۱۳ جولائی ۱۹۴۹ء۔ بی۔ ایس سی (آنرز) ایل۔ ایل۔ بی ایڈوکیٹ، ۱۹۸۰ء۔ آپ جاگرتی مہیلا منڈل کلمنوری کی ۱۹۷۶ء سے چیئرمین ہیں۔ بین الاقوامی سال برائے اطفال و خواتین کے پروگرام کی منتظم۔ ۱۹۷۶ء سے کانگریس پارٹی کی سرگرم کارکن۔ ۱۹۸۰ء میں ایم۔ ایل۔ اے کے بطور منتخب ہوئیں۔
بھونسلے وزارت میں صحت عامہ اور خاندانی بہبود و ثقافتی امور کی ڈپٹی وزیر تھیں۔



قارئین کیلئے ضروری اعلان

آپ 'قومی راج' میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کرسکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات پسند کس قسم کی تخلیقات ناپسند کرتے ہیں۔
حکومت کی کسی اسکیم پر آپ بحث بھی کرسکتے ہیں اور اس سلسلے میں اپنی تعمیری رائے کا اظہار بھی کرسکتے ہیں۔ بس یہ خیال رکھئے کہ آپ کا خط ۳۰۰ الفاظ سے زائد پر مشتمل نہ ہو۔ اپنے خطوط آپ اس پتہ پر روانہ فرمائیے:
۔ ایڈیٹر پندرہ روزہ 'قومی راج' سوانا مسنڈ بلڈنگ ب رموال منزلہ، مقابل منترالیہ، ممبئی نمبر ۳۲ ۴۰۰

نئے منتخب ممبران لیجسلیٹو اسمبلی

حلقۂ انتخاب کا نام	امیدوار کا نام
	انڈین نیشنل کانگریس
ناگپور (مشرقی)	شری اویناش پانڈے
ناگپور (جنوبی)	شری اشوک دھاوڑ
بیڑ	شری سراج الدین صفدر علی دیشمکھ
جنتور	شری گنیش راؤ ناگوراؤ دودھ گاؤنکر
بسمت	شری منجاجی نارائن راؤ جادھو
کلمنوری	شری رجنی شنکر ستو
امرگا	شری قاضی سلیل قادر
ساونت واڑی	شری شیورام ساونت۔ بھونسلے
مالون	شری باپو صاحب پربھو گاؤنکر
رینا پور	ایڈوکیٹ پنڈت راؤ نارائن ڈونڈ
یادل	شری جیورام تکارام مہاجن
سولاپور (جنوبی)	شری آنند راؤ نارائن دیوکٹے
پاروتی (ایس سی)	شری شرد رانپسے
کراڈ (جنوبی)	شری ولاس راؤ بالکرشن پاٹل
ستارا	شری ابھے سنہہ شاہو مہاراج۔ راجے بھونسلے
ہنگولی	شری صاحب راؤ نارائن راؤ پاٹل گورنگاؤنکر
نند دربار (ایس۔ٹی)	شری اندرا سنگھ دیوان سنگھ وساولے
مادل	شری مدن بڑگ چند لغنا
گولابہ	شری مرزبان جال پترا والا
نگراکولہ (ایس۔ٹی)	شری مدھوکر راؤ کاشی ناتھ پچڑ
کوپرگاؤں	شری دادا صاحب شاہاجی روہامے
مرتضےٰ پور	شری سہاس بھگونت راؤ نرٹکے
عمرکھاڑی	ایڈوکیٹ چندریکا پی کنیا
ممبا دیوی	شری للت جمنا داس
اوپیرا ہاؤس	شری چندر شیکھر پربھو
اودگیر	شری رام چندر راؤ شنکر راؤ پاٹل
ناگپاڑہ	شری سید احمد
اشٹی	شری بھیم راؤ آنند راؤ ڈونڈے
پلگاؤں	شریمتی پربھاوتی راؤ
ناگپور (شمالی)	شریمتی دینتی بائی مدھوکر دیش بھرانکر

حلقۂ انتخاب کا نام	امیدوار کا نام
وردھا	شری پرمود بھاؤ راؤ جی شندے
چاندگڈھ	شری وی۔ کے چوان۔ پاٹل۔
ملبارہل	شری بی۔ اے۔ ڈیسائی۔
چنچپوکلی	شری بی۔ ڈی۔ زوٹے۔
نائیگام	شری ولاس ساونت
بلڈھانہ	شری وشن راؤ سوناجی پاٹل
جلمب	(ڈاکٹر) شریمتی شردھا ٹپاسے
عمرکھیڑ	شری بھیم راؤ آپا راؤ دیشمکھ
سنگلنا پور	شری بالا صاحب راجہ رام جی گھے
سیبرنج	شری مہنا راؤ شندے
جٹ (ایس سی)	شری عمرجی دھون اپا سنما دیکر
چپلون	شری نشی کانت مادھو جوشی
چوسلا	شری اشوک راؤ شنکر راؤ پاٹل
دادر	شریمتی شرایو ٹھاکر
ماٹنگا	ڈاکٹر وی۔ سبرامنین
ماہم	ڈاکٹر شام شیٹی
دھاراوی (ایس سی)	شری ایکناتھ گائیکواڑ
واندرے	شری شمیم رشید قریشی
کھیرواڑی	پروفیسر جناردھن چندورکر
وِلے پارلے	شری ہنسا بھوگرا
امبولی	شری بلدیو کھوسا۔
سانتا کروز	شری سی۔ڈی۔ اَمن چین
اندھیری	شری رمیش دوبے
رتناگیری	شری شیواجی راؤ جدیار
داپولی	ڈاکٹر چندرا کانت موکل
تھانے	شری کانتی کولی
کھیٹر	شری ٹی۔ پی۔ کدم
دھانو (ایس ٹی)	شری شنکر سکھا رام نام
پال گڈھ (ایس۔ٹی)	شری وشنو گوپال ولوی
مرباد	شری گوتی رام پادو پوار
واڑہ (ایس۔ ٹی)	شری شنکر اپا گواری
سانگلی	شری وسنت راؤ بنڈوجی پاٹل

حلقۂ انتخاب کا نام	امیدوار کا نام
تاسں گاؤں	شری دینکر راؤ (ابا) کرشناجی پاٹل
خانہ پور اتپٹری	شری سمپت راؤ سیتارام مانے
گاؤ تیسے مہانکل	شری دتّوں شری پت پاٹل
ملاڈ	شری دتا جاؤنکر
کاندیولی	شری چندر کانت گوسالیہ
ٹرامبے	پروفیسر جاوید خان
چیمبور	شریمتی پاروتی پارکر
نہرو نگر	شری کاکا صاحب تھورات
کرلا	شری سیلین ڈی سلوا
گھاٹ کوپر	شری درندرا بکشی
ملنڈ	ڈاکٹر دینا ناتھ باما پاٹل
ایچل کرنجی	شری پرکاش کال آپا اواڑے
شِرول	شریمتی سروجنی بابا صاحب کھابڑے
سوہول	شری شہاجی راؤ شنکر راؤ پاٹل
میل گھاٹ (ایس۔ٹی)	شری رامو مہاتنگ پٹیل
گوندیا	شری راج کمار گوپال نارائن باجپائی
کلمیشور	شری بھگونت راؤ گائیکواڑ
امراوتی	شری دیو سنگھ رام سنگھ شیخاوت
چیمور	شری بھجنگ راؤ مکند راؤ باگڈے
ناگپور (مغربی)	شری گیو اواری
ملشیراز	شری وجے سنہہ شنکر راؤ موہتے پاٹل
دھولے	ڈاکٹر (ساؤ) شالینی سدھاکر بورسے
پنڈھرپور	شری سدھاکر رام چندر پریچارک
مکھیڈ	شری صاحب راؤ ساکوجی راؤ دیشمکھ
راجہ پور	شری لکشمن رنگناتھ تینکر
سلود	شری مانک راؤ سندھو بالوڈکر
لاتور	شری ولاس راؤ دگڑوجی دیشمکھ
نیلانگا	شری دلیپ کمار شیواجی راؤ پاٹل
سولاپور سٹی (شمالی)	شری بابو راؤ چن اپا جاکوٹے
شیرڈی	شری آنا صاحب سانگھر سے
سولاپور (شمالی) (ایس سی)	شری سوشیل کمار سمبھاجی راؤ شندے
وائی	شری مدن راؤ گنپت راؤ پیسل
املنیر	شری امرت راؤ پاٹل

حلقۂ انتخاب کا نام	امیدوار کا نام
ملکاپور	شری وسنت راؤ شندے
نواپور (ایس ٹی)	شری سروپ سنگھ ہیریا نائیک
تالودہ (ایس ٹی)	شری ارجن سنگھ والوی
اکرانی (ایس ٹی)	شری رمیش بھائی تنکیا پوارا
کوسمبا	شری دتاتریا وامن پاٹل
جامنیر	شری بالو سنگھ راٹھوڑ
مبیڈشی	شری شمباشن راؤ زانک
بورگاؤں منجو	شری وسنت راؤ دھوترے
کھام گاؤں	شری مانک راؤ گاونڈے
بھانڈوپ	ڈاکٹر وامن شیربیکر
سنگمیشور	شری سولی علی سودک
ایرنڈول	شریمتی پارو بائی واگھ
شیو گاؤں	شری سمبھاجی راؤ شنکر راؤ پھٹکے
کاروبیر	شری دگ وجے کھانولکر
کورے گاؤں	شری شنکر راؤ جگتاپ
جاولی	شری ڈھونڈی رام کدم
اندا پور	شری گنپت راؤ پاٹل
کسبا پیٹھ	شری الہاس کالوکھے
امبیڈ	ایڈوکیٹ ولاس کھرت
رالے گاؤں (ایس ٹی)	شری گلاب راؤ بابا راؤ ڈاکے
کرجت (ایس سی)	شری دگڑو سکھا رام کالابھے
وڈ گاؤں (ایس سی)	شری جینت آولے
اُدیار	شری ولاس وشوا ناتھ شرنگر پوار
کیلاپور (ایس ٹی)	شری شیواجی راؤ موگھے
مکمیڈ (ایس سی)	شری مدھوکر راؤ رنگوجی راؤ گھاٹے
بھوکر	شری بابا صاحب دیشمکھ گورٹھیکر
حویلی	شری اشوک کلیان راؤ ٹاپکیر
کنوٹ	شری کشن راؤ جیپت راؤ بیچ پوٹے
پنہالہ	شری یشونت ایکناتھ پاٹل
کارنجہ	شری آننت راؤ دیشمکھ
بیلاپور	شری گووردھن جناردھن کھوترے
دریاپور	شری راؤ صاحب پنڈورنگ ٹھوڈے
مورشی	شری پرشوتم منکر

حلقۂ انتخاب کا نام	اُمیدوار کا نام
کورگاؤں	ڈاکٹر انل گوپال راؤ درہاڈے
بدنیرا	شری رام میگھے
کامٹی	شری یادو راؤ کرشن راؤ بھوئیار
چاندپور	شری یشونت شیریکر
سماولی	شری وامن ویستہری گدموار
راجورہ	شری پربھاکر باپوراؤ مامولکر
ساؤنیر	شری رنجیت دیشمکھ
سولاپورسٹی (جنوبی)	شری پرکاش بالکرشنا ین گوںوار
چندراپور	شری شیام ونکھیڈے
ہیر (ایس سی)	شری دھرم گرج اپّا سونکواڈے
بسیلولی	شری گنگا دھر راؤ موہن راؤ کنتورکر
پارنیر	شری نند کمار بھاؤ صاحب زوارے
اکوٹ	شری سدھاکر رام کرشنا گن گنے
بسلاپور	شری جنارددھن منانارام گوری
امبرناتھ	شری نکل پاٹل
بھنڈارہ	شری آنند راؤ تکارام ونجاری
بھوکردن	شری سنتوش راؤ دلوبا داس پنے
شیرالہ	شری شیواجی راؤ دیشمکھ
کبور	شری اننت راؤ تھوپٹے
بھوانی پیٹھ	شری پرکاش کیشوراؤ دھیرے
جالنہ	شری رام کرشن رام چندرا دباما
امل نوٹ	شری مہادیو کاشی رایا پاٹل
یوتمل	شری سداشیو ٹھاکرے
احمدنگر (شمالی)	شری ماروتی دیو رام شیلکے
واسم (ایس سی)	شری بھیم راؤ ہائیپتی کاملے
پوسد	شری سدھاکر راؤ نائیک
منگرول پیر	شری دلوی سنگھ تھادرا راٹھوڑ
ناگپور (سینٹرل)	شری شونت جنں تربشی
ساکولی	شری جینت کتکوار
اکولہ	شری رام داس شنکر راؤ گائیکواڑ
دگراس	شری ناناصاحب سوریہ بھانجی تجلنے
دروایا	شری مانک راؤ ٹھاکرے
ملشی	شری اشوک نامدیو راؤ موہول

حلقۂ انتخاب کا نام	اُمیدوار کا نام
	کانگریس (ایس)
کنڈ	پروفیسر کشور پاٹل
پارندا	شری مہارودرا آنند راؤ موتے
چکھلی	شری بھرت راجہ بھاؤ بوندرے
باراتی	شری شرد پوار
شیرور	شری باپو صاحب تیپٹے
ڈونڈ	شریمتی اوشا دیوی کرشنا راؤ جگدالے
بوپوڈی	شری رام چندر ساگیتا با موزے
کھیڈ۔آلندی	شری نارائن باپو راؤ پوار
پیرتور	شری وشوناتھ راؤ آکات
آرموری (ایس۔ٹی)	شری سکھا دیو باپو پنڈلک دپکے۔
آروی	ڈاکٹر شرد کالے
کاٹول	شری سنل شندے
منجلے گاؤں	شری موہن دینگنبر راؤ سولنکی
جایسنگاؤں (ایس سی)	شری واسودیو راؤ گنگارے
کالون (ایس۔ٹی)	شری کاشی ناتھ نارائن بہیرام
کیج (ایس سی)	شری بھاگوجی نوردتی ست پوتے
اودسا	شری کشن راؤ سمپت راؤ جادھو
اگت پوری (ایس۔ٹی)	شری شیورام شنکر زدلے
کاگل	شری سداشیو داڈو بامنڈلک
بارشی	شری دلیپ گنگادھر سوپال
ہڈگاؤں	شری باپوراؤ پاٹل۔اشٹیکر
پیٹھن	شری چندرکانت گھوڑکے
پارولہ	شری وسنت راؤ مورے
داہباڈی	شریمتی پشپاتائی ہیرے
بگلان (ایس۔ٹی)	شری روزنا اپنجارام گنگورڈے
جلگاؤں	شری سریش کمار جین
ایدل آباد	شری ہری بھاؤ جوارے
چوپڑا	شری ارون لال گجراتی
امریڈ	شری شرادن گوند راؤ پراٹے
سنّر	شری تکارام سکھارام ڈیگھرلے
ہنگن گھاٹ	ڈاکٹر وسنت بونڈے
شری رام پور	ایڈوکیٹ دولت راؤ ملہاری پوار

حلقۂ انتخاب کا نام	امیدوار کا نام
اورنگ آباد (مغربی)	شری امان اللہ موتی والا
نیپاڑ	شری سالوجی راؤ سداشیو موگل
پٹن	شری وکرم سنہہ پاٹنکر
مان (ایس سی)	شری دیشنو سوناونے
پاتھری	شری دگمبر راؤ واڈیکر
گیورائی	شری شیواجی راؤ پنڈت
عثمان آباد	شری پدم سنہہ پاٹل
منگل ویڑھا (ایس سی)	پروفیسر لکشمن گونڈلیبا ڈھوبالے
تیوسا	پروفیسر شرد تاسارے
تیروڑا (ایس سی)	شری ہریش اوکند راؤ مورے
گنگاپور	شری کسن راؤ کاسانے
ناندیڑ	شری کمل کشور کدم
ویجاپور	شری رام کرشنا جگن ناتھ پاٹل
احمد نگر (جنوبی)	شری دادا صاحب دشرتھ کلمکر
کھرد (شمالی)	شری جنارون بالکرشنا اشٹیکر
یولہ	شری ماروتی راؤ نارائن پوار
شاہاپور (ایس۔ٹی)	شری مہادو ناگو بارورا
بدناپور	شری آپا صاحب شیش راؤ جوان
رادھا نگری	شری بجرنگ راؤ آنند راؤ دیسائی
سندکھیڑ راجہ	شری توتارام تکارام کیاندے
بھوتنار	شری ولبھ دتاتریہ دیناکے
برہماپوری	شری سریش کھانورکر

بھارتیہ جنتا پارٹی

حلقۂ انتخاب کا نام	امیدوار کا نام
دیوگڈھ	شری آپا گوگاٹے
گوہاگر	ڈاکٹر شریدھر ناتو
کھیت واڑی	شری پریم کمار شرما
بوریولی	شری رام نائیک
الہاس نگر	شری شیتل داس کھوبچند ہرچندانی
کلیان	شری رام چندر گنیش کاپسے
ناشک	ڈاکٹر دولت راؤ سونوجی اہیر
دیولالی	شری بھیک چند ہری بھاؤ ڈونڈے
چندوڑ	شری جیا چند دیپ چند کسالی وال
ساکری (ایس۔ٹی)	شری گووند راؤ شیورام چودھری
راویر	ڈاکٹر گناونت رام بھاؤ سارودے

حلقۂ انتخاب کا نام	امیدوار کا نام
گوریگاؤں	شری خوشال پرسورام بوپچے
آمگاؤں	شری مہادیو راؤ سکاجی شیونکر
تکھندور	شری دیوا تھے نامدیو راؤ ہرباجی
اورنگ آباد (مشرقی)	شری ہری بھاؤ کسن راؤ بگڈے
شیواجی نگر	شری آنا جوشی

کسان مزدور پارٹی

حلقۂ انتخاب کا نام	امیدوار کا نام
من گاؤں	شری بھائی ساونت
پین	شری موہن پاٹل
علی باغ	شری دتا پاٹل
پنویل	شری دتاتریہ نارائن پاٹل
کھالہ پور	شری سومنت راجہ رام راوت
کندھار	شری کیشو راؤ شنکر راؤ ڈھونڈگے
گنگاکھیڑ (ایس سی)	شری دنیانوبا ہری گائیکواڑ
پربھنی	شری وجے آنا صاحب گوانے
کلمب (ایس سی)	شری پنڈلک ایکناتھ کھوڈکے
تلجاپور	شری مانک راؤ بھیم راؤ کھاپلے
سنگولہ	شری گنپت راؤ آنا صاحب [illegible]
سنگمرول	شری گووند راؤ [illegible] رام کالی کٹے
کوہاپور	پروفیسر این۔ ڈی پاٹل

جنتا پارٹی

حلقۂ انتخاب کا نام	امیدوار کا نام
دینگرولہ	شری پشپا سین ساونت
مہاڈ	شری شانتا رام پھلسے
گورے گاؤں	شریمتی مرنال گورے
بھیونڈی	شری پرشورام ڈھونڈو تاوڑے
وسئی	شری ڈومنک جان گنسالویز
مالیگاؤں	شری نہال احمد مولوی محمد عثمان
ڈنڈوری (ایس۔ٹی)	شری ہری [illegible] نکر مہالے
شہادہ	شری پی۔ کے پاٹل
شیرپور	شری سمبھاجی ہیرامن پاٹل
پاچورہ	شری [illegible] واکر
بھساول	شری دگڑو کاشی رام چودھری
رام ٹیک	شری پانڈورنگ جیارام [illegible]

حلقۂ انتخاب کا نام	امیدوار کا نام
نمسار	شری الیشور دیال مہی پال پاٹلے
لڈ جیر ولی (ایس ٹی)	شری ہیرامن بنڈو جی ورکھاڈے
شرنگونڈا	شری بابو راؤ ہیچ پوتے
یتھارڈی	شری بابو راؤ ڈھاکنے
اسے گاؤں	شری کسن راؤ بن کھیلے
پونے کنٹونمنٹ	شری وٹھل ٹوبے
پور ندھر	شری دادا جادھو راؤ
گادھن گلیج	شری شری پت راؤ دنکر راؤ شندے
کیمونسٹ پارٹی	
نندگاؤں	شری مادھو راؤ گائیکواڑ
وانی	شری نامدیو راؤ نارائن راؤ کالے
کیمونسٹ پارٹی مارکسسٹ	
باوہر (ایس-ٹی)	شری لہانو شِدوا کوم
سرگانا (ایس-ٹی)	شری جیوا پنڈو گاوِٹ
آزاد امیدوار	
شریوردھن	بیرسٹر اے۔ آر۔ انتولے
بجگاؤں	شری جگن بھوجپال
پیرل	شری شرد [illegible]
شیوڑی	شری دادو تبا مکر

حلقۂ انتخاب کا نام	امیدوار کا نام
ورلی	ڈاکٹر (شریمتی) وینتیا دتا سامنت
سندکھیٹر	شری منگل سنگھ نیم جی راجپوت
مہکر	شری سوبودھ ساؤجی
اچل پور	شری سدام دیشمکھ
سرونچا (ایس ٹی)	شری آترم کمار راجے
بھدراوتی	شری موریشور وٹھل راؤ تیمورڈے
مادھا	شری پنڈورنگ گنپت پاٹل
کرمالہ	شری راؤ صاحب بھگوان راؤ پاٹل
راہوری	شری پرساد بابو راؤ تانپورے
سنگمنیر	شری بالا صاحب تھورات
پھلٹن	شری چمن راؤ کدم
کھاٹو	شری موہن پانڈورنگ گوداگے
والوا	شری ناگ ناتھ رام چندرا نائیکواڑی
بھیونڈی۔ دنگی	ڈاکٹر پتنگ راؤ شری پتی کدم
شاہوواڑی	شری سنجے سنگھ جے سنگھ راؤ گائیکواڑ





یوتھ فورم : یوتھ فورم، کا مستقل فیچر کیریر کی رہنمائی مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کی سماجی اور معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے
اس پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کے خاتمے اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے
اپنے مضامین اس پتے پر مرحمت فرمائیں : ایڈیٹر قومی راج' نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، ۱۵ واں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۲۲ ۔ ۴

اِلیکشن کی جھلکیاں







عمر رسیدہ افراد بھی اپنے ووٹوں کے استعمال میں
پیش پیش تھے بشریمتی پروتی مہادیو گراد
ایک ۵، سالہ ضعیفہ اپنا ووٹ ڈال رہی ہیں۔
درمیان میں:۔ ۹۵ سالہ بوڑھی شریمتی گنگا
بری گراڈ اپنے حقِ رائے دہی کا استعمال کر
رہی ہیں۔ دائیں طرف :۔ ایک جوان لڑکی
پہلی بار اپنے حقِ رائے دہی کا استعمال کرتے
ہوئے نظر آرہی ہے۔



شہری علاقوں کی بہ نسبت دیہی علاقوں میں الیکشن کا زیادہ جوش وخر دیہی علاقوں میں لوگ جوق در جوق اپنے حقِ رائے دہی کے لئے نکل پڑے

اسمبلی انتخابات میں ووٹنگ کی گنتی جاری ہے۔









معذور اشخاص نے بھی اپنے حق
ائے دہی کا استعمال کیا۔ مادھو اکٹروجی بنزر
یسا ہی ایک معذور شخص ہے۔
درمیان میں :۔ ۷۵ سالہ
یک معذور شخص سکھارام رتنا بھوپل اپنی
یسا کھی کے سہارے ووٹ ڈالنے
جا رہا ہے۔ دائیں طرف :۔ بالو جادھو،
یک معذور شخص نے اپنے حق رائے دہی کا
ستعمال کیا۔



ن کٹھو جادھو ایک ۵۵ سالہ نابینا جیفرا، ۸۵ سالہ پاروتی رام تاجہ اپنی بہو کی مدد سے ووٹ ڈالنے جا رہی ہیں۔ دوسری جانب ووٹ ڈالنے والوں کی لمبی قطار لگی ہے۔
دائیں طرف تصویر میں ایک نابینا شخص ووٹ ڈالنے کے بعد واپس جا رہا ہے۔ نیچے: ووٹ ڈالنے والوں کی لمبی قطار نظر آ رہی ہے۔



ریاست کے چھوٹے اور درمیانی کسانوں کی آمدنی میں ڈیری کاروبار کی وجہ سے تھوڑا بہت اضافہ ہوجاتا ہے، جو اُن کے لئے ایک اہم سہارا ثابت ہوتا ہے۔ آمدنی میں اضافہ کے علاوہ کسانوں کو اس کاروبار سے گوبر اور بیل بھی ملتے ہیں جو کھیتی باڑی کے کام آتے ہیں، ریاستی حکومت کا محکمہ ڈیری ترقی کسانوں کی ہمت افزائی کر رہا ہے تاکہ وہ اس کاروبار کی جانب زیادہ مائل ہوں۔ اس محکمہ کی جانب سے کسانوں کو دودھ کی اچھی قیمت دی جاتی ہے نیز ان کی اشیاء کی فروخت کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے، زیر نظر مضمون میں اس سلسلے میں مزید معلومات فراہم کی گئی ہیں ۔

ڈیری ترقی کی دو دہائیاں

اس حقیقت سے ہم سب بخوبی واقف ہیں کہ ہمارے کسانوں کی اکثریت کے پاس اتنی زمین نہیں ہے کہ وہ زرعی پیداوار ہی کے ذریعہ پوری طرح خودکفیل ہو سکیں ۔ لہٰذا انھیں زراعت کے علاوہ بھی کسی اور ذریعہ آمدنی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ ریاست کے چھوٹے اور درمیانی کسان ڈیری کا ذریعہ اختیار کرکے اپنی اس ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں ۔ کیونکہ اس کے لئے معمولی سا سرمایہ کافی ہوتا ہے ۔ نیز یہ کاروبار ان کی کاشتکاری کے پیشہ سے بھی پوری طرح ہم آہنگ ہے ۔ کسان کھیت سے نکلنے والی پتیاں ، جھاڑیاں دودھ دینے والے جانور کو بطور چارہ کھلا سکتا ہے ۔ اور اس کا گوبر بطور کھاد استعمال کر سکتا ہے ۔ نیز بیلوں سے ہل چلانے جیسے کام لے سکتے ہیں ۔

ریاستی حکومت کا محکمہ ڈیری ترقی اس سلسلے میں اہم خدمات انجام دے رہا ہے، اس محکمے کی مؤثر کارکردگی ہی کی وجہ سے سال بھر کسانوں کو دودھ کی فروخت سے مسلسل آمدنی حاصل ہوتی رہتی ہے ۔ انھیں دودھ کی فروخت کے لئے کہیں نہیں جانا پڑتا بلکہ محکمہ کے ملازمین خود ان کے گھر جاکر دودھ جمع کرتے ہیں ۔ اس طرح نہ صرف کسانوں کو گھر بیٹھے آمدنی ہوتی ہے بلکہ سرکاری دودھ اسکیمات کے تحت شہری صارفین کو بھی باقاعدہ دودھ ملتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ڈیری کاروبار روز بروز کسانوں میں مقبولیت حاصل کرتا جا رہا ہے ۔

مقبولیت میں اضافہ

گذشتہ دو دہائیوں کے دوران کسانوں بار کی مقبولیت کی وجہ سے دودھ کی فراہمی میں ہوا ہے ۔ بمبئی، پونے اور ناگپور جیسے شہروں کی آبادی کے پیش نظر دودھ کی فراہمی کی مقدار والا اضافہ اچھی طرح استعمال میں لایا جاتا ۔ میدان میں ضرورت سے زیادہ فراہمی کا مسئلہ ابھی

اور پرائیویٹ تاجروں کا ایک مشترکہ ادارہ ہے ۱۹۶۰ء کے بعد حکومت نے اپنی پالیسی تبدیل کی، بمبئی جیسے بڑے شہروں میں آرے طرز کی دودھ دینے والے جانوروں کی کالونیاں بنانے کے بجائے دیہاتوں میں کسانوں کو مویشی پالنے کی ترغیب دلائی اور ان سے دودھ حاصل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۷۶-۱۹۷۵ء سے مختلف سرکاری دودھ اسکیمات کے تحت حاصل کئے جانے والے دودھ کی مقدار میں برابر اضافہ ہوتا آرہا ہے۔

۷۱-۱۹۷۰ء کے دوران سرکاری دودھ اسکیمات کے تحت یومیہ اوسطاً ۱٫۸۰ لاکھ لیٹر دودھ جمع کیا جاتا تھا جبکہ ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران یہ مقدار بڑھ کر ۱۴٫۶۵ لاکھ لیٹر ہوگئی ہے۔

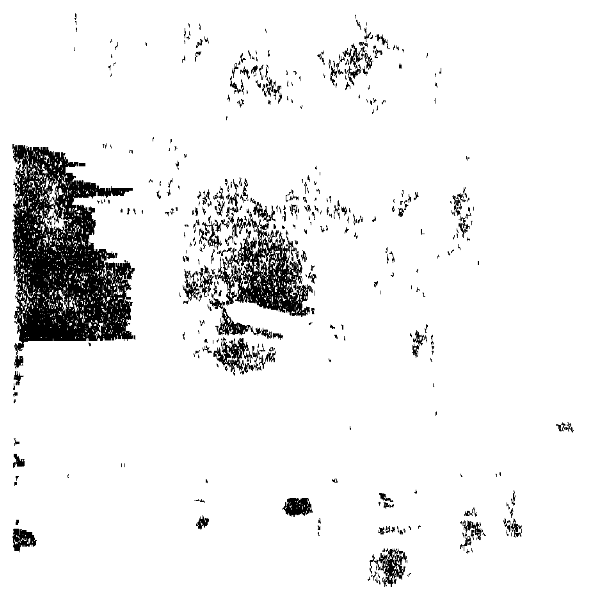
دودھ کا تحفظ

سرکاری دودھ اسکیمات کے تحت ریاست کے مختلف حصوں سے دودھ جمع کیا جاتا ہے۔ دشوار گذار علاقوں سے دودھ کی منتقلی میں بہت وقت لگتا ہے اس دوران دودھ کو خراب ہونے سے بچانے کے لئے کافی برف استعمال کی جاتی ہے لہذا حکومت نے برف کی ۲۷ فیکٹریاں بھی قائم کی ہیں، جہاں مجموعی طور پر ۳٫۹ میٹرک ٹن برف بنائی جاتی ہے، دور دراز علاقوں سے لائے جانے والے دودھ کو زیادہ دیر رکھنے کے لئے سرد کیا جاتا ہے اس غرض سے حکومت نے سرد خانے بھی بنائے ہیں۔ ۸۴-۱۹۸۳ء تک کل ۱۰۳ سرد خانے بنائے گئے ہیں۔

جمع کئے جانے والے دودھ کی خطیر مقدار بمبئی عظمیٰ میں تقسیم کی جاتی ہے، مفصل علاقوں میں بھی زیادہ سے زیادہ دودھ تقسیم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ۶۱-۱۹۶۰ء کے دوران روزانہ دو لاکھ لیٹر دودھ تقسیم کیا جاتا تھا۔ جبکہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں یہ مقدار بڑھ کر ۱۲٫۴۵ لاکھ لیٹر ہوگئی ہے۔

تقسیم کاری

جمع کئے جانے والے کل دودھ کا ۸۰ فیصدی بمبئی عظمیٰ



رنہ ہی ابھی اس کے امکانات ہیں۔ محکمہ ڈیری ترقی دودھ
صارفین اور دودھ کے فراہم کرنے والے کسانوں کے
ن ایک رابطہ کا کام بحسن وخوبی انجام دے رہا ہے۔
کہ دودھ کو زیادہ وقت تک رکھا نہیں جاسکتا، اس کا
رہ نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا اس کے حصول کے بعد صارفین کو
کی فراہمی تک اسے خراب ہونے سے بچانے کے لئے ایک
ت بڑی مشینری مصروف کار رہتی ہے۔

۷۱-۱۹۷۰ء کے دوران ریاست میں چار دیہی دودھ
سکیمات نافذالعمل تھیں، جن کے تحت یومیہ مجموعی طور پر ۱٫۷۰
لیٹر دودھ کا کاروبار کیا جاتا ہے جبکہ ۸۴-۱۹۸۳ء کے
دوران ایسی ۲۸ اسکیمات نافذالعمل ہیں اور دودھ کی مقدار
۲٫۰ لاکھ لیٹر ہے۔

۷۱-۱۹۷۰ء تک بمبئی کے صارفین کی دودھ کی ضروریات
ے ملک کالونی، گورے گاؤں، بمبئی سے حاصل کئے جانے
لے دودھ سے پوری کی جاتی تھیں۔ آرے کالونی پبلک سیکٹر
راج

ادرتھانے، کلیان، الہاس نگر، بھیونڈی اور داشی جیسے مضافاتی علاقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان تمام علاقوں میں بمبئی عظمیٰ دودھ اسکیم کے تحت دودھ تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس اسکیم کے تحت ۸۱۴۲ جز وقتی تقسیم مراکز اور ۱۷۵۶ مختلف اداروں اور امداد باہمی اداروں کے تقسیم مراکز کھولے گئے ہیں۔ ریاست کے باقی ماندہ علاقوں میں یومیہ ۲۵ر۲ لاکھ لیٹر دودھ تقسیم کیا جاتا ہے۔ سرکاری دودھ اسکیم سے ۴ر لاکھ سے بھی زیادہ صارفین مستفید ہوتے ہیں۔ فی الحال تقریباً ۱۳ر لاکھ لیٹر زائد دودھ کو دودھ کی بنی ہوئی اشیاء میں بالخصوص ایس۔ ایم۔ پی اور مکھن میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ ادارہ صارفین کے لئے دودھ کی مصنوعات جیسے گھی، ٹیبل مکھن، شری کھنڈ، آئس کریم، پنیر اور دہی بھی بناتا ہے۔ ادارہ دودھ کی مصنوعات کی مارکیٹنگ بڑے پیمانے پر شروع کر رہا ہے جس کی پشت پر اشتہاری مہم کا سلسلہ ہے۔ اس کی بناء پر دودھ کی بعض مصنوعات مثلاً گھی، ٹیبل مکھن اور پنیر کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ادارہ اب اوسطاً ۱۰۰ ٹن گھی، ۳۰ ٹن ٹیبل مکھن اور ۲ ٹن پنیر ہر ماہ فروخت کرتا ہے۔ ادارے نے پوری ریاست میں تعلقہ والے مقامات سمیت سیال دودھ کی مارکیٹنگ کا پروگرام بھی شروع کیا ہے۔ تعلقہ والے مقامات میں ایک لیٹر دودھ کے فروخت کی قیمت ۶۰ پیسہ کم بہ نسبت اس قیمت کے رکھی گئی ہے جو بمبئی میں ہے تاکہ تعلقوں میں دودھ کی فروخت بڑھے اور اس طرح پیداواری مقام کے قریب دودھ کی فروخت میں کامیابی ہو۔

دودھ سے بنی ہوئی اشیاء

حکومت نے دودھ سے بنائی جانے والی اشیاء کی فیکٹریاں شروع کی ہیں تاکہ زائد دودھ کو دودھ کے پاؤڈر اور مکھن کی شکل میں محفوظ رکھا جا سکے اور اس سے دودھ کی کمی والے مہینوں میں کام لیا جا سکے۔ اس وقت پبلک سیکٹر میں میرج، ادگیر اور ناگپور میں پاؤڈر سازی کے تین پلانٹ ہیں جن کی ترتیب وار ۱۰ر ۱۰ اور ۵ ٹن روزانہ دودھ پاؤڈر پیدا کرنے کی صلاحیت



- آٹو میٹک [illegible] کا کام لیا جاتا ہے

ہے۔ ان کے علاوہ جلگاؤں اور وارنانگر (ضلع [illegible]) میں کوآپریٹیو سیکٹر میں دو پاؤڈر پلانٹ ہیں جن [illegible] ہر ایک روزانہ ۵ ٹن دودھ پاؤڈر تیار کرنے کی [illegible] رکھتا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ تمام پاؤڈر پلا[نٹ] ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران ۶۴۸۵۰۰ کیلو گرام [illegible] پاؤڈر، ۳۸۶۷۰۰ کیلو گرام سفید مکھن اور [illegible] کیلو گرام گھی، ۳۳۳۶۳۲۰۰ لیٹر جراثیم سے پاک (پلائزڈ) دودھ، ۱۳۶۰۰ کیلو گرام ٹیبل [مکھن]، ۱۹۵۰۰ آئس کریم کپ، ۲۵۰۰ کیلو گرام پنیر [اور] ۱۸۰۰ کیلو گرام چیز بنانے لگیں گے۔



مفت دودھ کی تقسیم

سارے ملک میں مہاراشٹر ہی وہ اکیلی ریاست ہے
یہی علاقوں میں پرائمری اسکول کے بچوں کے لئے
ت دودھ کی تقسیم کے پروگرام پر عمل کر رہی ہے
پروگرام پر حکومت دیہی ترقیاتی محکموں کی وساطت
مل کر رہی ہے۔ اور ۶ سے ۱۱ برس کی عمر رکھنے والے
لاکھ بچے مفت دودھ کی اس تقسیم سے فائدہ حاصل
ہے ہیں۔ ہر روز ۸۰ء۱ لاکھ لیٹر دودھ "اسکولی بچوں
لئے دودھ" کے پروگرام کے تحت تقسیم کیا جاتا ہے
ست کی یہ پالیسی ہے کہ امداد باہمی اداروں کو بڑھاوا
ے کہ ڈیری ڈیولپمنٹ کی سرگرمیوں کو یہ ادارے
پنے ہاتھ میں لے لیں۔ بحالتِ موجودہ تمام جمع کئے
نے والے دودھ کی ۹۵ فیصد سے زیادہ مقدار کو
د باہمی اداروں کی ہی وساطت سے اکٹھا ہوتی ہے
مت کی طرف سے ہمت افزائیوں نے ریاست میں
افزوں تعداد میں ڈیری کوآپریٹیوز کے قیام میں
دی ہے۔
شروع میں صرف ۴۵۰ ڈیری کوآپریٹیوز تھے جنکے

۔ ان کی تعداد کل ۵۰۰، ۷ تھی لیکن ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران
بتدائی کوآپریٹیوز کی تعداد ۸۶۹۰، ۱۲ء۔ ۹۱ فیڈرل (متحدہ)
د آپریٹیوز ان کے علاوہ تھے جن کے جملہ ممبران کی تعداد
۰۰۰، ۸۰، ۶ تھی۔

امداد باہمی اداروں کیلئے مدد

ان امداد باہمی اداروں کو حکومت مختلف شکلوں میں مدد دیتی ہے۔ ابتدائی حالتوں میں امداد باہمی اداروں کو اپنے کاروبار کا انتظام خود کرنے کے لئے انہیں منیجریانہ مدد دی جاتی ہے۔ دودھ کی قیمت اور خدمت انجام دینے کے عوض کمیشن کی رقم کے علاوہ امداد باہمی اداروں کو ترقیاتی گرانٹ بھی دی جاتی ہیں۔ ۱۹۷۱ء تک حکومت دودھ دینے والے مویشیوں اور گاڑیوں کی خرید کیلئے قرض دیا کرتی تھی لیکن ۱۹۷۱ء سے دودھ دینے والے مویشیوں کی خرید کے لئے قرضوں کی مدد اسٹیٹ گورنمنٹ گارنٹی اسکیم تحت اسٹیٹ بینک آف انڈیا کی وساطت سے اور کوکن علاقہ میں ڈسٹرکٹ سنٹرل کوآپریٹیو بینک کی وساطت سے دی جاتی ہے اسی طرح این۔ سی۔ ڈی۔ سی بھی ان کوآپریٹیوز کو ٹرک اور دودھ

راج

کے ڈبے خریدنے کے لئے برف کے کارخانے قائم کرنے کے لئے "ٹھنڈا رکھنے والے (چیلنگ) مراکز" اور مویشیوں کے چارہ کے لئے فیکٹریاں بنانے کے لئے قرضے عطا کرتی ہے سرمایہ حصہ داری حکومت دیتی ہے تاکہ کوآپریٹیوز این۔ سی۔ ڈی۔ سی سے قرض حاصل کرسکیں۔ دودھ دینے والے مویشی آئی۔ آر۔ ڈی۔ پی کے تحت دیئے جاتے ہیں۔

ڈیری کی توسیع کا پروگرام

ادارہ کے ڈیری کی توسیع کے پروگرام کے تحت خشک، گابھن بھینسوں کی امداد کے تحت امدادی شرح اور اعلیٰ نسل کے بچھڑوں کی فراہمی کی اسکیم پر ۱۹۶۷ء سے عمل درآمد جاری ہے۔ ان اسکیموں کے تحت بھینسوں، ایسی بھینسیں، بچھڑیں کو جن کی عمریں ۶ تا ۸ مہینے ہوتی ہیں اور جن کا جسمانی وزن ۸۰ سے ۱۰۰ کیلوگرام ہوتا ہے، طویلے والوں سے خرید لیا جاتا ہے کیوں کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو شہر بمبئی میں مویشیوں کے کھلانے پر اونچی لاگت کے سبب ان کی طرف سے غفلت برتی جاتی جس کے سبب وہ بچھڑیاں ہلاک ہو جاتیں۔ ان بھینس بچھڑیوں کو مختلف متعدی بیماریوں سے بچانے کے لئے حفا (امیونائزیشن) طریقے اختیار کئے جاتے ہیں، پھر آرے ملک کالونی میں ان کی پرورش ۵۴ سے ۹۰ دن تک ہوا ان کا ایک سال کا بیمہ ہوتا ہے اور پھر ڈیری سوسائٹیز کے ممبران کو ۵، روپیہ کی برائے نام قیمت پر ادیباسیو اور شیڈولڈ کاسٹ کے فائدہ گیروں کے لئے اور روپیہ کی قیمت پر دوسرے فائدہ گیروں کے لئے جو غر کی سطح سے نیچے زندگی گذارتے ہیں، دید یا جاتا ہے، اس خیال سے کہ یہ فائدہ گیران بچھڑیوں کی دیکھ ریکھ اور پرو بخوبی کریں۔ ا کیلوگرام مرتکز خوراک کی شرح سے اس اسکیم کے تحت خوراک کے لئے مدد بھی ۹۰۰ دنوں تک کی جاتی ہے۔

خشک گابھن بھینس کی فراہمی کی اس اسکیم کے تحو خوب زیادہ پیداوار کے قابل مویشی جو عموماً شمالی ریا سے آتی ہیں انہیں طویلہ والے دودھ کم دینے پر بیچ ڈا ایسے مویشیوں کو بچانے اور بمبئی کے طویلوں سے خر کے لئے مدد دی جاتی ہے۔ فائدہ گیروں کو ۱۲۰۰ روپیہ



ضلع وردھا کے سیلو مقام میں شریمتی شانتا بائی دھوبائی دیوتڑے زرعی مزدور سی مخلوط نسل کی گائے روزانہ ۹ لیٹر دودھ دیتی ہے۔

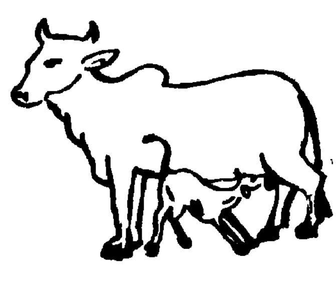


۵۰ اروپیہ کی مدد دی جاتی ہے۔ اور اس کام کا انحصار
ن کی مالی حالت پر ہوتا ہے۔ خشک گابھن بھینسوں کے
ریداری کے لئے فائدہ گیروں کو مدد دینے کے علاوہ انھیں
، خشک گابھن بھینسوں کو ٹرانسپورٹ کرنے کے تشکیل میں
. رمرتکز خوراک فراہم کرنے کے روپ میں بھی مدد دی جاتی ہے
، دونوں اسکیموں پر عمل درآمد دیہات کے کمزور طبقوں کے
ئدہ کے لئے ہوتا ہے۔ ادارہ ڈیری سوسائٹیوں کے ممبران
. . ۳۵۰ روپیہ کی برائے نام قیمت پر جوان دو نسلی
ھیا، جس کے بچہ نہ ہوا ہو، فراہم بھی کرتا ہے، اس لحاظ
ے ادارے نے بچھڑیوں کی پرورش کی اسکیم آرے، اور
بچیری میں شروع کی ہے۔ جہاں دیشی مویشیوں کے
لے کو مصنوعی طور پر گابھن کر کے نسلی جانور پیدا کئے جانے
، ترکیبیں اختیار کی جاتی ہیں۔ اس اسکیم کے تحت تقریباً
م سے ۴۵۰ دو نسلی بچھیوں کی فراہمی ریاست مہاراشٹر
ے دودھ فروشوں کو کی جاتی ہے۔ ڈیری انڈسٹری کی
ش رفت اور مصنوعی طور پر مویشیوں کو گابھن بنانے کے
روگرام کے ساتھ دودھ دینے والے جانوروں کی سائنسی
ر پر پرورش کرنے کی تعلیم بھی ایک اہم سلسلے کا
دپ اختیار کر چکا ہے۔ ہر سال یہ ادارہ ایسے ۱۸۰۰
ماندانوں کو تربیت دے رہا ہے جن کا تعلق کمزور طبقوں
ی راج

سے ہوتا ہے اور جو نئے نئے ڈیری فارمنگ طریقے اپنا
کرتے ہیں۔ اس قسم کی تربیت کے پروگرام ۷ تا ۱۰
روز تک کے لئے ڈیری اینڈ اینیمل ہزبنڈری کے
مختلف محکمہ فارموں پر ہوا کرتے ہیں۔

ڈیچیری ڈیری پراجیکٹ ابتدا میں مویشیوں کی
کالونی کی اسکیم کے طور پر ۱۹۶۳ء میں شروع کیا گیا تھا،
بعد میں پراجیکٹ مذکور کے رقبے میں ۱۰۰۰ تا ۲۰۰۰
کسان یونٹیں تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

چنانچہ ۱۹۷۶ء تک ۷۰۰ کسان یونٹیں تیار ہو چکی
تھیں پھر یہ یونٹیں مختلف عرضی دینے والوں میں تقسیم
کر دی گئیں۔ بعد ازاں مزید ۱۰۰ یونٹیں تیار کی گئیں
جن کی تقسیم کاری ۷۹-۱۹۷۸ء میں حسب سابق
عمل میں آئی۔



حمید پٹھان ایڈووکیٹ
۴۴ - چیپل روڈ۔
باندرہ (ایسٹ) بمبئی ۴۰۰۰۵۰



میرے پسندیدہ مُصوّر

جس طرح کوئی فلسفہ یا ضابطۂ حیات انسانی زندگی کی وسعت و گہرائی کو اپنے اندر سمونے کی قدرت نہیں رکھتا، اسی طرح کوئی ایک فنکار انسانی جمالیاتی حِس کی تسکین کا سبب نہیں بن سکتا۔

انسان کا سفر قدیم و طویل ہے اور یہ سفر جاری رہے گا۔ رفتار میں تبدیلی آئے گی۔ فاصلوں اور منزلوں کے احساس سے آدمی دوچار ہوتا رہے گا۔ مگر جمالیاتی عطش اسے سراب کے دھوکے میں دوڑتے ہوئے آہو کی طرح سرگرم عمل رکھے گی۔

مُصوّری قدیم ترین فن ہے۔ انسانی تہذیب کا پہلا ورق مصوری سے ہی آراستہ ہے۔ تیس ہزار سال پہلے تیرچ میرلے کے غار کی ایک چٹان کے سینے پر کسی جادوگر نے بانس کی پھوکنی کے ذریعے رنگین مٹی کو پھونکا جو اس کے ایک ہاتھ کے گرد چپک گئی...... یہ انسانی تہذیب کے ارتقائی سفر میں انسان کی پہلی دستخط تھی — یہ مہر انسان نے پتھر کے سینے پر ثبت کی۔

ہم پھر ہندوستان، مصر، یونان و روما اور دیگر ممالک میں مصوری کے نمونے عبادت گاہوں میں، مزاروں پر اور غاروں میں دیکھتے ہیں۔ پھر انسان غاروں کی حدود سے باہر نکلتا ہے تو نشاۃ ثانیہ کے عظیم دور میں قدم رکھتا ہے۔ عہد پارینہ سے قرونِ وسطیٰ تک کا سفر دلچسپ بھی ہے اور حسین بھی۔ ہمیں ڈی ونسی سے لے کر مائیکل انجلو اور

ریمبران تک کتنے ہی تخلیقی فنکار و فنی شہ پاروں سے لطف اندوز ہونے کا نادر موقع ملتا ہے۔

یہ عمل جب دوسرے ممالک میں جاری تھا۔ تہذیب سے بھی دنیا آشنا ہوئی جو اپنی تاریخ کی پیچیدہ تھی اور اپنے دامنے میں ترک، فارس و عرب ممالک کو سمیٹے ہوئے تھی۔ عرب و ترک فنکاروں نے یہاں فنی نقوش خطوط سے ابھارے گئے ہیں۔ اس کے یہ فنکار فارس والے مناظر و واقعات کی عکاسی کر تے تھے مگر ان پر مفتوح ممالک کی تہذیب کے اثرات بھی مصوروں نے اپنی راہ پانے کی جدوجہد کی اور فن کے بہترین شہ پارے اس تہذیب کو دیئے۔ مسلم نے ان کی سرپرستی کی۔ ورا عباسی نے خطوط اور صبح کسی بھی فن پارے کے مقابلے میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

توہ

مسلمانوں کی آمد کے ساتھ یہ فنکار ہندوستان بھی آئے اور یہاں کے درباری فنکاروں کے اثرات دور دراز کے علاقوں پر بھی پڑے۔ مقامی طرز درباری مصوّروں کے عناصر سے ایک مختلف انداز کی مصوری کا حسین امتزاج پیدا کیا جس میں اپنی مٹی کی سوندھی خوشبو بھی تھی اور درباری عطر بیز ماحول سے میل کھانے کی قوت بھی۔

مغرب بھی اسی طرح حصار در حصار کو توڑ کر آزاد فضا میں فن کی تخلیق کرتا چلا جاتا تھا۔ دلکرا جیسے مصور اسلام بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے اسٹوڈیو میں ایک سیدھا سادا مصور آ گیا اس کے جانے کے بعد شاگردوں نے اپنا تمام کھڑکیاں کھول دو صاف ہوا اندر آ جاتے حالانکہ باہر برف باری ہو رہی تھی۔ ہر دور کا فنکار کھلی فضا میں سانس لینا چاہتا ہے۔

یہ ایک ایسی مثال ہے جو فن کے دائرے میں انسانی جدوجہد کا مکمل مظہر ہے۔

ان حصاروں کو توڑتے ہوئے قبولیت و سپردگی کو بھی فنکاروں نے اپنایا۔ قرونِ وسطیٰ کے فنی شاہکار اور افریقی و قبائلی فن کی سادگی اور معصومیت جو غیر ملوث اور ملاحت سے پُر ہے اسے اپنایا۔ فنکار رنگ و خطوط کے ذریعے لفظ و زبان کی تلاش کر رہا تھا، جہاں فن کو بالیدگی، روح کو تسکین اور زندگی سے سنگت نصیب ہو۔ مگر زندگی کا ہر لمحہ جھٹ پٹے کے وقت کی طرح کہاں ٹھہرتا ہے — ہر آن نیا زاویہ و نیا پہلو اجاگر ہوتا ہے اور فنکار کا مجاہدہ یوگی طرح جاری و ساری رہتا ہے۔

زندگی تغیر پذیر رہی۔ حالات بدلتے رہے۔ ڈیڑھ سو سال میں بہت سے دبستان مصوری ابھرے اور وقت کی طاق نسیاں میں جگہ پا گئے۔ مگر کچھ اسکول ایسے بھی وجود میں آئے جنہوں نے مصوری کے میدان میں تہلکہ مچا دیا۔ "تہلکہ" کوئی موزوں لفظ نہیں مگر یہاں اسی کا استعمال برمحل ہے مغربی مصوری کی بنیاد پر کاری اثر ہوا — اور یہ IMPRESSIONIST سے لے کر CUBIST تک کی عظیم فنکارانہ جدوجہد تھی۔

فنی کاوش بھی دراصل انسانی جدوجہد کا ایک رنگ ہے جہاں بھی تغیر و انقلاب ضروری بھی ہے اور ناگزیر بھی۔ بیسویں صدی میں مختلف فنی تحریکیں بھی اسی لامتناہی زنجیر کی کڑیاں ہیں ..... فنکار درباری داری اور اُمراء کی سرپرستی سے آزاد ہو کر زندگی سے ہم رنگ اور ہم آمیز ہونے کی سعی کر رہا تھا اور یہ مجموعی فنی کاوش انسان کی خود نوشتہ حکایت حیات بھی ہے۔

زندگی کے ایسے لمحے سے گذرتے ہوئے پال کلی کہتا ہے تجربہ میرے اندر نرم انداز میں گہرا پیوست ہو رہا ہے۔ میں محسوس کر سکتا ہوں — بغیر کوئی کلفت کے — میں رنگوں میں جذب ہو گیا ہوں۔ آپ آسانی سے رنگوں کے روپ پکڑ لیتا ہوں۔ میں رنگوں کا مفتوح ہوں — یہ لمحہ سعید ہے جب میں اور رنگ ایک ہو گئے میں مصور ہوں۔

یہ تجربہ جو نرم انداز میں سہی مگر گہرائی میں پیوست ہو رہا ہے۔ روح کی شریانوں میں سرایت کر رہا ہے جس کے بعد کلفت و مشقت کوئی معنی نہیں رکھتی — اور رنگ کا مفتوح ہو جانا ...... یہ انسان کی جمالیاتی جدوجہد اور حسن پرستی اور تخلیق حسن کی معراج ہے جہاں انسان کا احساس اس نہج کو چھو لیتا ہے جو بلند بھی ہے گہرا بھی، وسیع بھی اور بے پایاں بھی —

یہ جدوجہد ایک شاندار و تابناک کہکشاں ہے۔ میں ایتجار، ریبراں، دی ونسی، پیکاسو، ماتس، براک، کلی اور کتنے ہی ان گنت نامور فنکار ہیں جن کی تخلیق نے زندگی کو مالا مال بھی کیا اور احساس کو آراستہ بھی۔

ماتس سیناں کی ایک تصویر سے پچیس سال تک روحانی تقویت حاصل کرتا رہا — کون پسندیدہ فنکار کہا جا سکتا ہے اور کون ناپسندیدہ؟ ذہنی رسائی میں دنیا کی عظمت بند ہے کے نکھار میں نغمگی و سرور کا تجربہ، حسن کے ہزار روپ ہیں کوئی قطعیت نہیں۔ نگاہ کے لاکھ زاویے ہیں کسی مخصوص لون میں اسے قید نہیں کیا جا سکتا۔ ہزاروں روپ ہزاروں رنگ اور ان گنت زاویہ نگاہ اور لامتناہی انسانی جدوجہد، جمالیاتی دلبستگی کی تلاش میں زندگی کے رنگ پکڑنے میں — اپنے تجربے کو دوسرے تک اسی حسن ادا سے پہنچانے میں ہزار پہلو حقیقت لئے ہوئے ہیں۔

فنکار کی جدوجہد ماضی کو حال سے اور حال کو مستقبل سے استوار کرتی ہے۔ اسی کہکشاں میں تابناک ذرّے ہیں جو اسے زیادہ چمک دمک بخشتے ہیں مگر وہ کہکشاں سے الگ

(باقی صفحہ ۴۶ پر)

نوشی راج

مظہر امام
ڈائریکٹر دور درشن
سری نگر (کشمیر)



دو غزلیں

٥

دُنیا کا یہ اعزاز، یہ انعام بہت ہے
مجھ پہ ترے اکرام کا الزام بہت ہے

اس عمر میں یہ موڑ، اچانک یہ ملاقات
خوش گام ابھی گردشِ ایام بہت ہے

بجھتی ہوئی صبحیں ہوں کہ جلتی ہوئی راتیں
تجھ سے یہ ملاقات سرِ شام بہت ہے

میں مرحمتِ خاص کا خواہاں بھی نہیں ہوں
میرے لئے تیری نگہِ عام بہت ہے

کمیاب کیا ہے اسے بازارِ طلب نے
ہم سے تو وہ ارزاں تھا، پر اب دام بہت ہے

اس گھر کی بدولت مرے شعروں کو ہے شہرت
وہ گھر، کہ جو اس شہر میں بدنام بہت ہے

٥

دِل اکیلا ہے بہت لالۂ صحرا کی طرح
تم نے بھی چھوڑ دیا ہے مجھے دُنیا کی طرح

مجھ سے یوں بچھڑو نہ تم، عہدِ گزشتہ کی طرح
دل کے نزدیک رہو وعدۂ فردا کی طرح

تم ہوا ہو، تو بکھیرو مجھے ساحل ساحل
موجِ مے ہو، تو بہا دو مجھے دریا کی طرح

پاس رہتے ہو تو آتا ہے جُدائی کا خیال
تم مرے دل میں ہو اندیشۂ فردا کی طرح

بیچ میں کچھ تو رہ و رسمِ تکلف رکھو
اجنبی یوں نہیں ملتے ہیں شناسا کی طرح

زیبؔ غوری
۳۳/۹۸، بیت الرشید،
ناظر باغ - کانپور ۲۰۸۰۰۱

غزل

زخم پرانے، پھول سبھی باسی ہو جائیں گے
درد کے سب قصّے یادِ ماضی ہو جائیں گے

سانسیں لیتی تصویروں کو چُپ لگ جائیگی
سارے نقش کرشموں سے عاری ہو جائیں گے

آنکھوں سے مستی نہ لبوں سے امرت ٹپکے گا
شیشہ و جام شرابوں سے خالی ہو جائیں گے

کھلی چھتوں سے چاندنی راتیں کترا جائیں گی
کچھ ہم بھی تنہائی کے عادی ہو جائیں گے

کوچۂ جاں پر گہرے بادل چھائے رہیں گے زیبؔ
اُس کی کھڑکی کے پردے بھاری ہو جائیں گے

نوٹ: تبصرے کیلئے کتاب کی دو جلدیں مرحمت فرمائیے۔ (ادارہ)

تبصرہ



تبصرہ نگار:

قمر رحمت
ریڈیو چرچ گیٹ ریکلیمیشن
بمبئی ۴۰۰۰۲۲

نام کتاب:- رت جگوں کا زوال
مصنف:- مشتاق مومن
قیمت:- بیس روپے
ملنے کا پتہ:- مکتبہ جامعہ، پرنسس اسٹریٹ بمبئی اور اردو بازار دلی۔

دفتر میں کسی وقت مشتاق مومن "رت جگوں کا زوال" چھوڑ گئے تھے۔ کتاب کے انتساب سے اندازہ ہوا کہ افسانہ نگار روایت سے جڑا ہوا ہے، جڑا ہوا ہی نہیں بلکہ روایت سے اس کا رشتہ مضبوط گہرا اور استوار بھی ہے۔

سریندر پرکاش نے دیباچہ رقم کیا ہے۔ مشتاق مومن کرلا کے افسانہ نگار قرار دیئے گئے۔ بھنڈی بازار کا علاقہ ساجد رشید کے نام کر دیا گیا۔ باندرہ کی سرحدوں پر انور قمر بٹھا دیئے گئے۔ اگر افسانہ اور افسانہ نگار کی یوں تقسیم ... تو پھر سریندر کو بھی چاہیئے اس اعلانیہ میں خود کو بھی شامل ... کہ ناگپاڑہ گلی قرولباغ کا افسانہ نگار کالینہ کی چھاؤنی پر ... ہے

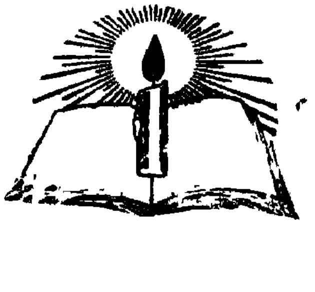
سریندر نے دیباچہ کے آخر میں کچھ اس طور پر دانش کے دفتر کھولے ہیں "اب میں اس کتاب میں شامل افسانوں کے ... سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ ہر افسانے میں اس کے پیچھے ایک مخفی شخصیت موجود ہے جس کے خد و خال غیر واضح ہیں (اگر خد و خال واضح ہوتے تو بات ختم ہو جاتی) آپ اس شخصیت کو پہچاننے کی اور اس شخصیت کے وجود میں آنے کی وجہ پر غور کریں اور ہو سکے تو اس سے ملاقات کی سبیل نکالیں تو وہ ضرور میرا ... اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ دنیا کا سب سے بڑا افسانہ نگار پیدا ہو چکا ہے۔ جس کا ایک رنگ مشتاق مومن ہے"

مشتاق مومن کو افسانہ کہنا آتا ہے، وہ نفس فن سے آشنا ہیں، کرداروں کا خمیر ان کے ذہن کی تازہ کاری کی انگڑائی لے کر اٹھتا ہے اور اس کا کسیلا ذائقہ ہمیں کچھ دیر ... اشتوں اور نکہتوں سے محبت کرنا سکھا جاتا ہے۔ مشتاق ... کی طرحداری اور ان کی کاٹ جگہ جگہ قاری کو چونکاتی ہے۔ ... کی نابکار تہذیب کی رگوں سے خارج ہونے والی گندگی اور افسانہ نگار کو خلاق سے دور لے آئی ہے۔ اس نے خارجی تمام تر دردمندی کے باوجود ایک بے رحم مشاہد کی طرح دیکھ ... زوال میں مستقبل کی ... کی ہیں۔ اذیت ناک بربریت ... فسوں گری میں اس طرح رچ بس گئی ہے کہ اسے رد کرنے ... سے قبول کرنے ہی میں عافیت کے زنگ آلود دروازے ...

مشتاق مومن کے افسانے اس دھرتی کی خوشبو ... تو باس لئے ہوئے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ یہ زمین ان کے قدم ... کھسکتی جا رہی ہے کہ شکستہ پائی کو انہوں نے اپنا مقدر ... وقت کے کتبے پر جو تحریر ہو چکا ہے اسے مٹایا نہیں جا ... کم ہے کہ زوال تماشا کا "منظری کردار" ہوتے ہوئے ... کا فن مشکل سے سیکھ پا ... ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری ... نازک منصب سے عہدہ برآ ہونے میں وہ کامیاب ... افسانے اپنے جدید رنگ و روغن کے باوجود ... ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے ... ہم عصروں سے الگ ... میں ایک ... ہے جو ہماری روح کے زہر کا منفذ ... تزکیہ ... تی ہے۔

رت جگوں کا زوال ... ہے۔ ... کا میں استقبال کرتا ہوں۔ مجھے ... وہ دن بھی آئے گا جب مشتاق مومن بڑا افسانہ ... کتاب نہایت دیدہ زیب ہے اور دل کو ...

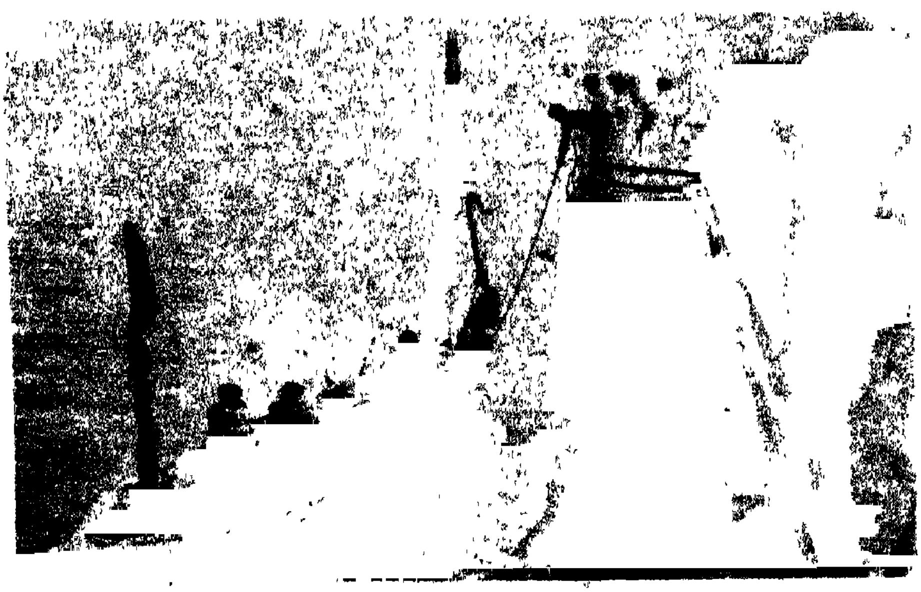




وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل نے
ہیم راج شاہ کی کتاب "راشٹر ماتا ۔
اندرا گاندھی" کا اجراء منترالیہ بمبئی میں ۲۵ فروری
کو کیا ۔ تصویر میں ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی ،
وزیر مملکت برائے اطلاعات و رابطہ عامہ
اور کتاب کے مصنّف شری شاہ دیکھے جا سکتے ہیں



کالماہرشی باپو صاحب اٹھاولے ؛
ناگپور کی ڈائرکٹوریٹ آف آرٹس کی جانب
سے گلپوشی کی گئی اور آپ کو ایک شال، ایک
ناریل اور ایک یادگار تحفہ پیش کیا گیا ۔



یکم مارچ کو وائس ایڈمرل این ۔ سی ۔
چھوپڑا نے این ۔ سی ۔ سی کیڈٹوں کو نول آرمی
کلب قلابہ بمبئی میں الوداع کیا ۔ یہ کیڈیٹ
بمبئی سے گوا جا رہے ہیں ۔



۱۳ مارچ کو منترالیہ بمبئی میں، وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل سے وزیر اعلیٰ کرناٹک، شری رام کرشن ہیگڈے نے رسمی ملاقات کی۔



۱۲ مارچ کو روسی صد
چرننکو کی افسوس ناک موت پر
شری وسنت راؤ پاٹل نے روسی
میں جا کر تعزیت پیش کی۔

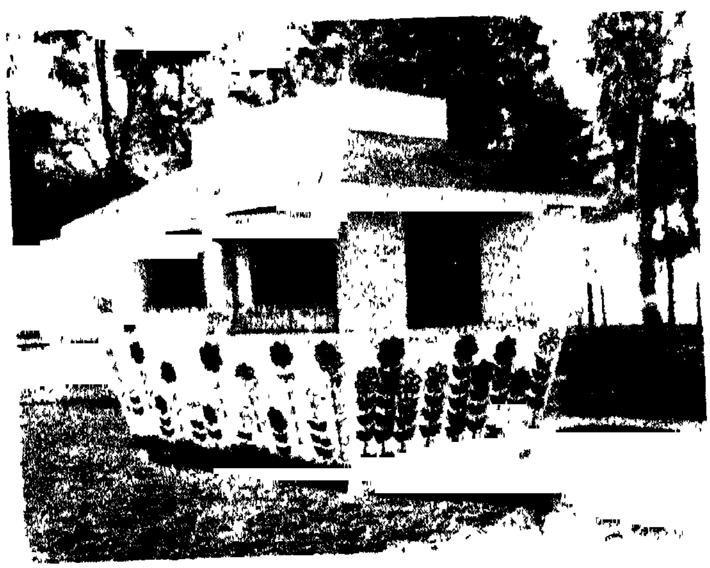


گورنمنٹ سینٹرل پریس سے سبکدوش ہونے والے ملازمین کی گلپوشی کے لئے اور ان ملازمین کے لئے جن کے بچوں نے ایس. ایس سی اور ایچ. ایس سی امتحانات میں کامیابی حاصل کی تھی، ایک تقریب منعقد کی گئی، جس میں شری شرد کیلکر، سیکریٹری محکمہ صنعت نے شرکت کی۔

اس موقع پر شری رام بھاڈک، چیرمین سڈکو نے صدارت کے فرائض انجام دیئے



شری سی۔بی۔گاروارے، صدر
نیشنل سیفٹی کاؤنسل انڈسٹریل سیفٹی نمائش
کا افتتاح کر رہے ہیں۔



پونے اور اس کے اطراف کے علاقوں
میں "دودھ سریتا،" بوتھ کی اسکیم جاری
کی گئی ہیں۔ ایسے ہی ایک بوتھ کی تصویر۔



ناگپور۔ تلجاپور ہائی وے برج کا ایک
منظر۔ ۱۵ لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کئے
جانے والے اس پل سے ۲۰ کلومیٹر کی مسافت
کم ہو جائے گی۔



دیہی بے زمین ضمانت روزگار اسکیم کی عمل آوری کی نگرانی کرنے کیلئے کمیٹی کا قیام

حکومت مہاراشٹر نے وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل کی صدارت میں ریاست میں دیہی بے زمین ضمانت روزگار اسکیم کے سروے اور پلاننگ کی ایک ریاستی سطح کی جائزہ کمیٹی قائم کی ہے۔

کمیٹی کے دیگر ممبران حسب ذیل ہیں: وزیر دیہی ترقیات، برائے ضمانت روزگار اسکیم، ایمپلائمنٹ گارنٹی کونسل کے چیئرمین محکمہ منصوبہ بندی کے سکریٹری (ضمانت روزگار اسکیم) محکمہ مالیات ... محکمہ رفاہ عامہ کے سکریٹری، محکمہ آبپاشی ... محکمہ جنگلات کے سکریٹری، محکمہ ... دیہی ترقیات کے سکریٹریاں، پلاننگ ڈپارٹمنٹ کے سکریٹریاں، محکمہ زراعت کے سکریٹریاں، محکمہ ... کے سکریٹری، محکمہ سماجی جنگل بانی اور باغبانی کے سکریٹری، اور
کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی اریگیشن ڈپارٹمنٹ ... دیہی ترقیات کی دہلی بطور مدعوین اور محکمہ منصوبہ بندی (دیہی بے زمین ضمانت روزگار پروگرام) کے ڈپٹی سکریٹری اس کمیٹی کے ممبر سکریٹری مقرر کئے گئے ہیں۔

کمیٹی آر ایل ای جی پی کے معاملات میں حائل دشواریوں کو دور کرنے اور پروگرام کی عمل آوری کرنے کے لئے پالیسی مرتب کرے گی۔ ۲۰ نکاتی پروگرام میں شامل کئے گئے اس پروگرام کی ترقی کا جائزہ لے گی اور مشورہ دے گی۔

ریاستی حکومت نے آر ایل ای جی پی پروگرام کی عمل آوری کے لئے ضروری ہدایات جاری کی ہیں۔

رضاکارانہ تنظیموں کو خاندانی بہبود کے لئے ترغیبی امداد

حکومت مہاراشٹر کی ہدایت کے بموجب ... سولاپور، کولہاپور اور ناگپور میں واقع کارپوریشن میں خاندانی بہبود پروگرام پر کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والی رضاکارانہ تنظیموں کو متعلقہ میونسپل کارپوریشن داخل کرنے پر نس بندی کے فی کیس دس روپے ادا کرے گی۔

میونسپل کارپوریشن کے لئے سال ۸۵-۸۴ نس بندی کرانے پر فی کیس دس روپے ادا کرنے کی منظوری دی جا چکی ہے۔

اس سے قبل کارپوریشن کے علاقے میں کام ... رضاکارانہ تنظیموں کو فی کیس دس روپے کی رقم ڈپٹی ڈائرکٹر آف ہیلتھ سروسیز انچارج آف ... پیش کرنے پڑتے تھے جبکہ غیر میونسپل کارپوریشن میں واقع رضاکارانہ تنظیموں کو اس رقم کی ادائیگی پریشدوں کی طرف سے کی جاتی تھی۔

امریکی قونصلر نے ضمانت روزگار کی ستائش کی۔

بھارت میں امریکہ کے امور محنت کے ... انجینئر لیڈر نے ۲۷ مارچ کو منترالیہ بمبئی میں وزیر محنت شری این۔ ایم۔ تڑکے سے ملاقات کی۔ مسٹر لیڈر نے لیبر سے متعلق مسائل پر ... ہوتے ضمانت روزگار اسکیم پر اپنی گہری دلچسپی ... اور زرعی مزدوروں کے مفاد کیلئے جاری اس اسکیم ... وزیر محنت شری تڑکے نے فرمایا کہ وہاں علاقوں ... مزدوروں کا مسئلہ ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ... نے اسے حل کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے ریاست کی سرگرمیوں کے بارے میں وزیر موصوف نے ... مزدوروں کے تئیں جذبۂ ہمدردی رکھتی ہے۔
مسٹر لیڈر نے بھوپال المیہ کی روشنی میں حفاظتی اقدامات کے بارے میں سوالات ...

لیبر کمشنر نے فرمایا کہ حفاظتی اقدامات کے بارے میں مشورے دینے کیلئے حکومت نے متعلقہ اتھارٹیز پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی ہے جس نے اب تک ۸۴ فیکٹریوں کا دورہ کیا ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اس کمیٹی کی سفارشات پر حکومت فوری کارروائی کرے گی۔

اس میٹنگ میں مسٹر جے گراہم پوٹیل۔ اکنامکس افسر مسٹر پی۔ سے۔ وی کرشن لیبر ایڈ وائزر۔ امریکی سفیر اور حکومت مہاراشٹر وزارت محنت کے اعلیٰ عہدہ داران موجود تھے۔

مہاراشٹر کا اقتصادی نظم وضبط ڈاکٹر منموہن سنگھ کی سراہنا

پلاننگ کمیشن کے وائس چیرمین ڈاکٹر منموہن سنگھ نے ۲۶ مارچ کو وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل سے ودھان بھون میں ملاقات کی۔ اس ملاقات کے دوران ساتویں پنج سالہ منصوبہ کے متعلق تجاویز ۸۶-۱۹۸۵ء کے سالانہ منصوبہ میں فنڈ کی فراہمی اور ریاست کے دوسرے منصوبوں پر تبادلۂ خیال کیا گیا۔

وزیر اعلیٰ نے اس موقع پر فرمایا کہ ریاست مہاراشٹر ریاستی ترقیاتی اسکیموں کے اجرا کے سلسلے میں اقتصادیاتی نظم وضبط کے اصولوں پر گامزن ہے۔ اس لحاظ سے وزیر اعلیٰ نے اس بات کی شدید خواہش ظاہر کی کہ پلاننگ کمیشن کو چاہیئے کہ وہ آزادانہ پالیسی اختیار کرتے ہوئے ساتویں منصوبے کی ریاستی اسکیموں کے سلسلے میں اور دوسرے منصوبوں اور پروجیکٹوں کے سلسلے میں اس قسم کے اصولوں پر گامزن رہنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فنڈ فراہم کرے۔ پورے ملک سے لوگ بمبئی شہر میں آکر رہائش پذیر ہوتے ہیں اس لحاظ سے بمبئی کے مسائل نہ صرف ریاست کے مسائل ہیں بلکہ پورے ملک کے مسائل ہیں۔ شری پاٹل نے ساتویں پلان میں بمبئی شہر کے لئے ۱۰۰ کروڑ روپے کی خصوصی امداد کی اپیل کی۔ وزیر اعلیٰ نے خصوصی معاشی امداد کی طلب بھی کی۔

وزیر اعلیٰ نے گفتگو کے دوران اس بات کا اظہار بھی کیا کہ ریاست کو اپنے ساحل کے قریب سے تیل اور گیس جیسے قدرتی وسائل کا حصہ ملنا چاہیئے اور یہ بھی فرمایا کہ ارن سے ودربھ اور مراٹھواڑہ تک گیس لے جانے والے پائپ بچھا دئے جانے چاہئیں۔

شری پاٹل نے ڈاکٹر سنگھ سے کہا کہ ریاست کے پسماندہ علاقوں کو ترقی پذیر بنانے کے لئے کافی امداد کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مانخور د۔ بیلا پور ریلوے لائن بچھائی جانی چاہیئے اور منماڑ، پربھنی۔ پارلی ریلوے لائن کو براڈ گیج میں تبدیل کرنا چاہیئے تاکہ صنعتی ترقی کو تقویت ملے۔ وزیر اعلیٰ کی ڈاکٹر سنگھ سے دوسرے نکات پر کی گئی گفتگو میں یہ باتیں بھی شامل تھیں۔ مربوط دیہی ترقیاتی پروگرام کے لئے بلاک بنیاد پر فنڈ کی فراہمی ـــ ۲۰ اسپننگ ملوں کے لئے حصص سرمایہ کی منظوری کی تجویز سنہ ۱۹۹۱ء تک تمام افراد کے لئے صحت اسکیم کے نشانے کو حاصل کرنے کے لئے کافی فنڈ کی فراہمی اور ودربھ ضلع پلان پر عمل آوری۔

ڈاکٹر منموہن سنگھ نے ریاست میں معاشی نظم وضبط کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کی سراہنا کی اور پلاننگ اسکیموں کی تعریف کی۔ آپ نے اس بات کا یقین دلایا کہ بمبئی شہر کے مسائل کے سلسلے میں وہ غور وخوض کریں گے۔

ڈاکٹر سنگھ نے اس موقع پر اس بات کی امید ظاہر کی کہ ریاست مہاراشٹر ملک کو معاشی ترقیات سے ہمکنار کرنے میں اپنی کوششوں کو جاری رکھے گا۔

ریاستی کابینہ کے سینئر ممبران، سروشری سدھاکر نائیک، سوشیل کمار شندے، جواہر لال دردا۔ ڈاکٹر وی۔ سبرامنیم، سروپ سنگھ نائیک، بھائی ساونت، شریمتی سیلن ڈی سلوا، وزیر مملکت برائے پلاننگ، ریاستی چیف سکریٹری۔ شری بی۔ جی۔ دیشمکھ اور مختلف محکمہ جات کے سکریٹری حضرات اس گفتگو کے دوران موجود تھے۔

ہاؤسنگ اسکیمات
رابطہ کمیٹی کا قیام

حکومتِ مہاراشٹر نے وزیر ہاؤسنگ کی صدارت میں حکومت کی مختلف ہاؤسنگ کی اسکیمات پر موثر طور سے عمل آوری کی غرض سے ایک رابطہ کمیٹی کی تشکیل کی ہے۔

یہ کمیٹی پرانی اور مخدوش عمارتوں کی مرمت اور دوبارہ تعمیر کی اسکیمات کی عمل آوری کی نگرانی، مہاراشٹر ہاؤسنگ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹیز (ایم ایچ اے ڈی اے) کی مختلف اسکیمات کے تحت مکانات کی تعمیر اور اس کے ڈویژنل بورڈ کی جانب سے مکانات کی مرمت اور تعمیر کے ساتھ (ایم۔ ایچ اے ڈی اے) کے سلم ڈویژنل بورڈوں اور سلم امپرومنٹ کے کاموں کی دیکھ بھال کرے گی۔

وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ کو اس کمیٹی کا نائب صدر مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے دیگر ممبران اس طرح ہیں ——

وزیر مملکت برائے شہری ترقیات چیرمین ایم ایچ اے ڈی اے — مندرجہ ذیل چار محکموں کے سکریٹریز :۔ محصول اور جنگلات (محصول) مالیات شہری ترقیات منصوبہ بندی محکمہ۔ کمشنر بمبئی میونسپل کارپوریشن۔ وائس چیرمین اور چیف ایگزیکیٹیو افسر ایم۔ ایچ اے ڈی اے وائس چیرمین اور چیف ایگزیکیٹیو افسر بمبئی ہاؤسنگ اینڈ ایریا ڈیولپمنٹ بورڈ، چیرمین مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ، ایڈیشنل کلکٹر (انکروچمنٹ)، بمبئی عظمیٰ، ممبر سکریٹری آف واٹر سپلائی اینڈ سیوریج بورڈ اور سیکریٹری محکمہ ہاؤسنگ اور امداد خصوصی اس کمیٹی کے ممبر سیکریٹری مقرر کئے گئے ہیں۔

اندھے پن کی روک تھام کیلئے
ریاست کو ایک لاکھ روپے کا انعام

حکومتِ مہاراشٹر نے قومی پروگرام برائے اندھے پن کی روک تھام کے تحت سال ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران سے اندھے پن کو روکنے کے لئے آنکھوں کے آپریشن کو مقرر کردہ مدت میں پورا کر کے مرکزی حکومت کی طرف سے ایک لاکھ روپے کا انعام حاصل کیا ہے۔

اردو ادیبوں اور صحافیوں
کو ریاستی انعامات

حکومت مہاراشٹر نے جنوری سے دسمبر ۸۴ء دوران شائع ہونے والی اردو ادیبوں شاعروں کی صحیفوں کو ۴۶۰۰۰ روپے کی مالیت کے انعا کئے ہیں۔ ریاست مہاراشٹر اردو اکیڈمی کی جانب انعام یافتگان اور خصوصی انعامات حاصل کرنے ناموں کا اعلان کیا گیا ہے جو درج ذیل ہے۔

نظم :۔ پہلا انعام کسی کو نہیں دیا گیا — ۱۵۰۰ روپے بالترتیب شری انجم عباسی بمبئی "لہو اور شری ہمت رائے شرما کو "شہابِ ثاقب" ۱۰۰۰ روپے کا تیسرا انعام اور شری شاکر یا کو "چہرے" کے لئے دیا گیا۔ ۱۰۰۰ روپے انعام مرحوم ہربنس لال گوسوامی کو بعد کو "سمرن" پر دیا گیا۔

نثر (ناول فکشن) ۲۰۰۰ روپے شری انور قمر بمبئی کے "چڑیاں میں سنا ہوا قصہ" ۱۵۰۰ روپے کا دوسرا انعام بالترتیب شہ کو فنکاری اور شری مشتاق مومن بمبئی کو ... پر دیا گیا۔ ۱۰۰۰ روپے کا انعام شری عرفان کو "سحر کا خواب" کے لئے دیا گیا۔

نثر (تعلیمی ادب) صرف ۱۵۰۰ انعام شری خلیل شارق نیازی امراوتی کو تعلیم دیا گیا۔ بچوں کے ادب کے زمرے میں پہلے، تیسرے انعام کا مستحق کسی کو بھی قرار نہیں ہمت افزائی کا انعام ۵۰۰ روپے کا انعا شری غنی غازی بمبئی کو "شبنم کے موتی" حیدر بیابانی کو "ننھی منی باتیں" کے لئے

تنقید اور تحقیق :۔ ۱۵۰۰ رو دوسرا انعام شری ... برہمنی کو "ہندو فلسفہ ایک مطالعہ" پر دیا گیا



تجمانی شری یشونت راؤ چوان پرلوک راجیہ کے خصوصی شمارہ کا اجراء، وزیراعلی شری وسنت راؤ پاٹل نے ۱۱ مارچ کو منترالیہ بمبئی میں کیا۔ اس موقع پر (بائیں سے دائیں) شری شیواجی راؤ دیشمکھ، وزیر مملکت برائے زراعت، توانائی اور ٹرانسپورٹ، وزیراعلی شری وسنت راؤ پاٹل، شری وی۔ ایس۔ پاگے، چیرمین ای۔ جی۔ ایس۔ کاؤنسل، جنہوں نے اس تقریب کی صدارت فرمائی۔ شری شانتارام سگنے، ڈائرکٹر جنرل اطلاعات و رابطۂ عامہ موجود تھے۔

سائنٹفک اور ٹکنیکل ادب :۔ ۱۵۰۰ روپے کا دوسرا انعام شری ایس ایم اے رضوی بمبئی ۔۔۔ کو "راحت الصبیان" کے لئے دیا گیا۔ ۱۰۰۰ روپے کا ... انعام شری ایم۔ اے واقف کو "مکاتیب تکلم" اور ۵۰۰ روپے کا ایک انعام شری لئیق منظر، پربھنی، کو "عام معلومات" پر دیا گیا۔

ڈرامہ :۔ ۵۰۰ روپے کا صرف ہمت افزائی کا انعام شری مجیب خاں کو "لاچاریں" کے لئے دیا گیا۔

صحافت :۔ ۱۵۰۰ روپے کے دو انعامات شری شمیم طارق (اردو بلیٹز) اور ڈاکٹر داؤد کشمیری (انقلاب) کو دیئے گئے۔ ۱۰۰۰ روپے کا خصوصی انعام شری حنیف اعجاز (اردو ٹائمز) شری مولانا حنیف ملی (گلشن مالیگاؤں) ۔۔۔ شری ... وبرہاشمی (پربھنی ٹائمز) شری وکیل عارف (اخوت کامٹی) پروفیسر اے۔ آر موسن (بمبئی یونیورسٹی کے شعبہ سماجیات) شری قمر اقبال (اورنگ آباد ٹائمز) اور شری سید مبین احمد (انقلاب)۔



نئے چیف سیکریٹری، حکومت مہاراشٹر، شری بی۔ جی۔ دیشمکھ، اپنے دفتر میں۔ آپ کا تقرر ۷ مارچ کو ہوا۔ اس عہدہ سے قبل آپ مرکزی لیبر سیکریٹری تھے۔

مرحوم خواجہ عبدالغفور کی اردو زبان کی خدمت اور ریاست مہاراشٹر میں اردو کے فروغ کے سلسلے میں ان کی کوششوں کے اعتراف میں ان کے نام ۵۰۰۰ روپے کے (بعد از مرگ) مخصوص انعام کا اعلان کیا گیا ہے جسے مرحوم خواجہ عبدالغفور کی اہلیہ شریمتی حبیبہ غفور حاصل کریں گی۔

ڈاکٹر دیناتے واٹکر اور مرحومہ ڈاکٹر زرینہ ثانی ناگپور کو ۳۰۰۰ روپے کا مشترکہ انعام ان کی مراٹھی اور اردو کو قریب لانے کی کاوشوں پر دیا گیا۔

شری خواجہ احمد عباس، مشہور ادیب اور صحافی کو ۵۰۰۰ روپے کا خصوصی انعام اردو ادب اور صحافت کی خدمت کرنے پر دیا گیا۔

ماہنامہ شاعر کے مدیر کو ۵۰۰۰ روپے کا ایک خصوصی انعام انہیں ۵۵ سال سے اردو ادب کی خدمت کے اعتراف کے طور پر دیا گیا۔

صفحہ ۳۵ سے آگے۔ میرے پسندیدہ مصور

نہیں۔ اسی مفہوم کو محترم وہاب حیدر نے اپنی کتاب "شعر یا سوشہ" میں باندھا ہے۔

"یہ رشتہ رواں دواں ہے اور جاوداں ہے۔ شعور کے آغاز نے اس رشتہ کو پہچانا ہے اور شعور کی ارتقائی پختگی اس کو مضبوط سے مضبوط تر کرتی جا رہی ہے اور یہ رشتہ اور بسیط اور بسیط تر ہوتا چلا جائے گا۔ اس میں شک نہیں کہ نہ غالب اس کی پہلی کڑی تھے اور نہ ہم آخری کڑی ہیں۔ تاہم غالب اور ہم دونوں ہی اس سلسلۂ دراز میں فاصلے تقسیم کرنے والے انسانوں کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں۔"

وہاب حیدر نے جو بات شاعری کے لئے کہی ہے وہ کسی بھی فن کے لئے کہی جا سکتی ہے۔ یہی میرا بھی خواب ہے۔ ہمارے مصوروں میں بھی گائتونڈے کی غنائیت، ہرکشن لال کی فنکارانہ تمازت، کرشن آرا کی معصومانہ سادگی و پرکاری میری جمالیاتی وابستگی کا سرمایہ ہے۔ گنیش پائنے ۔۔۔ گوری کے بھیگے پاؤں کے نشانات فضا میں معلق کرنے کی فنکارانہ قوت کا مظاہرہ کرتا ہے تو دل و ذہن تخلیق کے دیوتائی کھیل کے تجربے سے دوچار ہوتا ہے۔ مگر یہ سب سیال انسانی جدوجہد کی کہکشاں میں پل بھر رک کر نظر ڈالنے کے مقامات ہیں۔ اس کائنات میں جہاں تغیر اٹل قانون ہے۔

کس پل کو ثبات ہے؟ کونسا لمحہ جاوداں ہے؟ کس کو قیام ہے؟ دوام کس کو نصیب ہے؟ حرفِ مقرر کا وجود کہاں ہے۔ پکاسو گویا، ماتس پیدا ہوتے رہیں۔ ہماری حس کو بیدار رکھیں، ضمیر کو پکاریں اور انسان اپنا سفر اس دھرتی پر جاری رکھے۔

ں ی ا ـــ

ـ اے ـ مالک ـ سکریٹری اسٹڈیز سینٹر ـ
یلا، پوسٹ بنیادگنج ـ ضلع گیا ۸۲۳۰۰۳

اج کا آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی نمبر موصول ہوا ـــ یہ
ظیم شاہکار ہے اور آپ نے اپنی سعی کے ذریعے شریمتی
ں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ
ل ہے ـ اس خصوصی نمبر کی کامیابی پر میری جانب سے
سینٹر، گیا، کے تمام ممبران کی جانب سے مبارکباد قبول

مارے کا سرورق قاری کو متاثر کرتا ہے اور یہ صفحہ
یت کے تحفظ اور امن کا پیغام عیاں کرتا ہے ـــ
ا پوری کا "سورج ہے لہو تیرا"، بے حد پسند آیا ـــ
اس، سردار جعفری، اختر الایمان، ظ ـ انصاری،
، مموہن سہگل اور ڈاکٹر عزیز قدوسی کی تخلیقات
ند کیا گیا ـ

مدت میں اس طرح کا خصوصی نمبر عوام کے سامنے پیش
سب کی انتھک محنت کے مرہونِ منت ہیں ـ ایک
کے ساتھ ـــ

یم ـ اے ـ ساجد
مسجد ـ کھام گاؤں ۴۴۴۳۰۳

،، "کا" آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی خصوصی نمبر" دیکھا
ـــ بہت پسند آیا ـ اسے قومی راج کے چند خاص نمبروں
صوصی اور اپنی طرز کا انوکھا و معیاری نمبر کہا جا سکتا
سمجھتا کہ شریمتی اندرا گاندھی کے ساتھ ارتحال
ی اخبار یا رسالے نے اتنا ضخیم، خوبصورت،
س قدر معیاری نمبر نکالا ہو ـ یقیناً قومی راج اس
یاد کا مستحق ہے ـ تمام مضامین، تصاویر اور
تے سے تعلق رکھتی ہیں اور شریمتی اندرا گاندھی کی
امور پر بھرپور روشنی ڈالتی ہیں ـ اس قدر خوبصورت
وصی مبارکباد قبول فرمائیں ـ

• طالب ممتاز
ریلوے اسٹیشن روڈ ـ نواپاڑہ راجم ضلع رائے پور (ایم پی)

ـ "آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی خصوصی نمبر" کو دیکھ کر بے ساختہ
اپنا ایک قطعہ زبان پر آ گیا ـ

" تاریخِ سیاست میں مقتول نہیں مرتا
جو قوم کا رہبر ہو، مقبول نہیں مرتا
گلشن کی فضا طالب رکھتی ہے اسے زندہ
خوشبو جو اڑاتا ہے وہ پھول نہیں مرتا "

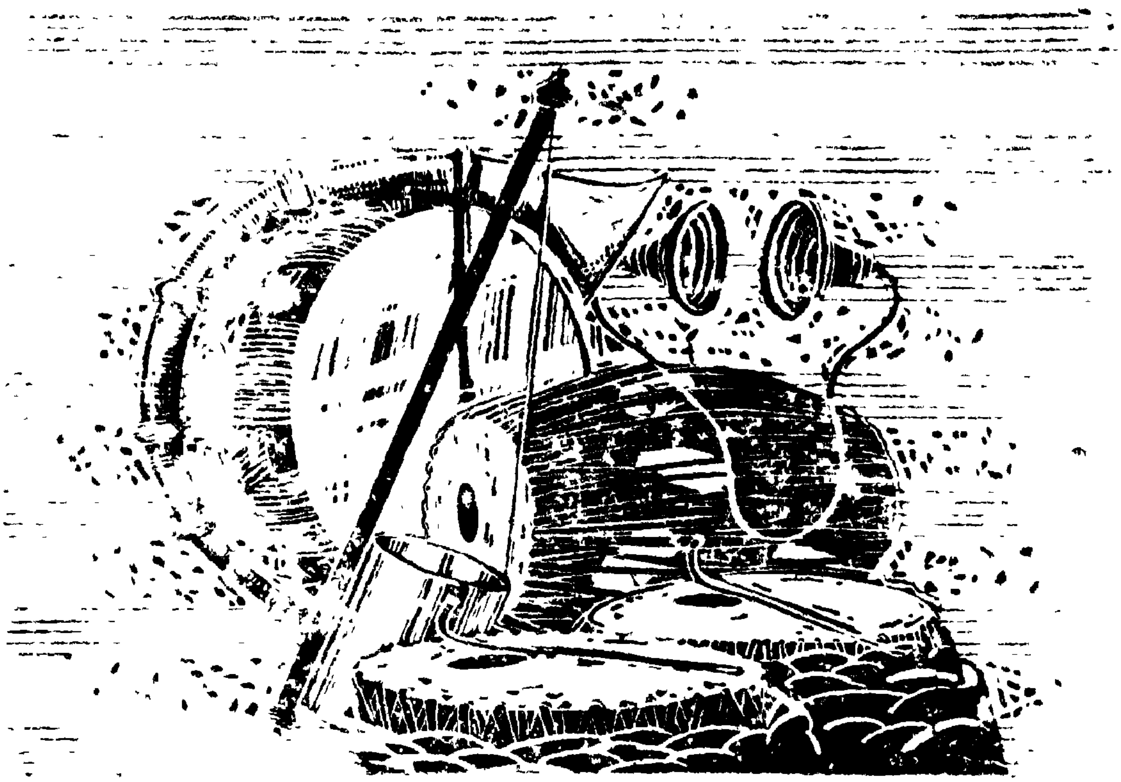
قومی راج کے قارئین کے ذہنوں میں اس پھول کی خوشبو ہمیشہ
مہکتی رہے گی ـ

• اوج اعظمی
خیر آباد ـ اعظم گڑھ ـ یو ـ پی ـ ۲۷۶۴۰۳

'قومی راج'، کے "مخصوص نمبر" تو ایک دستاویز کی حیثیت
رکھتے ہی ہیں لیکن عام شماروں میں بھی کچھ کم آب و تاب نہیں ہوتی
ایسے ہی شمارہ (۱۰ دسمبر اور ۲۵ دسمبر کا مشترکہ شمارہ) جو کہ
فی الحال میرے پیشِ نظر ہے ـ اپنے اندر چند مشہور شخصیتوں کی
مختصر مگر جامع تاریخ لئے ہوئے ہے ـ خصوصاً سابق صدر جمہوریہ ہند
ڈاکٹر راجندر پرشاد کے حالاتِ زندگی، فخرِ ملک و وطن شری
یشونت راؤ چوان، سابق نائب وزیر اعظم ہند کے کارنامے، ترقی پسند
مصنفین کے رکنِ خاص عالمگیر شہرت کے مالک فیض احمد فیض
مرحوم کی کہانی خود ان کی زبانی اور آنجہانی راجندر سنگھ بیدی سے
شریمتی عصمت چغتائی اور شری فیاض رفعت کا آخری انٹرویو ـ
اس طرح یہ شمارہ کا کلنگو نیز ایک یادگار رہے ـ
حکومت بہار اختر اورینوی خدمات کے لئے قابلِ مبارکباد ہے
ساتھ ہی ساتھ آپ چند حضرات کی مساعی جمیلہ پر بھی تحسین آفریں ہے ـ

★ ادیب مقصود
صدر ادارہ اردو پبلسٹی ـ ناگپور ـ

'قومی راج' کا شمارہ اکثر نظر سے گزرتا ہے ـ ہر شمارہ خوبصورت
جاذبِ نظر اور مواد سے بھرپور ہوتا ہے ـ اتنا شاندار رسالہ نکالنے پر
قارئینِ مہاراشٹر کو دلی مبارکباد ـ



صدائیں کئی سُر ایک
ہم سب ہیں ایک

ساز کئی، آوازیں انیک
سازوں اور آوازوں کا
دل کش سنگم
جنم دیتا ہے، سُریلے سنگیت کو

دیش بھی اسی طرح ہے رنگ برنگی جاتیوں،
نسلوں، اور مذہبوں کا حسین سنگم، ہم آہنگی،
یک جہتی اور اتحاد کا امین، مضبوط، اٹوٹ،
استوار اور پائیدار ہے

قومی یک جہتی کو فروغ دیجئے۔ دیش کو مضبوط بنائیے

محکمۂ اطلاعات و رابطۂ عامہ حکومت مہاراشٹر

قومی۔

124 IF. PRINTED AT THE GOVT PHOTOZINCO PRESS PUNE-1986





ایک مسلم خاتون روایتی برقعہ
پہنے ہوئے۔

✠

ایک ضعیف جوڑا،
اپنے حق رائے دہی کو
استعمال کرنے کے
لئے ایک ساتھ آئے تھے



کولی ووٹر،
اپنے روائتی لباس میں

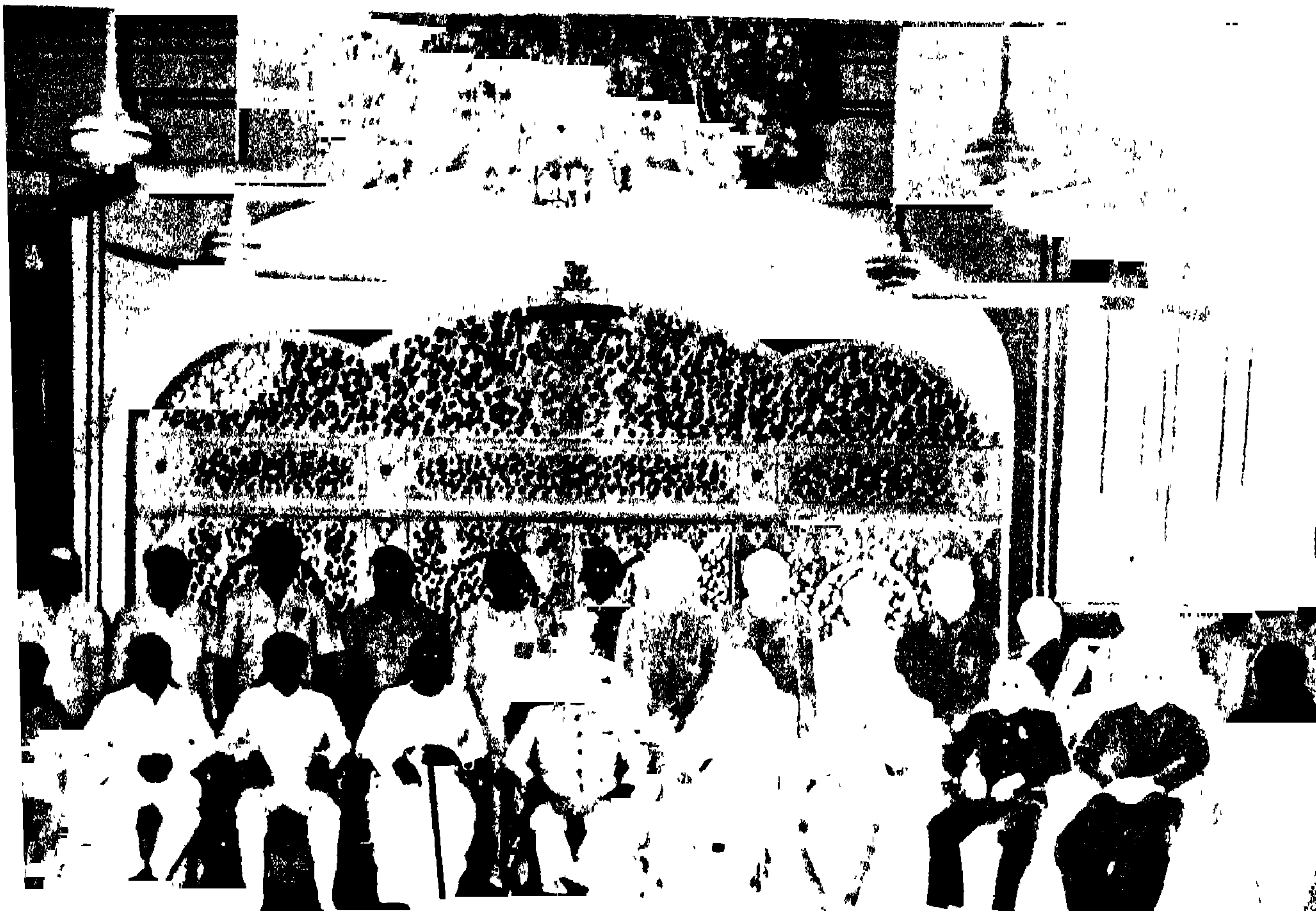
ایک ۷۵ سالہ ضعیف شخص
اپنے قیمتی حقِ رائے دہی کا
استعمال کرتے ہوئے۔

ایک ضعیف اور ناتواں
خاتون اپنے پوتے کی مدد
سے ایک پولنگ کی جانب رواں





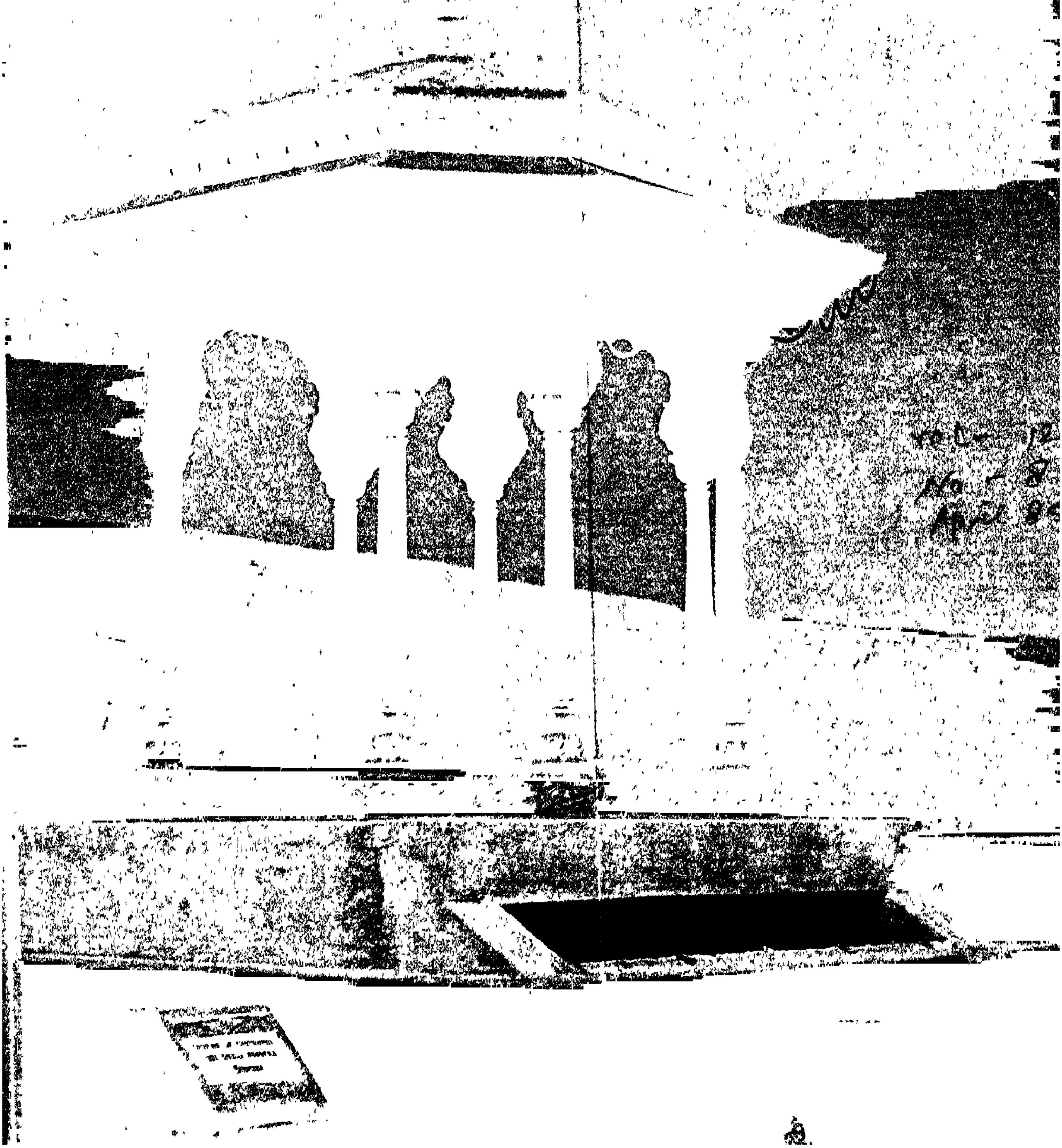
RAJ : Regd. No. MH-BY South-544 *Licence No. 89 for 'without prepayment of postage'*

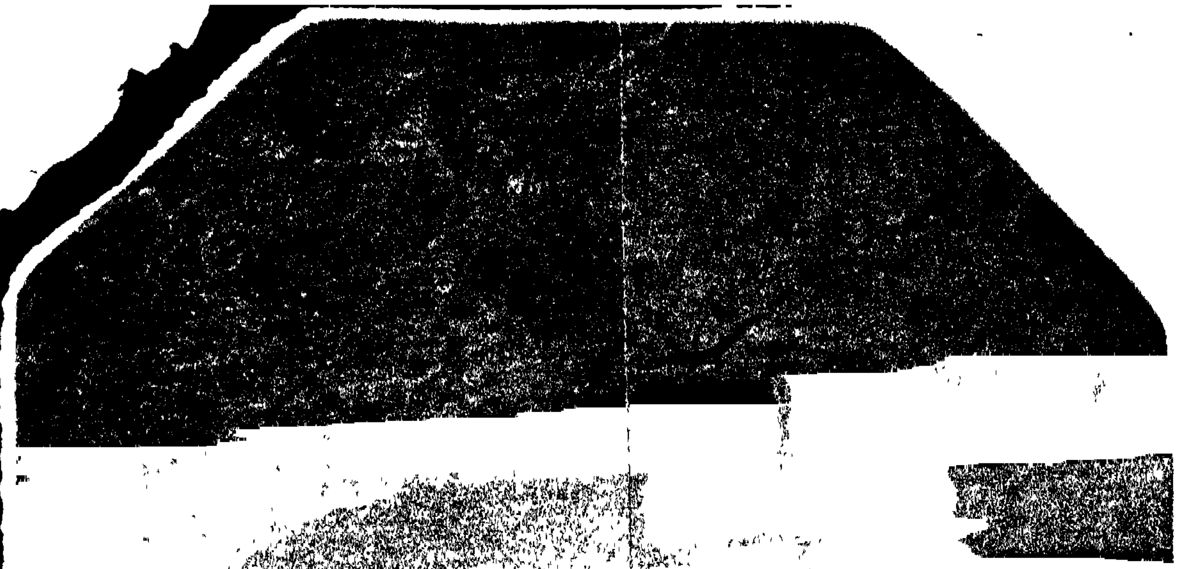


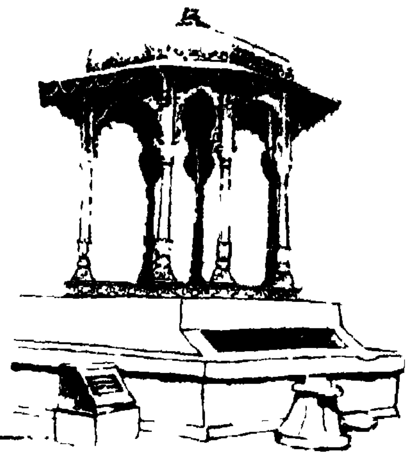
ریاست کی نئی وزارت کا رسم حلف برداری کے فوراً بعد گورنر مہاراشٹر ایئر چیف مارشل آئی۔ ایچ۔ لطیف
مہاراشٹر، شری وسنت راؤ پاٹل اور چیف سکریٹری شری پی۔ جی۔ دیشمکھ کے ساتھ ایک گروپ فوٹو۔

[illegible] پبلیشنز، حکومت مہاراشٹر، منترالیہ بمبئی

प्रतिपच्चं
द्रलेखेववर्धिष्णुर्वि
श्ववंदिताशाहसू
नोःशिवस्यैषामुद्रा
भद्रायराजते







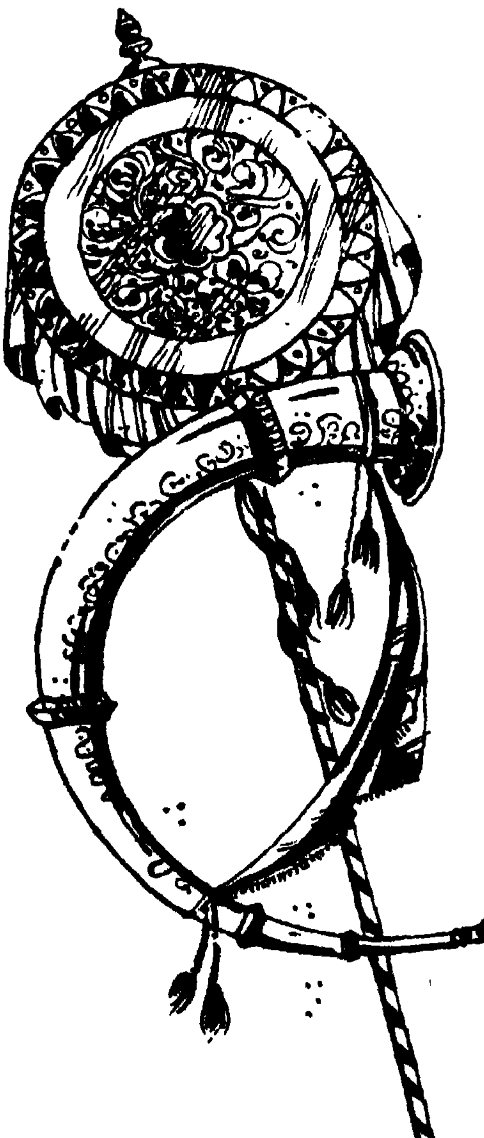
میگھ ڈمبری (شاہی چھتری) خصوصی نمبر

چیف ایڈیٹر
ایس۔ کے۔ سگنے
ایڈیٹر:۔ فیروزہ فیاض خان

۲۵ر اپریل ۱۹۸۶ء

قومی راج

جلد نمبر ۱۲ ؎ شمارہ نمبر ۸
سالانہ: دس روپے ؎ فی شمارہ پچاس پیسے



ترتیب

صفحہ نمبر

سرورق :۔ رائے گڈھ میں میگھ ڈمبری (شاہی چھتری)

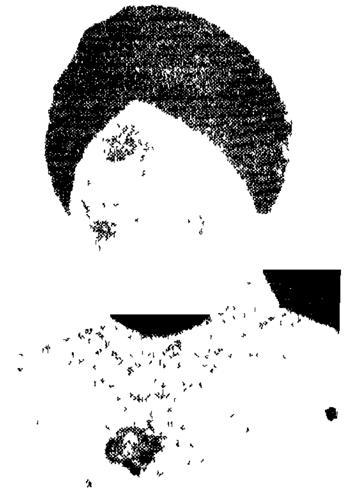
اداریہ

ہندوی سوراج کے بانی۔ منفرد شخصیت کے مالک عالمگیر شہرت یافتہ عظیم فرزند چھترپتی شیواجی مہاراج کا جشن تاجپوشی ۱۶۷۴ء میں رائے گڈھ قلعہ پر منعقد ہوا۔ اس موقع پر آپ کے لئے جو تخت تیار کیا گیا تھا اس کی تیاری میں ۳۲ من سونا استعمال ہوا تھا۔ نیز اس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ یہ تخت دراصل بھارت واسیوں کے دلوں کو حب الوطنی کے جذبہ سے گرماتا ہے۔ اس تخت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی زیارت کرنے کے بعد ہر شخص نے عزم اور استقلال کے ساتھ وطن کی خدمت کا عہد کرتا ہے۔ مرور ایام کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ آج صرف اس تخت کا پایہ باقی ہے۔ شیواجی مہاراج کی ۳۰۰ ویں شتابدی کے موقع پر اس وقت کی بھارت کی وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے اعلان کیا کہ اس تخت پر شاہی چھتری نصب کی جائے گی۔ حکومت مہاراشٹر کی قائم کردہ "سرو دھرم سمبھاؤ سمیتی" اور شیو مدرا پرتشٹھان نے اس سلسلے میں پیش قدمی کی۔ ۱۹ اپریل ۱۹۸۵ء کو رائے گڈھ میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں بھارت کے صدر شری گیانی ذیل سنگھ کے ہاتھوں اس تخت کے پایہ پر کانسہ میں ڈھالی گئی شاہی چھتری کی تنصیب کی گئی۔ اس شاہی چھتری کی تنصیب سے آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کی ایک دلی خواہش کی تکمیل ہوتی ہے۔

بھارت کے فلسفہ کی رُو سے راجہ بھگوان وشنو کا اوتار ہوتا ہے۔ اس کی شخصیت میں تمام اوصاف حمیدہ یکجا ہوتے ہیں۔ رائے گڈھ کا یہ تخت دراصل مذہبی غیر جانبداری، جوانمردی اور حب الوطنی کے جذبات سے سرشار ایسے ہی ایک اوتار کی فلاحی سلطنت کی علامت ہے۔

رائے گڈھ کے تخت پر، شاہی چھتری کی تنصیب کے اس تاریخی موقع پر ہم قومی راج کا یہ خصوصی شمارہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

اس خصوصی شمارہ کی تزئین میں ہمیں ڈائرکٹر آف آرٹ شری بابو راؤ ساڈویلکر کا تعاون حاصل رہا جس کے لئے ہم ان کے شکر گذار ہیں۔



صدر ہند کے ہاتھوں قلعہ رائے گڈھ کے چھتر کی نقاب کشائی

شیواجی مہاراج کی تاجپوشی کوئی ۳۱۱ برس پہلے قلعہ رائے گڈھ میں ہوئی تھی۔ تخت سونے کا بنا ہوا تھا۔ اور اس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اب تخت کی جگہ صرف ستون باقی ہے۔ پھر بھی اس کے دیکھنے والوں کے دلوں میں اول العزمی پیدا ہوتی ہے۔ اب اس کی جگہ چھترپتی شیواجی مہاراج، سرودھرم سنبھاؤ سمیتی نے کانسے کا ایک چھتر بنادیا ہے۔ یہ سمیتی حکومت مہاراشٹر کی قائم کردہ ہے۔

صدر ہند یعنی ذیل سنگھ نے ۱۹ اپریل ۱۹۸۵ء کو صبح ساڑھے دس بجے چھتر کی نقاب کشائی فرمائی۔

چھترپتی شیواجی مہاراج کا قلعہ رائے گڈھ میں جو تخت ہے وہ علامت ہے خوشحال ریاست کی جو ایک بڑی شخصیت کی تعمیر کردہ ہے۔ جو سیکولرزم بہادری اور قومیت کا مجسمہ تھا۔ یہ سماج کے لئے اول العزمی پیدا کرنے کا دائمی ذریعہ ہے۔ یہ اچھی حکمرانی اور لوگوں کی دلی خواہش سے آراستہ ریاست ہے۔ سچائی، انصاف اور سالمیت ان کی انتظامیہ کے نصب العین تھے۔ یہ تخت دیکھنے والوں کے دلوں میں بلند خیالات پیدا کرتا ہے۔

چھترپتی شیواجی مہاراج کی تاجپوشی ۳۱۱ سال پہلے ہوئی تھی۔ ان کا تخت سونے کا تھا۔ اور اس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اتنا زمانہ گزرنے کے بعد صرف وہ چبوترا رہ گیا ہے جس پر تخت کی تعمیر ہوئی تھی۔ حکومت مہاراشٹر کی قائم کردہ چھترپتی شیواجی مہاراج سرودھرم سنبھاؤ سمیتی نے ۱۹۸۱ء میں مذکورہ چبوترے پر ایک مستقل چھت تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔

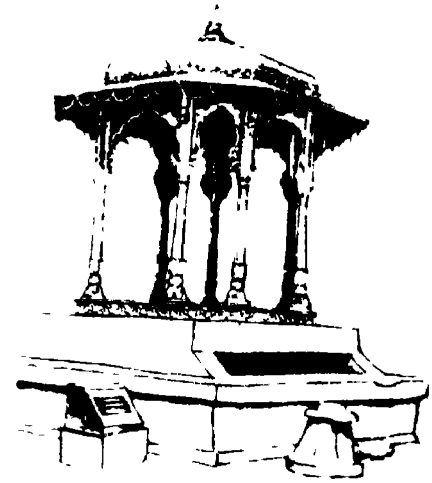
ایک ممتاز مجسمہ ساز شری کھانولکر نے اس چھتر کو کانسہ سے ڈھال کر بنایا ہے۔ اس کا بلیو پرنٹ سرکاری آرکیٹکٹ نے تیار کیا تھا اور ریاستی ڈائریکٹوریٹ آف آرٹس نے اس کا خاکہ اور ڈیزائن تیار کیا تھا۔

ماہرین کی کمیٹی:-

پہلے پہل ماہرین کی ایک کمیٹی نے چھتر کے مقام کا دورہ کیا تھا۔ کام کی نوعیت کے لحاظ سے ایک پلان بنایا جس کے سلسلے میں کام کے تمام تکنیکل پہلوؤں پر بخوبی غور وخوض کیا گیا۔ کمیٹی مذکورہ نے چھترپتی شیواجی کی سوانح نویسوں، اور تاریخ والوں سے بھی مشورہ کیا تاکہ چھتر کی جسمانی ڈیزائن مجسمہ سازی کے نقطۂ نظر سے اور تاریخی پہلوؤں کے لحاظ سے بھی کامل ہو۔ اس چھتر کی ڈیزائن میں جسے سرکاری مجسمہ ساز نے تیار کیا تھا۔ بعض تبدیلیاں کی گئی تھیں تاکہ وہ چھتر مجسمہ کے طرز اور مراٹھوں کے تاریخی حقائق کے موافق ہو۔ خوبصورتی کے ساتھ دیدہ زیب نقوش میں کانسہ کا بنایا ہوا یہ چھتر دو ڈھائی ٹن کا ہے اور اس کی بلندی

۳۱ فٹ دس انچ ہے۔ یہ چھتری مختلف اجزا کا مجموعہ ہے۔ جنہیں قلعہ رائے گڑھ تک لے جایا گیا اور وہیں جوڑا گیا۔

چھترپتی شیواجی مہاراج کا رائے گڑھ میں یہ تخت ان قیمتی خیالات اور نصب العین کی عکاسی کرتا ہے۔ جس پر چھترپتی کاربند تھے۔



انہوں نے اسی مقام سے گرتے ہوئے سماجی ڈھانچہ میں نئی زندگی دوڑائی تھی۔ ملک کے جنوبی حصے میں رہنے والے تقریباً ساڑھے تین صدی یعنی تیرھویں صدی سے سترھویں صدی کی ابتدا تک سے مطلق العنان حکمرانوں سے بیزار تھے۔

شیواجی مہاراج نے اندازہ کر لیا تھا کہ لوگوں کو متحرک کرنا ضروری ہے۔ حقیقت میں وہ پہلے لیڈر تھے جنہوں نے لوگوں میں اپنی عزت آپ پیدا کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ ملک ان کا اپنا ہے اور وہ مادرِ وطن کو آزاد کرانے کے اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔

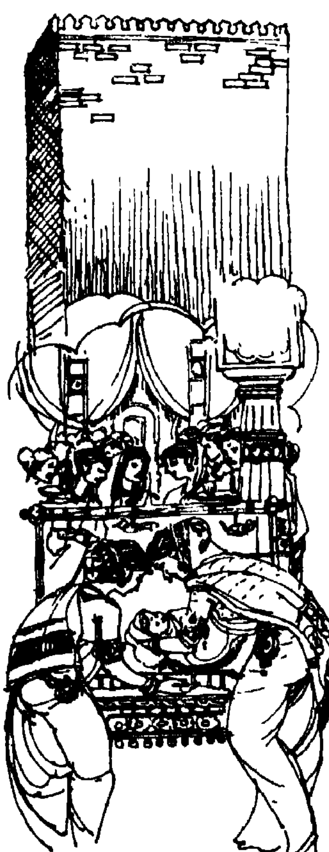
عظیم رہنما:-

وہ پیدائشی طور پر عظیم تھے۔ انہوں نے ایک نئے دور کی ابتداء کی۔ وہ قومیت جس کی طرف وہ لوگوں کو ۱۷ویں صدی میں دعوت دے رہے تھے وہ سیکولر تھی اور اسی طریقہ پر انہوں نے سماج کے تمام طبقات کی قوتوں کو یکجا کر کے متحرک کیا۔ تاکہ مادروطن کے لئے آزادی حاصل کرنے کے اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔ انہوں نے ہر سطح پر ناانصافی کی شدت کے ساتھ مذمت کی۔



چھترپتی شیواجی مہاراج ۱۶۷۴ء میں رائے گڑھ کے مقام پر تخت پر جلوہ افروز ہوئے، لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے لئے انہیں سخت کوششیں کرنی پڑی تھی۔ انہوں نے ۱۶۴۶ء میں قلعہ تورنا پر قبضہ کیا۔ اور یہ مادرِ ہند کو آزاد کرانے کے سلسلے میں ان کی انتھک کوششوں کی ابتدا تھی۔ اس کے بعد انہوں نے کئی قلعوں اور صوبوں پر قبضہ کیا۔ اس زمانہ میں قلعوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اور شیواجی مہاراج اس سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ انہیں غیر ملکیوں سے جنگ کرنی پڑے گی۔





جو مضبوط بحری طاقت کے مالک تھے ۔ اور اس کے بعد ہی وہ اپنے مادرِ وطن کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو سکیں گے، اِس لئے انہوں نے مضبوط بحری اڈے قائم کئے۔

شاندار کامیابی :۔

شیواجی مہاراج ۵۰ سال کے مختصر عرصہ میں اتنی کامیابی حاصل کر لی تھی جتنی کہ شیواجی کی آمد سے پہلے کوئی دوسرا حکمراں اس سے کہیں زیادہ برسوں میں بھی اتنی کامیابی حاصل نہ کر سکتا۔ وہ خودداری جسے چھترپتی مہاراج نے لوگوں میں بیدار کر دیا تھا ان کے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوئی کیونکہ اس عظیم رہنما کے گزر جانے کے بعد اسی خودداری کی بناء پر انہوں نے دشمنوں کے ساتھ جنگ جاری رکھی۔

وہ مطلق العنان حکمراں جس نے مہاراشٹر پر تین صدیوں تک حکومت کی تھی ختم ہو چکا تھا۔ شیواجی مہاراج پیدائشی عظیم تھے۔ وہ اپنی سخت کوششوں کی بدولت بادشاہ بنے تھے۔ عام آدمی اپنی قسمت بنانے کے لئے بادشاہ کے سائے کا متمنی تھا۔ ہندوستان کے فلسفیانہ خیالات کے مطابق بادشاہ شری وشنو کا اوتار ہے۔ بعد میں اگر اُسے تخت پر پوری شان و شوکت کے ساتھ نصب نہ کیا جائے تو بادشاہ کو روحانی، اور سیاسی طاقت حاصل نہیں ہوگی۔ اسلئے شیواجی مہاراج راجپوتی کی پوری شان و شوکت کے ساتھ رائے گڑھ میں تخت نشین ہوئے۔

جب کوئی شخص قلعہ رائے گڑھ کا دورہ کرتا ہے جہاں اس عظیم شخصیت کی بود و باش تھی تو معاً اس کی آنکھوں کے سامنے ان کی خودداری، سرگرم قیادت اور ان کے متحملانہ سیکولر نظریہ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے اور ان کے بلند خیالات اور اولوالعزمی جس پر وہ کاربند تھے اور جس کے ذریعہ انہوں نے پست ہمت سماج میں زندگی کی لہر دوڑا دی تھی جس کا تصور ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔

قلعہ رائے گڑھ میں وہ مقام جہاں تخت تھا ایک مقدس مقام تھا وہ چھتر جو وہاں بنایا گیا ہے، ٹھیک اسی جگہ پر ہے جہاں سونے کا بنا ہوا تخت ہیرے جواہرات سے جڑا ہوا تھا آج بھی لوگوں کے دلوں میں عزت کے جذبات اُبھارتا ہے۔

راج

آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی

چھترپتی شیواجی

ہم سب آج یہاں دور دراز علاقوں سے آکر جمع ہوئے ہیں تاکہ ملک کے اس عظیم انسان کو خراجِ عقیدت پیش کریں جس نے کہ ملک میں آزادی کی شمع روشن کی تھی۔ آزادی کی اس روشن شمع نے ہی ہماری راہیں منور کیں اور ہمیں آزادی کی جنگ کی تحریک کے لئے اکسایا وہ نہ صرف مہاراشٹر کے لئے بلکہ پورے ہندوستان کے لئے باعثِ فخر تھے۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ دنیا کی چند عظیم ہستیوں میں سے ایک تھے۔ چونکہ ہمارا ملک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اس وجہ سے ہمارے عظیم رہنماؤں کو دنیا کی تاریخ میں وہ خاطر خواہ مقام نہ مل سکا جس کے وہ مستحق تھے۔ اگر یہی شخص یورپ کے کسی ملک میں پیدا ہوا ہوتا تو اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے۔

شیواجی کے خوابوں کو حقیقت کا جامہ پہنایا جائے

آج ہم ہندوستان میں جس جنگ میں لگے ہوئے ہیں وہ چند سے دیگر ہے۔ یہ جنگ تلواروں اور بندوقوں کی نہیں آئیڈیالوجی کی ہے یہ وہ جنگ ہے جس کی تمنا شیواجی نے کی تھی، ایک آزاد اور عظیم ہندوستان کی۔ ہمیں چاہیئے کہ ان کے خوابوں کو حقیقت کا جامہ پہنائیں۔

مجھے مختلف مقامات دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ میں نے جتنا زیادہ سفر کیا، اتنا ہی زیادہ مجھے اپنے ملک کے لوگوں، ملک کی تہذیب، تاریخ اور روایت پر فخر محسوس ہوا۔ اور میں چھترپتی شیواجی میں یہ تمام باتیں پاتی ہوں۔ مجھے بچپن سے ہی ان لوگوں کی تعظیم کرنا سکھایا گیا تھا جو کہ بہادر ہیں اور جنہوں نے آزادی کے لئے جنگیں لڑی ہیں اور چھترپتی شیواجی ان میں افضل ترین مقام رکھتے ہیں۔ نہ صرف ایک خط میں جو کہ مجھے میرے والد نے لکھا تھا بلکہ اکثر بات چیت کے دوران یا ملک میں جس طرح کی فضا چھائی تھی اس کے پسِ منظر میں شیواجی کو ہمیشہ ایک آئیڈیل کی طرح میرے سامنے رکھا گیا تھا۔ اسی طرح ہندوستان کے جوان اور نئی نسل کو چاہیئے کہ وہ بھی اس آئیڈیل کو اپنے سامنے رکھ کر چلیں۔

دور اندیشی

چھترپتی شیواجی کے سامنے معاملات دیگر تھے اور آج ہمارے سامنے کچھ اور ہیں۔ تاریخ کی تمام کتابوں میں ان کی تعریف کی گئی ہے۔ شیواجی کی تعریف نہ صرف ایک بہادر انسان کے یا جنگ میں حکمتِ عملی کی وجہ سے کی گئی ہے بلکہ ان کے یہاں جو قدریں ملتی ہیں ان کو بھی سراہا گیا ہے۔ ان کے یہاں کہیں سے بھی چھوٹا پن نہ تھا چاہے وہ معاملہ مذہب کا ہو یا کسی اور چیز کا ان کے یہاں ہمیشہ روشن خیالی اور آزادی کا عنصر ملتا ہے۔ وہ ایک دور اندیش انسان تھے اور اسی میں ان کی عظمت مضمر ہے جس کے بنا بہادری اور مستقل مزاجی بھی کسی کام نہیں آتی اور

اجی اتنی کامیابی نہیں حاصل کر سکتے تھے جتنی کہ انہوں نے کی۔
یہی جگہ ہے جہاں شیواجی نے ایک شمع روشن کی تھی اور آج
سال پورے ہو جانے کے بعد بھی اس کی ضو سے ہم مستفید
ہے ہیں ۔ یہ میری دعا ہے کہ یہ ضو ہماری نئی نسل کو بھی راہ
ائے تاکہ ہم اپنے ملک کو عظیم ترین بنا سکیں ۔

جیجاماتا کی تعلیم

چھترپتی شیواجی کے دل میں اپنی ماں کے لئے بڑی محبت اور
رت تھی۔ آپ سب جانتے ہیں کہ جب چھترپتی شیواجی محض
ال کے تھے تب جیجابائی نے انہیں ایک ہل دیا تھا۔ جس کا
ونہ مجھے ابھی دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ ملک کی
ت محض تلوار میں ہی نہیں بلکہ پیداوار میں بھی چھپی ہے ۔

ام سے قربت

ہمارے ملک میں ہزاروں عظیم ہستیاں پیدا ہوئی ہیں ۔ یہ
ں نہیں کہ تمام لوگوں کا عام جنتا سے بھی تعلق رہا ہو لیکن
ں نے اپنے آپ کو عام لوگوں سے ہمیشہ قریب رکھا ۔ یہی وجہ
لوگ نہ صرف انہیں چاہتے ہیں بلکہ وہ لوگوں کے دلوں میں
ہیں۔ آج بھی جب ہم ان کی تصویر کو دیکھتے ہیں تو ہمارے
ان کے لئے عزت اور محبت کے ملے جلے جذبات ابھرتے
یں اس لئے ان لوگوں کا خلوص دل سے شکریہ ادا کرتی
ہوں نے مجھے یہ ہل دیا ہے اور ان مصوّروں کی بھی
ار ہوں جنہوں نے مجھے یہ تصویر دی ہے ۔ یہ دونوں چیزیں
۔ پر رکھی جائیں گی جہاں انہیں ہزاروں لوگ روزانہ
یں گے جو مجھ سے ملنے مہاراشٹر، گجرات اور ملک اور
مختلف حصوں سے آتے ہیں ۔ ادھر مجھے یقین ہے کہ
ویر کو دیکھنے پر جو لوگ شیواجی کے بارے میں زیادہ
نتے انہیں ضرور کچھ نہ کچھ سیکھنے ملے گا۔
واجی کی زندگی میں بھی یہ کوشش کی گئی کہ انہیں ایک ہندو
اور مہاراشٹر کے خطّے کا رہنما بنا کر پیش کیا جائے ۔ یہ
نایانِ شان نہیں جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ
ان چھوٹی باتوں کا مستحق نہیں ۔ وہ ایک اچھے ہندو تھے
میں اپنے طریقے سے یقین رکھتے تھے ۔ میرے خیال میں
کو اپنے مذہب پر اعتقاد ہونا چاہیئے لیکن شیواجی

ان سب باتوں سے زیادہ عظیم تھے۔ انہیں ہندوستان یعنی اپنی
ماتر بھومی کی عظمت کا احساس تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی فوج
میں لوگوں کو بلا لحاظ مذہب اور ملت کے شامل کیا تھا۔ البتہ قابلیت
ہی ایک ایسی چیز تھی جس کو انہوں نے فوقیت دی تھی۔ ان کی کامیابی
کا ایک راز یہ بھی تھا۔ ان کے بعد جتنے بھی عظیم رہنما ہندوستان میں
پیدا ہوئے انہوں نے شیواجی کی باتوں کو گرہ میں باندھا اور دوراندیشی
کا ثبوت دیا۔ اگر شیواجی نے اورنگ زیب سے ڈٹ کر مقابلہ کیا تو
محض اس لئے نہیں کہ اورنگ زیب مسلمان تھا۔ یہ جنگ اورنگ زیب
کی سفاکی اور غلط اقدام کے لئے لڑی گئی تھی۔ ایسے انسان سے
لڑنا ضروری ہے چاہے وہ کسی بھی نسل یا کسی بھی جگہ سے تعلق
رکھتا ہو، یہ سب ہمیں شیواجی نے سکھایا۔
گیانیشوری میں درج ہے" دنیا میرا گھر ہے"۔ سوامی رامداس
کی طرح شیواجی پر بھی اس بات کا گہرا اثر تھا۔ یہ تصور آج بہت
ضروری ہے شیواجی کے وقت سے بھی زیادہ۔ کیونکہ دنیا بہت چھوٹی
ہو گئی ہے۔ آج لوگ زیادہ سے زیادہ سفر کر رہے ہیں اور ایک
دوسرے سے مل رہے ہیں، متاثر ہو رہے ہیں۔ ایک دوسرے
کو سمجھنا بھی ضروری ہو گیا ہے ۔ یہی بات ملک پر بھی لاگو ہوتی ہے۔
کیا یہ ایسا وقت ہے جب ہم صوبہ جاتی، لسانی، نسلی یا
مذہبی تفریقات کے لئے لڑتے جھگڑتے ہیں۔ ہمیں عقلیت
پسندی پر چلنا چاہیئے بہتری کے لئے۔ ہم دوسروں کی تعلیمات
سے فیضیاب ہونے میں ناکام ہوئے ہیں ۔

مذہبی رواداری

ان تمام باتوں سے ہمیں شیواجی کی رواداری کا ثبوت
ملتا ہے ۔ شیواجی کے نقشِ قدم پر چلنا ملک کے اتحاد اور آزادی نیز
حب الوطنی کے لئے بہت ضروری ہے ۔ میرے خیال میں ہم انہیں
صحیح طور پر خراجِ عقیدت اس وقت پہنچا سکتے ہیں جب ہم اپنے
آپ کو ان کی فوج کا سپاہی گردانیں۔ ہمارے ہاتھوں میں تلواریں
نہیں ہیں مگر پھر بھی ہمیں مل جل کر ملک کی آزادی کو بحال رکھنے اور
استحکام بخشنے کیلئے یہی جنگ برائیوں کے خلاف جاری رکھنی ہے ۔
آج ہمارے سامنے جو چیلنج ہے وہ حملوں کا نہیں بلکہ آئیڈیولوجی
کا چیلنج ہے جو آئیڈیولوجی دوسروں پر عاید کی گئی وہی ہم پر کی
جا رہی ہے اور ہماری اس بات کا برا مانا گیا جب ہم نے کہا
کہ نہیں یہ ہندوستان ہے اور ہم اپنی آئیڈیولوجی اور پالیسی

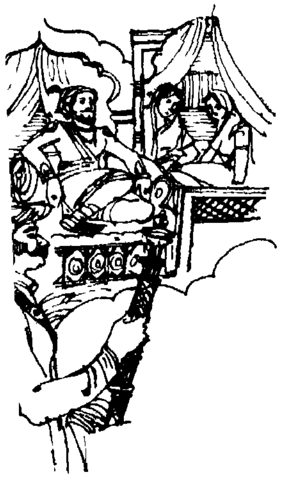
(باقی صفحہ ۱۵ پر)

(گرودیو رابندر ناتھ ٹیگور)



شیواجی مہاراج اور مہاراشٹر

ٹیگور کی غیر معمولی ذہانت مختلف النوع تھی۔ وہ بیک وقت شاعر، ناول نگار، ڈرامہ نویس کہانی کار، سیاسی مفکر اور سماجی رہنما ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخی بصیرت بھی رکھتے تھے۔ گوکہ مختلف میدانوں میں ان کے کارہائے نمایاں روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ لیکن بعض گوشے ایسے بھی ہیں جن کی نقاب کشائی نہیں ہوسکی ہے۔ بالخصوص ان کے تاریخی انشائیے اس ضمن میں آتے ہیں۔ گوکہ نصف صدی قبل یہ انشائیے عالمِ وجود میں آئے تھے لیکن آج بھی تاریخی مناظر کے اعتبار سے ان کی اہمیت برقرار ہے۔ جیساکہ برنارڈشا کے بارے میں کہاگیا ہے کہ وہ اپنے وقت سے دور تھے۔ اسی طور پر یہ کلیہ ٹیگور پر بھی صادق آتا ہے۔ ٹیگور نے آفاقی قدروں کے اظہار کے لئے مختلف میڈیم اپنائے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں آفاقی شعور کی نمائندگی کرتی ہیں۔ مہاراشٹر کی تاریخ پر ان کی تحریروں کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ ہر وہ شخص جو قومی ذوق و بہبود کے جذبے سے سرشار ہے، اس کی نظر میں مہاراشٹر کے تعلق سے تحریر کردہ ٹیگور کے مضامین کی افادیت ہمیشہ قائم و دائم رہے گی۔ اس ضمن میں ان کا مضمون شیواجی اور مہاراشٹر بے حد وقیع ہے۔



اسکولوں اور کالجوں میں ہندوستان کی تاریخ جس طرح ہمیں پڑھائی جاتی ہے وہ مختلف ادوار کی سلسلہ وار ترتیب کے باوجود قومی ارتقار کی تصویر کشی میں ایک کامیاب دستاویز قرار نہیں دی جاسکتی۔ تاریخی شعور کے اظہار کے وقت یہ امر بے حد لازمی ہے کہ اس میں عوام کا دل دھڑکے اور وہ عوامی خواہشات اور جذبات کی ترجمان بھی ہو۔

کسی بھی قوم کی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک تنظیمی طور پر اس میں معاشرے کا دل دھڑکتا ہوا نہ دکھائی دے۔ ایسا کم ہی دیکھا گیا ہے کہ متحدہ جذبے کی آنچ کسی صوبے سے



و ایک ڈور میں باندھنے میں کامیاب رہی ہو۔ اتحاد کا فعال
اسی وقت حقیقی صورت اختیار کرتا ہے جب وہ عوامی
پر پوری قوم کی نمائندگی کرتا ہے۔ تاریخی تواتر سے ساتھ
ت کا ظہور پذیر ہونا اپنے مثبت معنوں میں تاریخ نہیں۔
خ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف عوامی جذبوں کے اظہار
امیاب رہے بلکہ وقت کی فکری تحریکوں کو اجتماعی طور پر
کر سکے۔ ہماری تاریخ کے مبصر اور اس کے مرتب بیشتر
ر بادشاہوں کے شان وشکوہ کو موضوع سخن ٹھہراتے
ور یہ وہ لوگ ہیں جو غیر ملکی ہیں اور اس دھرتی کی خوشبو
آشنا ہیں۔ شاہی حکومتوں کے استحصال کا تاریخی اظہار
معنوں میں تاریخ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس اظہار میں عوامی
ہ کی درون بینی نہیں پائی جاتی۔

ہمارے دیش کے کسی حصے میں اگر تاریخ کو اس کے صحیح
ر میں محفوظ رکھنے کی مخلصانہ کوشش کی گئی ہے تو وہ صرف
شٹر ہی ہے۔ تاریخی شواہد اور دستاویز اس کا ثبوت
کرتے ہیں۔ تاریخی شعور کی آگہی بھی اس بات کا بیّن ثبوت
کرتی ہے کہ عوامی جذبات کے ارتباط او ر اختلاط کی بنا
یخ کا منصب ادا ہو سکا۔ گوکہ مہاراشٹر کے علاوہ راجپوتانہ
ے میں بھی ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں لیکن راجپوتانہ کی تاریخ
فرادی گروہوں اور انفرادی حکومتوں کی داستان پیش کرتی ہے
یثیت قوم راجپوت طبقے کی کل نمائندگی نہیں کرتی۔

ہاں تک مہاراشٹر کے عوام کا سوال ہے وہ اپنے تشخص کے
سے عملی کردار پیش کرتے ہیں۔ اسی طور پر سکھ گروؤں کی
سکھ عوام کی تاریخ قرار دی گئی مگر وہ اتنی منفرد اور وقیع
نی مہاراشٹر کے عوام کی تاریخ ہے گوکہ سکھ تاریخ کے مطالعہ
ا ہوتا ہے کہ وہ شجاعانہ واقعات سے بھری پڑی ہے لیکن
ہ کی کوئی مثال نہیں ملتی جس سے منظم سطح پر ایک ترقی یافتہ
است کا تصور نمایاں ہوکر سامنے آسکے۔

ں سے برعکس مہاراشٹر کے لوگوں نے نہ صرف شجاعت کے
ن میں امتیاز پیدا کیا مگر اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ
ے ایک مشترکہ اور متحدہ ریاست کی داغ بیل ڈالی جو یقینی طور پر
م الشان کارنامہ ہے۔

جدید ہندوستان کی ریاستوں میں اگر ہم تاریخی روشنی کی تلاش میں نکلیں تو ہمیں یہ مہاراشٹر میں ہی فروزاں دکھائی دے گی۔ وضاحت کے لئے ہم انگلینڈ کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے چلیں تو بہتر ہوگا۔ ایک وقت تھا جب برطانوی لوگ انگلینڈ میں اقامت پذیر تھے۔ جنگی مقابلوں میں ڈینس اور سیکشن قوموں سے ان کی نبرد آرائی رہتی تھی۔ اس جنگ وجدال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رومیوں نے کچھ وقفے کے لئے ان پر اپنی برتری ثابت کر لی تھی۔ اس کے بعد نارمنس نے اس جزیرے پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان حقائق سے تاریخ کا انکشاف اور اکتشاف ممکن نہیں لیکن جیسے ہی اجتماعی سطح پر انگلستان والوں نے اپنی تنظیم نو کے لئے عامی کوششیں شروع کیں۔ وہ تاریخی آئینے میں اپنے کردار کو روشن کرتے لگے اور اس طرح اجتماعی اور تنظیمی شعور سے آشنائی کے بعد وہ گوہر مراد پانے میں سرخ رو ہوئے۔

اسی طور سے تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مغل اور پٹھانوں کے درمیان جو خون آشام جدوجہد ہوئی وہ اپنے آپ میں ہندوستانی تاریخ کا دلچسپ حصّہ ہوتے ہوئے بھی تاریخ کے بنیادی کردار کا بہت روشن گوشہ نہیں ہے۔ اس تاریخ کے مطالعہ سے ہمارے تجسس کو اطمینان تو ضرور ہوتا ہے لیکن ہمارے تاریخی شعور کو روشنی نہیں ملتی۔

مہاراشٹر اور ایک مخصوص دور کی سکھوں کی تاریخ اپنے آپ میں وقیع اور تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ اس لئے یہ بات بہت وضاحت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ قومی تشکیل و تعمیر میں تاریخی تناظر کے اعتبار سے مہاراشٹر اور سکھوں کی تاریخ ہماری قومی تاریخ کا نمایاں اور روشن حصّہ ہے۔ اس کے فروغ اور زوال کی کہانی میں عوامی جذبات اور احساسات کا بھرپور دخل ہے۔ یہ عوام کے اجتماعی شعور کی نمائندہ ہے حالانکہ بنگال میں جو تاریخ پڑھائی جاتی ہے وہ مغلوں اور پٹھانوں کے کارہائے نمایاں سے بھری ہوئی ایک ایسی تاریخ ہے جس میں سلسلہ وار ان کی عظمتوں کا بیان ہوا ہے مگر یہ تاریخ عوامی احساسات اور جذبات کی نمائندگی کرنے میں ناکامیاب رہی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس میں ہندوستانی عوام کے جذبات واحساسات کی دھڑکنوں کی بجائے محض سطحی طور پر شاہانہ عظمتوں کا بیان ہوا ہے۔ ظاہر ہے جس تاریخ میں عوام کا دل نہ دھڑکے وہ تاریخ تاریخ نہیں ہے بلکہ حکومتوں کا محض سکہ بند بیان ہے۔



مہاراشٹر اور سکھ تاریخ کے مطالعہ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ غیر ملکی آمریت کے استحصال کو صحیح معنوں میں تاریخ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح تاریخ کے لئے لازم ہے کہ وہ عوام کی تاریخ کہلائی جانے کی مستحق قرار دی جا سکے۔ اکثر و بیشتر کسی قوم کے عروج کی تاریخ میں نمایاں شخصیتوں کے نام ابھر کر آتے ہیں مگر ہمیں یہ جان لینا چاہیئے کہ ان کی عظمتوں کا دارومدار عوام کی فعالیت پر نہیں ہوتا ہے۔ عوامی شرکت کے بغیر تاریخی تناظر کا جائزہ لینا ممکن نہیں ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ تاریخ ساز ہستیوں کا وجود ہی عوامی تحریکات اور عوام کی خواہشات پر نہیں ہوتا ہے۔

کوئی بھی شخصیت اس وقت تک عوامی شخصیت ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی جب تک اسے عوامی قیادت حاصل نہ ہو۔ مہاراشٹر کی تاریخ کے زریں اوراق پر شیواجی کا نام بے حد نمایاں نام ہے مگر شیواجی کی عظمت کا راز اس میں مضمر ہے کہ انہیں عوام کی تائید کی طاقت حاصل تھی اور اسی اعتبار سے شیواجی عوامی قیادت حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔

شیواجی جس عظیم تاریخ کے امین ہیں وہ تاریخ اس لئے عظمتوں کا دعویٰ کر سکتی ہے کہ عوامی سطح پر ان کے دور میں ذات پات کی تفریق کو مٹا دیا گیا۔ چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہ رہی عوام کے مختلف گروہ شیواجی کی قیادت میں متحد اور منظم ہونے مسلموں اور غیر مسلموں کی تفریق ختم ہوئی اور سبھی گروہ ایک دھارے میں آکر سمٹ گئے جس سے قومیت کے تصور کو توانائی اور استحکام حاصل ہوا۔ برہمن اور شودر کا امتیاز ختم ہوا۔ یہ سب لوگ ایک ہی ذاتِ مطلق کے ماننے والے تھے اور ان کا مذہب ریاست کے فروغ میں کسی طور پر مانع نہ تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ مہاراشٹر میں مذہبی تحریکات نے قومی تحریکات کا روپ دھار لیا۔

یہی وجہ ہے کہ شیواجی نے عظمتوں کی نئی دنیائیں آباد کیں اور متحدہ قومیت کا ایک نیا شعور مہاراشٹر میں پروان چڑھنے لگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ شیواجی محض اقتدار کے بھوکے نہیں تھے۔ وہ اپنا ایسا اقتدار چاہتے تھے جس کے ڈانڈے عوامی احساسات اور جذبات سے جا ملے۔ گو کہ ایک موقع پر اورنگ زیب نے انہیں قید بھی کر لیا مگر آزادی کی جس شمع کو انہوں نے روشن کیا تھا اس کی روشنی شمس و قمر کی روشنی کی طرح عوام کے دلوں کو منظم کرتی رہی۔

شیواجی کا دور تاریخ کا ایک ایسا عظیم دور ہے جس میں اتحاد و اشتراک اور باہمی یک جہتی کو زبردست توانائی حاصل ہوئی۔ ذاتی تعصبات کو پس پشت ڈال کر عوام شیواجی کی قیادت میں ایک پرچم تلے جمع ہو گئے۔ اس باہمی اشتراک میں قومیت کے تصور کو استواری اور پائیداری عطا ہوئی قوموں کے عروج و زوال کی کہانی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ علیحدگی پسندگی، تنگ نظری، انتشاری قوتوں کو بڑھاوا دینے میں ممد و معاون ثابت ہوئی ہیں۔ جبکہ اتحاد اور اتفاق کے جذبے کا فروغ قوموں کے فروغ کا باعث ہوتا ہے۔

مہاراشٹر کی گیرائی کا راز شیواجی کی بے غرض قیادت میں مضمر ہے۔

ترجمہ : فیاض رفعت
آل انڈیا ریڈیو۔ اردو سیکشن
پہلا منزلہ۔ چرچ گیٹ بمبئی ۲۰

● سوم ناتھ بسمل



شیواجی کے ذاتی فیصلوں کی اہمیت

کوئی شخص بھی اقتدار پر اپنی گرفت اس وقت تک مضبوط نہیں رکھ سکتا جب تک تمام انتظامی امور کا وہ خود محاسبہ نہیں کرتا، اقتدار حاصل کر کے اس کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ تمام معاملات پر نگاہ رکھی جائے، کوئی شخص خواہ کتنا ہی عظیم سیاست داں اور فاتح ہو اگر اپنے عاملین پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کو "اورنگ زیب" کی طرح اس بھروسہ کی سزا بھگتنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اس کے برعکس عظیم "شیواجی" کی فتوحات ہیں کہ انہوں نے کس طرح ہر مورچے پر اپنے عاملین کا محاسبہ کیا اور ہمیشہ ایک سپاہی کی طرح صفِ اوّل میں شامل رہے۔ مشہور صحافی "سوم ناتھ بسمل" نے شیواجی کی انہیں خصوصیات کا اس مضمون میں جائزہ لیا ہے۔



بیوروکریسی اور اس کے رہنماؤں میں ہمیشہ رسہ کشی رہتی ہے۔ تاوقتیکہ اس کا رُخ عظیم شیواجی کی طرح صحیح سمت نہیں موڑتا۔ ایک اصولی اور بامقصد متعین نہیں کرتا۔ ورنہ بجائے مقصد کی حصول کے طرح طرح کی دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔
بیوروکریسی ایک ایسی بڑی مشین ہے جس کے چھوٹے پرزوں میں توازن نہ رکھا جائے تو اس کی رفتار ایک فیل مست کی طرح ہوتی ہے، یہ بات صرف شیواجی کے یہاں نظر آتی ہے کہ انہوں نے اس فیل مست کی کی رفتار کو چالاک چیتے کی رفتار میں تبدیل کر دیا۔
یہ ضروری نہیں ہے کہ بیوروکریٹ بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو، لیکن اقتدار حاصل کرنے اور اس کو پوری طرح سود مند بنانے کے لئے اس نگاہ کی ضرورت ہے جو ایسی تمام خامیاں، ڈھونڈ نکالے جو اس طرح راستے میں



ایک سپاہی کو درپیش ہوسکتی ہیں۔ سخت اور محتاط رویّہ ہی اس کارواں کو منزل مقصود تک پہونچا سکتا ہے۔ عظیم "چانکیہ" نے اسی لئے کہا تھا کہ "حکومت کے انتظامی اُمور ادیبوں اور شاعروں کے سپرد نہ کئے جائیں ورنہ پوری حکومت کا بیڑہ غرق کردیں گے۔" اس کے برعکس مناسب آدمیوں کا تقرر اور ان کی قابل قدر صلاحیتوں سے استفادہ کرنا ہی بڑائی ہے

اگر ہم ان رہنماؤں کا تجزیہ کریں تو ہم اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ اپنی جسمانی، ذہنی اور دانشورانہ صلاحیتوں کو موقع موقع سے بروئے کار لاکر ہی یہ لوگ کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

مثال عظیم شیواجی ہیں جنہوں نے اپنی انہیں صلاحیتوں کی وجہ سے ایک حکومت کی بنیاد ایسے حالات میں رکھی جب حالات و معاملات حکمران کے خلاف تھے۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ان فتوحات اور کامیابیوں نے ان کو مطمئن نہیں کیا بلکہ وہ ذاتی طور پر ہر مورچے پر اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ مزید فتوحات کے لئے کوشاں رہے، اور جو فیصلہ انہوں نے کیا، اس پر سختی سے خود بھی عمل کیا اور اپنے افسروں کو بھی مجبور کیا کہ وہ ان کے فیصلوں سے انحراف نہ کرکے ان کی متعین کی ہوئی راہ پر چلیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی مختصر ترین فوج کے باوجود کامیابیوں سے دوچار ہوتے چلے گئے اور اس کے برعکس اورنگزیب باوجود اپنے لشکر جرار اور قابل افسروں کے بھی شکست کا منہ دیکھتا رہا۔

یہ تجزیہ ایک اور لحاظ سے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ کس طرح عظیم شیواجی نے ذاتی محاسبہ کے ذریعے اپنی حکومت کے افراد اور عاملین کو اس بے راہ روی سے محفوظ رکھا، جو ایک فاتح فوج میں کسی نہ کسی طرح در آتی ہے اس کے دور رس نقصانات پر فاتح کی نظر نہیں جاتی، اور حکومت کی مشینری کو یہی بے راہ روی لے ڈوبتی ہے۔

شکست کے اسباب :-

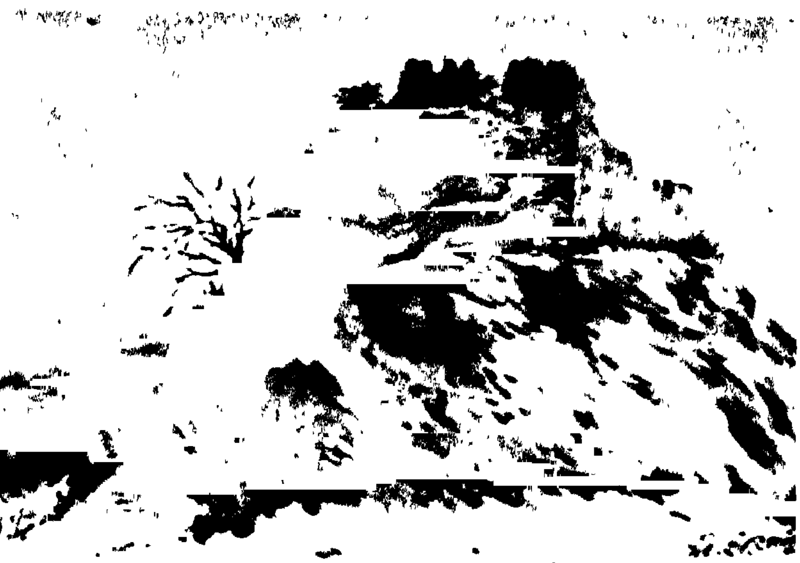
اس سے پہلے کہ ہم شیواجی کے حالات سے اُن کے آخری فیصلوں سے قبل ذاتی اقدامات کا ذکر کریں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ حکومت کے اجزائے ترکیبی میں کس طرح کے افراد شامل ہوتے ہیں اور ان سے پوری طرح باخبر نہ رہنے سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ حکومت کی مشینری ہو یا عسکری نظام دونوں جگہ اچھے اور بُرے ہر طرح کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ بہت سے افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو بذات خود محنتی اور حکومت کے پوری طرح وفادار ہوتے ہیں، لیکن ان کی دانشورانہ صلاحیتیں نہیں کے برابر ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی رپورٹس اور فیصلے اپنے اعلیٰ افسران کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں آخری فیصلہ کرتے وقت یا تو سربراہ حکومت کو خود اتنی معلومات ہو کہ وہ اس پر بھروسہ کرسکے یا پھر اس کے اعلیٰ افسران میں اتنی صلاحیت ہو کہ وہ حکومت کے وفادار رہتے ہوئے ٹھیک ٹھیک صورت حال کو سمجھ کر فیصلہ کرسکیں، اس کے برعکس اگر ایسی صورت نہیں ہوتی تو سربراہ حکومت کو خطرناک نتائج سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جیسا کہ اورنگ زیب کو اپنی آخری عمر میں ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہونا پڑا۔

لیکن کچھ افسران اور ملازمین خود غرض ہوتے ہیں وہ سب سے پہلے اپنے مفادات کا خیال رکھتے ہیں، سلطنت یا قومی مفاد کا نمبر دوسرا ہوتا ہے۔ اپنی مطلب برآری میں وہ بے حد ہوشیار ہوتے ہیں۔ اسی لئے وہ بے حد خطرناک ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں پر بھروسہ کرنے والا سربراہ یقینی طور پر نقصان میں رہتا ہے۔ جیسا کہ اورنگ زیب کو اپنے ماموں شائستہ خاں

را انحصار کرنے کی وجہ سے ہوا ۔
ے برعکس شیواجی کی عظمت کا راز اس بات میں پوشیدہ
نے کبھی اپنے قریبی رشتہ داروں اور ماتحتوں
ر نہیں کیا ، اس کی شخصیت کی تعمیر میں دادا جی
بے منتظم اور ان کی ماں جیجا بائی کا زبردست
اسی کی وجہ سے ایک معمولی زمین دار راجہ ہی
ہو گیا ، آج ۳۰۰ برس بعد بھی ان کی صلاحیتیں
رہنمائی کرتی ہیں ۔
یواجی کی ذاتی صلاحیتوں کی تفصیل میں جانے
صرف ایک واقعہ مثال کے طور پر پیش کرنا
ں کو ابھی تک نمایاں طور پر سے پیش نہیں کیا گیا ہے ،
۱۹۸ سے سینکڑوں لوگوں کے سامنے بیان
س واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیواجی نے رائے گڈھ
سلطنت بنانے میں کس دانشمندی سے کام لیا ۔

ڈھ خطرہ میں :۔

واجی کو راجدھانی رائے گڈھ سے کیوں منتقل کرنا
ء میں رائے گڈھ میں راجدھانی قائم کرنے کے بعد
، واقعات پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے
دارالسلطنت کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی ۔
ے گڈھ سے اپنی مختصر سی سلطنت کا انتظام کیا ۔
یں افضل خاں کے حملہ کے علاوہ بیجاپور کے بادشاہوں
کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا ، اور نہ صرف کولہاپور
طنت کی حدود میں اضافہ کیا بلکہ سدّی جو ہر
ں سلطنت کو محفوظ رکھا ۔ اس کے بعد وہ رائے گڈھ
ہوں نے شائستہ خاں کی عظیم فوج سے رائے گڈھ
خطرہ محسوس کیا ، ان فوجوں نے پونا اور آس پاس
قبضہ جما لیا تھا ۔ ایسی حالت میں دارالسلطنت کی
بکل قدرتی تھا ، اور کسی دوسرے محفوظ قلعہ
ی تھی ، لیکن اس وقت ایسی دوسری کوئی محفوظ
اج ان کے پاس نہ تھی ۔ نہ ہی اپنے منصوبوں کو عملی جا
کافی دولت تھی ۔



شائستہ خاں کی سست روی :۔

خوش قسمتی سے شائستہ خاں نے اپنی فوجی قوت کی برتری کے باوجود پر زور حملہ نہیں کیا اور پونا کی پُرسکون فضا میں قیام سے لطف اندوز ہوتا رہا اور اورنگ زیب کو خبریں بھیجتا رہا کہ وہ شیواجی کے تعاقب میں ہے ۔ اورنگ زیب اس کی تصدیق کی بجائے اس پر بھروسہ کر کے تین برس تک اس مہم پر وقت اور دولت برباد کرتا رہا ۔ صرف اتنا ہی نہیں شائستہ خاں کی سست روی سے فائدہ اٹھا کر شیواجی نے شائستہ خاں کی فوج کو بار بار شکست دی ۔ شیواجی نے ۲ فروری ۱۶۶۱ء کو زبردست فتح حاصل کی جب انہوں نے پونا ولہ کی پہاڑیوں میں ودربھ کی مشہور جنگی خاتون پنڈتا رائے بگان ، اور دوسرے مشہور جنرل کرتلاب خاں کو شکست فاش دی ۔ انجام کار ۸ اپریل ۱۶۶۳ء کو پونا میں شائستہ خاں کے بنگلہ پر شیواجی کے چھاپے کے تین دن بعد اسے بھاگنا پڑا ، لیکن جب ۱۶۶۵ء میں مرزا راجہ جے سنگھ نے شیواجی کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کیا تو تین مہینے کے اندر ہی شیواجی کو اپنے ستائیس قلعوں سے ہاتھ دھونے پڑے ۔ خوش قسمتی سے رائے گڈھ اور چند دیگر قلعے شیواجی کے قبضہ میں رہے ، لیکن وہ محفوظ نہیں تھے ، اس لئے دارالسلطنت کی تبدیلی کا سوال پھر سامنے آ گیا ، لیکن اپنے آگرہ جانے کی وجہ سے وہ اس خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکے ، پھر اورنگ زیب کی قید سے فرار ہونے



کے بعد انہیں اپنی بکھری ہوئی سلطنت کو دوبارہ اکٹھا کرنا پڑا۔ اس تمام عرصہ میں دارالسلطنت کی تبدیلی لازمی ہوگئی۔

نئے دارالسلطنت کی تلاش:-

گذشتہ کئی برسوں سے شیواجی مقامی سرداروں اور فوجی افسروں سے نئی راج دھانی کے انتخاب کے بارے میں مشورہ کرتے رہے اور انہوں نے اپنی تجاویز دی بھی ہوں گی، لیکن آخری ذمہ داری انہیں کی تھی۔ کیونکہ وہی فوج کے سالارِ اعلیٰ اور حکومت کے سربراہ تھے۔

نئی جگہ کے انتخاب کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر اور رہنما خطوط کی غیر موجودگی میں افراتفری کا سامنا ہو سکتا تھا جیسا کہ آج کل بھی مشاہدہ میں آتا ہے۔ اسی لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس انتخاب میں ان کے مدِ نظر کون سے مقاصد تھے

وہ مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

۱:- نئے دارالسلطنت کا مقام یا قلعہ ایسا ہو جو مغل اور مسلم فوجوں کے راستے سے الگ ہو

۲:- یہ مقام انگریزوں، "پرتگیز" اور سدیوں کی بڑھتی ہوئی قوت پر نظر رکھنے کے لئے بھی مناسب ہوگا۔

۳:- یہ مقام ایسا بھی ہو جو محاصرہ کئے جانے کے ناقابل ہو یا جسے لمبے عرصہ کے لئے محاصرہ میں نہ لیا جا سکے۔

اس وقت جنوب میں پرتاب گڈھ میں پنہالا شمال میں ماہلی شیواجی کے قبضہ میں تھے لیکن یہ بحری طاقت پر نظر رکھنے کے لئے مناسب نہیں تھے۔ ساگر گڈھ، سرس گڈھ اور سدھاگڈھ کوکن میں تھے، لیکن یہ نئے دارالسلطنت کے لئے بہت چھوٹے تھے۔

ذاتی مشکلات:-

اسی درمیان مہاڈ سے پندرہ میل شمال میں واقع زیری کی پہاڑیوں کے سلسلے میں تجاویز سامنے آئیں جو اس زمانے میں خوش حال تجارتی مرکز تھا۔ عمارتوں اور بازاروں کی تعمیر کے لئے پہاڑی پر کافی وسیع میدان تھا وہاں تک رسائی ممکن نہ تھی۔ اس لئے دفاع کے لئے بہت مناسب تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ اپنے ماتحتوں یا رشتے داروں پر اہم ریاستی معاملوں میں شیواجی انحصار نہیں کرتے تھے۔ آخری فیصلہ کرنے سے پہلے وہ اپنے آپ کو مطمئن کرتے تھے، لیکن خود کو مطمئن کرنے کے لئے انہیں اپنی جگہ چھوڑ کر کافی پریشانیاں اٹھانی پڑیں۔ ان دنوں زیری کی پہاڑیوں پر پہونچنا اتنا ہی مشکل تھا جتنا کہ آج کل رائے گڈھ تک پہونچنا، پہاڑی پر آس پاس کا علاقہ گھنے جنگلوں اور جنگلی جانوروں سے بھرا پڑا تھا، اس پہاڑی کا مکمل جائزہ لینے کے لئے اس کے بنیادی میدان پر پہونچنے کے لئے دس میل کا سفر کرنا پڑتا تھا، کوئی بھی چھوٹا یا بڑا سرکاری افسر وہاں جانا پسند نہ کرتا لیکن شیواجی ایک عظیم منتظم تھے اور اپنے فرض کے تئیں پوری لگن رکھتے تھے، انہوں نے اپنے وزیر اعظم مورو پنت پینگلے اور دوسرے افسروں کو اس جائزہ میں ہمراہ چلنے کے لئے کہا، وہ بھی وفادار لوگ تھے۔ پوری جماعت نے رائے گڈھ پہاڑی کا جو موجودہ رائے گڈھ کی شکل میں موجود ہے۔ دو بار چکر لگایا، ہر بار پورا ایک دن صرف ہوا، لیکن دو دن کی اس محنت کا پھل میٹھا ملا۔ انہوں نے پہاڑی کی چوٹیاں دیکھیں جن پر چڑھائی قطعی ناممکن تھی۔ اور مطمئن ہو گئے کہ یہ جگہ قلعہ اور دارالسلطنت کے لئے انتہائی محفوظ جگہ تھی۔ چنانچہ فوراً اس کی تعمیر کا حکم دے دیا گیا۔

۱۶۷۰ء میں اس زمانے کے عظیم آرکیٹیکٹ اِندولکر نے قلعہ کی عمارتوں اور دیوار کی تعمیر شروع کر دی۔ یہ عمارتیں وہاں گذشتہ ۳۰۰ برس سے قائم ہیں، چونکہ اس زمانہ میں ٹھیکیداروں اور سرکاری افسروں کے ریاستی خزانہ سے کمیشن وصول کرنے کی کوئی رسم نہیں تھی، اس لئے عمارتوں کی تعمیر میں استعمال کئے گئے مسالوں میں کسی قسم کی ملاوٹ بھی نہیں ہوئی۔ اسی وجہ سے شیواجی اپنی تاجپوشی کی رسم بغیر کسی حادثہ یا

ارت کے کرنے کے انجام دے سکے۔ اور یہی وجہ ہے
یکھا من ہلدی کی افتتاحی تقریب کا لطف اُٹھا سکے۔
اسی رائے گڈھ سے شیواجی انگریزی اور پرتگالی طاقتوں
پکر سکے اور یہیں سے انہوں نے جنوبی ہند پر حملے کی
ں بنائیں جن کی بدولت اُن کی چھوٹی سی سلطنت کی
دریائے کاویری کے کناروں تک وسیع ہوگئیں۔

تقریباً پندرہ میل کا پیدل سفر کیا، گزشتہ دو برسوں سے اس کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اِسی لئے مجھے یقین ہے کہ اگر ہماری نوجوان نسل شیواجی کی پیروی کرے تو ہمارا ملکی نظام بہتر کارکردگی اور سبھی لوگوں کی بھلائی کو مدِنظر رکھتے ہوئے سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔

●●

— ترجمہ —

سیدہ شمع فاضلی
۳۴ موسیٰ قلعدار اسٹریٹ، جیکب سرکل
بمبئی ۴۰۰۰۱۱



...سری سوویں برسی کی یاد میں

اجپوشی کے بعد رائے گڑھ قلعہ کے چاروں طرف
نے پیدل "چکر" لگایا تھا۔ اس رسم کی یادگار کے طور پر
۱۹۸۰ء میں شیواجی کے تیسری سوویں برسی کے موقع
شٹر کے عوام سے اسی طرح کا "چکر" لگانے کی گذارش
ہماری آواز پر لبیک کہتے ہوئے زندگی کے ہر شعبے سے
کھنے والے تقریباً ۷۵۰ (ساڑھے سات سو) لوگوں نے

صفحہ ... سے آگے۔ چھترپتی شیواجی مہاراج

ریں گے۔ اس کے لئے ہمیں ایکتا قائم کرنی ہوگی اور میرے
اگر آج شیواجی ہمارے درمیان ہوتے تو وہ بھی اسی
یہ سوچتے۔
آپ سب لوگوں کی شکر گزار ہوں کہ آپ لوگوں نے مجھے
عطا کیا کہ آپ لوگوں کے درمیان چھترپتی شیواجی کو
عقیدت پیش کر کے ایک نئی قوت اور تحریک لے کر

جاؤں گی اور میں یہی سمجھتی ہوں کہ آپ لوگوں کے ساتھ بھی یہی ہوگا۔

(سابق وزیراعظم آنجہانی اندرا گاندھی کی چھترپتی شیواجی مہاراج کی ۳۰۰ سالہ برسی کے موقع پر رائے گڈھ میں کی گئی تقریر پر مبنی۔ ۳۱ مارچ ۱۹۸۰ء)





ایک جوانمرد کا بچپن

غلام صوفی حیدری
ڈاکٹر انصاری روڈ۔ اکولہ

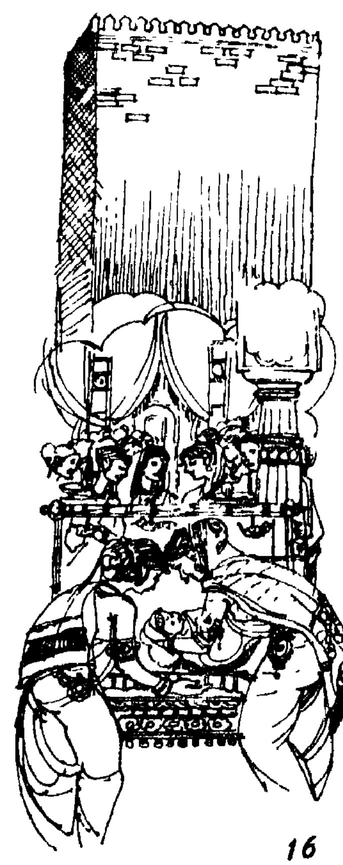
اور پھر وہ صبح ہوگئی جس کے لئے نہ معلوم کتنے نوبت نواز بے چین تھے۔ وہ سحر منتظر! جس کے واسطے نہ جانے کب سے نقارچی چوب بکف کھڑے تھے —— وہ سحر آفریں سحر جس کی آمد کا خدا معلوم کتنے بسم اللہ خان شہنائی بدہن انتظار کر رہے تھے وہ شبھ گھڑی جس کے لئے کتنے ہی پنڈت منتظر تھے۔

۱۶۲۷ء کے ویشاکھ مہینے کا یہ دن تھا — جس دن پہلی مرتبہ دو آفتاب طلوع ہوتے تھے۔ ایک زمیں بوس آسمان سے اور دوسرا فلک بوس شیونیری کے قلعے سے۔ شیواجی کا قلعے میں جنم قدرت کا اس بات کا ایک غیر مبہم اشارہ تھا کہ یہ بچہ ایک روز آسمانِ سپہ گری پر سیناپتی بن کے چمکے گا۔



تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اکبر اعظم کی ولادت اس بات کی گواہ ہے — سکندر اعظم کی پیدائش اس بات پر دال کرتی ہے کہ ہر عظیم ہستی کا جنم حد درجہ پریشان کن حالات میں ہوا تھا۔ شیواجی کے جنم کا وقت بھی عجیب کٹھن سمے تھا۔ جنگ و جدل کا زمانہ — تیروں کی سرسراہٹ کی راتیں۔ تلواروں کی جھنکار کے دن۔ افراتفری کا عالم — غیر یقینی حالات — کوئی نہیں بتا سکتا تھا کہ کب کیا ہوگا — کوئی پیشگوئی نہیں کر سکتا تھا کہ شیونیری کا قلعہ توپ کے گولوں کی زد میں کب آجاتے گا۔

شیواجی کے پتا شاہ جی، سلطان نظام شاہ کے ایک بڑے سردار تھے۔ انہیں نظام شاہی دربار میں بڑی قدر و منزلت سے دیکھا جاتا تھا۔ جب مغلوں نے سلطنت نظام شاہی کو تاراج کرنے کے لئے ایک خطرناک حملہ کیا تو نظام شاہ کے وزیر ملک عنبر اور شاہ جی نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور مغل فوج کو پسپا کر دیا۔ لیکن اسی درمیان میں — سلطان بیجاپور عادل شاہ نے شاہ جی کے جاگیر کے ایک خاص شہر پونے کو تباہ و برباد کر دیا۔ اب حالات بد سے بدتر ہونے لگے ——





ہروقت پا بہ رکاب رہتے گویا اسپ نازکی کی پشت پر
ا کے سایئے میں دن گزار رہے تھے۔ کبھی گھوڑے کی
رب کی طرف موڑتے تو کبھی مشرق کی طرف۔ کبھی کسی
انی کے لئے شمال کی طرف منہ پھیرتے تو کبھی جنوب کی طرف
حاملہ پتنی جیجابائی کو بھلا کہاں کہاں لئے پھرتے خصوصاً
لت میں جب دشمن چاروں طرف سے یلغار کر رہے
رشاہ جی نے یہ طے کرلیا کہ حفاظت کی خاطر جیجا بائی
ا کا انتظام شیونیری کے قلعے میں کیا جائے۔ اس قلعہ
و نسلے خاندان کا ایک سردار تھا جو شاہ جی کا ایک قریبی
بھی تھا۔ شیونیری کا قلعہ ضلع پونے میں جونیر کے قریب
یت ہی مضبوط گڑھ ہے اور جیسا کہ اس سے قبل
جا چکا ہے، شیواجی کی پیدائش اسی قلعہ میں ہوئی۔
سے بارہ دن بعد ایک بہت بڑا جشن منایا گیا۔ اور
م قلعہ کے مندر کی دیوی شیوا دیوی کے نام پر شیواجی

روں کا سایہ کسی پیپل کی چھاؤں نہیں کہ شاہ جی کو
فرصت ملتی اور وہ اپنے لختِ جگر کی پرورش پر
یتے۔ اس لئے ابتدائی دنوں میں بچے کی نہ صرف جسمانی
جیجابائی نے کی بلکہ شیوبا کو شیواجی مہاراج بنانے میں
بڑی اس و برتری کی ابتدائی تربیت کا بہت بڑا
شیواجی کی زندگی کے پہلے چھ سال غیریقینی حالات
ہوگئے۔ پھر بھی مشفق ماں نے اپنے لختِ جگر کی تعلیم و
ں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جیجابائی کا یہ معمول تھا کہ ہر
غ روشن کرنے کے بعد اپنے اس گھر کے چراغ پر
رجان چھڑکتی اور کبھی رام، کرشنا، بھیم اور ابھیمانیو
ں کے قصے سنائیں تو کبھی گیان دیو، نام دیو اور
ے لافانی نغموں سے گوش آشنا کرتیں۔
غریب خاندانوں کے بچے شیوبا کے ساتھ کھیلتے۔
وہ خود ان کی جھونپڑیوں کو رونق بخشتے۔ غریب بچوں کے
ں باپ بھی شیوبا کی تشریف آوری کو اپنے لئے اعزاز
اس کو خدا کی قدرت سے تعبیر کرتے۔

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے

ے اتنا ہی نہیں بلکہ شیوبا ان غریب بچوں سے
انہ ابھاکر" (پیاز اور روٹی) بھی بڑے مزے لے

لے کر نوش فرماتے۔ کبھی کسی قسم کی تفریق یا امتیاز نہ برتتے کبھی کسی سے ناروا سلوک نہ کرتے۔ بچوں میں اتنے گھل مل جاتے، اتنے شیروشکر ہو جاتے کہ ایسا معلوم ہوتا کہ وہ بھی ان ہی کی خاندان کے ایک فرد ہیں۔ بچپن سے شیواجی میں دوستی کی "بھاؤنا" بڑھانے کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا اسی جذبے نے آگے چل کر باجی پربھو اور تاناجی جیسے جانثار پیدا کئے۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ "بچے" کے گن پالنے میں نظر آتے ہیں۔ سو ایک راہ چلتا آدمی بھی ان کو دیکھ کر آسانی سے یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ بچہ ایک دن بڑا ہو کر بڑا نام پیدا کرے گا۔ وہ مٹی کے گھروندے نہیں بناتے تھے بلکہ مٹی کے قلعے بنا بنا کر کھیلتے تھے۔ مٹی کے گھوڑے اور ہاتھی بناتے کبھی بانس کی قمچیوں سے تیر بناتے تو کبھی تلواریں۔ کبھی قلعہ کو دشمن کے قلعہ کا نام دے کر بمباری کی طرز پر سنگباری کرتے۔ کبھی دو دو تین تین بچوں کے ساتھ تن تنہا مقابلہ کرتے اس طرح اس عمر میں جب دوسرے بچے گولیوں سے اپنی انگلیاں ٹیڑھی کرتے ہیں اور پتنگ کی ریل میں گتھم گتھا ہو جاتے ہیں شیواجی غیرشعوری طور سے فوجی زندگی سے متعرف ہو رہے تھے۔ دوسرے معنی میں اگر ہم یہ کہیں کہ فن سپہ گری ان کی گھٹی میں شامل تھا تو غلط نہ ہوگا۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے ـــ یہ چھ سال شاہ جی کے لئے بڑے پریشان کن، بہت صبر آزما تھے۔ اس عرصے میں کبھی وہ مغلوں کی طرف سے لڑتے تو کبھی مغلوں کے خلاف۔ کبھی سلطان بیجاپور کی طرف سے جنگ کرتے تو کبھی اس کے خلاف۔ آخر نظام شاہی سلطنت کے زوال کے بعد شاہ جی عادل شاہ، والی بیجاپور کے سرداروں میں شامل ہو گئے۔ اس وقت شیواجی کی عمر چھ سال کی ہو چکی تھی۔ شاہ جی اپنے بچے اور اہلیہ کو لے کر بنگلور چلے گئے۔ یہاں انہوں نے شیواجی کی تعلیم کا مزید انتظام کیا۔ شیواجی نے رامائن اور مہابھارت کی کہانیاں پڑھنی شروع کر دیں اور گھوڑے سواری، تلوار بازی، تیر اندازی اور فن کشتی میں بھی مہارت حاصل کرنے لگے۔ عادل شاہ کے حکم سے شاہ جی کرناٹک میں مزید مقیم رہے لیکن انہوں نے اپنی اہلیہ کو بچے کو اپنے وفادار ساتھی دادا جی کونڈ دیو کے ساتھ پونے روانہ کر دیا۔ شاہ جی کے دشمنوں نے اس سے پہلے ہی پونے کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ شہر کیا تھا ایک کھنڈر بن گیا تھا اور لوگ مارے خوف کے بغیر کاشت کئے ہوئے کھیت چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔ ان کھیتوں میں بھیڑیوں کا راج تھا۔ آس پاس کے لوگوں نے جب سنا کہ شیواجی اور ان کی ماں پھر پونے میں آ کر آباد ہو گئے ہیں تو وہ جوق در جوق اپنے گھروں کو واپس آنے لگے ـــ اور پھر سے پونے میں زندگی محسوس ہونے لگی۔

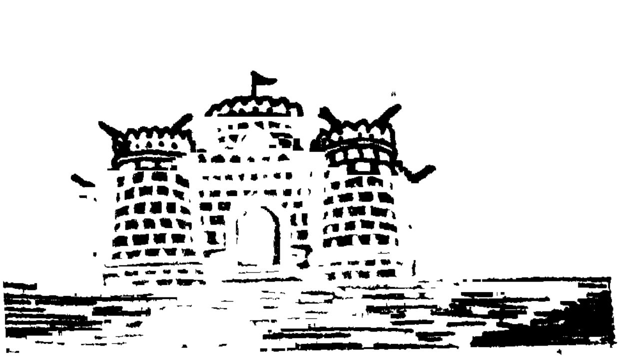
دادا کونڈ دیو کی سرپرستی میں یہ دونوں ماں بیٹے پونے میں رہنے لگے۔ دادا کی طرف جاگیر کا پورا انتظام بھی تھا۔ کونڈ دیو بہت ایماندار اور معقول آدمی تھا۔ اس نے جیجا بائی اور شیواجی کی رہائش کے لئے پونے میں ایک شاندار محل بنوایا جس کا نام لال محل رکھا۔ کسانوں کو کھیتی بونے کی ترغیب دی۔ غریب کسانوں کا لگان معاف کر دیا۔ ان سب باتوں کا لوگوں پر خاطر خواہ اثر پڑا۔ شیواجی کی تعلیم دادا کونڈ دیو کی نگرانی میں ہوتی رہی اور وہ کچھ ہی عرصے میں ایک اچھے گھوڑ سوار اور ایک قابل شمشیر باز بن گئے۔

شیواجی نے بچپن ہی میں اکثر دادا کونڈ دیو کے ساتھ ماول کا سفر کیا۔ یہاں کے باشندے مولاس کہلاتے تھے۔ یہ لوگ بہت جفاکش تھے لیکن سلطان کی حکومت کے کارندوں سے تنگ آ چکے تھے۔ شیواجی کو ایسا محسوس ہوتا کہ ان کے لئے کچھ کرنا چاہیئے۔ وہ یہ باتیں اپنی ماں سے بیان کرتے۔ یہ سن کر جیجا بائی ان کو بتاتیں کہ ددیال کی طرف سے ان کے جد امجد رام تھے اور ننھیال کی طرف کرشنا۔ سو جس طرح رام نے راون کو قتل کیا اور کرشنا نے کنس کو ـــ تم بھی رعیت کے ان دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچا سکتے ہو۔

اس طرح عہد طفلی سے ہی شیوبا کے دل و دماغ پر رام، کرشنا، بھیم، ارجن اور ابھیمانیو جیسے ویروں کے شاندار کارنامے نقش دوام حاصل کرتے رہے اور وہ بھی اس طرز پر سوچنے کے عادی بنتے رہے۔ ان کو ہر وقت یہ محسوس ہوتا کہ انہیں بھی ویر بننا چاہیئے اور ظلم کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔

اکثر مشاہدے میں کوئی نہ کوئی بچہ اپنی عمر سے جسمانی طور پر بڑا معلوم ہوتا ہے ـــ مثلاً کسی بچے کی عمر چھ سال ہے تو وہ اپنی اچھی صحت اور جسمانی اٹھان کی وجہ سے دس سال کا دکھائی دیتا ہے ـــ سو بچپن کی عمر کے ہر حصے میں شیوبا نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ ذہنی لحاظ سے بھی اپنی عمر سے زائد عمر کے معلوم ہوتے تھے۔ بڑوں کی ہر بات بڑی ہوتی ہے۔ ان کا بچپن ایک ایسی کھلی کتاب ہے جس کا ہر سبق نہ صرف ایک طالب علم کے لئے درس تربیت ہے بلکہ جس کا ہر صفحہ اتالیق کے لئے بھی راہ عمل کی نشاندہی کرتا ہے۔

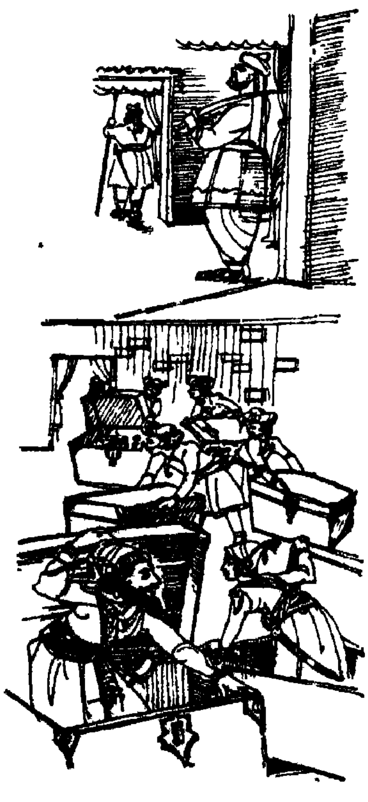
ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات



نرمادھوراؤپاگڈے

شیواجی اور اورنگ زیب

۱۷ویں صدی کے اوائل میں مغلیہ سلطنت محض شمالی ہند تک محدود نہ رہ کر دکن میں نربدا سے گوداوری تک پھیل گئی جس میں خاندیش اور برار کے علاقے بھی شامل تھے۔ ملک عنبر کے جنگجو سپاہیوں نے مغلوں کے حملوں کی زبردست مدافعت بھی کی لیکن یہ مقابلہ یک طرفہ رہا۔ ۱۶۲۶ء میں ملک عنبر کی موت کے بعد جہانگیر کا بھی انتقال ۱۶۲۷ء میں ہوا اور شاہجہاں ۱۶۲۸ء میں تخت نشین ہوا۔ احمد نگر کی سلطنت کو مغلیہ سلطنت میں شامل کرنے کے لئے شاہجہاں کی فوج ۱۶۳۰ء میں برہانپور پہنچی اور اس کے بعد کے چھ سالوں میں شاہجہاں کی حکمتِ عملی سے کافی اچھے نتائج بر آمد ہوئے۔



۱۶۳۶ء میں احمد نگر کی سلطنت تاریخ سے نیست و نابود ہوگئی اور اس سلطنت کے لئے آخری دفاع کرنے والا شاہ جی بھوسلے شیواجی مہاراج کے پتا کو بیجاپور کے دربار میں نوکری کرنی پڑی۔ شاہجہاں گولکنڈہ کو جاگیر دارانہ ریاست میں تبدیل کرنے میں بھی کامیاب ہوگیا۔ اور بیجاپور کے حکمراں کی جانب اس نے نرم رویہ اختیار کیا اس کی وجہ بیجاپور کے حکمراں کی احمد نگر سے لڑائی میں غیر جانب دارانہ رویہ تھا۔ بیجاپور کے عادل شاہ اور مغل سلطنت کی سرحدیں مقرر تھیں اور اس پر سختی سے عمل کیا جاتا۔ پونے، کلیان، بھیونڈی اور دیگر احمد نگر کے علاقے بھی بیجاپور کو دے دیئے گئے تھے۔

بیجاپور اور گولکنڈہ کے درمیان مزید جھگڑے نہ پیدا ہوں اس لئے مغل سلطنت نے دکن کی ریاستوں کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا تھا۔ اس طرح مغل تقریباً مہاراشٹر کے ٣/٤ حصے پر قابض ہو چکے تھے۔ دکن کے مسئلہ کے تصفیہ کے لئے شاہجہاں نے دو فیوڈل ریاستیں جنوبی سرحدی علاقوں پر رکھ چھوڑی تھیں۔ اور اس طرح



تقریباً بیس سال تک امن و امان رہا مگر جیسے ہی اورنگ زیب نے بطور مغل وائسرائے دکن کی جانب کوچ کیا ـــ مسائل اٹھ کھڑے ہوتے۔ تمام حکومتوں کی طرح مغل حکومت بھی اپنی وسیع ترین سلطنت چاہتی تھی مگر شاہجہاں کی دکن کی پالیسی ایک طرح کا عقلیت پسندانہ سمجھوتہ تھا۔ اورنگ زیب نے بطور وائسرائے دکن ۱۶۳۶ء تک اپنی پہلی مدتِ کار ختم کر لی تھی۔ اس کی دوسری مدتِ کار بطور وائسرائے ۱۶۵۳ء میں شروع ہوئی۔ اورنگ زیب نے گولکنڈہ اور بیجاپور کے علاقوں کو مغلیہ سلطنت میں شامل کرنا چاہا۔ اورنگ زیب جوکہ مذہبی عقائد میں کٹّر تھا، اس بات سے آگاہ تھا کہ اس کا بھائی داراشکوہ جوکہ شاہجہاں کے دربار میں ہی ہے، آزاد خیال بھی ہے اور ہر دلعزیز بھی ـــ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ عنقریب ہی تخت کے لئے چاروں بھائیوں میں رسّہ کشی ہونے والی ہے۔ اپنی طاقت بڑھانے کے لئے اورنگ زیب نے بیجاپور اور گولکنڈہ کے لئے مہمات کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ اس نے سب سے پہلے ان دونوں ریاستوں کے امراء اور قابل سپاہیوں کی چھٹنی شروع کر دی اور اسی دوران وہ شاہ جی اور شیواجی سے دوچار ہوا۔

۵۶-۱۶۵۵ء میں اورنگ زیب گولکنڈہ کو مغلیہ سلطنت میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گیا مگر گولکنڈہ کے حکمراں سے اس کا رویّہ نازیبا تھا۔ بیجاپور کی جنگ بھی یکلخت شاہجہاں کی مداخلت سے ۱۶۵۷ء میں روک دی گئی اور مصالحت کر لی گئی تاکہ امن دوبارہ قائم ہو۔ جیسے ہی شاہجہاں بیمار پڑ گیا، چاروں بھائیوں میں تخت و تاج کے لئے جنگ چھڑ گئی۔ اورنگ زیب شمالی ہند کے لئے ۱۶۵۸ء میں روانہ ہوئے اور اپنی چالاکیوں سے ہندوستان کا تخت ۱۶۵۸ء میں حاصل کر لیا۔ ۵۷-۱۶۵۶ء میں ہی بیجاپور کے حکمراں کے خلاف جنگ کے دوران ہی اورنگ زیب ـــ شیواجی کے نام سے واقف ہو گیا تھا۔ شیواجی نے بیجاپور کے حکمراں کے وفادار سالارِ جنگ ہونے کے ناطے جنّار پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا اور وہ اسی وقت اورنگ زیب کے پاس پہنچا تاکہ بعض وجوہات کی بنا پر صلح کر لی جائے۔ اس وقت اورنگ زیب کے لئے مغل سلطنت سے یہ احکامات صادر کئے گئے تھے کہ جنگ روک دی جائے اور بیجاپور صلح نامہ کی رو سے کلیان، بھیونڈی اور پونے ضلع کے "ایسے اضلاع جن پر شیواجی کا اثر تھا مغلیہ حکومت میں شامل کر لئے گئے۔ اورنگ زیب کی شمالی ہندوستان میں مصروفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شیواجی نے کلیان اور بھیونڈی پر حملہ کر دیا جوکہ مغلیہ سلطنت کے اہم قلعے تھے اور انہیں حاصل کر لئے۔ اورنگ زیب کو جب یہ خبر ملی تو وہ بہت خفا ہوا مگر اس وقت شمالی ہند میں اس کا جانا بے حد ضروری تھا اور اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ شیواجی کو ایک Conciliatory خط لکھے۔ شیواجی جوکہ اس وقت مقدر کا سکندر تھا اور ابھی اسے اور اورنگ زیب کو ۱۷ویں صدی میں ایک دوسرے سے کئی مقابلے کرنے تھے اور ہندوستان کی تاریخ بدلنی تھی، نے انکار کر دیا۔ بعد میں شیواجی اور اورنگ زیب کے مقابلوں سے مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوا اور مراٹھا سلطنت کی بنیاد پڑی۔

۱۶۵۶ء سے شیواجی کے پہلے حملے کے وقت کسی نے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ہندوستان کی تاریخ میں ۵۰ سالوں میں اس قدر زبردست تغیّر پیدا ہوگا۔ اور اس صورت میں جبکہ اورنگ زیب سلطنت مغلیہ کا بادشاہ اور شیواجی بیجاپور کی ایک جاگیردارانہ ریاست کے حکمراں کے درباری کا لڑکا۔ ۱۶۳۲ء سے ۱۶۳۶ء کے درمیان نظام شاہ سلطنت کے محافظ کی حیثیت سے شیواجی کے پتا شاہ جی کا نام لوگوں کے سامنے آیا۔ شاہ جی نے مغلوں کی فوج کا مقابلہ ایک بہادر سپاہی کی طرح کیا۔ بیجاپور سے مدد نہ ملنے کی وجہ سے شاہ جی مغلوں سے اپنی جنگ جاری نہ رکھ سکا۔ اس کے بعد شاہ جی نے بیجاپور کے حکمراں کے یہاں نوکری کر لی اور پونے کی اپنی جاگیر واپس حاصل کر لی۔ اس دوران شاہ جی نے اپنے بارہ سالہ لڑکے شیواجی کو اس کی ماں جیجابائی کے حوالے کر دیا۔ پونے میں مراٹھوں کے درمیان پہاڑوں کے اندر شیواجی نے ہندوستانی تہذیب کے اثرات کو قبول کیا جس میں دوسرے مذاہب کی قدر کرنا شامل تھا۔ یہ سب کچھ اورنگ زیب سے بالکل مخالف تھا جس کی کٹّر پرستی

مت کے زوال کا باعث بنی ۔ اورنگ زیب پر
ندی نامی ایک اسلامی مفکر کا زبردست اثر تھا جو کہ
Fundamen تھے اور یہی اثر اس پر آخر
۔ حد تو یہ ہے کہ حکومت کے کاروبار چلانے اور
بنانے تک میں بھی یہ اثر کارفرما رہا۔ شیواجی کا
پہل اپنے پتا کی جاگیر پونے میں بڑھا۔ کیونکہ
میں بیجاپور کے اچانک حملے نے پہلی مرتبہ
یر محفوظ ہونے کا احساس پیدا کیا تھا۔ اس کے
چار سالوں میں شیواجی نے اپنی طاقت کو مضبوط کیا
وں میں واقع قلعوں کو فتح کرنا شروع کیا ـــــ
کا قلعہ ۱۶۴۷ء میں پہلی بار فتح کیا جس سے بیجاپور
غصہ شیواجی کے خلاف بھڑک اٹھا، شیواجی کے پتا قید کر لئے گئے اور
ھ کا قلعہ بیجاپور کے حکمراں کے سپرد کرتے وقت
ور بیجاپور کی فوجوں میں جھڑپیں ہوئیں ۔ شیواجی کے
کر دیا گیا مگر اس اثناء میں شیواجی سے تعلقات
ادہ مراد سے پیدا ہوئے جو کہ ۱۶۴۹ء میں دکن
تھا ۔ شیواجی نے حکمتِ عملی سے کام لیا اور اس
طلق نظر انداز نہیں کیا کہ مغلیہ حکمراں بیجاپور پر بھی
نا چاہتے ہیں۔ اس اثنا میں بیجاپور کے حکمراں
شاہ سخت بیمار پڑ گیا اور دس سال علالت میں
ے (۱۶۴۶ء - ۵۶) ۔ اسی دوران دکنی مسلمانوں
ں کے درمیان اقتدار کے لئے جنگ کا بازار گرم
ب خانہ جنگیاں ہوں تو اس کا فائدہ اٹھایا جا سکتا
اجی نے موقع کا فائدہ اٹھایا اور ۱۶۵۶ء میں جوالی
کے پرتاپ گڑھ کا قلعہ بنایا اور مغل بیجاپور کے
کے اختلافات کا بھی فائدہ اٹھاتے ہوئے اس
اور بھیونڈی کے علاقوں کو ۱۶۵۷ء میں فتح کر لیا۔

ع کے لئے مغلوں کو کلیان ۔ بھیونڈی کے اضلاع
ہ گئے ۔ اب بیجاپور کی توجہ شیواجی کی جانب مبذول
اس کے نتیجے میں افضل خاں کی موت ۱۶۵۹ء میں
ر کی فوج کا زوال ہوا ۔ اس سے نہ صرف بیجاپور
کھویا بلکہ ایک طرح سے اپنا وقار بھی کھو دیا ۔
نے اپنے پیر مضبوطی سے گاڑھ لئے ۔ اب اس

نے کوکن پر زبردست حملے کئے ۔ ۱۶۵۹ء میں جب اورنگ زیب
تخت نشین ہوا تو اسے شیواجی کی جانب توجہ دینے کی فرصت
ملی۔ اس نے اپنے ماموں شائستہ خاں کو دکن کا وائسرائے
بنایا اور شیواجی کی سرکوبی کرنے کا حکم دیا۔ مغلوں نے پونے،
کلیان اور بھیونڈی کو دوبارہ واپس لینا چاہا اور بیجاپور کی
فوجوں نے بھی سدھی جنہار کے قلعے میں ۱۶۶۰ء میں شیواجی
کو گھیر لیا۔ اس دوران بیجاپور اور مغلوں میں مفاہمت پیدا
ہو گئی ۔ مغلوں نے پونے پر حملہ کر دیا۔ ۱۶۶۰ء میں پونے
فتح کر لیا ۔

شیواجی پونے سے بھاگ کھڑے ہوئے اور راج گڑھ
اپنے دارالخلافہ میں پناہ لی ۔ مغلوں نے پونے اور کلیان کے
ساحلی علاقوں پر قبضہ کر لیا ۔ شیواجی کے صلح کے پیغام
کو شائستہ خاں نے نامنظور کر دیا ۔ اس بات کی جے سنگھ
مغل جرنل نے سخت تنقید کی اگر اور شیواجی سے سمجھوتہ
کر لیا گیا ہوتا تو بیجاپور کا معاملہ آسانی سے نپٹایا جا سکتا تھا۔
البتہ شیواجی کے قلعوں کا مغلیہ فوجیں بھی کچھ نہ بگاڑ سکیں ۔
اب شیواجی نے جنوبی کوکن کا رخ کیا اور شائستہ خاں پر
ایک اچانک حملہ کیا جس سے خفا ہو کر اورنگ زیب نے
شائستہ خاں کو بنگال بھیج دیا۔ اس کے بعد شیواجی نے سورت
میں ۱۶۶۴ء میں ایک اور مغل قلعہ پر حملہ کیا اور شیواجی
نے یہ واضح کر دیا کہ وہ اپنے مادرِ وطن کی حفاظت کرنا چاہتا
ہے اور یہ جنگ مغلوں کو بھی مہنگی پڑی ۔ اس کا اورنگ زیب
پر بھی گہرا اثر ہوا اور وہ بذاتِ خود دکن جانا چاہتا تھا لیکن
صلح و مشورے کے بعد اس نے جے سنگھ کو شیواجی کے
خلاف بھیجا۔ ۳ رمارچ ۱۶۶۵ء میں راجہ جے سنگھ نے
شیواجی کے خلاف مہمات شروع کر دیں اور تین ماہ کے
عرصے میں ہی شیواجی کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ وہ مزید
جنگ جاری نہیں رکھ سکتا ۔ صلح نامہ پرندھر ۱۶۶۵ء کی رو
سے اپنے ۳۵ قلعوں میں سے ۲۴ قلعے اس نے دے
دیئے جو کہ اس کے علاقے کا ۴/۵ حصہ تھا۔ اسے صرف
کوکن کا علاقہ جو کہ عادل شاہ کے علاقے سے متعلق تھا رکھنے
کی اجازت ملی یعنی ستارا ۔ سانگلی اور کولہاپور وہ بھی
تاوانِ جنگ ادا کرنے کے بعد ۔ شیواجی کے بیٹوں کو
سلطنت کا منصب دار بننا پڑا اور مغلیہ حکومت سے

وفاداری اور بیجاپور کے خلاف جنگ میں مغلیہ حکومت کا ساتھ دینے کا وعدہ کرنا پڑا لیکن ان تمام باتوں سے بھی شیواجی کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ ہونی کو کوئی روک نہیں سکتا۔

۱۲ مئی ۱۶۶۶ء میں شیواجی اورنگ زیب کے درمیان بات چیت نے جو آگرہ میں ہوئی تھی، ہندوستان کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ اورنگ زیب کی سرد مہری کو شیواجی نے اپنی توہین سمجھا۔ اورنگ زیب کو ایک بہادر دشمن کو دوست بنانے کا ایک موقع ملا تھا جو کہ اس نے کھو دیا۔ اگر اورنگ زیب اس وقت شیواجی کی مدد حاصل کر لیتا تو بیجاپور اور گولکنڈہ کا مسئلہ حل ہو جاتا۔ اس کے بعد شیواجی ڈرامائی انداز میں آگرہ کے قلعے سے بھاگ نکلا اور مغلوں کی قسمت بدل گئی۔ مغلوں کو بیجاپور چھوڑنا پڑا۔ شمال مغربی سرحد پر پٹھانوں نے اپنی طاقت کو مضبوط کر لیا۔ آسام میں الگ بغاوت شروع ہو گئی۔ جاٹوں نے حملے شروع کر دیئے۔ بندیل کھنڈ نے بھی بغاوت کا پرچم لہرا دیا۔

اس کے علاوہ اورنگ زیب کی مذہبی پالیسیوں نے اکثریت کو مغلوں سے متنفر کر دیا۔ اور جنوب میں ۱۶۶۷ء میں راجہ جے سنگھ کی موت سے اورنگ زیب کو ایک دھکا پہنچا۔ اس کے علاوہ راجپوتوں سے اورنگ زیب کا سلوک اکبر کی روایت سے بالکل برعکس تھا۔ اور فوج میں راجپوتوں کی اہمیت مسلسل کم ہوتی گئی۔ شیواجی نے اورنگ زیب کی غلط پالیسیوں کا بغور مطالعہ کیا اور تین سال تک خاموشی سے فوج اکٹھا کرنی شروع کر دی تاکہ اپنے علاقے سے مغلوں کی فوجوں کو اکھاڑ پھینکے۔ بیجاپور اور گولکنڈہ نے شیواجی سے صلح کر لی اور راجپوتوں اور بندیلوں کی ہمدردیاں بھی حاصل کر لیں۔ ۱۶۷۰ء میں جب مغل بادشاہ شمال مغربی بغاوت کو ٹھنڈا کرنے میں الجھا ہوا تھا، شیواجی نے جنوب میں مغلوں کی فوج کے خلاف اپنا حصار مکمل کر لیا اور چھ ماہ کے قلیل عرصے میں شیواجی نے اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لے لئے اور ۱۶۷۰ء میں سورت جا پہنچا۔ ناشک میں اہم مغل قلعوں کو فتح کیا اور ان علاقوں میں مغلوں کو دوبارہ آنے میں ۱۹ سال کا عرصہ لگ گیا۔

مغلوں کے ساتھ یہ جنگ شیواجی کی موت یعنی ۱۶۸۰ء تک جاری رہی۔ اورنگ زیب کی پٹھانوں اور راجپوتوں سے جنگ نے مغل فوج کو شمال میں مصروف رکھا تھا۔ اس وجہ سے شیواجی نے ۱۶۷۴ء میں اپنی رسم تاجپوشی ادا کی۔ اور خود کو خود مختار ریاست کا بادشاہ ۱۶۷۴ء میں ظاہر کر دیا۔ اس کے علاوہ بیجاپور اور تامل ناڈو کے علاقوں کو مراٹھا حکومت میں شامل کر کے مغلوں سے جنگ میں اپنی دفاع کے لئے تمام سامان تیار کر لئے۔

اورنگ زیب کے سپہ سالار اس جنگ میں شیواجی کے مقابلے میں بالکل بونے ثابت ہوتے۔

شیواجی نے پورے دکن کو مغلوں کے خلاف کر لیا۔ اور پورے ملک کی سطح پر مغلوں کے خلاف جنگ کی مہم کو بڑھاوا دیا۔ اس نے بندیلوں کو اکسایا۔ اپنی عقلیت پسندی کے مقابلے میں اورنگ زیب کی تعصب پرستی نے اسے متنفر کر دیا تھا جیسا کہ اورنگ زیب کے ذریعے مندروں کو مسمار کرنا اور جزیہ لینا وغیرہ اور مغلیہ سلطنت کے زوال کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی تھی کہ ہندوستان جیسے ملک میں مذہبی رواداری کو برقرار نہ رکھ سکنا۔

۱۶۸۰ء میں شیواجی کی موت واقع ہوئی۔ اورنگ زیب ۲۵ سال تک مراٹھوں سے لڑتا رہا۔ شیواجی —— اور اورنگ زیب دو مخالف پول کی طرح تھے —— ایک جس میں صبر، روشن خیالی —— اور تعصب نہ تھا۔ دوسرا جو کہ تنگ خیال اور متعصب تھا۔ ایک کا مقصد سلطنت کی وسعت دوسرے کا دفاع تھا۔ اور شیواجی نے ثابت کر دیا کہ جو آزادی، انصاف، اہنسا اور انسانیت کے لئے لڑتا ہے، جیت اسی کی ہوتی ہے۔

آج بھی شیواجی کی زندگی اور ان کا پیغام ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور اورنگ زیب کی زندگی سے بھی سبق حاصل کیا جا سکتا ہے کہ کتنی ہی لگن اور استقلال سے کام کیا جائے مگر تعصبات اور عقلیت پسندی کو خیرباد کیا جاتے تو وہ

(باقی صفحہ نمبر ۳۰ پر)

مراٹھا عظمت اور شان وشوکت کا نشان

...ہ رائے گڑھ، شیواجی اور شیواجی کا بحری بیڑا

رائے گڑھ فورٹ یا جسے عرفِ عام میں قلعہ رائے گڑھ بھی کہا جاتا ہے، آج بھی بڑا پُر فسوں
پرکشش مقام ہے۔ یہ اپنی ناموری، عظمت اور شان وشوکت کی بنا پر کوہ پیماوں کی آماجگاہ
اور مراٹھا دیش کے پرستاروں کے لئے مقدس اور یادگار مقام ہے۔ یہ قلعہ سطح سمندر سے
۴,۵ فٹ سے زیادہ بلندی پر سیاہ مرتفع چوٹی پر واقع ہے جہاں محافظ فوج کے ایک چھوٹے
ستے اور چند عمارتوں کے لئے کافی گنجائش ہے۔ سنگلاخ سہیادری پر پہاڑی قلعہ کی حیثیت
رائے گڑھ اپنی جداگانہ عظمت وشان رکھتا ہے۔ یہ دیش اور دکن کا سنتری ہے اور
ٹھا عظمت، جوانمردی اور شجاعت کا نشان ہے۔



یہ مراٹھا سوراج کا مرکز بن گیا تھا جو بدیسی قبضے کے خلاف سخت گوریلا جنگ کے بعد قائم ہوا تھا اور جسے عام لوگوں، سب ہی مذاہب کے پیروں نے پروان چڑھایا تھا جن کے دلوں میں اپنے بادشاہ ہی کی طرح حبِ وطن کا جذبہ اور ولولہ موجزن تھا۔ بقول رام داس۔ رائے گڑھ مہاراشٹر دھرم کا سرچشمہ ہے۔ مراٹھا دیش میں کسی بھی قسم کی مذہبی تنگ نظری اور ناروا داری کا نام ونشان نہ تھا بلکہ یہاں پُروقار مذہبی رواداری کا چلن تھا جیسا کہ مہاراشٹر کے سنت شاعروں نے کہا ہے۔

मराठा तितुका मेळवावा
महाराष्ट्र धर्म वाढवावा
महाराष्ट्र राज्य करावे
जिकडे तिकडे ।

۱٦۷۴ء میں رائے گڑھ میں رام داس نے یہ نصیحت اپنے نامور شاگردوں کو موخر الذکر کی تخت نشینی کے موقع پر کی تھی۔



رائے گڑھ ناقابلِ تسخیر قلعہ رہا۔ یہاں مراٹھا سوراجیہ کی سب سے پہلی گدی قائم ہوئی۔ اس کے بانی اپنے دیش، اپنے دھرم کے فدائی، جانباز اور جیوٹ لوگ تھے جنہیں اپنے بل پر پورا اعتماد تھا۔ ان کے گوریلا فنِ جنگ، گھات اور برق رفتاری کو دیکھ کر دشمن ششدر رہ جاتا اور بالآخر شکست کھا جاتا۔ رائے گڑھ نے تاریخ کا زمانہ دیکھا ہے جو جذبۂ حب الوطن اور شجاعت کی ایسی زوردار لہر دوڑ رہی تھی جس نے دشمنوں کا نام و نشان مٹا دیا۔ اسی رائے گڑھ کو مغل اور عادل شاہی سرداروں نے بھی شیواجی کی مہم کے ابتدائی دنوں میں نشانہ بنایا تھا۔ اس موقع پر ایک ایسا معرکہ قابلِ ذکر ہے۔ جب شائستہ خان پونے پر حملہ کر کے قبضہ کرنے میں ناکام رہا تو اس کے فوراً بعد اعلیٰ مغل جنرل قرتالب خان کو دکن روانہ کیا گیا۔ اور اسے صاف ہدایت اور تاکید کی گئی کہ وہ رائے گڑھ پر بہرصورت شیواجی کو گھیر کر گرفتار کر لے۔ وہ ۱۶۶۰ء میں پونے پہنچا اور فوراً جنگ کی تدبیریں سوچنے لگا تاکہ اس منہ زور اور سرکش باغی کو گرفت میں لائے۔ رائے گڑھ شیواجی کا ایک محفوظ ترین ٹھکانہ تھا، جہاں دیش سے براہِ راست پہنچنا مشکل ہے۔ کوکن کی راہ سے آسانی سے رسائی ہو سکتی ہے لیکن شیواجی کے وفاداروں نے اس راہ پر کڑا پہرا لگا رکھا تھا۔ قرتالب خان نے ۱۶۶۰ء میں برسات کے فوراً بعد کوکن میں مہاڈ سے جو اس وقت مغلوں کے قبضے میں تھا شیواجی کے خفیہ اڈوں پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ قرتالب خان نے اکتوبر ۱۶۶۰ء میں پونے سے کوچ کیا۔ یہ بڑا منظم اور رعب دار فوجی قافلہ تھا جس کے آگے آگے حملہ آور ہراول دستہ اور اس کے پیچھے فوجی لاؤ لشکر کا ایک طویل سلسلہ۔ یہ قافلہ شمال میں کوکن کی سمت چلا۔ چیچوڑ، وڈگاؤں، تلے گاؤں اور کامشیٹ سے بخیر و خوبی گزرتے ہوئے یہ قافلہ دسمبر میں کروندے مرتفع میدان پہنچا۔ جاسوس سپاہی گھاٹ کے اردگرد اور نیچے جنگلوں میں بھیج دیئے گئے تاکہ وہ دیس کی حالت اور دہلی کے بادشاہ سے وفاداری کا اندازہ لگا کر خبر دیں۔ آج بھی یہ علاقہ بڑا دشوار گزار ہے جہاں کی زمین ناہموار، پتھریلی اور خاردار جھاڑیوں کے جنگلات سے پٹی پڑی ہے اور یہاں سے گزرنا ممکن نہیں ہے۔ وادی میں جہاں تہاں چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں۔ ان ہی میں امبا ندی کی وادی میں امبرلے نامی گاؤں آج بھی آباد ہے جو امبر کھنڈ کی راہ سے گزرتے ہوئے قلابہ کے میدان میں داخل ہوتی ہے۔

کروندے پہاڑی سے اتر کر کوکن پہنچنے کے راستہ کی معلومات اور اچھی طرح جانچ کرنے کے بعد قرتالب خان نے امبرلے گاؤں سے ہوتے ہوئے امبر کھنڈ کی راہ سے جانے کا فیصلہ کیا۔ یہی جلد سے جلد پہنچنے کی راہ تھی جو کلیان سے دشوار گزار علاقے سے گزر کر مہاڈ تک اصل شاہ راہ سے ملتی تھی۔ یہ دونوں مقامات اس وقت مغل صوبیداری میں تھے۔ پہاڑی کے نیچے راستہ بہت تنگ اور گہرا ہے جہاں سے گھوڑے سواروں کو اتر کر گھوڑوں کی لگامیں تھام کر پیدل چلنا پڑتا ہے۔ ۲ فروری ۱۶۶۱ء کو سویرے ہی سویرے فوج نے کوچ کیا۔ صبح دیر سے ہراول دستہ امبر کھنڈ سے گزرا۔ لمبی چوڑی مغل فوج اب راستہ کی کٹھنائی اور دوپہر کی تپش سے پریشان ہونے لگی۔ اس وقت مراٹھا فوج نے جو وہاں کمین گاہوں میں چھپی بیٹھی تھی باہر نکل کر مغل فوج کے ہراول دستہ اور عقبی حصے پر ایسا زوردار اور کامیاب حملہ کیا جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا۔ قرتالب خان نے ہتھیار ڈال دیئے اور اسے ہتھیاروں اور گھوڑوں کے بغیر پونے واپس جانے کی اجازت دے دی گئی۔ شیواجی ہر قیمت پر کوکن خطہ کو مراٹھا راجیہ کے دشمنوں کی دست برد سے بچانا چاہتے تھے۔ شیواجی کو دراصل بحری بیڑے سے خاص دلچسپی تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ ساحل کے عقب میں اپنے علاقے کو ہر طرح سے محفوظ و مامون رکھنا چاہتے تھے۔ ان کی دانش مندی، دوراندیشی اور مصلحت ان اقوال سے واضح ہوتی ہے۔

निश्चयाचा महामेरु
बहुत जनासि आधारु
अखंड स्थितीचा निर्धारु
श्रीमंत योगी /

श्री समर्थ रामदास.

"پہاڑ سے بھی زیادہ پختہ عزم کا مالک، اپنی قوم کا یکتا ہمدرد اور وہ پاک باطن اور سچا یوگی۔" ان الفاظ میں یہاں سنت رام داس اپنے عظیم چیلے چھترپتی شیواجی کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ تاریخ ایسی ممتاز ہستیاں کم ہی ملیں گی جن کی زندگی اور کارنامے آنے والی نسلوں کے لئے سدا مشعلِ راہ رہیں گے۔ خصوصاً ایسے دور میں

قو

تنگ نظری، خود غرضی اور جبر و استبداد کا دور دورہ ہو ایسی باعظمت، پُر وقار، مذہبی رواداری، وطن پرستی کے جذبے سے سرشار اور قوم کی فلاح و بہبود کے لئے فکرمند ہستیاں تاریخ میں شاذ ہی نظر آتی ہیں۔ جادو ناتھ سرکار نے انہیں بجا طور سے "ازمنہ وسطیٰ کے ہندوستان کا عظیم ترین معمار اور دانشور" قرار دیا ہے۔ شیواجی نے بڑی دانشمندی سے ایسا بے نظیر نظام حکومت رائج کیا جو قدیم اعلیٰ روایات واقدار اور جدید تصورات کا حامل تھا اور جس کے تحت ذات، عقیدہ اور مذہب کی تفریق کے بغیر سب ہی کو یکساں مواقع حاصل تھے۔

سیتو مادھوراؤ پاگڑی کے بیان کے مطابق شیواجی کی شخصیت غیر معمولی کارناموں کی کہانی ہے۔ وہ ایک روشن خیال، دلیر، بے باک اور نڈر مجاہد تھے۔ وہ ایک سیلاب کی مانند اٹھے جس کا ریلا دیش اور کوکن کے خطے کے طول و عرض میں دشمن طاقتوں کے تمام آثار جڑ سے بہا کر لے گیا۔ بالآخر آزاد مراٹھا قوم ابھری اور سوراجیہ قائم ہوا جو لازوال قدیم اقدار اور روایات کا مظہر تھا۔ اور دھرم، ارتھ، کرما اور موکش پر مبنی "پروشرتا" اصول پر کاربند۔

شیواجی نے ابتدا ہی میں اپنے راجیہ کے لئے ایک بحری بیڑہ کی اہمیت کو سمجھ لیا اور اپنے عزائم کے مطابق ایک چھوٹا سا بحری بیڑہ تیار کرلیا۔ اس بحری بیڑے کا آغاز اس خطہ کی فتح سے ہوا جو آجکل ضلع تھانے کہلاتا ہے۔ ۱۶۵۹ء کے قریب ان کے چند جہاز بھیونڈی، پنویل اور کلیان کے اردگرد اندرونی سمندر اور کھاڑیوں گشت کرنے لگے جس سے پرتگالیوں میں کافی ہل چل مچ گئی۔ مغربی ساحل سے ملے اندرونی علاقے میں ان کی طاقت برابر بڑھتی رہی اور انہوں نے جلد ہی اپنے بحری بیڑے کی طاقت بڑھائی۔ اپنے خطے کی حفاظت کے علاوہ انہوں نے ملیار ساحل پر جہازوں سے منافع بخش کاروبار بھی شروع کر دیا۔

ان کی دور اندیشی اور فوجی سوجھ بوجھ اور مصلحت کی داد دینا پڑے گی کہ انہوں نے اپنے سمندری بیڑے کو ترقی دینے کیساتھ ساتھ ساحلی پر قلعوں پر قبضہ کرنے کی باقاعدہ مہم شروع کر دی اور اہم مقامات پر قلعہ بندی کر لی۔ انہوں نے ماہر کاریگر جہاز سازوں اور اسلحہ اور بندوق سازوں کو جمع کرنے کے لئے کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی۔ ان کے عملے میں مسلمان، پرتگالی اور ڈچ ٹکنیکل ماہرین شامل تھے۔ اس طرح ان کے بیڑے کا ہر شعبہ مستحکم تھا۔ مالوان سے آگے جزیرے میں بنا بحری قلعہ، سندھو درگ، اس امر کی واضح علامت ہے کہ انہیں اپنے جہازوں اور بیڑے کی حفاظت کی کس قدر فکر تھی۔

شیواجی کا سمندری بیڑا بڑے جہازوں (گراب) آہستہ رو بندوق بردار کشتیوں (گل باٹ)، تیز رفتار حملہ آور جہازوں شبیر اور چھوٹے تجارتی جہازوں پر مشتمل تھا۔ اپنے عروج پر اس بیڑے کے چھوٹے بڑے جہازوں کی تعداد ... تک پہنچ گئی تھی۔ گو ان میں سے زیادہ تر جہازرانی اور مال بردار تھے۔ ۱۶۷۴ء میں تخت نشینی کے وقت ان کے پاس ۵۷ بڑے جنگی جہاز تھے اور اس کے عملے میں ۵۰۰۰ توانا جوان شامل تھے۔ پانچ سال کے بعد ۱۶۷۹ء میں بیڑے جہازوں کی تعداد بڑھ کر ۶۶ ہوگئی تھی۔ اس طرح ان کی بے وقت موت سے ایک سال پہلے ہی بڑی مستحکم بنیاد پڑ گئی تھی۔ لیکن یہ اس قوم کی بدقسمتی ہی ہے کہ ان کے جانشیں حکمراں اس راجیہ کو مستحکم نہ کر سکے جو بڑی جانفشانی اور جتن سے قائم کیا گیا تھا۔

اس طرح بیڑے کو تیزی سے ترقی دے کر پانچ سال بعد ۱۶۶۵ء میں وہ ۸۵ خاص جہازوں کے ساتھ کاروار اور انکولا کی سمت مہم پر روانہ ہوئے۔ یہ دراصل "مظاہرہ پرچم" مہم تھی لیکن اسی کے ساتھ اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ بحری بیڑے کی قوت اور کارکردگی کو آزما کر اسے بڑھایا جائے بعد ازاں ۱۶۷۰ء میں ان کا بیڑا جواب اور بھی مضبوط ہوگیا تھا۔ سورت کی سمت ایسی ہی مہم پر روانہ ہوا۔ مغربی ساحل پر اس مہم جوئی سے حریف طاقتوں خصوصاً انگریزوں اور پرتگالیوں میں بڑی ہل چل اور گھبراہٹ پیدا ہوگئی۔ انہوں نے سوچا کہ اگر شیواجی نے خشکی پر برق رفتار معرکہ آرائی کی طرح سمندر میں بھی یورش شروع کر دی تو کیا ہوگا۔ ان کو پالکر، مالوسرے، کنک، اور پالکر جیسے امیر البحر کی خدمات حاصل ہوئیں۔

بمبئی کے قریب کھنڈیری نامی جزیرے پر شیواجی نے ۱۶۷۹ء میں قبضہ کیا۔ انہوں نے بمبئی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی سخت مزاحمت کے باوجود یہاں مضبوط قلعہ بندی کر لی۔ اس وقت کمپنی اور جنجیرہ کے سریوں کے درمیان سمجھوتا تھا۔ ان کا مشترکہ بحری بیڑا پوری قوت لگا کر بھی ایک سو سال طاقتور مراٹھوں کو کھنڈیری سے ہٹا نہیں سکا۔

اپنے بحری بیڑے کی تعمیر اور ترقی کے دوران ہی شیواجی نے یہ سمجھ لیا کہ کوکن کے ساحل اور اس سے آگے سمندر پر موثر طریقے سے قابو رکھنے کے لئے اول جنجیرہ کے سریوں کو مغلوب کرنا ہوگا۔ لہٰذا یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ جنجیرہ پر قبضہ کرنے کی کس قدر فکر تھی۔ حبشی النسل سدی دلیر جہازی اور جیوٹ سپاہی تھے۔ بمبئی سے تقریباً ۷۵ کیلو میٹر

جنوب میں واقع جنجیرہ چھوٹا سا چٹانی ٹاپو (جزیرہ) ہے۔ محل وقوع کو دیکھ کر سریوں نے اس مقام کو پسند کیا تھا اور اس جغرافیائی حالات کا اندازہ کر کے بڑی مضبوط قلعہ بندی کی تھی۔ وہاں استعمال کئے جانے والے جہازوں کی ساخت، اسلحہ جات کی قسم اور توپ خانے کو دیکھتے ہوئے قلعہ ناقابلِ تسخیر تھا۔ اسے زیر کرنے میں ناکامی پر صرف یہی صورت ممکن تھی کہ ساحل سے ملے اندرونی خطے میں تسلط رکھا جائے جس کا بیشتر حصہ ضلع رائے گڑھ میں شامل ہے اور جہاں قلعہ واقع ہے اور محافظ فوج تعینات ہے۔

سریوں کو زیر کرنے کے لئے شیواجی نے ڈانڈا۔ راجپوری پر برابر دباؤ رکھا جہاں سریوں کا صدر مقام تھا۔ قلابہ کے ساحل پر فتح کئے ہوئے علاقے کو مضبوط بنانے کے لئے شیواجی نے وانکوجی زاتو کو مقرر کیا جس نے اس پوری شاہراہ پر سریوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ ڈانڈا راجپوری کے گرد و نواح میں کئی قلعے تعمیر کر کے انہوں نے اس راستے کو گھیر لیا۔ سریوں کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ اپنی گزر بسر کے لئے ضلع رتنا گیری میں ساحل سے آگے سمندر میں قزاقی کریں۔ بہرحال اگر اس وقت شیواجی کو اور بہتر قوت اور توپ خانہ حاصل ہوتا تو جنجیرہ ان کے مقابلے میں ہتھیار ڈال دیتا۔

سمندر میں اپنی طاقت بڑھانے کے بعد شیواجی نے عراق، بصرہ اور فارس کے مقامات کے ساتھ تجارت شروع کرنے پر توجہ دی۔ ان کے بحری بیڑے نے بمبئی کے شمال اور سندھو درگ کے جنوب میں دشمن کے ساحل پر پیہم یلغار اور لوٹ مار کر کے خوب مالِ غنیمت حاصل کیا جس سے محافظ فوج کی قوت اور شاہی خزانے کو بڑھانے میں بڑی مدد ملی۔ اس کے علاوہ اس زمانے میں کرناٹک میں عادل شاہی راج کے خلاف اپنی مہم جوئی کے لئے بھی شیواجی کو دولت کی شدید ضرورت تھی۔ ان ہی تاریخی معرکہ آرائیوں میں بالآخر اعلیٰ سری امیر البحر سری سمبال جو 1677ء تک مغل بحریہ کا بھی سردار تھا، دوسرے دو سری بحری کپتانوں سری مصری اور سری دولت خان کے ساتھ مغلوب ہوا بعد میں دولت خان مائی نایک کے ساتھ شیواجی کے بیڑے کا اعلیٰ سردار بھی مقرر ہوا۔

یہاں شیواجی کے بحری جہازوں کی ساخت پر نظر ڈال لینا ضروری ہے۔ پرتگالی، انگریزی اور ڈچ سمندری بیڑے کے مقابلے میں ان کے بحری بیڑے کے جہاز ہلکے، کھلے اور معمولی تھے اور ان پر ادنیٰ توپیں نصب تھیں۔ حالانکہ شیواجی نے دانش مندی سے کام لے کر بدیسی جہاز ساز اور اسلحہ و بندوق ساز ملازم رکھے لیکن وہ بیرونی طاقتوں کے مقابلے میں برابری کا نہ کر سکے۔ سورت کونسل کے انگریز صدر کے بقول "مراٹھا جہازوں کا بیڑا بہت معمولی چھوٹا اور حقیر تھا"۔ بہرصورت اس معمولی، اور حقیر بیڑے کے باوجود مراٹھا ملاحوں کے کس بل، حوصلہ اور دلیری کی تعریف ہی کرنی پڑے گی جنہوں نے دشمنوں کو دور ہی رکھا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایک مضبوط طاقتور بیڑا کھڑا کرنے میں شیواجی کی دور اندیشی اور مصلحت طاقتور دشمنوں کی راہ میں سخت مزاحم ہوئی۔ اگر ان کے جانشینوں میں بھی ایسی ہی پیش بینی، حوصلہ مندی، عزم اور جوشِ عمل کا رہتا تو آج تاریخ کا رخ کچھ اور ہی ہوتا۔ بائرن نے سچ ہی کہا "کسی ریاست کی تعمیر و ترقی میں ہزارہا سال لگتے ہیں اور اسے مٹنے میں چند لمحات۔ جب انسان میں باطنی قوت اور عزم بیدار ہو تو وہ وقت اور تقدیر پر غالب آ جاتا ہے۔"

اس زمانے میں ایسی ہی خوبیوں، صلاحیتوں اور قوت کا راجہ مہاراشٹر پر راج کرتا تھا۔ وہ ایک اعلیٰ منتظم اور مفکر، اس نے حکومت کی باگ ڈور اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھا بڑی لگن اور جانفشانی سے اپنی قوم کی خدمت کی۔ ان کی خودی کو ابھارا۔ ان میں جذبۂ آزادی اور جوشِ عمل پیدا کیا۔ نئے حوصلے کے ساتھ قوم کھڑی ہوئی۔ اس طرح راجہ اور پرجا مل کر عظیم فتح حاصل کی اور اپنے وطن سے دشمن کا نام و نشان مٹا دیا۔ بقیہ ہندوستان کے لئے یہ آئندہ ہر زمانے میں روشن مثال رہے گی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

शिवराजा छत्रपति
प्रजा राजरक्षक वीर
जाहला [illegible] ...

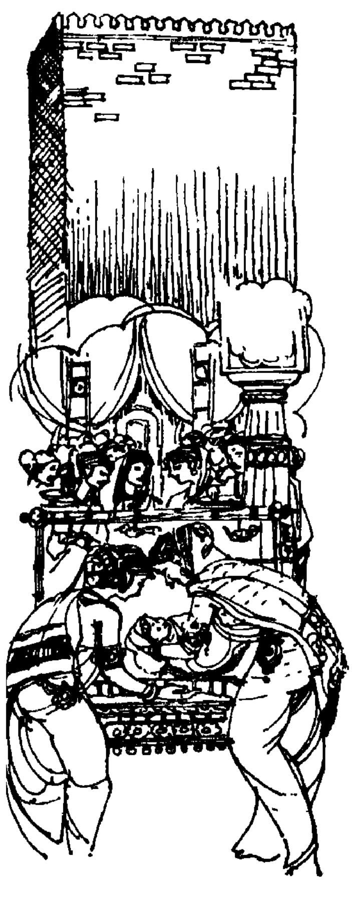
(ترجمہ: عبدالوحید خان)



بھگوان داس گپتا

شیواجی اور چھترسال

چھترسال اور شیواجی کی ملاقات مراٹھوں اور بندیلوں کے مابین تعلقات کی اہم ترین کڑی ہے۔ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ ملاقات ان گہرے مراسم کی، جو کہ پیشوا باجی راؤ اول کے تحفظ میں پیدا ہوئے تھے، ابتدا تھی اور اس کا اختتام ۱۸۵۷ء میں وطن پر شہید ہونے والی جھانسی کی رانی، کی صورت میں ہوا۔



مہاراشٹر میں شیواجی کی شہرت اور بڑھتی ہوئی طاقت نے اورنگ زیب کو اپنی جانب متوجہ کرلیا تھا — یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ دکن کا صوبیدار تھا۔ اب جب وہ تخت و تاج کا مالک بن گیا تو شیواجی کی سرگرمیاں اس کے لئے تشویش کا باعث بن گئیں۔ اس نے شائستہ خان کو جولائی ۱۶۵۹ء میں شیواجی کی سرگرمیوں کو کچلنے کے لئے بطور صوبہ دار دکن بھیجا لیکن شائستہ خان اس میں بری طرح ناکام ہوا۔ لہذا جسونت سنگھ راٹھور کو یہ ذمہ داری سونپی گئی — مگر اس کا بھی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا[۲] اور آخرکار یہ اہم کام راجہ جے سنگھ کے سپرد کردیا گیا جو کہ مغلوں کا اہم ترین جرنیل تھا۔ ۱۶۶۵ء میں جے سنگھ نے اپنی مہم کا آغاز کیا۔ اس جنگ میں اس کے ساتھ ایک بندیلا جوان جو کہ بہت کچھ کرنے کا خواہش مند تھا بھی شامل تھا۔ اس کا نام تھا چھترسال جو کہ چمپت رائے بندیلا جیسی مشہور ہستی کا بیٹا تھا۔

۱۶۳۵ء میں جب مغلوں نے اورچھا کے جوہر سنگھ بندیلا کا زور توڑ دیا اور نومبر ۱۶۶۱ء میں انہوں نے اپنی رانی لال کنور کے ساتھ سہارا (مالوہ) کے مقام پر خودکشی کرلی تاکہ دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار نہ ہوں تو چمپت رائے نے مغلوں کے خلاف ان کے اس محاذ کو قائم رکھا[۳] اسی بہادر چمپت رائے کا چوتھا بیٹا چھترسال تھا جس کی عمر اس



وقت محض بارہ سال تھی۔ وہ اس وقت اپنے والدین کے ساتھ جنگ میں شامل تھا مگر وہ یہ المیہ نہ دیکھ سکا کیونکہ اس سے پتا نے قبل از وقت موقع کی نزاکت کو بھانپ لیا تھا اور اس بچے کو اس کے ماموں کے یہاں بھیج دیا تھا۔ بادشاہ کا قہر پہلے جوہر سنگھ اور بعد میں چمپت رائے پر ٹوٹا۔ اس جنگ سے بندیلوں کے دل دہل گئے ـــــ اور وہ چمپت رائے کے یتیم بچوں کو پناہ دینے سے کترانے لگے۔ لامحالہ انہیں مغلوں کے سامنے آنا پڑا اور مغلوں کی فوج میں بھرتی ہونا پڑا۔ چھترسال اور اس کے بڑے بھائی نے راجہ جے سنگھ کی فوج میں شامل ہو کر شاہی نوکری قبول کر لی۔ اس وقت راجہ جے سنگھ شیواجی کی سرکوبی کے لئے جنوری ۱۶۶۵ء میں دکن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ انہوں نے نربدا کو عبور کیا۔ اپریل ۱۶۶۵ء میں پرندھر کے قلعے کا محاصرہ کیا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب شیواجی اور جے سنگھ کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا اور بیجاپور کے علاقوں کو شیواجی کی مدد سے حاصل کر لیا گیا۔ اس وقت چھترسال اور اس کا بڑا بھائی بھی بیجاپور کے خلاف مغلوں کی جانب سے لڑے (دسمبر ۱۶۶۵ء) بعد میں جب چھترسال نے دلیر خان کے ہمراہ دیوگڑھ پر چڑھائی کی (اپریل۔ ستمبر ۱۶۶۷ء) اور شیواجی کا آگرہ اورنگ زیب سے ملنے جانا ـــــ اور ڈرامائی انداز میں فرار نے نہ صرف شمالی ہند بلکہ جنوبی ہند کو مبہوت کر کے رکھ دیا تھا۔

۲۰ نومبر ۱۶۶۶ء میں شیواجی کا باسلامت راج گڑھ پہنچنا ایک معجزہ تھا۔ چھترسال نے جب یہ سنا تو مغلوں کے لئے اپنی خدمات پر نادم ہوا اور وہ بھی مغلوں سے علیحدہ ہونا چاہتا تھا ـــ اور وہ زیادہ دنوں تک مغلوں کا وفادار نہ رہ سکا۔ اس نے شیواجی سے ملنے کی ٹھان لی ـــ اور جے سنگھ سے وفاداری جو کہ اس سے قبل مغلوں کا ساتھ چھوڑنے سے روکتی تھی وہ بھی ختم ہو گئی ـــــ کیونکہ ۲۸ اگست ۱۶۶۷ء میں جے سنگھ کا بھی برہان پور میں انتقال ہو گیا۔ چھترسال ٹھاکر ائن اور چند ساتھیوں کے ہمراہ مغلوں کو چھوڑ کر ندی بھیما کو پار کر کے نکل گیا۔ زبردست مینہ برس رہا تھا۔ بھیما کا پانی چڑھ آیا تھا۔ چھترسال اور اس کے ساتھیوں نے لکڑوں کو ایک دوسرے سے باندھ کر ندی پار کر لی۔ یہ محض اتفاق ہے کہ شیواجی بھی قریب ہی بیر تھے اور ان کے ساتھی قرب و جوار پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ لہٰذا جیسے ہی چھترسال نے ندی پار کی اس کی آمد کی خبر شیواجی کو پہنچ گئی۔ اس طرح چھترسال ـــــ کی خوش نصیبی ہی تھی کہ قبل از وقت اس کی ملاقات شیواجی سے ہو گئی۔

شیواجی نے چھترسال سے اچھا برتاؤ کیا۔ چھترسال نے اپنی پوری کہانی شیواجی کو سنائی اور اپنا مدعا بیان کیا کہ وہ شیواجی کے ہمراہ رہنا چاہتا ہے۔

چھترسال کی کہانی سننے کے بعد شیواجی نے کہا۔ "چھتریوں میں تم سرتاج ہو۔ اپنی زمین کو فتح کرو اور اس پر حکمرانی کرو۔ میں تمہارا مخالف نہیں ہوں۔ مغلوں کی زمین کو پامال کرو۔ دہلی کی فوجوں کو تباہ کرو لیکن ترکوں پر بھروسہ مت کرو۔ اپنے آپ کو شیر سمجھو اور ترکوں کو ہاتھی۔ ترکوں میں دانشمندی کی تلاش بے کار ہے۔ انہوں نے ان کو قید کر لیا جو ان سے ملنے گئے تھے۔ دیوی بھوانی میری مدد کو آئی اور جو منصوبہ مغلوں نے بنایا تھا وہ کامیاب نہیں ہو سکا۔ تر... اور قوت کے بل پر ہم بچتے بچاتے اپنے ملک میں آ پہنچے۔ اب انہوں نے ہمارے خلاف "امراء" کو بھیجا ہے۔ ہم نے بھی تلوار مضبوطی سے پکڑ رکھی ہے اور ان کا کام تمام کر... تم بھی اپنے وطن جاؤ، فوجوں کو اکٹھا کرو اور ترکوں سے تہِ تیغ کر دو۔"

جب چھترسال نے شیواجی کے ساتھ رہنے پر ا... کیا تو شیواجی نے اس سے وجہ دریافت کرتے ہوئے کہا (چھتر پرکاش ص ۷ ۔ ۶ ۔)

"اگر ہم تمہیں یہاں ٹھہرنے دیں تو تمہاری فتح ہم سے منسوب کی جائے گی ـــ تم سے نہیں ـــ اس لئے اپنے وطن کا رُخ کرو ـــ اور مغل فوجوں کو جڑ سے مٹا دو۔ تمہاری شہرت میرے کانوں تک آئے تو سہی ـــ"

شیواجی کے حوصلہ افزا الفاظ نے چھترسال میں نئی امنگ پیدا کی۔ پھر بھی وہ فوراً ہی نہیں گیا بلکہ عرصے تک ہتھیاروں کا ماہرانہ استعمال اور حکمت عملی

یاسی گر سیکھنے کے لئے نیز فوجی داؤ پیچ معلوم کرنے کے لئے، اپنے آقا کے قدموں سے وابستہ رہا۔ چھترسال اپنے ڑھاپے میں شیواجی کے ساتھ پونے میں گزارے ہوئے لمحات کو یاد کرتے ہوئے اپنے چھوٹے لڑکے کو لکھتا ہے۔

"میں شیواجی کے ساتھ بہت دن ٹھہرا رہا۔ سیاسی حکمتِ ملی اور تیر و کمان کا استعمال وغیرہ سیکھا۔ جب میں وہاں سے واپس آیا تو شہنشاہ کی مخالفت شروع کر دی کیونکہ س نے میرے پتا کو مروا ڈالا تھا اور میں نے انتقام لینے تہیہ کر لیا تھا۔"

[چھترسال کا خط مورخہ ۲۳ - ۷ - ۱۷۳۰ء]

چھترسال نے شیواجی کے ساتھ مہاراشٹر میں اپنے یام کے دوران کچھ کالا جادو (گنیاتے) بھی سیکھا۔ جگت راج ے نام اپنے دوسرے خط مورخہ ۱۷ / ۶ / ۱۷۳۱ء میں اس ے اطلاعاً لکھا :

"جب میں شیواجی کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے وہاں الا جادو بھی سیکھا۔"

شیواجی سے چھترسال کی ملاقات کا ذکر اورنگ زیب ے زمانے کے ہندو تاریخ نویس بھیم سین نے بھی اپنی "تاریخِ لکشا" میں کیا ہے لیکن یہ ذکر اس نے ایک الگ معاملے کے ساتھ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ چھترسال ایک کم درجے کے منصب پر فائز تھا اسی لئے وہ بہت زیادہ پریشان رہا رتا تھا۔ پس اس نے مغل چھاؤنی چھوڑ دی اور شیواجی کے پاس آ گیا لیکن چونکہ اسے ہندوستان کے آدمیوں پر بھروسہ اور اعتماد نہیں تھا۔ اس لئے اس نے اس کے ساتھ بعض ہمدردیوں کا اظہار کیا اور الفت جتائی لیکن ایس بھیج دیا۔

بھیم سین نے چھترسال کی پریشانیوں کے بارے میں راس کے اعداد و کردار کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ کسی ر تک صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ شیواجی ان ہندوستانیوں ے بارے میں، وہ ہندو ہوں یا مسلمان، ہمیشہ مشکوک رہتا ما جو مغلوں کے جھنڈے کو خیرباد کہہ کے اس کے پاس تے تھے لیکن بھیم سین کا قیاس اس لحاظ سے غلط ہے ہاں اس نے چھترسال کو شیواجی کی طرف سے دی ہوئی

ی راج

عاقلانہ نصیحتوں کے پُر خلوص ہونے پر شبہ کا اظہار کیا ہے شیواجی، چھترسال کی آمد کے ارادے و مقصد سے کافی چوکنا تھا اور اس نے اس کی خاطر تواضع تب ہی کی جب اسے اس کے ارادوں کے نیک ہونے کا اطمینان ہو گیا بندیل کھنڈ آگرہ سے بہت قریب تھا اور اس کا ایک حصہ صوبہ اکبرآباد (آگرہ) کے حدودِ اختیار میں آتا تھا۔ اس کی مرکزی حیثیت اور دکن سے اس کا قریب تر ہونا بھی ایسی بات تھی جس پر توجہ دینا ضروری تھا شہنشاہ کی فوجوں کا بندیل کھنڈ سے گزرنا ناگزیر تھا یا پھر اس کی سرحد کے قریب سے ہوتے ہوئے دکن میں پہنچنا ممکن تھا۔ اگر بندیل کھنڈ میں مغلوں کی مزاحمت کے لئے کسی تنظیم کا انتظام ہو سکتا تو مہاراشٹر پر ایک حد تک مغلوں کے دباؤ میں کمی آ جاتی۔ اور اس طرح مغلوں کے بندیلے حلیف ان کے شدید دشمن بنائے جا سکتے تھے۔ یوں تو شیواجی نے بھی شاہی فوج کی مزاحمت کے لئے جہاں تک امکان میں تھا، گوشے اور شورشے برپا کر رکھے تھے۔ اس لئے جب شیواجی نے چھترسال جیسے ایک پسندیدہ پیرو کو پا لیا تو اس نے اس کی امنگوں کو بڑھا وا دیا تاکہ وہ مغلوں کو نکال کر بندیل کھنڈ میں اپنی سلطنت قائم کر لے۔

چھترسال نے شیواجی کے مقاصد کی روح کو پا لیا اور شیواجی نوجوان بندیلے کے خلوص سے بہت متاثر ہوتے یہاں تک کہ اس نوجوان کی کمر سے تلوار خود شیواجی نے باندھی اور اسے الوداع کہا۔

۱۴

چھترسال نے وطن پہنچ کر شیواجی کی تعلیمات کو نہایت جوش و خروش کے ساتھ انجام دیا۔ اس نے اپنے آباؤ اجداد کی سرزمین سے مغلوں کو پوری قوت سے نکالا۔ یہاں تک کہ سرجے۔ این سرکار جیسے تاریخ داں نے بھی تسلیم کیا کہ چھترسال کی طویل زندگی ۸۱ برس کی عمر میں ۱۷۸۱ء میں ختم ہوئی لیکن اس وقت تک وہ مغلوں کو بندیل کھنڈ سے نابود کر چکا تھا۔ چھترسال نے اپنے مربی شیواجی کو اس طرح سے بہترین خراجِ عقیدت پیش کیا۔

حوالہ جات اور نوٹس

۱۔ باجی راؤ بہادر بندیلوں کی سرزمین میں ـــــ ڈی۔ وی پوتدار کی ہسٹوریکل اینڈ اکاتا مک اسٹڈیز، فرگیوسن کالج پونے ـ فروری ۱۹۴۱ء، پیشوا باجی راؤ اول اور مراٹھا توسیع ـــ وی۔ جی ڈیگھے صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۸، مہاراجا چھترسال بندیلہ کا زمانہ اور حالاتِ زندگی ـــــ بی۔ ڈی گپتا، صفحہ ۸۱ تا ۹۲۔

۲۔ شیواجی ـ جے: این سرکار صـ ۹۳-۷۴-صـ ۱۰۶-۱۰۵
چھترپتی شیواجی۔ ایس۔ ایم پاگڑی صـ ۲۷۔ ۱۰۹ ـــ صـ ۳۷۔ ۱۳۶۔

۳۔ لال کوی کی چھتر پرکاش (باب: صفحہ) کاشی نگری۔ پرچاریانی سبھا صـ ۶۴۔ ۶۲، چھترسال صـ ۲۰۔ ۱۹

۴۔ باب صـ ۶۳۔ صـ ۷۱ ـ شیواجی صـ ۳۵ - ۱۱۳۔

۵۔ چھترسال صـ ۲۱۔ ۲۰ ـ شیواجی صـ ۳۵۔ ۱۱۳۔

۶۔ شیواجی صـ ۵۶۔ ۱۵۰

۷۔ باب صـ ۷۸۔ ۷۷ ـ چھترسال صـ ۲۲۔ ۲۱

۸۔ مآثرِ عالمگیری (انگریزی ترجمہ (جے۔ این سرکار) صـ ۱۴۱ ایف ایں۔

۹۔ باب صـ ۷۹۔ ۷۸ ـ چھترسال صـ ۲۲
بھیانذی کو سیلاب میں پار کرنا ظاہر کرتا ہے کہ چھترسال نے شیواجی سے ۱۶۶۷ء کے موسمِ باراں کے وسط یا ختم کے قریب ملاقات کی تھی۔

۱۰۔ چھترسال کے ان خطوط سے متعلق مائکرو فلم نیشنل آرکیوز، نئی دہلی میں بہ زیرِ عنوان ''جھانسی سے متعلق مسودات'' دستیاب ہے۔

۱۱۔ بھیم سین۔ تاریخِ دلکشا (انگریزی ترجمہ) ایڈیشن وی۔ جی کھوبریکر صـ ۱۰۱

۱۲۔ باب صـ ۸۰

۱۳۔ تاریخ اورنگ زیب (سرکار) جلد ۷، صـ ۹۱

(تلخیص و ترجمہ: فیروزہ فیاض خان)

صفحہ ۲۲ سے آگے۔ "شیواجی اور اورنگ زیب"

شخص کبھی نہیں جیت سکتا۔ شیواجی کا ایک خط ذیل میں درج ہے جو اس نے بادشاہ کو لکھا تھا ـــ

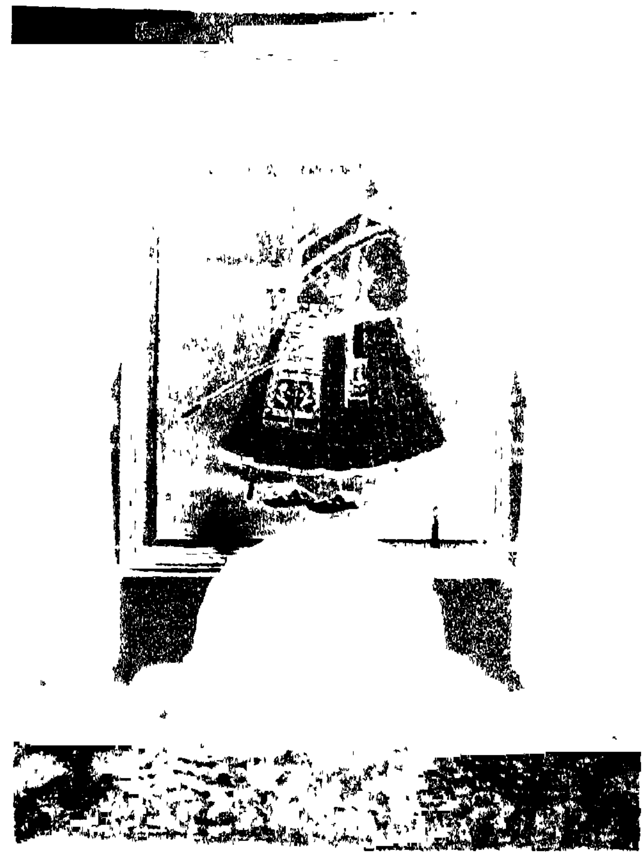
" تمام انسان خدا کے بندے ہیں اور خدا دنیا کا اور سبھوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ کسی ایک شخص کا بلکہ ہر ایک کا ہے۔"

شیواجی کا یہی پیغام تھا جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ

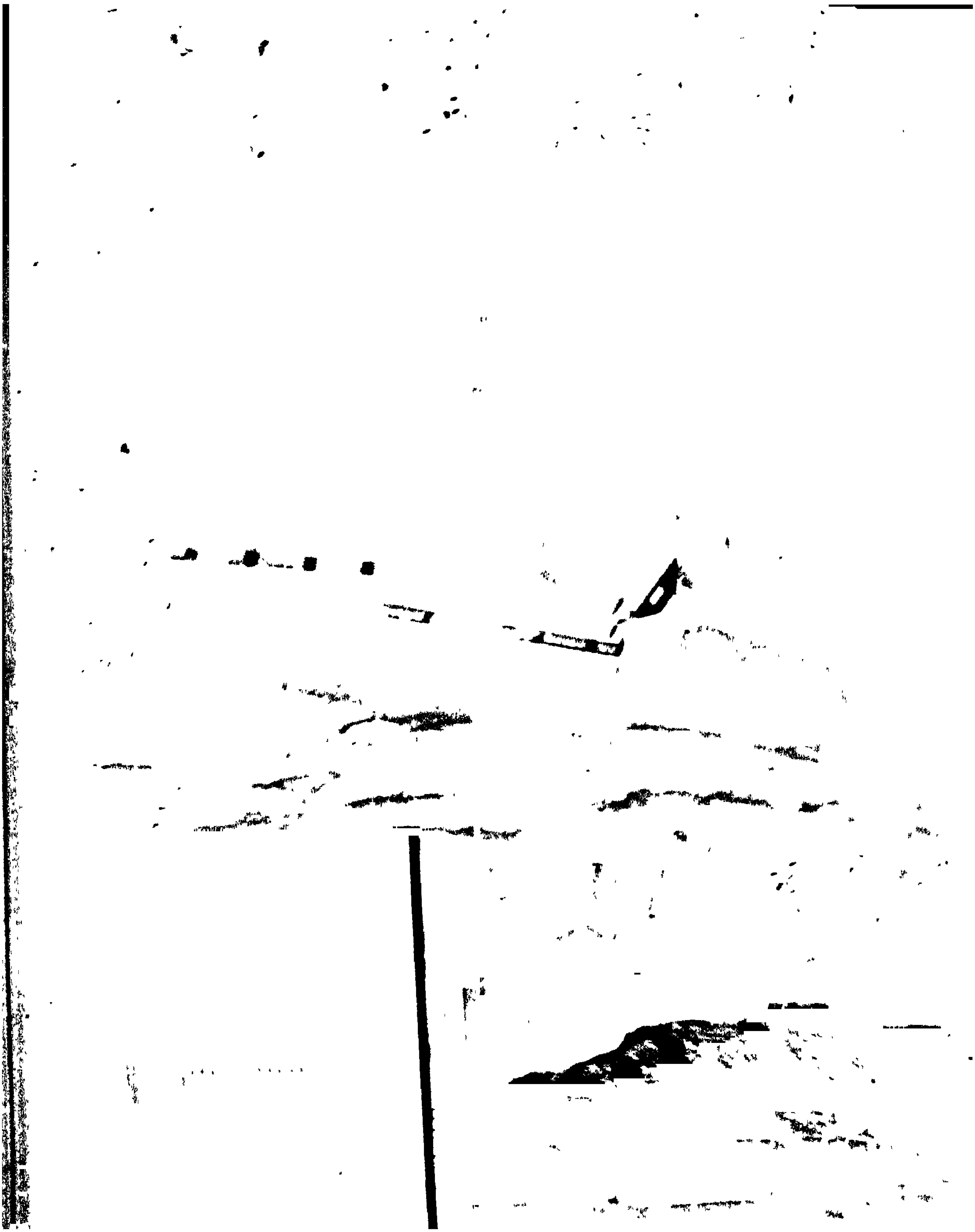
(ترجمہ: مہ جبیں)







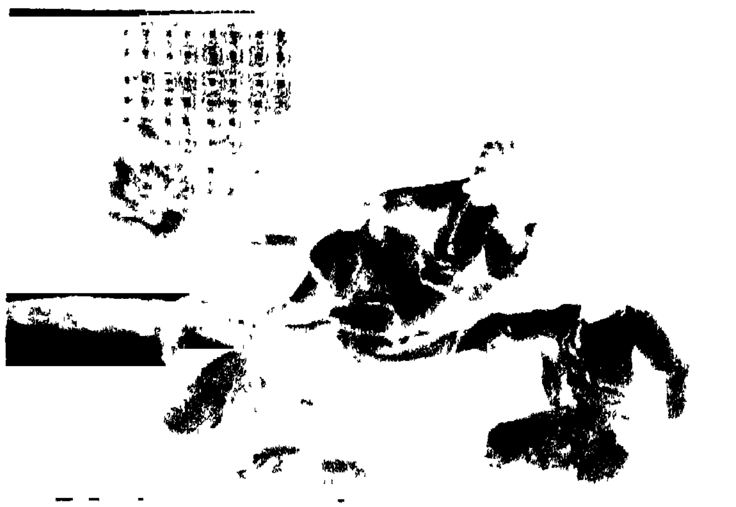


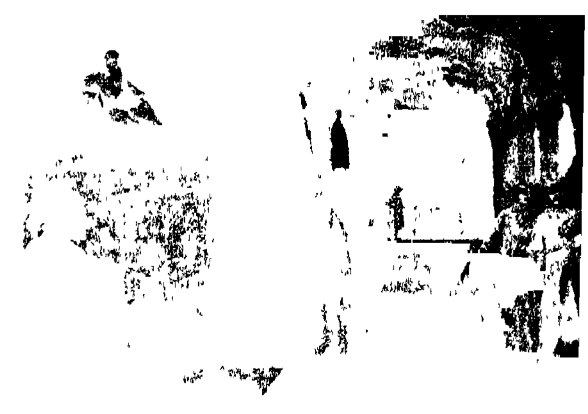


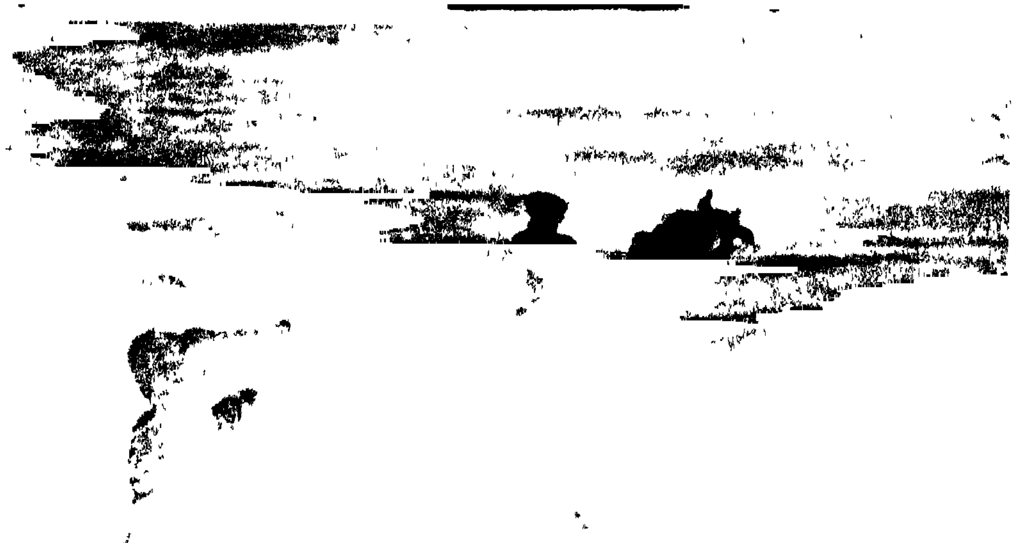






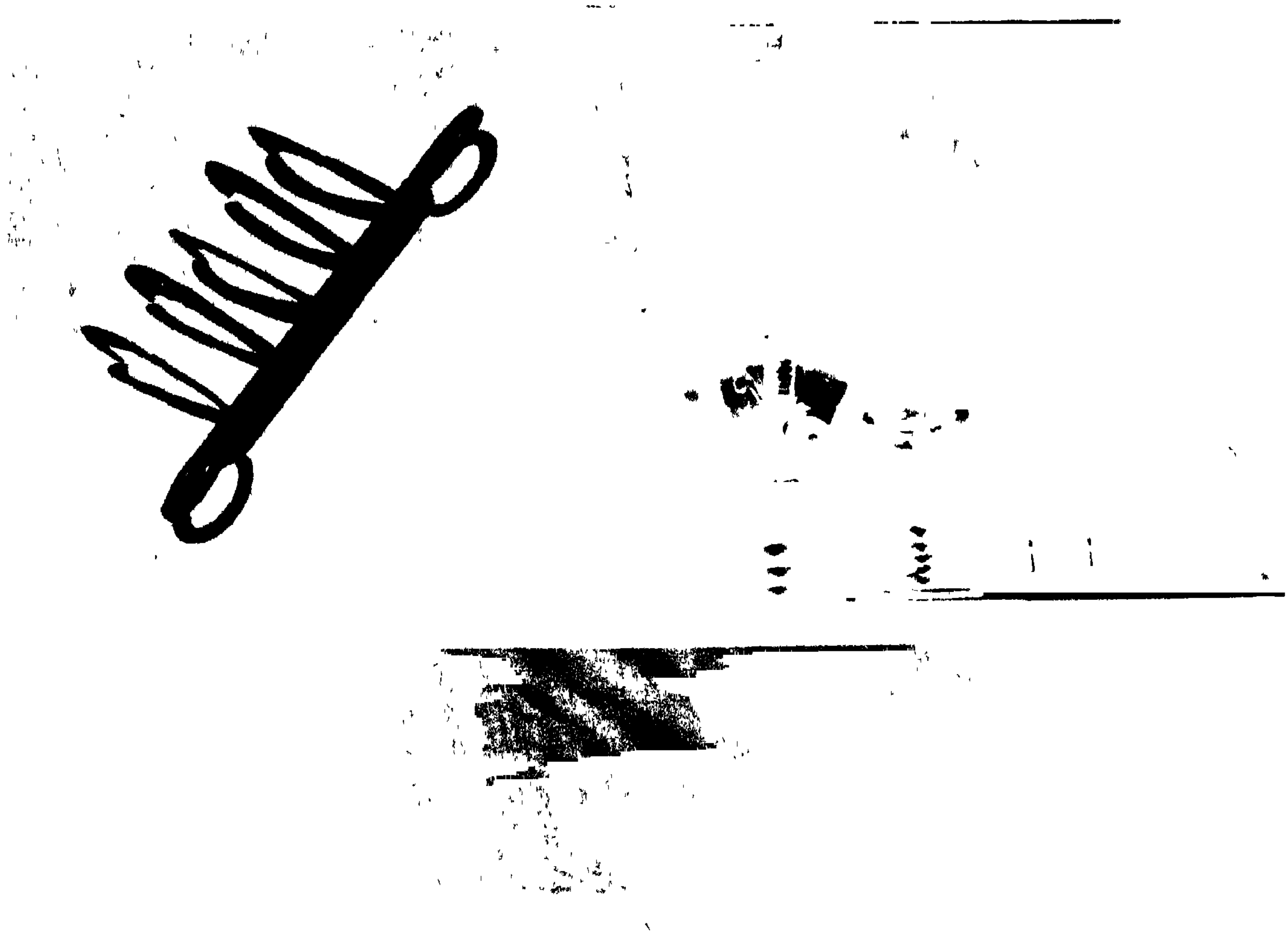
















निश्चयाचा महामेरु । बहुत जनासी आधारु ।
अखंड स्थितीचा निर्धारु । श्रीमंत योगी ।
या भूमंडळाचे ठायी । धर्म रक्षी ऐसा नाही ।।
महाराष्ट्र धर्म राहिला काही । तुम्हांकरिता ।।
कित्येक दुष्ट संहारिले । कित्येकास धाक सुटले ।।
कित्येकासि आश्रय जाले । शिवकल्याण राजा ।।

—समर्थ रामदास



چھترپتی شیواجی مہاراج

○ سیّد ساحل حیدر
معرفت کانتا جوئیلرس،
مین روڈ۔ وسئی مارکیٹ
وسئی۔ ضلع تھانے (مہاراشٹر)

○



وہ آدمی تھا عقاب جیسا
ہوا مخالف، فضا مخالف
مگر اُڑانیں تھیں اُس کی پیہم
عزائم اس کے پہاڑ جیسے
نگاہ تھی تند و تیز اُس کی
وہ جانتا تھا
کہ آنے والا مورّخ اُس کی
لکھے گا جب داستاں لکھے گا
کہ سعیِ پیہم سے اُس کی چمکا
ستارۂ قوم مہر بن کر
عظیم مہاراشٹرا ہے اُس کا
اُسی کی جرأت، اسی کی ہمّت
رگوں میں اِس قوم کی رواں ہے
وہ آدمی پورا کارواں ہے

کھلا ہوا ہے کتاب جیسا
وہ آدمی تھا عقاب جیسا

○○○○

سینٹر اسپریڈ

صفحہ ۱:- چھتر پتی شیواجی مہاراج
کی شری مینتی دمرندر کی
بنائی ہوئی روغنی تصویر

صفحہ ۲:- (اوپر) اودھ میوزیم
میں (بائیں جانب)
شیواجی مہاراج کی ایک
نایاب تصویر
(نیچے) پہلی بار اپنے
نوزائیدہ بچے کو دیکھتے ہوئے

صفحہ ۳:- پنہالہ قلعہ کا ایک
منظر۔ ہندوی سوراج
کی قسم لیتے ہوئے۔

راج گڈھ قلعہ
کے بیرونی مناظر

صفحہ ۴:- (دائیں) بھوانی دیوی
کا ساکشاتکار (دیوی
شیواجی مہاراج کے خواب
میں آئیں اور انہیں دعا دی)
(بائیں)
شیواجی مہاراج
شیونیری کے قلعہ میں۔
(پس منظر میں)
باجی راؤ، دیشپانڈے
شیواجی مہاراج کو پوان کھنڈ
میں اس وقت تک دشمن
کو روکے رکھنے کی یقین دہانی
کررہے ہیں جب تک وہ
محفوظ مقام پر نہ پہنچ جائیں۔

صفحہ ۵:- شیواجی مہاراج
اپنے بیٹے سمبھاجی کے
ساتھ آگرہ میں۔

درمیان میں:-
شیواجی مہاراج،
اورنگ زیب کے دربار میں۔
(بائیں)
شیواجی مہاراج اور سمبھاجی
اپنے خادم کے ساتھ اورنگ زیب
کی قید میں۔

(نیچے)
شیواجی مہاراج کا
آگرہ سے فرار

صفحہ ۶:- پس منظر میں
شیواجی مہاراج کا گولکنڈہ
قلعہ میں آمد کا منظر۔

ماتاجی، جیجابائی
کی دعائیں لیتے ہوئے۔
کونڈانا جانے سے قبل۔

صفحہ ۷:- شیولنگ

شیواجی مہاراج
کے
زمانے کی ایک توپ



صفحہ ۸:- شیواجی مہاراج
کی تاج پوشی کی رسم
کا منظر۔

شیواجی مہاراج
کے
زمانے کی سرکاری مہر



جے۔ ایس دکشت

شیواجی کرناٹک میں

جگہوں کا اپنا سحر ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی جگہ سے کتنا متاثر ہوتا ہے اس کا انحصار خود انسان کی ذات پر مبنی ہے نہ کہ وہاں رہنے کی مدت پر۔ جیسے شیواجی کرناٹک میں (پہلے وجے نگر) محض دو سال یعنی ۱۶۴۰ء سے ۱۶۴۲ء تک ٹھہرے تھے۔ پھر بھی وجے نگر نے انہیں کافی حد تک متاثر کیا جبکہ ان کے پتا شاہ جی نے ۲۷ سال کرناٹک میں ہی گزارے مگر وہ اس جگہ کے سحر سے زیادہ متاثر نہ ہو سکے۔ یہاں اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ شیواجی کرناٹک سے کس حد تک متاثر ہوئے تھے۔



شاہ جی کی سرگرمیوں کے آخری ۲۷ برس (۱۶۳۷ء تا ۱۶۶۴ء) اپنے آقا محمد عادل شاہ کی مدد کرنے میں گزرے جسے انہوں نے کرناٹک کے چھوٹے سرداروں کو مغلوب کرنے میں صرف کیا۔ رفتہ رفتہ لیکن یقینی طور پر ان فتوحات کے ذریعے، شاہ جی نے اپنے لئے ایک مختصر سی حکومت تعمیر کرنے کی راہ پیدا کرلی، جس کا صدر مقام بنگلور تھا۔ بظاہر شاہ جی بنگلور پر اپنے آقا محمد عادل شاہ کا اختیار و تصرف ظاہر کرتا تھا لیکن درحقیقت وہ آہستہ آہستہ خود مختار بنتا جارہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہ جی دکن کے مسلمان حکمرانوں کے تحت اپنے وقت کا سب سے بڑا مراٹھا جنرل تھا۔ اس میں اور دوسرے مراٹھا جنرلوں میں یہ فرق تھا کہ شاہ جی زیادہ قابل، خودمختار بن بیٹھنے کا زیادہ خواہشمند، ان ہندو سرداروں کے لئے جنہیں اس نے کرناٹک میں شکست دی تھی، زیادہ نرم دل اور ہندوانہ خیالات سے متاثر ہونے کا زیادہ رجحان رکھتا تھا۔ بنگلور میں اس کا دربار اس کے وقت کے کسی بھی ہندو حاکم کے دربار کا نقش ثانی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے



راج

رناٹک میں ایک نسخے سے مہاراشٹر کی تعمیر بھی کر ڈالی تھی۔

بعض تاریخ نویسوں کا یہ فیصلہ کہ مہاراشٹر میں پہلی خود مختار ہندو سلطنت قائم کرنے کی نیک نامی اس کے بیٹے شیواجی کے ساتھ شاہ جی کو بھی ملنی چاہیئے کوئی غلط قیاس نہیں۔ شاہ جی کی موت چناگیری کے قریب ہوڈی گیرے ضلع شموگا میں واقع ہوئی جہاں اس کی سمادھی موجود ہے۔ ہوڈی گیرے کو مراٹھا کامیابی کے ہر محبوب کے لئے یاترا کا مقام ہونا چاہیئے۔

شاہ جی میں بمقابلہ شیواجی کے خود مختار ہندو سلطنت قائم کرنے کے بارے میں یہ ینم دلی کیوں تھی؟ تاریخ نویسوں نے باپ اور بیٹے کے ساخت میں اس تبدیلی کو مختلف انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ان تفہیمات کے علاوہ — شاہ جی کی پالیسیوں میں شیواجی کی پالیسیوں کے مقابلے میں جو تبدیلیاں تھیں ان کی تشریح دو طرح سے کی جاسکتی ہے۔ (۱) وجے نگر کی دلیرانہ روایت و حکایت نے غالباً شیواجی کو ایک اعلیٰ مذہبی اور روحانی پس منظر سے دوچار کیا ہوگا اور (۲) اتیتھیروانرسا، جو میسور کے راجا تھے، ہو سکتا ہے کہ ان کی اعلیٰ مثال شیواجی کے لئے ایک خود مختار ہندو ریاست کے قیام کے بارے میں نمونہ رہی ہو۔

ٹی۔ ایس۔ شیجوانکر نے اپنے مضمون بعنوان شیواجی وجے نگر سے کتنے احسان مند تھے" بتلایا ہے کہ مہاراشٹر میں وجے نگر "ویھولی بسری سلطنت" نہیں تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ضلع رتناگیری میں سنگیشور کے سردیسائی خاندان نے پانچ بار وجے نگر سے درخواست کی کہ لٹیروں کے سرداروں کے حملوں کے خلاف اس خاندان کی مدد فرمائی جائے اور آخر کار وجے نگر کے افسران کا تقرر عمل میں آیا تاکہ موخر الذکر افسران کھارے پٹن سے جنوبی کوکن کے حصوں پر عمل داری کریں۔ چودھویں صدی کے نصف آخر میں درگا دیوی قحط کے دوران جو تیس سال تک باقی رہا، مہاراشٹر کا پورے کا پورا میدانی علاقہ آبادی سے خالی ہوگیا۔ وجے نگر کا ایک افسر، جو دادو نرسمہا کہلاتا تھا، کراڈ آیا اور بہمنی سلطان کی اجازت سے دوبارہ اس زمین میں کھیتی شروع کی اور اس طرح وہ علاقہ پھر سے آباد ہوا۔

اور وجے نگر اور مہاراشٹر کے تعلقات صرف انتظامی اور معاشی امور تک ہی محدود نہیں تھے بلکہ ان میں مذہبی اور ذہنی وعقلی باتیں بھی شامل تھیں — مہاراشٹر میں ایک کہانی زبان زد ہے کہ وجے نگر کا ایک راجہ وٹھل کی مورتی کو پنڈھرپور سے ہمپی لے گیا تھا تو اسے بھانو داس واپس لے آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت مورتی نہیں لے جائی گئی تھی بلکہ اس مورتی کی پوجا کا پھیلاؤ مہاراشٹر سے کرناٹک تک ہو چکا تھا اور اس کی تکمیل میں جن لوگوں نے حصہ لیا وہ کناڈا کے سنت پرندر داس اور شہنشاہ کرشنا رایا تھے۔ سنت مذکور نے وٹھل مورتی کی پوجا کو اپنی روح پرور نظموں کے ذریعے مقبولِ عام بنایا اور شہنشاہ نے اپنے دارالخلافہ میں وٹھل مندر کو دلکش و خوبصورت انداز میں تعمیر کروایا نیز متعدد وٹھل مندر ساحلِ مدراس پر تعمیر بھی کرواتے۔ کرشنا رایا کے دربار کی کشش سے دور و نزدیک کے بڑے بڑے ودوان اور دھرماتما وہاں جا پہنچے جن میں سے ایک زبردست ودوان پیٹھن کے رایشور بھٹ بھی تھے — وہ پیٹھن جو بہت پرانے وقتوں سے تقلید پسند تعلیم و تعلّم کا گڑھ مانا جاتا تھا۔ رامیشور بھٹ کا تعلق گادی خاندان سے تھا جو بعد میں وارانسی منتقل ہوگیا اور وہ بھٹ جس نے رائے گڑھ میں شیواجی کی تاجپوشی کے موقع پر پوجا پاٹ کے فرائض انجام دیتے تھے۔ وہ گاگا بھٹ تھا جو اسی خاندان کی اولاد میں سے تھا کرشنا رایا نے رامیشور بھٹ کی بڑی عزت و توقیر کی، اور اس کی خدمت میں بطور تحفہ ایک ہاتھی پیش کیا جس کے قبول کرنے سے ودوان مذکور نے اپنی معذوری ظاہر کی۔

کرشنا رایا کے بعد راما رایا کا دور آیا جسے تالیکوٹہ یا راکشس تنگڈی (۱۵۶۵ء) کا سورما بھی کہتے ہیں۔ اس لڑائی میں وجے نگر کے خلاف شاہی راجاؤں کے جھنڈے تلے مراٹھا فوجیوں کی کافی بڑی تعداد نے جانبازی دکھائی۔ اس لئے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ راما رایا کناڈا کی شہرت اور اس لڑائی کا چرچا مہاراشٹر میں دور دور سے آیا ہوا۔

پخہ اس پر مراٹھی بکھورے بھی ہیں۔ اس
۱۶۵ سے اور شیواجی کے بنگلور میں وارد
نے (۴۲-۱۶۴۰ء) کے درمیان ایک صدی
ہے جس طرح ہم موجودہ نسل کے لوگ
یادت میں ہندوستان کی جنگ آزادی کا
تذکرے ہیں، اسی طرح کرناٹک کے لوگ
کی شان وشوکت اور ہندوؤں کی آزادی
شان سے یاد رکھتے اور دہراتے ہوں گے۔
وہ بنگلور میں ٹھہرے تھے وجے نگر کے
اً آگاہی بخشی گئی ہوگی۔
وتا ہے کہ شیواجی نے وجے نگر کے بلند
، توقیر دو طرح پر کی ہوگی۔ اولاً جب انہوں نے
، قائم کی تو اپنے شاہانہ سونے کے سکے
۔ کے ہونز کا انتخاب کیا۔ بجائے مغل روپیہ
ن کے بڑے حصے میں زیادہ رائج اور معلوم
، انہوں نے تقریباً ایک سو گاؤں سری رنگا
لڑکوں کو عنایت فرماتے جو وجے نگر کے
ی شہنشاہ تھے۔
پنی تحقیق کے دوسرے حصے کی طرف رُخ
آیا کنتھیروا نرسا میسور کے راجا، شیواجی
زنہ ہو سکتے تھے۔ ایسے بہت سے لوگوں کو
راجا کا نام سنا بھی نہیں، یہ سوال حیرت
اس لئے میں پہلے کنتھیروا کے روش کی
، اور پھر وضاحت کروں گا کہ اس کی اور
ں میں کہاں تک یکسانیت ہے اور آخر میں
ندہی کروں گا کہ دونوں میں نقطہ ارتباط
نے کا امکان ہے۔ کنتھیروا کی پیدائش ۱۶۱۵ء
ں وہ شیواجی سے عمر میں تقریباً پندرہ سال
ذ عمری ہی میں انہوں نے بہادری میں نام
تیرو چراپلی کے ایک پہلوان نے چیلنج دیا تھا
قبول کر لیا تھا چنانچہ انہوں نے پہلوانی کا
لنج باز پہلوان کو شکست دی تھی۔ کنتھیروا
شاہ بنے۔ ۱۶۳۹ء میں بیجاپور کی فوجیں
ندلہ آور ہوئیں جن کی قیادت رعن الدولہ خان

اور شاہ جی کر رہے تھے۔ ان دونوں جنرلوں نے کرناٹک کے مغربی ساحل سے لے کر مشرق میں بنگلور تک کے تمام چھوٹے سرداروں کو شکست دی تھی۔ صرف میسور اور کنتھیروا ہی دو طاقتیں تھیں جنہیں فتح کرنا باقی تھا۔ کنتھیروا ان عظیم القوت جنرلوں پر بھی زبردست اور مکمل فتح حاصل کر سکے۔ ۱۶۴۰ء میں مصطفےٰ خان، رعن الدولہ کا قائم مقام ہوا لیکن وہ بھی ناکام واپس گیا۔ بیجاپور میں کنتھیروا کے دار الخلافہ سری رنگا پٹن کا سقوط وقار کا مسئلہ بن گیا۔ اس کے بعد ۱۶۴۰ء میں ویدوجی پنت کو افضل خان کی ماتحتی میں فوج دے کر بھیجا گیا۔ ۱۶۴۰ء کی یہ یورش بھی ناکامی کی نذر ہو گئی — مصطفےٰ نے دوبارہ اپنی خدمات پیش کیں لیکن ۱۶۴۶ء میں دوسری بار بھی اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس طرح کنتھیروا نے آخر تک اپنی خود مختاری قائم رکھی۔

حاکم کی حیثیت سے کنتھیروا کریم النفس تھا۔ اس کے لئے سب سے اہم مسئلہ دفاع تھا جو اس کی توجہ کو جذب کئے ہوئے تھا۔ اس نے میسور اور سری رنگا پٹن کے قلعوں کو مستحکم کیا۔ دوسرا اہم معاملہ، پہلی دفعہ، ایک ٹکسال کا قیام تھا۔ اس نے سونے کے سکے "کنتھی رایا ہنا" اور "کنتھی۔رایا۔ورشا" جاری کئے وہ نہایت مذہبی قسم کا راجہ تھا اور وشنو کے زبردست عقیدت مند کے بطور مشہور تھا۔ لیکن پوجا پاٹ وہ اپنی خاندانی دیوی چمنڈیسوری کی ہی اسی جوش اعتقاد کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ وہ تمام مذہبوں کے ساتھ رواداری برتتا تھا۔ اداروں اور لوگوں کو اس نے بہت سے تحفے دیئے تھے۔

کنتھیروا علم کی سرپرستی کے لئے بھی مشہور تھا۔ اس کے دربار میں سب سے اہم محرر (میر منشی) گووند ویدیا تھا۔ جو کناڈا زبان (۱۶۴۸) میں "کنتھیروا نرسا راجا وجیم" کا مصنف تھا۔ یہ کتاب ویدیا کے مربی کی حکومت (۱۶۳۸ء تا ۱۶۴۸ء) کے ابتدائی دور کی سیاسی اور سماجی تاریخ کی آئینہ دار ہے۔ شاعر ویدیا کی نظر میں اس کے مربی اسی طرح نرسمہا کے اوتار تھے جس طرح وہ

اپنے دوسرے ہم عصر معتقدین کی نظروں میں تھے۔ دیکھنے میں کنتھیروا دراز قد، استثنائی طور پر گٹھیلے جسم، وجیہ اور دلکش ڈیل ڈول کا مالک تھا۔ میدانِ جنگ میں وہ پکا اور سچا فوجی تھا جس کے ہاتھ میں اس کی مشہور تلوار "وجے نرسمہا" ہوتی تھی۔

کنتھیروا اور شیواجی کے درمیان عجیب قسم کی مماثلت تھی۔ دونوں کے لئے عام دشمن بیجاپور تھا۔ کنتھیروا اپنی حکمرانی کی پوری مدت تک (۱۶۳۹ء تا ۱۶۵۹ء) بیجاپور سے برسرِ جنگ رہا۔ شیواجی کی جنگ بیجاپور کے ساتھ ۱۶۴۶ء میں شروع ہوئی اور اس کے بعد دونوں ایک ہی وقت میں بیجاپور سے جنگ کرتے رہے۔ دونوں کو افضل خان سے واسطہ پڑتا تھا کیونکہ اسے دونوں سے تلوار زنی کرنی پڑتی تھی لیکن ان دونوں کا طریقہ جنگ یکساں تھا یعنی گوریلائی انداز۔ دونوں اپنی فوجوں کی قیادت خود کرتے تھے۔ دونوں نے اپنی اپنی تلواروں کے نام اپنی پوجی جانے والی دیویوں کے نام پر رکھے تھے۔ کنتھیروا کی تلوار کا نام "وجے نرسمہا" تھا اور شیواجی کی تلوار کا نام "بھوانی"۔ دونوں کے درباری شاعر ہر ایک کو ایشور کا اوتار کہتے تھے جنہیں دنیا کو ان لوگوں سے پاک کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا جنہوں نے ان کے دھرم کو بھرشٹ کیا تھا۔ گووند دیدیا نے نرسارا جا کو نرسمہا کا اوتار کہا اور پرمانند نے شیواجی کو شیو کا اوتار بتلایا۔ دونوں ہی اپنی خاندانی دیویوں کی عزت کرتے تھے۔ کنتھیروا، میسور میں چمنڈی ٹیکری پر چمنڈیسوری کے معتقد تھے اور شیواجی پرتاپ گڑھ کی پہاڑی پر بھوانی کے ماننے والے۔ دونوں کو قدیم زمانوں کے بہادروں کی طرح مشہور سورما اور ملک کو غیر ملکیوں سے آزاد کرنے والا بتلایا گیا۔

اگرچہ دونوں سورماؤں کی روشوں اور طریقوں میں بڑی حد تک مماثلت ہے تاہم جب تک اس بات کا ثبوت نہ ہو کہ شیواجی نے اپنے سے زیادہ بزرگ ہم عصر کا نام سنا تھا تب تک یہ کہنا کہ وہ بزرگ، شیواجی کے لئے نمونہ تھے بظاہر بعید از قیاس ہوگی۔ ہمارا نقطۂ ربط شیواجی کے درمیان پونے اور بنگلور میں، جہاں کنتھیروا کی کامرانیوں کی روایتیں زبان زد رہی ہوں گی، ان فوجیوں سے متعلق تھا جو شاہ جی کے بھیجے ہوئے تھے تاکہ وہ ابتدائی مراٹھا طریقۂ انتظام کے قائم کرنے میں شیواجی اور داداجی کونڈا دیو کی مدد کریں۔ بعد میں بھی بنگلور کے دربار میں جو مراٹھا افسران تھے ان کے درمیان، اور اس کی جو شاخ پونے میں تھی، اس کے درمیان، رابطہ جاری تھا۔ اسے دونوں مرکزوں کے درمیان ایک مسلسل کڑی، شاہ جی کی زندگی کے وقت تک کے لئے کہا جا سکتا ہے۔ یہی وہ کڑی ہی ہے جس کے ذریعے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شیواجی کو کنتھیروا کی سرگرمیوں کے بارے میں اطلاعات ملی ہوں گی۔

لیکن شیواجی کے متعلق کنتھیروا کی کامرانیوں سے پہلے پہل آگاہ ہونے کی بات بظاہر اس وقت کی ہو سکتی ہے جب شیواجی بنگلور میں (۱۶۴۰ء - ۴۲) میں تھے۔ یہی وہ وقت تھا جب کنتھیروا کو بیجاپور کے مقابلے میں کامیابیاں حاصل ہونے لگیں۔ ہو سکتا ہے کہ بنگلور میں جو مراٹھا تھے، اور کنتھیروا کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہو چکے تھے، وہ اسے سورما کہنے سے گریز کرتے ہوں۔ پرمانند اسے یعنی کنتھیروا کو "ظالم کنتھیروا" کہتا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ شیواجی کی نظروں کو وہ سورما دکھائی دیا ہو جس وقت کہ خود ان کو بیجاپور کے خلاف جنگ آزمائی کرنی پڑی چونکہ دونوں کا دشمن ایک تھا۔ اس لئے ممکن ہے کہ کنتھیروا کی روش شیواجی کو درست معلوم ہوئی ہو اور ہم اس سے پہلے دیکھ چکے ہیں کہ کبھی کبھی دونوں کو ایک ہی دشمن افضل خان سے جنگ لڑنی پڑی۔ شیواجی کو اطلاع تھی کہ کرناٹک میں افضل خان نے سیرا کے سردار کو کس طرح گفتگو کے لئے بلوانے کے بعد قتل کروا دیا تھا۔ اس لئے شیواجی کو افضل خان کی خصلت کی خبر تھی۔ اسی لئے جب افضل خان نے شیواجی کو ملاقات کے لئے بلوایا تو موخر الذکر نے اس کے ساتھ بھی اسی قسم کا سلوک کیا۔ کیا یہ قرینِ قیاس ہو سکتا ہے کہ شیواجی کو کرناٹک میں افضل خان کے جنگی طور طریقوں کی واقفیت تو ہوئی ہو لیکن اس کے سب سے بڑے دشمن یعنی کنتھیروا کی بابت اسے کچھ معلومات نہ دی گئی ہو؟ یہ بات ممکن نہیں معلوم ہوتی۔

جب ہندوستانی برطانویوں کے خلاف لڑ رہے تھے تو وہ ممالک جنہوں نے برطانوی عملداری سے آزادی حاصل

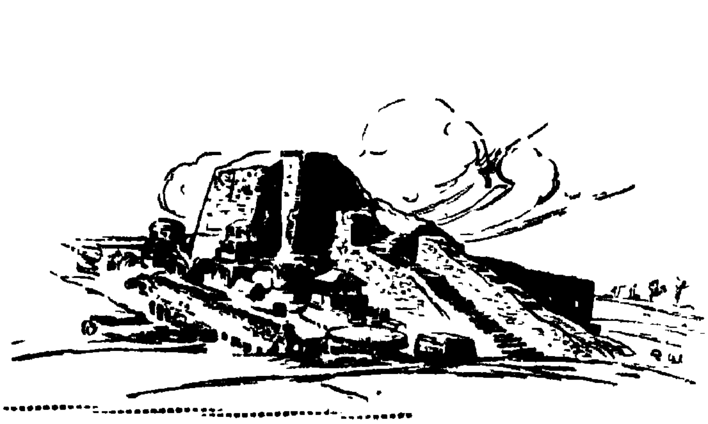
ے امریکہ اور آئرلینڈ، وہ ممالک ہندوستان کے
لئے تھے ۔ہندوستانی مجاہدین آزادی نے ان طور
طالعہ کیا جیسے امریکیوں اور آئرستانیوں نے برطانیہ
نایا تھا اور دیکھا کہ برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ
، ہتھیار ثابت ہوا تھا اس لئے اسے فوراً ہی

ی فوجی حکمتِ عملی سے گہرے واقف کار ہونے
افضل کی حکمتِ عملی جانتے تھے ۔شیواجی کو
تا کہ افضل کو اور بیجاپور کے دوسرے جنرلوں
ے مقابلے میں کس بنا پر شکست ہوئی ہوگی ۔
ں تھا جیسے گوریلا جنگ یا کناڈا میں "گنگوے
ستل کرنا" اور مراٹھی میں "گانیمی کاوا" کہتے
سکتا ہے کہ شیواجی نے یہ طریقہ کنتھیروا سے
حالات نے اور ملکی ماحول نے اسے اس طریقے
رمائل کیا ہو لیکن جب اس طریقے کا کنتھیروا
ستعمال کے متعلق اسے علم ہوا ہوگا تو اس نے
رنے کو مناسب جانا ہوگا ۔
ا کا انتقال نیک نامی کے ساتھ ۱۶۵۹ء میں
ھاپے کی وجہ سے نہیں کیونکہ اس کی عمر تب
ی ۔ اس بات کا کم امکان ہے کہ اس کی
نے ، جو کئی معاملات میں شیواجی کے ساتھ
تھی ، اپنا سایہ شیواجی جیسے اس کے ہم عصر
وصاً اس بنا پر کہ اس کا دارالخلافہ شری رنگا پٹن
لور سے صرف اسی میل کا ہے ، جہاں شیواجی نے
ے فقط تقریباً دو سال گذارے تھے ۔ یہ صحیح
ت کا ذکر ریکارڈوں میں کہیں نہیں ہے کہ شیواجی
و اپنے لئے نمونہ بنایا تھا ۔ دوسرے تاریخی شواہد
ت واضح ہوتی ہے جس کی تشریح اس مضمون کے
ں گذر چکی ہے ۔

نشٹر پر ریکارڈوں سے لئے گئے لوٹ وجے نگر
بر ی ۔ ایس شیھالکر کا مضمون "شیواجی اور
ت کس طرح وجے نگر کے احسان مند ہیں "
ا ہے ۔ یہ تحریر" وجے نگر ۶۰۰ سالگرہ کی

تقریب" جلد دھارواڑ ، ۱۹۳۶ ، صفحہ ۱۱۹ ف ت پر
ہے ۔ یعالو داس کی روایت کے لئے دیکھئے :
جی ۔ ایس کھرے کا مضمون "وجے نگر سے کرشنا دیو رایا
اور پنڈھرپور کی وٹھل مورتی" اسی جلد میں صفحہ ۱۹۱
ف ت ۔ رامیشور بھٹ کے دورہ بطرف دربار کرشنا رایا
کے لئے دیکھئے میرا مضمون "تاریخ ہند میں شمال اور
جنوب" ۔ ایڈیشن ایس ۔ پی سین ، جہاں اس کا حوالہ
موجود ہے ۔ کنتھیروا کے کیریئر کے لئے سی ۔
ہے وردن راؤ کی تاریخ میسور ، جلد اوّل صفحات ۱۱۲
ف ت ۔ بیجاپور کے معرکوں کے لئے ہے وردن راؤ
کے علاوہ پی ۔ ایم جوشی کا باب "دی عادل شاہیز اینڈ
دی بریڈس" جو تاریخ "ہسٹری آف مڈیاول دکن ۔
اوّل" میں اور شاہ جی اور شیواجی کے کیریئر کے لئے
آر ۔ پی پٹوردھن اور ایچ ۔ جی راؤلنسن
اور چھترپتی شیواجی از سیتو مادھو راؤ پاگڑے ، پونا
ایڈیشن ۱۹۷۴ء ، جادو ناتھ سرکار ۔ مہاراشٹر اسٹیٹ
گیزیٹیرس ، "تاریخ حصہ سوم ــــ مراٹھا دور" سے حوالے
لئے گئے ہیں ۔ یہ رائے ممکن ہے کہ کنتھیروا شیواجی کیلئے
نمونہ رہا ہو ، پہلے پہل پیش کرنے والے بیٹگیری کرشنا شرما
ہیں جسے انہوں نے اپنی کتاب "کرناٹک جن جیون ــــ
دھارواڑ ، ۱۹۳۹ ، صفحہ ۱۲ پر پیش کیا ہے ۔

(ترجمہ :۔ عبدالخالق ، کرلا بمبئی)





ڈاکٹر پربھاکر ماچوے
۳۶-اے شیکسپیئر سرانی
کلکتہ ۷۰۰۰۱۷

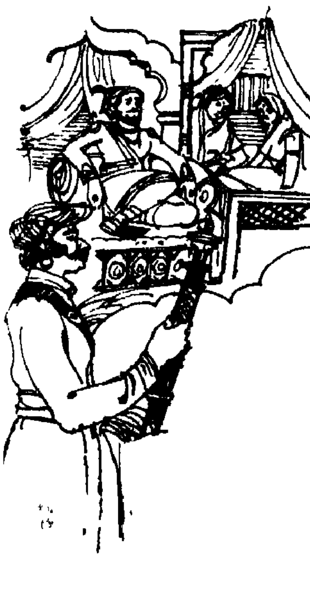
شیواجی کی عظمت

(۱۹ر فروری ۱۶۳۰ء ـ ۳ر اپریل ۱۶۸۰ء)

شخصیت:

مورخ سین نے، ۱۹۲۵ء میں، غیرملکیوں کی تحریرکردہ شیواجی کی سوانح کے حوالہ جات پر مبنی ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں جیاں دِ تھیوالز نامی، فرانسیسی نے سورت میں، ۱۶۶۴ء میں، جن لوگوں نے شیواجی کو دیکھا تھا، اس کا بیان یوں دیا ہے —" یہ راجہ پستہ قد اور سانولے رنگ کا ہے۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور چمک دار ہیں جن سے اس کی ذہانت ظاہر ہوتی ہے۔ وہ دن میں صرف ایک وقت کھاتا ہے، تاہم بے حد صحت مند ہے۔ سورت کی لوٹ کے وقت وہ ۳۵ برس کا تھا۔

ریورنڈ جان بی ایسکولیو، جو صورت میں پادری تھے نے لکھا ہے ـ" وہ (شیواجی) قد میں زیادہ اونچا نہیں تھا لیکن گٹھے ہوئے اور چھریرے بدن کا تھا، جب وہ بولتا تھا تو محسوس ہوتا تھا، وہ مسکرا رہا ہے، اس کی آنکھیں شوخی لئے ہوئے تیز اور چمک دار تھیں اور اس کا رنگ، اور لوگوں سے مقابلتاً کچھ اجلا تھا۔"



مرزا راجہ جے سنگھ کے بیٹے رام سنگھ نے شیواجی کو گورا اور شاہانہ شخصیت کا مالک لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اُن کے داڑھی بھی ہے اور وہ بے حد بہادر اور بلند حوصلہ آدمی ہیں۔ یہ ۲۹ مئی ۱۶۶۴ء کی تحریر ہے۔ ہیزی آکسنڈین نے، جو شیواجی کی تخت نشینی کے موقع پر دربار میں موجود تھا، لکھا ہے کہ شیواجی کا وزن ایک سو ساٹھ پونڈ تھا۔

شیواجی کی تین پرانی تصویریں بھی ملتی ہیں۔ ایک برٹش میوزیم میں ہے، دوسری، اطالوی سیاح، مانچی کی تخلیق، "استوریا دِ مولور" کے تیسرے حصے میں ـــ اور تیسری تصویر ویلنٹائن کے "ایجنگ" میں پائی جاتی ہے۔



قومی لیڈر اور بہادر سپاہی

۱۶۴۶ء میں شیواجی نے تورنا، سینہہ گڑھ، رائے گڑھ جیسے قلعے فتح کئے اور ان کی حفاظت اور انتظامات کے تحت ماولوں، مراٹھوں، بارگیروں اور کنبیوں (ہندوؤں کا ایک دیہی طبقہ) کی فوجیں ترتیب دیں اور ان فوجیوں کے لئے حوالدار، سبنیس اور سرلوبت، یہ عہدے قائم کئے۔ یہ فوجی ایک ایک کارکھانس کے ماتحت مل کر کام کرتے تھے۔ بڑے بڑے قلعوں پر پانچ پانچ سات سات تک کارکھانس مقرر کئے جاتے تھے۔ فوج میں پیدل توپ خانہ اور تیر اندازوں کے منظم دستے موجود تھے۔ ہر دس سپاہیوں پر ایک "نائیک" مقرر ہوتا تھا۔ حوالدار اور سرلوبت مراٹھوں میں سے ہوتے تھے۔ سبنیس، برہمنوں اور کارکھانس، کایستھ پربھوؤں میں سے ہوتے تھے۔ گویا اس طرح فوجی نظام میں مختلف فرقوں کو باہم مشترک اور متحد کر دیا گیا تھا۔ یہ تمام تفصیلات اس دور کی "سبھاسد بکھر" میں وضاحت کے ساتھ درج ہیں۔

اسی فوجی تنظیم کے ضمن میں شیواجی کا اہم ترین کارنامہ بحری بیڑے کا قیام ہے۔ شیواجی نے ۱۶۵۹ء میں کلیان، بھیونڈی اور پین میں بیس بیڑے قائم کئے۔ ۱۶۶۴ء تک شیواجی کے پاس شمالی چول (چول، عہد قدیم میں جنوبی ہندوستان کا ایک خطہ)، میں پچاس بحری جہاز موجود تھے۔ حریف خشکی یا تری، جس سے بھی حملہ آور ہو، مقابلے کے لئے شیواجی کی فوجیں ہر وقت مستعد اور تیار ہوتی تھیں۔ یہ فوجیں دشمن کی رسد کاٹنے اور روکنے میں، محاصرے کرنے میں اور داخلی حملوں کے فن میں بڑی مہارت رکھتی تھیں۔ خفیہ جاسوسی اور خبر گیری کے شعبے میں بہرجی نائیک جیسے ہوشیار، چالاک اور قابل لوگ شامل تھے۔ انگریزوں نے شیواجی کی ان انتظامیہ صلاحیتوں کی سورت کے ریکارڈوں میں خاصی تعریفیں کی ہیں۔

قلعوں کی تعمیر

فوجی انتظامیہ کے نقطۂ نظر سے شیواجی کا ایک اور اہم کارنامہ سندھودرگ جیسے اہم مقامات پر ناقابل تسخیر قلعوں کی تعمیر ہے۔ گ۔ن داندیکر جیسے مراٹھی زبان کے ناول نگار نے، ہر قلعے پر جا کر، تعریفی اور توصیفی بیانات تحریر کئے ہیں، جبکہ شیواجی نے مشکل سے مشکل مقام پر پہنچ کر ہر قلعے کی برج بندی کی۔ اس ضمن میں سینہہ گڑھ، رائے گڑھ، راج گڑھ، سبجان گڑھ، پنہال گڑھ وغیرہ قلعے قابل ذکر ہیں۔

ان تمام قلعوں کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی داؤ پر لگا دینے والے جانباز سپہ سالار اور بہادر سپاہیوں کی ایک طویل فہرست ملتی ہے۔ باجی دیشپانڈے، مرارجی باجی، رام جی پنگارے، نارائن بابوجی، تاناجی مالوسرے، سوریہ راؤ کاکڑے، پرتاپ راؤ گجر، ناگوجی جیدھے، باجی لپلکر، جیسے کئی بہادروں کے نام شیواجی کی جنگ آزادی میں شہید ہونے والوں کی فہرست میں ملتے ہیں — ان ہی کے ساتھ مورو پنت پنگلے، اناجی دتو، نراجی راؤجی، ہمبیر راؤ موہتے، فرنگوجی نرساڑے، سرجے راؤ جیدھے، آنند راؤ، ستاجی، ہیروجی، کونڈاجی فرزند جیسے افسران کے نام بھی آتے ہیں۔ انتظامیہ کے تعلق سے شیواجی نے "اشٹ پردھان منڈل" قائم کیا تھا۔ شیواجی انتظام حکومت اور سیاست میں گہری سوجھ بوجھ کے مالک تھے۔

شیواجی کی ادب دوستی اور لغت کی تالیف

شیواجی پڑھے لکھے تھے یا نہیں، اس کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ کچھ لوگوں نے شیواجی کی تحریر کردہ نظمیں (یقیناً مراٹھی زبان میں) اور ہندی شاعری کے کچھ نمونے پیش کئے ہیں۔ دوسری طرف ان کے دستخط کہیں دیکھنے کو نہیں ملتے لیکن نامدیو، گیانیشور، ایکناتھ وغیرہ کی شاعری کے ساتھ ساتھ گورا کمبھار، ساوتا مالی، سینا نائی وغیرہ وٹھل بھگتوں اور سنت کویوں کی بانی کا بھی شیواجی کے دل پر بچپن سے ہی گہرا اثر دکھائی دیتا ہے۔ سمرتھ رامداس اور شیواجی کی ملاقات کے تعلق سے سمرتھ کے شیواجی کو لکھے ہوئے ایک خط سے جو "داس بودھ" میں درج ہے۔ یہ شہادت ملتی ہے کہ شیواجی۔ سنتوں، صوفیوں کی کس قدر قدر کرتے تھے۔ ۱۶۷۲ء میں چاپھل میں سمرتھ رام داس کے مٹھ کو شیواجی نے ۵۳۳ گاؤوں کا محصول اد

۱۰۱۴ بیگھہ زمین انعام میں دی ہیں۔ پٹ گاؤں کے مونی لوا سے بھی شیواجی کو بے پناہ عقیدت تھی۔

کئی سنسکرت، مراٹھی، ہندی، شاعروں کو بھی شیواجی نے اپنی نوازشات سے نوازا ہے۔ جے رام پنڈیے نے، ' رادھا مادھو ولاس چمپو ' اور ویر نال پروت گرہنار کان، سنسکرت میں تحریر کیں — بھوشن نے 'شیوبا فی' لکھی۔ بھوشن جی شیواجی کے مداحوں میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اگیان داس اور تلسی داس 'پوواڑے (رزمیہ گیت) ایک ہی دور کے مانے جاتے ہیں۔

شیواجی کی ہدایت کے مطابق، رگھوناتھ پنڈت — اور دھنڈی راج ویاس نے سیاسی اور نظام حکومت سے متعلقہ فارسی، عربی، ترکی اور دکنی اردو کے الفاظ کے، سنسکرت مترادفات تلاش کر کے، 'راجیہ ویوہار کوش'، تالیف کی۔ اس سے، اس وقت تک مراٹھی زبان میں فارسی، عربی — اور ترکی اصطلاحات اور الفاظ کی جو کثرت تھی، وہ کم ہوئی۔ ۱۹۴۸ء میں مہاپنڈت راہل سانکرتیاین نے جو ہندی میں، شاسن شبد کوش کی تخلیق کی، اس میں، میں نے معاون مدیر کی حیثیت سے کام کیا اور اس کے بعد، سیاجی راؤ گائیکواڑ کی طرف سے تالیف کئے جانے والے شبد کوش (لغت) کی تالیف میں، میں نے مہاپنڈت سانکرتیاین کا تعاون حاصل کیا۔

یہی وہ باتیں ہیں جن کے سبب، شیواجی، آج تک بے شمار ادیبوں اور شاعروں کے لئے تحریک کا مرکز بنے رہے ہیں — مراٹھی میں ہری نارائن آپٹے کے "گڑھ آلا پن سنہہ گیلا" سے وسنت کانٹیکر کے "رائے گڑھ الا جیو ںہا جاگ ییتے" تک سینکڑوں تاریخی ناول، ڈرامے، مضامین اور تاریخی تصنیفات صرف مراٹھی میں دستیاب ہیں۔

شیواجی اور دیگر اقوام

یہ بار بار کہا جاتا ہے کہ شیواجی، ہندوؤں کے علاوہ دیگر قوموں کے لوگوں کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، یہ بات یکطرفہ اور تاریخی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ شیواجی نے کیلوشی کے پیر بابا یعقوب کے لئے وطن داری (مذہبی وظیفہ یا انعام) مقرر کر دی تھی۔ ان کی فوج میں کئی سپہ سالار، توپچی، صو... اور دیگر اعلیٰ افسران مسلمان تھے۔ انہوں نے لڑائی کا فن دشمنوں اور حریفوں سے ہی سیکھا تھا۔ برہان ناصر کے مو... سید احمد طبا طبائی نے شیواجی کے مراٹھا گھڑ سواروں کا مقابلہ سپاہیوں کے ساتھ کیا ہے۔ شیواجی نے اپنی فوج کے پیدل گھڑ سوار دستوں کو بڑے ماہرانہ انداز میں تربیت دی تھی۔ ش... نے ۱۶۶۷ء میں گوا میں پرتگالیوں سے ان مظالم کا انتقا... تھا۔ ان میں مذہبی تعصب کا شائبہ تک نہیں ملتا تھا۔ ر... مادھو اچاریہ پاگڈی نے اپنی کتاب " چھترپتی شیواجی" (صفحہ ۶... ۱۸) میں لکھتے ہیں۔ شیواجی کو غیر مذاہب کے صوفیوں، وا... اور پیروں فقیروں سے ان کے مقدس مقامات سے عقیدت تھی۔ شیواجی نے کسی مسجد یا کسی گرجا کو کبھی کوئی (نہیں پہنچایا۔ ساقی مستعد خان جو اورنگ زیب کی سوا... 'معاصر عالمگیری' کے مصنف تھے، اپنی کتاب میں ہند... پر مغلوں کی طرف سے ہونے والے مظالم کی تائید کرتے... شیواجی نے بندیلی راجہ چھترسال کو بھی ان مظالم کے خلاف... کے مقابلے کے لئے تیار کیا۔

شیواجی: ایک غیور محبِّ وطن

شیواجی کی خاص خوبی یہ تھی کہ وہ نہایت غیور اور ع... تھے۔ مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر سے تضحیک کے لئے جرح اور بحث کی تھی۔ انہیں بادشاہ... کر لیا لیکن مٹھائی کی پیٹیوں میں چھپ کر اور سنیاسیوں کا بدل کر انہوں نے اس قید سے چھٹکارا حاصل کیا۔ اورنگ... پر شیواجی کا غصہ اس کے مسلمان ہونے کے سبب نہیں... اس کے غیر منصفانہ برتاؤ کے سبب تھا۔ اورنگ زیب... بے رحم تھا۔ اس نے اپنے باپ کو نظر بند کر دیا تھا۔ اپنے... دارا شکوہ پر مظالم ڈھائے تھے۔ اس نے صرف ہند... سے "جزیہ" وصول کر کے، انہیں دوسرے درجہ کا شہری بنا... اس کے عامرانہ رویے کے خلاف، شیواجی ایک گوریلا... کی طرح تن کر کھڑے ہوئے اور مقابلہ کیا۔

انہیں صرف افضل خان اور شائستہ خان سے ... لینا پڑا بلکہ جے سنگھ جیسے مغلوں سے ملے ہوئے ...

سے بھی لڑنا پڑا۔ اور پرتگالیوں اور فرنگی۔ انگریزوں سے بھی وہ لڑے، ڈچ اور فرانسیسیوں سے بھی انہوں نے "ڈپلومیسی" ہی برتی۔ شیواجی جانتے تھے کہ ان سب لوگوں سے لڑنا ضروری ہے جو بک چکے ہیں، دشمن کے تابع اور مطیع ہو چکے ہیں۔ کرناٹک اور تامل ناڈو تک ان کی فوجی مہمات اس بات کی عمدہ مثالیں ہیں۔

شیواجی سب سے پہلے، غلامی سے نجات کا منتر سکھانے والے صرف مہاراشٹر ہی کے نہیں، ہندوستان کی تاریخ میں ایک عظیم شخصیت کے حامل ہیں ــــ پرتھوی راج چوہان اور رانا پرتاپ سنگھ کے بعد محبانِ وطن کی فہرست میں شیواجی کا نام آتا ہے۔ ایک محبِ وطن کو سیاست اور ملک کے انتظامیہ کی بھی اچھی سوجھ بوجھ ہونی چاہیئے۔ اسے اپنے باہر اور بھیتر کے دشمنوں سے ہر طرح، ہر وقت چوکنّا اور ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اسی طرح شیواجی نڈر تھے، مستقل مزاج تھے۔ عام لوگوں کو متحد کر کے، ان کی خیر خواہی چاہنے والے تھے۔ وہ ہر مذہب کے لئے نیک جذبات کے حامل تھے اور سانی معاملات میں دور اندیشی سے کام لینے والے، عظمت کی ایک عجیب وغریب تصویر تھے۔

عورت کا احترام کرنے والا عظیم انسان

شیواجی پر بچپن ہی سے ماتا جیجا ماتا کا بہت اچھا اثر پڑا ہے۔ باپ شاہ جی ساتھ نہیں تھے۔ ان کا چھ برس سے بارہ برس تک بچپن مذہب میں انتہائی عقیدت رکھنے والی اسی ماں کے ممتا بھرے سائے میں گزرا۔ وہ ماں سے برابر رامائن اور مہابھارت کی کتھائیں سنتا رہا۔ بارہ برس کی عمر میں سئی بائی سے شادی ہوئی جو پھلٹن کے نمبالکر خاندان سے تھی۔ سئی بائی سے شیواجی کے تین بیٹیاں اور ایک بیٹا سمبھاجی تھا ــ اٹھارہ برس کی ازدواجی زندگی کے بعد سئی بائی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد شیواجی کی سگنا بائی، سکوار بائی، کاشی بائی، پتلی بائی ــ، سوئیرا بائی، لکشمی بائی، اور گنونت بائی ــ یہ سات بیویاں ہوئیں۔ ان کا دوسرا بیٹا، راجہ رام، سوئیرا بائی سے تھا۔ شیواجی عورت ذات کا بڑا احترام کرتے تھے۔ کلیان کا خزانہ لوٹنے پر نواب زادی کو عزت اور احترام کے ساتھ واپس بھجوا دینے کی کہانی کافی مشہور ہے۔ شیواجی کی زندگی میں غیر عورتوں سے تعلق سے کہیں کوئی بات دیکھنے سننے کو نہیں ملتی۔ غرض شیواجی نہایت نیک اخلاق تھے۔ وہ بری عادتوں سے قطعی پاک تھے۔ ا[illegible] کا اپنے بیٹے سمبھاجی سے اختلافِ رائے اسی لئے رہا کہ وہ کا[illegible] رنگین مزاج واقع ہوا تھا۔ سمبھاجی کو مغلوں نے قید کر کے قت[illegible] کر دیا تھا۔

شیواجی کو مختلف شاعروں کی طرف سے خراجِ عقیدت

کوی پرمانند نے سنسکرت میں شاعرانہ تخلیق، شیو بھار[illegible] پیش کی۔ اگیان داس نے پوواڑے (رزمیہ نظمیں) لکھے۔ تا[illegible] کوی سبرینم بھارتی نے اس تخیل کی بنیاد پر کہ شیواجی اپنے سپاہ[illegible] سے خطاب کر رہے ہیں بے حد خوبصورت نظمیں لکھی ہیں۔ رویندر ناتھ ٹیگور نے "شیواجی اتسو"، سوریہ کانت ترپاٹھی نرالا۔ شیواجی کا راجہ جے سنگھ کو پتر، جاگو پھر ایکبار ــــ گدکری[illegible] بال شیواجی کو پالنے میں جھلاتے کا گیت، کوی یشونت[illegible] شیواجی پر مہاکاویہ (مثنوی)، اوما شنکر جوشی کی نظم "شیو نیر[illegible] وغیرہ کی تخلیقات ہیں جو شیواجی کی زندگی سے متعلق ہیں ــ ا[illegible] تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔

(ترجمہ: مرزا ساز قاسمی)
149Q14A، فیت والا کمپاؤ[illegible]
پائپ روڈ کرلا، بمبئی ۷۰۰۰۰



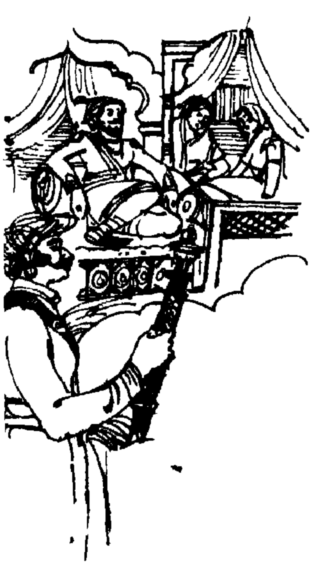
ڈاکٹر بی۔ڈی۔تیواری

ڈائریکٹر، ریسرچ سینٹر
اے/۱، آسرا ہاؤسنگ سوسائٹی
ہوٹگی روڈ۔ سولاپور۔ ۴۱۳۰۰۳

چھترپتی شیواجی اور کوی بھوشن

ایک تاریخی غلط بیانی کا ازالہ

چھترپتی شیواجی کی شخصیت میں جذبۂ حب الوطنی کے ساتھ عورتوں کی عزت نیز آزادی، مساوات، انصاف اور اخلاقی قدروں کے لئے تڑپ اور لگن جیسی صفات پائی جاتی تھیں۔ ان صفات کی وجہ سے وہ انسانوں میں خودداری، فرض شناسی، سماجی خدمت، سیاسی آزادی، مذہبی رواداری اور بنیادی حقوق کے تحفظ کی جوت جگانے والی ہستی قرار پائے۔ بطور قومی ہیرو ان کی مختلف النوع صفات میں دو قابل ذکر صفات یہ ہیں ــــ اوّل تو یہ کہ وہ زندگی کے ہر پیچیدہ مسئلہ کے حل کے لئے منصوبہ بند طریقے سے کام کرتے تھے اور دوسرے ان کی قابل رہنمائی۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود چھترپتی شیواجی سے متعلق شری سی۔اے۔کنکیڈ (C.A.KINCAID) اور شری ڈی۔بی۔پرسنس (D B PARASNIS) کا یہ کہنا کہ مورخین نے جتنی شیواجی کی مٹی پلید کی ہے اتنی شاید ہی ۔۔۔ سے تاریخی کردار کی ہو۔ قابل غور ہے۔



" Shivaji has, by a curious fate, suffered more at the hands of historians than any other character in history. "

" A History of the Maratha People. "
—C. A. Kincaid and D. B. Parasnis,
Vol. I, page 271



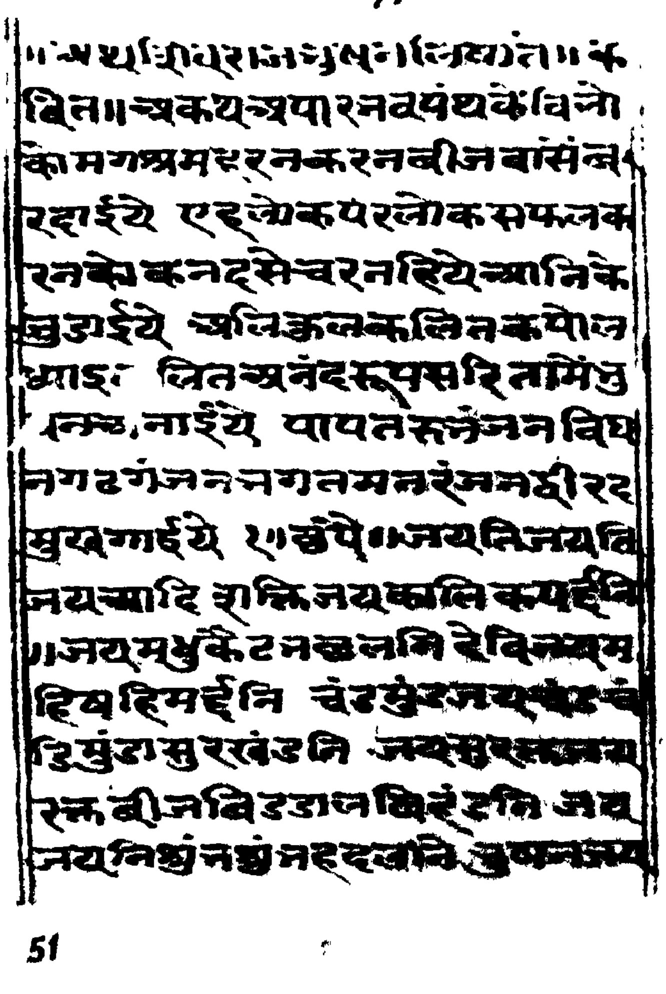
بعض مورخین نے شیواجی کو ڈاکو اور باغی جیسے ناموں سے یاد کیا ہے تو بعض اس کا نام قیصر اور سکندر کے ساتھ لیتے ہیں۔

معروف مورخ خافی خان اورنگ زیب کے تئیں اپنی وفاداری کی وجہ سے شیواجی کے لئے نازیبا کلمات استعمال کرتا ہے جبکہ دوسری جانب بکھر نویس اور کوی

حقائق درج ذیل ہیں ۔

کوی بھوشن نے "شیواجی بھوشن وکرم سموت ۱۷۳۰' میں Suchi Wadi Teras Lhau کے موقع پر لکھا' مہاراشٹر کلنڈر کے مطابق وہ اتوار کا دن تھا ۔ وہ دن جیٹھ کرشنا ترپودشی کا تھا۔ جبکہ شمالی ہند کے کلنڈر کے مطابق وہ دن اشاڈ کرشنا ترپودش کا تھا ۔ شری جنار دھن بالاجی موڈک نے کادیہ اتہاس حصہ ۔ ۳۰، شیوراج بھوشن ۔ کادیہ گن پرکاش چھاپ خانہ پونے ۔ ۱۸۸۹ میں یہ تاریخ حرفوں اور ہندسوں میں درج کی ہے ۔ اس کی توثیق شیوراج بھوشن کے اصل مسودے کے پہلے اور آخری صفحے سے بھی ہوتی ہے ان صفحوں کا متن ذیل میں درج ہے ۔

پہلا صفحہ


॥ अथ शिवराजभूषन लिख्यते ॥ क
बित ॥ अकथ अपार भवपंथ के बिस्रो
का मग श्रम हरन करन बीज बासं [illegible]
रहाइये एह लोक परलोक सफल क
रन को कनदसे चरन हियें आनि के
जु डाइये अलि कुल कलित कपोल
ध्याइ चित आनंद रूप सरि तामें जु
नन्द, नाइये पाप तम पुंज न बिघ
नगर गंजन नगत मन रंजन रद
सुख गाइये १ ॥ दोहा ॥ जय जयति
जय आदि शक्ति जय कालि कपर्दिनि
॥ जय मधुकैटभ छलनि देवि जय म
हिष बिमर्दिनि चंड मुंड जय [illegible]
तु मुंडासुर खंडनि [illegible]
रक्तबीज बिड़डाल बिदारनि जय
जय निसुंभ सुंभ दलनि [illegible]



، بھوشن ، متی رام وغیرہ اسے گائے ۔ ۔ رتہن در
م، ذات ، مذہب اور قوم کا نجات دہندہ قرار
سے بھگوان وشنو کا اوتار بتاتے ہیں
رخلا نے شیواجی ہی کی طرح ان سے شاعر کوی بھوشن
، بھی زیادتی کی ہے ۔ شری وی کے راجواڑے شری
، بیندرے[3] ، ڈاکٹر جی ۔ ایس سر دیسائی[4] ___ اور
یہ دتوواس پوندار کے مطابق بھوشن نہ صرف
ے معاصر تھے بلکہ ان کے درباری شاعر بھی تھے ۔
پنی مشہور کتاب شیوراج بھوشن لکھی تھی ___ اس
کچھ اور مورخ بھی متفق ہیں" ۔ دوسری طرف ست
تھ سرکار کے مطابق بھوشن کی پیدائش شیواجی
کے دو سال بعد ہوئی اور اس کی تصانیف شیواجی
ی شان میں لکھی گئی ہیں ۔
چار ھوناتھ سرکار کا مذکورہ بیان غلط بے بنیاد
ی ہے ۔ اس کی حیثیت رائے زنی سے زیادہ نہیں ۔
، اور اس کی تصانیف کے ساتھ زیادتی ہے ۔

۱۳ اپریل ۱۶۸۰ء کو ہوئی ۔

> "The Hindi poems of Bhushan have been rejected as totally unhistoric; indeed Bhushan is now held to have been born two years after the death of Shivaji and to have written to gratify his grandson Rajah Shahu."
>
> "Shivaji and His Times."
> —J. N. Sarkar, IV Edition, 1948, page 378.

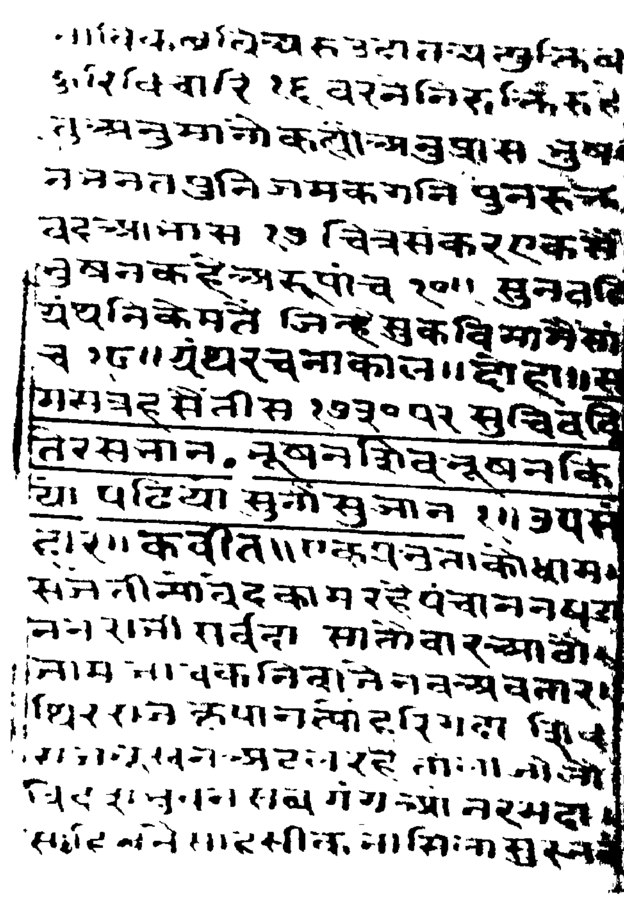
سر جادو ناتھ سرکار کی تصنیف "SHIVAJI AND HIS TIMES" کے مطابق کوی بھوشن، شیواجی کی وفات کے دو سال بعد یعنی ۱۶۸۲ء میں پیدا ہوئے اور مذکورہ بالا چار مخطوطات پر درج تاریخ کے مطابق کوی بھوشن نے اپنی تصنیف ۲۱ جون ۱۶۷۴ء کو مکمل کر لی تھی ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ۱۶۷۴ء میں شیوراج بھوشن لکھنے کے آٹھ برس بعد کوی بھوشن کیسے پیدا ہوئے یا پھر کوی بھوشن نے اپنی پیدائش سے آٹھ برس قبل یہ کتاب کیسے لکھی ؟

متعدد تاریخی اور ادبی شہادتوں کی روشنی میں یہ بات وثوق سے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ کوی بھوشن اور شیواجی نہ صرف معاصر تھے بلکہ کوی بھوشن مراٹھا دربار کے شاعر تھے اور ان کی حیثیت دربار کے شاعرِ اعظم کی تھی ۔ ذیل میں بعض شہادتیں درج ہیں ۔

(۱) کوی بھوشن اپنے بڑے بھائی مہا کوی چنتامنی کے ہمراہ ۱۲ مئی ۱۶۶۶ء کو اورنگ زیب کے دربار میں اس وقت موجود تھے جب دکن کا شیر (چھترپتی شیواجی) مغل دربار میں داخل ہوا تھا ۔ اس موقع پر کوی بھوشن نے اورنگ زیب اور شیواجی کے چہرے سے تاثرات کو بڑی باریک نگاہ سے دیکھا اور اس کا ذکر اپنی زیرِ بحث تصنیف میں کیا۔ کوی بھوشن

साहि रह्यो-जकि गिवसाहि रह्यो तकि,
और चाहि रह्यो चकि बने ब्यौंत अनबल के ।
ग्रीषम के भानु सो खुमान को प्रताप देखि,
तारे सम तारे गये मुंदि तुरकन के ।।

آخری صفحہ



اس مسودے کی مزید تین کاپیاں دستیاب ہیں ۔ ایک سرسوتی لائبریری کاشی راج سا مگرالیہ رام نگر فورٹ وارانسی میں ہے ۔ دوسرا وارانسی ہی کے شری یا پوراؤ وشنو پراڈکر سانگرالیہ میں ہے اور تیسرا میرے ذاتی تحقیقی مرکز واقع ۱۰-۱-۱۷ آسرا ہاؤسنگ سوسائٹی ۔ ہوٹگی روڈ سولا پور میں محفوظ ہے اس پر بھی وہی تاریخ درج ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے ۔

عیسائی کلنڈر کے مطابق اس مسودے کی تاریخ ۲۱ جون ۱۶۷۴ء ہوتی ہے ۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کوی بھوشن نے شیوراج بھوشن، شیواجی کی رسم تاج پوشی کی ۱۵ ویں سالگرہ کے دن مکمل کی ۔ ڈاکٹر بی ۔ ایس سردیسائی، ڈاکٹر بال کرشنا اور دوسرے معروف مورخوں کے مطابق شیواجی کی وفات

نے ۲۱ مئی ۱۶۶۶ء کو مغل دربار میں شیواجی کی آمد ، انہیں
ہزاروں منصب داروں کے ساتھ کھڑے رہنے کے لئے
کہے جانے اور غصے میں بھرے ہوئے شیواجی کے مغل دربار
سے الٹے پاؤں نکل جانے جیسے واقعات کو بیان کرتے
وقت لفظ " آپ " کا استعمال کیا ہے ۔ مرزا راجہ جے سنگھ

जसन के रोज यों जलूस गहि बैठो, जोऊब
इन्द्र आवै सोऊ लागै औरंग को परजा ।

ے بیٹے رام سنگھ نے دربار میں شیواجی کو سمجھانے کی جو
وشش کی تھی کوی بھوشن نے اس کا بھی ذکر کیا ۔ اس روز کے
غل دربار کے واقعات جو فارسی "راجستھانی ـــ اور مراٹھا
دستاویزات میں درج ہیں' ان سے کوی بھوشن کا بیان
دری طرح میل کھاتا ہے ۔

(ii) مغل دربار میں شیواجی کے رویے سے بھوشن بہت
متاثر ہوتے ۔ ۱۷ اگست ۱۶۶۶ء تک شیواجی آگرہ میں
ہے اور بعد میں وہاں سے فرار ہوکر بہ حفاظت رائے گڑھ
پہنچے ۔ بھوشن بھی ان کے پیچھے رائے گڑھ کی جانب چلا ہے ۔
در دونوں کی ملاقات ۱۶۶۷ء میں رائے گڑھ ضلع میں ہوئی ۔
بھوشن نے شیواجی کی شان میں شعر سنائے ۔ شیواجی متاثر
ہوتے اور انہیں اپنے دربار میں عزت بخشی ۔ رائے گڑھ ہی
ں بھوشن نے شیوراج بھوشن کی تالیف کا آغاز کیا ۔

दक्खिन के सब दुग्ग जिति, दुग्ग सहाय बिलास ।
सिव सेवक सिव गढ़पती, कियो रायगढ़ बास ।।

* * *

देसनि देसनि ते गुनी, आवत जाचन ताहि ।
तिनमे आयो एक कवि, भूषन कहिए जाहि ।।

ڈاکٹر ونکر ونا ئیک کالے کے مطابق کوی بھوشن شیواجی
ے رائے گڑھ میں اس وقت ملے جب شیواجی آگرہ سے
ئے گڑھ پہنچے ۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ رائے گڑھ کے نالابوں '
باغوں ، سڑکوں وغیرہ کا ذکر کرتے وقت کوی بھوشن نے
زمانہ حال کا صیغہ استعمال کیا ہے ۔

(iii) شیوراج بھوشن کی وجہ تالیف بیان کرتے وقت
کوی بھوشن کہتے ہیں ۔

सिव चरित्र लखि यो भयो, कवि भूषण के चित्त ।
भाँति भाँति भूषनति सों, भूषित करौं कवित्त ।।

یہاں لاکھی کا لفظ دیکھنے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے ۔
اگر بھوشن نے شیوراج بھوشن راجا شاہو کے دربار میں لکھی
ہوتی جیساکہ سرجادو ناتھ سرکار کہتے ہیں تو لاکھی کی جگہ لفظ سی
استعمال کرتے جبکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا وہ ایسا کر بھی
نہیں سکتے تھے ۔

(iv) چھترپتی شیواجی کوی بھوشن کے اشعار سے لطف
اندوز ہوتے تھے ۔ بھوشن کہتے ہیں ۔

जे सोहात सिवराज कों, ते कवित्त रसमूल ।

اگر بھوشن کی پیدائش شیواجی کی وفات کے بعد ہوتی
تو یہ کیسے ممکن تھا کہ شیواجی ، بھوشن کے اشعار سے
مطمئن ہوتے ؟

(v) بھوشن نے شیواجی کو مخاطب کرتے ہوئے واحد
حاضر کا صیغہ استعمال کیا ہے ـــ " اے شیر شیواجی
تمہارے شہرت کے جگمگاتے ہوئے آفتاب کی وجہ سے
مغلوں کے چہروں پر سیاہی چھا گئی ہے ۔"

श्री सरजा सिव, तो जस सेत सो,
होते हैं म्लेच्छन के मुख कारे ।

* * *

साहि के सपूत सिवराज समसेर तेरी,
दिल्ली दल दाबि के दिवाल राखी दुनीमें ।

* * *

भूषन भनत महाराज सिवराज आज,
तेराई जनम धन्य भू में जस कारते ।

(vi) بھوشن شیواجی کے دربار میں اپنی نظمیں سنایا کرتے
تھے جس میں زمانہ حاضر کے صیغہ میں شیواجی کے کارہائے

نمایاں کا ذکر ہوتا تھا ــــ "آج شیواجی کے دورِ حکومت میں فنکار اور شاعر محفوظ ہیں" ــــ "اے شیواجی مہاراج آج اس وقت آپ کی حیثیت ہمارے لئے جگدیو، جنک یایاتی جیسی ہے۔

संक नहीं सरजा सिवराज की,
आज दुनी में गुनी निरसं है ।

*　　*　　*

आज इहि समै महाराज सिवराज तुही,
जगदेव, जनक, जजाति, अंबरीक सों ।

(vii) بھوشن نے شیواجی کے معاصر حکمراں جیسے عادل شاہ قطب شاہ، نظام شاہ اور اورنگ زیب کا ذکر اپنے معاصرین کی حیثیت سے کیا ہے۔

(viii) بھوشن چونکہ برہمن تھے اس لئے انہوں نے چھترپتی کو کامیابی کی دعائیں دی ہیں۔

सिवाजी खुमान तेरो खग्गु बढ़े मान

*　　*　　*

भूषन असीसे तोहि

ظاہر ہے کہ زندہ آدمی ہی کو ایسی دعائیں دی جا سکتی ہیں۔ اگر بھوشن راجا شاہو کے دربار میں ہوتے تو شیواجی کو اس طرح دعائیں نہ دیتے۔

(ix) کوی بھوشن کے بڑے بھائی مہاکوی چنتامنی ــــ اورنگ زیب کے دربار سے وابستہ تھے لہٰذا اورنگ زیب نے چنتامنی کی معرفت بھوشن کو آگرہ آنے کی دعوت دی اس دعوت کا مقصد شیواجی کی تاسیا بزوں کا راز معلوم کرنا تھا۔

اورنگ زیب کی دعوت میں شیواجی کے دل میں اپنے تئیں بھوشن کی وفاداری کو مشکوک بنا دیا۔ لہٰذا کوی بھوشن اپنی جان پر کھیل کر آگرہ گئے۔ وہاں مغل دربار میں اورنگ زیب کے حضور میں انہوں نے اورنگ زیب کے خلاف سات شعر پڑھے

किबले के ठौर बाप बादशाह साहजहाँ,
वाको कैद कियो मानो मक्के आगि लाई है ।।
बड़ो भाई दारा वाकों पकरि के मारि डार्‌यौ,
मेहरहू नाँहि माँ को जायो सगो भाई है ।।
खाइके कसम त्यों मुराद को मनाइ लिए,
फेरि ताहू साथ अति कीन्हीं तैं ठगाई है ।
भूषन सुकबि कहै सुनो नवरंगजेब,
ऐसे ही अनीति करि पातसाही पाई है ।।

اور اپنی جان بچا کر سے نکل آئے۔ مغل دربار میں تعینات شیواجی کے جا... نے جب اس واقعہ کی تفصیل سے شیواجی کو آگاہ... شک و شبہات کے بادل چھٹ گئے۔ شیواجی نے بھوشن... رائے گڑھ قلعہ میں طلب کیا اور اس کی عزت افزائی... یہاں بھوشن نے ایک شعر سنایا جس میں اس کی اورنگ... سے ملاقات کا ذکر تھا۔

सिवा को बड़ाई औ हमारी लघुताई क्यो,
कहत पातसाह गरे बूझिबे को गरजा ।
सुनिये खुमान हरि ताको गुमान,
तिन्हें दोबे को जबाब कवि भूषन यों अरजा ।।
तुम वाको पाइकै जसूसऊ न छोरो,
वह रावरे वजीर छोरि देत करि परजा ।
मालुम तिहारी होत याही ते निवारो रन,
कायर सो कायर और सरजा सो सरजा ।।

(۶) بھوشن میدانِ جنگ میں مراٹھا فوج کے ساتھ کرتے تھے اور اپنے اشعار سے سپاہیوں کے حوصلے کرتے رہتے تھے۔ ایسی ہی ایک نظم میں انہوں نے شیو... فوج کے ہاتھوں بہادر خان کی شکست کا ذکر کیا ہے ــــ طرح ایک اور جگہ سنہ ۱۶[illegible]ء میں مراٹھا فوج کے سامنے مہتا کے ہتھیار ڈالنے کے واقعہ کا ذکر ہے۔

कौन करे बस बसुहि, कौन यहि लोक बड़ो अति ।
को साहस को सिन्धु, कौन रजलाल धरै मति ।।
को चकवा को सुखद, बसै को सकल सुमन महि ।
अट्ठसिद्धि नव निद्धि देत, माँगे सो को कहि ।।
जग बूझत उत्तर देत इमि, कवि भूषन कवि कुल सचिव ।
दच्छिन नरेस सरजा सुभट, साहिनंद मकरन्द सिव ।।

(xi) کوی بھوشن کا شیواجی سے راست تعلق تھا ـــ لہٰذا وہ شیواجی کے یہاں فوجی امور سے متعلقہ خفیہ الفاظ اور ان کے مفہوم سے واقف تھے۔ شیواجی اپنے چاق و چوبند اور پھرتیلے سپاہیوں کو پرندہ کہا کرتے تھے۔ بھوشن ایک مصرعے میں کہتے ہیں ـــ

छूटत कमान बान बन्दूकऽरु कोकबान,
मुसकिल होत मुरचान हू की ओट में ।।
ताही समै सिवराज हुकुम के हल्ला कियो,
दाबाबाँधि द्वेषिन पै बीरन लै जोट में ।।
भूषन भनत तेरी हिम्मत कहाँ लौं कहौं,
हिम्मति जहाँ लगि है जाकी भट जोट में ।।
ताव दै दै मूंछन, कँगूरन पै पाँव दै दै,
अरिमुख घाव दै दै कूद परे कोट में ।।

(xii) شیوراج بھوشن کی داخلی شہادتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھترپتی شیواجی کے دربار میں ان کی حیثیت کوی کل۔سچو کی تھی۔ کوی بھوشن کا ذکر کوی لوک ناتھ اور سنت شری تکارام مہاراج کی تصانیف میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہ دونوں ہستیاں چھترپتی شیواجی مہاراج کی محافظ تھیں۔

مہاراشٹر اور ہندی کے تعلقات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کوئی حیرت انگیز امر نہیں کہ شمال سے مہاراشٹر ہجرت پر کوی بھوشن کو شیواجی کے دربار میں کوی۔کل سچو کے عہدے پر مامور کیا گیا۔ بلاشبہ وہ ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ مہاراشٹر میں گیانیشور نامدیو، ایکناتھ، تکارام ـــ اور رام داس جیسے مراٹھی کے عظیم سنت شاعروں نے ہندی میں شعر کہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہاراشٹر میں ہندی شاعری کی روایت تھی۔

ہندی ادب کے مورخین نے کوی بھوشن کی چھ مستند تصانیف کا ذکر کیا ہے جن میں سے صرف ایک ہی مستند تصنیف دستیاب ہے اور وہ ہے "شیوراج بھوشن"۔ بھوشن الہاس، دوشن الہاس اور بھوشن ہزار آج دستیاب نہیں ـــ شیوبھوامی اور چھترسال دشک کو عموماً بھوشن کی تصانیف قرار دیا جاتا ہے لیکن یہ ان کے کلام کے دو انتخابات ہیں۔ شیوبھوامی میں بھوشن کے باون شعر منتخب کئے گئے ہیں جن میں چھترپتی شیواجی کی شجاعت، جوانمردی، فوجی راج

بہادری کی تعریف ہے جبکہ چھترسال دشک میں پنا کے مہاراجا شری چھترسال بندیلا کی توصیف میں لکھی گئیں دس نظمیں شامل ہیں۔

گذشتہ ۲۰ سالوں کے دوران بھوشن اور شیواجی سے متعلق ہندوستان اور ہندوستان سے باہر اپنی تحقیقی سرگرمیاں کے نتیجے میں مجھے بھوشن کی ۵۸۸ نظمیں ملی ہیں جن میں سے ۳۴۵ شیوراج بھوشن میں شامل ہیں اور ۶۲ شیوبھوامی اور چھترسال دشک میں پائی گئیں باقی ماندہ نظمیں اورنگ زیب، مرزا راجہ جے سنگھ، ان کے بیٹے راجہ رام سنگھ۔ چھترپتی شری ساہوجی مہاراج، باجی راؤ پیشوا اور مختلف ریاستوں کے حکمراں شامل ہیں جن کے دربار میں کوی بھوشن حاضر ہوتے تھے۔ بھوشن کی ۴۰ نظمیں محبت، شہوت اور عورت کے حسن سے متعلق ہیں۔

چھترپتی شیواجی کی وفات کے بعد بھوشن زیادہ تر پنا کے مہاراجا چھترسال بندیلا کے یہاں رہے۔ چھترپتی شری سمبھاجی مہاراج کے دورِ حکومت میں وہ مہاراشٹر میں نہیں تھے تاہم چھترسال کا پیغام لے کر ایک مرتبہ وہ شری ساہو مہاراج کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ان کی شان میں قصیدے پڑھے اور درخواست کی کہ وہ چھترسال کی مدد کے لئے مراٹھا فوج روانہ کریں۔

چھترپتی شری ساہوجی مہاراج نے یہ درخواست قبول کی اور ۱۲ مارچ ۱۷۲۹ء کو شری باجی راؤ پیشوا مراٹھا فوج لے کر بندیل کھنڈ میں داخل ہوئے۔ چھترسال بندیلا کے دربار میں پیشوا کے استقبال کے لئے منعقدہ تقریب میں کوی بھوشن نے باجی راؤ کی شان میں قصیدہ پڑھا۔ اس موقعہ پر پیشوا اور چھترسال کے مابین ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے پیشوا نے BANGASH کے خلاف بندیل کھنڈ کی حفاظت کا ذمہ لیا پیشوا نے BANGASH پر حملہ کیا۔ اسے شکست فاش دی اور اسے اس شرط پر معاف کیا کہ وہ پھر کبھی بندیل کھنڈ کی سرحدوں پر نظریں اٹھا کر بھی نہیں دیکھے۔

کوی بھوشن نے اپنا آخری نظم اشٹھیر کے شری بھگونت راؤ کھیچی کی وفات پر لکھی اور خود ۱۷۳۵ء کو

وفات پاگیا۔

بھوشن حب الوطنی اور شجاعت کا شاعر تھا۔ اس کے نزدیک شیواجی محض سرپرست بادشاہ نہیں بلکہ ایک قومی ہیرو تھے جو ایک آزاد ریاست کے قیام کے لئے بہادری اور جوانمردی کے ساتھ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا رہا تھا وہ انتہائی خلوص، عقیدت اور دیانت داری کے ساتھ شیواجی سے وابستہ تھے اپنی شاعری میں انہوں نے شیواجی کو قومی رہنما کی حیثیت سے پیش کیا اور اس کی وضاحت اور توثیق کی اور ان واقعات کا ذکر کیا جن کا وہ عینی شاہد تھا۔

जोर कसियान को है, तेग खुरासानहू की,
जीति इंग्लेंड, चीन हुन्नर महोवरी।
हिम्मत अमान मरदान हिंदुवानहू की,
रस अभिमान हबसान हर कावरी ॥
मेकी अरबान, सान अवध ईरान,
त्योंही क्रोध तूरान क्यों फरांस फंद आवरी।
भूषन भनत इति देखिए महीतल पै,
बीर सिरताज सिवराज की बहावरी ॥

کوی بھوشن کے مطابق شیواجی ماہر جنگ جو تھے۔ صحت مند سماجی اور اخلاقی قدروں کے نگہبان تھے۔ انہوں نے مغلوں کے حملوں سے دکن کی حفاظت کی۔ انہوں نے ہندو دھرم کے محافظ کی حیثیت سے کام کیا۔ وہ گھوڑے کی پیٹھ پر ننگی تلوار ہاتھ میں لئے سواری کرتے تھے۔ ان کی شخصیت اس قدر بارعب تھی کہ تیروں، برچھیوں، بندوق کی گولیوں اور توپ کے گولوں کی بوچھاروں کے باوجود پرندے (چاق و چوبند اور پھرتیلے سپاہی) قلعوں پر چڑھ جاتے تھے اور انہیں فتح کر لیتے تھے۔ ان کی رہنمائی میں ماوَلے سپاہی دشمن کی فوج کا صفایا کر دیتے تھے۔ شیواجی نے عادل شاہ، قطب شاہ، نظام شاہ اور اورنگ زیب کے کئی قلعے فتح کر لئے۔

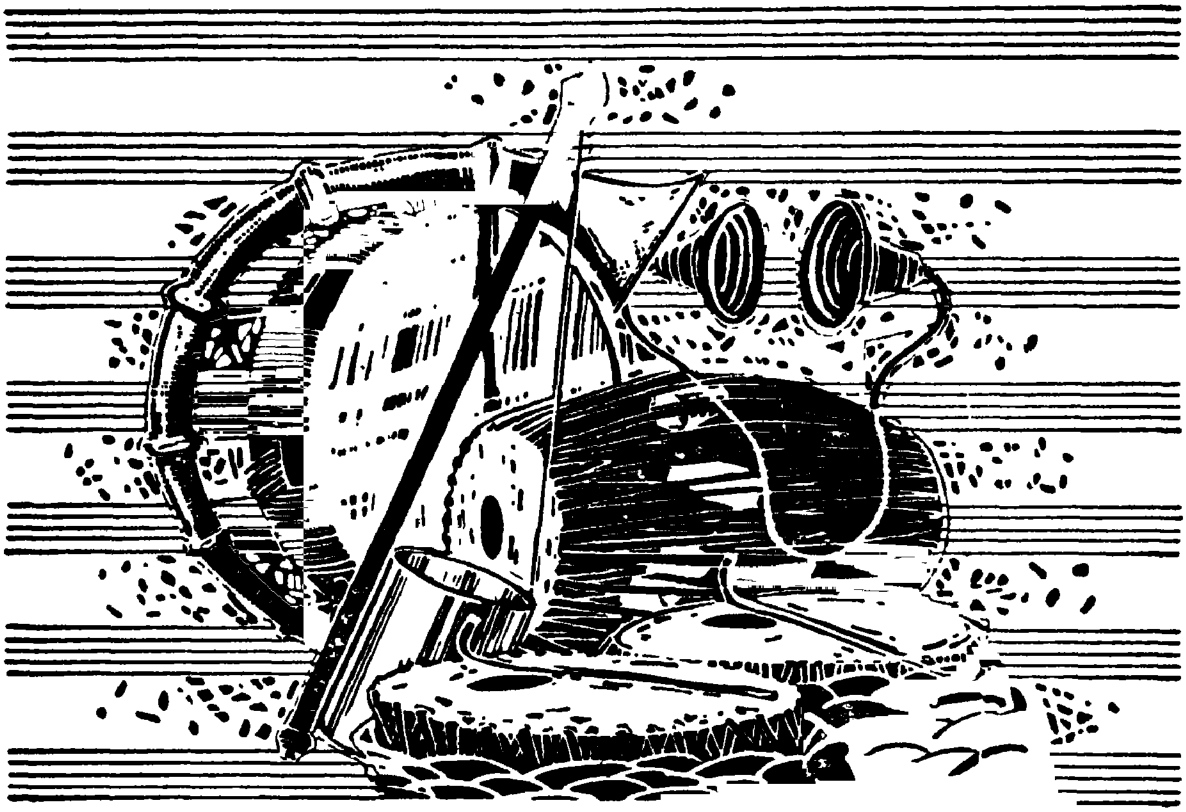
کوی بھوشن نے چھترپتی شیواجی کی ستائش میں ۵۲ صفات استعمال کی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔ — شیر، عظیم بہترین سپاہی، ماہر جنگ جو، شہنشاہ، بھوسلے راجا، دکن کا شیر، غریبوں کا ان داتا، چھترپتی بنی نوع انسان کا بادشاہ، ہندوؤں کا حکمراں۔ سخی، مذہب کا پاسبان، مراٹھا فوج کی ریڑھ کی ہڈی، ہندو دھرم کا ستون، فیاض قلعہ ساز و محافظ قلعہ، لائق شاہی منتظم، بہترین بادشاہ، عظیم ہیرو، زمین کا سورج، نیک دل، نیک صفت، صاف دل انسانیت کی مثال، اپنی ذات، مذہب، عوام اور قوم کو چاہنے والا، جنگی امور کا ماہر، بے پناہ ذہنی استعداد کا مالک، شاعری اور شاعروں کا قدرداں، مراٹھوں کا مالک — وغیرہ وغیرہ۔

کوی بھوشن نے ایک جگہ چار مصرعوں میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ شیواجی کی متعدد صفات کو یکجا کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ

सुंदरता गुरुता प्रभुता भनि भूषन होत है आदर जामे।
सज्जनता औ दयालुता, दीनता, कोमलता झलके परजा में।
दान कृपानहु को करिबो, करिबो अभय दीनन को बर जामें।
साहस सों रन टेक, विवेक, इते गुन एक सिवा सरजा में ॥

شیواجی خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔ طبعاً وہ سنجیدہ مزاج تھے۔ ان میں شاہانہ وقار پایا جاتا تھا ان کے عادات و اطوار، ان کا رویہ اور سلوک اس درجہ بارعب ہوتا تھا کہ دیکھنے والے کے دل میں ان کے لئے عزت و احترام کا جذبہ بیدار ہوتا تھا۔ وہ ایک نیک سیرت شخص تھے۔ رحم دل تھے انہیں عوام کے دکھ درد کا احساس تھا۔ غریبوں، برہمنوں اور شاعروں کو عطیات دینے میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ تلوار بازی میں ان کا کوئی مقابل نہیں تھا۔ وہ ایک بے خوف جنگ باز تھے جنگی امور کو سرانجام دینے میں اپنی بے پناہ استعداد و ذہانت سے خوب کام لیتے تھے۔ وہ قوم کی کشتی کے کھویا تھے۔ اور انہیں مادر وطن سے بے پناہ عقیدت تھی — یہ امر قابل ذکر ہے کہ بھوشن وہ پہلے شاعر ہیں کہ جنہوں نے شیواجی کو ایک عالمی ہیرو قرار دیا۔ ایک جگہ وہ کہتے ہیں کہ شیواجی اتنے ہی مضبوط ہیں جتنے روسی۔ وہ خراساں کے

(باقی صفحہ ۱۵ پر)



صدائیں کئی سُر ایک
ہم سب ہیں ایک

سازکئی، آوازیں اَنیک
سازوں اور آوازوں کا
دِلکش سنگم
جنم دیتا ہے، سُریلے سنگیت کو

دیش بھی اِسی طرح ہے، رنگ برنگی جاتیوں،
نسلوں اور مذہبوں کا حسین سنگم، ہم آہنگی،
یک جہتی اور اتحاد کا امین، مضبوط، اٹوٹ،
استوار اور پائیدار۔

قومی یک جہتی کو فروغ دیجئے۔ دیش کو مضبوط بنایئے

محکمۂ اطلاعات و رابطۂ عامہ، حکومتِ مہاراشٹر،



ون مالا دیوی

چھترپتی شیواجی مہاراج

ایک تاریخ ساز شخصیت

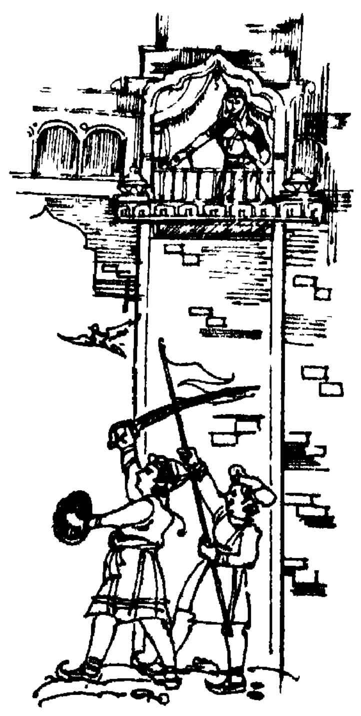
شری چھترپتی شیواجی مہاراج اپنے وقت میں صدیوں پرانے عظیم آریائی فلسفہ اور تہذیب کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ وہ ایک معزز شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا اخلاقی معیار بہت بلند تھا۔ انہیں کم سنی ہی سے اپنے ملک کی عظیم ہستیوں اور فلسفیوں کی تعلیمات سے بہرہ مند کیا گیا تھا۔ پرمانند اور جے دیو جیسے ان کے معاصر عظیم شعراء نے انہیں بھگوان وشنو کا اوتار کہا ہے۔ ان کے بہادر بیٹے سمبھاجی راجے نے اپنی سنسکرت کی کتاب "بدھا بھوشن" میں انہیں بھگوان وشنو کا اوتار کہا ہے۔ ان کی زندگی ہی میں عوام ان کے گرویدہ تھے اور آج بھی ان کی پوجا کی جاتی ہے۔



وہ عمر بھر بھارت ورش آریہ ورت کی قدیم تہذیب کی روایت کو آگے بڑھانے کی کوشش میں لگے رہے۔ آریہ کے معنی دھرم اور تہذیب کے محافظ کے ہیں۔ ان معنوں میں شیواجی کو سچا آریہ کہا جا سکتا ہے۔

ان کی پیدائش ۱۶۳۰ء میں شیونیری کے قلعے میں ہوئی۔ ان کے والدین شاہ جی اور جیجا بائی تھے۔ ان میں سے ایک کا تعلق سوریہ ونشی گھرانے سے تھا تو دوسرے کا چندر ونشی گھرانے سے تھے۔ شاہ جی اور جیجا بائی کی شادی سے اودے پور کے سیسودیا خاندان اور دیوگری کے یادو خاندان ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے۔ شیواجی میں ان دو عظیم خاندانوں کی صحت مند روایات یکجا ہو گئی تھیں۔

سلطنتیں تباہ ہوتی ہیں۔ حکومتیں ختم ہو جاتی ہیں لیکن شیواجی جیسے تاریخی ہیرو کی یادیں نوع انسان کے ذہن میں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔





تیر ہویں صدی کے اواخر سے ستر ہویں صدی سے
ا تک مہاراشٹر کے سنت شاعروں اور مراٹھا لیڈروں
عوام کے سیاسی شعور کو بیدار کرنے کی کوششیں کیں۔ ان
شوں ہی کے نتیجے میں شیواجی جیسی عظیم شخصیت
س سرزمین پر جنم لیا۔ شیواجی کی قابل رہنمائی نے عوام
بیدار سیاسی شعور کو عملی جہت عطا کی۔ شیواجی نے
ں مہارت اور چابکدستی کے ساتھ مختصر عرصے میں ملک
یاسی اور روحانی طاقتوں کا استعمال کرتے ہوتے ایک
نت کی بنیاد ڈالی جو مہاراشٹر کے ایک بڑے حصّے
ساتھ کرناٹک اور تامل ناڈو کے بھی بعض حصوں پر
تھی۔ شیواجی کے ذہن میں کبھی بھی فرقہ پرست یا
ی طور پر مذہبی حکومت قائم کرنے کا خیال نہیں آیا۔
بھارت کے فلسفے کو اور یہاں کے بادشاہت کے
ر سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس فلسفے کے ما تحت
اہ بھگوان وشنو کا اوتار ہوتا ہے۔ وہ بھگوان ہے۔
کے تصور بادشاہت کے مطابق رسم تاجپوشی کی ادائیگی
دشاہ کی ذات خدائی صفات اور قوت سے منصف
ہے۔ "اندرا" کی طرح اپنی قلمرو کے عوام کی قسمت
ت ڈور بادشاہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے
ے کہ وہ عوام کو تحفظ عطا کرے۔ "یاما" کی طرح
راج

اسے چاہیئے کہ وہ بدکاروں کو سزا دے اور انصاف سے کام لے۔ "اگنی" کی طرح اسے تمام برائیوں کو جلا کر خاک کر دینا چاہیئے۔ جس طرح "وایو" یعنی ہوا اچھے اور بُرے میں تمیز نہیں کرتی بلکہ ہر ایک کو فیضیاب کرتی ہے۔ اسی طرح بادشاہ کا فیض بھی عام ہونا چاہیئے۔ سورج (سوریہ) ظلمت کا خاتمہ کرتا ہے۔ اسی طرح بادشاہ کو چاہیئے کہ جہالت کے اندھیرے کو دور کرے۔ "ورونا" پانی کے بھگوان ہیں جن کی وجہ سے فصلیں پھلتی پھولتی ہیں۔ اسی طرح بادشاہ کو بھی چاہیئے کہ اپنی رعایا کو خوش حال رکھے۔ دولت کے بھگوان کو "بیر" کی طرح بادشاہ کو چاہیئے کہ وہ اپنی دولت میں روز بروز اضافہ کرے اور اس کی حفاظت بھی کرے۔ اسی طرح بادشاہت کا یہ تصور خدائی تصور ہے۔ اس تصور کے تحت تختِ شاہی کا رتبہ بہت بلند تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بادشاہ کبھی تخت پر پیر نہیں رکھتے تھے بلکہ تخت پر بیٹھنے سے پہلے اس کے سامنے تعظیم کے ساتھ جھک جاتے تھے۔

اسی عقیدت کے تحت اور ویدک روایت کے مطابق ۱۶۷۴ء میں شیواجی کی رسم تاجپوشی ادا کی گئی۔ ۳۶ پونڈ سونے کے تخت کو ہیروں، جواہرات سے سجایا گیا تھا۔ تاجپوشی کے وقت شیواجی نے عہد کیا۔ "میں خود مختار ہوں۔ میں زمین کا محافظ ہوں۔ دھرتی کے تمام باسی میری حفاظت میں ہیں۔ اگر میں اپنے عوام کے ساتھ انصاف نہیں کر پایا تو میں خدا کا نام لے کر کہتا ہوں کہ مجھے میرے تمام اختیارات سے محروم کر دیا جائے — میں اس تخت پر ایک بادشاہ کی حیثیت سے بیٹھتا ہوں۔ مجھ پر لازم ہے کہ میں اس دھرتی کے مقدس قانون کے مطابق حکومت کروں۔ یہ تخت اس دھرتی کے بیٹوں کا ہے اس کے پیچھے رام چندر، وتسا راج، اوگان، چندرگپت موریہ اور وکرما دتیہ کی عظیم روایت ہے۔ اس طرح انصاف رحم دلی، مساوات، دھرم راجیہ اور رام راجیہ کی بھی روایات ہیں۔ ان روایات کو مسخ کیا گیا تھا — ان کا سلسلہ توڑ دیا گیا تھا۔ قادرِ المطلق کے فیض، سنتوں کی دعاؤں، لوگوں کی مدد اور خود اپنی قوت کے سہارے میں

انہیں دوبارہ رائج کر رہا ہوں۔" شیواجی کی شاہی مہر پر بھی مختصراً اس عہد کا اعادہ کیا گیا ہے۔

شری شیواجی مہاراج نے قدیم بھارت کے دھرم راجیہ کے نمونے پر اپنے سوراجیہ کی بنیاد رکھی اور اپنی انتھک محنت کے نتیجے میں ان آدرشوں کو پا لیا جو آفاقی اہمیت کے حامل ہیں۔

شیواجی مہاراج کے بعد سمبھاجی راؤ، باجی راؤ پیشوا، مادھو راؤ پیشوا، سداشیو راؤ بھاؤ، مہادجی شندے، جنکوجی شندے جیسے حکمرانوں اور سپاہیوں نے ان کی اس روایت کو آگے بڑھایا۔

اس کے بعد ایک وقت آیا جب ہم نے شیواجی مہاراج کے راستے کو چھوڑ دیا۔ ان کے آدرشوں اور ان کی حکمت عملیوں کو فراموش کر دیا۔ انہوں نے اتحاد اور قربانی کا درس دیا تھا لیکن ہم خود غرض ہو گئے آپسی پھوٹ کو ہوا دینے لگے اور نتیجتاً انگریز ہم پر غالب آگئے۔

انصاف کا پرچم بلند کرنے والا رائے گڑھ کا ناقابلِ تسخیر تخت گر گیا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا لیکن اسی اندھیرے میں شیواجی کے کارنامے اور کامیابیاں روشنی کی کرن بن کر ہماری رہنمائی کی اور اس کرن سے فیض حاصل کرنے والوں میں سے چند ایک نام یہ ہیں۔ تلک، ٹیگور، اروند بابو، سبھاش چندر اور گاندھی جی۔ ان رہنماؤں نے شیواجی کی یاد تازہ کر دی اور ہماری تہذیب کو دوبارہ زندگی عطا کرنے میں مصروف ہو گئے۔

رائے گڑھ قلعہ کی تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کی ایما پر حکومتِ مہاراشٹر نے یہاں ایک چھتری نصب کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

تین سال قبل ۳۱ مارچ ۱۹۸۰ء کو شیواجی مہاراج کی پنیہ تتھی کے موقع پر وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ویدک فلسفے کی اہم جزوی مذہبی رواداری کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا تھا کہ شیواجی مہاراج ویدک فلسفہ کے اس اہم جزو کے سب سے بڑے پیروکار اور مبلغ تھے۔ آپ نے کہا تھا کہ اس تاریخی قلعہ پر ایک چھتری کی تنصیب اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ ہم مذہبی رواداری، عالمی بھائی چارہ اور امن کی شری شیواجی مہاراج کی روایات کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔

ضروری گذارش

- دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت [illegible] ضرور تحریر فرمائیں جو آپ کے [illegible] لفافہ کے [illegible] اوپر درج ہوتا ہے۔
- واپسی [illegible] کے لئے [illegible] ٹکٹ روانہ فرمانے کی زحمت نہ فرمائیں۔
- منی آرڈر کوپن پر اپنا نام [illegible] اردو کے ساتھ [illegible] یا انگریزی میں بھی تحریر فرمائیں

[illegible] و مراسلت کا پتہ:

ڈائرکٹر جنرل [illegible] گورنمنٹ آف مہاراشٹر [illegible] ممبئی ۴۰۰۰۳۲

وی ا

-/23-2k

وی۔ نائیک
ہ تاریخ، بمبئی یونیورسٹی

زمانۂ حال میں شیواجی کی عظمت

انسان اپنی انفرادی حیثیت میں چاہے کتنا ہی عظیم ہو، عظیم شخصیات کا مطالعۂ زندگی صرف اسی صورت میں قابلِ تقلید بن سکتا ہے جب کہ ان شخصیات کے کارہائے نمایاں حقیقی معنوں میں بے مثال ہوں۔ مطالعۂ زندگی سبق آموز ہونا چاہیئے اور نتیجے میں ایک ایسی تاریخ مرتب ہونی چاہیئے جو کہ موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے مشعلِ راہ ہو۔



چھتر پتی شیواجی کی زندگی اور ان کے کارہائے نمایاں بہرصورت مذکورہ بالا خصوصیات کے حامل ہیں۔ مراٹھا قوم کے پہلے مورخ گرانٹ ڈف کے زمانے سے لے کر ابھی تک اس ضمن میں کافی تحقیقات کی جا چکی ہیں۔ خیالی کہانیاں اور مبالغہ آرائی سے ہو سکتا ہے۔ کسی کی تاریخی حیثیت نمایاں ہو جائے، لیکن جہاں تک سوراج کے بانی شیواجی کا تعلق ہے، ان کی تاریخی حیثیت خود ایک ٹھوس حقیقت ہے اور اس کے لئے کسی مبالغہ آرائی کی ضرورت نہیں۔ تعمیرِ قوم کی جانب ان کی جدوجہد کی پہل ایک ایسا اقدام ہے جس کی اہمیت آج بھی ہندوستان محسوس کرتا ہے — جو "قومی یک جہتی" کے نصب العین کی تکمیل میں گامزن ہے۔ اسی قومی یک جہتی کے کسی اصول پر بھی انہیں پرکھا جائے تو یقیناً وہ ہی تعمیرِ قوم کے علمبردار نظر آئیں گے۔

بے شک عظیم ہستیاں نہ صرف اپنے وقت کی پیداوار ہیں بلکہ خود زمانے کو تشکیل دیتی ہیں۔ تھامس کارلائل نے عظمتِ انسان کے لئے سیاسی اور معاشی وجوہات سے بالاتر صرف انسان کی انفرادی نوعیت کو ہی زیادہ اہمیت دی ہے۔ کارلائل کے نقطۂ نظر سے آج بھی کسی کو انکار نہیں۔ کسی مورخ نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ اس اصول کا مثبت پہلو یہ ہے کہ اس سے وہ





قوت واضح ہو جاتی ہے جو کہ تاریخ کے دھارے کو ایک خاص سمت میں موڑنے کی ذمہ دار ہے۔

۱۷ویں صدی میں شیواجی دکن میں ایک ایسی عظیم طاقت بن کر ابھرے جنہوں نے ملک گیر اثرات چھوڑے ہیں۔ محض اپنی بارسوخ شخصیت اور منصوبہ بند طریقۂ کار کی بدولت شیواجی نے اپنے عہد میں جغرافیائی، سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی تمام قوتوں کو سمیٹ کر عوام میں جذبۂ حب الوطنی کو بیدار کیا اور ایک آزاد ریاست تشکیل دی۔ تمام قوتوں کو یکجا کرکے واحد مقصد سوراج کے حصول کے لئے شیواجی نے جس قابلیت کا مظاہرہ کیا ہے، وہ انہیں اپنے زمانہ کی عظیم منفرد ہستی ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔

شیواجی کے منظرِ عام پر آنے کے وقت دکن کے سیاسی حالات میں کافی بگاڑ ہو چکا تھا۔ بہمنی خاندان کی تین حکومتوں میں سے نظام شاہی جو کہ مہاراشٹر کا ایک حصّہ تھا، سنہ ۱۶۳۶ء میں ختم ہوگیا اور یہ علاقہ مغل اور عادل شاہ میں تقسیم ہوگیا۔ بیجاپور کی عادل شاہی ظاہری طور پر گو کہ مروج تھی، لیکن حقیقت میں اس پر بھی زوال طاری ہو چکا تھا جس کی کچھ وجہ اندرونی تناؤ اور مغلوں کی کمزوری تھی۔ ٹھیک اس وقت نوجوان شیواجی نے مدبرانہ، حوصلہ مندی اور مصلحانہ سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے اپنے وطن کے جنگباز دیشمکھوں اور ان کے شاہی آقاؤں کے تسلط سے آزاد کرانے کا بیڑا اٹھایا۔ کبھی بھی اتنا بڑا انقلاب اس قدر خاموشی اور غیر متوقع طور سے رونما نہیں ہوا۔

شیواجی نہ صرف اس "انقلاب" کے رہنما بلکہ تحریک سوراج کے بانی تھے۔ جسٹس راناڈے نے شیواجی کی صحیح تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ شیواجی کی فوجی صلاحیت ہی دراصل سوراج کی محرک تھی لیکن یہ جزوی طور سے صحیح ہے کیونکہ شیواجی کی انتظامی صلاحیت بھی ان کے ہم عصروں سے کچھ کم نہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے سبھاسد بکھاکر اور اگنا پتر اور دیگر تاریخی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، اس بات کو نہیں بھلا سکتے کہ شیواجی کے نزدیک سوراج کی تکمیل ایک ایسے سماج کی تشکیل ہے جس میں امن، معاشی خوش حالی اور مذہبی ہم آہنگی سے سرشار رعایا زندگی گزارتی ہو۔

شیواجی کی حاکمانہ صلاحیت کا اندازہ ان کے حلقۂ اختیار میں ایک چھوٹی سی جاگیر پر اس وقت قائم ان کے نظام حکومت سے کیا جاسکتا ہے۔ شیواجی نے اس جاگیر پر نہ صرف کامیابی سے اپنا تسلط برقرار رکھا بلکہ اپنی مدبرانہ صلاحیت کا بھی کا فائدہ اٹھایا جس کی بدولت ان کے عنانِ حکومت میں نئے علاقے شامل ہوتے گئے اور حکومت میں توسیع ہوتی گئی۔

رعایا کے تئیں جذبۂ ہمدردی اور ان کی بہبودی کا خیال شی نے اپنے من سے کبھی ترک نہیں کیا چنانچہ ایک پرتگالی مو کاسما ڈی گورڈ ان ہی اوصاف کی ستائش کرتے ہوئے ش کے بارے میں یوں رقمطراز ہے۔ "شیواجی اپنی رعایا کے اتنی ہمدردی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے کہ شاید ہی کوئی شخص ہو جو ان کی الفت اور ان پر اعتماد سے انکار کر سکتا ہو۔ اپنی رعایا کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔ دونوں یعنی ہمت افزا سزا کے معاملے میں شیواجی ہمیشہ غیر جانبداری کا م کیا کرتے تھے۔ کوئی بھی قابلِ ستائش کام بغیر انعام کے کوئی بھی جرم بغیر سزا کے نہیں رہتا تھا۔ وہ اپنی رعایا کے شخص کو بھی بار بار شرفِ ملاقات بخشا کرتے تھے اور ا نے ہمیشہ ہر ایک سے مساوی اور منصفانہ سلوک کیا۔"

جادوناتھ سرکار لکھتے ہیں۔ "شیواجی کی سلطنت توسیع کی اصل وجہ لوگوں کے دلوں کو جیتنے کی ان کی صلاحی تھی جو کہ صرف ایک دیانت دار اور قوی ارادے کے حاکم وصف ہے۔"

رام چندر پنت اماتیہ نے اپنی کتاب "اگنا پتر" انی را میں شیواجی کی حاکمانہ صلاحیت کی تعریف صرف ایک جملے میں

لکل ہی نیا نظام قائم کیا، امن و امان، انصاف،
کا خاتمہ، محصول کے طریقۂ کار میں بہتری، زرعی
ایج، وطن کے اندرونی حالات کا مقابلہ کرنے
ی تشکیل، ساحل سمندر کی نگرانی کے لئے بحری
شیواجی کی مدبرانہ اور حاکمانہ صلاحیت کی چند

معاملے میں شیواجی نے ہمیشہ وسیع النظری کا
ایک سیکولر ذہن کے حاکم تھے اور اسی لئے
ں بھرتی کے موقع پر وہ ہمیشہ مذہبی رواداری
دوسرے معنوں میں آج کی سیکولر پالیسی کا
رواج عام تھا۔ خانگی یا فوجی شعبوں میں
ہر انتخاب کے وقت انہوں نے کبھی بھی
رمیان امتیاز نہیں برتا بلکہ سوراج کی مکمل
ی ہی ان کے نزدیک انتخاب کی کسوٹی تھی۔
ہوں نے مذہبی نظریات کو انتظامیہ پر
ا کبھی موقع نہیں دیا۔ حالانکہ وہ خود ایک
، وہ تمام مذاہب کا یکساں احترام کیا کرتے
ن کے دل میں کتنی عزت تھی، اس کا ثبوت
زمانہ کے مشہور مورخ قافی خان کی تحریر

سرکار نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ "شیواجی ہر
یں۔" اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ
سے کتنے آگے تھے۔ ان کے بعد کوئی بھی جانشین
نچائی تک نہیں پہنچ سکا۔ وہ تمام لوگ
ہوئے اصولوں سے منحرف ہو گئے اور نتیجے
صانات برداشت کرنے پڑے۔ اپنے
ں خود اعتمادی اور آزادی کی لگن کا جذبہ
لیم شیواجی کے سر ہے اور جدید ہندوستان
ر دین ہے۔

طر جذبۂ جدوجہد مراٹھا حکومت کے زوال
در شاید یہی جذبہ تھا جو کہ انگریز حکومت
ستان کی جدوجہد آزادی کے وقت لوگوں
ہا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں شامل آزادی کے
دشی کا جو مظاہرہ کیا، اس کی بنیاد چھترپتی

شیواجی کے زمانۂ عہد کی عوامی جدوجہد ہی تھی۔ اسی طرح ۱۹ ویں صدی کے ہندوستان کے تمام نظریات کے حامل لیڈروں نے بھی تعمیر قوم سے متعلق شیواجی مہاراج کے کارہائے نمایاں سے رہنمائی حاصل کی۔ انہوں نے حب الوطنی، اتحاد اور سالمیت کے اصولوں کو عام کیا اور ان ہی اصولوں نے ملک کے تمام حصوں میں مجاہدینِ آزادی کو قوت بخشی۔ شیواجی اس طرح کل ہند شخصیت تسلیم کئے جا سکتے ہیں۔ آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی نے بالکل ٹھیک کہا کہ شیواجی کو محض ایک ہندو لیڈر یا مہاراشٹر کا رہنما کہنا ان کی قدر گھٹانے کے مترادف ہے۔ شیواجی قومی ہیرو اور حب الوطنی اور قومی سالمیت کے علمبردار کہے جا سکتے ہیں۔

حب الوطنی پر مبنی قومی اتحاد ہی کسی بھی ملک کی سالمیت کا ضامن ہے۔ اسی نظریے کو حقیقت میں بدلنے کی ہمارے جیسے ایک وسیع ملک میں جہاں مختلف مذہب و ذات کے لوگ رہتے ہیں بے حد ضرورت ہے۔ مادرِ وطن کی وسعت، آبادی اور مسائل کے پیشِ نظر اختلافات اور ٹکراؤ ناگزیر ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتو شاید ہم لوگ مافوق الفطرت انسان کہلانے کے مستحق ہوتے۔ یہ اختلافات اور آپسی جھگڑے ہمارے قومی اتحاد کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا کہ ان جھگڑوں کو پیدا کرنے اور انہیں جاری رکھنے کے طریقے جنہیں ہم اپناتے ہیں۔ سیکولرزم کو ہم نے اپنی زندگی کا اصول بنایا ہے اور ہم لوگوں کو صحیح معنوں اور جذبے کے تحت اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ تمام ہندوستانی شہریوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ملک سے وفاداری تمام فرقوں اور جماعتوں سے وفاداری سے اعلیٰ ہے — نیز یہ کہ قومی مفاد کو فرقہ وارانہ یا جماعتی مفاد پر ہمیشہ ترجیح دینی چاہیئے۔

قوم پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ ہر شہری اور جماعت کے مفاد پر نظر رکھے اور ان کے ساتھ انصاف کرے۔ مذکورہ بالا سطروں میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ شیواجی کی سوانح حیات اور ان کے کارہائے نمایاں ہمارے دلوں میں حب الوطنی، قومی اتحاد اور سالمیت کا جذبہ اجاگر کرنے میں مشعلِ راہ ہے جن پر عمل آوری سے ہم ملک و قوم کو ترقی پر گامزن رکھ سکتے ہیں۔

(ترجمہ: زیب النساء اقبال

پروفیسر سیّد اقبال

شیوا جی کے آخری ایّام

تاریخ گواہ ہے کہ بادشاہوں نے اپنی عمر یا تو فتوحات حاصل کرنے میں لگادی یا محلات کی سازشوں کو ختم کرتے ہیں ان کی عمر کا ایک طویل حصّہ ضائع ہوگیا۔ کہیں فرصت ملی تو عیش وعشرت نے انہیں مصروف رکھا۔ اس سے انکار نہیں کہ کچھ ایسے نیک نفس فرمانروا بھی تھے جنھوں نے ہر لمحہ انسانیت اور انصاف کے تقاضوں کو یاد رکھا اور بیشتر وقت عوام کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کیا۔ علم وادب کی خدمت کی اور ارکانِ دین کی پذیرائی کی لیکن ان ہی حکمرانوں کی سب سے بڑی ٹریجڈی یہی رہی کہ زندگی کے آخری لمحات انہیں بڑی کس مپرسی میں گزارنے پڑے۔ کوئی ملک بدر کر دیا گیا تو کوئی زنداں کے اندھیروں میں دم توڑنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ کسی کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی گئیں تو کسی کے حصّے میں زہر خورانی آئی۔ اور ان سارے حادثات سے جو خوش نصیب محفوظ رہے انہیں اپنی ہی کارگزاریاں ڈستی رہیں۔ یہ عین انسانی فطرت ہے کہ آدمی اپنی ذمّہ داریوں کی تکمیل کے بعد جب زندگی کے آخری منزل تک پہنچنے لگتا ہے تو اسے محاسبہ ذات کی بڑی فکر ہونے لگتی ہے۔ اپنے اعزاء واقرباء کا خیال ستانے لگتا ہے۔ اپنی دولت کی حفاظت اور ابد تک اپنی شہرت کی فکر دامن گیر ہوتی ہے مگر ایسے نیک نفس کم ہوتے ہیں جنھیں زندگی کی آخری شاموں میں چین کی نیند نصیب ہوتی ہو۔ "تاریخ فرشتہ" میں مذکور ہے کہ محمود غزنوی جیسا حکمراں اپنے آخری دنوں میں کس قدر اپنی فتوحات پر آنسو بہاتا تھا اور چار سمتوں سے سمیٹی دولت پر کس قدر افسوس کرتا تھا۔

تاریخ سے یہ بات پوری صحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ محمود نے اپنی موت سے دو روز پہلے اپنے تمام جواہرات، روپے اور اشرفیاں جو اس نے زندگی بھر کی جدوجہد سے جمع کی تھیں، شاہی خزانے سے نکلوا کر اپنے محل کے سامنے ڈھیر کروادی۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ سُرخ، سفید اور دوسرے متعدد رنگوں کے جواہرات کی چمک دمک سے صحن جنت کے باغ کی طرح سجا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ محمود ان گراں قیمت جواہر پاروں پر حسرت کی نظر ڈالتا رہا اور دھاڑیں مار مار کر روتا رہا۔ کچھ دیر اس نے جواہرات کو دیکھنے اور ان کی جدائی کے خیال سے رونے کے بعد انہیں پھر خزانے میں جمع کروا دیا۔ اس واقعہ کے دوسرے روز محمود نے محافے میں بیٹھ کر میدان کی سیر کی اور اس کے حسب الحکم شاہی ملازموں نے شاہی اصطبل، شترخانے اور فیل خانے سے تمام گھوڑے، اونٹ، ہاتھی اور دوسرے جانور اس کے سامنے پیش کئے۔ ان جانوروں کو دیکھ کر محمود تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا اور اس کے بعد خوب دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور اسی حالت میں اپنے محل میں واپس آگیا۔

ء میں دکن کے علاقے سے ابھرنے والے
ایک اہم مقام حاصل ہے۔ شیواجی وہ پہلا
اپنے سیاسی تدبر اور حکمت عملی سے مہاراشٹر
یک خود مختار ریاست کی داغ بیل ڈالی۔
ستی فرمانروا کا دہلی کی حکومت کے خلاف
ے دل گردے کا کام تھا مگر شیواجی کے
صلاحیتوں نے مراٹھا حکومت کی راہیں
تاریخ کی فٹ لوٹ سے نکل کر ایک صوبائی
حیثیت سے ہمیشہ کیلئے اپنا مقام متعین کرگیا۔
کہا جاسکتا ہے کہ سلاطین دہلی کے خلاف
اجہ کو آخری دنوں میں اپنے ہی فرزند کی
الیا ۱۶۷۹ء دسمبر میں شمبھوجی، جنہوں
اسے مصالحت کرلی تھی (یہ بھی مغلوں کی
نے دلیر خان کے ذریعے شمبھوجی کو حکومت
تاکہ اس بہانے شیواجی کی طاقت توڑی جاسکے
ٹ آئے۔ شیواجی کے لئے یہ بڑی خوشی کا

موقع تھا۔ اسے یقین تھا کہ پدرانہ شفقت ملکی جاہ وحشم پر غالب آجائے گی۔ مگر خلاف توقع انہیں بڑی ناکامی ہوئی۔ آیا مراٹھا حکومت اب دس سالہ راجارام کے سپرد کردی جائے جس کے تخت پر بیٹھتے ہی محلات کی سازشیں اور رانیوں کی چالاکیاں عود کر آئیں اور اتنی جدوجہد سے تعمیر کی گئی عمارت یوں لمحوں میں ڈھادی جائے؟ شیواجی اس کے لئے تیار نہیں تھے۔ انہوں نے پتہ نہیں کتنی بار شمبھوجی سے بات چیت کی، ملکی آمدنی کی تفصیل بتائی۔ قلعوں اور شاہی سازوسامان کی فہرست دکھلائی مگر شمبھوجی کی اصلاح نہ ہوسکی۔ وہ بدستور اپنی بات پر اڑے رہے۔ مردم شناس شیواجی اولاد سے ناامید ہوکر ذہنی طور پر بری طرح ٹوٹ گئے ہوں گے کیوں کہ ان کے مرض الموت کی ابتدا اسی واقعے سے ہوتی ہے۔ مرض نے زور پکڑا اور اس دوران بخار اترسکا نہ دست بند ہوئے۔ غرض یہ کہ ۴ اپریل ۱۶۸۰ء کو چار مہینوں بعد مراٹھا حکومت کا معمار اپنے امراء کو آخری وصیتیں کرکے اس دنیا سے رخصت ہوا۔ حیرت ہے کہ شیواجی اپنی عمر کے ۵۳ سال بھی پورے نہیں کرسکے تھے۔

صفحہ ۵۷ سے آگے۔ چھترپتی شیواجی مہاراج اور کوی بھوشن

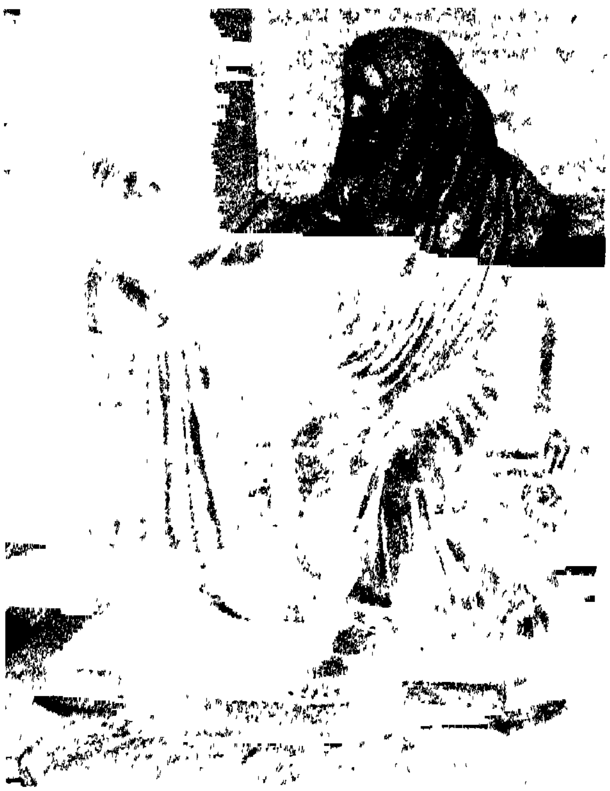
مہارت کے ساتھ تلوار چلاتے ہیں۔ وہ
کے سہارے انگریزوں کی طرح فتح سے
فنونِ لطیفہ میں ان کی دلچسپی اور جمالیاتی
معیار سے کسی طرح کم نہیں۔ وہ رومیوں کی
عربوں کی طرح انہیں مذہب سے محبت
تے ہیں۔ آداب اور شائستگی میں وہ
ہیں۔ ان کا غصہ ورانیوں کے غصے کی
فراست سے سیاست دانوں کی طرح وہ
لیں چلتے ہیں۔ غرضیکہ کوی بھوشن کے
شیواجی کی ذات واحد میں کرۂ ارض کے
ں بسنے والے انسانوں کی نمایاں مثبت
اتی تھیں۔

ان کے عہد کے مطالعہ میں کوی بھوشن کی
اون ثابت ہوسکتی ہیں۔ انہوں نے
تی کے ساتھ تاریخی واقعات کو اس طرح

قلمبند کیا ہے کہ ان کی صحت اور استناد شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

دربار سے وابستگی کے باوجود کوی بھوشن کی تخلیقات اس وقت کی سیاسی، سماجی، معاشی اور ثقافتی زندگی پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔

اوپر بیان کئے گئے حقائق کی روشنی میں سرجادوناتھ سرکار کے تئیں احترام کے باوجود ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوی بھوشن کی ہندی شاعری بلاشبہ کلی طور پر تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ کوی بھوشن نہ صرف شیواجی کے محافظ تھے بلکہ ان کے دربار میں کوی بھوشن۔ کوی۔کل۔ سچیو کا رتبہ رکھتے تھے۔ وہ شیواجی کی زندگی کے اہم واقعات اور اس دور کے عینی شاہد تھے۔



عبدالعزیز عرفان
مدرس ضلع پریشد ہائی اسکول آکوٹ
ضلع آکولہ (مہاراشٹر)

جیجا بائی — بحیثیت ایک اچھّی ماں کے

تمام دنیا کے لوگ بقول اقبالؔ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کائنات کی رنگینی عورت ہی کے وجود سے قائم ہے۔ زندگی کا سوز اور ساز اسی کے دم سے ہے اگرچہ وہ مٹھی بھر خاک سے بنی ہے لیکن ثریا سے بھی بڑھ کر مقام رکھتی ہے۔ اس نے اگرچہ مکالماتِ افلاطون نہیں لکھا لیکن اس افلاطون کو جنم دیا جس نے مکالماتِ افلاطون تحریر کیا۔ اس طرح عورت عظیم روپ کی مالک ہے اور اس کا عظیم روپ ماں کا ہوتا ہے۔ ماں کے نام میں کتنی شیرینی اور مٹھاس ہوتی ہے۔ عجیب طرح کا سکون ہوتا ہے۔ اسی بنا پر ماں کی گود کو بچوں کی اولین تربیت گاہ کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں بچّہ ادب اور اخلاق کا درس ماں سے ہی سیکھتا ہے۔ اگر بچّے کو اچھی اور نیک ماں مل جائے تو بچے کی زندگی سنور جاتی ہے۔ اس کا مستقبل روشن اور تابناک ہو جاتا ہے۔

اِن تمام خوبیوں کی مالک جیجا بائی تھیں — وہ ہمہ گیر شخصیت کی مالک تھیں۔ انہوں نے شیواجی مہاراج کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی۔ اس پودے کی آبیاری اور پروان چڑھانے میں کافی محنت و مشقت، صبر و استقلال، دانشمندی اور دلیری سے کام لیا— آپ کی بدولت شیواجی ایک اعلیٰ اور اہم رتبہ کو پہنچ گئے۔ آپ نے بحیثیت ایک اچھی ماں کے بہت ہی اہم رول ادا کیا ہے۔

اپنے فریضۂ حیات کو مکمل کیا۔ فرانس کا بادشاہ نیپولین ایک اچھی ماں کی اہمیت اور مقام کو تسلیم کرتے ہوئے کہتا ہے

"If you give me a good Mother I will give you a good Nation."

" اگر تم مجھے ایک اچھی ماں دیتے ہو تو میں تمہیں ایک قومی د

ی قوم دوں گا۔" حقیقت میں ایک اچھی ماں اپنی اولاد
پرورش اور تعلیم و تربیت میں ایک مخصوص اور اہم کردار
کرتی ہے۔ بچوں کی ساری ذمہ داری ماں پر ہوتی ہے ـــ جن
ات کو مناسب اور اچھا سمجھتی ہے اولاد میں پیدا کر دیتی ہے۔

جیجا بائی کے والد کا نام لاکھو جی جادھو راؤ تھا۔ ماں کا
دیوی شری بائی تھا۔ سولہویں صدی کے اواخر میں جیجا بائی
ہاراشٹر کے علاقے سندھ کھیڑ راجہ میں ۱۵۹۴ء میں
آنکھیں کھولیں۔ اکلوتی بچی ہونے سے لاڈو پیار کا مرکز تھیں
والد بھی محبت سے انہیں "ہیرا موتی" کہہ کر پکارتے تھے۔
ندھ کھیڑ راجہ میں ہی آپ کی تعلیم و تربیت شاہانہ طریقے پر
سبھی عزیزوں اور رشتہ داروں کی توجہ کا مرکز تھیں۔
دان کے تمام افراد بے حد محبت کرتے تھے اور ان سے
امیدیں وابستہ تھیں۔

آپ کی شادی شاہ جی سے کر دی گئی۔ ۱۶۳۰ء میں
راجی مہاراج نے اس دنیا میں قدم رکھا ـــــ اگرچہ
ہ جی اکثر و بیشتر لڑائیوں میں ہی مصروف رہتے تھے۔ بیٹے
بھ بھال کا ذمہ ماں پر تھا۔ شاہ جی جب کرناٹک کے علاقے
انتظام میں مصروف تھے تو ادھر پونے کی جاگیر کا انتظام
اور بیٹے کے سپرد تھا۔ شیواجی پدرانہ شفقت سے محروم
، لیکن ماں کی ممتا بے پناہ حاصل تھی۔ اس لئے وہ ماں
بت عزت کرتے تھے۔ ماں کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔
کو ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

جیجا بائی نے شیواجی کو مذہبی ۔ فوجی اور سیاسی تعلیم سے
ناس کروایا۔ شیواجی کی پیدائش شیونیری میں ہوئی تھی۔ ان
جنگلات اور ماؤلیوں نے شیواجی کی مدد کی،
، نے بھی ان کا ساتھ دیا اور پھر جیجا بائی کی تعلیمات ـــ

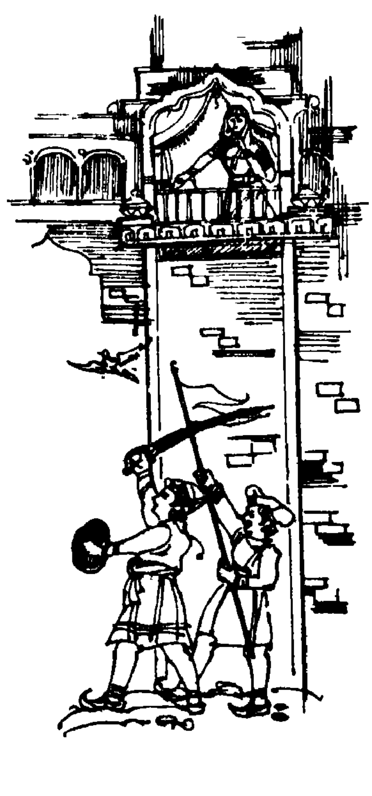
بچپن میں رامائن اور مہابھارت
شیلی کہانیاں اور مذہبی بھجن سنایا کرتی تھیں ـــ ماں کی
، اور بہادری کے قصے شیواجی کے دل میں گھر کر چکے تھے
داجی کونڈ دیو جیسے شفیق استاد کی تعلیمات نے آپ کی
، اور گہری کر دیں۔

ج

سچائی اور ملک کی محبت میں لڑتے رہے۔ ناانصافی کے
خلاف چڑ پیدا ہو گئی تھی۔ ساری عمر اسی کے خلاف جنگ کرتے
رہے۔ انہیں خوددار۔ با اصول۔ انصاف پسند اور مستقل مزاج
جیسی صفات ماں سے ہی ملیں۔ اپنے ان اصولوں کی پیروی کرتے
رہے اور اپنے ڈگر سے پیچھے نہیں ہٹے ـــ بس یہ آپ کی ماں
کی دعاؤں اور تعلیمات کا ثمرہ ہے کہ انہیں ہمارے ملک کی
عظیم ہستیوں میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہوئی ـــ ایک اہم
مقام عطا ہوا۔

مختصر یہ کہ جیجا بائی نے بحیثیت ایک اچھی ماں کے بہت
ہی اہم رول ادا کیا ہے۔ اگر کوئی ماں اپنی اولاد کی زندگی نہ سنوارے
اور اپنے فرائض انجام دینے میں کوتاہی کرے تو بقول علامہ اقبال
ہمیں یوں کہنا پڑے گا۔ ـــ

ایں گل از بستانِ ما نا رستہ بہ
داغش از دامانِ ملت شستہ بہ



قارئین کی رائے

★ **محبوب راہی**

گلزاری مسجد۔ مقام و پوسٹ : بارسی ٹاکلی ضلع اکولہ (مہاراشٹر)
۴۴۴۴۰۱

آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی پر خصوصی نمبر کی شکل میں قومی راج نے جو بیش بہا اور تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھنے والی سوغات پیش کی ہے۔ اس کے لئے ادارے کے تمام ذمہ دار اراکین لائق صد ستائش و قابلِ مبارکباد ہیں بالخصوص اس لئے کہ اس فریضہ کی ادائیگی میں "قومی راج" نے اولیت کی سعادت حاصل کی ہے اور بیشتر پر سبقت لے گیا ہے۔ اندراجی کی مختلف ادوار کی کمیاب اور نایاب تصاویر جس فنکارانہ انداز میں پیش کی گئی ہیں اس پر جتنی داد دی جائے کم ہے۔ علاوہ ازیں شریمتی اندرا گاندھی کی زندگی اور ان کے تاریخی اہمیت کے حامل کارہائے نمایاں پر ملک کے صفِ اول کے قلمکاروں، دانشوروں اور رہنماؤں کے مضامین بطور خراجِ عقیدت تحریر کردہ نثری مضامین، پیغامات، منظومات ـــ یہ سب مل کر اس خصوصی نمبر کے وقار کو ہمالیائی حیثیت عطا کرتے ہیں۔

★ **غلام محمد پٹیل** (ٹیچر)

انجمن ارجونیر کالج۔ دہور، تعلقہ مہاڈ۔ ضلع رائے گڑھ

آنجہانی اندراجی سے متعلق "قومی راج" کا خصوصی نمبر نظر نواز ہوا۔ سیاہ سرورق کا انتخاب آپ کی صحافتی ذہن کی غمازی کرتا ہے کہ برِ صغیر کے عظیم رہنما کا جس بے دردی اور سفاکانہ طور پر خون کیا گیا جس سے اندوہناک اثرات کے سیاہ بادل پورے بھارت پر چھا گئے۔ یہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے ـــ سرورق حقیقی طور پر اس کی عکاسی کر رہا ہے۔ جب "قومی راج" کے اس شمارے کو کھولا تو ایک ایک ورق پر نظم و نثر کی اتنی اعلیٰ تخلیقات نے اس قدر متاثر کیا کہ پورا شمارہ سیر کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہا۔

اس عظیم شخصیت کی یاد میں جو یادگار خصوصی نمبر آپ نے اور آپ کے رفقائے کار نے جس جانفشانی اور جد و جہد سے نکالا ہے قابلِ داد و تحسین ہے۔ میں بالخصوص آپ کی اور بالعموم آپ کے رفقائے کار کی خدمت میں صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ آپ نے آنجہانی اندراجی یادگار نمبر نکال کر اردو داں طبقہ پر اور ادب اردو پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اللہ پاک اسی طرح آپ کو عالمِ ادبِ اردو کے یادگارانہ نمایاں صحافتی خدمات کا اجر عطا کرے اور آپ کی سرپرستی و قیادت میں یہ حکومتی سرکاری جریدہ "قومی راج" دنیائے ادبِ اردو میں ایک مخصوص مقام پائے اور منازلِ ارتقاء و معراج بڑی تیزی سے پار کرے یہ دعا ہے۔ آمین۔

جب بھی قومی راج کا خصوصی نمبر آتا ہے ـــ پچھلے تمام خصوصی نمبروں کی ایک طویل فہرست ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگتی ہے جیسے اقبال نمبر، چھترپتی شیواجی نمبر۔ قومی راج کے یہ تمام خصوصی نمبر اردو ادب کی لافانی زینتیں ہیں۔

مجروح سلطانپوری کی نظم "سورج ہے لہو تیرا" نے اس قدر جذبات کو برانگیختہ کیا کہ تھوڑی دیر ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء کا پورا منظر آنکھوں کے سامنے آگیا۔ سردار جعفری، ظ۔ انصاری، اور آپ کا مضمون "اوراقِ پارینہ" آنجہانی اندراجی کی عظیم و عالمی شخصیت کی حقیقت پسندانہ عکاسی کر رہے ہیں اور آنے والی نسل کے لئے، اسی طرح مستقبل کے قومی، سیاسی و ملکی معماروں کے لئے مشعلِ راہ کا کام دے سکتے ہیں۔

★ **عبد العزیز عرفان**

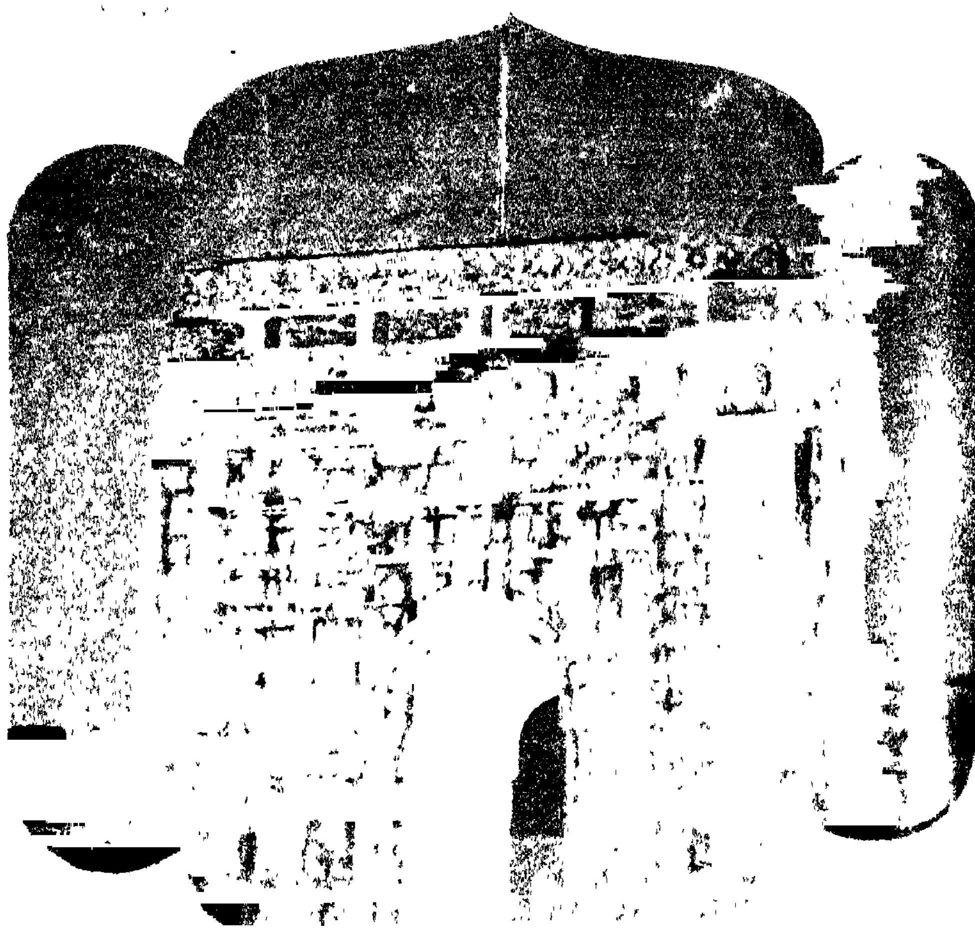
ضلع پریشد ہائی اسکول، آکوٹ، ضلع آکولہ۔

قومی راج کا آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی خصوصی نمبر موصول ہوا۔ واقعی بہت ہی خوبصورت نمبر پیش کیا ہے۔ دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ تمام شعراء و ادباء متاثر کرتے ہیں۔ خواجہ احمد عباس، سردار جعفری، ظ۔ انصاری، اختر الایمان، فیاض رفعت، مجروح سلطانپوری کی نظم اور مضامین قابلِ تعریف ہیں۔ یہ شمارہ بہت اچھی معلومات فراہم کرتا ہے۔ آئندہ بھی اس روایت کو قائم رکھیں۔

H-123-1F
PRINTED AT THE GOVT PHOTOZINCO PRESS PUNE-1985

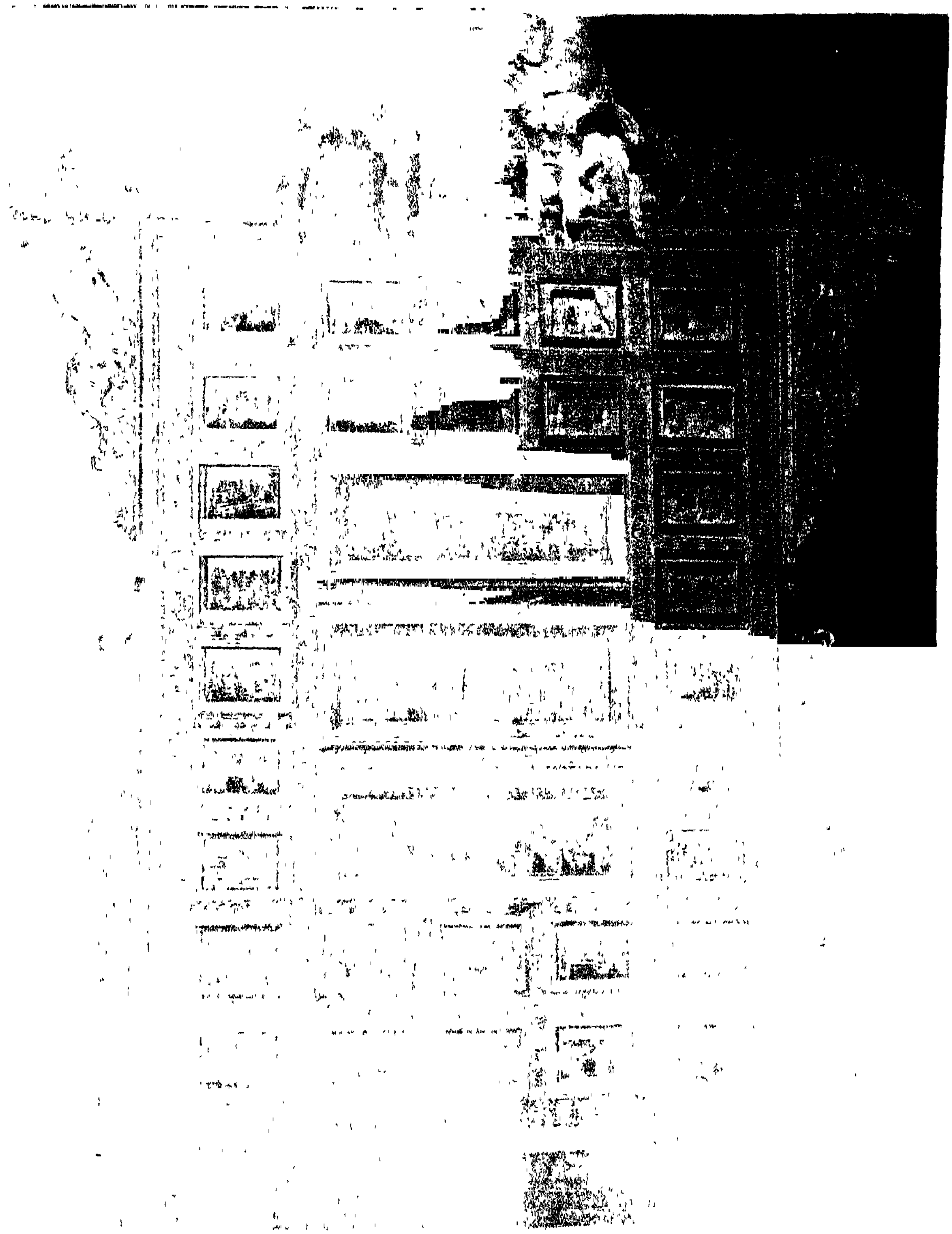


رائے گڑھ کا بازار پیٹھ



رائے گڑھ کا نقار خانہ

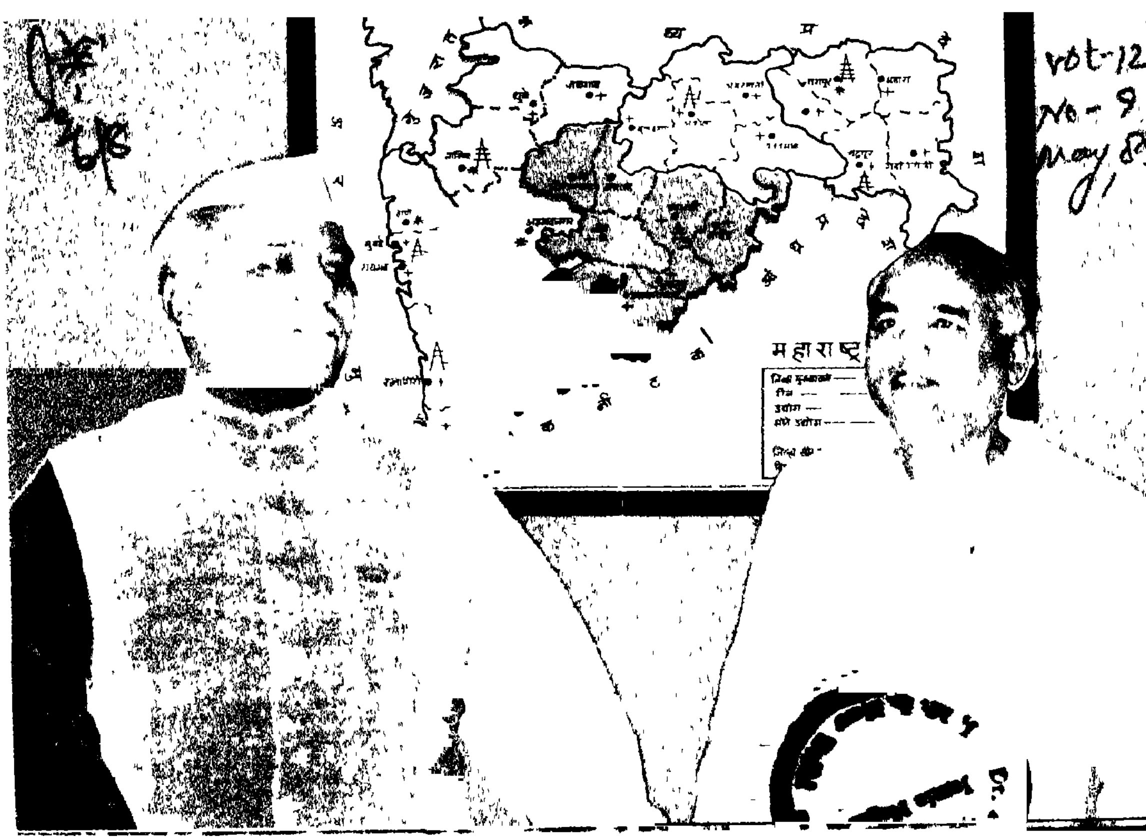
LOKRAJ : Regd. No. MH-BY South-544 Licence 89 for without prepayment of postage



مسند ل کے دروازے پر شیواجی مہاراج کی سوانح سے متعلق نقاشی کے نادر نمونے

شائع کردہ :۔ شری شانتارام سگنے، ڈائریکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورمنٹ آف مہاراشٹر، منترالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र





نصف شب یعنی
ب ۱۲ بجے مہاراشٹر کے نقشہ کی
وزیراعظم آنجہانی جواہر لال نہرو نے
ب ا ... نائی کی۔ وزیراعلیٰ، گورنر
فنکار اس موقع پر شریک تھے

قومی راج

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے
زرِ سالانہ: دس روپے فی پرچہ: پچاس پیسے
اس شمارے کی قیمت
دو روپے
۱۰ مئی ۱۹۸۵ء
جلد ۱۲ شمارہ ۹

چیف ایڈیٹر: ایس۔ کے۔ سگنے
ایڈیٹر: فیروزہ فیاض خان

प्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

خصوصی نمبر
مہاراشٹر ۲۵ سال جشنِ سیمیں

ترتیب




مہاراشٹر کی تشکیل کے وق
کی غرض سے خاص طور پر آئی ہوئ
2


مشہور گلوکارہ لتا منگیشکر نے مقبول ترین گیت
ریاست مہاراشٹر کی تشکیل کی
افتتاحی تقریب میں پیش کیا جسے سن کر سامعین
مسحور ہو گئے
महाराष्ट्र राज्य

ریاست کی ترقی اور خوشح
کے لیے جان توڑ کوشش



آج یکم مئی ۱۹۸۵ء کے دن ریاست مہاراشٹر اپنی تشکیل کے ۲۵ سال پورے کر رہی ہے۔ مہاراشٹر کی تعمیر و ترقی کی سلور جوبلی تقریبات کا آغاز آج سے ہو رہا ہے۔ یہ موقع ریاست کے تمام لوگوں کے لئے خوشی کا موقع ہے۔ یکم مئی ۱۹۶۰ء کو جدید ہندوستان کے بانی آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو کے مبارک ہاتھوں ریاست مہاراشٹر کی تشکیل عمل میں آئی تھی۔ یکم مئی ۱۹۶۰ء کو مہاراشٹر کے لوگ "سنہرا دن" تصور کرتے ہیں۔ آج کے اس تاریخی دن مراٹھی زبان بولنے والوں کی وہ دیرینہ تمنا پوری ہوئی جو ان کے دل میں ایک حسرت بن کر کروٹیں لے رہی تھی کہ کاش ان کی بھی ایک واحد مراٹھی زبان بولنے والی ریاست ہوتی۔ آج کا یہ دن خوشی و مسرت کا دن ہے۔ کامیابی کا دن اور اس نئی پیدا شدہ ریاست کے لئے لوگوں کی تمناؤں کے پورا ہونے کا دن ہے۔

پنڈت جی نے اس نئی ریاست کی باگ ڈور آنجہانی شری وائی۔ بی۔ چوان کے ہاتھ سونپ دی جو جدید مہاراشٹر کے معمار اور اعلیٰ درجے کے ایک قابل منتظم تھے۔ شری چوان نے اس ذمہ داری کو نہایت قابلیت کے ساتھ سنبھالا جسے آنجہانی پنڈت جی نے انہیں سونپا تھا۔ انہوں نے نہایت جلد ریاست کو انتظامی طور پر مستحکم کیا اور اسے ترقی کے راستے پر ڈال دیا۔ ریاست کو استحکام بخشنا ایک اہم کام تھا تاکہ ریاست کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے بنیاد مضبوط چٹانی اور مستحکم ہو۔

شری چوان نے دیہی مہاراشٹر کو جدید روپ دینے کا تصور باندھا تھا اور دیہی مہاراشٹر کے نمونے کو ستیہ تتّا جدید روپ دینے کے لئے اور اپنے خواب کو حقیقت بنانے کے لئے انہوں نے سخت کوشش کی۔ انہوں نے اپنی دور رس نگاہوں سے بھانپ لیا کہ دیہی مہاراشٹر کی ترقی صرف زرعی صنعتی سوسائٹیوں کے قیام کے ذریعے ممکن ہے۔ اس لئے انہوں نے اس کے لئے ضروری ڈھانچے تیار کرنے کی طرف توجہ دی۔ انہوں نے امداد باہمی تحریک کو دیہی علاقوں میں رواج دیا اور اب یہ تحریک نہ صرف پورے ملک میں پھیل چکی ہے۔ بلکہ ترقی کے لئے ایک عام دستور بن چکی ہے۔ چنانچہ یہ تحریک سارے ملک میں قابل فخر مقام حاصل کر چکی ہے۔ مہاراشٹر ان رہنمایانہ خطوط کی روشنی میں جسے آنجہانی شری وائی۔ بی۔ چوان قائم فرما گئے تھے۔ ترقی کی راہ پر پیش قدمی کر رہا ہے۔ ان کا لگایا ہوا پودا اب بڑا درخت بن چکا ہے اور موجودہ نسل کو فائدوں سے نواز رہا ہے۔ اُمید ہے کہ آنے والی نسلیں بھی ان فائدوں سے

ستفید ہوں گی۔

مہاراشٹر جو صنعتی معاملات میں ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ ثقافتی، سماجی، اور تعلیمی اُمور میں بھی پیش پیش ہے۔ یہ یاست ملک بھر میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہونے کے لحاظ سے شہرت پاچکی ہے۔

ریاست مہاراشٹر کی انتظامیہ ایک بامقصد اور لوگوں کی بہبودی کی انتظام کاری کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہے لہ لوگوں کی ترقی کے لئے سہولت کے تمام ذرائع حاصل ہوں۔ وہ شخص جو غریبی کی سطح سے نیچے رہ کر زندگی گزار رہا ے ریاست کا مطمع نظر رہی ہے۔ عام آدمی ہی کو ریاست کے وسائل و ذرائع میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ ملنا ہیئے بلکہ درحقیقت یہ اس کا حق ہے۔ وہ بیس نکاتی پروگرام جو ہماری محبوب لیڈر آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی نے قین فرمایا ہے وہ نشان راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ پروگرام مذکور عام آدمی کی بہبودی کے سلسلے میں ایک بیش بہا ست ثابت ہوا ہے۔ ریاست مہاراشٹر نے اس پر پوری تندہی سے عملدرآمد کیا۔ بنے اور اس عملدرآمد میں وہ ملک کی سری تمام ریاستوں سے آگے ہے۔ جہاں تک خاندانی بہبود کے پروگرام کا تعلق ہے ریاست اس پر بھی اپنی کارکردگی مسلسل ۲ سال تک ملک بھر میں پیش پیش اور نمایاں رہی ہے اور ڈھائی کروڑ روپیہ کے قابل رشک انعام راس ملئے مستحق ٹھہری کہ خاندانی بہبود پروگرام پر اس کی کارکردگی ہندوستان کی ساری ریاستوں سے بڑھ چڑھ کر بت ہوئی تھی۔ ریاست تعلیمی معاملے میں بھی اپنا لوہا منوا چکی ہے۔ اس نے عورتوں کی تعلیم کے میدان میں بہترین رکردگی کی بنا پر مرکزی حکومت کا ۰ ۵ لاکھ روپے کا انعام جیتا ہے۔ اسی طرح ریاست نے سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء لڑکیوں کی تعلیم اور بالغ عورتوں کی تعلیم کے سلسلے میں بھی انعامات جیتے ہیں۔

حکومت مہاراشٹر ریاست کی چو طرفہ ترقی کا فیصلہ کئے ہوئے ہے اور اس مقصد کے تحت وہ مختلف بہبودی ام کی اسکیموں پر سختی سے عمل پیرا ہے۔ اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ ریاست کے مختلف علاقوں ، الگ الگ ہونے کے خیالات کو مٹایا اور تمام علاقوں کے لوگوں میں ایک ہونے کا خیال مستحکم کیا جائے۔ ملف اسکیموں پر عمل درآمد کرتے ہوئے حکومت کو نہ صرف ریاستی انتظامیہ کی طرف سے پورا تعاون ملا ہے اس انتظامیہ کو پورے ملک میں بہترین انتظامیہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

ہمارے وزیراعظم شری راجیو گاندھی نے سائنس اور ٹیکنالوجی پر کافی زور دیا ہے۔ ریاستی حکومت نے اس یاست کو سائنٹیفک اور ٹیکنولوجیکل روپ دینے کی پالیسی کی ابتدا کردی ہے۔ چنانچہ پالیسی ر کو صاف ستھرا اور مؤثر انتظامیہ کے ذریعے شری راجیو گاندھی کی مذکورہ پالیسی پر عمل درآمد کے لئے ریاستی ومت الگ سے ایک خاص انتظام کار باڈی قائم کرچکی ہے۔

مہاراشٹر کا جشن سیمیں کا سال انڈین نیشنل کانگریس کی صد سالہ تقریب کے ساتھ ساتھ پیش آیا ہے۔ استی حکومت جشن سیمیں کے موقع پر لوگوں کی بہبودی کی کئی اسکیموں کو انجام دینے کا فیصلہ کرچکی ہے۔ مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ ریاست مہاراشٹر کی سال جشن سیمیں پر "قومی راج"، ایک خاص شمارہ ئع کر رہا ہے۔ یہ خاص شمارہ ان مضامین پر مشتمل ہوگا جو گزشتہ ۲۵ سال کے دوران ریاست کی میابیوں اور ترقی پر روشنی ڈالیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ شمارہ اپنے قارئین کو ہماری ریاست کے ترقیوں سے پوری ح روشناس کرائیگا۔ مہاراشٹرا، سنتوں اور سورماؤں، سماجی ریفارمروں، اور بڑے لیڈروں کی سرزمین ہے ہوں نے ملک کی زندگی پر خود اپنے نشانات چھوڑے ہیں۔ یہ ہم سبھوں کا فرض ہوتا ہے کہ ہم اس شاندار وراثت حفاظت کریں جو ہمیں ان عظیم بزرگوں سے ملی ہے اور اپنے محبوب ریاست کی ترقی کی رفتار کو زیادہ تیز یں۔ آئیے آج اس مبارک دن ہم سب مل کر یہ عہد کریں کہ ہم اپنی ریاست کی ترقی اور خوشحالی کیلئے ن توڑ کوشش کریں گے۔

شری وسنت راؤ پاٹل
(وزیراعلیٰ مہاراشٹر)



مہاراشٹر نے قومی زندگی کو نکھارنے میں نمایاں ادا کیا ہے....

"مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ محکمۂ اطلاعات و رابطۂ عامہ اپنے پبن
"قومی راج" کا خصوصی شمارہ تشکیل مہاراشٹر کے جشن سیمیں کے موقع پر شائع کر رہا
ہندی کی عظیم شاعرہ محترمہ مہادیوی ورما نے مہاراشٹر کو بھارت کی نگہبان ریا
دیا ہے۔ جیالوں کی اس سرزمین کا روحانی اور جغرافیائی ملن یکم مئی ۱۹۶۰ء کو ہوا
مہاراشٹریوں کی صدیوں پرانی تمنانے حقیقت کا روپ دھارن کیا تھا۔ مہاراشٹری
سپاہیوں کے مابین اختلاف کی کوئی خلیج کبھی نہیں رہی۔ دونوں اپنے اپنے مقام سے
عبادت کرتے اور سپاہیانہ گیت (پواڑے) گاتے رہے اور وہیں سے روحانیت کا پر
جاری رہا —— ان ۲۵ برسوں میں ریاست نے کافی ترقی کی ہے اور قومی زندگی میں اپنا
طور پر ادا کیا ہے۔

آج مہاراشٹر ایک نئے دور میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ ریاست صنعت، زراعت
کے راستوں پر ترقی کی راہیں طے کر رہی ہے۔ مہاراشٹر شیواجی مہاراج کے اس اصول کو
کا احترام کرنا ہے آج بھی پوری طرح کاربند ہے۔ سب ہی مذہبوں اور ذات کے لوگ
سے اس سرزمین پر آباد ہے اور باہمی بھائی چارہ کو قائم رکھ کر اس کی ترقی میں مدد دیتے

مجھے امید ہے کہ یہ خصوصی شمارہ ریاست کی ہمہ جہتی ترقی سے، جو تمام شعبوں
مؤثر انداز میں قارئین کو روشناس کرائے گا۔

میری تمام تر نیک خواہشات پندرہ روزہ جریدے کے ساتھ ہیں۔

ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی

(وزیر مملکت برائے شہری ترقیات، اطلاعات

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

اداریہ

"قومی راج" تشکیل مہاراشٹر کے جشن سیمیں کے موقع پر ایک خصوصی نمبر نکال رہا ہے۔ یکم مئی ۱۹۸۵ء میں مہاراشٹر کی تشکیل کے ۲۵ سال مکمل ہو چکے ہیں۔ ۲۵ سال قبل اسی روز مراٹھی زبان بولنے والوں کی زندگی میں سنہرا دن آیا تھا جب لوگوں کی دیرینہ خواہشوں کی تکمیل کا سلسلہ بھی لسانی طور پر قائم کردہ ریاست مہاراشٹر کی صورت میں ظہور ہوا جس کی بنیاد سماجی انصاف اور صاف ستھرے انتظامیہ پر تھی۔

سماجی انصاف پر معاشی بہبود کی حصولیابی میں حکومت نے بہتری کی کئی اسکیمیں وضع کیں۔ مہاراشٹر اپنی تشکیل کی ابتداء سے ہی کئی ترقیاتی سرگرمیوں میں پیش پیش رہا ہے۔ ملک کی معاشیات کو بڑھانے میں اس نے خاطر خواہ کردار نبھایا ہے۔ یہ ریاست جو کہ تاریخی اور ثقافتی ورثہ کے اعتبار سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ ایک پائیدار، مضبوط سیاسی بنیاد رکھتی ہے اور یہاں کی سرکاری مشنری بے حد منظم ہے جو کہ مختلف شعبوں میں بڑی مستعدی سے سرگرم عمل ہے۔ ترقی کی راہوں پر گامزن یہ ریاست سماجی اصلاح پسندی، اور ملی جلی تہذیب کی غمازی کرتی ہے۔

اس شمارے میں زراعت، صنعت، تعلیم، صحت، ٹرانسپورٹ، سماجی جنگل بانی وغیرہ وغیرہ موضوعات کو چھوا گیا ہے اور ان پر روشنی ڈالی گئی ہے ہمارے خیال میں یہ شمارہ مہاراشٹر کی ترقی کے ۲۵ سالوں سے اپنے پڑھنے والوں کو پوری طرح آگاہ کرے گا۔

ہم تمام ادیبوں، اسکالروں اور صحافیوں کے شکرگذار ہیں۔ جنہوں نے ہمیں تعاون دیا۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ سنٹرل پریس کے افسران، اور ملازمین کے بھی شکرگذار ہیں جنہوں نے اس پرچے کے نکالنے میں عرق ریزی کی۔

ایس۔ کے۔ سیگنے



مہاراشٹر: ترقی قابلِ فخر

گورنر مہاراشٹر

شری کونڈا مادھو ریڈی، کارگزار گورنر مہاراشٹر نے تشکیل مہاراشٹر کے ج
سیمیں کے موقع پر اپنے پیغام میں فرمایا کہ ان ۲۵ سالوں میں مہاراشٹر کی ت
قابلِ فخر ہے۔

شری ریڈی نے فرمایا کہ یکم مئی ۱۹۶۰ء کو مراٹھی بولنے والے عوام کے خواب شرمندۂ
ہوئے اور ایک لسانی ریاست کی داغ بیل ڈالی۔ اس وقت کے وزیر اعظم پنڈت جو
نے مہاراشٹر کے عوام کو مہاراشٹر کی ترقی میں سرگرمی سے عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی تھی اور اس وق
کے لیڈروں اور عوام کے لئے قابلِ فخر بات ہے کہ انہوں نے اس بات کو کر

گورنر نے کہا کہ آج مہاراشٹر قومی پروگراموں میں کافی پیش پیش ہے۔ زلزلے
اور دیگر آفت ناگہانیاں بھی ریاست کی ترقی میں آڑے نہیں آسکیں اور اس کے لئے
کے عوام اور ریاستی حکومت دونوں قابل مبارکباد ہیں۔

گورنر نے فرمایا کہ سرکار نے کئی اسکیمیں سلور جوبلی سال کے دوران جاری کر
فیصلہ کیا ہے جیسے دیہی علاقوں میں غیر روایتی توانائی کے ذریعوں کا استعمال، ..
مواضع جات میں پینے کے پانی کی فراہمی، جنگل بانی وغیرہ وغیرہ

شٹر کے سالِ جشنِ سیمیں کے موقع پر



مختلف پروگراموں کو
ہ میعادوں میں پورا کرنے کا عزم

یراعلیٰ کی عوام کو یقین دہانی

وزیراعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل نے، تشکیلِ مہاراشٹر کے سالِ جشنِ سیمیں کے موقع پر عوام
ے نام اپنے پیغام میں اپنی طرف سے پرتپاک مبارکباد پیش کی ہے اور بہت سے پروگراموں کو
ں میں آزادانہ محکمہ ماحولیات کی ابتداء ہر گاؤں میں کم از کم ایک گوبر گیس پلانٹ کا قیام، ہر
علقہ میں کم از کم ایک لڑکیوں کے ہوسٹل کی تعمیر، جنگل بانی پروگرام کے تحت پودوں کی کونپلوں کی دیکھ
یکھ کے لئے کم از کم ۱۰۰۰ اسکولوں کی شروعات، زراعتی یونیورسٹیوں میں "تعلیم بارو زگار" اسکیم
کا آغاز، جنگل بانی کے لئے پرائیویٹ اور خدمت گذار اداروں کو جنگلاتی زمین کی حوالگی، مچھلیوں
ی افزائش نسل کے لئے حکومت کی کھار اراضی کو لیز پر دینا، پونہ اور ناگپور شہروں میں شہری
رقیاتی اتھارٹیز کا قیام عمل میں لانا، بمبئی کو صاف ستھرا اور خوبصورت بنانے کے لئے خصوصی کوشش
رنا، عالمی بینک کی مدد سے ۲۸۲ کروڑ روپے کا رہائش گاہ مہیا کرنے کا پروگرام، گندی بستیوں میں
باد لوگوں کو ان فاضل اراضی پر بنائے گئے گھروں کو مالکانہ حقوق عطا کرنا جو عوامی مقاصد وغیرہ کے لئے
ضروری نہیں ہے، شامل کئے ہیں۔ ان پر اس ریاست کے سال جشنِ سیمیں کے موقع پر عملدرآمد
یا جائے گا۔

وزیر اعلیٰ، عوام سے مہاراشٹر میں واقع تمام آل انڈیا ریڈیو اسٹیشنوں سے اور دوردرشن کے
مبئی اسٹیشن سے تشکیلِ مہاراشٹر کے سالِ جشنِ سیمیں کے موقع پر خطاب فرمارہے تھے۔

شجاعت اور بہادری، رفعت و برتری، جذبۂ حب الوطنی اور اپنے آپ کو عوام کی خدمت کے
لئے وقف کر دینے کا جوش و ولولہ جو یہاں مہاراشٹر کے عوام میں بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے جیسی خصوصیا
کا وزیراعلیٰ نے حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یہاں کی عوام کا یک لسانی ریاست کے قیام کا خواب یکم مئی
سنہ ۱۹۶۰ء کو شرمندہ تعبیر ہوا اس لئے کہ چھترپتی شیواجی مہاراج کی دعا تھی برکت ان کے ساتھ تھی۔
س وقت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے نئی ریاست کا قیام ودربھ، مراٹھواڑہ، کوکن اور
مغربی مہاراشٹر کے علاقوں کو یکجا کر کے عمل میں لایا

شری پاٹل نے فرمایا کہ یہ بڑا ہی خوش آئند موقع ہے کہ اس کانگریس پارٹی کا قیام جس نے ہمارے ملک کو آزاد کرایا، مہاراشٹر کے شہر بمبئی میں ہوا تھا اور وہ صد سالہ جشن منا رہی ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بین الاقوامی سال نوجوانان، اور بین الاقوامی سال جنگل بانی بھی اس جشن کے ساتھ منائے جا رہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ انہیں یک لسانی مہاراشٹر کے اولین وزیر اعلیٰ شری یشونت راؤ چوان، کی جدائی کا از حد غم ہے۔ آنجہانی شری یشونت راؤ چوان نے ہی مہاراشٹر کے خواب کو حقیقت میں تبدیل کیا تھا۔ شری پاٹل نے سمیوکت مہاراشٹر کی تحریک میں شہید ہونے والوں کو بھی خراجِ عقیدت پیش کیا۔ شری پاٹل نے فرمایا کہ تشکیل مہاراشٹر کے موقع پر ریاست دوسرے پنج سالہ منصوبہ کے آخری سال میں تھی۔ اب چھٹا سالانہ منصوبہ مکمل ہو چکا ہے اور مہاراشٹر کی ترقی کے لئے ۱۲۰۰۰ کروڑ روپے خرچ کئے جا چکے ہیں۔ اس عرصہ کے دوران ریاست کو بہت سی قدرتی آفات جیسے، زلزلہ، قحط سالی، طوفان وغیرہ سے دو چار ہونا پڑا تھا اور حکومت اس مشکل دور پر عوام کے بھرپور تعاون سے قابو پا سکی تھی۔ اناج کی پیداوار کے بارے میں وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ۱۹۶۰ء میں ۶۰ لاکھ ٹن پیداوار تھی لیکن ۱۹۸۳-۸۴ء کے دوران ریاست نے ۱۰۹ لاکھ ٹن پیداوار حاصل کی۔ ۱۹۷۲-۷۳ء میں دودھ کی حصولیابی ۵ء۴ لاکھ لیٹر فی یوم تھی۔ لیکن آج یہی حصولیابی ۲۳ لاکھ لیٹر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ۱۹۶۰ء میں زیر کاشت علاقے صرف ۶ فی صد تھے جواب بڑھ کر ۱۲ فیصد ہو چکے ہیں۔ آپ نے پُرعزم ہو کر فرمایا کہ ریاستی حکومت نے اس بات کا تہیہ کر لیا ہے کہ وہ حالیہ فیصد کو مختلف اقدامات پر عمل درآمد کر کے ۲۵ فیصد کرے گی۔ صنعتی محاذ کے بارے میں وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ریاست میں کل ۲۱۰۰۰ فیکٹریاں ہیں اور ۹۹۰۰۰ صنعتی ادارے ہیں جہاں ۳۳ لاکھ مزدور کام کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ریاست میں تحریک امدادِ باہمی کی وجہ سے ۱۷۰۰۰ امدادِ باہمی اداروں کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ اور ان میں تقریباً ۱۸۰ لاکھ افراد کی ممبر شپ ہے اور عملی سرمایہ ۷۰۰۰ کروڑ روپے ہے۔ آپ نے تعلیم سے متعلق فرمایا کہ آج ریاست نے ۴۷ فیصد خواندگی حاصل کر لی ہے اور یہاں ۵۱۰۰۰ پرائمری ۱۰۰۰۰ ثانوی اور ۱۲۵۰۰ اعلیٰ ثانوی تعلیمی مراکز، یونیورسٹیاں اور ۴ زراعتی یونیورسٹیاں قائم ہیں۔ علاوہ ازیں نئے پالی ٹیکنیک اور انجینئرنگ کالج کھولے گئے ہیں تاکہ جوانوں میں خود روزگاری کا میدان وسیع تر کیا جائے۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ریاست تولید توانائی میں خود کفالت حاصل کرنے کے مرحلے پر پہنچ چکی ہے۔ ریاست میں جنگلاتی پیداوار ۵ کروڑ سے ۲۵ کروڑ تک پہنچ چکی ہے۔ صحت سے متعلق ریاست اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ متعین وقت سے ایک دہائی قبل ہی "تمام لوگوں کے لئے صحت ۲۰۰۰ء تک" کا نشانہ پورا کر لیا جائے۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ریاست کی پُر وقار ضمانت روزگار اسکیم پورے ملک کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ اب تک ریاست نے ۱۰۶۰۸ لاکھ کاموں کی تکمیل کر لی ہے۔ ان میں تقریباً سب ہی کام تعمیری نوعیت کے تھے۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ وہ علاقے جو یکجا کئے گئے تھے انہوں نے مختلف سطوح تک ترقیات حاصل کی ہیں

قومی آواز

ان علاقائی توازن میں یکسانیت لانے کے لئے حکومت نے وی ۔ ایم ۔ ڈانڈیکر کمیٹی کا قیام عمل میں لایا جس نے ۲۱۴۷ کروڑ روپے کی ، ریاست کے مختلف علاقوں میں پائے جانے والی کمی کو دور کرنے کی سفارش کی ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کمی پانچ سال کی مدت کے دوران ، سوائے آبپاشی اور راستوں کی ترقیات کے ، دور کر دی جائے گی ۔ ریاستی حکومت نے مرکز کے سامنے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ودربھ ، مراٹھواڑہ اور بقیہ مہاراشٹر بشمول کوکن ریجن کے تین مختلف خود مختار ترقیاتی بورڈ کا قیام عمل میں لائے

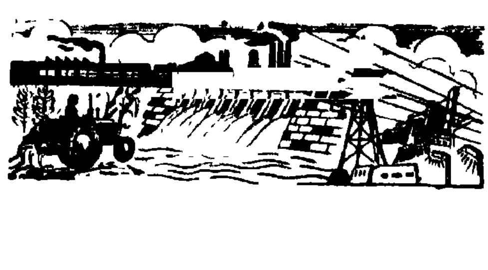
شری پاٹل نے مہاراشٹر کے مختلف پڑوسی ریاستوں کے ساتھ سرحدی تنازعوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تنازعے پچھلے کئی سالوں سے غیر حل شدہ پڑے ہوئے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے حل کی تلاش کے لئے کوششیں کیں لیکن آپ نے اس بات کا ارادہ ظاہر کیا کہ مرکز کو اس سلسلے میں رہنمائی اور تعاون کرنا چاہیئے تاکہ معاملہ ایک قابلِ قبول حل کے ذریعے طے پا سکے ۔

وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ حکومت نے اس بات کا فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ انتظامیہ میں مکمل طور پر مراٹھی کے استعمال کو سالِ سیمیں کے جشن کے موقع سے ہی رائج کر دے گی تاکہ لوگ اپنے مسائل ، اور مشکلات کو حکومت کے سامنے پیش کر سکیں ۔

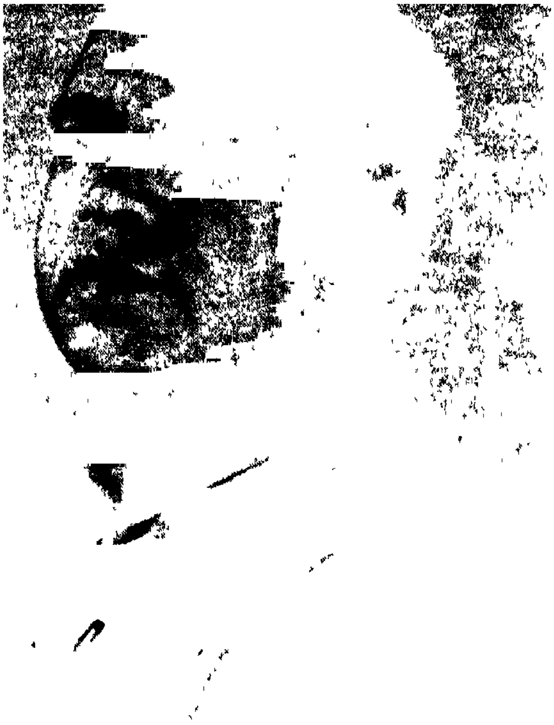
وزیراعلیٰ نے اس بات کی یقین دہانی کروائی کہ حکومت کی جانب سے سالِ جشنِ سیمیں کے دوران مقررہ میعادوں میں مکمل کئے جانے والے اعلان کردہ پروگراموں پر بہ سُرعت عمل درآمد کیا جائے گا اس سلسلے میں آپ نے عوام کی طرف سے بھرپور تعاون کی خواہش ظاہر کی ہے ۔

شری پاٹل نے فرمایا کہ مہاراشٹر اس بات کا خواہش مند ہے کہ مزید ترقیات حاصل کی جائیں ۔ جو ہندوستان کا ایک جزو بن کر کی جائے گی ۔ اس لئے کہ مہاراشٹر ہندوستان کا ہی ایک جزو ہے وزیراعلیٰ نے صدقِ دل سے فرمایا کہ ہم پہلے ہندوستانی ہیں اور پھر مہاراشٹرین ۔ آپ نے فرمایا ، کہ ہمارے وزیراعظم شری راجیو گاندھی کی طرف سے اعلان کردہ ان مختلف نئی پالیسیوں اور پروگراموں کو اپنا کر اور بخوبی عمل کر کے ، جو ہمارے ملک کو ۲۱ ویں صدی میں داخل کر دیں گے اور بھارت کو ایک مضبوط قوم بنا کر ابھاریں گے ، اس راہ پر مہاراشٹر صحیح ڈھنگ سے گامزن رہے گا اور انہیں روبہ عمل لائے گا ۔ اس لئے آپ نے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے تمام اختلافات کو اس متبرک موقع پر بھلا دیں ۔ اور ایک ساتھ باہمت و باعزم ہو کر ریاست و ملک کی ہمہ جہت ترقی کے حصول کے لئے کوشاں ہو جائیں ۔





مہاراشٹر کے وزرائے اعلیٰ



• شری وسنت راؤ پاٹل



• شری وائی۔ بی۔ چوان







• شری ایم۔ ایس۔ کنموار
• شری شرد پوار

• شری وی۔ پی۔ نائیک
• بیرسٹر اے۔ آر۔ انتولے

• شری ایس۔ بی۔ چوان
• بیرسٹر باباصاحب بھونسلے







रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

★ ایل۔ بے۔ مٹانکر

مہاراشٹر: مثالی پیش قدمی

ماضی پر طائرانہ نظر

فروری ۱۹۸۳ تا ۱۹۸۵ء

- مہاراشٹر کی کثیر الاطراف اور کثیر المقاصد ترقی
- مہاراشٹر: نئے انتظامی دَور کی دہلیز پر
- مہاراشٹر: ۲۰ نکاتی پروگرام پر عمل درآمد میں تمام ریاستوں میں اولین
- مہاراشٹر: حیرت انگیز ترقی کے ساتھ استحکام
- مہاراشٹر: تیز رفتاری کے ساتھ ہمہ جہتی آگے کوچ
- مہاراشٹر: ترقی پذیری میں اپنی شان برقرار رکھنے والی ریاست

مہاراشٹر ایک ترقی پذیر اور روشن خیال ریاست ہے۔ اس نے اپنی اس شان کو نہ صرف برقرار رکھا ہے بلکہ اسے مستحکم بھی کیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری وسنت راد پاٹل کی دانشمندانہ مستقبل پر نظر رکھنے والی اور دور نگاہی میں یکتا قیادت کی بدولت اس ریاست نے مزید نئی بلندیوں کو سر کرنے کی طرف اپنی پیش رفت جاری رکھی ہے۔

محترم وزیر اعلیٰ نے اپنی انتھک، کثیر جہتی اور متعدد پہلوؤں والی اختراعی کوششوں کے ذریعہ ریاست کو ایسی شاہراہ پر پہنچا دیا ہے جہاں سے مستقبل کے عہدِ خوش گوار کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

تعلیم ہو کہ صنعت، زراعت ہو کہ خاندانی منصوبہ بندی، ہر سمت میں، ہر امر میں مہاراشٹر آگے کی طرف کوچ کر رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں ریاست کے چھ کروڑ نفوس کی رگوں میں خون زندگی کی دَوڑ تیز تر ہو چکی ہے جس کی علامت یہ ہے کہ مہاراشٹر کے ہر چہار رخ پر عوام اپنی اور ریاست کی حالت کو بہتر و خوشتر بنانے کے لئے جدّ و جہد میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

۲۰ نکاتی پروگرام پر کامیابی کے ساتھ عمل درآمد کو ریاستی قیادت کی کسوٹی سمجھا جاتا ہے۔ لوگوں کی بھلائی کی صحیح اور واضح سمت مقرر کرنے والی انتظامیہ کے ساتھ لوگوں کا دلی تعاون اور بہبودی کے پروگراموں کے ذریعے پستی میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو اوپر اٹھانے کی کوشش کے سلسلے میں مہاراشٹر کا معیار و درجہ کافی بلند ہے۔

مہاراشٹر کی تدریجی ترقی کا مسلسل مطالعہ اس بات کا واضح ثبوت پیش کرتا ہے کہ انتظامیہ میں نئے کلچر کا داخل کیا جانا، جس کی بنیاد انتظامیہ کے صاف ستھرا ہونے کے ساتھ ساتھ عام آدمی سے زیادہ سے زیادہ خوش خلقی کے برتاؤ پر مبنی ہے۔ مہاراشٹر کی زندگی کے ہر روپ میں ایسی تبدیلی کا باعث ہوا ہے۔ جس کا اثر یہاں کی اقتصادی حالت یا سماجی اقتصادیات کے ہر گوشے پر اچھا اور خاطر خواہ ہوا ہے۔

انتظامی امور میں جدت طرازی کا جذبہ، ہر مرحلے پر اور ہر دائرے میں ترقی کی حقیقت پسندانہ جانچ نیز

سرمایہ و وسائل کی انصاف پسندانہ تقسیم تا کرہ رعایت کے بغیر تمام علاقوں کی نشوونما متوازن طور پر ہو۔ ریاستی انتظامیہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے جس کے سربراہ روشن دماغ تیز فہم اور قوتِ عمل رکھنے والے وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل ہیں۔

اگرچہ مہاراشٹر بڑی تیزی سے شہر پسند بنتا جا رہا ہے اور قصبے شہروں کا روپ اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ پھر بھی ریاستی انتظامیہ کام کے اوقات کی پابندی سے بلند تر ہو کر، شہر کے اطراف کو مستقلاً ہمہ جہتی ترقی کی دہلیز پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔

اس طرح ریاستی قیادت نے، کئی محاذوں پر بہت سے نشیب و فراز اور چیلنجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے تمام گروہوں فرقوں میں اور مہاراشٹر کے سب ہی طبقوں میں ہمدردی کا جذبہ بیدار کیا۔

ریاست کے لوگوں کو مہاراشٹر کی سرزمین سے بہت شاندار ورثہ ملا ہے جسے تاریخی حیثیت و شہرت حاصل ہے اور جس کے مورث اعلیٰ میں بڑے بڑے نامور ہیں۔ جیسے شری چھترپتی شیواجی مہاراج اور قومی ہیرو، جیسے لوکمانیہ تلک، گوپال کرشنا گوکھلے، گوپال گنیش اگرکر، جیوتی با پھولے، نیز سماجی اصلاحات کے سلسلے میں مشہور مہرشی کروے، سنت تکارام اور سنت نام دیو۔

مہاراشٹر کے "سال جشن سیمیں" (سلور جوبلی) کے لئے ترقیات کے نقشہ ہائے مناظر واقعی بہت رنگین اور کافی دلچسپ ہیں۔ جن میں ترقی کے مختلف مناظر سمٹ کر یکجا کر دیئے گئے ہیں اور جو ضخامت و گیرائی کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ عروج کی طرف ریاست مہاراشٹر کے اس اقدام کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ جو اس کے گذشتہ ۲۵ برس کے جہد مسلسل کی رنگ برنگی کہانی ہے اور جس کی رفتار بالخصوص دو ماسبق برسوں کے دوران شری وسنت راؤ پاٹل کی قابل انتظام کاری و قیادت میں اور بھی تیز ہو گئی ہے۔ یہ ثمرہ ہے اس دائمی سرگرمی اور انہماک کا جو ان کی طبیعت کا خاصہ ہے اور جس کے تحت وہ ریاست کی نئی ترقیوں کے خاکے، ڈیزائن اور ڈیولپمنٹ ہمیشہ اپنی الماری میں، انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف) کی طرح موجود رکھتے ہیں تاکہ جب چاہیں، انہیں نکالیں، ان کے نوک پلک درست کریں اور باریک بینی کے ساتھ ان پر عمل درآمد شروع کر دیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ ریاستی انتظامیہ نے حرف بہ حرف اپنی شہرت کی لاج رکھی ہے اور ہر محاذ پر، جیٹ ہوائی جہاز کی سی رفتار کے ساتھ، پیش قدمی کی ہے اور سچ پوچھئے تو ایک کارگذار انتظامیہ کے لئے ضروری بھی ہے کہ ہمیشہ چوکنا رہے اور آگے قدم بڑھانے بلکہ دوڑ پڑنے کے لئے تیار۔

تعلیم :-

یہی ہے وہ دائرہ، جس میں نہایت قابلِ قدر، اور دلکش ترقی پیش آئی ہے۔ اس دائرے میں لڑکیوں کی تعلیم پر خاص توجہ مبذول کی گئی۔ سنہ ۱۹۸۳-۸۴ء کے اکاڈیمی سال سے، تسلیم شدہ اور ایڈیڈ سیکنڈری اسکولوں میں لڑکیوں کے لئے دسویں درجے تک کی تعلیم مفت (فری) کر دی گئی ہے۔ اور سنہ ۱۹۸۵-۸۶ء سے، تسلیم شدہ، ایڈیڈ اور غیر ایڈیڈ تعلیمی اداروں میں لڑکیوں کے لئے تعلیم دسویں درجے تک مفت (فری) کر دی گئی ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کو ترجیحی بنیاد پر فروغ دینے کے لئے طے شدہ پالیسی کے عین مطابق، یہ فیصلہ طے پا گیا ہے کہ ریاست کے ہر تعلقہ میں .. لڑکیوں کے قیام کے لئے ہاسٹل تعمیر کئے جائیں۔ ۱۹ نومبر سنہ ۱۹۸۴ء تک کلیتاً لڑکیوں کے لئے جو سیکنڈری اسکول اور آرٹس، سائنس اور کامرس کالجس کھولے گئے ہیں۔ انہیں سنہ ۱۹۸۵-۸۶ء سے گرانٹ اِن ایڈ کا مستحق قرار دیا جا چکا ہے۔

پرائمری (ابتدائی) تعلیم کو ریاست گیر بنانے کے لئے، تمام ایسے دیہاتوں میں جو سالانہ محاصل ادا کرنے والے گاؤں (ریونیو ویلیج) ہیں۔ ابتدائی اسکول کھولے جا چکے ہیں۔ سنہ ۱۹۸۴-۸۵ء کے دوران، ریاستی حکومت فیصلہ کر چکی ہے کہ ان تمام گاؤں اور واڑیوں میں ابتدائی اسکول کھولے جائیں جن کی آبادی ۲۰۰ ہے۔ اور بالخصوص ایسے گاؤں میں جہاں ڈیڑھ ($1\frac{1}{2}$) کیلومیٹر کے فاصلہ کے اندر ابتدائی تعلیم کے لئے کوئی سہولت حاصل نہیں ہے حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ ایسے سیکنڈری اسکولوں

ب محقق (ایڈہاک) گرانٹ عطا کرے گی جو ۸۳-۱۹۸۲ء سنہ
ے قبل کھولے گئے تھے۔ پہلی مئی ۱۹۸۳ سنہ ء سے ودربھ
لاقے کے امراؤتی، آکولہ، بلڈھانہ اور ایوت محل کے
ضلعوں کے لئے علیحدہ یونیورسٹیوں کا قیام عمل میں آچکا ہے
۸۴-۸۳ سنہ ء سے "معاشی طور پر پس ماندہ درجے کے
وگوں کے لئے" اسکیم" کے تحت فری طالب علمی کے لئے
سالانہ آمدنی کی حد بڑھادی گئی ہے اور اب یہ حد ۱۰ دیں
درجے تک کے لئے ۱۰۰۰۰ روپیہ سالانہ کر دی گئی ہے۔
۸۵-۱۹۸۴ سنہ ء سے، بہترین عوامی (پبلک) لائبریریوں
و ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر انعامات دیئے جارہے ہیں۔
ریاستی حکومت نے، ریاستی سطح پر کئی تعلیمی ادارے قائم
کئے ہیں تاکہ " قبل۔ سروس" اور "داخل۔ سروس"
"پری۔ پرائمری" اور پرائمری سیکنڈری ٹیچروں کی ٹریننگ" کے
لئے نئے طریقے اختیار کئے جائیں اور انہیں انگریزی کی سطح
میں ٹریننگ، سائنس میں ٹریننگ اور (ایسے ہی)
دوسرے حلقوں کی ٹریننگ دی جائے۔ اس خیال
سے کہ ایسے تمام اداروں کی سرگرمیوں میں اشتراک عمل پیدا
کیا جائے اور اس خیال سے کہ ریاستی حکومت کو تعلیمی امور
میں مشورہ دیا جائے۔ ریاستی حکومت نے پونے میں ریسرچ
اور ٹریننگ سے متعلق ایک ریاستی کونسل قائم کی ہے۔
ایک چھترپتی شیواجی مہاراج میوزیم بمبئی میں قائم کرنے کی تجویز
طے پاچکی ہے۔ دوسرا میوزیم سندکھیڑا راجا میں، جو متو شری
جیجا بائی (والدہ شری شیواجی مہاراج) کا مقام پیدائش ہے،
قائم ہونے والا ہے۔ چندرا کانت مانڈرے آرٹ میوزیم
کولہاپور میں قائم ہو رہا ہے۔

حکومت مہاراشٹر نے ریاستی سطح پر ایک کمیٹی
قائم کی ہے۔ جس کے چیرمین وزیر ریاست برائے تعلیم ہیں۔
تاکہ پری۔ پرائمری درجے سے لے کر ہائیر سیکنڈری درجے
تک پر مشتمل تعلیمی پالیسی میں استحکام لایا جائے۔ یہ کمیٹی
حکومت کو اپنی رپورٹ ۲۶ جولائی ۱۹۸۴ء کو پیش کر چکی ہے
اور حکومت مذکورہ کمیٹی کی ۹۱ سفارشات پر حتمی فیصلہ
کر چکی ہے۔

ٹیکنیکل معلومات رکھنے والے آدمیوں کی کمیابی پر
غالب آنے کے لئے حکومت مہاراشٹر میں بغیر گرانٹ۔ اِن

ایڈ کی بنیاد پر ۸۴-۱۹۸۳ سنہ ء سے نئے ٹیکنیکل اور ٹیکنولاجیکل
کالجوں اور پالی ٹیکنیکوں کے کھولنے کی اجازت دینا منظور کر
چکی ہے۔ اب تک ۱۵ نئے ٹیکنیکل اور ٹیکنولاجیکل کالجوں
اور ۴۸ پالی ٹیکنیکوں کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ اسی طرح
سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری سطح تک ٹیکنیکل اور پیشہ ورانہ
تعلیم کی مانگ پوری کرنے کے لئے حکومت نے ۸۴-۸۳ سنہ ء
اور ۸۵-۸۴ سنہ ء کے دوران ۱۲۰ پرائیویٹ اداروں کو اپنے
ہائی اسکولوں میں ٹیکنیکل کورسیز کا آغاز کرنے کے لئے اور ۱۳۱
پرائیویٹ اداروں کو اپنے ہائیر سیکنڈری اسکولوں، اور
جونیئر کالجوں میں بغیر گرانٹ کی بنیاد پر پیشہ ورانہ کورسیز
کا آغاز کرنے کی اجازت عطا کر دی ہے۔ ان کے علاوہ
۸۵-۱۹۸۴ سنہ ء کے دوران، ۳۰ نئے گورنمنٹ ٹیکنیکل
ہائی اسکول اور سینٹر شروع کئے جاچکے ہیں اور چھ گورنمنٹ
ٹیکنیکل ہائی اسکولوں اور سینٹروں میں، پیشہ ورانہ کورسیز کا
آغاز کیا جا چکا ہے۔ گورنمنٹ نے ودربھ مہارو گی منڈل،
امراؤتی کو بھی اس کے مہار منا ماویہ ودیالیہ، تاپودن،
امراؤتی، میں ایک اسپیشل کیس کے طور پر گرانٹ۔ اِن۔
ایڈ کی بنیاد پر، ٹیکنیکل کورسیز شروع کرنے کی اجازت
دے دی ہے۔

ٹیکنیکل تعلیم میں بہتری لانے کے سلسلے میں مشورہ
دینے کے لئے اور مختلف پیشہ ورانہ اور ٹیکنیکل مضامین
میں اشتراک عمل رکھنے کے لئے، حکومت نے ۹ مئی ۱۹۸۳ء
کو ایک کمیٹی قائم کی تھی تاکہ کمیٹی مذکورہ حکومت کو سیکنڈری
اسکول کی سطح پر، نیز "پلس۔ ٹو۔ اسٹیج"، پر، نیز
اس سطح پر ٹیکنیکل تعلیم کو کرافٹ مین ٹریننگ اسکیم کے
ساتھ اشتراک عمل رکھنے کے سلسلے میں بھی ایسی تدابیر کے بارے
میں مشورہ دے جن کی بدولت، ٹیکنیکل، تعلیم کی تنظیم
جدید عمل میں آسکے۔ کمیٹی کی رپورٹ بالکل حال ہی میں
موصول ہوئی ہے اور اس کی جانچ پڑتال جاری ہے۔ بایں ہمہ
کمیٹی کی اس سفارش پر کہ، سیکنڈری سطح پر ٹیکنیکل تعلیم
میں نظر ثانی کیا ہوا نصاب شروع کیا جائے، رہنمایانہ
بنیاد پر عمل میں لایا جارہا ہے۔ اس طرح یہ سفارش کہ
ٹیکنیکل کورسیز "پلس۔ ٹو۔ اسٹیج" میں پیشہ ورانہ کورسیز
میں تبدیل کر دیئے جائیں۔ تجربہ کے بعد تغیر پذیر سمجھ کر

عمل میں لائی جارہی ہے ۔ سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران حکومت کے ۴۳ ٹیکنیکل ہائی اسکولوں اور سینٹروں میں سے ہر ایک میں، گیارہویں معیار کے ٹیکنیکل مضامین میں سے ایک حصہ (ڈویژن) پیشہ ورانہ کورسیز میں تبدیل کر دیا گیا ہے ۔

حکومت نے ایک ممتاز انجینیر شری جے. سی. بودھے کی چیئرمینی میں کمیٹی مقرر کی تھی تاکہ نئے 'ٹیکنیکل' اور ٹیکنولاجیکل کالجوں اور پالی ٹیکنیکوں کی پیش رفت کے بارے میں اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کریں ۔ امید ہے کہ کمیٹی ان اداروں کا دورہ کرے گی اور ان کی مشکلوں پر غالب آنے اور خامیوں کو دور کرنے کے متعلق مناسب تدابیر پیش کرے گی ۔

اس خیال سے کہ ریاست آئندہ قائم ہونے والے نئے ٹیکنالوجیوں کو ٹیکنیکل کام جاننے والے کاریگر مہیا کرسکے ۔ جہاں تک ممکن ہوسکا ہے 'نئے ٹیکنیکل' اور ٹیکنولاجیکل کالجوں کو ایسے مضامین دیئے گئے ہیں ۔ جو ٹیکنولوجی کے ان میدانوں میں کارآمد ہوں ۔ جن کے ظہور میں آنے کے امکانات ہیں ۔ اس خیال سے کہ ان نئے مضامین کا نصاب تجویز کیا جائے، پونے یونیورسٹی کے اس وقت کے وائس چانسلر شری رام تکوالے کی چیئرمینی کے تحت ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی تاکہ وہ مختلف یونیورسٹیوں کے لیے نصاب کا ایک مسودہ تیار کرے ۔ کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۳۱ جنوری سنہ ۱۹۸۴ء کو پیش کی جسے یونیورسٹیوں کے پاس قبول کر لینے کے لیے روانہ کر دیا گیا ہے ۔ ڈاکٹر بابا صاحب آمبیڈکر ٹیکنالاجیکل یونیورسٹی کے قیام کے لئے، حکومت نے نومبر سنہ ۱۹۸۴ء میں ایک کمیٹی نصاب کا مسودہ تیار کرنے اور دوسرے کئی امور جیسے ضرورت عمارت اور ساز و سامان کے سلسلے میں مقرر کی تھی ۔ جس کے چیئرمین شری درگیش چندرا تھے جو ایک ممتاز ٹیکنولاجسٹ ہیں ۔

اس امید بھرے نظریہ کے تحت مختلف قسم کے وہ تمام ٹیکنیکل اور ٹیکنالوجیکل ادارے جو ڈگری کورس اور ڈپلوما کورسس کی تعلیم دے رہے ہیں ۔ ہموار انداز میں کام کرنے لگیں اور یہ کہ انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹس اور ٹیکنیکل ہائی اسکولس کے کاموں میں بہتری پیدا ہو، اور "پلس ٹو - اسٹیج" میں پیشہ ورانہ تعلیمی پروگرام پر عمل درآمد ہو ۔ اور تاکہ اپرنٹس شپ ایکٹ پر نگرانی اطمینان بخش طریقے پر کی جا سکے ۔ حکومت نے موجودہ ڈائریکٹوریٹ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن کو دو الگ الگ اور ہر ایک کو پوری طرح کارپرداز ڈائریکٹوریٹ میں تقسیم کر دیا جن میں سے ایک کا نام ڈائریکٹوریٹ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن ہے ۔ جو ٹیکنیکل اور ٹیکنالوجیکل مضامین میں ڈگری اور ڈپلومہ کورسیز کی طرف توجہ دے گا اور دوسرے کا نام ڈائریکٹوریٹ آف ووکیشنل ایجوکیشن اینڈ ٹریننگ ہے جو ٹیکنیکل ہائی اسکولوں، صنعتی تربیت کے اداروں (انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹس) "پلس ٹو - اسٹیج" میں پیشہ ورانہ تعلیم اور اپرنٹس شپ ایکٹ سنہ ۱۹۶۱ء کے تحت ٹریننگ اور سرٹیفکیٹ کورسیز پر توجہ دے گا ۔ جس کے لئے تعلیمی لیاقت ایس - ایس - سی پاس یا اس سے کم سطح کا امتحان ہے ۔ کچھ عرصے سے حکومت ہند اور اقوام متحدہ کے ڈیولپمنٹ پروگرام نے گورنمنٹ کالج آف پونے کو مائکرو پروسیسنگ انجینیرنگ یونٹ کے لئے انتخاب کر لیا ہے ۔ اور اس کے لئے فنڈز کا اہتمام یو - این - ڈی - ایف نے اور حکومت ہند نے ۳½ سال کے لئے کیا ہے ۔ حکومت ہند نے وکٹوریہ جوبلی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کو کمپیوٹر ایپلیکیشن میں ماسٹر کی سطح تک کا کورس ۲½ سال تک چلانے کی اجازت دی ہے ۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس کورس کے لئے طالب علموں کی ایک - تہائی تعداد ریاست کے باہر سے آنے والوں کی ہوگی ۔

پونے، کراڈ اور اورنگ آباد کے تینوں انجینیرنگ کالجوں کو "او" سطح کے کمپیوٹر کے لئے مرکزی حکومت کی امداد مل چکی ہے اور انہیں نصب کیا جا رہا ہے ۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ انجینیرنگ کالج، کراڈ کو اپنی سول انجینیرنگ لیباریٹریوں کو جدید بنانے کے لئے مرکزی امداد مل چکی ہے ۔ ایک تجویز اس نوع کی کہ ویژوئل آرٹس کی ایک یونیورسٹی قائم کی جائے ۔ پیش کی جا چکی ہے ۔ اور فی الحال اس پر حکومت پوری تندہی سے غور کر رہی ہے ۔

اس بات کی روشنی میں کہ صنعتی نظام بڑی سرعت کے ساتھ قیام میں آرہا ہے اور اس کے نتیجے میں صنعتوں میں ماہر کاریگروں کی مانگ میں اضافہ ہو رہا ہے، ۴۰ نئے

انڈسٹریل ٹریننگ ادارے اگست ۱۹۸۳ء سے اگست ۱۹۸۴ء کے درمیان کھولے جا چکے ہیں۔ یہ تعداد ان موجودہ ۵۸ انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹس کے علاوہ ہے۔ ان میں سے ۳۹ کی ابتدا اگست ۱۹۸۴ء میں ہوئی تھی۔ ان ۳۹ آئی۔ ٹی۔ آئی اداروں میں سے ایک وہ ہے جو ضلع رائے گڈھ کے مقام ناگوٹھانے میں کھولا گیا ہے۔ اور یہ پروجیکٹ سے متاثر اشخاص کے لئے ہے جبکہ چار انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹس فقط مستورات کے لئے کھولے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ، (۸) انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹس ریاست کے قبائلی علاقوں میں کھولے گئے ہیں۔ وہ (۳۵) پرائیویٹ آئی۔ ٹی۔ آئی ادارے جو فروری ۱۹۸۳ء کے آخر میں موجود تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے بھی حکومت نے (۲۹) مزید پرائیویٹ آئی۔ ٹی۔ آئی اداروں کو مختلف ضلعوں میں، ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران اجازت عطا فرمائی ہے۔

پروجیکٹ سے جو لوگ متاثر ہوئے ہیں ان کی ٹریننگ کے لئے ایک ٹریننگ مرکز یعنی نہوا شیوا پورٹ ٹرسٹ پروجیکٹ کا قیام پہلی دسمبر ۱۹۸۴ء سے اورن ضلع رائے گڈھ میں عمل میں آیا ہے۔ ریاستی حکومت کی دستوری ذمہ داری کی تکمیل کے لئے جس کے تحت بنیادی ٹریننگ کا اور اس سے متعلق انسٹرکشن کا ایسے نئے اپرنٹسوں کے سلسلے میں انتظام کرنا جو ان اداروں میں ملازم ہیں جہاں کام کرنے والوں کی تعداد ۵۰۰ سے کم ہے۔ حکومت کے لئے لازم ہے۔ چنانچہ ریاست میں ۸۳-۱۹۸۲ء تک بنیادی ٹریننگ کے اور ان سے متعلق انسٹرکشن کے مراکز ۲۴ تھے۔ اور یہ مراکز ہر ضلع کے صدر مقام میں واقع تھے۔ جو اپرنٹسوں کو ٹریننگ دیتے تھے۔ ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران دو نئے بنیادی ٹریننگ کے اور ان سے متعلق انسٹرکشن کے مراکز ضلع پونے کے مقام چنچواڈ میں اور بھنڈارہ میں کھولے گئے۔ اپرنٹسوں کو ایسے (۱۳۴) ٹریڈس میں لگانے کی رفتار جن کا تعین حکومتِ ہند کی طرف سے کیا گیا۔

سال	جگہوں کی تعداد	اپرنٹس، جو ٹریننگ پا رہے ہیں
(۱) ۸۳-۱۹۸۲ء	۲۲،۶۱۵	۱۷،۷۷۴
(۲) ۸۴-۱۹۸۳ء	۲۳،۵۰۰	۱۹،۲۰۰
(۳) ۸۵-۱۹۸۴ء	۲۱،۲۵۲	۱۹،۰۴۹

آبپاشی :-

نئے ۲۰ نکاتی پروگرام میں توانائی کے ذریعے آبپاشی کو اولیت دی گئی ہے۔ جون ۱۹۸۴ء تک مجموعی آبپاشی بذریعہ توانائی ۲۱،۹۰ لاکھ ہیکٹر تھی۔ مزید ۴۶،۰۴ لاکھ ہیکٹر آبپاشی کے ذریعے زراعت کے تحت آجائے گی۔ جب ۵ بڑے پروجیکٹ ۲۲ درمیانی نوعیت کے پروجیکٹ اور ۲۵ چھوٹے آبپاشی کے پروجیکٹ مکمل ہو جائیں گے۔ ان سب پروجیکٹوں پر تخمیناً ۷۰۰ کروڑ روپیہ خرچ آئے گا۔ دوسرے ۱۶۲ چھوٹی آبپاشی کی اسکیمیں تھی جن پر تخمیناً ۶۹ کروڑ روپیہ خرچ ہوگا۔ زیر عمل آئیں گے۔ جب ان پروجیکٹوں کو ہاتھ میں لیا جائے گا اور جن کے ذریعے ۵۶ء ۲ لاکھ ہیکٹر کی آبپاشی ہوگی۔

دوسرے پروجیکٹوں میں جو پائپ لائن میں ہیں اور جن کے ذریعے آبپاشی کے سیکٹر میں سرمایہ کاری کو تقویت ملے گی اور جن سے دو مقاصد حاصل ہوں گے۔ یعنی آبپاشی کے نشانے میں اضافہ ہوگا اور موجودہ آبپاشی کے پروجیکٹوں میں بہتر نوعیت کی انتظام کاری ہوگی۔ یہ پروجیکٹ شامل ہیں۔ (۱) مہاراشٹر میں پانی کے استعمال کا پروجیکٹ جس کے لئے عالمی (ورلڈ) بینک نے ۲۵۴ کروڑ روپیہ مدد کے طور پر قرض دیا ہے۔ تاکہ ۲۵۰ و ۹۴ ہیکٹر رقبے کا احاطہ کیا جا سکے۔ (۲) اورنگ آباد کے واٹر اینڈ لینڈ مینجمنٹ انسٹی ٹیوٹ کی توسیع، ریسرچ سے متعلق مطالعات کے لئے جس کے لئے قرض اور گرانٹ کے طور پر ۸۵،۵ کروڑ روپیہ یونائیٹیڈ اسٹیٹس ایجنسی برائے انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ (یو۔ ایس۔ اے۔ آئی۔ ڈی) نے دیا ہے۔ (۳) ۲۰ کروڑ روپیہ سرمائے والی اسکیم جو ۱۹۸۵ء کی مدت کے دوران کام میں لئے جاتے کے لئے ہے اور جس کے لئے یوروپین اکنامک کمیونیٹی (ای ای سی) کی مدد لی جاتی ہوگی تاکہ ۱۰،۰۰۰ ہیکٹر کھاری زمین کو دری کلیم کیا جا سکے۔ چار آبپاشی کے پروجیکٹ یعنی مانجرا، بالائی، (اپر) گوداوری، کھڑک واسلہ، اور سوریہ مرکز کے کفالت کردہ سی اے ڈی پروگراموں میں نئے نئے شامل کئے گئے ہیں۔

دیہی ترقیات :-

نومبر ۱۹۸۴ء میں مہاراشٹر اسمبلی نے پونہ، ناگپور اور دیگر علاقوں میں دیہی ترقیات اتھارٹیز کی تشکیل کے لئے ایک بل پیش کیا تاکہ ریاست کے مختلف علاقوں میں منصوبہ بند طریقہ پر ترقیاتی کاموں پر عمل درآمد کیا جا سکے۔ یہ بل زیر بحث ہے۔ بمبئی کے جزیرہ شہر کا منصوبہ فیصلہ کے آخری مراحل میں ہے۔ مارکیٹوں کا بڑی تعداد میں بمبئی شہر سے انخلا اس بات کا ضامن ہے کہ بمبئی میں بھیڑ بھاڑ کو کم کیا جا رہا ہے۔

حالیہ بھوپال گیس المیہ کے مدنظر مہاراشٹر آلودگی بورڈ کے تحت ماحولیاتی تحفظ کمیٹی وضع کی گئی جس کے صدر ڈاکٹر گرگ ہیں۔ اس کمیٹی کا کام بڑے پیمانے پر آلودگی کی روک تھام کے لئے اقدام کرنا ہے۔ سرکار نے فی ایکڑ کم از کم ۳۰,۰۰۰ روپے نہوا شیوا پورٹ پروجیکٹ کے لئے اراضی کے معاوضہ کے طور پر دینے کا فیصلہ بھی کیا ہے۔

اقل ترین ضروریات پروگرام (صحت عامہ)

۸۴-۱۹۸۳ء میں مہاراشٹر سرکار نے ۱۰۶۲ صحت عامہ مراکز کی منظوری دی اور پی ایچ سی کے قائم کردہ ۱۵۳۹ کے نشانہ کو حاصل کیا۔ نرسوں اور دایہ وغیرہ کی ضرورت کے مدنظر حکومت ہند نے این اے این ایم کے لئے تربیتی کورسوں کو بھی جاری کرنے کی منظوری دی۔ اس طرح ان تربیتی کورسوں کی تعداد مہاراشٹر میں ۵۱۴ سے بڑھ کر ۲۴۶۶ سالانہ ہوگئی ہے۔ کوڑھ کے انسداد کے لئے بھی مہاراشٹر میں زبردست اقدام کئے گئے ہیں۔ وزیر اعلیٰ کی صدارت میں ایک کمیٹی وضع کی گئی ہے جو اس ضمن میں زور و شور سے برسرپیکار ہے۔ امراوتی میں یکم دسمبر ۱۹۸۴ء سے "تپودن" کوڑھ کے انسداد کا ادارہ حکومت نے اپنے تحت لے لیا ہے۔

طبی تعلیم اور ادویہ انتظامیہ :-

ریاستی ملازمین بیمہ اسکیم مہاراشٹر میں ۱۹۵۴ سے نافذ العمل ہے۔ ۸۵-۱۹۸۴ء میں اسے دیگر ۲۱ مقامات پر لاگو کیا گیا۔ بمبئی میں غذا اور ادویہ لیبارٹری کے قیام کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آیورویدک، یونانی اور ہومیوپیتھک کالج کی تعداد میں جولائی۔ اگست ۱۹۶۴ء سے اضافہ ہوا ہے۔ ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۹.۲۰ کروڑ روپے کی گنجائش اسکیم (میٹریل ویکسین پروڈکشن) کے لئے رکھی گئی ہے۔

زراعت :-

۸۴-۱۹۸۳ء میں ۳۷ کروڑ روپے کی لاگت سے مائیکرو واٹر شیڈ بنائے گئے دیہی ضمانت روزگار اسکیم کے تحت ۵۰ کروڑ روپے کا صرفہ لگانے کی امید ہے۔ خشک اراضی تکنولوجی کے تحت حکومت نے ہر تعلقہ سے ایک گاؤں کے انتخاب کا فیصلہ کیا ہے تاکہ کرشی پندھری یوجنا کا اطلاق کیا جا سکے۔ اس ضمن میں اب تک ۳۰۰ موضع کا انتخاب کیا جا چکا ہے۔ زرعی ڈائرکٹوریٹ نے ۱۰۰ سال ۱۹۸۴ء میں پورے کر لئے ہیں۔ اور ڈائرکٹوریٹ نے اس بات کا بھی فیصلہ کیا ہے کہ وہ زرعی سائنس اور سماجی کارکنوں کی عزت افزائی کے لئے انہیں مڈل دے گی۔ یہ میڈل کرشی بھوشن کہلائے گا۔ جولائی ۸۴ میں شری اے، پی۔ شندے، سابق مرکزی وزیر مملکت زراعت کی نائب صدارت میں مہاراشٹر کونسل برائے زرعی تعلیم و ریسرچ تشکیل دی گئی۔ ریاست کے یونیورسٹیوں میں ہارٹی کلچر کے ڈگری کورس شروع کئے گئے۔

۸۴-۸۳ء میں مہاراشٹر میں ۱۴۰.۴ لاکھ ٹن تیار بیج کی پیداوار ہوئی۔ اس سلسلہ میں اچھے بیج کسانوں میں تقسیم کرنے کا کام ہوا تاکہ معیاری تیل کے بیج کی پیداوار ہو سکے۔ مرکز کے تعاون سے جاری کردہ اسکیم کے تحت چھوٹے اور درمیانی کسانوں کو ہر ممکن امداد پہنچائی جا رہی ہے۔

امداد باہمی سوسائیٹیاں :-

وناسپتی گھی پروجیکٹ ریاست میں قائم امداد باہمی سوسائیٹیاں موضع جاتی سطح پر بنائی گئی جو کہ سطح پر فیڈریشن میں تبدیل ہو جائے گی۔ مہا-

اسٹیٹ کوآپریٹیو مینڈل یکم فروری ۱۹۸۴ء میں وضع کیا گیا تاکہ کوآپریٹیو سوسائیٹیز ایکٹ میں خاطر خواہ تبدیلی کی جا سکے۔ ورلڈ بینک کی مدد سے ۵۵ کروڑ روپے کی لاگت سے کاٹن پروسیسنگ۔ ونیٹو اور ۱۰۰ میٹرک ٹن استعداد والی کاٹن سیڈ آئیل پروسیسنگ یونٹ کے لیے منظوری دے دی گئی ہے۔ شری ہری بھاؤ نائیک کی ماتحتی میں ایک مطالعاتی گروپ ٹیکسٹائل ملوں سے متعلق چھان بین کرنے کے لیے تشکیل دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں سرکار کی امداد کے لیے ۲۰ میں سے ۶ ملوں کا انتخاب کیا جا چکا ہے جنہیں نیشنل کوآپریٹیو ڈیولپمنٹ فیڈریشن نے منتخب کیا ہے۔

مہاراشٹر میں نجی اور امدادِ باہمی شکر کارخانہ جات کی تعداد ۱۰۰ کے قریب ہے۔ مناسب آب و ہوا کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت کے سامنے مزید ۱۵ شکر کارخانوں کی تجاویز رکھی ہیں۔ اجارہ داری کپاس خریدی اسکیم کی مدت میں مرکز کی اجازت سے ۳۰ر جون ۱۹۸۶ء تک توسیع کر دی گئی ہے۔ امدادِ باہمی تحریک میں پیش پیش رہنے کی وجہ سے مہاراشٹر میں ۶۸,۰۰۰ امدادِ باہمی ادارہ جات موجود ہیں۔ موجودہ قانون میں ردّ و بدل کے لیے اور بہتری کے لیے نئے امدادِ باہمی ہدایات نومبر ۱۹۸۴ء میں مہاراشٹر اسمبلی کے ناگپور اجلاس میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ ورلڈ بینک کی مدد سے ۱۲۴۷۰۰ میٹرک ٹن استعداد کے ۴۰۵ نئے گودام کی تعمیر کے پروجیکٹ پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ ۵۸۱ نئے گوداموں کا پروگرام زیرِ غور ہے۔ ریاستی ملازمین امدادِ باہمی قرضہ جات ہاؤسنگ فینانس سوسائیٹیوں کو امداد کی اسکیم کے طور پر ۲۲۵ کروڑ روپے دیئے جا چکے ہیں۔ مہاراشٹر کوآپریٹیو ہاؤسنگ فینانس سوسائٹی لمیٹیڈ کو مزید ۱۱ کروڑ روپے دیئے جائیں گے۔ جس کی ابتدا ۸۴-۱۹۸۳ء سے لائف انشورنس کارپوریشن آف انڈیا نے کی تھی۔ اسی طرح ریزرو بنک نے شہری امدادِ باہمی بینکوں کو گھروں کی تعمیر کے لیے سال برائے ۸۵، ۶۸۴ کے لیے ۱۰ کروڑ روپے کی امداد کی اجازت دے دی ہے۔ پیاز پیدا کرنے والے کسانوں کو ریاستی امدادِ باہمی مارکیٹنگ فیڈریشن اور این اے ایف ای ڈی حکومتِ ہند کی ہدایت پر ۲۱۶ء۷ لاکھ کوئنٹل پیاز کسانوں سے خریدی ہے۔ تاکہ پیاز کے بڑھتے ہوئے اور گرتے ہوئے داموں میں یکسانیت پیدا کی جا سکے۔ معذور افراد کی امداد کے لیے سرکار متعلقہ اداروں کی بڑے پیمانے پر مدد کر رہی ہے۔ ۸۴-۱۹۸۳ء میں سات ضلع واری سطح پر ایسے ادارہ جات کی تشکیل کی گئی۔ باقی علاقوں پر اس اسکیم کا اطلاق ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران کیا جائے گا۔

ماہی گیری:-

مہاراشٹر اسکیم برائے ماہی گیری کے لیے عالمی بینک نے ۴۰ کروڑ کی منظوری دے دی ہے۔ اس کا فائدہ خاص طور سے اورنگ آباد، امراؤتی اور ناگپور وغیرہ بشمول دیگر ۱۶ اضلاع کے ہوگا۔ مرکزی سرکار کی امداد سے ۳۱،۳۵ لاکھ روپے کا ٹیکنولوجی میں بہتری کا ایک پائیلٹ پروجیکٹ کو ۱۹۷۹ء میں شروع کیا گیا تھا۔ اس نے ۸۴-۱۹۸۳ء میں کام کرنا شروع کر دیا۔ ۱۱،۰۷ کروڑ روپے کا ایک اور پروجیکٹ مرکزی حکومت کے زیرِ غور ہے۔ سیسون ڈاک فیشنگ ہاربر پروجیکٹ پر ریاستی سرکاری آگے کام کر رہی ہے۔ سنت پتی۔ ونیگورلا، دیوگڈھ اور ماہم میں بھی پورٹ ڈیولپمنٹ پروگرام مرکزی امداد کے لیے زیرِ غور ہیں۔ ۱۲,۰۰۰ کشتیوں میں سے ۴,۵۰۰ کشتیوں میں موٹر لگا دی گئی ہے۔ آبی پیداوار ۲،۳۰ لاکھ ٹن ہے اور مہاراشٹر بھارت بھر میں دوسرے نمبر پر ہے۔

سماجی بہبود ثقافتی امور،

اسپورٹس وسیاحت:-

حکومت نے رکت ہیرا ناجھاؤ ساٹھے دکاس مہامنڈل لمیٹیڈ کے نام سے ایک آزاد کارپوریشن وضع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس میں حصص سرمایہ کے ۲،۰۵ کروڑ روپے ہوں گے۔ اس کے علاوہ وسنت راؤ نائیک ومکتا جاتی اور نومیڈک قبائلی ترقیاتی کارپوریشن میں حصص سرمایہ ۲ کروڑ روپے ہے۔ جس کا مقصد

سماج کے پچھڑے طبقے کے افراد کی اسکیموں اور پروگراموں کو ان کی مالیاتی بہتری کے لئے وضع کرتا ہے۔ کولہاپور میں چترن گری بنایا جا رہا ہے تاکہ مراٹھی فیچر فلمی صنعت کو تقویت دی جا سکے۔ اس مقصد کے لئے ایک خودمختار ادارہ بھی تشکیل دیا جائے گا جس میں حصص سرمایہ ۲،۵ کروڑ روپے ہوگا۔

صنعتیں :-

مہاراشٹر میں فی الحال ۲۹ اضلاع ایسے ہیں جہاں صنعتی مراکز قائم کئے جا چکے ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں مرکزی سرکار نے ہر ضلع کے لئے ایک صنعتی مرکز قائم کرنے کی پالیسی وضع کی تھی۔ جو کہ ملک بھر کے لئے تھی۔ اس اسکیم کا نفاذ، مہاراشٹر میں بھی کیا گیا۔

اس اسکیم کا مقصد دیہی علاقوں میں صنعتوں کا فروغ تھا۔ آج ۲۹ اضلاع میں سے ۲۰ اضلاع میں ضلعی صنعتی مراکز کی عمارت تعمیر کی جا چکی ہیں۔ پونے میں ۴ جولائی ۱۹۸۴ء کو صنعتی پروجیکٹ کا افتتاح وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل نے کیا اور مہاراشٹر انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کمشنر کی صدارت میں ادیوگ متر سمیتی بھی قائم کی گئی۔ اسپیشل انڈسٹریل اسسٹنس سیکشن کی تشکیل انڈسٹریز، ڈپارٹمنٹ کے تحت کی گئی تاکہ نو آبجکشن سرٹیفکیٹ برائے صنعت جاری کرنے میں سہولتیں فراہم ہوں۔ صنعتوں کے ترقیات کے کاموں میں سیکوم اور دیگر صنعتی ترقیاتی ایجنسیاں نمایاں کام کر رہی ہیں۔

جاری کردہ ۳۰۲ صنعتی لائسنسوں میں سے ۱۱۰ صنعتی ترقیاتی علاقوں میں ۱۹۲ ترقی پذیر صنعتی علاقوں میں دیئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ غیر صنعتی علاقوں میں صنعتوں کی حوصلہ افزائی کے لئے "نو انڈسٹری ڈسٹرکٹ" کی تشکیل کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں مرکز نے بھی گڈ چرولی کے لئے "نو انڈسٹری ڈسٹرکٹ" کے طور پر منظوری دے دی ہے۔

اس سلسلے میں ریاست نے ۲۳۰،۰۶ کروڑ روپے کی رقم بطور بیج سرمایہ سال برائے ۸۵-۱۹۸۴ء کے لئے دی ہے تاکہ تعلیم یافتہ بے روزگار سرمایہ کار اس کا فائدہ اٹھا سکیں۔

مرکز کی جانب سے جاری کردہ ذاتی پیشہ شروع کرنے کے لئے صنعت کاروں کو امداد کی اسکیم ۸۴-۸۳ء میں جاری کی جا چکی ہے۔ اس سلسلے میں بینک کی جانب سے مالی امداد کے طور پر ذاتی پیشہ شروع کرنے کے لئے فی صنعت کار ۲۵۰۰۰ روپے تک کی امداد ۱۸ سے ۳۵ سال کے امیدوار کو دی جانے کی منظوری دی جا چکی ہے۔ اس اسکیم کا خاطر خواہ جواب ملا ہے۔

سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء کے اعداد و شمار اس طرح ہیں۔

سال	نشانہ	کار نمایاں	منظور شدہ امداد	حصولیابی
۸۴-۸۳	۲۰۸۰۰	۲۴۶۱۰	۲۲،۳۹ کروڑ	۱۲۵٪

اس اسکیم کے لئے بہت اچھا تعاون حاصل ہوا اور اس نتیجہ میں سنہ ۸۵-۸۴ء کا نشانہ ۲۵۰۰۰ مقرر کیا گیا۔

مزدور :-

۱۵۹ کام روکے جانے کے معاملات جس سے ۴۲،۳۶ لاکھ مزدور متاثر ہوئے۔ اور جس میں سے ۴۲، رکے ہوئے کام (یعنی تقریباً ۸۱ فی صد) یعنی ۳،۶۱ لاکھ مزدوروں کا معاملہ اچھے مشورے کے ذریعے طے کیا گیا۔ اسی مشینری کے ذریعے ۶۰ فی صد ہڑتال کے معاملات جو فروری سنہ ۱۹۸۳ء تا دسمبر سنہ ۱۹۸۴ء کے دوران پیش آئے تھے اور جن کو صرف ایک ماہ کی مدت کے دوران طے کئے گئے۔ اور صرف ۹ فیصد معاملات چھ ماہ کی مدت سے زیادہ التواء میں پڑے۔ مزید برآں، اسی دوران صرف ۱۷ فی صد لاک آؤٹ کے معاملات چھ ماہ کی مدت سے التواء میں پڑے رہے۔ ریاستی حکومت نے کم سے کم اجرت کی شرح کو ۲۹ مندرجہ روزگاروں کے سلسلے میں مقرر کیا ہے۔

توی

اسی طرح اس نے
یہ پالیسی بھی بنائی ہے کہ ان مندرجہ روزگار کے سلسلے میں جو خاص الاؤنس اور صارفین قیمتی اشاریہ سے منسلک نہیں ہیں کے لئے بھی کم از کم اُجرت مقرر کردی ہے۔ بیڑی مزدوروں کے لئے ایک کم از کم اجرت کمیٹی کا تقرر ہو چکا ہے اور اس سے ۵۰ء۳ لاکھ بیڑی مزدوروں کو فائدہ پہنچے گا۔ ریاستی حکومت نے ۱۰ یا ۲۰ سے کم مزدور رکھنے والے اداروں میں بونس کی ادائیگی کی شرائط رکھی ہے اور اس سے ۱۹۰۰۰ نئے ادارہ جات جن میں ۵ر۲ لاکھ مزدور کام کر رہے ہیں۔ کا احاطہ ہوگا۔ ایک قانونی پے منٹ آف مینیم ہاؤس رینٹ الاؤنس کی ایکٹ اپریل ۱۹۸۴ء کا اجراء کیا جو ریاست کے صنعتی مزدوروں کو گھر الاؤنس کی سہولت فراہم کرے گا۔ اس سے تقریباً ۴۰۰۰ فیکٹریوں اور اداروں کے ۱۰ لاکھ مزدور مستفید ہوں گے۔

بمبئی ویلفیر قانون بابت ۱۹۵۳ء میں ترمیم کی گئی جس کے نتیجہ میں لیبر ویلفیر فنڈ میں سالانہ ۶۵ لاکھ روپے کا اضافہ ہوا جس کے ذریعہ ۱۵ لاکھ سے ۱۸ لاکھ ملازمین کا احاطہ کیا گیا۔ مہاراشٹر لیبر ویلفیر بورڈ اقوام متحدہ فنڈ برائے بہبود آبادی کی مالی امداد سے ۹۶ لیبر ویلفیر مراکز کے ذریعہ آرگنائزر سیکٹر ورکرس کے لیے تعلیمی ویلفیر ایجوکیشن پروگرام جاری کر رہا ہے۔

دیہی ترقیات :۔

اسکول میں غذائی پروگرام کے جز کے طور پر پہلی جماعت کے ۲۰ لاکھ پرائمری اسکولی بچوں کو ملٹی ٹیچر اسکول میں اور پہلی جماعت سے چوتھی جماعت تک تمام پرائمری اسکولوں میں ایک ٹیچر والے اسکول میں دودھ، اور جہاں دودھ نہیں ہے وہاں پوشک آہار دیا جاتا ہے۔

پنچایت راج اداروں کے کاموں کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی ہے۔ ۲۸ر نومبر ۱۹۸۴ء سے ۳۱ر مارچ ۱۹۹۰ء تک کی مدت تک اسٹامپ ڈیوٹی اور ترقی کے معاہدوں کے رجسٹریشن فیس کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ پینے کے پانی کی فراہمی خاص طور سے خشک سالی کا شکار دیہاتوں میں کنوئیں کھودنے کے لئے خصوصی اقدامات کئے گئے۔

غذا اور شہری رسد :۔

مہاراشٹر نے سال ۸۴-۱۹۸۳ء اور ۸۵-۱۹۸۴ء کیلئے زرعی موسم میں اجناس کی کم سے کم قیمت مقرر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ سال ۸۴-۸۳ء کے لئے اعلیٰ اور اچھی اقسام کی جوار/چاول کی کم از کم گارنٹی قیمت بالترتیب ۱۴۰ روپے ۱۳۶ روپے اور ۱۳۲ روپے، جوار ۱۲۸ روپے، ۱۲۶ روپے اور ۱۲۴ روپے بالترتیب مقرر کی گئی ہے اور باجرہ اے، ایف اے یو ۱۲۴ روپے سال برائے ۸۵-۱۹۸۴ء کے لئے کم از کم گارنٹی قیمت چاول/جوار کے لئے بالترتیب ۱۴۵ روپے، ۱۴۰ روپے اور ۱۳۷ روپے (۱۰۶۶ میٹرک ٹن خریدی گئی) اور جوار/باجرہ کے لئے بالترتیب ۱۳۴ روپے، ۱۳۲ روپے اور ۱۳۰ روپے (جوار ۱۱۳۱۶۵ میٹرک ٹن اور باجرہ ۴۸ میٹرک ٹن خریدی گئی) عوامی تقسیم کاری نظام کے ذریعے اجناس، شکر، خوردنی تیل اور گھاسلیٹ فراہم کیا گیا۔

مکانات اور امداد خصوصی :۔

بمبئی میں واقع مخدوش بلڈنگیں اور دوبارہ تعمیر اور مرمت کے لئے مہاراشٹر ہاؤسنگ اینڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی کو سال ۸۴-۸۳ء کے لئے ۱۰ کروڑ روپے دیئے گئے۔ ایسی عمارتوں کے زمین مالکان/کرایہ داروں کو کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹیز یا نئی عمارتوں میں نئے فلیٹ بنانے کے لئے ایف ایس آئی میں نرمی کی گئی ہاؤسنگ بلڈنگ پروگرام کی ہمت افزائی کرنے کے لئے ریڈی میڈ بلو پرنٹس دستیاب کئے گئے۔ اس مقصد کے لئے سپر ورکس انڈیا لمیٹیڈ پونے ہر سال ۱۶ سے ۱۸ کروڑ روپے خرچ کرتی ہے۔ جھونپڑیوں کے سدھار کے لئے بے شمار ترغیبی، اور رعایتی اسکیمات مرتب کی گئی ہیں۔ ہاؤسنگ بلڈنگ پروگرام خاص طور سے سماج کے کمزور طبقات کے لئے مرتب کیا گیا ہے، حکومت مہاراشٹر نے بمبئی عظمیٰ کے کم آمدنی والے گروپ اور جھونپڑپٹی باسیوں کی حالت سدھارنے

کے لئے عالمی بینک سے ۲۸۳ کروڑ روپے کی امداد کی بمبئی میٹروپولیٹن ریجن کے ذریعہ عمل آوری کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔ سلم باسیوں کے ایک دوسرے ہاؤسنگ پروگرام کے ذریعہ ایک لاکھ سلم باسیوں کو شہری ضروریات مہیا کی جائے گی۔ حکومت نے ساتویں پلان کے دوران اس مقصد کے تحت ۵۱ء۲۰۸ کروڑ روپے مہیا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ عالمی بینک ۶۶ء۱۰۶ کروڑ روپے اور حکومت مہاراشٹر ۸۴ء۱۰۱ کروڑ روپے اس پروجیکٹ کی عمل آوری کے لئے بطور عطیہ دیں گے۔

۸۴-۱۹۸۳ء سے جاری اس پروجیکٹ کے بنیادی اصولوں کو عالمی بینک منظور کر چکی ہے۔ اس اسکیم کی عمل آوری کرنے کے لئے جگہوں کا تعین کرنے کے لئے سب اسکیم نمبر ۵ کے تحت ایجنسیوں کو ۵ کروڑ روپے دیئے جا چکے ہیں۔ ۸۵-۱۹۸۴ء کے بجٹ میں اس پروجیکٹ کے لئے ۱۲ کروڑ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے۔

باغبانی :-

۸۴-۸۳ء میں ۱۱۳۷۵ اور ۸۵-۸۴ء میں ۶۶۵۲ ہیکٹرس اراضی پر ایک نئے پھلوں کی پیداوار کا پروگرام مرتب کیا گیا ہے۔ ۸۵-۸۴ء میں فصلوں کی تحفظ اسکیم کے تحت، آموں کی فصلوں کا احاطہ کیا گیا اور یہ اسکیم ۸۵-۸۴ء تک جاری ہے۔ اس پروگرام کو ۱۰۰۰۰ ہیکٹرس سے بھی زیادہ اراضی وسیع کرنے کے لئے مالکان کو ۹۰ء۲۴ لاکھ روپے بطور امداد کے دیئے جائیں گے۔

سماجی جنگل بانی :-

۸۴-۸۳ء میں ۵۴۰ دیہاتوں پر مشتمل ۵۰۰۰ ہیکٹرس اراضی کا ایک علاقہ سماجی جنگل بانی کی عمل آوری کے لئے چنا گیا۔ ۱۹۸۴ء میں ۸۱۰ مزید دیہات اس اسکیم میں شامل کئے گئے۔ ریاست مہاراشٹر میں کل ۷۸۲۴۴۱ ہیکٹرس قطعہ اراضی کو سماجی جنگل بانی کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ سال ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران اس سماجی جنگل بانی اسکیم کے تحت کل ۴۳۰۰ دیہاتوں کو اس اسکیم میں شامل کیا جائے گا۔ جس پر ۴۰ء۵۶ کروڑ روپے کی تخمینی لاگت آئے گی۔

ادیواسی بہبود :-

ادیواسی ویلفیر ڈپارٹمنٹ کی تشکیل کی گئی جس میں آبادی کے پیش نظر انداز کردہ طبقہ کی فلاح پر خاص طور سے توجہ دی جاتی ہے۔ اور یہ خود مختار سیکشن یکم مئی ۱۹۸۳ء سے اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے۔ اب تک ادیواسی ایریا ڈیولپمنٹ اور ادیواسی اندی دیزول گرورتھ پر لاگت ۲۵:۷۵ میں تھی۔ اور اسے اب تبدیل کر کے ۴۰:۶۰ کر دیا گیا ہے اور اس تبدیلی پر ساتویں پلان سے سال ۸۶-۸۵ء میں عمل آوری کی جائے گی۔ قبائلی بہبود سب پلان کے تحت ضلع ناندیڑ کے کنوٹ مقام پر ایک ادیواسی اسپننگ مل رجسٹرڈ کی گئی ہے۔ چھوٹے ادیواسی کسانوں کی حالت سدھارنے کے لئے ایک نئی اسکیم وضع کی گئی ہے۔ جس کے تحت وہ شکر کارخانوں کے اراکین بن سکیں گے۔ اسی طرح ادیواسی علاقوں میں آٹھ صنعتی تربیتی ادارے کام کریں گے۔ اور اس میں ۷۵ فی صد داخلہ ان لڑکوں کو دیئے جائیں گے جو ادیواسی ہوں گے۔ محکمۂ ادیواسی بہبود نے گذشتہ دو سالوں میں سات آشرم اسکول جاری کئے ہیں جہاں ادیواسی بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔

جنرل ایڈمنسٹریشن :-

انتظامیہ کو بہتر اور چوکس بنانے کے لئے اس میں کئی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ کوکن، اورنگ آباد، امراوتی، ناگپور، ناشک اور پونے کو محصولی ڈویژن کا درجہ دے کر اس کام کا آغاز کیا گیا ہے اور ریاست مہاراشٹر کے دیگر اضلاع میں بھی انتظامیہ کو بہتر بنانے کا کام وسیع پیمانے پر شروع کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں انتظامیہ کو بہتر اور چوکس بنانے کا کام تجربہ کے طور پر احمد نگر ضلع میں کیا گیا ہے جس کے بہتر نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ ریاستی انتظامیہ کا تمام کام منترالیہ میں ریاستی حکومت کی جانب

سے کیا جاتا ہے۔ دفتروں سے غیر ضروری کاغذات کو تلف کرنے کا کام بھی شروع کیا جا چکا ہے۔ اور اس سلسلہ میں ۲۰۰ ٹن غیر ضروری کاغذات کے فائلوں کو منتقل اور تلف کر دیا گیا ہے۔ حکومت کے ان کاموں کی ہر جگہ سراہنا کی جا رہی ہے۔ نیز دوبارہ تنظیم کاری کے مفید اور با مقصد انتظامیہ اور ملازمین کی عوام کی ضرورتوں اور رمانگوں کے سلسلے میں مشترکہ ذمہ داریاں کا احساس بیدار کرنا ہے۔

گھر :-

پولس فورس میں سنہ ۸۴-۸۵ء میں ۲۰۰۰ کا اور سنہ ۸۵-۸۶ء میں ۳۰۰۰ اور سنہ ۸۶-۸۷ء میں ۴۰۰۰ کا اضافہ کیا جائے گا۔ اس ڈھنگ سے یہ کام پہلی مرتبہ کیا جا رہا ہے۔ اور اس سلسلے میں پولس عملہ کی بہبود کی غرض سے کئی اقدامات کئے گئے ہیں۔

مہاراشٹر اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن نے گذشتہ دو سالوں میں خود کو ایک بہترین ادارہ ثابت کیا ہے۔ ریاست مہاراشٹر بھارت میں پہلی ریاست ہے جس نے گاڑیوں وغیرہ کے ذریعہ دھوئیں سے پھیلائی جانے والی آلودگی کے خلاف قانون بنایا ہے۔ جس سے شہر بمبئی میں ۵۰ فی صد سے ۶۰ فی صد فضائی آلودگی کا خاتمہ ہوگا۔ بے روزگار نوجوانوں کو ذاتی روزگار کے لئے آٹو رکشا فراہم کرنے کی ایک اسکیم سنہ ۸۳ء میں مرتب کی گئی ہے۔ جس کے تحت ٹرانسپورٹ کمشنر کو ۶۸۲ و ۲ افراد کو آٹو رکشا دینے کی سفارش کی گئی۔ حادثات کیسوں میں زخمی ہونے والے زخمیوں کی امداد کے لئے ایک فنڈ قائم کیا گیا، اور ان حادثات میں مرنے والوں کے پسماندگان کو ۵۰ء۱ لاکھ کی رقم تقسیم کی گئی۔ وزیر اعلیٰ نے جولائی سنہ ۸۳ء کو وزیر ریلوے کو واردا۔ وانی۔ پمپل معوتی، عادل آباد۔ ناندیڑ، پارلی۔ وجیاناتھ، لاتور۔ کرڈو واڑی، میرج، کولہاپور، اور رتناگیری تک ریلوے لائن کی تعمیر کا مشورہ دیا۔ اس مجوزہ ریلوے لائن کے ذریعہ ضلع چندرپور کی ترقی اور ودربھا علاقہ اور کوکن کے ضلع رتناگیری میں نقل و حمل کرنے میں ریاست کو آسانی ہو جائے گی۔

محصول اور جنگلات :-

دیہی مہاراشٹر میں مکانات کے لئے جگہ۔ اور سلف کنسٹیڈ ہاؤس کی تعمیر والی اسکیم کے تحت سال سنہ ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران ایسے مکانات بنانے کا ۶۰۰ و ۱۴۲ کا نشانہ مقرر کیا گیا۔ خشک سالی سے متاثرہ علاقوں میں راحت کے کاموں کے لئے گذشتہ ۶۰۰ روپے سے ۱۰۰۰ روپے کی رقم بطور قرض دی گئی لیکن سنہ ۸۴ء میں اس رقم کو بڑھا کر ۲۰۰۰ روپے تک کر دیا گیا۔ خشک سالی سے متاثرہ ۲۰۰۰۰ دیہاتوں میں پینے کے پانی کی فراہمی کے لئے وزیر اعلیٰ کی طرف سے جنگی پیمانے پر اقدامات کئے گئے جس سے ۱۱۲۰۰ دیہاتوں میں پینے کے پانی کا مسئلہ حل کیا گیا۔ حکومتِ مہاراشٹر نے مذکورہ بالا اسکیمات پر ۱۱۸ کروڑ روپے خرچ کئے ہیں۔ یہ تمام کام ان سماج کے پچھڑے ہوئے طبقات کے افراد کے لئے کئے گئے جن کی سالانہ آمدنی ۳۶۰۰ روپے تک محدود تھی۔

مالیات :-

ضرورتِ زندگی کی اہم چیزوں جیسے ٹریکٹروں، آئل انجن، سائیکل، بلین، گھڑیاں، پلاسٹک کی مصنوعات، اور تیار ملبوسات پر ٹیکس کی شرح کم کی گئی۔ اور ان پر سے سیلس ٹیکس کی لیوی میں بھی رعایت کی گئی۔ پنشن فارمولہ کے ذریعے ۶۰۰۰۰ پنشن یافتگان کو فائدہ پہنچایا گیا۔ سرکاری ملازمین کی بیواؤں کو یکم جنوری سنہ ۸۴ء سے فیملی پنشن دی جائے گی۔

چھوٹی بچت :

مہاراشٹر نے سال ۸۳-۱۹۸۲ء میں چھوٹی بچت کے ذرائع کے ذریعہ ۲۰۔۳۴ فیصد تک بچت کر کے ملک بھر میں پہلا مقام حاصل ہوا ہے۔ سال سنہ ۸۳-۸۲ء میں، ریاست چھوٹی بچت میں ۵۶۶ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری کر کے ریاست بنگال سے سبقت حاصل کر چکی ہے۔ سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء کے لئے ۲۸۲ کروڑ روپے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔

منصوبہ بندی :-

ضلع منصوبہ بندی کے زمرے میں نہ آنے والے چھوٹے پروجیکٹوں کی عمل آوری کے لئے ۲ کروڑ روپے تک کی ایک زائد رقم مختص کی گئی لیکن بعد میں عملی کے لئے یہ رقم ۴ کروڑ روپے کی گئی۔

نئے ۲۰ نکاتی پروگرام :-

۲۰ نکات کی عمل آوری میں حکومت مہاراشٹر نے ۱۵ نکات کی عمل آوری میں بے حد کامیابی حاصل کی یہاں تک کہ اس نے ۸۱-۱۹۸۲ء میں اپنے لئے مقرر کردہ نشانے کو بھی پار کر لیا۔ دیگر ۲ نکات سے متعلق ریاست ۹۰ فیصد کے نشانے تک پہونچ گئی ہے۔ حکومت مہاراشٹر ۸۵-۱۹۸۴ء کے لئے دیہی علاقوں اور سماج کے کمزور طبقات میں ان نکات کی عمل آوری میں مقرر کردہ ۱۰۰ فیصد کے نشانے سے بھی آگے نکل گئی ہے۔ ان بیس نکاتی پروگرام کی رہنمائی اور نگرانی ریاستی سطح کے اہم ہوں کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ وقتاً فوقتاً اس کی عمل آوری کے کاموں کا جائزہ لینے کے لئے جائزہ کمیٹی کا قیام کیا جاتا ہے۔

ساتویں منصوبہ میں سماج کے پچھڑے طبقات کی بہتری پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ دیہی علاقوں کے کمزور طبقات کے لئے ۸ دیہی علاقائی بینکوں کا قیام کیا گیا ہے جنہوں نے اب کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ بینک کی شاخوں کے کھولنے کا نشانہ ۲۵۷ مقرر کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں ریزرو بینک کو ان شاخوں کے جاری کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ جو مارچ ۱۹۸۵ء تک منظور ہو جائے گی۔ مہاراشٹر فی الحال ۲۲ عالمی بینکوں اور دیگر عالمی مالیاتی ایجنسیوں کی امداد سے پروجیکٹوں سے فیض حاصل کر رہا ہے۔ اس کے لئے عالمی بینک نے ۸۲ کروڑ ڈالر کا قرض منظور کیا ہے۔ یو ایس ایس اے آئی ڈی نے بھی ۹۰ چھوٹے آبپاشی اسکیمات جن پر حکومت مہاراشٹر کے ذریعہ عمل آوری کی جائے گی۔ اور جس پر ۹۰ کروڑ روپے خرچ کا اندازہ ہے منظوری دے دی ہے۔ اس مقصد کے تحت یو ایس ایس اے آئی ڈی ۵۰ ملین ڈالرس قرض دینے پر رضامند ہو گئی ہے۔

۲۰ نکاتی پروگرام پر سرعت کے ساتھ عمل آوری کی خاطر ریاستی حکومت اور بینکوں نے مربوط دیہی ڈیولپمنٹ پروجیکٹوں کو مشترکہ طور پر عمل آوری کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور ان اسکیمات پر مستقبل میں عمل کی تفصیلات مشترکہ طور پر کتابچہ اور دیگر شائع شدہ مواد کے ذریعہ دی جائے گی۔

ضمانت روزگار اسکیم :-

مہاراشٹر کے مختلف اضلاع میں دسمبر ۱۹۸۴ء کے اخیر تک ۴۵۷۷ ملازمین کو روزگار مہیا کیا گیا۔ نظرثانی شدہ ضمانت روزگار اسکیم کے تحت یومیہ سات گھنٹے کام کرنے پر ۶ روپے اجرت دی جاتی ہے۔

علاقائی نابرابری :-

ڈانڈیکر کمیٹی کی سفارشات کے مطابق مہاراشٹر میں ترقیاتی کاموں کے لئے ۳۱۸ کروڑ روپے منظور کئے گئے۔ اسٹڈی کمیٹی کے مشوروں کی روشنی میں ترقی کے لئے ساتویں پلان میں ذرائع آب پاشی اور سڑکوں کی طرف خصوصی توجہ دیئے جانے کی ضرورت ہے۔ ساتویں پلان میں آبپاشی پروجیکٹوں اور سڑکوں کے کاموں پر بالترتیب ۲۶ اور ۷۰ فیصد تک بڑھانے کی ضرورت ہے۔ حکومت ہند نے مراٹھواڑہ کے ودربھ اور ریاست مہاراشٹر کے لئے علاقائی ترقی بورڈ کی منظوری دی ہے۔ ریاست کی درخواست مرکز کے زیر غور ہے۔

ریاستی حکومت نے ۱۹۸۱-۲۰۰۰ء کے دوران سڑکوں کی ترقی کے پلان مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

ہسا راشٹر کامیابیوں نی
زلوں کی جانب گامزن ہے

یاست نے وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل کی
بت میں سال ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۵ء کے دوران
ر کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ غربت مخالف ۲۰
گرام کی مؤثر ڈھنگ سے عمل آوری دراصل ہمارے
ت اعلیٰ درجہ رکھتی ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی
میہ کی درستگی ریاست کی منصوبہ بند ترقی میں
ابت ہوگی۔ مہاراشٹر نے بھارت کے دیگر حصوں
ین میں زیادہ ترقی حاصل کی ہے۔ اور خود کو کسی
ت کا حامل تصور نہیں کیا ہے۔
شک سالی، سوکھے، سیلاب اور فسادات

کے باوجود مہاراشٹر کے قدم کامیابی کی جانب چلنے سے متزلزل نہیں ہوئے بلکہ وہ اس سلسلہ میں ثابت قدمی سے جمے ہوئے ہیں اور حکومت ان حالات کا وزیر اعلیٰ کی قابل قیادت میں چیلنج سمجھتے ہوئے مقابلہ کر رہی ہے۔ ریاست نے ریکارڈ ٹائم میں فسادات سے متاثرین کی بازآبادکاری کی ہے۔

گذشتہ برسوں ۲۰،۰۰۰ سے بھی زیادہ دیہاتوں میں پینے کا پانی فراہم کیا گیا۔ انتظامیہ کا اعلیٰ سربراہ ہونے کے ناطے وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل نے ساتویں پلان میں جو سال ۱۹۸۵ء تک مکمل ہوگا۔ ریاست کی معاشی خوش حالی کے لئے بے شمار اقدامات کئے ہیں۔



وتیرنا تالاب کا ایک منظر



हीरक महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५



ترقی کتنی کی گئی

کتنی باقی ہے

یکم مئی سنہ ۱۹۶۰ء کو اس نئی ریاست کے
مبارک جنم دن پر اہالیانِ مہاراشٹر
کی خوشیوں اور طرب انگیزیوں میں حصہ
لیتے ہوئے، اس وقت کے ہمارے وزیرِ اعظم پنڈت
جواہر لال نہرو نے لوگوں کو توجہ دلائی
تھی کہ جہاں وہ نئی ریاست کی تشکیل
پر خوشیاں منا رہے ہیں وہاں انہیں
ذمہ داریوں پر بھی گہری نظر رکھیں جو
اب ان کے کاندھوں پر آن پڑی ہیں
دس لاکھ انسانوں کا عظیم الشان اجتماع۔ جس
سے بڑا اجتماع بمبئی میں شیواجی پارک
اور چوپاٹی پر کسی قومی لیڈر کی تقریر
سننے کے لئے شاید ہی کبھی اکٹھا ہوا ہو۔
انہوں نے لوگوں کو یہ پیغام دیا تھا
کہ وہ سمیکت بھارت کی خدمت سمیکت
مہاراشٹر کے ذریعے کریں۔ ان کے عالی مرتبت
بیٹی شریمتی اندرا گاندھی نے، جو اس وقت
اجتماع میں حاضر تھیں۔ اعتماد بھرے لہجے
میں فرمایا تھا کہ مہاراشٹر کو وہ بلندی
حاصل ہوگی جس کی کہ اس کے
نام سے موسوم ہے۔

اہالیانِ ریاست اُن گذرے ہوئے ۲۵ برسوں ۔۔۔ حاصل ہوگا لیکن اس لئے نہیں کہ لوگ ان کی مدت سرا
۔۔۔ طرف مڑ کر دیکھیں تو انہیں تسلی بخش اطمینان ۔۔۔ ریں کہ ہماری طرف ان کی نصیحتوں پر جانفشانی سے سا

۔ بلکہ وہ دُور رس نگاہیں رکھنے والے دونوں
، یہ شان تھی کہ ان کی انتھک کوششوں اور بصیرت
نے ہندوستان کو اقوامِ عالم کے زمرے میں اس
مقام تک پہنچایا جیسے سونے کے حروف سے
جانا چاہیئے۔

قدرتی آفات کے سلسلوں کے باوجود جو ہر
شکل میں آتے رہے۔ جیسے زلزلے، قحط سالی،
، اس ریاست نے اِنسانی جدوجہد کے ہر
، نمایاں اقدامات کئے تاکہ قومی معیشت کو مضبوط
، ملک کی پیداوار بڑھے، لوگوں کے رہن سہن
بلند ہوں اور ان تمام ذریعوں سے لوگوں کو
در خوش حالی نصیب ہو۔

۱۹۶۱ء میں مہاراشٹر کا جو نقشہ تھا۔ اس کی جو
حال تھی، اس کی جو پیداواری کیفیت تھی، اُسے
کیجئے۔ اگرچہ زراعت مہاراشٹر کے لئے ریڑھ کی
مانند تھی۔ لوگوں نے اس میں کچھ زیادہ ترقی نہیں
آب پاشی صرف چھ فی صد زراعتی اراضی کے لئے
تھیں۔ اور بے چارہ کسان اکثر موسمِ باراں کی
ست نگر تھا۔ صنعتیں فقط بمبئی، تھانے اور پونے تک محدود تھیں۔
لحاظ سے بمبئی۔ پونے، بمبئی بھساول، کھنڈارہ، پونے، کولہاپور
دوسری کوئی قابلِ ذکر شاہراہ ریاست بھر میں نہیں تھی
بجلی صرف چند قریوں تک پہنچی تھی۔ دیہاتی حلقوں
تعلیم کے لئے کوئی ادارہ تھا ہی نہیں اور امدادِ باہمی
شکر کے کارخانوں نے صرف ذرا سا آغاز کیا تھا۔
وہ ہر حیثیت سے پس ماندہ تھا اور دوسری باقی ماندہ
سے صرف زراعتی طور پر قدرے بہتر تھا۔ یہ تھی
ناگزار صورتِ حال جب شری یشونت راؤ جی
مہاراشٹر کی وزارتِ عظمیٰ کی باگ ڈور
سنبھالی۔ شری چوان کے ذہن میں منصوبوں کی بہتات
انہوں نے ایک ایسے مہاراشٹر کا تصور ذہن میں بٹھا
جو مضبوط اور خوش حال ہو اور جو اپنے حوصلہ بھر قوم کی
ہاتھ بٹاتے۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ بات تب
ہو سکتی ہے جب ریاستِ مہاراشٹر ہر جہت
میں تیزی کے ساتھ ترقی کرے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ دیہاتی
حلقوں کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے ہر گاؤں کو کسی بڑے راستے
سے جوڑنا ضروری ہے، ہر ایسے راستے پر ایس۔ ٹی۔ بس
کی آمد و رفت ہو اور ہر گاؤں گاؤں اور گھر گھر بجلی کی روشنی
سے جگمگاتا رہے۔ ساتھ ہی دیہاتی حلقوں کے معیار کو
بڑھانے کے لئے اور صرف زراعت پر جو دباؤ پڑ رہا تھا اسے
گھٹانے کے لئے نیز دیہاتی نوجوانوں کی شہری حلقوں کی طرف
مہاجرت پر روک لگانے کے لئے انہوں نے زرعی، صنعتی،
ترقی کی بنیاد ڈالی۔

ہندوستان کے دوسرے کسی بھی حصّے کی طرح مہاراشٹر
غالب انداز میں زراعتی ہے۔ اس کے ۳۰۷٫۶ لاکھ ہیکٹر
جغرافیائی زمین میں سے تقریباً ۲۰۰ لاکھ ہیکٹر اراضی پر کاشت
کی جاتی ہے۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں باوجود ریاست کے اکثر حصے میں
قلت اور نیم قحط سالی جیسے حالات کے ہوتے ہوئے پوری ریاست
کی غذائی پیداوار ۹۴ لاکھ ٹن تھی اور یہ بھی اس لئے ممکن ہو سکا
تھا کہ اچھی اراضی کو بہتر پیداوار کے قابل بنانے کے سلسلے میں
باقاعدگی کے ساتھ اور منصوبہ بند کوششیں اور تجربات کئے
گئے تھے۔ ۶۱-۱۹۶۰ء میں غذائی پیداوار جو صرف ۶۰٫۷۲ لاکھ
ٹن تھی بڑھ کر ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۱۰۹٫۵۱ لاکھ ٹن تک جا پہنچی۔

دیہی توانائی پروجیکٹ کے تحت، دیہات کی ایک
ہریجن بستی بجلی کی روشنی سے جگمگاتی ہے۔



یہ اعداد و شمار اس ریاست مہاراشٹر کے ہیں جس کا عموماً ایک تہائی حصہ خشک سالی سے متاثر ہوا کرتا ہے۔ اور جس میں صرف تیرہ فی صد اراضی ایسی ہیں جو آب پاشی کی سہولتیں رکھتی ہیں۔ اس سے جہاں مہاراشٹر کے ترقی پسند اور جان توڑ محنت کرنے والے کسانوں کی تعریف کا پہلو نکلتا ہے، وہیں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ خشک سالی ہو یا نامناسب بارش، ان سے مہاراشٹر کے جیالے کاشتکاروں کی بلند ہمتی ماند نہیں پڑ سکتی۔

ریاست کے چار حصوں میں یعنی مغربی مہاراشٹر، کوکن، ودربھ اور مراٹھواڑہ — اراضی اور موسمی کیفیات کی بار بار بدلنے والی صورت حال اور اراضی کی نسبتاً یا مقابلتاً کم زرخیزی کے سبب ہر ضلع کے لئے ایکو۔ یونٹ پلان تیار کئے گئے ہیں۔ جن کی بنا پر غذائی پیداوار میں معتدبہ اضافہ پیش آیا ہے۔ اس میں ۲۴۵ لاکھ اراضی کا کیا جانا مشکل ہے۔ اس میں سے اب تک صرف کام پورا ہوا ہے۔ اسی طرح اراضی کے تحفظ کا کام تقر لاکھ ہیکٹر پر "آئیکٹ" کام تقریباً ۲۳ لاکھ ہیکٹر اراضی کی ترقی کا کام ۵۶،۰۰۰ ہیکٹر پر انجام پا ان سب کاموں سے ۲۰،۰۰۰ کسان فیضیاب ہو بہتر قسم کے بیجوں اور زراعتی اوزاروں، کاشت یا بچانے کے لئے حفاظتی ترکیبیں بھی بڑے پیمانے پر کی گئیں۔ کپاس اور گنا مہاراشٹر کی دو نقد آمد فصلیں ہیں۔ بایں ہمہ کپاس کی فی ہیکٹر پیداوار کیلوگرام فی ہیکٹر ہے۔ کوششیں جاری ہیں کہ بہتر ترکیبوں اور کپاس کی ترقیاتی اسکیم پر عمل در کپاس کی پیداوار بڑھائی جائے اسی طرح کفا

رتناگیری کے قریب بھاٹیہ ساکھر ترکھاڑی پر بنایا گیا نیا پل ۔





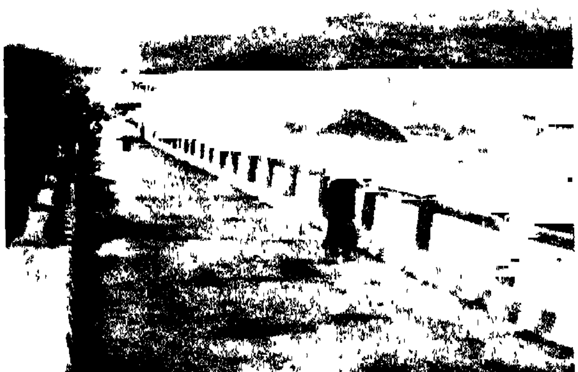
گنے کی پیداوار کو بڑھانے کی کوششیں بھی جاری ہیں۔

مختلف اسکیموں کے تحت زراعت کی پیداوار کو اس ریاست میں بڑھانے کی جو کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ان کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۶۰-۶۱ء میں فصل خریف میں جوار کی پیداوار جو ۸ر۶ کوئنٹل فی ہیکٹر تھی وہ اب ۱۱ر۵ کوئنٹل فی ہیکٹر ہو چکی ہے۔ اور دھان کی پیداوار ۱۰ر۵ کوئنٹل فی ہیکٹر سے ۱۶ر۰۷ کوئنٹل فی ہیکٹر ہو چکی ہے۔ ربی گیہوں کی پیداوار جو پہلے ۴ر۴ کوئنٹل فی ہیکٹر تھی۔ انہی برسوں میں تقریباً دگنی ہو چکی ہے۔ اسی طرح تلہن (تل والے بیج) اور پھلوں کی پیداوار میں بھی کافی حد تک فائدہ بخش ہوئی ہیں۔ ۱۹۶۰-۶۱ء میں تلہن کی پیداوار ۱۸ر۶۸ لاکھ ہیکٹر پر ہوا کرتی تھی۔ لیکن ۱۹۸۳-۸۴ء میں یہی پیداوار ۲۳ لاکھ ہیکٹر پر کی جانے لگی ہے۔ اس کی بنا پر ۱۹۸۳-۸۴ء میں تلہن کی پیداوار ۱۴ر۵۳ لاکھ ٹن ہوئی تھی ۱۹۶۰-۶۱ء میں ۱ر۰۶۵ لاکھ ہیکٹر زمین گنا کے تحت تھی۔ اور شکر کی پیداوار ۱۱ر۵۶ لاکھ ٹن ہوئی تھی۔ یہ پیداوار اب ۳ر۹۰ لاکھ ہیکٹر پر کاشت کی جا رہی ہے اور شکر کی پیداوار ۳۳ر۲۶ لاکھ ٹن تک جا پہنچی ہے۔

پھلوں کی باغبانی کے سلسلے میں ریاست کی کامیابی نہایت حوصلہ افزا ہے اب انگور کی کاشت صرف ناسک تک محدود نہیں ہے۔ بغیر بیج کی قسم کا تاس گاؤں چمن انگور جو ضلع سانگلی کی پیداوار ہے اب پورے ملک میں مقبول ہے۔ کیلے کے باغات ۱۹۶۰ء میں صرف ۲۳ ہزار ہیکٹر پر تھے لیکن اب ان کا پھیلاؤ ۵۲ ہزار ہیکٹر کو گھیرے ہوئے ہے۔ اسی طرح پہلے آم، نارنگی، چیکو اور ناریل کی کاشت صرف ۱۳ ہزار ہیکٹر پر ہوتی تھی جس میں اب ۱۰ ہزار ہیکٹر کا اضافہ ہو چکا ہے۔

مہاراشٹر کے زراعت کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ اگرچہ ایسے کاشت کاروں کی تعداد جو ایک ہیکٹر سے بھی کم زمین کے مالک ہیں۔ کھاتے داروں کی بہ نسبت ۲۶ر۲ فیصد ہیں۔ تاہم ان کے پاس صرف اس زمین کا جو ان کی ملکیت کہلاتی ہے۔ فقط ۱۰ر۲ فیصد ہوتا ہے۔ قدرتی طور پر ایسے کاشت کاروں کے لئے زراعت، نفع بخش کاروبار نہیں ہے لہٰذا ایسے کاشتکاروں کی آمدنیوں کو فروغ دینے کے لئے ریاستی حکومت نے خصوصیت کے ساتھ "ڈیری ڈیولپمنٹ اسکیم" تیار کی ہے۔ گائے اور بھینس کے دودھ کے لئے یکساں قیمت کا سلسلہ ۱۹۷۱ء سے شروع کیا گیا تھا جس کے تحت وہ سارا دودھ اسکیم مذکور کے لئے خرید لیا جاتا تھا۔ ان کاشتکاروں کی مدد کی جانب حکومت کا یہ اقدام پہلا سنگ میل تھا۔ دوغلی نسل کے مویشیوں کی خرید کے لئے قرض دینے کی سہولت، حکومت کا دوسرا

ناسک ضلع کے اگت پوری تعلقہ میں کارڈستے کے مقام پر سواریوں کی آمد و رفت کے لئے بھاگ ندی پر بنایا گیا پل۔



اقدام تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امدادِ باہمی سوسائٹیوں کا ایک جال سا، جلگاؤں، دھولے، میرج، کولہاپور، ستارہ، اور پونے د بمبئی میں بن گیا۔ جو دودھ کے سب سے بڑے استعمال کرنے والوں میں سے تھے اور جو اپنی دودھ کی ضرورتوں کے لئے گجرات میں آنند پر زیادہ انحصار کرتے تھے، اب انہیں مہاراشٹر کے دیہاتوں سے دودھ ملنے لگے۔ آج ۱۰۰۰۰ امداد باہمی بنیاد پر چلنے والی دودھ فراہم کرنے والی سوسائٹیاں تقریباً ۱۱ لاکھ لیٹر دودھ بمبئی کو ہر روز روانہ کرتی ہیں۔ اس آمدنی نے دیہاتی معیشت میں جو بہتری پیدا کی [illegible] پر غور کیا جا سکتا ہے۔

مہاراشٹر میں پورے رقبے کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ بار بار خشک سالی کا شکار رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت مہاراشٹر کی تشکیل کے چند مہینے کے اندر اندر ہی حکومت نے ایک "آبپاشی کمیشن" کا تقرر فرمایا تھا۔ جبکہ پلان کی میعاد کے ۲۴ سال تک یعنی سنہ ۱۹۵۶ء سے سنہ ۱۹۸۰ء تک خرچ کا تخمینہ ۱۲۴۰ کروڑ روپیہ تھا۔ سنہ ۱۹۸۰ء تا سنہ ۱۹۸۲-۸۳ء تک کے پانچ برسوں میں خرچ کا تخمینہ [illegible] ۱۰ کروڑ روپیہ تھا۔ اس کی بناء پر ۲۲ لاکھ ہیکٹر اراضی کی آبپاشی کے امکانیات پیدا ہو چکے ہیں۔ یعنی سنہ ۱۹۵۱-۵۶ء میں جو صورتحال تھی اس سے تقریباً چوگنا زیادہ بہتر بنائی جا چکی ہے۔ اب صرف ۹۱ء۴۷ لاکھ ہیکٹر اراضی کی آبپاشی کے امکانیات پر توجہ دی جا رہی ہے اور آبپاشی کمیشن [illegible] کام میں منہمک ہے۔ ریاستی سیکٹر میں ۵۱ بڑے، ۱۰۳ درمیانی اور ۱۰۴ چھوٹے آبپاشی کے منصوبے جاری ہیں جن کے ذریعے ۸۰۰۰۰ ہیکٹر اراضی کی سیرابی کے امکانات ہیں۔ ان پر ہونے والے خرچ کا تخمینہ ۸۴ء۲۸۹ کروڑ روپیہ لگایا گیا ہے۔

واضح رہے کہ ریاست چھوٹی آبپاشی کے امکانات پر جو اس قدر توجہ دے رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ذریعے اراضی کے الگ تھلگ ٹکڑوں اور چھوٹے قطعات زمین تک بہ سہولت پہنچا جا سکتا ہے۔ اسی لئے ریاست اسے کم خرچ بالا نشین کے مصداق سمجھتی ہے۔

اندازہ ہے کہ تاحال جو ۳۶۹۷ اسکیمیں جاری ہیں ان سے ۱۱ لاکھ ہیکٹر اراضی کی سیرابی ممکن ہوگی۔ موجودہ وقت میں تعمیراتی کاموں پر زبردست مہنگائی کے سبب، نئے قطعات کی دریافت میں مشکلات درپیش ہیں۔ اس لئے حکومت نے ناپ کے لحاظ سے تعمیرات کی کفایتی اجرت پر نظر ثانی کر کے ان اسکیموں پر ہونے والی لاگت بڑھا دی۔ اس لحاظ سے جہاں پہلے ایک ہزار مکعب میٹر (ٹی سی ایم) پر تعمیراتی خرچ ۲۲۷۰ روپیہ ہوتا تھا وہیں اب ۳۵۰۰/- روپیہ پہاڑی، قبائلی اور خشک سالی سے متاثرہ علاقوں پر اور ۳۵۳۰/- روپیہ سے ۴۴۰۰/- روپیہ تک کوکن کے علاقوں پر فی "ٹی سی ایم" ہوتا ہے۔

اس سیکٹر کی ترقی میں کافی سرمایہ نہ ہونے کے سبب دشواریاں پیش آ رہی ہیں۔ اسی لئے عالمی بینک (ورلڈ بینک) سے اور دوسری سرمایہ مہیا کرنے والی بیرونی ایجنسیوں سے امداد کے بطور مالی قرض کی درخواست کی گئی تھی۔ اب تک ۴۷ء۳ ملین ڈالر اس مد میں وصول ہوئے ہیں تاکہ متعدد منصوبے جیسے جایک واڑی، کرشنا، کوکڑی، بالائی پر گنگا، بالائی وردھا، وارنہ، بھیما، وغیرہ کے کاموں کی یا تکمیل کی جائے یا جدید نہج پر بنایا جائے۔

چونکہ مختلف ٹریبونلوں نے پڑوس کی دوسری ریاستوں سے گزرنے والی ندیوں کے پانی میں مہاراشٹر اپنے [illegible] ایوارڈ (احکامات) صادر فرمائے ہیں۔ اس لئے منصوبہ بند [illegible] جا رہا ہے کہ اپنے حصے سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے سنہ ۲۰۰۰ء تک دریائے کرشنا کی وادی میں اور سنہ ۲۰۱۰ء تک، [illegible] اور نشیبی زمین پر مناسب تعمیرات بنائی جا [illegible]

یہاں یہ ذکر کر دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ پڑوس واقع مدھیہ پردیش، گوا اور کرناٹک ریاستوں کے تعاون سے بھی پراجیکٹ زیر عمل ہیں۔

زراعت کے بعد ریاستی معیشت پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والی چیز "صنعت" ہے۔ بمبئی ہمیشہ ہندوستان کا صنعتی اور تجارتی دارالخلافہ رہا ہے۔ [illegible] صنعت ریاستی ترقی بمبئی، پونے، اور تھانے تک ہی محدود اور چند [illegible] تک اس سے آگے نہیں بڑھ سکی تھی۔ مہاراشٹر کے پہلے وزیر اعلیٰ شری یشونت راؤ چوان نے اسی بنا پر دیہاتی [illegible] پیداواروں کو فقط امداد باہمی اداروں کی معرفت، پروسیسنگ کے لئے دیہاتی حلقہ

توی

۔ اس فیصلے کا جو قابلِ تعریف نتیجہ برآمد ہوا
کھوں کے سامنے ہے۔ ناسک، اورنگ آباد،
پور، ناگپور، اور امراوتی بعض ان شہروں
ں قرب و جوار میں ہی واقع صنعتیں جن میں
ہیں جن کی مدد کئی طرح سے مہاراشٹرا اسٹیٹ
پوریشن اور مہاراشٹرا اسٹیٹ انڈسٹریز
پوریشن کرتی ہیں۔
کو ریاست کے دور دراز حصوں تک منتقل
میں حکومت کی فکر مندی کا اندازہ اس
جا سکتا ہے کہ وہ نئی بمبئی اور بیلاپور
کیمیکل انڈسٹریز کو اور دو سیمنٹ کارخانوں
ئے و توسیع کو دُور دراز مقام پر ضلع چندرا پور
لاقے میں منتقل کر دینے کی خواہش مند ہے
ں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۶۰ء میں جس
۴ کارخانوں میں ۲۷۰۰ ملازمین برسرِ روزگار تھے،
۲۲۴۲ کارخانوں میں ۱۰۹۸۰۰۰ ملازمین کا
کارخانوں میں ۱۸۴ بڑے اور درمیانی صنعتوں
رح سے ۹۹٫۰۰۰ چھوٹے پیمانے کی صنعتوں نے
رین کو روزگار مہیا کیا ہے۔

ت میں بڑی صنعتوں کو چھ قسموں میں تقسیم کیا
ہے۔

کیمیکلس اور پیٹرو کیمیکلس
کپڑا ملیں
انجینئرنگ کارخانے
موٹر گاڑیاں
بائیسکلیں
الیکٹریکل ساز و سامان مشینری اور میٹل
(دھات) پر مبنی اوزار۔

صنعتوں نے ۴۲ر۳ ۳ لاکھ کاریگروں کو کام
یہ تعداد صنعتی سیکٹر میں کام کرنے والے
صد ہے۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں رجسٹر کردہ ۸۶۰۵ ,۴
یں سے ۸۳ فیصد بمبئی۔ پونے، تھانے کے

حلقے میں تھیں۔ چوبیس سال بعد صورت حال یہ ہے کہ
ان کی تعداد اگرچہ بمبئی، پونے، تھانے کے حلقے میں اضافہ
پذیر ہوئی ہے۔ لیکن ۶۵۹ر ۸۰ نئی یونٹوں میں سے، بجز اسی
مدت کے دوران قائم ہوئیں۔ ۳۹ فیصد ریاست کے
ان رقبوں میں ہے جو صنعتاً پسماندہ ہیں۔

تاہم اس ریاست نے امدادِ باہمی سیکٹر میں جو ترقی
کی ہے وہ یقیناً صنعتی میدان کی ترقی سے کہیں بڑھ چڑھ
کر ہے، کیونکہ یہ اس سیکٹر کی خوش قسمتی تھی کہ اسے ایسے
بڑے بڑے صنعت کاروں کی رہنمائی اور سرگرم شرکت
نصیب ہوئی۔ اور وہ بھی بالکل ابتدائی مرحلوں میں نصیب
ہوئی۔ جیسے ویکنٹھ بھائی مہتہ، دھننجے راؤ گاڈگل، اور
ڈی۔ کے۔ پاٹل تا ہمارے موجودہ وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری
وسنت راؤ پاٹل۔ اس ریاست کی تشکیل کے وقت امدادِ
باہمی سوسائٹیوں کی تعداد ۵۶۵ ,۳۱ اور ممبروں کی تعداد
۰۰۰ ,۲۳ لاکھ اور سرمایہ ۳۲۶ کروڑ روپیہ تھا۔
اب کروڑ کے یہ تینوں عدد ۱۳۰ ,۷۱ (ممبران کی تعداد) ۸۰ر۸
کروڑ اور ۸۰۰ر۸ کروڑ تک جا پہنچے ہیں۔ ان سوسائٹیوں
میں سرگرم عمل انسانوں کی ہر جماعت کے لوگ شامل ہیں
چنانچہ امدادِ باہمی سے چلنے والی شکر فیکٹریاں، دھان
کے چھلکے دُور کرنے والی ملیں، دستی کرگھا اور پاور لوم
سوسائٹی، دودھ مہیا کرنے والی سوسائٹیاں، لفٹ
اریگیشن سوسائٹیاں، شہری بینکس، پرائمری کوآپریٹیو
سوسائٹیاں، ہاؤسنگ سوسائٹیاں، اور خردہ داروں
کی سوسائٹیاں اس سلسلے میں قابلِ ذکر ہیں۔ تحریکِ امدادِ
باہمی کے ذریعے ہاؤسنگ کی سرگرمیوں کو جو فروغ حاصل
ہوا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس قسم
کی ۸۷۶ ,۱۹ سوسائٹیوں میں سے ۹٫۰۰۰ صرف بمبئی میں
ہیں۔ اس کے بعد زراعتی کریڈٹ سوسائٹیاں ہیں جن کی
تعداد ۳۵۳ ,۱۸ ہے۔ ان کے بعد ۸ ۶۶ ,۴ مزدور کنٹریکٹ
سوسائٹیاں ہیں جنہوں نے مزدوری کرنے والوں کو اپنی واجب
اجرتوں کے حاصل کرنے میں بڑی مدد دی اور ان مزدوروں
کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی بیخ کنی کی۔ ان میں سے
اکثر سوسائٹیاں دیہاتی علاقوں میں ہیں اور انہیں نیز

۱۹۶۰ء دیسی ہیں جو جنگلاتی مزدوروں کی ہیں۔

شکر کا سب سے پہلا امداد باہمی کی بنیاد پر قائم کردہ شکر کارخانہ سنہ ۱۹۵۰ء میں، پرراہ نگر، کے مقام پر شری وٹھل راؤ۔ کے۔ پاٹل نے شروع کیا تھا۔ یہ ابتدا دوسروں کے لئے نمونہ ثابت ہوئی۔ اب، ۳۰ ضلعوں میں پھیلے ہوئے ۲۲ شکر کے کارخانے ہیں جن کی بدولت حقیقتاً دیہاتی حلقوں میں کچھ سدھار پیش آیا اور کئی دوسری سرگرمیاں جیسے — اسکولوں، کالجوں، اسپتالوں وغیرہ کا قیام ہونے لگا۔

مہاراشٹر نے اپنے آغاز کے وقت سے ہی تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور اس غرض اس ریاست نے یہاں کے بڑے بڑے ریفارمروں اور تعلیم و تعلم برائی زندگی تجھاور کرنے والوں جیسے ناک... گرکر، گروے، مہاتما پھلے، کرم ویر بھاؤ راؤ پاٹل، پنجاب راؤ دیشمکھ اور سوامی رامانند تیرتھ، کے ساتھ اپنے طور اور اپنے رنگ میں عقیدت مندی کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۶۰-۶۱ء میں پرائمری اسکولوں کی تعداد ۳۴۵۹۵ تھی جو سنہ ۱۹۸۳-۸۴ء میں ۵۲۶۶۷ تک جا پہنچی اسی طرح ثانوی مدارس کی تعداد تب ۲۴۶۸ تھی جو بعد میں ۶۹۸۹ تک جا پہنچی۔ یوں ہی اعلیٰ تعلیمی اداروں کی تعداد میں ۲۱۳ سے ۲۳۱۴ تک کا یعنی دس گنا اضافہ ہوا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۶۰ء میں سات یونیورسٹیاں اور چار زراعتی یونیورسٹیاں تھیں۔ باقاعدہ تعلیم کے ساتھ ساتھ ان تعلیم گاہوں نے مختلف شعبوں میں اور تعلیمی طور طریقوں میں جو نمایاں اثر پیدا کیا اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بہ لحاظ تعلیم مہاراشٹر نے ۴۷٫۲ فیصد کے ذریعے، کیرالا پر، (جس کا فیصد ۶۱٫۵ ہے) تامل ناڈو کو پیچھے ہٹا کر سارے ملک میں دوسرا درجہ حاصل کیا۔

حال ہی میں ریاستی حکومت نے "بغیر گرانٹ کی بنیاد پر" انجینئرنگ اور میڈیکل کالجوں اور ٹیکنیکل اداروں کے جاری کرنے کی اجازت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کی بدولت ان طلباء کے لئے نئی راہیں کھل گئی ہیں۔ جو ان نصابات کو اختیار کرنے کے خواہش مند ہیں اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ریاست میں ۴۱ انجینئرنگ، ۱۲ میڈیکل اور ۱۰۹ پالی ٹیکنیک کالج ہیں جن میں ۲۵۰۰۰ طلباء تعلیم پا رہے ہیں۔ امید ہے



جلگاؤں ضلع کے ایک دیہات میں نیلگری کے پودے لگائے گئے ہیں۔

کہ یہ جدید مواقع جو انجینئرنگ کے نئے ڈگری کالجوں اور ڈپلوما کورسوں کے کھل جانے سے طلباء کے لئے نئی راہیں کھولنے کا باعث ہوئے ہیں۔ ساتویں اور آٹھویں منصوبوں کے دوران ۵۰ تا ۶۰ فیصد ٹرینڈ کاریگروں کی ضروریات پوری کرنے میں معاون ثابت ہوں گے۔

مہاراشٹر میں جو رقبے جنگلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک چوتھائی صدی گزر جانے کے بعد بھی بہت معمولی سا اضافہ ہوا ہے۔ یعنی وہ رقبہ جو پہلے ۶۳۴۹۶ مربع کیلومیٹر تھا اتنی مدت کے بعد اب ۶۴۱۶۶ مربع کیلومیٹر ہے۔ ان جنگلات سے پہلے ۵٫۴۵ کروڑ روپیہ کی محصولات ہوتی تھیں اور اب ۲۶٫۴۵ کروڑ روپیہ ہوتی ہے۔ یہ اضافہ ان مختلف ترقیاتی اسکیموں اور بہتر انتظامی امورات کے سبب پیش آیا ہے۔ جو حکومت نے مختلف وقفوں میں جاری فرمائے تھے۔ یہ جنگلات حکومت کے جغرافیائی حدود کا ۲۰٫۸ فیصد ہیں



گنگاپور میں واقع محکمۂ سماجی
جنگل بانی کی نرسری، جہاں سے ویران
اور پہاڑی علاقوں میں شجرکاری
کے لئے پودے فراہم کئے جاتے ہیں۔

ں تقریبا ۵۰۰ رم قسم کے درخت، اور درختوں پر چڑھنے
سدابہار بیلیں شامل ہیں۔ ان کا وجود زیادہ تر سہیادری
نچے مقامات، وہ ریھ کے نشیب و فراز اور مغربی
شٹر کے مختلف حصوں میں پایا جاتا ہے۔ احمدنگر، پونے،
ولاپور اضلاع میں زیادہ تر کانٹے دار درخت اور ساحلی
یوں کے قریب دوسرے متعدد درخت پائے جاتے ہیں۔

ایک عام خیال یہ ہے کہ جنگل کے درختوں کی دیکھ
، انتظام، وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور یہ کہ قدرت
س کا انتظام کرتی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ہر
ا تا پندرہ سال میں ان کی انتظام کاری، دیکھ بھال،
ری ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح جنگلاتی درختوں کی پود کاری،
گلات کے مابین راستوں کی تعمیر و درستی، جنگلی جانوروں
رہنے، چھپنے وغیرہ کے لئے حفاظتی مقامات بھی تجویز
نے پڑتے ہیں۔

یہ جنگلات اب زمین داروں اور نشانہ بازوں کے
لئے محفوظ اور محفوظ مقامات نہیں رہے کہ جب جی چاہے وہ ان
میں بے روک ٹوک گھس جائیں اور شکار کا لطف اٹھائیں۔
اب یہ جنگلات قوم کی ملکیت شمار ہوتے ہیں اور ان سے ملک
کو آگے بڑھانے کا کام لیا جاتا ہے۔ اس لئے اس بات پر خصوصی
توجہ دی جاتی ہے کہ وہ سب جو ان میں بستے ہیں ان کی بہترین
طور پر حفاظت کی جائے اور ان کو بخوبی صحت مند رکھا جائے
حکومت مہاراشٹر اس پر جتنی توجہ دیتی ہے اس کا اندازہ اس
بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نیشنل پارکوں اور جانوروں کے لئے
جائے پناہ کی تعداد میں اضافہ ہو چکا ہے اور جہاں پہلے
تاڑوبا اور را دھن گری میں، ان کی تعداد صرف ایک



جلگاؤں ضلع کے دیہات پال کی سنگیچوری جو سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔

تھی اب یہ تعداد اول الذکر میں چار اور موخرالذکر میں دس ہو چکی ہے اور مقام کا رقبہ ۱۳۷ مربع کیلو میٹر سے تجاوز کر کے ۹۹۲ مربع کیلومیٹر ہو چکا ہے۔ اسی طرح ضلع امراوتی کے ملگھاٹ رقبے میں شیروں کی پرورش کا جو منصوبہ دس سال قبل شروع کیا گیا تھا وہاں اب ۳۲ کی جگہ ۸۷ شیر بود و باش رکھتے ہیں۔

طبی سہولتوں اور رقص کے لئے جنگلات کے قریوں کو قرض دیئے جانے، جنگلات کے مزدوروں کی ۳۸۴ امداد باہمی سوسائیٹیاں تشکیل دینے، جنگلات کا ترقیاتی کارپوریشن بنانے، تیند و پتوں کی تجارت کو قومیانے اور کئی دوسری ترقیاتی سرگرمیوں کو شروع کرنے کے سبب ان علاقوں کے رہنے والوں کی زندگیوں میں قابل دید انقلاب آچکا ہے۔

سنہ ۱۹۶۰ء میں راستوں اور شاہراہوں کے معاملوں میں مہاراشٹر دوسری ریاستوں سے بہت پیچھے تھا۔ تب ریاست میں ۲۹۲۰۰ کیلو میٹر لمبے راستے تھے۔ آج ۲۹۵۶ کیلومیٹر طول قومی شاہراہیں، ۱۹۳۱۰ کیلو میٹر طول ریاستی شاہراہیں ۲۵۹۸۰ کیلو میٹر اضلاعی راہیں، ۲۷۵۲۰ کیلو میٹر اصلی دوسری ضلعوں کی طرف جانے والے جوڑنے راستے، اور ۵۰۰۳۰ کیلو میٹر راہیں ہیں۔ ان سبھوں نے مجموعی طور پر دیہاتوں کی معیشت پر اور ان کو عروج کی طرف لے جانے میں سازگار اثر ڈالا ہے۔ جس کی بدولت قریوں کے مدخلوں پر زندگی کی لہریں دوڑتی ہوئی نظر آتی ہیں اور گاؤں خوشنما دکھائی دیتے ہیں۔ سنہ ۱۹۶۱ء کے مقابلے میں سنہ ۱۹۸۳ء کے اواخر میں لمبے راستے کوکن میں دوگنے ہو چکے تھے۔ مغربی مہاراشٹر اور ودربھ میں چار گنا زائد اور مراٹھواڑہ میں آٹھ گنا زیادہ ہو چکے تھے۔ اجمالی طور پر مہاراشٹر کی تشکیل کے وقت کے مقابلے میں راستوں کی لمبائی میں یہ اضافہ ۲۹۱ فیصد سے بڑھ کر ہوتا ہے۔

ان راستوں نے مہاراشٹرا اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ
یشن کو دور دراز علاقوں میں واقع دیہاتوں تک
نے میں مدد دی ہے۔ ایشیاء میں یہ سب سے بڑی
نسپورٹ انڈرٹیکینگ آج ۱۱۰۰۰ بسوں کے بیڑے
ہے جو روزانہ تقریباً ۳۸ لاکھ مسافروں کو ۱۱۷۰۰
، پر ادھر ادھر لے جانے کا کام انجام دیتی ہے۔
یٹ ٹرانسپورٹ نے، مہاراشٹرا اسٹیٹ الیکٹریسٹی
ساتھ مل کر مہاراشٹر کے دیہاتوں کو بلند تر کرنے میں بڑا
ادا کیا ہے۔ مہاراشٹر کی تشکیل کے بعد سے کو تنا
ٹ کا کام تیز تر کر دیا گیا اور پاور کی سپلائی، بالخصوص
قبوں میں واقع صنعتوں کو اور زراعت کو عطا کرنے
یک نئی پالیسی اپنائی گئی۔ نتیجتاً نہ صرف وہ صنعتیں جو
ایں واقع ہیں بجلی پیدا کرنے والے اسٹیشنوں سے
مناسب مقدار پاتے ہیں۔ بلکہ قریہ جات بھی ریاست
۳۶ دیہاتوں میں سے، آج ۳۲۶۴۴ دیہات
، جگمگا رہے ہیں — اگرچہ ان میں سے بعض کی آبادی
نفوس سے بھی کم ہے۔ سنہ ۱۹۶۰ء میں صرف ۸۰۰۰
پمپ بجلی سے چلتے تھے لیکن آج ایسے پمپوں کی تعداد
ہے۔ جلگاؤں، سانگلی، شولاپور، اور اورنگ آباد،

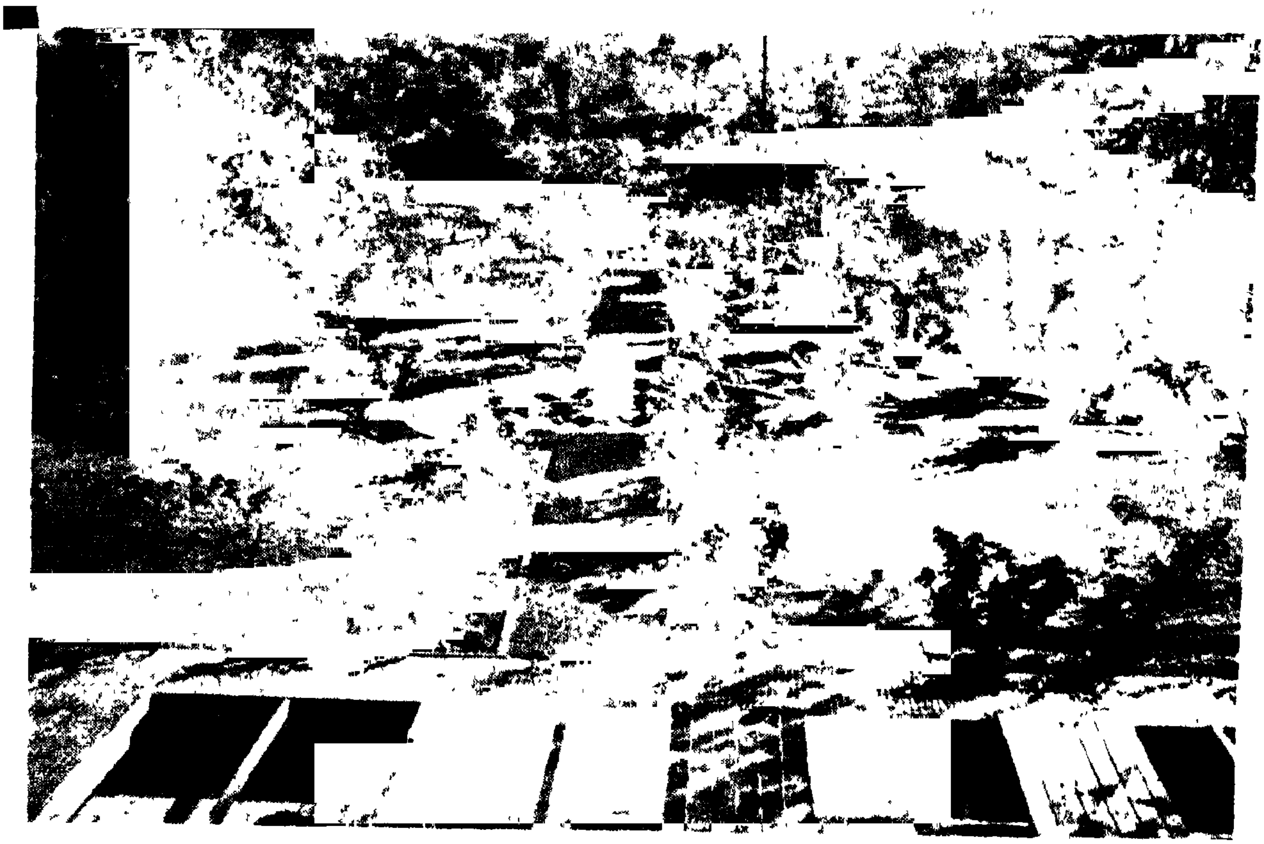
جالنہ، بیڑ، پربھنی، عثمان آباد، ناندیڑ اور لاتور ایسے اضلاع
ہیں جہاں ۱۰۰ فیصد بجلی پہنچ چکی ہے۔ سندھو درگ،
احمد نگر، ستارہ، کولہاپور، ایوت محل، میں صرف ۹۵ فیصد
بجلی پہنچی ہے۔ متعدد پاور پیدا کرنے والے اسٹیشن جو کوئنا،
ایلدارنی، بلہار شاہ، بھساول، پارس، کھپر کھیڈہ، ناسک،
پرالی، کولاڈی، اورن اور ٹرامبے ٹاٹا، ایسے پاور اسٹیشن ہیں۔
جن کی نصب شدہ صلاحیت ۵۹۷۹ میگا واٹ بجلی
پیدا کرنے کی ہے۔ جملہ پیدا کردہ بجلی میں سے ۴۳ء۱۵ فیصد
صنعتیں استعمال کرتی ہیں اور ۱۰ء۱۴ فیصد زراعت —
مہاراشٹری دیہات آج اتنی بجلی کا ۵۰ فیصد کام میں لاتے
ہیں۔ جتنی بجلی مہاراشٹری شہروں میں کام میں لائی جاتی ہے۔

ریاست نے سنہ ۱۹۹۰ء کو "سب کے لئے تندرستی"
بہم پہنچانے کے سلسلے میں اپنی منزل مقرر کی ہے۔ اس کے لئے
دیہاتی حلقوں تک ۴۳ سول اسپتالوں، ۱۳۵ قریہ جاتی
اور چھوٹے دیہاتوں کے اسپتالوں، ۵۰۷ پرائمری مراکز صحت،
۱۴۷۵ تحتی مراکز کے ذریعے میڈیکل سہولتوں کو پہنچانا اور پھیلانا
بہت بڑی اولعزمی کا کام ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ،
مہاراشٹر نے خاندانی بہبود کے طریقوں کو مقبول عام بنانے
میں خاص الخاص کوششیں کیں اور اپنی نمایاں کارگزاری کے

سنٹر تعلقہ میں دیہی توانائی پروجیکٹ کے تحت کسانوں کو گوبر گیس پلانٹ فراہم کئے گئے۔
(دائیں جانب) ایک گرہستن گوبر گیس پر کھانا پکا رہی ہے۔







جلگاؤں ضلع کے دیہات پال کے مختص جنگلاتی علاقہ میں بنایا گیا ایک باغ

سبب اس میدان میں مسلسل دو سال تک کامیابی کے ساتھ حکومت ہند کا انعام حاصل کیا۔

کم حقوق یافتہ اور دیگر کمزور طبقوں کے افراد کی طرف حکومت نے خاص توجہ مبذول کرنا شروع کر دیا ہے۔ ایسی اسکیمیں بنائی جا چکی ہیں جن کے ذریعے شیڈولڈ فرقوں اور شیڈولڈ قبائل کی مدد کی جاتی ہے اور چھوٹے اور مارجینل کسانوں کی بھی۔ قبائلی تحتی منصوبہ اور خاص ضمنی منصوبہ انہیں لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے انہی کی بدولت ان فرقوں اور قبیلوں کی زندگی میں کافی بہتری آئی ہے۔ آدیباسی میں ۲۰۰ فیصد پڑھے لکھوں کا ہونا اور ۲۹ء ۲ آدیباسی طلباء کا درج رجسٹر کیا جانا، جن میں سے ایک لاکھ لڑکیاں ہیں۔ اور اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کے لئے جو اسکیمیں بنائی گئی ہیں ان کا اثر انہوں نے قبول کیا ہے اور ان کی زندگیوں میں بہتری پیدا ہو رہی ہے۔

حکومت مہاراشٹر کی ایک اور اسکیم — یعنی ضمانت روزگار اسکیم ایک نہایت لائق وفائق اور امتیازی اسکیم ہے۔ جس سے دیہاتی حلقوں میں رہنے والوں، خصوصاً بے روزگار لوگوں نے بیش از بیش فائدہ اٹھایا ہے۔

غور کیجیے کہ ۱۹۶۹ء میں یہی ضمانت روزگار جو طلایہ گردی یا رہنمائی کا کام انجام دینے کے لئے شر[...] گئی تھی اور جس کی ابتدا پانچ دیہاتوں میں جملہ ۵۰۰ پر ہوئی تھی، اس نے ۱۴۹ کروڑ کام کرنے والے آدمیوں کو [...] کیا اور ان پر ۱۰۲۳ کروڑ روپیہ خرچ ہوا۔ اس اسکیم کی نہ صرف آنجہانی وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے کی بلکہ [...] بینک بھی اس سے بہت مسرور ہوا۔ جہاں شریمتی ا[...] نے اس اسکیم کی زبردست کامیابی کو سراہا۔ عالمی بینک [...]پنی عالمی ترقیاتی رپورٹ ۱۹۸۲ء میں تعریفی الفاظ میں اس بات کا تذکرہ کیا کہ " مہاراشٹر میں روزگار کے [...] میں کافی سدھار " ضمانت روزگار اسکیم " کی بدولت پیش آیا ہے۔

" ضمانت روزگار اسکیم " کو جسے ۱۹۶۹ء میں طلایہ گردی کے طور پر اسے اپریل ۱۹۷۲ء میں ریاستی بنیاد پر بطور ایک خاص پروگرام کے رائج کیا گیا تاکہ بے وقتی بے روزگاری اور دیہاتی رقبوں کی غربت پر بیک[...]



کسانوں کو تلہن کی کاشت پر
راغب کرنے کے لئے حکومت اقدامات کرتی
ہے۔ گنگا دہرے میں سورج مکھی کی فصل

ــد کیا جائے اور اس کے لئے سالانہ پانچ کروڑ روپیہ برائے خرچ
قرر کیا گیا۔

اسی طرح پنچایت راج سسٹم نے جو ۱۹۶۲ء میں
شروع کیا گیا تھا ملک میں اچھا نام کمایا۔ چونکہ اس اسکیم پر
مل درآمد کرنے والوں کو انتظامی اور مالی اختیارات عطا
ئے گئے تھے اس لئے ضلع پریشدوں کی معرفت بہت سی اسکیموں
یسے زراعت، تعلیم، چھوٹی آبپاشی، عوامی صحت، پبلک
رکس وغیرہ پر عمل کیا گیا۔ اس سلسلے میں خاص طور سے قابل
کر بات یہ ہے کہ نئی قیادت نے دیہی معیشت کی تعمیر نو اور
رقی کی ذمہ داری اب خود دیہی رقبوں کے سپرد کر دی ہے۔

ــسرگانہ تعلقہ میں پینے کے پانی کی قلت دور کرنے کے لئے بور کنوئیں لگائے گئے ہیں۔ تصویر میں ادیباسی عورتیں پانی بھر رہی ہیں۔





ضمانتِ روزگار اسکیم کے تحت جاری کام کا ایک منظر۔

ضمانت روزگار اسکیم کی طرح مہاراشٹر نے دوسری کئی رہنمایانہ اسکیمیں جاری کیں جو ملک کی دوسری ریاستوں کے لئے قابلِ توجہ ٹھہریں۔

کپاس کے اجارہ دارانہ حصول کی اسکیم، جس کا آغاز ۱۹۷۲ء میں کیا گیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ کسانوں کو یہ پہنچا کہ درمیان میں کپاس خرید لینے والی ایجنسیوں اور دلالوں سے انہیں نجات مل گئی اور اس طرح اس اسکیم کے ذریعے کپاس پیدا کرنے والوں کو تحفظ ملا۔ معاشی طور پر پسماندہ طبقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے ۵۰ر۲ لاکھ طلباء اس وقت مفت تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ پہلے مفت تعلیم کے حق دار وہ طلباء ہوتے تھے جن کے والدین کی سالانہ آمدنی ۹۰۰ روپیہ ہوتی تھی۔ جسے اب بڑھا کر ۱۰۰۰ روپیہ کر دیا گیا ہے لڑکیوں کے لئے دسویں تک مفت تعلیم ۸۴-۱۹۸۳ء سے شروع کی گئی جس سے ۴ لاکھ لڑکیوں کو فائدہ پہنچا اور جس پر ہونے والے خرچ کے بوجھ (یعنی ۵۰ر۳ کروڑ روپیہ) کو ریاستی خزانہ نے برداشت کیا ایک اور مالی مدد کی اسکیم بھی ریاست میں ۱۹۸۲ء سے رائج ہے جس سے ان لوگوں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے جو کسی حادثے میں وفات پا جائیں یا دائمی طور پر معذور ہو جائیں یہ عجیب اور خوش آئند اتفاق ہے کہ حکومت ہند نے بھی انہیں خطوط پر ایسی ہی ایک اسکیم اسی سال رائج کی ہے جو کہ مہاراشٹر جشنِ سیمیں کا سال ہے۔

قبائلی علاقوں میں اجارہ دارانہ حصولی اسکیم کی وجہ سے قبائلیوں کو کافی تحفظ ملا اور درمیانی اشخاص کی لوٹ کھسوٹ سے انہیں نجات ملی اور اس طرح ان کی معاشی حالت میں سدھار پیدا ہوا۔

اگرچہ ریاست نے تمام لوگوں کی بہبودی کے مقصد کے حصول کی طرف اچھا اقدام کیا ہے اور کافی کامیابی حاصل کرلی۔ لیکن اسے اس بات کا احساس ہے کہ جو کام باقی ہے وہ کافی بڑا ہے اس جشن سیمیں کے سال میں ریاستی عوام اس بات کا تہیہ کئے ہوتے ہیں کہ وہ مقاصد کے جلد از جلد حصول کے لئے اپنی پوری کوشش سے کام کریں گے

(ترجمہ :- صفیہ خاتون)

य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

★ ڈاکٹر عبدالستار دلوی
صدر شعبۂ اُردو، بمبئی یونیورسٹی، بمبئی ۹۸

اُردو شاعری میں مہاراشٹر کی چند ممتاز شخصیتیں

ہندوستان کی دیگر زبانوں کے مقابلے میں جو صوبائی یا ریاستی زبانیں ہیں، اُردو ایک کل ہند یا بین ریاستی زبان ہونے کی حیثیت سے نہ صرف ممتاز ہے بلکہ عالمی زبانوں میں بھی اپنے بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے تیسرے نمبر پر ہے۔ اس کی کل ہند اہمیت اور بین ریاستی زبان ہونے کی حیثیت سے اس کی ذمہ داریاں اور اس کی ضرورتیں بھی متنوع اور رنگارنگ رہیں۔ یہ زبان ہر ریاستی زبان کے ساتھ ہر ریاست کی تہذیبی، لسانی، سیاسی، اور جغرافیائی سمت و رفتار رنگ و نور اور نکہت و عطر سے انگیز سارے رجحانات اور عوامل کو اپنے اندر سموتی رہی۔ کشمیر کی وادیوں کا دلکش حُسن، نینی تال اور دہرہ دون کی منظر نگاری ہمالہ کی سر بفلک چوٹیاں اور سفید و شفاف پگھلتی ہوئی برف کے ساتھ جنوب میں تلنگانہ اور قلعہ پنہالا کے ساتھ مہاراشٹر کی سوندھی مٹّی کی خوشبو، ساوتری ندی کا نغمہ، اور کوکن کی مشہور امرائیوں کا ذکر بھی بکھرا پڑا ہے۔ اور شخصیّتوں میں کل ہند رہنمایان اور محبانِ وطن کی صف میں جہان اکبر، جھانسی کی رانی، ٹیپو سلطان، اور

حیدر علی کی شجاعت کی داد دی گئی ہے
وہیں پر شیواجی، نانا فرڈنویس، تانتیا ٹوپے،
رانا ڈھے، گوکھلے، اور تلک کی شخصیتیں بھی
اردو شاعروں سے اپنے اوصاف و اعمال کی مخصوص
قابلِ تقلید خصوصیات کی وجہ سے خراجِ تحسین
حاصل کرتی رہیں —

اُردو زبان و ادب کی اس خصوصیت نے کہ اس میں ہندوستان کی سبھی ریاستیں اور ان ریاستوں کے منظر، عِلم و تہذیب، تاریخ و ثقافت اور زبان و بیان کی نمائندگی مِلتی ہے، یہ باور کرا دیا ہے کہ یہ اپنی ضرورتوں اور ذمہ داریوں کا شروع سے احساس رکھتی تھی اور ہر ممکنہ حد تک یہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو قبول کرکے انہیں پوری کرتی رہی ہے۔

مَعرکۂ کرناٹک

"جب شہنشاہ اورنگ زیب کی دکن پر چڑھائی کی خبر سنی تو بہمنی سلطنتوں نے باہم مشورہ کیا۔ شیواجی کے نمائندے بھی شریک تھے۔ قرار پایا کہ کوروں منڈل کے قلعہ ڈہلوا پر قبضہ کیا جائے تاکہ ضرورت کے وقت وہ جائے پناہ کا کام دے۔ چھترپتی شیواجی اس کام کے لیے منتخب ہوئے۔ گول کنڈا اور بیجاپور نے روپیہ اسلحہ اور فوج سے امداد کی۔ اس معرکہ کو سامنے رکھ کر پنڈت کیفی نے "معرکہ کرناٹک" کے نام سے ۱۹۳۱ء میں نظم لکھی، جس میں شروع میں مراٹھا سرداروں کی بہادری، اور قلعہ ڈہلوا کی جنگ کو پیش کیا ہے جس میں شیواجی بہ نفس و نفیس شریک تھا۔ اس نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو ؎

اُس کی خوں خواری سے شیر دل کا بدن کانپ اُٹھا
کیا بدن جنگ کے بیردں کا بھی من کانپ اُٹھا

اس کے گھمسان سے خوں ریزی سے رَن کانپ اُٹھا
کیا زمیں کانپ گئی چرخِ کہن کانپ اُٹھا

بجز اندر کا تھا یا چھترپتی کی تلوا
سامنے اس کے ٹھہرتا کوئی یہ تھا دشو

⁂

خافی خان نے اپنی مشہور تصنیف "منتخ
میں مراٹھا فوج کے اصول و ضابطے کے تحت ش
رحم و کرم اور احترام مذاہب کے بارے میں
لوٹ مار اور غارت گری کے باوجود اس
مقرر کر لیا تھا کہ جہاں بھی لشکر حملہ آور ہو د
کلام اللہ کی بے حرمتی نہ کرے اور کسی کے گ
آبرو ریزی نہ کرے۔ قرآنِ پاک دعیزہ ہاتھ میں
ان کو بڑی حرمت کے ساتھ محفوظ کرا دیتا یا
مسلمان سپاہیوں کو دے دیتا اور جو بھی ہم
عورتیں گرفتار ہو کر آتیں، کسی فوجی کی مجال نہ
نظر بد ڈالے۔ ان کی حفاظت اور نگہبانی کا مع
کرا دیتا تاکہ ان کے وارث آکر عوضانہ کی رقم
"منتخب اللباب حصہ سوم (اردو ترجمہ)
نفیس اکیڈمی، کراچی ۱)

مندرجہ بالا صفات کے پیش نظر مذکو
کیفی نے بھی شیواجی کو جی کھول کر خراجِ عقی
کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں ؎

ٹاپ سے گھوڑوں کی کانپ اُٹھا تھا کو
ڈہلوا والوں کے تھے ہوش ڈہل سے

پہنچے جب چھترپتی کے وہاں افواج
شیر خاں کی تھیں جو فوجیں پڑی ا

جب سنا لشکرِ یورش میں ہے خود شیواجی
کون کرناٹکی تھا جس کا نہیں چھوٹا جی،

چڑھ گئے مرہٹے ٹوٹی ہوئی دیواروں پر
تھے جو محصور لگے لوٹنے انگاروں پر

رکھ لیا فاتحوں نے بس انہیں تلواروں پر
بجلیاں ٹھنڈی برسنے لگیں بے چاروں پر

توڑ کر قلعے کے دَر ہو گیا لشکر داخل
جو چڑھا بے تہِ تیغ اجل کا بسمل

اس کی خونخواری سے شیروں کا بدن کانپ اٹھا
کیا بدن جنگ کے بیروں کا بھی من کانپ اٹھا

اس کے گھمسان سے خوں ریزی سے رَن کانپ اٹھا
کیا زمیں کانپ گئی چرخِ کہن کانپ اٹھا

⁂ ⁂ ⁂

سردار جعفری اپنی طویل نظم "ایشیا جاگ اٹھا" میں کہتے ہیں کہ "مغل شہنشاہیت کو مہاراشٹر کے شیروں نے نوچ ڈالا"، تو وہ بھی اس مصرع میں مراٹھا سپہ سالاروں اور خاص طور سے شیواجی کو دادِ شجاعت دے رہے ہیں۔ جس نے مغلوں سے برسرِ پیکار ہو کر متعدد قلعے چھین لیے اور ان کی طاقت اور زور کو توڑ کر رکھ دیا شیواجی ہی کے سلسلے میں ایک مستقل نظم فروغ تمکنت کی ہے۔ اس نظم کا عنوان ہے "شیواجی یعقوب سروری کے حضور میں"، یعقوب سروری کوکن کے صوفیا میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ان کا مزار کیلشی گاؤں میں ہے۔ یہ شیواجی کے گیارہویں گرو کہلاتے ہیں۔ اس خوبصورت نظم میں فروغ نے شیواجی کے اخلاق و عادات پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے شیواجی کی مہمات کے مقاصد پر روشنی ڈالی ہے مستقل نظموں کے علاوہ مہاراشٹری لیڈروں کو مختلف نظموں میں اشاروں میں خراجِ عقیدت بھی ملتا ہے۔ چنانچہ اقبال احمد سہیل اپنی نظم "مبارکباد آزادی" میں دیگر قائدین کے ساتھ "تلک" کا نام بھی بڑی عقیدت سے لیتے ہیں ؎

وہ زندۂ جاوید وطن کے وہ فدائی
جان اپنی جنہوں نے رہِ ملت میں گنوائی

ہمت نے انہیں کی ہمیں ساعت یہ دکھائی
انصاری و اجمل ہوں کہ تلک ہو کہ ڈیالی

یاد آتے ہیں ہم سب کو شہیدانِ وطن آج

⁂ ⁂ ⁂

اور جگن ناتھ آزاد مراٹھا مدبر اور سیاست داں، "نانا فرنویس" کو اپنی نظم "سبھاش چندر بوس، بہادر شاہ ظفر کے مزار پر" میں رانی جھانسی کے ساتھ اس طرح یاد کرتے ہیں ؎

اے شہِ خوابیدہ! اے تقدیرِ بیدارِ وطن
آئینہ میری نگاہوں پر ہے ادبارِ وطن

میرے دل کو یاد ہے اب تک وہ تاریخی جنگ
جس کے بعد اس سرزمیں پہ چھا گئے اہلِ فرنگ

میری نظروں میں ہے میرٹھ اور دہلی کا زوال
جانتا ہوں میں جو تھا جھانسی کی رانی کا کمال،

میں نہیں بھولا ابھی انجامِ نانا فرنویس
ہے نظر میں کوششِ ناکامِ نانا فرنویس

داستاں جیسے بھی ہو گذری وہ سب معلوم ہے
تیرے دل بندوں پہ جو گذری وہ سب معلوم ہے

انیسویں صدی کے نصفِ آخر میں مہاراشٹر کی سرزمین سے تین شخصیتیں نہایت آب و تاب کے ساتھ ابھریں۔ یہ تین شخصیتیں گوپال کرشن گوکھلے، بال گنگا دھر تلک اور جسٹس رانا ڈے کی ہیں۔ جسٹس رانا ڈے نے اپنے مخصوص میدان میں اپنا سکہ بٹھایا اور علمی لحاظ سے خصوصاً

تاریخ میں وہ دھاک بٹھائی کہ جس کا ثانی مشکل سے ملتا ہے۔ اتفاق سے راناڈے کی ذات میدانِ تاریخ میں صرف مہاراشٹر ہی کی ہوگئی۔ انہوں نے اپنی کتاب اور مضامین میں مہاراشٹر کے نشاۃ الثانیہ کی بڑی کوشش کی اور اس کے ماضی کو آب و رنگ کے ساتھ پیش کرکے ہر مہاراشٹری میں حوصلے اور امنگ پیدا کرکے رکھ دی۔ اس ریاست سے اس کے رہنے والوں کا پیار، عقیدت اور حوصلہ و امنگ راناڈے کی سب سے بڑی دین ہے۔ ان کی علمی خدمات اور "مہاراشٹری دھرم" بڑھانے کا جذبہ ان کی مشہور کتاب "مراٹھوں کا عروج" ("RISE OF THE MARATHA POWER") کے ہر صفحے پر نقش ہے۔ اگرچہ راناڈے مہاراشٹر کی سرزمین سے متعلق تھے تاہم انہوں نے مہاراشٹر سے محبت کے پردے میں مہاراشٹریوں کو سارے ملک کے لیے سرفروشانہ جذبے سے لیس کیا اور وہ عزم محکم پیدا کیا جو تاریخ میں ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ جب جسٹس راناڈے کا ۱۹۰۱ء میں انتقال ہوا تو اردو کے ایک عظیم المرتبت شاعر پنڈت چکبست نے جن کی مشقِ سخن کا یہ ابتدائی زمانہ تھا۔ راناڈے کی موت سے متاثر ہوکر "مہادیو گووند راناڈے" کے زیرِ عنوان بہت ہی مؤثر انداز میں نوحہ لکھا اور راناڈے کی تمام تر خصوصیات علمی، ادبی، سماجی و سیاسی کو سراہ کر دکھ، درد اور ناقابلِ تلافی نقصان کا ماتم کیا ہے۔
چکبست کے اس نوحے سے چند بند ملاحظہ ہوں ؎

اے آفتاب اوجِ امارت کہاں ہے تو
اے شمعِ بزمِ حسنِ لیاقت کہاں ہے تو

اے عندلیبِ باغِ فصاحت کہاں ہے تو
اے خضرِ شاہراہِ فراست کہاں ہے تو

" اے رہ نوردِ عالمِ بالا چگونہ ،،
ما بے تو خستہ ایم تو بے ما چگونہ ،،

افسوس آج باغِ جہاں میں نہیں ہے تو
پھیلی ہے چار سمت محبت کی تیری بو

تو کیا گیا وطن کی گئی تیری
کیوں چشمِ یاس سے نہ بہے خونِ

خرمن جلا امید کی کھیتی اجڑ
یہ گلشنِ مراد پہ کیا اوس پڑ

تیری تو روح گلشنِ جنت میں ہے
احباب روتے ہیں تجھے باحالتِ

دل جانتا ہے ان کا جو ہے صدم
مرنے سے تیرے قومِ مرہٹہ ہوئی

قائم مکان عزت و اعزاز کب
تجھ سا ستونِ اعظم شوکت نہ ج

سرچشمۂ کرم تھی تری ذات
پاتا تھا فیض تجھ سے ہر اک پیر و

ماہی دموج علم تھے تو بح
پُرنور تیرے دم سے تھا یہ تیرہ

ممنون تیری ذات کا ہندو
اپنے وطن کا فخر، مرہٹوں کی ج

انیسویں صدی کا ربع آخر اور بیسو
اول ہندوستان کی تاریخ میں انگریزوں
اور تحریکوں کا دور ہے۔ ان کا مقصد ہند
سوراج حاصل کرنا تھا۔ اس سوراج کی تح
سی۔ الف۔ اینڈریوز اور مسز اینی بسنٹ
انگریز تھے۔ بال گنگادھر تلک کی کوشش
زیادہ آہنی عزم و یقین کی حامل تھی
آزادی میں ناکامی کے بعد ہندوستانیو
انگریزوں کی طرف غیر مطمئن سے تھے۔ گو
بعد اندرونی امن و امان کا دور تھا۔ تا

دلوں میں بدیسی حکومت کے خلاف نفرت کا بیج طاقت حاصل کر رہا تھا۔ گو ہندوستان کو غیر شخصی انتظامی امور حاصل تھے۔ لیکن ہندوستانی ذہن انگریزوں سے مفاہمت کے لئے قطعاً تیار نہ تھے۔ انگریزوں کے ذہن بھی سنہ ۵۷ء کی یاد ابھی بھلا نہ سکے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہندوستانیوں کو اپنے سے کمتر اور ناقابل بھروسہ سمجھنے لگے۔

اگرچہ سنہ ۵۷ء سے پہلے کے دن برہمو سماج کے پھولنے اور پھلنے کے دن تھے۔ یہاں کا تعلیم یافتہ طبقہ مغربیت کو اپناتے جا رہا تھا۔ جنگ کے بعد یہ گروہ مغرب پسندوں اور انتہا پسند ہندوؤں میں منقسم ہو گیا اور آریہ سماج وجود میں آیا جس نے ہندوؤں کو ہر مسئلہ کے حل کے لئے "ویدوں" کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی۔ تلک اس شدت پسندی کی سب سے عمدہ مثال تھے۔ جو بعد میں قدرے نرمی آجانے پر اس دور کے سب سے بڑے ہندوستانی بنے۔

بال گنگا دھر تلک سنہ ۱۸۵۶ء میں کوکن کے رتناگیری ضلع میں پیدا ہوئے۔ پیدائشی اعتبار سے آپ برہمن تھے۔ اس برہمنیت سے ان کی ساری زندگی متاثر تھی۔ چونکہ یہ ذات کے اعتبار سے چیتاون برہمن تھے۔ جنہوں نے ۱۸ویں اور ۱۹ویں صدی کے تقریباً نصف چوتھائی تک عظیم مہاراشٹر کا خواب دیکھا اور پونا میں بیٹھ کر حکومت کی۔ اپنے ماضی کے اس پس منظر میں انہوں نے اپنے سارے اعمال و رسوخ کو انگریزوں کے خلاف مجتمع کیا۔ مرہٹے اس وقت بھی انگریزوں سے برسر پیکار رہے جبکہ دوسرے نواب، اور راجواڑے اپنی تلواروں کو بند کر کے میانوں میں رکھنے میں مصروف تھے۔

بال گنگا دھر تلک کو سیاست اور خدمتِ خلق ورثہ میں ملی تھی۔ مہاراشٹری ہونے کی حیثیت سے شیواجی، اور مراٹھا حکومت کی عظمتِ رفتہ کی کہانیاں بچپن ہی سے ان کے گوش گذار ہو چکی تھیں۔ جس سے غیر شعوری طور پر تلک کے دل میں ملک و قوم کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانے کا جذبہ تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ اس آزادی کی جدوجہد میں ان کے اخبار "مراٹھا" اور "کیسری" نے ان کی بڑی مدد کی۔ ان اخباروں کے ذریعہ تلک کی آواز عوام الناس میں پہنچتی رہی اور آزادی کی یہ تحریک بچہ بچہ کا نصب العین بن گئی۔

تعلیمی حیثیت سے تلک انگریزی کے بمقابلہ ہندوستانی زبانوں کو اولیت دینے کے حق میں تھے اور اس مقصد کے تحت انہوں نے سرکاری مدد کے بغیر قومی اسکول قائم کئے۔ جنہیں حکومت نے بند کر دیا۔ سنہ ۱۸۸۹ء میں کانگریس کا جو پانچواں ادھیویشن بمبئی میں ہوا تھا۔ تلک ڈیلیگیٹ کی حیثیت سے اس میں موجود تھے۔ اس سیشن کی اور اس کے باہر کی ان کی تقاریر نے کانگریس کو موجودہ برٹش حکومت کا سب سے بڑا مخالف بنا دیا۔ انہوں نے ہندوستانیوں کی برٹش حکومت سے مراعات کی سختی سے مخالفت کی اور ان کے نعرے "آزادی میرا پیدائشی حق ہے اور میں اسے لے کر رہوں گا" نے سارے ہندوستانیوں کے جذبات میں نیا جوش اور ولولہ پیدا کر دیا۔ تلک کے جاری کردہ اخبار "کیسری" سے جو اس وقت بیس ہزار کی تعداد میں چھپتا تھا۔ تلک کی آواز کو دور دور تک پھیلانے میں بڑی مدد ملی اور ملک میں تلک کے بے شمار شیدائی اور جانثار پیدا ہوئے۔ وہ ایک فصیح البیان مقرر اور اپنے دلائل سے دوسروں کو بڑی خوبصورتی سے مسحور کرنے کے فن میں ماہر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دن بہ دن لوگ ان کے حلقۂ اثر میں آتے گئے، یہاں تک کہ عوام الناس نے انہیں لوکمانیہ (عوام میں لائق احترام) کے خطاب سے نوازا۔

مہاراشٹر کی عظمتِ رفتہ کے پیشِ نظر "گنپتی" کی پوجا کو عام کرنے میں بھی تلک ہی کا ہاتھ ہے۔ جو ماضی قریب میں سنہ ۱۸۹۳ء میں پہلی مرتبہ پونا میں تلک کی سرکردگی میں شروع کی گئی۔ اسی طرح تلک نے مہاراشٹری عوام میں عظمت رفتہ کے احساس کی خاطر شیواجی کی پرستش کو بھی رائج کرنے کی کوشش کی اور سنہ ۱۸۹۵ء میں شیواجی کے اولین دار الخلافہ رائے گڈھ میں جشن شیواجی منایا اور اس کی صدارت کی۔۔۔۔

گو تلک کا نقطۂ نظر ابتدا میں بہت محدود مہاراشٹری نقطۂ نظر تھا لیکن آہستہ آہستہ مہاراشٹر کی محبت وطن کی محبت میں ضم ہو گئی اور اس طرح وہ مہاراشٹری لیڈر سے قومی لیڈر بن گئے اور دادا بھائی نوروجی، گوکھلے، سریندر ناتھ بنرجی، گاندھی جی، پنڈت نہرو، مولانا آزاد، حکیم اجمل خاں، جیسے ملک گیر لیڈروں کی نہ صرف صف میں آگئے بلکہ ان سب کی نمائندگی کرنے لگے۔ جدید ہندوستان کی تعمیر میں

گاندھی جی کا جو حصہ ہے وہ کسی تبصرہ کا محتاج نہیں۔ تلک گاندھی جی کے سب سے بڑے رفیق، ہم خیال، اور ہم زبان معاصر تھے۔ گو ابتدا میں تلک محدود ہندویت کے قائل تھے اور اس طرح وہ ہندو اور مسلمانوں میں غیر صحت مند تعلقات کو ہوا دیتے رہے، تاہم آخر میں وہ اپنے اس تنگ دائرہ سے نکل کر ہندو مسلمانوں میں نفرت کی آگ بجھا کر دونوں میں اتحاد پیدا کرنے کے سب سے بڑے موجد بھی رہے تھے۔ جس کی بنیاد تاریخ میں لکھنؤ پیکٹ سے پڑی۔ تلک کے انتقال کے بعد یہی پرچم اتحاد گاندھی جی کے ہاتھ میں آیا جو تلک کے سچے، اعلیٰ اور ارفع جانشین تھے۔ تلک سے ہندوستان کی سیاسی اور ادبی زندگی دونوں برابر متاثر رہی۔ کسی کی موت پر اظہار عقیدت اور نذرانۂ اشعار کی مثالیں انگنت ہیں۔ لیکن زندگی میں کسی کی بھرپور شخصیت کا اعتراف شاذونادر ہی ملتا ہے۔ بعض اوقات اوتار اور اولیاء کی شخصیات بھی اس اعتراف سے محروم رہ جاتی ہیں۔ ایسے میں کسی سیاسی رہنما کی خدمات کا اس کی زندگی میں اعتراف اس کی بزرگی اور عظمت کے اعتراف کے ساتھ اس کے پیروکاروں کی عظمت و بڑائی کا بھی مظہر ہے۔ آنجہانی تلک جیسے خوش قسمت بہت کم ہیں کہ مذہب و ملت اور علاقائی تعصب کی قید سے آزاد رہ کر وہ لوگوں کو متاثر کرتے ہیں۔ اردو زبان کی انصاف پسندی، اور وسیع القلبی نے مولانا فیض الحسن حسرت موہانی سے تلک کی شان میں ایسے شعر غزل کی ہیئت میں پروئے کہ شاید ہی مرٹھی نے بھی تلک کی شان میں اس پایہ کی کوئی نظم پیش کی ہو۔ غزل کا موضوع محبوب اور متعلقات محبوب ہیں۔ اس محبت نے اردو شاعروں اور غزل کو بدنام بھی کرنے کی کوشش کی، تاہم اس کا بہت کم احساس کیا گیا کہ اس نے لیلیٰ وطن کے گیسو بھی سنوارے ہیں اور اس کے شاہد معنیٰ میں تلک، گوکھلے، گاندھی، نہرو، اور آزاد بھی ہیں۔

مولانا حسرت موہانی نے جو غزل کے بہت ہی بانکے شاعر ہیں۔ اٹلی کی حسینہ ثریا کے حسن شباب پر دور سے متاثر ہو کر اگر شعر کہے اور اپنی غزل کے ذریعہ محبوب سے چوری چھپے راتوں کی ملاقاتوں اور دوپہر کی دھوپ میں کوٹھے پر ننگے پاؤں آنے کا دلچسپ منظر کھینچا ہے تو سیاست اور ہندوستان

کی آزادی کے عاشق صادق تلک کی محبت
کا موضوع بنی ہے

اے تلک، اے افتخار جذبۂ حر
حق شناس و حق پسند و حق یقیں

تجھ سے قائم ہے بنا آزادیِ بے باک
تجھ سے روشن اہل اخلاص و صد

سب سے پہلے تو نے کی برداشت
خدمت ہندوستاں میں کلفت ق

ذات تیری، رہنمائے راہِ آزادی
تھے گرفتارِ غلامی، ورنہ یارانِ و

تو نے خودداری کا پھونکا اے تلک
یک قلم جس سے خوشامد کی مٹی

ناز تیری پیروی پر حسرت
اے تجھے قائم رکھے تا دیر رب

٭ ٭ ٭

حسرت کے نزدیک تلک سے زیاد
آدمی کوئی نہ تھا، کہ جس کی وہ پیروی
کے مندرجہ بالا اشعار سے اندازہ لگانا م
نے اپنی زندگی میں تلک کے مسلک کو
طور پر اپنایا اور انہیں کے نقش قدم پر چل
کو انگریزوں سے آزاد کرانا چاہتے تھے۔ حس
تلک کے لئے جوش عقیدت میں خود ان کی
توجہ کو بھی دخل دیا ہے۔ ان دونوں رہنماؤ
ہم آہنگی ہے اس مزاج کی یکسانیت نے
سے قریب تر کر دیا۔ حسرت اور تلک
جلید کے لئے کسی قسم کی سودے بازی
تھے اور شروع ہی سے ان کے خیالات نے
کے دائروں کو مضبوطی سے اپنی گرفت
دونوں شدت پسند تھے۔ دونوں آزا

طریقۂ فکر رکھتے تھے۔ دونوں انگریزوں کے سخت مخالف اور اپنی اپنی تاریخی وتہذیبی روایتوں کے شیدائی اور پرستار تھے۔ "مہراج تلک"، "بلونت تلک"، "آزادوں کے سرتاج تلک" جیسے القاب کی وجہ تلک کی حق شناسی، حق پسندی اور حق سخن جیسی ذاتی خصوصیات تھیں جن میں خود حسرت کی طبیعت کا رنگ بھی ہے۔ تلک سے اہلِ اخلاص وصفا کی انجمن روشن تھی۔ حسرت نے اس سے کسبِ نور کیا، تلک نے آزادیٔ بے باک کا نعرہ لگایا۔ حسرت بھی ان کے ہم آواز تھے۔ کلفتِ قید ومحن تلک، اور حسرت دونوں نے برداشت کی۔ بقول خود ؎

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی،
اِک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی

یہی وجہ ہے کہ حسرت نے تلک کی پیروی کو اپنا ایمان بنالیا اور تلک کی پیروی پر اپنے ناز کا اعلان کیا ؎

ناز تیری پیروی پر حسرتِ آزاد کو
اے تجھے قائم رکھے تا دیر ربِّ ذوالمنن

⁂ ⁂ ⁂

تلک کے لئے حسرت کا یہ خراجِ عقیدت ہندستان کے ادبیات کی تاریخ میں نایاب ہے۔

حسرت کی طرح دوسرا خراجِ عقیدت جو اردو کے کسی شاعر نے تلک کو پیش کیا وہ چکبست ہیں چکبست اُردو کے محبِ وطن شاعروں کے سرتاج ہیں۔ انہوں نے اپنے وطن کی محبت سے مختلف نظموں اور غزلوں کے گلدستہ کا نام بھی "صبحِ وطن" ہی رکھا ہے۔

حسرت کے چند اشعار دیکھیے، جس میں انہوں نے تلک کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے ؎

مغموم نہ ہو خاطرِ حسرت کہ تلک تک
پیغامِ وفا بادِ سحر لے کے گئی ہے۔

جب سنہ ۱۹۲۰ء میں تلک کا انتقال ہوا تو سیاست میں اپنے پیر ومرشد کو حسرت نے نذرانۂ عقیدت یوں پیش کیا ؎

ماتم نہ ہو کیوں بھارت میں بپا دنیا سے سدھارا آج تلک
بلونت تلک، مہراج تلک، آزادوں کے سرتاج تلک

جب تک وہ رہے دنیا میں رہا ہم سب کے دلوں پر زور ان کا
اب رہ کے بہشت میں نزدِ خدا روحوں پہ کریں گے راج تلک

سرِ ہند وکا مضبوط ہے جی، گیتا کی یہ بات ہے دل پہ لکھی
آخر میں جو خود بھی کہا ہے یہی پھر آئیں گے تلک

سرگباشی تلک کو حسرت نے ایک سے زائد بار سراہا، اور ان کی شان میں رطب اللساں ہوئے ہیں ؎

⁂ ⁂ ⁂

چکبست نے اپنی ایک نظم میں ہندوستان کو کچھار اور تلک کو شیر سے تشبیہ دی ہے اور صبحِ وطن کی روشنی کو ماتم غبار کہا ہے۔ تلک کی شخصیت میں جو آگ، جوش اور ولولہ تھا۔ نظم میں اس سیرت اور مزاج کی پوری عکاسی ملتی ہے۔ آٹھ بندوں پر مشتمل "بال گنگا دھر تلک" پر چکبست کی یہ نظم ملاحظہ ہو ؎

موت نے رات کے پردے میں کیا کیسا وار
روشنی صبحِ وطن کی ہے کہ ماتم کا غبار

معرکہ سر دہے سویا ہے وطن کا سردار
طنطنہ شیر کا باقی نہیں سونی ہے کچھار

بیکسی چھائی ہے تقدیر پھری جاتی ہے
قوم کے ہاتھ سے تلوار گری جاتی ہے

اٹھ گیا دولتِ ناموسِ وطن کا وارث
قوم مرحوم کے اعزاز کہن کا وارث

جاں نثار ازلی شیرِ دکن کا وارث
پیشواؤں کے گرجتے ہوئے رن کا وارث

تھی سمائی ہوئی پونا کی بہار آنکھوں میں
آخری دَور کا باقی تھا خمار آنکھوں میں

موت مہاراشٹر کی تھی یا تیرے مرنے کی خبر
مردنی چھا گئی انساں تو کیا پتھر پر

پتیاں جھک گئیں مرجھا گئے صحرا کے شجر
رہ گئے جوش میں بہتے ہوئے دریا تھم کر

سرد و شاداب ہوا رک گئی کہساروں کی
روشنی گھٹ گئی دو چار گھڑی تاروں کی

⁂

ابتدا کے ان چند بندوں میں تلک کی موت پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے بعد میں آنجہانی کی ملک و قوم سے محبت، ان کا اپنے ہم وطنوں کے نام پیغام، قوم سے ان کا پیمانِ وفا اور اس پیغام سے اہل وطن کی بیداری کو شاعر نے بہت ہی خوبصورت انداز میں یوں پیش کیا ہے ؎

تھا نگہبانِ وطن دبدبہ عام ترا
نہ ڈگیں پاؤں یہ تھا قوم کو پیغام ترا

دِل رقیبوں کے لرزتے تھے یہ تھا کام تیرا
نیند سے چونک پڑے سن جو لیا نام تیرا

یاد کر کے تجھے مظلومِ وطن روئیں گے،
بندۂ رسم جفا چین سے اب سوئیں گے

زندگی تیری بہارِ چمنستان وفا
آبرو تیرے لئے قوم سے پیمانِ وفا

عاشقِ نامِ وطن کشتۂ ارمانِ وف
مردِ میدانِ وفا جسمِ وفا جانِ و

ہو گئی نذرِ وطن ہستی فانی تی
تو تو پیری رہی تیری نہ جوانی تی

اوجِ ہمت پہ رہا تیری وفا کا
موت کے خوف پہ غالب رہی خدمت

بن گیا قید کا فرمان بھی راحت ک
ہوئے تاریکیِ زنداں میں تیرے بال

پھر رہا ہے مری نظروں میں س
آہ وہ قیدِ ستم اور بڑھاپا

معجزہ اشکِ محبت کا دکھایا
ایک قطرہ سے یہ طوفان اٹھایا

ملک کو ہستیِ بیدار بنایا تو
جذبۂ قوم کے جادو کو جگایا ت

اک تڑپ آ گئی سوتے ہوئے ار
بجلیاں کوند گئیں قوم کے ویرانو

لاش کو تیری سنواریں نہ رقی
ہو جبیں کے لئے صندل کی جگہ خ

تر ہوا ہے جو شہیدوں کے لہو
دیں اسی کا تجھے پنجاب کے مظلو

شورِ ماتم نہ ہو جھنکار ہو زنجی
چاہئے قوم کے بھیشم کو چتا

حقیقت یہ ہے کہ تلک موت پر ان کی جبین، صندل کی بجائے خاکِ وطن کی حقدار تھی اور شہیدوں کے لہو بن تر کفن کے وہ مستحق تھے۔ شجاعت اور بہادری کا مثالی نمونہ ہونے کی حیثیت سے ان پر رونا بھی غلط تھا۔ ایسے بہادروں کو جنہوں نے اپنی زندگیاں وطن کی محبت میں قید و بند اور آلام و مصائب میں گذاری ہوں۔ زنجیروں کی جھنکار کے ساتھ ہی اٹھانا چاہیئے۔ چکبست نے اپنی اس نظم کے آخری بند میں آنجہانی تلک کو جو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ اس سے دراصل تلک کے افعال و اعمال ان کی شجاعت اور عظمت اور ان کے بلند حوصلوں کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ چکبست اپنے مراثی میں مرنے والوں پر روتے نہیں ہیں بلکہ اس کی زندگی اور افکار و اعمال کے پیشِ نظر ایک لائحۂ عمل پیش کرتے ہیں تاکہ ان خصوصیات اور شخصیتوں کے ان ارفع و اعلیٰ عناصر سے اس کے ہم قوم مستقبل کی راہیں روشن کر سکیں۔

جسٹس راناڈے اور بال گنگا دھر تلک کے بعد گوپال کرشن گوکھلے کی شخصیت ہندوستان کی تاریخ کے ساتھ اردو شاعری میں بھی محفوظ ہو گئی۔ راناڈے اور گوکھلے کی شخصیت کے اردو شاعری کے محافظ شاید تنہا چکبست ہی ہیں۔ انیسویں صدی کے ربع آخر اور بیسویں صدی کے ربع اول کی تابناک مہاراشٹری شخصیتوں میں راناڈے اور تلک کے بعد گوکھلے نے بڑا نام پایا۔ گوکھلے ۹ مئی ۱۸۶۶ء میں ضلع رتناگیری کے چپلون تعلقہ میں ایک چھوٹے سے گاؤں کاتلوک میں پیدا ہوئے۔ وہ راناڈے اور تلک کی طرح چتپاون برہمن تھے۔ ان کے دیگر ہم عصر چتپاون برہمنوں میں مشہور ریاضی داں پرانجپے ناول نویس ہری نرائن آپٹے بھی تھے۔ ان تابناک معاصرین میں گوکھلے بھی شہابِ ثاقب کی طرح خوب چمکے اور ۱۹۱۵ء میں ۱۹ فروری کو انچاس سال کی عمر میں آسمانِ ہند پر غروب ہو گئے۔

اردو شاعروں میں تلک کو خراجِ عقیدت پیش کرنے والوں میں اردو کے مشہور شاعر سیماب اکبر آبادی بھی ہیں۔ وہ اپنی نظم بساطِ سیاست میں سکندر، قیصرِ روم، حضرت خالدؓ، صلاح الدین ایوبی، نپولین وغیرہ ماہرینِ سیاست اور بہادروں کے ساتھ تلک کے بارے میں کہتے ہیں ؎

ہند جو تھا عظمتوں کی ایک گذرگاہِ قدیم
امتدادِ وقت سے تھا حال اس کا بھی سقیم

"کرشن" کی بس سرزمیں سے کی گئی صورت گری
"خاکِ گوتم" کی امانت سے جسے تھی برتری

پرچمِ اسلام صدیوں جس پہ لہراتا رہا
آسماں جس کی بلندی کی قسم کھاتا رہا

اب وہی اس دور میں پامالِ استبداد تھی
رہنِ استعمار اس کی فطرتِ آزاد تھی

آخر اک اللہ کے بندے کو جوش آ ہی گیا
ایک تشقہ بر جبیں، گیسو بدوش آ ہی گیا

شمعِ نو سے صحنِ بت خانہ تجلی کوش تھا
خانقاہوں کا چراغ اب بھی مگر خاموش ہے

تلوک چند محروم کی شاعرانہ حیثیت مسلم ہے، قومی شاعری کے دھارے میں جس کی ابتدا آزاد اور حالی سے ہوتی ہوئی اقبال، سرور جہان آبادی، اسمٰعیل میرٹھی، اکبر الٰہ آبادی اور چکبست و جوش وغیرہ تک پہونچی۔ تلوک چند محروم نے نہایت جچے تلے اور کھلے ڈلے طریقہ سے اس کے رنگ روپ کو نکھارا۔ تحریکِ آزادی کے زمانہ میں جب ہمارے قومی رہنما سیاسی سطح پر ملک کو آزاد کرانے کی فکر میں محو تھے اور طوق و سلاسل میں بند زنداں میں اپنے دن کاٹ رہے تھے اور انگریز سامراج کو للکار رہے تھے ہمارے دوسرے شاعروں کی طرح محروم بھی اپنے سیاسی اور سماجی مسائل سے متاثر ہو کر اپنے شعری نغمات سے کہیں رہنمایانِ قوم کے حوصلے بڑھا رہے تھے تو کبھی انہیں خراجِ عقیدت پیش کر رہے تھے۔ ان کی دولتِ شعر نے جن رہنمایانِ قوم کو خراجِ تحسین پیش کیا ان میں بال گنگا دھر تلک، گوپال کرشن گوکھلے، مہاتما گاندھی، سی۔ آر۔ داس، پنڈت جواہر لال نہرو، رفیع احمد قدوائی، مولانا آزاد،

سبھاش چندر بوس، لالہ لاجپت رائے کی شخصیتیں شامل ہیں۔ تلک اور گوکھلے کی شخصیتیں محروم کی محبوب شخصیتیں تھیں جن کے افکار اور کردار (دونوں) سے وہ بے حد متاثر رہے اور نہ صرف ان کی زندگیوں میں نظم کے پیرایوں میں ان کی قومی خدمات کا دل و جان سے اعتراف کیا بلکہ ان کی موت پر بھی اظہار افسوس کرتے ہوئے اپنے دکھ اور درد کا اظہار کیا ہے۔ تلک اور گوکھلے کو نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے محروم لکھتے ہیں:-

خورشید اور قمر ہیں تلک اور گوکھلے
بھارت میں جلوہ گر ہیں تلک اور گوکھلے

سوز وطن ہے دونوں میں کیا بحث نرم و گرم
اک آگ کے شرر ہیں تلک اور گوکھلے

فرزندیوں تو مادر بھارت کے بے شمار
دو پارۂ جگر ہیں تلک اور گوکھلے

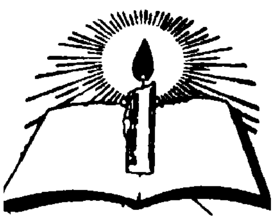
پتلے ہیں دونوں جذبۂ ایثار نفس کے
قربان ہند پر ہیں تلک اور گوکھلے،

ہوگی ضرور بھارت مجروح کو شفا
جب اس کے چارہ گر ہیں تلک اور گوکھلے

ہوگا طلوع نیر اقبال ملک
ہند پر تو سحر ہیں تلک اور گو

محروم تلک کی ذات سے اس قدر
کے انتقال کے بعد پہلی اور دوسری برسی
اور گوکھلے کو خراج عقیدت پیش کیا اور جب
طلوع ہوا تو پھر اس حق پسند شاعر نے تلک کو
ہند تلک کی زندگی کا واحد مطمح نظر تھا۔

مندرجہ بالا سطور میں زیر بحث م
جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس مختصر سے م
کی ان تمام تاریخ ساز شخصیتوں کا ذکر مک
شان میں اردو کے وسیع المشرب شعرا
کہے ہیں اور اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے یہ
کے لئے انتظار کھا ہے۔



ترسیل زر و مراسلت کا پتہ:
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر
منترالیہ، ممبئی نمبر ۴۰۰۰۳۲
نوٹ: زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر بھجوایئے۔ 'وی.پی' نہیں بھجوائی جاتی ہے۔
(ادارہ)

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

بشر نواز

مراٹھی اَدب اور عوامی اظہار

گذشتہ پچیس برسوں میں مراٹھی ادب کا عمومی رُجحان عوامی رہا ہے۔ اس سے قبل مراٹھی ادب کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس پر متوسط طبقہ کا تسلط نمایاں تھا۔ لیکن اس ربع صدی میں حکومتِ مہاراشٹر کی ترقی پسندانہ پالیسیوں کی وجہ سے سماج کے پچھڑے ہوئے طبقے میں تعلیم عام ہوئی چنانچہ اس طبقے کے افراد بھی مراٹھی ادب کی طرف راغب ہوئے اور یہاں کی ادبی و تہذیبی زندگی میں شامل ہوگئے۔

گذشتہ پچیس برسوں میں سماج کے پچھڑے ہوئے طبقے اور شیڈولڈ کاسٹ کے کئی لکھنے والے شاعر، افسانہ نگار، نقاد، اور سوانح نگار کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ یہ لکھنے والے اپنے مختلف مسائل اور گوناگوں تجربوں کو بڑی صداقت سے پیش کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے مسائل و موضوعات کی مناسبت سے انہیں کئی زبان و طرزِ اظہار کو اپنانا پڑا۔ چنانچہ مراٹھی ادب میں ایک نئی ادبی تحریک نے راہ پائی جسے "دلت ساہتیہ" کا نام دیا گیا۔

مراٹھی ادب کے ارتقاء میں اس تحریک نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ متوسط اور اوپری طبقے سے تعلق رکھنے والا مراٹھی اَدب یقیناً اپنی کچھ اقدار اور روایات رکھتا ہے لیکن نئے رجحانات کے حامل نئے ادب کی خود اپنی اقدار اور روایات ہیں۔

گذشتہ پچیس برسوں میں زندگی میں کئی سماجی، سیاسی، معاشی اور تہذیبی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ یہ مختلف النوع اور کثیر العباد تبدیلیاں مراٹھی اَدب میں بھی نظر آتی ہیں اور

ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آج کا مراٹھی ادب اپنے پیشرو کے مقابلے میں زیادہ حقیقت پسندانہ ہو گیا ہے۔

آج متوسط طبقہ سماجی ترقی میں ایک متحرک قوت کی حیثیت سے اپنی روایتی اہمیت کھو چکا ہے۔ اسی لئے اس نے اپنی فنی ترجیحات تبدیل کر لی ہیں اور عہدِ ماضی کے ادب میں فن برائے فن، خالص فن اور خالص مسرت وغیرہ قسم کی روایتوں کو تلاش کر رہا ہے۔ اس طرح سے گویا متوسط طبقہ اپنے ہاتھی دانت کے مینار کی تجدید میں مصروف ہے۔ برخلاف اس کے نو بیدار عوام آج کی سماجی ترقی میں ایک فعال و متحرک قوت بنتے جا رہے ہیں اور ادب میں سماجی حقیقت نگاری کی ایک نئی سمت متعین کر رہے ہیں۔

مراٹھی ادب شاعری کی حد تک بی۔ ایس۔ مڈھیکر کی جدیدیت اور افسانے میں پروفیسر گنگادھر گاڈگل ، اروند گوکھلے اور پی۔ بی۔ بھاوے سے متاثر رہا ہے۔ وینکٹیش ماڈگولکر نے جدید ادبی رجحانات کے تحت علاقائی افسانے لکھے یہ جدید رجحانات نظم و نثر میں ۱۹۶۰ء تک رائج رہے۔ ایس۔ این۔ پانڈے اور جی۔ این۔ ڈانڈیکر نے ناول میں این۔ ایس۔ پھڑکے۔ وی۔ ایس۔ کھانڈیکر اور وائی۔ جی۔ جوشی اور ان کے ہمعصروں سے ہٹ کر نئی راہ نکالی۔ پانڈے اور ڈانڈیکر نے اپنی علاقائی ناولوں میں جدیدیت کا استعمال کیا ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی بالکلیہ نئے افق کی تلاش نہیں کر سکا۔

مراٹھی ڈرامہ یقیناً عوام تک پہنچا جس کا اندازہ ہل ایریا میں اسٹیج کی مقبولیت سے لگایا جا سکتا ہے لیکن ایم۔ جی۔ رانگنیکر کے بعد یہ بھی روبہ زوال ہونے لگا۔ غیر پیشہ ور فنکاروں میں مراٹھی اسٹیج سے دلچسپی برقرار رہی لیکن بدقسمتی سے ان کے پاس انفرادیت کی کمی تھی۔ چنانچہ وہ رانگنیکر کی نقالی کے سوا کچھ نہ کر سکے۔ اور انہیں کی روندی ہوئی راہوں پر گامزن رہے۔

دراصل متوسط طبقہ اس سلسلہ میں تلاش و تجسس سے عاری ہو چکا تھا۔ ۱۹۶۰ء کے بعد بلکہ صحیح معنی میں ریاستِ مہاراشٹر کے قیام کے بعد مراٹھی ادب رفتہ رفتہ عوام سے قریب ہونے لگا۔ گو متوسط طبقے سے متعلق ادب بھی تخلیق ہوتا رہا۔ لیکن زیادہ توجہ اس قسم کی جدید شاعری یا اضافہ کی بجائے نئے ڈرامے اور نئے ناول کی طرف مبذول رہی۔

اس زمانے میں مراٹھی ادب میں بیک وقت دو رجحانات جگہ پا گئے۔ ایک رجحان ماضی سے تحریک حاصل کرنے کا، اور دوسرا موجودہ زندگی کی حقیقتوں سے عہدہ برآ ہونے کا تھا۔ مثلاً سن ۶۰ء اور اس کے ایک دو دہوں تک سوانحی ناول نگاری کا رجحان نظر آتا ہے۔ ادیب اپنے مرکزی خیال، رزمیوں، دیومالاؤں اور تاریخ سے چننے لگے یہاں تک کہ عہدِ حاضر کی بڑی شخصیتیں بھی تاریخی رنگ میں رنگ دی گئیں۔ "سوامی" سے جدید تاریخی ناول کی روایت شروع ہوئی اور "یایاتی" (کھانڈیکر) سے دیومالائی ناولوں کا دور شروع ہوا۔ "آنندی گوپال" ایس۔ جے۔ جوشی اور "ہری نارائن" ڈاکٹر بھیم راؤ کلکرنی نے سماجی ناولوں کی ابتدا کی۔ متوسط طبقے نے ان ناولوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ گذشتہ بیس برسوں میں مقبول ہونے والی چند تحریریں "زیبا" "جھونج" (این۔ ایس۔ انعام دار) "مرتیونجایا" (شیواجی ساونت) "یدینا" اور "امرت پترا" ہیں۔ آخر الذکر دو ناولیں بالترتیب وی ڈی ساورکر، اور جواہر لال نہرو کی سوانح پر ہیں۔ اسی طرح "درد امیا" لوک مانیہ تلک اور "پترامانوچہ" مہاتما گاندھی کی زندگی پر ہیں "درد انیا" کے مصنف گنگادھر گاڈگل ہیں اور "پترامانوچہ" رینالنی دیسائی کی تحریر کردہ ہے۔

دوسرے سوشیل ناول بھی انہیں دہوں میں لکھے گئے۔ اس دور کے نوجوان ادیبوں مثلاً۔ بھالچندر نمارڈے کی (کوسلہ) اور بھاؤ پاڈھوے کی انی زرد دھ" ڈھڈ بیشوار کار"، اگربیرا اور دشونا تکا، میں وجودیت کے اثرات نظر آتے ہیں۔ نوجوان نسل کے نقاد اشوک شاہنے نے مراٹھی ادب پر " X - Ray " ڈالتے ہوئے روایت پرستی کی بے معنویت کو پوری طرح بے نقاب کیا ہے۔

ان ادیبوں نے زندگی کی، بے معنویت، اور بے ہیتی، کا ادراک کیا۔ اور اپنی تحریروں میں اپنے انٹی ہیروز کی عکاسی کی جو جی جانی زندگی کے لئے بیقرار بھی تھے اور اس کے آرزو مند تھے لیکن اسی پر سختی سے تنقید بھی کرتے تھے۔

نومی راج

جیونت دلوی نے "چکر" اور مدھو منگش کرنک نے "ماہم چی کھاڑی" میں جھونپڑپٹی کی زندگی کی عکاسی کی ہے. لیکن وہ بھی اس زندگی کی نبض ٹٹولنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہوسکے کیونکہ ان کا رویہ اور ذہنیت متوسط طبقے ہی کی پروردہ تھی۔

دراصل سنہ ۱۹۶۰ء کے بعد سے مہاراشٹر کی سماجی، معاشی اور تہذیبی زندگی میں تبدیلیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوچکا تھا۔ اسکولوں اور کالجوں کے ذریعے عوام میں تعلیم عام ہو رہی تھی اور اسی کے ساتھ عام لوگوں میں پنچایتوں ضلع پریشدوں، مزدوروں کی بہبودی کے مرکزوں وغیرہ کے توسط سے بیداری کی لہر دوڑ رہی تھی۔ شہروں کے کارخانوں اور دیہاتوں کی شہری اندازکی ترقیوں نے اس لہر کو اور تیز کردیا۔ کوآپریٹو سوسائیٹیوں کی وجہ سے دیہاتوں کی زندگی نے معنی اختیار کررہی تھی اور نئے سماجی رشتے مضبوط ہورہے تھے۔ ان تبدیلیوں کے نتیجے کے طور پر نئے نئے مسائل ابھرے۔ نئی پیچیدگیاں سامنے آنے لگیں لیکن یہ نئے حقائق مراٹھی ادب میں بہت کم پیش کئے گئے۔ البتہ سطحی اور مصنوعی حقائق کا بیان ملتا رہا یا پھر حقائق کی مسخ شدہ شکل سامنے آنے لگی۔ وجودیت کے پرستاردیوں نے بجائے حقیقتوں سے تحریک حاصل کرنے کے سارتر، کامیو، اور کافکا وغیرہ سے اپنا ناطہ جوڑلیا۔ اس زمانے میں لکھنے والوں نے عورت اور مرد کے تعلقات کا استحصال کرتے ہوئے زندگی میں جنسیت کا اظہار کرنا شروع کیا "بائی بیا بوا" (اد ھوشلکے)، "راتر کالی گھاگر کالی" "اجگر" اور وندورا (سی۔ ٹی۔ کھانولکر) اس کی مثالیں ہیں۔ ان کے علاوہ شاعرانہ اندازکی ناولیں بھی لکھی گئیں مثلاً "ساوتری" اور "ادی مایہ" (پی۔ سی۔ رنگیکر) یا ایس۔ این پنڈسے کی "لاوالی" اور "آکٹوپس" یہ ناولیں پسند تو کی گئیں لیکن مراٹھی ادب کو کوئی نئی سمت عطا نہ کرسکیں کیونکہ تعلیمی، اور تہذیبی تبدیلیوں کی وجہ سے زندگی بدل چکی تھی۔

اچھوت کہلائے جانے والوں کے تاریخی تبدیلیٔ مذہب اور بدھ مت اختیار کرلئے اور بابا صاحب امبیڈکر کے انتقال کے بعد شیڈولڈ کاسٹ اقوام نے ایک نئی جدوجہد کا آغاز کیا کیونکہ وہ اب تک آزادی کی نعمتوں سے مستفید نہ ہوسکے تھے۔ بدقسمتی سے مراٹھی ادب اس جدوجہد کو سمجھنے میں ناکام رہا۔ تاریخی، دیومالائی اور سماجی سوانحی ناول حقائق سے دور رہے اور وجودی تحریروں نے عام آدمی کو خلفشار اور انتشار میں مبتلا کردیا۔ عورت مرد کے باہمی تعلقات اور جنسی موضوعات پر لکھی جانے والی ناولوں میں تلخ حقائق کا گزر نہ تھا۔ مراٹھی کے ڈراموں کو کا بھی کم وبیش یہی حال رہا۔ بزرگ ڈرامہ نگار شری وارڈکر تاریخی ڈرامے لکھتے رہے جیسے "دوسرا پیشوا" اور "وتیج سنھالی دھرتی لا" وسنت کانیٹکر نے "دی۔ وائی انی دیویانی" "متسیا گندھا" جیسے دیومالائی ڈرامے لکھے۔ کچھ ڈرامہ نگار تاریخی ڈراموں کی طرف راغب ہوئے۔ مثلاً وسنت کانیٹکر نے "رائے گڈھ لا جاگ آلی" اور "تجھا تو دھادی راجہ" تحریر کئے ان ڈراموں میں ڈرامائیت پوری طرح نمایاں تھی۔ وویادھر گوکھلے نے غنائی مزاحیہ ڈراموں کو بڑھاوا دینے کی پرخلوص کوشش کی لیکن موجودہ عہد کی سچائیاں ان کے ہاں بھی نہیں ملتیں۔ وجے تینڈولکر کے ڈرامے "گیدھڑے" اور "سکھارام بائنڈر" اپنے نئے ڈرامائی اندازکی وجہ سے پسند کئے گئے۔ ان ڈراموں میں جنس اور تشدد کو نمایاں کیا گیا تھا۔ "گھاسی رام کوتوال" گرماگرم مباحث کا موضوع بنا۔ "کنیادان" اور "کملا" میں کچھ مسائل اٹھائے گئے اس کے باوجود ان کے ڈرامے، صرف متوسط طبقے اور تعلیق قسم کے دیکھنے والوں کو ہی متاثر کرسکے۔ وی۔ آر۔ شری واڈکر کا حزنیہ "نٹ سمراٹ" یقیناً خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

گذشتہ پچیس برسوں میں، حکومتِ مہاراشٹر اور دوسرے تہذیبی اداروں کی جانب سے منعقد کئے جانے والے مقابلوں ڈرامہ ورکشاپس اور ڈرامہ کیمپس نے ڈرامے کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ لیکن صفِ دوم کے ادیب صرف مختلف اہم ڈرامہ نگاروں کی نقالی کرنے میں مصروف رہے اور مقبول دسنسنی پیدا کرنے والے ڈراموں نے مراٹھی اسٹیج کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ پیشہ ور، غیر پیشہ ور، اور نئے تجرباتی والے ڈرامہ نگار نئی زندگی اور اس کی روح کو پیش کرنے کی کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں۔

اس مختصر سے مضمون میں پورے موجودہ دور کے مراٹھی ادب کا احاطہ کرنا مشکل ہے تاہم مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ وہ مراٹھی ادب جس پر متوسط طبقے کے اثرات نمایاں رہے۔ مغربی رجحانات وخیالات سے متاثر ہے۔

مضمون کی ابتدا ہی میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اس قسم کے ادب اور متوسط طبقے کی گرفت کمزور پڑتی جا رہی ہے اور وہ طبقہ اب سماجی اور فنی ترجیحات میں "متحرک موت" نہیں رہا ہے۔ اسی کے ساتھ خود اس میں مختلف تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ تاہم یہ متوسط طبقہ داخلیت، تصوف، فطرت پرستی، ہیئت پرستی، وغیرہ کے بل پر اپنی روایات کو برقرار رکھنے میں مصروف تھا۔ دوسری طرف نو بیدار عوام رفتہ رفتہ سماج میں متحرک قوت بنتے جا رہے تھے۔ پچھڑے ہوئے اور سماجی اعتبار سے پسماندہ طبقے سے ابھرنے والے ادیب و شاعروں نے ادب و فن کو اپنے اظہار کا موثر ذریعہ محسوس کیا اور اسے سماجی تبدیلیوں اور عوامی بیداری کا وسیلہ بنا کر اس کا رُخ سوشلزم کی طرف موڑ دیا۔

بابا صاحب امبیڈکر نے پسماندہ طبقے میں عزتِ نفس اور خود اعتمادی پیدا کر دی تھی۔ تعلیم نے ان احساسات کو مزید بڑھا دیا۔ چنانچہ وہ ایک وسیع تناظر میں کے ساتھ موجودہ حقائق سے آنکھ ملانے کے قابل ہو گئے۔ بزرگ مارکسی دلت ادیب اتا بھاؤ ساٹھے نے انہیں ایک نئے وجدان سے روشناس کروایا کہ "زمین ہزار سر والے ناگ پر نہیں بلکہ غریبوں کی ہتھیلیوں پر ٹکی ہوئی ہے"۔ چنانچہ ادب میں ایک نئی، اور انقلابی تحریک دلت ادیب کے نام سے شروع ہوئی جس نے مراٹھی ادب کو مختلف اظہارات کے اپنے اُفق عطا کئے۔ جن سے مراٹھی ادب تک ناآشنا تھا۔ دلت ادب سہ جہتی حیثیت کا حامل ہے۔

دلت ادیب اپنی زندگی کے تجربات، اُن پر عائد کئے جانے والے بے عزتی، دباؤ، خستگی اور محرومی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس کیفیت کی ذمہ داری کاسٹ سسٹم اور اونچی جاتیوں پر عائد ہوتی ہے۔ یہ ادیب اپنی بقا اور خود کو ایک متحرک قوت کی حیثیت بنانے میں مصروف ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ اونچی سوسائٹی کو اس کے سماجی جرائم اور نچلے طبقات کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کا احساس دلا رہے ہیں۔

دلت ادیب نے، جیوتی با پھلے کے خوابوں، سماجی ترقی، سماج سدھار اور سماجی تبدیلی کو تعبیر دینے کا آغاز کر دیا ہے۔

پروفیسر کیشو میشرام، ارجن ڈانگلے، تام ڈیوڈ سال، وامن نمبالکر، پروفیسر یشونت منوہر اور دوسرے شاعر نئے انداز اور موضوعات کو شاعری میں سمو رہے ہیں۔ افسانوں میں بابوراؤ باگل (جا نوری جات چرالی) بنڈو مادھو (امی مانسے آہوت) اور (پیٹ پیلے آکاش) ارجن ڈانگلے (بنڈھا وارا چے مانسے) وغیرہ نے مراٹھی افسانے کی حدوں کو مزید وسعت دی ہے۔

دینکیش ماڈگونکر، شنکر پاٹل اور ڈی۔ ایم۔ میراگے دار کے مقامی اور دیہی افسانوں میں ایک قسم کی یکسانیت آ چکی ہے۔ لیکن دلت ادیب وامن ہوال نے ان موضوعات کو نئی زندگی دی ہے۔

نارائن سروے کی شاعری کے اثرات نئے عوامی تو اپر پائے جاتے ہیں۔ یہ شعراء اپنے آپ کو سوریہ ونشی کہلوانے میں فخر محسوس کرتے ہیں کہ یہ سب ماضی کے اندھیروں سے مستقبل کے اُجالوں کی طرف رواں دواں ہیں۔

دلت ادب میں سوانح نگاری بھی کافی ہے۔ "دیا پوار کا "بلوتہ" پی۔ ایس۔ سون۔ کامبلے کا "اٹھوا نیا نچے پکھنی" شنکر راؤ کھرات کا "تارال انترال" لکشمن مانے کا "ادپرا" بند دھوپے کا "کاٹیا وَرل پوٹا" اور سشرن کمار لمبالے "اُکار ماشی" اس کی مثالیں ہیں۔

اُونچے طبقے سے تعلق رکھنے والے ادیبوں نے بھی کچھ اہم خود نوشت سوانح لکھی ہیں۔ لیکن خواتین کی خود نوشت سوانح مرد عورت کے تعلقات کو زیادہ بے باکی اور عمدگی سے بے نقاب کرتی ہیں۔ ہنسا واڈکر، کی "سانگتی آئیکا" سینہ پر بھا پردھان کی "سینہ نکیتا"، اور آنندی بائی کی "انجونی چالا تے چی واٹ"، بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ انسانی رشتوں میں سماجی تعلقات کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ سوانح نگار سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ ان کی تحریروں میں سماجی رشتے بھی انسانی رشتوں کے توسط سے اپنی نمود پائیں۔ دلت ادیبوں کا سوانحی ادب اس سلسلے میں خصوصی طور پر مراٹھی ادب کو ایک نیا رُخ دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی طرح دلت

(باقی صفحہ ۹۷ پر)

قومی راج

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

• جے۔ آر۔ بیڈگے۔
(آئی۔ اے۔ ایس)
ڈپٹی سیکریٹری، حکومتِ مہاراشٹر اور
ڈائریکٹر چھوٹی بچت اور ریاستی لاٹری

چھوٹی بچت:
حکومتِ مہاراشٹر کی شاندار کارکردگی

ابھی حال ہی میں حکومتِ ہند کے وزیر مالیات نے لوک سبھا میں جو معاشی جائزہ پیش فرمایا تھا اُس سے اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ ہندوستان میں بچتیں صرف ۲۶ فیصد کے آس پاس ہیں جبکہ ترقی یافتہ ملکوں میں یہ فیصد ۴۰ فیصدی ہے۔ لہٰذا یہ نہایت ضروری ہے کہ فی کس بچت کے بڑھانے پر اور زیادہ کوشش کرنا نہ صرف مہاراشٹر میں ضروری ہے بلکہ پورے مُلک کے لئے ضروری ہے۔ مہاراشٹر میں چھوٹی بچت کے ریاستی ڈائریکٹوریٹ نے جو سماج کے تمام طبقات سے بچتوں کو یکجا کرتے ہیں اور جو اس سلسلے میں مختلف بچت اِسکیمیں پیش کرتے رہتے ہیں انہیں پورے مُلک میں ایک بہترین ڈائریکٹوریٹ ہونے کی قابلِ رشک پوزیشن حاصل ہے۔

چھوٹی بچت کا ریاستی ڈائرکٹوریٹ آج سے ۲۸ سال پہلے قائم ہوا تھا۔ تاکہ مرکزی حکومت کے ساتھ چھوٹی بچتوں کے جمع کرنے میں حصہ دار بنیں۔ ایک فرد کی طرح ہر ریاست بلکہ ہر قوم بھی اپنی ترقی کے لئے مال اور وسائل کی خواہش مند ہوتی ہے۔

مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتیں سماجی خوشحالی کی ایک عام حالت قائم کرنے میں اور غریبی کی سطح سے نیچے زندگی بسر کرنے والے لاکھوں لوگوں کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے میں منہمک ہیں۔
ریاست مہاراشٹر چھوٹی بچت اسکیم کو رواج

دینے میں دلی احساس کے ساتھ کوشش کر رہی ہے اور اس کی کوشش ۱۹۵۷ء سے جاری ہے۔ یکم مئی ۱۹۶۰ء سے ریاست مہاراشٹر کی تشکیل کے بعد، چھوٹی بچت تحریک نے مضبوط اور گہری جڑ پکڑ لی ہے۔ اور سال بہ سال چھوٹی بچتیں ترقیاتی سرگرمیوں کے عمل درآمد میں خصوصیت کے ساتھ گذشتہ ۱۰ سال سے ایک بڑے وسیلے کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔

گذشتہ ۲۵ سال کے دوران ریاست نے مجموعی طور پر ۵ء۴۰ کروڑ روپے کے قریب جمع کیا ہے۔ اور تقریباً ۲۰۰ء کروڑ روپے مرکزی حکومت سے مدد کے طور پر طویل مدتی قرضہ جات کی شکل میں حاصل کیا ہے۔ چھٹے پنج سالہ پلان کی ابتداء میں یہ تخمینہ لگایا گیا تھا کہ اس میں مذکورہ امور کے لئے ۷ء۱۶۵ کروڑ روپے کی ضرورت پڑے گی۔ لیکن آخر میں اس کا حجم بڑھ کر ۶۲۳۸ کروڑ روپے تک جا پہنچا۔ پلان کے آغاز میں ریاستیں مرکز سے ۸۲۴ کروڑ روپے کے امدادی قرض کی امید چھوٹی بچتوں کے ذریعے باندھ رکھی تھی۔ لیکن جیسے جیسے سالانہ پلان کی سائز بعد کے برسوں میں بڑھتی گئی۔ حکومت کو سالانہ منصوبوں میں رقوم لگانے کے لئے مزید وسائل کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے چھوٹی بچتوں کی تحریک کو شدت کے ساتھ بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس باب میں نہایت باقاعدگی کے ساتھ مستحکم کوششیں پوری ریاست میں پلان کی مدت کے دوران کی گئیں۔ ہماری کوششوں نے ہمیں نہایت شاندار کامیابی سے دوچار کیا۔

ہمارے ۸۲۴ کروڑ روپے کے مطالبہ کے برعکس اس ریاست کو درحقیقت مرکزی امدادی قرض کے بطور ۱۳۲۸ کروڑ روپے ملے۔ اور چھوٹی بچتوں نے ریاستی حکومت کو اپنے مالیات کا انتظام کرنے میں بھرپور مدد دی۔

ریاست کی مالی حالت کو مستحکم رکھنے میں ایک بڑا ذریعہ مرکزی امداد ہے۔ جو ہر سال جملہ چھوٹی بچتوں کو جمع شدہ رقم سے حاصل ہوتا ہے۔ اس بات کو پیش نظر رکھنا باعث دلچسپی ہوگا کہ ۱۳۲۸ کروڑ روپے کی امداد کی ۱۰ اس رقم کے دوگنے سے بھی زیادہ ہے جو گذشتہ ۲۱ سال کے دوران ملی تھیں۔ اور وہ رقم جو فقط گذشتہ ۳ سال کے دوران ملی اس پوری رقم کا ۵۰ فی صد ہے جو ۲۶ سال میں ملی تھی۔

ڈائریکٹوریٹ کا قیام:-

حکومت ہند کے مشورے کے مطابق ریاستی حکومت نے ۱۹۵۷ء میں ڈائریکٹوریٹ قائم کیا۔ ابتدا میں یہ ایک چھوٹی تنظیم تھی۔ اور اس سلسلہ میں اسمال سیونگ اسکیم سے لوگوں کو روشناس کرنے میں ضلع کلکٹروں کو اپنے افسروں وغیرہ کے ذریعہ جو اضلاع میں کام کرتے تھے، جدوجہد کرنی پڑتی تھی۔ لوگوں کے تعاون سے ہمت حاصل کر کے ریاستی حکومت نے اپنے ڈائریکٹوریٹ کی قوت میں رفتہ رفتہ اضافہ کیا۔ اس کے بعد ساری ریاست میں ہزاروں ایجنٹوں کے ذریعہ باقاعدگی کے ساتھ چھوٹی بچت اسکیم پر عملدرآمد ہونے لگا۔ چنانچہ اب مہاراشٹر کے ڈائریکٹوریٹ آف اسمال سیونگس کو پورے ملک میں بہترین ڈائریکٹوریٹ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور تامل ناڈو، آندھرا پردیش، پنجاب، مغربی بنگال، وغیرہ کے اعلیٰ افسروں نے اس ڈائریکٹوریٹ میں تشریف لا کر اس سے مشورے اور رہنمائی حاصل کی۔ چھوٹی بچتوں پر ہمارے لٹریچر کو ان ریاستوں نے اپنے یہاں اختیار کر لینے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔

اضلاع کے لئے ایک ترغیب:-

ہر ضلع میں چھوٹی بچتوں کا ایک اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہے۔ اور اس کے تحت ضروری تعداد میں چھوٹی بچت کے افسران ہیں جو ضلع کلکٹر کے تحت اور اس کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔ ہر ضلع کے لئے سالانہ جمع کی جانے والی رقم کا نشانہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کے سلسلہ میں صنعتوں، زراعتی ترقی ضلع کے طول و عرض پر نظر رکھ کر چھوٹی بچت کے امکانات پر غور کیا جاتا ہے۔ ۴۰ لاکھ کی زیادہ سے زیادہ رقم ترغیبی گرانٹ کے طور پر ایسے ضلع کو دی جاتی ہے جو اس نشانہ سے بڑھ جاتا اور بعض شرطیں پوری کرتا ہے۔ یہ ترغیبی رقم لوکل باڈیز میں

بھی تقسیم کی جاتی ہے۔ اور ریاستی حکومت نے اس ترغیبی رقم کے استعمال کے سلسلے میں رہنمایانہ خطوط مقرر کر دیئے ہیں۔ یہ رقم مختلف مقاصد میں استعمال کی جاتی ہے جیسے اسکولوں کی تعمیر، رہائشی مکانات، ہاسٹل، دھرم شالاؤں کی تعمیر، ہریجنوں کے لئے رہائشی مکانات، اور دوسری سہولیتیں جو کسی سیاحتی مقام کو ترقی دینے کے سلسلے میں ضلع مذکورہ میں ضروری ہوتی ہیں۔ اور کھیل کود کی سرگرمیوں میں بھی یہ رقمیں استعمال کی جاتی ہیں۔ کئی اضلاع ایسے ہیں جنہوں نے بچت بھون، آرام گاہیں، اسکول کی عمارتیں، رہائشی مکانات، سیاحتی کیمپ۔ ان ترغیبات کے ذریعہ تعمیر کی ہیں۔ اب اس تحریک میں اس ترغیباتی اسکیم کی بدولت سرکاری ملازمین اور لوکل باڈیاں اور عوام بھی زیادہ دلچسپی کے ساتھ حصہ لے رہے ہیں۔

ترغیبی ایجنٹس:-

ترغیبات کے سلسلے میں ۴۵ ہزار سے زیادہ ایجنٹ مصروف کار ہیں۔ ان کی مختلف قسمیں ہیں۔ جیسے معیاری ایجنٹس، خواتین ایجنٹس، پے رول گروپ لیڈران وغیرہ ان صنعتوں کو نیز تنظیموں آفسوں کو جن کے ۸۰ فیصد سے زائد ملازمین "پے رول" سیونگ اسکیموں میں شامل ہوں۔ ریاستی حکومت کی طرف سے ترغیبات دی جاتی ہیں۔ اس طرح چھوٹی بچت اسکیمیں، شہری، اور دیہی دونوں حلقوں میں لوگوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں پہنچائی جا رہی ہیں۔ ۱۹۸۲-۸۳ء میں ریاستی حکومت نے ۴۰ لاکھ روپے کے قریب ان ایجنٹوں کو بطور ترغیب دیا تھا۔ اور یہی رقم ۱۹۸۳-۸۴ء میں بڑھا کر ۸۰ لاکھ کر دی گئی تھی۔ غالباً پورے ملک میں مہاراشٹر ہی وہ واحد ریاست ہے جو ایجنٹوں کو بطور ترغیب کے اتنی بڑی رقم عنایت کر رہی ہے۔

توقعات:-

وہ ممالک جو صنعتی اور تجارتی طور پر ترقی یافتہ ہیں۔ ان میں بچتوں کی شرح قومی آمدنی کا تقریباً ۳۵ سے ۴۰ فیصد تک ہے۔ بہت زیادہ ترقی یافتہ لیکن چھوٹی قوم جیسے جاپان، بچتیں ۴۰ فیصد تک کر پاتی ہیں۔ ریزرو بینک آف انڈیا اور پلاننگ کمیشن نے ساتویں پنج سالہ پلان کے لئے آمدنی کے وسائل کا تخمینہ لگایا ہے۔

حال ہی میں معاشی سروے رپورٹ جو مالیات کے مرکزی وزیر نے لوک سبھا میں پیش کی تھی اس سے انکشاف ہوا کہ جو بچتیں ہندوستان میں ہو رہی ہیں وہ ۲۶ فیصد کے ارد گرد ہیں اور اس لئے فی کس بچت کو بڑھانا نہایت ضروری ہیں۔ اس کیلئے اور زیادہ جم کر کوشش نہ صرف مہاراشٹر میں بلکہ پورے ملک میں کی جانی چاہیئے۔ زیادہ بچت افراط زر پر بھی کسی حد تک قابو عطا کرتی ہے۔ اور ساتھ ہی ملک میں اضافہ پیداوار کے لئے نہایت قیمتی ذریعہ ثابت ہوگی۔ بچتوں کے فوائد بہت سے ہیں اور اس لئے اس تحریک کو تمام سطحوں تک زیادہ سرگرمی کے ساتھ بڑھاوا دینے کی ازحد ضرورت ہے۔

تشہیر:-

بعض اوقات اچھی اور دلکش اسکیمیں توقع کے مطابق کامیابی سے دوچار نہیں ہوتیں۔ یہ ضروری ہوا کرتا ہے کہ وہ اسکیمیں نہ صرف لوگوں تک پہنچائی جائیں بلکہ اچھے انداز میں ان کے ذہن نشین بھی کرانا ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ لوگ ان اسکیموں کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھیں، ان کے فوائد سے واقف ہوں۔ اس خیال کے تحت ریاستی ڈائرکٹوریٹ تشہیر کا ہر ممکن ذریعہ جیسے ٹی۔ وی، ریڈیو، شہری بسیں، لوکل گاڑیاں وغیرہ استعمال کر رہی ہے۔ ۸۵-۸۴ء میں چھوٹی بچتوں کی تشہیر پر ریاستی حکومت نے صرف ایک سال میں تقریباً ۲۰ لاکھ روپے خرچ کئے تھے اور اس تشہیر نے عوام کو نہایت بلند پیمانے پر اس کی جانب راغب کیا۔

پے رول گروپ:-

تقریباً ان ۴۰ لاکھ لوگوں میں سے جو منظم سیکٹر میں کام کرتے ہیں ہم نے "پے رول" سیونگ اسکیم میں تقریباً ۵۰ فیصد ملازمین کو کامیابی کے ساتھ شامل کر لیا ہے۔ پوری



ان دنوں "چھوٹی بچت مہم" میں طلباء بڑے جوش و خروش کے ساتھ حصہ لے رہے ہیں -

ریاست میں تقریباً ۲۰ ہزار "پے رول" گروپ ہیں جو سالانہ ۷۰ کروڑ روپے سے زیادہ اس سلسلے میں دے رہے ہیں -

طلباء میں بچت اسکیم :-

بچوں میں شروع سے ہی بچت کی عادت پیدا کرنے کے لئے تقریباً ۲۴ لاکھ اسکول کے بچوں کو سنچائیکا اسکیم کے تحت داخل کرنے کی کوشش کی جا چکی ہے - ان سنچائیکوں کو اپنے اساتذہ کی رہنمائی میں خود طلباء چلاتے ہیں . اس سے دو فوائد حاصل ہوتے ہیں - ایک تو یہ کہ بچوں میں بینکینگ کے کاموں کی سوجھ بوجھ آجاتی ہے - اور دوسرے بچتوں کی اہمیت سے بھی وہ واقف ہو جاتے ہیں -

خواتین ایجنٹس :-

ہم نے غیر منظم سیکٹر کو فراموش نہیں
تقریباً ۱۴ ہزار خواتین ایجنٹس شہری اور دیہی
کر رہی ہیں - یہ خواتین ہر مہینہ کھاتہ داروں سے
جیسے ۱۰ روپے ، ۱۵ روپے ، ۲۵ روپے
اور ان رقموں کو ان کھاتہ داروں کے نام پوسٹ
جمع کرائی ہیں - کتنی ہی خواتین ایجنٹس کمیشن کے
رقم کما لیتی ہیں - اور اس طرح مالی طور پر اپنے
کو مدد پہنچاتی ہیں - یہ خواتین ایجنٹس مہاراشٹ
۲۵ کروڑ روپے کے قریب جمع کرتی ہیں -

ملک میں درجۂ اولیت :-

آئیے ایک نقشہ پیش کیا جا رہا ہے جو

شانہ، سال بھر میں جملہ اصل جمع کردہ رقم اور حکومتِ ہند سے حاصل کردہ مرکزی امدادی قرض نیز آل انڈیا پیمانہ پر

نقشہ جس میں کل ہند کا اور مہاراشٹر کا چھوٹی بچتوں میں مجموعی جمع کردہ رقم اور مرکز سے اس کے مقابل ملی ہوئی امدادی رقم سنہ ۱۹۶۰-۶۱ء کے بعد کے برسوں تک بتلائی گئی ہے۔

سال	کل ہند	مہاراشٹر	مرکزی امدادی قرض روپیے کروڑ میں
۱۹۶۰-۶۱ء	۱۰۵٫۱۲	۲۴٫۷۸	۱۶٫۳۸
۱۹۶۱-۶۲ء	۸۶٫۸۵	۲۱٫۰۳	۱۲٫۹۶
۱۹۶۲-۶۳ء	۷۵٫۸۵	۲۳٫۰۴	۱۰٫۶۲
۱۹۶۳-۶۴ء	۱۲۸٫۲۵	۲۹٫۴۵	۱۹٫۱۱
۱۹۶۴-۶۵ء	۱۳۰٫۲۶	۲۷٫۳۴	۱۸٫۷۵
۱۹۶۵-۶۶ء	۱۵۲٫۹۰	۲۵٫۴۹	۱۶٫۵۹
۱۹۶۶-۶۷ء	۱۱۹٫۱۸	۱۹٫۷۲	۱۳٫۴۳
۱۹۶۷-۶۸ء	۱۲۱٫۴۲	۱۹٫۶۶	۱۸٫۳۹
۱۹۶۸-۶۹ء	۱۱۲٫۶۶	۱۰٫۸۷	۸٫۷۵
۱۹۶۹-۷۰ء	۱۲۷٫۰۰	۸٫۰۳	۹٫۴۰
۱۹۷۰-۷۱ء	۱۸۸٫۳۶	۳۰٫۸۶	۲۲٫۴۷
۱۹۷۱-۷۲ء	۲۲۵٫۶۹	۶۴٫۰۲	۴۲٫۹۶
۱۹۷۲-۷۳ء	۳۵۱٫۱۳	۵۵٫۹۰	۳۴٫۷۴
۱۹۷۳-۷۴ء	۴۷۲٫۵۷	۳۶٫۵۳	۳۹٫۹۳
۱۹۷۴-۷۵ء	۳۲۵٫۷۶	۴۰٫۷۱	۳۷٫۶۱
۱۹۷۵-۷۶ء	۳۹۳٫۹۸	۶۳٫۳۴	۳۷٫۹۱
۱۹۷۶-۷۷ء	۴۰۵٫۳۷	۲۶٫۲۷	۴۶٫۸۵
۱۹۷۷-۷۸ء	۵۲۲٫۶۴	۶۵٫۴۰	۴۱٫۸۱
۱۹۷۸-۷۹ء	۸۲۲٫۹۹	۱۵۰٫۹۲	۱۰۰٫۶۰
۱۹۷۹-۸۰ء	۱۰۷۸٫۰۹	۲۳۹٫۴۱	۱۲۹٫۱۳
۱۹۸۰-۸۱ء	۱۱۲۱٫۹۳	۱۹۹٫۹۲	۱۶۳٫۰۴
۱۹۸۱-۸۲ء	۱۳۶۸٫۶۵	۳۰۲٫۶۱	۱۷۹٫۲۶
۱۹۸۲-۸۳ء	۱۷۴۶٫۷۵	۳۷۵٫۳۸	۲۱۹٫۲۷
۱۹۸۳-۸۴ء	۲۴۳۸٫۰۰	۵۶۶٫۰۰	۳۱۷٫۳۲
۱۹۸۴-۸۵ء	۲۳۰۰٫۰۰	[illegible]	۴۲۵٫۰۰
جملہ	۱۵۹۴۱٫۳۹	۳۰۸۷٫۶۸	۱۹۶۷٫۲۸

(باقی صفحہ ۶۱ پر)

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

★ یُونس اگاسکر
بی/۳۸ - جے دیو۔ سہکار نگر
اندھیری۔ بمبئی ۵۸

تحریکِ آزادی اور مراٹھی اَدب

مراٹھی ادب کے دامن میں حُبّ الوطنی اور قومی افتخار کی پہلی چنگاری وشنو شاستری چپلونکر کے رسالہ "نبندھ مالا" کے اجراء سے پڑی جو سنہ ۱۸۷۴ء کو وُجود میں آیا۔ "مراٹھی کے اس شیواجی" نے پہلی مرتبہ لوگوں میں ذہنی غلامی کے خلاف بغاوت کا جذبہ بیدار کیا - مہاراشٹر کا تعلیم یافتہ سماج انگریزی حکومت کی برکتوں، اور انگریزوں کی عِلمی و تہذیبی برتری کا اس قدر قائل اور ان سے اِس حَد تک مرعوب ہوچکا تھا کہ سیاسی غلامی کو مُلک کے لئے نعمت قرار دینے لگا تھا۔ اور صاحب کی ہر بات کو باعثِ سعادت سمجھتا تھا - ایسے میں انگریزی تعلیم، انگریزی اِنتظامیہ، عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں مراٹھی میں انگریزی کی بے جا تقلید اور انگریزوں کے ہاتھوں ہونے والے ہندوستانیوں کے ہمہ گیر اِستحصال کے خلاف قلم اُٹھانا ایک غیر معمولی کاوش سے کم نہیں۔

وشنو شاستری چپلونکر نے "نبندھ مالا" کے بعد اپنے دو لائق شاگردوں بال گنگادھر تلک اور گوپال گنیش اگرکر کے تعاون سے انگریزی میں "مراٹھا" اور مراٹھی میں "کیسری" نام کے دو اخبار بھی نکالے۔ ان دو اخباروں کی اشاعت مہاراشٹر میں قومی تحریک اور سیاسی جدّوجہد کا نقطۂ آغاز ہے۔

۱۸۸۲ء میں وشنو شاستری کے انتقال کے بعد نا دھر تلک نے ان اخباروں کی ادارت سنبھالی ۔ "آزادی میرا پہلا حق ہے" کا نعرہ لر انگریزی سلطنت کے ایوانوں میں ایک زلزلہ لے ہ ۔ جنگِ آزادی میں مراٹھی زبان و ادب کے حصہ گیر نے کا سلسلہ مراٹھی اخبار "کیسری" سے شروع ا ہے ۔ جس کی رُوحِ رواں تلک نے مہاراشٹر میں ں، سیاسی و تہذیبی اِنقلاب لانے میں اپنے قلم کی نت کو بھرپور طریقے پر استعمال کیا ۔ اُردو کی طرح مراٹھی بھی ذہنی، علمی و قانونی سطح پر جہدِ آزادی کا آغاز افت کے میدان ہی سے ہوا ۔ اور اس میں "کیسری" ن پیش رہا ۔

وشنو شاستری اور تلک نے "نبندھ مالا" کیسری" کے ذریعے زیادہ تر مہاراشٹر کے سفید پوش سط طبقے کو مخاطب و متاثر کیا اور برہمنی تہذیب کی الی کی ۔ اس وقت سماج کے پسے ہوئے اور محنت کش قے کے مسائل کو لے کر انگریزی سرکار سے نبرد آزما ے اور نچلے طبقے میں آزادی کی تحریک کو پروان چڑھانے ہاتما جیوتی با پھلے کے قائم کردہ "ستیہ شودھک سماج" سرگرم کارکنوں کرشنا پانڈورنگ بھالے کر، اور ن ۔ م نڈے کے جاری کردہ اخبار "دین بندھو" کو بڑی یت حاصل ہے ۔ یہاں اس بات کا اِظہار دلچسپی سے ں نہ ہوگا کہ "دین بندھو" کا اجراء "کیسری" سے قبل لیکن اس کی پالیسی سیاسی سے زیادہ سماجی جدّوجہد کا ظ کرتی تھی ۔ اس لئے تحریکِ آزادی کی تاریخ میں اسے سب اہمیت نہیں مل سکی ۔

اسی زمانے میں اعتدال پسند رہنما گوپال کرشن گوکھلے وطن اور قوم کی بے لوث خدمت کے جذبے کے تحت سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی قائم کی اور حکمرانوں سے ٹکراؤ بجائے تعاون کی پالیسی اپنا کر زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل نے پر زور دیا ۔ وہ کاروان جذب و مستی کو آہستہ لے نے کے قائل تھے جبکہ تلک جلد سے جلد سوراج حاصل نے پر زور دیتے تھے، اس دَور کے صحافتی ادب میں دونوں رجحانات کے اثرات ملتے ہیں ۔ مثلاً شیوارام

مہادیو پرانجپے نے ۱۸۹۸ء میں "کال" کے نام سے ایک ہفتہ وار پرچہ جاری کیا تو حکومت پر براہِ راست، اور بالواسطہ ڈھنگ سے کڑی تنقید کی اور تلک کے اندازِ تحریر کو آگے بڑھایا ۔ ان کی تحریروں کو آزادی کے منظرنامے کی حیثیت حاصل ہوگئی اور حکومت نے نہ صرف اُن کے ہفتہ وار اخبار "کال" پر پابندی لگادی بلکہ ان پر بغاوت کے اِلزام میں مقدمہ چلا کر انیس ۱۹ مہینے کی قید کی سزا بھی دی ۔ ان کے "کال" میں شائع شدہ مضامین کا انتخاب دس ۱۰ جلدوں میں شائع ہوا تو حکومت نے اسے بھی ضبط کر لیا ۔ ان دس جلدوں میں سے دسواں حصہ ۱۹۳۷ء میں اور بقیہ حصے ۱۹۴۶ء میں اس ضبطی سے آزاد ہوئے ۔ شیورام پرانجپے نے حکومت کی جابرانہ پالیسی کو دیکھ کر رمز و کنایہ اور تمثیل کے پردے میں اپنی بات کہنی شروع کر دی ۔ اور ان کے طرزِ تحریر نے مراٹھی میں سیاسی طنز کی طرح ڈالی ۔ قلم سے سیاسی جہاد کرنے کے سلسلے میں شیورام پرانجپے، اور ان کے "کال" کا ذکر ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا ۔

شیورام پرانجپے سے راہ پوچھتے ہوئے کرشناجی پربھاکر کھاڈیلکر نے اپنے ناٹکوں میں بھی رمزیاتی و تمثیلی انداز اپنایا ۔ ان کا ڈرامہ "کیچک ودھ" لارڈ کرزن کے دور کی عکاسی کرتا ہے اور "بھاؤبند" کا ایک کردار رام شاستری بال گنگا دھر تلک کا تمثیلی روپ معلوم ہوتا ہے ۔ اسی مماثلت کے سبب سے برٹش سرکار نے اس ڈرامے کو ضبط کر لیا تھا ۔ کھاڈیلکر نے پرانجپے کی طرح طنزیہ مضامین بھی لکھے ہیں ۔

گذشتہ صدی کے ربع آخر سے بیسویں صدی کے ربع اول تک دو اہم رجحان مراٹھی ادب میں نمایاں رہے ۔ ایک قوم پرستانہ رجحان اور دوسرا اصلاح پسندانہ رجحان آگے چل کر قوم پرستانہ رجحان دو حصوں میں بٹ گیا ۔ ایک ہندوستانی قوم پرستی، دوسرے ہندو قوم پرستی ۔ ہندو قوم پرستی کے علم بردار ونائیک دامودر ساورکر عرف ویر ساورکر ہوئے جنہوں نے اپنی شاعری کو بھی اس رجحان کے پرچار کا ذریعہ بنایا لیکن ان کی جنگ خاص طور سے انگریزی حکومت کے خلاف تھی ۔ اس لئے ویر ساورکر کو بھی جنگِ آزادی کے قلمی مجاہدین کی صف میں

جگہ دی جانی چاہیئے۔ ساورکر کی تقلید میں کوی گووند نے
بھی انقلابی خیالات اور ہندو راشٹروادکے پرچار کے لئے
پُرجوش نظمیں لکھیں جنہیں سنہ ۱۹۰۹ء میں ضبط کرلیا گیا۔
جہاں تک ہندوستانی قوم پرستی کا تعلق ہے اس کے
اولین علمبردار گوپال کرشن گوکھلے کہے جاسکتے ہیں۔ گوکھلے
کے خیالات سے متاثر ہوکر مہاتما گاندھی نے اس تحریک
کو آگے بڑھایا اور اہنسا و ستیہ گرہ جیسے ہتھیاروں سے
برطانوی سامراج کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ مہاراشٹر میں
تلک کی زندگی تک انہیں کے خیالات اور سیاسی اندازِ فکر
کی چھاپ مراٹھی زبان و ادب پر ابھری رہی لیکن سنہ ۱۹۲۰ء
میں ان کے انتقال کے بعد سیاسی رہنمائی کی باگ دوڑ،
مہاتما گاندھی کے ہاتھوں میں چلی گئی اور آہستہ آہستہ مراٹھی
ادب میں گاندھی واد کی گونج سنائی دینے لگی۔

گاندھی وادی تحریکِ آزادی کے مکمل غلبے سے قبل
نرسنہہ چنتامن کیلکر (این۔ سی۔ کیلکر) نے تلک کی
سیاسی وراثت کو آگے بڑھایا۔ ان کے قلم میں بڑا زور
اور بڑی کاٹ تھی۔ انہوں نے تقریباً ہر صنفِ سخن میں
طبع آزمائی کی اور "ساہتیہ سمراٹ" کے خطاب سے
نوازے گئے۔ کیلکر نے بھی آگے چل کر گاندھی وادی تحریکِ
آزادی کو اپنالیا اور اپنی تحریروں سے جنگِ آزادی
کو تقویت پہنچائی۔

تلک کے اور دو اہم مقلدین پرانجپے اور کھاڈیلکر نے
بھی اس نئی لہر کے ساتھ چلنا پسند کیا۔ پرانجپے نے ایک
نیا ہفتہ وار "سوراجیہ" شروع کیا اور اپنی جنگ جاری رکھی۔
کھاڈیلکر نے "نواکال" (نیا دور) کے نام سے ایک پرچہ
جاری کیا تھا اس میں انہوں نے گاندھی جی کے پیش کردہ
اصولوں کی بنیاد پر قومی بیداری کا کام کیا۔ حصولِ آزادی
کی جدوجہد کا سلسلہ آگے بڑھایا۔ انہوں نے اپنے ڈراموں
"دروپدی" اور "مینکا" کے ذریعہ بھی قومی تحریک کو
تقویت پہنچائی۔

سنہ ۱۹۳۰ء کے بعد مہاراشٹر کے متوسط طبقے کو گاندھی
جی کی غیر تشدد پسندانہ تحریکِ آزادی میں کامیابی کی کرن دکھائی
دینے لگیں۔ اور مراٹھی کے ادیب و شاعر جو زیادہ تر متوسط
طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس تحریک میں گاندھی جی کے ہمنوا
بنتے چلے گئے۔ ان میں سانے گروجی، آچاریہ جاؤڈے
دادا دھرما دھیکاری، لکشمن شاستری جوشی، این۔ و
گاڈگل اور آچاریہ ونوبا بھاوے، خاص طور سے قابل
ہیں۔ ان میں ونوبا بھاوے تو مہاراشٹر کے گاندھی جی
ان کی قومی تحریروں کے مجموعے "مدھوکر"، جیون درشن
اور سیتنہ و کوکن اہم ہیں۔ سانے گوروجی بچوں کے ا
کے بہت اہم خالقوں میں سے ہیں۔ انہوں نے نئی پود م
تحریکِ آزادی کے بیج بونے میں اپنی تحریروں سے بہت کا

اس دور کے دو اہم ترین تخلیق کاروں۔ نا۔
پھڈکے اور وی۔ ایس۔ کھانڈیکر، کے ناولوں او
میں جنگِ آزادی کی بازگشت ملتی ہے۔ خاص طو
ان کے بعض کردار "ستیہ گرہ، کھادی، سودیشی اور ا
کی تحریکوں سے متاثر ہوکر قومی مسائل پر بحث کرتے
قومی تحریکوں میں حصہ لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن ص
میں سیاسی جدوجہد کو موضوع بنانے والوں میں گ
ماڈکھولکر کو اولیت حاصل ہے جن کے ناول "مک
(روحِ آزاد) کو پہلا سیاسی ناول سمجھا جاتا ہے۔

ناٹک نگاروں میں کھاڈیلکر کے علاوہ وام
بکھرے، ر۔ گو۔ ساورکر، سری۔ نا۔ تارڈ پتر
ن۔ نا۔ رٹپنس نے بیسویں صدی کی تیسری دہائی
تلک، ساورکر اور گاندھی جی کے خیالات سے
ہوکر قومی تحریکات کی بازگشت اپنے ڈراموں میں
کی ہے۔ ان میں کھاڈیلکر نے "دروپدی" میں کرشن
سیرت کے نصفِ اول کو تلک کی زندگی اور نصف
گاندھی جی کے کاموں سے نسبت دی ہے۔ کھر
اپنے "اگر منگل" ناٹک میں اہنسا کی اہمیت کو ما
بھی اہنسا اور تشدد کی ضرورت کو واضح کیا ہے
انگریزی حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی تحر
ہے۔ ان کے علاوہ ساورکر نے جنتا جناردن
"سودیش کا فقیر"، غریبوں کا سمراٹ" اور یہی ہے
ان ناٹکوں میں گاندھی جی کی سیرت اور خیالات
ہے اور اس طرح تحریکِ آزادی کو تقویت پہنچائی۔
طرح ٹپنیس کے "راج رنجن" اور "آشا نراشا
دیش بھگتی اور جنگِ آزادی کے حوصلوں کو ابھار

لیکن اس دور کے سب سے کامیاب اور زبردست
ں کار بھا۔ وی۔ ورٹیکر عرف ماما ورٹیکر نے "اقتدار
ام" نامی تخلیق میں اس رجحان کو بڑی قوت کے
تھ پیش کیا۔ آگے چل کر انہوں نے "درِ زنداں تک ہیں
پریم اور غریبوں کے سدھار کا پیغام دیا اور اچھوتوں
دھار کا گاندھیائی سبق دُہرایا جن کے بغیر دیش کی
ں کا تصور ادھورا ہے۔ تحریکِ آزادی کے مختلف پہلوؤں
یش کرنے میں مراٹھی کے ناٹک کاروں نے ہندوستان
ادی تک اپنی کاوش کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان میں

س۔ آر۔ شکل کا "ستیہ گرہی" وی۔ وا۔ ہڑپ کا "دیوکی"
دی۔ گو۔ شیٹے کا "رام رحیم" وا۔ گو۔ جوشی کا "رن دندبھی"
اور دیرا دامن راؤ کا "دھرم سنہاسن" "ستیہ گرہ" "ہندو
مسلم اتحاد، سودیشی، کھادی اور اہنسا کے پیغام سے
تحریکِ آزادی میں نئی رُوح پھونکنے کی کوششیں ہیں اور جنگ
آزادی کے سلسلے میں مراٹھی قلم کاروں کی خدمات کی
روشن مثالیں بھی۔

••

چھوٹی بچت ۔ صفحہ ۵۷ سے آگے

ع کردہ رقم دکھلائی گئی ہے۔ ان اعداد سے ظاہر
ہے کہ ریاست مہاراشٹر کئی سال سے پورے ملک میں
ریک کے سلسلے میں قائدانہ حیثیت رکھتی ہے۔ اس
ادہ پورے ملک میں جو رقم سال بھر میں جمع ہوتی ہے
رقم کا ۱۵ فیصد سے ۲۴ فیصد کے درمیان مہاراشٹر
ع کی جاتی ہے۔ خاص طور سے گذشتہ ۴ سال کے
ان جمع کی گئی رقمیں بہت شاندار رہی ہیں۔ اور پورے
ے میں جمع کردہ رقم کا ۲۰ فی صد سے زیادہ شمار میں
ہیں۔

شروع سے ہی سمجھ لی تھی۔ اور بالخصوص گذشتہ چھٹے پنجسالہ
پلان کی مدت میں اور بہتر طور پر سمجھ لیا ہے۔ مہاراشٹر
کے وزیرِ اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل، وزیرِ مالیات شری
سوشیل کمار شندے کی قابل رہنمائی میں بچت کے ڈائریکٹوریٹ
چھوٹی بچتوں کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی بہترین کوششیں
کر رہے ہیں۔ ہمیں حکومت کی طرف سے نیز نیم حکومتی
اداروں، میونسپل کاؤنسلوں، ضلع پریشدوں، پنچایت
سمیتوں اور بہت سے سماجی کارکنوں کی طرف سے
ہماری ان کوششوں میں بہترین مدد مل رہی ہے۔ ان تمام
کوششوں کا مجموعی نتیجہ یقیناً یہ ہوگا کہ ان سے ریاست
کی مالی حالت آنے والے برسوں میں زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔

وامی تحریک :۔

اب ہم اس مقام پر ہیں جہاں ساتویں پنج سالہ پلان
ائز پر غور کیا جا رہا ہے۔ بیرونی مدد محدود ہے۔ اور وہ
ید شرائط سے بوجھل ہے۔ شہریوں کے ٹیکس ادا کرنے
لاحیت بھی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے سبب محدود ہے۔ جو
ورت حال ہے ہندوستان میں ٹیکس کی شرح مقابلتاً
ونچی ہے۔ ان حالات میں بہترین حل قوم کے لئے یہی
سکتا ہے کہ چھوٹی بچتوں کو فروغ دیں۔ اور اس طرح ملک
مدنی کے وسائل بڑھائیں۔

ہم مہاراشٹر کے لوگوں نے چھوٹی بچتوں کی اہمیت



• ننول۔ ایچ۔ ٹاٹا

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

مہاراشٹر کی صنعت کاری ماضی اور مستقبل

عالمی صنعت کا بدلتا ہوا نقشہ

ریاست مہاراشٹر کی سلور جوبلی کے موقع پر مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں مندرجہ بالا عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ پہلی بات تو یہ کہ بالکل مختصر نوٹس پر مجھ سے مذکورہ بالا موضوع پر مضمون طلب کیا گیا ہے دوسرے مجھے دشواری یہ پیش آرہی ہے کہ عالمی صنعت کے بدلتے ہوئے نقشے کے مختصر حوالے کے بغیر اس موضوع پر اپنی بات کس طرح پیش کروں۔

بلاشبہ ۱۹۷۵ء کا سال ایک ایسا سال ہے جس میں صنعتی پالیسیوں کے عالمی طریقے میں کچھ مخصوص اور اہم قسم کی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ اور صنعت کی ترقی بہت ہی سست رفتار رہی۔ اس صورت حال کے اثرات ترقی یافتہ ممالک کی صنعتی ترقی پر عام طور سے منفی قسم کے پڑے لیکن ترقی پذیر ملکوں کی صنعتی ترقی پر اس کے اثرات خصوصی طور پر مرتب ہوئے یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ بہت سے ممالک میں صنعتی ترقی رسد کے مطابق نہیں ہوسکی۔ اور اگر کہیں ترقی ہوئی بھی تو اس کی رفتار نہ ہونے کے برابر رہی۔ عالمی سطح پر صنعتی ترقی اور تنزل کے جو اعداد و شمار ملتے ہیں وہ بہر حال ان حقائق کے غماز ہیں۔

مہاراشٹر آئینہ ماضی میں:

خوش قسمتی سے ایک آزاد اور خود مختار ریاست
مہ ... ریاست ... تو ... مہاراشٹر کو پاس بمبئی جیسا مقام تھا۔

اور بمبئی کے بطن سے ہی مہاراشٹر کا وجود قائم ہوا۔ چنا[illegible] مہاراشٹر کے پاس صنعتی ترقی اور تشکیل کے لئے جواز تو موج[illegible] تھا لیکن تیز رفتار صنعتی ترقی کے لئے جو سہولتیں فراہم ہونی چاہیئے تھی وہ مہاراشٹر کے پاس کافی مقدار میں موجود نہ[illegible] تھیں اور صنعتی ترقی کا تصور یہ ہے کہ جس مقام پر ا[illegible] قائم کیا جائے وہاں ان سہولتوں کا پہلے سے پایا جا[illegible] ضروری ہے۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ایک ترقی پذ[illegible] معیشت کے لئے ان چیزوں کا وافر مقدار میں پایا جانا بہ[illegible] ضروری ہے۔ جب تک یہ چیزیں، یہ سہولتیں، بہم نہ[illegible] ہوں گی۔ اعلیٰ سطحی ترقی کا امکان نہیں ہوتا۔

پاور (Power):-

صنعتی ترقی کے مذکورہ اصولوں کے پیش نظر ریاست[illegible]
کی پاور رسد اکرنے والی صلاحیت کی بات ابھر کر سامنے

ی کی صنعتی پیداوار کا مطالعہ کرنے والوں
علم ہوگا کہ مہاراشٹر اور مغربی بنگال، دو
و صنعتی میدان میں پیش پیش ہیں۔ جہاں
ست کا معاملہ ہے یہاں بجلی کی فراہمی
ہے اور اپنی انتظامی صلاحیتوں کے پیش نظر
تیسرے نمبر پر آتا ہے حالانکہ بجلی کی
کافی اچھا ہے لیکن اس کے باوجود کبھی
ی ہوجاتی ہے۔ بجلی میں کمی واقع ہونے کے
ے سے چلنے والے پرائیویٹ سیکٹروں
ت دی گئی ہے کہ وہ بجلی کی کمی کو پورا
، سے چلنے والے پرائیویٹ سیکٹروں کا
م نہیں ہے کہ اس کے تعاون سے ریاست
ایم واٹ پہلی تھرمل یونٹ ہندوستان
علاوہ مہاراشٹر اور ہندوستان ۵ سو
ی یونٹ قائم کرنے کی بات سوچ رہے
حکومت اپنے اس مقصد میں کامیاب
رفع ہوجائے گی اور بجلی کی بڑھتی ہوئی
ھنگ سے تکمیل بھی ہوسکے گی۔ ان
ام کے بعد ریاست مہاراشٹر کی صنعتی
تھیں ان رکاوٹوں کو ختم کیا جاسکے گا۔

نتے ہیں کہ ہندوستان ایک ترقی پذیر
پنی کوششوں کو جاری رکھے تو دنیا کے
تی ملکوں میں اپنا مقام بلند کرسکتا ہے۔
صنعتی ملکوں میں اپنے مقام کو بلند و برتر
ہمیں ان امور پر غور و خوض کرنا ہوگا تا کہ
سب سے ضروری شئے یعنی بجلی کو
ما اور پھیلا سکتے ہیں۔

ستقبل :-

ن کے پورے رقبے پر ایک نگاہ ڈالنے سے
ستان کی کل زمین کا ۴ء۹ فیصد
ست سے وابستہ ہے اور پورے ملک
ء۹ فیصد حصہ اس ریاست میں رہتا ہے

ہماری ریاست میں ہندوستان کی شہری آبادی کا ۴ء۱۳ فیصد حصہ قیام پذیر ہے۔ شہروں کے لئے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ ذریعہ معاش کی تلاش میں دیہی علاقوں سے نکل کر بڑے شہروں میں داخل ہوتے ہیں۔ چونکہ اس طرح کی آبادی کے لئے یہاں کے بڑے شہروں میں مکانات دستیاب نہیں ہیں لہٰذا لوگ جھونپڑ پٹیوں میں اور فٹ پاتھوں پر رہنا شروع کر دیتے ہیں اور اسی طرح کی صورت حال سے پریشانیاں انسانی زندگی میں شامل ہوجاتی ہیں۔ مہاراشٹر کے بڑے شہروں میں بڑھتی ہوئی آبادی یقیناً ڈر اور خوف کا باعث ہے۔

ویسے یہ بھی حقیقت ہے کہ مہاراشٹر کے سبھی شہروں میں صنعت کاری کی چہل پہل نہیں ہے یہاں کے کچھ ہی شہر ایسے ہیں جو صنعتی مراکز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً بمبئی، اور تھانے اور پونے اور دیہی علاقوں سے انسانی ہجوم صرف انھیں مراکز کی طرف بھاگتا ہے اس سے ان علاقوں میں آمد و رفت کے وسائل بجلی، پانی اور رہائشی مکانات کے مسائل در پیش ہیں۔

ٹرانسپورٹ اور نئی شاہراہوں کا جال :

چونکہ ٹرانسپورٹ صنعتی ترقی کے لئے ایک انتہائی ضروری اور اہم چیز ہے اس لئے عام طور سے پورے مہاراشٹر میں بالخصوص شہروں میں اس کی طرف پوری توجہ دی گئی ہے اب ہمارے شہروں میں کاروباری گاڑیاں، کاریں، اور آٹو رکشا انتہائی بڑی تعداد میں چل پڑے ہیں۔ ان کے علاوہ بیل گاڑیاں اور ہاتھ گاڑیاں میں سڑکوں اور گلی کوچوں میں چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہیں۔ جب معاملہ ایسا ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا جب ہمارے بڑے شہروں کی سڑکیں ٹرانسپورٹ سے بھری دکھائی دیں گی۔

ہمارے لئے یہی وقت ہے کہ مہاراشٹر کے تمام علاقوں کو بالخصوص شہروں کو جوڑنے والی نئی شاہراہوں کی تعمیر کی طرف ہم توجہ دیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے ملک کے مقناطیسی شخصیت رکھنے والے وزیر اعظم کے پیش نظر نئی شاہراہوں کی تعمیر

کا منصوبہ منظور ہوگا اس لئے کہ صنعتی ترقی کے لئے شاہراہوں کی تعمیر ایک ضروری چیز ہے۔ نئی شاہراہوں کی تعمیر سے صرف یہی نہیں کہ صنعتی ترقی کے لئے جواز پیدا ہوگا بلکہ اس کے باعث ہزاروں لوگوں کو ذریعۂ معاش بھی مل جائے گا۔

سڑکیں اور ریل :-

ہمارے ملک کے تمام صنعتی مراکز میں ٹرانک اس قدر زیادہ چلتی ہیں کہ کبھی کبھی بڑی دشواریاں ہو جاتی ہیں اور بمبئی تو اس معاملے میں اپنی مثال آپ ہے۔ ایسی صورت میں اس طرح کے شہروں میں فلائی اوور (Fly Overs) کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ لیکن ہماری میونسپلٹیوں کو اس طرح کے فلائی اوور بنانے کے لئے نہ تیل پیسے ملتے ہیں جیسا کہ اس طرح کی سڑکوں اور ریلوں کی شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔

اس سے ٹرانک کو جو دقت ہوتی ہے وہ تو اپنی جگہ ہے ہی لیکن پیدل چلنے والوں کو تو بے پناہ دشواریاں ہوتی ہیں۔ ٹرانک کی ریل پیل میں پیدل مسافروں کو سڑک پار کرنا، یا سڑک سے گزرنا ایک دشوار گزار امر ہے۔

کپڑا کے کارخانوں کی ہڑتال

ایک موقع کھو دیا گیا :

بمبئی میں کپڑا ملوں کی اٹھارہ ماہ پرانی ہڑتال نے ریاست مہاراشٹر کی سرکار کو ایک سنہری موقع دیا تھا۔ لیکن سرکار نے یہ سنہری موقع کھو دیا۔ کپڑا ملوں میں جب ہڑتال ہوئی تو اس کے مالکوں نے حکومت سے اپیل کی تھی۔ انہیں اس بات کی اجازت دی جائے کہ وہ اپنی جائیداد کو پرائیویٹ اداروں کو فروخت کر دیں۔ ایسی صورت میں ان زمینوں کو خریدنا فائدہ مند تھا۔ کیونکہ ان کی جگہ پر دوسرے نئے طریقے کے کارخانے کھولے جا سکتے تھے۔ کارخانوں کو بناتے وقت مزدوروں اور محنت کشوں کی آبادی بھی دیکھی جاتی۔ اس سے صنعتی پیداوار میں اضافہ ہوتا کیونکہ مزدور، اور محنت کش آسانی سے مل جاتے اور کارخانوں کے قریب واقع ہونے کے باعث زیادہ وقت کام کرنے کے اہل ہوتے۔

ہمارے سامنے ایک منصوبہ یہ بھی تھا کہ بمبئی کے کارخانوں کو مضافات میں بکھیر دیا جائے۔ بمبئی کے کارخانوں کے مالکان نے اپنے ورکروں کو رہائشی مکانات فراہم نہیں کئے تھے اس سے ورکروں کو تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر ان کارخانوں کو ختم کر کے دوسرے مقامات پر ان کو قائم کیا جائے تو مزدوروں کے لئے رہائشی مکانات کی فراہمی آسان ہوگی اور اگر مزدوروں کو کارخانوں کے پاس رہائشی مکانات دیئے جائیں تو کام بڑھے گا اور کام بڑھے گا تو پیداوار میں اضافہ ہوگا۔

کارخانوں کو سرکاری امداد :

ہماری صنعتوں کو سرکاری امداد قابل توصیف ہے۔ اس معاملے میں مہاراشٹر سرکار نے ہمیشہ ہی فراخ دلی کا ثبوت دیا ہے۔

مہاراشٹر کی صنعتوں کو مالی امداد صنعتی ترقیاتی کارپوریشن، سیکوم، ایم سی۔ ایف سی۔ اور ادیوگ سینٹر کی طرف سے فراہم کی جاتی ہے۔ مہاراشٹر کی صنعتی ترقی میں ان اداروں کے کردار کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ صنعتوں کی حوصلہ افزائی میں یہ ادارے ہمیشہ ہی پیش پیش رہے ہیں۔ اور اپنا دست تعاون ہمیشہ ہی دراز رکھا ہے۔ سیکوم کے قیام میں میرا ہی ہاتھ رہا ہے۔ اس کے علاوہ دو دریعہ ترقیاتی کارپوریشن اور سنہری مہاراشٹر کارپوریشن کے چیئرمین کی حیثیت سے میں ان اداروں سے وابستہ رہا ہوں۔ اور ان اداروں کی ترقی میں میں نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ مہاراشٹر کی صنعتوں کو روز افزوں ترقی سے ہمکنار کرنے کے لئے ان امدادی اداروں کو پوری طرح مضبوط کرنا چاہیئے اور ان اداروں پر بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ صحیح ذہن رکھنے والے افراد کو اپنا مستقبل سنوارنے میں پورا تعاون دیں۔

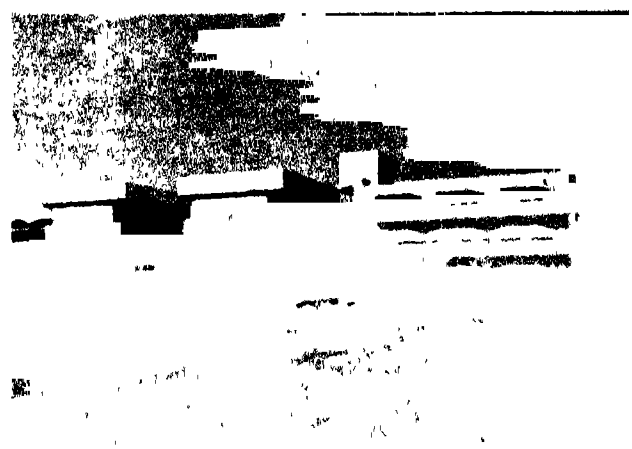
ترجمہ :- محمد ایوب واقف

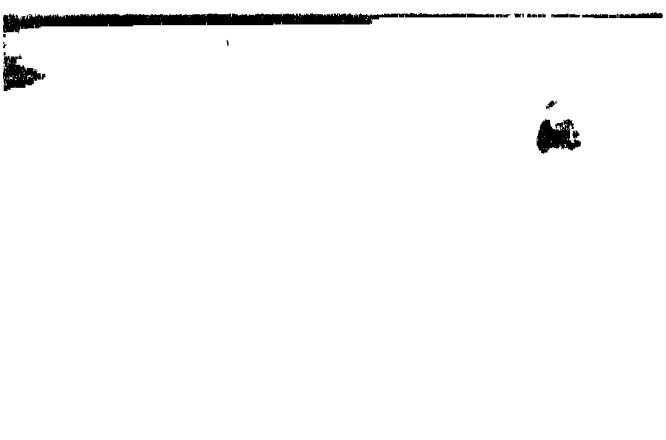


تو



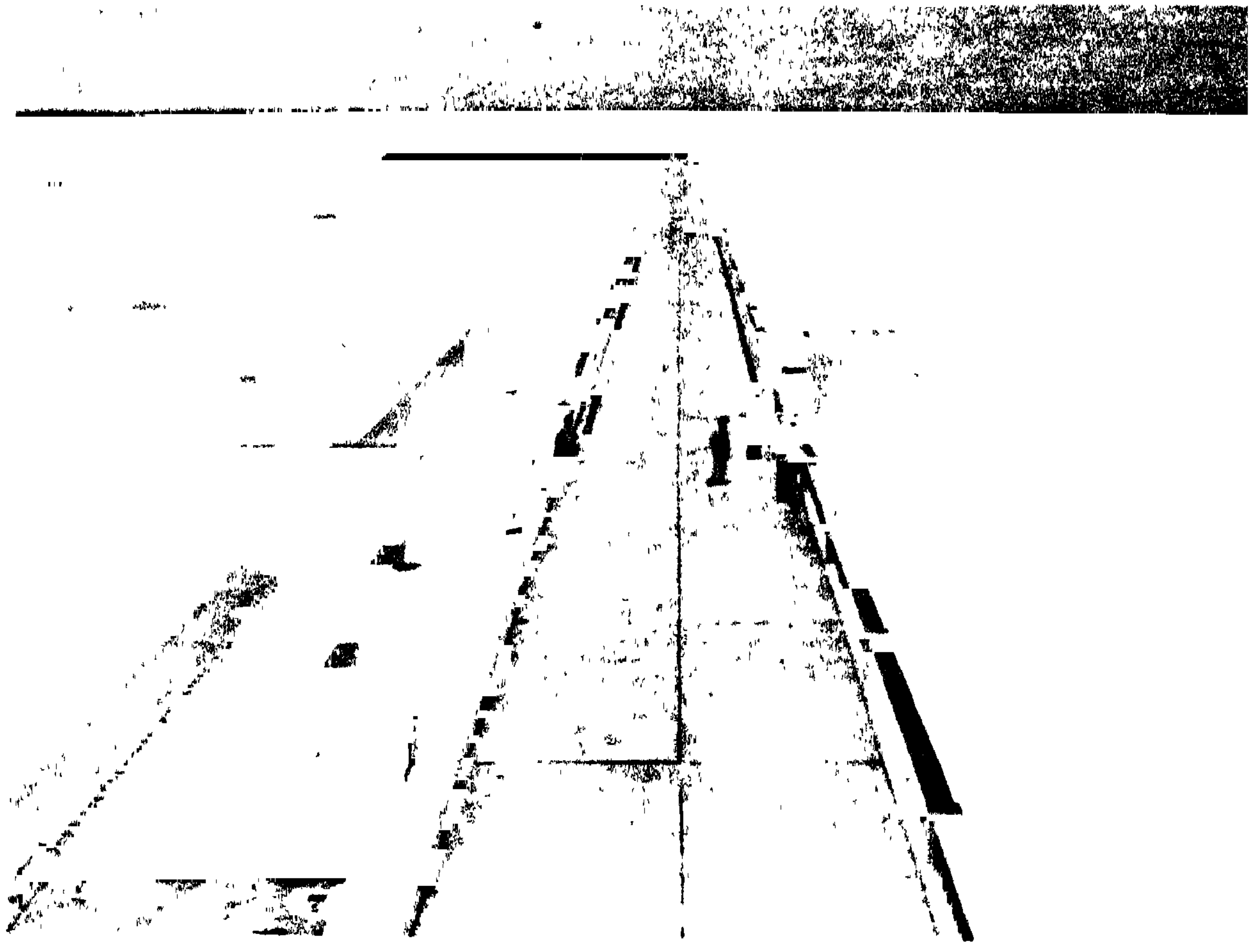






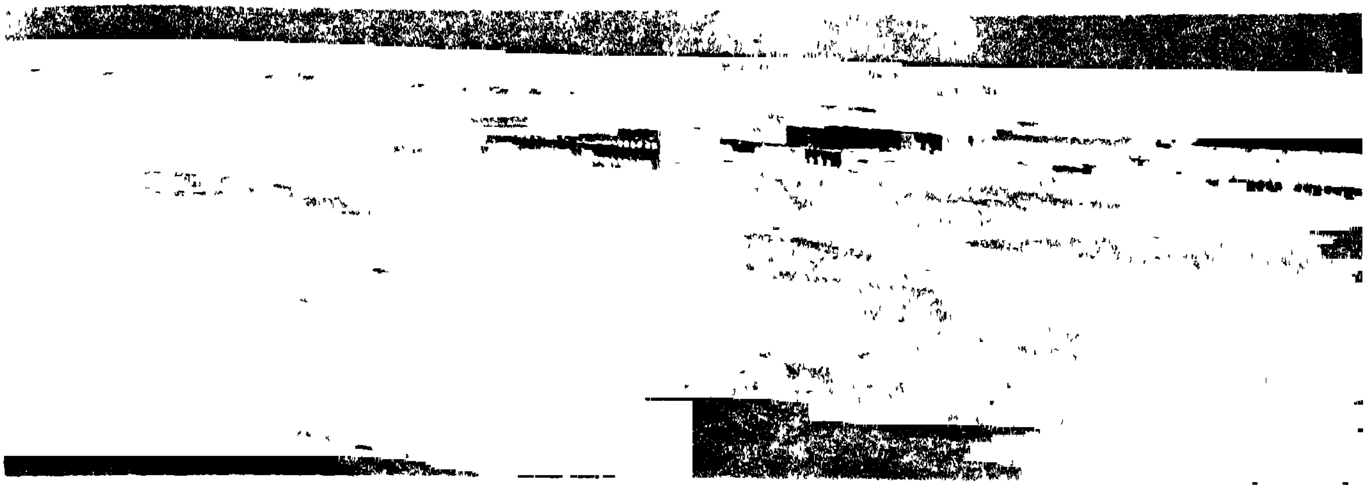


مہاراشٹر کے عوام کا خاص ذریعۂ معاش زراعت ہے۔
اناج میں خود کفیل ہونے کے لیے ریاست میں مختلف اسکیمات پر
عمل آوری کی جارہی ہے جس کے نتیجہ میں کسانوں کو زرعی ترقی کیلئے
آلات دئیے جارہے ہیں۔ زرعی یونیورسٹیوں کی جانب سے اپنائی
گئی جدید تکنیک سے کسانوں کو فائدے پہنچائے جارہے ہیں جس کے





راعت میں پانی کی سپلائی کی یقین دہانی بہت اہم رول ادا کرتی ہے۔ ریاستی حکومت نے آب پاشی کا ایک جامع
تیار کیا ہے۔ اس مقصد کے تحت عالمی بینک اور دیگر غیر ملکی اداروں سے امداد طلب کی گئی ہے۔ بڑے اور درمیانی
[illegible]

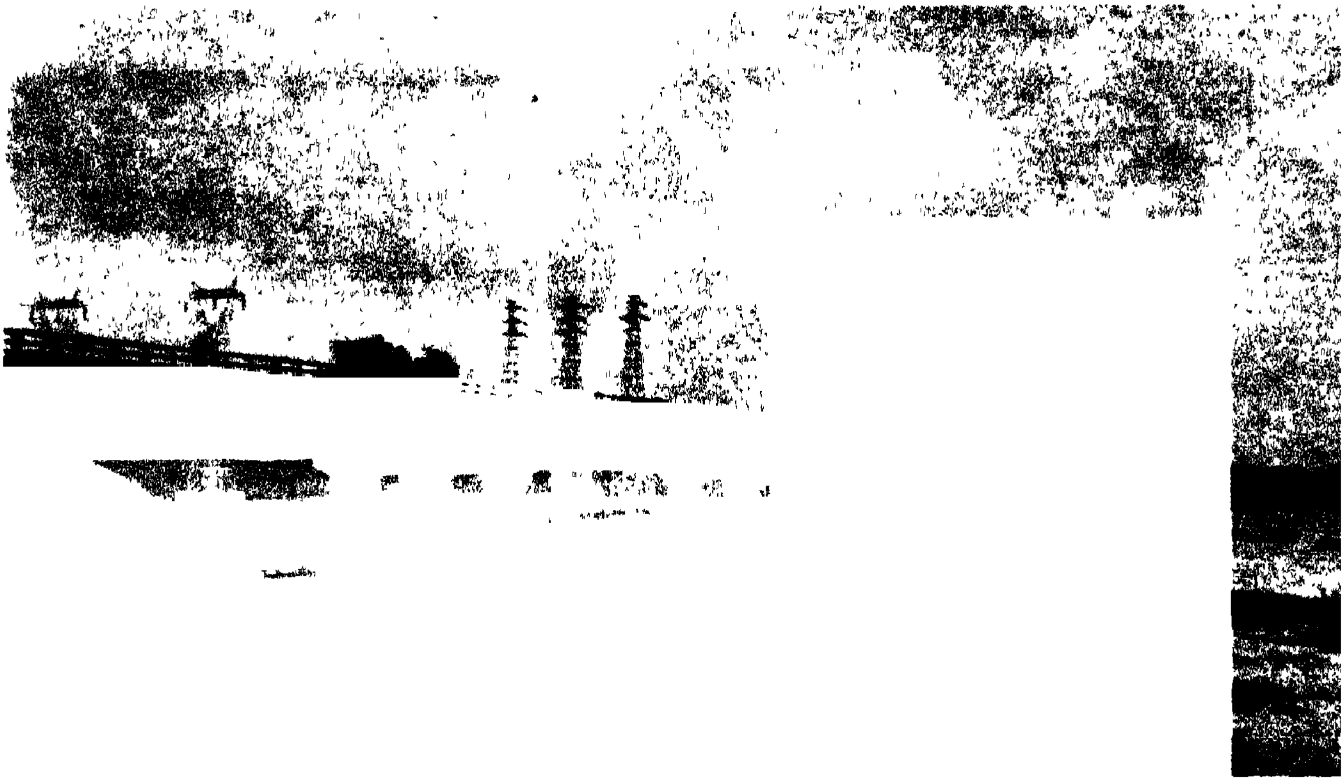






ریاست مہاراشٹر، اپنی صنعتی ترقی پسندانہ پالیسی کی بناء پر ملک بھر میں صنعتی میدان میں سرفہرست ہے۔ مختلف صنعت کار اپنی صنعتیں قائم کرنے اور خاص طور پر حکومت سے گرانٹ اور مراعات حاصل کر رہے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں بہت سے انڈسٹریل اسٹیٹ اور ٹاؤن وجود میں آچکے ہیں۔ یہاں تک کہ چندرپور اور اورنگ آباد جیسے اضلاع صنعتی سرگرمیوں کے مرکز بن چکے ہیں۔



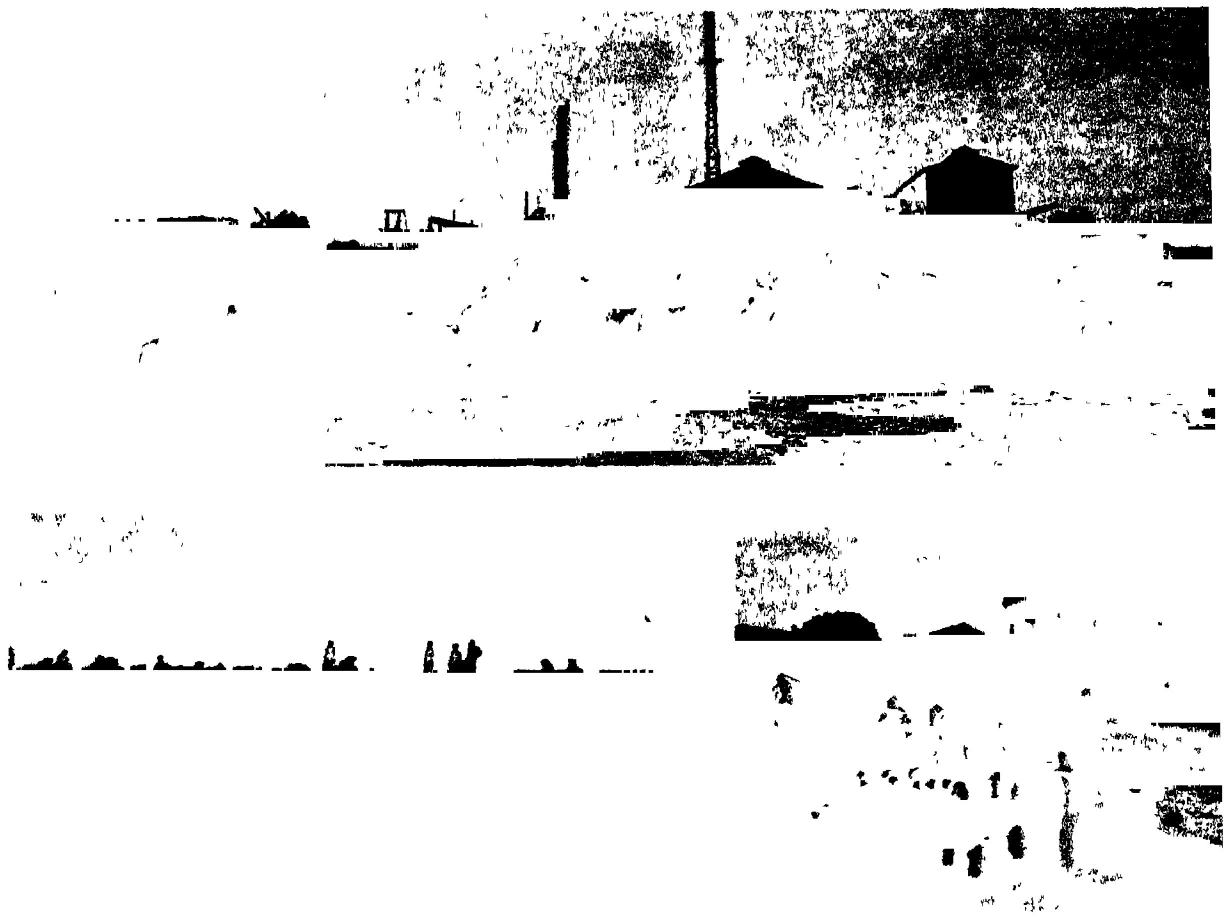




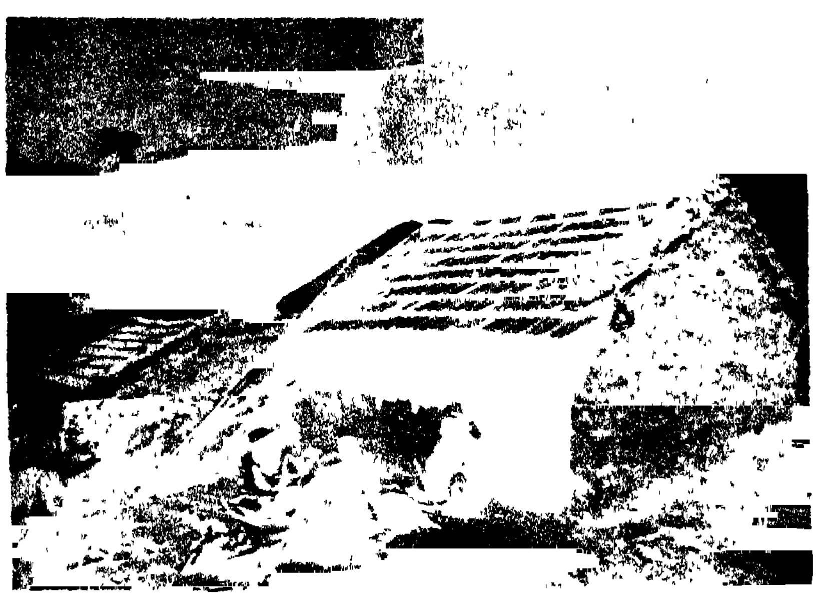
صنعتوں کی ترقی کے لئے ریاست میں بجلی کی پیداوار تیزی
ڑھائی جا رہی ہے۔ بجلی کی فراہمی اور ٹیکنیکل ٹریننگ کی سہولتیں
ترقی میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ
ریشن بھی ترقی کے کاموں میں پیش پیش ہے۔



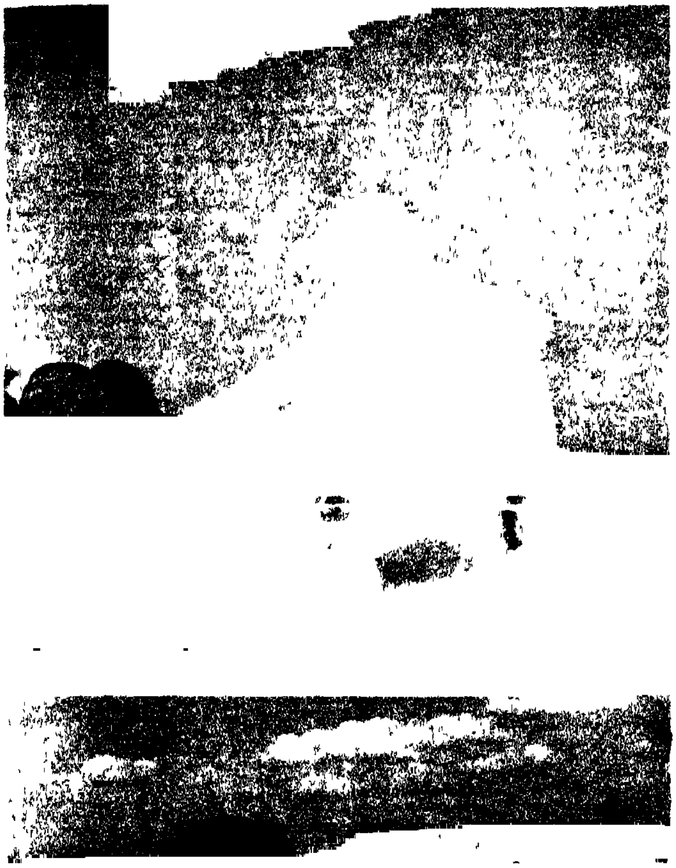
مہاراشٹر کے عوام تعلیم اور صحتِ عامہ کی بے شمار ترقیاتی اسکیمات سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ تعلیم اور صحتِ عامہ کے میدان میں غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ پیش کرنے پر ریاست نے قومی انعامات حاصل کئے ہیں۔



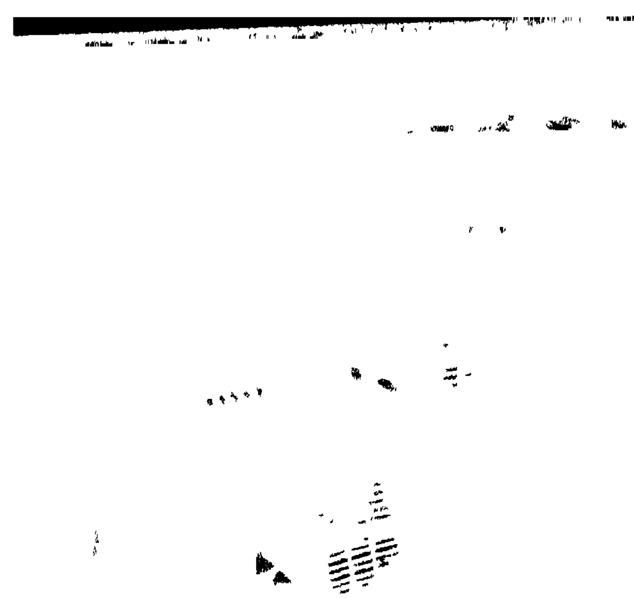
ریاستِ مہاراشٹر نے
امدادِ باہمی تحریک کے میدان میں
ایک نئی تاریخ مرتب کی ہے۔
یہاں شکر کوآپریٹیو کے ذریعہ
دیہی علاقوں کی ترقی کا خاص
خیال رکھا جا رہا ہے۔ بیروزگاری
اور مشقلی کے مسائل کا حل تلاش
کرنے کی غرض سے ریاست نے
روزگار اسکیم (ای۔جی۔ایس)
کا نفاذ عمل میں آیا ہے۔ اس اسکیم
کی کامیابی کا اعتراف مرکز نے
بھی کیا ہے۔



ی کی قلت
نے پر حل
ڈ ب ویلز،
کے نل کی
رتب کی گئی
الے زمینوں
سنگ
مد کیا جا رہا







دیہی علاقوں میں کئی فلاحی اسکیمیں وضع کی گئی ہیں ۔ جیسے گوبر گیس ، عورتوں کے لئے تعلیم اسکیمات اس کے علاوہ کئی ضمنی اسکیمیں جیسے پولٹری اور گلہ بانی جن کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کا معیار زندگی بلند ہوا ہے ۔

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

ایس کامت

یاستی امداد باہمی اِقدامات — ایک جائزہ

مہاراشٹر میں امدادی اور نوعیت کے اعتبار سے اِمدادِ باہمی اگر بہت حد تک کامیاب نظر آتی ہے تو اس کی خاص وجہ ہے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کا بہترین باہمی رابطہ جو کہ گذشتہ کئی سالوں سے قائم ہے۔ ریاست میں اِمداد باہمی اداروں کی تعداد فی الحال ۱۳۰۱۰ ہے۔ جن سے منسلکہ اراکین کی تعداد ۱۸۰ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ ان اداروں کے تعلق سے سرمایۂ اصل کی رقم لگ بھگ ۸۵۰ کروڑ روپیہ قابلِ ذکر ہے۔ ان اداروں کی ذاتی رقوم کا میزان تقریباً ۱۶۲۵ کروڑ روپیہ اور جمع شدہ رقم کل ۳۳۰۰ کروڑ روپیہ ہے۔ سنہ ۱۹۸۴ء کے ایک جائزہ کے مطابق ان اداروں کی جانب سے ۱۸۵۰ کروڑ روپیہ بطور قرضہ جات تقسیم کیا گیا تھا۔ آج بھی مہاراشٹر میں امدادِ باہمی کا مستقبل روشن ہے۔ امدادِ باہمی کا مقصدِ خاص ریاستِ مہاراشٹر کے کمزور طبقات کی فلاح و بہبود ہی نہیں بلکہ ملک بھر میں امدادِ باہمی ترقیات کو مضبوط بنانا اور ان سے زیادہ فائدے عوام کو بہم پہنچانا ہے۔

سے ۲۵ سال پہلے یکم مئی سنہ ۱۹۶۰ء
کمیل ہوئی۔ ان سالوں کے دوران ریاستی
ت کے ملک بھر میں خوش گوار اثرات ظاہر

ہوئے ہیں۔ حقیقتاً ریاست کی تشکیل سے قبل بھی صوبہ
بمبئی میں امدادِ باہمی تحریک موجود تھی اور قابل رہنماؤں
کی زیر سرپرستی صحیح سمت پر گامزن تھی۔

آئیے۔ ہم تاریخ کے صفحات اُلٹیں۔ ۱۸۷۵ء میں ساہوکاروں کے ذریعہ کسانوں کے استحصال پر دکن میں پرتشدد واقعات کے دوران کسانوں کے احتجاج سامنے آنے پر شاید پہلی بار زراعتی شعبہ میں امدادِ باہمی کا جنم ہوا۔ دکن فسادات کمیشن نے مسئلہ کا حل پیش کرتے ہوئے ساہوکاروں کی بیجا سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کیا اور ساہوکاروں کی ضرورت ختم کرنے کے لئے ایک ایسی ایجنسی کے قیام کی سفارش کی جو کہ کسانوں کو آسان طریقوں سے قرضہ فراہم کر سکے۔ چنانچہ حکومتِ ہند نے ۱۸۷۹ء میں دکن زرعی مراعات قانون نافذ کیا۔ لیکن صرف ۱۹۱۲ء میں امدادِ باہمی ادارہ جات قانون کے منظور ہونے کے بعد ہی امدادِ باہمی اداروں کی تشکیل ممکن ہوئی۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ ملک بھر میں امدادِ باہمی کے قیام کی پہل حکومت کی جانب سے ہوئی۔ صوبۂ بمبئی کے سماجی خدمت گاروں نے فوری طور سے اس تحریک کو قبول کیا۔ اسی دوران صوبۂ بمبئی میں امدادِ باہمی کے تعلق سے کئی اہم تجربات عمل میں لائے گئے جنہیں بعد میں ملک گیر سطح پر اپنایا گیا۔ انہیں فصلی قرضہ جات، سرمایہ اصل میں ریاست کی حصہ داری، امدادِ باہمی ترقیات، تربیت و تعلیم وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ یہ واضح ہے کہ امدادِ باہمی کی مسلسل ترقیات کی اصل وجہ غیر سرکاری اور سرکاری اداروں کا بہترین باہمی ربط ہے جو کہ گذشتہ کئی سالوں سے قائم ہے۔ ۱۹۶۰ء میں امدادِ باہمی تحریک کی شروعات سے موجودہ مدت تک ریاست میں امدادِ باہمی کی کامیاب ترقیات کا اندازہ مندرجہ ذیل خاکہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

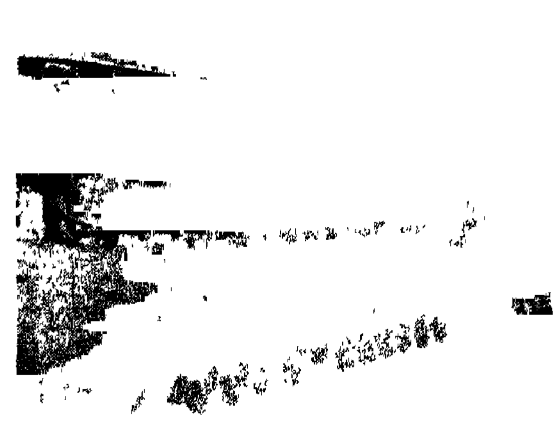
ریاست میں امدادِ باہمی ادارے بہ لحاظ شعبہ جات

شعبہ جات	۱۹۶۰ء	۱۹۸۴ء
۱:۔ زرعی غیر زرعی کریڈٹ سوسائٹیاں (مقامی و مرکزی)	۳۹	۳۳
۲:۔ زرعی کریڈٹ سوسائٹی	۲۱,۴۰۰	۱۸,۵۲۱
۳:۔ غیر زرعی کریڈٹ سوسائٹی	۱,۶۳۰	۶,۳۵۹
۴:۔ مارکیٹنگ سوسائٹی	۳۳۴	۵۰۱
۵:۔ پیداواری کاروباری ادارے شکر کارخانے، چاول مل وغیرہ	۴,۳۰۶	۱۷,۷۶۷
۶:۔ امدادِ باہمی سماجی خدمات (صارفین ادارے، ہاؤسنگ سوسائٹی وغیرہ	۳,۸۴۶	۲۷,۹۴۹
میزان کل	۳۱,۵۶۵	۷۱,۱۳۰

ہمہ جہت ترقیات :۔

مندرجہ بالا خاکے سے واضح ہوتا ہے کہ امدادِ باہمی ترقیات ایک سے زیادہ سمتوں میں متحرک رہی ہیں۔ تقریباً ۱۸۳۵۲ کریڈٹ سوسائٹیوں کی موجودہ تعداد میں ریاست کے تمام دیہات شامل ہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ اس تعداد میں کمی آتی جائے گی کیونکہ ان سوسائٹیوں کو ایک پرائمری سوسائٹی میں ضم کرنے کی قومی اسکیم پر عمل درآمد جاری ہے۔ دیہی سطح پر ایک مرکز پر امدادِ باہمی سرگرمیوں کو اکٹھا کرنے تیز امدادِ باہمی کارروائیوں پر بھاری اخراجات کے مدِ نظر مذکورہ بالا اقدام کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔

آج ریاست مہاراشٹر میں امدادِ باہمی ادارے ۷۱,۱۳۰ کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن سے منسلک اراکین کی تعداد تقریباً ۱۸۰ لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ ان اداروں



اچل کرنجی میں واقع دکھن کوآپریٹیو اسپنگ مل کا ایک منظر۔



ناشک ضلع کے مقام دھینگوڈے میں واقع امدادِ باہمی کپڑا مل کا ایک منظر۔

کی رقم کا میزان ۸۵۰ کروڑ روپیہ ہے۔ جبکہ
سرمایہ ۱۶۲۵ کروڑ روپیہ کے لگ بھگ
سے ۳۳۰۰ کروڑ روپیہ مختلف مدوں
ارہا ہے۔ ان اداروں کی جانب سے صرف
۱۸۵۰ کروڑ روپیہ تقسیم کیا جاچکا ہے۔

ٹ سوسائٹی

مہاراشٹر میں کریڈٹ سوسائٹی ادارے
لاع میں اسٹیٹ کوآپریٹیو بینک کی
ضلع مرکزی کوآپریٹیو بینک کے توسط سے
ست کے اندرونی حصوں میں واقع دیہی

علاقوں میں بھی اس بینک کی شاخیں ہیں۔ اس طرح کل
۲۰۰۰ شاخیں ریاست میں پھیلی ہوئی ہیں۔ زرعی کاموں
میں تقریباً ۳۵ تا ۴۰ فیصد مالی ضروریات ان ہی اداروں
سے پوری ہوتی ہیں۔

ملک بھر میں کریڈٹ سوسائٹیوں
کی تعداد کے مقابلہ میں ریاست مہاراشٹر میں ۱۳ فیصد
تعداد اراکین پر مشتمل ۱۹ فی صد کی تعداد میں یہ ادارے
قائم ہیں جن کے توسط سے ۱۶ فی صد سرمایہ زیرِ استعمال ہے۔
اور ان اداروں سے طویل مدتی اور مختصر مدتی قرضہ جات
کی تقسیم کا فیصد ۱۴ ہے۔
کسانوں کو طویل مدتی قرضے دینے کے لئے ایک علیحدہ

کوآپریٹیو کریڈٹ سوسائٹی قائم ہے۔ پہلے پہل یہ ادارے وفاقی بنیاد پر قائم تھے۔ بعد میں انہیں ایکس لینڈ ڈیولپمنٹ بینک سے منسلک کرکے اسکیمات کو اس کی شاخوں کو ضلع سطح تک پھیلا دیا گیا۔ ان اداروں کے ذریعہ تقسیم شدہ ۶۹ فیصد قرضہ جات تمام زرعی کاموں، مثلاً ٹریکٹر کی خریداری، مشینی سینچائی اور باغبانی امور کے لئے وقف کئے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تجارتی بینکوں کی جانب سے بھی ریاست میں زرعی کاموں کے لئے مالی امداد دی جاتی ہے۔ ۱۹۸۳ء میں تجارتی بینکوں نے ۳۶۷ پرائمری زرعی سوسائٹیاں اپنے حلقہ اختیار میں لی تھیں۔

کوآپریٹیو بینکوں کے لئے سب سے بڑا مسئلہ تجارتی بینکوں کے ساتھ مقابلہ آرائی ہے۔ خاص مرکزوں میں تجارتی بینکوں کی وجہ سے امدادِ باہمی بینکوں کی متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تقریباً ۴۸ فیصد ایسے بینک نقصان سے دوچار ہیں۔ ریزرو بینک کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق یہ اسکیم ناکام رہی ہے۔ اس لئے امدادِ باہمی بینکوں کو اس چیلنج کا سامنا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایسے بینک اپنی کارکردگی اور صارفین کی خدمات میں بہتری پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں کمزور طبقات کی بہبود سے غفلت نہیں برتنی چاہیے کیونکہ ان ہی کے لئے ان بینکوں کو وجود میں لایا گیا ہے اس کے علاوہ قرضوں کی تقسیم میں مارکیٹنگ، صارفین، صنعتی، امدادِ باہمی ضروریات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے

شہری بینک :-

مہاراشٹر میں شہری امدادِ باہمی بینکوں کی کارکردگی نسبتاً بہتر ہے۔ ۱۹۸۴ء تک ان کی تعداد ۸۵۲ تھی۔ جن میں اراکین کی تعداد ۸۱ء۱۷ لاکھ ہے۔ سرمایہ حصص کی رقم ۵۸ کروڑ روپیہ اور جمع شدہ رقم کا میزان ۷۴۱ کروڑ روپیہ ہے۔

ان بینکوں نے ۵۰۰ کروڑ روپیہ بطور قرض تقسیم کئے ہیں۔ جس میں سے اضافی رقم تقریباً ۸ - ۱۰ فیصد ہے۔ اب تک صرف ۱۰ بینکوں کے خسارہ برداشت کرنے کی اطلاع ملی ہے۔ گوکہ شہری بینکوں کے لحاظ سے یہ ایک اچھی صورت حال ہے۔ پھر بھی ان بینکوں کو قرضہ کی تقسیم کے معاملے میں مزید بہتری لانے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ بینک آج کل صرف اپنے صارفین کی ذاتی ضروریات تک محدود قرضہ جات تقسیم کرتے ہیں۔ نوجوانوں کو اپنے ذاتی کاروبار کے لئے بطور قرض مالی امداد دی جاسکتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بینک اپنے مقابل دیگر امدادِ باہمی اداروں سے بھی ربط پیدا کرکے ان کے فاضل سرمایہ کو کام میں لاکر چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کے فروغ میں مدد دے سکتے ہیں۔

مارکیٹنگ :-

مندرجہ بالا سطور میں یہ واضح کیا جاچکا ہے کہ کم ازکم زرعی کاموں میں امدادِ باہمی بنیاد پر مارکیٹنگ کا بہتر انتظام نہایت ضروری ہے تاکہ کسان نمبردار سے زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل ہوسکے۔ اس طریقے امدادِ باہمی کریڈٹ کے معاملے میں بھی بڑی حد تک زائد غیر وصولی کی روک تھام کی جاسکتی ہے۔

۱۹۸۴ء میں ریاست بھر میں تقریباً ۰۰ ء مرکز پرائمری مارکیٹنگ سوسائٹی ادارے موجود تھے۔ ان میں اراکین کی تعداد ۵۹۵،۰۰۰ تھی۔ اور سرمایہ حصص کی رقم کل ۴ء۱۱ کروڑ تھی۔ ان بینکوں کے ذریعہ ۲۳۰ کروڑ روپیہ مالیت کی زرعی پیداوار کا استعمال کیا گیا تھا۔ جس میں سے صرف اناج مارکیٹنگ ۳۰ کروڑ روپیہ تھی۔ ان کے ذریعہ زرعی امور کے لئے ۵ء۳۰ کروڑ روپیہ تقسیم کیا گیا۔ جس میں سے ۸۳ فی صد کھاد کی خریداری تقسیم سے متعلق تھا۔ دیہی علاقوں میں ۱۲۰ کروڑ روپیہ مالیت کی زرعی ضروریات تقسیم کی گئی۔ جن میں سے ۳۰ اداروں کو نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

قومی

رجہ ذیل خاکہ کی مدد سے ۱۹۶۱ء سنہ، تا
ں مدت تک مارکیٹنگ سوسائٹی اداروں کی
ازہ کیا جاسکتا ہے۔

نٹرل اور پرائمری
مارکیٹنگ ادارے

	۱۹۶۱	۱۹۸۴
سائٹی	۳۴۳	۵۰۰
یت	۱،۳۰۱	۵،۹۵۰
حصص زیر اشتغال (قیمت)	۱۳۱	۱،۱۴۰
ی پیداوار (اناج)	۱،۷۴۲	۲۳،۰۰۰
ی ضروریات	۲۸۰	۳،۰۵۰
ی ضروریات	۹۸۶	۳۰،۵۰۰
ھاد	۷۵۶	۲۵،۵۰۰
یج	۴۴	۱،۸۵۰
شیاء صارفین	۹۵۲	۱۲،۰۰۰
یضیاب ادارے	۲۱۱	۳۱۰

ے :- (۱) لاکھ روپیہ میں
(۲) تعداد اراکین سینکڑوں میں

ست میں امدادِ باہمی مارکیٹنگ طریقۂ کار کا
ش اقدام سرکاری اخراجات پر اناج، اور
صولیابی ہے۔ ان میں قابلِ ذکر اسال پہلے
کپاس حصولیابی اجارہ داری اسکیم ہے۔ جس کی
اس کے کاشت کاروں کو اچھی قیمت دلائی
مگر افسوس ہے کہ مرکزی سرکار اور ریزرو
م دلچسپی کے باعث اسکیم کچھ زیادہ کامیاب
ی ہے۔

لہٰذا اب ریاستی سطح پر ایک علیحدہ کوآپریٹیو کاٹن مارکیٹنگ فیڈریشن نامی ادارہ قائم کیا جا رہا ہے تاکہ مذکورہ اسکیم کو بہتر طور سے عمل میں لایا جاسکے۔

زرعی کام :-

امداد باہمی تحریک ریاست میں موجودہ پروسینگ امداد باہمی کی کارکردگی بھی بہتر ہے۔ یہ بات مندرجہ ذیل خاکہ سے واضح ہو جاتی ہے۔

مہاراشٹر میں اہم
فصلی پروسنگ امدادِ باہمی ادارے

اشیاء	۱۹۶۱ء	۱۹۸۴ء
۱:- کپاس دھنائی ادارے	۳۰	۱۲۹
۲:- چاول ملیں	-	۹۷
۳:- تیل ملیں	-	۱۵
۴:- شکر امدادِ باہمی	۲۹	
۵:- سوتی ملیں	۲	۸۴
۶:- دیگر پروسینگ ادارے	۷۸	۸۵
میزان	۱۳۰	۵۰۷

شکر :-

۱۹۸۲ء سنہ میں ملک بھر میں شکر امدادِ باہمی اداروں کی تعداد ۲۷۹ تھی۔ جس میں سے ۸۱ ادارے مہاراشٹر میں واقع تھے۔ کم از کم ۷۶ شکر امدادِ باہمی اداروں کی بدولت ریاست میں ۸۸ فیصد شکر کی پیداوار حاصل ہوئی۔ جو کہ ملک گیر سطح پر پیداوار کا ۳۶ فیصد ہے۔ وصولیابی

کی شرح ۱۰۴۷ فیصد سے زیادہ ہے۔ ان اداروں نے خصوصاً دیہی علاقوں سے ۲۲۰ کروڑ روپیہ کی رقم جمع کی ہے۔ آج کل یہ ادارے مربوط دیہی ترقیات کا مرکز بن گئے ہیں۔ ان اداروں نے ڈیری، مرغی پالن، اسٹور، کوآپریٹو بینک، امداد باہمی برائے خواتین، پبلک اسکول، کالج، اور پولی ٹیکنیک کو فروغ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے مقامی سطح پر ہی روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہونے پر دیہی آبادی کی شہر کی طرف ہجرت کی روک تھام ممکن ہو سکی ہے۔ ضمنی صنعتوں مثلاً تیل کے پلانٹ، کاغذ کے تیار کرنے کے کارخانے وغیرہ کے نتیجہ میں پیداوار پر اخراجات کے تخمینہ میں کمی پیدا ہوئی ہے۔

اسپننگ ملیں:۔

۱۹۸۴ء تک ریاست میں ۱۸۴ اسپننگ ملیں رجسٹرڈ ہوئیں جن میں ۱۲۱ ابھی جاری ہیں۔ جلاہوں اور کاشت کاروں کے علیحدہ علیحدہ امداد باہمی ادارے قائم ہیں۔ ان میں سے اول الذکر کی کارکردگی نسبتاً بہتر ہے۔ ان کے علاوہ ڈیری کوآپریٹیو، ہینڈلوم کوآپریٹیو، پاورلوم کوآپریٹیو، جنگلاتی مزدوروں کے ادارے، ماہی گیر باہمی ادارے، مزدور کنٹراکٹ کوآپریٹیو، اور صارفین کے امدادِ باہمی اداروں کا ذکر ضروری ہے۔ ان اداروں کی کی تعداد ۱۹۸۴ء تک بالترتیب ۲۴۰۰۹، ۱۰۱۴۱، ۲۴۷، ۳۹۱، ۸۹۸، ۴۶۶۸ اور ۲۰۲۵ تھی۔ صارفین کے اداروں میں ۸۰ تھوک فروخت اور ایک اپیکس فیڈریشن بھی شامل ہے۔

ہاؤسنگ سوسائٹیوں کی بدولت درمیانی اور کم درجہ کے عوام کی مکانات کی ضروریات کو کسی حد تک آسان بنا دیا گیا ہے۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں ایسی ہاؤسنگ سوسائٹیز کی تعداد ۱۴۹۵ تھی جو کہ ۱۹۸۴ میں بڑھ کر ۹،۶۷۸ ہو گئی ہے۔

امدادِ باہمی قانون:۔

ریاست میں زیر عمل امدادِ باہمی قانون میں حالات کے پیش نظر وقتاً فوقتاً ترمیم کی جاتی رہی ہے تاکہ ریاست میں بدلتی ہوئی امدادِ باہمی تحریک کے ساتھ ربط قائم رہ سکے۔ مختلف سطح پر امدادِ باہمی انتظامات اور کارکردگی پر اخراجات میں تو اضافہ ہوتا جا رہا ہے لیکن ان کا حلقہ ویسے ہی کم رہتا ہے۔ لہٰذا ان کے حلقوں کی وسیع کرنے کی ضرورت ہے جو کہ کاروبار میں اضافہ، اراکین کی تعداد میں غیر محدود رکنیت کی بنیاد پر اضافہ، اور اخراجات میں کمی پیدا کر کے پورا کیا جا سکتا ہے۔

فی الحال اس کی ضرورت زرعی، شکر، اسپننگ ملوں وغیرہ کے سلسلے میں زیادہ محسوس کی گئی ہے۔ اب بھی مہاراشٹر میں امدادِ باہمی کے فروغ کے لئے کافی مواقع موجود ہیں۔ جن سے ریاست کے نہ صرف کمزور طبقات میں حوصلہ مندر رجحانات پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ بلکہ ملک بھر میں امدادِ باہمی تحریک اور ان اداروں سے منسلک عوام کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے۔

(ترجمہ:۔ زیب النساء محمد اقبال

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

ـنیو ورکس

ریاستِ مہاراشٹر ورڈ برائے ادب و ثقافت ۲۵ سالہ کارگذاری

آج سے ٹھیک پچیس ۲۵ سال پہلے، سخت
نت، جد وجہد اور کشمکش کے بعد ریاستِ
مہاراشٹر نے جنم لیا اور اس کے کچھ عرصہ
عد ہی مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف لٹریچر اینڈ کلچر
نی ریاستی بورڈ برائے ادب و ثقافت بھی
جود میں آیا۔ یہ خیال اس وقت نئی ریاست
ے سب سے پہلے وزیرِاعلیٰ، آنجہانی یشونت راؤ چوان کے
ہن میں آیا اور مہاراشٹر کے وزیرِاعلیٰ کی حیثیت
سے اپنی پہلی تقریر میں ہی اس کا اظہار کر دیا۔
سی طرح یہ ریاستی بورڈ ۱۹ر نومبر سنہ ۱۹۶۰ء کو
ائم ہوا۔ اس کے واضح اغراض و مقاصد یہ تھے۔

ٹھی زبان وادب کو فروغ دینا۔
ثقافت، تاریخ اور آرٹ کے
یدان میں ریاستِ مہاراشٹر کے شاندار
رثہ کو محفوظ رکھنا۔
مقاصد کے مدِ نظر ریاستی
سروع کیا اور ٹھوس منصوبے
میں۔
راٹھی انسائیکلوپیڈیا کی تیاری
ور اشاعت۔
راٹھی میں بہترین کتابوں کی اشاعت

(۳):- ایسی کتابوں کی اشاعت میں امداد
دینا جن سے زبان مالا مال ہو اور فروغ پائے۔

یہ بھی بڑی دلچسپ بات ہے کہ آغاز پر ریاستی بورڈ
کے لئے مقرر کی گئی پانچ سال کی میعاد میں وقتاً فوقتاً تبدیلی
ہوتی رہی۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

عرصہ ۱:- ۲۶ر نومبر ۱۹۶۵ء عرصہ ۲:- ۱۲ر نومبر ۱۹۶۸ء
عرصہ ۳:- ۲۶ر نومبر ۱۹۷۱ء عرصہ ۴:- ۲۶ر نومبر ۱۹۷۴ء
عرصہ ۵:- یکم جون ۱۹۷۷ء عرصہ ۶:- ۲۸ر نومبر ۱۹۸۰ء

بہرصورت یکم دسمبر ۱۹۶۰ء کو ریاستی بورڈ برائے ادب و ثقافت کو منظوری دی گئی اور اس کی از سرِ نو تشکیل ہوئی۔ سرکاری قرار داد مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۶۰ء کے مطابق ریاستی بورڈ کے اغراض و مقاصد اور ذمہ داریاں یہ تھیں۔

۱:۔ ادب، ثقافت اور تاریخ کے میدان میں ریسرچ منصوبوں کو فروغ دینا۔ اور ان کی تکمیل میں مدد دینا۔ یا خود ایسے منصوبے شروع کرنا۔

۲:۔ مراٹھی میں ایسے منصوبوں کی اشاعت بڑھانا اور مدد دینا یا خود شائع کرنا۔

۳:۔ ایسی کتابوں کے ماسوا جن کے ترجمہ کا کام ساہتیہ اکاڈمی نے شروع کیا ہے، دوسری ہندوستانی اور غیر ملکی زبانوں کی بہترین کتابوں کا مراٹھی میں ترجمہ کرواکے شائع کرنا۔ ایسے ترجموں کے منصوبوں کو آگے بڑھانا اور مدد دینا۔

۴:۔ ریاستِ مہاراشٹر کی تاریخ اور ثقافت سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رکھنے والے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ اہم معلوماتی مواد (دستاویزات) مراٹھی میں مرتب کرنا، ترجمہ کرنا اور شائع کرنا۔ ایسے منصوبے کو آگے بڑھانا اور مدد دینا، یا خود انہیں زیرِ عمل لانا۔

۵:۔ حکومتِ مہاراشٹر کو وقتاً فوقتاً ان مختلف ادبی منصوبوں کی رفتارِ عمل آوری کے بارے میں تازہ ترین جانکاری دینا جو خود ریاستی بورڈ نے شروع کئے ہیں یا دیگر نجی اداروں یا اسکالروں نے ریاستی بورڈ کی امداد، و اعانت یا خود شروع کئے تھے۔

۶:۔ انتظامی پالیسی، تاریخی ریسرچ اور ترقی ادب کے لئے منصوبے بنانے میں حکومت کی مدد کرنا۔

اس کے مطابق ریاستی بورڈ نے وقتاً فوقتاً حکومت کی منظوری کے مطابق حسبِ ذیل منصوبے وضع کئے اور ان کی تکمیل کا کام شروع کیا۔

(۱):۔ مراٹھی انسائیکلوپیڈیا کی تیاری

بیس جلدوں پر مشتمل (ہر ایک جلد میں ایک ہزار صفحات) جامع قاموس مرتب کرکے شائع کرنا جس میں علم انسانیت، سائنس اور ٹکنالوجی کے موضوعات پر تازہ ترین معلومات ہو۔

(۲):۔ مہاراشٹر کی تاریخ

قبل زمانہ تاریخ سے جدید زمانہ تک (سیاسی نیز سماجی و ثقافتی تاریخ) پانچ جلدوں، (ہر ایک جلد میں ایک ہزار صفحات) پر مشتمل تاریخی کتب کی اشاعت۔

(۳):۔ مراٹھی بولیوں کا مطالبہ

تاریخی اور جدید لسانی نظام کے مطابق مہاراشٹر میں مراٹھی مقامی بولیوں کا جائزہ اور اشاعت۔

(۴):۔ علاقائی زبانیں اور عالمی زبانیں

مراٹھی بولنے والے اسکالروں کے لئے ایسے قاعدے تیار کرنا جن کی مدد سے وہ دیگر ہندوستانی اور غیر ملکی زبانوں کی جانکاری حاصل کرسکیں۔ زبان و ادب کے تعارف کے لئے ذولسانی لغات کی تیاری۔

(۵):۔ سائنسی کتابوں کا سلسلہ

مراٹھی میں یونیورسٹی معیار پر ایسی کتابوں کی اشاعت جو عام تعلیم یافتہ قاری کے لئے فزیکل سائنس، ٹکنالوجی، سوشل سائنس اور علوم انسانی وغیرہ کے میدان میں مطالعہ میں معاون ہوں۔

(۶):۔ کلاسیکل کتابوں کا ترجمہ اور اشاعت

سنسکرت اور مراٹھی کے علاوہ دیگر ہندوستانی یا غیر ملکی زبانوں کی بہترین کلاسیکل کتابوں کا ترجمہ اور اشاعت۔

اعت کتب کیلئے اِمدادی اسکیم

سرچ اسکالروں، اور ادبی اداروں کو امداد
موضوعات پر بہترین کتابیں شائع کرسکیں۔

ٹھی لٹریری انسائیکلوپیڈیا کی تیاری اور اشاعت

میں ادب واس کے ماخذ، ترقی اور تاریخ،
بی رُوپ، ادبی تنقید، قدیم اور جدید
، موضوعات پر جلدوں میں (ہر ایک جلد
ت) انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنا اور

راٹھی لغات کی تیاری اور اشاعت

دں میں باتصویر لغت کی تیاری اور اشاعت
اُک ایک سو ہزار الفاظ، تاریخی اور لسانی
، ماخذ اور معانی کے ساتھ شامل ہوں گے۔

۔دیم ادب کا سلسلہ

ری اور بیسویں صدی کی دو دہائیوں سے
الحال نا دستیاب مراٹھی ادب کی دوبارہ

مہ داریوں کی تقسیم اور تبدیلی

مبر ۱۹۸۰ء تک ریاستی بورڈ ترک
ستری جوشی کی زیر صدارت بڑی سرگرمی
انجام دیتا رہا۔ ترک تیرتھ کی زبردست
عالم تبحر، اور روشن خیالی کی بدولت
ڈ صحیح معنوں میں سب سے قومی ادبی ادر
گئی۔ لیکن ۲۸ر نومبر ۱۹۸۰ء کو حکومت

مہاراشٹر نے یہ فیصلہ کیا کہ ریاستی بورڈ کو تقسیم کر دیا جائے اور ایک الگ ادارہ بنام "مراٹھی وشواکوش نرمتی منڈل" (مراٹھی انسائیکلوپیڈیا تیاری بورڈ) قائم کیا جائے — ترک تیرتھ لکشمن شاستری جوشی اس بورڈ کے صدر مقرر کیے گئے۔ اسی کے ساتھ بیس سال کے طویل عرصہ بعد مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف لٹریچر اینڈ کلچر کے عہدہ صدارت پر ڈاکٹر سریندر بارلینگے جیسے نوجوان، لائق، اور کارگذار فرد فائز ہوئے جو نہ صرف مہاراشٹر بلکہ سمندر ممالک خصوصاً دنیائے ادب و ثقافت میں ایک فلسفی، مفکر، عالم فاضل استاد اور صحافی کی حیثیت سے شہرت کے مالک ہیں۔ (وہ آزادی سے قبل اور بعد میں اپنے مراٹھی ہفتہ وار "انقلاب" کے مُدیر رہے۔ وہ اپنی طرز کے ادبی ناقد اور ناول نگار بھی ہیں)

اِس تقسیم سے قبل اسٹیٹ بورڈ نے مراٹھی انسائیکلوپیڈیا کی سات جلدیں مرتب اور شائع کیں۔ اس خیال سے کہ مطالعہ کرنے والے لوگ انسائیکلوپیڈیا کی عبارت اور مضامین وغیرہ کو ٹھیک طرح سے سمجھ سکیں۔ "انسائیکلوپیڈیا کا تعارف" نامی ایک کتاب بھی شائع کی گئی۔ اب تک انسائیکلوپیڈیا کی تیرہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ مہاراشٹر کی تاریخ کے سلسلے میں پانچ مجوزہ جلدوں میں سے ازمنہ وسطیٰ سے متعلق جلدیں عظیم تاریخ داں اور ریسرچ اسکالر پروفیسر جی ایچ کھرے نے لکھی اور مکمل کی ہیں۔ مراٹھا دور (۱۸۱۸ء تا ۱۸۱۸ء) سے متعلق دوسرا حصہ مسٹر وی۔ جی۔ کھوبریکر، سابق ڈائریکٹر آف ڈپارٹمنٹ آف آرکیالوجی، مہاراشٹر نے مکمل کیا ہے۔ اس کے علاوہ اسٹیٹ بورڈ نے فرانسیسی، پرتگالی، فارسی اور اردو وغیرہ زبانوں میں تحریر دستاویزات کے ترجمے شائع کرنے کا کام شروع کیا ہے۔ جن سے مہاراشٹر کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔ اب تک نو باب شائع ہو چکے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اسٹیٹ بورڈ نے مہاراشٹر کی تاریخ پر لکھی کتابوں کا ترجمہ کر کے انہیں شائع کیا ہے۔

مہاراشٹر میں کئی مقامی بولیاں تیزی سے معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔ ان مقامی بولیوں کو استعمال کرنے والی نسل کے لوگ بھی اٹھتے جا رہے ہیں۔ ان بولیوں کا چلن شاید ہی باقی رہے۔

لہٰذا ان پوتھیوں کے مطالعہ اور تعلیم کی غرض سے ریاستی بورڈ نے آٹھ جلدیں شائع کی ہیں۔ اس خیال سے کہ غیر مراٹھی داں لوگ بھی ان سے استفادہ کر سکیں، انگریزی میں شائع کی گئی ہیں۔ ریاستی بورڈ نے ہندوستانی زبانوں کے تعلق سے چھ/۶ ذولسانی، لغات اور رسالات تعارف زبان کتابیں جیسے مراٹھی-تامل، — تامل، مراٹھی شائع کی ہیں۔ ایک اور اسکیم وضع کی گئی ہے تاکہ ممتاز بدیسی زبانوں کی ڈکشنریاں جیسے روسی — مراٹھی، مراٹھی — روسی، پرتگالی — مراٹھی، مراٹھی — پرتگالی، فرنچ — مراٹھی، مراٹھی — فرنچ — ہسپانوی — مراٹھی اور مراٹھی — ہسپانوی مرتب کی جائیں۔

یہاں خاص طور سے یہ بتانا ضروری ہے کہ ریاستی بورڈ نے انگریزی۔ فرانسیسی، جرمن اور دنیا کی دیگر زبانوں سے مشہور و معروف کلاسکس کا مراٹھی زبان میں موزوں تراجمہ کرانے کے کام میں خاص دلچسپی لی۔ اب تک ہومر، اسکائیلس، یوری پائیڈیس، افلاطون، ردمو، ارسطو، ماؤنٹ لاڈ، ٹالسٹائی۔ war & peace (— جنگ اور امن) شولوخوف ۲ اور ڈان بہتا رہا) برٹ رینڈ رسل، شیکسپیئر وغیرہ کی تخلیقات کے تراجم شائع کئے جا چکے ہیں۔ اسی طرح سنسکرت سے وید، اپنیشد، مہابھارت، سنجیل رتناکر گتھا شپت شتی کے تراجم بھی شائع کئے جا چکے ہیں۔

مطبوعات پروگرام۔

منصوبہ اور عمل آوری

مراٹھی زبان، ادب اور ثقافت کو فروغ دینے کے کام کو برابر جاری رکھتے ہوئے ریاستی بورڈ کا یہ سلور جوبلی سال یکساں طور سے اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ یہ بھی ریاست مہاراشٹر کے قیام کے سلور جوبلی سال کے ساتھ ہی آیا ہے۔ اس کی ماضی کی کارگذاری اور کامیابیوں کے مدنظر مستقبل میں بھی کامیابی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ یہ بڑا کٹھن سفر تھا۔ بہت اونچے نیچے سے گزرنا پڑا۔ نکتہ چینیوں کا سامنا کرنا۔ لیکن پچھلے ۲۵ سال میں اس نے اپنا کام بڑی استقامت سے جاری رکھا اور اپنے مقاصد کو پورا کیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

مطبوعات

ریاستی بورڈ نے اب تک مراٹھی میں شارٹ ہینڈ سے "مکمل اگارکر" اور "مکمل گڈکری" (مراٹھی کے ڈرامہ نگار اور شاعر جن کی صد سالہ برسی ۸۵-۱۹۸۴ء میں سال بھر منائی گئی۔) تک متفرق عنوانات پر ۲۳۲ کتابیں شائع کی ہیں۔ ریاستی بورڈ نے تقریباً چھ کتابیں شائع کرنے کی منظوری دی اور لگ بھگ پچاس قابل قدر کتابیں زیر اشاعت ہیں۔ اسی طرح کم و بیش بیس مسودات بھی تیار ہیں جن کی ماہرین جانچ کر کے اشاعت کے لیے منظوری دے چکے ہیں۔

کتابوں اور رسائل کی امدادی اشاعت

مراٹھی میں موزوں اور سائنٹفک کتابوں کی بڑی کمی ہے۔ لہٰذا ریاستی بورڈ نے سب سے اول مراٹھی میں ایسی کتابیں لکھوانے پر توجہ دی جو علمی ریسرچ اور ٹکنالوجی موضوعات نیز ادب کے علمی اور نظریاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہوں۔ اس مقصد کے تحت ریاستی بورڈ نے پچھلے ۲۵ سال کے دوران کئی افراد اور اداروں کو مالی امداد دی۔ تاکہ وہ اپنی کتابیں چھپوا سکیں۔ اب تک ریاستی بورڈ کی اس طرح امداد سے تقریباً ۷۸۰ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اسی طرح مراٹھی میں ایسے رسائل اور جریدے ہیں جو خاص طور سے ادبی اور علمی موضوعات سے متعلق ہیں۔ انہیں عام رسائل میں شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ درحقیقت طلبہ، مدرسین اور اسکالروں کے لئے ہیں جو مخصوص علوم سے دلچسپی رکھتے ہیں اور ریسرچ وغیرہ میں مصروف ہیں۔ ان رسائل اور جرائد کی علمی اور تعلیمی قدر و قیمت کو دیکھتے ہوئے ریاستی بورڈ سنہ ۱۹۶۰ء ہی سے ان کی مدد کرتا آیا ہے — مراٹھی میں ایسے رسائل اور جرائد کی تعداد ۵۰ ہے جن میں سے کچھ مہاراشٹر کے باہر آندھرا، نئی دہلی، اور کرناٹک میں شائع کئے گئے ہیں۔

میں نئی تصنیفات

د کے لئے اِسکیم

کے متعلق ہونے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ
ب کہ اس نے نئے مصنفین کو امداد دینے
سے زیر عمل لانا شروع کیا۔ مہاراشٹر
کی نئی نسل کو پہلی مرتبہ یہ موقع
ی کتابیں چھپوائیں اور پھیلائیں۔ اب تک
اور ذہین عنصر گمنامی میں پڑا تھا۔ ان
سے ناول، مختصر کہانی، افسانہ،
ین، شاعری، فلمی خاکے، اسکٹ، اور
. غیرہ کو آگے بڑھایا۔ اور اس کے لئے
بس مناسب مالی امداد دی۔ جن کی تعداد
چکی ہے۔ ان نئے مصنفین سے موصولہ
ن سال تک ۳۰۰ کتابی صورت میں شائع

۱۹۸۰ء میں نئے ادیبوں سے امداد کی منظوری
ا پیاں ریاستی بورڈ کو ملی تھیں۔ ان
کتب کے لئے امداد منظور کی گئی ان کی تعداد

	کتابوں کی تعداد
	۱۴۳
	۱۷۲
	۱۱۵

سے سال وار ۱۱۹، ۶۳ اور ۲۸،

ئے ادیبوں کے لئے ورکشاپ

ع ہے جب کہ ریاستی بورڈ نے مراٹھی
لے ادیبوں کے لئے امداد و اعانت کی اسکیم
دیبوں کے استفادہ کے لئے ایک ورکشاپ
قائم کرنے کا پروگرام وضع کر کے اسے
عملی جامہ پہنایا۔

ڈاکٹر سریند رباربنگے، صدر مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف لٹریچر اینڈ کلچر کی دانش مندی کی بدولت اب ریاستی بورڈ کی سرگرمیاں منترالیہ میں محض دفتری کرسی تک ہی محدود نہیں رہیں۔ اب مہاراشٹر کے دیہی علاقوں میں بھی اسٹیٹ بورڈ کی زیر سرپرستی "لٹریری ورکشاپ" یعنی تربیت گاہوں کے ذریعے پڑھے لکھے نوجوانوں کا تربیت یافتہ طبقہ ابھر رہا ہے۔ ان تربیت گاہوں سے مہاراشٹر کے دور دراز یا آس پاس دیہی علاقوں میں نئے شوقین ادیبوں کو بھی یہ موقع ملا ہے کہ وہ ایک جگہ جمع ہوں ایک دوسرے کو جانیں پہچانیں۔ مہاراشٹر کے ممتاز ادیبوں، اور ماہرین تعلیم سے ملیں اور مراٹھی ادب کے مختلف پہلوؤں، اس کے ماضی، حال، اور مستقبل کے بارے میں، باہم تبادلۂ خیال اور بحث کریں۔ ریاست مہاراشٹر کے مختلف حصوں میں سال میں دو مرتبہ تربیت گاہ کے انعقاد کے لئے موزوں دیہی مقام منتخب کیا جاتا ہے اور نئے ادیبوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ ان تربیت گاہوں میں داخلہ کے لئے درخواستیں دیں۔ ہر ایک کیمپ پر تیس چالیس نئے ادیب داخل کئے جاتے ہیں۔ انہیں سفر اور قیام کے لئے تمام سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔ ریاستی بورڈ کے کسی ایک ادیب رکن سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اس تربیت گاہ کو چلائے جس کی مدت تقریباً پانچ دن ہوتی ہے۔ اب تک ریاستی بورڈ نے پرواراںگر (ضلع احمد نگر) ستارا، سانگلی، چپلون، خلدآباد، (اورنگ آباد ضلع میں) نولے گاؤں باندھ (ضلع بھنڈارا)، اور بورڈی (ضلع تھانے) میں سات ایسے ورکشاپ منعقد کئے۔ نئے ادیبوں نے ان سبھاؤں سے زبردست دلچسپی لی۔ ان کے ذریعہ مہاراشٹر کے دیہی اور نیم دیہی علاقوں میں سازگار ادبی فضا پیدا کرنے میں یقیناً بڑی مدد مل رہی ہے۔

محکمہ برائے منصوبہ جات ادب

یکم جنوری ۱۹۷۱ء سے ریاستی بورڈ کے ترجمہ کے محکمہ نے کام کرنا شروع کیا۔ ترجمہ کی اسکیم کے تحت ۳۰۰ خاص کتابیں مختلف مترجمین کو ترجمہ کے لئے دی گئیں۔ نومبر ۱۹۸۰ء

میں ریاستی بورڈ کی تقسیم اور تنظیم نو کے بعد ترجمہ کمیٹی کا نام بدل کر کمیٹی برائے منصوبہ جات ادب رکھا گیا۔

ڈاکٹر سریندر بارلنگے نے نام میں اس اصطلاحی تبدیلی کا مشورہ دیا تاکہ مذکورہ کمیٹی کے کام میں توسیع کی جا سکے۔ اس منصوبہ جاتی محکمہ کا دفتر پونے میں ہے۔ اب تک سلسلہ ترجمہ میں ننو کتابیں اور سلسلہ سائنس میں ۴۵ کتابیں شائع کی جا چکی ہے۔ اس کے علاوہ اس محکمہ نے تاریخ، اسپورٹس وغیرہ مختلف موضوعات پر دس کتابیں اور ادبی دستاویزات شائع کی ہیں۔

فیلو شپ اسکیم

مہاراشٹر میں ریاستی بورڈ کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں خاص طور سے قابل ذکر اسٹیٹ بورڈ کا فیلو شپ دینے کی اسکیم ہے جو سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء سے زیر عمل لائی گئی ہے۔ اس قابل فخر فیلو شپ کے لئے ادب و ثقافت کے میدان میں دو ممتاز شخصیتوں کو جنہوں نے اس میدان میں سودمند خدمات انجام دی ہوں اور اس مخصوص شعبے میں خود اپنی تخلیقات پیش کی ہوں۔ ہر سال یہ فیلو شپ دینے کے لئے چنا جاتا ہے۔ فیلو منتخب ہونے کے بعد انہیں عام تقریب میں ۱۰،۰۰۰ روپے مالیت کی فیلو شپ اور سند اعزازی سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اب تک حسب ذیل مراٹھی ادیبوں، شاعروں اور اسکالروں نے فیلو شپ حاصل کیا ہے۔

نمبر شمار	سال	ادیب کا نام
(۱)	۸۲ - ۱۹۸۱ء	(۱) شری نرائن سروے (۲) شری مادھو راؤ بگل
(۲)	۸۳ - ۱۹۸۲ء	(۱) شری بابو راؤ بگل (۲) ڈاکٹر آر۔ سی۔ پھیرے
(۳)	۸۴ - ۱۹۸۳ء	(۱) ڈاکٹر وی ای بی کوتے (۲) ڈاکٹر شریمتی سروجنی ما پر

یہ فیلو شپ دینے کے علاوہ اسٹیٹ بورڈ مہاراشٹر میں بزرگ اور مشہور و معروف ادبی اور سماجی شخصیتوں کی عزت افزائی کرتا ہے۔ خود ان کے گھر جا کر ان سے ملاقات کی جاتی ہے۔ ان کو روایتی شال اور شری پھل (ناریل) پیش کیا جاتا ہے۔ صدر، ڈاکٹر بارلنگے اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ ایسے وقت پر وہ خود موجود رہیں۔ اس طرح اب تک شریمتی آنند راسنت، مسٹر ایس۔ ایم۔ جوشی، وسنت شانتا رام ڈیسائی، ڈاکٹر جی۔ ایس۔ کھیرے، شنکر راؤ بھالے، این۔ ایس۔ پو ہنیکر، اننت راؤ اتھاولے، جی۔ ایچ۔ دیشپانڈے، مہامہو پادھیائے، وی۔ وی۔ میراشی اور مسٹر نیوگی کو اعزاز دیا گیا ہے۔

حال ہی میں ریاستی بورڈ نے ہندوستان کی مشہور ترین شاعرہ شریمتی امریتا پریتم کی سربراہی میں شری ترک تیرتھ لکشمن راؤ جوشی کو ۸۰ سالہ زندگی مہاراشٹر میں ادب و ثقافت کو فروغ دینے میں صرف کرنے پر مبارکبادیوں سے نوازا۔

مہاراشٹر میں پبلشروں کی کوآپریٹیو سوسائٹی اور ثقافتی مراکز کے قیام کی اسکیم

اسٹیٹ بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ مہاراشٹر میں ادیبوں ناشروں اور تقسیم کاروں کی کوآپریٹیو سوسائٹی قائم کی جائے تاکہ ادبی میدان میں یہ تین عناصر جن کا انحصار ایک دوسرے پر ہے، یکجا ہوں۔ اور عام قاری اور کتابوں کے شوقینوں کو نہ صرف اچھی معیاری ادبی کتابیں دستیاب ہوں۔ بلکہ ان کی قیمت بھی واجبی ہو اور یہ تینوں عناصر مالی طور سے گھاٹے میں نہ رہیں۔ یہ اسکیم حکومت مہاراشٹر کو غور کرنے کے لئے پیش کی گئی ہے۔ حکومت کی جانب سے اس کی منظوری اور اجازت ملتے ہی یہ اسکیم پوری طرح سے زیر عمل لائی جائے گی۔ یہ بھی تجویز ہے کہ مہاراشٹر بھر میں ۸۰ ثقافتی مراکز

(باقی صفحہ ۱۳۱ پر)

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

شکر کوآپریٹیوز
ہی علاقوں کی کامیابی کی ضامن

مہاراشٹر نے اپنے تشکیل کے ۲۵ سالوں
بعد کبھی مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا ہے بلکہ
اس نے بھارت میں امداد باہمی شکر کارخانوں
کے فروغ اور گنے کے حصول اور فی ہیکٹر ...
کرنے شکر کی پیداوار کسانوں کی بہبود کے
اسکیمات کو بھی اسکیمات میں نمایاں
اور فلاحی کاموں کے لئے عطیات دینے میں پیش پیش
رہی ہے ہیں۔ مہاراشٹر کے لئے فخر کی بات ہے
کہ ہمارے گنا اگانے والے اور امداد باہمی شکر کارخانے
ملک میں صنعتیں قائم کرنے میں امتیازی کردار ادا کر
رہے ہیں اور سلور جبلی سال کے دوران اس مدت
میں ہمارے کارکردگی کافی امیدافزا ترقی رہتا ہے۔۔

ں امدادِ باہمی شکر کارخانے کے بارے میں سُنا
ں کی معاشی حالت کو سدھارنے میں
ہے، میں دیگر ریاست کے عوام کو یہاں پر
یتا ہوں تاکہ وہ یہ دیکھ سکیں کہ کس طرح
تحریک تقویت پاکر کامیابی کی منزلوں کی
ی ہے۔ یہ تمام بھارت کے لئے ایک مثال
ہلے وزیراعظم اور ہمارے محبوب لیڈر
نہرو نے ریاست مہاراشٹر کا دورہ
ے شوگر کوآپریٹیو کا دورہ کرنے کے بعد وہاں
ں یہ تحریر فرمایا۔ اس کارخانے کا بانی ایک
ن ہے لیکن وہ اپنی دھن کا پکا ہے۔ شری
پاٹل (جنہیں بعد میں پدم شری سے نوازا گیا)

نہ صرف امدادِ باہمی شکر کارخانے کے بانی ہیں بلکہ وہ ریاست
میں امدادِ باہمی شکر تحریک کے معماروں میں سے بھی ہیں۔

ہماری ریاست نے اپنی تشکیل کے ۲۵ سالوں کے دوران
کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور بھارت میں امداد باہمی شکر
کارخانوں کے قیام میں سرفہرست رہی۔

شکر کوآپریٹیو نے اپنی اہمیت جتا دی ہے اور ہماری
قوم کی تعمیر میں اپنا بھرپور تعاون دیا ہے۔ یہ فخر کی بات ہے
کہ شکر کوآپریٹیو کاموں کے میدان میں ریاست نے ہمیشہ
رہنمائی کی ہے۔ ان کوآپریٹیوز نے دیہی علاقوں کی ترقی
کی ضرورت کو پورا کرنے میں اپنا بھرپور تعاون دیا ہے۔ ریاست
میں شکر کوآپریٹیو کے کاموں کی وجہ سے عوامی زندگی خوشحالی
کے راستوں پر گامزن ہے۔

علاقہ میں (مہاراشٹر اسٹیٹ) گذشتہ پانچ دہائیوں میں شکر صنعت کی ترقی اور خاص طور سے ۲۵ سالوں کے دوران ہوئی ترقی قابل ذکر ہے جس سے یہ کوآپریٹیوز نے دیہاتی ترغیبات و یہاں کے معیار زندگی کو بلند کرنے میں خاص کردار ادا کر رہی ہیں۔

تاریخی پس منظر:-

بمبئی میں دکن آبپاشی نہروں کی تعمیر میں اس صدی کی دوسری دہائی کے دوران اس کام کے تئیں دی جانے والی امداد کا بد قسمتی سے اس وقت مروجہ شرائط کی وجہ سے کسانوں نے نہر نظام سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ آب پاشی کا پانی ضائع ہوجاتا تھا۔ زمین پر پانی بہتا رہتا تھا جس کی وجہ سے پانی میں نمک شامل ہوگیا تھا۔

اس مسئلہ سے نمٹنے کے لئے حکومت نے کامت کمیٹی کی سفارشات منظور کرلیں۔ صنعت کاروں کو شکر کارخانے قائم کرنے کی دعوت دی۔ صنعت کاروں کو اس سلسلے میں ہر طرح کی مدد کی یقین دہانی کی گئی۔ جیسا کہ کامت کمیٹی نے کارخانوں کی ضرورت کے لئے درکار خام مال کی اہمیت پر زور دیا تھا اور گنے کی کاشت کو جدید طریقہ کار سے کرنے کی صلاح دی تھی۔ اس طرح سے مہاراشٹر دکن میں شکر صنعت کو فروغ حاصل ہوا۔

اس بات کی کریڈٹ جوائنٹ کمپنیز کو دی جانی چاہیئے جس نے زمین کی نمکینی دور کرنے کے اقدامات کئے تاکہ گنے کی فصل کی کاشت کی جا سکے۔ گنے کی ترقی کے لئے کھیت، گنے کی اقسام اور جدید طریقہ کار کو اپنانے اور ضروری ریسرچ کام پر کروڑوں روپے خرچ کئے گئے جس سے ہزاروں بے روزگاروں کو کام دیا گیا۔ کھیت کے مزدور کارخانوں کے ملازمین اجرت اور سہولت حاصل کر سکتے ہیں۔ گنے کی نقل و حمل کے لئے نئی سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ مواصلاتی نظام کو سدھارا گیا۔ اس کے بعد تعلیمی ادارے، ہسپتال، مارکیٹ وجود میں آئے۔

جدید تکنیک سے کھیتوں کو آراستہ کیا گیا۔

آزادی کے بعد امداد باہمی شکر کارخانوں کے قیام کا خیال آیا۔ ۱۹۵۰ء میں مہاراشٹر میں ایسا پہلا کارخانہ قائم کیا گیا تھا۔ ماہر معاشیات اور پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیرمین آنجہانی دھانجیا راؤ گاڈگل نے اس کی منصوبہ بندی کی اور اس اسکیم پر کامیابی کے ساتھ عمل آوری آنجہانی پدم وٹھل پاٹل جو کہ ایک کسان تھے انہوں نے کی۔

حکومت ہند کی یہ پالیسی ہے کہ شکر کے نئے یونٹو کو لائسنس دیتے ہیں، ترجیح امداد باہمی اداروں کو دی جانی چاہیئے اور اس پالیسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی جوائنٹ اسٹاک کمپنیز یا جوائنٹ سیکٹر تنظیموں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اور مہاراشٹر نے اس سہولت سے فائدہ اٹھا گذشتہ ۲۵ سالوں میں ۲۷ مزید شکر امداد باہمی کارخانے مہاراشٹر میں قائم کئے۔ اس طرح سے ۱۳ جوائنٹ اسٹاک کمپنیز کی تعداد گھٹ کر ۹ تک رہ گئی۔ اور دیگر امداد باہمی کارخانوں میں تبدیل ہوگئیں۔

مہاراشٹر میں شکر کارخانوں کا پھیلاؤ

پیداوار میں ہوئے کارخانوں کی تعداد

سال	کوآپریٹیو	جوائنٹ اسٹاک	ممبر
۱۹۵۰-۵۱ء	۱	۱۲	۴۹۰
۱۹۵۵-۵۶ء	۲	۱۳	۶۰۴
۱۹۶۰-۶۱ء	۱۴	۱۳	۲,۲۱۱
۱۹۶۵-۶۶ء	۲۰	۱۲	۸۲۳و
۱۹۷۰-۷۱ء	۳۰	۱۱	۵۳۹و
۱۹۷۵-۷۶ء	۴۵	۱۰	۰,۰۰۰
۱۹۸۰-۸۱ء	۶۷	۱۰	۶,۰۰۰
۱۹۸۴-۸۵ء	۷۲	۹	۰۰۰و

ل فیڈریشن آف کوآپریٹیو شوگر فیکٹریز
راجیہ سہکاری ساکھر کارخانہ سنگھ۔ ممبئی۔
ت)

ریٹیو کے معاملہ میں گنے کی پیداوار کرنے
بن سکتے۔ شیئر ہولڈروں کی جانب سے
وں کو ۹۰ فیصد گنے سپلائی کرنے ہوتے
کا علاقہ ۲۵ کلومیٹر کی حد میں ہوتا ہے۔
شکر امدادِ باہمی کارخانوں کو بے شمار سہولتیں

ی حالت :-

اراشٹر میں تقریباً ۲٫۳ لاکھ ہیکٹرس
مت کی گئی ہے۔ اور اس فصل کے لیے
۱ لاکھ ہیکٹرس پر کاشت کی جائے گی۔
شکر کے کارخانے ہیں، جن میں سے ۸۳
زشتہ سال بھارت میں گنے کی کل پیداوار
ں میں مہاراشٹر کا حصہ ۴ کروڑ ٹن تھا۔

درکرنا ملک شکر پیدا کرنے والی ریاستیں
ان، ایم۔پی، اے پی، تاملناڈو، اور
شکر پیدا کرنے والی ریاستیں ہیں۔ مہاراشٹر
قابلیت کا اس بات سے اندازہ لگایا
ر میں ۲۰۔۱۰ فیصد شکر پیدا کی جاتی ہے
۱۳۔۱۱ فیصد شکر پیدا کی جاتی ہے —
ہیکٹر پر ۹۰ ٹن اگایا جاتا ہے جبکہ تمام
کا اوسط آتا ہے۔ اس بات میں کسی طرح
کہ یہ ریاست ۱/۲ فیصد ملک کو درکار
ہے۔

کات :-

دارے شکر کے میدان میں بہت آگے

بڑھ چکے ہیں۔ اور مہاراشٹر میں کافی وسعت حاصل کر چکے ہیں ان کی اس قوت اور عمدہ کارکردگی کی وجہ سے ان کے خلاف لگائے گئے بہت سے الزامات غلط ثابت ہوئے۔ ان کے علاقہ میں گنے کی ترقی کے یہ خاص نکات ہیں وہ اپنی ترقیات کے لئے مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ گنے کی پیداوار کے لئے شکر امدادِ باہمی جدید طریقے اپناتی ہے۔

مخصوص سرگرمیاں :-

مہاراشٹر میں منظم طور پر کھیتوں سے گنے کی فراہمی امدادِ باہمی کارخانوں کی طرف سے کی جاتی ہے۔ اس نظام کے تحت فصل کے طازمین کا انتظام اور ان کی اجرت کی ادائیگی فیکٹری مینجمنٹ کی طرف سے کی جاتی ہے۔ اور فصل کو بہترین طریقہ پر اگایا جاتا ہے۔ گنے کی نقل و حمل کے اخراجات فیکٹری برداشت کرتی ہے جس کے خاص فائدے یہاں اس طرح سے ہیں۔

(۱) گنے سے زیادہ سے زیادہ رس حاصل کرنے کے طریقہ استعمال کیے جاتے ہیں۔

(۲) گنے کی کٹائی اور اس کے پھیلنے کے درمیان وقت کی بچت۔

(۳) گنے کی کاشت کاروں کے فصل اگانے اور اس کے ٹرانسپورٹ کے مسئلہ کو حل کرنے میں تعاون دینا۔

مہاراشٹر شکر کوآپریٹیو ریسرچ کی اہمیت کو بخوبی سمجھتی ہے۔ اور اسی سلسلے کے طور پر دکن شوگر انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس پروجیکٹ پر تقریباً ۵ کروڑ روپے کی لاگت آئی ہے۔ شکر امدادِ باہمی کارخانوں کے ترقی پذیر اپچار نج کی یہ اعلیٰ ظرفی رہی ہے کہ انہوں نے گنے کے چھوٹے کاشتکاروں کو کبھی نظرانداز نہیں کیا۔ ہے اور ہر موڑ پر ان کی رہنمائی کی ہے۔

کی جاتی ہے۔ کچھ کوآپریٹیو اپنا خود ڈیری فارس فیشرز یونٹ، پولٹری بزنس کرتی ہیں۔

امداد باہمی کو پرموٹروں اور ڈائرکٹروں کی جانب سے پالی ٹیکنیک اور انجینئرنگ، میڈیکل کالجیس وغیرہ قائم کئے جاتے ہیں تاکہ کسانوں کے بیٹے اس سے فائدہ حاصل کرسکیں۔

کارخانوں کے ملازمین کو نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ انہیں مرکزی اُجرت بورڈ کی سفارشات کے مطابق اجرت دی جاتی ہے۔ پروفیشنل مینجر اور ٹیکنیکل ماہرین کے کاموں میں مداخلت نہیں کی جاتی۔ گنے کی پیداوار کرنے والوں کو کوآپریٹیو کی طرف سے حکومت سے مقرر کردہ قیمت ادا کی جاتی ہے۔

امداد باہمی کارخانے شروع میں محدود پیمانے پر جاری کئے جاتے ہیں ان کوآپریٹیو کے ۸۶ ممبران کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ ان کے پاس ایک ہیکٹر سے بھی کم زمین ہے۔

اگریکلچرل پرائز کمیشن نے گنے کی اقل ترین شرح مقرر کی ہے۔ گنے سے شکر بنانے کی اُجرت میں گنے کی نقل و حمل، ترقی کے مراکز کا خرچ، کارخانوں کے مختلف شعبوں



سماجی ومعاشی ترقی :-

سماجی ومعاشی طور پر ترقی کی ذمہ داری سے شکر امداد باہمی کارخانے پوری طرح سے واقف ہیں۔ ممبران کی جانب سے فی ٹن ۵ روپے کاٹ کر اس مقصد کے تحت جمع کیا جاتا ہے اور اس اسکیم کے تحت ملک میں شکر امداد باہمی کارخانوں کے لئے ۲۰۰ کروڑ روپے خرچ کئے جاچکے ہیں۔ جن علاقوں میں شکر کے کارخانے قائم کئے جاچکے ہیں۔ وہاں پختہ سڑکیں، پوسٹ، اور دیگر مواصلات، الیکٹرک سٹی، پینے کے پانی کی فراہمی، اسکول، کالجس، ہسپتال، اور نرسنگ ہوم، دکانیں اور مارکیٹیں، چھوٹے پیمانے اور کاٹیج انڈسٹریز ان ہی کارخانوں کی بدولت قائم کی گئی ہیں۔
آب پاشی پر بھی خاص توجہ دی گئی ہے

گوشوارہ ۲

مہاراشٹر کوآپریٹیو کی جانب سے پانی کی فراہمی پر خرچ کی گئی رقم

(۱) کنوؤں کی تعمیر	تقریباً ۲۱۰۰۰ کنوئیں
(۲) پمپوں کی فراہمی	تقریباً ۲۴۶۰۰۰ پمپس
(۳) الیکٹریکل موٹر سے سپلائی	تقریباً ۶۰۰۰۰ موٹرس
(۴) لفٹ آبپاشی اسکیمات	تقریباً ۴۰۰
(۵) لفٹ آبپاشی اسکیم پر خرچ	۲۰۵ کروڑ روپے سے زیادہ
(۶) پینے کے پانی کی فراہمی	- - ۶ - -

کسانوں اور ان کے خاندان کے افراد کی صحت کی نگرانی ان کوآپریٹیو کی ذمہ داری ہوتی ہے جو کہ مفت دواخانے قائم کرکے پوری کی جاتی ہے۔ علاقائی نمائندگی کی ہمت افزائی

گوشوارہ ۳

علاقہ	۱ ہیکٹر	۲ ہیکٹر	۳ ہیکٹر	۴ ہیکٹر	۵ ہیکٹر	دیگر
(الف) ڈائرکٹران کا اوسط	۲۰،۹۳	۱۹،۳۸	۱۴،۹۳	۱۳،۳۱	۹،۹۵	۱۹،۵۰
(ب) ممبران کا اوسط	۷۰،۴۷	۲۶،۲۸	۱۲،۴۷	۶،۱۶	۳،۴۵	۳،۹۴

کے اخراجات تنخواہوں، اجرت مدت پیکینگ، فروخت کے اخراجات وغیرہ شامل ہیں۔

یہ سارے مہاراشٹر کے لئے فخر کی بات ہے کہ ہمارے گنے کی کاشت کرنے والے اور شکر کوآپریٹیو ملک میں صنعتیں قائم کرنے میں ایک خاص کردار ادا کر رہے ہیں اور سلور جوبلی تقریباً کے سال پر جب ہم ان کی کارکردگی پر نظر ڈالتے ہیں تو اس دوران ان کی کارکردگی پر ہمیں اطمینان ہوتا ہے۔

شکر صنعتوں کے بارے میں جانکاری

۱:۔ شکر کارخانوں کی تعداد ۸۴-۸۳ء

بھارت ——— ۳۲۵

مہاراشٹر ——— ۸۳

۲:۔ شکر کی پیداوار (۸۴-۸۳ء)

بھارت ۵۹،۱۷ لاکھ ایم ٹی

مہاراشٹر ۱۹،۹۳ لاکھ ایم ٹی

۳:۔ شکر کی وصولیابی زیادہ سے زیادہ کم از کم اوسط

بھارت (ریاستوں کیلئے) ۱۱،۱۳ ۷،۷۲ ۱۰،۰۲

مہاراشٹر (کارخانوں کیلئے) ۱۲،۲۷ ۸،۹۸ ۱۱،۱۳

۴:۔ شکر کی پیداوار کا عالمی ریکارڈ

بھارت (۸۲-۸۱ء) ۸۴ لاکھ ایم ٹی سے زائد

۵:۔ پسماندہ طبقات کے لئے روزگار

سہواڈ مالی فیکٹری میں زیادہ سے زیادہ ۵۰،۹۱ فیصد

ناسک کوآپریٹیو فیکٹری میں کم از کم ۲۰،۳۷ فیصد

۶:۔ گنے کی فصل میں زیر کاشت علاقہ

بھارت ۲۶۴۸،۰۰۰ ہیکٹرس

مہاراشٹر ۲۵۶،۰۰۰ ہیکٹرس

۷:۔ فی ہیکٹر میں گنے کا اوسط

بھارت ۴۲ ایم ٹی

مہاراشٹر ۹۰ ایم ٹی

۸:۔ فلاحی کاموں کیلئے شکر کوآپریٹو کے عطیات

چھوٹی بچت اسکیمات ۱۳۲ لاکھ روپے سے زیادہ

ڈیفنس فنڈ ۷۷ لاکھ روپے سے زیادہ

کوئنا ریلیف فنڈ ۹۰،۷۵ لاکھ روپے

وزیر اعلیٰ خشک سالی راحت فنڈ ۳۶۱،۰۹ لاکھ روپے

تعلیم ۱۲۶،۲۵ لاکھ روپے

میڈیکل ریلیف ۵۷،۴۵ لاکھ روپے

نوٹ:۔

یہ اعداد و شمار سال برائے ۸۲-۱۹۸۱ء کے ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂



• گیانیشور ناڈکرنی

مراٹھی ڈراما پیش قدمی اور تصورِ ماضی

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

مراٹھی تھیئٹر گذشتہ پچیس ۲۵ برسوں میں مستقل ترقی کی راہ پر گامزن رہا ہے۔ مراٹھی کے مشہور و معروف ڈرامہ نگار کا جشن صد سالہ جو ابھی پچھلے دنوں منایا گیا، مراٹھی اسٹیج کی ترقی اور عروج کی بلندیوں کی داستان بیان کرتا ہے۔ جو اس نے حکومتِ مہاراشٹر کے قیام کے بعد گذشتہ پچیس ۲۵ برسوں میں کی ہے۔ یہاں مصنف اس مختصر سے مضمون میں مراٹھی ڈرامے کی نشوونما کا جائزہ لے رہا ہے

حکومتِ مہاراشٹر کے قیام کو پچیس ۲۵ سال گزر چکے ہیں۔ اس دور میں مراٹھی تھیئٹر نے مستقل ترقی کی ہے لیکن یہاں ہمیں مراٹھی اسٹیج کی گذشتہ پچاس سالہ تاریخ کے پس منظر میں اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ حکومت مہاراشٹر کے قیام کے پچیس سالہ دور میں مراٹھی اسٹیج نشوونما اور ارتقاء کے کن کن مراحل سے گذرا ہے۔

مراٹھی تھیئٹر کا جشن صدسالہ

۱۹۴۳ء میں مراٹھی ڈرامے کے چاہنے والوں نے یہ ارادہ اور فیصلہ کیا کہ مراٹھی ڈرامے کا جشن صدسالہ منایا جائے۔ شری وشنو داس بھاوے کو مراٹھی ڈرامے کا بانی تصور کیا جاتا ہے جنہوں نے ۱۸۴۳ء میں سانگلی میں اپنا پہلا راہنما ڈراما "سیتا سوئمبر" اسٹیج پر پیش کیا۔ یہی وہ کارنامہ ثابت ہوا، جس نے بمبئی، پونہ، سانگلی اور دیگر کئی شہروں میں، مراٹھی ڈرامے کے سالانہ اجلاس کا ایک یادگار سلسلہ شروع کر دیا۔

صدسالہ جشن کا انعقاد بمبئی میں "ممبئی مراٹھی ساہتیہ سنگھ" کے رکنِ اعلیٰ آنجہانی ڈاکٹر اے۔ این۔ بھالے راؤ کی طرف سے عمل میں لایا گیا۔ انجام کار سنگھ نے گرگام مراٹھی داں علاقہ میں، ایک وسیع و عریض پنڈال میں سالانہ جشن کا انعقاد کیا۔ اس طرح منعقد ہونے والے تمام سالانہ اجلاس انتہائی کامیاب رہے۔ اس طرح سے بھالے راؤ نے کچھ اعلیٰ پیشہ ورانہ مراٹھی تھیئٹروں کو پرانے ڈراموں کی تجدید اور نئے ڈراموں کی پیشکش کاری سے آراستہ و پیراستہ کیا۔ جس کے نتیجے میں بال گندھرو، کیشو راؤ داتے، نانا صاحب فاٹک، ہیرا بائی بڑودیکر اور دیگر کئی اعلیٰ فنکار، کرلوسکر، دیول، کھاڈیلکر

امور) نے توسط سے عوام کے سامنے آئے۔
مراٹھی ڈرا‌ٹ کے سٹ اتقین سالانہ اجلاس
ے گے۔ اور اننت کانیکر، مادھو منوہر،
شیرواڈکر جیسے ادیبوں اور ڈرامے
، مقصد کے عین مطابق، اس کی ترقی میں
کیا۔ بے شمار نئے اور اچھوتے ڈرامے
اور ان کو کامیاب طریقہ پر پیش کیا گیا۔
صدی کی پچھلی تیسری اور چوتھی دہائی
قدرے زوال پذیر رہا۔ ... کے نتیجہ
سیر نو عروج اور ترقی کے پیش نظر' اداکاروں
سسٹم' کے مطابق معاوضہ دینے کا رواج
اکٹر بھالے راؤ نے اسی قسم کی اصلاحات
م بڑھایا۔ حالانکہ مراٹھی اسٹیج پر اب
ظام میں کوئی تبدیلی عمل میں نہیں آئی تھی۔
ڈرامہ کمپنیوں نے تنخواہ کے نظام کو بدل کر
سسٹم"، کو اپنا طریقۂ کار بنانا شروع کر دیا۔
ساہتیہ سنگھ کے سالانہ اجلاس
ڈرامے کی دنیا میں کئی نئے نئے فنکار وجود
ن اصل میں مراٹھی ڈرامہ' موجودہ صدی
میں ہی، کچھ تازہ اور نئے رجحانات اور میلانات
ہوا۔ دو لسانی بمبئی کی ریاستی حکومت پہلے
کے نام سے سالانہ ڈرامائی مقابلوں کا اجراء
وقت کے ساتھ ساتھ یہ مقابلے خاطر خواہ
یار رہے تھے۔ اور فی زمانہ تو یہ جشن'
یقیانہ'، اور "ہندی ڈرامہ"، جیسی مختلف شاخوں
لگے ہیں۔
دیکھتے ہیں کہ نئے باصلاحیت فنکار، جو ان
ی اجلاس کے سہارے کامیابی کی بلندیوں
۔ آج کے اصل اسٹیج کی حدود میں مقیّد
ہیں۔ ڈرامہ نگاروں کی نئی نسل بھی نئے
ارتقاء میں ہر ممکن تعاون کر رہی ہے۔ ان دنوں
، ملک کے دوسرے علاقوں کے برخلاف
(بالخصوص مراٹھی ڈرامہ نگاری) بڑی تیزی
قی کر رہی ہے۔

عہدِ جدید

تقریباً تیس سال پہلے ہمیں وجے تینڈولکر، جیسے بلند پایہ ڈرامہ نگار میسر آئے۔ جنہوں نے مراٹھی تھیٹر کو بیک وقت معیاری ایکبابی اور طویل ڈرامے دیئے۔ ان میں سے بیشتر تخلیقات، وجے مہتہ نے کامیاب طریقہ پر اسٹیج پر پیش کیں۔ اور ان میں، اہم کردار ادا کئے۔

اس دور کے ابتدائی برسوں میں تینڈولکر نے "عام آدمی" کی زندگی کی پائمالی اور خستہ حالی کی عکاسی کی ہے۔ لیکن آج ایک طویل عرصہ کے بعد، انہوں نے اپنے ڈرامہ نگاری کا رخ، زندگی کے متعلقہ مختلف سماجی اور ثقافتی تحریکوں کے اظہار کی طرف موڑ دیا ہے۔ "گدھا ڈے" (گدھ) "سکھارام بائنڈر"، اور "گھاشی رام کوتوال"، اس کی روشن مثالیں ہیں۔

اسی اثناء میں، ودیادھر گوکھلے، پیشہ ورانہ اسٹیج پر، موسیقیانہ۔ ڈرامے لے کر آئے۔ "سورن تلا"، اور "مندار مالا"، جیسے ڈراموں میں گوکھلے نے کرلوسکر اور کھاڈیلکر کو، فنی تمثیل اور نمونہ کی شکل میں اپنے سامنے رکھا ہے۔ ان کے بعد آنے والے برسوں میں "پرشوتم دار ھونیکر نے "کیٹار کلیجات گھسلی"، جیسا شاندار موسیقی آمیز ڈرامہ پیش کر کے عظیم کامیابی حاصل کی۔ یہ ڈرامہ مرحوم وسنت راؤ دیشپانڈے کی منفرد اور بے مثال اداکاری کا یادگار نمونہ ہے۔ لیکن مجموعی حیثیت سے، مراٹھی موسیقی آمیز ڈرامہ متواتر عروج و زوال سے دوچار رہا ہے۔

وسنت کانیٹکر، جن کی ان دنوں کافی مانگ رہی ہے۔ ریاستی حکومت کے ڈراموں کے جشن کے لئے، ڈرامہ نگاری کا آغاز کیا۔ ان کے "دیدیا چے گھر اُنہات" کے اداکار بھالبا کیلکر اور شری رام لاگو، دونوں ہی آج کے مراٹھی تھیٹر کے انتہائی آزمودہ کار اور منجھے ہوئے اداکار تسلیم کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد کانیٹکر نے مراٹھی اسٹیج کے لئے موزوں اور کارآمد ڈراموں کی تخلیق کا ایک طویل سلسلہ ہی شروع کر دیا۔ جن میں "رائے گڈھالا" جینہوا جاگ ییتے" خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ڈرامہ شیواجی اور سمبھاجی کے رشتہ سے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ

اُن کے ڈراموں میں، سب سے پہلا ڈرامہ "ہمالیا چی ساولی" ایک اپنی اہمیت رکھتا ہے۔ جو اہلِ مہاراشٹر کی عظمت کا اظہار کرتا ہے۔

بال کولہٹکر اور مدھوسدن کالیکر بھی مراٹھی کے مقبول و معروف ڈرامہ نگار ہیں۔ ان دونوں کے موضوعات میں یوں تو امتیازی فرق ہے لیکن ان کا تاثر، بنیادی طور پر، اہلِ مہاراشٹر کے روایتی گھریلو زندگی اور اس کے مزاج کی ترجمانی کا ہی دوسرا پہلو ہے۔ ایک اور ڈرامہ نگار جنہوں نے ڈرامہ نگاری کی ابتداء تو رسمی طور پر کی، لیکن تھیئٹر کی تشکیل میں اختراع اور جدت پیدا کی۔ پی۔ ایل۔ دیشپانڈے ہیں۔ اُن کی تخلیق "تژہے آہے تجھیا پاشی" ایک ڈرامہ کیا۔ ایک شاندار ہجو ہے۔ جس میں ایک کٹر آچاریہ کے مقابلے میں ایک بوڑھے عیش و عشرت کو طنز و مزاح کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ بعدہٗ پی۔ ایل نے اپنی ہی طنز و مزاح سے پُر تخلیقات سے ہی مختلف اقتباسات اخذ کر کے ڈرامائی شکل میں اسٹیج پر پیش کئے اور اپنے طنزیہ اور ہجویہ خاکوں کی مضحکہ خیز انداز میں عکاسی کی۔

دیگر مقبول ڈرامہ نگار جو غیر پیشہ ورانہ تھیئٹر سے اُبھرے ان میں رتناکر متکری، سریش کھرے، ایس۔ این۔ نورے اور جے ونت دلوی خاص ہیں۔

متکری یکبابی ڈراموں اور بچوں کی تمثیلوں کے مشاق خالق ہیں — وہ بہت پہلے ہی بالغوں اور جوانوں کے لئے لکھے جانے والے ڈراموں کی تخلیق سے فارغ ہوئے تھے۔ جن میں ایک عصری تخلیق، "لوک کتھا ۱۹۷۸ء" قابلِ ذکر ہے۔ جو مراٹھواڑہ کی ایک زنا بالجبر کی واردات پر مبنی ہے — اور جس میں تھیئٹر کی زبان اور مزاج کی ہمہ رنگی اور ہمہ گیری یکجا نظر آتی ہیں — سریش کھرے کے جذبات انگیز ڈراموں کی طرف زیادہ جھکاؤ رہا۔ جبکہ نورے کے شائقین نے ان کے ڈراموں کے خوبصورت انداز میں گندھے ہوئے پلاٹ اور ان کے خاکوں کو زیادہ پسند کیا۔ دلوی نے "سندھیا چھایا" سے ڈرامہ نگاری کی کامیاب ابتداء کی۔ "سندھیا چھایا" کے کردار ہیں ایک تنہا۔ بوڑھا، جوڑا اور ایک بیرسٹر۔ اس کی کہانی ہیرو کی ایک مرکب اور پیچیدہ کہانی ہے۔ غرض یہ تمام چیزیں پیشہ ورانہ اسٹیج کی نئی تشکیل بے حد مددگار ثابت ہوئیں۔ اور انہیں چیزوں نے اسٹیج اور ڈرامے کے ادبی معیار کو بلند کیا۔

اگر ہم تھیئٹر کی شکل اور ساخت کی بات کریں، تو مزاحیہ نقال، بلبن پربھو کو جن سے مراٹھی تھیئٹر کو اداکار اور ہدایت کار آتمارام بھینڈے نے روشناس کرایا اس بات کا اعزاز دینا چاہیئے کہ انہوں نے مراٹھی تھیئٹر میں مزاحیہ، سوانگ بھری نقالی کی تجدید کی۔ ایک عرصہ تک، بھینڈے۔ پربھو، اس جوڑی کو ایک ساتھ اسٹیج پر دیکھ کر شائقین بے پناہ لطف اٹھاتے رہے۔ جو انداز انہوں نے پیدا کیا، آج تک ڈرامہ نگار، اور مزاحیہ اداکار اس کی کشش کو محسوس اور تسلیم کرتے ہیں۔

بعض ڈرامہ نگار، مراٹھی تھیئٹر کی دنیا میں اپنا ایک منفرد حیثیت اور مقام رکھتے ہیں۔ انہیں میں سے ایک وی۔ وی۔ شراوڈکر ہیں۔ یوں تو شراوڈکر نے مختلف انداز کی تمثیلیں مراٹھی اسٹیج کو دیں۔ لیکن ان کا "نٹ سمراٹ" مراٹھی اسٹیج پر ایک ضرب کاری اور مراٹھی تھیئٹر کے لئے ایک چیلنج ثابت ہوا ---- "نٹ سمراٹ" مراٹھی اسٹیج سے سبکدوش ہو جانے والے ایک بوڑھے اداکار کی زندگی کا درد انگیز المیہ ہے۔ ڈرامے کے شائقین اپنے ذوق اور رجحان کے مطابق لکھی گئی سنجیدہ تمثیلات کا بھی ہمیشہ خیر مقدم کرتے رہے ہیں۔ اور اسی لئے انہوں نے دشنو بید ٹنیکر کا تحریر کردہ اور انہیں کی ہدایت میں تیار کیا گیا یادگار ڈرامہ "تلک آنی آگرکر" سر آنکھوں پر لیا۔ اس کی اہم وجہ یہ بھی ہے کہ یہ ڈرامہ ان کے دو محبوب و مقبول سیاسی رہنماؤں کی زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔ پی۔ ایس بھادرے کے ڈراموں میں، "مہارانی پدمنی" ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس میں مہارانی پدمنی، ہمیں قومی یک جہتی کا پیغام دیتی ہیں۔

کم و بیش گذشتہ پچیس ۲۵ برسوں سے، ہم مراٹھی اسٹیج پر "تھسپس" کی طرح عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے بے شمار لوگوں کو دیکھ پا رہے ہیں۔ جن میں سے دتا بھٹ، ستیش دبھاشی اور شانتا جوگ جیسی ہستیاں ہم سے بچھڑ بھی چکی ہیں۔ پھر بھی پربھاکر پانشی کر،

کاسی ناتھ ٹھاسیکر اور بسونت دت
ں، ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، ان
ں کو زندہ اور برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ آج
ر بھی تھیٹر اور اسٹیج کے اعلیٰ فنکاروں
ر رہی ہے۔ جیسے وکرم گوکھلے، جو ایک
ہیں۔ شری رام لاگو، جو مراٹھی اسٹیج کے
ی ہیں۔ اچھے ڈاکٹر بھی ہیں۔ اسی طرح، نئی پود
ں اور فنکاروں میں کئی ایسے ہیں، جو اپنی
کے تحت اپنے فن کے بامِ عروج پر پہنچانے
ل جدّوجہد کر رہے ہیں۔ ایسے فنکاروں
ے اور ریما لاگو کی مثالیں انتہائی
ں کی جاتی ہیں۔ جنہوں نے مراٹھی اسٹیج کے
، ہندی اسٹیج پر بھی اپنا ایک خاص مقام

ا تی تھیٹر

رس پہلے، وجے مہتہ، "رنگاین" نام سے
بڑی کامیابی کے ساتھ چلا رہے تھے،
دی مقاصد میں یہ ایک اہم ترین مقصد تھا کہ
طیفہ میں ایک امتزاجِ باہمی پیدا کیا جائے
ی اور نظم خوانی بھی "رنگاین" کے اہم
ل رہی ہیں۔ "رنگاین" بنیادی تھیٹروں میں
مے بھی اسٹیج کرتے تھے اور تجرباتی تھارت
تاب" بھی چلاتے تھے۔ اس ادارہ سے
ا ٹونڈ اور سلبھا دیشپانڈے نے
ائم کیا۔ چھبیل داس ہائی اسکول، دادر کا ہال
ور تجرباتی میدان کارزار تھا۔ کئی برس تک
ریک کے تحت، یہ ادارہ کافی تیز روی اور
ساتھ کام کرتا رہا۔ اور یہاں مختلف فنی
ی تجرباتی تمثیلیں پیش کیں۔ جن میں امول پالیکر
ور ستیہ دیو دوبے کے پیش کردہ تمثیلیں
برس نہیں بھلائی جاسکیں گی۔ کیونکہ یہاں
ں ان کی جدّوجہد میں، فنی اختراع

ے ... جذبہ کا خوبصورت مظاہرہ تھا۔ یہ ...
انہیں فنکاروں کی نوعمر اور نوجوان ذہانت اور قابلیت
تھی۔ جو آنے والے وقت میں، حکومت کی طرف سے
انعقاد پذیر سالانہ ڈرامائی اجلاس میں بہر طور ممد و معاون
ثابت ہوئی۔

صالح میلانات۔ اعلیٰ قدریں

گذشتہ پچیس ۲۵ برسوں میں، مراٹھی تھیٹر
کی زندگی میں دو اعلیٰ قدروں کا مظاہرہ اور مشاہدہ
کیا گیا ہے۔

اوّل یہ، ہم تمثیلوں کے توسط سے مختلف علاقوں
کی مختلف زبانوں کا باہم مبادلہ کرتے ہیں۔ اس کی
شہادت اس بات سے دی جاسکتی ہے کہ ایک طرف
بنگلہ کے بادل سرکار، کنڑ کے گریش کرناڈ اور ہندی
کے موہن راکیش کے ڈرامے بڑے پیمانہ پر مراٹھی میں
ترجمہ کئے گئے ہیں۔ تو دوسری طرف، تینڈولکر،
کھانولکر، ستیش النیکر، راجیوت وزے اور مہیش
ایلکنچوار کی کئی تمثیلیں ہندی میں تجرباتی طور پر ڈھال
گئی ہیں۔ یہ نئے تمثیل نگار گویا اپنے تمثیلی تجربات
کے ماتحت، ایک ایسی قطعی نئی پود کو جنم دیتے ہیں،
جو تمثیلی موضوعات، تھیٹر کی نئی تشکیل اور تمثیلی
تخلیقات میں نئی قدروں کا اختراع کرتی ہے۔ ایسے
ہی میں کھانولکر جیسا عظیم فنکار ہمیں چھوڑ گیا جبکہ
ہمیں اس کی نہایت شدید ضرورت تھی۔ اور کھانولکر
کے بعد، یہ بات بھی قدرے افسوسناک ہے کہ
... ندہ فنکار، مراٹھی تھیٹر کو خاطر خواہ بارآور
نہیں کر سکے۔ اور بدبختی دیکھئے کہ انہوں نے تینڈولکر
کی ادبی رہنمائی کی ہدایت کو بھی قبول نہیں کیا۔ جبکہ
ہندی اسٹیج نے مقابلتاً پہلے ان کا اور ان کی اعلیٰ
تخلیقات کا پہلے خیر مقدم کیا۔

دوسری قدر تمثیل نگاری کے ان ترقی پذیر اوصاف
سے تعلق رکھتی ہے جو ہمارے عوامی تھیٹر یا لوک منچ سے
وابستہ ہے۔ آزادی کے بعد کے برسوں میں، مراٹھی تماشہ،

ہیئت میں جزوی تبدیلی رونما ہوئی۔ اور انہوں نے اپنا رخ، موضوعات کے اعتبار سے سماجی بہبود اور سیاسی اصلاح کی طرف موڑ کر گویا تمثیل نگاری کی مدافعت کی۔ تاہم روایتی تماشہ کی ایک لچکیلی اور محرک ہیئت کے روپ میں شناخت ہونے لگی۔ وجیہ مہتا نے بروٹ بریٹ کی تمثیلوں کو مراٹھی میں اسٹیج کرنے کے لئے عوامی تھیئٹر کی "گوندھرط" اور "دشاوتار" جیسی ہستیوں ہی کا سہارا لیا ہے۔ پس ازاں جبار پٹیل نے تینڈولکر کے "گھاشی رام کوتوال" کی ہدایت کاری میں، جدید تھیئٹر اور عوامی تھیئٹر کی مشترک ہیئت کی مدد لی ہے۔ اس ضمن میں، وجیہ مہتا کی تخلیقی پیشکش گریش کرناڈ کی "ہیا ودن"، آخری کوشش تصور کی جاسکتی ہے۔ جس پر انہوں نے نیا رنگ و روغن چڑھایا ہے۔ نئی جلد دی ہے۔ اور نغموں کی آمیزش سے اُسے قابلِ صد داد و تحسین بنا دیا ہے۔

"عجب نیائے ورتڑا چا" گھاشی رام کوتوال، اور "ہیا ودن"، جیسے ڈرامے یورپ کا کامیاب دورہ کر چکے ہیں۔ حکومت مہاراشٹر نے موخر الذکر دو ڈراموں کو تو، جزوی مالی امداد بھی بہم پہنچائی ہے۔ ریاستی حکومت نے "دی انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشن"، کے ساتھ ثقافتی معاہدہ میں یہ تجویز منظور کی ہے کہ وہ مستقبل میں اس قسم کے جرأت مندانہ سیاحتی منصوبوں میں ہر ممکن مالی امداد فراہم کرے گی۔

یہ حقیقت کہ عوامی تھیئٹر کے فن کو ڈرامے کی نشوونما اور ترقی میں بڑا دخل رہا ہے۔ اسی سے انڈین نیشنل تھیئٹر کی بڑی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔ اور اس نے عوامی فنون کی ترویج و ترقی اور اظہار کے لئے مستقل تحقیقی مرکز قائم کیا ہے۔ اس نے اپنا مکمل منصوبہ اسٹیج پر پیش بھی کیا ہے اس سے راجہ رام بھاؤ (جو سنگیت ناٹک اکیڈیمی کے ایوارڈ یافتہ ہیں) کے "گوندھرط" اور ڈرامہ "کھنڈوبا چے لگن"، جیسے جیجوری کے "واگھیا" اور "دیوں" نے جاگرن" کی بنیادوں پر پیش کیا ہے۔ سبھی حقائق واضح ہو جاتے ہیں۔ اور آج کل انڈین نیشنل تھیئٹر کے ماتحت تحقیقی کام بھی خاطر خواہ اُمید افزا انداز میں انجام پا رہا ہے۔

جب ہم اداکاروں اور ہدایت کاروں کے تعلق سے بات کرتے ہیں تو اس وقت ہمیں دیگر اہلِ فن کو فراموش نہیں کر دینا چاہیئے۔

آج سے چند سال پہلے شیام آدرکر اور رگھوویر ترڈشی کر جیسے اسٹیج کے تزئین کار، مراٹھی تھیئٹر کے مقدمۃ الجیش تسلیم کئے جاتے رہے ہیں۔ راجہ رام چوہان نے پنشی کر کی تخلیق "تومی نو ہیج"، کے لئے دائرہ نما گردش کرتا ہوا اسٹیج تیار کیا تھا۔ آج کا مراٹھی اسٹیج، اسٹیج کی سجاوٹ اور مخصوص تاثرات پیدا کرنے کے تعلق سے انتہائی ترقی یافتہ ہے۔ اور یہی حقیقت مستقل انتشار کی صورت میں، دور دراز علاقوں میں، مراٹھی تھیئٹر کی وسعتوں کے لئے حد بندی کی شکل اختیار کر کے، اس کی ترقی کی راہوں میں حائل ہو گئی ہے۔

گڈکری کا جشنِ صد سالہ

گذشتہ سال ریاستی حکومت کی تشکیل کردہ مجلس کے ماتحت رام گنیش گڈکری کا صد سالہ جشن ولادت نہایت وسیع پیمانے پر منایا گیا۔ اس موقع پر گڈکری کے بیشتر ڈراموں کی تجدید کی گئی۔ اور ان کے کلاسیکی ڈراموں کے نغموں کو خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا اور انہیں "نوساری" جو ان کی جائے پیدائش ہے اور ساونیر جو ان کی جائے وفات ہے۔ دونوں مقامات پر عظیم پیمانے پر خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ نوساری میں منائے گئے جشن کی جو انفرادی خصوصیت تھی، وہ یہ تھی کہ گجراتی قلمکاروں نے بھی جشن کا پُرزور اور شاندار خیر مقدم کیا تھا۔ قومی یکجہتی کی کئی تجاویز ہمارے پیش نظر ہوتے ہوئے بھی، ہمارے ملک میں ذولسانی واقعات کی ایسی عظیم مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔

نتیجتاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ "گڈکری کا جشن صد سالہ"، مراٹھی ڈرامے کی زندگی کا مناسب اور معقول نقطۂ عروج ہے جو اس نے حکومت مہاراشٹر کے پچیس سالہ دورِ قیام میں بصد حسن و خوبی گزاری ہے۔

(ترجمہ: مرزا ساز قاسمی)

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र

१९६०-१९८५

ل۔ کے۔ گھاٹے

مہاراشٹر: فلاحی اسکیموں پر عمل آوری کیلئے

محصولی مشینری کی ازسرِ نو تنظیم کاری

اِدھر ریاستِ مہاراشٹر کی محصولاتی مشینری میں کافی بڑے پیمانے پر تغیر و تبدل لایا گیا ہے۔ اس تغیر و تبدل کا پہلا و آخری مقصد، اس مشینری کو عوامی فلاح و بہبود کے لیے زیادہ سے زیادہ کارآمد و بامقصد بنانا ہے۔ عام طور سے یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ سرکاری اسٹاف جو انتظامیہ میں بالکل نچلی سطح پر کام کرتا ہے اسے سماج کے نچلے طبقے تک پہنچ کر اپنی خدمات فراہم کرنا انتہائی دشوار امر بن جاتا ہے اور اس طرح اس کے ذمّہ عوامی فلاح کا جو کام سونپا گیا ہے اس کام کی تکمیل وہ مناسب ڈھنگ سے کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر ریاستی سرکار نے اس اسٹاف پر کام کا بوجھ بہت بڑھ جاتا ہے اور اسٹاف کے لوگوں کو بڑھتے ہوئے اس بوجھ کو بہرحال برداشت کرنا پڑتا ہے۔

بہرحال ریاستی حکومت کے ... ترتیب ... ی بنانے والے ... افراد نے اس خیال کو پیشِ نظر رکھا کہ ... ولات کے جو دفاتر ریاست کے دور افتادہ مقامات ... بنے ہوئے ہیں بے کار ثابت نہ ہوں اور یہ کہ وقت ... ادہ عوامی فلاح سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل ... لیں اور دیکھا جائے تو ریاستی حکومت کا مقصد ... راج

بھی یہی ہے۔ ریاستی حکومت کی اس فلاحی اسکیم کو سنہ ۱۹۸۱ء سے متحرک رکھا گیا ہے۔

محصولات کی دوبارہ تنظیم جو عمل میں لائی گئی ہے اب پوری شدت کے ساتھ اپنی منزلِ مقصود کی طرف گامزن ہے اور ریاستی حکومت کے اس نشانہ کی تکمیل میں لگی ہوئی ہے کہ پورے انتظامیہ کو لا کر مرکزی حیثیت دے کر

اسے بالکل ہی مقامی حکومت کی شکل میں منتقل کر دیا جائے۔

ریاست مہاراشٹر میں محصولات کے چار ڈویژن پہلے سے موجود تھے لیکن کام کو آسان سے آسان تر کرنے کی غرض سے ان ڈویژنوں میں دو اور ڈویژنوں کا اضافہ امراؤتی اور ناسک میں کر دیا گیا ہے۔ دیہی آبادی اور سرکاری انتظامیہ کے درمیان تلاٹھی کے رول کی افادیت اور اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ریاستی حکومت کی انتظامیہ نے ۳ ہزار تین سو سولہ نئے تلاٹھی مراکز قائم کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے۔ اس منصوبے کے پیش نظر گذشتہ ۳ برسوں میں تین ہزار تین سو سولہ تلاٹھی مراکز میں سے ۳ ہزار دو سو تلاٹھی مراکز اپنی خدمات کی ادائیگی میں مصروف ہو چکے ہیں۔

ریاست مہاراشٹر میں محصولات کے جو چار ڈویژن پہلے سے قائم تھے۔ ان چار مختلف ڈویژنوں کو ۱۹۸۱ء سے دوبارہ منظم کیا گیا اور اس تنظیم کے اور محصولات کے مراکز کی تعداد ۴ سے بڑھ کر ۶ ہوگئی۔ نئے ڈویژن اس طرح قائم کئے گئے ہیں۔

(۱) :- کوکن ڈویژن ـــ اس ڈویژن کے تحت بمبئی شہر، تھانے، رتناگیری اور رائے گڑھ کے اضلاع شامل کئے گئے ہیں۔

(۲) :- پونے ڈویژن ـــ اس ڈویژن کے ماتحت پونے۔ ستارا، سانگلی، سولاپور اور کولہاپور کے اضلاع آتے ہیں۔

اس کے بعد ڈویژن نمبر ۳ آتا ہے۔

(۳) :- اس ڈویژن میں امراؤتی، اکولا، یوتمال اور بلڈانہ جیسے اضلاع شامل ہیں۔

(۴) اس ڈویژن میں وردھا، ناگپور، چندرپور، بھنڈارا اور گڈچرولی کے اضلاع رکھے گئے ہیں۔

پانچویں اور چھٹے ڈویژنوں کے نام، ناسک اور اورنگ آباد ہیں، ناسک میں ناشک، دھولے، جلگاؤں اور احمد نگر ہیں، اور اورنگ آباد ڈویژن میں اورنگ آباد جالنہ، لاتور، بیڑ، عثمان آباد، اور ناندیڑ شامل ہیں۔

یہ ذہن میں رہے کہ کسی ضلع کی دوبارہ تنظیم جغرا خصوصیات، آمد و رفت کے وسائل، رقبہ اور آبادی کی بنیادوں پر ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا بنیادوں کی روشنی میں ہی ریاست کی سرکار نے رتناگیری، اورنگ آباد، پربھنی، عثمان آ اور چندرپور وغیرہ کے اضلاع کی دوبارہ تنظیم کی۔ اس تنظیم کے باعث ہی سندھو درگ، جالنہ، لاتور، گڈچرولی اضلاع کا قیام عمل میں آیا۔

اس کے برعکس مہاراشٹر کی ریاستی سرکار کے شری وسنت دادا پاٹل نے اعلان کیا ہے کہ احمد نگر، ناس پونے، اور تھانے وغیرہ اضلاع کی از سر نو تنظیم حکومت کے زیر غور ہے۔

بہرحال ان اضلاع کی از سرنو تنظیم ۱۲ سے لے کروڑ روپے کے صرفے پر ہوگی اور ظاہر ہے اتنا بڑا خر حکومت کے لئے پریشانی کا سبب تو ضرور ہے لیکن ا کے باوجود حکومت کی مشینری نئے اضلاع کے قیام کے۔ پوری تندہی کے ساتھ تیار ہے۔ اور اس سلسلے م ساری کارروائیاں کر رہی ہے۔ سرکار کی ان تمام کوشش کا واحد مقصد غریبوں اور پسماندہ طبقے کے افراد کی فلا و بہبود ہے۔ حکومت صدق دل سے اس بات کے کوشاں ہے کہ اس کی فلاحی اسکیم کا فائدہ غربت افلاس کے مارے ہوئے ہر گھر کو پہونچے۔ اس سلسلے میں کو جتنی بڑی قیمت بھی چکانی پڑے۔ سرکار اس کیلئے تی

سرکاری انتظامیہ کو لامرکزیت سے ہمکنا کی غرض وغایت کا ایک نتیجہ دو درجے کے تعلقوں کی از تنظیم بھی ہے۔ یہ تنظیم پنچایت سمیتی کی بنیاد پر کی گی۔ اس طرح کی تنظیم کا مطلب یہ ہوگا کہ دو درجے م ۶۲ نئے تعلقوں کا قیام عمل میں آئے گا۔ سرکار۔ بھی طے کیا ہے کہ مغربی مہاراشٹر میں ۲۲ اور مراٹھواڑہ ۱۵ تعلقے قائم کئے جائیں۔

ادھر اس امر کا بھی مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ دو کے طریقے پہ مغربی مہاراشٹر اور مراٹھواڑہ میں بھی ہر بل کے ساتھ ایک تعلقہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اگر اس مطالبہ کو تسلیم کر لیا جاتا ہے تو پھر ان دونوں علاقوں میں ۶

کرنے ہوں گے ۔ یہ ذہن میں رکھا جائے کہ جب
قائم ہوتا ہے تو اِس کے لئے بہت سارے
قائم کئے جاتے ہیں ۔ ایسے دفاتر میں تحصیل کا قیام
ت کا حامل ہوتا ہے ۔ اور جب تحصیل کا قیام
جاتے گا تو پھر تحصیل کے تحصیلدار اور نائب
لئے رہائشی مکانات بھی بنوانے ہوں گے ۔
جلد ہی وردھا ضلع کے آشتی نامی مقام
قہ کے دفاتر قائم کئے گئے ہیں ۔ ناگپور ڈویژن کے
اس تعلقہ کی بابت اخراجات کا حوالہ دیتے ہوئے
تعلقہ کے صدر دفتر کی تعمیر کے سلسلے میں
ن لاکھ ۵۵ ہزار تک کا خرچ ہوتا ہے ۔ دفاتر
جو صرفہ آتا ہے اس صرفے کے ساتھ سول ، اور
کی عدالتوں کے لئے بھی پیسے خرچ کرنے پڑتے
س کے علاوہ جیل، اسپتال اور دیگر اخراجات
س طرح ایک تعلقہ کے قیام پر ۳ کروڑ سے ۴ کروڑ
خرچ ہو جاتے ہیں ۔ لہٰذا مہاراشٹر کی ریاستی
۴۱ نئے تعلقوں کے قیام پر عمل درآمد شروع کرے
پر ۱۶ سے لے کر ۱۷ کروڑ روپے تک خرچ
نے ۔

حصولاتی سرکل کی دوبارہ تنظیم کے لئے یہ ضروری
محصولاتی سرکل میں کم از کم ۸ منظور شدہ تلاٹھی
۔ اس حساب سے مہاراشٹر کی ریاستی سرکار
یک فیصلے کے بموجب ۷۶۵ نئے سرکلوں کے
فیصلہ کیا ہے ۔
شتہ تین برسوں میں جن میں (۱۹۸۱ء، ۱۹۸۲ء)
ء، ۱۹۸۳ء) اور (۱۹۸۳ء، ۱۹۸۴ء)
شامل ہیں ۔ حکومت نے تقریباً ۷۷۴ محصولاتی
کئے ۔ ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۵ء کے دوران
داد میں ۷۱۵ سرکل مزید شامل کئے گئے ۔
یہاں تک تلاٹھی کا تعلق ہے ۔ اس سلسلے میں
ہ عام طور سے ایک تلاٹھی کے ماتحت ایک
دیہات تک شامل ہوتے ہیں لیکن ایسی
ہیں کہ ایک تلاٹھی میں ۱۵ دیہات تک
تے ہیں ۔

اِس فارمولے کے برعکس سرکار نے پوری ریاست
میں ۳ ہزار ۳ سو سولہ نئے تلاٹھی مراکز کے قیام کا فیصلہ
کیا ہے ۔ گذشتہ ۳ برسوں میں ۳ ہزار دو سو تلاٹھیوں نے
اپنے کام بھی شروع کر دیئے ہیں ۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ
پورے مہاراشٹر میں ۱۱۶ دوسرے تلاٹھی مراکز بھی عمل
میں لائے جائیں گے ۔

ہم حکومت کے شکر گذار ہیں کہ اس نے تعمیر کاری
کی سمت میں مثبت طریقہ کار استعمال کیا ہے ۔

ترجمہ :- صفیہ ایوب

(صفحہ ۵۲ سے آگے)

تھیئٹر بھی نمایاں طور پر مراٹھی ادب میں خصوصی کردار ادا کر رہا ہے ۔ ویسے یہ سچ ہے کہ اس معاملے میں دلت ادب ابھی ابتدائی منزلوں میں ہے اس کے باوجود چونکہ ان لکھنے والوں کو یہ احساس ہے کہ تھیئٹر ایک موثر ذریعہ ابلاغ ہے اس لئے وہ اس طرف بھی خاص توجہ دینے لگے ہیں ۔

گذشتہ صفحات میں بتلایا گیا ہے کہ پچھلے ۲۵ برسوں میں مراٹھی ادب کی نمایاں خصوصیات یہ رہی ہیں کہ اس نے زیادہ سے زیادہ عوامی سطح پر پہونچنے کی کوشش کی ہے ۔

مشہور نقاد پربھاکر پادھیہ نے ایک بار دلت ادب کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ "دلت ادب گوناگوں تجربات کے ذریعہ مراٹھی میں ایک مفید اور تعمیری کام انجام دے رہا ہے ۔"



रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

مہاراشٹر میں اجارہ دارانہ انداز میں کپاس کے حصول کی اسکیم

کپاس کے اجارہ دارانہ انداز میں حصول کی اسکیم، جس پر عمل درآمد ۷۳-۱۹۷۲ء کے فصل سے شروع ہوا۔ ریاستِ مہاراشٹر کو یہ امتیاز عطا کرتا ہے کہ یہ سارے ملک میں واحد ریاست ہے جس نے کسانوں سے کپاس کی اجارہ دارانہ خرید کو رواج دیا۔ اور پھر اس کی پروسیسنگ اور مارکیٹنگ کوآپریٹیو یا امدادِ باہمی کی ایجنسیوں کی معرفت کروائی تاکہ اگانے والوں کو کپاس کی مناسب اور نفع بخش قیمت پانے کا یقین و اطمینان حاصل ہو۔ اس اسکیم کے تحت کپاس کا حصول، جو ۷۳-۱۹۷۲ء کی فصل میں ۵۷ تا ۷۷ لاکھ کوئنٹل تھا اور جس کی قیمت تب ۲۶۷، ۱۳۳ کروڑ روپیہ تھی، اس حد تک بڑھا کہ ۸۳-۱۹۸۲ء کی فصل میں حصول ۸۹ تا ۹۲ لاکھ کوئنٹل تک جا پہنچا اور گارنٹی شدہ قیمت ۴۳۸۶۰۶ کروڑ روپیہ تک جا پہنچی۔ اس مضمون میں اسکیم مذکور کی نمایاں خصوصیات اور آئندہ کی توقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مہاراشٹر اس ملک کی ایک بڑی ،کپاس پیدا کرنے والی ریاست ہے جو ۱۰ لاکھ سے زیادہ کپاس کے کاشتکاروں پر مشتمل ہے۔ مہاراشٹر میں کپاس کی کاشت تقریباً ۲۶/۲۷ لاکھ ہیکٹر کے رقبہ میں ہوتی ہے۔ اور پیداوار ۱۶ تا ۱۸ لاکھ گانٹھیں۔ یہ رقبہ سارے ملک میں کپاس کی کاشت کے کل رقبہ کا ۳۰ فیصد اور مجموعی ملکی پیداوار کا ۲۰ فیصد ہے۔ اس کی کاشت میں ،کل رقبہ کا ۹۵ فیصد بارانی ہے اس لئے ریاست میں اس کی پیداوار سے کم ہے جتنی کہ ملک کی دوسری ریاستوں کی ہے۔ اس علاوہ ، بارانی کپاس کی کاشت بارش کی کمی بیشی پر منحصر اسی لئے ریاست میں کپاس کی کبھی کم کبھی زیادہ ہوتی اگانے والوں کو درمیانی دلالوں سے نجات دلانے کے بعد کپاس کی مناسب اور نفع بخش قیمت دینے کے حکومتِ مہاراشٹر نے ،حکومتِ ہند کے مشورے سے

پیاس (حصول، پروسیسنگ اور مارکیٹنگ) ایکٹ
ز ۱۹۷۱ء سے کیا اور کپاس کے اجارہ دارانہ حصول
م پر عملدرآمد ۷۳-۱۹۷۲ء کی فصل سے شروع کر دیا۔
مہاراشٹر وہ واحد ریاست ہے جس نے ملک میں
کاروں سے کپاس کی اجارہ دارانہ خرید اور امدادِ باہمی
ں کی معرفت اس کی پروسیسنگ اور مارکیٹنگ
ل کی۔ اس اسکیم کی تعمیل مہاراشٹر اسٹیٹ امدادِ باہمی مارکیٹنگ
یشن، حکومت کے چیف ایجنٹ کی حیثیت سے کرتی
تعلقہ کی خرید و فروخت کرنے والی سوسائیٹیاں ضمنی
ں کے بطور فیڈریشن کو مدد دیتی ہیں۔

بنیادی مقاصد

کپاس کی اجارہ دارانہ حصول کی اسکیم
نیادی مقاصد یہ ہیں۔

(۱) :- ریاست میں کپاس اگانے والوں کو یقینی طور پر مناسب اور نفع بخش قیمت ملے۔

(۲) :- درمیانی دلالوں کو ختم کر کے اور آخری قیمتوں کا پورا فائدہ حاصل کر کے جو اضافی آمدنی ہو اُسے کپاس اگانے والوں کی طرف منتقل کر دیا جائے۔

(۳) :- اگانے والوں کی آمدنی میں استحکام لا کر، ریاست میں کپاس کی منجملہ پیداوار میں استحکام پیدا کیا جائے

(۴) :- کپاس استعمال کرنے والی ملوں کو اعلیٰ قسم کا، سائنسی اصولوں کے مطابق، درجات بند کپاس فراہم کیا جائے۔

(۵) :- امدادِ باہمی کے اصولوں پر چلنے والے اداروں کے اداری ڈھانچوں کو مضبوط بنایا جائے۔ اور ایسے اداروں کو پوری طرح کپاس کے حصول، اس کی پروسیسنگ اور مارکیٹنگ میں مشغول کر دیا جائے اور پھر مارکیٹنگ، اور کوآپریٹیو بقایہ جات کی وصولی کے درمیان مؤثر ربط قائم کر دیا جائے۔

(۶) :- کپاس کے مختلف پروسیسنز سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ قریبی

تعلق قائم کیا جائے اور اس طرح دیہاتی معاشیات کو زیادہ مضبوط بنایا جائے جیسے بنولے نکالنا یا دھنائی، کسائی، کولہو وغیرہ میں دبا کر بیجوں سے تیل نکلوائی، کتائی (سوت کے دھاگے بنانا)، بنائی، تاکہ تمام کپاس کا کام کرنے والے اور اگانے والے زیادہ آمدنی میں شرکت دار ہوں۔

تحتی ڈھانچہ

کپاس کے اجارہ دارانہ حصول کی اسکیم پر عمل کی ذمہ داری ریاست میں مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن کے ذمہ ہے۔ جو ریاستی حکومت کے چیف ایجنٹ کے طور پر، حکومت کے آئی اے ایس درجہ کے بلند سینیاریٹی والے مینجنگ ڈائرکٹر کے ساتھ کام کرتی ہے۔ اسکیم پر عمل کرنے کے لئے مارکیٹنگ فیڈریشن نے تین محکمے بنائے ہیں۔

۱ :- حصول اور پروسیسنگ
۲ :- فروخت اور
۳ :- مالیات اور حساب

ان محکموں کے افسرانِ اعلیٰ علی الترتیب ایکزیکیٹو ڈائرکٹر (پی-پی) ایکزیکیٹو ڈائرکٹر (ایس-ایس) اور مالیاتی مشیر اور پرنسپل اکاؤنٹس آفیسر ہیں اسکیم پر کھیت میں عمل درآمد کے لئے کل کا کل کپاس پیدا کرنے والا رقبہ ۱۲ زون پر تقسیم کر دیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک کے لئے ایک زونل منیجر ہے۔ ہر زون کی مزید تقسیم کر کے تحتی زون بنائے گئے ہیں - یہ تحتی زون تعداد میں ۸۸ ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے لئے افسر "تحتی زونل منیجر" ہے۔ ہر تحتی زون میں کئی "حصول کے مرکز" یا اسٹیشن ہیں - ان اسٹیشنوں کی تعداد کپاس کی آمد پر منحصر ہے۔ ہر حصول کا اسٹیشن ایک قصبہ یا گاؤں ہوتا ہے جس میں ایک یا زیادہ کپاس کے "فراہمی مرکز" ہوتے ہیں - یہ "فراہمی مرکز" دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) :- "سہولتی مرکز" اور (۲) "غیر سہولتی مرکز" جس کے انتظام کار ادنیٰ / اعلیٰ گریڈر ہوتے ہیں۔ "سہولتی مرکز" وہ فراہمی مرکز ہے جہاں بنولے نکالنے (جننگ) کی سہولت ہے جبکہ اور "غیر سہولتی مرکز" جہاں بنولے نکالنے (جننگ) کی سہولت نہیں ہے لیکن اسے اس لئے رکھا گیا ہے کہ کاشتکاروں کو صرف سہولت ہو تاکہ وہ اپنی کپاس وہاں جمع کرا سکیں۔

بشرطیکہ وہ فاصلہ ۳۰ کیلومیٹر سے زیادہ نہ ہو۔

جملہ ۶۱۴ "حصولی مرکزوں" (یم) سے جو ۸۳-۱۹۸۲ء کی فصل میں تھے، "سہولتی مرکز" ۴۸۸ تھے اور غیر سہولتی مرکز" ۱۲۶

مارکیٹنگ فیڈریشن کی زونل / تحتی زونل آفسوں میں جملہ اسٹاف کی تعداد تقریباً ۷۰۰۰ ہے۔ اس میں اسٹاف کی وہ تعداد بھی شامل ہے جو کپاس کی فصل میں کام کی زیادتی کے سبب "فصلی اسٹاف" کے طور پر رکھ لی جاتی ہے۔

مارکیٹنگ فیڈریشن نے ریاست مہاراشٹر کے باہر احمد آباد اور کوئمبٹور میں بھی دو آفسیں کپاس کی فروخت کے لئے قائم کی ہیں۔

مارکیٹنگ فیڈریشن کی مدد تعلقہ خرید اور فروخت سوسائیٹیاں کرتی ہیں اور مارکیٹنگ فیڈریشن کے تحتی ایجنٹس کے طور پر کام کرتی ہیں۔ ریاست کے کپاس اگانے والے مقامات میں اس قسم کی ۱۶۶ تحتی ایجنٹس سوسائیٹیاں ہیں۔ ان تحتی ایجنٹس کو اجارہ دارانہ کپاس حصولی اسکیم کے سلسلے میں مذکورہ ذیل کام انجام دینے پڑتے ہیں:۔

(۱):۔ کپاس کاشت کاروں کے سلسلے میں بیجک اور دوسرے ریکارڈ رکھنا جو کپاس کی وصولی کے بارے میں ہوں اور ضمانتی قیمت کی شرح سے وصول شدہ کپاس کی قیمت لگانا۔

(۲):۔ کسانوں کو رقوم کی ادائیگی کرتے وقت ان کے ذمے امداد باہمی کی اور زراعتی پیداوار مارکیٹنگ کمیٹی وغیرہ کے بقایاجات کو وضع کرلینا۔

(۳):۔ کاشت کاروں کو ادائیگی امداد باہمی بینکوں کی معرفت کرنا اور ضمانتی قیمت اور حکومت کی آخر میں مقررہ کردہ قیمت کی شرح پر لائی گئی قیمت کی وقتاً فوقتاً ضروری ہنڈیاں تیار کرنا

(۴):۔ اسکیم کی پیش رفت کا اندازہ لگانے کے لئے مارکیٹنگ فیڈریشن کے مقرر کردہ طریقہ پر مختلف رپورٹیں تیار کرکے پیش کرنا۔

(۵):۔ حسابات کے لئے جیسا کہ چاہیئے مختلف قسم کے رجسٹر رکھنا۔



کپاس کی اچھی فصل

اِن کاموں کو انجام دینے کے
ہے کہ تحتی ایجنٹ سوسائیٹیاں اضافی اسٹا
اضافی خرچ برداشت کریں۔ سی ایم آئی یونٹ۔
کی بنیاد پر یہ سفارش کی گئی تھی کہ جو کمیشن سد
سوسائیٹیوں کو اجارہ دارانہ کپاس اسکیم کے
کی انجام دہی کے لئے دیا جاتا ہے وہ (کپاس کی)
کی "سلیب" (حزبندی) کی بنیاد پر دی جا
کورپے کمیٹی نے تسلیم کیا اور ۷۷-۱۹۷۶ء سے
حصول شدہ مقدار کی "سلیب" (حزبندی)

مہاراشٹر زراعتی پیداوار مارکیٹنگ
ایکٹ ۱۹۶۳ء کے تحت ریاست میں ۲۳۰ ز
مارکیٹنگ کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ ان میں سے
والے علاقوں میں ہیں۔

یہ کمیٹیاں زراعتی پیداواروں پر ٹیک
خود اپنا کام انجام دے سکیں۔ ان سے توقع
کاشتکاروں کو بنیادی سہولت کی اشیاء جیسے
پانی، شیڈ، جانوروں کے لئے پانی، وغیرہ
اسکیم کے تحت کپاس کی حصولی کو سہل بنا
کپاس جمع کرنے کے مرکزوں کو مختلف زراعتی

ںوں کے ضمناً علامت زدہ یارڈ گرانا گیا ہے۔ اس طرح
ُتی پیداوار۔ مارکیٹنگ کمیٹیوں کو کپاس پر سیس یا ٹیکس
طور پر ایک یقینی ذریعۂ آمدنی مل جاتا ہے۔ یہ ٹیکس کپاس
قیمت کے ہر ۱۰۰ روپے پر ۵۰ پیسے سے ۱۰۰ پیسے تک
ا ہے۔

ہرا کارڈ

اسکیم کے مطابق ہر کپاس کاشت کار کو اپنی کپاس
ع کرنے والے مرکز پر لانا پڑتا ہے۔ انتظامی امور کے پیش نظر
ا کارڈ جاری کیا گیا۔ جس میں ہر کاشت کار کے متعلق،
س کا اس مرکز سے تعلق ہوتا ہے، مقامِ کاشت، کپاس
تسم، پیش کردہ مقدار کی تفصیلات، کل قیمت اور اس
پاس کی قیمت میں سے کی گئی وصولی، وغیرہ اندراجات ہوتے
ں۔ اب ۱۹۸۱ء سے ایکٹ میں ایک ترمیم کے ذریعے اس
رڈ کو قانونی شکل دے دی گئی ہے۔

درجہ بندی اور وزن کرنا

کپاس کاشت کار جب اپنی کپاس کو مرکز پر
ہے تو وہاں اس کا درجہ مقرر کرنے والا "گریڈر" اس
انچتا اور اس کی درجہ بندی کرتا ہے۔ پھر کپاس
وزن کرنے والے برج" کے ذریعے تولا جاتا ہے۔ ریاست
پاس کے جمع اندوزی مرکزوں پر ایسے ۲۲۰ "وے برج

اگر "گریڈر" کے مقرر کردہ درجے کو کپاس کاشتکار
نظور کرے تو اسے "آربٹریشن" (ثالث) کے روبرو
ایت کرنے کا قانونی حق ہے۔ پھر یہ کمیٹی حسب قانون
س نزاع کا فیصلہ کرتی ہے۔ یہ ثالث کمیٹی جسے "واندھا
ٹ" کا نام دیا گیا ہے، حسب ذیل ممبران پر مشتمل ہے۔

۱:- فیڈریشن کا ایک گریڈر (جو کسی دوسرے مرکز کا ہوتا ہے)۔

۲:- جننگ (بنولے نکالنے والی) فیکٹری کا ایک نمائندہ۔

۳:- تحتی ایجنٹ سوسائٹی کا ایک نمائندہ

۴:- ایگریکلچرل پراڈیوس مارکیٹنگ کمیٹی، یعنی اے پی ایم سی کا ایک نمائندہ

۵:- کوئی بھی دو کپاس کاشت کار جو اسی دن کپاس مرکز پر اپنا کپاس لے آئیں۔

ثالث کمیٹی کا فیصلہ، کپاس کاشتکار اور مارکیٹنگ فیڈریشن دونوں کو تسلیم کرنا لازمی ہے۔

کپاس کی پروسینگ

(دھنائی اور کسائی)

مرکزوں پر جو کپاس لائی جاتی ہے اسے ہر قسم اور ہر گریڈ (درجہ) کے مطابق الگ الگ ڈھیر کیا جاتا ہے) پھر یہ کپاس دھنائی فیکٹریوں میں دھنی جاتی ہے۔ ملائم اور کپاس بیج الگ کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ملائم روئی کی گانٹھیں (کسنے والی فیکٹریوں میں) بنائی جاتی ہیں۔ کچھ فیکٹریاں ایسی بھی ہیں جن میں دھننے اور کسنے کے دونوں کام انجام دیئے جاتے ہیں۔

سنہ ۱۹۸۲ء میں صرف دھنائی کی ۳۵۳ فیکٹریاں تھیں اور ۱۲۵ ایسی فیکٹریاں جہاں دھنائی اور کسائی دونوں کام کئے جاتے تھے۔ اسی طرح پرائیویٹ سیکٹر میں ۲۱۳ خالص دھنائی کے کارخانے اور ۹۰ دونوں قسم کے کام کرنے والے کارخانے تھے امدادِ باہمی کے شعبے میں ۱۸۳۳ ایک رولر والی اور ۱۵۵ دو رولر والی دھنائی کے کارخانے اور پرائیویٹ سیکٹر میں ایک رولر والی ۵۰۸۱ اور دو رولر والی ۷۹۹ فیکٹریاں تھیں۔

سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء کے کپاس فصل کے موقع پر امدادِ باہمی سیکٹر میں ۴۵ پریسنگ (کسائی کرنے والے) فیکٹریاں، اور پرائیویٹ سیکٹر میں ۹۶ پریسنگ فیکٹریاں تھیں۔ اجارہ دارانہ کپاس حصولی اسکیم کے تحت کپاس کی پروسینگ کا کام امدادِ باہمی اور پرائیویٹ دونوں سیکٹروں کو دیا جاتا ہے۔ دھنائی اور کسائی کی شرح کا فیصلہ ہر فصل پر حکومت کی قائم کردہ شرح مقرر کرنے والی کمیٹی) بموجب قاعدہ ۱۷، مہاراشٹر کپاس جننگ اور پریسنگ فیکٹری رولز ۱۹۶۴ء کرتی ہے جس کے چیئرمین مارکیٹنگ کے ڈائرکٹر ہوتے ہیں۔ اور جس میں کپاس

کاشتکاروں کے نمائندے، کپاس کی ڈھنائی اور کسائی کرنے والے کارخانوں کے مالکان، مہاراشٹر اسٹیٹ امداد باہمی مارکیٹنگ فیڈریشن وغیرہ بھی شریک ہوتے ہیں۔

کپاس اسکیم کے شروع میں یعنی ۷۳-۱۹۷۲ء کی فصل میں ڈھنائی اور کسائی کی الگ الگ شہر میں ضلع کلکٹران مقرر کیا کرتے تھے۔ ۷۵-۱۹۷۴ء میں، زیادہ سے زیادہ شرح، جننگ اور پریسنگ کی۔ جیسے ڈائرکٹر آف مارکیٹنگ نے مقرر کیا تھا۔ ۲۶ روپے فی کوئنٹل ڈھنی ہوئی کپاس کے لئے اور ۲۹ روپیہ کسائی کرکے ایک گانٹھ باندھنے کے لئے تھی۔ ۸۳-۸۲ء میں شرح مقرر کرنے والی کمیٹی نے، اس فصل کے لئے دھنی ہوئی روئی کے لئے ۴۵ روپیہ فی کوئنٹل اور گانٹھ باندھنے کے لئے ۴۶ روپیہ فی گانٹھ مقرر کیا تھا۔

ضمانتی قیمت اور ادائیگی کا طریقہ

ہر فصل کے شروع ہونے سے پہلے ریاستی حکومت مختلف اقسام اور درجوں کے کپاس کی ضمانتی قیمت کا اعلان کرتی ہے۔ حکومت ہند ان سفارشات پر غور کرتی ہے جیسے اگریکلچر پرائس کمیشن (کمیشن برائے قیمت پیداوار زراعت)، کپاس کی مختلف اقسام کے لئے بطور کفایتی قیمت کے مقرر کرتی ہے مہاراشٹر کے لئے یوں مقرر کردہ کفایتی قیمت پر اجارہ دارانہ کپاس حصولی اسکیم کے تحت ضمانتی قیمت کا تعین کرتے وقت غور کیا جاتا ہے۔ کسی خاص قسم اور درجہ کے کپاس کے لئے مقرر کردہ ضمانتی قیمت پورے فصل کے دوران یکساں رہتی ہے اور منڈی میں کپاس کی قیمت میں ہونے والے اتار چڑھاؤ کا، چاہے کپاس فصل کے دوران کسی بھی وقت مرکز پر لائی جائے، کوئی اثر نہیں ہوا کرتا۔ ۸۲-۱۹۸۱ء کی فصل سے کپاس کی ضمانتی قیمت کا تعین کپاس کو آرڈی نیشن کمیٹی، کرتی ہے جسے ۱۹۸۱ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کے بعد ریاستی حکومت اجارہ دارانہ کپاس حصولی اسکیم کے تحت ضمانتی قیمت مقرر کرتی ہے۔ کمیٹی مذکور کے قیام سے پہلے یہ کام خود ریاستی حکومت انجام دیتی تھی۔

مہاراشٹر خام کپاس ایکٹ، ۱۹۷۱ء کی دفعہ ۲۵ کے مطابق ضمانتی قیمت کی ادائیگی قسطوں میں کی جا سکتی ہے۔ پھر بھی حکومت، ضمانتی قیمت کی ادائیگی، کپاس لانے والوں کو ان کی کپاس کی ۱۰۰ فیصد قیمت ۷۷-۱۹۷۶ء کی فصل سے لانے کے وقت ہی ادا کر دیتی ہے۔

اسکیم کے لئے مالی ذریعے

بہ حالت موجودہ ریاست میں کپاس کی سالانہ فصل ۱۶ سے ۱۸ لاکھ گانٹھیں (تقریباً ۸۰ لاکھ تا ۹۰ لاکھ کوئنٹل کپاس) ہوا کرتی ہیں۔ جس سے ۴۵۰ کروڑ روپے کا لین دین ہوتا ہے۔ لیکن کپاس کی خرید اور فروخت کے درمیان پھر بھی کبھی کبھی تفاوت رہا کرتا ہے۔ اس لئے اجارہ دارانہ کپاس حصولی اسکیم بھاری مقدار میں ابتدائی مالیات کی متقاضی ہے۔ ریاستی حکومت ۸۵ء ۴ کروڑ روپیہ مارکیٹنگ فیڈریشن کے حصہ سرمایہ میں عطا کر چکی ہے۔ لیکن ابتدائی کریڈٹ حاصل کرنے کے لئے مارکیٹنگ فیڈریشن کو ریزرو بینک آف انڈیا کو مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹو بینک کی معرفت درخواست پیش کرنی پڑے گی اگر وہ اسکیم کو روبہ عمل لانا چاہتی ہے بشرطیکہ وہ جملہ ضروریات کی ۲۵ فیصد "مارجن رقم" فراہم کرے۔ کریڈٹ کی صحیح احتیاج ایک فصل سے دوسری فصل میں جداگانہ ہوا کرتی ہے اور اس کا انحصار فصل کی مقدار اور ضمانتی قیمت پر ہوتا ہے۔

"مارجن رقم" حاصل کرنے کے لئے مالی ذرائع میں فلکچوئشن (کم و بیش ہونے والا) فنڈ کیپٹل فارمیشن (سرمایہ کاری) فنڈ، سرکاری قرضہ جات اور اسکیم کے دیگر ذرائع وغیرہ ہیں۔ ۷۵-۱۹۷۴ء، ۸۲-۱۹۸۱ء اور ۸۳-۱۹۸۲ء کی فصلوں میں چونکہ اسکیم کو زبردست خسارہ برداشت کرنا پڑا۔ اس لئے فلکچوئشن فنڈ تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ لیکن حال ہی میں کیپٹل فارمیشن فنڈ کے، کپاس کاشتکاروں کے عطیات کی مدد سے، قائم کئے جانے کے سبب (جس کے لئے ایکٹ میں انتظام کیا گیا ہے کہ ضمانتی قیمت سے کپاس کی قیمت کا ۳ فیصد تک وضع کر لیا جائے)، ریاستی حکومت اور ایجنٹ اسکیم کو چلا رہے ہیں۔ اس طرح کپاس کاشت کاروں سے حاصل کی ہوئی جملہ رقم برائے کیپٹل فارمیشن فنڈ، تا اختتام فصل

قومی راز

۱۹۸ء سے ۲۲ کروڑ روپیہ ہوتی ہے۔ ریاستی حکومت بھی ی فارمیشن فنڈ میں ۱۹۸۵-۲-۳۱ تک ۲۵ کروڑ ر دینے کی پابند ہے۔ حکومت ۱۹۸۲-۲-۳۱ تک روڑ روپیہ دے چکی ہے۔

امدادِ باہمی بقایا کی وصولی

اِس اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ کپاس کی قیمت کے ۔۔ جب اسے کپاس مرکز پر حوالے کر دینے کے لئے لایا ۔ے تو امدادِ باہمی کی بقایا رقوم اس اصول کے بموجب وصول جائیں کہ زراعتی کریڈٹ کے تحت باقی ماندہ رقم کو منڈی ۔ی جانے والی پیداوار کے ساتھ مربوط رکھا جائے۔ ۔ا کہ ریزرو بینک آف انڈیا کا مشورہ ہے۔ یہ وصولی ضمانتی ۔ت کی شرح سے ۵۰ فیصد تک محدود کر دی گئی ہے۔ جملہ ۔ی کا دو تہائی حصہ کم مدتی اور درمیانہ مدتی قرضوں میں سے ۔اقی ماندہ ایک تہائی طویل مدتی قرض میں سے ہونی چاہیئے۔ کپاس ۔کیم کی معرفت شروع سے ۸۳-۱۹۸۲ء تک امدادِ باہمی کی وصولیات ۳۴۲ کروڑ روپیہ تھی۔

منڈی میں کپاس کی آمد

کپاس کی پروسیسنگ کے بعد، ضمنی پیداوار بطور کپاس بیج حاصل ہوتا ہے جو کپاس کے کل وزن کا تہائی ہوا کرتا ہے۔ دھنی گئی روئی کسی جاتی اور اس کی گٹھیں بنائی جاتی ہیں۔ کپاس بیج اور گانٹھوں کو مارکیٹنگ ۔ارشن اس طرح منڈی میں پیش کرتی ہے۔

(ا):- کپاس بیج کی فروخت

کپاس اسکیم کے تحت کپاس ۔ا پروسیسنگ کے بعد ۵۰ لاکھ سے ۵۵ لاکھ کوئنٹل تک ۔اس بیج ہر سال نکلتا ہے۔ کپاس بیج کی جملہ موجودہ مقدار ۔ا سے تقریباً دس لاکھ کوئنٹل آئندہ بوائی کے لئے محفوظ کر لینے کے بعد باقی تمام کپاس بیج کھلے نیلام کے ذریعے فروخت کیا جاتا ہے۔ نیلام بیج کے دستیاب ہونے پر منحصر ہوتا ہے اور عموماً ہفتے میں ایک بار زونل ہیڈ کوارٹروں میں زونل مینیجروں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ بوائی کے بیج، پروسیسنگ کرنے کے بعد، کپاس کاشت کاروں کو سوسائٹیوں کے تحت ایجنٹوں کی معرفت سبسی ڈائزڈ (سرکار کی امدادی) شرح سے بیچے جاتے ہیں۔ کپاس بیج کی کچھ مقدار، اگر دستیاب ہو تو اس کی ضرورت کے مطابق مہاراشٹر آئل سیڈس کمرشیل اور انڈسٹریل کارپوریشن کو بھی فروخت کی جاتی ہے۔

(ب):- کپاس کے گانٹھوں کی فروخت

اس کی فروخت کھلی منڈی میں اور کھلے تجارتی مقابلے میں اندرونِ ریاست اور بیرونِ ریاست ہوتی ہے۔ ان گانٹھوں کی فروخت خریداروں سے مول بھاؤ کے ذریعے یا ٹینڈر کی طلبی کے ذریعے یا متوقع قیمت کے اظہار کے ذریعے کی جاتی ہے۔ ۱۹۷۵ء میں، حکومت ہند نے بوس ملک کمیٹی کا تقرر فرمایا تھا تاکہ مارکیٹنگ فیڈریشن کے ذریعے کپاس کی فروخت کو جدید طرز پر لایا جائے۔ اور اس کی قیمت میں استحکام لایا جائے۔ کمیٹی نے سفارش فرمائی کہ کپاس کی گانٹھیں سیدھے ہی کپڑا ملوں کو بیچ دی جائیں۔ ۔ا کے بموجب گانٹھوں کی کثیر تعداد، تقریباً جملہ گانٹھوں کا ۳۰ تا ۳۵ فیصد، قومی ٹیکسٹائل کارپوریشن، ریاستی ٹیکسٹائل کارپوریشن وغیرہ بالراست خرید لیتی ہیں۔ ۱۹۷۸ء میں، اسکیم کی تجدید کے وقت، حکومتِ ہند کی خواہش کے مطابق، کپاس کارپوریشن آف انڈیا اور مارکیٹنگ فیڈریشن کے درمیان کپاس کی گانٹھوں کی فروخت کو مربوط و منظم طور پر انجام دینے کے لئے "سیلس پالیسی کو۔ آرڈی نیٹس کمیٹی"، کا قیام عمل میں آیا تھا جس کے چیرمین، وزیر امدادِ باہمی اور ایک ممبر منجملہ دیگران کے، کپاس کارپوریشن آف انڈیا کے مینجنگ ڈائرکٹر تھے۔ تب ریاستی حکومت نے سیلس پروموشن

کمیٹی تشکیل دی جس میں مارکیٹنگ فیڈریشن کے اونچے درجے کے افسران اور ریاستی حکومت کے ڈپٹی سیکریٹری (کپاس) بھی شامل تھے تاکہ سیلس پالیسی کو آرڈی نیشن کمیٹی کے رہنمایانہ خطوط کی روشنی میں دیئے جانے والے فیصلوں پر عملدرآمد کرتے ہوئے کپاس سے متعلق امور انجام دیئے جائیں۔ لیکن مہاراشٹر خام کپاس ایکٹ، سنہ ۱۹۷۱ء میں کی گئی ترمیم کے مطابق، ۴ مرکزی اور ۴ ریاستی حکومتوں کے افسران پر مشتمل "کپاس کو آرڈی نیشن کمیٹی"، (جن کا تقرر ۱۹۸۱-۹-۲۴ کو ہوا) اسکیم کے تحت کپاس کے فروخت کی پالیسی تجویز کرتے ہیں۔ جو رہنمایانہ خطوط یہ کمیٹی منضبط کرتی ہے۔ انہیں پر سیلس پروموشن کمیٹی عمل کرتی ہے۔

(ج):- کپاس کی برآمد (ایکسپورٹ)

گذشتہ دس سال کے دوران، ملک میں کپاس کے پیداواری طور طریقوں میں تبدیلی آچکی ہے۔ اب لمبے ریشوں والے اور مزید لمبے ریشوں والے کپاس کی پیداوار مقابلتاً اضافہ پذیر ہے۔ نتیجتاً ملک میں جہاں پہلے لمبے اور مزید لمبے ریشوں والے کپاس باقاعدہ درآمد (امپورٹ) کئے جاتے تھے، اب ان کی جگہ ان اقسام کے کپاس برآمد (ایکسپورٹ) کئے جاتے ہیں۔

مہاراشٹر میں لمبے اور مزید لمبے ریشوں والے کپاس کی پیداوار سنہ ۱۹۷۲-۷۳ء میں ۱۳ فی صد تھی جو پچھلے فصلوں میں بڑھ کر ۶۰ فیصد کے قریب ہو چکی ہے۔ ملک کی کپڑا ملیں، ان لمبے اور مزید لمبے ریشوں والی کپاس کو مختلف وجوہ کی بناء پر کل کا کل مصرف میں لانے سے قاصر ہیں، لا محالہ انہیں برآمد کرنا پڑ رہا ہے مہاراشٹر وہ پہلی ریاست ہے جس نے تقریباً دو لاکھ گانٹھیں سنہ ۱۹۷۲-۷۳ء کے فصل کی برآمد کی ہے۔ پھر سنہ ۱۹۷۵-۷۶ء سے سنہ ۱۹۸۲-۸۳ء تک، ۱۴.۳۱ لاکھ گانٹھیں برآمد کی جس سے ۳۱۸ کروڑ روپیوں کا قیمتی زرِ مبادلہ حاصل ہوا۔ (جس میں دو طرفہ تجارتی معاہدہ کے تحت روپیوں میں ادائیگی شامل ہے) موخرالذکر برآمدات ہانگ کانگ، زیکوسلاواکیا، رومانیہ، تھائی لینڈ، چین، روس، جنوبی کوریا، سری لنکا، تائیوان، وغیرہ کو کئے گئے تھے۔

آخری قیمت

کپاس کے گانٹھوں کی بڑی تعداد، جو کپا
کے بعد بنائی جاتی ہیں۔ عموماً اسی فصل میں فروخت
لیکن کپاس کے بیج تقریباً سب ہی اسی فص
جاتے ہیں۔ آخری قیمت کا حساب کرنے کے
کے حسابات اس وقت بند کر دیئے جاتے ہ
کی کل گانٹھوں میں سے ۷۵ تا ۸۰ فیصد بک چک
کپاس کے مختلف اقسام اور درجوں کے فرو
اکٹھا کی جاتی ہیں۔ کپاس اور کپاس بیج کے اس
مہاراشٹر خام کپاس سنہ ۱۹۷۱ء کے بموجب لگ
اور اوپر کے حسابات میں یہ قیمت جمع کر دی ج
سے آخر تک کے جملہ اخراجات کو وضع کر کے جو ز
ہے اس میں سے ۷۵ فیصد رقم کپاس کاشت
تقسیم کر دی جاتی ہے اور باقی ۲۵ فیصد رقم
چڑھاؤ فنڈ میں جمع کر دی جاتی ہے۔ اس
کاشتکار کو اس کا واجبی حصہ آخری قیمت
سنہ ۱۹۷۲-۷۳ء میں کپاس کی آخری قیمت
روپیہ فی کوئنٹل تھی جو سنہ ۱۹۸۲-۸۳ء میں فصل
۴۶۸ روپیہ فی کوئنٹل تک جا پہنچی تھی۔ گذشت
کے عرصہ میں کپاس کی اوسطاً آخری قیمت،
تمام فصلوں کی اوسطاً ضمانتی قیمت سے زیاد
سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء، سنہ ۱۹۸۱-۸۲ء اور سنہ ۱۹۸۲-۸۳
ہیں۔ کپاس کے حصول کی ابتدائی تاریخیں اور حس
فصلوں میں بند کرنے کی تاریخیں ملحق نمبر ۱۷ میں

قیمت اتار چڑھاؤ فنڈ

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، آخری قیمت
سے بڑھ کر ہوتی ہے تو زائد رقم کو قیمت اتار چڑھا
کر دیا جاتا ہے۔ اس فنڈ کو اس لیے تشکیل
اس کے ذریعے ضمانتی قیمت میں پیش آنے و
میں آئے جب کبھی آخری قیمت ضمانتی قیمت
کا استعمال اسکیم کے لیے "مارجن" رقم

ہوتا ہے۔ جیسا کہ مہاراشٹر خام کپاس ایکٹ ۱۹۷۱ء
دفعہ ۳۳ (۳) میں مذکور ہے۔ ریاستی حکومت نے ابتداً
... لاکھ روپیہ قیمت اتار چڑھاؤ فنڈ کے لئے عنایت ...
اور اس کے علاوہ بھی ریاستی حکومت اس فنڈ کو ...
ضرورت رقمیں عنایت کرتی رہی ہے۔ اس طرح ریاستی حکومت
... کروڑ روپے ... نقصان کی تلافی کے لئے عطا کر چکی
... ۱۹۸۰ء کی فصل میں پیش آیا تھا۔ ۸۲-۱۹۸۱ء کی
فصل کے شروع میں "قیمت اتار چڑھاؤ فنڈ" میں ۵۱ر۴۶
کروڑ روپیہ جمع تھا لیکن ۸۲-۱۹۸۱ء کے آخر آخر میں یہ رقم گھٹ
گئی اور صرف ۰۵ر۲ (—) کروڑ روپیہ تھی۔

پیش رفت: حصول

"جارحانہ دارانہ کپاس حصولی اسکیم" پر عمل درآمد کو
... سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے۔ صرف دو بار یعنی
پہلی ۷۳-۱۹۷۲ء کی فصل پر جزءً — ۱۵ جنوری ۷۴ء
سے اس پر عمل درآمد معطل کیا گیا تھا۔ اور دوسری دفعہ ۷۸-۱۹۷۷ء کی پوری فصل پر اور ۸۰-۱۹۷۹ء کی فصل پر جزءً
۱۵-۱۲-۱۹۷۸ ... کپاس کا حصول ۷۳-۱۹۷۲ء میں ۷۷ر۵۷
لاکھ کوئنٹل قیمتاً ۷۹ر۱۳۳ کروڑ روپیہ سے بڑھ کر ۸۳-۱۹۸۲ء
فصل میں ۹۲ر۸۹ لاکھ کوئنٹل قیمتاً ۰۶ر۴۳۸ کروڑ روپیہ
(ضمانتی قیمت کے حساب سے) جا پہنچا۔

ان اعداد میں مختلف زونوں، مختلف اقسام اور مختلف
درجوں کی کپاس، نیز لمبے، درمیانی، زیادہ لمبے ریشوں والی کپاس
بھی شامل ہے۔ ۷۳-۱۹۷۲ء میں اوسطاً ضمانتی قیمت ۲۳۱ روپیہ
فی کوئنٹل تھی جو ۸۳-۱۹۸۱ء کی فصل میں بڑھ کر ۴۸۷ روپیہ
فی کوئنٹل جا پہونچی، یعنی قیمت میں ۱۱۰ فیصد اضافہ ہوا۔ امداد
باہمی کی وصولیات کی رقم، اس اسکیم کی وساطت سے
۷۳-۱۹۷۲ء کی فصل میں ۵۹ر۱۶ کروڑ روپیہ تھی جو ۸۳-۱۹۸۲ء
میں بڑھ کر ۰۵ر۳۷ کروڑ روپیہ تک جا پہنچی۔

پیش رفت: فروخت

اس اسکیم کے تحت کپاس کی فروخت، مقامی مانگ
پر منحصر ہے۔ ۷۳-۱۹۷۲ء تک فصل کے اختتام تک ۲۸ ۰ ۸
لاکھ گانٹھیں ان ۴۸ر۱۱ لاکھ گانٹھوں میں سے فروخت ہوئی
تھیں جو کسی جا چکی تھیں (یعنی صرف ۷۲ فیصد)، اور ۸۴-۱۹۸۳ء
کی فصل میں بھی جملہ ۲۱ر۱۰ لاکھ کس کر گانٹھیں بنائی گئی ہیں
کپاس میں سے ۷۲ فیصد ہی تا اختتام فصل فروخت ہوئیں۔
بعض فصلوں میں یعنی ۷۶-۱۹۷۵ء اور ۷۷-۱۹۷۶ء میں
یہ فیصد علی الترتیب ۹۳ اور ۹۷ فیصد تھا۔ لیکن ۷۵-۱۹۷۴ء
کی فصل میں فروخت فقط ۴۲ فیصد تھی کیونکہ مانگ بہت
گھٹ گئی تھی جبکہ کپاس کی منجملہ طور پر آمد بہت راحت بخش تھی
فروخت کے ذریعے آمدنی کا اوسط ۷۳-۱۹۷۲ء میں فی گانٹھ
۱۱۵۱ روپیہ تھا جو ۸۳-۱۹۸۲ء میں بڑھ کر ۲۰۹۵ روپیہ
تک ہوگیا تھا۔ کپاس بیج ۷۳-۱۹۷۲ء کی فصل میں ۳۱ر۳۷
لاکھ کوئنٹل قیمتاً ۱۳ر۴۱ کروڑ روپیہ کا فروخت ہوا جبکہ ۸۳-۱۹۸۲ء
کی فصل میں ۳۲ر۷۵ لاکھ کوئنٹل قیمتاً ۲۳ر۱۲۳ کروڑ روپیہ
کا فروخت ہوا تھا۔ اسی طرح ۷۳-۱۹۷۲ء اور ۸۳-۱۹۸۲ء میں
کپاس کی قیمت فروخت علی الترتیب اوسطاً ۱۱۱ اور ۲۱۵
روپیہ فی کوئنٹل تھی۔

نفع و نقصان

فصل کا حساب و کتاب عموماً بند کر دیا جاتا ہے جب
۷۵ تا ۸۰ فیصد کپاس کی گانٹھیں فروخت ہو چکی ہیں۔
پھر آخری قیمتوں کا حساب نکالا جاتا ہے۔ اس اسکیم کے شروع
ہونے کے وقت سے، اسکیم نے سبھی فصلوں میں خالص
نفع حاصل کیا۔ سوائے ۷۵-۱۹۷۴ء اور ۸۲-۱۹۸۱ء کے
جب صورت حال اس کے برعکس تھی۔ ۷۶-۱۹۷۵ء سے،
۷۷-۱۹۷۶ء اور ۸۱-۱۹۸۰ء میں نفع کا حساب علی الترتیب
۵۸ر۹۳ کروڑ روپیہ، ۰۰ر۱۰۰ کروڑ روپیہ اور ۱۹ر۶۳
کروڑ روپیہ نکلا تھا لیکن ۷۵-۱۹۷۴ء اور ۸۲-۱۹۸۱ء میں اسکیم
کو سخت نقصان اٹھانا پڑا تھا کیونکہ کپاس کی مانگ بہت
ماند پڑ گئی تھی۔ درحقیقت ریاستی حکومت کو ۵۸ر۱۱ کروڑ
روپیہ "قیمت اتار چڑھاؤ فنڈ"، کو عطا کرنا پڑا تھا۔ تاکہ
۷۵-۱۹۷۴ء کی فصل میں نقصان کی تلافی کی جا سکے۔ اسی طرح
۸۲-۱۹۸۱ء کی فصل میں، خالص نقصان کا حساب ۳۴ر۴۶
کروڑ روپیہ نکالا گیا تھا۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ لمبے ریشوں والی قسم

میں سے اکثر جیسے ورلکشمی، ایچ آر - ۳۵۲، ایم سی ایچ -
۱، سی بی ایس - ۱۵۶، سوون، پی - ۴، نیکر - ۱۱۰۲،
قسمیں ۸۰-۱۹۷۹ء، ۸۱-۱۹۸۰ء اور ۸۲-۱۹۸۱ء کی فصلوں
میں نقصان میں رہیں - حالانکہ [illegible] ورلکشمی، ہم ۴ بڑے اور
پرتھی اور اس قسم [illegible] نقصان کی کافی تلافی کی -

بونس

جب حساب [illegible] بند کیے جاتے ہیں تو ہر قسم کے
لیے نفع و نقصان [illegible] نکالا جاتا ہے - بعض قسموں پر
پر نفع ملتا ہے اور بعض پر نقصان ہوتا ہے - اس نفع کا ۷۵
فیصد جو متعلقہ قسموں میں دکھایا جاتا ہے - ان قسموں کے
پیش کرنے والوں پر اضافی قیمت (یعنی بونس) کے طور پر تقسیم
کر دیا جاتا ہے - اور باقی ماندہ ۲۵ فیصد "قیمت استحکام
فنڈ" میں جمع کر دیا جاتا ہے - اس قسم کی اضافی قیمت جو
سن ۷۳-۱۹۷۲ء کی فصل میں کپاس پیش کرنے والوں کو دی گئی تھی
وہ ۲۳ء۱۵ کروڑ روپیہ تھی، جبکہ سن ۸۲-۱۹۸۱ء کی فصل میں
[illegible] ۶ء۱ کروڑ روپیہ [illegible] پیش کرنے والوں کو اضافی
قیمت کے طور پر دیا جاسکا تھا -

گورپے کمیٹی

کی سفارشات

اجارہ دارانہ کپاس حصولی اسکیم ریاست مہاراشٹر
میں سن ۷۳-۱۹۷۲ء کی فصل سے عمل میں ہے - اسکیم پر عمل کے
دوران کئی مسائل سے نمٹنا پڑا - اس لیے حکومت نے ڈاکٹر
ڈبلیو - آر - گورپے کی چیرمین میں ۱۹۷۶ء میں ایک کمیٹی مقرر
کی تاکہ وہ اس اسکیم کے ڈھانچے، تعین، طور طریقے اور اسکیم
پر اصل عملدرآمد میں خامیوں کی نشاندہی اور ان دشواریوں پر
عبور حاصل کرنے کا علاج تجویز پیش کرے -
کمیٹی نے مندرجہ ذیل اہم سفارشات
پیش کی ہیں :-
(۱) :- "براکارڈ" دینا جاری رکھا جائے - اس
جانچ اور معائنہ بھی کیا جانا چاہیے -

(۲) :- کپاس کا غیر متناسب مقدار میں
پیش کیے جانے کی جانچ کی جائے - بالخصوص
سرحدی مقامات پر -
(۳) :- غیر سہولیاتی مرکزوں کو شرائط کے تحت
کھولنا اور جاری رکھنا اور کپاس کی نقل و
حمل کا خرچ سردست اسکیم ہی برداشت کرے -
(۴) :- "ویئنگ برج" کے نصب کرنے کی تجویز،
ڈائرکٹر آف مارکیٹنگ پیش کرے -
(۵) :- ایف اے کیو گریڈ کے نمونوں کے صندوق
رکھنا تمام مرکزوں سے ختم کر دیا جائے -
(۶) :- گریڈروں کے معائنہ کرنے والوں کا ایک
جتھا یا جماعت ہونی چاہیے -
(۷) :- "[illegible] کمیٹی" کی تشکیل نئے سرے سے
ہونی چاہیے -
(۸) :- انتظام کاری کے کنٹرول کو اطمینان بخش
بنانے کے لیے فیڈریشن انسپکٹنگ جننگ
سپروائزروں کا تقرر کرے -
(۹) :- کپاس [illegible] ڈھیر کی شکل میں بھی بیچی جائے -
(۱۰) :- "[illegible] - پالیسی - کمیٹی" قائم کی جائے -
(۱۱) :- علاقائی سطح پر کپاس جانچنے کی لیبارٹریاں
قائم کی جائیں تاکہ گریڈنگ یا درجہ بندی کی کوالٹی
کی جانچ ہو اور کپاس کی سائنسی اصول کے
مطابق درجہ بندی کی جائے -
(۱۲) :- فیڈریشن موجودہ کنٹرول اور انونٹری کنٹرول،
فہرست کی تکمیل کرے -
(۱۳) :- عدم مرکزیت والی انتظامیہ کے لیے علاقائی
آفس قائم کی جائیں -
(۱۴) :- "اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی" اور علاقائی کمیٹیاں
قائم کی جائیں -
(۱۵) :- چوکسی خانے (چوکیاں) قائم کی جائیں -
(۱۶) :- صدر دفاتر میں اور علاقائی سطح پر اعداد و شمار
جمع کرنے والے خانے کی تنظیم کاری عمل میں لائی جائے -

"قیمت آتار چڑھاؤ فنڈ"، کو کاروبار کے
مناسب شرح سود پر استعمال کیا جائے۔
گریڈ یا درجہ بندی کے لحاظ سے آخری
نوں کے عمل درآمد میں ترمیم کی جائے۔
تحتی ایجنٹ سوسائیٹیوں کے کمیشن پر
ثانی کردہ بنیاد قائم کی جائے۔
امدادِ باہمی دائرے میں کپاس اسٹوریج (یا
کرنے) کے لئے مزید تعمیرات کی تجاویز ڈائرکٹر
ف مارکیٹنگ پیش کرے۔
آگ بجھانے کے ساز و سامان کی اسکیم کے
ے مارکیٹنگ ڈائرکٹر تجاویز پیش کرے۔
کپاس کی درجہ بندی کرنے والوں کی ٹریننگ
تربیت کا انتظام کیا جائے۔
اسکیم کے عمل و تعمیل میں نقصانات سے روکنے
محفوظ رکھنے پر نقد انعام دینے کا طریقہ
ائج کیا جائے۔
بوائی کے بیجوں اور تجارتی بیجوں کے درمیان
نسبتوں کے فرق میں کمی لائی جائے۔

ین۔ڈی۔پاٹل
کی سفارشات

لیٹی پروفیسر این۔ڈی۔پاٹل، سابق وزیر
ں) امدادِ باہمی کی چیئرمینی میں قائم کی گئی تھی۔ اس
ارشات حسب ذیل تھیں۔
"ہرا کارڈ"، بنیادی طور پر دستوری بنا دیا جائے
درجہ بندی کرنے والوں کے ... اس
ریفریشر ٹریننگ ... ہے
دیجی نیس ... ایکسی چوکیاں، درجہ بندی
کے کام کی نگرانی کے لئے قائم کی جانی چاہیئں۔
"واندھا کمیٹی" ... کمیٹی کی از سر نو
تشکیل کی جائے۔
ادائیگیاں، رقم پانے والے کھاتہ داروں کو

بذریعہ چیک کی جائیں۔

(۶) :— ایسی کمی یا نقصان جس کی تلافی "قیمت آتار چڑھاؤ فنڈ" کے ذریعہ ممکن نہ ہو، اس کی بھرپائی آئندہ کے حقیقی رقوم کے ذریعے نہیں بلکہ ریاستی حکومت خود کرے۔

(۷) :— کاشت کاروں کو پاس بک ... دی جائیں جس میں "قیمت اتار چڑھاؤ فنڈ" ... ان کے حصے کی رقم مذکور ہو۔

(۸) :— "قیمت اُتار چڑھاؤ فنڈ" کی کریڈٹ یا کھاتے میں جمع شدہ رقم پر سود ملنا چاہیئے۔

(۹) :— "قیمت آتار چڑھاؤ فنڈ"، کا آزادانہ اسکیم کے تحت الگ سے حساب کتاب کیا جائے۔

(۱۰) :— "قیمت اتار چڑھاؤ فنڈ"، کے لیے، عطیہ پانچ فیصد زائد اس رقم سے ہونا چاہیئے جو ضمانتی قیمت سے اوپر ہو۔

(۱۱) :— ایک پوری طرح آراستہ "اشاعت گھر" قائم کیا جانا چاہیئے۔

(۱۲) ایک تحتی کمیٹی قائم کی جانی چاہیئے۔ جو یہ تحقیق کرے کہ "کپاس ترقیاتی فنڈ"، کا استعمال "ریاست مہاراشٹر امدادِ باہمی بینک" کس طرح سے کرے۔

(۱۳) :— ایک ورکنگ گروپ قائم کیا جائے۔ جو کپاس کی نوعیت کی تبدیلی کے نرخ کا وقتاً فوقتاً مطالعہ کرتا رہے۔

(۱۴) :— فیڈریشن کو چاہیئے کہ کپاس اسکیم کی تفصیلات کو ایک الگ رپورٹ کی شکل میں شائع کرے۔

(۱۵) :— ایک چھوٹی کمیٹی اسکیم کے حسابات اور سالانہ "قیمت آتار چڑھاؤ فنڈ" کے حساب کی جانچ کے لئے مقرر کی جانی چاہیئے۔

(باقی صفحہ ۱۳۲ پر)

• ڈاکٹر ایس۔ بی۔ ساکھلکر
ایگزیکٹیو ڈائرکٹر، مہاراشٹر
اکانومک ڈیولپمنٹ کونسل، بمبئی

हीरक महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

مہاراشٹر میں صنعتوں کی نشوونما اور ان کی ساخت

گذشتہ دو دہے کے دوران مہاراشٹر میں جس رفتار سے صنعتوں کی نشوونما ہوئی ہے اور ان کا جو نمونہ سامنے آرہا ہے، ان سے مہاراشٹر کے نئے کارخانہ داروں کی ہمت افزا کوششوں کی عکاسی ہوتی ہے۔ اور مرکزی حکومت کی صنعتی پالیسی کے بالکل چوکھٹے کے اندر ریاستی حکومت کی ان حوصلہ افزا کارروائیوں پر روشنی پڑتی ہے جو اس نے اس سلسلے میں اختیار کیا ہے۔ مضمون نگار کا کہنا ہے کہ مجموعی طور پر کارخانوں اور ان کے پیداواری سرمایہ میں، مال کی پیداوار، پیداواری صلاحیت اور قیمت میں جو صنعت کار نے اس میں لگائی ہے۔ قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔

سارے ملک میں مہاراشٹر ہی غالباً وہ واحد ریاست ہے جو شاندار تاریخی اور ثقافتی میراث، ایک پائیدار سیاسی بنیاد، ایک باصلاحیت عوامی انتظامیہ، کارخانوں اور ہنرمند محنت کا عظیم الشان ترکہ اور بخوبی تکمیل یافتہ معاشیاتی، سماجی، اور فطری ساخت رکھتی ہے۔ یہ ریاست سماجی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی سرگرمیوں میں سارے ملک میں خاص امتیازی درجہ رکھتی چلی آرہی ہے۔ اور دوسری ریاستوں کے لئے اپنی اچھی عادات و اطوار پر عمل پیرا ہونے کے لئے عمدہ تمثیل کا کام دیتی ہے۔ جغرافیائی طور پر مہاراشٹر شمال و جنوب کے لئے درمیانی کڑی بے بلور رہی ہے۔ سماجی طور پر یہ ایک ایسی ریاست ہے جو ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور سماجی اصلاحات میں پیش پیش ہے۔ جس کی طبیعت و مزاج میں اپنوں کی سی جاذبیت ہے اور جو عادتاً صلح کل اور وسیع المشرب ہے۔ سیاسی طور پر، اسے کام نا فدائی اور تعمیری سرگرمیوں میں ثابت قدم کہا جاتا ہے۔ یہ بے مثل خصوصیات ملک کے تمام حصوں سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ اسی کشش میں دخل اس آزادی کو زیادہ ہے جو لوگوں کو یہاں میسر آتی ہے اور ان مواقع کو جو چوطرفہ ترقی کے لئے یہاں ملتے ہیں۔ محنت کش اور ترقی پسند کے لئے یہ ایک ایسا گھر ہے جو مہاراشٹر کی زندگی کو اپنی جد و جہد سے چار چاند لگاتے ہیں۔

مہاراشٹر نے ہندوستان کے معاشی اور صنعتی نقشے میں اپنے لئے ایک ممتاز اور روشن جگہ پیدا کر لی ہے۔ اگرچہ مہاراشٹر کا حصہ قومی آبادی میں ۹٫۵ فیصد ہے۔ لیکن قومی آمدنی میں اس کا عطیہ ۱۳٫۱ فیصد ہے۔ گذشتہ سال یعنی ۸۳-۱۹۸۲ء میں مہاراشٹر میں فی کس ریاستی آمدنی

۲۵۲۵ روپیہ تھی۔ جبکہ فی کس قومی آمدنی ۱۸۹۱ روپیہ تھی۔ مہاراشٹر کو مالی اور تجارتی سرگرمیوں میں، دوسری تمام ریاستوں کے مقابلے میں اولیت حاصل ہے۔ اور بمبئی کو، جو مہاراشٹر کا صدر مقام ہے۔ ہندوستان کا مالی صدر مقام کہنا بالکل صحیح ہے۔ اگرچہ اس ریاست میں شیڈولڈ کمرشئیل بینکوں کے دفاتر کی جو تعداد ہے وہ پورے ملک میں ایسے دفاتر کی تعداد کا صرف ۷،۹ فیصد ہے پھر بھی یہاں جمع کی جانے والی رقم کل ہند رقوم کا ۸،۱۷ فیصد اور ایڈوانس دی جانے والی رقم ۱،۲۱ فیصد ہے۔

یہ ریاست پورے ملک میں شہر پسندی اور شہر سازی میں بھی اولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ جہاں تعلیم یافتہ اور ہنر مند لوگوں کے ذخیرے ہیں اور جو ملک کی صنعتی دوڑ میں ہمیشہ پیش پیش رہی ہے۔ اور اس کی وجہ وہ بہترین حکومتی ڈھانچہ اور حوصلہ افزائی ہے جو کارخانہ داروں اور سرمایہ کاروں کو میسر آتی ہے۔ حکومت صنعت کے لئے کافی زمین، ایسے مناسب مقامات پر دیتی ہے جہاں پانی اور بجلی کی کمی نہیں۔ یہ ریاست پورے ملک کی بجلی کا ۹ ، ۱۶ فیصد بجلی پیدا کرتی اور پورے ملک کی بجلی کے خرچ کا ۸ ، ۱۶ فیصد استعمال کرتی ہے۔ اگرچہ یہاں کارخانوں کی تعداد ملک بھر میں کارخانوں کی جملہ تعداد کا ۵ ، ۱۰ فیصد ہے پھر بھی یہاں کارخانوں میں کام کرنے والوں کی تعداد، پورے ملک کے کارخانوں میں کام کرنے والوں کی تعداد کا ۶ ، ۱۷ فیصد ہے۔ سارے ملک میں فی لاکھ آبادی میں سے فیکٹریوں میں کام کرنے والوں کی تعداد ۱۰۴۴ ہے۔ جبکہ مہاراشٹر میں یہ تعداد ۲۰۱۲ ہے۔ یہاں کے کارخانوں میں مال تیار کرنے کا تناسب بہت زیادہ ہے۔ اس ریاست میں، صنعت کاری میں جمع کی جانے والی رقم کی قیمت فی کس ۴۵۷ روپیہ ہوتی ہے۔ جبکہ سارے ملک کے لئے یہ ۱۶۷ روپیہ فی کس ہے۔ سرکاری طور پر ایک معاشی جائزے کے مطابق، یہ ریاست پیداواری سرمایہ اور ملازمت کا تقریباً چھٹا حصہ صنعت میں لگاتی ہے۔ جبکہ سارا ملک کل قیمت کا (مع خرچ کے) اور اس قیمت کو شامل کر کے جو منظم صنعتی سیکٹر اس میں ملاتا ہے۔ یعنی جملہ پیداوار کا چوتھائی حصہ اس میں لگاتا ہے۔ مہاراشٹر میں پیداوار فی ملازم — کل ہند پیداوار سے، ۳۸ فیصد زائد ہے اور جمع کردہ قیمت فی ملازم۔ کل ہند جمع کردہ قیمت سے ۵۰٪ فیصد زائد ہے۔

صنعتی نشوونما

مہاراشٹر میں کارخانوں کی جملہ تعداد جو ۱۹۶۱ سنہء میں ۸۲۳۳ تھی۔ وہ ۱۹۸۱ سنہء میں ۱۶۵۹۴ — یعنی دگنی سے بھی زیادہ ہوگئی۔ ان کارخانوں کا پیداواری سرمایہ ۱۱ گنا بڑھ گیا — یعنی ۶۱۹ کروڑ روپیہ سے ۰۹۶، ۷ کروڑ روپیہ تک جا پہونچا۔ اسی طرح پیداوار میں ۱۳ گنا اضافہ ہوا۔ یعنی قیمت پیداوار ۸، ۷۰ ۱ کروڑ روپیہ سے ۴۳۵۱ کروڑ روپیہ ہوگئی۔ تاہم ملازمتوں میں اضافہ ۸۷، ۷ لاکھ سے بڑھ کر ۹۲، ۱۱ (یعنی ۷، ۵۱ فیصد) ہوا۔ قریب ترین دستیاب اعداد کے مطابق، پیداواری سرمایہ کے ہر روپیہ پر ۰۲، ۲ روپیہ کی پیداوار مہاراشٹر میں اور ۳۸، ۱ روپیہ کی کل ہند بنیاد پر ہوئی۔ اسی طرح ملازمت کے لحاظ سے، پیداواری سرمایہ کے ہر ایک کروڑ پر مہاراشٹر میں تعداد ۲۲۰ رہی جبکہ مقابلتاً کل ہند میں یہی تعداد ۲۰۳ رہی۔ ۵۰ اشخاص سے زائد تعداد کو ملازمت دینے والی فیکٹریوں کی توسیع گذشتہ دو دہوں میں مختصر تھی۔ یعنی ۵۰ فیصد تھی جبکہ ۵۰ سے کم اشخاص کو ملازم رکھنے والی فیکٹریوں میں توسیع کی رفتار ۱۲۰ فیصد تھی۔ درحقیقت، ان کارخانوں کی تعداد میں کمی واقع ہوئی جن کا شمار پاور سے نہ چلنے والے گروپ کی فیکٹریوں میں ہے۔

مہاراشٹر میں صنعتی نشوونما کی رفتار میں تیزی ۱۹۷۰ سنہء کے سال میں آئی۔ کارخانوں کی تعداد ۸۱-۱۹۷۱ سنہء کے دوران ۰، ۶۲ فیصد بڑھی۔ جبکہ ۷۱-۱۹۶۱ سنہء کے درمیان صرف — ۳، ۲۴ فیصد کا اضافہ ہوا تھا۔ اسی طرح پیداوار جو ۷۱-۱۹۶۱ سنہء کے دوران ۷، ۴۲ ۵ فیصد تھی۔ ۸۱-۱۹۷۱ سنہء میں بڑھ کر ۳، ۲۷۵ ہوگئی۔ ملازمتوں کا سلسلہ بھی ۱۹۷۰ سنہء کے سال میں ۴، ۱۹ فیصد تھا جبکہ ۱۹۶۰ سنہء کے سال میں یہ تعداد ۸، ۲۶ فیصد تھی۔ بایں ہمہ قیمت فی ملازم اور پیداوار فی ملازم کو جمع کرنے پر ۱۹۶۰ سنہء کی بہ نسبت ۱۹۷۰ سنہء میں اضافہ پیش آیا۔ صنعتوں کے ڈھانچے میں تبدیلی بھی ان اسباب میں سے ایک سبب ہے جس سے قیمت جمع پیداوار کے



تناسب میں کمی واقع ہوئی۔

صنعتوں کا نمونہ :-

ہمارے ملک میں گذشتہ بیس سال کے عرصے میں صنعتوں کی ترتیب میں کافی تبدیلی پیش آئی۔ چنانچہ ان آئندہ صنعتوں کی طرف زیادہ جھکاؤ رہا۔

(۱) کیمیکلس (۲) الیکٹریکل مشینری (۳) ٹرانسپورٹ کے ساز و سامان (۴) مشینری، مشین ٹولز، الیکٹریکل کے علاوہ (۵) بیسک میٹلس اور ایلوائنز (۶) ربر، پلاسٹکس، پیٹرولیم اور کوئلہ کی مصنوعات (۷) سوتی کپڑے اور (۸) غذائی مصنوعات۔

سب سے زیادہ سالانہ اوسط تنخواہ وغیرہ فی مزدور بلحاظ آخری دستیاب اعداد، کیمکلس کی صنعت میں کام کرنے والوں کی تھی۔ یعنی ۱۴۳۶۷ روپیہ اور سب سے کم ان کی تھی جو غذائی مصنوعات کی صنعتوں میں کام کرتے تھے یعنی ۴۳۵۲ روپیہ۔ پورے صنعتی گروپ کے لئے اوسط ۸۲۶۵ روپیہ تھی۔ کیمکلس کی صنعت میں کام کرنے والوں کو جو زیادہ تنخواہیں وغیرہ ملیں اس کا اثر یہ ہوا کر

...تیں اس قدر ہو گئیں ... بڑھ گئیں۔ گرچہ کپڑا ... کی ... میں ... تنخواہ ... یعنی ۱۰ ... روپیہ ... تنخواہ ۵ ... ملتی ہے لیکن اس کی ... فی ملازم جمع کر ... ۱۱۳۱۵ روپیہ جمع کرتے ہیں ... کیمیکل صنعت ... کی تنخواہ ... ایک چوتھائی ... تک کم ...

مختلف صنعتوں میں ملازمین کو جذب کر لینے یا ملازم رکھ لینے کی صلاحیت کا نیز فی ملازم پیداواری صلاحیت کا مطالعہ کرنا دلچسپی سے خالی نہیں۔ پیداوار فی ملازم، آخری دستیاب اعداد کے مطابق ۱،۰۱،۰۰۰ روپیہ ہے۔ کیمیکل صنعت میں فی ملازم پیداوار ۳۴،۸۰،۰۰۰ روپیہ بہت بلند ہے۔ جبکہ یہی چیز سوتی کپڑا کی صنعت میں ۴۶،۰۰۰ روپیہ ہے۔ سرمایہ کی نسبت عددی ٹرانسپورٹ صنعت میں ۴۷ء۱ سے لے کر مشین پارٹس کی صنعت اور ربر، پلاسٹک، پیٹرولیم اور کوئلہ کی مصنوعات کی صنعت میں ۴۶ء۴ تک ہے۔

فصلی پیداوار کا حاصل سب سے زیادہ یعنی ۸۹ فیصد، جبکہ کپاس صنعت کا حاصل سب سے کم یعنی ۰ فیصد ہے۔ ایک جائزہ کے مطابق تمام صنعتوں کا فیصد ۷۵ ہے۔ انہیں تقسیم کرنے پر کیمیکل اور الیکٹریکل مصنوعات ۷۲ فیصد دھاتی مصنوعات ۸۰ فیصد اور ربر، پلاسٹک، پیٹرولیم، اور کوئلہ صنعتوں کا فیصد ۸۳ ہے۔

منقسم صنعتیں :-

سرمایہ کے حساب سے صنعتوں کو تقسیم کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بڑی صنعتوں (جن میں زیر استعمال سرمایہ کی رقم ۱۰ لاکھ سے زیادہ ہے) کا فیصد صرف ۱۶ء۱ ہے لیکن روزگار کی تعداد کے لحاظ سے ان کی تعداد ۷۲ فیصد، پیداواری صلاحیت ۹۱ فیصد، پیداواری حاصل ۸۲ فیصد اور ۷ فیصد تخمینہ ہے۔ چھوٹی صنعتوں میں جن میں سرمایہ کی رقم ۱۰ لاکھ سے کم ہے۔ کارخانے ۸۵ فیصد روزگار ۲۸ فیصد، پیداواری صلاحیت ۱۸ اور تخمینہ ۱۳ فی صد ہے۔

فی روپیہ پیداواری صلاحیت چھوٹی صنعتوں میں

۱۱ر۴ روپیہ ہے جو کہ بڑی صنعتوں سے دوگنی ہے۔ تقریباً ۴۷ فیصد کارخانوں میں ۲۰ا اشخاص سے زیادہ لوگ برسرروزگار ہیں۔ جن کارخانوں میں روزگار اشخاص کی تعداد ۵۰۰ سے زیادہ ہے۔ جو محض ۲ فیصد ہیں۔ لیکن پیداواری سرمایہ کے لحاظ سے ان کی تعداد ۱۶ فیصد ہے۔ اس کے مقابلہ میں ۷۱ فیصد کارخانوں میں ۵۰ سے کم اشخاص برسرروزگار ہیں۔ جن کارخانوں میں ۱۰۰ تا ۱۹۹ اشخاص کام کرتے ہیں۔ ان کی کارکردگی ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ اس کے بعد وہ کارخانے ہیں جن میں روزگار کی تعداد ۲۰۰ تا ۴۹۹ ہے۔

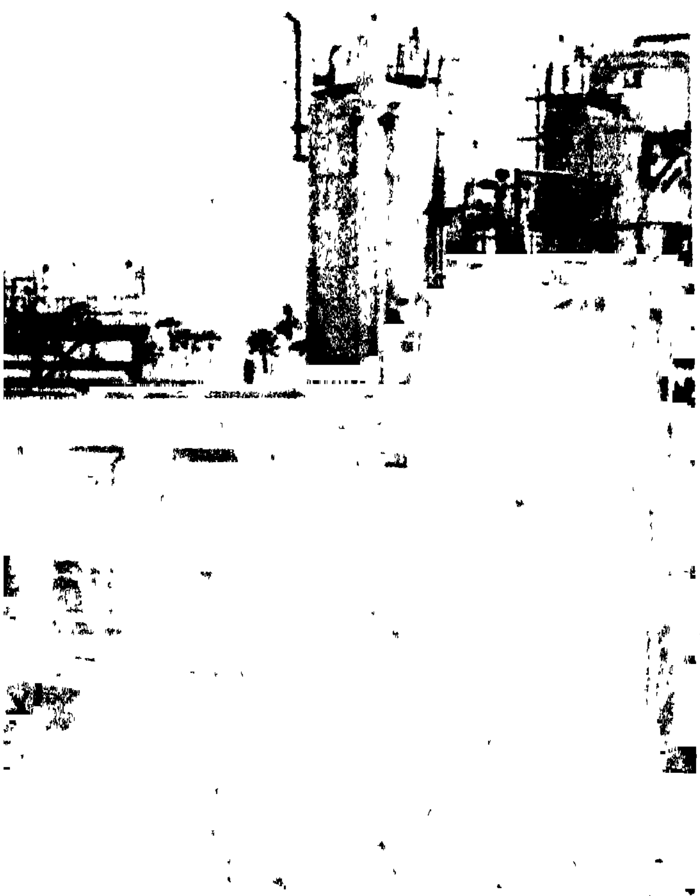
مہاراشٹر میں ۹۰ کارخانے غیر انفرادی ہیں۔ ان میں شرکت دار کارخانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ کارپوریٹ سیکٹر میں پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنیوں کی تعداد ۱۹۸۰ ہے۔ اس سے کم پبلک لمیٹڈ کمپنیاں ہیں جن کی تعداد صرف ۴۸۲ ہے۔ لیکن پبلک لمیٹڈ کمپنیاں سرمایہ، مواقع روزگار اور پیداوار کے لحاظ سے دیگر کمپنیوں سے آگے ہیں۔ اسی طرح غیر کارپوریٹ اداروں کی کارکردگی کارپوریٹ اداروں کی کارکردگی سے بہتر ہے۔

صنعتی پھیلاؤ :-

مہاراشٹر میں صنعتی ترقیات محدود رہی ہیں۔ زیادہ تر گریٹر بمبئی، تھانے اور پونے میں ہے۔ ان اضلاع میں واقع کارخانوں کی تعداد ۰ فیصد ہے۔ ان کارخانوں کی بدولت یہاں مواقع روزگار ۲ فیصد، پیداواری سرمایہ ۱۹ فیصد اور ۸۱ فیصد حاصل ہے۔ ان تینوں اضلاع میں واقع کارخانوں کا مجموعی رقم سرمایہ کا تخمینی عدد سرمایہ ۱۵۱۶ روپیہ ہے۔ جبکہ باقی ماندہ علاقوں کا اوسط ۸۲ روپیہ اور تمام ریاست بھر کا اوسط ۱ روپیہ ہے۔

۱۹۶۱ء تا ۱۹۷۰ء کے دوران ان اضلاع کے اہم علاقوں میں رجسٹرڈ کارخانوں کی تعداد ۴ر۲۸ فیصد سے کم ہو کر ۱ر۱۲ فیصد ہو گئی تھی۔ لیکن یہاں مواقع روزگار میں کچھ حد تک اضافہ ہوا۔ بمبئی ضلع میں فیصد حصہ داری میں اضافہ ہوا لیکن دیگر معاملوں میں کمی رہی۔ تھانے ضلع میں فیصد حصہ داری اور دیگر تمام معاملات میں اضافہ ہوا جبکہ پونے ضلع میں حصہ داری فیصد تھانے ضلع سے کم رہا۔

بمبئی، پونے، تھانے پٹی کا علاقہ صنعتی ترقیات کے لحاظ سے ابھی پسماندہ ہے۔ ان علاقوں میں صنعتوں کے فروغ کے لئے حکومت مہاراشٹر نے ۱۹۶۴ء سے پیکیج اسکیم نافذ کیا ہے تاکہ صنعت کاروں کو ان علاقوں میں صنعتوں کے قیام کی ترغیب دی جاسکے۔ اس اسکیم کے تحت ریاست مہاراشٹر کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تھانے ضلع کے تھانے، بھیونڈی، کلیان، امبرناتھ اور الہاس نگر کو ایک گروپ میں رکھا گیا ہے۔ دوسرے گروپ میں اورنگ آباد، ناسک، ناگپور، شاہ پور، مراد، اور واشی اور تیسرے گروپ میں تلسری، جواہر اور موکھاڈہ شامل ہیں۔ ان علاقوں میں صنعتوں کے قیام کے لئے چند رعایتیں دی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر سہولیات مثلاً مکانات، مواصلاتی سہولت وغیرہ بھی دی جاتی ہیں۔



اضلاع میں صنعتی مراکز قائم کئے گئے ہیں۔ جن کی تعداد ۲۶ ہے۔ ان مراکز کے قیام کا مقصد خاص ایک ہی جگہ مختلف چھوٹی، [illegible] یا گھریلو صنعت کے قائم کرنے میں کاروباری اشخاص کی ضروری سہولیات مہیا کرنا ہے۔ ان سہولیات میں خام مال کی سپلائی اور تیار مال کی کھپت بھی شامل ہے۔ ان مراکز کے اخراجات مرکزی اور ریاستی دونوں حکومتوں کے مابین برابر برابر تقسیم ہیں۔ ۸۲-۱۹۸۱ء کے دوران اس طرح تقریباً ۵ء۳ ہزار یونیٹیں قائم کی جا چکی ہیں۔ ان میں ۵ء۳۰ کاریگر یونیٹیں اور ۷ ہزار چھوٹی یونیٹیں شامل ہیں۔ چھٹے پنج سالہ منصوبہ میں اس منصوبہ کے لیے ۵۵ لاکھ روپیہ وقف کیا گیا ہے۔

لائسنس اور رجسٹریشن :-

کسی صنعت کے لیے حکومت کا اجازت نامہ ضروری ہے۔ سنہ ۱۹۶۰ء کے دوران مہاراشٹر میں ۲۰۵۲ لائسنس کا اجرا کیا گیا۔ سنہ ۱۹۸۲ء تک بمبئی منطقہ میں [illegible] جاری کیے گئے۔ بمبئی کے دیگر علاقوں کے ۱۲۷۷ لائسنس جاری کیے گئے۔ سنہ ۱۹۶۱ء کے دوران ۵ء۲۲ فیصد لائسنس کا اجرا کیا گیا۔

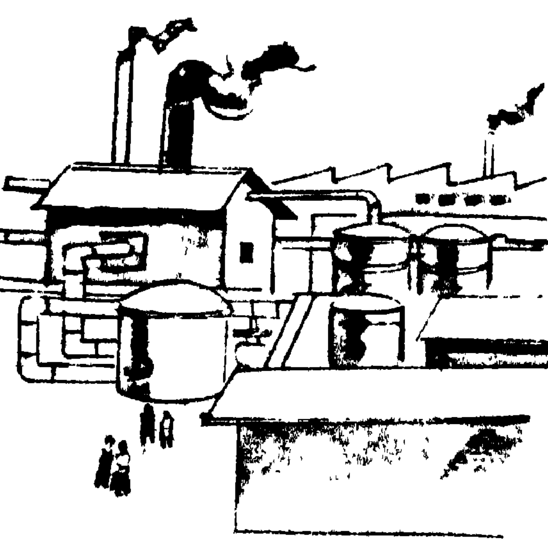
درمیانی اور بڑی صنعتیں جنہیں لائسنس کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں حکومت ہند کے ڈائرکٹوریٹ برائے ٹیکنیکل ترقیات کے تحت رجسٹرڈ کیا جاتا ہے۔ جبکہ چھوٹی صنعتوں کو ریاستی ڈائرکٹوریٹ کے تحت رجسٹرڈ کیا جاتا ہے۔ بمبئی منطقہ میں رجسٹرڈ صنعتوں کی تعداد ۷۶ء۱۹ تا ۱۹۸۲ء تک نہایت کم رہی۔ پونے میں یہی حالت تھی، جبکہ اورنگ آباد اور ناگپور میں یہ فیصد زیادہ رہا۔

لائسنس کی اجرائی کا جائزہ لیا جائے تو بھی واضح ہوتا ہے کہ بمبئی منطقہ سے رفتہ رفتہ صنعتیں دیگر علاقوں میں منتقل ہوتی چلی گئی ہیں۔ بمبئی، تھانے اور پونے کے اضلاع میں سنہ ۱۹۶۱ء تک رجسٹرڈ صنعتوں کی تعداد ۶۱ء۶ فیصد تھی جو کہ سنہ ۱۹[illegible]ء تک گھٹ کر ۸۶ء۹ فیصد ہو گئی۔ لیکن اس عرصہ میں روزگار کے مواقع جو پہلے ۳ء۹ فیصد تھے سنہ ۱۹[illegible]ء تک ۵ء۱۷ فیصد ہی رہ گئے۔

نتائج :-

گذشتہ دو دہائیوں میں مہاراشٹر میں صنعتوں کے فروغ اور قیام میں بہ [illegible] اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس امید افزا نتائج کی خاص وجہ حکومت مہاراشٹر کی مرکزی حکومت سے میل رکھتی ہوئی صنعتی پالیسی ہے۔ مہاراشٹر میں واقع مختلف صنعتوں میں زیادہ تر صنعتیں کیمیائی اشیاء اور اشیاء ضروری پر مبنی ہیں۔ اس ضمن میں آٹھ بڑی صنعتوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ جو کہ بالترتیب (۱) کیمیکل (۲) الیکٹریکل اشیاء (۳) ٹرانسپورٹ (۴) مشین اور مشینی اوزار (الیکٹریکل کے علاوہ) (۵) دھاتی اشیاء (۶) ربر، پلاسٹک، پٹرولیم اور کوئلہ صنعتیں (۷) کپڑا صنعتیں اور (۸) غذائی صنعتیں ہیں۔ ان میں سے مہاراشٹر کی ۲/۳ صنعتیں غیر کارپوریٹ خصوصاً شرکت داری پر مشتمل ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں [illegible] پالیسی مہاراشٹر کے پسماندہ علاقوں میں صنعتوں [illegible] فروغ میں کافی معاون رہی ہے۔ اس کے باوجود [illegible] پورے [illegible] تھا۔ ان میں صنعتوں کی گنجائش اب بھی باقی ہے۔

(ترجمہ:- زیب النساء محمد اقبال)



रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

پی ۔ کے ۔ نائیک
سینئر نامہ نویس
دی ٹائمس آف انڈیا

گورنمنٹ ہاؤسنگ پروگرام

کسی بھی مہذّب سوسائٹی میں، حکومت کی قابلیت و کامیابی معلوم کرنے کا ایک بڑا آلۂ پیمائش یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے شہریوں کو کس حد تک رہائش گاہیں مہیّا کرتی ہے۔ اس لحاظ سے اگر حکومتِ مہاراشٹر کی کارگذاری ناپی جائے تو گذشتہ ۲۵ سال میں، جب سے اس ریاست کا وجود ہوا ہے، لوگوں کو سائبان تلے آرام بہم پہنچانے میں اس نے جو جدّوجہد کی ہے وہ سچ مچ قابلِ ستائش ہے۔ حکومت نے شہریوں کے لئے مکان، دیہاتیوں کے لئے گھر بنوائے۔ شہروں میں پرانے مکانوں کی مرمّت اور منہدم، مکانوں کی ازسرِنو تعمیر کروائی اور شہری حلقوں میں گندی بستیوں کی اصلاح اور درستگی کی۔ یہ ساری کارگذاری اس نے لوگوں کے سر پر سایہ کی فراہمی کے پروگرام کے تحت انجام دی۔

اس مضمون میں، مختصراً گورنمنٹ کے ہاؤسنگ پروگرام کا ذکر کیا گیا ہے۔

قدیم الآیام سے انسان کی زندگی کا محبوب نظریہ ضرور رہا ہے کہ اس کے سر پر مستقل سایہ ہو پھر اس عیت خواہ بادشاہ کے سلسلے میں قصر کی ہو خواہ غریب سلسلے میں جھونپڑے کی ہو لیکن دِل جذبات و خیالات وئی فرق نہیں ہوا کرتا۔

کسی بھی مہذب سوسائٹی میں حکومت کی قابلیت وکامیابی معلوم کرنے کا ایک بڑا آلۂ پیمائش یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے شہریوں کو کس حد تک رہائش گاہیں مہیا کرتی ہے۔

آزاد ہندستان میں حکومتیں زیادہ بامعنی ہوگئی ہیں اس لیے کہ یہی تو وہ لوگ ہیں جنہیں عوام نے چنا اور اس لئے ان توقعات میں جو انھوں نے ان سے وابستہ کر رکھی تھیں کر رہائشی مکانات تعلیم، ملازمت اور صحت کی دیکھ بھال کا اچھا بندوبست کیا جائیگا،

جسان پڑگئی۔

اس پیمانے سے ناپنے پر، گذشتہ ۲۵ سال کے دوران جب سے یہ ریاست وجود میں آئی ہے۔ حکومتِ مہاراشٹر کی کارگذاری تعریف کے قابل رہی ہے۔

ایک ویلفیر سوسائٹی کے مربی کے طور پر، ضرورتمند خاندانوں کو، خاص طور سے اُن کو، جن کا شمار مالی حیثیت سے پسماندوں میں ہے۔ سر پر سائبان مہیا کرنے کی اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کی کوششوں میں، حکومت مہاراشٹر ہزاروں کمرے تعمیر کروا دینے سے مطمئن نہیں ہوئی ہے بلکہ اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور گندی بستیوں کو پھر سے تعمیر کرنے اور گر جانے والے بلڈنگوں کی مرمت کرنے کا خاص طور پر ان کا جو ممبئی میں ہیں، تہیہ کر لیا ہے۔

رہائشی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے سرکاری کوششوں کا آغاز اس وقت کی ریاست ممبئی میں آزادی ملنے کے کچھ بعد ہی ہو چکا تھا۔ اس سلسلے میں ہاؤسنگ بورڈ کا قیام عمل میں آیا جس کے حدود اختیارات میں ودربھ کو چھوڑ کر پوری ریاست ممبئی تھی۔ ودربھ کے لیے سنہ ۱۹۵۱ء میں ایک الگ ہاؤسنگ بورڈ کی تشکیل کی گئی تھی۔

کمرے

ان بورڈوں نے کمروں کی تعمیر مختلف آمدنیوں والے گروپوں کے لحاظ سے شروع کی۔ مالی حیثیت سے کمزور طبقوں کے لیے ہاؤسنگ کا خیال سرکاری پروگرام میں، بعد میں شامل کیا گیا تا کہ سماجی انصاف کے قدروں کو بڑھایا جائے۔

فی الحال، ایک واحد تنظیم، بنام مہاراشٹر ہاؤسنگ اینڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی، پانچ علاقائی شاخوں کے ساتھ، جن میں، ممبئی عظمیٰ، مغربی مہاراشٹر، مراٹھواڑہ، کوکن، اور ودربھ شامل ہیں۔ سنہ ۱۹۷۷ء سے قائم ہے۔

ابتداء میں ہاؤسنگ بورڈ کی سرگرمیاں صرف ممبئی تک ہی محدود تھیں۔ بورڈ کی سرگرمیوں کی نوعیت بھی بہت ہی محدود رہی یعنی اپنے وجود کے ابتدائی پانچ سال کے دوران، بورڈ نے ایک بھی کمرہ، سبسیڈائزڈ (امداد رقم پانے والا ادارہ) انڈسٹریل ہاؤسنگ اسکیم کے تحت تعمیر نہیں کیا۔



رتناگیری ضلع کے مقام چپلن واڑی پر بنایا گیا چھوٹا بند۔

تاہم، جب ضرورتوں اور مطالبوں میں شدت پیدا ہوئی تو بورڈ نے بھی اپنی سرگرمیاں کچھ تیز کر دیں اور سنہ ۱۹۶۰ء تک، ۱۴۰۰۰ کمرے سبسی ڈائزڈ اسکیم کے تحت اور ۸۰۰ کمرے، موتر انکم گروپ کے لیے تعمیر کیے گئے۔

حکومتِ مہاراشٹر کے ہاؤسنگ پروگرام میں مزید بہتری پیدا ہوئی ہے۔ قریب ترین مدت کے اعداد کو جوڑنے سے معلوم ہوا کہ تعمیر کردہ کمروں کی تعداد ۶۴ء۱ لاکھ ہوتی ہے۔ جن پر تقریباً ۱۹۰ کروڑ روپیہ کی لاگت آئی۔

صرف چھٹے پلان میں ہی، ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی نے ۳۵۰۰۰ کمرے تعمیر کیے جن پر تقریباً ۱۱۴ کروڑ روپے کی لاگت آئی۔ یہ کمرے ضرورت مند خاندانوں میں تقسیم کیے جانے کے لیے تھے۔

سڈکو کی امداد

سڈکو (دی سٹی اینڈ انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن) نے اپنے طور پر مہاراشٹر کے ہاؤسنگ پروگرام میں مالی امداد دی۔ اس [illegible] امداد میں [illegible] مقامات پر کمرے بنائے جو ممبئی اور [illegible] آباد اور ناسک سے قریب [illegible]

ذیل کا نقشہ اس پوزیشن کی وضاحت کرتا ہے جو مختلف اسکیموں کے تحت کمروں کی تعمیر
نتیجے میں مارچ ۱۹۸۴ء تک تھی ۔

	سبسی ڈائزڈ انڈسٹریل ہاؤزنگ اسکیم	سلم کلیئرنس اسکیم / گندی بستیوں کو سدھارنے کی اسکیم	E. W. S. مالی حیثیت سے کمزور طبقہ	L. I. G. کم آمدنی والا گروپ	M. I. G درمیانی آمدنی والا گروپ	M. I. G اعلیٰ آمدنی والا گروپ	متفرق	جملہ
ڈ	۲۹,۶۰۰	۱۷,۳۶۲	۹,۱۲۳	۲۰,۴۶۱	۶,۵۳۳	۱,۴۶۲	۱۱,۵۰۰	۹۶,۱۲۷
بڈ	۳,۴۷۲	—	۱,۱۰۳	۱,۱۳۲	۳۸۰	—	—	۱۹,۸۵۰
ڈ	۱,۳۷۴	۲,۶۲۸	۲,۱۶۴	۴,۹۳۷	۲,۹۳۷	۲۹۸	۲,۷۳۴	۱۷,۰۷۲
بڑ	۳,۹۳۴	—	۳,۱۷۴	۲,۷۸۶	۱,۰۸۴	—	۶,۲۳۵	۱۷,۲۱۳
وڈ	۲۹۲	۱,۰۰۰	۴,۲۳۰	۹۱۶	۳۲۶	۲۰	۱,۰۳۱	۷,۸۱۵
	۳۸,۶۷۲	۲۰,۹۹۰	۱۹,۸۸۴	۳۰,۲۳۲	۱۱,۲۶۰	۱,۷۸۰	۳۵,۲۳۹	۱,۵۸,۰۷۷

نے صنعتی کام کرنے والوں کے لئے خصوصاً بنائے ہیں۔
ب مسئلہ جو حکومت کے لئے پریشانی کا سبب بنا

بئی عظمیٰ اور دوسرے بڑے شہری مراکز جیسے پونے
میں گندی بستیوں کی فراوانی ہے ۔ ریاستی حکومت
ندی بستیوں کو ختم کرنے کے اپنے سابقہ پلان
محسوس کرتے ہوئے جس کا سبب ملازمت یا کام
میں آنے والے غریب لوگوں کی مسلسل آمد تھی ۔
کو بدل دینے کا فیصلہ کیا اور گندی بستیوں کو ختم
بجائے اس نے اس کی اصلاح کرنے کا فیصلہ
یصلہ جو اس نے کیا اس کی بنیاد عالمی بینک کا وہ
تھا کہ جھونپڑ پٹیوں کے ساتھ ساتھ گندی بستیوں
نے کی کارروائی مزید مسائل پیدا کر دے گی ۔

گندی بستیوں کے خاتمہ کی کارروائی

گندی بستیوں کے خاتمہ کے سلسلے میں اوّل اقدام کے طور پر حکومت مہاراشٹر ۴۰۱۲۷ کمرے تعمیر کئے۔ یہ تعمیر مرکز کی کفالت کردہ اسکیم کے تحت تھی جو گندی بستیوں میں رہنے والوں کو ہٹانے کے بعد ان کے لئے بدل کے طور پر رہائشی مقصد کے لئے تھی ۔ چنانچہ یہ کمرے ان میں ہائر پرچیز کی بنیاد پر، تعمیر کی ۸۰ فیصدی لاگت پر تقسیم کئے گئے ۔

ریاستی حکومت نے گندی بستیوں کی اصلاح کا پروگرام بڑے پیمانے پر ۷۳-۱۹۷۲ء میں شروع کیا جس کے تحت بنیادی ضروریات جیسے صحت ، راستے ، راستوں پر روشنی اور پانی کے نل کی فراہمی ، جھونپڑ پٹیوں کے لئے تھی۔

مرکزی حکومت نے اس پروگرام کے لئے ابتدائی دو سال تک گرانٹ عطا کی۔ لیکن بعد میں مہاراشٹر نے جملہ مالی بوجھ اپنے ذمہ لے لیا۔

گندی بستیوں کا اصلاحی پروگرام ابتداً مہاراشٹر میں ۱۸ شہروں پر لاگو کیا گیا۔ جن میں سے ہر ایک کی آبادی ایک لاکھ سے اوپر تھی۔ لیکن اب اسے وسعت دے دی گئی ہے۔ اور اس کے تحت ایسے شہروں کو بھی لے لیا گیا ہے جن کی آبادی ۵۰ ہزار ہے۔

مہاراشٹر حکومت نے اس سال کے ماہِ فروری کے اختتام تک ۵۱ء۳۹ کروڑ روپے سے زیادہ رقم خرچ کی ہے تاکہ گندی بستیوں میں تقریباً ۳۶ لاکھ رہنے والوں کو فائدہ پہنچے۔ اور انہیں زندگی کی بنیادی آسائشیں میسر ہوں۔

گندی بستیوں کے سدھار کے کام کو ۲۰ نکاتی پروگرام کے تحت تقویت ملی۔ اور حکومت مہاراشٹر پلاننگ کمیشن کے مقرر کردہ نشانہ سے تجاوز کر گئی چنانچہ اس نے مقررہ نشانہ میں ۸ لاکھ گندی بستیوں میں رہنے والوں کے لئے جیسے کہ چھٹے پلان میں تجویز کیا گیا تھا۔ بنیادی سہولتیں مہیا کرنے کی بجائے اس پروگرام کو ۱۱ لاکھ لوگوں کو سہولتیں بہم پہنچانے کا انتظام کیا۔

مکانوں کی مرمت

بمبئی میں تقریباً ۲۰ ہزار شکستہ بلڈنگیں ہیں جو وسیع پیمانے پر مرمت کی متقاضی ہیں۔ ورنہ ان میں رہنے والوں کی زندگی کے لئے خطرہ درپیش ہوگا۔

بمبئی ہاؤسنگ اینڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی نے اب تک تقریباً ۸۸۰۰ بلڈنگوں کے ڈھانچوں کی مرمت کی اور ۱۶۳ بلڈنگوں کی ازسرِنو تعمیر کی تاکہ ان میں رہنے والوں کو ۱۲۴۷۰ کمرے دستیاب ہو سکیں۔ تقریباً ۱۵۰ کروڑ روپے مرمت کے کاموں اور ازسرِنو تعمیر کے پروگرام پر اب تک خرچ کیا جا چکا ہے۔

بمبئی عظمیٰ میں متعدد ٹرانزٹ کیمپ تعمیر کئے گئے ہیں جن میں تقریباً ۲۰ ہزار کمرے ہیں تاکہ شکستہ بلڈنگوں میں رہنے والوں کو اس مدت میں رہنے کی سہولت حاصل ہو جس مدت میں کہ مرمتوں اور نئے سرے تعمیرات کا کام جاری ہو۔

حکومت مہاراشٹر نے مرمتوں اور نئے سرے تعمیرات کے پروگرام کو تیزی سے انجام دینے کے لئے ج[...] انشورنس کارپوریشن سے ۱۰ کروڑ روپے بطور ق[...] حاصل کیا ہے۔

زمین اور رہائش گاہ کی اسکیم

ہاؤسنگ پروگرام کا سب سے زیادہ د[...] پہلو وہ ہے جس کا تعلق ۲۸۲ کروڑ روپے کی زمین رہائش گاہ کی اسکیم سے ہے جسے ہاؤسنگ اید[...] ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی، عالمی بینک کی طرف [...] ملی رقم کے ذریعہ انجام دینے کا بندوبست کر رہی [...]

اتھارٹی مذکور تقریباً ۱ لاکھ زمین کے ٹکڑے [...] آئندہ چار سال کے عرصے میں ضروری بیرونی اسکی[...] سے آراستہ کرے گی۔ یہ زمینیں بمبئی عظمیٰ، تھانے [...] کلیان کے علاقوں میں ہوں گی۔ جنہیں ضرورت مند[...] کو دیا جائے گا تاکہ وہ وہاں اپنے مکانات اپنے [...] تعمیر کریں۔ اگرچہ بظاہر یہ تمام مکانات شہری طور [...] کے مطابق دکھائی دیتے ہیں لیکن ریاستی حکومت دیہ[...] کے غریب باشندوں کی ضروریات سے غافل نہ[...]

دیہی رہائش گاہیں

محکمۂ دیہی ترقیات ''گھر کل'' اسکیم کو [...] میں لاتے ہوئے دیہات کے غریب لوگوں کو سائبان [...] کرتا ہے۔ اس محکمہ نے اب تک ۵۳۲۰۰ ''گھر [...] تعمیر کئے ہیں جن پر ۵۱ء۵۸ کروڑ روپے کی لاگت آ[...]

ریاستی حکومت نے اپنے ہاؤسنگ پروگرا[...] تر کرنے کے لئے اب ایک نئے آزاد مالیات مہیا کر[...] باڈی قائم کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔ حکومت [...] پلان میں ہاؤسنگ پروگرام کے لئے ۱۲۰۰ ہیکٹر [...] کرنے کا منصوبہ کر چکی ہے۔ جسے ۱۲۰,۰۰۰ کمروں کی

باقی صفحہ ۲...

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

٭ پی۔ جی۔ کیوکر
جنرل مینیجر بیسٹ - بمبئی

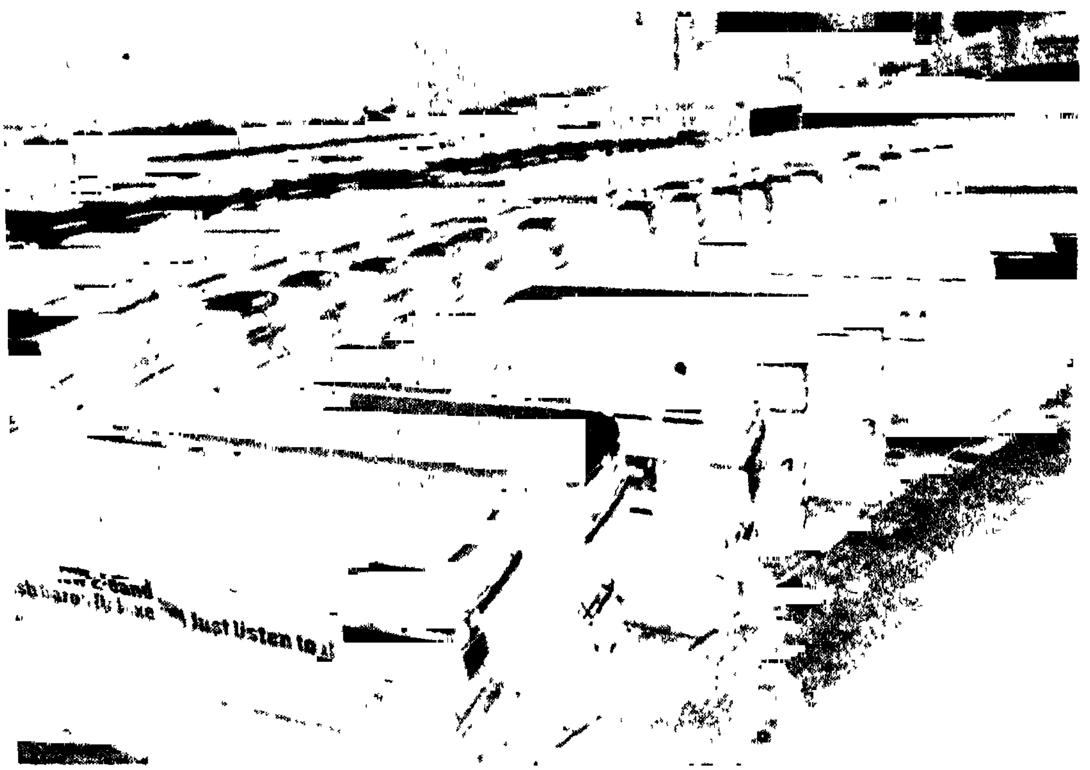
"بیسٹ" سروسیز کی ایک چوتھائی صدی

دی بامبے الیکٹرک سپلائی اینڈ ٹرانسپورٹ انڈر ٹیکنگ جو عام طور سے "بیسٹ" کے نام سے مشہور ہے، اسے دو نہایت اہم "لازمی خدمات" سونپی گئی ہیں ایک بجلی کی فراہمی (پرانے شہری حدود میں) اور دوسرے بمبئی عظمیٰ کے شہریوں کے لئے، "ٹرانسپورٹ" کی خدمت۔ ان خدمات میں اسے ملک بھر میں اس نوع کی خدمت کے سلسلے میں بہترین انتظام کاری کا امتیاز حاصل ہے۔ گذشتہ ۲۵ سال کے دوران اس "انڈرٹیکنگ" نے اپنی سرگرمی کے میدان میں نمایاں پیش رفت کی ہے۔

ایک وہ زمانہ تھا جب بمبئی جیسے مشغول صنعتی (شہر) میں، جو اس وقت ایک معمولی سا جزیرہ تھا۔ ٹراموں (کی آمد و رفت) اس طرح جاری تھی جیسے جسم انسانی میں نبضیں حرکت (کرتی ہیں) اور زندگانی کا اظہار کرتی ہیں۔ لیکن شہر کی صنعتی ترقی (کے پیش نظر) یہ ضروری تھا کہ نقل و حرکت کا کوئی تیز تر طریقہ ہو، جو (شہر) کی سرگرمیوں کے متوازی ہو۔ ٹرامیں اس بات میں افسوسناک (حد تک) ناموزوں ثابت ہوئیں کیونکہ وہ زیادہ سے زیادہ (۱۰ میل) فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ (وہ) ٹریفک کے آزادانہ، تیز رو اور پر ہجوم بہاؤ کے لئے (ایک) طرح کی رکاوٹ ثابت ہو رہی تھیں۔ زمانے کی رفتار (اور) دنیا بھر میں پرانے وقتوں کی یادگار ہونے کا نام دے رہا (تھا) جس کا تقاضہ تھا کہ ان کی جگہ ڈیزل بسوں سے کام لیا (جائے)۔ "انڈرٹیکنگ" نے یہ پکار سنی اور رفتہ رفتہ ٹراموں کی جگہ بسوں کو سونپ دی۔ دادر ٹی ٹی (ٹرام ٹرمینس) سے بوری بندر (وی ٹی) تک کا آخری ٹرام راستہ بھی یکم اپریل ۱۹۶۴ء سے ٹراموں کے لئے بند کر دیا گیا۔

بسوں کی آمد:-

پہلی بس ۱۵ جولائی ۱۹۲۶ء سے بمبئی کے راستوں پر دکھائی دینے لگی تھی۔ شہریوں نے جوش و خروش کے ساتھ اس کا استقبال کیا لیکن اس طریقۂ نقل و حرکت کو مستقل ہونے میں پھر بھی کچھ وقت لگا۔ کئی سال تک یہ سواری اونچے درجے کے درمیانی طبقے کے لوگوں کے لئے مخصوص چیز سمجھی گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب ٹرام غریبوں کی سواری خیال کی جاتی تھی لیکن بسوں کی روز افزوں مقبولیت کی بدولت ڈبل ڈیک والی بسیں ۱۹۳۷ء سے



"بیسٹ" کے ایک ڈپو میں بسوں کی قطاریں۔

شروع کرنا پڑیں۔

ڈبل ڈیک ٹریلر :-

پھر ۱۹۶۷ء نے ایک نیا منظر دیکھا۔ نئے قسم کی بسیں راستوں پر دوڑ رہی تھیں — ذی مفاصل جوڑی اگئی، ڈبل ڈیک ٹریلر بسیں، بی۔ ای۔ ایس۔ ٹی آرگنائزیشن، سارے ملک میں وہ پہلی ٹرانسپورٹ کمپنی تھی جس نے اس نوع کی بسیں استعمال کیں۔

ٹرالی بسیں :-

۱۹ جون ۱۹۶۲ء کو انڈرٹیکنگ نے گوا لیا ٹینک جگناؤں کے راستے پر ٹرالی بس سروس شروع کی۔ بعد میں ان بسوں کو ۲۴ مارچ ۱۹۷۱ء سے موقوف کر کے معمولی بسوں کو رواج دیا گیا۔ اس سروس کی ناکامی کا ایک ہی سبب تھا۔ چونکہ ان بسوں کی گذرگاہ بہت پر ہجوم راستوں سے تھی۔ اس کی رفتار (اس رفتار کے مقابلہ میں) کم رکھنی پڑتی تھی اور نفع بخش ثابت ہو سکتی تھی جب تعداد میں چلائی جاتی اور یہ بھی کمی جیسی ہی ٹرالی بسیں شہری ضرورتوں کو پورا نہ

واٹر بس سروس :-

بیسٹ انڈرٹیکنگ یکم نومبر ۔۔۔۔ متوری واٹر بس (آئی ۔۔) بو، بمبئی عظمیٰ کی میونسپل کارپوریشن ۔ فی الحال اس سروس میں دو عدد فیری بوٹ ذکر انجام دے رہی ہیں۔

بس سروس :

سنہ ۱۹۱۰ء میں انڈرٹیکنگ بسیں ۸۵ گذرگاہوں (روٹس) پر ۔۔

سواریوں کو ایک طرف سے دوسری طرف لانے لے جانے لگیں۔ سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۲۵، ۳ بسیں، ۵۲، ۶۰، ۳ سواریوں کو ۱۹۷ گذرگاہوں سے ہر روز لانے لے جانے لگیں۔ اس وقت انڈرٹیکنگ کے تحت ۱۶ بس ڈپو، اور ۲ بس اسٹیشن ہیں۔ بسوں کے چلنے سے انڈرٹیکنگ کو سنہ ۶۱-۱۹۶۰ء میں ۲۱، ۶ کروڑ روپے کی آمدنی ہوتی تھی۔ وہ سنہ ۸۴-۸۳ء میں بڑھ کر ۲۸، ۸۷ کروڑ تک جا پہنچی۔

نیا ورکشاپ :-

وڈالا ٹرمینل میں، جدید کارخانے کی تعمیر، جس میں ۳۵۰۰ بسوں کی مرمت اور رکھ رکھاؤ کی سہولتیں ہوں گی، تکمیل کے قریب ہیں۔ مکمل ہو جانے کے بعد یہ کارخانہ اپنی نوعیت کا دنیا میں واحد کارخانہ ہوگا۔

بجلی کی فراہمی :-

سنہ ۶۱-۱۹۶۰ء میں، انڈرٹیکنگ کے برقی فراہمی کے ۹ عدد بائیس کیلوواٹ کے تحتی اسٹیشن اور ۴۰۵ ٹرانسفارمروں کے تحتی اسٹیشن ۸۳۹، ۸۵، ۲ گاہکوں کو بجلی کی فراہمی کیا کرتے تھے۔ سنہ ۸۴-۸۳ء میں ۲۲ کیلوواٹ کے تحتی اسٹیشنوں کی اور ٹرانسفارمروں کے تحتی اسٹیشنوں کی تعداد علی الترتیب ۱۹ اور ۶۱ ۲ ہو گئی اور گاہکوں کی تعداد ۳۵۳، ۱۸، ۶ تک جا پہنچی۔ راستوں کی لائٹ جس کی تعداد ۲۵ سال پہلے ۱۱۵، ۶ تھی، اب ۸۲۶، ۲۸ ہو چکی ہے۔ برقی فراہمی سے جو آمدنی سنہ ۶۱-۱۹۶۰ء میں ۱۲، ۵ کروڑ روپیہ تھی۔ اب ۱۳، ۱۳۳ کروڑ روپیہ ہو چکی ہے۔

مزدوروں کی بہبود :-

۲۵ برس پہلے، ۶۳۱ رہائشی جگہیں (کوارٹرس) کرایہ کی بنیاد پر اسٹاف کو دی گئی تھیں۔ فی الحال ۱۴۰، ۱۳ ملازمین، اسٹاف کوارٹرس میں رہتے ہیں۔ سنہ ۸۴-۸۳ء تک، ۹۲۰ ملازمین کو ہائر پرچیز اسکیم کے تحت رہائش گاہیں مہیا کی جا چکی ہیں۔

۲۵ برس پہلے، ۴۵، ۱ لاکھ روپیہ، ملازمین پر امداداً صرف کی جاتی تھی تاکہ وہ ناشتہ اور کھانے کے لیے کفایتی شرح پر انتظام کر سکیں۔ یہ رقم اب بڑھ کر ۹۰، ۱۱ لاکھ روپیہ ہو چکی ہے۔ ملازمین کے بچوں کو دی جانے والی اسکالرشپ (وظیفہ) جو سنہ ۶۱-۱۹۶۰ء میں ۶۶۰، ۲۴ روپیہ تھی، اب بڑھ کر ۷ لاکھ روپیہ ہو گئی ہے۔ بیسٹ کے آرٹس اور اسپورٹس کلب کو دی جانے والی گرانٹ جو سنہ ۶۱-۱۹۶۰ء میں ۲۰،۰۰۰ روپیہ تھی، اب ۶۰، ۲ لاکھ روپیہ ہو چکی ہے۔

میڈیکل سروس :-

انڈرٹیکنگ کے میڈیکل ڈپارٹمنٹ کے تحت سردست (۱۵) پوری طرح آراستہ ڈسپنسریاں ہیں اس کے علاوہ ایک موبائل ڈسپنسری ہے اور ایک میڈیکل سنٹر۔ جہاں پیتھالوجیکل، ریڈیولاجیکل، کارڈیولاجیکل اور آپتھلمولاجیکل تحقیق ہوتی ہے۔

ثمرآوری کا انعام :-

بیسٹ انڈرٹیکنگ کو دوسرے نمبر پر بہترین پروڈکٹیوٹی کارکردگی ایوارڈ، اس کی مسافروں کی ثمرآوری بسٹ سروس کی بنا پر، پروڈکٹیوٹی سال سنہ ۱۹۸۲ء میں نیشنل پروڈکٹیوٹی کونسل کی طرف سے ملا ہے۔ شری پی۔ ڈی۔ کیرکر، جنرل منیجر، کو نیشنل ایوارڈ، شری نارائن دت تیواری کے بدست عطا کیا گیا تھا جو اس وقت مرکزی وزیر صنعت اور صدر، نیشنل پروڈکٹیوٹی کونسل تھے۔ ایوارڈ مذکور ۱۹ اگست سنہ ۱۹۸۳ء کو وگیان بھون، نئی دہلی میں عطا کیا گیا تھا۔

انڈین کنزروینشنسٹ ایوارڈ :-

بیسٹ انڈرٹیکنگ نے "انڈین کنزروینشنسٹ ایوارڈ برائے سنہ ۸۴-۸۳ء بھی جیتا ہے۔ اس ایوارڈ کا آغاز میسرز لارسن اینڈ ٹوبرو لمیٹڈ کی جانب سے کیا گیا ہے۔ اور یہ ایسی تنظیم کو دیا

عوام میں طریقۂ تقسیم

ا महाराष्ट्र
१९८५

بیس نکاتی پروگرام میں پبلک ڈسٹری بیوشن سسٹم کو ترجیحات عطا کرنے کے لئے ایک اہم مقام دیا گیا ہے تاکہ لازمی اشیاء، جیسے چاول، گیہوں، شکر، کیروسین، خوردنی تیل، وغیرہ جیسی ضروریات زندگی کی فراہمی بہترین طور پر کی جا سکے۔ بالخصوص سوسائٹی کے اس طبقے کے لئے جو کمزور ہے۔ مہاراشٹر نے پبلک ڈسٹری بیوشن سسٹم پر مؤثر انداز میں عمل درآمد کرنے میں سبقت حاصل کی ہے جیسا کہ اس مضمون میں واضح کیا گیا ہے۔

مہاراشٹر میں "فیئر پرائس" دکانوں کی اسکیم سنہ ۱۹۵۷ء سے جاری ہے۔ آتھارائزڈ راشن فیئر پرائز دکانوں کی تعداد پوری ریاست میں اس طرح پھیلی ہوئی ہے کہ لوگوں کی خدمت بخوبی انجام دینے میں آتی ہے وقتاً فوقتاً ایسے اقدامات کئے جاتے ہیں جن سے عوام میں طریقۂ تقسیم کو تقویت حاصل ہو۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں تقریباً ۹۶ء۳ کروڑ کی مردم شماری کے لحاظ سے آبادی کی خدمت کے لئے تقریباً ۱۰ ہزار فیئر پرائز دکانیں ساری ریاست میں میں تھیں۔ سنہ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے مہاراشٹر میں لوگوں کی تعداد ۲۸ء۶ کروڑ تھی۔ اور دکانوں کے لحاظ سے آبادی کی نسبت ۱۹۵۵ : ۱ تھی۔

حکومت کی یہ پالیسی ہے کہ ہر دو ہزار کی آبادی پر ایک دکان تمام ضروریات کی کفالت کے لئے ضرور ہو۔ اگرچہ حکومت نے فیئر پرائز دکانیں دو ہزار سے کم آبادی

رکھنے والے مقامات پر بھی قائم کرنے کی
ایسی اجازت اس بستی کی ضروریات
حکومت نے فیئر پرائز کی دکانیں ریا
مقامات پر بھی کھولنے کا ارادہ کیا ہے۔
تحتی پلان کے لحاظ سے قبائلی پلان شامل ہے
سب لوگوں کی ضروریات پوری ہو سکے
ہدایات ضلع کلکٹروں کو جاری کی جا چکی
کھولنے پر توجہ دیں لیکن ایک طرف گ
کا خیال ہو تو دوسری طرف دکانوں کے
خیال رکھا جائے۔

۲۰ نکاتی پروگر

آنجہانی وزیر اعظم کے اعلان
کے مطابق عوام میں طریقۂ تقسیم

خاص توجہ دی گئی ہے تاکہ لازمی اشیاء سے تعلق رکھنے والی عوام کی ضروریات پوری ہوں ۔ بالخصوص ان لوگوں کی جن کا تعلق سوسائٹی کے کمزور طبقے سے ہے ۔ ریاست عوام میں طریقۂ تقسیم کے مؤثر طور پر عملدرآمد میں اولیت کا درجہ رکھتی ہے ۔

یونٹوں سے تعلق

بمبئی کے راشننگ حلقے میں جن دکان داروں کی یونٹیں ۸ ہزار سے اوپر ہوتی ہیں انہیں صرف امدادِ باہمی سوسائیٹیوں کو، ٹیکسٹائل ملوں کو اور فقط صنعتی اداروں کو ہی دیا جاتا ہے ۔ اس قسم کی کوئی حد بندی ریاست کے کسی حصے میں فیئر پرائز دکانوں کے سلسلے میں نہیں ہے ۔ یہ بھی ضلع کلکٹروں کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ فیئر پرائز دکانوں کے درمیان یونٹوں کی تقسیم، خواہ وہ کسی مقام و محلہ میں ہو اس طرح کریں کہ دکانداروں کے زندہ رہنے کے حق کو ملحوظ رکھا جائے اور کارڈ ہولڈروں کی سہولت کو بھی ۔ اس بات پر خاص توجہ دی جاتی ہے کہ کسی کارڈ ہولڈر کو، دیہاتی حلقوں میں بالخصوص ۳ میل یا پانچ کلومیٹر سے، زیادہ سفر کرنے کی ضرورت نہ پیش آئے ۔ جس وقت انہیں اپنی لازمی اشیاء کی ضروریات کے لئے کسی فیئر پرائز دکانوں پر جانا ہو ۔

چلتی پھرتی دکانیں

ریاست میں جو مقامات دُور دراز حلقوں میں واقع ہیں انہیں عوامی طریقۂ تقسیم کے ذریعے باقاعدہ فیئر پرائز کی دُکانوں سے وابستہ رکھا گیا ہے ۔ چلتی پھرتی دکانوں کا مفہوم کافی سرمایہ کاری کا متقاضی ہے کیونکہ اس میں مناسب قسم کی گاڑی، کاموں کے لئے مناسب اسٹاف، جیسے کہ سیلس مین، وزن کرنے والا رکن، موبائل دکانوں پر کنٹرول اور سپروائزنگ کے لئے فیلڈ آفیسروں، ساز و سامان، ڈیزل، پٹرول گاڑیوں کے لئے، ضروری ہوتے ہیں ۔ ریاست میں فیئر پرائز کی دُکانوں نے چونکہ دُور دراز علاقوں کو بھی اپنے زیرِ سایہ لے لیا ہے ۔ اس لئے چلتی پھرتی دُکانوں کے قیام پر زیادہ توجہ نہیں دی جا رہی ہے ۔ بایں ہمہ اگر یہ بات ضروری سمجھی جاتی ہے یا اگر کوئی مناسب ایجنسی چلتی پھرتی دُکانوں کو چلانے کی ذمہ داری لیتی ہے اور اس طرح سے ناقابلِ عبور مقامات اور قبائلی حلقوں میں جن کے ذریعے فائدہ رسانی مقصود ہو تو حکومت ایسے معاملات پر توجہ دیتی ہے ۔ حکومت نے ضلع ناشک کے کلکٹر کو اگت پوری تعلقہ میں چلتی پھرتی فیئر پرائز کی دُکان کھولنے کی اجازت دے دی ہے ۔ یہ چلتی پھرتی دُکان گذشتہ سال یوم آزادی کے دن سے جاری کی گئی تھی اور اب عمدگی کے ساتھ چل رہی ہے ۔

تقسیم کی جانے والی اشیاء

۶۲-۱۹۶۱ء میں اناج (بشمول چاول اور گیہوں) اور شکر کی تقسیم فیئر پرائس دکانوں کے ذریعے گاہکوں کو کی جا رہی تھی ۔ اگست ۱۹۷۳ء سے کیروسین اور مارچ ۱۹۷۹ء سے درآمد کیا ہوا خوردنی تیل کو ایک مزید آئٹم کے طور پر فیئر پرائز دُکانوں کے ذریعے تقسیم کی جانے والی اشیاء میں شامل کر لیا گیا ہے ۔ اس طرح فی الحال خاص طور پر چار اشیاء، یعنی اناج، شکر، کیروسین اور درآمد کردہ خوردنی تیل، جنہیں عوامی طریقۂ تقسیم کے ذریعے تقسیم کیا جا رہا ہے ۔ فیئر پرائز دکانوں کے ذریعے تقسیم کی جا رہی ہیں ۔ یہ چیزیں کارڈ ہولڈروں کو پہلے سے مقرر کردہ قیمتوں اور مقداروں میں دی جاتی ہیں ۔ ضلع کلکٹروں اور کنٹرولر آف راشننگ بمبئی کو ہدایتیں دی جا چکی ہیں کہ عوامی طریقۂ تقسیم اس طرح سے رکھا جائے کہ مال جلد از جلد گاہک لے لیں اور فیئر پرائز اتھارائزڈ دکانوں کے ذریعہ مناسب طور پر تقسیم بھی ہو جائے ۔ انہیں یہ بھی ہدایت دی گئی ہے کہ اس بات پر خاص توجہ دیں کہ عوامی طریقۂ تقسیم کے ذریعہ تقسیم کی جانے والی اشیاء بغیر کسی تکلیف کے مقررہ قیمتوں پر گاہکوں کو دی جایا کریں اور ذخیرہ اندوزوں، کالا بازاری کرنے والوں اور غیر سماجی سرگرمیوں میں لگے رہنے والوں کے خلاف مناسب کارروائی بے کم و کاست کی جائے ۔

تقسیم کاری پر خاص توجہ

اس خیال سے کہ اشیاء ضروریہ کی قیمتوں پر کنٹرول رہے اور ذخیرہ اندوز اور کالا بازاری کرنے والے کامیاب

نہ ہو سکیں۔ ریاست میں حسبِ ذیل اقدامات کئے گئے ہیں۔

(۱) ذخیرہ اندوزی اور کالا بازاری، نیز لازمی اشیاء کی زیادہ سے زیادہ ممکن حد تک دستیابی پر دھیان دینے کے لئے اور ان کی کیفیت اور باہمی طور پر خبردار رہنے کے لئے رابطہ کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔

(۲) خاص انٹلی جینس سیل، پولس کمشنر کے دفتریں اور اضلاع میں بھی قائم کئے گئے ہیں تاکہ فوری اور مؤثر طور پر ذخیرہ اندوزوں اور کالا بازاری کرنے والوں کے متعلق خبریں حاصل ہوں۔

(۳) ویجی لینس کمیٹیاں، جو سرکاری افسروں، غیر سرکاری افسروں، اور منتخب نمائندوں پر مشتمل ہیں، دیہاتوں، تعلقوں، اور ضلعوں کی سطح پر قائم کی گئی ہیں۔ نیز بمبئی راشننگ ایریا، تھانے راشننگ ایریا، اور پونے، ناگپور، سولاپور اور کولہاپور کے میونسپل کارپوریشن ایریا میں راشننگ آفسیں قائم کی گئی ہیں تاکہ عوامی طریقہ تقسیم پر قریب سے اور گہری نگاہ رکھیں۔

اشیاء ضروریہ کو اسٹور کرنا

وہ پالیسی جو اجناس سے متعلق حکومت نے اختیار کر رکھی ہے۔ اس کے تحت حکومت کے اختیار میں کافی اسٹور کرنے کی سہولتیں لازمی ہیں جو اجناس حکومتِ ہند سے موصول ہوتے ہیں۔ یا مقامی طور پر حاصل کئے جاتے ہیں انہیں ایسے گوداموں میں اسٹور کیا جاتا ہے جو حکومت کی ملکیت میں ہیں یا جنہیں کرایہ پر لیا جاتا ہے۔ سن ۶۲-۱۹۶۱ء میں ساری ریاست میں ۶۰۲ گودام تھے۔ جن میں ۳ر۱ لاکھ ٹن اناج اسٹور کئے جانے کی صلاحیت تھی۔ موجودہ حالت میں ۱۶۱ کرایہ پر لئے گئے اور خود حکومت کے ذاتی گودام میں جن میں ۷ر۲۳ لاکھ ٹن مال کے اسٹور کرنے کی صلاحیت ہے اسٹور کرنے کے لئے اتنی کافی جگہ اور صلاحیت والے گودام میں جن میں ایک ہی وقت میں تقریباً ۳ مہینے کی ضرورت کے مطابق اجناس اسٹور کئے جا سکتے ہیں۔

یہ تجویز زیرِ غور ہے کہ ایک لاکھ میٹرک ٹن کی صلاحیت رکھنے والا ایک اضافی گودام بمبئی راشننگ

ایریا میں، مہاراشٹر اسٹیٹ ویئر ہاؤس کی وساطت سے قائم کیا جائے اسی طرح دیہاتی این سی ڈی سی کی وساطت سے گوداموں کی بھی حکومت کے محکمۂ زراعت اور امدادِ باہمی زیرِ غور ہے۔

ترجمہ:۔ عبد

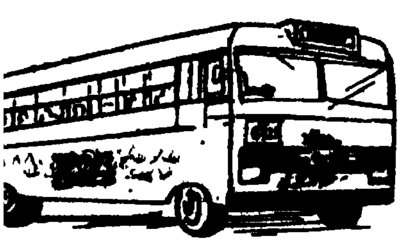
صفحہ نمبر ۱۱۹ سے آگے بیسٹ

جاتا ہے جو سب سے بڑھ کر اور نمایاں کے ریکلیمشن کے ذریعے کرتی ہے اور اس وسائل کا تحفظ کرتی ہے جو نا قابل تجدید

بیسٹ فیملی:۔

بیسٹ کی مثال ایک ذمہ خاندان کی طرح ہے جس کا ہر فرد اپنی ذمہ کو سمجھتا ہے اور خاندان کی خاطر اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ بیسٹ کی ایک چوتھا کہانی جس کی ... تعریف بیسٹ فیملی کے ... میں آتی ہے، دراصل اس کے معتدبہ حصے کے شہری ہیں جنہوں نے اپنی طرف سے بھرپور اور اس طرح "بیسٹ" کو پوری قوم میں ہونے کا طرہ امتیاز عطا کیا۔

(ترجمہ:



رौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

* اے - پی - دھنڈے
چیرمین
مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ، بمبئی

مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ

گذشتہ ۲۵ سالوں میں شاندار پیشقدمی

مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ نے گذشتہ ۲۵ برسوں میں ریاست میں بجلی نے مطالبہ کو بڑھانے میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ جو آج ریاست میں فی یوم ۵۰ ملین یونٹ ہے۔ اس مدت کے دوران گاؤں میں بجلی پہنچائی گئی اور بجلی کے پمپوں کو نصب کیا گیا۔ جو اس وقت تعداداً ۳۲٫۳۱۳ اور ۸۰۰ ، ۸۵۸ ہیں۔ یہ بورڈ اپنی کوششوں کو اس وقت تک جاری رکھے گا جب تک بجلی کی بہم رسانی کا صد فی صد کا نشانہ حاصل نہیں کر لیا جاتا۔

مہاراشٹر میں پاور کی اصلی ترقی صرف ریاست مہاراشٹر کی تشکیل کے بعد میں ہوئی۔ مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ نے گذشتہ ۲۵ برسوں میں بجلی ترقیات میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں اور اب وہ بڑی تیزی کے ساتھ دیہی آبادیوں کے ایک خواب "دستی تھے وتیج" کے نشانے کو پورا کرنے کی طرف گامزن ہے۔

بجلی آج بھی ہماری زندگی کا ایک جزو لاینفک بن چکا ہے۔ گھریلو عورتوں کے لئے بجلی ایک قریبی ذریعہ ہے۔ دیہی علاقوں میں بجلی سے روزمرہ کے کاموں میں راحت ملتی ہے۔ اس سے ہر شخص بشمول کسان، صنعت کار، اور عام صارفین فیضیاب ہوتے ہیں۔ بجلی کو ملک میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اور کسی ریاست یا ملک کی دولت

کا اندازہ وہاں موجود بجلی کے استعمال بہ لحاظ فی فرد کے لگایا جاتا ہے۔ مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ کا عملہ دن ورات کوشاں ہے کہ ریاست کی عوام کو بجلی کی سہولت میسر آجائے۔

عوام بجلی کی اہمیت سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں۔ اسی لئے عوام میں بجلی کے لئے مطالبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ فی الحال مہاراشٹر میں فی یوم ۵۰ ملین یونٹ کی ضرورت ہے۔ اور یہ بہت مشکل کام ہے کہ بجلی کی اس بڑھتی مانگ کو پورا کیا جائے۔ جب لوگوں کو زیادہ بجلی استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی تو معاملہ دوسرا ہی تھا اور اس وقت لوگوں کو بجلی کو بلا خوف استعمال کرنے کی بات تجربات کرکے بتلائے جاتے تھے۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ لوگوں میں بجلی کی اہمیت ظاہر ہونا شروع ہو گئی۔ تاہم ابتدائی سالوں تک صرف شہری علاقوں میں ہی بجلی کے فوائد ملتے تھے۔ جب بجلی کی تولید و بہم رسانی کا کام پرائیویٹ کمپنیوں کے ذمہ تھا۔ یہ

مہاراشٹر کے دیہاتوں میں بجلی پہنچنے کے نتیجہ میں کھیتوں کی سینچائی کیلئے اب عام طور پر بجلی سے چلنے والے پمپ استعمال ہو رہے ہیں۔





مہاراشٹر کے دیہات اب بجلی کی روشنی سے جگمگانے لگے ہیں۔ زیر نظر تصویر میں ایک ادیباسی خاتون اپنے گھر میں بلب جلا کر اجالا کر رہی ہے۔

کمپنیاں صرف شہری علاقوں کو ہی بجلی فراہم کرتی تھیں جبکہ یہ ایک منافع بخش اور سستا ذریعہ تھا۔

تاہم آزادی کے حصول کے بعد، بجلی کی بابت بنائی گئی پالیسی کو تبدیل کر دیا گیا اور الیکٹریسٹی سپلائی ایکٹ نافذ کر دیا گیا۔ ریاست مہاراشٹر کی تشکیل کے بعد، مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ کا قیام عمل میں آیا، اور بجلی کو دیہی علاقوں میں رہائش پذیر عوام تک پہنچایا گیا۔

دیہاتوں کو بجلی کی فراہمی :-

ہندوستان ایک زرعی ملک ہے۔ اور اس ملک میں گاؤں بکثرت جاتے ہیں۔ مہاراشٹر الیکٹریسی بورڈ نے اس بات کا ذمہ لیا کہ وہ دیہی آبادیوں کے معیار زندگی کو اونچا اٹھانے میں مدد کرے گی اور اس لحاظ سے اس نے بہت سے پروگراموں کے تحت دیہاتوں کو بجلی پہنچانا شروع کر دیا۔ اب تک اس بورڈ نے ۹۰ فیصد سے زیادہ

گاؤوں کو بجلی پہنچادی ہے۔ ریاست کی تشکیل کے وقت صرف ۸۵۳ گاؤوں کو بجلی بہم کی گئی تھی۔ لیکن اب ۳۲۳۱۳، گاؤوں کو بجلی پہنچ چکی ہے۔ یعنی پہلے کی بہ نسبت ۳۴ گنا، ابتداءً بجلی صرف ۶۶۹۵ زراعتی پمپوں کو دی گئی تھی لیکن آج ۸۰۰،۵۸،۸ پمپوں کو بجلی کی مدد سے چلایا جارہا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے کی بہ نسبت ۱۰۷ گنا زیادہ زراعتی پمپوں کو پچھلے ۲۵ برسوں میں بجلی کے ذریعے چلایا جارہا ہے اس بناء پر دیہی علاقوں میں کافی ترقیاں رونما ہوچکی ہیں۔ فی الحال بجلی سے ریاست کے ۹۵ فیصد علاقوں کو فیض پہنچ رہا ہے۔ یہ بات یہاں قابلِ ذکر ہے کہ مہاراشٹر الیکٹریسٹی بورڈ ملک میں ایسا دوسرا ادارہ ہے۔ جو دیہی علاقوں کی برقیانی کا کام انجام دے رہا ہے۔ نیز زراعتی پمپوں کو بجلی بہم پہنچارہا ہے۔ ریاست میں دیہی علاقوں کو بجلی رسانی میں جو ترقیات ہوئی ہیں –

ان کی تفصیل یوں ہے —

سال	کتنے گاؤں اور شہر بجلی سے فیضیاب ہوئے	کتنے پمپوں کو بجلی سے چلایا گیا
۱۹۶۰	۸۵۳	۶۶۹۵
۱۹۶	۶۴۶۶	۶۴۵۸۳
۱۹۷	۱۳۹۲۷	۲۳۰۳۲۵
۱۹۷	۲۰۳۹۴	۴۳۵۰۱۴
۱۹۸	۳۲۳۱۳	۸۵۸۸۰۰
ج کی تک)		

کمزور طبقات کو بجلی کی فراہمی :-

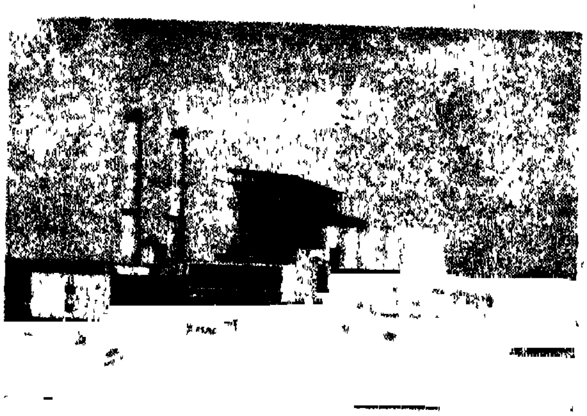
اس بورڈ نے صرف دیہی علاقوں کو بجلی فراہم کرکے ہی صبر نہیں کیا بلکہ اس کا عین مقصد یہ تھا کہ ریاست کی تمام کمزور طبقات کو بھی بجلی کی بہم رسانی کرے۔ اس بورڈ نے یہ پوری پوری کوشش کی کہ ہریجن بستیوں میں بجلی رسانی ہوجائے۔ سال سیمیں کے موقع پر ۱۵۸۹ ہریجن بستیوں کو بھی بجلی پہنچانا ہے تاکہ یہ تعداد بڑھ کر ۲۵۴۵۷ ہوجائے جہاں اب تک ایسی بستیوں کو بجلی پہنچائی گئی ہے۔ ۱۵۱۳ قبائلی گاؤوں سے زیادہ میں بجلی پہنچائی جاچکی ہے۔ اس بورڈ نے مختلف رعایتی اسکیموں کا اعلان کیا ہے جو کمزور طبقات کے لئے ہیں اور ان اسکیموں سے ان طبقات کو زیادہ سے زیادہ فائدے پہنچائے جارہے ہیں۔

تولیدِ توانائی :-

گذشتہ ۲۵ برسوں میں مہاراشٹر الیکٹریسٹی بورڈ نے تولیدِ توانائی، اس کی منتقلی، اور اس کی تقسیم کاری میں بہت نمایاں کام انجام دیئے جارہے ہیں – ۲۵ برس پہلے ریاستی نصب کردہ صلاحیت صرف ۷۶۰ میگاواٹ تھی۔ اور تولیدی صلاحیت ۳۲۶۲ میگایونٹس فی سال۔ لیکن آج، ریاست کی نصبی صلاحیت ۴۶۸۶ میگاواٹ ہے اور تولیدی صلاحیت ۱۸۱۵۲ میگایونٹس فی سال ہے۔

بورڈ کے موجود پاور اسٹیشنوں سے کامیابی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تولیدِ توانائی کا عمل جاری ہے۔ بورڈ کے عام تھرمل پاور اسٹیشنوں کی اوسط کارکردگی ۴۵۹۶ کلوواٹ ہے جو پورے ملک کے تھرمل پاور اسٹیشنوں کی اوسط کارکردگی سے زیادہ ہے۔ اس بناء پر آج ریاست میں بجلی میں کسی قسم کے دباؤ کی کمی محسوس نہیں ہوتی ہے۔ (ہندستان

ناشک کے قریب ایکلارے
کے مقام پر تھرمل پاور اسٹیشن



کی اوسط کارگزاری ۴۲۰۸ کے ڈبلیو ایم کے ڈبلیو) ہے۔ یہ بھی کہنا بیجا نہ ہوگا پارلی اور ناشک پاور اسٹیشنوں نے ملکی سطح پر تولید توانائی کے سلسلے میں اوّل انعام حاصل کیا ہے۔ پارلی پاور اسٹیشن نے کمال ہی کر دیا کہ اسے تین بار یہ انعام ملا۔ توانائی کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لئے بورڈ نے تولید توانائی کے اور پاور اسٹیشنوں میں اضافہ کے لئے مختلف اسکیموں کو مرکزی حکومت کے پاس بھیجا ہے۔

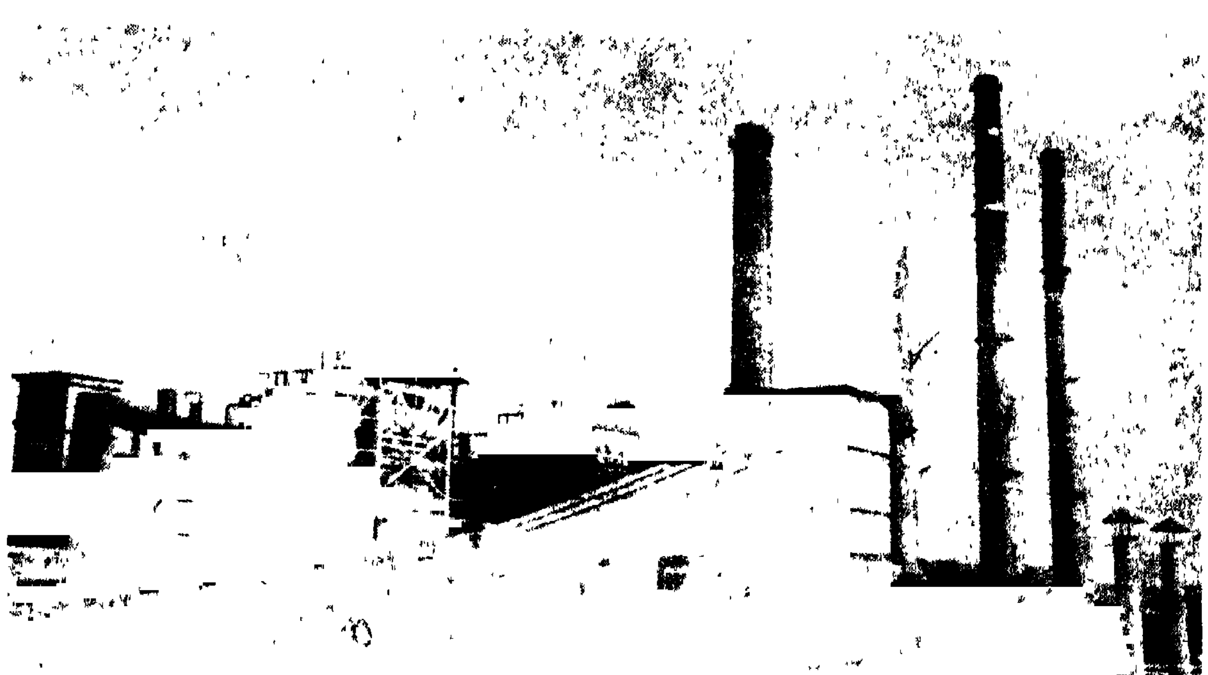
اسی بورڈ نے ضلع چندرپور کوئلہ میدان کے قریب ۲۳۴۰ میگاواٹ صلاحیت کے ایک سُپر تھرمل پاور اسٹیشن کو نصب کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ ۲۱۰ میگاواٹ کے دو سیٹ کی تنصیب ہو چکی ہے۔ ان میں سے ایک سیٹ آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کے ہاتھوں ۸ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو قوم کے نام وقف کر دیا گیا۔

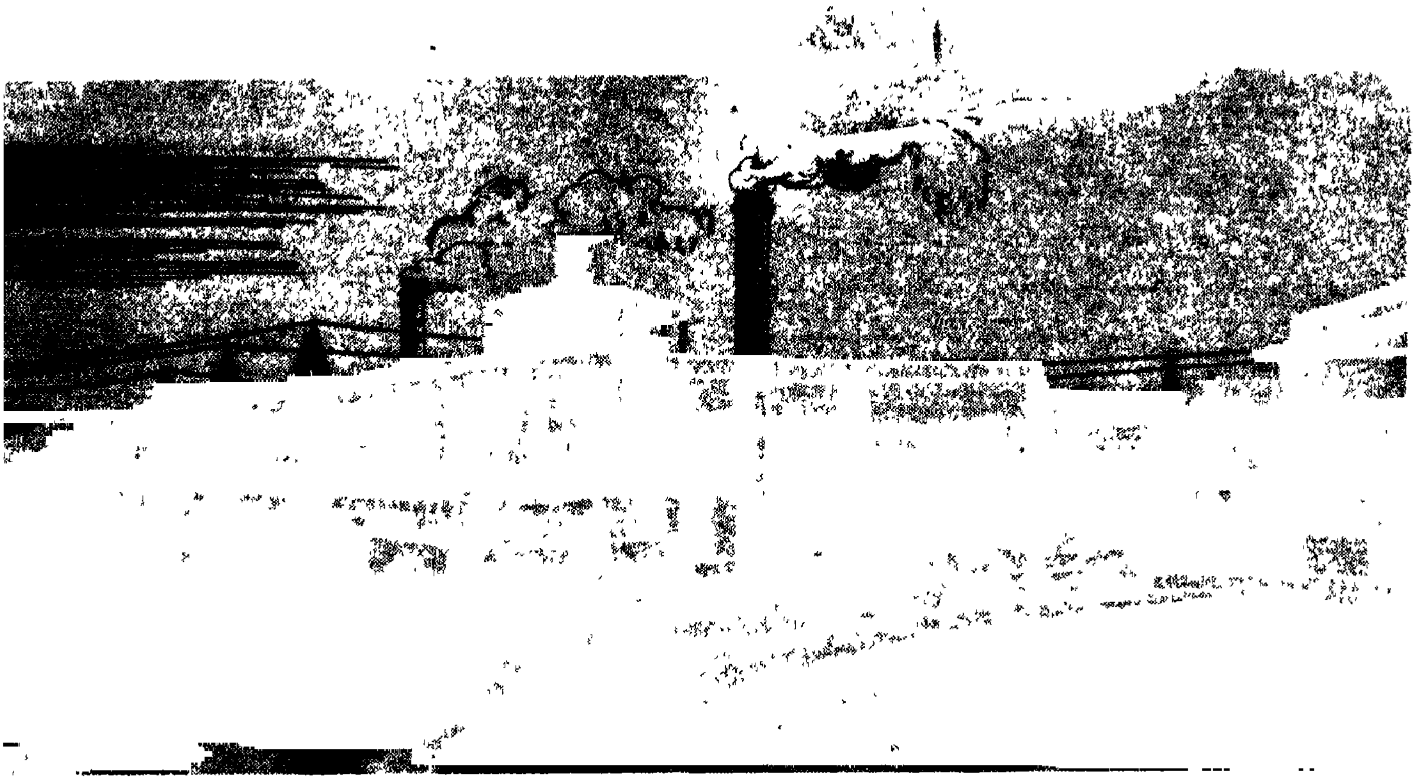
مواصلات :۔

پوری ریاست میں واقع پاور اسٹیشنوں کے ذریعہ زیادہ مقدار میں توانائی کے لئے بورڈ نے بڑی کامیابی کے ساتھ پُر حوصلہ ہو کر ترسیلی لائنوں کو بچھانے کا کام شروع کر دیا ہے۔ ان میں اونچے وولٹیج ۳۳ کلوواٹ سے ۴۰۰ کلوواٹ تک کی لائنیں شامل ہیں۔

پچھلے ۲۵ برسوں میں ان لائنوں میں سے بہت سی لائنوں کی لمبائیوں کو بڑھا دیا گیا ہے۔ بورڈ کی جانب سے بچھائی گئی ایک ۴۰۰ کلوواٹ کی ایک مزید لائن ناگپور سے بمبئی تک اب تکمیل کے مرحلے پر ہے۔ اور اس سے کوراڈی، اور چندرپور پاور اسٹیشنوں سے بمبئی تک پاور کی بہم رسانی ہوگی۔ بورڈ نے اسی کام کو کامیابی کے ساتھ تجرباتی طور پر انجام دیا۔ یہ اور پورے ملک میں یہ پہلا کام ہے جو کسی اور بورڈ نے یوں انجام دیا ہو۔ اس کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اونچے وولٹیج کی مواصلات لائنوں کا کام بھی ہاتھ میں لے لیا گیا۔ جیسے پڑوسی ریاستوں مدھیہ پردیش، گجرات، کرناٹک پاور کی سپلائی کے بدل کی سہولت کے لئے، بین ریاستی

چندرپور کا ایک تھرمل پاور اسٹیشن





مواصلاتی لائن کا کام جاری ہے۔ نیشنل تھرمل پاور کارپوریشن نے ۴۰۰ کلوواٹ کورا ڈی۔ ست پڑا مواصلاتی لائن قائم کرنے کا کام اسی بورڈ کے سپرد پورے بھروسے کے ساتھ دیا ہے۔

گیس ٹربائن کے ذریعہ تولید توانائی:۔

ایل ایس ایچ ایس جو بمبے ہائی کے ذریعے دستیاب ہوتی ہے۔ اس سے قبل استعمال کی جاتی تھی۔ اس گیس کے ذریعے جواب تک ضائع ہو جاتی تھی۔ بجلی پیدا کرنے کی غرض سے بورڈ نے اُرن میں گیس ٹربائن پروجیکٹ قائم کیا ہے اور چار سیٹ جن کی صلاحیت ۲۴۰ میگاواٹ ہے۔ آج کل اس پروجیکٹ کے لئے جاری ہیں۔ چار مزید سیٹ قائم کرنے کا کام فی الحال جاری ہے۔

شمسی توانائی کا دور:۔

چونکہ آج کل بڑے پیمانے پر توانائی کا استعمال ہو رہا ہے اور توانائی حاصل کرنے والے آسانی سے دستیاب ذرائع محدود ہیں۔ مہاراشٹرا اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ نے شمسی توانائی دور میں قدم رکھا ہے۔ اور شمسی توانائی کو تولید توانائی کے لئے مہاراشٹر نے جشن سیمیں سال کے دوران بغرض استعمال جاری کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اور اس سلسلے میں ناشک ضلع کے قریب کھرپڑی نامی ایک قبائلی گاؤں میں راستوں پر شمسی روشنی کے کھمبوں کی تنصیب کا کام جاری ہے۔ مہاراشٹر میں یہ پہلا قبائلی علاقہ ہے جہاں راستوں کو شمسی روشنی کے ذریعے منور کیا جائے گا۔ اس سے قبائلی علاقوں میں ایک انقلاب آجائے گا

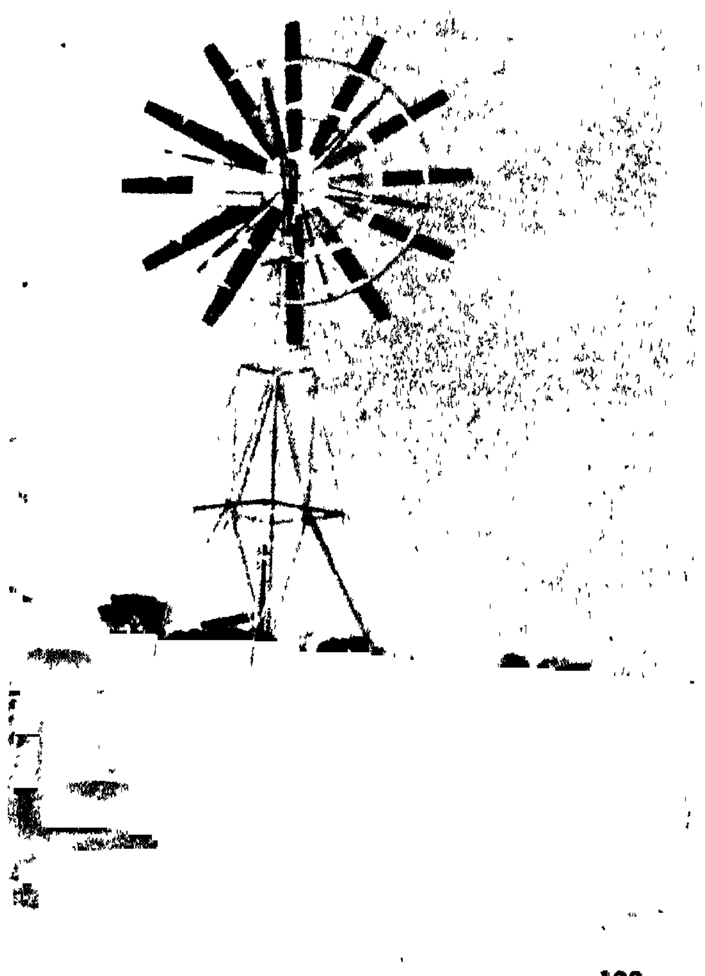
کھرپڑی ایک بہت چھوٹا گاؤں ہے جو پہاڑی علاقہ میں واقع ہے اور جہاں کی آبادی لگ بھگ ۴۰۰ نفوس پر مشتمل ہے۔ ایسے علاقے میں بجلی رسانی کا کام نہ صرف مشکل بلکہ مہنگا اور دقت طلب ہے۔ اس طریقے سے ۳ لاکھ روپے خرچ کا تخمینہ ہوگا لیکن اس شمسی سامانوں کے ذریعہ صرف ۵۰ ہزار روپے میں اس کام کو انجام دیا جاسکتا ہے۔

شمسی طریقے سے راستوں کو روشن کرنے کا کام ۲۰ واٹ فلورسنٹ لیمپ کے ذریعے کیا جائے گا۔ اس طریقے سے غروب آفتاب یا شام کے دھندلکے کے وقت خودبخود روشنی کا انتظام ہو جاتا ہے اور متعین وقت تک کام جاری رہتا ہے اور پھر روشنی بجھ جاتی ہے۔ کھمبوں کے اوپر ایک شمسی پی وی پینل جو ایک یا ایک سے زیادہ پی وی

ہوڈیس پر مشتمل ہوتا ہے۔ جوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ موڈیول شمسی توانائی کو بالراست بجلی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس کھمبے کے نیچے کی طرف جو بیٹری لگی ہوتی ہے اس توانائی کا ذخیرہ کرتی ہے اور وہی ذخیرہ کی ہوئی توانائی رات میں روشنی کے لئے استعمال میں لائی جاتی ہے۔ دھولے اور گڈ چرولی اضلاع کے قبائلی گاؤں میں ایسی ہی روشنی کے ذریعے وہاں کے راستوں کو منور کیا گیا ہے۔

پن چکی کے ذریعے توانائی :-

کوکن کے ساحلی علاقوں میں ہواؤں کے ذریعے توانائی حاصل کرنے کے لئے بورڈ نے "۵۰ کلو واٹ" صلاحیت والے جنریٹر دیوگڈھ کے مقام پر لگائے ہیں۔ یہ جنریٹر ریاست کے جشن سیمیں سال کے دوران اپنا کام شروع کردیں گے۔



کمپیوٹر کا استعمال :-

ترقی پذیر ممالک کی طرح، بورڈ نے ممکن جگہوں پر کمپیوٹر کے استعمال کا فیصلہ کیا ہے۔ خاص خاص شہروں میں بلوں کی تیاری کا کام کمپیوٹر کے ذریعے کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح، لوڈ ارسال کے مراکز جو کلوا اور انبہ زاری میں ہیں۔ ایسے کمپیوٹر کے قائم کرنے کا کام جاری ہے۔

پڑوسی ریاستوں کو مدد :-

اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف رہتے ہوئے بھی بورڈ نے اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھا ہے۔ بورڈ نے پڑوسی ریاستوں جیسے گجرات، کرناٹک، گوا، مدھیہ پردیش کو ان کی ضرورت کے پیش نظر ہمیشہ توانائی سپلائی کی ہے۔ آج بھی ہر رات پڑوسی ریاستوں کو ۵ تا ۷ میگا / یونٹس پاور سپلائی کیا جا رہا ہے۔

دو سال پہلے گجرات کو ایک شدید طوفانِ باد و باراں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اور اس وقت تقریباً تمام بجلی کے نظام ٹھپ ہو چکے تھے۔ مہاراشٹر الیکٹریسٹی بورڈ نے فوراً ۱۹۴ افراد پر مشتمل تکنیکی کام جاننے والے ماہرین کی ایک جماعت دیوالی مقام پر روانہ کردی جائے تاکہ پاور سپلائی کرنے والے نظام کو دوبارہ تعمیر کیا جا سکے۔ اس جماعت نے اپنے کام کو بڑی ہی کامیابی کے ساتھ جنگی پیمانہ پر انجام دیا اور گجرات الیکٹریسٹی بورڈ سے سراہنا حاصل کی۔

ترقی پذیر ممالک کو مدد :-

مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ کے تکنیکل ماہرین و ملازمین ترقی پذیر ممالک کو بھی مدد بہم پہنچا رہے ہیں تکنیکل ماہرین و ملازمین کی ایک جماعت زمبابوے کی جانب اس ملک کی درخواست پر روانہ کی گئی ہے اور وہاں اس جماعت کے کاموں کی بہت تعریف ہو رہی ہے۔

صارفین - باعث رحمت پالیسی :-

بورڈ، اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ وہ اپنے ملازمین

نمبر شمار	آئیٹم	سنہ ۱۹۶۰-۶۱ء	سنہ ۱۹۸۳-۸۴ء
:-	تنصیبی صلاحیت (میگا واٹ)	۷۶۰	۴۶۸۶
:-	تولید توانائی (میگا واٹ یونٹس / سال)	۳۲۶۸	۱۸۱۵۲
:-	توانائی فروخت (میگا واٹ یونٹس / سال)	۲۷۲۰	۱۶۹۷۰
:-	مواصلات و تقسیم کاری لائنس (کلو میٹر)		
	(الف) ۶۶ کلو والٹ اور مزید	۱۲۵۱	۱۵۳۵۶
	(ب) ۶۶ کلو والٹ سے کم	۴۴۱۴	۱۰۸۰۴۸
	جملہ	۵۶۶۵	۱۲۳۴۰۴
	(ج) تقسیم کاری لائنس	۴۴۰۶	۱۸۹۸۱۵
:-	ٹرانسفارمر صلاحیت		
	(الف) ۱۱ کلو والٹ (ایم وی اے) سے زیادہ	۲۶۱	۲۰۷۴۹
	(ب) ۱۱ کلو والٹ اور اس سے کم (ایم وی اے)	۱۲۴	۵۵۳۰
:-	صارفین کی تعداد	۱۰۷۵۳۳	۴۵۰۳۳۱۳
:-	کلوواٹ میں جوڑا گیا لوڈ	۱۶۵۰۶۶	۸۸۹۷۶۷۳
:-	صنعتی صرفہ (میگا یونٹس / سال)	۱۸۵۳	۵۸۵۰
	زراعتی صرفہ (میگا یونٹس / سال)	۹۵	۲۴۰۰
:-	فی سرمایہ صرفہ (میگا یونٹس / سال)	۷۳	۲۷۰
:-	شہر اور گاؤں کی برقیات	۸۵۳	۳۲۳۱۳
:-	گاؤں کی فی صد برقیابی	۲٫۳۶	۸۹٫۶۰
:-	زراعتی پمپوں کے لئے بجلی	۶۶۹۵	۸۵۸۸۰۰
:-	مالیات (کروڑ روپے میں)	۳٫۲۳	۸۲۶

* مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ کے علاقہ میں ظاہر کردہ اعداد

کو اس بات پر راضی کرلے کہ وہ عوام کے خدمت گار ہیں۔ اسی لئے بورڈ کے انتظامیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ صارفین کے لئے باعث رحمت پالیسیوں کو ہی اپنائے۔

بورڈ نے صارفین کے مفاد کے لئے بہت سی اسکیموں کا اعلان کیا ہے۔ ان میں اقل ترین سالانہ بل وغیرہ میں رعایت شامل ہے۔ بورڈ نے تاحیات آبپاشی اسکیموں میں چھوٹے پیمانے کی صنعتوں، دیہی آبی رسد اسکیم، ہاؤسنگ بورڈ گروپ اسکیمیں برائے کم آمدنی گروپ، ابتدائی صحت مراکز وغیرہ کے لئے رعایت شامل کی ہیں۔ بورڈ پسماندہ طبقات کے صارفین سے کسی قسم کا سروس چارج بھی وصول نہیں کرتا ہے۔ بورڈ نے گھریلو اور کمرشیل صارفین کے سلسلے میں اقل ترین ماہانہ چارج میں بھی کمی کردی ہے۔

بورڈ اس بات کی کوشش میں ہے کہ وہ اپنے صارفین کو جہاں تک ممکن ہوسکے اطمینان بخش خدمات سے نوازے

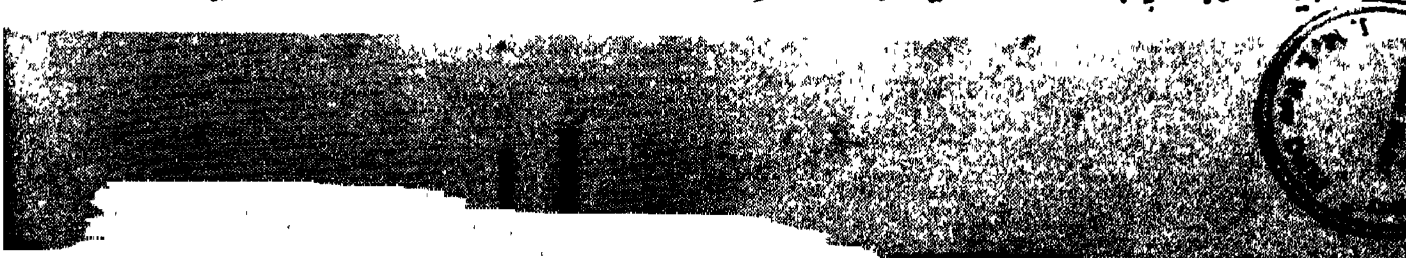
رابطہ عامہ :-

بورڈ کے سینیئر افسران عوام سے قریبی ربط رکھے ہوئے ہیں تاکہ صارفین کی مشکلات سے ہمیشہ سے آگاہ رہیں۔ رابطہ عامہ کے افسران بھی یہی کام انجام دے رہے ہیں۔ مختلف میدانوں کے افسران عوام کے نمائندوں سے ہر تین مہینہ میں ایک بار ملاقات کرتے ہیں۔ اور ان کے مسائل کا جائزہ لینے اور اس سلسلے میں بورڈ کی پوزیشن کو واضح کرتے ہیں۔ اسی بناء پر بورڈ اور صارفین ایک دوسرے کے قریب آچکے ہیں۔ بورڈ کے الیکٹریکل انجینئر مختلف علاقوں کا پہلے سے متعین کردہ پروگرام کے تحت دورہ کررہے ہیں۔ مختلف صارفین سے ملاقات کرتے ہیں اور اسی گفت وشنید کے دوران انہیں مشورہ بھی دیتے ہیں۔

بناء کسی تاخیر کے صارفین کے مسائل کو حل کرنے کی غرض سے بورڈ کی جانب سے، شکایتی مراکز کھولے گئے ہیں۔ نیز بڑے بڑے شہروں میں جیسے بمبئی، پونے، ناگپور، کولہاپور، ڈومبیولی، سولاپور میں صارفین مراکز قائم کئے ہیں۔ تاکہ صارفین کی شکایات کا فوری طور پر اسی جگہ ازالہ کیا جاسکے۔ بورڈ کی جانب سے بڑے شہروں میں خصوصی وائرلیس گاڑیاں رکھی گئی ہیں تاکہ ٹوٹ پھوٹ کے فوری کام کو فوراً ہی درست کیا جاسکے۔ اس سے صارفین کی یاد رنہ ہونے کی شکایات دور ہوجاتی ہے۔ صارفین کو شکایات کے سلسلے میں رہنمایانہ خطوط بھی لکھے گئے ہیں۔ صارفین کی طرف سے بورڈ کے اس نئے اقدام کو بہت سراہا گیا ہے۔

مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ کی مشکلات :-

بجلی ہمارے سماج کا ایک جزولاینفک بن چکی ہے. اگر ذرا سی دیر کے لئے بجلی رسانی رک جائے تو لوگ لاچار ہوجاتے ہیں۔ دوسری ریاستوں کی بہ نسبت، مہاراشٹر اسٹیٹ کی توانائی کی حالت زیادہ بہتر ہے۔ اسی وجہ سے لوگوں نے اس بورڈ سے زیادہ ہی امیدیں وابستہ کررکھی



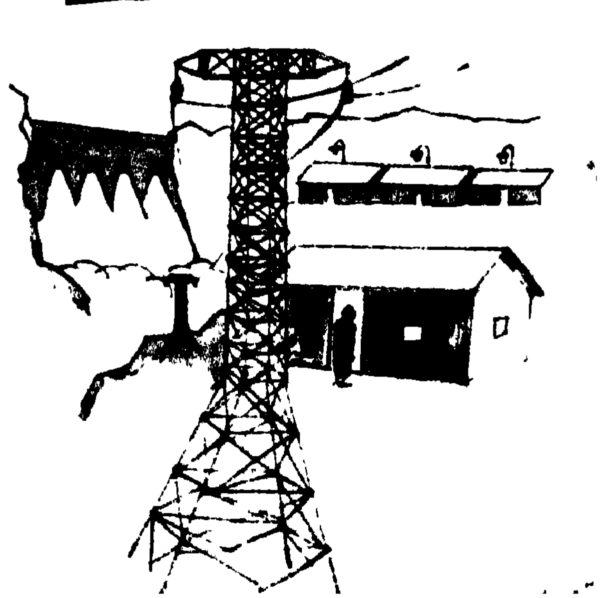
ہیں۔ لیکن بورڈ کے لئے ان تمام امیدوں کو پورا کرنا بڑا ہی مشکل امر ہے۔ اس لئے کہ بورڈ اپنی ہی پریشانیوں میں گرفتار ہے۔

تولیدِ توانائی، مواصلات اور تقسیم کاری جو ریاست کے چپہ چپہ میں ہونی چاہیئے، کے لئے بڑی رقم اور ضروری سامان لازمی باتیں ہیں۔ ایسے بھی مواقع پیش آئے جب بورڈ کو اپنے مختلف پروگراموں کو روبہ عمل لانے کیلئے فنڈ دستیابی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ جس سے لوگوں کے بڑھتے ہوئے مطالبے کی تکمیل نہیں ہو پاتی ہے۔

ان مشکلات کے باوجود، مہاراشٹر وہ ریاست ہے جہاں توانائی پر زراعتی اور صنعتی استعمال کے لئے کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی گئی ہے بلکہ ہر سال بڑھتے ہوئے مطالبہ کو پورا کرنے کیلئے توانائی کی مقدار بڑھا دی جاتی ہے۔

مختلف مشکلات پر قابو پانے کے بعد، بورڈ اس بات کی حتی الامکان کوشش کر رہا ہے کہ وہ دُور دراز واقع گاؤں کو بجلی فراہم کرے اور وہاں کے عوام کی زندگی کو بجلی سے تاباں کردے۔ بورڈ اپنی اس کوشش کو اس وقت تک جاری رکھے گا جب تک کہ صد فی صد بجلی رسانی میں اسے کامیابی حاصل نہیں ہو جاتی۔

(ترجمہ: صفیہ خاتون)



صفحہ ۹۴ سے آگے

قائم کئے جائیں۔ ہر ایک ضلع میں کم سے کم ۳ مراکز ہوں۔ ارادہ ہے کہ ایسے ہر ایک ثقافتی مرکز پر کھلے ڈرامہ تھیئٹر، لائبریری، گیسٹ ہاؤس اور آرٹ سیکشن سب ہی کچھ ہو۔ اس اسکیم کے روبہ عمل آنے پر مہاراشٹر کے مختلف حصوں میں مختلف ادیبوں اور کلاکاروں کو یہ موقع ملے گا کہ وہ ایک مشترکہ سماجی اور ادبی پلیٹ فارم پر جمع ہوں۔ ایک دوسرے سے روشناس ہوں اور تبادلۂ خیال کریں۔

اس طرح مہاراشٹر بورڈ برائے ادب و ثقافت ریاست مہاراشٹر کے قیام کے ساتھ ۲۵ سال کے دوران ترقی کی راہ پر برابر آگے بڑھتا رہا۔ اس دور کی عظیم ہستی، سہیادری اور ہمالیہ جیسی سربلند شخصیت آنجہانی یشونت راؤ چوان کی (جو اس وقت وزیر اعلیٰ تھے) ذہنی اُپج، اور ادبی ذوق و شوق ہی کی بدولت یہ ریاستی بورڈ وجود میں آیا۔ آج بھی اس بورڈ میں یشونت راؤ کی روشن خیالی اور جذبۂ عمل کارفرما ہے۔

ریاستی بورڈ آج سلور جوبلی سال منا رہا ہے۔ میری دُعا ہے کہ یہ بورڈ ایسی ہی بے شمار سلور جوبلیاں منائے۔ ریاستی بورڈ میں کچھ خامیاں ضرور ہو سکتی ہیں لیکن ان سے یہ واقف ہے۔ اسے کچھ کٹھنائیوں کا سامنا بھی کرنا پڑا اور آج بھی کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن ترک تیرتھ لکشمن راؤ جوشی، اور ڈاکٹر سریندر بارلنگے جیسے اسکالروں کی مساعی سے اس کا مستقبل روشن ہوگا۔ آخر میں ریاستی بورڈ کے عہدیداروں، انتظامی عملہ، سیکریٹری اور دیگر کارکنوں کی خدمات کا بھی اعتراف کرنا ضروری ہے جن کی لگن اور محنت سے یہ بورڈ تیزی سے ترقی کی راہ پر گامزن رہا۔

(ترجمہ:۔ عبدالوحید خاں جامی)

قومی راج میں شائع شدہ مواد حوالہ کے ساتھ یا بلا حوالہ نقل کیا جا سکتا ہے تاہم جس شمارے میں یہ مواد شامل ہو اس کی ایک کاپی ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر، منترالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲ کے نام ضرور روانہ فرمائیں۔

(ادارہ)

(صفحہ ۱۰۰ سے آگے) ...... کپاس

(۱۶) :- لمبے ریشوں والے کپاس کی برآمد (ایکسپورٹ) کے لئے کوششیں کی جانی چاہئیں۔

(۱۷) :- امدادِ باہمی کپڑا بننے والی ملوں کے کاشتکار ممبر اپنی کپاس کی پیداوار اپنی ملوں کو پیش کریں

ایکٹ

مہاراشٹر خام کپاس (حصولی پروسیسنگ اور مارکٹینگ) ایکٹ سنہ ۱۹۷۱ء کی عمر ۳۰ جون سنہ ۱۹۸۰ء تک تھی۔ اور اس کی میعاد حکومتِ ہند کی موافقت سے ایک ایک سال کر کے ۳۰ جون سنہ ۱۹۸۲ء تک دو مرتبہ بڑھائی جا چکی ہے۔ ایکٹ کی اس میعاد کے ختم ہونے سے قبل ریاستی حکومت نے حکومتِ ہند سے اس ایکٹ کی ۱۰ سال تک یعنی ۳۰ جون سنہ ۱۹۹۲ء تک کی بڑھانے کی منظوری عطا کرنے کی درخواست کی۔ تاہم حکومت ہند نے، اسکیم پر عمل و تعمیل کا جائزہ لینے کے بعد ۳۰ جون سنہ ۱۹۸۴ء تک کی مزید منظوری دی۔ اسکیم کی پیش رفت کا جائزہ لیتے ہوئے حکومتِ ہند اور ریزرو بینک آف انڈیا نے اسکیم پر ہموار روی کے ساتھ عمل درآمد کے لئے متعدد مشورے دیئے۔ ان مشوروں پر ضروری غور و خوض کرنے کے بعد ریاستی حکومت نے خام کپاس ایکٹ سنہ ۱۹۷۱ء میں ضروری ترمیمات کیں اور حکومت ہند سے درخواست کی کہ وہ ایکٹ مذکور کی مدت میں مزید توسیع تا ۳۰ جون ۱۹۹۴ء منظور فرمائے۔

اِطلاعی یونٹ

اس سرمایہ کاری، لین دین اور بیوپار کے حجم پر نظر کرتے ہوئے ریاستی حکومت نے ایک کپاس مارکیٹنگ اِطلاعی یونٹ، منترالیہ میں محکمۂ امدادِ باہمی کے تحت قائم کیا ہے۔ اس کپاس مارکیٹنگ اِطلاعی یونٹ کے فرائض حسبِ ذیل ہیں۔

۱:- اِسکیم کے پیش رفت پر توجہ دینا۔

۲:- اِسکیم سے متعلق مختلف معاشی پہلوؤں کے بارے میں حکومت کو مشورہ دینا۔

۳:- اِسکیم کے مسائل سے متعلق مطالعوں کو انجام دینا۔

۴:- مختلف ذرائع سے آنے والی کپا
اور کپاس بیج کے بارے میں قیمتوں
جمع کر کے ترتیب دینا اور تجزیہ کر
حکومت کو کپاس اور دھنی گئی
کی ضمانتی قیمت کے بارے میں اور
بیج کی بکری کے بارے میں مشورہ د

(ترجمہ :- عـ

صفحہ ۱۱۹ سے آگے " ہاؤسنگ پروگرا

کے لئے حاصل کیا جائے گا اور جس پر ۶۸
روپے کی لاگت آئے گی۔

بلہ کمروں میں سے جو ساتویں
جانے والے ہیں۔ تقریباً ۵ فی صد کمرے مالی حیثی
طبقوں کے لئے مخصوص کئے جائیں گے۔

(ترجمہ: عبد





بحیثیت پہلے وزیراعلیٰ مہاراشٹر
ے حلف وفاداری اٹھانے سے قبل،
یراعلیٰ شری یشونت راؤ چوان اور ان
دھرم پتنی نے منگل کلش کی پوجا کی تھی۔

QAUMI RAJ : Regd. No. MH-BY South-544 *Licence No. 89 for 'without prepayment of postage'*







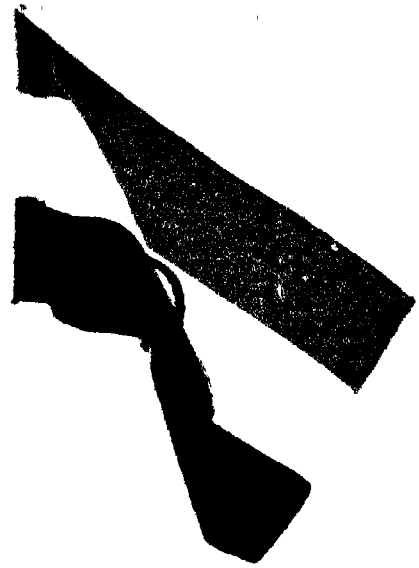
ریاست مہاراشٹر نے پچھلے ۲۵ سالوں کے دوران زراعت، صنعت، بجلی اور باندھ کے کاموں میں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

شائع کردہ۔ شری ایس. کے. سگنے، ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی ۳۲۔۔۔۴۰۰
مطبوعہ۔ گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی ۴۔۔۔۴۰۰/ گورنمنٹ فوٹوزنکو پریس۔ پونے ۱

قومی راج

۲۵ر مئی، ۱۰ر جون ۱۹۸۵ء 10-6-85







شیواجی پارک، بمبئی میں ریاست مہاراشٹر کی تشکیل کا جشنِ سیمیں" نہایت
طمطراق سے منایا گیا۔ سابق گورنر شری کونڈا مادھوا ریڈی اس موقع پر گارڈ آف آنر کی سلامی لیتے ہوئے۔

جلد نمبر ۱۲
شمارہ نمبر ۱۰ و نمبر ۱۱

(مشترکہ شمارہ)
۲۵ رمئی، ۱۰ رجون ۱۹۸۵ء

قومی راج

ہر ماہ کی ۱۰ ر اور ۲۵ ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ: دس روپے قیمت فی کاپی: پچاس پیسے

ترتیب

چیف ایڈیٹر:- ایس۔ کے۔ سگنے ایڈیٹر:- فیروزہ فیاض خان

سرورق :- صدر ہند شری گیانی ذیل سنگھ نے ۱۹ اپریل کو رائے گڈھ میں "میگھ ڈمبری" کی نقاب کشائی فرمائی۔ اس موقع پر لی گئی اس تصویر میں شہ ... سمرا راجے بھونسلے، ڈاکٹر شریمتی سریندر کور، صدر ہند کی صاحبزادی، کارگزار گورنر مہاراشٹر شری کے۔ مادھوا ریڈی، مہاراشٹر شری وسنت راؤ پاٹل، کارگزار گورنر کی اہلیہ، بابا صاحب پرندرے اور وزیر مملکت شری جے۔ بی۔ مہاجن کے ہمراہ۔

قارئین کی رائے

★ عبدالصمد رضا

معرفت ستار پان سینٹر۔ پٹھان چوک۔ امراؤتی ۴۴۴۶۰۱
(مہاراشٹر)

تازہ شمارہ ملا۔ گذکری نمبر بھی اور اس کے پہلے کا شمارہ بھی۔ جب بھی "قومی راج" آتا ہے۔ طبیعت باغ باغ ہو جاتی ہے۔ اس کے مضامین بڑے معلوماتی ہوتے ہیں اور اپنے لئے دلچسپی کا باعث۔ اس میں ملک کے مشہور شعراء کا کلام ہوتا ہے جن سے ملاقات کا کبھی موقع نہیں مل سکا ان شعراءِ کرام سے یوں ملاقات کر لیتے ہیں۔

★ محمد مصباح اللہ (بی اے، بی ایس سی۔ بی ٹی)

۸/۸۸۔ بی، چلدم برانا تھن اسٹریٹ۔ پالاودم۔ مدراس ۶۰۰۰۶۳

"قومی راج" کا آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی خصوصی نمبر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ماشاءاللہ آپ نے شاندار پیمانے پر شائع فرمایا ہے۔ دلچسپ مواد، اور دلکش تصاویر میں بلا کی کشش اور جاذبیت ہے۔ جس کے باعث بار بار دیکھنے اور مطالعہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اس عظیم الشان اشاعت کیلئے آپ میری جانب سے ہدیۂ خلوص اور تشکر قبول فرمائیں۔ آپ اور دیگر اراکین مبارکباد کے مستحق ہیں۔

★ مصطفےٰ مومنؔ

دھنباد۔ (بہار)

"قومی راج" کا تازہ شمارہ جناب غیاث احمد گدی صاحب کے توسط سے زیرِ مطالعہ آیا۔ پچھلے شماروں کی طرح یہ بھی عمدہ اور معیاری ہے۔

مجھے "قومی راج" بے حد پسند آتا ہے۔

★ نثار اختر انصاری

ایڈیٹر "ہمہ گیر" مومن پورہ۔ چوک۔ ناگپور (۲)

"قومی راج" کا خصوصی شمارہ آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی خصوصی نمبر موصول ہوا۔ شریمتی اندرا گاندھی کی سوانح حیات اور کارناموں پر یہ عظیم دستاویز ہے۔ تمام مضمون نگاروں نے کافی محنت سے مواد اکٹھا کر کے قلمبند کیا ہے۔ یہ شمارہ ہر اعتبار سے یادگاری ہے۔

★ شفیع اللہ

اقبال روڈ۔ دھولے۔ (مہاراشٹر)

آنجہانی "شریمتی اندرا گاندھی خصوصی نمبر" کی شاندار اشاعت پر مبارکباد کا خط لکھ چکا ہوں۔ سوچ رہا تھا کہ "آنجہانی یشونت راؤ چوان کے خصوصی نمبر کی اشاعت کے لئے آپ کی توجہ دلاؤں کہ اچانک نہایت شاندار، ضخیم نمبر "آنجہانی یشونت راؤ چوان خصوصی نمبر" کی صورت میں سامنے آگیا۔ جس نے واقعی حیران کر دیا کہ آپ نے کس خوبصورتی سے ان کے کارناموں کو اور مہاراشٹر کے پہلے وزیر اعلیٰ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اور اس طرح پھر تمام سرکاری رسالوں میں "قومی راج" نے قابلِ قدر مثال قائم کی ہے۔

اس عظیم الشان رنگین اور رنگا رنگ تصاویر سے سجے ہوئے نمبر نے نہ جانے کتنی پرانی یادوں کے دریچے کھول دیئے۔

میری جانب سے دلی مبارکباد قبول فرمایئے اللہ آپ کو ہمت دے کہ اسی طرح ایک سے بڑھ کر ایک یادگار اور شاندار نمبر شائع کر کے حکومتِ مہاراشٹر کے نام کو روشن کریں۔

ریاستِ مہاراشٹر کی سلور جوبلی تقریبات

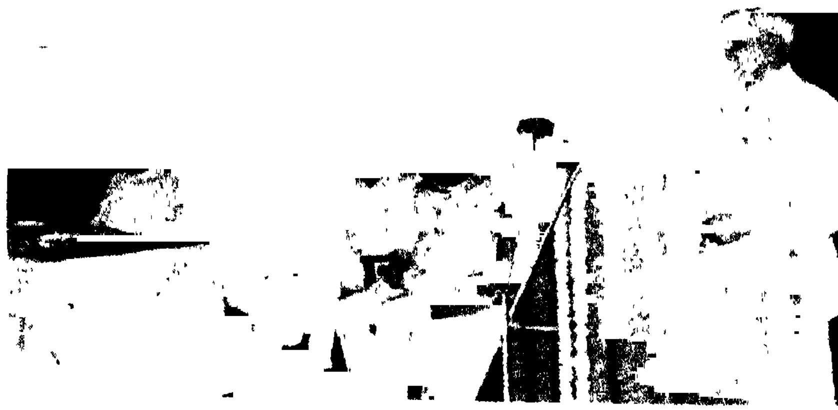
شایانِ شان طور پر منائی گئی

مہاراشٹر کے جشنِ سیمیں تقریبات کا آغاز نصف شب سے تمام شہر میں سائرن کی گونج سے ہوا۔ منترالیہ اور دیگر سرکاری عمارتوں پر رنگ برنگی چراغاں کیا گیا۔ یکم مئی ۱۹۸۵ء سے سال بھر مختلف تقریبات کا اہتمام کیا جائے گا۔ اس بات کا فیصلہ حکومتِ مہاراشٹر نے کیا ہے۔

کارگذار گورنر مہاراشٹر کے شری کے۔ مادھو ریڈی نے یکم مئی کی صبح بمبئی میں شیواجی پارک میں ایک رسمی پریڈ کی سلامی لی اور اپنی تقریر مراٹھی زبان میں کی۔
انہوں نے فرمایا کہ ۲۵ سال قبل جب ریاستِ مہاراشٹر کی تشکیل کی گئی تھی تب ماضی وزیراعظم شری جواہر لال نہرو نے سنیکت بھارت کے خدمات کی خواہشات عوام کے سامنے رکھی تھیں۔ ان خواہشات کا اس میں پورا پورا احترام کرنا ہے۔



مہاراشٹر کے کارگذار گورنر شری آر۔ مادھو ریڈی "آپلا مہاراشٹر۔ پرمپرا آنی پرگتی" نامی کتاب کی ایک کاپی مرکزی وزیر برائے نشریات شری وٹھل راؤ گاڈگل کی نذر کر رہے ہیں۔
یہ کتاب ڈائریکٹوریٹ جنرل برائے اطلاعات و رابطہ عامہ مہاراشٹر کی جانب سے شائع کی گئی ہے۔



مہاراشٹر انفارمیشن سینٹر کی جانب سے نئی دہلی میں منعقدہ مہاراشٹر کے سالِ جشنِ سیمیں تقریبات میں نائب صدرِ ہند شری آر۔ وینکٹ رامن مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھے۔ تصویر میں آپ مجمع کو خطاب کر رہے ہیں۔ شری جواہر لال دردا وزیرِ مملکت برائے آب پاشی بھی نظر آ رہے ہیں۔

قبل ازیں وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری وسنت راؤ پاٹل نے گیٹ وے آف انڈیا پر شیواجی مہاراج اور منترالیہ کے قریب گاندھی جی کے مجسموں کی گلپوشی کی۔ شیواجی پارک کی تقریبی پریڈ میں شرکت سے پہلے وزیر اعلیٰ نے نہاتما چوک ودرا گست کرانتی میدان میں قائم شہیدوں کی یادگاروں پر پھول چڑھائے۔

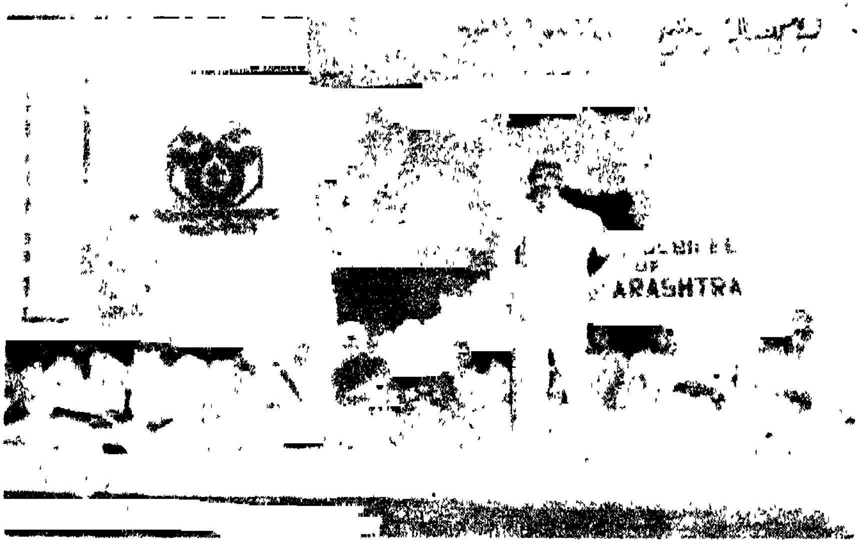
شیواجی پارک میں مخصوص شامیانوں میں موجود خصوصی مہمانوں اور عوامی نمائندوں سے اپنی مراٹھی تقریر میں کارگذار گورنر نے مزید فرمایا کہ مہاراشٹر ریاست، مراٹھی بولنے والوں کے دیرینہ خواب کی تعبیر ہے۔

گذشتہ ۲۵ سالہ ترقی پر ریاستی حکومت کی تعریف کرتے ہوئے آپ نے ۲۱ ویں صدی کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے ریاست میں ترقی کی رفتار تیز کرنے کا مشورہ دیا۔ گورنر نے ریاستی حکومت کے اس فیصلہ کی بھی تعریف کی کہ سلور جوبلی سال میں مہاراشٹر کے دیہاتوں میں پینے کے پانی کے انتظامات کے نئے جنگلات کا قیام اور غیر رسمی توانائی کی ترقی کا پروگرام مکمل کیا جائے گا۔

پریڈ کی سلامی کے وقت بحری، بری، اور ہوائی فوج کے تینوں چیف، وائس ایڈمرل جے۔ ایس۔ کھورانہ، ڈائرکٹر جنرل آف کوسٹ گارڈ، وزیر اعلیٰ کے علاوہ ان کی کابینہ کے وزراء مرکزی وزیر شری وی۔ این۔ گاڈگل اور شری غلام نبی آزاد، دیگر ممالک کے قونصل اور ممتاز شخصیتیں موجود تھیں۔

اسی پریڈ کے بعد دلکش جھانکیوں کا جلوس نکالا گیا۔ جن میں دفاع سائنس، ٹیکنالوجی، زراعت اور صنعت کے شعبوں کی ترقی کی جھلکیاں پیش کی گئی تھیں۔ مہاراشٹر کی تہذیبی زندگی کی نمائش کرنے والی جھانکیاں بھی موجود تھیں۔ جب چھترپتی شیواجی مہاراج کی تخت نشینی کا منظر پیش کرنے والی جھانکی آئی تو سب سے زیادہ تحسین کے نعرے بلند ہوئے اور ۲۴ جھانکیوں میں شیواجی مہاراج کی جھانکی کو پہلے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔

جھانکیوں میں چند قابلِ ذکر ہیں۔ جیسے ڈیری ڈیولپمنٹ اور اینمل ہسبینڈری محکمہ کی جانب سے آرے کے تیار کردہ تمام چیزوں کی نمائش اور راشٹریہ کیمیکلز اینڈ فرٹیلائزرز نے علی باغ تعلقہ کی تاریخی تقسیم کو پیش کیا جس میں مقبول مرہٹا نول چیف کنوجی انگریزے کو ایک جانب فائرنگ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے تو دوسری جانب جدید علی باغ کو متعال فرٹیلائزر پروجیکٹ ماڈل پیش کیا گیا ہے۔



ریاستِ مہاراشٹر کی تشکیل کے سال جشنِ سیمین کے سلسلہ میں مہاراشٹر اردو سوسائٹی کی طرف سے ۲۹ مئی کی شب، جھولامیدان، بمبئی میں ایک آل مہاراشٹر مشاعرہ کا انعقاد ہوا۔ جس کا افتتاح ڈاکٹر نجمہ ہیبت اللہ، ایم۔ پی، ڈپٹی چیرمین، راجیہ سبھا نے فرمایا۔ زیرِ نظر تصویر میں صدرِ مشاعرہ شری ریاض احمد خاں سامعین سے مخاطب ہیں۔ ان کے علاوہ شری انجم رومانی، شری عبدالقیوم نشتر، شریمتی ایم۔ یو خان، و شعراء حضرات دیکھے جا سکتے ہیں۔

جھانکیوں کے بعد دھولیہ ضلع کے ادیباسیوں کی ٹولیوں نے اپنی تہواری رقص کے نمونے پیش کیے۔ اس کے علاوہ ضلع ناسک کے ثقافتی رقص گروپ نے بھاورا رقص پیش کیا۔ ایک اور گروپ نے ورزشی اور ملکھم کے کرتب دکھائے

دہلی اور بنجم میں تقریبات :-

مہاراشٹر کے سلور جوبلی سال کی تقریبات دہلی، اور بنجم میں مہاراشٹر کے مختلف دفاتر میں بڑے پُرزور طریقے پر منائی گئیں۔

نیا ٹی وی چینل :-

بمبئی دُوردرشن کے دوسرے چینل کا افتتاح مرکزی وزیرِ اطلاعات و نشریات شری گاڈگل کے ہاتھوں ہوا۔

ریاست کی سلور جوبلی تقریبات کے سلسلہ میں دُوسرے چینل کا افتتاح کرتے ہوئے کارگذار شری جسٹس ریڈی نے بیان کیا کہ دور درشن ریاست کے لاکھوں ناظرین کی تفریح اور تربیت کے باعث بنا ہے اور اب انہیں روزانہ ایک اور متبادل چینل پروگرام دیکھنے کا موقع ملے گا۔

مرکزی حکومت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آپ نے کہا، کہ ٹیلی ویژن کا کام صرف تفریح نہیں بلکہ عوام کو حقائق سے آگاہ کرنا بھی ہے تاکہ وہ ملک کو پیش آنے والے مسائل سے بہتر طور پر واقف ہوسکیں۔

آپ نے اس بات پر اظہارِ مسرت کیا کہ دُوردرشن کے عہدہ داران تفریحی پروگراموں کے ساتھ ساتھ قومی تعمیری سرگرمیوں سے متعلق مثبت فضا پیدا کرنے میں کوشاں ہیں۔

آپ نے دُوردرشن کے ٹیکنیکل اور انتظامی اسٹاف کو یومِ مہاراشٹر پہ دوسرا چینل شروع کرنے میں کامیابی پر مبارکباد دی اور توقع ظاہر کی دوردرشن انتظامیہ اپنے توسیعی منصوبے کے ذریعہ عنقریب ریاست کے تمام علاقوں تک پروگرام نشر کے لائق ہو جائے گا۔

دوسرا چینل دُوردرشن اور مرکزی حکومت کی طرف سے ریاست کی سلور جوبلی پر عوام کے لیے تحفہ ہے۔

اسی روز وزیرِ اعلیٰ نے ۹ کروڑ روپے کی ریاستی بجلی بورڈ کی عمارت کے کمپلکس پرکاش گڈھ کا بھی باندرہ میں افتتاح کیا۔

مرکزی وزیرِ اطلاعات و نشریات شری گاڈگل نے ریاستی حکومت کے محکمۂ اطلاعات و رابطۂ عامہ کی جانب سے شائع شدہ ایک سووینئر کا اجرا کیا۔

لوک راج .... قومی راج کا خصوصی شمارہ:-

ریاست کی ۲۵ سالہ ترقیاتی پروگراموں کی تفصیل پیش کرنے کے لئے لوک راجیہ (اردو قومی راج) جو کہ چند زبانوں میں شائع ہوتا ہے، کا خصوصی شمارہ نکالا گیا۔



بمبئی میں مہاراشٹر کے سالِ جشنِ سیمیں سے متعلق خصوصی تقریب میں تینوں فوجی ونگ کے جنرل موجود تھے۔ تصویر میں (بائیں سے) شری بابچندر دیشمکھ، چیف سیکریٹری حکومتِ مہاراشٹر، چیف آف نیوی، شری آر۔ ایچ۔ تاہول راماوی اور ان کی اہلیہ، ایئر چیف مارشل شری لکشمن کترے، اور چیف آف دی آرمی جنرل شری اردن کمار ویدیا نظر آرہے ہیں۔

ریاست اور شہر بمبئی کے عوام نے بھی اپنے طور پر جھنڈیوں، کاغذی پھول اور بجلی کے قمقموں سے متعدد عمارتوں اور راستوں کو سجا کر، اور چھوٹے چھوٹے جلسوں و تقریبات کے ذریعے ریاستِ مہاراشٹر کا جشنِ سیمیں منایا۔

لاکھوں افراد نے جن میں عورتوں اور بچوں کی بڑی تعداد شامل تھی۔ جنوبی بمبئی کی سرکاری عمارتوں بشمول منترالیہ وغیرہ پر برقی آرائش کو دیکھا۔ متعدد اسکولی بچوں کے جلوس نکلے۔ آج ریاست میں عام چھٹی منائی گئی۔ پوری ریاست میں اپنے اپنے حلقوں میں ریاستی وزیروں، ضلع کلکٹروں، پی سی سی عہدہ داروں وغیرہ نے پریڈ کی سلامی لی۔ ستیہ نارائن کی پوجا منعقد کی گئی۔ کلچرل شو ہوئے اور فلموں کی نمائش کی گئی۔

آج یہاں پولیس گراؤنڈ پر ریاست کی سلور جوبلی تقریب منائی گئی۔ ایوت محل کے کلکٹر ایم۔ رمیش کمار نے قومی پرچم لہراتے ہوئے پولیس اور ہوم گارڈز کی سلامی لی۔ اس موقع پر اسکول کے طلبہ نے کلچرل پروگرام اور ورزشی مظاہرے کئے۔ سرکاری محکموں کی کارکردگی اور ترقی کی نمائش کرنے والی جھانکیاں بھی نکالی گئیں۔ ضلع کے مختلف محکموں کی طرف سے وکاس گنگا کی نمائش کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جس کا افتتاح آج شام ریاستی وزیر صنعت و محصولات سدھاکر راؤ نائیک کے ہاتھوں ہوگا۔

آج یہاں شاہو اسٹیڈیم پر ترتیب دی گئی رسمی پریڈ، اور جھانکیوں کی نمائش بسلسلۂ سلور جوبلی تقریب۔ ہزاروں افراد و خواتین نے دیکھی۔ اس تقریب میں زیر تربیت پولیس اور ریمانڈ ہوم کے بچوں نے حصہ لیا۔ ضلع کلکٹر دنکر راؤ پاٹل نے قومی پرچم لہراتے ہوئے سلامی لی اور اس سے قبل ہتاتما میموریل پر پھول بھی چڑھائے۔

پریڈ کے بعد سیموکت مہاراشٹر تحریک میں پولیس فائرنگ سے ہلاک ہونے والے شنکر راؤ تورسکر کی والدہ کاشی بائی تورسکر کا استقبال کیا۔

اس موقع پر ایک تجارتی و صنعتی نمائش کے سابق وزیر شری کلیا آدرشے نے افتتاح کیا۔ اس ہفت روزہ نمائش میں ۲۵۰ دکانیں اور اسٹال ہیں۔

پونہ میں :-

آج یہاں سلور جوبلی تقریب کے موقع پر رنگین جھانکیاں لیزم اور ملکھم کے کرتب جن میں ۳۰۰ طلبہ نے روایتی مرہٹہ رقص میں پیش کیا۔ بہت پسند کی گئیں۔ ریاستی وزیر خزانہ شری سوشیل کمار شندے نے قومی پرچم لہرانے کے بعد آج ایک مشترکہ رسمی پریڈ کا معائنہ کیا۔ جس میں شہری و دیہی پولیس، ہوم گارڈز، اسٹیٹ ریزرو پولیس اور ایئر فورس کے جوان شریک ہوئے۔ تمام سرکاری اور کچھ خانگی عمارتوں پر چراغاں کیا گیا۔ عوام



"چھترپتی شیواجی مہاراج" کی تخت نشینی سے متعلق نقاشی کا ایک نمونہ ۔ وزیراعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل کی خدمت میں مدراپرتشٹھان کی جانب سے ۳۰ر اپریل کو ریاستی سالِ جشنِ سیمیں کے موقع پر منترالیہ، بمبئی میں پیش کیا گیا ۔
تصویر میں شری سدھاکر راؤ نائیک وزیرِ صنعت، شری نریندر ترڑکے، وزیرِ امدادِ باہمی اور شریمتی سمتی دیوی دھنوتے پرتشٹھان کی صدر بھی نظر آرہی ہیں ۔

نے اِن تقریبات میں جوش وخروش سے حصہ لیا ۔ شہر میں مختلف مقامات پر تفریحی پروگرام منعقد کئے گئے ۔

تحریری وتقریری مقابلے :-

مہاراشٹر کے نوجوانوں کو مہاراشٹر کی یکجہت ترقی سے متعلق آگاہ کرنے کی خاطر اسکول اور کالج سطح پر تحریری وتقریری مقابلے منعقد کئے گئے " سن ۲۰۰۰ء کا مہاراشٹر"، یہ عنوان زیرِ بحث رہا ۔

بمبئی، ہرا بھرا اور خوبصورت شہر :-

سلور جوبلی سال کے دوران حکومتِ مہاراشٹر اس بات کا خاص طور پر خیال رکھے گی کہ ریاست کے دارالخلافہ کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنایا جائے ۔
۵ کروڑ کی رقم ساتویں پنج سالہ منصوبہ بمبئی کو ہرا بھرا اور صاف ستھرا بنانے کے لئے وقف کی جاچکی ہے ۔ اب ورلڈ بینک کی امداد سے ۲۸۲ کروڑ روپیے کے پروجیکٹ پر اِمسال اس سلسلے میں عمل درآمد کیا جائے گا ۔

مہاراشٹر سماجی و معاشی اور سیاسی ترقی میں پیش پیش ہے ۔ وہ تمام لوگ خوش قسمت ہیں جو یکم مئی سنہ ء کو مہاراشٹر میں پیدا ہوئے ۔ کیونکہ یہ لوگ مہاراشٹر کی ۲۵ سالہ ترقی کے چشم دید گواہ ہیں ۔ ●●

یوتھ فورم

یوتھ فورم کا مستقل فیچر کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنیوالے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے ۔ اس فیچر میں قوم کے سماجی، معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے ۔ قومی پروگرام ہیں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کے خاتمے، تعلیم کا فروغ ۔ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے ۔ اپنے مضامین اس پتہ پر مرحمت فرمائیں :
ایڈیٹر "قومی راج" ۱۵واں منزلہ، نیو ایڈ منسٹریٹیو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲



صدرِ ہند بمبئی میں



صدرِ ہند، شری گیانی ذیل سنگھ نے ۱۹ را پریل کو ادبیرائے ٹاور میں بھارت مرچنٹس چیمبرس آف کامرس کی "جشنِ سیمیں تقاریب"، کا افتتاح کیا۔ چیمبر کے صدر شری مرلی دھر جالان صدرِ ہند کو گھوڑے پر سوار چھتر پتی شیواجی مہاراج کا ایک چھوٹا مجسمہ پیش کر رہے ہیں۔ وزیرِ اعلیٰ مہاراشٹر شری وسنت راؤ پاٹل اس موقع پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

صدرِ ہند شری گیانی ذیل سنگھ نے ۱۸ راپریل کو بمبئی میں منترالیہ کے قریب ایک باغ میں نصب کردہ مہاتما گاندھی کے مجسمہ کی نقاب کشائی کی۔ تصویر میں وزیرِ اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل اور کارگذار گورنر شری گوندا مادھوا ریڈی بھی نظر آرہے ہیں۔



★ ایل ۔ کے ۔ مشاٹکی

ڈیری ترقیات

اس کے جزویات

ڈیری کاروبار ریاست کے چھوٹے اور غریب کسانوں کے لئے بہت ہی مفید ضمنی پیشہ ثابت ہوا ہے، جو نہ صرف کسانوں کی زراعتی آمدنی میں اضافہ کرتا ہے۔ بلکہ کھیتی باڑی کے کام کے لئے کھاد اور مویشی بھی مہیا کرتا ہے۔ حکومت مہاراشٹر نے اپنے ڈیری ترقیاتی محکمہ کے ذریعے، پورے سال، دیہی مراکز سے دودھ کی حصولیابی کے لئے ایک بازار مہیا کیا ہے۔ ڈیری کاروبار کے لئے اس طرح سے بازار کی سہولتیں اور پرمنفعت قیمتیں کسانوں کے لئے سودمند ہے۔

اس مضمون میں پچھلے بیس سالوں کے دوران ریاست میں ڈیری ترقیات پر نظر ثانی کی گئی ہے۔

مہاراشٹر میں ڈیری ترقیاتی پروگرام اور بمبئی جیسے بڑے شہروں میں دودھ کی تقسیم کا منصوبہ ریاست میں ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں اپنی مثال آپ ہے۔ دودھ، پنیر، اور مکھن وغیرہ بنانے کا یہ کام ریاست کے چھوٹے اور غریب کسانوں کے ذریعہ معاش میں اضافہ کرتا ہے ساتھ ہی کھاد اور مویشی بھی مہیا کرتا ہے۔ حکومت مہاراشٹر کا یہ ڈیری ترقیاتی محکمہ کسانوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور انہیں بازار کی سہولتوں کے ساتھ ساتھ دودھ کی منافع بخش قیمت بھی ادا کرتا ہے۔ ڈیری کاروبار نے مہاراشٹر میں کافی ترقی کی ہے۔ یہ پیشہ کسانوں کے لئے خداداد نعمت سے کم نہیں۔ اس پیشہ سے مستحق اور غریب کسانوں کو کافی مدد اور راحت ملی ہے۔

ضمنی پیشہ :-

دراصل ہماری ریاست میں کسانوں کے پاس بہت کم زمین ہوتی ہے اور ان کی زائد آمدنی کا دارومدار زراعت

پر منحصر ہے۔ ڈیری ترقیات اور زراعت کسانوں کیلئے ضمنی پیشہ اس لحاظ سے بھی مفید ثابت ہوا ہے کہ وہ اس دیہی صنعت میں بغیر کسی سرمایہ کاری کے حصہ لے سکتے ہیں۔ کھیت کی بچی ہوئی پیداوار جانوروں کے چارہ کے لئے استعمال میں آتی ہے۔ علاوہ ازیں ڈیری کاروبار کھاد اور مویشی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بن گیا ہے۔ جو زراعت کے لئے بے حد ضروری ہے۔

تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ حکومت مہاراشٹر کے ذریعہ جاری کردہ ڈیری ترقیاتی محکمہ نے غریب اور چھوٹے کسانوں کے لئے ایک ایسے بازار کی سہولت عطا کی ہے جو سال بھر ذمہ داری کے ساتھ کسانوں کی خدمت انجام دیتا ہے۔ شہری علاقوں میں، دودھ کی تقسیم کا یہ حکومت کا منصوبہ نئے اور جدید طریقوں سے عمل پیرا ہے جو ملک کی دوسری ریاستوں کی بہ نسبت قابل قدر اس لحاظ سے بھی ہے کہ یہ شہری صارفین کو وقت ضرورت صحت بخش دودھ مہیا کرتا ہے۔ حکومت کی طرف سے دی گئی بازار کی سہولتوں اور دودھ کی پر منفعت قیمت کی وجہ سے ڈیری کاروبار کسانوں کے لئے ایک اہم، اور جزوقتی ضمنی پیشہ بن گیا ہے۔

پچھلے بیس سالوں کے درمیان اس رجحان نے، کسانوں کو ڈیری کاروبار کی طرف کافی متوجہ کیا ہے۔ ڈیری کاروبار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ درجہ بہ درجہ دودھ کی فراہمی میں بھی آہستہ آہستہ اضافہ ہوا ہے۔ مثلاً بمبئی، پونہ اور ناگپور جیسے بڑے شہروں کی آبادی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ، ان مراکز پر دودھ کی فراہمی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ڈیری ترقیات کا یہ شعبہ، گورنمنٹ کی دودھ کی تقسیم کے منصوبہ کے ذریعہ ایک بے مثال خدمت سرانجام دے رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ صارفین اور دودھ فراہم کرنے والوں کے درمیان باقاعدہ ربط بنائے رکھے ہوئے ہے۔ دودھ فنا پذیر شئے ہے۔ لہٰذا اسے بحفاظت صارفین تک پہنچانے کے لئے مناسب احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے اور اس مقصد کے لئے ایک بڑی مشینری کام کر رہی ہے۔

بمبئی میں دودھ کی پیداوار:-

سنہ ۱۹۲۰ء سے بمبئی شہر میں دودھ کی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ بمبئی شہر میں کافی تندرست دودھ دینے والے مویشی بھی موجود ہیں لیکن یہ مویشی ایسی جگہ رہائش پذیر ہے جو ان کی حفظان صحت کے لئے مضر ہے۔ یہ دودھ دینے والے مویشی دہلی اور پنجاب سے درآمد کئے جاتے ہیں۔ ان دودھ دینے والی گائیوں اور بھینسوں کے لئے چارہ شہر کے باہر سے درآمد کیا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق بمبئی شہر کے لئے ہر سال تین کروڑ روپے قیمت کی بھینسیں باہری مراکز سے حاصل کی جاتی ہیں لیکن ان جانوروں کی بڑی مقدار بے توجہی اور سوکھے کی وجہ سے یا تو ہلاک ہو جاتی ہیں یا مذبح خانہ کی نذر ہو جاتی ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران شہر دودھ کی قلت سے دوچار رہا۔ اس وقت کی حکومت، حکومت بمبئی نے فوراً دودھ کی قلت کو دور کرنے کے لئے اقدامات کئے۔ اور باہری قحط زدہ علاقوں سے مویشیوں کو درآمد کیا گیا اور ان کے تحفظ کے لئے جامنیرا اور پال گڈھ میں فارم قائم کئے۔ اور لاجنگ گھروں، ریسٹورنٹ اور ہوٹلوں میں تازہ دودھ کے استعمال کو روک دیا گیا اور اس کی بجائے انہیں دودھ کے پاؤڈر کے استعمال کی اجازت دی گئی اور صارفین کے درمیان سستے اور رعایتی داموں پر دودھ کی تقسیم کا انتظام کیا گیا۔ مقامی تندرست مویشیوں کا دودھ ۷۵ پیسہ فی کلو کے حساب سے خریدا گیا اور ۱۰ سال سے کم عمر کے بچوں کے لئے ایک پاؤنڈ تک ۱ آنہ فی کلو کے حساب سے فروخت کیا جانے لگا۔ دوران جنگ اس منصوبہ کو روبہ عمل لانے کے لئے ۴ر۳ کروڑ روپیوں کی لاگت کا ایک منصوبہ شروع کیا گیا۔ شری ایم۔ ڈی۔ بھٹ جو اس وقت کے میونسپل کمشنر تھے اور جن کا حلقہ انتظام بمبئی عظمیٰ تک محدود تھا، پہلے ملک کمشنر مقرر کئے گئے۔

حکومت نے اس مقصد کے لئے ۳۲۰۰ ایکڑ زمین گورے گاؤں مقام پر خریدی۔ سنہ ۱۹۴۹ء میں یہ ڈیری آرے کالونی میں منتقل کی گئی۔ تقریباً ۱۶۰۰۰ دودھ دینے والے جانور اس طرح سائینٹیفک، سازگار اور موافق ماحول میں منتقل کئے گئے۔ اس تبدیلی کے لئے ۵ کروڑ روپے کی لاگت آئی۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ آمدنی بھی ہوئی۔ اس منصوبہ کو مزید

فروغ دینے کے لئے گجرات سے زائد دودھ حاصل کیا گیا دیہی علاقوں سے حاصل شدہ کچے دودھ کو سائنسی طریقوں سے صاف کیا جانے لگا اور آرے ملک کالونی کا قیام عمل میں آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ملک کالونی بیرونی ممالک سے آنے والے سیاحوں اور ملاقاتیوں کی نگاہوں کا مرکز بن گئی۔

آرے ملک کالونی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ڈیری ایک اہم پیشہ ہے اور اگر اسے نیوزی لینڈ کی طرح سائنسی اصولوں اور بین الاقوامی معیار پر صحیح ڈھنگ سے جاری رکھا جائے تو یہ نفع بخش انعام کا حامل بھی ہے۔ آرے ملک کالونی کے لئے وہ تمام ضروری اور آرام دہ اشیاء مہیا کی گئی ہے جو دودھ دینے والے جانوروں کی رہائش کے لئے نہایت ضروری ہے اس طرح آرے کو ایک اچھے ڈھنگ سے آراستہ کیا گیا۔

ان احتیاطی تدابیروں اور صاف ستھرے انتظام کی وجہ سے شہر میں دودھ کی کھپت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس بات کا بھی تہیہ کیا گیا کہ بمبئی شہر کی طرح مہاراشٹر ریاست کے دیگر بڑے شہروں میں بھی دودھ کی تقسیم کے منصوبہ کو روبہ عمل لایا جائے۔ بمبئی دودھ اسکیم نے ایک اعلیٰ مقام حاصل کر لیا ہے۔

شہر بمبئی میں دودھ کی اسکیم۔ شری ایم کھرودے کی مرہون منت ہے۔ جن کی پیہم کوششوں کی بناء پر یہ اسکیم اعلیٰ ترین مقام حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سابق وزیر زراعت، شری بالا صاحب ڈیسائی اور شری پی۔ کے۔ ساونت نے دودھ کی اسکیم کو مہاراشٹر کے دیہی علاقوں میں اور ریاست کے اطراف میں موثر بنانے اور جاری کرنے کے لئے خصوصی کوششیں کیں۔ ریاست کے گوشہ گوشہ میں ڈیری کاروبار کو فروغ دینے کے لئے اور اسے عوام میں مقبول بنانے کے لئے کوآپریٹیو سوسائٹیاں تشکیل دی گئیں۔ سنہ ۱۹۵۸ء میں ملک کمشنر کا عہدہ کمشنر برائے ڈیری ترقیات نام سے موسوم کیا جانے لگا۔ اس عہدہ کے دو مقاصد ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس بات کا یقین دلانا کہ یہ دودھ کی اسکیم جو ڈیری ترقیات کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ چھوٹے اور غریب دیہی کسانوں کے فائدے کے لئے اشیاء فراہم کرے۔ اور دیگر یہ کہ دودھ کی مزید مقدار شہریوں کی ضرورت اور پہنچ کے مطابق درکار ہو سکے جو سستے داموں پر حاصل ہو اور سائنٹیفک اصولوں پر صاف کیا گیا ہو اور شہریوں تک بہ آسانی پہونچ سکے۔

دودھ کی پیداوار میں اضافہ :-

ریاست کے پنج سالہ منصوبہ میں ڈیری کاروبار کو اولیت دی گئی۔ چونکہ مہاراشٹر میں دودھ دینے والے مویشیوں جیسے گائے بھینسوں کی کمی تھی۔ لہٰذا اس وقت یہ سوچا گیا کہ مہاراشٹر میں ڈیری کاروبار زیادہ ترقی نہیں کر پائے گا۔ لیکن گورنمنٹ نے اپنے منصوبہ بند حوصلوں اور ترکیبوں سے ڈیری کاروبار کو فروغ دیا اور اسے کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے ذریعے جاری کروا کے ایک نیا حوصلہ بخشا۔ جس سے ایک موثر نتیجہ برآمد ہوا۔ جس کی مثال ستارہ ضلع کے [illegible] ڈیری ترقیات سنگھ اور ضلع جلگاؤں [illegible] ڈیری پمنٹ سنگھ ہے۔ آنجہانی ملک کمشنر شری ایس گوڈبولے اور سابق وزیر زراعت شری پی۔ کے۔ ساونت نے بھی دودھ کی اس اسکیم کو حوصلہ بخشا اور کوکن جیسے پس ماندہ علاقہ میں بھی اسے جاری کروایا جہاں روزانہ ۱۰۰۰۰ لیٹر دودھ پیدا ہوتا ہے۔ [illegible] وقت کے ملک کمشنر شری وی۔ ایم۔ پاٹل نے [illegible] سنگھوں پر خصوصی توجہ دے کر دیہی [illegible] منصوبوں کی ہمت بخشی۔

ملک اسکیم :-

مختلف علاقوں پر دودھ کی اسکیم کی [illegible] [illegible] ورلی [illegible] دودھ کی ڈیریاں قائم کی گئیں۔ جن کی دودھ کی پیداوار کی گنجائش ۲۷٫۵۰ لاکھ لیٹر تھی۔ ورلی ڈیری کی دودھ کی پیداوار یومیہ ۴٫۵۰ لاکھ لیٹر ہو گئی۔ [illegible] بعد ۳ لاکھ لیٹر گنجائش کی ڈیری کرلا میں کوآپریٹیو سیکٹر میں مہانند نامی ڈیری قائم کی گئی۔ شہروں میں ڈیری منصوبوں کا آغاز مرحوم وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائک کے وقت سے ہوا اور ان کے بعد دیگر منصوبہ ان کے جانشین وزرائے اعلیٰ کے زمانہ میں ترقی کرتے رہے۔ دودھ کی پیداوار کے متعلق فوری فیصلوں [illegible] مہاراشٹر [illegible] دیہی اور شہری علاقوں میں ڈیری صنعت [illegible] [illegible]

دودھ کے منصوبہ کے تحت مہاراشٹر میں دودھ کی پیداوار کے مراکز پونہ، ناگپور، سولاپور، ناشک، میرج، کولہاپور،

دھولے، آکولہ اورنگ آباد، امراوتی، مہاڈ، مہابلیشور، چپلون، رتناگیری، کناکوامی، چالیس گاؤں، احمدنگر، ستارا، پربھنی، ناندیڑ، اودگیر، بیڑ، وردھا، چندراپور، ناندورا، وانی، بھوم، گوندیا، دیچاری اور بمبئی عظمیٰ میں قابل ذکر ہے۔ سنہ ۱۹۶۰-۶۱ء میں، یومیہ ۱٫۷۰ لاکھ لیٹر دودھ فراہم کرنے والے چار دیہی دودھ کے مراکز قائم کئے گئے۔ جبکہ سنہ ۱۹۸۳-۸۴ء میں ان کی تعداد ۲۸ ہوگئی۔ جو یومیہ ۲۰٫۷۵ لاکھ لیٹر دودھ فراہم کرتے ہیں۔ ریاستِ مہاراشٹرا میں آج حکومت کے ذریعہ جاری کردہ دودھ کے منصوبوں کی تعداد ۳۰ ہوگئی ہے۔ جن سے یومیہ ۱۸٫۳۰ لاکھ لیٹر دودھ فراہم ہوتا ہے۔ بمبئی عظمیٰ میں دودھ کی مقدار یومیہ ۱۱ لاکھ لیٹر ہے۔ سنہ ۱۹۶۰-۶۱ء تک بمبئی کے صارفین کے لئے دودھ آرے ملک کالونی گورےگاؤں سے فراہم کیا گیا۔ اس کے بعد حکومت کی پالیسیوں میں تبدیلی کے سبب دیہی علاقوں میں کسانوں کے ذریعہ دودھ مہیا کئے جانے پر زور دیا گیا۔ سنہ ۱۹۷۵-۷۶ء میں حکومت کے ذریعہ جاری کردہ دودھ کے منصوبہ کے تحت جمع کی گئی دودھ کی مقدار بہت کم اور نامناسب ثابت ہوئی۔ سنہ ۱۹۶۰-۶۱ء میں دودھ کا یومیہ اوسط ۱٫۸۰ لاکھ لیٹر تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۸۳-۸۴ء میں اس کی مقدار یومیہ ۱۴٫۶۵ لاکھ لیٹر ہوگئی۔ ۴۲ مراکز کی دودھ کی پیداوار کی گنجائش یومیہ ۴۱٫۶۲ لاکھ لیٹر ہے۔ علاوہ ازیں کوآپریٹیو ڈیریوں کی گنجائش یومیہ ۲٫۹۰ لاکھ لیٹر ہے۔ اسی طرح کوآپریٹیو سیکٹر میں دودھ کے مراکز کی گنجائش ۳٫۴۰ لاکھ لیٹر ہے۔ زیادہ تر یہ دودھ کی ڈیریاں پانچویں اور چھٹے منصوبہ کے دوران وجود میں آئیں۔ عام طور سے ہندوستان میں اور خصوصاً مہاراشٹر میں، دودھ کی پیداوار میں موسم کے لحاظ سے تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ سنہ ۱۹۷۵-۷۶ء میں بارش کے دنوں میں دودھ کی مقدار ۸ لاکھ لیٹر سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور سنہ ۱۹۸۳-۸۴ء میں ۱۵٫۶۵ لاکھ لیٹر۔ آج تک ۶۸ لاکھ لوگ اس پیشہ میں مصروف ہیں۔ ۷۵۰۰ پرائمری کوآپریٹیو سوسائٹی، پوری ریاست میں سے دودھ کی حصولیابی کے لئے ہمہ تن مصروف ہیں۔

دودھ کا تحفظ :-

چونکہ دودھ کی ایک بڑی مقدار ریاست کے دور دراز دیہاتوں سے حاصل کی جاتی ہے اور اسے صارفین تک پہونچنے میں کافی وقت لگ جاتا ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت کے لئے مناسب دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس کی حفاظت برف کی ایک بڑی مقدار استعمال میں لائی جاتی ہے۔ ان ڈیریوں کے علاوہ، حکومت نے ۲۶ برف کی فیکٹریاں اس مقصد کے لئے قائم کی ہے جو روزانہ ۳۰۹ میٹرک ٹن برف مہیا کرتی ہے۔ دور دراز علاقوں سے لائے گئے دودھ کو محفوظ رکھنے کے لئے ریاستی انتظامیہ نے ایسے مراکز قائم کئے ہیں۔ جہاں دودھ کو سرد خانوں میں محفوظ رکھا جاسکے۔ اس طرح کے مراکز کی تعداد سنہ ۱۹۸۳-۸۴ء کے اواخر تک ۱۰۳ ہوگئی۔ جہاں پر روزانہ ۱۰ لاکھ لیٹر سے زیادہ دودھ بہ حفاظت رکھا جاسکتا ہے۔ جمع شدہ دودھ کی بڑی مقدار بمبئی عظمیٰ میں تقسیم ہوجاتی ہے۔ اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ دودھ کی بڑی مقدار کو اضلاع میں بھی فروخت کیا جاسکے۔ پچھلے ۲۰ سالوں کے درمیان سنہ ۱۹۶۰-۶۱ء کے مقابلے میں جہاں دودھ کی تقسیم ۲ لاکھ لیٹر تھی وہاں سنہ ۱۹۸۳-۸۴ء میں ۱۲٫۴۵ ہوگئی۔ پورے مہاراشٹر میں کم و بیش ۱۷ لاکھ لیٹر دودھ ہر روز مہیا کیا جاتا ہے۔ جس میں سے ۱٫۸۰ لاکھ لیٹر دودھ اسکولوں میں مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔

دودھ کی تقسیم :-

ہماری ریاست میں تقریباً ۸۸ فی صد دودھ روزانہ حاصل کیا جاتا ہے اور بمبئی عظمیٰ اور اس کے آس پاس کے شہروں میں جیسے تھانہ، ڈومبیولی، کلیان، الہاس نگر، بھیونڈی اور واشی میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ بمبئی عظمیٰ میں دودھ کی اسکیم کے تحت ۱۸۴۲ پارٹ ٹائم اور ایک فل ٹائم دودھ کی تقسیم کے مراکز جاری ہیں۔ مزید برآں ۷۵۶ دودھ کی تقسیم کے مراکز مختلف تنظیموں کے ذریعہ جس میں کوآپریٹیو سوسائٹی بھی شامل ہے، چلائے جارہے ہیں۔ اس طرح آج تک کل مراکز کی تعداد ۲٫۲۵ لاکھ لیٹر دودھ فی الحال تقسیم ہورہا ہے۔ تقسیم کاری کا یہ کام گورنمنٹ کے منصوبہ کے تحت اور کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کے ذریعے سر انجام پارہا ہے۔ اس طرح حکومت کے ذریعہ جاری کردہ دودھ کی تقسیم کا یہ شعبہ ۱۴ لاکھ صارفین کی خدمت انجام دے رہا ہے۔

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

ادا احمد (علیگ)
ایب خاں۔ اِٹاوہ (یوپی) ۲۰۲۰۰۱



واہرلال نہرو
ے تعلیم و تربیت
اور
وتی لال نہرو
ے توجّہ و شفقت

خطوط کے آئینے میں

موتی لال نہرو کی شخصیت کے گوناگوں پہلوؤں پر کافی مواد مل جاتا ہے لیکن بحیثیت ایک
رض شناس باپ ان کے کردار و عمل کا پورا تجزیہ نہیں کیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنے اکلوتے اور چہیتے
بیٹے جواہرلال نہرو کو شمعِ محفل کی طرح سب سے جدا، سب کا رفیق بناتے ہیں جس توجّہ، انہماک،
جگرسوزی اور جگرکاوی کا ثبوت دیا ہے، وہ تمام والدین کے لئے ایک مثال اور ایک نمونہ ہے۔ جواہرلال نہرو
کی زندگی کے زجاج کو حریفِ سنگ کرنے اور ان کے قلب کی نرمی و نغمگی کو رشکِ چنگ بنانے میں
موتی لال نہرو نے لائقِ تقلید اور قابلِ توصیف کردار ادا کیا ہے جو ایک فرض شناس باپ کے
شایانِ شان ہے۔ بچوں کی سیرت اور شخصیت کی تعمیر و تشکیل، والدین سے جس ہمہ وقت نگرانی
خبرگیری، فکرمندی اور قربانی کا مطالبہ کرتی ہے اور بچے میں نیک عملی، پاک دلی، پاکبازی اور
مولاصفاتی پیدا کرنے کے لئے خود والدین سے جس بلند نگہی، جاں سوزی اور دلنوازی کی صفات کا
تقاضا کرتی ہے، اس کی مثالیں اب خال خال نظر آتی ہیں۔ نتیجے میں ملک و قوم، اخلاص و اخلاق
کے عظیم پیکروں سے محروم ہوتی جارہی ہے۔

موتی لال نہرو نے اپنی بے حد معروف زندگی اور اپنے انتہائی مشغول شب و روز میں ایک لمحہ کے لئے بھی ـــــ اپنے بیٹے جواہر لال نہرو کی سیرت و شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے سلسلے میں غفلت نہیں برتی اور نتیجے میں جواہر لال نہرو مادرِ ہند کے عظیم سپوت اور "بھارت رتن" ثابت ہوئے۔

موتی لال نہرو کے دل و دماغ میں اپنے بیٹے کے مستقبل کیلئے کیا کیا خیالات اور کون کون سے جذبات موجزن تھے، وہ اپنے بیٹے کی کتنی چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی نظر رکھتے تھے، اس کی کہانی وہ "خطوط" بیان کرتے ہیں جو موتی لال نہرو، انگریزی زبان میں اپنے بیٹے کو ہندوستان سے انگلینڈ بذریعہ ڈاک بھیجتے رہے۔ یہ خطوط "Selected Works of Motilal Nehru Vol. I" کی شکل میں بچانوے روپے کی قیمت میں منظرِ عام پر آئے ہیں اور ایک عظیم باپ کی دوربینی و بیدار مغزی اور ایک عظیم بیٹے کے بچپن کی معصومیت و تعلیمی سفر کی روداد سناتے ہیں ـــ

اردو میں ان خطوط کا ترجمہ ابھی تک نہیں ہوا ہے۔ اردو دنیا کے سامنے چند خطوط بطور اقتباس اور نمونہ پیش ہیں۔ موتی لال نہرو نے انگریزی زبان میں جس سادگی و پرکاری اور شگفتگی و بے تکلفی کے ساتھ ان خطوط کو اپنے فکر و خیال کا آئینہ خانہ بنا دیا ہے، وہ دیدنی ہے۔

خط نمبر (۱)

BAD EMS
September 2, 1905

میرے پیارے جواہر

...... ننھی کو تم سے بہت سخت شکایت ہے ـــ اس کا کہنا ہے کہ میرے بھائی نے میری سالگرہ پر بطور تحفہ ایک پیسے کا پوسٹ کارڈ بھی نہیں بھیجا۔ میرے خیال میں اس کی شکایت ــــ حق بجانب ہے۔ وہ تمہیں قریب قریب روز ہی ایک خط لکھتی ہے اس کی تحریر میں ٹیڑھی میڑھی لائنیں ہوتی ہیں اور جب میں کہتا ہوں کہ میں انہیں پڑھ نہیں پاتا تو اس کا جواب ہوتا ہے "آپ جرمن زبان جانتے نہیں ہیں اور یہ جرمن ہے"۔ ایک انگریز کرنل کی تیرہ برس کی بیٹی ہے۔ (اس انگریز کی) بیوی اس کا بڑا خیال رکھتی ہیں۔ ننھی نے انہیں اپنا دوست بنا لیا ہے اور وہ ساتھ ساتھ دن بھر کھیلا کرتی ہیں۔

تمہارا چاہنے والا باپ
موتی لال نہرو

خط نمبر (۲)

[نوٹ:۔ درج ذیل خط لندن میں اس وقت لکھا گیا جب Harrow میں جواہر لال نہرو کی تعلیم و تربیت کا جائزہ لینے کے بعد موتی لال نہرو اپنے وطن ہندوستان واپس ہو رہے تھے۔]

BAILEY'S HOTEL LONDON
September 30th 1905

میرے پیارے جواہر

ہیرو (HARROW) میں تم سے ملاقات کے بعد میں اولین موقع نکال کر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم سردی سے جتنی حفاظت کر رہے ہو۔ اس سے کہیں زیادہ موثر طریقے سے اپنے کو ٹھنڈک سے محفوظ رکھو۔ تم (اپنے لباس کے سلسلے میں) ایک ہی حالت میں ہمیشہ کی طرح نہ رہو۔ جب تم کمرے کے اندر رہو تو تمہیں زیادہ کپڑوں کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن کھلی ہوا میں، چاہے ایک سیکنڈ کے لئے نکلو تم کو اتنے زیادہ کپڑے پہن لینا ضروری ہیں جتنا وزن تم سنبھال سکو۔

اپنے قریبی پڑوسیوں سے دوستانہ تعلقات رکھو۔ موقع موقع سے تعطیلات میں ان کی تواضع کر دیا کرو اور اپنی گفتگو سے عام پسندیدگی حاصل کرو۔

اس بیچ اپنی فلینل (Flannel) شرٹ کے کالروں کو کاٹ لینا اور انہیں اسٹف (Stiff) شرٹ اور انڈر ویسٹ کے درمیان استعمال کرنا۔

تم سے محبت رکھنے والا
باپ

خط نمبر (۳)

بقام درج نہیں)

میرے پیارے بیٹے

تم بحفاظت ہیرو (Harrow) پہنچ گئے ہونگے
ی مشکل داخلہ مل گیا ہوگا۔ حقیقت میں ایک
ا ہونا بڑی تکلیف دہ بات ہے لیکن تمہاری ماں
، ایسی تکلیف دہ جدائی ہے جتنی کہ تمہارے لئے۔
ست ہوتے نہ میں بغل گیر ہو سکا اور نہ تمہارا بوسہ
ین کے حرکت میں آجانے سے صرف مصافحہ ہی کرتے
ما۔ خیر یہ محض جذبات ہیں اور مجھے پورا یقین ہے کہ
جلد ختم ہو جائیں گے۔
انگلینڈ سے) ہندوستان اس یقین محکم کے ساتھ
ں کہ میں نے مستقبل میں تمہاری عظمت کا بیج بو دیا
ں میں شک کا شائبہ تک نہیں ہے کہ تم اپنے سامنے
بقبل رکھتے ہو۔ ہم تمہیں ہیرو (Harrow) میں
ں کر چکے ہیں کہ تم وہاں خوش رہو گے۔ تمہاری والدہ
ے صدمے پر قابو پا رہی ہیں اور تمہاری بھلائی کے
ں تسکین ہے لیکن تم خط لکھنے سے غفلت نہ کرنا۔
ت کو طے ہوا تھا، اسی کے مطابق تم ہم کو پیرس،
(Marseill اور پورٹ سعید کے پتے پر
... اچھا تو اب میرے پیارے بیٹے ۔ الوداع ۔
ن احتیاط رکھنا۔

تم کو چاہنے والا
باپ

خط نمبر (۴)

HOTEL CON
3, RUE DE CASTIGLION
October 16th, 190

میرے پیارے بیٹے

ئیں اب فرانس میں ہوں اور امید ہے کہ تمہاری خیریت
ں۔ تم اسکول میں اپنے پہلے دن کا پورا حال لکھنا۔
لہے کہ ہیرو (HARROW) میں اس باپ
یارے بیٹے کو کون کون سے ایسے کام کرنا پڑتے

ہیں جن کے لئے اس کے باپ کے پاس ہندوستان میں پچاس سے زائد نوکر موجود ہیں۔

براہ کرم جلد از جلد اپنی تصویر (فوٹو) اپنے نئے کپڑوں میں کھنچوا کر ہمارے پاس کم سے کم نصف درجن کی تعداد میں بھیج دینا۔ سرجنٹ کے پاس اپنے یونیفارم کے آرڈر میں تاخیر نہ کرنا اور جب یہ بھی تیار ہو جائے تب اس یونیفارم میں بھی فوٹو کھنچوانا اور اس کی نصف درجن کاپیاں بھیج دینا۔

تمہارا چاہنے والا باپ

خط نمبر (۵)

MARSEILLES
20-10-1905

میرے پیارے جواہر

تمہیں یہ بات ضرور یاد رکھنا ہے کہ اس دنیا میں اور آنے والی دنیا میں جو کچھ بھی ہماری عزیز ترین متاع ہے وہ تمہارے اندر چھوڑ رہا ہوں۔ ہم تمہاری جدائی کی بے قراری صرف تمہاری بہتری اور اچھائی کی خاطر برداشت کر رہے ہیں۔ سوال تمہارے اخراجات پورے ہونے کا نہیں ہے کیونکہ یہ تو میں صرف اپنی ایک سال کی آمدنی سے پورا کر سکتا ہوں۔ بلکہ سوال ہے تم کو ایک حقیقی اور مکمل انسان بنانے کا جو تمہیں بننا ہے۔ یہ انتہائی خود غرضی کی بات ہوگی بلکہ میں تو کہوں گا کہ گناہ کی بات ہوگی کہ تم کو ہم اپنے ساتھ رکھیں اور معمولی تعلیم یا بغیر تعلیم کے تمہارے سپرد دھن دولت والی تقدیر کر جائیں۔ میں بغیر کسی شیخی اور غرور کے کہتا ہوں کہ میں نہرو خاندان کی تقدیر کا بانی ہوں۔

میں تمہاری طرف میرے بیٹے، ایک ایسے انسان کے روپ میں دیکھتا ہوں جو میری تیار کی ہوئی بنیادوں پر عمارت کی تعمیر کا فرض انجام دے گا اور اس پیکر عزت و ناموری کو سر بلندی کے آسمان تک پہنچا دے گا۔ ہم تمہارے گوشت پوست کے جسم سے ضرور جدا ہیں لیکن ہم روح کے تعلق سے ایک ساتھ ہیں۔ تم اپنے مقدس مقاصد کے حصول کی فکر کرو اور اپنے عزیز اور محبوب والدین کی جدائی کا احساس ہرگز نہ کرو۔

تقریباً دو سال میں تم اس لائق ہو جاؤ گے کہ تم اپنے قدیم اور مانوس مقام الہ آباد میں چند ماہ گذار سکو لیکن اس وقت کتنا نشاط افروز فرق محسوس ہوگا جب تم اپنی رسائی کے مطابق ـــــ ہیرو

(ھزاء Hazza) سے تمام انعام و اکرام سے لیس ہو کر ایک پرجوش جواں مرد بن رہے ہو گے۔ کیا اس وقت تمہیں دیکھ کر ہمارے دل مارے خوشی سے اچھل نہ جائیں گے۔

میں تم کو کتنا زیادہ چاہتا ہوں اس کا احساس جدائی کے وقت ہوتا ہے خواہ جدائی چند لمحوں ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔ شاید یہ میرے کمزور دل کی وجہ سے ہے لیکن فرائض کی ادائیگی کا احساس ہمیشہ کی طرح قوی تر ہے۔ رہ گیا میرے نازک دل کا معاملہ سو یہ تمہارے ہی فکر و خیال میں رہتا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میری زندگی کی واحد خواہش تمہیں کامیاب دیکھنا ہے۔ مجھے ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے کہ تم میری امیدوں اور خواہشوں سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ترقی کرو گے۔ تم کو مشغول رکھنے کے لئے تمہارے پاس کافی کام ہے۔ ایک مرد کی طرح اپنے کو ان کاموں میں لگاؤ اور اپنا مشن پورا کرو۔

کام میں تندرستی کی حفاظت بھی شامل ہے۔ تم جسم اور دماغ دونوں اعتبار سے کامل بنو اور یہی صلہ ہے جس کا میں تمہاری جدائی کے عوض متلاشی ہوں۔ میں صفحات کے صفحات اس پر لکھ سکتا ہوں لیکن اب ایک بیچے (خط لکھنا) پسند کرتا ہوں اور تم کو میرے کسی وعظ کی ضرورت نہیں ہے۔ اچھا اب میں اپنے چہیتے بیٹے کو الوداع کہتا ہوں۔ خود کی پوری دیکھ بھال کرنا اور ہر طرح احتیاط رکھنا کیونکہ ایسا کرنے میں تم سمجھو کہ تم اپنے والدین کی دیکھ بھال کر رہے ہو۔

تمہارا پیارا
باپ

صفحہ ۱۲ سے آگے)

دودھ کی پیداوار :-

دودھ کی پیداوار اور اس کی حصولیابی کے ساتھ ساتھ، دودھ کے بازار اور دودھ سے بنی ہوئی اشیاء نے بھی روزمرہ کی زندگی میں اہمیت حاصل کر لی ہے۔ فی الحال تقریباً ۱۳ لاکھ لیٹر زائد دودھ کی دودھ سے بنی ہوئی اشیا جیسے دودھ کا پاؤڈر اور مکھن میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے حکومت نے فیکٹریاں قائم کی ہے۔ پبلک سیکٹر میں روزانہ بالترتیب ۱۰ - ۱۰ اور ۵ ٹن دودھ کا پاؤڈر تیار کرنے کے لیے میرج، اودگیر، اور ناگپور میں تین پاؤڈر پلانٹ قائم کئے گئے ہیں۔ روزانہ ۵ ٹن ملک پاؤڈر بنانے کے نئے دو پاؤڈر پلانٹ پبلک سیکٹر میں جاری کئے گئے ہیں۔ روزانہ ۹۵ فی صد دودھ کو آپریٹیو سوسائیٹیوں کے ذریعہ جمع کیا جاتا ہے۔ جن میں ۴۵۰ پرائمری کوآپریٹیو ڈیریاں ہیں جن کی ممبرشپ کی کل تعداد ۱۷۵۰۰ ہے۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں ان کی تعداد ۸۶۹۷ ہو گئی۔ اس کے علاوہ ۹۱، وفاقی جماعتوں کے علاوہ جن کی کل ممبرشپ کی تعداد ۶۲۸۰ تھی۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں ان کی تعداد ۸۶۹۷ ہو گئی۔ حکومت ان کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کو مختلف ذرائع سے امداد بہم پہونچاتی ہے۔ جیسے اس پروگرام کو ترقی دینے کے لئے حکومت کے ذریعہ دودھ نہ دینے والی حاملہ بھینسوں کو امدادی رقم فراہم کرنے کے منصوبہ کو اور نئی نسل کی بھینسوں کے بچھڑوں کی فراہمی کے منصوبہ کو ۱۹۶۲ء سے عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ یہ شعبہ ڈیری سوسائیٹیوں کے ممبروں کو کم قیمت پر بچھیا فراہم کرتا ہے۔ یعنی فی بچھیا ۳۵۰۰ کے حساب سے فراہم کی جاتی ہے۔ تقریباً ۴۰۰ سے ۵۰۰ تک حاملہ بچھیا ریاست کے دودھ فراہم کرنے والے مراکز کو مہیا کی جاتی ہے۔

ڈیری کاروبار کو بہت تندہی کے ساتھ ریاست میں پھیلایا جا رہا ہے۔ یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ مہاراشٹر ریاست ایک واحد ریاست ہے جہاں پرائمری اسکولوں میں دودھ مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔

●●

ترجمہ :- ایم اظہر خان

قلمی معاونین سے ضروری گذارش

- اپنی تخلیق کے آخر میں اپنا پورا نام اور پتہ ضرور تحریر فرمایئے
- غیر مطبوعہ تخلیق مرحمت فرمایئے، جو کاغذ کے ایک طرف ہی لکھا ہوا ہو۔ مضمون کی نقل اپنے پاس محفوظ رکھیئے۔

(ادارہ)

پروفیسر نظام الدین گوریکر
ڈائریکٹر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، بمبئی

اردو، فارسی اور عربی زبانوں کی اہمیت و افادیت

ہندوستان کی ریاستوں میں مہاراشٹر وہ فراخدل اور وسیع النظر ریاست ہے جس نے اردو کے ساتھ فارسی اور عربی زبانوں کو ثانوی مدارس کے نصابات میں شامل کیا ہے۔ خواہ ان زبانوں کی حیثیت لازمی ہو خواہ اختیاری، خواہ ان کا درجہ فوقانی ہو خواہ تحتانی۔ بہرکیف یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حکومت مہاراشٹر نے زبان اردو کے علاوہ عربی اور فارسی زبانوں کو ہندوستان کی کلاسیکی زبانوں کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے اور ان کو وہی اہمیت اور عظمت دی ہے جو حکومت نے سنسکرت، پالی اور ماگدھی کو بخشی ہے کیونکہ انہیں اس بات کا اعتراف ہے کہ ان زبانوں کا تعلق ہندوستان کی تاریخ سے جہاں قدیم ہے وہاں ہندوستان کی تہذیب سے دیرینہ بھی ہے۔ یہ وہ زبانیں ہیں جو ہندوستانی تاریخ کے آثار و نشانات کے اظہار، ہندوستانی ثقافت کے تار و پود کی نشان دہی اور ہندوستانی معاشرے کے خد و خال کی عکاسی میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اور یہ وہ زبانیں ہیں جن کے اثرات سے ہندوستان کا کلچر ایک مشترکہ اور مثالی کلچر بن گیا ہے جس کی جھلک زندگی کے ہر شعبے میں نظر آتی ہے

اُردو معنی "لشکر" اگرچہ ترکی لفظ ہے۔ لیکن بقول پنڈت دتاتریہ کیفی لفظ "اردو" دو لفظوں سے مرکب ہے۔ "اُر" سنسکرت میں "دِل" اور "دُو" فارسی کا عدد "دو" ہے اور اس اعتبار سے دو دلوں کا اتحاد، یا دو قوموں کا ملاپ یعنی ہندو اور مسلمان کے اتحاد کی نشانی ہے۔ کیونکہ یہ زبان بالعموم ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل جول اور باہمی مساعی کا نتیجہ ہے۔ پس، یہ زبان نہ صرف قومی اتحاد کا ذریعہ بلکہ قومی یک جہتی کا حربہ بھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس عوامی بلکہ مشترکہ زبان کی ترویج و اشاعت اور فروغ و تحفظ میں کشمیر کے برہمن، پنجاب کے سکھ، اترپردیش کے کایستھ، بمبئی کے پارسی، کلکتہ اور مدراس کے عیسائی اور تمام ریاستوں کے مسلمان سب برابر کے شریک ہیں اور بالفعل اس مثالی زبان کے ذریعے ایک طرف ملک کی سالمیت اور توانائی برقرار رکھی جاسکتی ہے، تو دوسری جانب قوموں میں ایکتا اور یکجہتی کے جذبات کو ابھارا جاسکتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہماری ریاست کے اُردو ذریعۂ تعلیم ثانوی مدارس میں ایک بڑی تعداد مسلمان طلبہ کی ہوتی ہے اور اس لحاظ سے یہ زبان اُردو ہمارے طلبہ کے لئے تین حیثیتوں سے اہم ہوتی ہے۔

- اوّل تہذیبی ورثہ کے ناطے؛
- دوّم مذہبی سرمایہ کے تعلق سے۔
- سوّم بین الریاستی عوام سے رابطہ قائم کرنے کی غرض سے۔

زبانِ اُردو میں ہماری تاریخ مضمر ہے جس کی مدد سے ہماری ثقافت اور تہذیب کی عکاسی ہوتی ہے۔ اسی اردو میں ہمارا پورا مذہبی سرمایہ عربی اور فارسی سے منتقل ہوچکا ہے اور اسی زبان کے ذریعے ایک ریاست کا مسلم شہری، دوسری ریاست کے باشندہ سے اپنا رابطہ قائم کرتا ہے۔ اس ضمن میں یہ کہنا ضروری ہے کہ اس زبان میں ملکہ اور قدرت یا عبور اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب ایک طالب علم عربی یا فارسی میں سے کسی ایک زبان کو اضافی زبان کی حیثیت سے سیکھتا ہے۔ کیونکہ ضرب الامثال و محاورات، اصطلاحات و تلمیحات، استعارات و تشبیہات اُصول و تراکیب، صرفی و نحوی قواعد اور الفاظ و معانی کی تفہیم و ادراک ان زبانوں کی جانکاری کے بغیر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے اور پس اردو میں قدرت بھی حاصل نہیں کی جاسکتی اور نہ میر تقی میرؔ اور مرزا غالبؔ جیسے مشاہیر شعراء شبلی نعمانی اور ابوالکلام آزادؔ جیسے شہرۂ آفاق انشاپرداز کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

عربی اور فارسی زبانوں کی واقفیت اس لئے بھی لابدی ہے کہ ان زبانوں سے ناواقفیت کی وجہ سے دورِ متوسط کی ہندوستان کی تاریخ ترتیب نہیں دی جاسکتی۔ وجہ ظاہر ہے کہ فارسی زبان میں خصوصی طور پر ہندوستان میں مسلم دورِ حکومت کی بیشتر تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ جو بقول مستند مورخین تاریخ اور واقعہ کے لحاظ سے قابلِ اعتبار تسلیم کی جاتی ہیں۔ اگرچہ کہیں حالات اور واقعات میں غلو پایا جاتا ہے۔ ان زبانوں کی لاعلمی کے باعث ہمارے فرمانرواؤں اور حکمرانوں کی تاریخ کو مسخ کیا گیا ہے اور اس طرح بدگمانی پیدا کی گئی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اداروں میں ان زبانوں کی تعلیم کا بھی اہتمام کریں اور اپنے سرمائے کو نہ صرف محفوظ رکھیں بلکہ ان زبانوں کی جانکاری کی بدولت بہت ساری غلط فہمیوں اور شکوک و شبہات کو رفع کریں اور الحاصل ہماری تاریخ، ہماری تہذیب اور ہماری ادبی کاوشوں کا صحیح جائزہ لیں اور صحیح تصویر پیش کریں۔

علاوہ بریں دورِ حاضر میں مشرقِ وسطیٰ سے روابط اور تعلقات زیادہ استوار اور مستحکم ہونے کی وجہ سے مشرقِ وسطیٰ میں ہمارے بے روزگار نوجوانوں کے لئے ملازمت و روزگار کے دروازے وا ہیں اور اگر یہ نوجوان عربی یا فارسی زبان سے آشنا ہوں تو مغربی ایشیاء کے عربی ممالک میں یا فارسی بولنے والے ملکوں میں روزگار یا معیشت بآسانی حاصل کرسکتے ہیں اور اس طرح ہمارے نوجوان اپنے خاندان، اور اپنے ملک و قوم کا بڑا سہارا بن سکتے ہیں۔

اِس ضمن میں مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے، کہ حکومت مہاراشٹر کا ریاستی ثانوی و اعلیٰ تعلیمی بورڈ جدید زبانوں کے نصابی کتب کی ترتیب و تدوین اور اشاعت کے ساتھ ساتھ سنسکرت، پالی، عربی اور فارسی کے نصاب کی کتابیں آٹھویں جماعت سے لے کر بارہویں جماعت تک ایک مجلس ادارت کی نگرانی میں شائع کرتی رہتی ہے۔ عربی کی نصابی کتب آٹھویں

سے دسویں تک تعلیم العربیہ (اول، دوم،
یارہویں اور بارہویں جماعتوں کی نصابی کتابیں
۔ (اول و دوم) کے نام سے موسوم ہیں۔ اور
ں کی نصابی کتب آموز گار فارسی (اول، دوم
رمغانِ فارسی (اول و دوم) کے نام سے
ئی ہیں۔ اردو کی کتابیں تو ابتدائی جماعت سے
جماعت تک بال بھارتی، کمار بھارتی اور یودک
دں سے باقاعدہ شائع کی جاتی ہیں۔ نصابی
س ادارت میں مستند اور جانکار ادبی
زد کیا جاتا ہے جو بڑی محنت سے عربی، فارسی
تابیں ترتیب دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہماری
ں اردو ذریعۂ تعلیم کے ابتدائی مدارس تو ہزاروں ہیں
س بھی تقریباً ڈھائی سو سے زائد ہیں اور اسی طرح
ناگپور، امراؤتی، شیواجی اور مراٹھواڑہ جامعات
ے سے ایم اے تک اردو مضمون بحیثیت
یں، فوقانی یا تحتانی درجہ پر لیا جاسکتا ہے، بلکہ
ٹریٹ یعنی پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے کے
ں بھی بہم پہنچانے کا خاصا اہتمام ہے۔ علیٰ ہذا القیاس
ں کے ساتھ اسلامیات کے شعبے بھی ان یونیورسٹیوں
کالجوں میں ہیں جہاں ان مضامین میں ایم اے
ں جاتی ہے بلکہ ڈاکٹریٹ کے لئے بھی تیار کیا جاتا ہے

سر میں مختصراً چند باتیں بطور مشورہ کے اساتذۂ کرام
ں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

:۔ اردو ثانوی مدارس میں عربی اور فارسی مضامین
ا خاطر خواہ اہتمام کیا جائے تاکہ ان زبانوں کے توسط
ذہبی سرمایہ، تہذیبی ورثہ اور قومی اثاثہ کو محفوظ
اور اس طرح یہ مضامین مہاراشٹر کی یونیورسٹیوں
ں اور تحقیقاتی اداروں میں جاری رہ سکیں۔

) :۔ اردو طلبہ اگر عربی یا فارسی اختیاری مضمون
ے پڑھتے ہیں تو یقینی طور پر ان کے نمبرات زیادہ
ران کے مارکس کا پرسنٹیج (فیصد نمبرات)
اور اس کی وجہ سے اچھے کالجوں اور تعلیمی ادارو

یں داخلہ مل جاتا ہے اور اچھے ماحول سے مستقبل سنورتا ہے
اور قوم و ملک کے لئے قابلِ فخر اثاثہ بنتا ہے۔

سوم :۔ ایس ایس سی یا انٹرنس کا امتحان پہلا عمومی
امتحان ہوتا ہے اور اس تعلق سے فیصد نمبرات کے زائد ہونے
کی بدولت اس سند کی اہمیت اور افادیت دوبالا ہوتی ہے
اور یہ سرٹیفکیٹ زندگی کے آخری مرحلہ تک یعنی حصول ملازمت
یا تحصیل علم کی خاطر بڑا مددگار ثابت ہوتا ہے۔

(۲۳ ستمبر ۸۴ء کو اسلام کریمی لائبریری ہال میں
جناب پروفیسر نظام الدین گوریکر نے انجمن اساتذۂ اردو ثانوی
مدارس بمبئی کے مسلمی مذاکرہ کے افتتاحی جلسہ میں جو خطبہ
دیا، یہ مضمون اسی سے ماخوذ ہے۔)

یوسف ناظم

یہ سخن جو ہم نے رقم کئے

کھلی فضاؤں کے عاشق لیکن زندانی فیض احمد فیض کی شخصیت کا عکس ان کے خطوں میں بھی ملتا ہے۔ جو انہوں نے اپنی اسیری کے زمانے میں اپنی بیٹیوں، اپنے دوستوں اور بیگم کے نام لکھے ہیں۔ جب تک انہیں قلم کاغذ فراہم نہیں کیا گیا تھا وہ کوئلے سے جیل کی دیواروں پر اپنے شعر لکھا کرتے تھے۔ جب کاغذ قلم مل گیا مکتوب نگاری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جیل کی سنگی دیواروں پر جو بھی شعر لکھا گیا نقش کالحجر ہو گیا۔ (صحیح معنوں میں) لیکن اُن کے خط بھی اتنے ہی دلآویز ہیں جتنے کہ اُن کے شعر۔

عبداللہ ملک کی کتاب "لاؤ تو قتل نامہ مرا..."
فروری ۱۹۸۱ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ (مرزا ظفر الحسن کی "عمر گذشتہ کی کتاب" اس سے پہلے شائع ہوئی۔) اس کتاب کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں جن میں فیض جیسے جیالی گشت و جہاں نورد شخص کی رسیدی کے زمانے کی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں ان کے خط بھی ہیں۔ یوں تو ان کے سبھی خط "اچھے" ہیں لیکن چند خط ایسے بھی ہیں جن میں گران مہتاب میں باہیں ڈالنے اور دست صبا کو آنکھوں سے لگانے کی ترنگ بھی ہے اور حلقۂ زنجیر سے نغمۂ آزادی سننے کی اُمنگ بھی۔ نجی خط میں لیکن ان میں ادب اور فلسفے کی باتوں کے ساتھ ساتھ وہ باتیں بھی ہیں جن کا فسانے میں ذکر کرنے سے وہ احتراز کرتے تھے۔ (یہ اور بات ہے کہ اس احتراز میں اہتزاز کی کیفیت پیدا کر دیتے تھے)۔ ایک خط تو بڑے مزے کا ہے۔

تمہارے دو خط ملے۔ ایک آج اور دوسرا ایک دن پہلے۔ دوسرا خط پڑھ کر خاص طور سے خوشی ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ نوجوان حسیناؤں کی صف سے ہمارے مداح کب کے رخصت ہو چکے ہوں گے۔ ان میں تو اپنا چرچا اس زمانے میں تھا جب ہم شعر میں عاشقانہ رونا دھونا کیا کرتے تھے[1]۔ اگر انہیں ہمارا کلام اب بھی پسند ہے تو اس کا مطلب ہے کہ نئی نسل ایسی کم عقل نہیں جیسا کہ ہم سمجھتے تھے اور انہیں بالغ زندگی کے وسیع تر اور عمیق تر جذبات کا شعور بھی ہے لیکن اس سے زیادہ اہم اور زیادہ خوش کن ایک عام آدمی کی رائے ہے جو تم نے بیان کی ہے۔ اس لئے اپنے ذاتی سکون

---

[1] اس قافیے میں ان کی ایک غزل بھی ہے عاشقانہ کیا، دوستانہ کیا

طر کے علاوہ رائے عامہ کا تعلق اس حقیقت سے بھی
س سے ہمارا مستقبل وابستہ ہے۔ اس وقت یہ تعلق
دُور کی بات معلوم ہو لیکن دراصل یہ دُور کی بات نہیں،
فوری اور سامنے کی حقیقت ہے اس لئے خاطر جمع رکھو۔[2]
فیض کی ۴ نثری کتابیں شائع ہو چکی ہیں ۔ میزان،
۱۹ء) صلیبیں مرے دریچے میں (۱۹۷۱ء) متاع لوح
(۱۹۷۳ء) اور سہ سال آشنائی (۱۹۷۶ء) دوسرے
مجموعے "صلیبیں مرے دریچے میں" کے دیباچے "گزارش
واقعی" میں فیض نے اپنے خطوں کے بارے میں لکھا
یہ خطوط اردو میں نہیں انگریزی میں لکھے گئے تھے۔ ایک
کے منفرد الفاظ کا ترجمہ کچھ ایسا مشکل کام نہیں اور مفہوم
گی میں بھی کوئی دقت پیش نہیں آتی لیکن انگریزی کا
مرہ لہجہ اور ہے اردو کا اور۔ ہر زبان کی طرح انگریزی
روزمرہ محاورے، تلمیحات، ضرب الامثال کہاوتیں،
وغیرہ اسی زبان سے مخصوص ہیں اور بہت سی محنت
کاوش کے بغیر انہیں اردو میں منتقل کرنا محال ہے لیکن
ظفر الحسن نے محنت اور تلاش کی مہلت ہی کب
" یہ اقتباس میں نے اصل کتاب سے نہیں ایک اور
"قرض دوستاں" سے نقل کیا ہے۔ "قرض دوستاں
مصنف مرزا ظفر الحسن ہیں اور پوری کتاب فیض احمد فیض
دیباچوں اور مقدموں کے تجزیاتی مطالعے پر مشتمل ہے۔
اوپر جو خط نقل کیا گیا ہے اس میں فیض "ہائے جوانی
رنا ۔ نہیں کہتے بلکہ جوانی کے ذکر سے حظ حاصل کرتے
یہ زندہ دلی بھی ہے اور دلیری بھی ۔ اور چونکہ یہ خط انہوں
نے بیوی کو لکھا ہے اس لئے آپ چاہیں تو دیدہ دلیری بھی
ں ۔

ایلس کو وہ ایک خط میں ان کی قوت برداشت کی داد
یں "تمہاری قوت برداشت پر دل بہت نازاں ہے ۔
یدمیں نے لکھا تھا کہ اپنی شخصیت کی گہرائیوں کا کم از کم
بار ضرور امتحان ہونا چاہیے تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ وہاں کیا
یا نہیں ہے۔ بہت تھوڑے لوگ ایسے ہوں گے جنہیں

کبھی نہ کبھی یہ امتحان پیش نہ آئے اگرچہ بیشتر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی باری کبھی نہ آئے گی۔ اگر اس قضیئے کا خاتمہ بالخیر ہوا اور مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا تو سارے دکھ درد کے باوجود، یہ سودا سُود مند ہوگا ۔ اس کا موذی اور غیر اخلاقی پہلو صرف ایک ہے اور وہ ہے بیش قیمت کا مجرمانہ زیاں۔ عمر کے غلط حصے کا ایک پورا سال ختم ہو چکا ہے اور تھوڑے وقت میں جو بہت کچھ کرنے کو ہے اس میں سے کوئی کام پورا نہیں ہو سکا۔ بدقسمتی سے جیل خانے کی نفسیاتی الجھنیں اس کی اجازت نہیں دیتیں کہ اس جبری فراغت سے کوئی مفید کام نکل سکے۔ گرچہ اس کا احساس اور اس کی تمنا دل میں مستقل رہتی ہے۔"

بیش قیمت وقت کا مجرمانہ زیاں، جبری فراغت، عمر کا غلط حصہ، ان خوبصورت ترکیبوں کے لئے فیض نے انگریزی میں کیا الفاظ استعمال کئے ہوں گے وہی بہتر جانتے ہیں۔ بیوی کو خط لکھے ہیں تو ظاہر ہے انہوں نے انگریزی میں بھی موتیوں کے ہار گوندھے ہوں گے۔ موتیوں سے پھولوں کی خوشبو برآمد کرنے کا گر بھی انہیں آتا تھا۔ سنگ و آہن سے شبنم بھی وہ کشید کر لیتے تھے۔ جبھی تو کہا ہے ؎

حاکم شہر بھی، مجمع عام بھی،
تیر الزام بھی، سنگ دشنام بھی
شہر جاناں میں اب باصفا کون ہے
دست قاتل کے شایان رہا کون ہے

ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"ہمارے پاکستانی ریڈیو پر جو چیز موسیقی کہلاتی ہے اس میں بعض عطائی لوگوں کی بیں بیں کے علاوہ کچھ سننے میں نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے ہمارے سب سے اچھے موسیقار برکت علی خاں، رفیق، بکھراج وغیرہ ریڈیو والوں پر حرام ہیں — (اب حرام ہیں کہ ترجمہ سوچئے یعنی انگریزی ترجمہ) —— اس ملک کو قائم ہوئے پانچ برس ہو چکے ہیں اور اس پانچ برس میں ہم نے اپنے لوگوں کے لئے حسن، زیب اور پاکیزہ فرحت کا کوئی سامان فراہم نہیں کیا اگرچہ اس دوران میں اوسطرح طرح کے "تماشے" ہر روز ہوتے رہتے ہیں۔ ہمیں صرف یہی سوجھتا ہے کہ دنیا بھر کے خالی الذہن بوڑھوں کو یکجا کریں۔ پھر ان سے خرافات کا طومار اگلوائیں، جنہیں کوئی بھی رتی بھر اہمیت نہیں دیتا۔"

---

[2] : انہوں نے جو بھی نثر میں سوچا، نظم میں کہا
رانی شب میں کمی نہیں آئی / نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی /
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

— یہ خط ۵۲ یا ۵۱ میں لکھا گیا ہوگا اس وقت فیض ۴۰، ۴۲ سال کے رہے ہوں گے (خالی الذہن بوڑھوں کے ذکر سے بھی ان کی اس وقت کی عمر کا اندازہ ہو سکتا ہے) اسی خط میں فیض نے دیکھیے کیا خوبصورت بات لکھی ہے۔

"ہندوستان ہم سے بڑا ملک ہے لیکن کلچر، تہذیب کا تعلق ملک کے سائز سے نہیں ہوتا۔ سوچنے اور رہنے سہنے کے آداب و اطوار سے ہوتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ ہمارے ملک کے لوگ اگر بہت عمدہ تہذیب برت نہیں سکتے تو کم از کم اس کے نمونے تو دیکھ سکیں۔ خیر شاید کبھی نہ کبھی ایسے دن آئیں گے۔ اور شاید مجھے ان بارے میں لکھنا نہیں چاہیئے" کمال ہے سب کچھ تو لکھ دیا۔ جیل خانے کی کھُردری زمین پر بیٹھ کر آہنی سلاخوں کے پیچھے اور کلیر فرماتے ہیں مجھے اس بارے میں لکھنا نہیں چاہیئے۔ اس خط کا منظوم خلاصہ میں ان کی نظموں میں ڈھونڈ رہا تھا۔ کچھ شعر ملے اور مجھے اپنی سمجھ کے مطابق ایسا محسوس ہوا یہ اسی خط کا خلاصہ ہیں ؎

جگر بُریدہ ہوں چاکِ جگر کی بات سنو
اَلم رسیدہ ہوں دامنِ تر کی بات سنو
زباں بُریدہ ہوں زخمِ گلو سے حرف کرو
شکستہ پا ہوں ملالِ سفر کی بات کرو
مسافرِ رہِ صحرائے ظلمتِ شب سے
اب التفاتِ نگارِ سحر کی بات سنو
سحر کی بات سنو، نگارِ سحر کی بات سنو

فیض صاحب جیل سے چھوٹے، آزاد ہوئے، لیکن ایسے آزاد کہ اپنے وطن میں کم ہی رہے۔ یہ آزادی تھی، یا آزادہ روی۔ پیسہ ان کے پاس کتنا تھا اس کا حساب وہ ضرور رکھتے تھے۔ اپنی بیٹی کے نام ایک خط میں انہوں نے اپنی امارت کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے....

"— اور جو تم نے پندرہ دسمبر سے اگلے ماہ
تک کی چھٹی کا لکھا ہے۔ مجھے معلوم نہیں
کہ یہاں آنے جانے میں کتنے پیسے لگتے ہیں
اگر بہت زیادہ نہ ہوں تو ففٹی ففٹی کر لیں گے"

یہ شاید سنہ ۱۹۸۱ء کا خط ہے جو بیروت لبنان سے لکھا گیا ہے۔

اور فیض کو پیسوں کے علاوہ اپنے قد کی بھی بڑی فکر رہتی تھی۔ ڈرتے تھے کہ ان کا نواسہ علی کہیں ان سے آگے نہ نکل جائے۔ اپنی بیٹی کو ایک خط میں لکھا "تم سب کو اور خاص طور سے علی کو دیکھنے کو بہت دل چاہتا ہے تاکہ ہم اس کے ساتھ قد ناپ سکیں" اسی خط میں روزنامہ جنگ کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے۔ "ہمیں اب جنگ اخبار باقاعدگی سے ملتا ہے لیکن اب اس سے بوریت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا"

فیض آٹے دال کا بھاؤ بھی جانتے تھے۔ اپنی بیٹی کے نام اپریل سنہ ۱۹۸۰ء کے خط میں انہوں نے لکھا "اب تمہارے پاس ڈگری تو موجود ہے۔ پڑھانے کے کاروبار میں پیسے کم ملیں گے لیکن کام بھی تو کم ہوگا۔ گوشت نہ سہی دال روٹی سہی۔ پیسے سے سکون بہتر ہے۔ اگر صبر ہو سکے تو وہ بھی ٹھیک ہے۔" بین الاقوامی فیض اتنے گھریلو بھی ہو سکتے ہیں۔ نارمل رہنے کا شاید یہی طریقہ ہے۔ انہیں خطوں میں ان کے دوستوں کے پتے بھی ملتے ہیں۔ دلی میں کوئی مسز شیو سندھو ہیں۔ ظاہر ہے کوئی شاعرہ، ادیبہ تو نہیں ہیں لیکن فیض صاحب تو فینون (فین کی جمع) کے معاملے میں آل راؤنڈر تھے" اس خط کا جواب یہاں تو نہیں پہنچ سکتا۔

دہلی میں مسز شیو سندھو کا پتہ جھیمی کو لکھا تھا اس پہ بھجوا دینا اور اگر کوئی ہندوستان جا رہا ہو تو ہماری کچھ کتابیں بھی۔ تاریخ ادب اردو (دو تین کتابیں ہوں گی) اور کلیات اقبال (اگر مل جائے تو)

یہ خط ۱۱ ستمبر ۸۰ء کا ہے (ویسے فیض خطوں پر سنہ نہیں لکھا کرتے تھے۔ صرف تاریخ اور مہینہ۔ (ہر خط تازہ کلام معلوم ہوتا ہے۔) اس خط میں انہوں نے اپنے آخیر دنوں کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

"اور یہ احسان چکانے کی کیا تک ہے جیسے ہم تم کوئی الگ الگ چیز ہیں۔ ہمارا تمہارا احسان یہی ہے کہ پیار کرتے رہیں اور خدمت کرنے کی ضرورت تو شاید جب پڑے گی اگر دس بیس برس جینا پڑا اور ہاتھ پاؤں جواب دے گئے۔ پھر تو ہم گاؤں چلے جائیں گے جہاں میراثی حقہ بھرا کرے گا اور میراثن پاؤں دبایا کرے گی"

فیض اپنی سوچ میں کتنے دیہی تھے۔ خالص قصباتی۔ اقبال کے شیدائیوں میں تھے اس لئے ایک سادہ دل بندے کی طرح۔ اگر وہ اپنے گاؤں چلے بھی جاتے تو چین سے کبھی ہرگز

ھتے۔ حقہ شاید پیتے لیکن کلیاتِ اقبال کا مطالعہ
تے ہوئے اور ان کا گاؤں شاید وہی منظر نہیں پھر دکھاتا
س کے بارے میں اقبال نے کہا ہے ؎

از جفائے دہ خدایاں، کشتِ دہقاناں خراب

ور پھر فیض گاؤں جا کر پھر ٹریڈ یونین لیڈر بن جاتے۔
فیض ۲۲ نومبر کو کراچی میں غالب لائبریری " کی
میٹنگ میں شرکت کرنے والے تھے۔ مرزا ظفر الحسن
وفات کے بعد غالب لائبریری (کراچی) کی زندگی کا
سئلہ درپیش تھا اور اب فیض صاحب کے جو اس لائبریری
سرپرست تھے، نہ ہونے کی وجہ سے یہ مسئلہ اور بھی
دہ گمبھیر ہو گیا ہو گا۔ مرزا ظفر الحسن کے بارے میں عبداللہ
نے اپنی کتاب "لاؤ تو قتل نامہ مرا" کے انتساب
لکھا ہے۔

لاکھوں، کروڑوں مشتاق اور راشؔ کی فکر کے حامیوں
صف میں اگر کوئی سب سے ممتاز نظر آتا ہے تو وہ ایک
یف و نزار شخصیت ہے جو مرزا ظفر الحسن کے نام
پکاری جاتی ہے اور غالب لائبریری کے حوالے سے
پانی جاتی ہے۔ یہ اوراق میں ان کے حضور ایک حقیر
انے کے بطور پر پیش کرتا ہوں۔ فیض احمد فیض خوش قسمت
کہ ان کو مرزا ظفر الحسن جیسا دوست عاشق، اور
ہنے والا ملا۔"

ایک اطلاع کے مطابق "۱۴ اکتوبر ۸۴ء کو فیض صاحب
ساتھ غالب لائبریری میں ایک میٹنگ ہوئی تھی۔ وہ
ن چار گھنٹے ہمارے ساتھ رہے۔ پھر طے ہوا کہ اگلی
نگ ۲۲ نومبر کو ہوگی اور لاہور سے بطور خاص اس کے
تشریف لائیں گے۔"[۳۲]

فیض احمد فیض اس عمر میں ذمہ داریاں قبول کرنے
ے گھبراتے نہیں تھے۔ ان کی ایک بات کا میں اور ذکر کروں گا
نظریہ یہ تھا کہ کسی شخص کی اچھائیاں اس کی کمزوری یا
وجہ سے نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔
بیگم ایلس کو ایک خط میں لکھتے ہیں

نی صاحب کی مثال لے لو۔ وہ جیسے ہیں۔ ہیں۔ لیکن یہ
سمجھ لینا چاہیے کہ ایک زمانے میں بہت اچھے لکھنے والوں کو عوام
سے روشناس کرانے اور انہیں روزی بہم پہنچانے میں ان کا ہاتھ
تھا اور جب ان سے بہتر لوگ تحریک کا ساتھ چھوڑ گئے تھے
تو یہ اپنے ساتھ رہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس میں ان کا تجارتی مفاد
بھی تھا اور بعض اوقات انہوں نے لوگوں کی احتیاج سے فائدہ
بھی اُٹھایا لیکن یہ تصویر کا ایک رُخ ہے اور اس سے تصویر کے
دوسرے رُخ کی نفی نہیں ہوتی۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے حق
و ناحق کے ڈاؤن رائٹ (DOWN RIGHT) کے فلسفے میں
اس طرح کی موشگافیوں کی گنجائش نہیں ہے لیکن اس نسبتاً
کمزور مخلوق کو بھی ڈاؤن کر لینا چاہیے جو ہمیشہ صراطِ مستقیم پر
ثابت قدم نہیں رہ سکتی۔"

فیض کو شاید اسی نظریے نے ایک مطمئن اور پر مسرت
زندگی گزارنے کا سامان بہم پہنچایا۔ (ابھی صراطِ مستقیم پر چلنے
لگیں تو چلنے والوں کو چلنے کی نہیں ہلنے کی جگہ بھی نہیں ملے گی)
فیض کہتے ہیں ؎

ہم ایسے سادہ دلوں کی نیاز مندی سے
بتوں نے کی ہیں جہاں میں خدائیاں کیا کیا

اور انہیں سے انہوں نے رسمِ دوست داری بھی برقرار رکھی۔

غمِ جہاں ہو، رُخِ یار ہو کہ دستِ عدو
سلوک جس سے کیا ہم نے عاشقانہ کیا

اُن کی شاعری کا رنگ اُن کے خطوں میں جھلکتا ہے اور ان کے
خطوں کے مضامین شاعری میں موجود ہیں۔ یہ ان کے قلم اور
ذہن کی رواداری تھی جو کم لوگوں کے حصے میں آئی۔

***

فوری توجہ کے لئے

ہمیں جو خط و کتابت آپ کے پتہ کے اوپری حصہ پر درج ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیں۔ اپنا پتہ صاف صاف لکھیں اور اردو کے ساتھ ہندی، انگریزی یا مراٹھی میں بھی تحریر فرمادیں۔

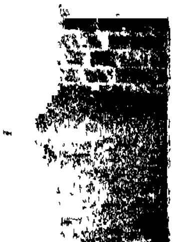
(ادارہ)

٭ مراد فیض احمد فیض ہیں۔
٭٭ خواجہ مشفق کا خط راقم کے نام مورخہ ۱۱ دسمبر ۸۴ء

دانہ راج



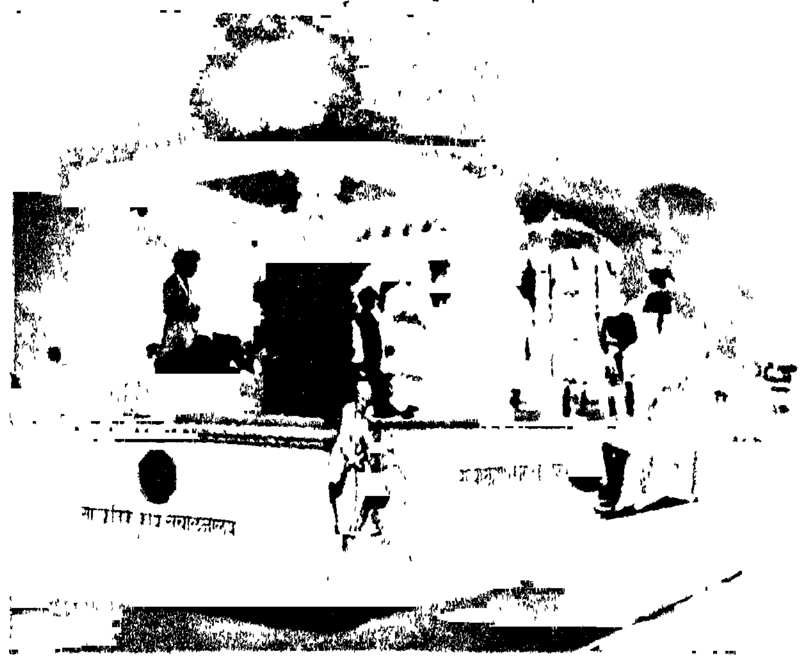






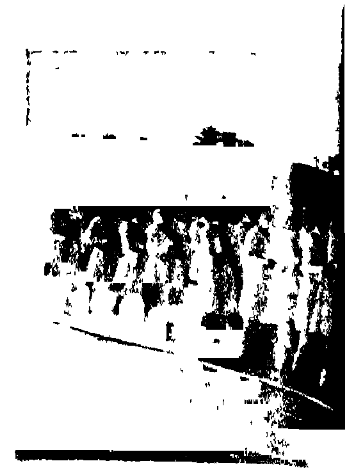
مہاراشٹر کے سال جشن سیمیں [illegible] کی جھلکیاں

شیواجی پارک، ممبئی میں تشکیل مہاراشٹر کے جشن سیمیں کی تقاریب [illegible] شان و شوکت کے ساتھ منائی گئی اس موقع پر کل ۲۴ جھانکیاں بطور نمائش پیش کی گئیں جن میں سے مہاراشٹر [illegible] ترقی اجاگر ہوتی تھی اس نمائش میں ناشک [illegible] ثقافتی پروگرام پیش کرنے والے گروپ کی [illegible]

















طنز و مزاح

احمد جمال پاشا
"نشاط افزا"
تیل ہٹہ - سیوان - بہار ۱۲۲۶ء

بُھلکڑ

مجھے اُن لوگوں پر بڑی حیرت ہوتی ہے جنہیں پیدائش سے پیتھر کے زمانے تک کے واقعات اس طرح یاد ہوتے ہیں جیسے آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہوں۔ پیتھر کے زمانے کی یادگار تو اب صرف وہ پیتھر دل لوگ رہ گئے ہیں جن کو محبوبہ سے فائر بریگیڈ تک بے شمار ٹیلیفون نمبر، دوستوں اور دشمنوں کے پتے زبانی یاد ہوتے ہیں۔ یہ آپ کو بتلائیں گے کہ ۵۰ سال پہلے فلاں راجہ صاحب کے پوتے کے مونڈن میں کلکٹر صاحب کے کس جملے پر محفل لوٹ پوٹ ہو گئی تھی اور جس کی نقل داداجان کے منہ چڑھے ملازم بھوندو نے کتنے مزیدار اُتاری تھی پھر یہ آپ کو فلمی اداکاروں، کرکٹ کے کھلاڑیوں، جرائم پیشہ حضرات اور آس پاس تک کے خاندانوں کے شجرے، تاریخ پیدائش، سالگرہ، تعدادِ رومانس، اسکینڈل، شادی، اِنتقال اور عروج و زوال کی داستانیں اس تفصیل سے سنائیں گے کہ آپ حیرت میں پڑ جائیں۔

مجھے یہ سب سن کر اس لئے حیرت ہوتی ہے کہ یہاں تو یہ تک یاد نہیں رہتا کہ کھانا بھی کھایا ہے یا نہیں ....؟ دِن تاریخ پوچھنے کے بعد بھول جاتا ہوں بجلی کا بل جمع کرنا ہو، تو ڈاک خانے کی لائن میں لگ جاتا ہوں۔ اگر کوئی داہنے یا بائیں طرف جانے کو کہے تو مجھے اس کا داہنا، بایاں ہاتھ پوچھنا پڑتا ہے۔

ایک ماہرِ نفسیات نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ آ کتنے لوگ بُھلکڑ ہونے کے باوجود (چاہے وہ مرد ہوں یا عورت)

بلا کپڑے پہنے گھر سے باہر نکل آتے ہیں۔ گھر کے باہر تو ایک دِن صبح صبح میں بھی دُودھ ڈبل روٹی لینے نکلا، ہر شخص مجھے دیکھ کر ہنسنے لگا۔ جلا بُھنا گھر میں گھسا تو گھر والی کا ہنسنا کھل گیا، لیکن میرے آپے کے اندر ہونے سے پہلے یہ بتا کر شرمندہ کر دیا کہ میں ان کا پائجامہ پہنے ہوئے ہوں۔

لیکن اس بھولنے کا کوئی مقابلہ دَوا پینے کی پابندی سے نہیں کیا جا سکتا۔ دَوا خرید لینا اور پرچہ ترکیب اِستعمال سمجھ لینا بے حد آسان ہے۔ ہر دَوا کھانے یا ناشتے سے پہلے یا بعد میں اِستعمال کی جاتی ہے۔ اِس کے یاد آنے کے لئے ناشتے یا کھانے کا سامنے آجانا بہت کافی ہے۔ لیکن اس کے باوجود مریض کیا، ڈاکٹر تک دَوا پابندی سے اِستعمال نہیں کرپاتے۔

ماہرینِ نفسیات نے اس کی وجہ "بھُولنا" بتائی ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ ماہر نفسیات مریض سے زیادہ بھلکڑ ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک میرے چچا بھی ماہر نفسیات ہیں اور ہر قسم کی دَوائیوں کے عاشق۔ چچا زندگی بھر دَوائیں خریدنے کے باوجود ایک بار بھی وقت پر دَوا نہ پی سکے۔ میرے نزدیک ان میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں جنہیں زبردستی پٹک کر دَوا پلائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے چچا کا خیال ہے کہ دَوا علاج کے اس فرسودہ نظام میں، اگر انقلابی تبدیلیاں فوراً نہیں لائی گئیں تو انقلاب آجائے گا۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر ڈاکٹر ڈبل فیس وصول کرے، ایک دَوا کی دوسری اسے پلانے کی، تاکہ ڈاکٹر صبح و شام مریض کے گھر جاکر اسے زبردستی دَوا پلا سکے۔ اگر مریض شورہ پشت ہو تو ڈاکٹر اس کی پولیس میں رپٹ لکھا دے تاکہ پولیس کا اڑن دستہ پہنچ کر مریض کو مار پیٹ کر دَوا پلا دے۔ چچا کو یقین ہے کہ جب بھی اِس سلسلہ میں حکومت نے کوئی کمیشن بٹھایا تو وہ ان کے قیمتی مشوروں سے ضرور فائدہ اُٹھائے گا۔

جن دَواؤں کی پبلی سِٹی زیادہ ہوتی ہے ان کا تعلق مرض سے زیادہ وِودھ بھارتی اور ریڈیو سیلون کے تازہ ترین فلمی گانوں سے ہوتا ہے۔ ایسی تیر بہدف دوائیں ہمیشہ چچا کی جیبوں میں ناجائز اِستعمال کی منتظر رہتی ہیں، ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ "نورانی تیل"، تو چچا ہمیشہ خریدتے ہیں مگر فائدہ ہم اٹھاتے ہیں "امرت دَھارا" وہ لاتے ہیں مگر اِستعمال میں آتا ہے بیچی کے۔

دَوا تو شاید کبھی غلطی سے، چچا بے وقت اِستعمال کر بھی لیتے ہوں، مگر ڈاک خانے میں خط ڈالنا، آخر کیسے یاد رہتا ہے؟ اس معاملے میں اس ذمے دار آدمی تک کا بھروسہ نہیں کیا جا سکتا جو سیدھا ڈاک خانے جا رہا ہو، یا ڈاکیہ ہو نہ اس کی قسم پر بھروسہ کرنے کی ہمت کی جا سکتی ہے۔ یہی فرمائش اگر کوئی مجھ سے کر بیٹھے تو میں سمجھوں گا کہ اس نے مجھے پہچانا نہیں کیونکہ جب میں کوئی بہت ضروری خط پوسٹ کرنے کے لئے احتیاطاً مٹھی میں دبا کر نکلتا ہوں تو کئی ڈاک خانے اور لیٹر بکس گزر جانے کے بعد مزید احتیاط کے لئے خط جیب میں رکھ لیتا ہوں۔ پھر کوئی بے تکلف دوست چائے خانے میں لے جاتا ہے۔ گپ لڑا کر ہم رخصت ہو جاتے ہیں۔ آخر سال بھر بعد وہ شخص عذاب کی طرح نازل ہو جاتا ہے جس کے لئے مجھے جواب پوسٹ کرنا تھا۔ میں ڈاک خانے کی بھاگ دَوڑ سے بچنے کے لئے خط اسے اس لئے دے دیتا ہوں کہ وہ آدمی ہے۔ کوئی لیٹر بکس نہیں۔ دستی خط میں یہی فائدہ ہوتا ہے کہ ہاتھ کے ہاتھ پہنچ جاتا ہے۔ اسے پوسٹ کرنے کے لئے بھٹکنا نہیں پڑتا۔ خط کے سلسلے میں، مجھے بھی سخت خانہ جنگیوں سے گزرنا پڑا ہے۔ ایک دفعہ مجھ پر خط کھو دینے کا الزام لگ گیا۔ ثبوت کے طور پر میں نے خط جیب سے نکال کر جب اس سے دستبرداری کا اعلان کیا تو وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں "

"بھلا آپ کو میرے ماں باپ کی بیماری سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے"!

اور پیر پٹکتی ہوئی ڈاک خانے چلی گئیں۔ کئی دن بعد اِنتہائی ڈرامائی طور پر یہ ان کے پرس سے اس طرح نکلا جیسے لیٹر بکس سے خط۔ احتیاطاً ہم دونوں اسے ایک ساتھ پوسٹ کرنے نکلے ان کی راستے ہی میں شروع میں چلنے والی خریداری سے واپسی کے بعد، ہم پر یہ خوف طاری ہو گیا کہ آخر یہ تاریخی خط کب تک اسی طرح ہمارا پیچھا کرتا رہے گا۔

خیر میں تو ڈاک میں خط ڈالنا ہی بھولتا ہوں۔ لیکن یار لوگ تو دُوسروں کے یہاں سائیکل، جھولا، چھتری اور چھڑی تک بھول جاتے ہیں۔ چھڑی۔ سائیکل اور جھولا تو آدمی انتخابی وفدوں کی حد تک یاد بھی رکھ سکتا ہے، مگر چھتری یاد رکھنا عملاً ناممکن ہے۔ مجھے چھتری لے کر چلنے کا شوق اس طرح ہے جیسے دِل پھینک نوجوانوں کو گرل فرینڈ کا، چھتری کھونے کی رفتار سے میں خریدتا بھی رہتا ہوں مگر میں کہیں بھی جاؤں، ہر واپسی پر ایک اور چھتری

گمشدگی کی دُنیا میں پہنچ جاتی ہے۔ علاوہ میری اس پھٹی پرانی چھتری کے، جیسے چور تک بڑے خلوص سے واپس کر جاتے ہیں اس میں تیلیاں اور کپڑا تقریبًا نہ ہونے کی وجہ سے اب یہ چھتری سے زیادہ چھڑی کا کام دیتی ہے۔ دن میں ان سے بچے گھوڑا گھوڑا کھیلتے اور پیٹتے ہیں، رات میں اس سے میں کتے بھگانے کا کام لیتا ہوں۔

پھر بھی بارش اور دُھوپ سے بے تعلق اگر یہ پرانی چھتری کھو بھی جائے تو مجھے اتنی پریشانی نہ ہوگی جتنی ریل یا بس پر بکس اور بستر بند تک بھول جانے والے مسافروں کو ہوتی ہے اسٹیشن پر ایک بار دو ٹرینوں اور دو باراتوں کا کراس ہوا سامان بدل جانے کی وجہ سے باراتی بے حد پریشان اور دولہا میاں پسینہ پسینہ تھے۔ میں نے ہمدردی کرتے ہوئے پوچھا:

"آپ لوگ کیا چیز بھول گئے۔"!

دُولہا میاں نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

"اجی بھُولے سے دُلہن بدل گئی ہے۔"

کہا جاتا ہے کہ بھُولنے والے اچھی یادداشت نہ رکھنے کی وجہ سے بالکل ہی معمولی لوگ رہ جاتے ہیں جبکہ اچھی یادداشت رکھنے والے بڑی ترقی کرتے ہیں مگر مجھے تو اچھی یادداشت رکھنے والے ہی زیادہ معمولی لوگ نظر آتے ہیں۔ ایران و توران کی اڑانے والے بے کار بوڑھے، اچھے وقت اور ایک ہی قسم کے قصوں کو یاد کرنے والے سماج کے لوگ، معلومات کا سمندر کہلانے والے ناکام ادیب، فلم میں کام نہ ملنے والے ایکسٹرا، اور محلے کی سطح کے سیاسی نیتا ذرا کم ہی کچھ بھُولتے ہیں۔ انہیں اپنی ایک ایک ناکامی حفظ ہوتی ہے۔

آپ کسی بھی کامیاب ادیب کو دیکھئے اسے معلوم ہی نہ ہوگا کہ دُنیا میں آخر ہو کیا رہا ہے؟ کسی بڑے سیاسی لیڈر کو دیکھئے اس کا ہر بیان بھُولنے کی وجہ سے اپنے پچھلے بیان کے خلاف، ہوگا یا خود اس کے خلاف۔

ایسی صورت میں، میں یہ دعویٰ کرنے کی ہرگز ہمت نہیں کر سکتا کہ میری یادداشت ذرا بھی اچھی ہے۔ میں بھی دوسروں کی طرح ہر بات بھول جاتا ہوں۔ کئی بار تو یہ تک بھُول چکا ہوں کہ میں کون ہوں اب مجھے یہ یاد نہیں آ رہا ہے کہ میں آخر آپ سے کہہ کیا رہا تھا۔"؟

صفحہ ۴۴ سے آگے

کے تعلقات میں گرم جوشی کے ساتھ اضافہ ہوا ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ یہ خوشی کی بات ہے کہ گڈکری کی جنم شتابدی ریاست کی سلور جوبلی تقریبات کے موقع پر منائی جا رہی ہے۔

شری پربھاکر پانشیکر نے فرمایا کہ گڈکری کا فلسفہ حیات انسانی زندگی کے لئے بے حد اہمیت رکھتا ہے۔

"لوک ستہ" کے ایڈیٹر اور تقریبات کمیٹی کے سکریٹری شری مادھو گڈکری نے کہا کہ شتابدی تقریبات کی وجہ سے گجرات اور مہاراشٹر کی حکومتیں اور زیادہ قریب آگئی ہیں اور اس سے حکومت اور عوام کے مابین بہتر تعلقات قائم ہوئے ہیں۔

شری مدھوسدن کولہاٹکر نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ شریمتی رما بائی گڈکری، شریمتی اندرا بائی گرجر، سروشری آر۔ ایس۔ دالمیے، بالکو باگو کھلے، وسنت ایس۔ ڈیسائی، چترنجن کولہاٹکر، بال کولہاٹکر اور پربھاکر پانشیکر، کی وزیر اعلیٰ کے ہاتھوں عزت افزائی کی گئی۔

شری و۔ا۔ دی۔ چپلونکر، ڈائریکٹر ایجوکیشن نے شکریہ ادا کیا۔

●●

قارئین کے لئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافے کے خیال سے "قارئین کی رائے" کا خصوصی صفحہ شائع کیا جاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے خطوط، سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔ یہ نوٹ فرمالیں:

ایڈیٹر "قومی راج" نیوایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، ۱۵ واں منزلہ۔ مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

رزاق
قریش نگر
بمبئی ۷

وی۔ایس۔ کھانڈیکر

مراٹھی افسانہ کا سمراٹ

۱۲ر اپریل سنہ ۱۹۲۰ء کی صبح ایک دبلا پتلا لمبے قد کا نوجوان، جس کی ابھی مسیں ٹھیک سے نہیں بھیگی تھیں ساونت واڑی سے شرووڈ کی طرف جانے والی کچی سڑک پر لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا جارہا تھا۔

بدن پر میلا سا کوٹ، گلے میں شال، گھٹنوں
سفید دھوتی۔ جو راستے کی سُرخ مٹی سے
ـــ میں تبدیل ہو چکی تھی، آنکھوں پر موٹا سا
ھ میں چھتری، دوسرے ہاتھ میں ایک جھولا
پڑوں کے ساتھ "کیشوست" کی نظموں کا
جب وہ شرووڈ گاؤں کی سرحد پر پہنچا
ں سے سورج کسی نٹ کھٹ بالک کی طرح
سورج پر نظر پڑتے ہی نوجوان ٹھٹک گیا۔
اس کے پیروں کو جکڑ لیا ہو۔ وہ سورج کی
ند دُعائیہ الفاظ بُدبُدانے لگا۔

ے سورج دیوتا! میرے
روشنی عطا کر، میں
ـــ ظلمت میں بھٹک رہا
روشنی کی راہ دکھا۔ تیرے
سمندر سے مجھے ایک قطرہ
ل ہو تو میری قسمت
جائے۔"

اس نوجوان کا نام وشنو سکھا رام کھانڈیکر تھا۔ جو آنے والی نصف صدی میں وی۔ایس۔ کھانڈیکر کے نام سے مراٹھی ادب پر حکمرانی کرنے والا تھا۔

شرووڈ ساونت واڑی سے پندرہ میل کے فاصلے پر کوکن کا ایک معمولی قصبہ ہے۔ بھاؤ صاحب کھانڈیکر آج سے ۶۵ برس پہلے وہاں ایک معمولی اسکول ٹیچر کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ ان کے والد آتمارام پنت سانگلی میں منصف کے عہدے پر فائز تھے۔ ۱۹ر جنوری سنہ ۱۸۹۸ء کو ان کا جنم ہوا۔ کھانڈیکر کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم سانگلی ہی میں مکمل ہوئی۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں والد کا انتقال ہوگیا۔ والد کے انتقال کے بعد گھریلو حالت دن بدن سقیم ہوتی گئی۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں میٹرک کا امتحان کامیاب کر کے کھانڈیکر نے فرگیوسن کالج پونا میں داخلہ لیا۔ تعلیم جاری تھی کہ سنہ ۱۹۱۶ء میں انہیں اُن کے ماموں نے ساونت واڑی بلالیا۔ جہاں ماموں نے انہیں اپنا متبنیٰ بنالیا۔

"ایک بیکھ آئی ایک کھیڑے" میں کھانڈیکر کہتے ہیں... میں نے سوچا تھا لے پالک ہو جاؤں گا تو تعلیم حاصل کرنے میں

مالی پریشانی سے نجات ملے گی۔ مگر ایسا نہیں ہو سکا۔ اس بیچ مجھے ملیریا ہو گیا اور میری صحت دن بہ دن خراب ہوتی چلی گئی۔ اپنی خرابیٔ صحت اور روپیوں کی تنگی سے پریشان ہو کر میں ۱۹۱۷ء کے شروع میں ساونت واڑی اپنے ماموں کے پاس آ گیا اور میری تعلیم نامکمل رہ گئی۔ اگر نوجوان کھانڈیکر چاہتے تو اس زمانے میں انہیں کسی بھی بڑے شہر میں معقول آمدنی والی ملازمت مل سکتی تھی۔ ایک دو جگہوں سے انہیں بلاوا بھی آیا۔ مگر ان کا رجحان ابتدا ہی سے درس و تدریس کی طرف تھا۔ اس لئے جب شروڈ جیسے پس ماندہ گاؤں میں مدرس کی جگہ خالی ہوئی تو انہوں نے فوراً عریضہ دے دیا اور جلد ہی انہیں وہاں ملازمت مل گئی۔

ان کا خیال تھا کہ مدرس ہی ایک ایسی ہستی ہے جو اس دنیا کو نجات کا راستہ دکھا سکتی ہے۔"

شروڈ میں وہ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۵ء تک یعنی پورے پندرہ برس مدرسی کے پیشے سے وابستہ رہے۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ بڑے ادب کے لئے بڑے شہر کی فضا زیادہ سازگار ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ بڑے شہروں کی ہنگامہ آرائیاں، مختلف تحریکوں کا شور و ہنگامہ، جلسہ جلوس، ہوٹل، کلب، ناٹک گھر، پارٹیاں، آرٹ گیلریاں، نشستیں یہ سب ادیب کو رنگا رنگ تجربات سے روشناس کراتے ہیں۔ مگر جس کے پاس دیدۂ بینا ہو وہ قطرے میں بھی دجلہ دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کاموؔ نے ایک جگہ اپنے ایک کردار سے کہلوایا تھا کہ اگر میری زندگی کا ایک دن بھی باہر گزر جائے تو میں اس ایک دن کی یادوں کے سہارے پوری عمر قید تنہائی میں گزار سکتا ہوں۔"

شروڈ ایک چھوٹا سا قصبہ ضرور تھا مگر یہی چھوٹا سا قصبہ اپنے دامن میں ایک کائنات لئے ہوئے تھا۔"

ایک جگہ وہ لکھتے ہیں۔

"جب میں شروڈ میں ایک مدرس کی حیثیت سے داخل ہوا تو مارکس کے نام سے واقف تک نہیں تھا۔ میرے لئے شروڈ کا ایک دن ایک ایسی کتاب کا ورق تھا جسے ابھی تک کسی نے نہیں پڑھا تھا، زندگی کے تلخ و تند حقائق کا تجربہ مجھے پہلی دفعہ شروڈ جیسے قصبے ہی میں ہوا۔ یہیں سب سے پہلے میں نے ایسی محنت کش عورت دیکھی جس کے پاس ستر پوشی کے لئے مناسب کپڑا تک نہیں تھا۔

سروں پر مچھلیوں سے بھری ٹوکریاں اٹھائے پندرہ پندرہ میل پیدل چلنے والی مچھیرنیں، بھیانک کالی راتوں میں اپھنتے سمندر میں مچھلیوں کا شکار کرنے والے مچھیرے، ناریل اور تاڑ کے لچکتے جھومتے درختوں پر گلہری کی سی تیزی سے چڑھنے والے چڑھویئے۔ آگ برساتی دھوپ میں نمک گھروں میں نمک اکٹھا کرتے ہوئے مزدور۔ موسلا دھار بارش میں سروں پر ارلا ڈالے کیچڑ بھرے کھیتوں میں کام کرنے والے کسان، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر ان کے گٹھر سروں پر لئے میلوں چل کر بازار میں آنے والے اور انہیں چار چار آنے میں بیچنے والے غریب لکڑ ہارے، غرض زندگی سے جوجھنے اور اس سے لوہا لینے والے محنت کش طبقے کا مشاہدہ کرنے کا موقع مجھے سب سے پہلے شروڈ ہی میں ہوا۔ ان جفا پرور مناظر کو دیکھ دیکھ کر میرے دل میں بار بار سوالات اٹھتے تھے کہ آخر سماج میں انسان اور انسان کے بیچ یہ خلیج کیوں حائل ہے۔ انسان ان دکھوں سے کب نجات حاصل کرے گا ....؟ ایک ہی سماج کے یہ کیسے عجیب روپ ہیں۔ ایک طبقے کے عیش کا انحصار دوسرے طبقے کی محنت پر کیوں ہے۔؟ یہ دو الگ الگ دنیائیں کیسی ہیں جن میں مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہے۔"

بعد میں انہوں نے اپنے کئی ناولوں جیسے دو دن دھرو، ہیروا چافا اور الکا میں اسی طبقاتی کشمکش کی عکاسی کی ہے۔ ان کا ناول دو دن دھرو تو اس کی بہترین مثال ہے جس میں انہوں نے امیری اور غریبی کو ایک ہی دنیا کے دو الگ الگ سرے بتائے ہیں۔ جس میں ہزاروں برس سے کروڑوں انسان پستے اور کچلتے آ رہے ہیں۔

یکر کے شرد ڈ کے قیام کے بارے میں
دی لکھتے ہیں۔

"ڈ میں بھاؤ صاحب (کھانڈیکر)
دوست تھے۔ ایک بھکا
ر دوسرا بحرِ عرب۔ وہ
کے کنارے گھنٹوں چہل
تے اور تھک جاتے تو
دامن میں بیٹھ کر جانے
ت میں غرق ہوجاتے۔
پہاڑ کا ایک حصہ ایسا
، سے حدِ نظر تک سرسبز
ور ماڑ کے بلند درختوں
ا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔
طرف اٹھائیں یا تا سمندر
میں غروب آفتاب کا
بی دلپذیر ہوتا ہے۔"

۱۹۲۶ء میں سکھارام پنت کی کنیا
ی ہوئی۔ ان کی بیوی جن کا سسرالی
۔ زیادہ پڑھی لکھی خاتون نہیں تھیں مگر
احب کو گرہستی کا وہ سارا سکھ دیا جس
سے توقع کی جاسکتی ہے۔ اپنی دھرم پتنی
کھانڈیکر لکھتے ہیں۔

"بیوی زیادہ پڑھی لکھی
تھی مگر وہ ایک
ہستن ضرور تھی۔ اس
ا میری تنخواہ چالیس
روپے رہی ہوگی۔ گرانٹ
نے کے لئے میں ایک سو
پیوں پر دستخط کرتا تھا۔
تنخواہ میں سے کچھ پیسے ضرورت مند
طلباء کی امداد پر اٹھ جاتے تھے
باقی پیسوں میں وہ اس طرح
ناپ تول کر گھر چلاتی تھی کہ
مجھے کبھی گھر کے اخراجات کو
لے کر فکرمند نہیں ہونا پڑتا تھا۔"

ان کی کویتائیں اور مضامین تو شرد ڈ آنے سے پہلے ہی رسالوں میں چھپنے لگ گئے تھے۔ ان کا پہلا مضمون، اگست ۱۹۱۹ء میں نویگ نامی ایک رسالے میں چھپا تھا۔ اسی شمارے میں "کمار" تخلص کے ساتھ ان کی ایک نظم بھی شائع ہوئی تھی۔ مگر ان کی پہلی کہانی شرد ڈ آنے کے بعد اگست ۱۹۲۳ء میں "مہاراشٹر ساہتیہ" میں شائع ہوئی جس کا عنوان تھا "گھر کنا چے"؟ اس زمانے میں انہوں نے کچھ ناٹک بھی لکھے۔

شرد ڈ میں پندرہ برس تک مدرسی کی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۳۶ء میں وہ کولہاپور چلے آئے اور فلمی دنیا سے منسلک ہوگئے۔ یہاں انہوں نے نویگ پکچرس، پرفل پکچرس اور ہنس پکچرس جیسی مختلف کمپنیوں کے لئے فلمی کہانیاں لکھیں۔

یوں تو انہوں نے اٹھارہ فلموں کے لئے کہانیاں لکھیں، جن میں ایک تامل اور تین ہندی فلمیں بھی ہیں ــ فلم انڈسٹری سے منسلک ہوجانے کے بعد ہمارے بیشتر فلمی رائٹرس کی طرح انہوں نے ادب سے منہ نہیں موڑ لیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے بے شمار مختصر افسانے لکھے جو مراٹھی کے معیاری جرائد میں شائع ہوئے اور بے حد مقبول ہوئے۔ کئی افسانوں کے مجموعے شائع ہوئے۔ اس زمانے میں افسانوی دنیا میں ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بعض نقادوں نے انہیں ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۱ء کی دہائی کا افسانوی ادب کا سمراٹ کہا ہے۔

۱۹۴۱ء میں دوسری جنگِ عظیم چھڑ چکی تھی۔ کھانڈیکر اور ان کے ہمعصروں نے جن سماجی قدروں کی آبیاری کی تھی وہ ساری قدریں جنگ کی آگ میں جل کر

مجسم ہو گئیں۔ کالا بازاری کا راکشش جس سے اس زمانے کے لوگ قطعی ناواقف تھے انسانوں کا لہو چوسنے لگا۔ لوگ گرانی کے بوجھ سے دبتے چلے گئے۔ سماجی اخلاقیات کا چہرہ مسخ ہو گیا۔ اچھے اور برے کی تمیز اٹھ گئی۔ لوگ ہر وہ کام کرنے پر آمادہ نظر آنے لگے جس سے روپیہ بٹورا جا سکتا تھا۔ پرانی قدروں کی دیواروں میں دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ نئی قدروں کے نقوش ابھی واضح نہیں ہوئے تھے۔ لوگ مردوں کے کفن تک بیچ کھانے کو معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ ایسے آشوبی دور میں انسانیت اور اس کی عظمت پر اعتقاد رکھنے والے کھانڈیکر کی عقل چکرا کر رہ گئی۔ انہیں محسوس ہونے لگا کہ ان کا قلم مذکورہ مسائل کی تندی و تیزی کا ساتھ دینے سے قاصر ہے۔ اس لئے سنہ ۱۹۴۱ء کے بعد پانچ چھ برس تک وہ بالکل خاموش نظر آتے ہیں۔

سنہ ۱۹۴۷ء میں "تین جگے" کہانی لکھ کر انہوں نے اپنی طویل خاموشی توڑی۔ اس کہانی میں انہوں نے اس عہد کی بھیانک اقتصادی نابرابری اور سماجی انقلاب کے اپنے سیدھے سادے تصور کی شکستگی کا عکس پیش کیا ہے۔ انہوں نے سماجی خدمت کا ڈھونگ رچانے والے مکار سیٹھوں کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے اور واضح طور پر بتایا ہے کہ کس طرح آج کا سماج تین دنیاؤں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ پہلی دنیا سرمایہ داروں کی، دوسری دنیا غریبوں کی اور تیسری دنیا ان دونوں کے درمیان ڈولتی متوسط طبقے کی دنیا۔

ان کی بہت سی تمثیلی کہانیاں بھی اسی عہد کی پیداوار ہیں۔ انہیں دنوں مرگ جل، تل کلیاں، کلکا، بن دیوتا، سونیری سا دنیا کے ناموں سے ان کی تمثیلی کہانیوں کے مجموعے بھی شائع ہوئے۔ انہوں نے لگ بھگ ڈیڑھ سو تمثیلی کہانیاں لکھی ہیں۔ جن میں دو دن میگھ، چکور چاتک، سندر چتر، موتیا، چے پیک، پریس سدھارک کافی مشہور ہیں۔

تمثیل کے پردے میں انہوں نے سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں پر خوب نشتر زنی کی ہے۔ مراٹھی ادب میں تمثیلی کہانیوں کو انہوں نے معراج پر پہنچا دیا۔ یوں بھی ان کے بعد کسی نے اس میں طبع آزمائی نہیں کی۔ کھانڈیکر نے کچھ مزاحیہ کہانیاں بھی لکھیں مگر انہیں پڑھنے کے بعد صاف لگتا ہے کہ مزاح ان کا میدان نہیں ہے۔

غالباً "تین جگے" آزادی کے بعد ان کی پہلی کہانی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے جو کہانیاں لکھیں ان میں کوئی نیا موڑ، یا نئی کی طرف اشارہ نہیں ملتا۔ ایسا لگتا ہے آزادی کے بعد عوام کے سامنے جو نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے انہیں سمجھنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی ان میں تاب باقی نہیں تھی۔ اس لئے وہ آزادی کے بعد اپنی کہانیوں میں اپنے آپ کو محض دوہراتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

ادب میں ان کا نظریہ صاف ہے۔ وہ زندگی میں صحت مند قدروں کے پجاری ہیں جو انسان کو انسانیت کے مرتبے پر فائز کرتی ہے۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں۔

> "ادب صرف تخیل آرائی یا محض ذاتی احساسات سے تخلیق پذیر نہیں ہوتا۔ احساس کا بیج شعور کی زمین سے سر ابھارتا ہے اور اپنے اردگرد کے خارجی اثرات قبول کرتے بیج سے پودا بنتا ہے۔ ہماری تخلیق پر پانچ ہزار سالہ پرانی تہذیب سایہ فگن ہوتی ہے۔ نسل درنسل ہنساتا رلاتا اور غور وفکر کی دعوت دیتا ہمارا ادبی ورثہ اسے نکھارتا ہے۔ یہی ادب عام آدمی کے لئے باعث کشش ہوتا ہے۔"

وہ اپنی تخلیقات کے ذریعے سماج کو تنقید کا نشانہ ہی نہیں بناتے بلکہ اسے ایک صحت مند نظریہ بھی دیتے تھے۔ ان کے افسانوں کی بہ نسبت ان کے ناولوں میں نظریہ زیادہ نکھر اور سنور کر آیا ہے۔ انہوں نے گاندھی ازم، سوشلزم، کمیونزم وغیرہ کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا، مختلف مکتب خیال کے ادیبوں کی تحریروں کو پڑھا۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں عقلیت پرستوں کے خلاف بار بار احتجاج کیا ہے کہ انسان عقل کا شکار ہو کر جذبات سے عاری ہوتا جا رہا ہے۔ یعنی وہ بھی اقبال کی طرح عقل کی اہمیت اور اس

لیم کرتے تھے مگر کبھی کبھی دل کو تنہا چھوڑ دینے
۔
نے اپنے بیشتر ناولوں میں عورت کی غلامی ،
نے والے مظالم، مزدوروں کا استحصال، کسان
آویزش، ٹوٹتی بدلتی قدریں، نیز متوسط
ن جیسے مسائل پر بڑی چابک دستی سے قلم
ہ قاری کے سامنے محض کوئی سچویشن پیش نہیں
سچویشن کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے کا موقع بھی
ن نے کل پندرہ ناول لکھے ہیں۔ دون دھرد
ب ، کرونچ ودھ پانڈھرے ڈھنگ ، سکھا
ی ، امرت ویل اور اشرو ان کے نمائندہ ناول
ا میں انہوں نے ایک عام آدمی کے دکھ درد ،
کشمکش ، اس کی سوچ اور اس کے مسائل
روشنی ڈالی ہے۔
نے پہلا ناول " ہردیاچی ہانک " سنہ ۱۹۳۰ء میں
ناول امرت ویل سنہ ۱۹۶۷ء میں "پانڈھرے
کا اپنا پسندیدہ ناول ہے اور کرونچ ودھ
ہے مقبول اور اہم ناول سمجھا جاتا ہے۔ جس
نقلاب کے روایتی تصوّر سے انحراف کرتے
ب تک زندگی کے ہر شعبے میں تغیر نہیں آتا،
لک صحیح انقلاب کا تصور نہیں ہے۔
ناول "ییاتی" کو پہلے ساہتیہ اکیڈمی انعام
سنہ ۱۹۷۰ء کا گیان پیٹھ انعام مل چکا ہے۔ "ییاتی"
جودہ انسانوں کے چہروں پر مہابھارت کے
وں کے مکھوٹے لگا کر عصری مسائل پر نہایت
کی ہے۔ وہ ساہتیہ اکاڈمی کے فیلو رہ چکے
ت سرکار نے انہیں پدم بھوشن کے اعزاز سے
ایسا نہیں ہے کہ یہ اعزازات ان کے ادبی قد
کرتے ہوں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ سارے اعزاز
ان کی عظمت کا اعتراف محض ہیں۔
قادوں کا اعتراض ہے کہ ان کی تحریروں میں
ت کا احساس ضرور ہوتا ہے مگر فکر کی وہ
ہے جو کسی بھی اعلیٰ ادب کا خاصہ ہوتی ہے۔



ساحر لدھیانوی کی بہن شریمتی انور سلطانہ، شری خواجہ احمد عباس کی خدمت میں "فن اور شخصیت" کا ساحر لدھیانوی نمبر پیش کر رہی ہیں۔ شری صابر دت کی زیر ادارت ساحر پبلی کیشنز کی جانب سے شائع کردہ اس نمبر کا اجرا، ایم پی اور فلم اداکار شری سنیل دت نے شریمتی انور سلطانہ کے زیر اہتمام منعقد، ایک تقریب میں ۱۷ اپریل کو کیا، جس میں ادب اور فلم دنیا کی ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی۔

مگر سوال یہ ہے کہ انہوں نے ادبی سفر میں جتنی طویل مسافت
طے کی ہے۔ مراٹھی ادب کے کتنے شہسوار ان کا ساتھ دے
سکے ہیں۔ اس سفر میں ممکن ہے انہوں نے بہت کچھ گنوایا ہو
مگر وہ جو کچھ بچا کر لا سکے اتنا بھی کتنوں کے پاس ہے؟

★★

اوپندر ناتھ اشک
۵۔ خسرو باغ روڈ،
الہ آباد۔ ۲۱۱۰۰۱

دو غزلیں

وہ دن ہوگا جہاں کے غم نہ ہوں گے
وہ دن جب اس جہاں میں ہم نہ ہوں گے

یہ نور و نار و نغمہ، سب رہیں گے
تیری دنیا میں لیکن ہم نہ ہوں گے

جھکے ہوں گے جو اُن کے آستاں پر
وہ کوئی اور ہوں گے ہم نہ ہوں گے

فقط یہ جانتے ہیں عمر گزری
وہ کیسے اور کب برہم نہ ہوں گے

میری تعریف تجھ سے کرنے والے
عُدو ہوں گے میرے ہمدم نہ ہوں گے

الہ آباد والو، یاد رکھو
کروگے یاد ہم کو ہم نہ ہوں گے

چلے ہیں: اشک اقبالِ گنہ کو
گناہ ان کے مگر یوں کم نہ ہوں گے

پیہم مصیبتوں سے مِلے تو قرار لیں
یادوں کے بتکدوں کو ذرا پھر سنوار لیں

دِن تھے، فلک شگاف تھے جب اپنے قہقہے
پھر مِل سکیں تو دِن وہ کہیں سے اُدھار لیں

ہم نے بسائیں بستیاں، تم نے اُجاڑ دیں
کچھ پل تو اِن خراب گھروں میں گزار لیں

ساقی سے گر نظر نہ ملے، ہم نہ جام لیں
اور جب مِلے تو دوڑ کر دیوانہ وار لیں

اِک آگ ہے کہ دِل میں سُلگتی ہے ہر گھڑی
چاہو تو اس کو گیت، غزل میں اتار لیں

غم کے لئے پڑی ہے ابھی ایک عمر اشک
آؤ یہ چند ساعتیں ہنس کر گزار لیں

کمال احمد صدیقی
۲۰۷ - روز ایونیو - نئی دہلی - ۱۱۰۰۰۲

ہماری تشنہ لبی کا نہ تم مذاق اڑاؤ،
ہماری تشنہ لبی سے چڑھا شراب کا بھاؤ

"کمال ظلم کا خوگر ہے" بات پھر دہراؤ
ذرا قریب تو آؤ، ذرا نظر تو ملاؤ

ہماری ذات کا حصہ کہیں نہ تم بن جاؤ
قریب آؤ، مگر اس قدر قریب نہ آؤ

اُجاڑ اُجاڑ ہیں نظریں خزاں کے منظر سے
اگر بہار نہیں ہے تو سبز باغ دکھاؤ

یہ سوچیے کبھی ملاقات راہ میں کب تک
کبھی تم آؤ مرے گھر، کبھی تو مجھ کو بلاؤ

ہم اس کو کرتے ہیں محسوس، تم سمجھتے ہو
نظر کسی کو نہ آئے، لگا ہے دل پہ وہ گھاؤ

مری تباہی کا آخر کوئی سبب ہوگا
اگر سمجھتے ہو یہ راز تو ہمیں بھی بتاؤ

حقیقتوں کا نیا روپ دیکھتا ہوں میں
میں خواب دیکھ رہا ہوں ابھی مجھے نہ جگاؤ

اگر بدل نہیں سکتے نظامِ درد و محن
تو پھر قرینے کا اچھا سا کوئی خواب دکھاؤ

شبِ فراق میں کچھ تو ہو روشنی کا سبب
اگر چراغ نہیں ہے تو اپنا دل ہی جلاؤ

ہر ایک مست ہے ساقی بھی اور مطرب بھی
کمال آج تو محرومیوں کا جشن مناؤ

غزلیں

شفیع اللہ خاں راز (اٹاوی)

ایس۔ این کالج، کٹرہ پردل خاں
اٹاوہ ۲۰۶۰۰۱ (یوپی)

وہ زمانے بہت ہی اچھے تھے
لوگ مل جل کے ساتھ رہتے تھے

ہم نے دیکھی تھی واعظوں کی بیاض
میگساروں کے نام لکھے تھے

لوگ چہرے چھپائے تھے لیکن
یہ بتاؤ لباس کیسے تھے

اتنا مقبول ہو گیا تھا کلام
ہر رسالے میں آپ چھپتے تھے

چاندنی میں کلاس لگتا تھا
چاند تارے زمیں پہ پڑھتے تھے

زندگی بھر ہمیں رُلایا ہے
ہم سے پوچھو وہ لوگ کیسے تھے

دونوں عالم کو ڈھونڈنے والے
منھ چھپائے گھروں میں بیٹھے تھے

ان کے میخوار خوب تھے اے رازؔ
پنج وقتہ نماز پڑھتے تھے

★

ڈاکٹر لطیف اکبرآبادی

ہند میڈیکل ہال (دواخانہ)
چھوٹی سدری، ضلع چتوڑگڑھ
(راجستھان)

اس چمن کو اور بھی دلکش بناتے جائیے
آپ پھولوں کی طرح سے مسکراتے جائیے

چلتے چلتے خود بخود رک جائینگی یہ آندھیاں
آپ اپنے دیپکوں کی لَو بڑھاتے جائیے

اشک کوئی آنکھ سے گرنے نہ پائے دوستو
ہنستے ہنستے ہر مصیبت کو اٹھاتے جائیے

ہندو مسلم سکھ عیسائی رنگ برنگے پھول ہیں
ان حسیں پھولوں سے گلشن کو سجاتے جائیے

مٹتے مٹتے دشمنوں کی دشمنی مٹ جائیگی
آپ اپنی دوستی کا حق نبھاتے جائیے

پھول بن جائینگے کانٹے راستے کے ایک دن
دوستو اپنے قدم آگے بڑھاتے جائیے

کل تمہارے واسطے ہر غم خوشی بن جائیگا
آج ہر غم کو خوشی کہہ کر اٹھاتے جائیے

سب کے دل کو جیتئے اپنی محبت سے لطیفؔ
نفرتوں کی آگ سے دامن بچاتے جائیے

★

طالب ممتاز

نوا پارہ راحم ضلع رائے پور
(مدھیہ پردیش)

دن کا جو اُجالا ہے سیہ رات میں گم ہے
خورشید سحر پردۂ ظلمات میں گم ہے

وہ مجھ سے ہمہ وقت ہیں مصروف تکلّ[ف]
دل پھر بھی مگر شوقِ ملاقات میں گم ہے

دیکھا تھا حیا خیز نگاہوں سے کسی نے
دل جب سے وفا کیش خیالات میں گم ہے

میں کس کے تجسّس میں ہوں بیگانۂ ہستی
وہ کون ہے جو میرے خیالات میں گم ہے

غم ہائے محبت تو ہیں بنیادِ مسرّت
کم ظرف ہے جو شکوہ شکایات میں گم ہے

بس ڈھونڈتا رہتا ہے ہمیشہ نئی دنیا
دل ہے وہ کہ بس جو مہمات میں گم ہے

آرائشِ دنیا ہے سرِ دست تو مشکل
انسان ابھی گردشِ حالات میں گم ہے

ہر چند حوادث نے بچھا رکھا ہے طالبؔ
دل پھر بھی مگر گرمیِ نغمات میں گم ہے

ـتاب کی، دو جلدیں آنی ضروری ہیں

صرہ

تبصرہ نگار

★

بنتِ مسعود

انام :- انسان دوست
:- عبدالرحمن شیخ
:- ۵ روپے
:- مکتبہ جامعہ - بمبئی جے جے اسپتال بمبئی ۳

ردو میں قصیدہ گوئی کا رواج اور چلن یوں
ہے مگر قصیدہ گوئی اور راست گوئی میں نمایاں
ے یہاں نقاد بھی بنیوں بقالوں کی طرح ،
بار کرتے ہیں اور ڈنڈی مار تنقید کی پیداوار
یں - چاہے تنقید کا مقصد پورا ہو یا نہ ہو۔
کا رواج عام ہے ۔ بشرطیکہ مدح سرائی کے
رفیوں کی ہتھیلیاں پیش کر سکتے ہیں ۔ نفسِ امارہ
سلیم عام کرنے والے خود نفسا نفسی کے شکار
ں کو دیکھ کر باز کی طرح جھپٹتے ہیں - مذہب
، ہوس رانی عام ہے ۔ اور قدریں بوجھل ۔
کی اس دو رنگی میں یک رنگی کے قائل پاکیزہ
ــ حمیدہ رکھنے والے لوگ بھی موجود ہیں - یہ
کر اس کے لئے بصارت اور بصیرت دونوں
ہے -

رق چھوٹانی ایک ایسے ہی شخص کا نام
بھی روشن ہے اور دل بھی مصفا ...!
فاروق چھوٹانی وہ شخصیت ہے

جس نے خدمتِ خلق کو اپنا شعار بنا لیا ہے ۔ اپنی ذات
سے بیگانہ وشی جس کا مزاج ہے ۔ جو ہمیشہ دوسروں
کے لئے سرگرمِ عمل رہتا ہے ۔ جس کی دردمندی اور خلوصِ
نیت کی قسمیں کھائی جا سکتی ہیں ۔ ایسے تاریخ ساز ،
باکمال ہنرمندوں کے کشف و کرامات کو روشنی میں آنا ہی
چاہیئے تھا ۔

عبدالرحمن شیخ نے فاروق چھوٹانی صاحب کی
شخصیت اور ان کے کارناموں کو مرتب کر کے بڑی خدمت
کی ہے ۔ اس ذاتی اور شخصی جائزہ میں مولانا حامدالانصاری غازی ،
خواجہ عبدالغفور ، محمود ایوبی ، یوسف ناظم ، عثمان غنی ،
انجم رومانی ، حمید پٹھان اور علی محمد ناز نے اپنے ذاتی
تاثرات کا بڑے تدبر سے اظہار کیا ہے ۔

بعض مضامین میں فاروق چھوٹانی کے بزرگوں
کا حال احوال بھی عمدگی سے درج ہے ۔ جن میں ان کے والد حاجی
محمد چھوٹانی کی ذات بابرکات پر روشنی پڑتی ہے ۔
جن کا ذکر پنڈت نہرو ، مولانا ابوالکلام آزاد ، جیسی عظیم
شخصیتوں نے بھی بڑی عقیدت مندی کے ساتھ کیا ہے ۔

فاروق چھوٹانی اپنے بزرگوں کے
روشن روش پر آج بھی گامزن ہیں ۔
صلے وستائش کی تمنا سے بے پرواہ فاروق چھوٹانی
خدمتِ خلق میں مصروف ہیں اور یقیناً طور پر ان کے
کارناموں کا جائزہ پیش کر کے مرتب نے نہ صرف ان
کے ساتھ بلکہ اس عہد کی تاریخ کے ساتھ بھی انصاف کیا ہے ۔

کتاب بے حد سلیقہ کے ساتھ شائع کی گئی ہے ۔
صوری اور معنوی اعتبار سے بے حد دلکش ہے ۔ اردو
کی ہر لائبریری میں اسے محفوظ کیا جانا چاہیئے کہ آنے والی نسلیں
اپنے اسلاف کے کارناموں سے آشنا ہو سکیں ۔



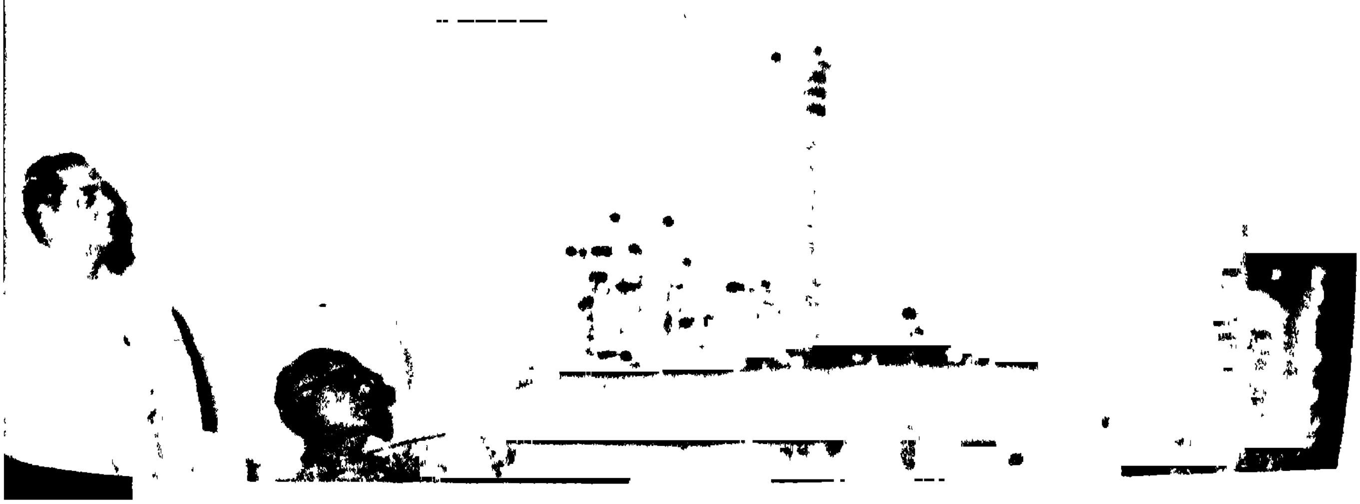
ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کی جانب سے شائع کردہ "لوک راجیہ" کا خصوصی شمارہ "مہاراشٹر دیس نمبر" صدرِ ہند شری گیانی ذیل سنگھ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

گورنر، ایئر چیف مارشل، آئی۔ ایچ۔ لطیف کو فرانس میں بھارت کا سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ ۱۷ اپریل کو بمبئی کے سہار ایئر پورٹ پر وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل آپ کو پھولوں کا ایک گلدستہ پیش کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

خبریں۔ تصویروں میں

شری نول کشور شرما، مرکزی وزیر مملکت برائے پیٹرولیم نے حال ہی میں ماہول بمبئی میں ۱۳۹ کروڑ روپے کے ذریعے تعمیر کردہ بھارت پیٹرولیم کارپوریشن کے آئل ریفائنری سینٹر کا افتتاح کیا۔ وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل بھی تصویر میں نظر آ رہے ہیں۔ دائیں طرف ماہول کا نیا اضافی پروجیکٹ نظر آ رہا ہے۔







ملی شری وسنت راؤ پاٹل
سے منترالیہ میں ریاست
لی سے متعلقہ حالات
فتگو کرتے نظر آ رہے ہیں۔

شری جواہر لال دردا، وزیر
برائے آبپاشی اور شری مانک راؤ پالودکر،
وزیر سلکت برائے رفاہِ عامہ نے گذشتہ
دنوں اورنگ آباد میں ڈویژنل انفارمیشن
آفس کا دورہ کیا۔ شری سری رام پاٹل،
ڈپٹی ڈائریکٹر ان وزیروں کو آفس کے
کام کاج سے متعلق جانکاری دے
رہے ہیں۔

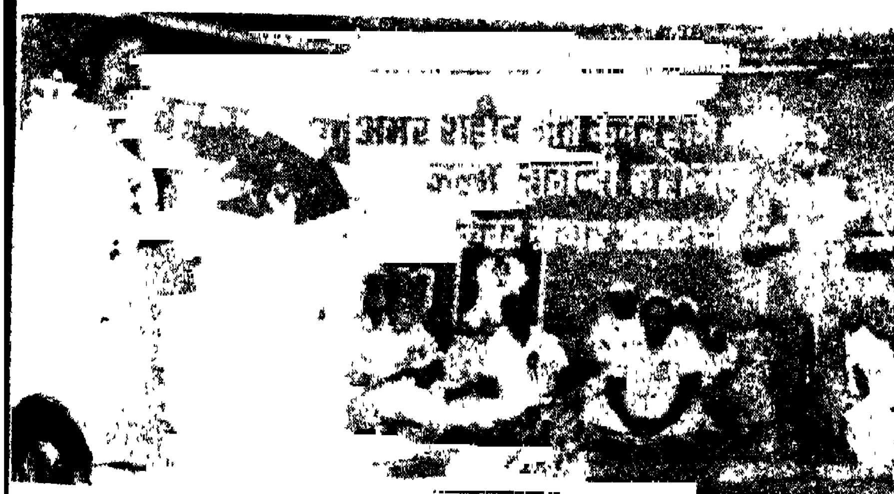




ٹرل کارپوریشن آف بمبئی
، منعقدہ سمپوزیم بہ عنوان
بنٹ پی سی۔ بی ۸۵ ء"
شری سدھاکر راؤ نائیک،
غت کو افتتاحی تقریر کرتے
ا سکتا ہے۔



پولس ٹریننگ کالج، ناشک
کے کیمپس میں واقع سوئمنگ پول کی ،
جو ۴۰ لاکھ روپے کے صرفہ سے تیار کیا
گیا ہے ۔ وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل
نے حال ہی میں بھومی پوجا کی رسم انجام دی



وزیر محصول، شری سدھاکر راؤ
نائیک (دائیں طرف) امراوتی میں
امر شہید سنت کنور رام صاحب برتھ
سینیٹری کی تقریب میں افتتاحی تقریر فرما
رہے ہیں ۔
اِس موقع پر (بائیں طرف)،
وزیر مملکت برائے خاندانی بہبود، شری
درھرٹے، اس موقع کے لئے خصوصی
طور پر شائع کردہ سوینیر کا اجراء
کر رہے ہیں ۔

پولِس ٹریننگ کالج، ناسک میں مراٹھی کے مشہور ڈرامہ نویس اور شاعر "کسماگرج" عرف شری
وی ۔ وی ۔ شرواڈکر" ھتاتما سمارک" کا افتتاح کر رہے ہیں ۔



عثمان خان

گڈکری جنم شتابدی سال کا اختتام

مراٹھی ادب کے ایک عظیم ڈرامہ نویس، شاعر، اور مزاح نگار، آنجہانی شری رام گنیش گڈکری کی جنم شتابدی کی تقریبات کا ۲۶ مئی کو پونے میں اختتام ہوا۔ بال گندھروا رنگ مندر کی طرف سے منعقد کردہ اختتامی تقریبات میں مراٹھی ادب کی مشہور شخصیتوں اور ممتاز شہریوں نے شرکت کی۔ اس موقع پر وزیراعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل نے خصوصی طور پر شرکت کی۔

اس تقریب کی صدارت، وزیر مملکت برائے تعلیم ی داس راؤ دیشمکھ نے کی جبکہ آل انڈیا ڈرامیٹک کونسل صدر، شری پربھاکر پانشیکر مہمانِ خصوصی کی حیثیت موجود تھے۔ مراٹھی ادب کو مالا مال کرنے پر آنجہانی شری نیش گڈکری کی یادگار خدمات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ریاستی مت نے وزیر تعلیم کی صدارت میں ایک کمیٹی قائم کی ہے۔

بمبئی میں پہلی تقریب منعقد کی گئی بعدازاں گجرات میں ماری کے مقام پر منعقد کی گئی۔ ۲۳ جنوری ۱۹۸۵ء کو ضلع دھ میں ساونیر کے مقام پر آنجہانی شری گڈکری کی برسی کی یب منعقد کی گئی۔ علاوہ ازیں گڈکری کے مشہور ڈراموں نو کرنے کے لئے ڈرامیٹک آرگنائزیشن کو ایک لاکھ روپے رانٹ منظور کی گئی۔ ریاست کے مختلف حصوں میں اسکالروں ادیبوں کی جانب سے گڈکری کی تخلیقات اور ان کے حالات گی پر تعلیم دینے کا اہتمام کیا گیا۔ بورڈ آف لٹریچر اینڈ ر نے گڈکری کے کاموں پر مشتمل دو جلدیں شائع کیں اور ڈائریکٹوریٹ رل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کے پندرہ روزہ جرائد راج (انگلش، مراٹھی، گجراتی اور سندھی) اور مہاراشٹر ٹائمس (ہندی) اور قومی راج (اردو) نے گڈکری پر خصوصی نمبر شائع کئے۔

پونے میں اختتامی تقریب کا آغاز صبح ۹ بج کر ۳۰ منٹ پر ایک "پالکی" سمبھاجی ادیان سے نکالی گئی جس پر عظیم ڈرامہ نگار شاعر اور مزاح نگار کی تمام ادبی تخلیقات کو قرینے سے رکھا گیا تھا۔ ابتدا میں شری پربھاکر پانشیکر نے گڈکری کے مجسمہ کی گلپوشی کی۔ شری مدھوسودن کولہاٹکر، سیکریٹری برائے تعلیم اور گڈکری تقریبات کے ایکس آفیسر (بلحاظ عہدہ سیکریٹری) نے پھولوں بھری خراجِ عقیدت پیش کی۔ آنجہانی رام گنیش گڈکری کی اہلیہ راما بائی گڈکری نے میونسپل کارپوریشن اور مختلف ادبی انجمنوں کی جانب سے اپنے شوہر کے مجسمہ کو پھولوں کا ہار پہنایا۔

پونے میونسپل کارپوریشن کے مشہور ہاتھی "انارکلی" پر "پالکی" رکھی گئی تھی اور اس کے مہنت نے پیشوائی طرز کا لباس پہن رکھا تھا۔ اس "پالکی" میں ادبی دنیا کی مشہور شخصیتوں اور گڈکری کے پرستاروں نے حصہ لیا۔ راستوں پر ودربھ ساہتیہ سنگھ کے ۴۰ فنکاروں کے ٹروپ نے گڈکری کے گیت گائے۔ جب



وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل [illegible] میں منعقدہ گڈکری جنم شتابدی کی اختتامی تقریب کے موقع پر حاضرین سے خطاب فرما رہے ہیں [illegible] وزیر مملکت برائے تعلیم، شری پربھاکر راؤ پانشیکر، شریمتی راما بائی گڈکری، شریمتی اندرا بائی [illegible] شانتا رام دیسائی اور شری بالکو با کو کھلے دیکھے جا سکتے ہیں۔

پالکی کا جلوس پونے کی سڑکوں سے گزرا تو عوام نے "گڈکری امر رہے" کے نعرے بلند کئے اور جب جلوس گڈکری کی رہائش گاہ قصبہ پیٹھ پہنچا تو لوگ بے حد جذباتی ہو گئے اور پالکی کی "پنچ آرتی" اتاری گئی۔ مراٹھی ساہتیہ منڈل کے صدر شری این۔ ڈی۔ منوہر نے گڈکری کی رہائش گاہ کے کمپاؤنڈ میں واقع پیپل کے درخت سے ایک پتی بطور رسم ہاتھ میں لے لی، بعد ازاں دیگر افراد نے بھی آپ کی تقلید کی۔ اور اس موقع پر گڈکری کی مشہور نظم "پیپلا چے پان" کی یاد تازہ ہو گئی۔

پالکی کا جلوس قصبہ پیٹھ کے یدنا دالکیہ آشرم پہنچ کر ختم ہوا۔

وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل نے اعلان کیا کہ آنجہانی شری رام گنیش گڈکری کی یاد میں بہترین قومی ڈرامہ کو ۰۰۰ روپے کا انعام دیا جائے گا۔ ریاستی حکومت نے ایک لاکھ روپے کا جو گرانٹ دیا ہے انعام کی رقم اس کے منافع سے دی جائے گی۔ آپ پونے کے بال گندھروا رنگ مندر میں آنجہا شری رام گنیش گڈکری کی جنم شتابدی کی اختتامی تقریب میں حاضرین سے خطاب فرما رہے تھے۔

شریمتی راما بائی گڈکری اور شریمتی اندرا بائی گرجر کے اع میں استقبالیہ دیا گیا اور انہیں بالترتیب ۱۰،۰۰۰ روپے اور

قومی راز

نظم، اور مزاح کے میدان میں جوہر دکھائے تھے۔ بدقسمتی سے آپ زیادہ دنوں تک نہ رہے لیکن جتنے دن بھی جئے آپ نے اس کا پورا استعمال کیا اور اپنے رشحات قلم سے لوگوں کی خدمت کی۔ جس کی طاقت تلوار سے بھی زیادہ تھی۔ اگر آپ کی زندگی زیادہ ہوتی تو مراٹھی ادب اور مالامال ہوتا۔ آپ نے اپنے آخری وقت تک لکھا۔ آپ نے موت سے ایک گھنٹے پہلے "بھاؤ بندھن" مکمل کیا۔

گڈکری کا "ایکچ پیالہ" اور "بھاؤ بندھن" ابھی تک مقبول ہیں۔ "ایکچ پیالہ" میں بتایا گیا ہے کہ آدمی کس طرح شراب کے زیر اثر آ کر دوسروں کا برا دیکھنا پسند کرتا ہے۔ اس ڈرامہ میں انہوں نے سماجی شعور بیدار کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ ابھی تک مؤثر ثابت ہو رہا ہے۔ مہاراشٹرین آپ کے نام سے محبت کرتے ہیں جس کا ثبوت آپ کی "جنم شتابدی" کی تقریبات کے ذریعے ہر جانب سے خیر مقدم کی صورت میں ملتا ہے۔

یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ اس اعلیٰ پیمانے پر آپ کی جنم شتابدی منائی جا رہی ہے۔ امسال شاید ہی کوئی دن ایسا ہوگا جس میں آپ کا نام نہ لیا گیا ہو، عوام نے تقریبات میں دل سے شرکت کی۔ تقریبات میں نظم، ڈرامے، سیمینار، تقاریر وغیرہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔
دیول، کرلوسکر، کولہاٹکر، گڈکری کھانڈیلکر، وزیرکر، اترے، تینڈولکر اور کانیٹکر، انسانی زندگی کی بہترین طور سے عکاسی کرتے ہیں۔ گڈکری نے اپنے مخصوص انداز میں اپنے ڈراموں کے ذریعہ سماجی مسائل کو اجاگر کیا ہے۔
جنم شتابدی سال میں حکومت اور دیگر نجی اداروں نے کئی اسکیمات وضع کیں۔ حکومت نے "نوادک گڈکری" اور "گڈکری ساہتیہ سوچی" شائع کیں۔ حکومت نے بورڈ آف لٹریچر اینڈ کلچر کی تمام زبانوں میں گڈکری کی سوانح حیات شائع کرنے کی درخواست بھی قبول کر لی ہے۔ سولاپور کے شری سر دیشمکھ کو گڈکری کی سوانح حیات قلمبند کرنے کے کام پر مامور کیا گیا ہے۔ دیگر زبانوں کے افراد کے لئے یہ کتاب بے حد مفید ہوگی اور انہیں گڈکری کے ادب کے بارے میں جاننے کا موقع حاصل ہوگا۔



...بڑی برائے تعلیم شری مدھوسدن
...کر گڈکری کے مجسمہ کی گلپوشی
...ہے ہیں تصویر میں۔ مشہور ڈرامہ ڈائرکٹر
...پرشوتم دھاروبکر بھی دیکھے جا سکتے
...

...د..یئے گئے۔
...ح پر وزیر اعلیٰ نے دو اہم اعلانات کئے، کہ
...ں میں گڈکری سمارک" قائم کرے گی، اور
...ح کرنے کے لئے اجازت کی ضرورت درپیش

...علیٰ نے مزید فرمایا کہ گڈکری کو بحیثیت ایک
...ر جانا جاتا ہے۔ انہوں نے صرف پانچ ڈرامے
...نچ ڈراموں ہی کی وجہ سے شری گڈکری کو عروج
...پانچ ڈرامے مراٹھی ادب کا حصہ بن گئے۔
...ی کو "بھاشا پربھو" کے نام سے بھی جانا جاتا
...ن پر پورا عبور حاصل تھا۔ آپ کا ڈرامہ لکھنے کا
...۔ آپ نے "گووند اگرج" اور "بال کرشنا"
...میں لکھی تھیں۔ آپ کے رشحاتِ قلم نے ڈرامہ،



وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل
آنجہانی گڈگری کی اہلیہ شریمتی راما بائی کو
ایک شال اور ایک ناریل پیش کرکے ان
کی عزت افزائی کر رہے ہیں۔ زیر نظر تصویر
میں شری وی۔ ایس گرجر کی اہلیہ شریمتی
اندرا بائی بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔



شری پربھاکر راؤ پانشیکر اور شری
چترنجن کولہاٹکر، گڈکری کی تخلیقات
سے سجی "پالکی" اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔

ساوَنیر میں گڈکری کی یاد میں ایک یادگار تعمیر کی جائے
گی۔ گڈکری نے جس مقام پر وفات پائی تھی اسے بھی یادگار بنایا
جائے گا۔ عوام کی اس خواہش پر حکومت غور کر رہی ہے اور
حکومت نے اس ضمن میں ضروری اقدامات بھی کئے ہیں۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ گڈکری کی تعلیمات پر عمل کرکے ہی ہم
صحیح معنوں میں انہیں خراج عقیدت پیش کر سکتے ہیں۔
اپنے صدارتی خطبہ میں شری دیناس راؤ دیشمکھ نے
فرمایا کہ گڈکری کی جنم شتابدی کی وجہ سے حکومت اور عوام

(باقی صفحہ ۲۸ پر)



بمبئی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس شری ایم ، ایچ ، کینیا ، نے نئے گورنر شری کوناپربھاکر راؤ ، کو راج بھون کے دربار ہال میں عہدے اور رازداری کا حلف دلایا۔

پی۔ راؤ نئے گورنر

نا پربھاکر راؤ نے ۳۰ رمئی کو بوقت سہ پہر،
ربار ہال میں منعقدہ ایک سادہ تقریب
گورنر کی حیثیت سے حلف لیا۔
ہدے اور رازداری کا حلف، مراٹھی میں،
کے کارگذار چیف جسٹس، جسٹس ایم۔ ایچ

کریٹری شری بی۔ جی۔ دیشمکھ نے نامزد
ل فرمایا اور انہیں ڈائس پر لے گئے۔ شری راؤ کے
پر کارگذار گورنر کے۔ مادھوا ریڈی ان کے ہمراہ
بنے والے دروازے پر انہیں چیف منسٹر شری
ں نے خوش آمدید کہا۔

کے بعد چیف سکریٹری نے راشٹرپتی بھون "
نئے گورنر کی تقرری کی سند پڑھ کر سنائی۔
کینیا نے نامزد گورنر کو حلف دلایا جس پر
بھی کی اور پھر جس پر تصدیقی دستخط کارگذار
یئے۔ جس وقت گورنر وثیقہ حلف پر دستخط
اس وقت ۱۷ توپوں کی سلامی نیول کوسٹ بیٹری

نے دی اور پھر قومی ترانہ گایا گیا۔

اس کے بعد گورنر راؤ نے انڈین نیوی کے گارڈ آف آنر کا معائنہ فرمایا۔

گورنر راؤ، دربار ہال میں تشریف لائے اس وقت وہ سنہری ریشمی قمیص اور شال اور جامنی بارڈر والی ایک سفید آندھرا دھوتی پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی دستی گھڑی اپنی قمیص کی آستین پر باندھ رکھی تھی اور ان کے پاؤں میں ڈیزائن والی سیاہ چپل تھی۔

اس تقریب میں ریاستی کابینہ کے ممبران، ہائی کورٹ کے معزز جج صاحبان، لیجسلیٹو کاؤنسل کے چیرمین، لیجسلیٹو اسمبلی کے اسپیکر، لیجسلیچر کے چند ممبران، میئر شری چھگن بھجبل، شریف موہن بھائی پٹیل، گورنمنٹ کنسیلر کور اور بمبئی میں بدیسی ملکوں کے تجارتی نمائندے وغیرہ حاضر تھے۔

نئے گورنر کونا پربھاکر راؤ، ۱۰ رجولائی ۱۹۱۶ء کو آندھرا پردیش کے مقام باپٹلا میں پیدا ہوئے تھے۔

شری راؤ نے لائیلا کالج، مدراس سے گریجویشن کیا اور پونا یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری کی تکمیل کی اور ۱۹۴۰ء میں اس وقت کی مدراس ریاست میں باپٹلا کے مقام پر وکالت کا آغاز کیا۔

آپ ۱۹۶۷ء، ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۸ء میں آندھرا اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے تھے اور ۱۹۸۰-۸۱ء کے دوران اسمبلی

(باقی صفحہ ۴۷ پر)



پنڈت نہرو کو خراجِ عقیدت

بھارت کے وزیرِ اعظم آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو کی ۲۱ ویں برسی کے موقعہ پر ۲۷ مئی کو منترالیہ میں آنجہانی کو پُر جوش طریقے سے خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔

وزیرِ صنعت شری سدھاکر راؤ نائیک نے شری نہرو کی تصویر کی گلپوشی کی اور اس کے آگے ایک گلاب کی کلی رکھی۔

ریاستی کابینہ کے اراکین، چیف سکریٹری دیگر سرکاری عہدیداران اور ملازمین نے بھی تصویر کے آگے گلاب کی کلیاں رکھ کر خراجِ عقیدت پیش کیا۔

مہاراشٹر — مختلف مذہبوں کا گہوارہ

(نجمہ ہبت اللہ)

ریاست مہاراشٹر کے جشنِ سیمیں کے موقعہ پر مہاراشٹر اُردو سوسائٹی کی جانب سے ایک آل مہاراشٹر مشاعرہ ۲۹ مئی کو بمبئی کے جھولا میدان میں منعقد کیا گیا جس کا افتتاح راجیہ سبھا کی ڈپٹی چیرمین شریمتی نجمہ ہبت اللہ نے کیا۔ اس موقعہ پر شریمتی ہبت اللہ نے فرمایا کہ مہاراشٹر ملک کی وہ عظیم ریاست ہے جہاں مختلف دھرموں کے افراد مِل جُل کر اور قومی یک جہتی کے جذبے سے سرشار ہو کر ریاست کی ترقی میں بھرپور تعاون دیتے رہے ہیں۔

آپ نے اسے ایک مثالی جذبہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ مہاراشٹر کی صدیوں پرانی تہذیب آج بھی اپنی روایات پر قائم ہے۔ کاندھے سے کاندھا مِلا کر ریاست اور ملک کی ترقی کے لیۓ کام کر رہے ہیں۔ اسی جذبے کی آج ملک کو ضرورت ہے۔ آپ نے مشاعرے کی کامیابی کے لیۓ نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

حکومتِ مہاراشٹر کے محکمۂ اطلاعات اور رابطہ عامہ کے سینیئر اسسٹنٹ ڈائرکٹر شری ریاض احمد خاں نے اپنے خطبۂ صدارت کے دوران اس مشاعرے کے اغراض و مقاصد بیان کیۓ۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری ریاست کی اِبتداء سے ہی یہ روایت رہی ہے کہ یہاں ہر دھرم و فرقے کے لوگ مِل جل کر رہ رہے ہیں جس کی بدولت ریاست نے ۲۵ سال کے عرصہ میں ہر شعبہ میں شاندار ترقی حاصل کی ہے۔

اِس آل مہاراشٹر مشاعرہ میں اُردو کے علاوہ ہندی، مراٹھی اور گجراتی کے نامور شعرائے کرام نے بھی شرکت کی۔ مشہور شاعر شری انجم رومانی نے نظامت کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیئے۔ اس موقعہ پر ایک شاندار سوئینیر کا بھی اِفتتاح کیا گیا۔

اِبتداء میں جناب منصور فریدی نے معزز مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور جناب ایم یوخان جنرل سیکریٹری مہاراشٹر اُردو سوسائٹی نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

۳۰۰ روپے کی مجموعی تنخواہ پر پرائمری اَساتذہ کا تقرّر - ایک وضاحت

حکومتِ مہاراشٹر نے وضاحت کی ہے کہ پرائمری ٹیچروں کو ماہانہ ۳۰۰ رُوپے کی مجموعی تنخواہ پر رکھنے کا جو فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس کا اطلاق ڈی ایڈ کی ڈگری رکھنے والے سیکنڈری اساتذہ اور سیکنڈری اِسکولوں میں پنجم تا ہفتم جماعتوں میں تعلیم دینے والے اساتذہ پر نہیں ہوگا۔ ان سیکنڈری اِساتذہ کی تقرری مروجہ قوانین کے مطابق ہوگی۔

پرائمری ٹیچروں سے متعلقہ اس فیصلے کے تقرری کے قوانین کا اطلاق صرف میونسپل کونسل ضلع پریشد، اور نجی

فوری اراج

H-240-2F

مری اسکول کے اساتذہ پر ہی ہوگا۔
نے پرائمری اساتذہ کی خالی آسامیوں یا
دہ آسامیوں کو ماہانہ ۳۰۰ روپے کی مجموعی
رنے کے قوانین جاری کئے ہیں۔
نے یہ وضاحت بھی کی تعلیمی اداروں کی
اس ضمن میں موصول ہونے والی تفتیشات
ی کی ہے۔

ھواں مضر رساں قانون کے تحت مقدمات

ی میٹرو پولیٹن مجسٹریٹ کی عدالت میں
۱۹ء کے آخر تک مندرجہ ذیل افراد کے خلاف
رساں قانون کی خلاف ورزی کے جرم میں مقدمات
ن پر فردِ جرم ثابت ہونے کے بعد ان پر ۴۵
یے تک جرمانہ عائد کیا گیا۔
رشن لال جین، پارٹنر شری مدن لال جین
رو نیکس میٹل انڈسٹریز دیلیج روڈ ایل بی
بھانڈوپ بمبئی شری سنیل مہاجن ڈائرکٹر شری
نڈے، مینجر میسرز مہاجن، پروسیسر ایل بی
ر دلی۔ شری لال چند بی گوئل، ٹرسٹی، شری
ت جی مرکر رام اسٹیل رولنگ اینڈ
۹۹/۱۰۰ ایل بی ایس مارگ، بھانڈوپ،
ری بین کوٹھاری، پروپرائٹر شری کانت بھائی
برجے جی کلرا انڈسٹریز، انویم انڈسٹریز اسٹیٹ
لف ایل۔بی۔ایس۔مارگ، ملنڈ، شری
ری ڈائرکٹر شری یو۔این مشرا، ایڈمنسٹریٹیو
شری کرشنا وولن ملز پرائیویٹ لمیٹیڈ۔ایل۔
بھانڈوپ شری آر۔ وی۔شاہ، پروپرائٹر
ل کمرشیل کارپوریشن A-71 گورنمنٹ
بٹ، کاندیولی۔ شری این۔ الیف۔ پٹیل، پروپرائٹر
ورکس A-91 گورنمنٹ انڈسٹریل اسٹیٹ
کاندیولی، شری جون فرنانڈیس، مینجر راجستھان ڈائنگ
اینڈ بلیچنگ ورکس۔ ۲۹، اولڈ ناگر داس روڈ، نزد ویسٹرن
ایکسپریس ہائی وے، اندھیری۔

صفحہ ۴۵ سے آگے

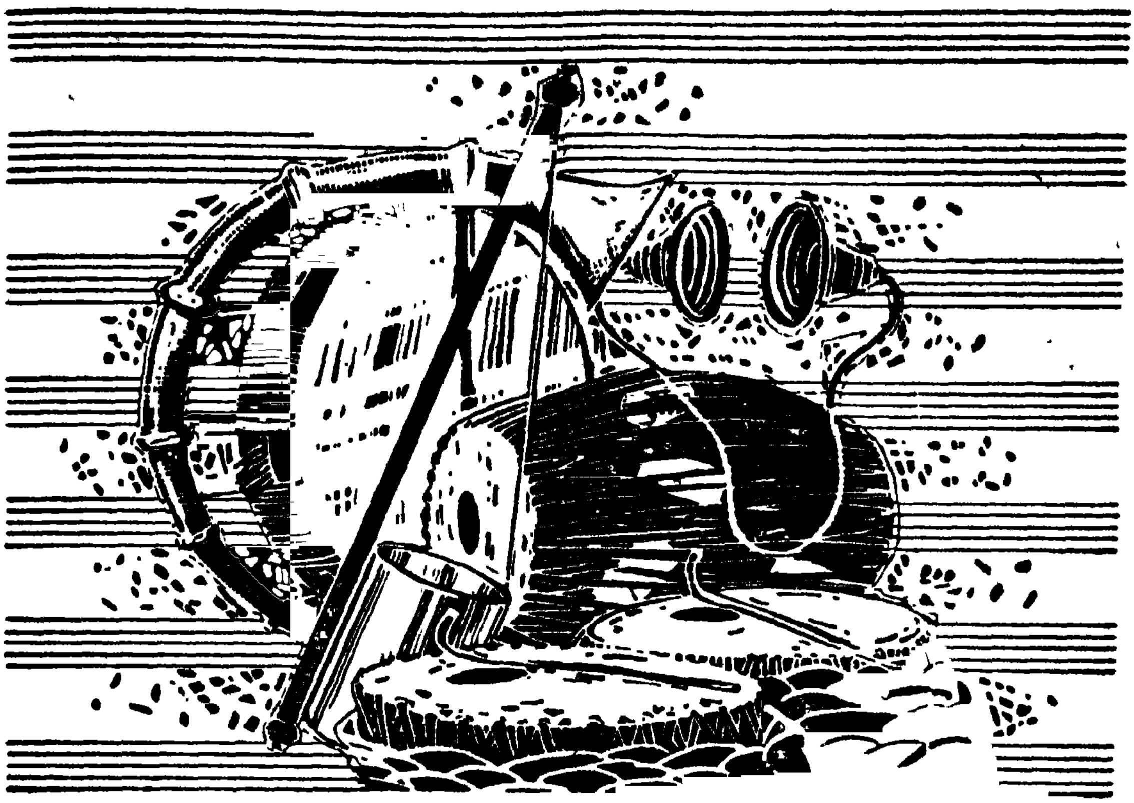
ہمارے نئے گورنر

کے اسپیکر چُنے گئے تھے۔ آپ اے پی سی سی (آئی) کے صدر تھے۔
وینکٹ رامن وزارت میں آپ وزیر مالیات و منصوبہ بندی تھے۔
۱۹۸۳ء میں آپ پانڈیچری کے لیفٹننٹ گورنر بنائے
گئے۔ اس کے بعد جون ۱۹۸۴ء میں آپ کا تقرر بحیثیت گورنر
سکم ہوا۔

ہمارے نئے گورنر ۱۹۳۸ء میں بمبئی یونیورسٹی کے ٹینس
چیمپئن تھے۔ آپ ایک اچھے اسپورٹس مین ہیں۔ باپٹلا
میں آپ نے شیواجی ویایام منڈلی کی تنظیم فرمائی تھی۔ آپ اپنے
پونا کالج کے دنوں میں بیڈمنٹن چیمپئن تھے اور پہلوان بھی۔
اپنے ابتدائی ایام میں گورنر راؤ نے کئی تیلگو فلمیں بنائیں —
اداکاری کی اور ہدایت کاری بھی کیں۔ جن میں سے بعض قابلِ ذکر
فلمیں " منگل سوتر" " درد ہی " اور " سودامنی " ہیں۔

مُراسلت کا پتہ

ایڈیٹر " قومی راج (پندرہ روزہ)
ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
گورنمنٹ آف مہاراشٹر، ۱۵ واں منزلہ
نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، مقابل منترالیہ
بمبئی ۴۰۰۰۳۲



صدائیں کئی سُر ایک
ہم سب ہیں ایک

سازکئی ، آوازیں اَنیک
سازوں اور آوازوں کا
دِلکش سنگم
جنم دیتا ہے ، سُریلے سنگیت کو

دیش بھی اسی طرح ہے ، رنگ برنگی جاتیوں،
نسلوں اور مذہبوں کا حسین سنگم ، ہم آہنگی ،
یک جہتی اور اتحاد کا امین ، مضبوط ، اٹوٹ ،
استوار اور پائیدار ۔

قومی یک جہتی کو فروغ دیجئے ۔ دیش کو مضبوط بنائیے

محکمۂ اطلاعات و رابطۂ عامہ ، حکومتِ مہاراشٹر ،



ت مہاراشٹر کی تشکیل کا
ں، نئی دہلی میں بھی منایا
یہ ایک خاص پروگرام
ھا۔

در، شری آر۔ وینکٹ رامن
،وزیر آبپاشی، شری
ا، اس جشن کے ملاحظہ
ھے۔ (اوپری تصویر)

ے سکریٹری شری بی۔ جی۔
نے سال جشن سیمیں کی
یک رات ۱۲ بجے افتتاح
۔ مہاراشٹر کے نقشہ کی
ئیں طرف)

علیٰ شری وسنت راؤ پاٹل
مہاراشٹر تحریک میں
نے والوں کو چھترپتی شیواجی
لر، بابا صاحب امبیڈکر
مہاتما گاندھی کو اس موقع
رت پیش کرتے ہوئے،
ئے۔ (دائیں طرف)





AUMIRAJ: Regd. No. MH-BY South-544 Licence No. 89 for without prepayment of postage



کارگذار گورنر شری کوندا مادھوا ریڈی
نے یکم مئی کے دن روائتی دیا کو روشن
کرتے ہوئے بمبئی دُوردرشن کے چینل
نمبر ۲ کا افتتاح فرمایا۔
مرکزی وزیر برائے اطلاعات و
نشریات، بیرسٹر وٹھل راؤ گاڈگل اور
وزیراعلیٰ شری وسنت راؤ نائک تصویر
میں دیکھے جاسکتے ہیں



تقاریب جشنِ سیمیں کے دوران
متعدد سرکاری عمارتوں پر چراغاں کیا گیا
تھا۔ اس موقع پر جگمگاتے ہوئے منظر
کی تصویر۔



تقریبات کا اختتام ۲ مئی کو ہوا
اس موقع پر گیٹ وے آف انڈیا
پر "فوج کی واپسی" کی تصویر۔
ہیلی کوپٹروں، جاگوار اور دیگر
طیاروں کی پرواز کی تصاویر نہایت
جاذبِ توجہ تھیں۔

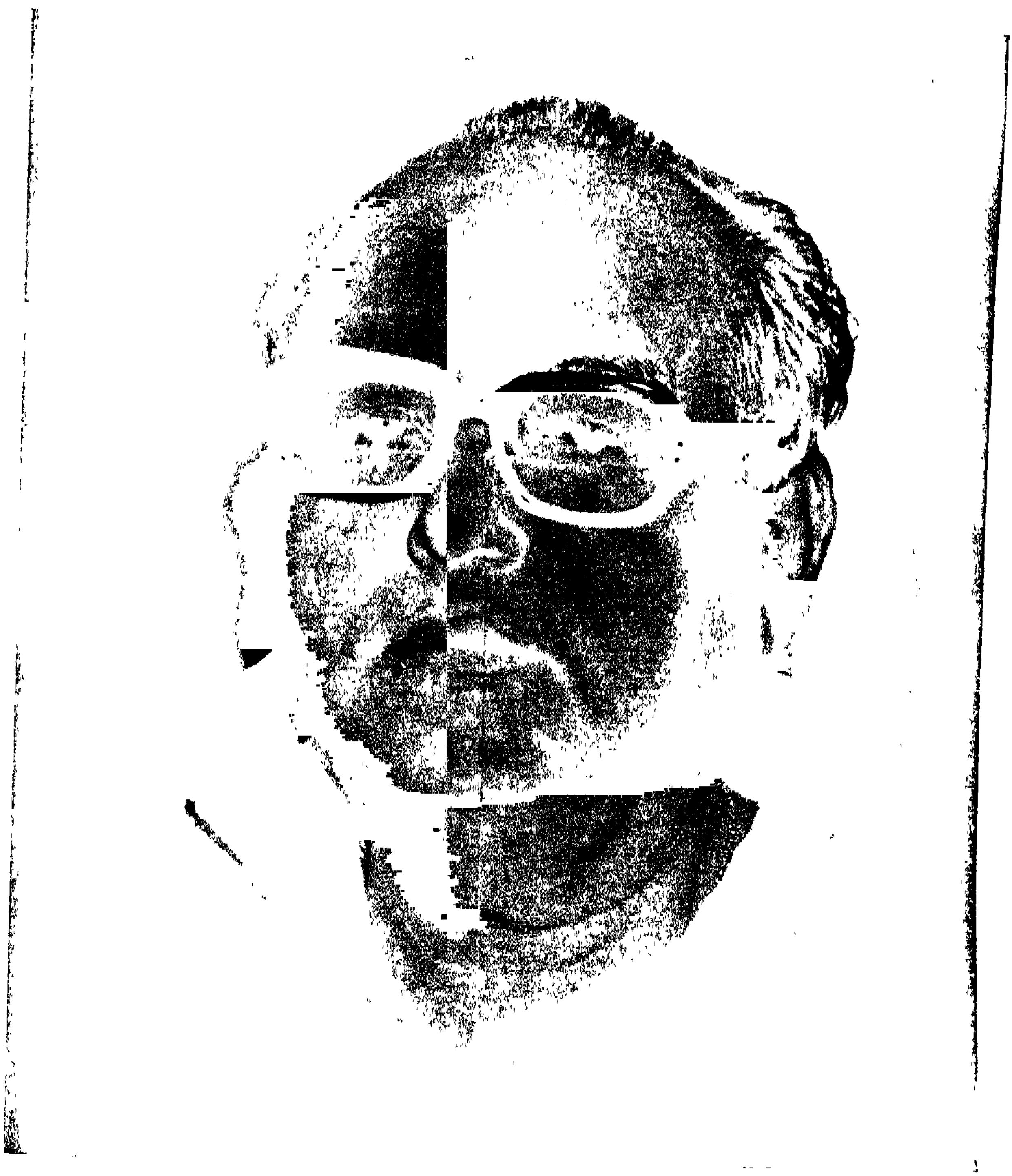
قومی راج

۲۵ جون ۱۹۸۵ء

25/6/85

Vol - 12
No - 12





شری وسنت راؤ پاٹل چار مرتبہ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ کے عہدہ پر فائز ہوئے ۔ آپ ایک تجربہ کار مجاہد آزادی ہیں ۔ آپ نے امداد باہمی تحریک کو فروغ دینے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے آپ کے دل میں ہمیشہ ہی عام انسانوں سے محبت و اُلفت رہی اور آپ نے ہمیشہ ہی غریب طبقوں کو انصاف دلانے کے لئے کوششیں کیں ۔ آپ نے مہاراشٹر کو ماہرین صنعت و حرفت کی سرزمین میں تبدیل کرنے کیلئے ۸۰ - غیر گرانٹ پالی ٹیکنک اور انجینیرنگ کالج کھولے ۔ آپنے بارہویں جماعت تک لڑکیوں کیلئے مفت تعلیم [illegible]

جلد ۱۲ — ۲۵ جون ۱۹۸۵ء — شمارہ ۱۲



وزیرِ اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر اپنے عہدے کا حلف لینے کے بعد سیدھے منترالیہ تشریف لائے جہاں آپ نے چھترپتی شیواجی مہاراج کی تصویر کی گلپوشی کی۔ تصویر میں موصوف چھترپتی شیواجی مہاراج کو خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

قومی راج

اردو، ہندی، مراٹھی، گجراتی، سندھی اور انگریزی
چھ زبانوں میں شائع ہونے والا پندرہ روزہ
ہر ماہ کی ۱۰ ار اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

زرِ سالانہ: دس روپے — قیمت فی کاپی: پچاس پیسے

اس شمارے میں

صفحہ نمبر

چیف ایڈیٹر :- ایس۔ کے۔ سگنے
ایڈیٹر :- فیروزہ فیاض خان

ترسیلِ زر و مراسلت کا پتہ:
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
گورنمنٹ آف مہاراشٹر۔ منترالیہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

مختلف دیہی اور شہری اسکیموں کو فوقیت دیٔ



وزیر اعلیٰ کا پالیسی بیان

مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نلنگیکر ۱۵ر جون کو ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر عوام کے نام خطاب کے دوران حکومت کی پالیسی کے بارے میں نئے فیصلوں کا انکشاف کرتے ہوئے فرمایا کہ دیہی اور شہری اسکیموں کو فوقیت دی جائے گی جیسے آدھا کلو گرام جوار یا باجرہ یومیہ ضمانت روزگار اسکیم کے تحت مزدوروں کو ان کی موجودہ روزانہ مزدوری کے ساتھ دیا جائے گا۔ ۲۰،۰۰۰ ہزار دیہاتیوں میں پینے کا پانی فراہم کیا جائے گا۔ ماحول کی گھٹن کو کم کرنے کے لئے بمبئی کے باہر صنعتی بستیاں آباد کی جائینگی تاکہ بمبئی کے باہر روزگار کے زیادہ مواقع فراہم ہوں۔ اور شہر پر بڑھنے والے موجودہ دباؤ کو کم کرنے میں مدد ملے، بمبئی عظمیٰ کی پانی فراہمی میں اضافہ کیا جائے گا علیحدہ ماحولیاتی محکمہ قائم کیا جائے گا۔ بمبئی عظمیٰ میں جھونپڑ پٹی سدھار کے لئے مشاورتی کمیٹی بنائی جائے گی۔ مجاہدین آزادی کی پنشن ۱۵۰ روپے سے بڑھاکر ۲۵۰ روپے کردی جائے گی۔ مختلف جاتیوں کے درمیان شادی بیاہ کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے ایسے جوڑوں کو موجودہ ایک ہزار روپے کی امدادی رقم کی بجائے آئندہ جولائی سے ۵ ہزار روپے کی رقم دی جائے گی۔ وزیر اعلیٰ نے ایک صاف ستھرا اور مؤثر انتظامیہ دینے کا بھی وعدہ دیا۔

وزیر اعلیٰ کے پالیسی بیان کا متن حسب ذیل ہے :۔

دوستو!

وزیر اعلیٰ کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد میں پہلی مرتبہ آپ لوگوں سے مخاطب

مہاراشٹر ایک ترقی پذیر ریاست ہے جو کہ ترقیاتی کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہی ہے میں شکر گذار ہوں کہ مجھے وزیراعلیٰ بننے کا موقع مِلا۔ مجھے معلوم ہے کہ مجھ پر کافی ذمہ داریاں عائد ہیں اس عہدہ کی ایک عظیم روایت ہے۔

" یہ ریاست عام آدمیوں کی بہبود کے لئے سرگرداں رہے گی اور بھارت سیموکیت مہاراشٹر کے ذریعے مضبوط اور مستحکم بنے گا " یہ مہاراشٹر کے پہلے وزیراعلیٰ شری یشونت راؤ چوان کے الفاظ تھے جو کہ جدید مہاراشٹر کے معمار تھے۔ جو انہوں نے مہاراشٹر کی تشکیل کے موقع پر کہے۔ ریاست پچھلے ۲۵ برسوں میں ترقی کی جانب گامزن ہے اور میں ریاست کے عوام کو یقین دِلاتا ہوں کہ دن دونی رات چوگنی اس ترقی کی رفتار میں اِضافہ ہوتا رہے گا۔

اِمسال ریاستِ مہاراشٹر کا جشنِ سیمیں منایا جارہا ہے۔ میری حکومت کی یہی کوشش ہوگی کہ جتنی ترقی کرلی گئی ہے اس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس کام کو بڑھاوا دیا جائے۔

اِس ملک کے عوام نے ہمارے نوجوان رہنما وزیراعظم شری راجیو گاندھی کی لیڈری کو قبول کرلیا ہے اور ہماری پارٹی کو اکثریت عطا کی ہے۔ مہاراشٹر کے عوام نے بھی ہماری پارٹی کے نمائندوں کو چُنا اور ان پر اپنا بھروسہ ظاہر کیا۔ ہماری پارٹی نے اِنتخابات کے لئے جس منشور کا اعلان کیا تھا اس کا خاص مقصد یہی تھا کہ ترقیاتی کاموں کا زیادہ تر فائدہ عام انسانوں کو ملے۔ میری حکومت بھی اس بات کو مدِنظر رکھ کر کام کرے گی۔ اِس موقع پر مجاہدینِ آزادی کو بھلایا نہیں جاسکتا ہے۔ جنہوں نے جدوجہد کرکے ہمارے لئے آزادی دِلائی اور آج ہم اس آزادی کے پھل کا فائدہ اٹھارہے ہیں۔ ریاستی حکومت نے یکم جولائی سے مجاہدینِ آزادی کی ماہانہ پنشن کو ۱۵۰ روپے سے بڑھاکر ۲۵۰ روپے کردیا ہے۔

حکومت نے اِس بات کی یقین دہانی کی ہے کہ کسانوں کی حوصلہ افزائی کے تحت کسانوں کو دیئے گئے قرضہ جات کے سُود کی شرح میں تخفیف کی جائے گی۔ لہٰذا اس بات کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ کوآپریٹو بینکوں کے ذریعہ فراہم کردہ قرضہ جات پر ۶ فیصد سے زائد سُود کی رقم کو سرکاری سبسیڈی مانا جائے گا۔

ریاستِ مہاراشٹر نے حال ہی میں ساتویں پنج سالہ منصوبہ کے لئے ۵۰۰۰۱ کروڑ رُوپے کے رقم کی منظوری دے دی ہے۔ ۸۶-۱۹۸۵ء کے سالانہ منصوبہ کے لئے ۰۰۷۱ کروڑ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے۔ علاقائی عدم توازن کو کم کرنے کے لئے ۵۰۰۱ کروڑ روپے کی رقم محفوظ کردی گئی ہے۔ جس میں ۷۰۰۲ کروڑ روپے ۸۶-۱۹۸۵ء میں خرچ کئے جائیں گے۔

ڈانڈیکر کمیٹی جو کہ اسی کام کے لئے تشکیل دی گئی ہے اس بات کا جائزہ لے گی کہ ساتویں پنج سالہ منصوبہ کے دوران سوائے سڑکوں اور آبپاشی کے علاقائی عدم توازن کو مکمل طور پر ختم کردیا جائے جبکہ آبپاشی اور سڑکوں کے عدم توازن کو ساتویں اور آٹھویں پنج سالہ منصوبوں کے دوران مکمل طور پر پُر کردیا جائے گا اور تمام رقم ان علاقوں پر خرچ کی جائے گی جہاں کہ عدم توازن برقرار ہے۔

مہاراشٹر کے کسانوں کے لئے قحط سالی یا خشک سالی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ زراعتی پیداوار بڑھانے کے لئے اور کسانوں کی زندگی میں استحکام لانے کے لئے حکومتِ مہاراشٹر نے

مرکز سے وقتاً فوقتاً یہ سفارش کی ہے کہ وہ "فصل بیمہ اسکیم" کو رائج کرے۔ اسی سفارش کے نتیجہ میں مرکز نے جوار اور باجرہ کی فصلوں کے لئے فصل بیمہ اسکیم کی شروعات کر دی ہے۔ اس کے باوجود میری حکومت مرکز سے اس بات کی پُرزور سفارش کرے گی کہ کپاس کو جو ودربھ میں پیدا ہوتی ہے۔ نقد فصل میں شامل کرے، یہ فصل قدرت کی مہربانیوں پر منحصر ہوتی ہے۔ مراٹھواڑہ، اور خاندیش میں یہ فصل ۲۵ تا ۲۶ لاکھ ہیکٹر رقبہ پر ہوتی ہے۔

اِس بات کی پوری پوری کوشش کی جائے گی کہ کسانوں کو اس بات کے لئے راغب کیا جائے کہ وہ مخلوط بیجوں کا اِستعمال کریں۔ اسی طرح کیڑے مار دواؤں کو بڑے پیمانے پر استعمال کرنے کی بھی حتی الامکان کوشش کی جائے گی۔

ریاست میں دیہاتوں کو برقانے کے پروگرام کو تیزی کے ساتھ رُوبہ عمل لایا جائے گا۔ ۳۹۶۶۱ گاؤں میں سے ۴۳۰۰ گاؤں کو اب بھی برقیانہ باقی ہے۔ میری حکومت نے یہ مصمم اِرادہ کرلیا ہے کہ وہ ساتویں پنج سالہ منصوبہ میں ان بقیہ گاؤں کو بھی بجلی کی روشنی سے پُرنور کر دے گی۔ ایسے تھوڑے سے گاؤں ہیں جہاں بجلی پہنچی ہے۔ لیکن ان گاؤں کی ہریجن گریجن بستیوں میں اب بھی بجلی نہیں ہے۔ اِس سال کے اواخر تک ان بستیوں میں بجلی فراہم کر دی جائے گی۔

فی الحال ۹،۳۵،۰۰۰ زراعتی پمپوں کو بجلی فراہم کی جا رہی ہے۔ ان پمپوں کے لئے بجلی کی فراہمی کا بہت زیادہ مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ تقریباً ۱۰،۰۰۰ کسانوں نے بجلی کی سپلائی کے لئے رقموں کی ادائیگی کر دی ہے۔ جون ۱۹۸۶ء کے اواخر تک ان کسانوں کو بجلی کی سپلائی کر دی جائے گی تاکہ ان کے زراعتی پمپ بجلی سے چلنے لگیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ۸۷۷ میگاواٹ مزید توانائی کی ضرورت ہوگی تاکہ موجودہ یا در سپلائی کی حالت کو برقرار رکھا جائے۔

مختلف پروجیکٹوں کے لئے زمینوں کے حصول کے معاملات متعین کردہ مدّت میں مکمل کئے جانے والے پروگراموں کی تکمیل کے لئے فوری طور پر طے کر دیئے جائیں گے اور متعلقہ کسانوں کو اس جشنِ سیمیں سال کے دوران معاوضہ جات کی ادائیگیاں بھی کر دی جائے گی۔

تمام وسطی اور چھوٹے آب پاشی کے پروجیکٹوں کی تکمیل، اولیت کی بنیاد پر کی جائے گی تاکہ دیہی عوام ان پروجیکٹوں سے فوری طور پر مستفید ہوسکیں۔

ضمانت روزگار اسکیم کے تحت کام کرنے والے مزدوروں کو ۲۵ پیسے کی بجائے آدھا کلو جوار یا باجرہ فی یوم دیا جائے گا جو ان کی اجرت کے علاوہ ہوگا اور یہ اگست کرانتی دن یعنی ۹ اگست ۱۹۸۵ء سے شروع کر دیا جائے گا۔

باز آبادکاری کے کاموں کو اور آسان بنایا جائے گا تاکہ متاثرافراد کی باز آبادکاری بہ سرعت انجام پاسکے۔

مہاراشٹر کے دیہی علاقوں میں پینے کے پانی کا ہمیشہ ہی ایک مسئلہ رہا ہے۔ پچھلے کئی سالوں کی کوششوں کے باوجود یہ مسئلہ ہنوز حل طلب ہے۔ اب جبکہ بارش کی شروعات ہوچکی ہے۔ پینے کے پانی کا مسئلہ عارضی طور پر حل ہوچکا ہے۔ لیکن ماضی میں یہ تجربہ رہا ہے کہ اس مسئلہ کے حل کے لئے ایک مستقل راستہ اپنانا ہوگا۔ ساتویں پنج سالہ منصوبہ کے دوران ۲۰،۰۰۰ گاؤں کو کسی نہ کسی طرح سے پانی فراہم کیا جائے گا۔ اِس مقصد کے لئے معمولی کنوئیں، ٹیوب ویل،

پائپ واٹر اسکیم وغیرہ طریقے اپنائے جائیں گے۔ پالیسی میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں کی جاتی رہیں گی۔ میری حکومت اس بات کا خصوصی طور پر خیال رکھے گی کہ پانی کی فراہمی کے وقت ہریجن، اور گریجن بستیوں کو اوّلیت حاصل ہو۔

فی الحال، ریاست کے بعض گاؤں میں پانی کثیر مقدار میں دستیاب ہے۔ ایسے گاؤں میں جہاں پانی اچھی مقدار میں موجود ہے۔ الیکٹرک پمپ لگا کر پانی کی فراہمی کا انتظام کیا جائے گا۔ اور اس طرح چھوٹی پانی سپلائی اسکیموں کو روبہ عمل لایا جائے گا۔ ایسے علاقوں میں جہاں پانی کی فراہمی کی اسکیمیں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہیں لیکن اب وہاں پانی اتنی کثیر مقدار میں نہیں ہے اس کے لئے متبادل انتظام کیا جائے گا۔

بمبئی عظمیٰ میں پانی کی سپلائی کے کام کا دوسرا دَور پوری طرح عالمی بینک کی مدد سے جاری ہے اور یہ کام ۱۹۸۷ء تک پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ اس کام کی تکمیل کے بعد بمبئی عظمیٰ، کو روزانہ ۱۰۰ ملین گیلن مزید پانی کی سپلائی کی جائے گی۔

اسکیم کے تیسرے دور کے لئے ۴۰۰ کروڑ روپے کے صرفہ کا اندازہ ہے۔ اس لحاظ سے ہم عالمی بینک سے یہ سفارش کریں گے کہ وہ ساتویں پنج سالہ منصوبہ میں اس دَور کو اپنے ہاتھوں میں لے لے۔ تھانے، بھیونڈی، کلیان، ڈومبیولی، امبرناتھ اور الہاس نگر اور ۱۰۴ اطراف و اکناف کے گاؤں میں پانی کے معاملات کو سدھارنے کے لئے ۱۶۲ کروڑ روپے کی اسکیم فی الحال رائج العمل ہے اور اسے ۱۹۸۶ء تک مکمل کر دیا جائے گا۔ اس اسکیم کی تکمیل کے بعد فی یوم ۹۰ ملین گیلن پانی شہریوں کو دستیاب ہو سکے گا۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسکیم کے دوسرے دَور کو اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ اس اسکیم کے لئے ۳۱۳ کروڑ روپے کے صرفہ کا اندازہ ہے۔ اس کام کو ساتویں پنج سالہ منصوبہ کے دوران ہاتھوں میں لیا جائے گا۔

ترقیاتی اسکیموں کے حصول کے ساتھ ساتھ یہ بات خیال میں رکھی جائے گی کہ علاقائی نابرابری نہ ہونے پائے۔ اس مقصد کے لئے حکومتِ مہاراشٹر نے محکمۂ ماحولیات قائم کیا ہے۔ اس محکمہ کی طرف سے حتی الامکان کوشش کی جائے گی کہ فضائی و آبی آلودگی کو مکمل قابو میں رکھا جائے۔ یہ محکمہ ایسے اقدامات کرے گا جس سے بمبئی اور اطراف و اکناف کے علاقوں میں صنعتی آلودگی کو مکمل قابو میں رکھا جائے گا۔

حکومت نے بمبئی عظمیٰ میں تحویل میں لی گئی عمارتوں پر کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کو اونرشپ کا حق گرانٹ کرنے کی اسکیم کو منظوری دے دی ہے اور اس سلسلے میں ریاستی لیجسلیچر کے متوقع اجلاس میں ایک بل پیش کیا جائے گا۔

بمبئی عظمیٰ کے ہر اسمبلی کے حلقہ جات میں ایک سلم صلاح کار کمیٹی کا تقرر کیا جائے گا۔ عالمی بینک کی مدد سے شہر کے لئے ایک سلم امپرومنٹ اسکیم رائج کی جائے گی۔ ساتویں پنج سالہ پلان کی مدت کے دوران ایک لاکھ سلم باسیوں کے جھونپڑوں کو مکانات میں تبدیل کرنے کے لئے امداد بہم پہنچائی جائے گی۔ اس پروگرام کے تحت بمبئی عظمیٰ کے ۲۰۰۰۰ خاندانوں کو اونرشپ کا حق عطا کیا جائے گا۔

میری حکومت صنعتی طور سے پس ماندہ علاقوں میں صنعتوں کی فروغ کا کام جاری رکھے گی۔

بعد ازاں مہاراشٹر انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کی ایجنسی کے ذریعہ تعلقہ اور دیگر اہم مقامات پر سمال انڈسٹریل اسٹیٹ قائم کئے جائیں گے۔ جس سے ان علاقوں میں ملازمت کے مواقع فراہم ہوں گے۔ محصولی ڈیویژنوں میں انڈسٹریل اسٹیٹ کے ایسے کچھ ترقی کے کام جلد ہی شروع کئے جائیں گے۔

بمبئی کے باہر انڈسٹریل اسٹیٹ قائم کئے جائیں گے۔ ایسے علاقوں میں صنعتوں کے فروغ سے علاقائی افراد کو روزگار کے مواقع فراہم ہوں گے اور بمبئی کی جانب سے آنے والوں کا رُخ موڑا جا سکے گا۔

مہاراشٹر صنعتی میدان میں ہمیشہ سرِفہرست رہا ہے۔ جدید زمانہ الیکٹرونکس انڈسٹریز کے فروغ کا ہے۔ میری حکومت اگلے ۵-۶ سالوں میں ۳۰۰۰ کروڑ الیکٹرونکس مصنوعات کی پیداوار کا نشانہ پورا کرنے کی بھرپور کوشش کرے گی۔ مرکز نے حال ہی میں نئی ٹیکسٹائل پالیسی کا اعلان کیا ہے جس سے توقع ہے کہ وہ ٹیکسٹائل پاور لومس ہینڈ انڈسٹری کو درپیش مسائل میں معاون ثابت ہوگی۔ اس پالیسی کے مفید اثرات کپڑوں کی صنعتوں، بیمار ملوں، پاور لوموں، ہینڈ لوموں پر ہوں گے اور اس میں مزدوروں کے مفاد پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ میری حکومت اس سلسلے میں مناسب اقدامات کرے گی۔

دیہی علاقوں میں جدید ٹیکنالوجی کی سہولتیں بہم پہنچانے اور ملک کے دیگر حصّوں میں ہوئی ترقی سے انہیں آشکار کرنے کی غرض سے مرکز نے دیگر ریاستوں کے ساتھ مہاراشٹر میں دُوردرشن کیندر جاری کئے ہیں۔ ریاست کے ۷۰۰۰ دیہات ان کیندروں سے فیضیاب ہوں گے۔ ان علاقوں میں ٹیلی پرنٹ ٹیلی ویژن سیٹس نصب کرنے کی ایک اسکیم پر ریاستی حکومت عمل آوری کر رہی ہے۔ میری حکومت سلور جوبلی سال میں ایسے دیہاتوں میں رنگین اور بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی سیٹس نصب کرے گی۔

مُفت قانونی اسکیم کے تحت عوامی عدالتیں، عدالتوں میں زیرِ التواء مقدمات کی فوری طور پر تصفیہ کی غرض سے قائم کی جائیں گی جس سے شہریوں کو راحت ملے گی۔ یہ عوامی عدالتیں ضلع کی براہِ راست نگرانی میں اپنے فرائض انجام دیں گی۔ ایسی عوامی عدالتوں کا اہتمام لیگل ایڈ اینڈ ایڈوائزری کمیٹی، دی اسوسی ایشن آف لیگل بار ایسوسی ایشن اور رضاکارانہ تنظیمیں کریں گی۔

سماجی مساوات قومی یکجہتی اور نوجوانوں میں ذات پات کی تفریق مٹانے کے لئے مختلف جاتیوں کے درمیان شادیوں کی ہمت افزائی کرنے کی غرض سے یکم جولائی ۱۹۸۵ء سے ترغیبی رقم ۱۰۰۰ روپے سے بڑھاکر ۵۰۰۰ روپے دی جائے گی۔

حکومت نے حال ہی میں ریاست میں تمام سرکاری دفتروں میں "پانچ دنوں کا ہفتہ" کا اعلان کیا ہے۔ جس سے سرکاری عملہ کی انتظامی صلاحیتوں میں اضافہ ہوگا۔ حکومتِ مہاراشٹر کے ملازمین ترقیاتی کاموں میں ہمیشہ سرگرمی کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ ان کا یہ جذبہ مستقبل میں بھی برقرار رہے گا۔

ملازمتوں کے مسائل کے لئے سرکاری ملازمین کی تکالیف کو کم کرنے کے لئے ایک ایڈمنسٹریٹیو ٹریبونل قائم کیا جائے گا جس میں ریاستی سرکاری ملازمین کی محکمہ جاتی چھان بین کے معاملوں کو ایک سال

میں طے کیا جائے گا۔

ہماری ریاست نے نظم ونسق کے معاملے میں سارے ملک میں اول مقام حاصل کیا ہے۔ حکومت فرقہ وارانہ سرگرمیوں کی سختی سے نگرانی کرے گی۔ پولس عملہ کے لئے مکانات کی تعمیر اور پولس فورس کو جدید طریقوں سے مسلح کیا جائے گا۔

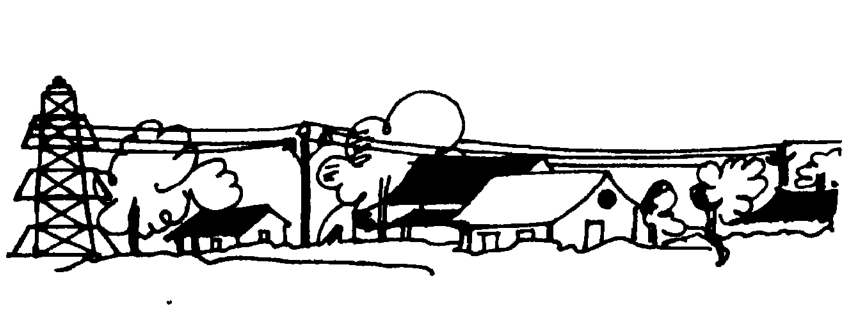
حکومت نے انتظامیہ میں صرف مناسب تبدیلیاں کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تاکہ عوام کو ایک صاف ستھرا انتظامیہ مہیا کیا جاسکے اور میری حکومت نے سرکاری انتظامیہ سے رشوت خوری کا جڑ سے خاتمہ کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔ ہم نے چھترپتی شیواجی مہاراج کے دور کی انتظامیہ کو مشعل راہ بناتے ہوئے اس پر عمل کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ تاکہ سماج کے کمزور طبقات کے معیار زندگی میں بہتری لائی جاسکے۔

ہم ۲۱ ویں صدی کے دور میں داخل ہو رہے ہیں اور ہمیں ۲۱ ویں صدی کے چیلنج کا سامنا کرتے ہوئے اپنے آپ کو بہترین طور سے منظم کرنا ہوگا۔ میری حکومت ڈیولپمنٹ مشینری جو کہ اب تک اچھی اور بہترین ڈھنگ سے اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے۔ اس میں مزید نکھار لائے گی۔ عوام کی جانب سے دلی تعاون حاصل ہونے پر مہاراشٹر نے گزشتہ ۲۵ سالوں میں شاندار ترقی کی ہے۔

میری ریاست کے عوام سے اپیل ہے کہ وہ ریاست کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرنے میں حکومت کو اپنا بھرپور تعاون دینا جاری رکھیں۔

جے ہند، جے مہاراشٹر

★ ★ ★



مہاراشٹر کی کابینہ میں وزراء کے نئے قلمدان

شری وسنت راؤ پاٹل کی وزارت کے پانچ سینیئر وزراء کے محکموں میں شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر کی وزارت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ۔ شری سوشیل کمار شندے جن کے پاس سابقہ وزارت میں مالیات و منصوبہ بندی کے محکمے تھے ، کے پاس ان محکموں کے علاوہ نیا تشکیل شدہ محکمۂ ماحولیات دیا گیا ۔

۱۱ر کابینی وزراء اور ۱۳ر وزرائے مملکت ، کے محکمہ جات کا اعلان وزیر اعلیٰ شری نیلنگیکر نے ۶ر جون کو بمبئی میں کابینہ کی میٹنگ کے بعد پریس کانفرنس میں کیا ۔

سابقہ کابینہ میں شری ابھے سنگھ راجے بھوسلے ، وزیر مملکت برائے امورِ داخلہ تھے لیکن موجودہ کابینہ میں ان سے یہ محکمہ لے کر شری ٹی مہاجن کو دے دیا گیا ہے اور انہیں صرف عمومی انتظامیہ اور رفاہِ عامہ کے محکمے دیئے گئے ہیں ۔

سابقہ کابینہ کے پانچ سینیئر وزراء شری سوشیل کمار شندے ، شری سدھاکر راؤ نائک ، شری این ایم ترپڑے ، شری بھائی ساونت اور ڈاکٹر ڈی سبرامنیم کے پاس ان کے سابقہ محکمے ہی ہیں ۔ پروفیسر شری رام میگھے کو وزیر تعلیم مقرر کیا گیا ہے ۔ جبکہ پروفیسر شری جاوید خان کو محکمۂ تعلیم کا وزیر مملکت بنا دیا گیا ہے ۔

وزراء کے محکموں کی تفصیلات حسب ذیل ہیں ....

(۱) :۔ وزیر اعلیٰ
شری شیواجی راؤ پاٹل نلنگیکر :۔
عمومی انتظامیہ ، داخلہ ، جیل ، شہری ترقیات ، شہری املاک کی حد بندی ، اطلاعات و رابطۂ عامہ ، قانون اور عدلیہ ، پروٹوکول اور دیگر محکمے جو دوسرے کسی وزیر کے پاس نہ ہوں ۔

(۲) شری جواہر لال دردا :۔
توانائی ، سیاحت ، ثقافتی امور نشہ بندی و محصول ۔

(۳) شری شیواجی راؤ دیشمکھ :۔
آبپاشی ، غذا و شہری رسد

(۴) پروفیسر شری رام میگھے :۔
تعلیم ، تکنیکی تعلیم ، اور روزگار ۔

(۵) شری وجے سنگھ موہیتے پاٹل :۔
زراعت، چھاؤنی کے علاقوں کی
ترقی، بازآبادکاری، کھیل کود، اور
یوتھ ویلفیئر،

(۶) شری سروپ سنگھ نائیک :۔
جنگلات، معاشی
درخت کاری اور ادیباسی فلاح وبہبود۔

(۷) شری سدھاکر نائیک :۔
صنعت، محصول اور سماجی بہبود،

(۸) شری بھائی ساونت :۔
صحتِ عامہ، طبی تعلیم، خاندانی
فلاح وبہبود، ضمانت روزگار اسکیم،
بندرگاہ، ماہی گیری اور کھار اراضی،

(۹) شری سوشیل کمار شندے :۔
مالیات، منصوبہ بندی، ماحولیات،

(۱۰) ڈاکٹر شری وی سبرامنین :۔
ہاؤسنگ، سلم امپرومنٹ،
اور مکانوں کی مرمت۔

(۱۱) شری اننت راؤ تھوپٹے :۔
نقل وحمل، ڈیری ترقیات، اور
افزائش نسلِ مویشیان

(۱۲) شری نریندر ترڑکے :۔
امدادِ باہمی، محنت اور قانون
ساز امور

وزرائے مملکت :۔

(۱) شری ابھئے سنگھ راجے بھوسلے
جنرل ایڈمنسٹریشن، اور
رفاہِ عامہ۔

(۲) شریمتی سیلین ڈی سلوا :۔
مالیات، منصوبہ بندی اور
سیاحت۔

(۳) شریمتی وسنتی دیش بھرتار :۔
جنگلات، معاشی درخت
کاری، سماجی فلاح وبہبود اور قانون
ساز امور۔

(۴) شری واسو راؤ گڈھوار :۔
دیہی ترقیات، ٹرانسپورٹ،
اور خصوصی امداد

(۵) پروفیسر شری جاوید خان :۔
تعلیم، اوقاف، اور
مہمان نوازی،

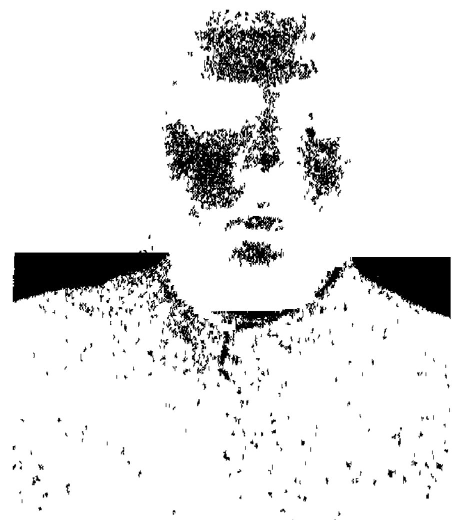
(۶) شری گنگا دھر کنتورکر :۔
بازآبادکاری، آبپاشی، اور
چھاؤنی کے علاقوں کی ترقیات

(۷) شری جے ٹی مہاجن :۔
داخلہ، جیل، صنعت، اور
قانون ساز امور

(۸) شری مانک راؤ پالوڈکر :۔
امدادِ باہمی اور محصول

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

مہاراشٹر کی نئی کابینہ



شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر وزیر اعلیٰ



شری جواہر لال دردا



شری شیواجی راؤ دیشمکھ



شری وجے سنگھ موہتے



شری رام میگھے



شری سدھاکر راؤ نائیک



شری سروپ سنگھ نائیک



شری بھالچندر اننت ر



شری سوشیل کمار شندے

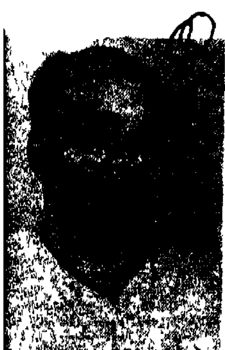
توی راج



ڈاکٹر دی سبرامنیم



سری آننت راؤ تھوپٹے



شری نر ...ندر

وزرائے مملکت



...یپے سینہ راجے ...



شریمتی کیلن ڈی سلوا



شریمتی ومنتی دیش مہرتا



...ن وامن راو اڈودا



پروفیسر جاوید خاں



شری ... کنتوکر



جے۔ ٹی مہاجن



شری مانک راؤ پالوڈکر



شری نکل پنڈلک پاٹل



شری رام چندر پاٹل



شری مادھوکر راؤ پیچڈ



شریمتی رجنی ساتو



ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی

****

صفحہ ۹ سے آگے

(۹) شری نکول پاٹل :-
غذا، شہری رسد، باغبانی
یوتھ ویلفیئر، کھیل کود، اور محنت،

(۱۰) شری رام چندر پاٹل :-
قانون و عدلیہ، تکنیکی تعلیم،
توانائی - نشہ بندی،
اور ایکسائز،

(۱۱) شری مدھوکر راؤ پیچڈ :-
زراعت، ضمانت روزگار
اسکیم، ادیباسی فلاح وبہبود، ڈیری
ڈیولپمنٹ، اور افزائش نسل مویشیاں

(۱۲) شریمتی رجنی ساتو :-
صحت عامہ، طبی تعلیم،
خاندانی فلاح وبہبود، اور ثقافتی امور،

(۱۳) ڈاکٹر شری رام منوہر ترپاٹھی :-
شہری ترقیات، اطلاعات
و رابطہ عامہ، ماحولیات، سلم
امپرومنٹ، ہاؤسنگ، مکانوں کی مرمت
و از سرنو تعمیر،

وزراء کا تعارف

...ی شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر

وزیر اعلیٰ

...شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر ضلع لاتور میں
مقام پر ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے
...سٹی سے ایم اے، ایل ایل بی کے امتحانات
...پ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کاشت کار کی
...کیا۔ بعد ازاں آپ نے وکالت شروع کی۔ آپ
...ری، انگریزی اور اردو زبانیں جانتے ہیں۔ آپ
...ت سیاست سے متعلق کتابیں پڑھنے میں
...تے ہیں۔

... نیلنگیکر نے حیدرآباد کی جدوجہد آزادی
...ہ حصہ لیا تھا۔ آپ مراٹھواڑہ یونیورسٹی سینٹ
...سے ممبر رہے ہیں۔ آپ لاتور میں جواہر اسپننگ
...ی کوآپریٹیو شوگر فیکٹری کے فاؤنڈر ممبر رہے
...ں آپ نے ان کمپنیوں کے ڈائرکٹر کی حیثیت
... فرائض انجام دیئے ہیں۔
...ہاراشٹر شکشن سمیتی نیلنگا کے صدر ہیں اور
...ں سمیتی کے زیر اہتمام کالج آف آرٹس کامرس سائنس
...ڈی فارم کے لئے کورس انجینئرنگ کالج
...ے اور پانچ ہائی اسکول چلائے جا رہے ہیں۔
...آپ وزیر مملکت برائے قانون تھے۔ آپ
...آباد میں بمبئی ہائی کورٹ کی ایک بنچ قائم کرنے
...ل ادا کیا ہے۔ آپ عثمان آباد اور لاتور ضلعوں
...ے ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے ہیں۔
...ں ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۷ء تک عثمان آباد ڈسٹرکٹ
...صدر رہ چکے ہیں۔ آپ ۱۹۶۲-۸۰ء تک ریاستی
...ل کے لئے منتخب ہوتے رہے ہیں۔ آپ نے
...رنس کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے بھی
...دیئے ہیں۔ آپ ۱۹۷۴-۷۷ء میں وزیر مملکت
رہے۔ اپریل ۱۹۷۷ء میں آپ کا تقرر وزیر
رفاہ عامہ کی حیثیت سے ہوا۔ انتولے وزارت میں آپ
کے ذمہ ڈیری ترقیات مویشی پالن اور ماہی گیری، اور
ایمپلائمنٹ ٹیکنیکل ایجوکیشن اینڈ ٹریننگ کے قلمدان دیئے
گئے تھے۔ بابا صاحب بھوسلے وزارت میں آپ وزیر
آبپاشی قانون عدلیہ یوتھ ویلفیر ثقافتی امور وغیرہ تھے۔
...ے فروری ۱۹۸۳ء میں شری وسنت راؤ پاٹل کی وزارت
میں آپ کو وزیر آبپاشی اور جی اے ڈی اور قانون و عدلیہ
کا قلمدان سونپا گیا تھا۔

اب شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر کو ریاست
مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

شری رام میگھے

وزیر تعلیم و تکنیکی تعلیم۔
تاریخ پیدائش :- ۸ دسمبر ۱۹۲۸ء
تعلیم :- ایم-کام

زمانۂ طالب علمی میں، آپ ناگپور یونیورسٹی کے
طلباء کی یونین کو لیڈ کرنے والے، آپ مہاراشٹر پردیش
یوتھ کانگریس کے سکریٹری اور صدر تھے۔ گاندھی جی کی
سوسالہ سالگرہ کے موقعہ پر آپ یو۔ ایس۔ ایس۔ آر جانے
والے ہندوستانی ڈیلی گیشن کے لیڈر تھے۔ آپ تعلیم کے
پروفیسر کی حیثیت سے کام کر چکے ہیں۔ آپ کا تعلق کئی
سماجی اور بہبودی عوام کے لئے کام کرنے والی ایسوسی ایشنوں
سے رہ چکا ہے۔ آپ ودربھ یوتھ ویلفیر سوسائٹی کے
چیئرمین، مہاراشٹر ہریجن سنگھ کے ممبر اور امراؤتی شہری
ترقیاتی کمیٹی کے چیئرمین رہ چکے ہیں۔ واڈ ٹیسرا ٹیکسٹائل مل کے
قومیائے جانے کے سلسلے میں، جس کا تعلق ضلع کے صنعتی
مسئلے سے تھا۔ آپ نے نہایت اہم رول ادا کیا۔ ۱۹۶۸ء
سے ۱۹۸۰ء تک کونسل کے ممبر رہے۔ ۱۹۸۰ء میں
مہاراشٹر قانون ساز کونسل کے اپوزیشن لیڈر تھے۔

شریمتی دمینتی دیش بھرتار

وزیر مملکت برائے جنگلات،
جنگل کاری، سماجی بہبود،
امور قانون سازی

پیدائش :- ۲۱ مئی ۱۹۳۵ء بمقام ناگپور
تعلیم :- ایم۔ اے۔

گذشتہ ۳ دہے سے ہریجن اور پس ماندہ درجات سے تعلق رکھنے والی مستورات کی برتری کے لئے جدوجہد میں پیش پیش۔ علاقہ ودربھ کے مہیلا (خواتین کی) کانگریس (آئی) کی سکریٹری۔ مزدوروں کی ویلفیئر کمیٹی کی سابق ممبر، ناگپور میونسپلٹی کی سابق ممبر، ودربھ ہاؤسنگ اور ڈیولپمنٹ بورڈ کی ممبر۔

بلحاظ پیشہ ایک وکیل، ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی ہیں یوتھ کانگریس کے جنرل سکریٹری تھے۔ کٹ گاؤں یوتھ کانگریس کے ۵ سال تک سکریٹری تھے۔ احمد پور تعلقہ کانگریس کے ۱۰ سال تک سکریٹری رہے۔ ضلع پریشد کی صحت اور پبلک ورکس کمیٹی کے ایک سال کے لئے صدر، پلاننگ اور ڈیولپمنٹ کمیٹی کے ممبر، نرادھار سمیتی کی کو۔آرڈی نیشن کمیٹی کے چیئرمین رہے۔

شری مدھوکر پیچڈ

وزیر مملکت برائے زراعت،
ضمانت روزگار اسکیم،
قبائلی بہبود، ڈیری ترقیات
اور مویشی پالن۔

پیدائش :- یکم جون ۱۹۴۱ء زراعت پیشہ
تعلیم :- بی۔ اے۔

کھیل کود سے گہری دلچسپی، اکولہ تعلقہ کے ادیباسیوں کے چہار طرف ترقی کے لئے کام کرتے رہے۔ دودھ پروڈیوسرز کی تنظیم کے چیئرمین، احمد نگر ڈسٹرکٹ مرکزی کوآپریٹیو بینک کے ڈائرکٹر، مہاراشٹر اسٹیٹ ادیباسی ڈیولپمنٹ بورڈ کے ڈائرکٹر، سات سال تک اکولہ تعلقہ پنچایت سمیتی کے چیئرمین، احمد نگر ضلع پریشد کے ممبر، اور مہاراشٹر قانون ساز اسمبلی کے ۸۰-۱۹۷۹ء سے ممبر ہیں۔

شری گنگادھر راؤ کنتورکر

وزیر مملکت برائے باز آبادکاری،
آب پاشی اور سی اے ڈی اے۔

شری کنتورکر عمر ۴۱ سال، آپ میٹریکولیٹ ہیں۔ آپ بلولی پنچایت سمیتی کے چیئرمین، ناندیڑ ضلع پریشد کے چیئرمین، گوداوری منار کوآپریٹیو شکر کارخانہ کے ڈائرکٹر اور کئی ایک تعلیمی و سماجی اداروں کے ممبر ہیں۔

قومی راج کے بارے میں اپنی رائے ضرور لکھئے اور دوستوں کو خریداری کے لئے توجہ دلائیے۔
(ادارہ)

شری رام چندر پاٹل

وزیر مملکت برائے قانون و عدلیہ
تکنیکی تعلیم، توانائی، شراب بندی
اور ایکسائز ڈیوٹی

فیسر جگن ناتھ آزاد

اِنگلستان جانے کی تیاری

(زیرِ تصنیف کتاب "رُوداد اقبال" کا ایک غیر مطبوعہ باب)

اقبال کے سفرِ انگلستان کے بارے میں ڈاکٹر جاوید اقبال رقم طراز ہیں :-

اقبال کے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری کے اِمتحان مقابلہ میں شریک ہونے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ شروع شروع میں ان کا اعلیٰ تعلیم کے حُصول کی خاطر یورپ جانے کا اِرادہ نہ تھا مگر انہیں سرکاری ملازمت نہ مِل سکی اسی طرح قانون کے امتحان میں بھی ناکامی ہوئی۔ اور ان کے لئے صرف تدریس کا مشغلہ باقی رہ گیا جو بجائے خود کوئی معقول آمدنی کا ذریعہ نہ تھا۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں جب شیخ عبدالقادر یورپ جانے لگے تو اقبال کو بھی تحریک ہوئی۔[1]

اس کے ساتھ ہی وہ لکھتے ہیں :-

"اِسلامی فلسفہ و تصوّف کے کسی موضوع پر ڈاکٹریٹ کرنے کی ترغیب تو ممکن ہے۔ انہیں آرنلڈ نے دی ہو، لیکن بیرسٹری کرنے کا اِرادہ غالباً ان کا اپنا تھا۔"[2]

کسی فلسفیانہ موضوع پر ڈاکٹریٹ کرنے کے بارے میں تو اقبال سنگھ نے بھی "The Ardent Pilgrim" میں یہی لکھا ہے اور قرینِ قیاس بھی یہی ہے لیکن جہاں تک بیرسٹری کا تعلق ہے یہ اِرادہ یقیناً اقبال کا اپنا ہی تھا اور اس کی تصدیق شیخ اعجاز احمد کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

ندہ روڈ"، ڈاکٹر جاوید اقبال۔ صفحہ ۱۰۴، ۱۰۵

؎ "زندہ روڈ" ڈاکٹر جاوید اقبال۔ صفحہ ۱۰۵

قومی راج

بات یہ ہے کہ جب ۱۹۰۳ء میں اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد پر توجہ دی مقدمہ اور اقبال کو اس سلسلے میں خاصی دوڑ دھوپ کرنا پڑی تو مقدمے کے فیصلے کے بعد انہوں نے یہ طے کر لیا کہ مجھے بیرسٹری کے لئے انگلستان جانا چاہیئے۔ اس مقدمے کا ذکر زیرِ نظر کتاب میں شیخ عطا محمد کے بیان میں آ چکا ہے۔

شیخ سر عبدالقادر مرحوم کی ایک نثری تقریر بہ عنوان "طلوعِ اقبال" "مخزن" (لاہور) کے شمارہ نمبر ۲ (اپریل ۱۹۵۰ء) میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں شیخ صاحب نے علامہ اقبال کے سفرِ انگلستان کے ارادے کا تھوڑا سا ذکر کیا ہے۔ وہ اپنے اور اقبال کے ۱۹۰۴ء کے مراسم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اتنے میں مجھے سفرِ انگلستان کی ضرورت پیش آئی۔ میں نے اقبال سے ذکر کیا کہ میں انتظامِ سفر کر رہا ہوں، اور عنقریب جاؤں گا۔ اسی سے اقبال کو بھی تحریک ہوئی کہ وہ بھی وہاں پہنچیں۔ کہنے لگے:

"میں بھی بھائی کو لکھتا ہوں، اگر وہ بندوبست کر سکے تو تمہارے جانے کے بعد ایک سال کے اندر میں بھی وہاں پہنچوں گا۔"

مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی۔ اتفاقِ حسنہ دیکھئے کہ ہم دونوں اپنے اپنے اس ارادے کی تکمیل کر سکے۔ جس سال میں وہاں گیا اس سے ٹھیک ایک سال کے بعد اقبال بھی پہنچے۔ پروفیسر آرنلڈ کی وہاں موجودگی اقبال کے لئے خاص کشش رکھتی تھی۔"[1]

اس موضوع کو مکمل کرتے ہوئے مرزا جلال الدین بیرسٹر اپنے مقالے "میرا اقبال" میں لکھتے ہیں:

لندن میں حصولِ تعلیم کی غرض سے اپنے قیام کے آخری دنوں میں سر عبدالقادر اور میں ایک ہی مکان میں چند دن کے لئے ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان سے جب کبھی وطن اور ابنائے وطن کے متعلق باتیں ہوئیں تو ان کی زبان پر سر محمد اقبال کا تذکرہ ضرور آیا۔ دراصل میرے کان ہندوستان ہی میں ان کے نام سے آشنا ہو چکے تھے۔ "مخزن" میں اکثر ان کی نظمیں شائع ہوا کرتیں۔ ان کے مطالعے سے ان کی طبیعت کے ہیجان

اور طغیان کا پتہ چلتا تھا۔ مگر اس زمانے میں چونکہ بسا ادب پر حالی، شبلی، نذیر احمد وغیرہ کا قبضہ تھا اس لئے اقبال کی شخصیت کچھ ایسی جاذبِ توجہ نہ تھی کہ اس ملنے اور اس کی محبت سے مستفید ہونے کی خواہش پیدا ہ بہر صورت میں حصولِ تعلیم کے بعد جب ہندوستان واپ آیا تو سر عبدالقادر نے لندن سے مجھے ایک خط لکھا ان کے دوست شیخ محمد اقبال بھی انگلستان جانے کا ارا رکھتے ہیں اور انہوں نے ان کو لکھ بھیجا ہے کہ وہ چلنے قبل سفر اور قیامِ انگلستان کے متعلق ضروری معلوما مجھ سے حاصل کر لیں۔ چنانچہ چند دن بعد شمس العلماء مو مختار علی صاحب مرحوم کے ساتھ جو میرے پڑوسی تھے۔ ا میرے مکان پر تشریف لائے اور سید صاحب کے تو سے جو ہم دونوں کے مشترک دوست بھی تھے، ہمارا تعا ہوا۔ یہ میری اور اقبال کی پہلی ملاقات تھی۔"

"اقبال کی عمر اس وقت غالباً تیس۳ کے قریب ہو گی ان کے چہرے کے خدوخال کی موزونیت، ان کے قدوقامت کا تناسب اور ان کے جسم کی ساخت انہی انفرادی خصوصیا کی حامل تھیں۔ جن کی وجہ سے پنجابی ہر جگہ ممیز کئے جاتے ہیں۔ ان کے چہرے پر ایک ایسی بشاشت نظر آتی تھی جو آخر دم تک ان کے ساتھ رہی اور وفات کے بعد بھی ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ چھدری مونچھیں، اور آنکھوں پر الجھے ہو ابرو عین اسی طرح تھے جس طرح میت کے آخری دیدار پر مجھے نظر آئے۔ میری ملاقات کے وقت ان کی روشن، و بشاش آنکھیں صاف ظاہر کرتی تھیں کہ ان کے دن خوش و اور اطمینان میں بسر ہو رہے ہیں۔ ان امور کے علاوہ اقبال کے چہرے یا ان کی حرکات و سکنات سے کوئی ایسی بات مترشح نہ ہوتی تھی جس سے اقبال کے متعلق یہ اندازہ لگا سکتا کہ کوئی دن جاتا ہے اس شخص کے افکار انسانی خیالات کی دنیا میں ہیجان و انقلاب کا موجب ہوں گے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ میرا خیال رہ رہ کر ان کی شاعرانہ حیثیت کی طرف منتقل ہوتا۔"

---

[1] "مخزن" لاہور، شمارہ نمبر ۲۔ اپریل ۱۹۵۰ء

اقات مختصر اور رسمی تھی ۔ بس یُوں سمجھ لیجئے
رہے اور میں جواب دیتا رہا۔۸ یا یوں کہیئے کہ
سنتے رہے اور میں انگلستان کی زندگی کے
کے افسانے سُناتا رہا جو ہمارے نوجوان اس
ئے پر اپنی فتوحات کے سلسلے میں سُنایا کرتے
میں نے مولوی ممتاز علی صاحب مرحوم کی
بال انگلستان روانہ ہوگئے ہیں ۔" ۱

کے سفرِ انگلستان کے دو محرکات تھے ایک
ملڈ کا مشورہ فلسفے میں پی ایچ ڈی کی ڈگری
ان کی اپنی خواہش کریں بیرسٹری کا
کرنی تھی

نلڈ کی یاد میں اقبال کے یہ اشعار جو ایک
درج ہو چکے ہیں کسی قسم کے شک و شبہ
رہنے دیتے کہ وہ طالبِ علم کی خواہش تھی
رسے کیمبرج لے گئی ہے

ے دل کا خورشید آشنا ہونے کو تھا
نہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا
آرزوؤں کا ہرا ہونے کو تھا
کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

ت دامن از گلزارِ من برچید و رفت
ہر غنچہ ہائے آرزو بارید و رفت

اے کلیم ذرہ سینائے علم

تری موجِ نفس بادِ نشاط افزائے علم
وہ شوق رہ پیمائی صحرائے علم
ے دَم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم

لیلیٰ کہ باز آرائشِ سودا کند
مجنوں را غبارِ خاطرِ صحرا کند "

ات اقبال، مرتبہ محمود نظامی، صفحہ ۹۳/۹۴

کھول دیگا دستِ وحشت عقدۂ تقدیر کو،
توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو

دیکھتا ہے دیدۂ حیراں تری تصویر کو
کیا تسلی ہو مگر گردیدۂ تقریر کو

"تابِ گویائی نہیں رکھتا دہن تصویر کا،
خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخن تصویر کا

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اور پھر جب ان اشعار کو "التجائے مسافر" (بہ درگاہِ حضرت محبوب الٰہی رح دہلی)، کے ان اشعار کے ساتھ ملا کے پڑھتے ہیں تو اقبال کے سفرِ انگلستان کی غرض و غایت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے ۔

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھکو

نظر ہے ابرِ کرم پر درختِ صحرا ہوں
کیا خدا نے نہ محتاجِ باغباں مجھ کو

مقام ہمسفروں سے ہو اس قدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کارواں مجھ کو،

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

چنانچہ اقبال علمی سرچشموں سے اپنی پیاس بجھانے کے لئے یکم ستمبر ۱۹۰۵ء کی رات کو لاہور سے دہلی روانہ ہوگئے،

تری راج

The RAHSUDDIN

★ رشید الدین
(حیدرآباد)

اردو مزاح نگاری میں جدید رجحانات

اُردو مزاح نگاری میں جدید رجحانات

اردو مزاح نگاری میں جدید رجحانات

اُردو میں مزاح نگاری کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہے اور جدید طرز کی مزاح نگاری تو حال حال میں شروع ہوئی ہے لیکن یہ صنف، بہت زیادہ مقبول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مزاح اِنسانی جبلت میں شامل ہے۔ مزاح کی حس اِنسانی وصف ہے۔ ہر جاندار میں مزاح کی حِس نہیں ہوتی۔ اسے صرف انسان ہی کو ودیعت کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زبان کی طرح اردو میں بھی یہ صنف بہت مقبول ہے۔

لیکن اس کی مقبولیت کے باوجود اُردو میں مزاحیہ اَدب دیگر اصناف کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور مزاح نگاروں کی تعداد آج بھی اُنگلیوں پر گنے جانے کے قابل ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مزاح ایک مشکل صنف ہے۔ ایک، تو ہر شخص اس ذوق سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا، اور اگر ہو بھی، تو یہ نازک معاملہ ہے۔ مذاق ایک دو دھاری تلوار ہے جس کی ضرب سامنے والے پر کاری پڑے تو ٹھیک ورنہ خود مذاق کرنے والا اس کا شکار ہو جاتا ہے اور یہ آپ اپنا منہ چڑانا ہو جاتا ہے۔

پھر اس میں توازن کی بڑی اہمیت ہے۔ ذرا مزاح معیار سے گرا اور اس میں پھکڑپن آگیا۔ ذرا احتیاط سے کام لیا تو سپاٹ پن کا شکار ہو گئے۔ شگفتہ مزاح ان دونوں کے بین بین ہوتا ہے۔ ایک طرح یہ پل صراط پر سے گزرنے کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر اصناف کے مقابلہ میں مزاح کم لکھا جاتا ہے اور صرف مزاح لکھنے والے آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔

اُردو میں مزاح نگاری اخبارات کی دین ہے۔ یہ اخباروں کے کالم کی وساطت سے اَدب میں داخل ہوئی۔ سب سے پہلے اُردو میں مزاح اخباروں کے کالم میں لکھا جانے لگا۔

اُردو کی مشہور مزاحیہ تصنیف "فسانہ آزاد" لکھنؤ کے رسالہ "اودھ پنچ" کے کالموں میں چھپی۔ بعد میں پنڈت رتن ناتھ سرشار کو خیال ہوا کہ اسے کتابی صورت میں شائع کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس کالم نے کتاب کی صورت اختیار کی۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اس صنف کو پڑھتے ہوئے قاری کو بے ربطی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن اس کمزوری کے

میں اس کی اہمیت مسلم ہے ۔ یہ اُردو کی
احیہ تصنیف کہی جا سکتی ہے اور اس سے
ہیں چھین سکتا ۔ مزاح میں چٹخارہ دار زبان
کی روایت اسی کتاب کی وجہ سے پڑی ۔
ور بھی مزاح نگاروں نے اردو میں کالم نگاری
جی لق لق اور سندباد جہازی خاص طور پر
۔ اخباروں میں مزاحیہ کالم نگاری آج بھی جاری
مزاح نگاروں نے اس میں خاصی شہرت پائی
ہوری، کنہیا لال کپور، ابن انشاء، فکر تونسوی
اور عطاء الحق قاسمی وغیرہ
موجودہ دور کے ممتاز مزاح نگار مجتبیٰ حسین
ح نگاری اخبار کے کالم ہی سے شروع کی ۔
سیاست ،، حیدرآباد میں مزاحیہ کالم "شیشہ و
تے تھے ۔
پہلے باضابطہ مزاح نگار پطرس ہیں ۔ جنہوں
ھا ہے لیکن جو کچھ لکھا خوب لکھا ہے ۔ دراصل
مزاح نگاری کا آغاز ہوتا ہے ۔ پطرس جن
احمد بخاری تھا صرف ایک کتاب " مضامین
لق ہیں جس میں ان کے معدودے چند
ہیں لیکن اس کے باوجود ان کا نام آج اردو
روں میں سرِ فہرست ہے ۔ پطرس نے
نگاری میں جو بنیاد ڈالی اس پر رشید احمد صدیقی
مزی کیں ۔
صاحب کے بعد بہت سے مزاح نگار تیزی
آئے جن میں شوکت تھانوی، شفیق الرحمٰن،
ابراہیم جلیس، غلام احمد فرقت کاکوروی،
کشن چندر، اور دوسرے بہت سے قابلِ ذکر
ح نگاروں نے اُردو مزاح کے سرمایہ میں
اپنے قارئین کی دلبستگی کی ۔ نیز بہت سے مزاح
اس لائن میں آنے کی ترغیب دی ۔ چنانچہ راقم الحروف
سے مزاح لکھنے کی ترغیب حاصل کی ۔ ان
سے پہلے اور مزاح نگاری ایک ۔۔ ڈگر پر چل
نے اسے نئے حالات سے روشناس کرایا،
عام قاری کی صنف بنایا ۔

لیکن ان کے بعد جو مزاح نگار آئے انہوں نے مزاح نگاروں کو جدید رجحانات سے ہمکنار کیا اور اسے ایک ترقی یافتہ اور نئے زمانہ کی شایانِ شان صنف بنا دیا ۔ نئے مزاح نگاروں کی غالب تعداد کا تعلق پاکستان سے ہے جن میں ابن انشاء، کرنل محمد خاں، مشتاق احمد یوسفی، وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں یہ وہ مزاح نگار ہیں ۔ جنہوں نے سفرنامے اور سوانح حیات تک مزاح میں لکھے ہیں ۔ ہندوستان میں یوسف ناظم، اور مجتبیٰ حسین خاص طور پر ایسے مزاح نگار ہیں جنہوں نے اُردو مزاح کو نئے رجحانات سے آگاہ کیا ۔ ان دونوں مزاح نگاروں نے خاص طور پر خاکہ نگاری میں نام پیدا کیا اور اپنے ہم عصروں کے خاکے نہایت دلچسپ انداز میں تحریر کئے ۔

متذکرہ بالا مزاح نگاروں کے پاس عصری آگہی، اور فکری آسودگی ملتی ہے ۔ نئے زمانے کا ماحول، حالات اور تقاضے ان کی تحریروں میں ملتے ہیں ۔ اردو مزاح میں جو جدید رجحانات پیدا ہوتے ہیں ان میں نثر کو آسان بنایا گیا ۔ ہے مقفیٰ اور مسجع عبارت سے احتراز کیا گیا ہے اور روایتی طرز کو ترک کیا گیا ہے ۔ پہلے مزاح نگار زبان و بیان کی قلابازیوں سے مزاح پیدا کرتے تھے لیکن نئے مزاح نگار واقعات سے مزاح پیدا کرتے ہیں ۔ بیوی سے چھیڑ چھاڑ، سالے سے تکرار، اور مخصوص دوست کے تذکرہ سے نئے مزاح نگار دور ہی رہتے ہیں ۔ ان کی تحریروں میں " ہم ،، کا استعمال بھی نہیں ہوتا ۔

جدید مزاح ایک طرح سے عوامی ہو گیا ہے جس میں خواص کے لطیفے، واقعات اور اذکار نہیں ملتے ۔ جو کچھ آج کے انسان پر گزرتی ہے اور جن چیزوں سے اسے سروکار ہوتا ہے ۔ یہ مزاح نگار ان سے بحث کرتے ہیں ۔ ایسے لوگوں کے تذکرے اور کرداروں کے ذکر ان مزاح نگاروں کے پاس نہیں ملتے جو اس دنیا میں نہیں بلکہ کسی اور دنیا کی مخلوق ہوتے ہیں ۔

ایک طرح سے آج کا مزاح زندگی سے بہت قریب ہو گیا ہے ۔ یہ آج کے عام آدمی کے مسائل سے بحث کرتا ہے اور اس کے کردار اور واقعات موجودہ دنیا ہی کے ہوتے ہیں ۔ آج کے مزاح میں ایک قسم کی آفاقیت آگئی ہے اور یہ زیادہ عملی ہو گیا ہے ۔ آج کا مزاح نگار خیالی گھوڑے نہیں دوڑاتا

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

نوری راج

عامر برقی اعظمی
جے اے / ۱۵، اے، ایل آئی جی - جی ۸ ایریا،
راجوری گارڈن - مایاپوری - ہری نگر - نئی دہلی ۶۴

شاہکارِ فنون

رقم طراز! کر دا اپنے فرض کی تکمیل
زمانہ مانگ رہا ہے حکایتِ تمثیل
کہاں ہے شرحِ جسامت کہاں صفاتِ قبیل
گداگری کے لیے چاہیے ردائے بخیل

متاع روح و قلم بانٹنا بہت آسان
جنوں کے شہر میں دل کی ہمیں کہاں پہچان

نگاہِ لطف نے جانِ اسیر ڈھونڈھی تھی
نہ بن پڑا تھا تو شانِ امیر ڈھونڈھی تھی
فقیہِ دین کے ادا سے نقشِ تیر ڈھونڈھی تھی
اِک آفتاب کی ہم نے نظیر ڈھونڈھی تھی

کسی نے ہاتھ کسی نے نگاہ کو چوما
کسی نے جھوم کے پی، بے پئے کوئی جھوما

نئی شراب بصیرت کے باب نے دیکھا
نظر اٹھائی تو سب کچھ شباب نے دیکھا
وہ رنگِ شب تھا جسے ماہتاب نے دیکھا
تمہیں خبر بھی ہے کیا آفتاب نے دیکھا

غبار سلام بھی کچھ دست [illegible] اثر دو بہر
کسی نے بات نکالی تھی علم رب کیا ہے؟
عذاب کیا ہے شیاطین کا غضب کیا ہے؟
جہاں میں آکے پرستان کا سبب کیا ہے؟
وہاں نصیب ہو جنت تجھے عجب کیا ہے؟

مزاج ٹھیک رہے بندگی بڑی شے ہے
کسی کو کم [illegible] آدمی بڑا شے ہے

نسے جناب بھی مرغ اسیر سے مل کر
بہت خجل تھے امیر و کبیر سے مل کر
خیال آیا کہ دیکھیں نا ہمسر سے مل کر
کسے ملی ہے نقیری فقیر سے مل کر

نہ شعر، نہ سانس، نہ ارکان بحر سے مطلب
نہ دار دار کے قائل نہ دہر سے مطلب

غزل

● عرفان پربھنوی
بھوئی گلی - پربھنی (ایم ایس)

بول میٹھے زبان میں رکھنا
چیز اچھی دوکان میں رکھنا

کچھ تو دے دو زمین والوں کو
کیا سبھی آسمان میں رکھنا؟

اونچا اڑنے میں خطرہ بڑا ہے
بات ہر دم یہ دھیان میں رکھنا

آزمانا اگر ہے طوفاں کو
کشتی اپنی طوفان میں رکھنا

ڈر الجھ جانے کا ہے راہوں میں
راستہ اپنا دھیان میں رکھنا

بات نکلی ہوئی نہیں آتی،
سوچ کر تیر کمان میں رکھنا

روح بھی ایک مہماں ہے عرفان
اس کو عمدہ مکاں میں رکھنا

ـ جعفری،
، بومن جی پیٹیٹ روڈ۔
بئی ۳۶

حسین شہزادی

(بمبئی کی جنّت)

حسین شہزادی
ں کتنی وسعت ہے
گ روز آتے ہیں
یں چین پاتے ہیں
کر ہو دہ بڑا
ب کو مل ہی جاتا ہے
ـ کو بھاتا ہے
کر جلاتا ہے
نے حسین ساحل
ہیں ساری دنیا سے
یشمی چادر
بھی ہوئی خوش رنگ
ل نشین پیکر
ا تھکا سورج
ی کی جھیلوں میں
شا کرتے ہیں
پھیل جاتے ہیں
کراں سمندر ہے
تیرا کرتی ہیں
نقری موجیں
ہو کے بڑھتی ہیں
بہ ٹھہر جاتی ہیں
ت پہ سر جھکاتی ہیں
لوٹ جاتی ہیں
ی کھڑی درختوں کی

سبز دھانی قبائیں پہنے ہوئے
شب مہتاب میں یہ ہی ساحل
کتنے دلکش حسین لگتے ہیں
نور جب ان پہ پھیل جاتا ہے
اس کی ضو سے زمیں کے سب ذرّے
مثل ہیروں کے جگمگاتے ہیں
خوبصورت یہ چاندنی راتیں
کتنا کیف و سرور رکھتی ہیں
درد و غم میں گھرے ہوئے انساں
آکے اس دلفریب منظر میں
اپنی ساری مصیبتیں اور دکھ
چند لمحوں کو بھول جاتے ہیں
علم و تہذیب کا یہ گہوارہ
درسگاہیں بھری ہیں بچوں سے
اردو ہندی مراٹھی گجراتی
پڑھتے رہتے ہیں ان زبانوں کو
ہیں زبانیں الگ الگ ایسے
جیسے گلشن میں رنگ رنگ کے پھول
علم حاصل کسی زباں سے کریں
ایک منزل پہ جا کے ٹھہریں گے
رنگ و نکہت جدا جدا لیکن
زندگی سب کی خوبصورت ہے
پھول مذہب کے اور عقیدوں کے
اپنے باغوں میں کھلاتے رہتے ہیں
تیری تہذیب اور تمدن میں

سب کی تہذیب کی ملاوٹ ہے
لال مٹی کے کوہساروں پر
مخملی چادریں ہیں سبزے کی
اودے نیلے گلابی بادامی
زرد اور سرخ پھولوں کے اشجار
اپنی انداز خوشنمائی سے
تیری رعنائیاں بڑھاتے ہیں
مخملی رات کا سیاہ آنچل
تیرے پیکر پہ پھیل جاتا ہے
شب کے آتے ہی نور آتا ہے
شہر سب جگمگانے لگتا ہے
رقص و نغمے کی محفلیں ہر سو
یہ تیرے قصر تیری جنّت ہیں
چند آسودہ حال لوگوں کی
تیری محفل کی نازنینوں کا
حسن ہے مصر و روم سے بہتر
تیری شامیں حسین شامیں ہیں
رنگ و بو سے بھری بہاریں ہیں۔
تیری راتوں کا حسن سب سے جدا
حسن و دولت کا دلنشیں پیکر
پھر بھی جنت ہے یا سراب ہے یہ
کتنے بنتے ہیں کتنے مٹتے ہیں
دل میں امیدیں لے کے آتے ہیں
زندگی بھر اسی پہ جیتے ہیں
اونچے اونچے محل نگاہوں میں
زندگی بیتتی ہے راہوں میں

تبصرہ

تبصرہ نگار
اقبال نیازی
۱۸/۴۰۔ قریش نگر
کرلا۔ بمبئی ۷۰

نام کتاب : موتی کے دانے (افسانے)
مصنف : قاضی فضل رب
قیمت : پندرہ روپے
ضخامت : ۲۱۹ صفحات
ملنے کا پتہ : مکتبہ الفاظ یونیورسٹی مارکیٹ
علی گڑھ۔ (یوپی)

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

ہمارے ادب میں مختصر افسانے کی عمر ابھی زیادہ نہیں، مگر حال ہی میں اس نے بڑی ترقی کی ہے اور ۱۹۳۶ء کے بعد افسانوں کے بعض اچھے مجموعے منظر عام پر آئے۔ ناقدین افسانہ، افسانے کی عمر کو تین ادوار میں منقسم کرتے ہیں۔ پہلا دور تخیلی رجحان کا تھا جس میں سجاد حیدر یلدرم، ل۔ احمد اکبر آبادی، نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھپوری اور بعض دوسرے افسانہ نگار حقیقت نگاری کے بجائے تخیل آفرینی کے رجحان میں بہتے رہے۔ اردو افسانے کے اس ابتدائی دور میں حقیقت پسندی کے رجحان کے اہم ترین علمبردار پریم چند تھے۔ اردو افسانے کا دوسرا دور ۱۹۳۵ء کے آس پاس شروع ہوا، اور تقسیم ملک کے واقعہ کو اس کی آخری حد قرار دینا مناسب ہے۔ اس دور میں تخیلی رجحان کے ساتھ ساتھ ارضی رجحان کے شواہد بھی ملتے ہیں۔ اس دور کا سب سے اہم افسانہ نگار کرشن چندر تھے۔ حقیقت نگاری کے اس دور میں دیگر افسانہ نگاروں میں بیدی، منٹو، عصمت، احمد علی، اختر اورینوی اور بعض دیگر افسانہ نگاروں کا نام بھی شامل ہے۔ تیسرا دور تقسیم ملک کے بعد شروع ہوا۔ اس دور کے افسانہ نگار نے عام طور سے فرد کے سراپا کے بجائے انبوہ کی کروٹوں کو نگاہ کا مرکز بنایا۔ اس ارضی رجحان کے علمبرداروں میں بھی کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، بلونت سنگھ، مرزا ادیب، رام لعل، منٹو، اشفاق احمد، رحمان مذنب، قرۃ العین حیدر، جیلانی بانو، وغیرہ کے نام خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

قاضی فضل رب صاحب کا تعلق دوسرے و تیسرے دور کے افسانہ نگاروں سے ہے۔ موصوف اپنے دور کے مشہور اہل قلم کرشن چندر، مہندر ناتھ، خواجہ احمد عباس، ظ انصاری، کیفی اعظمی، اعجاز صدیقی وغیرہ کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ قاضی فضل رب صاحب پچھلی چار دہائیوں سے لکھ رہے ہیں۔ درمیان میں حالات کے تھپیڑوں نے ان کے قلم کی روشنائی خشک کر دی تھی، لیکن ساتھیوں کی حوصلہ افزائی سے ایک بار پھر تازہ دم ہو کر موصوف نے قلم اٹھایا، اور ۱۹۶۶ء سے اب تک مسلسل لکھ رہے ہیں۔

"موتی کے دانے" قاضی فضل رب صاحب کے افسانوں کا اولین مجموعہ ہے۔ جس میں کل ۱۸ افسانے ہیں۔ دو ڈرامے، ایک عدد پیش لفظ اور عرض مصنف۔

۱۸ افسانوں میں ۴ کہانیاں جنسی موضوع پر، ایک ڈرامہ جہیز کے مسئلے پر، سات ہلکی پھلکی رومانی کہانیاں اور بقیہ کہانیاں نچلے طبقہ کے دکھ سکھ کو پیش کرتی ہیں۔

قاضی فضل رب صاحب کی دیگر کہانیوں پر تو بعد میں بات ہوگی پہلے میں ان کہانیوں کا ذکر کرنا چاہوں گا جو سیکس کے موضوع پر ہیں۔ یہ کہانیاں ہیں "راجہ رانی" "بے چارہ" اور "سہارا"۔ ان کہانیوں کو بالخصوص پڑھتے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے "جنس" اور اس کی بے راہ روی مصنف کا محبوب موضوع رہا ہے، حالانکہ یہی موضوع ہمیں اپنی تمام تر گہرائی و گیرائی کے ساتھ صحت مندانہ طور پر منٹو کے یہاں بھی ملتا ہے لیکن فضل رب صاحب کے ان افسانوں میں جنسی تلذذ ہے ان کے ہاں "جنس" ایک اشتہار انگیز اور ترغیب آمیز جذبے کی صورت میں ابھرتا ہے۔ ہاں! ان کی رومانی کہانیوں میں "کاغذ کی چٹ"، "کوئیلی"، "وہ پیڑ انار کا" اور "آسیب" خوبصورت کہانیاں ہیں۔ ان کہانیوں میں رومان بھی ہے اور افسانویت بھی۔ ایک تندرست رجائیت بھی ہے اور ایک دلدوز شعریت بھی۔ لیکن مصنف سب سے کامیاب اپنے ان افسانوں میں نظر آتے ہیں۔ جن میں انہوں نے نچلے طبقے کے استحصال، ان کے دکھ سکھ کو بڑے ہی پُراثر پیرایہ میں بیان

عل نے اپنے پیش لفظ میں بھی اسی طرف
ا ہے کہ.....

ا فضل رب کی کہانیوں میں نچلے طبقے کے دکھوں
ے مسائل ہیں جن کی حقیقی تصویر کشی اس
ن نہیں ہو سکتی جب تک لکھنے والا اسی طبقہ سے
۔ اس ضمن میں قاضی فضل رب کو ان افسانہ
نت حاصل ہے جو سجے ہوئے ڈرائنگ روموں
ب کے خواب دیکھتے ہیں اور نچلے طبقے خوابوں اور
کاسی "بورژوا ہمدردی" کے طور پر کرتے ہیں۔"

مجموعہ میں "لال غبارہ" "اڈیپر والا" "موتی کے دانے"
ے کی بہترین کہانیاں ہیں جس میں مصنف
مظلومیت کا اظہار اور ظالم و غاصب قوتوں
بہت مؤثر ڈھنگ سے کی ہے۔ سماجی زندگی
ں کی اہمیت، خود غرضی و بے حسی کا واضح
سامنے "کوئے یار" میں ہوتا ہے جو میرے اپنے
موعہ کی سب سے اچھی اور پر اثر کہانی ہے۔

سانوں میں ترشے ہوئے ہیروں کی چمک، گہرائی
، مفقود ہونے کے باوجود زندگی کی رنگینی،
ں اور مایوسیاں، اس کا حسن اور بد صورتی
مٹی کی بو باس، گاؤں کی لہلہاتی فضاء جو پریم چند
یں رچی بسی ہے وہی گاؤں کی مہکتی ہوئی فضاء
ب، صاحب کے افسانوں میں بھی سر اٹھائے ہوئے
اج کا تصور، لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی زندگی کا احساس
ور نفسیاتی بصیرت، انسانی دوستی، اور
ر غیر متزلزل یقین ایسی اقدار ہیں جو قاضی فضل رب
رفن کو زندگی اور توانائی عطا کرتی ہیں۔
ت کی معمولی غلطیوں کے باوجود کتابت، و
ہے۔ کاغذ نفیس ہے۔ خوبصورت سرورق،
ت کے ساتھ قیمت ۱۵ روپے کچھ زیادہ نہیں ہے۔

اردو مزاح نگاری....

(صفحہ ۱۹ سے آگے)

بلکہ عمل کے رتھ پر سوار ہوتا ہے جو ظاہر ہے زیادہ پر لطف اور پُر مسرت نہیں ہے۔ ایسا مزاح ایک قاری پڑھ کر صرف زیر لب مسکرا سکتا ہے، قہقہہ نہیں لگا سکتا اور بعض اوقات ایک کسک اور تکلیف بھی محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ جدید مزاح نگار انہیں جن حالات اور واقعات کا آئینہ دکھاتا ہے قاری خود ان ہی میں رہتا ہے۔ اس طرح اب مزاح زندگی سے زیادہ قریب آگیا ہے۔

اُردو میں اب پہلے کے مقابلہ میں زیادہ مزاح نگار، میدان میں آگئے ہیں۔ خصوصاً شہر حیدرآباد مزاح نگاروں کے معاملہ میں بڑا خوش قسمت رہا ہے۔ یہاں سے اُردو کا ایک مستقل مزاحیہ رسالہ پابندی سے ماہ بہ ماہ نکلتا ہے جو اردو کا واحد مزاحیہ رسالہ ہے۔ حیدرآباد میں مزاح نگاروں کی ایک نئی فوج سامنے آئی ہے۔ اس میں "شگوفہ" اور اس کے ایڈیٹر مصطفےٰ کمال کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ حیدرآباد میں جو نئی پود کے مزاح نگار ابھرے ہیں ان میں مسیح انجم اور پرویز ید اللہ مہدی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن سے آئندہ بھی اچھی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں۔

ویسے بحیثیت مجموعی سارے ہند و پاک میں مزاح نگاروں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے اور مزاح کا معیار بھی پہلے سے زیادہ بلند ہوا ہے۔ اس طرح اُردو میں مزاح نگاری کا مستقبل روشن ہے اور اس صنف کے تعلق سے اس قسم کی کی تشویش کی ضرورت نہیں کہ پرانے مزاح نگاروں کے خلاء کو کون پر کرے گا۔ یا یہ کہ مزاح کے گرتے ہوئے معیار کو کس طرح بلند کیا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اُردو مزاح نگاروں نے وقت کی رفتار کو پہچانا ہے اور نئے رجحانات کو گلے لگایا ہے۔

[redacted]یں - تصویروں میں



وزیراعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نلنگیکر
نے گیارہ جون کو مختلف محکمہ جات کے سیکریٹریوں
کی ایک میٹنگ منعقد کی۔ تصویر میں ....
چیف سیکریٹری، شری بالچندر دیشمکھ
ایڈیشنل چیف سیکریٹری شری بی۔ کے۔ ہلدے،
اور دوسرے سیکریٹری حضرات دیکھے جا
سکتے ہیں۔



آنکھ سرجری میں بہترین کارکرگی
کا مظاہرہ کرنے والے اشخاص اور
اداروں کو شریمتی محسنہ قدوائی مرکزی
وزیر برائے صحت و خاندانی منصوبہ بندی
نے انعامات سے نوازا۔ یہ انعامات
۱۰ رجون کو ڈائرکٹوریٹ برائے صحت کی
جانب سے برلا متوشری سبھا گھر بمبئی
میں دیے گئے۔

تصویر میں شریمتی قدوائی، اکولہ
ضلع پریشد کے صدر شری جی۔ جے۔ کھوترے
کو اول انعام سے نواز رہی ہیں۔ وزیر صحت
شری بھائی ساونت بھی تصویر میں نظر
آ رہے ہیں۔



وزیراعلیٰ شری شیواجی راؤ نلنگیکر
کی خدمت میں مجاہد آزادی شری شنکر
بھائی پٹیل اپنی کتاب "ہسٹری آف اورنگ آباد"
پیش کر رہے ہیں۔ یہ تصویر اسی موقع کی ہے



آل انڈیا فیروز گاندھی میموریل سوسائٹی (بمبئی یونٹ) نے ۲۰ر جون ۱۹۸۵ء کو کانگریس (آئی) کی جنرل سیکریٹری شریمتی راجندر کماری باجپائی کی بمبئی میں عزت افزائی کی۔ اس موقع پر وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر تقریر کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔



شریمتی رجنی ستیو
حتِ عامہ اور ثقافتی
ب سے بنائی گئی اشیاء
ہا سے چیوالیہ جھنجانہ
یا وزیر مملکت برائے
ں دمینتی دیش بھرتار
۔

شری بالچندر دیشمکھ نے حال ہی میں جینچوڈ میں ادیباسیوں کے لئے ۸۰ء ۲ لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کردہ ہاؤسنگ کامپلیکس کا دیباسی جوڑے کے ساتھ دیکھے جاسکتے ہیں (دائیں طرف) ادیباسیوں کے لئے تعمیر کردہ گھروں کا ایک منظر





جسٹس بھگوتی نے عوامی عدالت کا افتتاح کیا

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس شری پی این بھگوتی نے فرمایا کہ زیادہ تر موٹر حادثات کا شکار ہونے والوں کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ وہ اس ایکسی ڈنٹ میں معاوضہ کے مقدار بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا عوام کو اس کی بابت مطلع کیا جانا ضروری ہے۔

جسٹس بھگوتی ۱۵ جون کو بمبئی کے گورنمنٹ لا کالج میں عوامی عدالت کا افتتاح کر رہے تھے۔

عدالتوں میں موٹر حادثات کے زیر التواء دعوؤں کا عوامی عدالت میں تصفیہ کیا گیا۔

جسٹس بھگوتی نے فرمایا کہ موٹر حادثات کے زیادہ تر شکار سماج کے کمزور طبقات کے لوگ ہوتے ہیں۔ عوامی عدالت کے منعقد کئے جانے کی یہی خاص وجہ ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ریڈیو اور ٹی وی کے ذرائع کے ذریعہ عوامی عدالت کی مؤثر طریقہ سے تشہیر کی جا سکتی ہے اور آپ نے ملک میں قانونی امدادی اداروں کی ضرورت پر زور دیا۔

عوامی عدالت کو جنرل انشورنس کارپوریشن آف انڈیا اور بمبئی موٹر ایکسی ڈنٹ ٹریبونل (ایم سی ٹی) کی جانب سے منعقد کیا گیا۔ جسے ایل اے سی بار ایسوسی ایشن آف ٹریبونل اور جنرل انشورنس کارپوریشن کی فیر سبسیڈی کمپنیز نے اسپانسر کیا تھا۔ اس عدالت میں دو ریٹائر جج اور ایک ایڈوکیٹ پر مشتمل دو پینل بنائے گئے تھے۔ جنہوں نے مقدمات کا تصفیہ کیا۔ عوامی عدالت میں کل ۸۹ مقدمات پیش کئے گئے۔

اس موقع پر چیف جسٹس آف ہائی کورٹ شری کے۔ مادھو ریڈی اور جسٹس چندر شیکھر دھرما دھیکاری نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

جی آئی سی آف انڈیا کے چیرمین شری اشوک گوئنکا اور مختلف عہدیداران اس موقع پر موجود تھے۔

ایم اے سی ٹی کے وائس چیرمین شری ایس۔ این دھرپدی جو کہ مہاسیگل ایڈ اینڈ ایڈوائز بورڈ کے وائس چیرمین بھی ہیں نے عوامی عدالت کے اغراض و مقاصد بیان کئے۔

دفتروں میں جدید اشیاء کے استعمال کی نمائش

وزیراعلیٰ نے افتتاح کیا۔

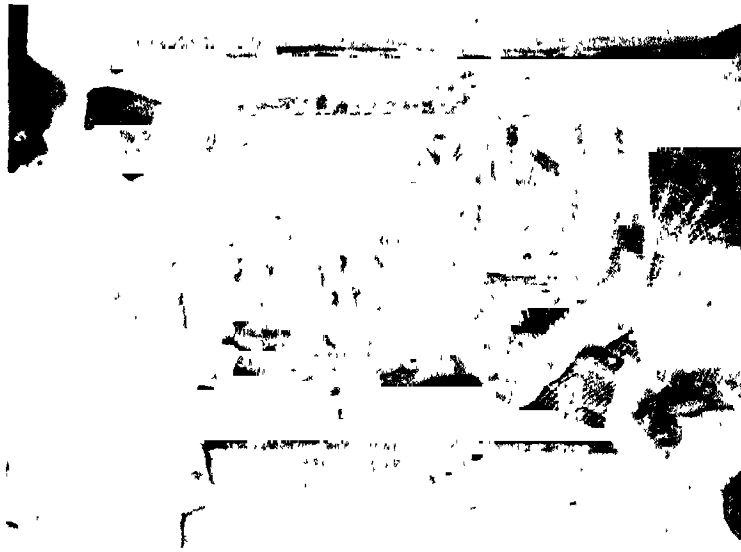
وزیراعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نلنگیکر نے ۱۳ جون کو سچیوالیہ جمخانہ میں دفتروں میں جدید اشیاء اور ان کے استعمال کے طور طریقوں کے اظہار کی نمائش کا افتتاح کیا۔

اس نمائش کا اہتمام حکومت مہاراشٹر کی طرف سے میلٹران نے کیا اور اس میں ۳۹ جدید قسم کے الیکٹرک ٹائپ رائٹر، ڈکٹا فون، فوٹو کاپئیرس، کیلکو لیٹرس، کمپیوٹرس وغیرہ بطور نمائش پیش کئے۔ تقریباً ۲۲ اداروں نے اپنی مصنوعات کو اس نمائش میں شامل کیا۔ اس نمائش کا اہتمام ۱۳ اور ۱۴ جون کو کیا گیا۔

شری شیواجی پاٹل نلنگیکر نے ہر اسٹال کا معائنہ فرمایا اور ہر قسم کی اشیاء کے لئے اپنی گہری دلچسپی ظاہر فرمائی۔

شری ابھئے سینہ راجے بھوسلے، وزیر مملکت برائے محکمۂ رفاہ عامہ اور محکمۂ جنرل ایڈمنسٹریشن شری گنگا دھر کنتوکر، وزیر مملکت برائے آبپاشی، شری جے۔ بی ڈی مہاجن وزیر مملکت برائے داخلہ نے بھی وزیراعلیٰ کے ہمراہ اس نمائش کا معائنہ فرمایا۔ چیف سیکریٹری شری بی۔ جی۔ دیشمکھ ایڈیشنل چیف سیکریٹری شری بی۔ کے۔ چوگلے اور منترالیہ کے دوسرے محکمہ جات کے سکریٹری حضرات نے بھی اس نمائش کا معائنہ فرمایا۔

قومی راج



شیو مدرا پرتشٹھان کی ٹرسٹی شریمتی سومتی دیوی دھونڈے، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر کو چھترپتی شیواجی مہاراج کے ڈوبے ایک سکہ "ہان" کی ایک شبیہ پیش کرتی نظر آرہی ہیں۔

۔ بھیندر میونسپل
...نسل کی تشکیل

...ت مہاراشٹر نے میرا ۔ بھیندر میونسپل کونسل
...۱۹ سنہ ء سے قیام عمل میں لایا ہے ۔ یہ کونسل
... میرا، مہاجن واڑی، پین پاڑا، بھیندر، نو گھر،
... کاشی اور گھوڑ بندر کے گاؤں پر مشتمل ہوگی ۔
...ت نے شری بی ۔ ڈی ۔ مہاترے تحصیلدار
...سے وہاں کا ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا ہے ۔
...سلسلے میں ضروری احکامات ریاستی گزٹ
...ہ ۲ ر جون سنہ ۱۹۸۵ء کے حصہ I الف میں
... گئے ہیں ۔

...ٹ ہفتہ میں صرف تین بار ملے گا

...توں سے بھینسوں کے دودھ کی فراہمی میں
...نے کی صورت میں گریٹر بمبئی ملک اسکیم کے
...ن کو ایک ہفتہ میں ہر بدھ اور جمعہ کے دنوں صبح
... اتوار کو صبح صرف ہول ملک فراہم کیا جائیگا ۔
...نوں میں ہول ملک کے بجائے معیاری دودھ
... گا ۔ صارفین جو کہ ہول ملک کے بجائے

آرے ساتھی ملک لینے کے خواہشمند ہیں ان سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ متعلقہ سرکل انسپکٹر کے بیٹ آفس (سوائے اتوار) میں اپنی ضروریات کے مطابق دودھ کی مقدار درج کرا دیں ۔

مارچ سنہ ۱۹۸۵ء میں بارہویں جماعت کے منعقدہ امتحانات میں شری کمار جتیندر کلکرنی نے اول مقام حاصل کیا ۔ شری آر ۔ پی ۔ کارنک، چیئرمین اسٹیٹ ہائر سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ، پونے، آپ کو کامیابی پر مبارکباد دے رہے ہیں ۔



قومی راج

★ رشید الدین (ایم۔اے) (عثمانیہ)
سینیئر ٹرانسلیٹر (اردو)
ٹرانسلیشن ڈپارٹمنٹ، حمایت نگر۔ حیدرآباد ۲۹

⁘ ⁘ ⁘

"قومی راج" برابر مِل رہا ہے۔ حال ہی میں اس کا "آنجہانی یشونت راؤ چوان نمبر" ملا۔ بے حد پسند آیا۔ آپ نے واقعیؔ ان کے شایانِ شان نمبر نکالا ہے۔ کیونکہ وہ مہاراشٹر ہی کے نہیں ساری قوم کے قائد تھے اور ان کا شمار ہمارے قومی قائدین میں ہوتا ہے۔ آپ نے اس میں جو بے شمار تصویریں دی ہیں اس سے پرچے کی وقعت اور اہمیت میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ آپ لوگوں نے اس پر کتنی محنت کی ہے۔ پھر ایک بار مبارکباد قبول کیجئے۔

⁘ ⁘ ⁘

★
مدرس، اردو اسکول،
جوناگڈھ۔ رتناگیری۔

رسالہ "قومی راج" نظروں سے گزرتے ہی ہم سبھوں کو بے حد خوشی ہوئی۔ میں نے اور میرے ساتھی اساتذہ نے "قومی راج" کو اردو اسکول میں جاری کرانے کا فیصلہ کیا ہے ہم سب اس رسالے کے اگلے شمارے کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔

⁘ ⁘ ⁘

★ نشاط اختر انصاری
ایڈیٹر "ہمہ گیر" مومن پورہ چوک، ناگپور ۱۸

"آنجہانی یشونت راؤ چوان" پر شائع کردہ "قومی راج" کا خصوصی شمارہ موصول ہوا۔ آنجہانی چوان سے متعلق آپ نے اتنا مواد اکٹھا کرلیا کہ اب ان کے متعلق کسی دوسری کتاب کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اس شمارے کے تمام قلمکاروں کو دلی مبارکباد۔

★ سرفراز احمد
نیاپورہ۔ مالیگاؤں (ضلع ناسک)

⁘ ⁘ ⁘

سرکاری اور غیر سرکاری رسالے بہت سے نکلتے ہیں۔ خوبصورت، رنگارنگ، ادبی اور ریاستی معلومات سے مالامال، صرف "قومی راج" ہے جو ہر لحاظ سے دل کو بھاتا ہے، اور آپ کے رفقائے کار، حکومت مہاراشٹر کا انفارمیشن محکمہ، لائق صد مبارکباد ہے۔ ہر پندرہ روز بعد "قومی راج" کو نہایت دلکش انداز سے پیش کرتا ہے۔ بلکہ اتنے عظیم الشان نمبر بھی کر دیکھ کر دل سے مبارکباد کی صدا نکلتی ہے۔ "آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی نمبر" کے بعد "آنجہانی یشونت راؤ چوان نمبر" اور اس کے بعد نہایت خوبصورت "میگھ ڈمبری نمبر" بڑے سلیقہ سے پیش کئے گئے ہیں۔

★ مطیع الرحمٰن
محمد علی روڈ۔ ناگپور۔ ۴۴۰۰۱۸

⁘ ⁘ ⁘

کم سے کم قیمت اور زیادہ سے زیادہ معلومات کے ہمراہ ادبی مضامین، نظم و غزل سے آراستہ "قومی راج" ہر ذہن کو متاثر کرتا ہے۔ اس کے لئے حکومتِ مہاراشٹر جہاں مبارکباد کی مستحق ہے وہیں اس کے تمام عملے کو بھی دلی مبارکباد۔ خدا کرے یہ رسالہ صرف مہاراشٹر ہی نہیں بلکہ پورے دیش کے گھر گھر پہنچے۔ میں تمام اردو دوستوں سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں "قومی راج" کی خریداری کی مہم چلا کر ساتھ دیں اور ہمت افزائی کریں۔

★ احمد جمیل صدیقی
احمد جمیل صدیقی اقبال روڈ، دھولے۔ (مہاراشٹر)

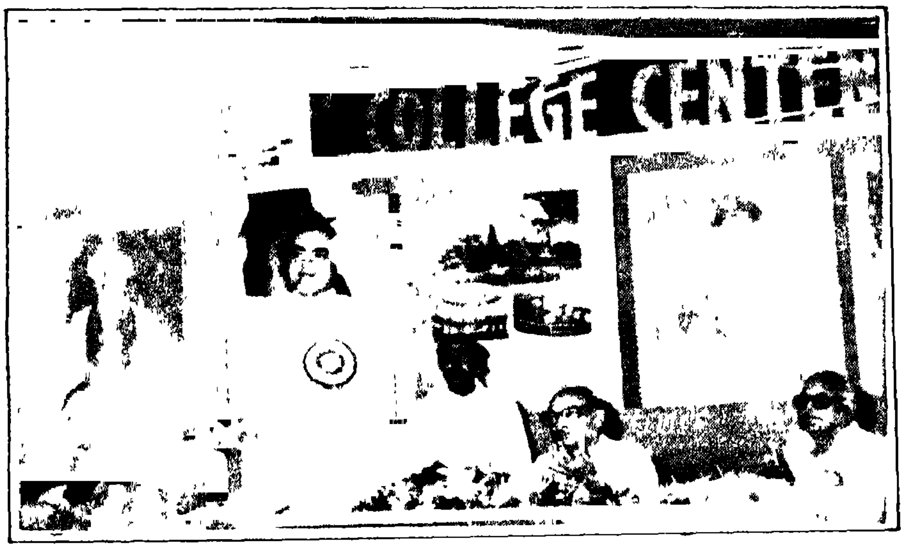
⁘ ⁘ ⁘

سنا کئی دوستوں سے تھا لیکن اتفاق سے پرسوں میں ایک دوست کے یہاں جانا ہوا تو "قومی راج" کا فائل مل گیا۔ سال سال بھر کے رسالوں کا ایک جلد بنوا کر انہوں نے رکھا تھا۔ طبیعت خوش ہوگئی۔ گھر پہنچتے ہی میں بھی خریداری کی رقم بھجوا رہا ہوں

H/286-1F
PRINTED AT THE GOVT PHOTOZINCO PRESS, PUNE-1986



مرکزی وزیر مالیات شری
جناردن پجاری نے یکم جون کو بمبئی
میں وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کی
خدمت میں سونے کے خصوصی طور
پر ڈھلے ہوئے سکوں کا ایک
سیٹ، ریزرو بینک آف انڈیا
کی طلائی جشن تقریب کے موقع
پر پیش کیا - یہ اسی موقع کی تصویر ہے

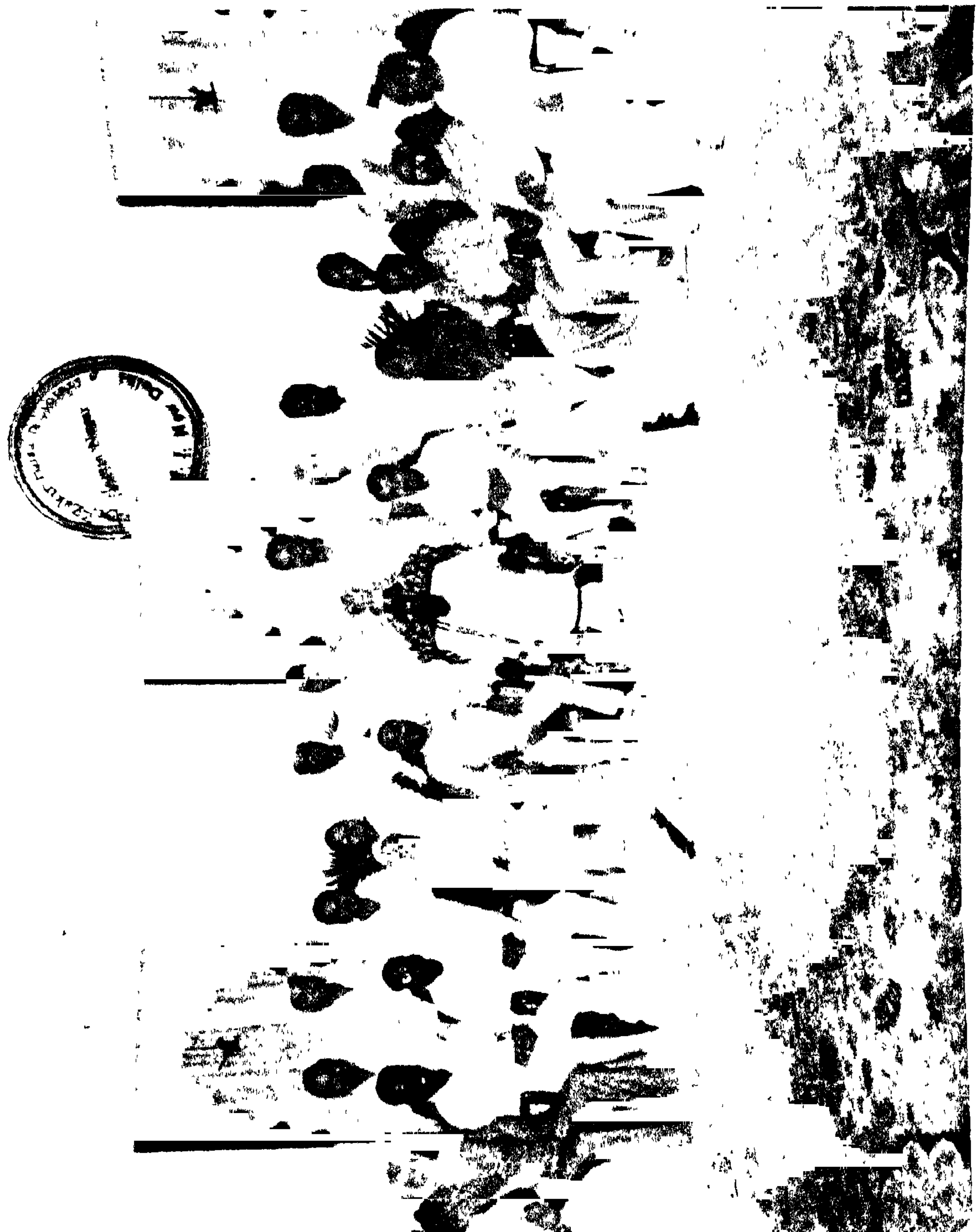


زیر اعظم شری راجیو گاندھی کے
سن کالج، پونے کی صد سالہ
مذکورہ کالج کی جانب سے
ر شائع کردہ سووینیر لینڈ
جراء ہوا - یہ تصویر اسی موقع کی ہے



وزیر اعظم شری راجیو گاندھی
ایک ثقافتی پروگرام کے موقع پر
یکم جون ۱۹۸۵ء کو راج بھون،
بمبئی میں بچوں کے مجمع میں -

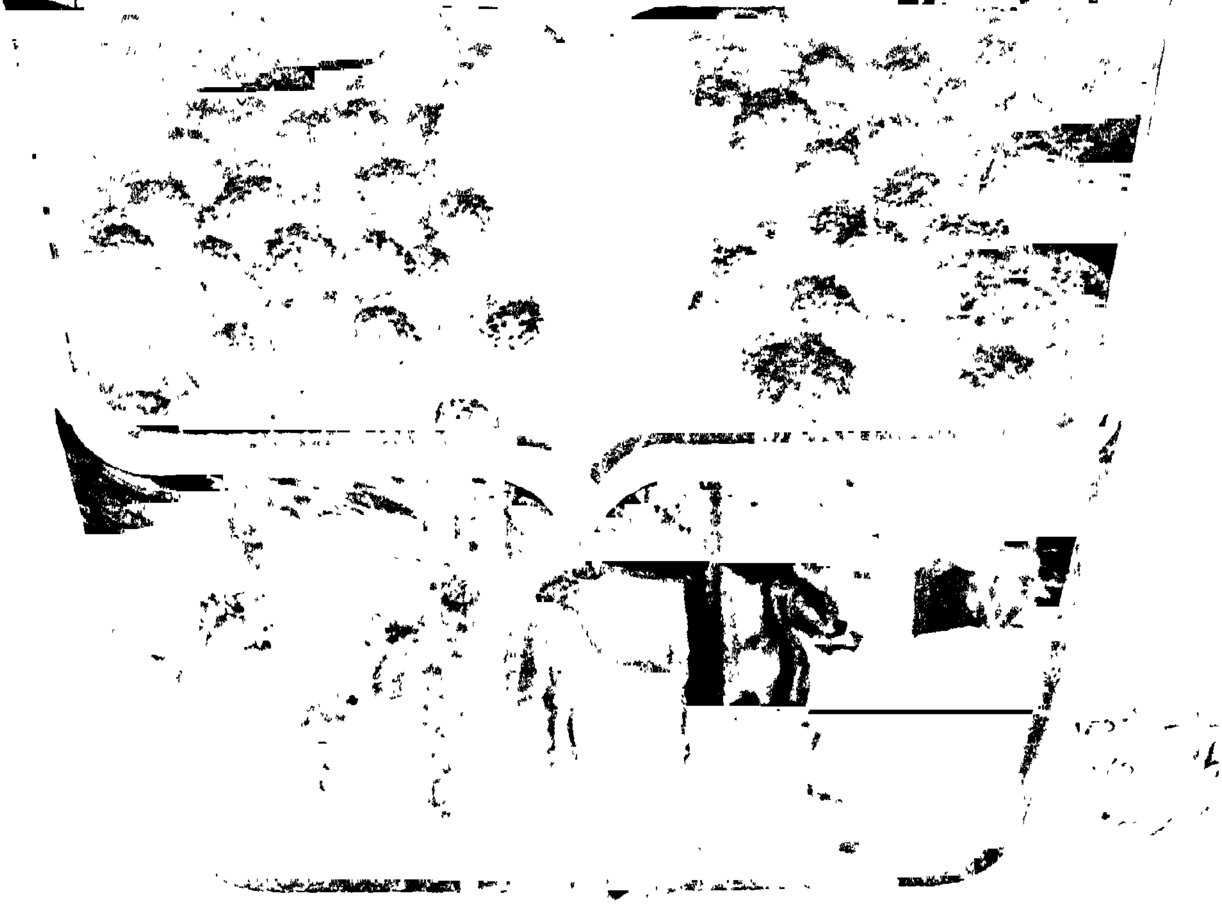
QAUMIRAJ : Regd. No. MH-BY South-544 *Licence No. 89 for 'without prepayment of postage'*

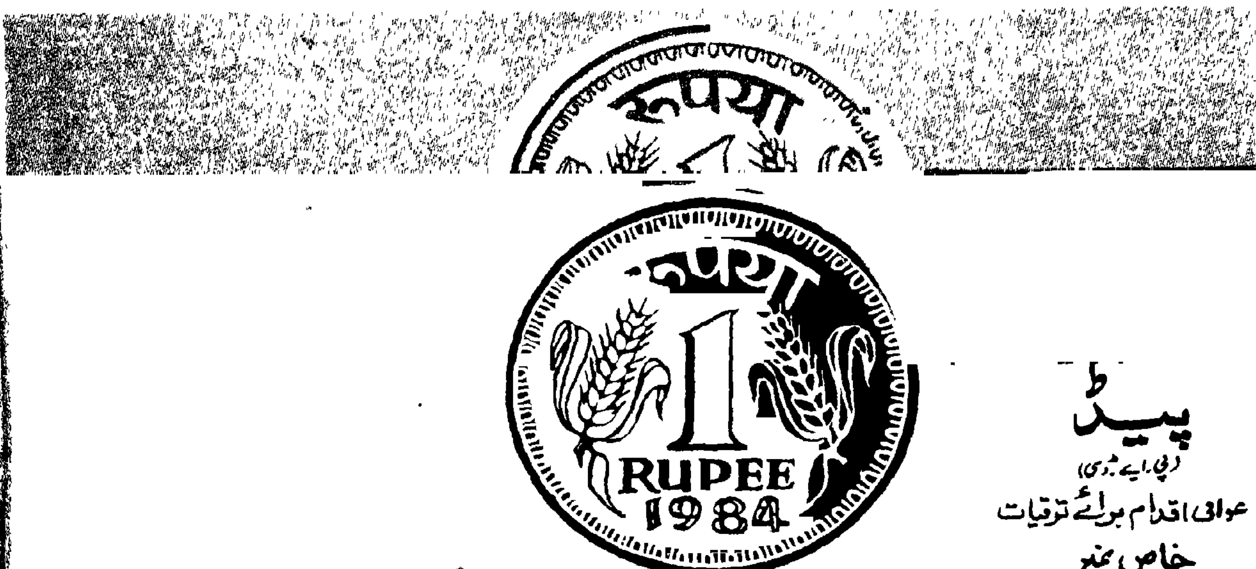


راج بھون، بمبئی میں ۲ جون کو رسم حلف برداری کے بعد گورنر مہاراشٹر شری کونا پربھاکر راؤ ریڈی کے ساتھ نئی وزارت کا گروپ فوٹو

شائع کردہ: شری ایس کے سنگھے، ڈائریکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی نمبر ۳۲ ... مطبوعہ: گورنمنٹ سنٹرل پریس، بمبئی نمبر ۴

قومی راج

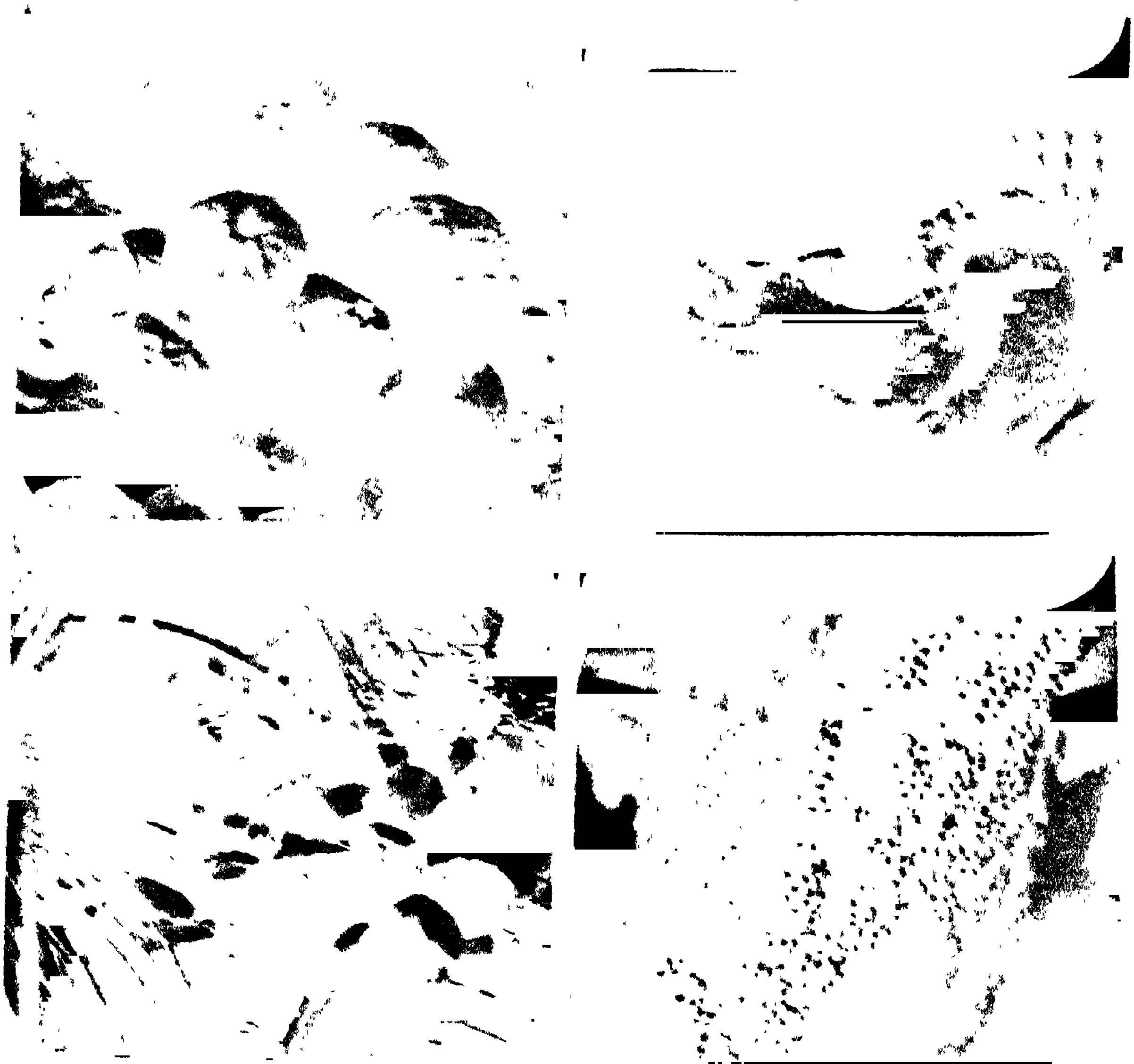




پیڈ
(پی۔ اے۔ ڈی)

عوامی اقدام برائے ترقیات

خاص نمبر



قومی راج

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

• سالانہ، دس روپے، قیمت فی کاپی ۵۰ پیسے •

پیڈ
عوامی اقدام برائے ترقیات
خاص نمبر

۲۵ جولائی ۱۹۸۵ء

"پی اے ڈی"
(مہاراشٹر)

جلد نمبر ۱۲ • شمارہ نمبر ۱۴

ہندی، مراٹھی، انگریزی، گجراتی، سندھی اور اردو
چھ زبانوں میں شائع ہونے والا پندرہ روزہ رسالہ

ترتیب

صفحہ نمبر

مراسلت کا پتہ :۔
ایڈیٹر "قومی راج"
ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
گورنمنٹ آف مہاراشٹر
۱۵۔ واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ،
مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

ٹیلی فون نمبر
۰۲۲۰۶۵۱
۲۰۲۳۹۵۷
۲۰۲۳۰۰۶

شرح خریداری
ایک سال کیلئے :۔ دس روپے ۲ سال کیلئے :۔ ۲۰ روپے
تین سال کیلئے :۔ ۲۷ روپے ۴ سال کیلئے :۔ ۳۶ روپے
اور پانچ سال کیلئے :۔ ۴۵ روپے

ترسیل زر کا پتہ :۔
اسسٹنٹ ڈائریکٹر (ایڈمنسٹریشن)
ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
گورنمنٹ آف مہاراشٹر، بیرک نمبر ۱۹،
نزد سرچی بلڈنگ۔ مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۲۱
(نوٹ :۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پتہ پن کوڈ نمبر کے ساتھ صاف صاف لکھیں)

چیف ایڈیٹر : ایس۔ کے۔ سگنے
ایڈیٹر : فیروزہ فیاض خان

پیڈ پیوپلس ایکشن فار ڈیولپمنٹ

نوجوانوں کی قوّت کی تعمیر کرسکتی ہے

پروفیسر آنند پاٹل،
ڈپارٹمنٹ آف انگلش،
شیواجی یونیورسٹی۔ کولہاپور۔

یہ کہا جا سکتا ہی نہیں کہ نوجوان نسل اپنی ریاست اور اپنے ملک کے روشن مستقبل کی تمنّا نہیں رکھتی۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ان کے بہترین تمناؤں کی رہنمائی مناسب طور پر نہیں کی جاتی۔ ان کی بیشتر تمنائیں پاش پاش ہوجاتی ہیں۔ جب انہیں حقائق سے واسطہ پڑتا ہے۔ حکومت مہاراشٹر کئی پراجیکٹوں اور اِسکیموں پر عمل درآمد کر رہی ہے۔ تاکہ نوجوانوں کی قوت سے مناسب طریقے پر کام لے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ وہ اسکیمیں اور پراجیکٹ صرف کاغذوں پر ہی رہ گئیں، اور اُن پر عمل کرنے کی نوبت نہ آسکی۔ اور یوں بھی ہوا ہے کہ بعض پراجیکٹ غیرمعمولی کامیابی سے دوچار ہوئے اور اخبارات نے جلی سُرخیوں کے ساتھ ان کا خیرمقدم کیا اور تعریف و توصیف کی۔

ریاست نے درجنوں انجینئرنگ کالجوں اور پالی ٹیکنیک اداروں کے کھولنے کا ایک جراتمندانہ اور قابل تصور فیصلہ کیا ہے۔ تاکہ تعلیم کے معنی "ملازمت سے لگ جانے" کی بجائے "اپنی مدد آپ کرنے" کے مرادف بھی ہو۔ میڈیکل کالجوں کے شروع کرنے کا خیال بھی ہے لیکن اس کے لئے کافی وقت درکار ہے۔ فی الحال ایک ڈگری یافتہ طالب علم کو

پوسٹ گریجویٹ کورس میں صرف اس لئے داخلہ لیتا ہے کہ اسے کوئی مناسب روزگار نہیں مل سکا۔ ایک "بی کام" کو نہ کسی بینک میں ملازمت ملتی ہے اور نہ وہ اپنا کوئی کاروبار شروع کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس غریب کے پاس اتنا سرمایہ ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا بے روزگاری نوجوانوں میں مایوسی پیدا کرنے کا سبب بن رہی ہے۔ ان حالات میں پیسڈ (پیوپلیس ایکشن فار ڈیولپمنٹ: ترقی کے لئے لوگوں میں سرگرمی) کے پروگرام بہت اہم رول ادا کر رہے ہیں تاکہ نوجوان نسل تعمیری کاموں میں مصروف ہو۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آج خود نوجوان سماجی حالات سے کس حد تک واقف ہے واضح طور پر، گاؤں کا نوجوان، چھوٹی یا بڑی ملازمت کے لئے قصبوں اور شہروں کا رُخ کرتا ہے۔ دوسری طرف، بہت کم لڑکے یا لڑکیاں، جو سماجی حالات کی اچھی واقفیت رکھتے ہیں اور بہ لحاظ پیدائش، و پرورش شہری ہیں۔ گاؤں کی طرف جانا پسند کرتے ہیں بہت سے نوجوان جو "یوڈک" "دل دیہات میں خدمت" اور دُوسری تحریکوں کی ٹریننگ حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اُن پُراجیکٹوں میں مصروف کار ہیں جو ادیباسیوں کے لیے قائم کئے گئے ہیں۔ یہ بدقسمتی حالات کی پیداوار ہے۔ بعض اوقات کام کے حلقے اور مقام کا انتخاب غلط ہوتا ہے۔ لہٰذا نئی راہوں کی تلاش بمشکل نظر آتی ہے۔ ہم اس صورت، حال کی ذمہ داری تعلیمی اداروں پر ڈال دیتے ہیں اور سماجی اصلاح کی کمی پر ان اداروں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ تعلیمی ادارے اپنی طور پر سیاسی، مذہبی اور معاشی مسائل پر الزام دھرتے ہیں۔ رضاکارانہ تنظیموں کی قوت ایجاد اپنا رنگ دیر میں دکھاتی ہے۔ تعلیمی اداروں کی کتابی تعلیم اب فرسودہ اور از کار رفتہ ہو چکی ہے۔

یہ ہے موجودہ گتھی کی نوعیت۔ پیسڈ اس گتھی کو سلجھانے کی ترکیب سے واقف ہے۔ یہ رضاکارانہ تنظیموں، اور حکومت کے درمیان ثالث کی حیثیت سے کام کر سکتا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کارآمد کڑی ثابت ہو سکتا ہے ضلع پونہ کے قصبہ منچر نے اس باب میں رہنمائی کی ہے۔

منچر ہارٹی کلچر (باغبانی) پراجیکٹ :-

پرنسپل اپا صاحب پنوال نے منچر کے آرٹس اور کامرس کالج کی خشک زمین میں باغبانی کا ایک بڑا پراجیکٹ بنایا ہے۔ جس پر گذشتہ ۶۔۷ سال سے، وہ تن تنہا جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں۔ تاکہ اس انوکھے پراجیکٹ کو ترقی دیں۔ اس پر خرچ ہونے والی مختصر رقمیں انہوں نے آس پاس کے گاؤں میں رہنے والے دیہاتیوں سے اکٹھا کیں۔ بظاہر باغبانی مختصر پیمانے پر شروع کی گئی۔ لیکن بعد میں انہوں نے تقریباً ۲۲ ہیکٹر زمین پر ایک بڑے پراجیکٹ کی شکل میں اسے وسعت دے دی اور پہاڑیوں کے اس ڈھلوان پر واقع اس خشک زمین کو بڑی جانفشانی کیساتھ بویا اور سینچا۔ حیرت انگیز طور پر ایک افتادہ زمین کو پیداواری زمین میں بدل دینے کی یہ ایک سچی کہانی ہے۔ آج اس پڑتل زمین پر لاکھوں پودے اور درخت لہلہا رہے ہیں۔ اس قدرے آدیباسی اور قحط زدہ علاقے کے لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس بے آب وگیاہ زمین سے کبھی بھی قسم قسم کے آم، اِملی، سیب، کٹھل وغیرہ پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ خشک زمین آہستہ آہستہ لیکن یقین کے ساتھ آج سرسبز شاداب اور پھل دار ہے۔

ابتدا میں مالی مدد یا قرض کے لئے ریاستی محکمۂ جنگلات کے پاس ایک عرضداشت بھیجی گئی تھی لیکن افسوس! تعلیمی اداروں کو درخت اگانے کے لئے گرانٹ دینے کی کوئی دفعہ قانون میں نہیں تھی۔ اس کے علاوہ بیس نکاتی پروگرام میں بھی اس پراجیکٹ کے لئے کوئی گنجائش نہیں نکل سکی۔ پھر بھی پرنسپل مذکور کے اقدام میں کوئی سستی پیدا نہیں ہوئی۔ باغبانی کا کام بہرحال جاری رہا اور ایک سرگرم پرنسپل کی حیثیت سے انہوں نے آخرکار صد فیصد نتیجہ برآمد کر ہی لیا۔

اس کامیابی کے لئے پرنسپل پنوال کو بڑی بڑی دشواریوں سے گزرنا پڑا۔ ان کے طلبا بھی ان کے ساتھ محنت میں لگے رہتے۔ دُور دُور سے پانی لانے کا جتن اور روزانہ مزدوری پر کام کے لئے مزدوروں کی تنخواہ ادا کرنے میں ان کا ہاتھ بٹاتے رہتے اور مایوسی کو پاس نہ آنے دیتے۔ بارش کی قلت اور اوسطاً ۱۵ انچ بارش ان کی دشواریوں میں اضافہ کرتی رہی۔ ہزاروں پودوں کو، جھلسانے والی گرمی میں، پانی دینا ایک بڑا مسئلہ تھا اور پانی کے لئے صرف

ایک چھوٹا سا کنواں تھا جس میں پانی بھی کم تھا۔ وہ الیکٹرک دس ہارس پاور) جو وہاں نصب تھا فقط نصف گھنٹہ چلایا جا سکتا تھا۔ اس لئے پرنسپل بیوال نے پودوں کی آبیاری کے لئے ہر ایک کی جڑ کے پاس مٹی کے کوزے رکھ دیئے اور حصہ بقدر جثہ کے مصداق ہر پودے کو برابر پانی دیتے رہے تاکہ انہیں پیش نظر مقصد میں کامیابی حاصل ہو۔

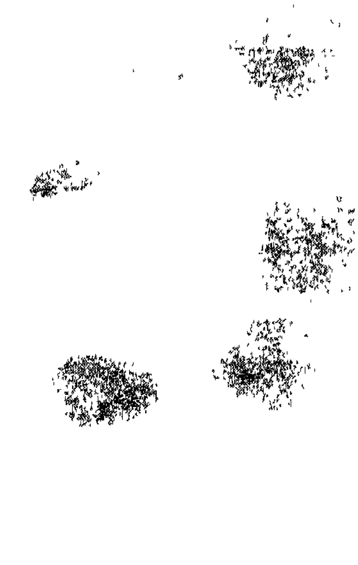
آخر میں انہوں نے وزیر زراعت شری رانا بھاؤ یمبڈوار اور بیپڈ کے ممبر سکریٹری شری بی۔این۔ نینے کو پراجیکٹ کے معائنہ فرمانے کی دعوت دی۔ وزیر زراعت نے مقام معائنہ پر ہی پراجیکٹ کے لئے ایک لاکھ روپیہ کے عطیہ کا اعلان فرمایا تاکہ اس کے ذریعے کنوؤں کو گہرا کیا جائے اور ایک تالاب پانی کا ذخیرہ کرنے کے لئے بنایا جائے۔ اس علیمی ادارے کی زندگی میں یہ ایک خوش گوار موقع تھا۔ کنڈا کے ہائی کمشنر نے کناڈا کے باشندوں کی جانب سے عطیہ ہ) ایک ٹریکٹر، ٹرالی اور ایک ٹینکر، جن کی قیمت ۳،۱ لاکھ روپیہ تھی۔ بغیر کسی شرط کے پراجیکٹ کے لئے عنایت فرمایا۔ نہ کوئی سرٹیفکیٹ طلب کی گئی، نہ کسی بات کی تصدیق چاہی گئی اور نہ سوالات کئے گئے۔ بیپڈ مہاراشٹر نے بھی عطیہ کے چیک بلا تاخیر واگذار کر دیا۔ یہ مالی مدد جو نہایت ضرورت کے موقع پر بروقت دی گئی تھی۔ پراجیکٹ کے لئے بیش بہا نعمت ثابت ہوئی۔ بلکہ یوں کہئے کہ سوکھے دھانو پر پانی پڑ گیا۔ پرنسپل بیوال اب مرغبانی، بیدسازی، ڈیری اور دوسرے کم مدتی کورسیز شروع کرنے کا خیال فرما رہے ہیں۔ تاکہ ذاتی پیداوار کے منافع کے ذریعے کالج کو خود کفیل بنایا جا سکے۔

باغبانی کے اس پراجیکٹ کو حکومت نے تسلیم کر لیا کیونکہ بیپڈ نے اس کی مدد کی تھی۔ پرنسپل بیوال چاہتے ہیں کہ اس پراجیکٹ کو مزید ۲۰ ہیکٹر تک وسعت دیں تاکہ مجموعی طور پر یہ پراجیکٹ ۴۲ ہیکٹر کو احاطہ کر لے۔ گرام پنچایت کالج کو ۲۲ ہیکٹر سرکاری زمین پہلے ہی دے چکی تھی۔ اب اس نے پراجیکٹ کے لئے مزید ۲۰ ہیکٹر زمین عطا کرنے کی درخواست حکومت کو روانہ کی ہے۔ لیکن حکومت کے گرانٹ ان ایڈ کوڈ میں ایسی کوئی دفعہ نہیں ہے کہ کسی تعلیمی ادارے کو درخت اگانے کے لئے سرکاری زمین برائے نام قیمت پر دی جائے۔ لینڈ سیلنگ ایکٹ کے سبب کئی پیچیدگیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ کالج کی اتنی استطاعت نہیں ہے کہ وہ زمین مذکور قیمت بازار کی شرح سے خرید سکے۔

محکمہ تعلیم کے سیکریٹری شری ایس۔جی۔ ڈھیتد نکر نے نہایت پرزور سفارش کی ہے۔ وزیر محاصل شری ایس۔جی گھولپ، جنہوں نے پراجیکٹ مذکور کا معائنہ فرمایا تھا۔ اس چھوٹے سے کالج کے اتنے وقیع کارنامے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے اور انہوں نے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ کالج کے حق میں زمین مذکورہ



★ کیلے کی پودکاری کا ایک منظر ★



بے دانہ رس بھرے لیموں پونے ضلع کے مقام بیجر کے ایک باغ میں ۔

قبضے میں لے لینے کے لیے پیشگی احکامات صادر کردیں گے ۔ انچہ وہ کالج کو برائے نام قیمت پر حسب وعدہ اضافی زمین لانے میں کامیاب ہوئے ۔

رضاکار تنظیموں اور حکومت کے مابین مکالمہ و گفتگو :۔

بیسڈ نے مہاراشٹر کے سماجی کارکنوں اور رضاکار تنظیموں کے نمائندوں کی ایک میٹنگ بلانے کا انتظام کیا۔ اس کی صدارت وزیراعلیٰ نے فرمائی ۔ رضاکار تنظیموں کے مسائل پر دل کھول کر بحث و گفتگو کی گئی۔ پرنسپل پنوال نے یہ رائے دی کہ حکومت اپنی ان زمینوں کو جو افتادہ پڑی ہوئی ہیں تعلیمی اداروں کو عنایت کردے تاکہ ایسے ادارے ان پر سماجی جنگل کاری اور باغبانی کے ذریعے انہیں ترقی دیں ۔

ان کا مشورہ وزیراعلیٰ نے بخوشی منظور فرمایا ۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ "بیسڈ" کو چاہیئے کہ وہ رضاکار تنظیموں کے نمائندوں کو یوں اکٹھا کرنے کے مواقع پیدا کیا کرے تاکہ خیالات کے تبادلے میں سہولت ہو ۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ اس قسم کے تبادلۂ خیالات اور باہمی گفتگو کا نتیجہ خوشگوار ہوگا ۔

میٹنگ مذکور سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دل و جان سے سماجی کام کرنے والوں اور سرکاری منتظمہ میں باہمی افہام و تفہیم کی راہ نکل آئی ۔ اس سلسلے میں رضاکار تنظیموں کے نمائندوں نے کھل کر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ حکومتی مشینری نئے تجربات اور پراجیکٹس کی اہمیت کو اکثر سمجھ نہیں پاتی بلکہ اس مشینری کی فولادی فریم بندی بارہا نئی اختراعی کوششوں کو پنپنے بھی نہیں دیتی ۔ بہرحال اس میٹنگ کی بدولت رضاکار تنظیموں اور حکومت کے مابین مکالمے کی صورت پیدا ہوگئی ۔

مجھے رضاکار تنظیموں کے نمائندوں اور حکومتی منتظمہ کے بعض افسروں کے مابین ایک اور میٹنگ کا خیال آگیا جس میں شری ہنکر رائے ۔ مشیر پلاننگ کمیشن ، شری آر ۔ کے ۔ مہاجن ، مشیر ۲۰ ۔ نکاتی پروگرام اور شری بی ۔ این ۔ بینے ، ممبر سکریٹری بیسڈ (مہاراشٹر) ، نے بھی شرکت فرمائی تھی ۔ اس بلند پیمانے پر منعقدہ شدہ یہ پہلی میٹنگ تھی ۔ جو بڑی خوشگوار ثابت ہوئی تھی ۔ چنانچہ جو گفتگو اور مکالمے اس میں ہوئے تھے ان سے بیسڈ کو کئی پراجیکٹوں پر عمل درآمد میں بڑی مدد ملی تھی ۔

میں نے اناصاحب آواتے کالج کی ترقی کی یہ طول و طویل کہانی اس لئے بیان کی کہ ترقی کے مراحل اور طریقوں کا اندازہ لگایا جاسکے ۔ ایک کالج ہو یا اسکول ، اسے سماجی ترقی کا مرکز بنایا جانا چاہیئے ۔ اناصاحب آواتے کالج کو رایت شکشن سنستھا چلاتی ہے جو ایسے ہی دیگر ۲۵ کالجوں ، ۳۰۶ ثانوی اسکولوں ، ہاسٹلوں اور ٹریننگ مرکزوں کو بھی چلاتی ہے ۔ "کماؤ اور ساتھ ساتھ پڑھو" ، اس تعلیمی فلاسفی کی نمایاں خصوصیت تھی ۔ جس کے پرچارک کرم ویر بھاؤراؤ پاٹل تھے ۔ دیہی علاقوں میں ایسے بہت سے تعلیمی ادارے ہیں جو سماجی خدمت کا اعلیٰ اور شریفانہ کردار ادا کررہے ہیں ۔ یہ ادارے نوخیز لڑکوں ، اور لڑکیوں کی شخصیت سازی اور کردار پروری کا اہم کام انجام



الفانسو (ہاپس) آم کے درخت خشک علاقوں میں بھی اُگائے جا سکتے ہیں۔ ضلع پونے کے مقام منچریں شری ماروتی گانو پنچانے نے کامیاب تجربہ کیا۔ زیرِ نظر تصویر میں وہ اُگائے گئے الفانسو درخت کی دیکھ بھال کرتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔

دے رہے ہیں۔ "پیڈ" جوان رضاکار تنظیموں کی وساطت سے اچھی شہرت اور بے داغ ریکارڈ رکھتی ہے۔ بہت سی اسکیموں کو عمل میں لاسکتی اور نوجوانوں کی عملی قوت کو سرگرمی کے ساتھ متحرک کر کے تعمیری کام کی تکمیل کر سکتی ہے۔

اثر پذیری :۔

انا صاحب آواتے کالج کے باغبانی پراجیکٹ نے آس پاس کے دیہاتوں کے نوجوانوں اور کاشتکاروں پر بہت خوش گوار اثر ڈالا۔ یہ کالج اب سماجی ترقی کا مرکز بن گیا ہے۔ مثال کے طور پر، "منچر" کے ایک نوجوان شخص، "نرسیدر سمداد یا" کو پرنسپل پنوال نے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اپنی خشک زمین پر ایک چھوٹی نرسری (پود کیاری)

اور باغبانی شروع کرے اور اسے ترقی دے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ نرسیدر ہزاروں پودے اُگا چکا ہے۔ ادسری اور شینولی کے ثانوی مدرسوں نے "ایک (یا ہر) بچے کے لیے درخت" کی اسکیم نکالی۔ آواتے کالج نے سماجی محکمہ جنگل بانی کی مدد سے "بہترین پود کیاری" بنائی۔ بہت سے نوجوان کاشتکاروں نے اپنی اپنی خشک زمینوں پر لگانے کے نوخیز پودوں کو یہیں سے لیا اور لگایا۔

اثر پذیری کی ایک اور قابلِ ذکر مثال آواتے کالج کے باغبانی پراجیکٹ کی یہ ہے کہ واوڈے واڑی کے کسانوں نے اپنی دلچسپی کے جوش و اظہار میں کاشتکاروں کے لئے ایک سیمینار کی تنظیم کی۔ اس طرح "پیڈ" نے نوخیز نسل کو تعمیری کام پر اکسانے اور متحرک کرنے میں نہایت اہم بلکہ حیرت انگیز اہم رول ادا کیا۔

نئے تجربے :۔

محکمۂ تعلیم متعدد اسکیموں جیسے نیشنل ایڈلٹ ایجوکیشن اسکیم، نیشنل سروس اور ان جیسی دوسری کئی اسکیموں پر مشینی انداز میں عمل کرتا ہے لیکن مقامی ماحول کے سبب پیدا ہونے والے تمام عوامی مسائل ایسی اسکیموں سے حل نہیں کئے جا سکتے جن میں اختراعی تصورات اور نت نئے تجربوں کی کمی ہو۔ "پیڈ" کو چاہیئے کہ وہ ایسے تعلیمی اداروں اور رضاکار تنظیموں کو مالی مدد دے۔ جو دل و جان سے ایسے نئے پراجیکٹوں کو زیرِ عمل لانا چاہیں جن سے بہتوں کو فائدہ پہنچے۔ یہ پراجیکٹ ایسے روایتی طور پر کئے جانے والے کام نہ ہوں۔ جنہیں روایتی انداز میں دہرایا جاتا ہو۔ اصل مقصد نوجوانوں کو بڑھاوا دینا ہو۔ تاکہ وہ کسی نئی چیز کی اختراع کریں۔ کالج اور اسکول دیہاتوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ تاکہ انہیں ترقی کی راہ پر لے جائیں۔ لیکن پیڈ کو چاہیئے کہ وہ اچھی سوجھ بوجھ رکھنے والے جوان دماغوں کا انتخاب کریں اور ان کو مالی مدد دیں تاکہ خود پیداواری طور طریقوں کے ذریعے بہتر معاشی حالت کی تعمیر کی راہیں ہموار ہوں۔ انہیں فیلوشپ دی جانی چاہیئے تاکہ قومی اور بین اقوامی سطحوں پر منعقد کئے

قومی راج

جانے والے سیمیناروں میں وہ شریک ہو سکیں۔ تب وہ پرانے سماجی کارکنوں کے ریٹائر ہونے پر ان کی جگہ سنبھالنے کے قابل ہوں گے۔ یہ تنظیم نگاہ رکھے گی کہ آگے بڑھنے کے خواہشمند بے غرض سماجی کارکنوں کی کمی نہ ہونے پائے۔ ان چنے جانے والے جوانوں کو جینت راؤ پاٹل کے کوسں باڈ، منی بھائی کے ارلی کچن، بابا آمٹے کے آنندون اور پرنسپل مینوال کے باغبانی پراجیکٹ جیسے مشہور مرکزوں سے روشناس کرانا ہوگا۔

ان امور کو مناسب طور پر سمجھنے کے لئے انہیں مالی مدد حاصل کرنے کے طور طریقوں اور ذریعوں سے واقفیت رکھنی ہوگی تاکہ انہیں اپنے پراجیکٹوں کے لئے عطیوں، گرانٹس وغیرہ کے حصول میں پریشانی نہ ہو۔ کیونکہ دیہی علاقوں کے جوانوں کی ان اسکیموں کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہوتی، اور گرانٹس عطیوں وغیرہ کی تفصیلات پر مشتمل لٹریچر یعنی رسائل، کتابچے، پمفلٹ اور پرچے کے متعلق بھی وہ کچھ نہیں جانتے۔ یہ ترقی کے خواہشمند جوان اکثر جذباتی ڈھنگ پر کام کر بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ جو پراجیکٹ ان کی نظروں سے گزرتے ہیں اکثر انہیں کو یہ نمونۂ عمل سمجھ بیٹھتے ہیں۔

اگر ان کی مدد مناسب وقت پر نہیں کی گئی تو وہ پست ہمت ہو جاتے ہیں اور مایوسی کے عالم میں سماجی کام میں دلچسپی لینا ترک کر دیتے ہیں۔ میرے خیال میں پیسڈ کو ایک ماہانہ رسالہ نکالنے میں پہل کرنی چاہیئے تاکہ ان جوانوں کو معلوماتی لٹریچر کے ذریعے خاطر خواہ رہنمائی ملتی رہے۔ ایسے ماہانہ رسالے میں ایسے مضامین، اشتہارات اور اقتباسات ہوں۔ جن کا تعلق پیش نظر پراجیکٹوں اور اسکیموں سے ہو۔ مہاراشٹر کی اس نوع کی رضاکار تنظیموں کی ایک ڈائرکٹری بھی شائع کی جا سکتی ہے۔ معلومات کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لئے سیمیناروں کا انعقاد الگ الگ مقامات پر ہو۔

ایک روپیہ فنڈ

سماجی کام کے لئے فنڈس کی فراہمی ہر کس و ناکس کا کام نہیں اور آج کل تو یہ پیچیدہ چیز بن چکی ہے۔ "پیسڈ" جو جوانوں کو اپنی ایک روپیہ والی اسکیم سمجھا سکتا ہے بلکہ اس میں شرکت کر سکتا ہے۔ اس سے ان جوانوں کو ٹریننگ ملے گی اور لوگوں سے زیادہ قریب بھی ہوں گے۔ یہی نہیں بلکہ سماجی کام میں اپنے حصے پر وہ فخر بھی محسوس کریں گے۔ پھر اس طرح اس خیال کو روک لگے گی کہ ہر چیز بغیر محنت اور بغیر پیسے کے مل سکتی ہے۔ دیہاتی حلقوں کے اکثر و بیشتر جوانوں کو یہ بھی خبر نہیں، کہ "پیسڈ" کس چیز کا نام ہے۔ یقیناً پیسڈ کا تعارف سوسائٹی کے سب سے نچلے طبقے سے کرانا ہوگا۔

پیسڈ کا رول :-

"ضمانت روزگار اسکیم" "۲۰ نکاتی پروگرام" "خاندانی بہبود اسکیم" وغیرہ کے متعلق عام خیال یہی ہے کہ ان کی تعمیل سرکاری افسران کے ذریعے ہوتی ہے اور یہ کہ ان اسکیموں پر لال فیتہ کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ اس لئے ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں۔ ان اسکیموں کے متعلق جوانوں کے خیالات اس قسم کے ہیں۔ اس کے علاوہ اخبارات میں موٹی سرخیوں کے ساتھ ایسی خبریں بھی آتی رہتی ہیں کہ "ضمانت روزگار اسکیم" میں رشوت ستانی کی کارفرمائی ہے۔ فیملی پلاننگ کے اعداد و شمار غلط ہیں۔ ضلع پریشد کے بجٹ نمائشی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے خبروں کی اخبارات میں روزانہ اشاعت سرکاری اسکیموں سے جوانوں کو برگشتہ کرتی ہے اور اس طرح انہیں تلقین کی جاتی ہے کہ وہ ان اسکیموں پر بلا تامل یقین نہ کریں۔ "پیسڈ" ان غلط خیالات کو محو کرنے کے لئے ایک اچھا ادارہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کے ذریعے ایک سازگار فضا ان کاموں کے پرکھنے کے لئے قائم ہوگی جسے رضاکار تنظیمیں اور حکومتی مشینری انجام دیں گے۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد فائدے حاصل ہوں گے۔ رضاکارانہ خدمت کرنے والے اداروں کی وقعت سماج کی نظروں میں بہت ہے کیونکہ ان سے مقامی لوگوں کا ہمیشہ تعلق ہوا کرتا ہے۔ اور یہی ادارے ان کے خیال میں "امیدوں کی کرنیں" ہیں۔ ایسی تنظیموں کی طرف جوان عموماً راغب ہوتے ہیں۔

"پیسڈ" کو چاہیئے کہ اس مد میں سرمایہ کاری سے مزید دلچسپی لے کیونکہ آج کے جوان ہی کل کی سوسائٹی کا سرمایہ ہوں گے۔ لہٰذا پیسڈ کو چاہیئے کہ سوسائٹی کے ان ستونوں کی بہتر انداز میں تعمیر پر توجہ دے تاکہ مستقبل روشن اور شاندار ہو۔

بنود داؤ

عوام کی جیت! عوام کی طاقت

انسان کی ذات کی تکمیل بنا آزادی ناممکن ہے اور بھوکے پیٹ تو اس کا تصور بھی محال ہے۔ آزادی صحیح معنوں میں بھوک سے نجات کا دوسرا نام ہے مگر پھر بھی یہ اپنے آپ میں مکمل آزادی نہیں ہوگی البتہ اسے ابتدا یا آغاز کہا جاسکتا ہے۔ انسان کی بقا کے لئے مرغن، متوازن اور سستے کھانوں کی ضرورت ہے اور جب تک اچھے یعنی مقوی اور غذائیت بخش کھانے نہ ملیں زندگی کا تصور ہی ادھورا ہے۔

اقوام متحدہ کے ادارے فوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگنائزیشن (FAO) نے ۱۹۶۰ء میں ایک مہم "بھوک سے آزادی" کی چلائی تھی۔ اس تحریک میں انسان کے لئے غذا کی ضرورت، مقوی اور غذائیت بخش غذاؤں کو مہیا کرنا وغیرہ شامل ہے۔ اگر اس مہم پر حکمت عملی کے ساتھ عمل درآمد کیا جائے تو آج انسان بھوک جیسی برائی سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا حاصل کرسکتا ہے جو کہ انسانوں کے درمیان نفرت اور جنگ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔



بایوگیس کے استعمال سے دیہاتی خواتین کو بڑی راحت ملی ہے۔ پیڈ بایوگیس کے لئے امداد کرتا ہے۔

تومی راج

تعاون

تجربات سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ سرکاری طور پر اس کا کوئی ریڈی میڈ حل نہیں ہے۔ اس کے لئے چوطرفہ تعاون درکار ہے۔ اس کے لئے نہ صرف ان لوگوں کی امداد کی ضرورت ہے جو کہ فراخ دلی سے چندہ دے سکتے ہیں بلکہ ان لوگوں کا تعاون بھی درکار ہے جو کہ ان امداد سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ چنانچہ سرکار، رضاکار ادارے اور عوام تینوں مل جل کر اس کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔

عوامی اقدام برائے ترقیات یا پیڈ (سہند) اور پیڈ (مہاراشٹر) ایف اے او کے پیدا کردہ ہیں اور ان کاموں میں عوامی شرکت کے لئے ربط باہمی اور وقتی اقدام کو ذریعہ بنائے ہوتے ہیں۔ بھوک کا خاتمہ اور ناکافی غذائیت ایسے مسائل ہیں جو کہ ابتدائی پیداوار میں تکنیکی ترقی تک محدود نہیں ہیں اور عوام کا ایک بڑا حصہ غذائی کمی اور ناقص خوراک کا شکار بن جاتا ہے۔ اس لئے سائنس اور ٹیکنالوجی کا استعمال ترقی پذیر علاقوں میں مستقل طور پر زراعت کے لئے کیا جانا ضروری ہے ورنہ اس سے چھٹکارا نہیں ہے۔

ضروریات

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ادارہ جاتی ماحول کو ان علاقوں میں پیدا کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ نئی تکنیک اور طریقوں پر کامیابی کے ساتھ عمل کرنے کے لئے سماجی حالات تشکیل دیئے جائیں جس میں ترقی، تعلیم و صحت شامل ہے تاکہ عوام نئے طریقوں کو اپنانے کے لئے اپنا ذہن بنا سکیں۔ انہیں سمجھ سکیں۔ غرضیکہ بھکمری اور ناقص غذا سے نجات کے لئے کوئی ایک فارمولا استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لئے چوطرفہ جدوجہد اور ربط عامہ کی بے حد ضرورت ہے۔ عوامی اقدام برائے ترقیات (پیڈ) نے کم از کم اس مسئلے کے حل کے لئے چند جواز تلاش کئے ہیں۔ یو۔ اے۔ او کے سربراہ شری جی۔ آر۔ سین نے اس بات کا اندازہ لگایا کہ بھوک سے چھٹکارا مہم کی کامیابی قومی اقدام پروگرام میں مضمر ہے اور اس کا انحصار ہر ملک میں اس سلسلے میں اٹھائے گئے علاقائی اقدام پر ہے

مہاتما گاندھی کا کہنا تھا کہ جب ہم خدا کی عبادت کرتے ہیں تو اس وقت اس بات کو اپنے ذہن سے کبھی نہ نکالیں کہ دریدر نارائن جو کہ سب سے زیادہ بیکس انسان ہیں انہیں مدد کی ضرورت ہے۔ پیڈ کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ معذوروں اور سماج کے دھتکارے ہوئے انسانوں کو راحت پہنچائی جائے۔



پیڈ کے ذریعے سینچائی اور سینچائی کنویں پروگرام پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے تاکہ گاؤں کے کسانوں کی باز آبادکاری کا کام ہو سکے۔ زیرنظر تصویر میں ایک سماجی کنویں کا منظر۔

ضلع چندرپور کے "آنندون" میں دھان کے کھیت ناسور کے مریضوں کے ہاتھوں لہلہاتے ہیں۔

یہ سب پیڈ کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے جس میں بابا آمٹے کی ہمت و استقلال بھی شامل ہے۔ انہوں نے ۱۹۷۹ء میں پہلی مرتبہ اس قسم کا کھیت بونے کی کوشش کی تھی۔ اس مقصد کے لئے ۱۰،۰۰۰ روپے کی قیمت کے ٹریکٹر، پیڈ کی جانب سے عطا کئے گئے تھے۔ اس رقم میں بلجیم کے مزدوروں کی جانب سے ایک دن کا برت رکھ کر اکٹھا کی گئی رقم بھی شامل ہے۔

بابا آمٹے کا خواب

بابا آمٹے اس روز کا خواب دیکھ رہے ہیں جبکہ پیڈ عوامی تحریک کی صورت اختیار کر لیگی اور شہروں کے منظم مزدوروں کی حمایت اسے حاصل ہوگی۔ یہ تمام مزدور اپنے ایک یا آدھے وقت کی مزدوری یا برت رکھ کر پیسے جمع کر کے دیں گے تاکہ دیہاتوں کے بے زمین مزدور، چھوٹے کاشتکار جو کہ منظم نہیں ہیں، فیضیاب ہو سکیں۔

پیڈ کی سربراہی میں آنندون کی طرح مہاراشٹر میں کئی دیگر ادارہ جات کھولے جا سکتے ہیں۔ بقول جواہر لال نہرو کے ان جدید مندروں کے ذریعے خودکفالی اور اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

آج کل دیہاتوں کی آبادی شہروں کی طرف مراجعت کر رہی ہے۔ خاص کر میٹروپولیٹن شہروں کی جانب اور وہاں کے مسائل میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ پیڈ کی مدد سے دیہی علاقوں میں ہی روزگار فراہم کیا جا سکتا ہے تاکہ شہری زندگی کی جانب سے رغبت کا جذبہ کم ہو سکے اور دیہی علاقوں سے وابستگی برقرار رہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو یہ ایک بہت ہی اہم کام ہوگا۔ چاہے اس میں کتنا ہی وقت کیوں نہ لگ جائے۔ ایک طرح سے ان مسائل کا حل پیدا ہو جائے گا جو آج کے بھارت کے شہروں کو درپیش ہیں۔

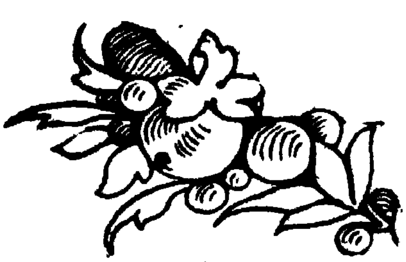
روپیہ فنڈ

اگر ہر شہری ایک روپیہ ایک سال میں پیڈ فنڈ میں جمع کرے تو پیڈ کے مختلف پروگراموں پر عمل درآمد کرنے میں سہولتیں فراہم ہو جائیں گی اور اس طرح سے دیہی علاقوں کی بہتری کے مواقع فراہم ہوں گے اور ہمارے خواب شرمندۂ تعبیر ہوں گے۔



پیسے سے لدا ہوا درخت

ترجمہ : مختار ریاض
۴۔ اے کپاڈیہ نگر، فلیٹ نمبر ۴۔
سی ایس ٹی روڈ۔ کرلا۔ بمبئی ۔ ۷۰



پی۔ اے۔ ڈی۔ آئی
کی امداد کے حق دار کون ہو سکتے ہیں؟
جانچ کے اُصول

۱] عوامی اقدام برائے ترقیات (ہند) کی نظر میں وہ تنظیم جو کسی پروجیکٹ کی کفالت کی دعویدار ہو اسے ایک ایسی تنظیم یا ادارہ ہونا چاہیئے جو سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ، ۱۸۵۰ کے تحت رجسٹرشدہ ہو، یا اسی جیسے ریاستی ایکٹ کے تحت رجسٹرشدہ ہو، یا کوئی ٹرسٹ ہو جو انڈین ٹرسٹ ایکٹ، ۱۸۸۲، کے تحت یا چیریٹیبل اینڈ ریلیجس ایکٹ ۱۹۲۰ کے تحت رجسٹرکی گئی ہو یا کوآپریٹیو سوسائٹی ہو جو متعلقہ کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ کے تحت چلائی جارہی ہو۔

۲] کفالت کرنے والی تنظیم کا بنیادی طور پر غیرسرکاری تنظیم ہونا ضروری ہے۔ وہ گورنمنٹ کے کسی حکم کے تحت قائم نہ کی گئی ہو۔ اسے حکومت سے معقول مالی مدد امدادی گرانٹ یا اعانت یا سرمایہ میں شیئر (حصّہ داری) کے روپ میں قرض نہ ملا ہو اور نہ وہ سبسیڈی (امدادی رقم) پاتی ہو لیکن یہ پابندی ایسی تنظیموں پر عائد نہ ہوگی جن کو حکومت کی طرف سے کسی صراحتاً ذکرکردہ پروجیکٹ کے سلسلے میں، یا کسی خاص مقصد جیسے کہ حصول زمین، تعمیر عمارت، مشینری اور سازوسامان کی خرید وغیرہ کے لئے مالی مدد ملتی ہو بلکہ انہیں غیرسرکاری تنظیم کا نام دیا جاسکے گا۔

۳] کفالتی تنظیم ایک رضاکارانہ تنظیم ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ممبری کی بنیاد رضاکارانہ انتخاب پر ہو نہ کہ کسی ادارے کے لئے طریقہ نامزدگی پر جس کو حکومت کی طرف سے یا حکومت کے بکفالت کردہ اداروں کی طرف سے غیر دفتر (Ex-offio) ممبر کی حیثیت دی گئی ہو

[۴] کفالتی تنظیم کی ایک باقاعدہ طور پر تشکیل دی ہوئی مینجنگ باڈی ہو، جیسے گورننگ باڈی، گورننگ کونسل، ایکزیکیٹیو کمیٹی، مینجمنٹ کمیٹی یا اسی طرح کے معندن ناموں سے پکارا جاتا ہو۔ مینجنگ باڈی کے اختیارات اور ذمہ داریوں کی واضح تعریف، تنظیم یا ایسوسی ایشن کے آرٹیکلز اور رولز یا میمورنڈم یا بائی۔لاز میں صراحتاً مذکور ہو۔ مینجنگ باڈی کی تشکیل ان طور طریقوں کے مطابق عمل میں آئی ہو جو بائی۔لاز یا رولز (قوانین) یا میمورنڈم میں یا تنظیم یا ایسوسی ایشن کے آرٹیکلز میں مذکور ہوں۔

[۵] کفالتی تنظیم بلحاظ مقصد وسیع بنیاد رکھتی ہو، جو معاشی، سماجی اور ثقافتی ضروریات کی بحیثیت مجموعی خدمت کو محیط ہو۔ اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ فرقہ نوازی یا پارٹی نوازی سے دور ہو۔

[۶] کفالتی تنظیم مضبوط مالی بنیاد پر قائم ہو اور پروجیکٹ کو چلانے کے لئے حکومت سے مالی امداد نہ بھی یا دوسرے ذرائع اقدام نہ بھی کریں یا تاخیر سے کام لیں تب بھی وہ اپنے طور پر پروجیکٹوں کو چلانے کے لئے مالی وسائل

پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ تنظیم کے حسابات اچھی طرح اور باقاعدہ طور پر آڈٹ کئے گئے ہوں۔

[۷] کفالتی تنظیم کچھ بنیادی سہولتیں رکھتی ہو جو زمین، بلڈنگ، ساز و سامان اور ایسی نوع کی جائداد کی شکل میں ہوں تاکہ وہ سہولتیں پروجیکٹ کے لئے ضروری پیٹھ بل فراہم کرنے کی اہل ہوں۔

[۸] کفالتی تنظیم کے پاس کوالیفائڈ ٹیکنیکل، انتظام کار ایڈمنسٹریٹو اور میدانی کام کی صلاحیت و اہلیت رکھنے والا عملہ ہو جو پروجیکٹ کو چلا سکے۔

[۹] کفالتی تنظیم پروجیکٹ کو چلانے کا کافی تجربہ رکھتا ہو۔

[۱۰] "پی ایے ڈی آئی کیطرف سے صرف دیہی ترقیاتی پروجیکٹ امداد کے مستحق ہیں۔ نیچے مذکور فہرست جامع و کامل نہیں ہے بلکہ مستحق پروگراموں کی ایک تمثیلی فہرست ہے۔

(۱) کھیتی باڑی کی توسیع

(۲) بہتر قسم کے بیجوں، فرٹیلائزروں، کیڑے مار دواؤں کے استعمال، ہل جوتنے، بوائی اور آبپاشی کا انتظام کرنے کے ترقی یافتہ طور طریقے اپنانے، سائنسی اصولوں کے مطابق فصل کی باری باری سے بوائی اور کٹائی سے پہلے اور کٹائی کے بعد نئی تیکنیک اختیار کرنے کا پروپگنڈا کرنا۔

(۳) اناج، دالیں، سبزیاں اور پھلوں کی پیداوار کا کام کرنا۔

(۴) آبپاشی کے چھوٹے کام، جس میں "لفٹ" آبپاشی شامل ہے، کنوؤں کی کھدائی، پرائیویٹ ٹیوب ویل، چھچھلے (کم گہرے) ٹیوب ویل، بانس (یا میں) بورنگ۔ زمینی سوراخ دار بورنگ، کوارٹز بورنگ، کھلی بورنگ کے کام خواہ بجلی کے ذریعے کئے جائیں، خواہ ڈیزل پمپ سیٹ کے ذریعے اور خواہ میدانی چینل (آبی راستوں) کے ساتھ ملاکر یا بغیر ملائے بنائے جائیں۔

(۵) ہل جوتنے کے قابل بیلوں اور زراعتی اوزاروں کی فراہمی۔

(۶) اناج کی پیداوار کو اسٹور کرنے کے لئے ڈبوں کی فراہمی، گوداموں کی تعمیر، موجودہ اسٹوریج کی بہتر ڈھنگ پر تعمیر۔ اناج محفوظ رکھنے کے لئے سہولت بخش تعمیرات اور منڈی کے لئے صحن، احاطہ یا باڑا کی تعمیر۔

(۷) زمین ہموار کرنا، زمین کا سدھار، پانی کی فصل، مٹی کا سدھار، ذخیرۂ آب کیلئے اقدامات۔

(۸) خشک کھیتی باڑی۔

(۹) جنگل بانی بشمول نئے پودے لگانا، ہٹائے گئے پودوں کی باز آبادکاری، سماجی اور کمیونٹی جنگل بانی، کھیتی کے ذریعے جنگل بانی،

(۱۰) سوکھی گھاس اور چارے کے معیار میں بہتری۔

(۱۱) مویشی پالن اور ڈیری ترقیات بشمول مویشیوں کی مخلوط نسل کی فراہمی، مصنوعی حمل بینکوں کا قیام، دودھ کی سوسائٹیوں کے ادارے، دودھ کا ذخیرہ کرنا، اور فروخت کرنا، مویشیوں کے چارے کے ادارے، مویشیوں کے چارے کی فراہمی اور مخلوط جانوروں کی صحت کی دیکھ بھال۔

(۱۲) بھیڑیں، بکریاں، پولٹری اور خنزیر کی دیکھ بھال۔ بشمول بہترین افزائش نسل کی فراہمی چارے کے انتظامات، صحت اور مارکیٹنگ۔

(۱۳) ماہی گیری بشمول مچھلیوں کے تالاب، مچھلیوں کے چارے، جالوں، کشتیوں اور مارکیٹنگ کی ترقی،

(۱۴) ریشم کے کیڑوں کی پرورش۔

(۱۵) شہد کی مکھی پالن۔

(۱۶) اناج، گرم مصالحہ، پھل اور ترکاریوں کی تیاری

(۱۷) غلہ بانی کے چارے کے ذریعے زراعت۔

(۱۸) بیجوں کا کچلنا۔

(۱۹) خوردنی تیل کے ذریعے صابن کی تیاری۔

(۲۰) چمڑا سازی

(۲۱) فن کوزہ گری

(۲۲) لکڑی کی پیداوار اور کارپنٹری۔

(۲۳) ماچس سازی اور اگر بتی بنانا۔

(۲۴) دست کاری

(۲۵) دست کاری اور پاور لومس

(۲۶) بانبوسازی، ٹوکریاں بنانا اور ٹھا بازی۔

(۲۷) ٹیلرنگ، سلائی، ایمبرائیڈری اور کاٹن اور اون پر بنائی۔

(۲۸) جوٹ کی رسی سازی

(۲۹) دھات کے کام

(۳۰) موم بتی سازی

(۳۱) قالین کی بنائی

(۳۲) رنگائی اور چھپائی

(۳۳) دستی کاغذ کی تیاری

(۳۴) ناریل کے ریشوں سے اشیاء کا بنانا اور دیگر سوت کی صنعتیں۔

(۳۵) کھلونے سازی

(۳۶) گھڑیاں، سائیکل، ریڈیو، ٹرانسسٹر، ہیڈپمپ اور پمپ سیٹوں اور ٹریکٹروں کی درستگی۔

(۳۷) پینے کے پانی کی صفائی اور علم حفظان صحت۔

(۳۸) ہیلتھ سروسے، ہیلتھ ایجوکیشن، زچہ خانوں اور ادویات کی فراہمی، جذام کی روک تھام، ٹی بی کی روک تھام وغیرہ۔

(۳۹) قوت بخش غذا اور بال واڑیاں اور آنگن واڑیوں کا قیام۔

(۴۰) تعلیم بشمول اسکولوں کا قیام، ہوسٹلوں کا قیام، تعلیم بالغان۔

(۴۱) دیگر پروگرام جس سے آمدنی ہو اور روزگار کے مواقع حاصل ہوں اور دیہی علاقوں اور دیہی عوام کی معاشی، سماجی اور ثقافتی ضرورتوں کو پورا کرنے والے پروگرام۔

ان اسکیمات کی عمل آوری کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ اسکیمات دیہاتوں کے اندر گرام پنچایتوں کی حدود میں ہوں تاکہ کارپوریشن، میونسپلٹیز اور نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹیوں کے علاقوں میں ہوں۔

[۱۱] فیض یاب ہونے والوں کی زیادہ سے زیادہ شرکت ضروری ہے۔ یہ تمام پروگرام ان لوگوں کے مشورے سے مرتب کئے جانے چاہئیں اور ان پر عمل درآمد کرتے وقت ان کی آراء پر بھی نظر کی جانی چاہیئے۔

[۱۲] پروگرام کی معیاد تین سال سے زائد نہیں ہونی چاہیئے۔ اگر مدت کار زیادہ وقفے کے لئے ہے تو پروگرام کو مختلف مرحلوں میں تقسیم کر دینا چاہیئے اور ہر مرحلے کی مدت کار تین سال سے زائد ہرگز نہیں ہونی چاہیئے اور وقت مقررہ میں ہی اس پروگرام کو ختم ہو جانا چاہیئے۔ اس کا دار و مدار منصوبہ بندی پر ہے کہ پروگرام کو کس طرح سے تقسیم کیا گیا ہے۔

[۱۳] اقدامی پروگرام بالکل واضح ہونا چاہیئے کہ اس پر کس طرح عمل درآمد کیا جائے گا۔ مجوزہ سرگرمیوں اور پروگرام کے مقصد میں ربط باہمی کا ہونا ضروری ہے۔

[۱۴] پروجیکٹ سے حاصل ہونے والے فائدے بھی کافی واضح ہونے چاہیئے۔ فیضیابی، ملازمت، آمدنی پیداوار یا کوئی اور صورت میں ملنی چاہیئے جو کہ پروجیکٹ سے متعلق ہو۔

[۱۵] خالص تحقیقی پروگراموں پر عوامی اقدام برائے ترقیات' اثاثہ نہیں لگائے گی۔ پائلٹ پروجیکٹ جو کہ تحقیقی جستجو پر مبنی ہے ان کے لئے گنجائش نکل سکتی ہے۔ بشرطیکہ فیضیاب ہونے والے افراد ان تحقیقی نتائج کا استعمال کرنے والے ہوں۔

[۱۶] پروجیکٹ پر بہت زیادہ خرچ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ پیڈ کی آمدنی بہت محدود ہے۔ ۱۶۵ کروڑ روپے سالانہ سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے۔ اپنی اسی محدود ذرائع سے پیڈ زیادہ سے زیادہ پروجیکٹوں کی منظوری دینا چاہتا ہے۔ عام طور پر ایسے پروجیکٹ جو کہ ۳۰ لاکھ روپے کے ہوں انہیں پیڈ سے امداد حاصل کرنی چاہیئے۔ ان سے زائد خرچ کے

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

قومی راج

شہربانو فاروق
حسینی بلڈنگ۔ کامبیکر اسٹریٹ
ڈونگری۔ بمبئی ۴۰۰۰۰۹

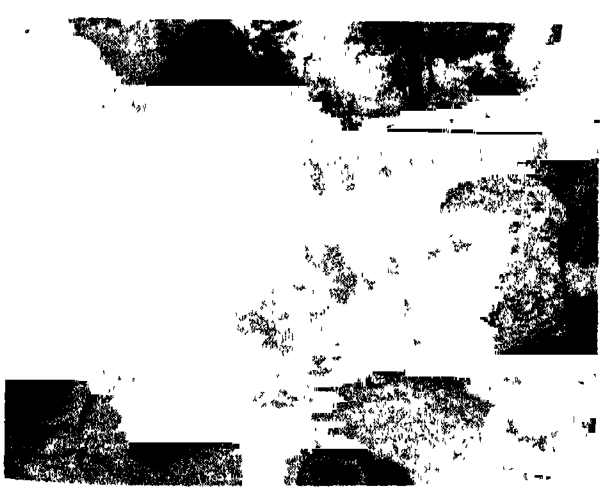
بُنیادی ضرورت

بھوک سے کیسے بچا جائے۔ بھر پیٹ کھانا انسان کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ اس کے بنا زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ بھوک سے نجات کی جدوجہد انسان کی ابتدا سے رہی ہوگی۔ مگر جیسے جیسے زمانہ ترقی کرتا گیا جنگی پیمانے پر انسانوں نے مل کر اس کے خلاف جدوجہد کرنی شروع کی۔ اس کے باوجود ہم سب جانتے ہیں کہ آج بھی دنیا کی کثیر آبادی بھوکی ہے۔

ایسے ممالک جو کہ غریب ممالک کہلاتے ہیں ان کی تو بات جانے دیجئے مگر وہ ممالک جو کہ ترقی یافتہ ہیں، وہاں کے لوگوں کو بھی اس بات کا پورا پورا احساس ہے کہ ضرورت اور چیزوں کی فراہمی، ان دونوں باتوں میں بہت فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی کی جانب انسان کے بڑھتے ہوئے اقدام اور بھکمری ان دونوں کے درمیان کی خلیج کو پاٹنے کے لئے ایف اے او نے ایک مہم چلائی ہے جس کا مقصد ہے دنیا کی کثیر آبادی کو بھوک سے نجات دلایا جائے۔ تقریباً ۲۰ ممالک دنیا میں ایسے ہیں جہاں معیارِ زندگی اونچا ہے۔ ضروریات کی چیزیں فراہم ہیں۔ کھانے پینے کی چیزوں کے لئے ترسنا نہیں پڑتا۔ وہاں پچھلی صدی میں عمر کا اوسط بھی بڑھ کر ۲۵ سے ۶۰، ۷۰ تک ہو گیا ہے۔ لمبی عمر کا مطلب یہ ہے انسانوں کی خوش حالی کے لئے زیادہ مواقع بھی فراہم کئے گئے ہیں۔

ثقافتی، معاشی اور سماجی میدانوں میں انسانی ترقیاتی اقدام کا پورا پورا فائدہ ان ممالک میں اٹھایا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے سب سے پہلا نتیجہ جو کہ اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہی ہے کہ کسی بھی ملک کی آبادی کے لئے اچھی غذا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے محض خوراک کا یا اچھی غذا کے فراہم ہو جانے پر ہی بات ختم نہیں ہوتی بلکہ یہیں سے شروع ہوتی ہے کہ انسانی کارہائے نمایاں کے لئے جب تک پیٹ بھرا نہ ہو بات آگے نہیں بڑھتی۔ یہ تو ان ممالک کی بات ہوئی جہاں کے لوگ

بی۔ اے۔ جی [illegible] کے نونہالوں کے لئے صحت بخش کھانے کا بھی اہتمام کرتا ہے۔ یہ بھی پیڈ کی امدادی سرگرمیوں میں شامل ہے۔



خوش حال زندگی گزارتے ہیں مگر ایشیائی، افریقی اور لیٹن امریکی ممالک کے لوگوں کو بنیادی ضروریات بھی فراہم نہیں ہیں۔ یہاں لاکھوں لوگ آج بھی بھکمری کا شکار ہیں۔

ایسے ممالک کے لئے کیا کیا جائے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ سائنٹفک اور تکنیکی ذرائع سے پیداوار میں اضافے کے لئے اقدام کئے جانے ضروری ہیں اور وہ تمام ذرائع جو کہ ترقی یافتہ ممالک میں غذائی خودکفیلی کے لئے جاری ہیں انہیں اپنایا جائے مگر یہ تمام باتیں اتنی آسان نہیں جتنی ہم سمجھتے ہیں۔ بھکمری اور غریبی سے لڑنا مشکل کام ہے۔ اس کے لئے فضا تیار کرنی پڑتی ہے اور ان اقدام میں سب سے اہم قدم میرے خیال میں اراضی سے متعلق قوانین میں ترمیمات کے ذریعے کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں زرعی کسانوں کے لئے قیمت مقرر کی جاسکتی ہیں۔ انہیں قرضہ جات دیئے جاسکتے ہیں اور منڈی کی سہولیات فراہم کی جانی چاہیئے تاکہ ان کا پیدا کردہ خام مال کھپ جائے۔ اس کیلئے امداد باہمی مہم کا جاری کرنا بھی ضروری ہے تاکہ تمام معاشی درجے کے لوگوں کو مواقع فراہم ہوں یہ نہ ہو کہ دولت مند اور دولت مند اور غریب اور غریب ہو جائیں۔

اب اس قسم کی فضا برابر کرنے کے لئے عوامی ذہن کو بھی تیار کرنا ضروری ہے جس کے لئے تعلیم سب سے موثر ذریعہ ہے تاکہ لوگ نئے طریقوں کو نہ صرف رائج کرنے کے لئے آمادہ ہوں بلکہ انہیں سمجھیں اور ان میں اتنی طاقت ہو کہ ان پر عمل در آمد کرسکیں جس کے لئے صحت کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔ اس لئے تعلیم اور صحت عامہ ان دونوں میں رابطہ بھی ضروری ہے۔

مختصراً یہ کہ یہ مسئلہ ایک طرف نہیں ہے۔ اس پر عبور حاصل کرنے کے لئے چاروں طرف سے ضرب لگانا ضروری ہے تاکہ ہر جانب سے رابطہ قائم ہو اور بھوک پر قابو پایا جاسکے۔

"ایف اے او" نے بھوک سے آزادی، اس سلسلے میں تین اہم اقدام کئے ہیں۔ اطلاعات اور تعلیمی مورچہ، تحقیقی مورچہ اور عملی مورچہ۔

ترقی یافتہ ممالک میں اطلاعات اور تعلیمی کام باقاعدہ منصوبہ بند کیا گیا ہے تاکہ ترقی پذیر ممالک کے عوام کے لئے ایک قسم کی سمجھ بوجھ اور ہمدردی کا احساس پیدا کیا جاسکے ان کی ضروریات کو سمجھا جاسکے۔ ترقی پذیر ممالک کو یہ مواقع ملتے ہیں کہ وہ حاصل کردہ ترقیات کا خاطرخواہ فائدہ اٹھا سکیں۔ تحقیقی مورچے میں زرعی ترقیات کے مسائل کے حل کو اہمیت دی گئی ہے تاکہ تمام ممالک قومی سطح پر زرعی اور معاشی بہتری کے لئے اقدام کرسکیں۔

عملی مورچے پر ہر ملک کی پیداوار، تقسیم کاری اور مصرف کو مدنظر رکھا گیا ہے اور اس سلسلے میں دو طریقہ کار اپنائے گئے ہیں۔ ایک تو بین الاقوامی سطح پر اور دوسرا قومی سطح پر۔ بین الاقوامی سطح پر "ایف اے او" اقوام متحدہ کے تعاون سے کام کرتی ہے اور اسی کی ایجنسیاں تیکنیکی اطلاعات اور تحقیقی ہدایات کی فراہمی کا کام انجام دیتی ہیں۔

قومی یا ملکی سطح پر یہ کام ہر ملک کے ذمے ہوتا ہے اس سلسلے میں قومی مہم چلائی جاتی ہے اور اس طرح اس مہم کو ریاستی اور علاقائی سطحوں پر مزید تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایسی مہم کے لئے سب سے اہم چیز عوامی تعاون کی ضرورت ہے کیونکہ ہم سرکاری ذرائع سے اتنے اہم مسئلے کو حل نہیں کرسکتی۔ یہ رضاکارانہ طور پر عوام کے تعاون سے ہی حل ہوسکتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ محض آج کا ہی نہیں آنے والے کل کا بھی ہے۔ اس لئے اسے مل جل کر حل کرنا چاہیئے اور اس کے لئے ہمدردی، تعاون، ایک دوسرے کو سمجھنے کی فضا تیار کرنا ضروری ہے تب ہی بنیادی ضرورت ہرکس وناکس کو حاصل ہوسکتی ہے۔

ضروری گذارش! رقم روانہ کرنے والے حضرات سے

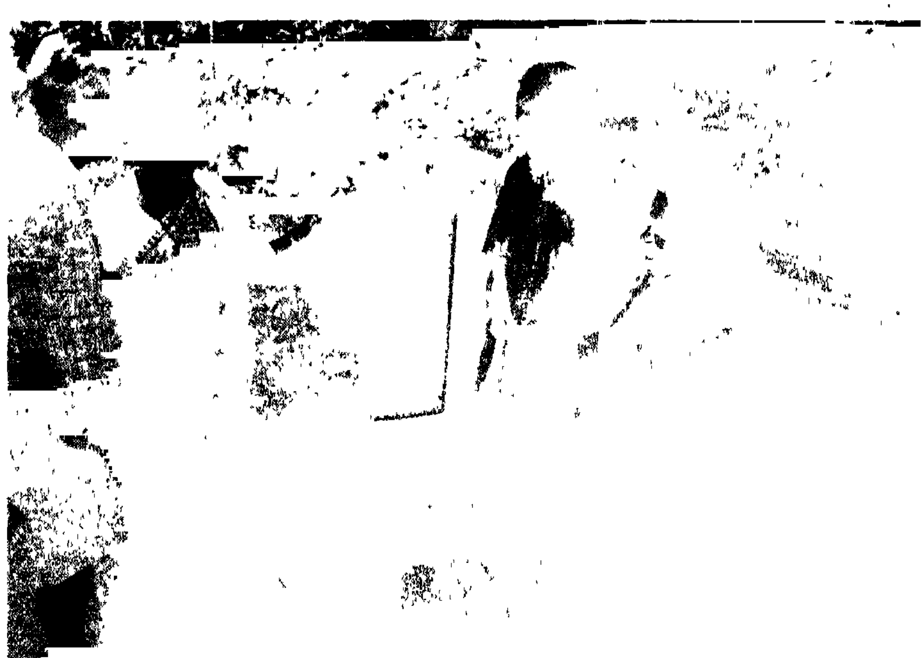
منی آرڈر کوپن پر اپنا نام، پتہ اور پن کوڈ نمبر ضرور تحریر فرمائیے۔ عموماً منی آرڈر کوپن پر لوگ اپنا نام و پتہ نہیں لکھتے جس کی وجہ سے شکایتی خطوط آنے پہ کافی چھان بین کے بعد پرچہ جاری کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اگر کوپن پر نام پتہ تحریر ہو تو قومی راج فوراً جاری کردیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

وی۔وی۔دیشپانڈے
مینجمنٹ ریسرچ سروس بمبئی

پیڈ (پیوپلس ایکشن فار ڈیولپمنٹ) کے حیرت انگیز پروجیکٹ

ترقی کے لئے عوام کو سرگرم عمل رکھنے والے ادارہ "پیڈ" نے مہاراشٹر میں دیہی ترقی کی راہ میں اچھا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس نے مہم کارانہ انداز میں گہری دلچسپی اور پیش بینی سے ایسی غیر روایتی نئی مصنوعات تیار کرنے میں حوصلہ افزائی کی ہے جو انوکھی بھی ہیں اور ایسے پروجیکٹ جن کے سلسلے میں اب تک کوشش کی ہی نہیں گئی تھی۔ اس قسم کے پروجیکٹوں کو معروف مالی ادارے بالعموم رد کر دیتے لیکن آفرین ہے پیڈ کی کوششوں کو کہ اس نوع کے پروجیکٹوں نے اس کی تائید و ہمت افزائی کی بدولت حقیقت کا روپ اختیار کر لیا۔

شمسی کوکر کا تجربہ جاری ہے۔ ایسے کوکر کے ذریعے گاؤں میں بڑی حد تک ایندھن کے مسئلے کا حل پیش کیا جا سکتا ہے۔





سولاپور ضلع کے ایک مقام
گوڑ گاؤں میں مقامی مزدور اٹھاؤ سینچائی
(لفٹ اریگیشن) پروجیکٹ میں نہایت
مستعدی سے کام میں جٹے ہوئے ہیں۔
اس پروجیکٹ کو ۴۲.۷۵ لاکھ روپے
کی امداد ملی تھی۔

ایسے تین پروجیکٹ جو ہمارے دیہی حلقوں کے
ہرے بھرے بدل سکتے ہیں۔ ان کا تعلق (۱) ایک نئی مشین
ور ایک ایسے طریقے سے وابستہ ہے جس کے ذریعے
ی انفورسڈ آرگیانک کھاد (روم) تیار کی جاتی ہے۔
۲) بچھڑوں کے لئے "لوسرنے گھاس" کے ذریعے دودھ کا
بدل تیار کیا جاتا ہے اور (۳) دودھ دینے والے چوپایوں کا
ومیو پیتھی کے ذریعے علاج معالجہ پر توجہ کی جاتی ہے۔

ری۔ انفورسڈ آرگیانک مینور (روم)
[قوت دار نامیاتی کھاد]

ملک کے لئے ۱۷۰ لاکھ ٹن کی مقدار میں فرٹیلائزروں
ا ہونا ضروری ہے جبکہ پورے ملک کے لئے کیمیاوی فرٹیلائزر
قریباً ۶۴ لاکھ ٹن کی مقدار میں ہی دستیاب ہیں۔ دوسرے
فظوں میں ملکی ضروریات کے لئے ۱۰۶ لاکھ ٹن فرٹیلائزروں کی
ا ہے۔ چونکہ کیمیاوی فرٹیلائزروں کے لئے بنیادی اجزا پیٹرو
یکلس ہیں جو بہت مہنگے ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لئے سارے
ک کی تقریباً دو تہائی زیر کاشت زمین کے لئے کاشتکار اتنے
ہنگے فرٹیلائزر استعمال کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ لامحالہ
یہی حلقوں کے چھوٹے اور حواشی پر واقع زمینوں کے مالکان
مارجینل فارمرس) کو آرگیانک کھادوں کی طرف دھیان دینے
ضرورت پیش آئی۔ پھر دیہی حلقوں میں ایک طویل عرصے سے

ایک ایسی مشین کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو کم قیمت
ہو اور جس میں فضول زراعتی پیداواروں، پتوں، جنگلاتی
جھاڑن، جوار اور بھٹوں کے ڈنٹھل اور دیہی حلقوں میں
پائی جانے والی دوسری فضول اشیا کو کارآمد بنایا جا سکے۔
فی الحال ہر گاؤں میں کھاد کے گڑھے دیکھنے میں آتے ہیں جن
میں فضول زراعتی پیداوار پھینک دی جاتی ہے۔ اس
بے کار شئے کے کارآمد کھاد بننے میں مہینوں لگتے ہیں۔ اس
طریقے سے کھاد بہت دیر میں بنتی ہے اور گاؤں میں
گندگی کا انبار، گوبر کی ٹیکری اور گوبر کے گڑھے نظر آنے
لگتے ہیں جن سے دیاؤں، مچھروں اور بیماریوں کا پیدا ہونا
یقینی ہوا کرتا ہے۔

اس باب میں امراؤتی کے شیواجی زراعتی کالج نے
پیش قدمی کی اور روم نام کی مشین تیار کرنے کی ایک اسکیم
بنائی اور اسے ترقی دینے اور عملی جامہ پہنانے کی ٹھان لی۔ اس
مشین کی شکل تقریباً آٹا پیسنے کی چکی جیسی ہے جس میں گیلی چیزوں
کے پیسنے کا بندوبست ہے۔ اس مشین کی ڈیزائن ایسی رکھی
گئی کہ ۳۵۰۰ آر پی ایم کی رفتار سے چلے اور اوپر مذکور
تمام زراعتی فاضلیات کو گیلا گیلا ہی پیس سکے۔ اس مشین
کے لئے ۵ ہارس پاور کی الیکٹرک موٹر کافی ہوتی ہے — اور
کاشتکار اسے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں لے جا سکتے اور
پیسنے کا کام کر سکتے ہیں۔ اس کے بنانے میں یہ بات خاص طور

سے ملحوظ رکھی گئی ہے کہ پودوں کے باقیماندہ حصوں کو تو پیس ڈالے لیکن ان باقیماندہ حصوں کے اصل" این پی کے" کو ضرب نہ آنے پائے۔ درحقیقت یہ ڈیزائننگ مشین چلاتے چلاتے سمجھ میں آئی جسے بعد میں بڑھایا اور مضبوط کیا گیا۔ خریف اور ربیع کی فصلوں کی پروسیسنگ اس مشین میں بخوبی کی جا سکتی ہے۔

وہ پیداوار جو اس مشین میں تیار ہوتی ہے، زمین کی ساخت اور خوبیوں میں اضافہ کرتی، نمی کو جذب کرتی اور زمین کی صلاحیتوں کو قائم رکھتی ہے۔ یہ گوبر والی کھاد کا بہتر بدل ہے اور کارکردگی میں فرٹیلائزروں کا اچھا قائم مقام۔

اس مشین کی قیمت تقریباً ۱۵,۰۰۰ روپے ہے۔ اس لئے بے روزگار بھی اسے لگا سکتے ہیں۔ اس سے بے زمین مزدور بھی کام سے لگ سکتے ہیں۔ اس طرح یہ مشین تمام بے کار زرعی چیزوں کو کام میں لے کر انہیں ایسے آرگینک کھاد میں تبدیل کرسکتی ہے جس کے کاشتکار منتظر رہتے ہیں۔

اس انوکھی مشین کو بہتر سے بہتر بنانے کی اسکیم کو پیڈ نے منظوری عطا کی اور اس مشین کو بہترین طور پر کارآمد بنانے کے لئے ۱,۰۰,۰۰۰/ روپے کی پیشگی رقم عطا کی۔ یہ مشین اب ناگپور میں بننے لگی ہے اور دیہی حلقوں کے بہت سے لوگ اس چھوٹے کھاد پلانٹ کو لگانا چاہتے ہیں۔ اس طرح پیڈ نے دیہی علاقوں میں ایک نئے سلسلے کی ابتدا کی ہے جس سے اچھی نوعیت کی کھاد جلد از جلد تیار ہو سکتی ہے۔

لوسرنے گھاس سے دودھ کا بدل

دیہی علاقے کے لئے دوسرا مسئلہ، بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو دودھ کی صنعت سے تعلق رکھتے ہیں، بچھڑوں کی پرورش کا ہے۔ بہت سی گائیں اور بھینسیں اتنی کم مقدار میں دودھ دیتی ہیں کہ اگر ان کا سارا دودھ بچھڑوں کو پلایا جائے تب بھی وہ بچھڑوں کے لئے ناکافی ہوگا۔ اس کے علاوہ، کسانوں کی یہ خواہش، کہ وہ بازار میں دودھ فروخت کریں، اتنی شدید ہوتی ہے کہ اکثر بچھڑے دودھ سے محروم رکھے جاتے ہیں۔ اس بنا پر بچھڑوں کا مرنا دودھ کی صنعت کے لئے بہت نقصان دہ ہے۔ اس لئے وقت کی یہ اہم ترین ضرورت تھی کہ دودھ کا کوئی



اناج بالخصوص دالوں کو اسٹور کرنے والا ایک سیلو پروجیکٹ۔

ایسا بدل تلاش کیا جائے جس سے بچھڑوں کی پرورش بخوبی ہو سکے۔ دودھ کے ایسے بدل کی بدولت مویشی مالکوں کو اس دودھ کی ۷۰ فی صد بچت ہوگی جو بچھڑوں کو پلانے میں صرف ہوتا ہے۔

اس نظریہ کے تحت اورنگ آباد کے "اگستھی فاؤنڈیشن" نے "لوسرنے گھاس" سے دودھ کا بدل تیار کرنے کا خیال کیا۔ اس اسکیم پر خرچ کا اندازہ ۱,۴۶,۰۰۰ روپے لگایا گیا۔ تجویز یہ ہوئی کہ ۳۰۰ کلوگرام، دودھ کا بدل ہر روز تیار کیا جائے۔ مراٹھواڑہ یونیورسٹی کے بوٹانیکل ڈپارٹمنٹ (محکمۂ نباتات) کے سربراہ اور اینیمل ہزبنڈری ڈپارٹمنٹ کے ڈپٹی ڈائریکٹر نے دو ڈائیٹیشنوں کی مدد سے اس پروجیکٹ پر کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس پروجیکٹ کو پیڈ کی تائید حاصل تھی جس نے ۲۵,۰۰۰ روپے کی منظوری دی۔ یہ "دودھ کا بدل" جو پڑکن میں تیار ہوگا، مختلف ڈیریوں کو آزمائش کے لئے روانہ کیا جائے گا تاکہ بعد میں اس کی تیاری مختلف مقامات پر شروع کی جا سکے۔

اس پروجیکٹ کے تحت ایک چھوٹی ڈیری قائم کی گئی ہے۔ یہ دودھ کا بدل ۵ تا ۱۰ دن کے بچھڑوں کو دیا جائیگا

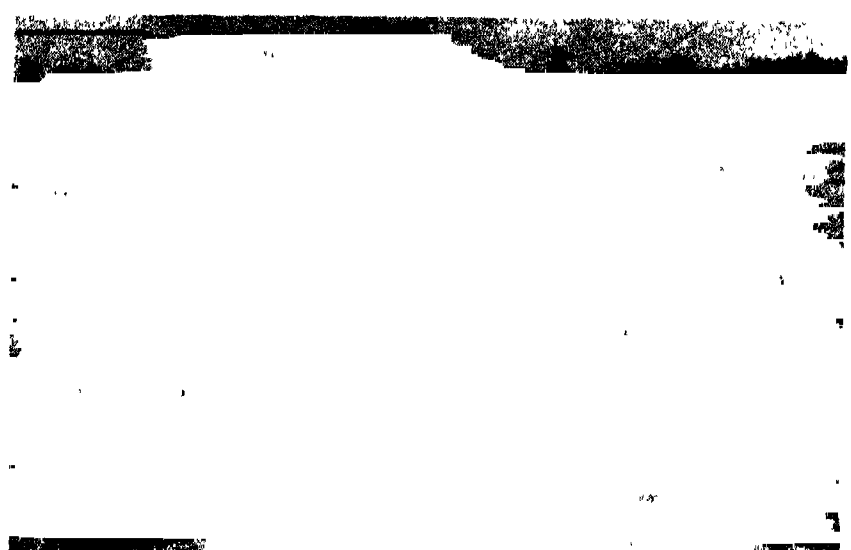
بچھڑوں کی پرورش اس دودھ کے بدل پر شروع کے تین مہینے تک کی جاسکتی ہے۔ اس طرح اس خاص پروجیکٹ کے ذریعے بچھڑوں کی پرورش کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی جائے گی اور آئندہ اچھے مویشیوں کے حصول میں بہتری لائی جائے گی۔

یہ پہلا موقع ہے کہ دودھ کا بدل تیار کرنے کی اسکیم تجارتی پیمانے پر عمل میں لائی جارہی ہے۔ یہ ان بچھڑوں کے لئے دودھ کا بدل سستے داموں مہیا کرے گا جو بصورت دیگر فاقوں سے رہتے بلکہ رکھے جاتے ہیں۔

یہ دودھ کا بدل ریاست کے مختلف مقامات پر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوتا۔ لوسرنے گھاس کی کاشت کسانوں کے لئے زبردست نفع کا وسیلہ بنے گی اور اچھی آمدنی کا سبب ہوگی۔ لوسرنے گھاس کی تلچھٹ بعد میں دوسرے مویشیوں کے کام آئے گی۔ ساتھ ہی اس پروجیکٹ سے دیہی علاقوں میں روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے۔ بیل گاڑیوں کے لئے کام نکل آئے گا۔ اور بے زمین مزدوروں کے لئے بھی کاروبار سے لگنے کی صورت پیدا ہوگی اور اس طرح لوگوں کی ایک بڑی تعداد کے لئے نفع بخش ملازمت سے لگا رہنا ممکن ہو سکے گا۔ یہ نہ چھوٹے کسانوں کے لئے بھی مددگار ثابت ہوگا جو لوسرنے گھاس کی کاشت کریں گے۔ اس لحاظ سے یہ اسکیم اپنے اندر بہت سے فائدے رکھتی ہے جو دیہی علاقوں میں ہمہ طرفہ ترقی کا باعث ہو سکتی ہے۔

دودھ دینے والے مویشیوں کا ہومیو پیتھی کے ذریعے علاج

تیسری اسکیم جس کی حوصلہ افزائی بیڈ کی جانب سے کی جارہی ہے وہ ہومیو پیتھی کے ذریعے مویشیوں کے علاج سے تعلق رکھتی ہے۔ دیہی علاقوں میں چوپایوں کی دیکھ بھال میں کئی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ مویشی مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں جیسے کھر اور منہ کی بیماریاں، پیشاب کے سلسلے میں چھوت کی بیماری، پروليپس (کسی عضو کا سرک جانا یا اتر جانا وغیرہ)، بلوٹنگ (پھولنا، ابھرنا) ان بیماریوں میں مبتلا مویشیوں کا فوری علاج ضروری ہے۔ اس غرض سے ضلع بیڑ میں ایسے جوگئی کے مقام پر سنیمن ایجوکیشن سوسائٹی نے ایک اسکیم بنانے میں پیش قدمی کی جس کے ذریعے مویشیوں کا علاج کم خرچ میں کیا جاتا ہے اور جسے کاشتکار آسانی سے برداشت کر سکتے ہیں کیونکہ ایک وقت



پینے کے پانی اور کھیتوں کی سینچائی دونوں ضرورتوں کو پورا کرنے والے کنوئیں کا ایک منظر۔

میں فیس کی رقم ۲۵ پیسے ہوسکتی ہے۔ دواؤں کے ایک بکس کی فراہمی مختلف مقامات پر، تجویز کی گئی تھی تاکہ علاج فوراً ہی کیا جاسکے۔

پیڈ نے اس اسکیم کے لئے ۵۵،۰۰۰ روپے کی منظوری دی ہے۔ چھ بیطاری سرجنوں کی ایک جماعت نے رضاکارانہ طور پر اس اسکیم پر عمل درآمد کی پیش کش کی ہے۔ اینیمل ہزبنڈری ڈپارٹمنٹ نے بھی اس باب میں ہر طرح سے تعاون و مدد دینے کا یقین دلایا ہے۔ اس طرح پیڈ نے مویشیوں کی دیکھ ریکھ کے سلسلے میں رضاکارانہ تنظیموں کی کوششوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ مائکرو پلورائزر (Micro Pulverizer) جیسے ساز و سامان کے ساتھ ایک لیبارٹری قائم کی جاچکی ہے۔ ایک چھوٹی ڈیری اور ایک پولٹری (مرغبانی) فارم کا قیام بھی عمل میں آچکا ہے اور مختلف امراض کے علاج کا انتظام جن میں مویشی مبتلا ہوتے ہیں، کیا گیا ہے۔ اور ان معالجوں کے لئے سہولت بخش میدانوں کو وسعت دی جارہی ہے۔

جو کچھ اوپر مذکور ہوا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پیڈ نے مختلف قسم کے نئے پروجیکٹوں کے شروع کرنے میں جرأت مندانہ اور غیر روایتی سبقت سے کام لیا ہے۔ پیڈ نے حیرت انگیز پودا (لیوسینا۔ لیوکوسیفالا۔ سوبابل۔ کلپا ورکشا) کی پودکاری کی بھی کافی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ان جیسے پروجیکٹوں کی حمایت اور حوصلہ افزائی کے سبب ریاست مہاراشٹر کے پیڈ نے اپنے آپ کو ملک کے صفِ اول میں پہنچا دیا ہے اور اس کے کارنامے نہ صرف مہاراشٹر اور دہلی میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے ہیں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی۔

صفحہ ۱۳ سے آگے

(امداد کے حق دار کون؟)

پروجیکٹوں کے لئے خصوصی حالات میں منظوری مل سکتی ہے۔

[۱۷] ایسے ادارے جو کہ اپنی جانب سے پروجیکٹ پیش کرتے ہیں، ان میں ان کا بھی حصہ شامل ہونا چاہیئے جو کہ کم از کم ۲۰٪ مزدور ہونا چاہیئے۔

[۱۸] اخراجات جو بھی بتائے جائیں گے پیڈ ان کے بارے میں مطمئن نہ ہوجائے وہ کفالت کرنے والے ادارے کو امداد نہیں دے گا کیونکہ ان پروجیکٹوں کا فائدہ براہِ راست جن لوگوں کو مفاد پہنچانا ہے انہیں ہی ملنا چاہیئے۔

[۱۹] پروجیکٹ کے لئے فیض کنندگان کی جانب سے مزدوری یا مال یا اخراجات کی شکل میں دی گئی امداد پروجیکٹ کے مالیاتی تخمینہ میں تعین کردیا جانا چاہیئے۔

[۲۰] تمام آیٹم جن کے لئے کمرشیل بنکوں، امداد باہمی اداروں سے قرضہ جات یا اور مالی ادارہ جات سے حاصل ہونے والی امداد واضح طور پر بتادی جانی چاہیئے اور اس سلسلے میں قرض دینے والے اداروں سے کی گئی بات چیت اور مالی امداد کے بارے میں ان اداروں سے واضح جواب مل جانا چاہیئے۔

[۲۱] وہ تمام آئٹم جن کے لئے سرکار کی جانب سے سبسیڈیز پر امدادی گرانٹ، شیئر کیپٹل، قرضہ جات یا کسی اور شکل میں مالی امداد ملنے والی ہے وہ واضح طور پر بتائی جائیں اور اسی سے متعلقہ سرکاری افسر سے اسی سلسلے میں بات چیت کی جاتے۔ اس سرکاری مالی امداد کو پروجیکٹ کے تخمینے میں داخل کیا جانا چاہیئے۔

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

ے۔ ایم۔ کلکرنی

پیڈ کے ہاتھوں مرکزی اسکیم کی مدد

یہ سوسائٹی جو پیڈ [پیوپلس ایکشن فار ڈیولپمنٹ (انڈیا)] کے نام سے مشہور ہے، نظام الدین (مغرب)، نئی دہلی، میں واقع ہے۔ یہ سوسائٹی، سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ سنہ ۱۸۶۰ء کے تحت رجسٹرڈ شدہ ہے اور وزارت دیہی ترقیات کے تحت کام کرتی ہے۔ مرکزی وزیر برائے دیہی ترقیات اس سوسائٹی کے صدر ہیں۔ اس سوسائٹی کو کنٹرول کرنے والی وہ گورننگ کونسل ہے جس کے سربراہ سکریٹری، حکومت ہند، وزارت دیہی ترقیات ہیں جو اس کے چیئرمین ہیں۔ پیڈ (مہاراشٹر) کی داغ بیل پی اے ڈی آئی میں ڈالی گئی ہے۔

پیڈ کے بنیادی کام یہ ہیں: دیہی ترقیات کے موں کو بڑھاوا دینا، ان کی مالی مدد کرنا اور انہیں رکھنا۔ غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعے دیہی نشوونما کارانہ کوششوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور مضبوط بنانا۔ طمحِ نظر یہ ہے کہ ایسے مقامی لیڈروں اور کارکنوں میں اس کام کے لئے دلچسپی بڑھائی جائے جو سماجی کام کرنے میں دھن کے پکے ہوں اور جو ہندوستان میں اور بدیسی ملکوں میں ایسی سوسائٹیوں، ایسوسی ایشنوں اور اداروں کے ساتھ اشتراک عمل کریں۔ "پی اے ڈی آئی" کی مدد سے پورے ملک میں ۲۴۱ پروجیکٹ، ۱۶۶۵۱ کروڑ روپے کی لاگت سے اب تک



سو ببول کی شجرکاری کا ایک منظر

تکمیل پا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ، ایسے ۶۸ پروجیکٹ، جن کی پیش قدمی جاری ہے۔ پی اے ڈی آئی سے ۲۵ء۸ کروڑ روپے کی مدد حاصل کر چکے ہیں۔

مہاراشٹر میں

دوسری ریاستوں کے ساتھ ساتھ، مہاراشٹر کی رضاکارانہ تنظیمیں بھی پی اے ڈی آئی کی وساطت سے مالی مدد پا چکی ہیں۔ وہ فنڈز جو بیرونی عطیات دینے والی ایجنسیوں کی طرف سے ملتے ہیں۔ پی اے ڈی آئی ہی ان کے استعمال کی راہیں تجویز کرتی ہے۔ کسی بیرونی عطیہ بخش ایجنسی کے روبرو کسی پروجیکٹ کی تجویز پیش کرنے سے پہلے پی اے ڈی آئی کو بعض ابتدائی طریقے ملحوظ رکھنے پڑتے ہیں۔ کسی رضاکار تنظیم کی طرف سے جب کسی پروجیکٹ کے سلسلے میں کوئی تجویز موصول ہوتی ہے تو اسے ٹیکنیکی ماہرین تیکنیکی نقطۂ نگاہ سے جانچتے ہیں اور یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ ادارہ مذکور میں اس پروگرام کو شروع کرنے اور پھر اس پر کامیابی کے ساتھ عمل درآمد جاری رکھنے کی کہاں تک صلاحیت ہے۔ اس ابتدائی جانچ پڑتال کے بعد پروجیکٹ مذکور کو گورننگ کونسل کی پختگی منظوری سے بیرونی عطیہ بخش ایجنسی کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۹۶۰ء سے جب پی اے ڈی آئی اپنے قدیم نام "فریڈم فرام ہنگر کمپین سوسائٹی" (بھوک سے نجات دلانے کی تحریک سوسائٹی) سے معروف تھی۔ مہاراشٹر کو ۳۶ پروجیکٹوں کیلئے ۲۲ء۶ کروڑ روپے کی مدد مل چکی ہے۔

ایک پروجیکٹ کا مختصر بیان

مختلف پروجیکٹوں میں سے ایک پروجیکٹ یعنی بھارتیہ ایگرو۔انڈسٹریز فاونڈیشن (بیف) کو جس کا تعلق ضلع پونے کے مقام اُرلی کنچن سے ہے، سب سے بڑی مالی مدد ملی تھی جو بلغ ۵ کروڑ روپے سے اوپر تھی۔ یہ مدد دودھ کی پیداوار کے لئے اور مویشیوں کے منہ اور پاؤں (کھُر) کی بیماریوں کے ویکسن یا انجکشن تیار کرنے کے لئے ملی تھی۔ مویشیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہندوستان میں ہے لیکن فی جانور دودھ کی مقدار بمشکل ۱۱۲ گرام فی یوم ہے جبکہ کم سے کم غذائیت بخش ضروریات ۲۸۲ گرام ہیں۔ دستیاب مقدار اور ضروریات کے درمیان اس فرق پر قابو پانے کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟ شری منی بھائی دیسائی اس پروجیکٹ کے اولین ڈائرکٹر یعنی "مہاراشٹر کے چیدہ حلقوں میں دودھ کی پیداوار میں سدھار" پورے جوش کے ساتھ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ مقامی چوپایوں کی نسلی اصلاح اس دگرگوں صورتِ حال کا صحیح حل ہے۔ چنانچہ یہ ضخیم پروجیکٹ جس طرح پیش قدمی کر رہا ہے اس سے ان کے خیالات کی ترجمانی ہو رہی ہے اور بدیسی نسل کے مویشیوں کا گیر اور



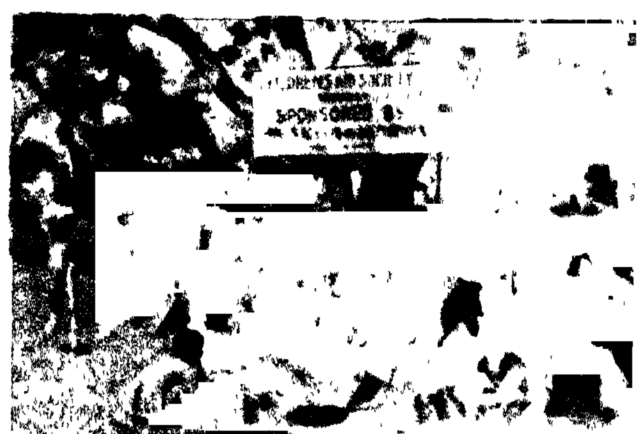
دور دراز علاقوں میں اچھے تربیت یافتہ کسانوں کے ذریعے جانوروں کو ہومیوپیتھی طریقۂ علاج سے دوائیاں دی جاتی ہیں۔ بیڑ ضلع کے ایسے جوگتی کے مقام پر پیڈ کے ایک پروجیکٹ کے تحت ایسے علاج معالجہ اور تربیت کا کام جاری ہے۔



ادیباسیوں نے کبھی صاحبِ مکان
ہونے کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا
لیکن یہ ماضی کی بات ہے۔ پیڈ
کی مدد سے ادیباسی اپنے مکانات
کی تعمیر میں مصروف دیکھے
جا سکتے ہیں



ایک نوجوان ادیباسی عورت
اپنے مکان میں چہرے پر مسکراہٹ
لئے اپنے خاندان کے لیے کھانا
پکانے میں مشغول دیکھی جا سکتی ہے



پیڈ ، معذوروں بشمول جذامی
اور دماغی طور سے کمزور افراد
کی بازآبادکاری کرتا ہے۔
دماغی طور پر کمزور بچے بمبئی میں
مانخورد کے مقام پر پیڈ کی مدد
سے قائم کردہ نرسری پروجیکٹ
میں باغبانی کے کاموں میں مشغول
دیکھے جا سکتے ہیں۔



پیڈ کے تعاون سے قائم کردہ
بے سہارا عورتوں کے ایک ادارے
میں بے سہارا عورتیں کپڑوں کی سلائی

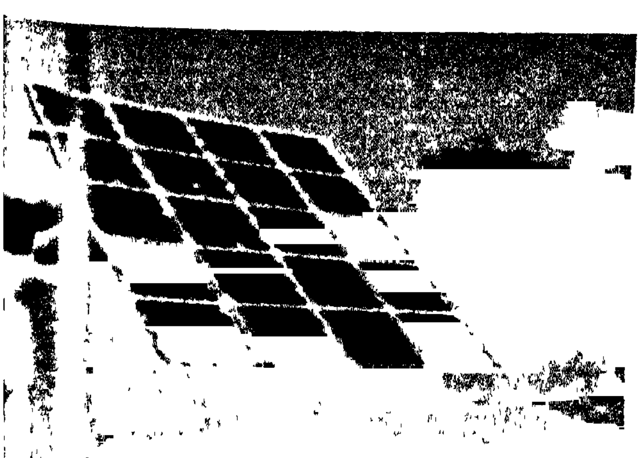


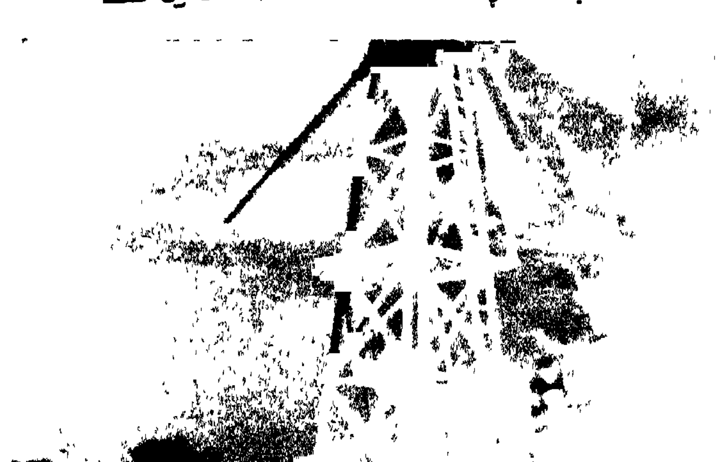
نفس سے
لدے ہوئے
درخت .



لیموں کے باغ میں
ایک ادیباسی لڑکی
جس نے پوری لگن سے
درختوں کی دیکھ بھال کی .

بجلی کا تحفظ اور اس کا نعم البدل، آج دنیا کا مسئلہ ہے ۔ شمسی توانائی اور پون چکی، پیڈ کی امداد سے
پانی سینچائی کے لئے استعمال ہوتے ہیں ـــ







پیڈ کی طرف سے قائم کردہ ایک مرکز میں ایک گائے کو مصنوعی طریقے سے حاملہ کیا جا رہا ہے۔ گائے کی مخلوط نسل سے چھوٹے کسان اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔





بکریاں، غریبوں کے لئے گائے کا درجہ رکھتی ہیں، اگر ان کی مخلوط طریقے سے افزائش نسل کی جائے تو کافی کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ زیر سلر تصویر: ضلع سوالور کے مقام گوڈکاوں میں جمناپاری بکریوں کا ایک ریوڑ ۔ پیڈ بکریوں کی مخلوط نسل پروگرام میں مدد کرتا ہے۔



پیڈ کی مدد سے قائم کردہ ایک ادارے میں بینکوں کے ذریعے چھوٹے ادیباسی کسانوں کو ان کی آمدنی بڑھانے کیلئے دیسی گائیں تقسیم کی جاتی ہیں۔



ہتاش بشاش ادیباسی کسان ـــ

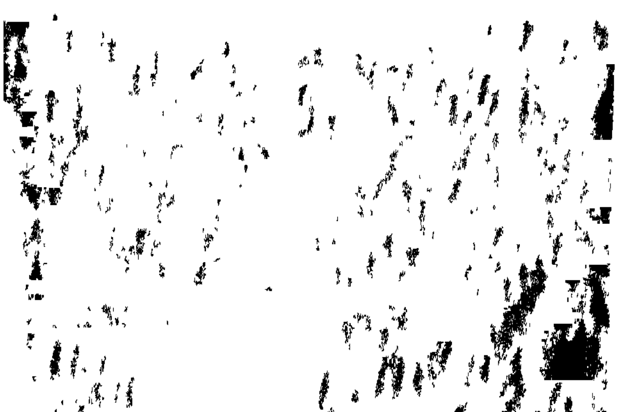
عوامی اقدام برائے ترقیات (پیڈ)، سرکاری کوششوں سے رضاکارانہ اداروں کی امداد کر کے عوامی زندگی کو بہتر بنانے میں اہم رول ادا کر رہا ہے. رضاکارانہ تنظیموں کو بڑھاوا دے کر پیڈ اس جد و جہد میں سرگرداں ہے کہ مواضع جات کو خود کفیل بنایا جائے



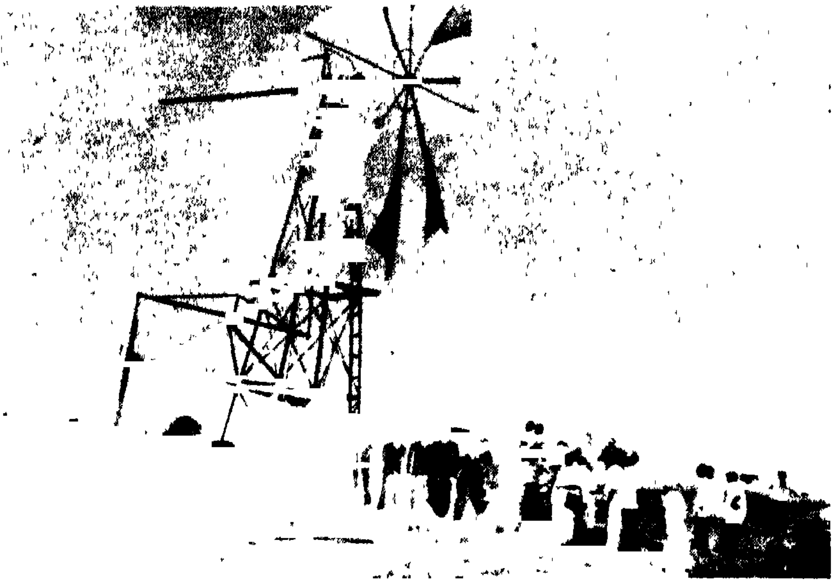
پیڈ روپیہ فنڈ اسکیم سے
ابھی تک تقریباً 5.0 لاکھ
روپے اکٹھا کئے جا چکے ہیں

ادیباسی لڑکی "گوپھن" سے اپنے کھیتوں کی حفاظت کرتے ہوئے۔ پیڈ، ادیباسیوں کی جدید زرعی تیکنک کی تربیت بھی عطا کرتا ہے۔

انگوروں کے خوشے جو کہ پیڈ کی امداد سے چھوٹے کسانوں کے کھیتوں میں پیدا ہوتے ہیں ـــ







بجلی کا تحفظ اور اس کا نعم البدل آج دنیا کا مسئلہ ہے۔ شمسی توانائی اور پون چکی، پیڈ کی امداد سے پانی سینچائی کے لئے استعمال ہوتے ہیں

دوسرے مقامی مویشیوں کے ساتھ جوڑا کاری سے دودھ کی زیادہ مقدار میں پیداوار کے امکانات بڑھ رہے ہیں۔ انہیں پاڈی کی بھرپور تائید اور اسی طرح دوستانہ انداز میں عطیہ دینے والی ایجنسیاں جیسے ڈینڈا (ڈنمارک) کا ءآ (آسٹریلیا) کارسو (نیوزی لینڈ) اور کناڈا کے ہنگر فاؤنڈیشن، اس پروجیکٹ میں ہمارے شریک ہیں۔

بیعت کے بعض پروجیکٹ جو اس طرح کی امداد کے مرہون ہیں قابلِ ذکر ہیں: بیعت کا دونسلی پروگرام" جس کا تعلق پاڈی کے شہرت و وقار سے ہے اور جس کیلئے "پی ایے ڈی آئی" نے ۶۷,۰۰۰ روپے کی مدد دی ہے۔ قد آور بیلوں کے نطفے ڈنمارک، امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے درآمد کئے گئے ہیں اور فارم کی گایوں کو مصنوعی طور پر ان سے گابھن بنایا جاتا ہے۔ اس ترکیب سے دودھ کی مقدار میں اضافہ ہوا ہے چنانچہ ایک جرسی گائے کے ذریعے دودھ کی زیادہ سے زیادہ مقدار ۵۶۴۳ کلوگرام روزانہ قائم کی گئی ہے۔ ہولسٹائن فریشین گایوں سے تین نے ۴۰ کلوگرام سے بھی زیادہ دودھ دیا ہے اور انتہائی حاصل شدہ مقدار ۵۰۶۲ کلوگرام ہے۔ بیعت نے چوپایوں کی ایک تشخیصی لیبارٹری اور پاؤں اور منہ کی بیماریوں کا ایک ویکسین (انجکشن) مرکز بھی قائم کیا ہے جس کے پاڈی نے ۱۶۷۶ کروڑ روپے کی مدد دی۔

آنندون پروجیکٹ

"پی ایے ڈی آئی" نے جذام کے مشہور مرکز آنندون کو اور مہاروگی سیوا سمیتی، واروڑا، ضلع چندر پور کو ۴۰,۰۰۰ روپے کی مدد دی ہے۔ اس ادارے کو شری بابا صاحب آمٹے نے قائم کیا تھا جو جذامیوں کے مخلص سماجی کارکن ہیں اور اپنے آپ کو ان کی خدمت کے لئے وقف کر چکے ہیں۔ یہاں یہ پروجیکٹ زرعی سرگرمیوں کے ذریعے جذامیوں اور ادیباسیوں کی باز آبادکاری کا انتظام کرتا ہے۔

دوسرے پروجیکٹ

"پی ایے ڈی آئی" نے کوراگرہا، اودیوگ کیندر، بوریولی، بمبئی کو اس پروجیکٹ کے لئے جو مردہ جانوروں کی لاشوں کو مرغیوں کے لئے چارہ میں تبدیل کرنے کی خاطر قائم کیا گیا ہے، ۲۷٫۵ لاکھ روپے کی مدد دی ہے۔

"پی ایے ڈی آئی" نے ضلع تھانے کے قبائلی لوگوں کے پروجیکٹ کے لئے بھی ۶۳,۰۰۰ روپے کی مدد دی ہے۔ ضلع تھانے میں کوسباد ہل کا ایگریکلچرل انسٹی ٹیوٹ اس پروجیکٹ کے ذریعے سبزیوں کے بیج پیدا کرنے پر توجہ دیتا ہے۔

اسی طرح شیواجی شکشن پرسارک منڈل، گودگاؤں، بارسی، ضلع شولاپور، کو "لفٹ اریگیشن اسکیم۔ بھوگاوتی ندی

سے راپا دیوی کے پروجیکٹ کے لئے ۲۴ء۵ لاکھ روپے کی مدد ملی ہے۔

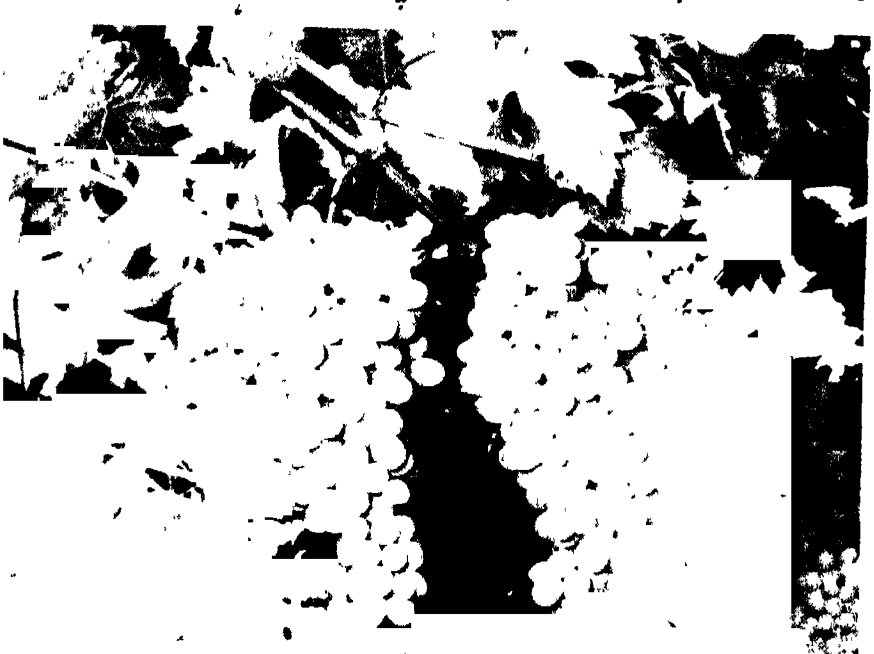
سیلو پروجیکٹ تھانے میں ایک دوسرا اہم پروجیکٹ ہے جو اناج ذخیرہ کرنے کا ترقی یافتہ پروجیکٹ کہلاتا ہے اسے پی اے ڈی آئی سے ۶۹ء۹ لاکھ روپے کی امداد ملی ہے۔

ایک پروجیکٹ جسے مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن، بمبئی، چلاتا ہے، اجناس کو سائنسی اصول کے مطابق ذخیرہ کرنے کے سلسلے میں نمایاں رول ادا کرتا ہے۔ یہ پروجیکٹ کسانوں کو اجناس کے نامناسب طور سے ذخیرہ کرنے پر نقصان سے بچانے کے لئے ان کی دالوں اور اجناس کو خرید لیتا ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف ہوٹل مینجمنٹ، کیٹرنگ، ٹیکنالوجی اینڈ اپلائیڈ منسٹریشن، بمبئی، ایک ایسا ادارہ ہے جو ہوٹل اور کیٹرنگ انڈسٹری کو تربیت یافتہ کارکن مہیا کرتا ہے۔ اس انسٹی ٹیوٹ نے اسے مضبوطی عطا کرنے اور انسٹی ٹیوٹ میں ٹیچروں کی ٹریننگ کے لئے کلاسیں جاری کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ اس پروجیکٹ کیلئے پی اے ڈی آئی نے ۵۱ء۶ لاکھ روپے کی امداد انسٹی ٹیوٹ مذکور کو دی ہے۔

تالا ایک گاؤں ہے جو ضلع رائے گڑھ سے پہاڑی علاقے میں واقع ہے۔ اس گاؤں کو گرمیوں میں پینے کے پانی کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پینے کے پانی کی اس قلت سے گاؤں کو نجات دلانے کے لئے ریاستی حکومت نے تالا واٹر سپلائی اسکیم تیار کی۔ پی اے ڈی آئی نے اس اسکیم کو ۱۵،۰۰۰ روپے کی مدد دی ہے۔

ڈیکا سپن خیراتی ٹرسٹ، اچل کرنجی، ضلع کولہاپور اچل کرنجی کے راموشی سماج کے لئے پنج ڈیری پروجیکٹ چلاتا ہے۔ اس ادارے نے "سیسل فائبر پروڈکشن" نام کے ایک پروجیکٹ کو بھی ہاتکننگڈے تعلقہ کے مقام پر میں ہی، اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ سیسل فائبر پروجیکٹ کے ذریعے متنگ ذات والوں کی ۵۸ ہیکٹر موروثی زمین استعمال میں آجائے گی۔ متنگ ذات کے لوگ روایتی طور پر رسی اور مختلف ریشوں سے دوسری چیزیں بنانے کا کام کرتے ہیں اور اس سیسل کے پودے سے جو فارم کے حدود پر اور افتادہ چٹانی زمینوں پر اگتے ہیں۔ یہ فی الحال اپنا آبائی پیشہ انجام دیا کرتے ہیں۔ پی اے ڈی آئی نے پنج ڈیری پروجیکٹ کو ۲۶ء۳ لاکھ روپے کی اور سیسل فائبر پروجیکٹ کو ۳۳ء۱ لاکھ روپے کی مدد دی ہے۔



انگور کے خوشے، کسانوں کی نا نسل آمدنی لیے ئے پھلوں کی پیداوار بہت مفید ثابت ہو رہی ہے۔



دریا کے کنارے پمپ ہاؤس،
بیڈ کی امداد سے ایسے کئی
پروجیکٹوں کو جاری کیا گیا ہے
جو زرعی پروجیکٹوں میں معاون ہیں۔

ریاستی حکومت نے ضلع رتناگیری کے کونڈیورے، ہرنائی، گوہاگر، اور گھوسی گاؤں کیلئے، گموری کیلئے اور ضلع رائے گڈھ کے چاؤ تے گاؤں کے لئے پانی مہیا کرنے کی اسکیموں کو ہاتھ میں لیا ہے۔ یہ پروگرام "نیتش ایڈ پروگرام" کے تحت شروع کیا گیا ہے۔ "پی اے ڈی آئی" نے ان پروجیکٹوں کے لئے ۹۶۳۰۰ لاکھ روپے کی امداد دی ہے۔

مہاراشٹر میں "فرٹیلائزر پائلٹ اسکیم" ابتداءً تین سال کے لئے (اپریل ۱۹۶۸ء میں) شروع کی گئی تھی۔ اسے (۱) "فوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگنائزیشن روم،
(۲) جاپان اموینم سلفیٹ انڈسٹری ایسوسی ایشن، ٹوکیو
(۳) فریڈم فرام ہنگر کیمپین، دہلی کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس کے لئے فاؤ (FAO) نے بنیادی عملی تفصیلات، جاسیا نے، اسکیم کی مدت کے دوران ۲۰،۰۰۰ پونڈ سالانہ قیمت کی کیمیاوی فرٹیلائزروں کی شکل میں مدد اور ایف ایف ایچ سی نے ریاستی حکومت کی شریک کار ہوکر اسکیم کی تنظیم کی پیش کش کی۔ اس اسکیم کے اغراض و مقاصد یہ ہیں:۔

(الف) فرٹیلائزروں کے با صلاحیت استعمال کے ذریعے دھان کی پیداوار بڑھانا
(ب) چنے ہوئے حلقوں کے کسانوں میں واجبی قیمت پر فرٹیلائزروں کی مارکیٹنگ اور تقسیم میں سہولتیں بہم پہنچانا۔
(ج) کیمیاوی فرٹیلائزروں کی تقسیم، مارکیٹنگ اور اسٹوریج کے طور طریقوں کی نمائش کے ذریعہ تعلیم دینا۔

"پی اے ڈی آئی" نے اس پروجیکٹ کے لئے چھ لاکھ روپے کی امداد دی ہے۔

"پی اے ڈی آئی" نے ۷۷،۲۰۰ روپے کی مدد نوجیون لفٹ اریگیشن پروجیکٹ کے لئے بھی دی جس کی ابتدا نوجیون کوآپریٹیو جوائنٹ فارمنگ سوسائٹی لمیٹڈ، میرج ضلع سانگلی نے کی تھی۔ اس پروجیکٹ کی بدولت کمزور طبقات کی مقبوضہ ۱۶ ہیکٹر زمین کی آبپاشی ہو سکے گی۔

"پی اے ڈی آئی" نے اس نیو پولٹری (مرغبانی) پروجیکٹ کے لئے بھی جس کا تعلق پسماندہ اور کمزور طبقات سے ہے ۶۸۰۰۰ روپے کی مدد دی ہے۔ اس پروجیکٹ پر شیوا جی نگر گرام سدھار سمیتی، ضلع کلیان وتھانے کی طرف سے عمل کی ابتدا ہو رہی ہے۔

हीरक महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८४

ناصر سیّد

(پیڈ) (PAD)

پیوپلس ایکشن فار ڈیولپمنٹ (مہاراشٹر)

ہمارا ملک خاص طور سے مہاراشٹر کا ۸۰ فی صد حصّہ دیہاتوں پر مشتمل ہے اور یہاں کے لوگوں کا ذریعۂ معاش کھیتی باڑی ہے ۔ یہاں سب سے زیادہ تر لوگ پیشہ ورانہ کسان ہیں لیکن ناخواندگی، آپسی نااتفاقی، بندھے ٹکے رسم و رواج کی بنا پر یہ لوگ کافی پیچھے رہ گئے ہیں ۔ جبکہ ہمارے ملک کی اقتصادیات کا انحصار ان ہی لوگوں پر ہے ۔ حکومت ہر ممکن کوشش کرتی ہے کہ ہماری آبادی کا یہ حصّہ خوش حال بنے ۔ لیکن اس سلسلے میں صرف سرکاری اقدامات کافی نہیں ہیں ۔ سرکاری اقدامات کو کامیاب بنانے کے لئے اعزازی تنظیموں اور شخصی تعاون کی سخت ضرورت ہے اور جب تک یہ قدم نہیں اٹھایا جاتا، دیہی ترقی کا یہ خواب کبھی پورا نہ ہو سکے گا ۔ ان اقدامات کی کامیابی کے لئے غیر سرکاری تعاون وقت کی ضرورت ہے ۔

پیڈ (PAD) کا کردار

پیوپلس ایکشن فار ڈیولپمنٹ جو پی اے ڈی (پیڈ) کے نام سے مشہور ہے ، اسی ضرورت کی تکمیل کی جانب ایک قدم ہے ۔ اور اس سلسلے میں ایک اہم کردار نبھایا ہے ۔ اس نے اعزازی تنظیموں اور مشہور مقامی شخصیتوں کے تعاون سے دیہاتوں کو مالی امداد، تیکنکی معلومات اور دیگر بہت سی سہولیات فراہم کی ہیں ۔ مختلف تل کی منصوبہ بندی کر کے دیہاتوں کو خود کفیل بنانے کا سہرا پیڈ کے سر ہے ۔

معیار زندگی

معیارِ زندگی کو ایک خاص مقام پر پہنچانا دیہی ترقی کی بنیادی ضروریات کا ایک اہم پہلو ہے ۔ اس پہلو کو مدِنظر رکھتے ہوئے خود اعتمادی، خودداری، باہمی تعاون اور خاص طور سے اپنی مدد آپ جیسے اصولوں کے تحت کام کرنا چاہیئے ۔ محنت اور قربانی کے ساتھ اعزازی طور پر اپنے آپ کو اپنے گاؤں کے لئے وقف کرنا چاہیئے ۔ اپنے گھروں ، پڑوسیوں اور کھیتوں کی خوش حالی میں ہمارے سماج کی خوش حالی ہے صوبے کی خوش حالی ہے ، ریاست کی خوشحالی ہے بلکہ سارے ملک کی خوش حالی ہے ۔



ایک نوبیاہتا ادیباسی جوڑا ، ضمانت روزگار اور پیڈ (پی اے ڈی) کی سرگرمیوں کی بدولت اپنی خوشحال زندگی سے مطمئن اور مسرور

زراعت کی اہمیت

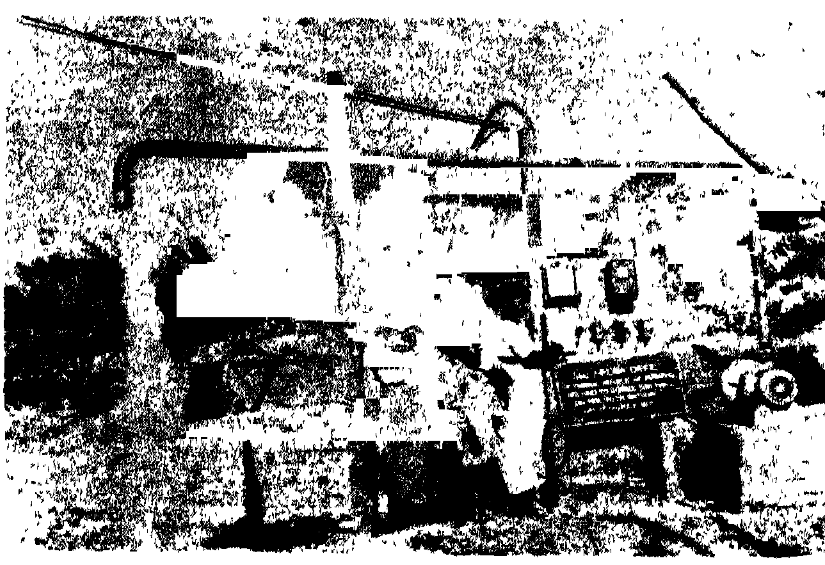
خودکفالت اور معاشی حالات سدھارنے کے ذرائع ہماری ریاست میں کافی ہیں جیسے کھیتی باڑی، ماہی گیری، دودھ ڈیری، مویشی پالنا، پولٹری فارم، باغبانی وغیرہ ــ مہاراشٹر کے ۹۰ فی صدی دیہی لوگ پیشہ ورانہ کسان ہیں لیکن ناخواندگی کی وجہ سے صحیح راستہ تلاش نہیں کر پاتے۔ زراعت ایک ایسا پیشہ ہے جس کی ناکامی کے سبب سے ہمارے ملک کی اقتصادی ومعاشی حالت متاثر ہوتی ہے۔ اس لئے زراعت کی اہمیت کو سمجھنا ہر شہری کے لئے نہایت ہی ضروری ہے۔

پیڈ (PAD) کا وجود

جولائی سنہ ۱۹۶۰ء میں فوڈ اینڈ ایگریکلچرل آرگنائزیشن (FAO) نامی ایک ادارہ مرکز کے تحت قائم کیا گیا جس کے ذریعے ضرورتمندوں کو غذا کی فراہمی کا کام انجام دیا جانے لگا اور ہزاروں لوگ اس تنظیم سے استفادہ کرتے رہے۔ اس تنظیم کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور رفتہ رفتہ اس کی مانگ بڑھ گئی۔ تب مرکزی حکومت نے اسے صوبائی شکل دینے کی ٹھانی اور تمام ریاستوں سے درخواست کی کہ اس تنظیم کو اپنے ماتحت شروع کریں۔ نتیجے کے طور پر سنہ ۱۹۷۲ء میں حکومتِ مہاراشٹر نے اس تنظیم کا تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ وزیرِ زراعت کی چیئرمین شپ میں آغاز کیا اور اس کا نام FAO سے بدل کر ایکشن فار ڈیولپمنٹ رکھا۔ بعد میں مرکزی حکومت نے بھی اسی نام کی تائید کی ــ اور سنہ ۱۹۷۳ء میں پیوپلس ایکشن فار ڈیولپمنٹ (انڈیا) یعنی پیڈ (PAD) کو ایک نئی شکل دی گئی اور پہلی میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ پیڈ کا اپنا فنڈ اکٹھا کر کے اسے دیہی ترقی کے کام میں لایا جاتے چنانچہ سب سے پہلے اپیل مہاراشٹر کے وزیرِ اعلیٰ سے کی گئی۔ حکومت مہاراشٹر نے دس ہزار روپے منظور کئے اور اطلاع دی کہ اس مقصد کے تحت مرکز نے بھی دس ہزار روپے کا عطیہ دینا منظور کیا ہے۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۷۵ء میں ایک کلچرل پروگرام مہاراشٹر کے مختلف اضلاع مثلاً پونے، ناگپور، ناسک اورنگ آباد، تھانے وغیرہ میں منعقد کیا گیا جس کے ذریعے کافی فنڈ اکٹھا کیا گیا اور اس فنڈ کو دیہی ترقیات کے لئے صرف کیا جانے لگا۔ کسی بھی پروجیکٹ کی منظوری کے بعد وزیرِ اعلیٰ یا وزیرِ زراعت اور ممبر سکریٹری کا دستخط شدہ چیک پروجیکٹ ہولڈر کو دیا جاتا ہے نیز ہر معاملہ براہِ راست وزیرِ اعلیٰ یا وزیرِ زراعت کے ذریعے انجام پذیر ہوتا ہے۔

پینے کے پانی کی امدادی اسکیم

پانی کے بنا انسان زندہ نہیں رہ سکتا ـــــــ گویا ضروریاتِ زندگی کی یہ ایک اہم شئے ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے انسان کئی تکلیفیں اٹھاتا ہے۔ خاص طور سے دیہاتوں کی عورتیں میلوں دور سے پانی لاتی ہیں۔



جرمنی کی ایک خاتون مسز ہلگا ڈیہی کی مالی امداد سے تیار کردہ ایک کنواں، جس کی وجہ سے اس علاقہ کے ادیباسیوں کے پینے کے پانی کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہوا اور انھیں راحت ملی۔

ان تکالیف کو دور کرنے کے لئے حکومت نے پائپ لائن کے ذریعے پانی سپلائی کرنے کی اسکیم تیار کی ہے جس کے تحت حکومت اس پروجیکٹ پر ۹۰ فی صدی خرچ برداشت کرتی ہے اور ۱۰ فی صدی خرچ عوام سے طلب کرتی ہے۔ لیکن ہماری ریاست کے کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں کے لوگوں کی معاشی حالت اس قدر رگری ہوئی ہے کہ یہ لوگ ۱۰ فی صدی خرچ برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں چنانچہ اسکیم جوں کی توں دھری رہ جاتی ہے۔ پیڈ نے وہ ۱۰ فی صدی خرچ برداشت کر کے پوری ریاست میں تقریباً ۱۱۷ پروجیکٹ اپنے ذمے لے کر ۱۷ لاکھ روپیوں کی امداد اس اسکیم کیلئے فراہم کی ہے۔ اور لوگوں کے گھروں تک پانی پہنچایا ہے اور جیسے جیسے پیڈ کے فنڈ میں اضافہ ہوگا وہ اس اسکیم کو اور بھی بڑے پیمانے پر فروغ دے گا۔ اس اسکیم کے تحت عطیات دینے والوں کو انکم ٹیکس کی ۱۰۰ فی صدی چھوٹ دی جاتی ہے۔

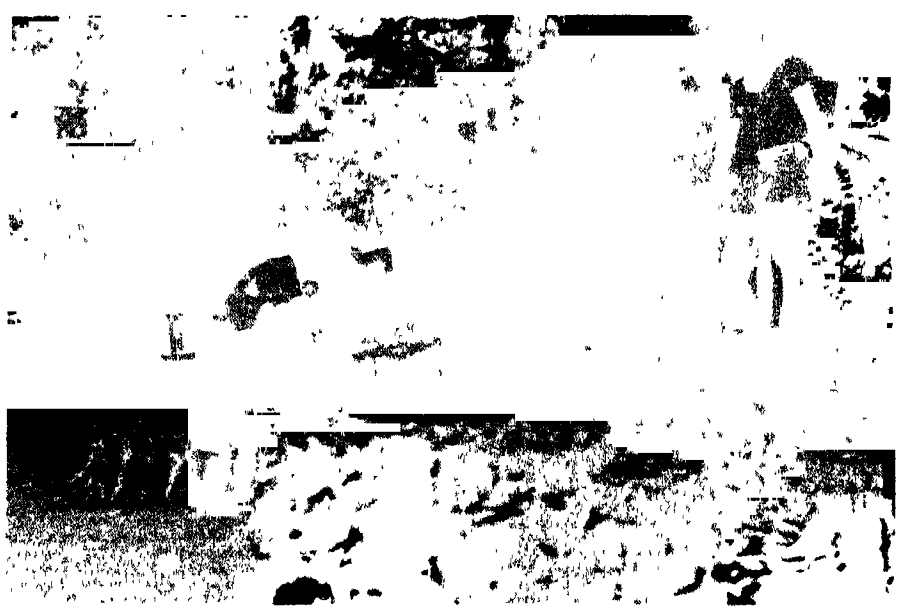
کام کے بدلے اناج

بمبئی میں ایک امریکی تنظیم کیتھولک ریلیف سروس (CRS) کے نام سے چلائی جاتی ہے جو ہمارے ملک کی ہند امریکی دوستانہ معاہدہ PL-۴۸۰ کے تحت دودھ پاوڈر۔ بلگر گیہوں۔ سی ایس ایم پاوڈر تیل امدادی طور پر فراہم کرتی ہے۔ پیڈ ان تمام اشیاء کو اپنی نگرانی میں ۱۱ اعزازی تنظیموں کے ذریعے ۱۴ سال سے کم عمر والے طالب علموں اور حاملہ عورتوں میں تقسیم کرواتا ہے جس سے تقریباً دو ہزار چار سو ضرورت مند استفادہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں دیہی علاقوں میں پیڈ فوڈ فار ورک (PFW) کام کے بدلے اناج نامی مہم چلاتی ہے۔ کنوئیں کھودنا۔ سڑکیں درست کرنا، نہریں نکالنا، اور آبپاشی جیسے دیہی ترقیاتی کام لوگوں سے لے کر انہیں مندرجہ بالا اشیاء کی فراہمی کرتی ہے۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں مہاراشٹر کے سانگلی اور ستارہ اضلاع کے قحط زدہ علاقوں میں اسی مہم کے تحت تقریباً ۹۰ کنوئیں کھودے گئے، جس سے ہزاروں لوگوں کو کام کے بدلے اناج فراہم کیا گیا۔

خواب جو حقیقت میں بدل گئے

مرکزی اور ریاستی حکومت کے کل ۲۰ ہزار روپے کے فنڈ سے پیڈ نے شروعات کی۔ امیر غریب، سرمایہ داروں اور صنعت کاروں نے دل کھول کر پیڈ کے ساتھ تعاون کیا۔ اور ۲۰ ہزار روپے کی رقم کو ۳۰ لاکھ تک پہنچایا اور اگر یہی رفتار رہی

(باقی صفحہ ۴۳ پر)



"پیڈ" کے زیر اہتمام ضلع رتناگیری کے مقام پنہالی میں، مقامی خواتین کو نرسری اور بچوں کے تحفظ کی تربیت دینے کا ایک مرکز۔

ڈاکٹر جینت راؤ پاٹل
حکومتِ مہاراشٹر کے مشیر باغبانی

دیہاتوں میں زمینوں کے ذریعے خود روزگار کے مواقع

بارش پر انحصار کرنے والے علاقوں کے چھوٹے کسان سال بھر روزگار حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ غربت کا شکار رہتے ہیں وہ چاول، جوار یا باجرہ کی ایک ہی فصل پر انحصار کرتے ہیں اور ان کی یہ فصلیں بھی بارش کے رحم وکرم پر ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ان کی حالت واقعی قابلِ رحم ہوتی ہے۔ ان کے پاس خریدنے کے لئے نقد رقم نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے کسانوں کو ایسی اسکیم سے متعارف کرانا ضروری ہوگیا ہے جس سے انہیں نقد رقم ہاتھ لگے اور پیڈ (مہاراشٹر) نے انہیں راستہ دکھایا ہے۔ رضاکارانہ تنظیموں نے اس پروگرام کو پیڈ کی مدد سے اپنے ذمے لے لئے ہیں۔

مخلوط فصلیں

تھانے اور جلگاؤں اضلاع کی رضاکارانہ تنظیموں نے چھوٹے کسانوں اور قبائلیوں کی زمین پر چھوٹے کنوئیں کھودنے اور پمپ سیٹس لگانے کے پروجیکٹ نے کام کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ یہ کسان جو سال میں صرف ایک فصل اگاتے تھے اب دالوں، تیل کے بیجوں، ترکاریوں اور پھلوں کے درختوں جیسی مخلوط فصل بھی اگاتے ہیں۔ پانی



ایک جاپانی اریہ سینٹر جسے پی اے ڈی آئی نے مدد دی۔

کی ناکافی فراہمی کی وجہ سے انہوں نے مخلوط جوار کی فصلیں اگانی شروع کر دی ہیں جو سال میں دو مرتبہ یا تین مرتبہ لگائی جا سکتی ہیں۔ اب وہ اناج کے معاملے میں خود کفیل ہو گئے ہیں۔ چاول یا جوار کی فصل کے بعد وہ ترکاریاں اگاتے ہیں جس سے انہیں نقد رقم ہاتھ لگتی ہے، جس سے ان کی قوت خرید میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کی معاشی حالت میں بھی سدھار ہوتا ہے۔ انہیں سال بھر اپنی زمین پر خود روزگار بھی حاصل رہتا ہے۔ دیہاتوں میں مخلوط فصلوں سے خود روزگار حاصل ہونے میں بہت مدد ملتی ہے اور مخلوط فصلوں کے لئے زیر زمین پانی کے ذرائع بے حد ضروری ہیں۔

خشک زمین پر باغبانی

ضلع تھانے کے قبائلیوں کے علاقوں میں کام کرنے والے رضاکارانہ اداروں نے قبائلی کسانوں کی زمین پر آموں کے درخت لگانے کے طریقے سے انہیں متعارف کیا ہے جس سے انہیں متواتر آمدنی ہوتی ہے۔ قبائلی اپنی زمین پر صرف چاول کی کاشت کرتے ہیں جس کے ذریعے ان کی زندگی بسر ہو جاتی ہے۔ اس کے سوائے ان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ قبائلی کسانوں نے اب اپنے چاولوں کے کھیتوں کے اطراف آموں کے پودے لگانے شروع کر دیئے ہیں۔ جب یہ پودے چار سال کے ہو جائیں گے ان سے الفانسو آم حاصل کئے جائیں گے اس کے لئے انہیں عملی تربیت دی گئی ہے۔ وہ پودے لگانے کے چار پانچ سال بعد آمدنی کے حقدار بن جائیں گے۔ دھانو تحصیل کے دیہات جلوانی کا ایک قبائلی کسان شری بھالو ویلا ہر سال آموں کو فروخت کر کے ۵۰۰۰ روپے کما لیتا ہے اگر اسی طرح دیگر قبائلی اس طریقۂ کار پر عمل کریں تو وہ اپنی نقد آمدنی کا ذریعہ پیدا کر سکتے ہیں۔

اسی طرح نقد حاصل ہونے والی دوسری فصل کا نام بور ہے۔ ہمیں جلگاؤں ضلع کے "مہرون" قسم کے بارے میں معلوم ہے۔ چھوٹے کسان مہرون بور کی قسم کے درخت لگا سکتے ہیں اور اس سے نقد رقم حاصل کر سکتے ہیں۔ ضلع تھانے میں، بورڈی اور کسبا د پہاڑی علاقوں کے چھوٹے کسانوں اور قبائلیوں کو ان کی زمین کے اطراف



قبائلی لڑکیوں کو متوازی غذا تیار کرنے کی اچھی خاص تربیت دی جاتی ہے۔ ایسا ہی ایک مظاہرہ پیش کیا جا رہا ہے۔

جمع ہو جانے والی سطح کے استعمال سے متعارف کرایا گیا ہے۔ ان پودوں کی دسمبر سے جون تک دیکھ بھال کی جاتی۔ دس سالہ پرانے درخت سے تقریباً ۵۰۰ (پاؤنس ملا) سالانہ حاصل کر کے ان سے تقریباً ۱۵۰ سے ۲۰۰ روپے کی آمدنی جا سکتی ہے۔ یہ پودے خشک زمین پر آسانی کے ساتھ اگائے جا سکتے ہیں اور ان کو سینچائی کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔ ان درختوں کو سارے مہاراشٹر بھر میں اگایا جا رہا اور یہ بھی ذرائع آمدنی کا ایک موثر طریقہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

جانوروں کیلئے حیات بخش چارہ

خشک علاقوں کے کسانوں کو سالانہ کام کاج نہیں ہوتا۔ باراشی اور سولاپور کے خشک علاقوں سے کسان گائے کا دودھ فروخت کر کے اپنے لئے آمدنی کا ذریعہ

(باقی صفحہ ۳۶)

★ کمال نشیط
ایم۔اے۔(عثمانیہ)
مکان نمبر ۲۳-۶-۷۲۳
گولی پورہ۔حیدرآباد (اے پی) ۵۰۰۲۶۵

کتب و رسائل کی نگہداشت اور حفاظت

کتابوں اور رسائل کی نگہداشت کرنا ضروری ہے ورنہ یہ آب و ہوا، کیڑے مکوڑے آگ اور انسان کے نقصان پہنچانے سے برباد ہوجاتے ہیں۔ آگ لگ جانا، یا کتابیں چوری ہوجانے کے واقعات تمام ممالک میں عام ہیں۔ گرم ممالک کا اونچا درجۂ حرارت، گرد وغبار، نقصان دہ کیڑے اور جھلسا دینے والی دھوپ ایسی نقصان دہ چیزیں ہیں۔ جن کا سدباب بہت ضروری ہے۔

درجۂ حرارت کے مسلسل ردّوبدل اور آب وہوا کی رطوبت کے سبب مختلف تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ یہ مسئلہ سرد ممالک میں اتنا خطرناک نہیں جتنا کہ گرم ممالک میں ہے۔ اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ کتابوں یا رسائل کے Stock Room کے درجۂ حرارت کو مصنوعی طور پر نارمل کیا جانا چاہیئے — سیلن یا اونچے درجۂ حرارت سے محفوظ رکھنے کے لئے کتب خانہ کی عمارت کی بنیاد مضبوط اور اس کی کرسی فرش زمین سے اونچی ہونی چاہیئے۔

کتابوں اور رسائل کو نقصان پہنچانے والی چیزوں میں، چوہے، دیمک اور کتاب کے کیڑے قابل ذکر ہیں۔ بعض کیڑے کتابوں میں مستقل گھر بناکر رہتے ہیں اور بعض کچھ عرصہ ہی رہتے ہیں لیکن اسی عرصہ میں معقول نقصان پہنچاتے ہیں۔ پھپوندی اور دھبے وہ نباتی بالیدگیاں ہیں جو عموماً پرانی چیزوں پر اور مرطوب مقامات میں خوب پھلتی پھولتی ہیں اور کتب و رسائل کو نقصان پہنچانے کا سبب بنتی ہیں۔ ان کے نقصانات سے حفاظت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ کتابوں کو اور رسائل کو کسی قدر گرم، اور خشک جگہ میں رکھا جائے اور کتب اور رسائل کے چمڑے کی جلدوں پر وقتاً فوقتاً برچ یا دیودار کا تیل مل دینا چاہیئے۔ کتابوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑے مکوڑے حسب ذیل ہیں۔

۱:۔ جھینگر ۲:۔ گوبریلا ۳: کتاب کے کیڑے ۴:۔ روپہلی کنامریا ۵:۔ دیمک ۶:۔ پتنگے۔

جھینگر وارنش اور جلدبندی کے رنگ کو چاٹ کر کتابوں کو بدرُوپ بنادیتے ہیں۔ ان کے خاتمہ کے لئے بورک پاوڈر کا استعمال بہت فائدہ مند ہوتا ہے۔ عام نمک خوردنی سے بھی جھینگروں کو بھگایا جاسکتا ہے۔

گوبریلا۔ حقیقی کتابوں کے کیڑے ہوتے ہیں۔ یہ کتاب کی

جلد بندی اور صفحات کو چھیدتے ہی نہیں بلکہ سرنگیں ڈال کر نقصان پہنچاتی ہیں۔ ایسے نقصان رسیدہ کتابوں کو فوراً دوسری کتابوں سے ہٹا دینا چاہیئے۔ پھر ان کو اچھی طرح جھاڑ پونچھ کر۔ ان پر صاف مٹی کا تیل یا بینزین کو احتیاط سے لگانا چاہیئے۔

کتاب کے کیڑے ..... یہ بہت چھوٹے کیڑے ہوتے ہیں جو کتاب پر لگے ہوئے گوند اور لئی چاٹ کر گذارہ کرتے ہیں۔ گو یہ اتنے نقصان دہ نہیں ہوتے تاہم ان سے بھی گو بریلے ہی کی طرح مقابلہ کرنا چاہیئے۔

روپہلی کن مُریا..... یہ کیڑے بھی جھینگروں کی مانند کتابوں کا رنگ روپ بگاڑ دیتے ہیں اور کتب کی جلد کی چمک دمک کا ناس کرتے ہیں۔ جلد کے رنگ اور وارنش کے بچاؤ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر کتاب کی دفتی (پٹھے) پر جیسے وہ وصول ہو نکاؤ وارنش پھیر دینا چاہیئے۔

دیمک..... دھوپ اس کی دشمن ہے۔ وہ اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی۔ یہ عمارتوں کی دیواروں کے اندر اوٹ میں رہتی ہے۔ یا دیواروں پر مٹی کی سرنگیں بنا لیتی ہے۔ یہ کتابوں، رسالوں اور فرنیچر کا ناس کرتی ہیں اور بعض مرتبہ ناقابل برداشت نقصان پہنچاتی ہے۔ اگر دیمک کا سوراخ یا سرنگ دکھائی دے تو اس پر فوراً مٹی کا تیل چھڑک دیں۔ ڈی۔ ڈی۔ ٹی، اور گمک سین پوڈر بھی مفید ہوتا ہے اور بعض مرتبہ اس سے نجات پانے کے لئے خصوصی معالج کی ضرورت پڑتی ہے۔

پتنگے..... یہ چھوٹے کیڑے تتلیوں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا گذارہ کیڑے، اون اور اس چمڑے پر ہوتا ہے جو جلد بندی میں استعمال ہوتا ہے۔ ان نقصان دہ کیڑوں سے بچاؤ کے لئے حسب ذیل احتیاطی تدابیر اختیار کریں۔

(۱) :- کتب خانے میں تمباکو نوشی نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس کا دھواں کتابوں کے لئے مضر ہوتا ہے کتابوں کے لئے روشنی اور ہوا کی ضرورت بھی ہے۔ اور دوسرے جراثیم کتب خانوں کے اندھیرے اور غلط طور پر بنے ہوئے روشن دانوں میں پرورش پاتے ہیں۔

(۲) :- سب سے اہم چیز صفائی ہے۔ کمروں کے فرش کو باقاعدہ طور پر دھونا، کتابوں کے خانوں، شیلفوں، فرنیچر وغیرہ کی صفائی اور رنگ ریزی کرنا بہت ضروری ہے۔

(۳) :- سستے قسم کے مقوّے جو کتابوں کی جلد بندی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس سے کیڑے مکوڑوں کو پرورش کا موقع ملتا ہے۔ اس لئے ایسے مقوے کو نکال دیں یا پھر نیم کے درخت کی پتیاں درمیان میں رکھ دیں۔ یا پھر متاثرہ حصوں پر مٹی کا تیل برش سے رگڑ دیں۔

(۴) :- جہاں دھوپ اور ہوا کتابوں تک نہ پہنچتی ہو ایسی کتابوں کو صبح کے وقت صرف پانچ منٹ کے لئے دھوپ میں رکھنا چاہیئے۔

(۵) :- کیڑوں کے انسداد کے لئے باقاعدہ ڈی ڈی ٹی پوڈر چھڑکنا چاہیئے اور ہر شیلف میں مناسب فاصلہ پر کافوری گولیاں اور بورک پوڈر وغیرہ چھوٹی تھیلیوں میں بھر کر رکھنا چاہیئے۔

صفحہ نمبر ۳۴ سے آگے (خود روزگار کے مواقع)

پیدا کر رہے ہیں۔ مخلوط نسل کی گایوں کو اعلیٰ پروٹین والا چارہ درکار ہوتا ہے۔ کسان پیڑ کی مدد سے اس قسم کا چارہ اپنی زمین پر تیار کر رہے ہیں جس کے ذریعے ان خشک علاقوں کے کسانوں کو خود روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہو رہے ہیں۔

سماجی جنگل بانی

دیہاتی عورتوں کو لکڑی کی تلاش میں میلوں دور جانا پڑتا ہے۔ سر پر لکڑیوں کا گٹھا لاد کر لانا یہ دیہاتی عورتوں کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ لکڑیوں کی قلت پر قابو پانے کے لئے جلانے والی لکڑیوں کے درخت رضاکارانہ اداروں نے پیڑ کی مدد سے لگانے شروع کئے ہیں۔ عورتوں اور نوجوانوں کو ایسے درختوں سے پودے لگانے کی تربیت دی جارہی ہے۔ یہ پروگرام نہ صرف دیہاتی عورتوں کی تکالیف کا خاتمہ کرے گا بلکہ ان کے گزر بسر کا ذریعہ بھی ثابت ہوگا۔ اس لئے پیڑ (سہارا شجر)، ان دیہاتی افراد میں جو زمینوں پر اپنے روزگار کا انحصار کرتے ہیں انہیں روزگار کے مواقع فراہم کرکے ان کے معیار زندگی میں بہتری لا رہا ہے

غزلیں

بیکل اتساہی

گیتانجلی۔ بلرامپور، ضلع گونڈہ (یو پی)

یوں تو ملنے کو ملے ہیں جب ملے کم ہی ملے
مل گئے تو ملنے والوں سے وہ برہم ہی ملے

جب بھی چاہا ہے کسی بھی غم سے سودا کرلیا
وقت کو ہر دور میں اک بے زباں ہم ہی ملے

وہ جو آسودہ ہیں ان پر صرف کر دریا دلی
اے سمندر دینے والے مجھ کو شبنم ہی ملے

پھول کچھ ایسے ملے جن کے جگر پتھر کے تھے
اور کچھ قاتل ملے جو جانِ عالم ہی ملے

وہ دیئے جن کی لویں تھیں تیز بیکل شامِ غم
آندھیاں جب تھم گئیں تو وہ بھی مدھم ہی ملے

✝

ندا فاضلی

۱۰۱۔ امرا اپارٹمنٹس۔ دان پارہ روڈ۔ کھار، ممبئی ۴۰۰۰۵۲

ہر چمکتی قربت میں کوئی فاصلہ دیکھوں
کون آنے والا ہے کس کا راستہ دیکھوں

شام کا دھندلکا ہے یا اداس ممتا ہے
بھولی بسری یادوں سے پھوٹتی دعا دیکھوں

مسجدوں میں سجدوں کی مشعلیں تو ہیں روشن
بے چراغ گلیوں میں کھیلتا خدا دیکھوں

موج موج پانی میں ڈوبتا ہوا سورج
کون مجھ میں در آیا اٹھ کے آئنہ دیکھوں

لہلہاتے موسم میں تیرا ذکر شادابی
شاخ شاخ پر تیرے نام کو ہرا دیکھوں

✝

کامل چاندپوری

دو غزلیں

جوانی جا رہی ہے آنکھ میچے
بڑھاپا آیا جاتا ہے نگیچے

اِدھر بھی اک نظر اے ماہ پارہ
ذرا ہم سے بھی ہو جائے پریچے

تمہیں یہ آرزو ہوگی کہ کوئی
کلیجے سے لگا کر خوب بھینچے

کسی دن گھٹ کے مر جاؤ گے ناصح
نہ کھولو گے اگر دل کے دریچے

وہ پانی دے رہے ہیں ڈالیوں کو
جڑیں جو کاٹتے ہیں پیچے پیچے

خزاں نے ان کو آ خر روند ڈالا
جو بوٹے ہم نے خونِ دل سے سینچے

رہی خواہش کسی کے ساتھ کامل
ہماری بھی کوئی تصویر کھینچے

قومی راج

زندگی ٹھوس حقیقت ہے تماشا بھی نہیں
خواب کہتے ہوئے کیوں آپ نے سوچا بھی نہیں

ہم تو مجرم ہیں کوئی سامنے آئے بے داغ
عمر گذری ہے فرشتہ کبھی دیکھا بھی نہیں

اس لئے جام اُٹھا لیتا ہوں ہر شام کو میں
یہ نہ کہہ دے کوئی رحمت پہ بھروسہ بھی نہیں

ہم سفر سے کوئی برسوں سے مگر نام و نشاں
میں نے پوچھا بھی نہیں اس نے بتایا بھی نہیں

اک اُچٹتی سی نظر کر گئی دل کا سودا
مال دیکھا بھی نہیں دام چکایا بھی نہیں

کر دیا آپ پہ قربان نہ شکوہ نہ گلہ
دل سرِ راہ پڑا پایا ہو ایسا بھی نہیں

ہاں وہی جس نے مرا صبر و سکوں لوٹ لیا
چور پکا ہے مگر چور سا لگتا بھی نہیں

بات دل سے مگر کس سے کہوں کیسے کہوں
مجھ کو اس شہر میں تنہا کوئی ملتا ہی نہیں

مفلسی ہو کہ شرافت ہو سزا ہیں دونوں
دار پر لٹکے ہیں ہر چند کہ عیسےٰ بھی نہیں

لوگ کر لیتے ہیں غیروں پہ بھروسہ
ایک میں ہوں کہ مجھے خود پہ بھروسہ بھی نہیں

دُکھ ہو یا سکھ ہو بتا دیتا ہے چہرہ سب کچھ
کیا اپنا ہے کوئی بات چھپاتا بھی نہیں

بعد مرنے کے اُسے خوب اُچھالا ہم نے
زندگی میں جسے نزدیک سے دیکھا بھی نہیں

کہیں جسموں کو ترستے ہیں حسیں ملبوسات
اور کہیں جسم ترستے ہیں کہ کپڑا بھی نہیں

کل مریں گے تو کفن ڈال ہی دے گی دُنیا
کیا ہوا آج اگر جسم پہ کپڑا بھی نہیں

آ گئے تم ذرا آئینہ دِکھا دو مجھ کو
میں نے خود کو کبھی ہنستے ہوئے دیکھا بھی نہیں

کاش میں آج کے اس دَور میں پیدا
زندگی بیت گئی کچھ ابھی دیکھا بھی نہیں

بے گناہی مرے مشرب میں خطا ہے کامل
دِل کا دامن رہے بے داغ یہ اچھا بھی نہیں

اندر سروپ دت نادآں
بی-۳۰/ ۲۶۹، پچھم وہار، نئی دہلی
۱۱۰۰۶۳

دو غزلیں

یہ شہر وعدہ فروشاں، یہ مستیاں یارو
نشاط اور دکھ کے رقصاں ہیں تلخیاں یارو

بتوں کو توڑ کے محمود سرفراز ہوا
مگر ہیں اپنی جگہ بت پرستیاں یارو

کوئی کلنک لگاؤ کسی کے ماتھے پر
بہت اداس ہیں تہمت طرازیاں یارو

نکل کے اپنے گھروں سے پڑو نہ خطرے میں
گلی کے موڑ پہ بیٹھی ہیں آندھیاں یارو

کہیں یہ شخص بھی ہم سا ہی بے گناہ نہ ہو
اٹھی تھیں ہم پہ بھی ایسے ہی انگلیاں یارو

تمہارے جسم سے جنگل کی باس آتی ہے
کہاں سے سیکھی ہیں یہ شہرداریاں یارو

کہاں گئے ہیں وہ نادآں جو ان کے محرم تھے
کہاں گئی ہیں وہ خوابوں کی وادیاں یارو!

* * *

دورِ خزاں کو اے چمن، دعوتِ دوستی نہ دے
نغمہ و نور کو بچا موت کو دلبری نہ دے

گوشۂ خاص کے لئے وقف ہو کوئی شمع تو کیوں
ایسا دیا بھی کیا دیا سب کو جو روشنی نہ دے

جانے کب چھلک اٹھے جام کسی کے ضبط کا،
دبتے پلوں کو اے جفا جذبۂ سرکشی نہ دے

مانا کہ بحرِ زندگی پر ہے بڑی بلاؤں سے
اس پہ بھی غم نہیں اگر ناؤ تو کاغذی نہ دے

بچ کہ فریبِ وقت کا لے کے طلسم آ گیا
ہوش و خرد کی بات سن جھوٹ کو زندگی نہ دے

منزلِ آخری تری، ماہ و نجوم تو نہیں
نوعِ بشر چلی ہی چل، عزم کو بے دلی نہ دے

صنعتِ مکر کو سمجھ! اپنی متاع کو بچا،
مردہ سکندری نہ لے، زندہ قلندری نہ دے

تبصرہ

تبصرہ نگار :
ہارون خوشتر
... گری پالیہ میونسپل بلاک ،
... مقابل جھولا میدان ۔ مولینڈ روڈ بمبئی

نام کتاب .. .. ہم اور ہمارے بچے
مصنف .. .. اندرجیت لال ایم ۔ اے
صفحات ۱۱۲
عمدہ کتابت ۔ چھپائی اور کاغذ
قیمت .. .. ۱۴ روپے
ملنے کا پتہ .. .. ڈی ۱۴ گل مہر پارک ،
نئی دہلی ۴۹ .. ۱۱

سائنسی مضامین ، سوانح حیات اور شعروادب سے گہری دلچسپی رکھنے والے شری اندرجیت لال نے بچوں کے ادب سے بھی والہانہ دلچسپی کا اظہار کر کے نہ صرف بچوں، والدین، اساتذہ بلکہ اردو ادب پر بھی احسان کیا ہے کیونکہ اس صنف ادب کی جانب کم ہی قلم کار متوجہ ہوتے ہیں ۔ اس لئے یہ صرف ادب کاوش، محنت، شفقت اور لگن کی متقاضی ہے جہاں قلم کار مالی منفعت سے بے نیاز رہتا ہے ۔

شری اندرجیت لال کی مادری زبان اردو نہیں ہے ۔ اس کے باوجود اردو زبان میں جس شائستگی ۔ سادگی اور معلوماتی مواد سے بھرپور انہوں نے بچوں کے لئے جو کچھ لکھا ہے لائق صدستائش ہے ۔ واجب الاحترام ہے اور والدین کے لئے قابلِ مطالعہ ۔

زیرِ تبصرہ کتاب " ہم اور ہمارے بچے " ان کتابوں میں سے ایک ہے ۔ اس کتاب میں ۱۱ مضامین ہیں جو تمام کے تمام بچوں سے متعلق ۔ بچوں کی نفسیات ، سماجیات ، تعلیم ، پرورش ، کھیل کود اور ان کی نگہداشت پر گراں قدر معلوماتی مضامین ہیں ۔ اگر آپ کا مطالعہ وسیع ہے تو بقدرِ اشکِ بلبل ورنہ آپ کی معلومات عامہ میں بھرپور اضافے کا باعث ہے ۔

شری اندرجیت لال نے اپنی تصنیف کردہ اردو اور انگریزی کتاب پر ۹ عدد انعام یا اعزاز پایا ہے تعلیم یافتہ ہیں اور قاری کے مزاج شناس ، بچوں کے متعلق انہوں نے جو ... نہوں نے اپنے وسیع مطالعہ ، مشاہدے اور تجربات ... چوڑ پیش کر دیا ہے ۔ سب سے بڑی بات جو اس کتاب ... مطالعہ نے ہمیں بخشی ہے وہ ان کی دیانت داری ہے ۔ راز ... بازی سے دامن کو ہاتھ سے جاتے نہیں دیا ہے ۔ بچوں کے و... یا اساتذہ جہاں کہیں دانستہ یا نادانستہ سہو کے مرتکب ہ... ہیں شری اندرجیت لال نے وہاں انگلی رکھی ہے ۔ اشارہ ... سے کام نہیں لیا بلکہ دوٹوک بات کہی ہے ۔ یہی ان کی دیانت... راست گفتاری اور بے باکی ان کے دل کی گہرائیوں میں ... اصلاح کی غمازی کرتی ہے ۔

شری اندرجیت لال انگریزی ادب سے کافی متاثر ... ان کی تحریر میں اس کی جھلک ملتی ہے ۔ بڑوں کے لئے تو یہ ... بات ہے مگر بچوں کو سمجھنے اور ان کے والدین یا اساتذہ سمجھانے کے لئے غیر معمولی بات ہے ۔ البتہ یہ بات خالص ... ہندوستانی ادب میں آسان تر ہو جاتی ہے جو مصنف کی ... کا محتاج ہے ۔

شری لال اس کتاب کے لئے مبارکباد کے مستحق ہیں ۔ ... ہے ان کی یہ کتاب بھی مقبولِ عام کا درجہ حاصل کرے گی ۔

قومی راج

●

ہمیں یقیناً ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو ایسے غ... معمولی کام انجام دیں جو چند ہی لوگ کر سکتے ہیں ۔ دوسروں ... مجھے کہنا ہے کہ معمولی کام غیر معمولی خوبی سے انجام دیں ۔ اسی طر... سب قومی تعمیر میں حصہ لے سکتے ہیں ۔

● ۔ آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی

ریاست کے پسماندہ علاقوں کی متوازن ترقی پر پوری توجہ دی جائیگی ۔ وزیر اعلیٰ

مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے ودربھ کے عوام کو یقین دلایا ہے کہ ترقی کے معاملے میں ان کے علاقے کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں برتی جائے گی۔

انہوں نے ناگپور سے ۶۰ کلو میٹر کے فاصلے پر موضع سندھی میں ساڑھے بائیس کروڑ روپے کے ایک صنعتی منصوبے کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے کہا کہ ریاست کے پسماندہ علاقوں کی متوازن ترقی کے لئے کافی راحتیں فراہم کی جائیں گی۔

اس تقریب کی صدارت مرکزی وزیر برائے فولاد اور معدنیات شری وسنت ساٹھے نے کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ آئینِ ہند کی دفعہ ۳۷۱ کے تحت ایک دستوری ترقیاتی بورڈ کی تشکیل سے ودربھ کے علاقے کی پسماندگی دور کرنے میں بہت مدد ملے گی۔

شری پاٹل نیلنگیکر نے کہا کہ ریاست مہاراشٹر کی تشکیل سے عوامی ذہن کی متوازن اور تیز رفتار ترقی کے لئے فطری طور پر توقعات پیدا ہوئی ہیں۔

انہوں نے کہا کہ وہ اپنے طور پر ان توقعات کو پورا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے پسماندہ علاقوں کے مسائل اور دشواریوں کا پورا احساس ہے۔

انہوں نے کہا کہ ودربھ، مراٹھواڑہ (جہاں کے وہ رہنے والے ہیں) اور کوکن، ریاست کے تین پسماندہ علاقے ہیں اور ان کے درمیان ایک تاریخی رشتہ بھی ہے کیونکہ چھترپتی شیواجی مہاراج کی جائے پیدائش موضع ایرل مراٹھواڑہ میں اور شیواجی مہاراج کی ماں جیجابائی کی پیدائش سند کھیڑ راجا ودربھ کے علاقے میں ہے۔

وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کی قیادت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ شری راجیو گاندھی نے پنجاب کے دشوار مسئلہ کو حل کر دیا ہے اور اس طرح انہوں نے اس وعدے کو پورا کر دیا ہے جو انہوں نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے وقت کیا تھا۔

جس کارخانے کا سنگِ بنیاد آج رکھا گیا ہے۔ اس کا انتظام مہاراشٹر کی صنعتی اور سرمایہ کاری کارپوریشن نیز مغربی جرمنی کی ایک فرم کے ذریعے چلایا جائے گا۔ اس کی تکمیل ہو جانے پر اس میں ۶۰۰ افراد کو روزگار ملے گا۔

اس جلسے میں مغربی جرمنی کی فرم کے ممتاز افسران کے ساتھ ریاستی کانگریس (آئی) کے صدر شریمتی پربھا راؤ نے بھی شرکت کی۔

ناگپور میں شری نیلنگیکر نے وزیر دفاع شری پی۔ وی۔ نرسمہا راؤ کے ساتھ ترش پھلوں کے تحقیقی مرکز کے لئے بھومی پوجا کی رسم ادا کی۔

۲۸ جولائی کو جب وہ وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے پہلی مرتبہ ناگپور پہنچے تو ہوائی اڈے پر ان کا زبردست استقبال کیا گیا۔ وہ مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ تاخیر کے ساتھ دس بجے پہنچے تھے۔ ایک بڑی تعداد میں مقامی کانگریس (آئی) کارکنوں اور شہری کانگریس (آئی) کے صدر نے ان کا استقبال کیا۔

مرکزی وزیر برائے فولاد اور معدنیات شری وسنت ساٹھے کے ہمراہ وہ ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے ضلع وردھا کے موضع سندھی گئے جہاں انہوں نے ایک کارخانے کا سنگِ بنیاد رکھا۔

اسی دن ناگپور کانگریس (آئی) کے صدر شری اداری نے وزیر اعلیٰ کے سامنے ایک کھلے خط میں شہر کے اہم مسائل پیش کئے اور انہیں بتایا کہ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے کم از کم ۲۵ کروڑ روپے کی ضرورت ہوگی کیونکہ گذشتہ سال ایک کروڑ روپے کی جو رقم منظور کی گئی تھی وہ ناکافی تھی۔

عثمان آباد ضلع پریشد میں عوامی مزاج کے مطابق انتظامیہ

مرکزیت کو دور کرنے اور انتظامیہ کو عوامی مزاج کے مطابق بنانے کی غرض سے ۱۹۶۲ء میں ریاست مہاراشٹر میں ضلع پریشدیں قائم کی گئیں جس کا مقصد ضلع پریشد انتظامیہ میں بنیادی تبدیلیوں اور عوامی مفاد اور ترقیاتی کاموں میں سرعت پیدا کرنا تھا۔

عثمان آباد ضلع پریشد کے چیف ایگزیکیٹو افسر شری رمیش چندر کاناڈے نے ضلع احمد نگر کا دورہ کیا تاکہ وہ ضلع احمد نگر کے کلکٹر شری انیل کمار لاکھینا کے جدید انتظامیہ کی تکنیک کا بذاتِ خود معائنہ کر سکیں۔ آپ نے انتظامیہ کو بہتر

بنانے کی جدید تکنیک کا گہرائی کے ساتھ مشاہدہ کیا اور عثمان آباد ضلع پریشد میں واقع اپنے دفتر میں بھی انتظامیہ کو بہتر بنانے سے اس طریقۂ کار کو اپنایا۔ جس کا نتیجہ ہمت افزا نکلا۔ اب عوام کو ان کے معاملات تیزی سے حل ہوتے دکھائی دینے لگے ہیں۔

اورنگ آباد کے ڈویژنل کمشنر شری وی۔ٹی چاری، سکریٹری جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ اور دیگر سرکاری عہدیداران نے ضلع پریشد کے دفتر کا معائنہ کرکے نئی تکنیک کے ذریعے چلائے جارہے انتظامیہ کے کاموں پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔

حکومت پنجاب کے سکریٹری شری کرل ریڈی نے امسال مارچ میں ضلع پریشدوں کے دفتروں کا دورہ کیا اور آپ اس نئے تجربے سے بے حد متاثر ہوئے۔ آپ نے اسی طرح کی تبدیلیاں اپنی ریاست میں بھی کرنے کی خواہش کا اعادہ کیا۔

آفس کے احاطے کے اطراف واکناف کے علاقوں کی صاف صفائی کے ذریعے انتظامیہ میں تیزی لانے کا کام جاری کیا گیا۔ عملے کو بٹھانے کا یہ انتظام کیا گیا کہ تمام سینئر افراد کو افسروں کی ماتحتی میں ایک چھت کے نیچے بٹھایا گیا تاکہ وہ اپنے ماتحت عملے کے کاموں کی موثر طور سے نگرانی کرسکیں۔ عملے کو چیزیں ان کے کام کی ضرورت کے مطابق فراہم کی جاتی ہیں۔ آفس کے عملے کو ریکارڈ رکھنے کے ایک نئے طریقے سے روشناس کرایا گیا جس کے لئے عملے کو تربیت دی گئی۔ اب کوئی بھی پرانے کیس سے متعلق کوئی بھی کاغذ فوراً دستیاب ہوسکتا ہے

معاملات کو فوری طور سے حل کرنے کی غرض سے ایک اسپیشل سیل قائم کیا گیا ہے۔

معاملات کو جلد از جلد نپٹانے کی غرض سے چیف ایگزیکیٹو افسر کے دفتر میں ایک رجسٹر رکھا گیا ہے جس کے ذریعے زیر التوا کیس کی جانب فوری طور سے نشاندہی کی جاتی ہے۔ اور جس سے اس کیس کو فوری طور سے حل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

اعلیٰ اتھارٹیز سے صلاح ومشورے اور رہنمائی حاصل کرنے والے مطلوبہ کیسوں کے لئے علیحدہ رجسٹر رکھا گیا ہے۔ اب جب بھی چیف ایگزیکیٹو افسران آفسوں کا دورہ کریں گے تو ان سے ان کیسوں پر صلاح ومشورہ کرلیا جائے گا۔

ضلع پریشد ایمپلائیز کی جدید انتظامیہ تکنیک کو اپنانے کی غرض سے میٹنگیں منعقد کی جارہی ہیں تاکہ انہیں اس جدید طریقۂ کار کی اہمیت واضح کی جاسکے علاوہ ازیں ملازمین کی تکالیف کو دور کرنے کے لئے ایک خصوصی سیل قائم کی گئی ہے۔ ملازمین کی کارکردگی کو بڑھانے کے لئے دو ایڈوانس تربیتی اسکیمات کی منظوری عطا کردی گئی ہے اور سبکدوش ملازمین کے پنشن کے معاملات کو حل کرنے کے لئے ایک علیحدہ سیل قائم کیا گیا ہے۔

ملازمین کو ماہانہ میٹنگ میں اُن کے کاموں سے تعلق رکھنے والے مسائل کو پیش کرنے کی اجازت دی گئی ہے انہیں کینٹین کی سہولت بھی فراہم کی گئی ہے۔

ضلع وردھا کی تعمیر وترقی کو اولیت دی جائیگی — وزیر اعلیٰ

وردھا کے شہریوں کی جانب سے وزیر اعلیٰ کا استقبال

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے ۱۴ر جولائی کو وردھا میں فرمایا کہ بالائی وردھا پروجیکٹ کے کاموں کو جلد ہی مکمل کیا جائے گا اور تحتی وردھا پروجیکٹ کے بشمول دھام پروجیکٹ پر تیزی کے ساتھ عمل آوری کی جائے گی۔ شری نیلنگیکر نے فرمایا کہ اس پروجیکٹ کے مکمل ہونے سے ۲۸ فی صد اراضی کی آبپاشی کی جاسکے گی۔

وزیر اعلیٰ نے دیہی علاقوں میں صد فی صد روشنی لانے کی ضرورت پر زور دیا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ جون ۱۹۸۶ء تک کنوؤں کے لئے بجلی کی فراہمی کا کام مکمل ہوجانا چاہیئے اور عوام کو سال کے دوران پینے کے پانی کی فراہمی جاری ہوجانی چاہیئے۔ ضمانت روزگار اسکیم کے تحت کامگاروں کو آدھا کلو باجرہ یا جوار ملے گا۔ درمیانی اور چھوٹے آبپاشی پروجیکٹوں کے کاموں کو ترجیح دی جانی چاہیئے۔ وزیر اعلیٰ نے مجاہدین آزادی کی ۱۵۰ روپے ماہانہ پنشن کو بڑھاکر ۲۵۰ روپے ماہانہ کرنے کا اعلان کیا۔

آپ نے فرمایا کہ وزیر اعظم شری راجیو گاندھی نے غریب عوام کی فلاح وبہبود کے لئے انتظامیہ کو بہتر بنانے کی ضرورت پر زور دیا ہے اور ریاست نے آپ کے احکامات پر عمل آوری کا تہیہ کر لیا ہے۔ شری نلنگیکر نے فرمایا کہ

قبائیلی افراد کی فلاح و بہبود کی اسکیمات کو فوقیت دی جائے گی۔

وزیر اعلیٰ نے ایک مضبوط قوم کی تعمیر میں قومی یکجہتی کے پروگراموں پر تیزی سے عمل کرنے کی تلقین کی۔

آپ نے فرمایا کہ ضلع وردھا کو گاندھی ضلع کا نام دیا گیا ہے اور اس کی ترقی کیلئے تقریباً ۱۵۰ کروڑ روپے خرچ کئے جا رہے ہیں

ریاستی وزیر مملکت برائے اطلاعات و رابطۂ عامہ شری رام منوہر ترپاٹھی نے اپنی شاعرانہ تقریر میں وزیر اعلیٰ اور کانگریس (آئی) کے صدر کو بھگوان جگناتھ کے رتھ کے دو پہیوں سے تشبیہہ دیتے ہوئے اسے تعمیر و ترقی کا مظہر ضامن قرار دیا۔

ابتدا میں ضلع کانگریس (آئی) کے چیف شری چندر کانت راؤت نے تعارفی تقریر کی اور وزیر اعلیٰ کو ایک شال اور ناریل پیش کیا اور پگڑی باندھ کر عزت افزائی کی۔ آپ نے شریمتی پربھا راؤ کو بھی ساڑی اور ناریل پیش کیا اور وزیر مملکت برائے اطلاعات و رابطۂ عامہ شری رام منوہر ترپاٹھی کو ایک شال اور ایک ناریل پیش کیا۔

اس پروگرام میں لیجسلیچر کے ممبر شری پرمود شندے سابق ممبران پارلیمنٹ سنتوش راؤ گوڈ سے، شری بابو راؤ دیشمکھ، افسران اور بڑی تعداد میں عوام نے شرکت کی۔

لاعلاج امراض میں مبتلا مریضوں سے متعلق بل ــ ۴ رجولائی ۱۹۸۶ء تک رائے مطلوب

مہاراشٹر لیجسلیچر سکریٹریٹ کو لاعلاج امراض میں مبتلا مریضوں کو حقِ زندگی سے محروم کرنے والے ڈاکٹروں کو شہری اور مجرمانہ جرم سے مستثنیٰ رکھنے والے ایل سی بل نمبر XIV بابت ۱۹۸۴ء پر عوام کی رائیں مطلوب ہیں۔

عوام کی رائیں معلوم کرنے کے لئے ریاستی لیجسلیٹو کونسل نے یہ بل ۵ رجولائی ۱۹۸۵ء کو منظور کر کے حکومت سے مہاراشٹر کے غیر معمولی گزٹ کے حصہ نمبر V مورخہ ۱۱ رجولائی ۱۹۸۵ء میں شائع کر دیا ہے۔ بل کی کاپیاں گورنمنٹ سنٹرل پریس، چرنی روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۰۴ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس بل سے متعلق رائے سکریٹری II مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل ودھان بھون۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲ کے نام ۴ رجولائی ۱۹۸۶ء تک روانہ کئے جا سکتے ہیں۔

صفحہ نمبر ۲۲ سے آگے (پیڈ)

تو آئندہ چند سالوں میں یہ رقم کروڑوں تک پہنچ جائے گی۔ پیڈ نے جو خواب دیہی ترقی کے لئے دیکھے تھے وہ سچ مچ حقیقت میں بدل گئے۔

باہمی تعاون

یہ سچ ہے کہ کچھ کسان ایسے بھی ہیں جن کے پاس اپنی زمینیں ہیں۔ دماغ میں نت نئے منصوبے بھی ہیں لیکن مالی امداد اور جدید تیکنکی معلومات کی عدم موجودگی کے سبب ایسی راہ نہیں ڈھونڈ پاتے جہاں کہ ان کے منصوبے عملی جامہ پہن سکیں۔ اس کے لئے انہیں ایک رہبر کی ضرورت ہے جو انہیں صحیح راہ بتائے۔ پیڈ ایسے کسانوں کو ان کی منزل تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

بنیادی ضروریات

پیڈ سے مدد حاصل کرنے کے لئے کسی بھی ادارے کا بمبئی ٹرسٹ ایکٹ ۱۹۵۰ یا سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ ۱۸۶۰ء کے تحت رجسٹر ہونا ضروری ہے۔ ادارے کا مقصد مویشی گیری، ماہی گیری، کھیتی باڑی، باغبانی، دودھ ڈیری۔ پولٹری فارم جیسے منصوبوں کو فروغ دینا چاہیئے۔ تجرباتی یا تفریحی پروگرام کو منظور نہیں کیا جاتا۔

ان سطور کی روشنی میں اگر کوئی ادارہ اپنے کسی منصوبے کو عملی شکل دینا چاہتا ہے تو وہ اپنی تمام تر متعلقہ معلومات کے ساتھ پیڈ کے دفتر ایگریکلچر اینڈ کوآپریشن ڈپارٹمنٹ پانچواں منزلہ، منترالیہ۔ بمبئی ۳۲ میں آکر اسپیشل آفیسر سے رابطہ قائم کر سکتا ہے۔



وزیر اعلیٰ کا لاتور، عثمان آباد اور پونے کا دورہ

وزیرِ اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے حال ہی میں لاتور، عثمان آباد اور پونے اضلاع کا دورہ کیا۔ عظیم اجتماع نے آپ کا ہر جگہ استقبال کیا۔ پونے میں مراٹھواڑہ مترمنڈل کی جانب سے آپ کو ایک تقریب کے دوران ترازو میں تول کر عزت افزائی کی گئی۔ آپ نے پونے میں کالج آف آرکیٹکچر کا افتتاح فرمایا۔ وزیر اعلیٰ نے روزنامہ مراٹھواڑہ کیسری کے پہلے شمارہ کا اجراء فرمایا۔







وزیر تعلیم پروفیسر رام میگھے
ضلع امراؤتی میں ودشی سے مقام
پر ایک گودام کا افتتاح کرتے ہوئے ۔

خبریں ۔ تصویروں میں

وزیر مملکت برائے امور داخلہ شری
جے ۔ کی ۔ مہاجن ملنڈ روٹری کلب کی طرف
سے منعقد کردہ ایک تقریب میں شریمتی
سمتی ساونت کو ان کی غیر معمولی سماجی
خدمات کے اعتراف میں ایک انعام
پیش کر رہے ہیں ۔



وزیر صنعت شری سدھاکر راؤ نائیک
نے ۶ جولائی کو پونے میں سیمی بیسیز
انسٹی ٹیوٹ میں کمپیوٹر سائنس اسٹڈیز
کا افتتاح کیا ۔ زیر نظر تصویر میں
انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر
ایس ۔ بی ۔ مجمدار بھی دیکھے جا سکتے ہیں ۔

وزیر مملکت برائے اطلاعات ورابطہ عامہ ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی نے
حال ہی میں اندھیری کے علاقہ موگرا، کاتھے واڑی موگرا، ہند نگر، مہاکالی
اور سند نگر میں شیڈ ب ڈرایا کا افتتاح کیا ۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے







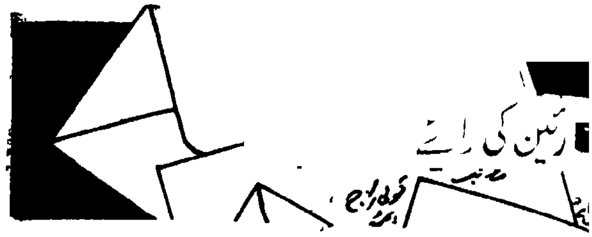
شہری حدبندی اراضی قانون کے
تحت آریہ سنگیت پرسارک منڈل
پونے کی سنگیت کلا اکیڈمی کو
۳۱۰۰۰ اسکوائر فٹ زائد اعلان کردہ
اراضی بطور عطیہ دی گئی۔ کلکٹر شری
دی۔پی رانے ۱۳ر جولائی کو منعقدہ
تقریب میں مشہور گویّے پنڈت
بھیم سین جوشی کو کاغذات پیش
کر رہے ہیں۔



چیف آف آرمی میجر جنرل ارون ویدیا
۱۳ر جولائی کو بمبئی میں ایم ایس ایس،
آئی ڈی سی کے تریورتی ایمپوریم اور
ایکسپورٹ پویلین میں تشریف لائے
یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔



وزیر مملکت برائے صحت شریمتی
رجنی ستاو ۱۲ر جولائی کو فزیشین
اور سرجن کالج پونے کے کامیاب
امیدواروں کو میرٹ سرٹیفکٹ پیش
کر رہی ہیں۔ زیر نظر تصویر میں کالج
کے پرنسپل شری سی۔جی۔ پراندرے
بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



اے۔کے شیروانی

زمل ہاؤس (پرنسپل کی رہائش گاہ)
سلامیہ کالج۔اٹاوہ (یو۔پی)

'قومی راج' برابر مل رہا ہے۔ شکر گذار ہوں۔ ماشا اللہ' بدن نکھار آرہا ہے۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ اپنی رائے کے لے میں منسلک فارم بھر کر بھجوا دیا ہے۔

رئیس الدین رئیس

۱۰/۱۳۲۷ ، دہلی گیٹ۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱ (یو۔پی)

'قومی راج' کا شمارہ آنجہانی یشونت راؤ چوان خصوصی نمبر نواز ہوا۔ سورگباشی وزیر موصوف کو اس سے بڑھ کر اور کیا ج عقیدت ہو سکتی ہے۔ اس حسنِ ترتیب اور پیش کش کے ئے آپ سب داد و تحسین کے مستحق ہیں۔ مبارکباد۔

عبداللہ

گورند پورہ۔ بھوپال (ایم۔پی) ۴۶۲۰۲۳

'قومی راج' کے خصوصی نمبر جہاں شاہکار نمبر ہوتے ہیں ں عام شمارے بھی اپنی مثال آپ۔ میں آپ سب کو مبارکباد ا ہوں کہ ہر شمارہ بڑی لگن، محنت اور توجہ سے پیش کیا جاتا ۔ کہانیوں کے اضافے پر توجہ فرمائیں تو مناسب ہے۔

محمد اقبال

نیا پورہ۔ مالیگاؤں۔ ضلع ناسک (مہاراشٹر)

'قومی راج' سلور جوبلی نمبر مہاراشٹر دیکھ کر حیرانی ہوئی بہت شاندار اور قابلِ تعریف ہے۔ مہاراشٹر کی تعمیر و ترقی کی تمام تر سرگرمیوں کو بڑی تفصیل سے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

★ علی احمد

چوک۔ الہ آباد (یو۔پی)

بمبئی سے الہ آباد آتے وقت، دوستوں کے لئے عموماً کچھ کتابیں اور رسالے لاتا ہوں۔ اس میں 'قومی راج' کے شمارے بھی ہوتے ہیں۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ یہاں 'قومی راج' کو دوستوں نے بہت پسند کیا۔ خاص طور پر ریاست مہاراشٹر کی اہم معلوماتی خبروں کے ساتھ آپ کا ادبی حصّہ اس قدر شاندار ہوتا ہے کہ سب نے تعریف کی۔ صاحب! یہ اعتراض سب کو ہے کہ کسی بھی شمارے میں کوئی کہانی، افسانہ یا مختصر کہانیاں کیوں شامل نہیں۔ جبکہ آپ لوگ چاہیں تو 'مراٹھی' ادب کی کہانیوں کو اس رسالے کے ذریعے اردو داں طبقے تک پہنچا سکتے ہیں۔ امید ہے اس پر توجہ دی جائے گی۔

★ جمیل احمد

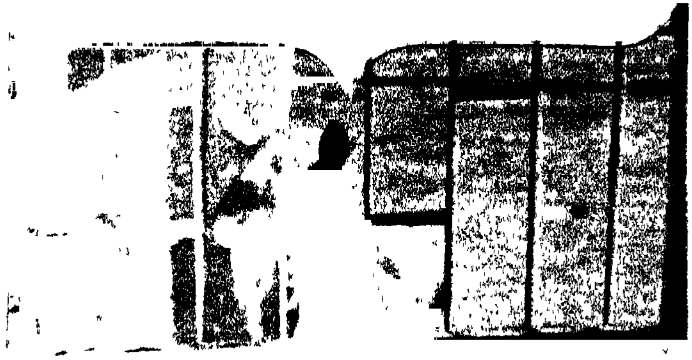
اقبال روڈ۔ دھولیہ (مہاراشٹر)

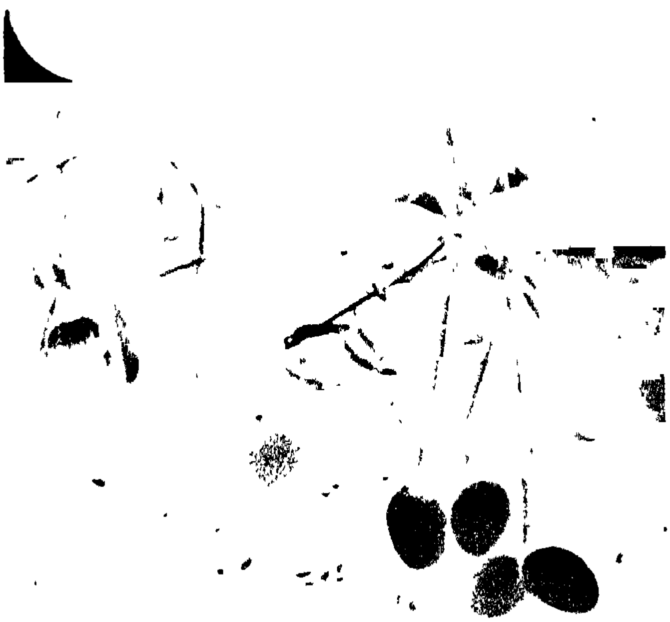
'قومی راج' کا جشن سال سیمیں مہاراشٹر نمبر ملا، اس سے پہلے آنجہانی یشونت راؤ چوان خصوصی نمبر ملا تھا اور اس سے پہلے آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی نمبر۔ عام شمارے اپنی جگہ بہت خوب ہوتے ہیں۔ مگر قومی راج کے خصوصی نمبر صحیح معنوں میں چونکا دینے والے بیش قیمت نمبر ہوتے ہیں جو طلباء سے عام شہری کے لئے معلومات کا خزانہ۔ خوشی ہوئی کہ مہاراشٹر سرکار کس ذمہ داری کے ساتھ اردو، ہندی، مراٹھی، گجراتی سندھی اور انگریزی میں ایسے لاجواب جریدے پیش کرتی ہے۔

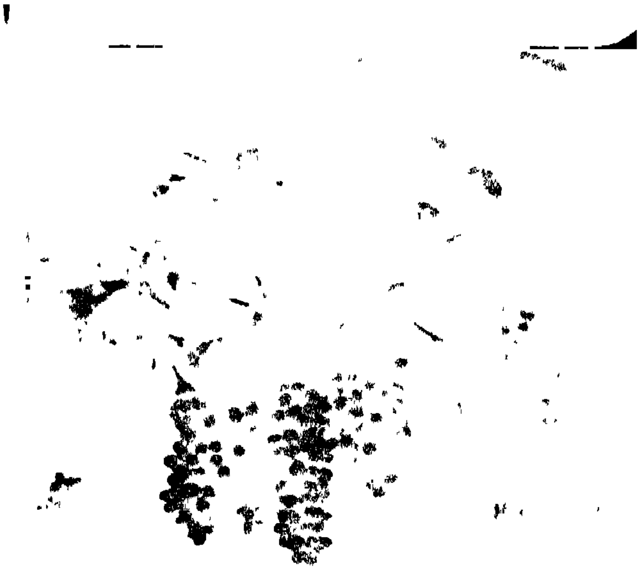
'قومی راج' کے مطالعہ کے بعد اپنی قیمتی رائے سے نوازیں اور اپنے دوست احباب کو خریداری کے لئے توجہ دلا کر ساتھ دیں۔ (ادارہ)

11365-1F

PRINTED AT THE GOVT PHOTOZINCO PRESS, PUNE-1985

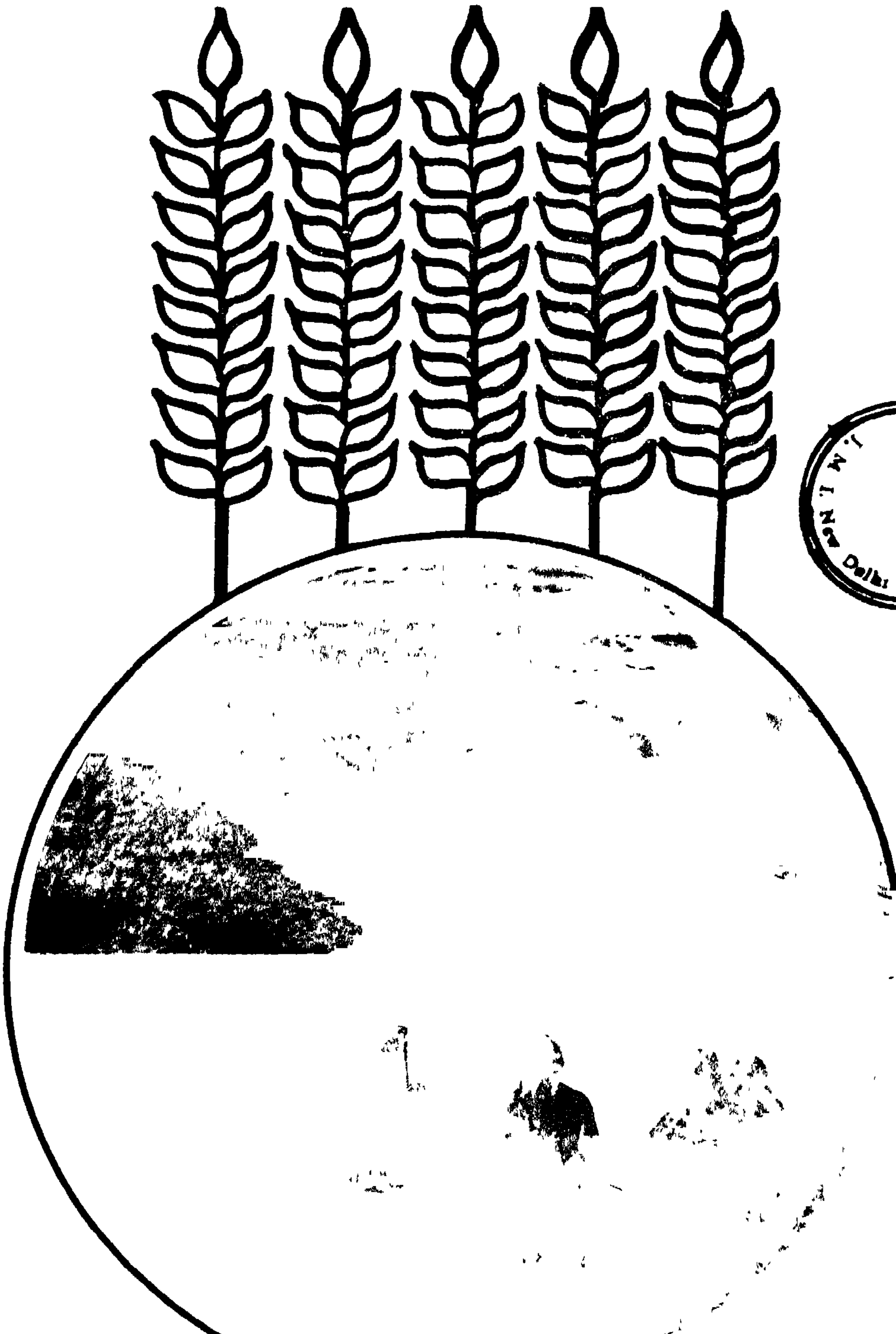












भाविलोक

महाराष्ट्र

شائع کردہ : شری شانتارام سگنے، ڈائریکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی - ۳۲

ومی راج

۱۰ راگست ۱۹۸۵ء

10-

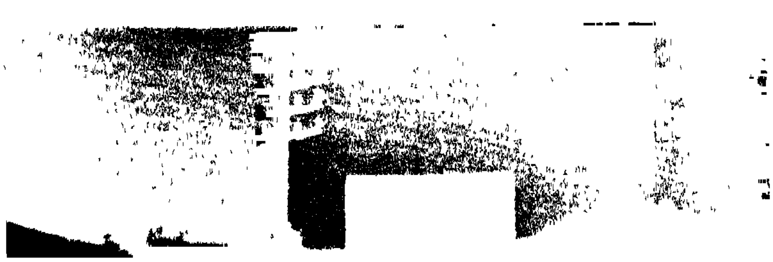




ضلع ٹھٹھہ میں نرسری



کالہر واٹر پائپ لائن،



روڈ سائیڈ پلانٹیشن

اردو، ہندی، مراٹھی، گجراتی، سندھی اور انگریزی، چھ زبانوں میں شائع ہونے والا پندرہ روزہ

قومی راج

— ہر ماہ کی ۱۰ر اور ۲۵ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے —

جلد نمبر ۱۲ شمارہ نمبر ۱۵

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

سالانہ: دس روپے   فی کاپی: ۵۰ پیسے

۱۰ر اگست ۱۹۸۵ء

چیف ایڈیٹر: شانتا رام سگنے

ایڈیٹر: فیروزہ فیاض خان

ترتیب

مراسلت کا پتہ :-
ایڈیٹر قومی راج
ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
گورنمنٹ آف مہاراشٹر
۱۵ واں منزلہ، یونائیٹڈ منسٹریٹو بلڈنگ
مقابل منترالیہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فون نمبر
۲۰۲۰۶۵۱
۲۰۲۳۹۵۷
۲۰۲۳۰۰۶

ترسیل زر کا پتہ
اسسٹنٹ ڈائرکٹر (ایڈمنسٹریشن)
ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
گورنمنٹ آف مہاراشٹر
بیرک نمبر ۱۹، مقابل سروجی بلڈنگ،
نزد منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۲۱

سہارتی: زرعی فصل کے ساتھ ساتھ "سوبَبول" کی [illegible] اراضی پر کاشت کسانوں کے لئے بہت سود مند ہے۔



شجرکاری کے پروگرام کو وسعت دیجئے

ـــــ وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کا پیغام

وزیر اعظم شری راجیو گاندھی نے ملک کے عوام سے پودے لگاکر شجرکاری کے پروگرام کو حتی الامکان وسعت دینے کی اپیل کی ہے۔ بقائے انسانی کے لئے اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے شری راجیو گاندھی نے فرمایا کہ قدرت نے وہ تمام اشیاء پیدا کی ہیں جو ثقافتی اور مادی ترقی کا زینہ ہیں۔

وزیر اعظم نے ۳۶ ویں "ون مہوتسو" کے موقع پر اپنے پیغام میں فرمایا کہ

" قدرت نے ثقافتی اور مادی ترقی کے لئے ایسی بنیادی اشیاء پیدا کی ہیں جن سے اس کے نسلِ انسانی پر مہربان ہونے کا پتہ چلتا ہے لیکن ہم اس کی ایسی نعمتوں کو ہمیشہ ٹھکراتے رہے ہیں، جنگلات کو تباہ وبرباد کرنے کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

درخت مختلف طریقوں سے انسانوں کی خدمت کرتے ہیں۔ غذا، ایندھن اور صنعتی پیداوار میں وہ اہم رول ادا کرتے ہیں۔ وہ زمین کی جغرافیائی اور آب وہوا کے حالات کو برقرار رکھ کر مٹی کو زرخیز بناتے ہیں۔ ان کے بنا ہم کرۂ ارض کی خوبصورتی کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ جنگلات کی شجرکاری ہمارے لئے بے پناہ فوائد حاصل کرنے کا باعث بن سکتی ہے لیکن جدید ایجادات کے ذریعے انسان ان کو تباہ وبرباد کرتا رہتا ہے۔ دنیا میں جنگلات کم ہوتے جارہے ہیں اور یہ یقیناً تشویش ناک بات ہے۔ دنیا میں ۱۴ فی صد جنگلات میں سے ہمارے ملک میں صرف ۲ فی صد جنگلات ہیں۔

ون مہوتسو قدرت کے تئیں ہمیں ہماری ذمہ داریوں اور ہمیں ان سے فیض یاب ہونے کی سہولتوں کی یاد دلاتا ہے۔ خشک سالی، سیلاب اور صحراؤں کا رونما ہونا، دراصل جنگلات کو تباہ وبرباد کرنے کا ہی نتیجہ ہے۔ ہمیں اپنے اس رجحان کو بدلنا ہوگا۔ فاضل اراضی پر شجرکاری کے پروگرام کا بحیثیت عوامی تحریک کے بڑے پیمانے پر عمل کیا جانا اشد ضروری ہے۔

۳۶ ویں ون مہوتسو کے موقع پر ہمیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں پودے لگاکر قدرت کی اس عظیم نعمت کا اعتراف کرنا ہوگا۔ "

★ پی۔ ایس۔ مہاجن
ڈسٹرکٹ انفارمیشن آفیسر۔ ناگپور

سماجی جنگل بانی

دیہاتیوں کے لئے ایک نعمت

کلمیشور تعلقہ کے ایک مختصر سے گاؤں پیپلا کا دورہ کیجئے تو بعض بہت دل خوش باتیں سامنے آتی ہیں۔ یہ گاؤں آہستہ آہستہ سبزہ زار بنتا جارہا ہے۔ اور بنجر زمین کے چہرے پر نکھار کی علامتیں دکھائی دینے لگی ہیں۔

یہ سماجی جنگل بانی کی اس اسکیم کی برکت ہے جو نہ صرف پیپلا کے لئے بلکہ اور کئی چھوٹے دیہاتوں، چھوٹے کاشتکاروں اور بے زمین مزدوروں کے لئے بڑی نعمت ثابت ہوئی ہیں۔ جنہیں ۲۰ نکاتی پروگرام کے تحت حکومت کی طرف سے جھونپڑے عطا کئے گئے ہیں۔



*

ضلع ناندیڑ میں سماجی احیائے پروگرام کے تحت محکمۂ جنگلات کی جانب سے لگائی گئی ایک نرسری کی تصویر۔

*



سماجی باغبانی مہم کے تحت لگائے گئے قلموں کا ایک منظر۔



سماجی باغبانی پروگرام ادیباسیوں کے لئے بے حد مفید ہے۔ ایک ادیباسی پودا اگاتے ہوئے۔

سماجی جنگل بانی کا اہم مقصد بنجر اور غیر زرخیز زمینوں کو باغبانی کے قابل بنانا ہے اور ساتھ ہی ان لوگوں کو متحرک اور آمادۂ کار رکھنا بھی ہے جنہیں وہاں آباد کیا گیا ہے۔ دیہات مذکور کا دورہ کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مقاصد پورے ہو رہے ہیں۔

پیپلا گاؤں کے قریب سے ایک چھوٹا چشمہ یا نالہ جاری ہے۔ اس نالے سے لگ کر ناگپور کے سماجی جنگل بانی ڈویژن نے ۵ ایکڑ زمین پر سو ببول، بانس اور ساگوان کی پودکاری شروع کی ہے۔ نالے کا پانی نرسری تک استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ زمین اب "سبز منطقہ" میں تبدیل کی جا چکی ہے اور رفتہ رفتہ یہ ایک گھنے جنگل کی شکل اختیار کر لے گی۔

جنگل کے افسران اور دیہاتیوں کی کوششیں نفع



سماجی باغبانی پروگرام کی کامیابی میں خواتین کا بھرپور ہاتھ ہے۔ پودے لگانے اور ان کی دیکھ بھال کرنے میں خواتین زیادہ مستعدی سے کام کرتی ہیں۔

بخش ثابت ہو رہی ہیں۔ کیونکہ سوبول کے ۱۹۸۳ء میں لگائے گئے ننھے پودے، ۲۰ فٹ کے قدآور درخت ہو چکے ہیں۔ یہی حال بانس اور سیسو کے پودوں کا بھی ہے۔ ساگوان کی نشوونما بھی جو بیش قیمت عمارتی لکڑی مہیا کرتی ہے، تسلی بخش ہے۔

پیپلا گاؤں کا ایک کاشتکار شری رام چند پھولالے اس پودکاری کے خوش آئند نتیجے سے ایسا متاثر ہوا کہ اس نے اپنی بنجر زمین پر سوبول کے پودکاری شروع کر دی۔ سوبول کی تیز رفتار نشوونما کو دیکھ کر اس نے ۵۰۰۰ ساگوان کے ننھے پودوں کے لگانے کا ایک پروگرام مرتب کیا ہے جبکہ اس کا آرڈر دے بھی چکا ہے۔

پود گھر:-

سماجی جنگل بانی ڈویژن کا دوسرا اہم اقدام، چھوٹے زمین مالکوں کی اسکولی بچوں کی اور پودکیاریوں کو لگانے سے دلچسپی رکھنے والوں کی مدد ہے۔ ڈویژن ننھے پودے ۳۰ پیسہ فی پودا کے حساب سے خریدتی ہے۔

بہت سے خاندان جنہیں ۲۰ نکاتی پروگرام کے تحت پیپلا میں جھونپڑے دیئے گئے ہیں۔ اس سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ شری شرادن گوندا ار کوڈسے، شریمتی شانتا بائی ادیکے، شریمتی کملا بائی گلاب سنگھ پرییر نے سوبول اور شیسو کے ۲۵۰۰ پودے اگائے۔ محکمۂ جنگلات نے ان میں سے ہر ایک خاندان کو اب تک ۴۰۰ روپے ادا کئے ہیں اور انہیں مزید پیسے ملنے والے ہیں۔ اس خاندان کے لوگوں نے پودکیاری کی آمدنی سے قریب میں واقع "بورنگ کیے گئے کنوئیں" سے پانی لانے میں مدد دی۔ شری ادکوڈسے اپنی پودکیاری سے اتنا خوش ہے کہ وہ آنے والے صحافیوں سے اپنے پودگھر کو تفصیل سے دیکھنے کے لئے کہتا ہے۔

ریکھارڈے ہائی اسکول، پیپلا، کے ۲۴ طالب علموں نے (½) نصف ایکڑ پودگھر میں ۷۵۰۰۰ ننھے پودے لگائے ہیں۔ زمین کا یہ ٹکڑا گاؤں کے ایک ترقی پسند کاشتکار شری سیفو بھائی نے مہیا کیا تھا۔ اس نے کنوئیں کا پانی پودگھر میں آبیاری کے لئے استعمال کرنے کی اجازت بھی دی تھی۔ طالب علموں کے ۸۰ فیصد شیئر (حصے) سے، خود طالب علموں کو اسکول یونیفارم کے دو جوڑے اور درسی کتابیں فراہم کی گئیں



فصلوں کے مابین کاشتکاری :-

سوببول ایک کثیر مقصدی درخت ہے۔ یہ کاشتکاروں کے جانوروں کے لئے قیمتی چارہ مہیا کرتا ہے۔ نیز عمارتی لکڑی، ایندھن بھی اور ساتھ ہی زمین کی خوبیوں میں اضافہ کرتا ہے۔ سوببول کے بیج اچھی قیمت میں بکتے ہیں۔

نارنگی کے درخت لگانے والوں نے سوببول کو ایک درمیانی فصل کی حیثیت سے نارنگی کے میوہ دار درختوں کے باغوں میں لگایا ہے، نتیجہ بڑا شاندار رہا۔ دوسرے بہت سے فائدوں کے علاوہ، سوببول نے نارنگی کے درختوں کی نشو و نما میں بھی مدد دی۔ رام بھاؤ "کپاسے"، مقامی اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے باغ کے درختوں پر سبزیوں کی بیل چڑھانے کا سلسلہ نکالا۔ شری اجے کنکھیڈے گاؤں کے ایک ترقی پسند کاشت کار نے، اپنے میوہ دار درختوں کے باغ میں کافی تعداد میں سوببول کے درخت لگائے ہیں۔

شری ایس۔ ڈی۔ ساٹھے سماجی جنگل بانی ڈویژن کے ڈپٹی ڈائرکٹر نے ۶۲۵ ہیکٹر زمین میں مختلف اقسام کے درختوں کے باغات قائم کرنے کا ایک نشانہ مقرر کیا ہے۔ ان میں سے ۱۰۰ ہیکٹر زمین قومی دیہی روزگار پروگرام کے تحت ہوگی۔

★★

دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں اور اندھیارے کا رونا روتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو اُٹھ کر چاہے کتنا چھوٹا سا کیوں نہ ہو دیا جلاتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں ہر شخص جہاں کہیں بھی وہ کام کرتا ہو۔ ایسا دیا روشن کرے جس سے اندھیارا دُور ہو اور ہندوستان کی حالت بہتر ہو۔ جس میں ہم سب ہنسی خوشی جیون بتائیں۔

—آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی

• پروفیسر سداکنپاڈے،



اَنّا بھاؤ ساٹھے کے اِنتقال کو ۱۱ سال سے زائد عرصہ گذر چکا ہے۔ مگر شاید ہی کوئی روز ایسا گذرا ہوگا جب ہماراشٹر کی کسی گلی یا کوچہ میں ان کا نام نہ لیا گیا ہو۔ یا انہیں یاد نہ کیا گیا ہو۔ انا بھاؤ ساٹھے بےحد تخلیقی ادیب تھے۔ بہترین گلوکار اور عملی انقلابی تھے ان کی یہ انقلابی سفت دونوں جگہ یعنی ادب اور سیاست میں نظر آتی ہے۔

اَنّا بھاؤ ساٹھے

ناقابل فراموش مشاہیر

تلخیص: فیروزہ فیاض خان

آپ کی پیدائش ماتمگ یا ماتنگ گھرانے میں ہوئی تھی جوکہ ہندو سماجی ڈھانچے کے مطابق بہت نیچی ذات مانی جاتی ہے۔ جب انہوں نے ۱۹۵۸ء میں بمبئی میں دلت ساہتیہ کانفرنس کو خطاب کیا تھا تو فرمایا تھا کہ "یہ دلت (شخص) جوکہ تین پتھر رکھ کر اپنا چولہا بناتا ہے۔ ایک درخت کے نیچے اپنے بچوں اور بیوی کو لے کر مٹی کے برتن میں کھانا تیار کرتا ہے۔ بظاہر اس کے پاس کچھ نظر نہیں آتا مگر اس میں جینے کی ایک اُمنگ ہے... خاندانی مسرّتوں کو پانے کی خواہش جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ مگر اس کا خاندان اس سماج کی بناء پر جو پیسے والوں کا مرہونِ منّت ہے ان ہی کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔ اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ درخت کے نیچے زندگی گزار دے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اس بات پر غور کریں اور اس کی وجہ معلوم کریں اور اس شخص کے بارے لکھیں جس کے پاس کچھ نہیں، جو تہی دست ہے۔ بہت احتیاط سے لکھیں کیونکہ اس سماج کی ہر پرت انہیں دلتوں سے بنی ہے۔



شاہیر انا بھاؤ ساٹھے،
روس کے دورے کے دوران
ماسکو کی میوزیم کے قریب۔

ایسے شاعرانہ انداز میں اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ زمین شیش ناگ کے پھن پر نہیں کھڑی ہے۔ جو کہ بھگوان شیو کا مسکن ہے بلکہ دلتوں کے ہاتھوں کے سہارے قائم ہے " دلتوں کی زندگی اس چشمے کی طرح ہے جو کہ پتھروں سے نکلتا ہے۔ اس کے قریب جائیے اور دیکھئے پھر لکھئے۔ جیسا کہ تکارام نے کہا ہے "کسی بھی خاندان کے شجرے کو دیکھنے پر تمہیں ان کے بارے میں سب کچھ پتہ چل جاتا ہے " یہ جھوٹ نہیں ہے۔

انا بھاؤ مزید کہتے ہیں.....

" لہٰذا ایسے ادیب جو کہ دلتوں کے بارے میں لکھنا چاہتے ہیں انہیں ان کا وفادار ہونا چاہیئے۔ تم غلام نہیں ہو۔ یہ زمین تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ اسے اسی بات سے متعارف کروانا ہے اور اس سلسلہ میں جدوجہد کرنی ہوگی۔ تاکہ اس کی زندگی کو اٹھایا جاسکے اور اس کے لئے ادیب ہمیشہ عوام کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ عوام ادیب کے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہ ادیب جو عوام سے منہ موڑ لیتا ہے اس سے ادب بھی منہ موڑ لیتا ہے۔ دنیا کے تمام بڑے فنکاروں نے ادب کو دنیا کی تیسری آنکھ مانا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ آنکھ لوگوں کے مقابل رہے۔ عوام کے ساتھ رہے۔"

انا بھاؤ کے الفاظ سچے ثابت ہوتے۔ پچھلے دنوں ما

میں مراٹھی ادب نے کروٹ بدلی - ادب میں نئی جہد کا احساس اُبھر کر سامنے آیا -

مجھے انا صاحب کے آخری دنوں کی یاد آرہی ہے اور مجھے خود میرا لکھا ہوا مضمون یاد آرہا ہے جو کہ میں نے "راشٹرمن" کے لئے لکھا تھا - جسے مشہور صحافی انیل بردے نکالتے تھے.

اب وہ بھی نہیں رہے ہیں - اصل میں انا بھاؤ سے ملنے کا کبھی موقع ہی نہیں ملا جبکہ ہم دونوں سیاسی اور ادبی میدانوں میں ذہنی طور پر ایک دوسرے سے بہت قریب تھے اور ستم ظریفی دیکھیئے کہ "ایکروز" بمبئی میں ہمیں انا بھاؤ ساٹھے کی موت کی خبر ملی - ہم مراٹھی ادیبوں میں سے پہلے لوگ تھے جو اس خبر کے سنتے ہی ان کے گھر کی جانب روانہ ہوئے - ان کا مکان — چراغ نگر' گوریگاؤں کے جھونپڑپٹی علاقے میں تھا - وہ آخری نیند سو رہے تھے - کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کب مرے۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ انا بھاؤ ساٹھے جیسا بڑا ادیب یوں خاموشی سے ختم ہوگیا کسی کو پتہ بھی نہ چلا -

آج بھی یہی سوال میرے ذہن میں گونجتا ہے - ہم سب ترقی پسند ادیبوں کے فورم کے ممبران تھے - جس کا نام تھا "پرگتی ساہتیہ سبھا"، جس کا ہیڈ وارٹرز ابھینو پرکاشن کا دفتر تھا - جسے وامن راؤ بھٹ چلاتے تھے - جو کہ مہاراشٹر کے ترقی پسند پبلشر تھے اور جو گرونانک مارکیٹ، دادر کے شاپنگ سینٹر میں واقع تھا -

ہم ہفتہ میں ایک مرتبہ جمعہ کے روز ابھینو پرکاشن میں پرگتی ساہتیہ سبھا کے ذریعے شائع ہونے والی ادبی کتابوں کے منصوبوں سے متعلق پروگراموں پر تبادلۂ خیال کرتے۔ اس وقت بھی ہم لوگوں کی میٹنگ ہو رہی تھی اور گرما گرم بحث چل رہی تھی - ۲۰ جولائی بارش کی بوجھل سی شام ہم سب اپنے اپنے کاموں کو ختم کرنے کے بعد جمع ہوئے تھے اور قدرے تھکے ہوئے بھی تھے - موجود لوگوں میں ڈاکٹر اسد اکرہا ڈے، شاعر گیشو میشرام، نارائن سروے، راجہ راجہ واڈے، پروفیسر سبھاش سومن، پبلشر(ز) شاعر شیورام دیواکر، دلتوں کے لیڈر راجہ ڈھالے، ناول نگار اور افسانہ نگار بابوراؤ باگل، دیا پوار، ارجن ڈنگلے، اور میں - وامن راؤ بھٹ کا عمر چھوٹا سا جو کہ بہ نفس نفیس وہاں موجود تھے - میٹنگ اپنے اختتام پر تھی کہ شریمتی کیسر جگتاپ، مراٹھی شاہیر آمر شیخ کے ہمراہ امر کلا پاٹھک میں کام کرنے والی اداکارہ بھاگتی ہوئی آئی - ان کا گلا رُندھا ہوا تھا اور آنکھیں نم تھیں - اس نے کہا:

"انا بھاؤ نہیں رہے -"

"انا بھاؤ مر گئے -" ہم سب ایک ساتھ بولے -

"ہاں"! اس نے جواب دیا " ان کی ارتھی شام کو اُٹھے گی اور آپ سب کو وہاں جانا ہے "

"ارتھی کہاں سے اُٹھے گی -"؟

بابوراؤ باگل نے کہا:

"میں بتاتا ہوں - ہمیں فوراً چراغ نگر جانا چاہیئے - میرے ساتھ چلو "

ہم سب ان کے پیچھے بے چوں و چرا ہو لئے - دادر ریلوے اسٹیشن سے ہم روانہ ہوئے - شام کے ۷ بجے تھے - لوکل ٹرین بھری ہوئی تھی - پھر بھی ہم جوں توں گوریگاؤں پہنچ گئے . . . ہم ٹرین سے باہر نکلے اور باگل کے پیچھے پیچھے چراغ نگر پہنچ گئے -

ایک ماہ قبل ہی میں نے بابوراؤ باگل کے ساتھ "دیوالی نمبر" کے لئے انا بھاؤ ساٹھے سے انٹرویو کرنے کا منصوبہ بنایا تھا - مگر بدقسمتی سے میں جگہ اور وقت کا تعین ہونے کے باوجود نہیں مل سکا تھا -

آج مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ زندگی میں ایک موقع تھا وہ بھی کھو دیا اور ان کی حیات میں، میں کبھی انا بھاؤ سے نہ مل سکا -

"ہم پہنچ گئے ہیں . . . . یہ گھر انا بھاؤ کا ہے " بابوراؤ باگل نے کہا:

دو کمروں کا مکان ٹوٹا پھوٹا ہوا، مخدوش حالت میں، اس مراٹھی ادیب کا گھر تھا جو لوک شاہیر تھا اور ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں جس نے اہم کردار ادا کیا تھا -

انا بھاؤ کا رختِ سفر تیار تھا - آخری مسافرت طے کرنی تھی - اتنے کم لوگ اتنی خاموشی، اس شخص کی موت پر جو کہ مہاراشٹر کا میکسم گورکی کہلاتا تھا جس کی زندگی بھی گورکی کی طرح بیتی جیسا کہ گورکی زار کی حکومت میں بسر اوقات کرتے تھے - ان کی ارتھی کے ایک جانب ایک چھوٹی لکڑی کی میز تھی جس پر میکسم گورکی کا کانسے کا مجسمہ بنا تھا -

جو انا صاحب کو روسی ادیبوں نے ان کے روسی دورے کے دوران سوغات میں دیا تھا۔ ہم بھی خاموشی سے ایک طرف کھڑے ہوگئے۔ غریبی چاروں طرف سے چلا چلا کر اپنا اظہار کر رہی تھی۔ سوائے میکسم گورکی کے اس مجسمے کے کوئی ایسی چیز نہ تھی جو سالم ہو، پھٹی ہوئی کتابیں، اکھڑا ہوا فرش بکھری ہوئی کتابیں۔ یہی ان کے گھر میں سامان تھا۔

"انا کب مرے؟" ہم میں سے کسی نے سوال کیا۔ قریب ہی کھڑے لوگوں میں سے ایک نے کہا۔ "شاید گیارہ بجے" دوسری آواز آئی "کوئی نہیں جانتا کب مرے۔"

ایک درمیانہ طبقے کی خاتون شریمتی راؤ اندر داخل ہوئیں جن کا فلیٹ انا بھاؤ کے مقابل ہی تھا اور ان کے یہاں ٹیلیفون ہونے کی وجہ سے انا بھاؤ اکثر و بیشتر وہاں جایا کرتے تھے۔ خاتون نے کہا کہ "میں نے انہیں ۔انہیں صبح دیکھا تھا جب وہ اپنے کمرے کے سامنے اکیلے بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے اور آج بھی وہ حسب معمول کچھ لوگوں کو فون کرنے ہمارے یہاں آتے تھے" جب پوری دوپہر انا بھاؤ کا دروازہ اس نے کھلا دیکھا تو اندر جھانک کر وجہ معلوم کرنی چاہی اور انا بھاؤ کو وہاں مردہ پایا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ انا بھاؤ مہینوں سے بنا پیسوں کے رہ رہے ہیں۔ کھانے کو ٹھیک سے ہے نہ رہنے کو۔ کبھی کبھی کنٹری دیسی شراب پی کر اپنے دکھوں کو بھلایا کرتے تھے۔ آخری دنوں میں تو مایوسی نے بُری طرح گھیر لیا تھا جس کی بنا پر وہ شراب میں پناہ ڈھونڈنے لگے تھے اور مراٹھی پبلشروں سے انہوں نے اس شرط پر ناول لکھنے کی رضامندی ظاہر کی کہ وہ انہیں ایک شراب کی بوتل دے دیں۔ شاید دنیا میں اپنی نوعیت کا واحد واقعہ ہوگا جس میں ادیب کا پبلشر کے ہاتھوں اس طرح کا استحصال کیا گیا ہو۔

ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے بات چیت کرنے کے موڈ میں نہ تھا۔ ارتھی کو اٹھائے گا کون۔ یکایک امر شیخ روتے ہوئے داخل ہوئے۔ شاہیر انا بھاؤ ساٹھے، شاہیر امر شیخ، شاہیر گونکر تین دہائیوں سے طبقاتی جنگ میں ورکنگ کلاس کی نمائندگی کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے تحت کر رہے تھے۔ تماشا، پاوڑہ اور لاوُنی کے ذریعے یہ لوگ مہاراشٹر کے اندرونی علاقوں میں جاکر دولت مند طبقے کے استحصال کے خلاف آوازیں اٹھاتے تھے اور عوام کو جدوجہد اور ان کے استحصال سے چھٹکارے کی تعلیم دیتے ان تینوں کے بارے میں' میں سوچتا چلا گیا جو کہ نہ صرف فنکار، مجاہدین آزادی' انقلابی اور شاعر تھے بلکہ انہوں نے اچھے ہندوستان کے خواب پلکوں پر سجائے تھے یہی وجہ ہے کہ آزادی کے بعد بھی ان لوگوں نے نچلے طبقے کو باخبر رکھنے کی مقدور کوشش کی۔ ان کی زندگی کا کوئی مقصد تھا جس کی وجہ سے وہ جیے۔ وہ دنیا میں امن اور بھائی چارہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ انا بھاؤ کے لئے مساوات اور امن سب سے اہم چیزیں تھیں اور شاید یہی سوچتے ہوئے ان کا دم نکلا کہ اس دنیا میں استحصال نہیں ہوگا' جنگ نہیں ہوگی' غریبی نہیں ہوگی۔ یہ دنیا حسین خوابوں کی تعبیر بن جائے گی۔

چراغ نگر جس کے معنی روشنی کا شہر ہے' میں انا بھاؤ کے کمرے میں اندھیرا تھا۔ امر شیخ کی آنکھیں سوجی ہوئی اور چہرہ سرخ تھا۔ وہ خاموش تھا جیسے ایک بہت بڑا آسرا ختم ہوگیا۔ رات بڑھ رہی تھی۔ اب اور لوگ بھی آنے شروع ہو گئے تھے۔ امر شیخ اور دوسرے بزرگوں نے اپنے آپ پر قابو پایا اور ارتھی اٹھانے کی تیاری کرنے لگے۔ سمشان چراغ نگر سے کافی دور تھا، جوگیشوری میں۔ ان کی ارتھی کو آگ دی گئی۔ انا بھاؤ اب کہیں نہ تھے چاروں طرف آگ تھی۔ اسی رات انا بھاؤ کی ستائش میں جلسے ہوئے۔ ان کی عظمت کے گیت گائے گئے۔ ادیبوں نے آنسو بہائے۔

جلتی ہوئی لکڑیوں میں سے کسی چیز کے پھٹنے کی آواز سنائی دی۔ ایک لڑکے نے کہا "انا بھاؤ کا کاسۂ سر پھٹ گیا۔"

"اب سب کچھ ختم ہوگیا۔"

"ہاں ختم ہوگیا۔" بھیڑ چھٹنی شروع ہوگئی۔

انا بھاؤ، زندہ باد، کے نعرے آسمان تک سنائی دیئے۔ اس جمعہ کے روز مہاراشٹر کے بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ مہاراشٹر کا اتنا بڑا ناول نگار، افسانہ نگار، ادیب، گیت کار، گلوکار ہمارے درمیان سے یوں خاموشی سے جدا ہوگیا۔ اسی روز بمبئی میں انا بھاؤ کی کہانیوں

پر مبنی ہ مراٹھی فلمیں ریلیز ہوتی تھیں۔ یہ اس روز کا المیہ تھا کہ انابھاؤ یہ دیکھنے نہیں رہے تھے۔

انابھاؤ کی زندگی ان کے اعلیٰ کردار کا زبردست نمونہ تھا جس کا مقصد ہندوستانی سماج کو بدلنا تھا۔ اس لئے انہوں نے کارل مارکس اور ڈاکٹر امبیڈکر سے Inspiration حاصل کیا تھا اور وہ دلتوں اور اچھوتوں، مندرج جاتیوں جن سے ایک فرد وہ خود بھی تھے اور خود ان پر زیادتیاں ہوتی ہیں، سے چھٹکارا دلانے کا خواب دیکھتے تھے اور اسی مقصد کیلئے انتھک کوششیں بھی کیں۔

اپنی مثنوی میں انہوں نے شروع میں حمد کی بجائے دلتوں کی ستائش سے ابتدا کی ہے۔ ان کے ہاتھوں کی، ان کی طاقت کی تعریفیں کیں اور کہا کہ آج مجھے ان لوگوں کی پوجا کرنی ہے۔ ان کی پوجا سے میں شروع کرتا ہوں۔ ان کی لافانی مثنوی "ابدی روح" جو کہ ڈاکٹر امبیڈکر پر لکھی ہے وہ بھی پچھڑے افراد کی پکار ہے

"وجیتا" اپنے ناول میں جو کہ مہاراشٹر میں تماشہ میں کام کرنے والی لڑکی کی زندگی پر مبنی کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ وہ ادیب جو لوگوں کی پرواہ کرتا ہے اس کی لوگ پرواہ کرتے ہیں۔ مجھے اپنے ملک پر بھروسہ ہے۔ ہماری قوم خوش حال، تہذیبی طور پر مالا مال ہوگی۔ مہاراشٹر کی سرزمین جنت نظیر ہوگی۔ یہی میرا خواب ہے اور اس لئے میں لکھتا ہوں تصور کی آنکھوں سے ہم حقیقت کو نہیں ڈھونڈ پائیں گے

اس کے لئے زندگی کو کھوجنا ہوگا۔ دلوں کو ٹٹولنا ہوگا۔ آنکھیں سب کچھ دیکھ سکتی ہیں مگر تمام طرح سے ادیبوں کی یہ مدد نہیں کرسکتیں۔ اس کے برعکس میں کہتا ہوں کہ شیش ناگ کے پھن پر دنیا قائم نہیں، یہ تو مزدوروں کے ہاتھوں پر رکھی ہوئی ہے اور میں تو یہی لکھوں گا جو سچ ہے۔

آج جب کہ ان کو مرکر دس سال سے زائد عرصہ بیت چکا ہے۔ انہیں یاد کرو تو مہاراشٹر کے سب سے بڑے انقلابی دور کی یاد تازہ ہوجاتی ہے جبکہ سمیکت مہاراشٹر کا آندولن شروع کیا گیا تھا ۱۹۵۵ء میں۔ انابھاؤ ساٹھے نے پوواڑا سمیکت مہاراشٹر لکھ کر گایا تھا اور اس کتاب کا نام تھا "مہاراشٹراچی پرمپرا (مہاراشٹر کی تہذیب) نزیگ (جیسے مراٹھی کے مشہور ادیب صحافی اچاریہ اترے دیکھتے تھے) نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا، "یہ پاوڑا جسے انابھاؤ نے لکھا اور جسے شری گاؤنکر اپنی پاٹ دار آواز میں گاتے ہیں، اصل میں پاوڑا ہے جس میں روایتی ڈھنگ سے مہاراشٹر میں انقلاب کی باتیں درج ہیں اور جو کہ عصری تاریخ کے علاوہ ماضی اور حال سے بھی جڑا ہے مگر سب سے زیادہ اہم جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ اس میں شاعری کی تمامتر خوبیاں موجود ہیں۔ الفاظ ایسے جوڑے گئے ہیں کہ مہاراشٹر کی صحیح تصویر سامنے آجاتی ہے۔"

●●



انابھاؤ ساٹھے کی کہانی پر مبنی مشہور مراٹھی فلم "فقیرا" کا ایک منظر۔

پی۔ ایس۔ مہاجن

ویرور کا باغ

ان ہاتھوں کا کرشمہ جن میں جادوئی اثر تھا

آپ جب قصبہ بلّارپور سے اَلاپلّی کی طرف بڑھیں تو ایک دل کش بنگلہ اور اس کے احاطے کی دیوار آپ کو دکھائی دے گی۔ بیلیں دیواروں پر چڑھی ہوئی اور ان کے پھول کھلے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا کسی نے بڑی سی ٹوکری میں پھولوں کو سجا کر دیوار کے اوپر رکھ دیا ہے۔ رنگ برنگے پھولوں کی خوشبو آپ کو اس طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی دعوت دے گی۔

یہ منظر دیکھ کر آپ کی خوشی اور ہنسی شری اجیت سنگھ جی کے لئے لاکھوں ڈالر کی قیمت رکھتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ یوں آپ کو ہنستا دیکھتے ہیں تو ان کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ ہر آیند و رَوند، معروف و غیر معروف جب ان ہری بھری بیلوں، پھولوں سے لدی دیواروں اور قدرت کی رنگ برنگی گلکاریوں کو دیکھ کر اور خوشبوؤں سے مسرور ہوکر مسکرا دیتا ہے تو انہیں اس احساس سے شادمانی ہوتی ہے کہ ان کے ذریعے، ان کی کسی کوشش کے ذریعے، کسی کو کچھ لمحوں کے لئے ہی سہی، سکون تو ملا، خوشی تو میسر آئی۔

شری اجیت سنگھ جی، بلحاظ پیشہ کنٹراکٹر ہیں۔ انہیں پھولوں سے غیر معمولی محبت ہے۔ پھلوں سے بے حد دلچسپی ہے۔ یہی نہیں بلکہ پودوں کو ان کا چھو لینا جادوئی اثر رکھتا ہے۔ وہ سال بھر پودکاری میں مشغول رہتے ہیں۔ ایک دفعہ سنی کی چلچلاتی دھوپ میں وہ ایک ننھا پودا لگا رہے تھے گرمیوں میں پودکاری! بات کچھ عجیب سی تھی لیکن وہ پورے یقین کے ساتھ کہہ رہے تھے کہ یہ جڑ پکڑے گا اور ضرور بڑا ہوگا۔

ویرور کا باغ

ویرور ایک چھوٹا سا مقام ہے، چندرپور سے کوئی ۴۵ کیلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ تقریباً بیس برس پہلے شری اجیت سنگھ جی نے اپنی دس ایکڑ زمین پر ایک خوبصورت باغ لگایا تھا۔ آپ کی زبان سے کسی پودے یا درخت کا نام نکلتے ہی وہ آپ کا ہاتھ پکڑتے اور اس پودے کے روبرو کھڑا کر دیتے۔ "ہاں جی! چندن (صندل) کا پیڑ یہی ہے۔ یہ ابھی صرف دو ہی برس کا ہے۔ دیکھئے کتنی جلدی یہ بڑا ہو گیا۔" یہ کہتے جاتے اور مسکراتے جاتے اور ان کے چہرے کو آپ دیکھتے تو خوشی سے دمکتا پاتے۔ پھلوں اور پھولوں سے انہیں عجیب محبت تھی۔

یہ نہ سمجھئے کہ کسی قسم کے دو تین عدد پودے لگا دیئے اور انہیں کافی خیال کیا۔ آپ باغ کے ایک حصے سے گزریں گے تو انار کے درختوں کی کتنی ہی قسمیں، قطار در قطار آپ کے لئے جاذب نظر ہوں گی۔ یہی صورت حال چیکو یا ناریل کے سلسلے میں پائیں گے۔ پودے آپ محسوس کریں گے کہ بڑی نظم و ترتیب بندی سے لگائے گئے ہیں۔
باغ کے مختلف حصے ہیں۔ ایک حصہ ایک قسم کے

ں اور ختوں کے لئے ہے اور دوسرا حصہ دوسرے کے
تمام پودے سیدھی قطار میں لگائے گئے ہیں۔ آپ ایک
سے دوسرے کونے تک مختلف اقسام کے پودوں
ں کا لطف اٹھاتے جائیے۔ آپ کی نگاہیں دیواروں پر
گے تو وہ بھی رنگ برنگی بیلوں سے ڈھکی ہوئی ملیں گی
ں الگ الگ رنگ کے پھول کھلے ہوئے نظر آئیں گے۔
لمبے قد آور، خوشنما درخت ہر ڈا۔ یہاڈا اور اولکنسٹی،
دوسرے کے ساتھی کی طرح شاندار روپ میں کھڑے
دکھائی دیں گے۔

...پھلوں کا بادشاہ

شری اجیت سنگھ جی کو خوشی اور فخر بھی ہے کہ ان کے
ہیں پھلوں کا بادشاہ آم بھی ہے۔ دسہری، مال گوا،
اور قلمی، ہر ایک کو نمائندگی دی گئی ہے۔ ان میں سے
م کا مزا نرالا ہے۔ ہر ایک کی سائز پسندیدہ ہے۔
کا روپ دل کش ہے۔ ان کو کھائیے اور لطف اٹھائیے۔
آپ دیرور باغ میں داخل ہوتے ہی فرحت محسوس
گے۔ تاڑ گورے کے درخت جو داخل ہوتے ہی راستہ
ستادہ ملیں گے، آپ کا استقبال کریں گے۔ ان کے
سپاہیانہ انداز میں، مختلف پھلوں کے درخت قطار
ار، دکھائی دیں گے اور انہیں کے آس پاس پھولوں
دے، آپ کی آمد کی خوشی میں کھلے ہوتے نظر آئیں گے
دل کش منظر آپ کو دس ایکڑ زمین پر پھیلا ہوا ملے گا۔
ان پودوں کی آب رسانی کے لئے ایک بہت بڑا کنواں
ں میں سے مختلف سمتوں میں زمین دوز پائپ لائنیں
ں۔ آرڈی بورنگ کے ذریعے کنوئیں کو بھرا پُرا رکھنے
نظام ہے۔

...سیقی

شری اجیت سنگھ جی کو کامل یقین ہے کہ پودوں
یقی پسند ہے اور موسیقی کی وجہ سے ان کی نشو و نما
ہوتی ہے۔ چنانچہ خوشگوار موسیقی کے نغمے ہر
چھیڑے جاتے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ کمرۂ موسیقی
نگ برنگی بیلوں سے ڈھکا ہوا ہے۔

چنار اور صندل

انہوں نے بلار پور میں اپنا بنگلہ تعمیر کیا ہے جو بذات خود
فنونِ لطیفہ کی کشش اور جمالیاتی انداز رکھتا ہے لیکن ان سے
پرے انہوں نے اپنے بنگلے کے آس پاس باغ کے
پلاننگ میں پروازِ تخیل کو کافی دخل دیا ہے۔
اگر آپ ان کے بنگلے کے کسی کمرے کی کھڑکی کھولیں گے
تو سامنے رنگ برنگے پھول قطار در قطار آپ کو خوش آمدید کہیں گے۔
'چنار' جو کشمیر کا پُر فخر درخت ہے، اسے بھی بلار پور
کے اس باغ میں نمائندگی دی گئی ہے۔ صندل کا درخت جو ابھی
۱½ سال کا ہی ہے آٹھ فٹ سے زیادہ بلند ہو چکا ہے۔ آم کے
درختوں کا بھی یہی حال ہے۔ دو سال کے درخت چھ فٹ
اونچے آم سے اس طرح لدے ہوتے ہیں گویا زمین کو چھو رہے
ہیں۔
میرا خیال ہے کہ شری اجیت سنگھ جی کا پودوں کو چھونا
جادو کا اثر رکھتا ہے۔

صفحہ ۱۵ سے آگے

[نیا تعلیمی ڈھانچہ]

کی عمر زیادہ تر استاد کے نظم و ضبط کی مرہون رہی۔ ظاہر ہے
کہ عمر کے لحاظ سے جب نظم و ضبط کا سہارا ہر مرحلے پر
زیادہ ضروری ہو چکا تھا۔ وہ رہنمائی سے محروم ہو جاتا ہے
اور اسے اپنی راہ آپ متعین کرنے کی ذمہ داری سونپ
دی جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں نیا تعلیمی ڈھانچہ ان
کے لئے مفید نہیں ٹھہرتا۔ کالج کی فضا میں ذاتی اور شخصی
توجہ سے وہ محروم ہو جاتے ہیں جو اس عمر میں از حد
ضروری ہوا کرتی ہے۔ کلاس روم میں طلباء کی کثرتِ
ہجوم کا سماں پیدا کر دیتی ہے جس کے باعث ٹیچر اتنی
توجہ نہیں دے سکتا جتنی کہ ضروری ہوتی ہے۔ ایسے
طالب علم غائب رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ اس طرح تعلیمی
معیار کو بلند کرنے کی جو کوشش کی گئی تھی وہ نئے تعلیمی
ڈھانچے سے حاصل نہیں ہو سکا بلکہ طالب علم جب اسکول
چھوڑتا ہے تو اپنے آپ کو مسائل میں اور زیادہ گھرا ہوا
پاتا ہے۔

ڈاکٹر (مسز) کملیش ٹی بھاٹیا

نیا تعلیمی ڈھانچہ

اُس کے مختلف پہلو اور نتائج

۱۹۷۲ء میں حکومتِ ہند نے بڑے طمطراق اور دھوم دھام سے تعلیم کے نئے ڈھانچے یعنی ۳+۲+۱۰ کے آغاز کا اعلان فرمایا تھا۔ مہاراشٹر میں اس کی ابتداء ۱۹۷۵ء میں ہوئی تھی۔ جہاں تک اصول و نظریات کا تعلق ہے۔ نئے ڈھانچے میں واضح طور پر متعدد فائدے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ طالب علموں کو حسب پسند کئی ایک پیشہ ورانہ نصابات میں داخلہ مل سکے، طالب علموں کو بہتر طور پر آلات سے آراستہ سائنس لیباریٹریوں کے ذریعے معلومات بہم پہنچائی جا سکے اساتذہ جو خاص مضامین میں ید طولیٰ رکھتے ہوں، اُن کے ذریعے طلباء کو زیادہ علمی فائدہ حاصل ہو اور ایک آخری نقطہ ان طلبا، کے لئے پیدا کیا جا سکے جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخلے لینے کے خواہشمند ہوں۔

ملک کے تعلیمی ڈھانچے میں اس اچانک تبدیلی کی آخر وجہ کیا تھی؟ آزادی کے بعد ہندوستان میں جو طریقۂ تعلیم رائج تھا' اس کے ذریعے باقاعدہ تعلیم میں ۱۴/۱۵ برس لگ جاتے تھے تب کہیں طالب علم اپنی پہلی یونیورسٹی ڈگری کا حقدار ہوا کرتا تھا۔ برطانوی طریقۂ تعلیم کا یہ دست بدست رسیدہ طریقہ ایسا تھا جو طالب علم کے گیارہ سال اسکولی تعلیم میں اور پھر کہیں کہیں تین سال یونیورسٹی کی تعلیم میں (جو مدت اکثر شمالی ہند کی ریاستوں میں لگتی تھی) اور بعض دوسرے مقامات میں چار سال (جو مدت گجرات اور مہاراشٹر میں لگتی تھی)' لے لیا کرتے تھے تاہم حصولِ آزادی کے بعد حکومتِ ہند نے ضروری سمجھا کہ پورے ملک کے لئے تعلیم کا یکساں طریقہ رائج کیا جائے۔ اس کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے متعدد تعلیمی کمیشن مقرر کئے گئے تاکہ موجودہ نصاب تعلیم کی از سرِ نو تنظیم کی جائے اور تمام مرحلوں میں تعلیمی ڈھانچے کی تعمیرِ دوبارہ عمل میں لائی جائے۔ ان سب کمیشنوں میں سب سے ممتاز کوٹھاری کمیشن تھا۔ وہ فارمولا جسے ۳+۲+۱۰ کا تعلیمی ڈھانچہ کہتے ہیں اسی کمیشن کا سفارش کردہ تھا۔

نئے ڈھانچے کے مطابق طالب علموں کو دس سال اسکول میں + دو سال مابین اسکول و کالج کے کسی جونیئر کالج میں جو گیارہویں اور بارہویں کلاسوں پر مشتمل ہوتا ہے + تین سال کالج میں گزارنے پڑتے ہیں۔ ابتداءً جونیئر کالج کا مفہوم اسکولی تعلیم کی توسیع لیا گیا تھا جو اسکول سے ملحق تھا لیکن عملاً بہت کم اسکول جونیئر کالج شروع کرنے پر مائل ہوتے کیونکہ لیباریٹریوں کی سہولت ممکن نہیں ہو سکی اور فنڈس کی کمی بھی

من گیر ہوتی ہے۔ بالآخر جونیئر کالج ہر جگہ سینئر کالجوں کے
د صحیح شمار ہونے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جونیئر کالجوں کے
اردین' پرانے کورس سے اصلی فرسٹ ایئر طلباء کے
بلے میں' ایک سال جونیئر ہوتے تھے۔ اس صورتِ حال کے
ب کئی مسائل اٹھ کھڑے ہونے۔ چنانچہ اسکولوں کے نو عمر
ار جب ٹیچروں کے، سخت نظم وضبط والے اور تاکیدی
ل سے جس سے وہ اسکول کی زندگی میں عادی اور پابند
ے جونیئر کالج کے مقابلتاً آزاد فضا میں پہنچے جہاں ہر طالبِ علم
رڈی نظر نہیں رکھی جاتی تھی تو کم عمر (یعنی ۱۵ سال کے)
ب علموں کی تعلیم بالخصوص متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

اگرچہ بظاہر عمر میں ایک سال کا یہ فرق زیادہ
یت نہیں رکھتا لیکن والدین، معلمین اور ماہرینِ نفسیات
ب یکزبان ہیں کہ یہ ایک سال کم عمر طالبِ علم کی دماغی
جذباتی صلاحیتوں کو پختہ کرنے میں زبردست رول ادا
نا ہے۔ اگرچہ طلباء کو جونیئر کالجوں میں لیبارٹریوں کی
ولت، اور زیادہ ترقی یافتہ رہنمائی خاص خاص مضامین
سلسلے میں ملتی ہے لیکن جس توجہ و نظر کی ضرورت انہیں
ں اس منزل میں ہے اس کے نہ ہونے سے انہیں سے
رے ذمہ داریوں کے احساس سے عاری، تعلیم کی طرف
، بے پروا ہو جاتے ہیں اور کالج کے لیکچروں سے غائب
نے کو غیر اہم قرار دینے لگتے ہیں۔ تعلیم کو قربان کر کے
نج کا میلان ایسا افسوسناک منظر ہے جو ان دنوں
ہویں اور بارہویں کے طلباء میں پایا جاتا ہے، خواہ
ب کے طور پر انہوں نے کورس کوئی بھی لیا ہو۔ لیکچروں سے
ت وہ بیماری ہے جو اکثر جونیئر کالج کے طلبا میں پائی جاتی
اور اس سے زیادہ رنج دہ یہ امر ہے کہ اس پر بعض
فخر و مباہات کا اظہار کرتے ہیں۔ اساتذہ اور والدین
دل دوز صورتِ حال کی اصلاح سے عاجز آچکے ہیں۔
سمجھنا اب بھی مشکل ہے کہ طلباء کی یہ غلط روی نئے
ں ڈھانچے کا شاخسانہ ہے۔

جب نیا ڈھانچہ شروع کیا گیا تھا تو یہ کوشش کی گئی
کہ بارہویں کا طالبِ علم پہلے کے انٹرمیڈیٹ آف یونیورسٹی
اعلیٰ اور بہتر ہو اور دسویں کا طالبِ علم پہلے کے
یکولیٹ سے تعلیم میں بڑھ چڑھ کر ہو کیونکہ اس نے
میٹریکولیٹ ہونے کیلئے جتنا گیارہ سال میں سیکھا، اس سے
بہتر علم اس نے حاصل کیا جس نے صرف دس سال میں (یعنی
ایک سال کم میں) میٹریکولیٹ کے ہم رتبہ امتحان پاس کیا لیکن
اس دس سالہ تعلیم کے آغاز کے کچھ ہی عرصے بعد بمبئی کے
ممتاز ماہرینِ تعلیم نے توجہ دلائی تھی کہ یہ سمجھنا غلطی ہوگی کہ
نصاب اور بڑی بڑی درسی کتابوں کو بڑھا دینے سے تعلیم کا
معیار بھی بلند ہو جائے گا۔

ٹائمس آف انڈیا کے لئے ۱۹۷۶ء میں مسٹر کروویلا جیکب
نے ایک آرٹیکل لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا "کوٹھاری کمیشن
نے تجویز کیا تھا کہ ہائر سیکنڈری کلاسیس انگلستان کے چھٹے
درجے کے برابر ہونی چاہئیں لیکن وہاں کے چھٹے درجے کے
طلباء زیادہ عمر کے ہوتے ہیں اور وہ صرف تین یا چار مضامین
پڑھتے ہیں بمقابلہ ہمارے نئے ڈھانچے کے چھٹی یا ساتویں
کلاس کے طلباء کے جو کم عمر اور ناپختہ ہوتے ہیں۔ ان ملکوں میں
تو طلبا یونیورسٹی میں اس وقت قدم رکھتے ہیں جب ان کی
عمریں اٹھارہ سال کی یا اس سے اوپر ہو جاتی ہیں اور چونکہ
یہ بلوغت کو پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ ان سہولتوں سے
بہتر طور پر مستفید ہو سکتے ہیں اور ان کی تعلیم زیادہ بامقصد
ہوا کرتی ہے بہ نسبت ہمارے یہاں کے طالب علموں کے جو
کالجوں میں پہلے ہی پہنچ جاتے ہیں۔"

یہ تنقیدیں صاف بتلاتی ہیں کہ نئے تعلیمی ڈھانچے نے
طلبا کی ایک نئی نسل پیدا کر دی ہے جو پختگی آنے سے پہلے
ہی کالجوں میں پہنچ جاتے ہیں اور اس لئے وہ نہ اپنی آزادی
کا اور نہ ذمہ داری کا حق پوری طرح ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے
علاوہ کالج میں ان کے داخلے کی جو عمر ہوتی ہے وہ انسان کی
زندگی کا بڑا اہم دور یعنی عنفوانِ شباب کا ہیجان خیز زمانہ
ہوتا ہے جو اپنے جلو میں نہ جانے کتنی نفسیاتی، حیاتیاتی اور
جسمانی تبدیلیاں لاتی ہے۔ اس عمر میں طالبِ علم کو ایسے
سمندر میں تیرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے جس میں گویا اسے
اپنی راہ آپ تلاش کرنی پڑتی ہے اور جس کا تیرنا، ڈوبنا
ابھرنا خود اس کی اپنی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔

اس عمر میں کتنے ہی کم عمر طلبا راستے سے بھٹک جاتے
ہیں۔ بچپن والدین کی اور بزرگوں کی نگرانی میں گزرا۔ اسکول

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

★ علامہ صوفی محمد حنیف رحمانی
۳۴/بی-۱۲۰- انڈین ایرلائنز کالونی
کالینہ- سانتا کروز- بمبئی ۲۹

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بابا آمٹے

"جذام کے مریض کے چہرے کی ایک ہلکی سی مسکراہٹ ہی میرے لئے سب سے بڑا انعام ہے" یہ تھا ردِّعمل "بابا آمٹے" کا "یو این آئی" کی اس دل خوش کن اور مسرّت انگیز خبر پر جو کہ انہیں "میگ سیسے ایوارڈ" سے نوازا گیا ہے۔ اس وقت آپ ناگپور سے تقریباً دو سو میل دور ضلع چندرپور کی ایک تحصیل ورودا کی اپنی رہائش گاہ "آنند ون" میں براجمان تھے۔ آپ نے اپنے اس ردِّعمل سے اپنے صاحبزادے ڈاکٹر وشواس آمٹے کے ذریعے مطلع فرمایا۔

شیواجی کے دیش مہاراشٹر نے جہاں بھارت کی جنگِ آزادی میں بال گنگادھر تلک، گوکھلے اور ساورکر جیسے ویروں کو جنم دیا اور مہاتما پھولے جیسے سماج سدھار نیتا پیدا کئے وہاں بابا آمٹے جیسے مہاپرش کا بھی جنم استھان بنا۔ واقعی بابا نے تو کمال ہی کر دیا۔

جو بات کی خُدا کی قسم لاجواب کی
پاپوش میں لگا دی کرن آفتاب کی!

اس زمانے میں جب لوگ جزامیوں سے دس ہاتھ کے فاصلے پر سے گزرتے تھے۔ بابا نے ان سے ہاتھ ملایا جب دُنیا جزامیوں سے نفرت کرتی تھی بابا نے ان سے محبت کی جب عوام انہیں حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ بابا نے انہیں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا۔ جب جزامیوں کے پاس بیٹھنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بابا آمٹے نے ان کے ساتھ ایک زندگی بتائی۔ ایک جگہ بیٹھنے، ایک جگہ اُٹھنے اور ایک جگہ سونے کی یہ باتیں ان کی اپنی حد تک محدود نہ تھیں، بلکہ ان کی خاندان کا ہر فرد کا جزامیوں کے ساتھ وہی سلوک تھا وہی رویہ تھا وہی تعلقات تھے۔ اس طرح



شبری بابا آمٹے اپنی رفیق حیات سرزمنی سر دھنا آمٹے کے ساتھ

آمٹے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت کے سلسلہ میں
رات سے کھیلتے آئے ہیں اور آج بھی قربانیوں کا یہ غیر محدود
سلسلہ جاری ہے۔

غالباً سنہ ۱۹۵۲ء کے آس پاس کی بات ہے۔ ہم دو چار
دست ناگپور کے مشہور میر شکاری افسر میاں کے ساتھ
ندرپور کے جنگل میں شکار کی خاطر داخل ہو رہے تھے ہمارے
اتھ قریب کے دیہات کے کچھ مزدور بھی تھے۔ مچان بنانے
ے لئے موزوں جگہ کی تلاش تھی۔ ابھی گھنا جنگل شروع نہیں
ا تھا۔ پھر بھی کسی درندے کی غیر موجودگی کا یقین نہیں کیا
سکتا تھا۔ ؎

ہر بیشہ میر گماں کہ خالیست
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

غیر ہموار راستہ ہونے کی وجہ سے ہم سب آہستہ آہستہ
امزن تھے کبھی کبھی کسی چھوٹی موٹی جھاڑی کے کانٹے ہمارا دامن
ھام لیتے تھے۔ گویا وہ تنہائی سے اکتا چکے ہیں۔ ابھی ہم نے
ند گز کا فاصلہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ سامنے کی گھنی جھاڑیوں
یں سے پتوں کے کھڑکنے کی آواز سنائی دی۔ ایسا لگا جیسے
وئی جاندار ہماری طرف آ رہا ہے۔ میری تو جان ہی نکل جاتی اگر
وسرے ہی لمحے ایک ادھیڑ عمر کا دبلا پتلا آدمی جھاڑیوں میں سے
کلتا ہوا دکھائی نہ دیتا — یہ تھی ہماری پہلی ملاقات بابا آمٹے سے۔
یری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب مجھے معلوم ہوا کہ بابا آمٹے
یک سال سے معہ اپنے خاندان اور بہ نفسِ نفیس چھ عدد جذام
ے مریضوں کے اس جنگل میں قیام پذیر ہیں۔

یہ تو میں تیس تبیس سال پہلے کی بات کر رہا ہوں۔ اب
تو بابا آمٹے نے وہاں جنگل میں منگل کر دیا ہے۔ جہاں ان کا آستھان
ہے وہاں ایک وسیع باغ ہے۔ جس میں اسکول بھی ہے —
اور دواخانہ بھی — جذامیوں کے رہنے کا انتظام بھی ہے اور
معذوروں کے لئے تربیتی دکانیں بھی۔

کس چیز کی کمی ہے بابا تیری گلی میں

کئی لوگوں کو ان کا پورا نام تک معلوم نہیں۔ اس لئے
کہ وہ صرف "بابا آمٹے" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا مکمل
نام مرلی دھر دیوید اس آمٹے ہے۔

مجذامیوں اور معذوروں کی قابلِ قدر خدمات کے
اعتراف کے طور پر ابھی ابھی ۳ر اگست کو منیلا فاؤنڈیشن کی
جانب سے انہیں "رامون میگاسیسے" ایوارڈ پیش کیا گیا ہے
یہ ایوارڈ ایشیا کو افادیت پہنچانے کے سلسلہ میں ایشیائیوں،
اور غیر ایشیائیوں کو ہر سال پانچ جہتی حصوں کامیابی پر دیا جاتا
ہے۔ فلپائن کے ایک محبوب و مقبول صدر کی سنہ ۱۹۵۷ء میں
ایک ہوائی حادثہ میں موت واقع ہو گئی تھی۔ ان کی یاد میں ان
کے ہی نام سے منسوب کر کے اس انعام کا اجراء کیا گیا ہے۔
اور ایشیاء میں نوبل پرائز کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔

ہمیں تعجب ہوگا اگر آئندہ قریب میں کسی سال بابا آمٹے
کو نوبل پرائز سے نہ نوازا گیا۔ چمن والوں کو یہ بات کبھی فراموش
نہیں کرنی چاہیئے کہ ؎

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

"قومی راج" کو
دوستوں میں
متعارف کرائیے اور
خریداری کے لئے
توجہ دلائیے۔

قاضی عبدالوافی
نیشنل انٹر کالج
محمد پور۔ اعظم گڑھ ۲۷۶۲۰۵
(یو۔پی)

شاعرِ شباب و رومان
حضرت نشورؔ واحدی

نام حفیظ الرحمٰن، تخلص نشورؔ، وطن موضع شیخ پور، ضلع بلیا، ریاست اتر پردیش کے ایک دیندار عالم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار، جمیل احمد یکتاؔ، ریاست مجھولی میں اعلیٰ منصب پر فائز تھے اور اچھا شعر کہتے تھے۔ نشورؔ صاحب کو شاعری وراثت میں ملی تھی۔ شیخ پور میں حضرت مخدوم شاہ پھول جونپوری کا نام ہندستان میں اسلام کے متوسط دور میں مشرقی ہند کے صوفی سلسلے میں خاص اہمیت کا مالک ہے۔ یہ موضع انہیں بزرگ حضرت شیخ پھول کے نام سے موسوم ہے۔

حضرت نشورؔ کی ابتدائی تعلیم مشرقی انداز پر ہوئی۔ جونپور میں حصولِ علم کے سات[ھ] شعر گوئی کا سلسلہ چلا، پھر مشہور دینی مدرسہ مصباح العلوم الہ آباد میں تعلی[م] حاصل کی حدیث اور اصول کی تعلیم کے علاوہ تجوید اور فارسی زبان پر بھی عبو[ر] حاصل کیا۔ ادب، تفسیر اور طب کا گہرا مطالعہ کیا اور بہ حیثیت استاد اپنی ملازم[ت] کا آغاز کیا۔ کان کبج کالج، گرو نرائن کھتری کالج اور آخر میں حلیم مسلم کالج کانپور م[یں] شعبہ علوم مشرقیہ کے استاد رہے اور ۱۹۷۲ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

نشورؔ صاحب کی شاعری حب الوطنی، انقلاب ——— اور جد و جہد آزادی کی علمبردار تو ہے ہی ساتھ ہی ساتھ انہوں نے فلسفۂ زندگی کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ ان کی شاعری میں فلسفیانہ رنگ کی جھلک نمایاں ہے۔ انہوں نے قدرتی مناظر، اس کے حسن اور رنگینیوں کو ایک شاعر کی آنکھ سے دیکھا اور محسوس کیا ہے اور پھر اشعار کے سانچے میں نہایت خوبصورتی سے ڈھالا ہے نشورؔ صاحب نے مثنویات بھی لکھیں، رباعیاں بھی کہیں۔ نثر و نظم ہر دو پر مہارت کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ مثنوی حضرت مولانا روم کا منظوم ترجمہ کیا "تاریخ فلسفۂ خودی" نثر میں لکھی لیکن ان کی شہرت کا اصل راز غزل گوئی ہے۔ انہیں شاعرِ رومان اور شاعرِ شباب بھی کہا گیا ہے اور انہوں نے اس میدان میں نمایاں مقبولیت

حاصل کی۔ وہ مشاعرہ کامیاب سمجھا جاتا تھا جس میں نشور موجود ہوتے۔ ان کی مرصع غزل پر کیف ترنم والوں پر جادو جگا جاتا۔ ان کی شاعری کے مداح [نیاز] فتحپوری، جوش ملیح آبادی اور حضرت جگر مرادآبادی [تھے]۔ نشور صاحب اپنی ذاتی زندگی میں نہایت پرخلوص، شاعر و شاعر پرست اور سادگی پسند رہے ہیں۔

۶ رمئی ۱۹۸۲ء کو کانپور میں ان کے دولت کد[ہ پر] اس وقت موصوف علالت کے باعث کافی کمزور ہو [گئے تھے] نے خیریت دریافت کی تو کہنے لگے میاں! اب خیری[ت] چراغ سحر ہوں ——— پھر خاموش ہو گئے۔ میرے سا[تھ] ایک نوجوان ادیب و شاعر قاضی نورالاسلام صاح[ب]

قومی، آج

ـدمت میں حاضر تھے ، کہنے لگے حضرت ایسا نہ کہیں۔ اللہ تعالیٰ
ـپ کو جلد صحت عطا فرمائے اور آپ کی ذاتِ گرامی ہم جیسے نوجوانوں
ـں رہنمائی کرتی رہے۔ آپ مایوس نہ ہوں۔ اتنے میں چائے آئی'
ـائے کا دور چلا، مجھ سے مخاطب ہوتے کہ "میاں! فرصت ہو
ـ رخصت لے کر میرے پاس آجاؤ، ایک کتاب لکھوانی ہے.
ـں نے کہا" بہت اچھا جب حکم دیں، حاضر ہو جاؤں، کہنے لگے
ـہت جلدی نہیں ہے۔ میں تمہیں اطلاع دوں گا۔ پھر طبیعت
ـ موزوں دیکھ کر قاضی نورالسلام نے فرمائش کی کہ حضرت
ـھ ارشاد فرمائیے. نشور صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کچھ
ـعر سنائے، مگر نقاہت اور تھکاوٹ کے آثار چہرے پہ
ـمایاں تھے۔ ملاقات کا یہ سلسلہ ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ حضرت
ـیسی الفاروقی کے شعری مجموعہ "آئینۂ شمس" جس کو میں ترتیب
ـے رہا ہوں اور اب اشاعت کی منزلوں پہ ہے۔ اس کے
ـارے میں دریافت فرمایا اور کہا کہ میاں! یہ چھپ جائے تو
ـہیں بھی یاد رکھنا۔ قیسیؔ صاحب مرحوم ان کے بہت قریبی دوست
ـہے ہیں۔ ان کے ہمعصر شعراء حضرت عارف عباسی مرحوم اور
ـضرت قیسی الفاروقی صاحب سے ان کے برابری کے مراسم
ـتھے۔ مجھے جونپور کا وہ مشاعرہ ابھی بھی یاد ہے جو پالی ٹیکنک
ـراؤنڈ پہ قومی یک جہتی کی علامت تھا۔ صدارت ہری گووند سنگھ
ـوزیر داخلہ اتر پردیش کر رہے تھے۔ یہ ۱۹۶۹ء کی بات ہے۔ اس
ـشاعرے میں حضرت شفیق جونپوری مرحوم اپنی شدید علالت کے
ـاوجود کچھ دیر کے لئے آئے تھے اور تبرکاً ایک غزل پڑھ سکے تھے،
ـشور صاحب شفیق جونپوری کے بعد مائک پر آئے اور کہا کہ غزل
ـا جو رنگ استاد محترم شفیق نے پیش کیا ہے، اس کے بعد سنانے
ـورہ ہی کیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نشور صاحب کے
ـدل میں ان جیسے بزرگ شاعر کا کیا مقام تھا اور وہ کس قدر شاعر
ـرست تھے۔ وہ دوسروں کا احترام کرنا جانتے تھے۔
دوسرے دن شام کو محمد شمس الہدیٰ قیسی الفاروقی صاحب
ـ(جو ان دونوں جونپور میں سٹی مجسٹریٹ تھے)، کے دولت کدے پر
ـیک شعری نشست ہوئی جس میں حضرت نشور واحدی، پروفیسر
ـجگن ناتھ آزاد، حضرت عارف عباسی، شمسی مینائی وغیرہ شریک
ـہوئے۔ اس نشست میں نشور صاحب کی مشہور غزل ——
"فکر تو ذوقِ تپاں سے آئی ہے" سننے کا موقع ملا۔ ایک
ـدر ختم ہونے کے بعد سب ہی شعراء نشور صاحب سے مسلسل

ان کی غزلیں سنتے رہے۔ اس سے ان کے مرتبے کا احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہم عصر شعراء میں کس حد تک مقبول تھے۔

مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ کانپور میں ان سے میری آخری ملاقات ہے اور ہم بہت جلد مشاعروں میں جادو جگانے والی آواز سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں گے۔ ان کی شاعری اب ہمارے ادب کا ایک حصہ بن چکی ہے اور نئی نسل کے لئے مشعلِ راہ بھی ہے۔

نشور واحدی صاحب کے سات مجموعے جو غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہیں شائع ہو چکے ہیں جن میں "صہبائے ہند" ۱۹۴۰ء میں "شورِ نشور"، ۱۹۴۲ء میں "آتش و نم"، ۱۹۴۶ء میں "فروغِ جام"، ۱۹۶۵ء میں "سوادِ منزل" — ۱۹۶۸ء میں انتخابِ کلامِ نشور ۱۹۷۷ء اور "گل افشانیٔ گفتار"، ۱۹۸۰ء میں شہرت پا چکے ہیں۔ حضرت نشور واحدی کے چند اشعار حاضر ہیں۔

کہیں کلی نے تبسم کا راز سمجھا ہے — جو خود چمن ہے وہ اپنی بہار کیا جانے

انقلابات نے پکارا ہے — نیند کب ٹوٹتی ہے خدا جانے

داغہائے سینہ میں یہ تازگی — التفاتِ ناگہاں سے آئی ہے

ہر راستے کو لوٹ لیا اعتماد نے — رہزن بھی ایک تھے مگر راہبر کے ساتھ

تاریخِ جنوں یہ ہے کہ ہر دورِ خرد میں — اک سلسلۂ دار و رسن ہم نے بنایا

ہر راہ میں گنجِ شہیدانِ انقلاب — وہ وقت ہے کہ سنگ اٹھاؤ تو سر ملے

عنوانِ ترقی ہے یہ تیرہ فضائی بھی — کچھ گرد بھی اٹھتی ہے جب قافلہ چلتا ہے

اک سحر شبستاں ہے یہ فنِ جہاں رانی — دنیا ہے کہ سوتی ہے جادو ہے کہ چلتا ہے

خاموش ہے لیکن کسی کا دل تو جلتا ہے — چلے آؤ جہاں تک روشنی معلوم ہوتی ہے

شاعر کو نشور آخر فرصت نہ ملی غم سے
یا زلف پریشاں تھی یا فکر پریشاں تھی

قومی راج

ڈاکٹر ایم عرفان علیمی
مدیر نوائے طب وصحت
بیگم سرائے۔ الہ آباد-۱۵

انیستھیٹک

(بے ہوش کرنے والی دوا)

انیستھیٹک بے ہوش کرنے والی دوا کو کہتے ہیں۔ اس کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جبکہ کسی مریض کا آپریشن کرنے سے پہلے اسے بے ہوش کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ بغیر بے ہوش کئے ہوئے آپریشن کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس وقت جبکہ ANESTHATIC MEDICINES کی ایجاد نہیں ہوئی تھی، سرجری کے میدان میں ایک بہت بڑا خلاء محسوس کیا جا رہا تھا۔ ڈاکٹروں کو آپریشن کرنے میں بے حد دشواریاں اور مریضوں کو بے پناہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور اس کے باوجود بھی صحیح طور پر آپریشن کر سکنا ممکن نہیں ہو پاتا تھا — چنانچہ اس زمانے میں مریض کو بے ہوش کرنے کے لئے عجیب و غریب طریقے استعمال کئے جاتے تھے۔ جو سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلتے گئے۔ اس زمانے میں بے ہوش کرنے کے لئے مریض کے جسم سے اس قدر خون نکال لیا جاتا تھا کہ وہ کمزور ہو جائے اور آپریشن کے وقت بسبب کمزوری اسے درد کا احساس کم ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مریض میں برداشت کرنے کی قوت ختم ہو جاتی تھی اور وہ ہلاک ہو جاتا تھا۔ اکثر مریض کے سر پر کسی بھاری چیز سے ایسی ضرب لگائی جاتی تھی کہ وہ ضرب کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتا تھا تب ڈاکٹر آپریشن کرتے تھے۔ مگر یہ طریقہ بھی زیادہ مفید اور محفوظ نہ تھا۔ بیشتر اوقات ایسا بھی ہو جاتا تھا کہ دوران آپریشن ہی مریض ہوش میں آ جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک ڈر یہ بھی تھا کہ اگر سر پر زیادہ تیز چوٹ لگ جاتی تھی تو پھر مریض کا بچنا مشکل ہو جاتا تھا

اس وقت صرف اہل چین ہی کچھ ایسے طریقوں سے واقف تھے جن سے آپریشن کرنے میں سہولت ہوتی تھی۔ وہ آپریشن سے قبل ایسی خواب آور دواؤں کا استعمال کرتے تھے جن کی وجہ سے مریض نیم بے ہوشی کی حالت میں ہو جاتا تھا اور اس بیچ ڈاکٹر اپنا کام تمام کر چکے ہوتے تھے مگر یہ طریقہ بھی غیر محفوظ تھا کیونکہ اس میں سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ مریض کو وہ دوا کم مقدار میں استعمال کرائی جاتی تو اس کا اثر کم ہوتا تھا اور اگر دوا زیادہ مقدار میں استعمال کرا دی جاتی تھی تو مریض ایسا بے ہوش ہوتا تھا کہ پھر اسے ہوش میں لانے کے لئے کوئی ترکیب کارگر نہ ہوتی تھی۔ غرض کہ اس زمانے میں بے ہوش کرنے کے جو بھی طریقے رائج تھے وہ مضر بھی تھے اور غیر محفوظ بھی۔ لہٰذا اس کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے ۱۷۷۲ء میں Josef Priestely نے ایک ایسی گیس کی ایجادی جس کے متعلق ۳۰ سال بعد Humpay Davy نے بغور مشاہدہ کرنے کے بعد اسے Laughing Gas نام دیا اور

یہ بھی بتایا کہ یہ گیس آپریشن سے قبل استعمال کرائی جا سکتی ہے جس سے استعمال سے درد میں کمی ہوگی لیکن اس وقت اس پر کسی نے توجہ نہ دی۔ جب امریکہ والوں کو اس گیس کا علم ہوا تو انہوں نے اس گیس کو محض تفریح کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا۔ خصوصاً پارٹی وغیرہ میں لوگ اس گیس کا استعمال کر کے نشے کی حالت میں ہو جاتے تھے اور خوب ہنسی مذاق کرتے تھے لیکن کسی نے اس گیس کے بارے میں کوئی مزید بات معلوم نہ کی۔ کافی عرصے بعد ویلز نامی ایک شخص نے پارٹی میں موجود ہنستے ہوئے لوگوں کو بغور دیکھنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ لوگ جب اس گیس کا استعمال کر لیتے ہیں تو پھر انہیں کسی قسم کے درد کا احساس نہیں رہ جاتا چنانچہ اس نے اس گیس کا تجربہ خود اپنے اوپر اس طرح کیا کہ خود "Laughing Gass" سونگھی اور اس کے ایک دوست نے اس کے دانت اکھاڑ دیئے لیکن اسے کسی قسم کے درد کا احساس نہ ہوا جبکہ اس کے دانت کافی مضبوط تھے۔ اب اس گیس کا استعمال صرف اس وقت ہونے لگا جبکہ کسی مریض کا دانت اکھاڑنا ہوتا تھا۔ علاوہ اس کے اور کسی آپریشن سے قبل اس کا استعمال نہ ہوتا تھا لیکن ۱۸۴۵ء میں ویلز نے یہ طریقہ دوسرے لوگوں کو بتایا مگر اس وقت اسے سخت مایوسی ہوئی جب اس نے گیس کا استعمال کم مقدار میں کرا کے اس مریض کے دانت اکھاڑنے چاہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مریض درد کی شدت سے بے تاب ہو گیا۔ لوگوں نے جب یہ دیکھا تو ویلز کا مذاق اڑایا مگر ویلز نے ہمت نہ ہارا۔ اس نے دوسری بار اس گیس کا استعمال زیادہ مقدار میں کرا کے ایک مریض کا دانت اکھاڑنا چاہا جس سے وہ ہنستے ہنستے مر گیا۔ اور ویلز نے دونوں واقعات سے مایوس ہو کر اپنی سخت ناکامی کے سبب خودکشی کر لی —— اس طرح Laughing Gass کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہو سکے تو دوسری گیسوں کی تلاش شروع ہوئی جنہیں بطور انیستھیٹک استعمال کرایا جا سکے۔ اس لئے برابر تجربات ہوتے رہے اور اس میدان میں کامیابی Y.G. Simpson کو ملی جو ڈاکٹر بننے کے لئے ایڈن برگ میں جا کر تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس زمانے میں لندن میں Robert Listen نامی ایک شخص نے ایتھر کو بطور انیستھیٹک استعمال کیا اور بے حد کامیاب رہا۔ جب یہ خبر Simpson کو ملی تو اس نے لندن جا کر ایتھر حاصل کیا اور سیدھا ایڈن برگ پہنچا تاکہ اس کا تجربہ کر سکے۔ لیکن بعد میں تجربہ کرنے پر Simpson کو ایتھر کے برے اثرات کی واقفیت ہوئی کیونکہ ایتھر کے استعمال سے آپریشن کے بعد مریض پر اس کے برے اثرات پڑتے تھے چنانچہ Simpson نے مایوس ہو کر دوسری گیسوں کی تلاش شروع کی۔ تقریباً ایک سال کی لگاتار جدوجہد اور کوشش کے بعد Simpson اور اس کے دوستوں نے بہترین انیستھیٹک ایجاد کی جو آج بھی رائج ہے۔ اس انیستھیٹک کا تجربہ خود Simpson نے اپنے طور پر اس طرح کیا کہ خود دوا استعمال کی اور میز پر لیٹ گیا اور جب وہ ہوش میں آیا تو اسے اس بات کا احساس ہو گیا کہ یہ سب سے بہترین انیستھیٹک ہے اور یہ انیستھیٹک "کلوروفارم" گیس کہلائی جو آج بھی رائج ہے۔



فوری توجہ کے لیے

اپنے پتے کی تبدیلی کی اطلاع، حوالہ نمبر (جو آپ کے پتے کے اوپری حصہ پر درج ہوتا ہے) کے ساتھ لکھیے، اور نئے پتہ کے ساتھ پرانا پتہ بھی تاکہ آپ کو نئے پتہ پر فوری رسالہ جاری کیا جا سکے۔
جواب طلب امور کیلئے جوابی خط بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمام خطوط کے جوابات توجہ کے ساتھ ادارے کی طرف سے بھجوائے جاتے ہیں۔
(ادارہ)

• ڈاکٹر بشیر بدر
ڈی ۱۲۰، شاستری نگر،
میرٹھ - (یو-پی)

تاج، اجنتا اور ایلورا سب سے ایک مکان ہے اچھا
تیری پلکوں کے سائے میں دِل کا یہ دالان ہے اچھا

دِل — دِلّی، دل — یوپی، ایم پی، دل بنگلہ پنجاب دکن
جہاں جہاں سے چاہو دیکھو سارا ہندوستان ہے اچھا

راجستھان کے رہنے والو، اس گرمی میں کیسا نرمی ہے
دِن تپتے ہیں، راتیں ٹھنڈی، دل کا ریگستان ہے اچھا

لشکر، خیمے آگے پیچھے تب سلطانوں کی سلطانی
تنہا آنا، تنہا جانا — جوگی بے سامان ہے اچھا

پاس نہ آنا، دہک رہا ہوں، دُور نہ جانا مہک رہا ہوں
جتنا آتش دان ہے اچھا، اتنا ہی لوبان ہے اچھا

ؤ

کرشن موہن
۱۵۸- پشپانجلی-
آئی- پی- ایکسٹینشن II - دہلی ۹۲

۲ دو غزلیں

درد کا بھید کھولتے ہی نہیں
شعر گو نگے ہیں بولتے ہی نہیں

سوچ میں بھی اڑان بھرتے ہیں
ہم اداسی میں ڈولتے ہی نہیں

زہر بھرتے ہیں اپنے شعروں میں
شاعر اب شہد گھولتے ہی نہیں

صرف الفاظ کو پرکھتے ہیں
لوگ افکار تولتے ہی نہیں

کارِ منصب سے بھی گریزاں ہیں
افسر اب مال رولتے ہی نہیں

کرشن موہن ستم کہ اہلِ خرد
اپنے دل کو ٹٹولتے ہی نہیں

محفلِ شعر جو آراستہ امشب ہوگی
منزلت اپنی بھی اس شہر میں یارب ہوگی

وہ جماعت کہ نہ منت کش مذہب ہوگی
نوعِ انساں کی محبت سے مہذب ہوگی

اس تغافل سے تو بہتر تھا ستم ہی تیرا،
یہ عقوبت نہ مجھے درخورِ منصب ہوگی

سازِ امید مجھے جھوٹی تسلی مت دے
جو کبھی ہو نہ سکی بات وہ کیا اب ہوگی؟

عیش ہو غم ہو جوانی ہو کہ پیرانہ سری
آرزوئے زیست کی، ہر حال میں اغلب ہوگی

میرے اسلوب کا مذکور یقیناً ہوگا
جب اسالیب کی تاریخ مرتب ہوگی

کرشن موہن ہے یہی فکر ہمارے فن کی،
جس سے پہچان بنے، ایسی غزل کب ہوگی

غزل

عتیق احمد عتیق
نیا پورہ - مالیگاؤں ۴۲۳۲۰۳

رگ رگ جب تک گیلی تھی
دنیا رنگ رنگیلی تھی

پریم کتھا، دردیلی تھی
یا وہ آنکھ ہی گیلی تھی

ہونٹوں کی سوکھی ندیا
تہہ در تہہ ریتیلی تھی

آس کے میٹھے سپنوں کی
کلی کلی زہریلی تھی

تیرا ساتھ رہا ورنہ
ڈگر ڈگر پتھریلی تھی

صبح بھی تجھ بن شام لگی
گو خاصی چلبلی تھی

ڈالی تھی سرسبز مگر
چھاؤں ہی پیلی پیلی تھی

تیرے پیار کی مستی سے
جاتی رت بھی نشیلی تھی

اک جیسے تھے پر ہم میں
کتنی بڑی تبدیلی تھی

بچپن کی ہر سوچ، عتیق
کتنی چھیل چھبیلی تھی

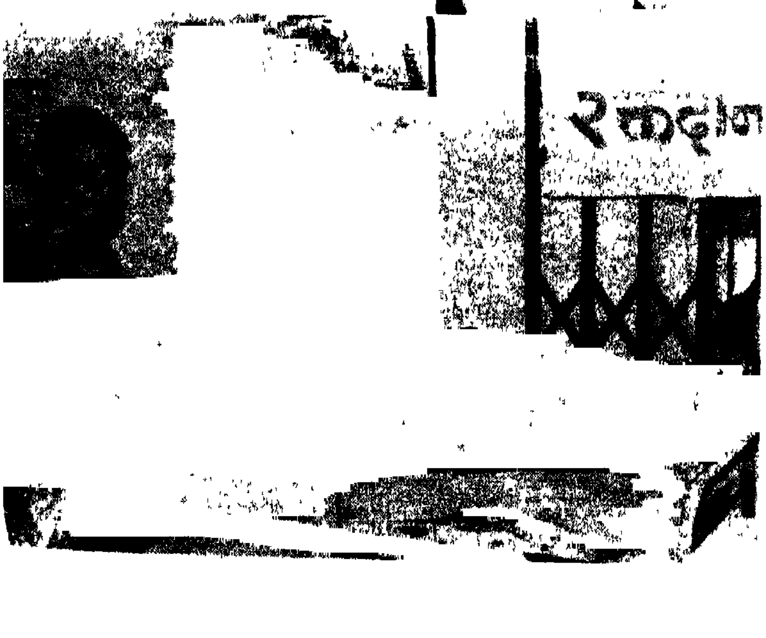


وزیرِ اعلیٰ مہاراشٹر شری شیواجی راؤ نیلنگیکر نے روایتی شمع جلا کر جے جے اسپتال گرینٹ میڈیکل کالج کے طلباء کی سنگمش کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں وزیرِ اعلیٰ کے بائیں جانب اسپتال کے ڈین ڈاکٹر آر۔ ایس چندکاپورے، وزیر برائے تعمیرات ڈاکٹر وی سبرامنین اور سنگمش کے صدر ڈاکٹر پی۔ آر۔ راؤ نظر آ رہے ہیں۔ اس موقع پر سنگمش کی جانب سے وزیرِ اعلیٰ کو شال اور ناریل پیش کیا گیا۔

خبریں۔ تصویروں میں

ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی، وزیرِ مملکت برائے اطلاعات و رابطۂ عامہ ۲۵ رجولائی حاجیوں کے پہلے گروپ کو سہار ہوائی اڈہ پر الوداع کہتے ہوئے۔





شری جیت رودک مندر کی جانب سے نیا اشٹر کے شہر میں "خون کے عطیہ مہم" کا افتتاح، وزیرِ مملکت برائے مالیات شریمتی سیلین ڈی سیلوا کے ہاتھوں ہوا۔ اس موقع پر وہ ایک خون کا عطیہ دینے والے نوجوان کے ساتھ نظر آ رہی ہیں۔

نوی راج۔

ریاستی خبریں

وزیر اعظم نے لوک مانیہ تلک کو خراجِ عقیدت پیش کیا

وزیر اعظم شری راجیو گاندھی نے عوام کو نصیحت
کی کہ وہ ملک کی ایکتا اور سالمیت کو برقرار رکھ کر ہی وطن
کی راہ میں اپنی جانیں نچھاور کرنے والے شہیدوں کو بہترین
طور سے خراج عقیدت پیش کر سکتے ہیں۔

وزیر اعظم لوک مانیہ بال گنگا دھر تلک کی ۶۵ ویں
برسی کے موقع پر مہاراشٹر کلچرل کمیٹی کی جانب سے منعقدہ
یکم اگست ۱۹۸۵ء کو ایک تقریب میں اپنے خیالات کا اظہار
فرما رہے تھے۔ ابتدا میں شری گاندھی نے لوک مانیہ تلک کے
مجسمے کی گلپوشی کر کے عظیم لیڈر کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

شری گاندھی نے فرمایا کہ کڑی محنت اور قربانیاں دیکر
ہی لوک مانیہ تلک جیسے لیڈروں نے سوراجیہ حاصل کرنے میں
کامیابی حاصل کی۔ آپ نے مزید فرمایا کہ انہوں نے تمام لوگوں
کو ایک پرچم تلے یکجا کر کے ہی اپنے مقصد میں کامیابی
حاصل کی اور اپنی زندگی میں امید کی ایک نئی کرن روشن
کر کے ہمیں حصولِ مقصد کی راہ دکھائی۔

مرکزی وزیر کوئلہ اور کانیں شری وسنت ساٹھے نے
اپنی تعارفی تقریر میں فرمایا کہ لوک مانیہ تلک کے اصول ہمیشہ
ہماری رہنمائی کریں گے اور آپ نے نشاندہی کی کہ حقیقت میں
کانگریس پارٹی ایک دانشوروں کی تنظیم تھی لیکن لوک مانیہ تلک
نے اس کو عوامی تنظیم کا درجہ دلایا۔

مرکزی وزیر مملکت برائے اطلاعات اور نشریات
شری وی۔ این گاڈگل، مرکزی وزیر مملکت برائے سائنس
ٹیکنالوجی شری شیوراج پاٹل، دہلی ہائی کورٹ کے مسٹر
جسٹس واڈ، ممبران پارلیمنٹ، ممبرانِ اسمبلی اور دیگر ممتاز
افراد اس موقع پر موجود تھے۔

کمیٹی کے کارگذار صدر شری جی۔ اے بھٹکل نے شکریہ
ادا کیا۔

وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر یکم اگست
کو صبح منترالیہ میں آنجہانی شری لوک مانیہ تلک کی ۶۵ ویں
برسی کے موقع پر منعقدہ ایک سادہ سی تقریب میں آنجہانی
تلک کی تصویر کی گلپوشی کی۔

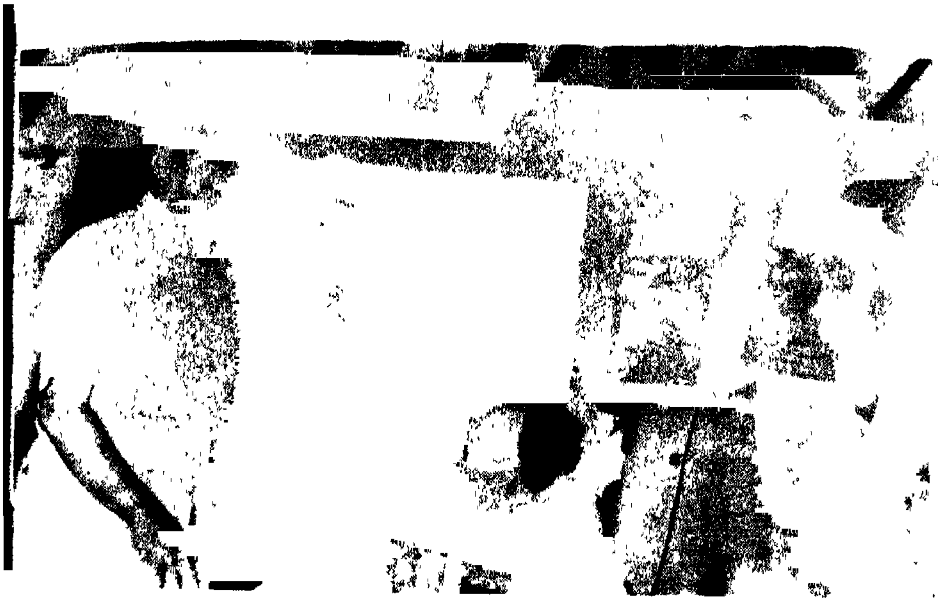
اس موقع پر لیجسلیٹو اسمبلی کے اسپیکر شری شنکر راؤ
جگتاپ اور شری نیلنگیکر کے کابینی رفقاء نے لوک مانیہ تلک
کی تصویر کے آگے گلاب کی کلیاں رکھ کر خراج عقیدت پیش کیا۔

چیف سکریٹری شری بھالچندر دیشکھ، ایڈیشنل چیف
سکریٹری شری بی۔ جے ہلوے، مختلف محکموں کے سکریٹری
صاحبان دیگر سرکاری افسر اور ملازمین نے بھی عظیم لیڈر کو
خراجِ عقیدت پیش کیا۔

مہاراشٹر ودھان بھون میں منعقدہ ایک دوسری تقریب



... ہاؤسنگ ... کی مرمت و از سر نو تعمیر
شری ... کے ہاتھوں ملاڈ میں ...
مقام ... درخت لگاؤ ... کا افتتاح کیا گیا
... کی تصویر۔



ڈاکٹر بھیم راؤ رام جی امبیڈکر کی سوانح حیات کے چھٹے اور ساتویں ایڈیشن کا افتتاح سابق وائس چانسلر ڈاکٹر ٹی ۔ سے۔ ٹوپے کے ہاتھوں ۱۸ جولائی کو امبیڈکر مہاودیالیہ ... بمبئی میں ہوا۔ اس موقع پر منصوبہ بندی کے سکریٹری شری ششی کانت ڈیتھنکر اور ساہتیہ سنسکرت منڈل کے صدر ڈاکٹر سریندر بار لنگے بھی تصویر میں نظر آرہے ہیں۔

میں لیجسلیٹو اسمبلی کے اسپیکر شری شنکر راؤ جگتاپ نے لوک مانیہ تلک کی تصویر کی گلپوشی کی۔ اس موقع پر حکومت مہاراشٹر کے وزراء، ریاستی لیجسلیچر کے عہدیداران بھی موجود تھے۔

ریاست میں توانائی کے غیر رسمی ذرائع کو مقبول بنانے کے لئے ایم ای ڈی اے کی تشکیل

حکومتِ مہاراشٹر نے توانائی کے غیر رسمی اور قابلِ تجدید ذرائع کی ترقی کے لئے مہاراشٹر انرجی ڈیولپمنٹ ایجنسی (ایم ای ڈی اے) قائم کی ہے۔ وزیر توانائی کو اس کا بلحاظ عہدہ ممبر اور اس ایجنسی کا چیرمین مقرر کیا ہے۔

اس خاص ایجنسی کا اعلان چیف سکریٹری شری بی۔ جی دیشمکھ کی صدارت میں منترالیہ میں توانائی کے غیر رسمی ذرائع کے ورکنگ گروپ کی حالیہ میٹنگ میں کیا گیا۔ محکمہ توانائی کے غیر رسمی ذرائع کے جوائنٹ سکریٹری مہیشور دیال بھی اس میٹنگ میں موجود تھے۔

میٹنگ میں ریاست میں توانائی کے غیر رسمی ذرائع کے استعمال کے مقبول ہونے کے بارے میں کی گئی ترقی کا بھی جائزہ لیا گیا۔

ریاست نے گذشتہ تین سالوں میں نیشنل پروجیکٹ فار بائیو گیس ڈیولپمنٹ پروگرام کی قابلِ دید ترقی کی ہے۔ اور ۸۶ - ۱۹۸۵ء کے دوران ۶۰۰۰۰ بائیو گیس پلانٹوں کے تعمیر کئے جانے کا ایک نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔ شمسی توانائی چولہے کو مقبول بنانے کے لئے ۲۵۰ روپے بطور امداد (۱۵۰ روپے حکومتِ ہند اور ۱۰۰ روپے ریاستی حکومت کی جانب سے) فی چولہا دی جاتی ہے۔

ایم ایس ایس آئی ڈی سی کی جانب سے چلائی گئی اس اسکیم کو ۸۴-۱۹۸۳ء میں جاری کیا گیا تھا۔ اب تک ۸۳۳۰ شمسی توانائی چولہے لگائے گئے ہیں۔

میٹنگ میں بغیر دھویں کے چولہے کو صنعتوں میں متعارف کرانے اور دیہی علاقوں میں شمسی طاقت کا استعمال کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔

میٹنگ میں ایڈیشنل چیف سکریٹری شری بی۔ کے ... اور منترالیہ میں متعلقہ محکموں کے سکریٹری صاحبان نے شرکت کی۔

...انے غیر ملکی سفیروں کے
...یں ٹی پارٹی دی

...علا شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے ۵ اگست
...ٹ ہاؤس میں بمبئی میں مقیم غیر ممالک کے سفیروں
... ایک ٹی پارٹی دی۔ اس پارٹی میں مختلف
... ۵۲ سفیروں نے شرکت کی۔
...قع پر وزیر مملکت برائے پروٹوکول پروفیسر
...ڈیشنل چیف سکریٹری شری بی۔ سی چوگلے۔
...ٹریشن اور پروٹوکول سے سکریٹری شری پی پی مہاسانہ،
...پرائیویٹ سکریٹری شری شرد کالے اور ڈائرکٹر جنرل
... اینڈ پبلک ریلیشنز شری ایس۔ سی سنگنے موجود تھے۔

...ٹی۔وی ریلے اسٹیشن کیلئے
...روپے خرچ کئے جائیں گے

...اشٹر میں اجنکیا تارا فورٹ ستارا میں ایک مزید کم
...ی ٹرانسمیٹر (ایل پی ٹی) کی جس کی رینج ۲۵
...رگی۔ نصب کرنے کی منظوری دے دی گئی ہے۔ اس
... ستارا، پٹن، کورے گاؤں جاولی وغیرہ سے
...۲ دیہاتوں کو فائدہ پہنچے گا۔ فی الحال یہ مقامات
... سے منسلک تھے لیکن ان کی کارکردگی غیر اطمینان بخش

...ھ روپے بشمول زیر تعمیر عمارت کے لئے ۳ لاکھ
... سے یہ ٹی وی ریلے اسٹیشن قائم کیا جائے گا۔
...تے ایل پی ٹی ایس کی تعداد ریاست مہاراشٹر میں
... ۱۹ لگائے گئے اسٹیشنوں کے علاوہ بمبئی، پونے
... تین اعلیٰ طاقتی ٹرانسمیٹرس نصب کئے گئے ہیں۔
...ٹی۔وی ریلے اسٹیشن انسیٹ بی۔۱ کے ذریعے
...اسٹیشن سے پروگرام حاصل کر کے ریلے کرے گا۔
...ل وہاں ۲۱۰۹ ٹی۔وی سیٹس بشمول ۲۴۰ ایجنسی کی
...اسکیم کے تحت چلائے جا رہے ہیں۔ ریاست

میں ۲۱۲ سیٹس ادیواسی علاقوں میں لگائے گئے ہیں۔

وزارت اطلاعات و نشریات، حکومت ہند نے رواں مالی سال کے دوران ستارا میں ٹی وی اسٹیشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں ضروری آلات موصول ہو گئے ہیں اور جیسے ہی عمارت مکمل ہو جائے گی انہیں اس میں نصب کیا جائے گا۔

بمبئی میں 'اپ۔لنک' کے قائم ہو جانے سے ریاست میں واقع تمام ایل پی ٹی ایس ٹی وی ریلے اسٹیشنوں سے سیدھے کام کرنے لگیں گے، جس سے بمبئی ٹی وی اسٹیشن سے پیش کردہ پروگرام وہاں بھی دکھائے جائیں گے۔ فی الحال تمام ایل پی ٹی ایس پروگرام دہلی سے ریلے کئے جاتے ہیں۔

فی الحال ضلع ستارا میں ۱۸۲ کمیونٹی ٹی وی سیٹس ہیں۔ اور اس ٹرانسمیٹر کے لگ جانے سے ان کی تعداد میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

معذوروں کے لئے اسپیشل ایمپلائمنٹ ایکسچینج

حکومتِ مہاراشٹر نے نابینا، بہرے، گونگے اور دماغی طور سے کمزور معذوروں اور جذام اور کینسر سے شفایاب ان پڑھ یا اعلیٰ تعلیم یافتہ معذوروں کے لئے ایک اسپیشل ایمپلائمنٹ ایکسچینج جاری کیا ہے۔

بمبئی علاقے میں رہنے والے ایسے افراد کو ذاتی روزگار اور مناسب روزگار میں لگانے کی تربیت دی جائے گی۔ انہیں آگاہ کیا جاتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں ایمپلائمنٹ افسر اسپیشل ایمپلائمنٹ ایکسچینج فار ہینڈی کیپڈ۔ مظفر آباد ہال پروکٹر روڈ گرانٹ روڈ بمبئی ۴۰۰۰۰۷ سے رابطہ قائم کریں۔

آپ سے گذارش ہے کہ خط و کتابت کرتے وقت یا رقم خریداری بھیجتے وقت اپنا پتہ، خط اور منی آرڈر کوپن پر صاف صاف لکھیں تاکہ غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔

• ڈاکٹر بشیر بدر
ڈی ۱۲۰، شاستری نگر، میرٹھ (یوپی)

کئی برسوں سے میں نے "قومی راج" دیکھنا بند کردیا تھا ۔ اس پرچے میں شاعری کی بڑی بے حرمتی ہوتی تھی ۔ اب شاید آپ کی آمد سے غزلیں وغیرہ مناسب جگہ و ترتیب سے چھپنے لگی ہیں ۔

حاضر ہے ایک غزل "کیا یہ غزل ہے" ! بہرحال کچھ نہ ہوکر بھی کچھ ہے ضرور ۔ اس کا چھپنا اگر مناسب ہو تو شائع فرمادیں ۔

★

• قاضی انصار
قاضی پورہ، کھنڈوہ (ایم پی) ۴۵۰۰۰۱

عرصے سے "قومی راج" نہیں دیکھ پایا ۔ لیکن پھر بھی اس کے لئے دل میں ایک خاص جگہ ہے ۔ دیسے احباب سے معلومات ہوئی کہ آپ کی ادارت میں اس کا معیار بڑھ گیا ہے ۔ پرچہ خوبصورتی میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا ۔ کتابت، طباعت اور کاغذ اعلیٰ معیار کے ضامن ہیں اور مضامین کے علاوہ حصہ نظم پر آپ کی توجہ خاص ہے ۔

★

• عبدالصمد رضا
سیکریٹری انجمن پاسبانِ ادب، امراؤتی ۔ ۴۴۴۶۰۱

قومی راج " باقاعدگی سے مل رہا ہے ۔ معیاری مضامین، نظمیں، غزلیں ہوتی ہیں ۔ یہاں اس رسالے کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے ۔ کیونکہ معلوماتی مضامین، اور حصۂ نظم سے ہمیں استفادہ حاصل کرنے کا موقع مل رہا ہے ۔

★

• عبدالستار
نیا پورہ ۔ مالیگاؤں ۔ ضلع (ناشک)

" قومی راج " آپ کی توجہ سے دن بہ دن نکھر رہا ہے اور سنور رہا ہے ۔ نظم و نثر کا انتخاب خوب ہے ۔ تصاویر بھی سلیقہ سے نظر آتی ہیں ۔ کمی ہے تو بس کہانیوں کی ۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ مراٹھی ادبی کہانیوں کو اردو میں پیش کریں .....؟ مجھ سے پیشتر بھی قارئین اس طرف آپ کی توجہ دِلا چکے ہیں ۔ اس طرح رسالہ کو نیا حسن ملے گا اور وہ اردو داں طبقہ جو مراٹھی سے ناواقف ہے مراٹھی ادب کی رنگارنگ خوبیوں سے واقف ہوسکے گا ۔ بسم اللہ کر ہی دیجئے ۔

★

• اے ۔ مجید (پرفیسر)
یوسف چیمبر ۔ بائیکلا اسٹیشن ۔ بمبئی ۴۰۰۰۲۷

تازہ شمارہ میں جہاں اہم ریاستی خبریں ہیں ۔ وزیراعلیٰ کا پالیسی بیان ہے ۔ نئے وزراء کے نئے قلمدان وزراء کے تعارف اور تصاویر کے ساتھ شامل ہیں ۔ وہیں پروفیسر جگن ناتھ آزاد اور جناب رشید الدین کے قابل قدر مقالات، رباب جعفری کی خوبصورت نظم، حسین شہزادی، اور عامر برقی کا کلام بہت خوب ہے ۔ "موتی کے دانے" پر بہت کافی اچھا تبصرہ پڑھنے کو ملا ۔

مبارکباد کے مستحق ہیں آپ سب، اور بطور خاص حکومت مہاراشٹر ۔

جیسا کہ اکثر قارئین نے اظہارِ خیال کیا ہے ۔ میں بھی اور میرے احباب بھی اس بات سے متفق ہیں کہ "قومی راج" اپنی مثال آپ ہے اور تمام سرکاری و غیر سرکاری جرائد میں اپنا منفرد مقام رکھتا ہے ۔

اتنا اعلیٰ مواد تو دیگر ماہناموں میں بھی نظر نہیں آتا ۔ جتنا کہ اس پندرہ روزہ میں پڑھنے کو ملتا ہے ۔

"قومی راج"
کی خریداری مہم میں
حصہ لیجئے اور
اپنی رائے ضرور لکھیئے ۔ !

PRINTED AT THE GOVT. PHOTOZINCO PRESS, PUNE-1986

بھنڈی کا پودا ...
جو زرعی سازوسامان
کو پورا کرنے کے لئے
لکڑی فراہم کرتا ہے ۔





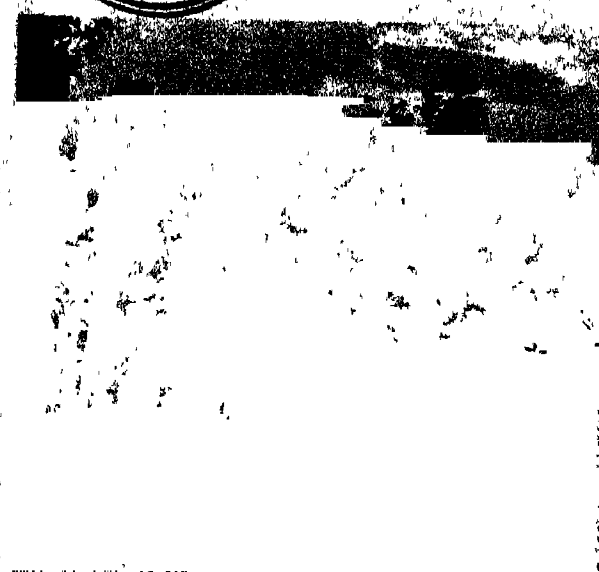






[illegible] کے درخت
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہیں [illegible]
[illegible] ہیں ۔

ایک ساتھ
لگائے گئے
بہت سے
پودے ۔



قومی راج

خصوصی آزادی نمبر ۲۵ اگست ۱۹۸۵ء





لوکمانیہ تلک کی ۶۵ ویں جینتی، دلّی میں بھی منائی گئی۔ وزیراعظم شری راجیوگاندھی اس تقریب میں مہمانِ خصوصی کے طور پر شریک تھے۔ مرکزی وزیر برائے فولاد اور مہاراشٹر ثقافت سمیتی کے صدر شری وسنت ساٹھے نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ تصویر میں وزیراعظم لوکمانیہ تلک کے مجسمے کو پھولوں کی مالا پہنا رہے ہیں۔



کانگریس صدسالہ جشن کی اختتامی تقریب کا آغاز ۹ اگست کے روز شانمکھانند ہال بمبئی میں بھارتیہ کانگریس صدسالہ جشن کی کنوینر شریمتی شیلا کول کے ہاتھوں ہوا۔ تصویر میں وزیراعلیٰ شری شیوراجی راؤ پاٹل نیلنگیکر، مہاراشٹر کانگریس (آئی) کی صدر شریمتی پربھاراؤ اور بمبئی پردیش کانگریس (آئی) کے صدر شری مرلی دیورا دیپ روشن کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ تصویر میں شریمتی شیلا کول بھی نظر آرہی ہیں۔





۹ اگست کا دن "یومِ شہیدانِ آزادی" کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اسی روز مجاہدینِ آزادی کو خراجِ عقیدت پیش کی جاتی ہے۔ وزیراعلیٰ شری شیوراجی راؤ پاٹل نیلنگیکر شہیدانِ آزادی کی یادگار پر پھول چڑھاکر خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

خصوصی آزادی نمبر

قومی راج

جلد نمبر ۱۲ شمارہ نمبر ۱۶

ہندی، مراٹھی، گجراتی، سندھی، انگریزی اور اردو
چھ زبانوں میں شائع ہونے والا پندرہ روزہ
(ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے)
.. دس روپے قیمت فی کاپی ۵۰ پیسے
۲۵ اگست ۱۹۸۵ء

ترتیب

*

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०–१९८५

چیف ایڈیٹر :- شری ایس۔ کے۔ سگنے

ایڈیٹر :- فیروزہ فیاض خان

مراسلت کا پتہ :-

ایڈیٹر قومی راج
ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
گورنمنٹ آف مہاراشٹر،
۱۵ واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ
مقابل منترالیہ۔ بمبئی ۳۲ ۴۰۰۰

فون نمبر
۲۰۲۰۶۵۱
۲۰۲۳۹۵۷
۲۰۲۳۰۰۶

ترسیل زر کا پتہ

اسسٹنٹ ڈائرکٹر (ایڈمنسٹریشن ۲)
ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
گورنمنٹ آف مہاراشٹر،
بیرک نمبر ۱۹، مقابل سروچی بلڈنگ،
نزد منترالیہ، بمبئی ۲۹ ۴۰۰۰



قوم کی ترقی اور ایکتا کیلئے خود کو وقف کر دیجیے

یوم آزادی کے موقعہ پر وزیر اعلیٰ کا پیغام!

وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے آل انڈیا ریڈیو سے نشر اور دوردرشن سے ٹیلی کاسٹ کیے گئے آزادی کی ۳۸ ویں سالگرہ کے موقع پر جو کہ مہاراشٹر کے سلور جوبلی سال کے دوران منائی جا رہی ہے، اپنے پیغام میں آزادی کی راہ میں اپنی عزیز جانیں وطن پر نچھاور کر دینے والے شہیدوں کی قربانی کو یاد کرتے ہوئے عوام سے اس مبارک موقعہ پر قوم کی ترقی کے لئے قومی یکجہتی کی فضاء قائم کرنے میں بھرپور تعاون دینے کی اپیل کی۔

وزیر اعلیٰ کے پیغام کا متن درج ذیل ہے :-

" میں آزادی کی ۳۸ ویں سالگرہ جو کہ مہاراشٹر کے سلور جوبلی سال کے دوران منائی جا رہی ہے کے موقعہ پر مہاراشٹر کے عوام کو پرجوش مبارکباد دیتا ہوں۔

برطانیہ کی ۱۵۰ سالہ دورِ حکومت میں حصولِ آزادی کی خاطر بہت سے مجاہدینِ آزادی نے اپنی قیمتی جانیں وطن پر قربان کر دیں اور ہماری یہ آزادی دراصل وطن کی راہ میں خود کو وقف کرنے والے ان شہیدوں کی ہی مرہونِ منت ہے اور ان ہی کے اس عظیم جذبے کو مشعلِ راہ بنائے ہوئے ہم جمہوریت اور منصوبہ بند ترقی کی جانب پیشقدمی جاری رکھے ہوئے ہیں۔

مجاہدین آزادی کو خراجِ عقیدت پیش کرنا ہمارا فرض ہے ۔ آپ کی طرف سے میں تمام معروف و غیر معروف مجاہدین
زادی کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں اور ہمارے درمیان موجود مجاہدین آزادی کو دلی مبارکباد دیتا ہوں ۔
گرچہ ہمارا خاص مقصد سیاسی آزادی حاصل کرنا تھا ۔ ہماری دِلی خواہش یہ بھی تھی کہ ہم ہماری عوام کے لئے معاشی
رسماجی انصاف حاصل کریں ۔

اس سال کانگریس اپنی صد سالہ تقریبات منا رہی ہے ۔ تاریخی شہر بمبئی میں اس تنظیم کا جنم ہوا تھا ۔ پدر قوم نے
ن تاریخی شہر سے ہی غیر ملکی حکمرانوں کو " بھارت چھوڑ دو " کا حکم دیا ۔ گزشتہ ۳۸ سال کے دوران ہم پیداوار کے بعض
ینکڑوں میں خود کفیل ہو گئے ہیں لیکن ہمیں اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے راستے میں کئی ایک مسائل کا سامنا کرنا
رہا ہے ۔ ہم ان تمام دشواریوں پر قابو پا کر ہی اپنی منزل کی جانب رواں ہو سکتے ہیں ۔

ہمارے قومی رہنماؤں نے ہم سے یہ توقعات وابستہ رکھی ہیں اور اب بھی ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم مختلف طبقوں اور
ں و دھرموں میں بٹے رہنے کے باوجود بہ حیثیت ایک قوم اپنی زندگی گزاریں کئی طوفانوں نے ہماری ایکتا کو منتشر کرنے
شش کی لیکن ہم نے ان پر قابو پالیا اور قومی یکجہتی کو برقرار رکھا ہمیں قدرتی طور پر اس مدت کے دوران کئی ایک طوفانوں
ستگی یا غیر دانستگی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔ لہٰذا ہمیں اس مبارک موقع پر اپنے حصولِ مقصد کے لئے خود کو
ت کر دینے کا عہد کرنا ہوگا ۔

پنجاب کا مسئلہ کچھ دنوں تک ہمارے لئے پریشانی کا سبب بنا جسے ہمارے دُور اندیش رہنما اور وزیر اعظم
راجیو گاندھی کی مدبرانہ کاوشوں سے حال میں حل کیا گیا ۔ ہمیں بنا کسی بھید بھاؤ کے اپنے ملک کو خوشحالی کی جانب لے
ہے ۔ جس کے لئے ہمیں اپنے مسائل کا حل پُر امن طور پر اور ہم آہنگی کے ذریعہ کرنے کا عہد کرنا ہوگا "

" آزادی کوئی جادو نہیں ہے جس سے خود بخود ہماری غربت
اور مشکلات ختم ہو جائیں ۔
آزادی سے صرف ایک در کھلتا ہے ۔ جس سے صدیوں کا
ٹھہراؤ دُور ہوتا ہے ۔ آزادی کے صرف یہی معنی ہیں ۔ اس بات کا پروانہ
نہیں ہے کہ جو ہمارے جی میں آئے وہ کریں ۔ اس سے تو ہمیں موقع ملتا
ہے کہ اپنا فرض انجام دیں ۔ "

— آنجہانی شریمتی اِندرا گاندھی

• سید جبیں (ایم۔اے)
آکاش اپارٹمنٹ - ۱۳ واں منزل آگری پاڑہ، بمبئی ۴۰۰۰۱۱

جدّوجہد آزادی میں مہاراشٹر کا حصّہ

مسکراتی ہوئی آیا صبح کے پیچھے ہزاروں چاند ستاروں کا خون پوشیدہ ہے۔ آزادی کی صبح میں بھی انیس ہزاروں قربانیوں کی داستان چھپی ہے۔ نومبر ۱۸۱۷ء ڈھلوں کے دروازے پر یونین جیک لہرایا گیا اور ۲۵ مسلح انگریز فوجیوں نے مراٹھا وقار کو پیچھے دھکیل دیا۔ اور مکمل طور پر انگریزوں کا سکہ جم گیا۔ جس طرح مراٹھا آخری ہندوستانی تھے جنہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔ اسی طرح وہ پہلے ہندوستانی بھی تھے جنہوں نے انگریزوں کی سامراجیت کے خلاف آواز بلند کی۔

پیشواؤں کا دَور ختم ہونے سے قبل ہی یعنی ۱۸۰۲ء میں بسین کے معاہدے کے تحت پیشوا باجی راؤ دوم انگریزوں کے قبضے میں تھا۔ پیشوا اس ہتک کو ناقابل برداشت سمجھتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ عوام میں بے چینی تھی ان تمام باتوں کا جائزہ لینے کے بعد گو پیشوا نے بہادر ترمبک جی ڈینگلے کے ذریعے گوریلا جنگ کروائی مگر سب بے سود ثابت ہوا۔

۱۸۲۶ء میں اوماجی نائیک نے سب سے قبل مہاراشٹر میں برطانیہ سامراج کے خلاف جنگ جاری کی اور انگریزوں کے علاقوں کو لوٹنا شروع کیا۔ اس نے کسانوں کو بھی یہی صلاح دی کہ وہ انگریزوں کو ٹیکس نہ دیں آخر کار اسے ۱۸۳۱ء میں گرفتار کر لیا گیا اور ۱۸۳۲ء میں انگریزوں کی حکومت سے بغاوت کے جرم میں پھانسی دے دی گئی۔

چونکہ کوئی مرکزی طاقت ترمبک ڈینگلے اور اوماجی نائیک کی پشت پناہی کرنے والی نہ تھی اس وجہ سے دونوں کو باوجود اولعزمی کے شکست کھانی پڑی۔ اسی قسم کی تحریکیں زبردست رہنمائی چاہتی ہیں اگر اس وقت مہادجی شندے ___ یا ___ نانا فرد نویس جیسے لوگ ہوتے تو شاید تاریخ کچھ اور ہوتی۔ جب کمپنی کی فوج نے پونے پر قبضہ کر لیا اور پیشوا کو ۸ لاکھ روپے سالانہ بھتہ دینے کی منظوری دے دی تو کمپنی نے اس وقت یہی سوچا تھا کہ پیشوا ان تمام حالات کی بناء پر جلد ہی دنیا سے اٹھ جائیں گے مگر اس کے برخلاف پیشوا ۱۸۵۱ء تک راضی و رضا زندہ رہا۔

۱۸۵۷ء میں نانا صاحب نے اپنے گود لئے ولی عہد کے ہمراہ جنگِ آزادی میں انگریزوں کے خلاف لڑنے میں دیگر مراٹھا رہنماؤں کا ساتھ دیا۔ جن میں تانتیا ٹوپے، رانی لکشمی بائی وغیرہ شامل تھے۔ شاید یہ جنگ بھی نہ ہوتی اگر لارڈ ڈلہوزی کی

الیساں راجاؤں کے بچے گود لینے کے متعلق نہ ہوتیں
فی جاگیروں پر راج کرنے دیا جاتا تو وہ بھی اس وقت
ہتے ۔ اس وقت تمام ہندوستان متحد ہو کر نہیں
ن گروہوں میں تقسیم ہو کر اپنے اپنے مفاد کے
، جس کی بناء پر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب
جیسے بیھور پیشوا چاہتے تھے کہ جو تھ اور سردیش مکھی
واپس لیں ۔ اس وجہ سے وہ بھی بغاوت پر آمادہ ہو گئے ۔
شرہ نوجوانان جب انگریزوں کے ثقافتی اور تعلیمی
روشناس ہوئے تو یقیناً انہیں برطانیہ حکومت سے
کو از سرِ نو زندہ کرنے میں زیادہ دلچسپی نہ تھی ۔

پہلا مراٹھی پرچہ "درپن"، ۱۸۳۲ء میں شروع ہوا اور بمبئی یونیورسٹی کا قیام ۱۸۵۷ء میں ہوا ۔ ایم جی ۔ راناڈے اس کے پہلے گریجویٹ تھے ۔

اخبار کے شروع ہونے سے ایک جگہ کی خبریں دوسری جگہ پہنچنے لگیں اور اسی طرح جدید نیشنلزم کی بنیاد پڑی — حب الوطنی کا نیا جذبہ بیدار ہوا اور انہیں اخباروں سے لوگوں کو علم ہوا کہ گوئٹے نے کالیداس کی شکنتلا کا نہ صرف ترجمہ کیا بلکہ اسے بہت سراہا ہے ۔ نیز انہیں خبروں میں سر ولیم جونز کے اور نیشنلزم کے بارے میں لوگوں کو جانکاری حاصل ہوئی ۔ اب لوگوں نے اس بات کو بھی محسوس کر لیا کہ جنگ آزادی ہر محاذ پر لڑی جائے گی ۔ چاہے وہ تہذیبی ہو،



ویر واسودیو بلونت پھڈکے



ویر ساورکر



راجگرو

لۂ کی جنگِ آزادی خاص طور پر روایتی فیوڈلزم
نظام کو از سرِ نو جاری کرنے کے لئے لڑی گئی
سرے لوگ وطن پرست تو تھے مگر وہ چاہتے
ی قدروں سے دوچار ہو اور وہ اسے یورپ
تی انقلاب کی بنیاد پر ڈھالنا چاہتے تھے ۔
، ہربرٹ سپنسر، آدم سمتھ اور جان مشار مل
لات کو وہ عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے ۔

تعلیمی ہو، انٹلیکچوئیل ہو یا معاشی و سیاسی ۔ اور اب سماج کو جاگیردارانہ نظام کی ضرورت نہیں ہے ۔

لوک مانیہ تلک ان نئے معماروں میں سے ایک ہیں جو ۱۸۵۷ء کے چند سال بعد پیدا ہوئے ۔ ان میں تاریخی، اور سیاسی شعور بہت گہرا تھا ۔ وہ پندرہویں صدی کی اس رومان پرور حب الوطنی، شان و شوکت بادشاہت رجواڑوں کے حق میں نہ تھے ۔ تلک ریاضی داں تھے جیسا کہ گنگا دھر گاڈگل

نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ریاضی کی طرح ہمیشہ سے خواہاں تھے۔ وہ ہندوستان کے عظیم سپوت تھے۔ انہوں نے لوگوں میں سیاسی شعور کو بیدار کرنے کی انتھک کوششیں کیں۔ اور اسی کے لئے اخبار کو ذریعہ بنایا۔ انہوں نے جنوری ۱۸۸۱ء میں "کیسری" کی اشاعت شروع کی۔ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ اب بھی ہندوستانی سماج روایتوں میں جکڑا ہوا ہے اور وہ جدیدیت کو فوراً قبول نہیں کرے گا۔ اس وجہ سے انہوں نے لوگوں کے جذبات کو ٹھیس پہونچائے بغیر بہتری اور اصلاح کے اقدام کئے اس طرح وہ ان اصلاح پسندوں

ان کے نقش قدم پہ گامزن ہے۔

مہاراشٹر کے مجاہدین آزادی میں دوسرا اہم نام واسودیو بلونت پھڑکے کا ہے۔

پیدا ۴ نومبر ۱۸۴۵ء میں ضلع کولابا (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا اننت راؤ پھڑکے نے ان کے لئے ایک بکرا گاڑی بنائی تھی۔ وہ دن رات اسی پر سوار گاؤں کی گلیوں میں گھوما کرتے تھے۔ ان کے والد بھی پہلوان تھے اور چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا فوج میں افسر بنے۔ وہ افسر تو نہیں بنے، مگر انہوں نے آزاد فوج بنائی اور اس کے سپہ سالار بنے۔ بعد میں



لوک مانیہ تلک — گوپال کرشن گوکھلے — دامودر چافیکر

سے بھی علیحدہ ہوگئے جو جلد از جلد تبدیلیوں کے خواہاں تھے اور اپنی جنگجو و ہار نہ ماننے کی عادت سے سیاسی میدان میں اعتدال پسند گوپال کرشن گوکھلے، گاندھی جی جیسے لیڈروں سے بھی الگ ہوگئے اعتدال پسندوں کا کہنا تھا کہ سرکار کو مشتعل کئے بنا آزادی کی کوششوں کو جاری رکھا جائے۔

تلک کے خیال میں جمہوریت معاشی اصلاح کا نتیجہ ہے۔ وہ اپنے وقت سے بہت آگے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جمہوریت کی شروعات کے لئے سماجی، تعلیمی اور معاشی محاذوں پر بھی جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے۔ شکر ہے کہ انہوں نے جس بات کی بنیاد رکھی آج بھی انڈین نیشنل کانگریس

شہید اعظم کہلائے۔

واسودیو، رانا ڈے سے بہت متاثر ہوئے اور ان کے اس خیال سے پوری طرح متفق تھے کہ انگریز ہمارے ملک کی صنعت کو تباہ و برباد کر رہے ہیں اور اسے انگلینڈ پہنچا کر اپنے ملک کو مالامال کر رہے ہیں۔ انہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی کہ ملک کی ابتری کی وجہ ملک کی غلامی ہے اور آزادی ملک کی خوشحالی کا دروازہ ہے۔

مہاراشٹر کے پہاڑی یا جنگلی علاقے میں بڑے جنگجو ہوتے ہیں۔ لوٹ مار کرنا اور پہاڑوں پر چڑھ جانے میں یہ

رہیں ، اور پھر تیلے وبہادر بھی ہیں۔ چنانچہ واسو دیو نے
سے یارانہ کیا یہ لوگ راموشی کہلاتے ہیں۔ ان کی ایک
ی جو سرکاری خزانے لوٹتے رہے۔ اس طرح بہت جلد
کے پاس کافی پیسہ اکٹھا ہوگیا ان لوگوں نے ۱۳ مئی
ء کو پونے کے بیشرام باغ اور بدھوار پیٹھ میں سرکاری
ایسے آگ لگائی کہ کچھ نہ بچا۔
میجر ڈینیئل نے آخر میں انہیں دھوکے سے گرفتار کرلیا
جیل میں قید کیا گیا جہاں انہیں تپ دق ہوگیا اور
ی سنہ ۱۸۸۳ء کو وہ وہیں شہید ہوگئے۔
آزادی کی جنگ میں مہاراشٹر کے تین چافیکر بھائیوں کو
بھلایا جا سکتا ہے۔ تینوں بھائی شادی شدہ تھے۔
پسند تھے۔ مگر ملک سے انگریزوں کو نکال دینا چاہتے
ان کی تہذیب وتمدن کو برباد کررہے تھے
لہ میں تینوں بھائی ہم خیال تھے۔ ان کے والد چونکہ کیرتن کار
دا مودر ہری چافیکر کو زندگی بھر کیرتن کار بننا
تھا۔ انہیں لڑنے کا شوق تھا۔ پونے میں کئی جگہ اکھاڑے
اور اپنے ساتھیوں کو انگریزوں کے خلاف لڑانے
ب دی۔
اس وقت پونے میں زبردست طاعون پھیلا تھا، اور
زینا فسر رینڈ جو بہت سخت گیر تھا۔ عورتوں اور
کو ننگا کرکے دیکھتا تھا کہ انہیں طاعون تو نہیں ہوگیا۔ یا
سم میں طاعون کے جراثیم تو نہیں ہیں۔ تلک نے بھی
سری میں مسٹر رینڈ کی سخت کارروائیوں کی شکایت
س پھر کیا تھا۔ دامودر ہری چافیکر سب کچھ چھوڑ کر
اقب کرنے لگے اور ملکہ وکٹوریہ کے ساٹھویں جشن
شی کے وقت اسے مار ڈالا۔ سنہ ۱۸۹۷ء میں اس جرم
اپریل سنہ ۱۸۹۸ء کو انہیں پھانسی دے دی گئی۔ ان
دسرے بھائی بال کرشن ہری چافیکر اس سازش میں
شریک تھے، مگر وہ پولس کے ہاتھ نہ لگے اور ان پر
روپے کا انعام رکھا گیا تھا۔ روپے کے لالچ میں ان کا پتہ
یا گیا اور ۸ ارمارچ سنہ ۱۸۹۹ء میں انہیں پھانسی کی
سنایا گیا اور دو ماہ بعد انہیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔
ن دو جانثاروں کے تیسرے بھائی کا نام ہے واسودیو
ہری چافیکر، جس نے ان دو دراوڑ بھائیوں کو مار ڈالا جنہوں
نے پولس کو ان کے بھائی کا پتہ بتایا تھا۔ واسودیو کو اپنے بڑے
بھائی سے چار روز قبل یعنی سنہ ۱۸۹۹ء کو سولی پر چڑھایا گیا۔

سنہ ۱۹۰۵ء میں جب بنگال تقسیم ہوا تو ملک میں انقلاب
کی لہر دوڑ گئی۔ مہاراشٹر میں بھی انقلابی لیڈر ونائیک دامودر
ساورکر نے ایک پارٹی بنائی اور اسے "ابھینو بھارت"
کا نام دیا۔ انہیں کی پارٹی میں اننت لچھمن کنیرے شامل
ہوگئے جنہوں نے جیکسن جو کہ ناشک کے کلکٹر تھے، اپنے
دو دوست دیشپانڈے اور کروے کیساتھ مل کر جیکسن کو ایک
تقریب میں ختم کردیا۔ بعد میں تینوں کو پھانسی کی سزا ملی۔

اسی طرح ایک اور نام ہے وشنو شاستری چپلونکر
کا جو کہ تلک کے ساتھ مل کر مہاراشٹر میں حب الوطنی کا
جذبہ بیدار کرنا چاہتے تھے۔ ان کے علاوہ اگرکر جو کہ مصلح بھی تھے
انہوں نے بھی کیسری میں تلک کے ساتھ کام کرنا شروع
کیا تھا بعد میں نظریاتی اختلاف کی بنا پر ان میں ان بن
ہوگئی جو کافی دنوں تک چلی۔

ہندوستان کی جنگ آزادی میں مہاراشٹر کا حصہ ناقابل
فراموش ہے اور اس سلسلہ میں ڈانگے کا نام لئے بناء یہ مضمون
نامکمل ہوگا مگر مارکسزم کی اندھی تقلید ملتی ہے۔ ہندوستان
میں صحیح معنوں میں سوائے کپڑے کی صنعت کے اور کوئی صنعت
منظم نہ تھی۔ اس وجہ سے صنعتی Proletarian نہیں تھے۔ ہندوستان
اس وقت فیوڈل زرعی سوسائٹی تھا، جہاں صنعتی انقلاب
ابھی کافی دور کی بات تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مہاراشٹر میں بھی
جبکہ انہیں بہت اونچا مقام دیا گیا مگر ان کی مارکس اور لینن کے
نظریات پر سختی سے عمل آوری نہیں کی گئی۔

مہاراشٹر کے عوام نے تلک کی حقیقت پسندی، اور
گاندھی جی کی انسانیت پروری کی پیروی جو کہ کثرت میں وحدت
کی حامی تھی اور نہرو جی کے سوشلزم اور سائنٹیفک سیکولرزم
اور جمہوریت کو سراہا۔ یہاں جدیدیت اور پرانی روایتوں
کے سنگم کو جگہ ملی۔

●●

ڈاکٹر کے۔ بھگتہ وتسل راؤ
بی-۱-۳-۱۱۳۴-۲-۲ - پوسٹ آفس لین -
نیو نلہ کنٹہ - حیدرآباد ۵۰۰۰۴۴

ڈاکٹر راجندر پرشاد

ہندوستان کی آزادی کے لئے کئی مجاہدین، رہنماؤں نے، کارکنان نے قربانیاں دی ہیں۔ کئی خدمات انجام دیئے ہیں۔ کئی کارنامے کر دکھلائے ہیں۔ ان کارناموں کے اعادہ سے آئے دن عوام فلاح و بہبود کے کاموں میں منہمک رہ جانے کے لئے کئی مواقع ہاتھ آتے ہیں۔ وقف ہوجانے کا جذبہ اجاگر ہوتا ہے۔ حب الوطنی کی افزائش ہوتی ہے۔ مشکلات سے دوبھی ہوجانے کے باوجود وہ لوگ روشن خیال واقع ہوئے تھے۔ وسیع النظری تھی۔ دل میں کشادگی تھی۔ جذبہ ایثار تھا۔ تحمل کا پیمانہ لبریز تھا۔

دیش کی خدمت انجام دینے والے سورماؤں میں، سریندرناتھ بنرجی، اروبند گھوش، گوکھلے، تلک، گاندھی ہیں تو دستور ہند بننے کے بعد ملک کو صحیح راستہ پر گامزن کرنے والوں میں پنڈت نہرو، آزاد، راجندر پرشاد، پٹیل گنے جاتے ہیں۔ خیالات متضاد ہونا ایک انسانی کیفیت ہے لیکن گفتگو میں سلیقگی، مٹھاس رہ پاتا ایک فعل نیک ہے۔ ملک کی خوش قسمتی ہے۔ ایک کرشمہ حیات ہے۔ پنڈت نہرو اور بابو راجندر پرشاد کی دوستی تیس سال کی تھی۔ ایک وزیر اعظم تھے تو دوسرے ملک کے پہلے آدمی صدر جمہوریہ ہند حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے میں کئی امور کو سلجھانے کا کام وزیر اعظم کے ذمے اور عوام کی بھلائی کے لئے فیصلوں کی منظوری دینا صدر جمہوریہ کے ہاتھوں ایک سنگم تھا ان دونوں میں۔ فلاح یکجہتی تھی ان دونوں میں۔ حکومت کو تنبیہ دینے میں، مشورہ دینے میں وہ کبھی پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ کئی پارلیمانی بلس میں ترمیم بھی کروائے۔ سماجی شعور پیدا کرنے والے بل جیسے ہندو کو[ڈ] بھی صدر جمہوریہ کو پیش کئے گئے، سزائے موت کی درخواستو[ں] انہوں نے معائنہ کرکے تاحیات قید میں تبدیل کیا۔ رحم کی د[رخواستوں] پر غور کرنا بھی ایک مشکل کام ہوتا ہے صدر جمہوریہ کے لئے۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد ہر ایک سے سے پیش آتے تھے۔ سفیروں سے، ملاقاتیوں سے، ا[...] گاؤں والوں سے، ساتھیوں سے، وزیروں سے، گور[نروں سے]

سے بھرپور محبت سے باتیں کرتے تھے ۔ وہ اجات شترو تھے ۔ ملنساری کا جذبہ ایک بحیرہ سا تھا ان میں ۔

ایسے مہان پرش، محبِ وطن کا جنم ۳ر دسمبر ۱۸۸۴ء ، کو "جرادے" ریاست بہار کے ضلع سرن میں ہوا۔ ان کی ابتدائی تعلیم ایک مولوی صاحب کے پاس ہوئی ۔ ہندی ، فارسی میں پڑھائی کے بعد چھاپرہ کے اسکول میں داخل ہوئے ۔ انٹرنس میں اول آئے ۔ کلکتہ یونیورسٹی سے ایم اے ، ایم ایل کی سندیں حاصل کیں ۔ پریزیڈنسی کالج کے طالب علم تھے ۔ دوران تعلیم ستیش چندر مکرجی کی سرکردگی میں ڈان سوسائٹی کے ممبر بنے ۔

طالب علمی کے زمانہ میں اروبند گھوش، سریندر ناتھ بنرجی، بپن چندر پال کی تقاریر سے بھی متاثر ہوئے ۔ سماجی کاموں میں بھی دلچسپی لینے لگے ۔ پٹنہ میں وکالت شروع کی ۔ پٹنہ یونیورسٹی سینیٹ کے رکن بھی رہے ۔ ہریجن سدھار، کھادی کے کاموں میں دلچسپی لیتے تھے ۔ وکالت بھی اچھی تھی ۔ ۱۹۰۸ء میں کانگریس کے ممبر بنے ۔ ۱۹۱۶ء میں اینی بسنیٹ سے ملے ۔ چمپارن ستیہ گرہ (۱۹۱۷ء) کے وقت مہاتما گاندھی سے ملاقات کا شرف انہیں حاصل رہا ۔ بے حد متاثر ہوئے ۔ وکالت کو چھوڑ دیا ۔ بعد میں عدم تعاون کی تحریک میں حصہ لئے ۔ ۱۹۳۴ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے صدر بھی بنے ۔ ہریجنوں کو مندر میں داخل کرنے کی جدوجہد میں بھی آگے رہے ۔ ۱۹۴۲ء میں گرفتار ہوئے ۔ ۱۹۴۵ء تک جیل میں بند رہے ۔ طبیعت بھی ان کی خراب ہوگئی ۔ دمہ کے مرض میں مبتلا ہوئے لیکن دیش کی خدمت کرنے کا جذبہ تھا ۔ ولولہ تھا ۔ ایک آگ سی تھی ۔ ایک آتش نشاں تھا ۔ پھر بھلا وہ صحت کی پرواہ کیا کرتے ۔ کھدر پہنتے تھے ۔ دیش کو آزاد کرنے کی اشاعت کرتے تھے ۔ تعلیم دیتے تھے ۔ حب الوطنی کا پرچار کرتے تھے ۔

ہندوستان آزاد ہونے کے بعد آئین کمیٹی کے صدر بنے ۔ اس سے پہلے انٹریم گورنمنٹ کے وزیر بھی تھے ۔ ۲۴ر جنوری ۱۹۵۰ء کو آئین پر دستخط کئے ۔ اور سارے ہندوستان پر اس کا عمل ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء کو ہوا وہ پہلے صدر جمہوریہ تھے ۔ ۱۹۵۲ء، ۱۹۵۷ء میں دوبارہ صدر جمہوریہ منتخب ہوئے ۔ بارہ سال کے عرصہ میں بیرون ہندوستان میں بھی مقبول ہوئے ۔ کئی ممالک کے سربراہوں سے ملاقاتیں بھی کیں ۔ وائسرائے لاج کو راشٹرپتی بھون میں تبدیل کیا گیا ۔

نہایت سادگی سے وہ زندگی گزارتے تھے ۔ عجز و انکساری کے سمندر تھے وہ ۔ حکومت کی مصروفیات کے باوجود وہ علی الصبح رامائن کا پاٹھ کرتے تھے ۔ رات میں دیر گئے کام کرتے تھے ان کی عبادت میں شہد کی سی کیفیت تھی ۔

وہ ایک کرم یوگی تھے ۔ وہ ایک مینارۂ نور تھے ۔ وہ ایک میر کارواں تھے ہندوستان کے

انہوں نے جنوبی ہند میں بھی صدر جمہوریہ کی حیثیت سے رہنے کا فیصلہ کیا تھا ۔ اسی لئے حیدرآباد میں راشٹرپتی نلیم عمل میں آیا ۔ ایک مہینہ تک وہ رہ پاتے تھے اور ہر مکتب خیال کے ارکان سے ملتے تھے ۔ تکالیف سنتے تھے ۔ پروگراموں میں شرکت کرپاتے تھے ۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد صدر افواج (بری، بحری، ہوائی) ہونے کے باوجود ملک کو ہمیشہ امن کے راستہ پر، ترقی کی راہ پر کھڑا کر دیا ۔ دوسرے ممالک سے دوستی کے تعلقات کو پروان چڑھایا ۔ ثقافتی امور میں کافی دلچسپی لی ۔

صدر جمہوریہ کے عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ صداقت آشرم (بہار) میں رہنے لگے ۔ عبادت ، مطالعہ، سماج سیوا میں وقت صرف کرتے تھے ۔ صحت کی خرابی نے ہی انہیں دبوچ لیا ۔ ۲۸ر جنوری ۱۹۶۳ء کے دن ناگہانی موت نے ان کو ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا ۔

گو وہ ہم سے جدا ہوگئے لیکن ان کے کارنامے سنہرے ابواب ہیں ۔ ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں ۔ دیش میں جو ہم انتشارات دیکھ رہے ہیں ان کو کم کرنے میں ، مٹانے میں اور قومی یکجہتی میں اضافہ کرنے کے لئے ان کی خدمات کا جائزہ لینا اور عمل آور ہونا وقت کی پکار ہے ۔ ●●

نثار اختر انصاری
ایڈیٹر ہمہ گیر۔ مومن پورہ چوک۔
ناگپور ۴۴۰۰۱۸

دُخترِ ہند
بھیکا جی کاما

آزادی کا نعرہ بلند کرتے ہوئے بہت سی جانباز خواتین لاٹھیوں، گولیوں اور انگریز پولس کی ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی اپنی منزل کی جانب بڑھتی رہیں۔ خواتین کی اس صف میں محترمہ بھیکا جی کاما کا نام سرفہرست ہے۔ ان کی پیدائش ۲۴ ستمبر ۱۸۶۱ء کو بمبئی کے ایک پارسی گھرانے میں ہوئی۔ الیکزنڈر گرلز اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان کے والد نے انھیں مغربی تہذیب سے آشنا کرنے کی کوشش کی لیکن کاما جی اپنے چاروں طرف انقلابی ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب ہندوستانی عورت گھر سے باہر نکلنا پاپ سمجھتی تھی۔ کاما جی اپنے انقلابی ارادوں کو نہ روک سکیں۔ ۱۸۸۵ء میں جب انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۴ سال تھی۔ آپ نے بمبئی اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں رہنماؤں کی تقریر سے آپ بے حد متاثر ہوئیں۔

اس اجلاس کی وجہ سے آپ کے دل میں وطن کی آزادی حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ آپ نے فوراً عورتوں میں تحریک شروع کر دی۔ ذات پات کے بھید بھاؤ کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ ان کے والد مغربی تہذیب کے دلدادہ تھے۔ انہوں نے ان سرگرمیوں کے خاتمے کے لئے ان کی شادی کر دی تاکہ گھریلو ذمہ داریوں میں کاما جی مصروف ہو جائیں ان کے شوہر رستم جی کاما روشن خیال آدمی تھے۔ انہوں نے اپنی اہلیہ کو سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت دے دی۔ بقول شریمتی کاما "میری شادی بچپن ہی میں میرے ٹھوس ارادوں سے ساتھ ہو چکی ہے۔"
لگاتار محنت اور مسلسل دوروں کی وجہ سے آپ کی صحت پر بڑا اثر پڑا۔ رستم جی کاما نے علاج کی غرض سے انگلینڈ روانہ کر دیا۔ وہاں شریمتی کاما کی ملاقات [illegible] سے۔ نامور سورما شری شیام جی ورما سے ہوئی۔ ان کے خیالات اور تحریک سے شریمتی کاما بے حد متاثر ہو صحت مند ہونے کے بعد بھارت لوٹنے کی بجائے انہوں نے لندن میں بھارت کی آزادی کے لئے تحریک شروع کر دی شیام جی ورما کے ہمراہ لندن کے مشہور ہائڈ پارک میں ولولہ انگیز تقریر سے عوام متاثر ہونے لگے۔ بھارت غلام ملک کی ایک خاتون اپنے حکمرانوں کے وطن میں پرچم بلند کر رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر انگریز تعجب میں انڈیا آفس کے افسران آگ بگولہ ہو گئے۔ انہوں نے

کو فوراً بھارت لوٹ جانے کا حکم دیا لیکن انہوں نے اس حکم کو ٹھکرا دیا اور اپنی سرگرمیاں مزید تیز کر دیں۔

انگریز افسران اور پولس کی بڑھتی ہوئی زیادتی سے آپ انگلش چینل کے راستے فرانس جا پہنچیں۔ فرانس میں سب سے پہلے آپ نے ایک آفس قائم کیا۔ یہ آفس مجاہدین کا مرکز بن گیا۔ شریمتی کاما اپنے خیالات اور ارادوں سے لوگوں کا دل جیتتی رہیں۔ برٹش سرکار نے ان کے بھارت لوٹنے پر پابندی عائد کر دی۔ اس طرح کاما جی کو ۳۵ سال پیرس ہی میں گزارنا پڑا۔ انگریز افسران نے کئی بار حکومت فرانس سے اپیل کی کہ کاما جی کو ہمارے حوالے کر دیا جائے لیکن یہ اپیل ہمیشہ بے اثر رہی

شریمتی کاما جی نے حکومتِ فرانس سے اپنی حفاظت کا وعدہ لے کر جینیوا سے "وندے ماترم" اخبار جاری کیا۔ یہ اخبار لگاتار نو سال تک وہاں بسنے والے ہندوستانیوں کو آزادی کے لئے اُکساتا رہا۔ "وندے ماترم" میں شائع مضامین انگریزوں کے دل میں نشتر بن کر چبھنے لگے۔ شریمتی کاما کی ایک زبردست دین ترنگا جھنڈا ہے۔ جو ہوا نے وطنِ عزیز سے دور رہ کر تیار کیا تھا۔

۱۸ اگست ۱۹۰۷ء کو جرمنی میں دانشوروں کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں کئی ممالک کے وفد شامل ہوئے۔ اجلاس کے کنوینر جین جورس نے کاما جی کو بھی مدعو کیا۔ انہوں نے اپنی معنی خیز تقریر سے حاضرین کا دل موہ لیا۔ اپنی تقریر میں انہوں نے کہا۔

"آزادی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ بھارت میں برٹش راج ہندوستانیوں کے لئے شرمناک بات ہے۔ اپنے گھروں سے باہر آؤ اور آزادی کے لئے جہاد کرو۔ میں ساری دنیا سے اپیل کرتی ہوں کہ وہ بھارت کو آزاد کرانے میں تعاون کرے۔" تقریر کے بعد ہزاروں افراد نے آپ کو گھیر لیا۔ کوئی مبارکباد دینے لگا تو کوئی فرطِ مسرت سے ہاتھ چومنے لگا۔ جذبات پر قابو نہ پاتے ہوئے شریمتی کاما نے اپنی ساڑی کا ایک حصہ چاک کر دیا اور اسے آزاد بھارت کے پرچم کی شکل میں لہراتے ہوئے کہا "یہ ہے میرے آزاد بھارت کا جھنڈا۔"

ان کی شخصیت اور کارناموں سے متاثر ہو کر لینن نے انہیں روس آنے کی دعوت دی لیکن مصروفیات کی بنا پر آپ روس کا سفر نہ کر سکیں۔

لگاتار محنت کی وجہ سے آپ کی صحت پھر بگڑنے لگی۔ برٹش سرکار نے ان سے حلف لیا کہ اگر وہ سیاست سے علیحدگی اختیار کر لیں تو انہیں بھارت لوٹنے کا پروانہ مل سکتا ہے۔ وطن کی محبت نے انہیں اس قدر بے چین کر دیا تھا کہ کاما جی نے حلف نامہ پر دستخط کر دیئے۔ ۳۵ سال بعد نومبر ۱۹۳۵ء میں بمبئی پہنچنے پر ایمبولنس کے ذریعے اسپتال لے جایا گیا۔ ۸ ماہ اسپتال میں زیرِ علاج رہنے کے بعد ۱۳ اگست ۱۹۳۶ء کو کاما جی کا انتقال ہو گیا۔ ان کے آخری الفاظ تھے "وندے ماترم"۔

انیسویں صدی میں جب کہ چاروں طرف انگریزوں کا طوطی بول رہا تھا ہندوستانی مرد بھی انگریزوں کے سامنے لب کشائی سے کتراتے تھے۔ ایسے عالم میں کاما جی کا آگے بڑھ کر انگریزوں سے ٹکر لینا ان کے خلاف جہاد کرنا سچ مچ ایک کارنامۂ عظیم ہے۔ شریمتی کاما کو ہماری تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی اور ہندوستانی خواتین ان کی زندگی سے درس حاصل کرتی رہیں گی۔

ترسیلِ زر کا پتہ

اسسٹنٹ ڈائرکٹر (ایڈمنسٹریشن)
ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
گورنمنٹ آف مہاراشٹر، بیرک نمبر ۱۹
مقابل سردچی بلڈنگ، نزد منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

★ منیوا رام گپتا
۳۰۔ بی / ۳۔ انڈین ایئر لائنز کالونی
کالینہ۔ بمبئی ۲۹

ہندوستان کی جنگِ آزادی میں عورتوں کا حصہ

مرد یہ دعویٰ کبھی نہیں کر سکتے ہیں کہ ہندوستان کی جنگِ آزادی میں صرف مردوں نے ہی حصہ لیا تھا۔ ہاں..... وہ یہ بات ضرور کہہ سکتے ہیں کہ جنگِ آزادی میں کم تعداد میں عورتیں شریک ہوئی تھیں مگر یہ قصور کس کا ہے —؟

ہندوستان کی عورت آج بھی زیادہ تر چہار دیواری میں بند رہتی ہے۔ مسلم عورتیں زیادہ تر پردہ نشین ہوتی ہیں اور جو پردہ نشین نہیں بھی ہیں انہیں اتنی آزادی کب حاصل ہے جتنی کہ مردوں کو ہے۔ مردوں نے انہیں خانہ داری کے کاموں میں اس قدر جکڑ رکھا ہے کہ ان بے چاریوں کو فرصت ہی نہیں ملتی ہے۔ بچے پیدا کرنا .... ان کی پرورش کرنا اور زندگی بھر کھانا پکانا صرف ان کے حصے کا کام ہے۔ جب عورت ایسے ماحول میں رہتی ہو تو اس سے یہ توقع کرنا مضحکہ خیز ہے کہ وہ بھی مردوں کے برابر ہی آزادی کی جنگ میں حصہ لیتی۔ جبکہ سبھی جانتے ہیں کہ عورت فطرتاً جنگ و جدل، کشت و خون اور لڑائی جھگڑے سے دور رہنا زیادہ پسند کرتی ہے۔ سیاست بیداری کی بھی ان میں کمی پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ عورت کمزور صنف بھی تو ہے۔

لیکن ان تمام قسم کی پابندیوں اور ذمہ داریوں کے ہوتے ہوئے بھی بہت سی عورتوں نے ہندوستان کی جنگِ آزادی میں حصہ لیا تھا اور خوب بڑھ چڑھ کے حصہ لیا تھا اور انہوں نے اس جرأت کے ساتھ مردوں کا منہ یہ کہنے سے ہمیشہ کیلئے بند کر دیا کہ عورتوں نے ہندوستان کی جنگِ آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اپنے نازک ہاتھوں میں تلوار لے کر انہوں نے دشمنوں کے سر کاٹے ہیں اور بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ عورتوں میں رانی جھانسی کے نام سے بھلا کون ہندوستانی واقف نہیں ہے۔ جس نے ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگِ آزادی لڑی۔ سینکڑوں انگریزوں کو قتل کر کے اپنی تلوار کی پیاس بجھائی اور شہادت پائی تھی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ میں واجد علی شاہ نواب لکھنؤ کی بیگم حضرت محل نے جس طرح انگریزی فوج کا مقابلہ کیا وہ تاریخ ہند کی آزادی کا درخشاں باب ہے۔

کانپور شہر یوپی کی مشہور طوائف عزیزن نے دیگر طوائف کی ۹ رکنی اپنی ٹولی بنا کر ۱۸۵۷ء کی آزادی میں نانا صاحب پیشوا سپہ سالار تانتیا ٹوپے، نانا صاحب عظیم اللہ خاں وغیرہ کے ساتھ جو کارنامے دکھلائے ہیں انگریزوں کو شکست دینے کے لئے ہندوستانی ٹولی کا خون ہے اور شہادت پائی اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں ملتی ہے۔ وہ ایک طوائف تھی۔ عیش و عشرت کی

نوی راج

گزار سکتی تھی پھر بھی اس نے اپنے ملک کے لئے ..... اسے غلامی سے نجات دلانے کے لئے اپنی جان کی جو قربانی دی تھی اس پر عورتوں کو ناز اور مردوں کو رشک ہونا چاہیئے۔

ھندوستان کی انقلابی جماعت نے آزادی کی جنگ کو کبھی ٹھنڈا ہونے نہیں دیا تھا اور ان کی تلواریں اس وقت تک میان سے باہر رہی ہیں جب تک ملک مکمل طور پر آزاد نہیں ہو گیا۔ ویسے ہماری دوسری جنگِ آزادی باقاعدہ ۱۹۴۲ء میں ہی لڑی گئی ہے اور اس جنگ میں ہندوستانی خواتین نے نمایاں حصہ لے کر شہادت پائی ہے اور جیلوں کے مصائب بھی برداشت کئے ہیں۔ لاٹھیوں کی مار کھانے والی اور جیل جانے والی تو ایسی سینکڑوں عورتیں ہیں۔ بہتوں کا تاریخ میں نام ملتا ہے اور بہتوں کا نام ندارد ہے۔ ہر ایک کا نام لکھنا طوالت طلب کام ہے اور نا ممکن بھی ہے۔ لیکن یہاں ان خواتین کے نام ضرور تحریر کئے جا سکتے ہیں جنہوں نے آزادی کی جنگ میں اہم رول ادا کیا ہے۔ ان کے نام ہیں۔ بمبئی کی

بھیکا بائی کاما۔

جنہوں نے بیرونی ممالک میں جا کر ہندوستان کی آزادی کے لئے پرچار کیا تھا۔ قومی جھنڈا بھی سب سے پہلے انہوں نے ہی بنا کر لہرایا تھا۔ پنجاب کی

دھن بائی،

اتر پردیش کی نہرو خاندان کی خاتون

وجے لکشمی پنڈت

ان کے علاوہ

سروپ رانی۔ کملا نہرو۔ اندرا گاندھی، دکن کی سروجنی نائیڈو، کستوربا گاندھی۔ دہلی کی ارونا آصف علی، دکن کی سوچیتا کرپلانی وغیرہ

آخر الذکر دو خاتون ارونا آصف علی، اور سوچیتا کرپلانی نے نہ صرف جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا بلکہ ۱۹۴۲ء کی جنگِ آزادی میں انہوں نے رہبری بھی کی تھی۔

عورت یوں تو فطرتاً عدم تشدد پسند ہے مگر بنگال کی کچھ نوجوان لڑکیوں نے تشدد کے کاموں میں بھی انقلابی لڑکوں کے ساتھ حصہ لیا تھا۔ ان میں کچھ خاص نام اہم ہیں۔ جیسے

- شریمتی لیلاوتی ناگ، ایم۔ اے۔
- شریمتی رینوکا سین ایم۔ اے۔
- شریمتی لیلا کمال۔ بی۔ اے۔
- شریمتی امیتا سین
- شریمتی کلیانی دیوی۔ ایم۔ اے۔
- شریمتی کملا چٹرجی بی۔ اے۔

ان تمام لڑکیوں کو کئی کئی سال تک جیلوں میں نظر بند رکھا گیا تھا۔ جیل میں بھی بعض عورتیں رہی ہیں۔ جن میں سے

* سوشیلا داس گپتا۔ جن کو پانچ سال کی سزا ہوئی تھی۔
* لاونیئے پربھا داس گپتا۔ انہیں بھی پانچ سال کی سزا ملی۔
* کملا داس گپتا جو نظر بند رہیں۔
* سرما داس گپتا جو ڈیڑھ سال جیل میں رہی تھیں
* اوشا مکرجی۔ تین سال تک جیل میں رہیں۔
* سنیتی دیوی۔ دو سال تک جیل میں رہی تھیں۔
* پرتیبھا بھدر بی۔ اے۔ ان کو بھی پانچ سال جیل میں رکھا گیا تھا۔
* سریو چودھری۔ آرڈی نینس کے تحت چار سال جیل کاٹی تھیں۔
* اندو سدھا گھوس کو بھی چار سال تک جیل میں رکھا گیا تھا۔
* شریمتی پربھل رجنی برہم۔ انہیں مجسٹریٹ کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ مقدمہ نہ چلا، تو چھوٹ گئیں مگر انہیں آرڈی نینس میں دھر لیا گیا اور وہ ۱۹۳۰ء میں جیل ہی میں شہید ہو گئیں۔

اس کے علاوہ

۱:۔ شریمتی ہیلنا بال بی۔ اے۔
۲:۔ شریمتی آشا داس گپتا
۳:۔ شریمتی ارونا سانیال
۴:۔ شریمتی سشما داس گپتا
۵:۔ شریمتی پرملا گپتا بی۔ اے

۶ :- شریمتی سوپربھا بھدر
۷ :- شریمتی شانتی کن سین
۸ :- شریمتی شانتی سدھا گھوش ایم۔اے۔
۹ :- شریمتی وملا پرتبھا دیوی ـــ جو جلوس
کی رہبری کرتے ہوئے گرفتار ہوئی تھیں۔
۱۰ :- شریمتی ممتا مکرجی،
یہ سب کی سب جیل کاٹ چکی تھیں۔

ایک اور خاتون سروج ناگ۔ ٹیٹا گڈھ آرم ایکٹ میں گرفتار کر کے
نظر بند کر دیا گیا۔
ان تمام انقلابی تشدد پسند لڑکیوں
کی قربانیاں کچھ کم اہمیت نہیں
رکھتی ہے۔

ہم اس مختصر سے مضمون میں
صرف انہیں چند خواتین کے بارے
میں کچھ لکھ رہے ہیں جنہوں نے
جنگِ آزادی میں سزا کے علاوہ
شہادت بھی حاصل کی تھی۔

ایک اور بہادر خاتون کی کہانی مشہور ہے اس کا نام کماری پریت لتا وار دیدار
تھا۔ یہ بہادر خاتون ۱۹۱۱ء میں ضلع چٹگاؤں (جو
اب بنگلہ دیش ہے) کے ایک موضع گول پارا میں پیدا ہوئی
تھیں۔ بی۔اے تک تعلیم حاصل کر کے ایک اسکول میں ٹیچر
ہو گئی تھیں۔ اتفاق سے ان کی ملاقات بنگال کے مشہور انقلابی
ماسٹر سوریہ سین سے ہو گئی تو وہ بھی دلی خواہش رکھتے ہوئے
ان کے ساتھ انقلابی کاموں میں حصہ لینے لگیں۔ ۱۸ اپریل ۱۹۳۰ء
کو بنگال کے جن انقلابی نوجوانوں نے چٹگاؤں کا اسلحہ خانہ
لوٹ لیا تھا اس مہم میں پریت لتا بھی شامل تھیں۔

۲۴ ستمبر ۱۹۳۲ء کو کماری پریت لتا کی سرکردگی
میں ایک درجن انقلابی نوجوانوں نے پہاڑتلی یوروپین کلب
پر حملہ کر دیا تھا۔ دونوں طرف سے گولیاں چلی تھیں۔ ایک گولی
پریت لتا کے ایک ٹانگ میں لگی تو وہ چلنے سے لاچار ہو گئیں
پھر اس خوف سے کہ وہ پکڑی جائیں، یا ان کی عصمت دری
کی جائے۔ انہوں نے ساتھ میں لائی ہوئی زہریلی پڑیا ؟
کر شہید ہو گئیں۔ ایک اور خاتون ہیں کماری کنک لتہ
یہ ۱۴ سالہ لڑکی آسام کے دارانگ ضلع کے مو
گوپور کی رہنے والی تھی۔ بہت بہادر اور وطن پرست تھی۔
۸ اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں گاندھی جی نے انگر
کے لئے "بھارت چھوڑو" کا جو نعرہ بلند کیا تھا۔ اس
نے تقریباً پورے ہندوستان کو جھنجھوڑ دیا تھا۔
۱۹۴۲ء کی تحریک کی خاص بات یہ تھی کہ عوام
اپنی رہبر تھی۔ کیونکہ سبھی کانگریسی لیڈر پہلے ہی گرفتا
تھے ... جگہ جگہ جلوس نکالے جا رہے تھے .... تھانوں
کیا جا رہا تھا ..... ان پر قومی پرچم لہرایا جا رہا تھا۔ پُر تشـ
ہنگامے اس بناء پر مسلسل جاری تھے کہ مجبور ہو کر انگر
چھوڑ کر چلے جائیں۔

۲۰ ستمبر ۱۹۴۲ء کو کماری کنک لتا برو
اپنے ہاتھوں میں ترنگا جھنڈا لئے ہوئے جلوس کے آگے آ
تھانہ پر جھنڈا لگانے کے لئے بڑھی چلی جا رہی تھیں۔ ج
بہت جوش میں تھا۔ نعرے سے ساری فضا گونج ر
پھر یہ جلوس بے خوف تھانہ میں گھس گیا۔ روکے جانے
کنک لتا نے کہا: "یہ تھانہ ہماری ملکیت ہے ..
پر اپنا قومی پرچم لہرائیں گے۔ آپ لوگ تھانہ خالی کر دیں
یہ بے باک اور بہادر لڑکی آگے بڑھی تو تھانیدار
چلا دی۔ جس سے وہ وہیں شہید ہو گئی۔
شریمتی ماتنگنی کا ذکر بھی سن لیں۔
یہ بنگال کے تملوک علاقہ کی ۷۳ سالہ ضعیفہ
جو بڑھاپے کا خیال کئے بغیر ۱۹۳۰ء میں نمک ستیہ گ
جیل کاٹ چکی تھی۔ وہ کانگریس پارٹی کی حوصلہ مند کارکن
ماہ اگست ۱۹۴۲ء میں ایک دن شریمتی ماتنگ
ایک جلوس لئے ہوئے بان پور تھانہ پر جھنڈا لگا
رہی تھیں۔ فوج نے آ کر جلوس کو روکا تو ماتنگ
اپنے ہاتھ میں ترنگا جھنڈا ہوا میں لہراتے ہوئے تھانہ کی
میں آگے بڑھ گئیں۔ ایک سپاہی نے ان کے ہاتھ پر لا
وار کر دیا تاکہ قومی جھنڈا ان کے ہاتھ سے نیچے گر پڑے
جھنڈا ان کے ہاتھ سے نیچے نہ گرا اور وہ اسی بے خوفی
(باقی صفحہ

★ پروفیسر م۔خ۔شاذلی
شری شیواجی کالج، قندھار (مہاراشٹر)

انیسویں صدی کا مزاحمتی اَدب

انسانی زندگی کا یہ شعوری تجربہ ہے کہ انسان اپنے دائرۂ عمل میں جو کچھ کرتا ہے۔ اس کا ردِّعمل ہوتا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں اس کا تصادم کچھ ناپسندیدہ افراد یا خیالات یا احساسات سے ضرور ہوتا ہے۔ جس کو مزاحمت کہہ سکتے ہیں۔ اور انگریزی میں (Resistence) راہِ حیات اتنی صاف اور سیدھی نہیں ہے کنکر، پتھر، اونچ نیچ سبھی کچھ ہے۔ کسی منفرد صلاحیت کا پہلا ٹکراؤ سماج سے ہوتا ہے۔

یوں تو اس مزاحمتی اَدب کے نمونے دُنیا کی ہر زبان اور اَدب میں موجود ہیں۔ لیکن اتفاق کہیئے کہ انسان مزاحمتی ادب کے احتجاج اور انقلاب میں بدلنے تک اس کی طرف کم ہی توجہ دیتا ہے۔ انگریزی ادب میں سر طامس مور کی تصنیف "یوٹوپیا" (UTOPIA) جارج آرویل کا ناول "اینمل فارم" (Animal Farm) جوناتھن سوئفٹ کی تصنیف گلیورس ٹریولس (Gulliver's Travels) وغیرہ کو عام طور پر ناقدین نے طنزیہ ادب میں شمار کیا ہے لیکن اپنے وقت اور ماحول سے غیر مطمئن ہوکر مستقبل کے تصور پہ منحصر ایک واضح نقشہ پیش کرنا جو غیر محسوس طریقہ پر موجود ماحول سے ناراضمندی کی کیفیت ظاہر کرتا ہے۔ اسی کو مزاحمتی کیفیت کہا جاتا ہے اور میری نظر میں ایسے ادب کو طنزیہ کے بجائے "مزاحمتی ادب" کہنا چاہیئے۔ ہمارے ملک میں

اُردو ادب کی تاریخ کی یہ دو صدیاں، انیسویں اور بیسویں اسی تخلیقی عمل کے واضح مراحل ہیں۔ بیسویں صدی میں بظاہر اُردو اَدب کی جو انقلابی للکار ہم سنتے ہیں۔ وہ انیسویں صدی میں سنائی نہیں دیتی اور اتفاق سے ہم بیسویں صدی کے ادب ہی کو انقلابی، قومی یا ترقی پسند یا کچھ اور کہنے لگتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ نہیں ہے۔ دراصل مزاحمت کے مرحلے میں انیسویں صدی کے دوسرے نصف کا ادب ایک ٹھنڈی آنچ ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء سے سنہ ۱۹۲۵ء تک اس میں احتجاج کی کیفیت نظر آتی ہے۔ خلافت تحریک ختم ہونے کے بعد ترکِ موالات وغیرہ دیگر تحریکات انقلاب کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اسی دوران سنہ ۱۹۱۷ء کے انقلاب روس نے تقریباً تمام دنیا کے ادب کو متاثر کیا۔ اور اس طرح سنہ ۱۹۳۰ء کے بعد سے اردو ادب میں انقلاب کے شعلوں کی شدت تیز سے تیز تر ہوتی جاتی ہے۔

اس طرح انیسویں صدی کا اُردو ادب دراصل بیسویں صدی کے ادب کو شعلوں کی زد میں پہنچانے کی تیاری کا عمل ہے۔

آج کی اس مختصر سی صحبت میں سنہ ۱۸۵۷ء سے سنہ ۱۹۰۰ء تک کے ادب پر نظر رکھی گئی ہے۔ کیونکہ سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد کے چند برسوں میں حکومت برطانیہ نے جو ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اور یہ سب کچھ نہایت ذلیل قسم کے انتقامی جذبہ کے تحت ہو رہا تھا۔ کیونکہ ۱۰ مئی سنہ ۱۸۵۷ء کو یہ تحریک آزادی میرٹھ سے نکل کر شمالی ہند میں کافی دُور تک پھیل چکی تھی۔ اس ہنگامہ کو دیکھنے والے اعلیٰ پایہ کے ادیب، عالم اور شاعر تھے۔ ظلم اور بے رحمی کا جو مظاہرہ اس عرصہ میں ہوا اس کی مثال صرف سنہ ۱۹۱۹ء کے جلیان والا باغ کے سانحہ کو چھوڑ کر سنہ ۱۹۴۷ء تک نہیں ملتی ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ جور و جبر اور ناانصافی کا یہ خطرناک ماحول بھی اس دور کے اُردو ادب میں چیخ اُٹھنے کی کیفیت پیدا نہ کر سکا۔ غالب جیسا آزاد طبیعت، خوددار اور منفرد شخصیت رکھنے والا بھی صرف "رستخیز بے جا" (سنہ ۱۲۷۳ھ) کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے.... جو ۱۲۷۳ – ۴ سن غدر کا ہجری مادۂ تاریخ ہے۔ دراصل معاملہ ایسا نہیں ہے۔ سرسید کی مصالحانہ پالیسی اور مسلمانوں کو جدید مغربی تعلیم و تہذیب سے مزین کر کے دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کی قطار میں لا کھڑا کرنے کے جذبہ نے اِس مزاحمتی احساس کو کم کر دیا تھا۔ چونکہ انیسویں صدی میں سرسید کی نہایت قدآور شخصیت تھی۔ جس نے غدر کے بعد کے تیس چالیس سال تک فکر و ادب پہ اپنے اثرات مرتب کئے ہیں۔ اور شاید یہی وجہ رہی ہو کہ سنہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے تعلق سے کسی ادب کے وجود کی طرف ہم نے کم ہی توجہ کی ہے۔ دراصل یُوں تو سنہ ۱۸۵۷ء سے سنہ ۱۹۴۷ء تک تقریباً ایک صدی کا عرصہ ہے۔ جو خصوصاً اُردو زبان، اور ادب کے لئے مسلسل جدّوجہد، مزاحمت اور انقلاب کا زمانہ رہا ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر باقاعدہ تحقیق کے بعد ایک مبسوط ریکارڈ کی سخت ضرورت ہے۔ گو چیدہ چیدہ اس موضوع پہ لکھا گیا ہے۔ لیکن ضرورت ہے کہ مستقل اور مستند انداز میں اس عرصہ کے ادب، فنکاروں کے حالات زندگی جو کسی نہ کسی شکل میں بلاواسطہ یا بالواسطہ غدر سے متاثر ہوئے ہیں۔ انگریزوں کے ڈھائے گئے بے رحمانہ مظالم کی داستان کو یکجا کیا جا[ئے]
دیگر زبانوں میں بھی اسی احساس کے تحت کام شروع ہو چکا ہے۔

ذیل کے سطور میں سنہ ۱۸۵۷ء سے سنہ ۱۹۰۰ء تک کے مزاحمتی ادب کا سرسری جائزہ لیا جا رہا ہے۔

اس دور میں اُردو ادب کی سب سے نمایاں شخصیت مولوی محمد حسین آزادؔ کی ہے۔ آزادؔ نے غدر کے ہنگامے دیکھے ہیں۔ آزادؔ کے والد مولوی باقر علی نے دہلی سے ایک اردو اخبار "اُردو اخبار" کے نام سے سنہ ۱۸۳۶ء میں جاری کیا۔ اور غالباً ان کی باغیانہ تحریر ہی تھیں کہ انہیں بھی غدر کے ہنگاموں میں گرفتار کیا گیا تھا۔ دہلی سے باہر باغیوں کے کیمپ میں رکھا گیا تھا۔ آزادؔ نہایت پریشان تھے آخر ایک سکھ جرنیل کی مدد سے سائیس کے لباس میں کیمپ تک پہنچے۔ والد کی عمر ۷۰ سال کے قریب تھی۔ ایک کونے میں محوِ عبادت تھے۔ آزادؔ کو پہچان کر تڑپ اُٹھے۔ آنکھیں بھیگ گئیں، اور اشارہ سے کہا کہ چلے جاؤ۔ آخری ملاقات ہو چکی۔ ان کے واپس آنے کے بعد شہر میں افواہ پھیل گئی کہ کیمپ کے تمام قیدیوں کو گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ محمد حسین آزادؔ کی سوانح حیات پہلی بار ۱۹۳۹ء میں رسالہ "کتاب نما" میں شائع ہوئی۔ اس سے پہلے آزادؔ کے حالات زندگی کہیں دستیاب نہیں تھے۔

غدر کی دارو گیر سے کچھ امن کی صورت نکلی تو آزادؔ نے مختلف سرکاری محکموں میں ملازمت اختیار کر لی۔ لیکن ان ہنگاموں ہی کا اثر تھا کہ جدید شاعری یعنی طرحی غزلوں کی بجائے مختلف قومی اور سماجی مسائل پہ نظموں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس مزاحمتی ادب کی تخلیق کے محمد حسین آزادؔ پیش رو ہیں۔ مشاعرے کی جگہ مناظمہ منعقد ہونے لگے۔ اس وقت حالیؔ بھی ان کے ساتھ تھے۔ آزادؔ کی تصانیف میں چند فارسی اور چند اُردو نسخے شامل ہیں۔ البتہ ان کی قومی اور اخلاقی نظموں کا مجموعہ "نظم آزاد" کے نام سے ملتا ہے۔ جو آزادؔ کی زندگی ہی میں شائع ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ "کائنات عرب"، "ڈرامہ اکبر" وغیرہ جیسی تاریخی کتب بھی اسی "مزاحمتی ادب" کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ آزادؔ کے بے شمار مضامین بھی ملے ہیں۔

ایک مضمون میں اہل وطن کو مخاطب کر[کے]

کہتے ہیں ؎

" اے خاکِ ہندوستان! اگر تجھ میں
امراء القیس اور لبید نہیں تو نہیں۔ کالیداس
ہی نکال۔ اے ہندوستان کے صحرا و دشت!
فردوسی اور سعدی نہیں تو کوئی ٹالمیک ہی پیدا کرو۔"

"سخندانِ فارسی" میں لفظ کوٹھی کی تشریح کرتے وقت قلب کی وہ نفرت جو حکومتِ برطانیہ اور انگریزوں کے خلاف کہیں جاگزیں تھی۔ نکل آئی۔

"...... یہ چیز صاحب کی کوٹھی پہ دے
آئی۔ مدّت کے بعد تجارت کا پردہ اٹھا دیا۔
وہی گھر دارالحکومت ہو گئے۔....."

مولوی ذکاءاللہ اس دور کے نامور فنکاروں میں سے ہیں۔ جنہوں نے اپنی تمام عمر تصنیف و تالیف میں گذار دی، اور لاتعداد کتب کے مصنف کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ غدر کے ہنگاموں کے مولوی صاحب بھی عینی شاہد ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد نے مولوی ذکاءاللہ پہ تفصیلی مضمون لکھا جو دہلی کے رسالہ "تمدن" کے اگست سنہ ۱۹۱۱ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ وہ کہتے ہیں، مولوی ذکاءاللہ کے ہم عصروں میں کسی ایک مصنف نے اتنی کثیر اور ضخیم کتابیں نہیں لکھیں۔ "تاریخ ہندوستان" اور "تاریخ عہدِ انگلشیہ" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہوتا ہے کہ ایک صحیح مورخ کی طرح انہوں نے بے کم و کاست واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کے تعلق سے ایک جگہ لکھتے ہیں.....

" اس نے اپنی سرکار کی خیر خواہی اور خیر
اندیشی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔
مگر اس میں اس نے خدق کی نیکی پہ خیال نہ کیا۔
جس وقت سرکار نے روپیہ مانگا۔ تو اس نے
سرانجام کرنے میں کسی بات کا آگا پیچھا نہیں
سوچا۔ ازراہِ ظلم و تعدی جو دولت کا سامان
کیا۔ اہلِ انگلستان نے اس کو بے سروساماں
سمجھا۔ اس کی طبیعت کا خمیر ایسا تھا کہ وہ عدالت
اور صداقت کو ضرورت کے وقت کچھ چیز نہ
سمجھتا تھا"

اس کی خوبیوں اور خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" غرض یہ فضائل اور رذائل اس میں کام
کر رہے تھے۔ جیسے ایک بڑے ہندستان میں
طوطی اور بلّی اور کتا کام کریں"

اسی زمرہ میں مولوی نذیر احمد کا نام بھی آتا ہے۔ اولیاءاللہ کے خاندان سے تھے۔ سنہ ۱۸۳۶ء کی پیدائش ہے۔ مختلف مقامات پہ سرکار برطانیہ کی ملازمت میں ضرور رہے، لیکن قلب کے اندر مزاحمت کی چنگاری موجود تھی۔ جو اکثر مواقع پر چمک اٹھتی تھی۔ حیدرآباد سے آکر دہلی میں قیام تھا۔ ڈپٹی کمشنر نے کسی تقریب میں اہل دہلی کی ایک مختصر فہرست بنا کر گشت کرادی۔ اس میں موصوف کا بھی نام تھا۔ آپ نے اسی فہرست کے حاشیہ پر لکھ دیا.....

" اگر یہ سرکاری طلبی ہے تو سمن، یا
وارنٹ آنا چاہیے۔ دوستانہ بلاوا ہے تو چٹھی
آنی چاہیے اور یہ دو صورتیں نہیں اور آنا نہ آنا
میری مرضی پہ منحصر ہے تو میں نہیں آسکتا"

اعلیٰ پایہ کے ادیب اور عالم تھے۔ مختلف موضوعات پہ تصانیف ملتی ہیں۔ کئی ناول ہیں جن میں اس دور کے سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیردارانہ تہذیب کے خلاف زبردست احتجاج ملتا ہے۔ "توبۃ النصوح" اس کی واضح مثال ہے آپ کی تصانیف میں "ابن الوقت" نہایت واضح ہے۔ غدر کے پس منظر میں سرکار برطانیہ کے عہدہ داروں کے روّیہ کو نہایت حقارت سے پیش کیا گیا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس دور میں جو ہندوستانی تعلیم یافتہ طبقہ انگریزوں کی کورانہ تقلید کر رہا تھا۔ اس کی خوب خبر لی ہے۔ ناول کا ہیرو ابن الوقت ہر دم انگریزوں کی تعریف کیا کرتا تھا۔ دراصل ڈپٹی نذیر احمد نے ابن الوقت کے روپ میں خود اپنے احساسات کا اظہار کیا ہے۔ لیکن اس وقت لوگوں نے اس کو سرسید پہ ڈھال دیا۔ چنانچہ سید محمود نے ان سے شکایت بھی کی تھی کہ آپ نے یہ کتاب لکھ کر والد کو بدنام کیا ہے۔ نذیر احمد کے مختلف کانفرنسوں کے خطبات اور لیکچرز بھی نہایت مشہور ہیں۔

ایک دیباچہ میں حالی کے تعلق سے کہتے ہیں.....

"میں نہیں سمجھتا کہ مولوی الطاف حسین نے "مسدس" اس غرض سے کہا تھا کہ ایشیائی شاعری میں ایک طرزِ جدید داخل کریں، بلکہ ان کی غرض اصلی یہ تھی کہ سوتی ہوئی قوم جاگے اور دیکھے کہ تباہی کا سیلاب ان کے سروں پہ آپہنچا، مگر قوم نے جاگنا تو در کنار کروٹ تک بھی نہ بدلی۔"

سائنس کے تعلق سے ایک لیکچر میں کہا تھا.....

"مگر سائنس کے خزانے انگریزی کے صندوقوں میں بند ہیں۔ پہلے ان صندوقوں کو کھولنا سیکھو۔ تب خزانے کو ہاتھ لگاؤ۔ اور نہیں سیکھتے تو سلطنتیں کھو کر رعیت بنے رہو۔ آگے ابنائے جنس کی غلامی کرو۔ جھڑکیاں سنو۔ جوتیاں کھاؤ۔ اگلوں کا ڈھنگا ہو چکے تو بھیک مانگو۔ مگر میری صلاح مانو تو سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر ڈوب مرو۔"

قسمت میں قوم کے ہے لکھی صبح و شام موت
بے حرمتی کے جینے سے بہتر حرام موت

حالی کے تعلق سے تقریباً ہم سب ہی جانتے ہیں۔ "مسدس حالی کے علاوہ "حب وطن" اور تہذیب الاخلاق کے مضامین، غرض حالی کی تحریرات کا زیادہ حصہ قومی بیداری جدید دور کے استقبال لیکن اپنی خودداری اور انفرادیت کی برقراریت پہ مبنی ہیں۔ گو ہندی اور اردو کا تنازعہ حالی کے دور میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود ان کی طبیعت کی منصفانہ روش اور بے لاگ پن ان کی تحریروں میں ہمیشہ نمایاں رہا۔ سر سید کے ساتھ یوں تو انگریزی زبان اور علوم کا پرچار ہوتا رہا۔ اس کے باوجود اپنے ملک کی زبانوں کے تعلق سے جو نرم گوشہ تھا۔ وہی مزاحمتی چنگاری کہلانے کا مستحق ہے "خم خانۂ جاوید" کے تبصرہ میں لکھتے ہیں.....

"کون نہیں جانتا تھا کہ مسلمان باوجودیکہ تقریباً ایک ہزار سال سے ہندوستان میں آباد ہیں۔ مگر اس طویل مدت میں انہوں نے چند مستثنیات کو چھوڑ کر کبھی سنسکرت یا برج بھاشا کی طرف باوجود سخت ضرورت کے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا....."

اگر یہ کہا جائے کہ سنسکرت کا سیکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے تو برج بھاشا جو بمقابلہ سنسکرت کے نہایت سہل الوصول ہے۔ اور جس کی شاعری نہایت لطیف، شگفتہ اور فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے۔ اس کو بھی عموماً بیگانہ وار نظروں سے دیکھتے رہے۔"

اس کے علاوہ حالی کی نظموں میں "شکوۂ ہند" اور "رحم و انصاف" وغیرہ بھی جذبۂ مزاحمت کی غمازی کرتی ہیں۔ جہاں کسی تبدیلی، تصادم کی تڑپ محسوس ہوتی ہے۔

ایک واقعہ جو دراصل سر سید کے ساتھ پیش آیا تھا حالی نے "حیات جاوید" میں تفصیل سے نقل کیا۔ سائنٹیفک سوسائٹی علی گڈھ کی عمارت کے افتتاح کے لئے سر سید نے میرٹھ کے کمشنر مسٹر ولیم کو مدعو کیا تھا۔ سوسائٹی کے صدر عنایت اللہ خاں رئیس بھیکن پور تھے۔ لیکن مسٹر ولیم کو ان کے تعلق سے کچھ شبہات تھے۔ انہوں نے سر سید سے کہا کہ وہ عنایت اللہ کی موجودگی میں نہیں آئیں گے۔ سر سید نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ سوسائٹی کے صدر کی غیر موجودگی میں افتتاح نہیں ہو سکتا۔ بہرحال سیشن جج علی گڈھ کی سفارش پر مسٹر ولیم نے شرکت کی۔ دراصل ادب کے علاوہ فکری اعتبار سے اس دور میں انگریز سرکار کے تعلق سے ذہن صاف نہ تھے کسی نہ کسی شکل میں نکل آنے والا ۱۸۵۷ء کا غصہ، اپنی قدیم پس ماندگی کو ترقی پسندی میں بدل کر انگریزوں کے مقابلہ میں کھڑے ہونے کی تڑپ دراصل اسی مزاحمتی احساس کی نشان دہی کرتے۔ حالی کے مقالات اسی انداز کے ہیں۔ ایک مقالہ کا عنوان ہے۔

"جب زمانہ بدلے تم بھی بدل جاؤ"

لکھتے ہیں.....

"اپنی ذات میں ایسی قابلیت پیدا کرے جس رنگ کو چاہے فوراً قبول کر لے۔ زمانہ کبھی انقلاب سے خالی نہیں رہتا۔ اور اس کا مقابلہ انسان، ضعیف البنیان سے نہیں ہو سکتا۔ پس انسان میں

ایسی قابلیت ہونا ضرور ہے ۔ کہ جیسی ضرورت دیکھے ویسا بن جائے ۔ تاکہ زمانہ کا کوئی انقلاب اس کو سخت نقصان نہ پہونچائے "

واضح رہے کہ حالی کا مقصد یہاں یہ نہیں ہے کہ ۔

چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی "

کے مصداق ایک موقع پرست کی طرح رویّہ اختیار کیا جائے ۔ بلکہ ان کا احساس یہ ہے کہ انگریز کے مقابلہ میں ، جو جدید علوم و فنون کی بناء پر اپنی برتری ظاہر کرتا ہے ۔ ہم بھی اس قابل ہو جائیں کہ اس سے علوم و فنون کے معاملہ میں آنکھ ملا کر بات کر سکیں۔

اس دور میں مولوی سید علی بلگرامی نہایت درجہ قابلِ ذکر ہیں ۔ گو آپ غدر کے وقت صرف ۶ سال کے تھے ۔ یہ خاندان مسلمانوں کے ان چند خاندانوں میں سے ہے جنہوں نے سب سے پہلے زمانہ کی بدلتی ہوئی فضا کو پہچانا اور ضرورتِ زمانہ پہ عمل کر کے مسلمانوں میں جدید تعلیم کا شوق پیدا کیا ۔ مولوی سید علی تقریباً تیرہ (۱۳) زبانوں پہ عبور رکھتے تھے ۔ جن میں لاطینی ، اور سنسکرت بھی شامل ہیں ۔ مدراس یونیورسٹی میں سنسکرت کے ایم اے کے ممتحن رہے ۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں مراٹھی زبان کے ریڈر منتخب ہوئے ۔ مولوی سید علی نے گو انگلستان میں ایک مدّت گزاری تھی ۔ لیکن انگریزی تہذیب و تمدن کو بُرا سمجھتے تھے انگریزوں کے تعلق سے ان کی رائے اچھی نہ تھی ۔ اکثر کہتے کہ انہیں روپیہ کمانا اور صرف کرنا آتا ہے ۔ کئی تصانیف اور مضامین میں تمدنِ عرب ، تمدنِ ہند ، تاریخِ ادب ، نہایت مستند اور قیمتی سرمایہ ہیں ۔ مضامین میں ویدک لٹریچر اُردو ادب میں غیر معمولی اضافہ ہے ۔

علامہ شبلی تو ٹھیک " غدر بندی " (مادہ تاریخ ، سنہ ۱۲۷۳ھ کے زمانہ میں پیدا ہوئے ۔ مختلف علوم کے لئے ان کے ماہرین کے پاس تمام ہندوستان میں سفر کرتے رہے ۔ سر سیّد کے ساتھ بھی رہے ۔ لیکن سر سیّد کے سیاسی مسلک سے وہ متفق نہ تھے ۔ نہایت درجہ آزاد خیال ، دلیر طبع اور خود دار تھے مسلم لیگ سے بھی پوری طرح متفق نہ تھے ۔ بلکہ کانگریس کو بہتر سمجھتے تھے ۔ شبلی کے سیاسی خیالات ان کی نثری اور شعری دونوں تخلیقات میں ملتے ہیں ۔ ایک نظم میں صاف لکھتے ہیں ۔

معترض ہیں مجھ پہ میرے مہربانانِ قدیم
جرم یہ ہے کہ میں نے کیوں چھوڑا وہ آئینِ کہن
میں نے کیوں لکھے مضامین سیاست پے بہ پے
کیوں نہ کی تقلیدِ طرزِ رہنمایانِ زمن
کانگریس سے مجھ کو ہے اظہارِ برأت کیوں نہیں
کیوں حقوقِ ملک میں ہوں ہندوؤں کا ہم سخن

علامہ کی بڑی تمنا یہ تھی کہ مسلمان بادشاہوں پر سے تاریخی الزامات رفع کئے جائیں ۔ علامہ کو اس معاملہ میں بھی کافی کامیابی ہوئی ۔ علامہ یہ دیکھ رہے تھے کہ انگریز مورّخ قصداً تاریخ ہند اور خصوصاً عہد وسطیٰ کی تاریخ کو کافی مسخ کر کے ہندوستان ہی میں پڑھا رہے ہیں ۔ علامہ نے ایک بڑا پروجیکٹ شروع کیا ۔ یعنی نامور فرمانروایانِ اسلام کے نام سے ان کی سوانح عمریاں مرتب کی جائیں — دراصل اس پروجیکٹ کا واضح مفہوم یہی تھا کہ نوجوانوں میں عام جمود ختم ہو ۔ ان میں ایک محرکی قوت کا احساس بیدا رہو ۔ اور وہ کسی بڑے انقلاب کے لئے تیار ہوں ۔ کچھ بڑے کام کریں ۔ یہی سلسلہ بعد میں لالہ لاجپت رائے نے بھی نامور فرماں روایانِ ہند کے نام سے شروع کیا تھا ۔ لیکن عمر نے ساتھ نہ دیا ۔ صرف رانا پرتاپ اور شیواجی دو کتب لکھ سکے ۔

علامہ شبلی کا اُردو شعری کلام کم ہے ۔ مثنوی "صبحِ اُمید" اور " قومی مسدس " کی تمام نظموں میں جو قیامِ علی گڈھ کے دوران لکھی گئی تھیں ۔ قومی بیداری کا رنگ خاصہ واضح ہے ۔ تقسیمِ بنگال کی منسوخی اور جنگ بلقان کا ہنگامہ پیدا ہوا تو علامہ نے سیاسی مضامین کے ساتھ ساتھ سیاسی نظمیں بھی لکھیں ۔ جن میں بعض ایسی تیز و سخت تھیں کہ قابلِ ضبطی سمجھی گئیں ۔ سیاسی نظموں میں علامہ شبلی کو اس دور کے پیشرو و پیشوا کا مرتبہ دیا جا سکتا ہے ۔ " علوم جدیدہ اور مذہب " کے عنوان سے جو مقالہ آپ نے لکھا تھا اس میں مذہب کا سائنسی نقطۂ نظر سے جائزہ لے کر یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ مذہب اور سائنس میں کوئی تضاد نہیں ہے ۔ ان کی تمنا تھی کہ ہمارے ملک میں ایسے جدید مذہبی علماء پیدا ہوں ۔ جو سائنس پر عبور رکھتے ہوں

" محققاتِ الہند " مقالہ میں ہندی زبان کا فنِ بلاغت اور اس کے جذبات اور احساسات پر اثرات سے بحث کی گئی ہے

اس دور کی ایک اور قابلِ قدر ہستی مولوی سید احمد دہلوی ہیں۔ جنہوں نے "فرہنگ آصفیہ" ترتیب دی ہے۔ ۱۸۴۶ء کی پیدائش ہے۔ غدر کے عینی شاہد ہیں۔ مولوی صاحب نے بڑی کثرت سے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جن میں شعر و ادب کے علاوہ تاریخ اور درسی کتب بھی شامل ہیں۔ تاریخ کی طرف متوجہ ہونا دراصل اسی خاموش جذبۂ مزاحمت کی نشان دہی کرتا ہے کہ آج نہ سہی ماضی میں ہم ضرور حکمراں طاقت سے برتر تھے۔

اس دور کی کئی نامور ہستیاں ہیں۔ جیسے پنڈت رتن ناتھ سرشار، مولوی عبدالحلیم شرر، منشی سجاد حسین ایڈیٹر "اودھ پنچ" وغیرہ۔ جن کے تذکرہ کا متحمل موجودہ مقالہ نہیں ہو سکتا ہے۔

اسی طرح اُردو صحافت نے بھی اس دور میں اسی مزاحمتی جذبہ کو برقرار رکھا۔ بلکہ بعض کی آواز تو احتجاج سے گزر کر انقلاب تک پہنچی اور سخت سے سخت سزاؤں کے مستحق قرار پائے۔ اسی دور کے مشہور مضمون نگار ناصر علی خاں گزرے ہیں۔ ۱۸۴۲ء کی پیدائش ہے۔ ناصر علی خاں نے کوئی تصنیف یادگار نہیں چھوڑی۔ البتہ "تیرھویں صدی" اور "زمانہ" کے نام سے پرچے نکالے۔ آپ کا مشہور جریدہ "صلائے عام" تھا۔ نام سے ہی اس جذبۂ بیداری کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ مضامین میں زبان و بیان سے زیادہ خیال و فکر کو اہمیت دی جاتی تھی۔

اس دور کی اُردو صحافت کے تعلق سے گارساں دی تاسی نے اپنے ایک خطبہ میں ذکر کیا ہے کہ ہندوستان کی جنگِ آزادی اور فرنگی سامراج کے خلاف ہندوستانیوں کو جدوجہد کے لئے اُبھارنے میں اُردو صحافت اور اُردو صحافیوں نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ مارگریٹ بارنس نے اپنی کتاب "انڈین پریس" میں واضح طور پر لکھا ہے کہ غیر ملکی طاقتوں کے خلاف اپنی تحریروں کے ذریعہ اگر کسی نے ہندوستانیوں میں آزادی کی چنگاری کو شعلے میں تبدیل کیا ہے۔ تو وہ اُردو اخبارات تھے۔

دہلی اخبار :-

یہ وہی اخبار ہے جس کا تذکرہ اُوپر ہو چکا ہے محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر (کہیں باقر علی خاں لکھا ہے) نے دہلی سے جاری کیا تھا۔ دہلی کا یہ پہلا اخبار تھا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کو سب سے پہلے اسی اخبار نے انقلابی جنگ کا د[...] دیا۔ بڑی بے باکی اور مجاہدانہ عزم و ہمت کے ساتھ انگر[...] کے خلاف باغیانہ مضامین شائع کئے۔ ہر شمارہ میں مجاہدین آ[...] کے کارناموں کو نمایاں طور پر شائع کر کے عوام سے اپیل کی کہ وہ جنگ میں حصہ لیں۔ اس اخبار کا ایک قدیم فائیل نیشن[...] آرکائیوز آف انڈیا میں موجود ہے۔ دہلی اخبار کے ایڈی[...] مولانا باقر علی پہلے دہلی یونیورسٹی میں انگریزی کے لیکچرر تھے۔ [...] انگریزی دانی کے انگریز بھی قائل تھے۔ کالج کے پرنسپل مسٹ[...] نے کالج کو عیسائی مشنری کا گڑھ بنا رکھا تھا۔ مولانا نے پہلے سمجھایا پھر استعفیٰ دے دیا۔ اور ۱۸۳۶ء میں "دہلی اخبار" جاری کر دیا۔ ۷ رمئی ۱۸۴۰ء کو اس کا نام بدل کر "دہلی ا[...] اخبار" کر دیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف ہمیشہ لکھتے رہے [...] کی بغاوت کو نہایت شاہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ او[...] عام اپیل کی کہ بہادر شاہ ظفر کی شہنشاہیت کا اعلان کر [...] تمام ہندوستانی علم بغاوت بلند کر کے انگریزوں کو نکال باہ[...] آپ نے چاندنی چوک میں مورچہ بھی سنبھال لیا تھا۔ مجاہدی[...] ٹیلر کے مکان کی طرف دوڑے۔ وہ نوکر کا بھیس بد[...] بھاگا اور سیدھا مولانا کے گھر پہنچا۔ مولانا نے ازراہ ان[...] پناہ دی۔ لیکن جب وہ مکان سے نکلا تو مجاہدین نے پکڑ[...] ختم کر دیا۔ جب مزید انگریز فوج دہلی میں داخل ہو گئی او[...] کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے مولانا باقر کو گر[...] کیا گیا۔ میجر ہڈسن کے سامنے پیش ہوئے اور اس نے ٹیل[...] متعلق پوچھ کر آفس ہی میں انہیں قتل کر دیا۔ یہاں ایک مشتبہ ہے کہ آیا مولانا باقر علی، محمد حسین آزاد کے والد تھے کیونکہ وہ بھی گرفتار ہوئے تھے اور دہلی سے باہر کیمپ میں گولی ماردی گئی تھی۔ جیسا کہ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

جامِ جہاں نما :-

۲۷ رمارچ ۱۸۲۲ء کو کلکتہ سے منشی سدا[...] کی ادارت میں اردو فارسی کا اخبار "جامِ جہاں نما" [...] ہوا۔ اس کے مالک لالہ ہری ہردت اور انگر[...] ہوپ تھے۔ ابتدا میں یہ اخبار ہندوستانیوں کے[...] کی ترجمانی کرتا تھا۔ اور اس کو سرکاری امداد بھی حا[...]

لیکن بعد میں لالہ جی نے خود ادارت سنبھالی اور سرکار کی ہمنوائی ترک کر دی۔ اور اخبار کی پالیسی بدل دی اور بھارت کے مسائل کو پوری جرأت کے ساتھ پیش کرنے لگے۔ ایک مضمون مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خلاف شائع ہوا۔ جو انگریزوں کے بہی خواہ تھے۔ فوراً سرکاری امداد بند ہو گئی اور بعد میں اخبار بھی بند کر دیا گیا۔ یہ اخبار ہفتہ وار تھا اور صفحہ اوّل پہ نام کے دونوں جانب تاج برطانیہ کے بلاک تھے۔ لالہ ہری ہر دت نے تاج برطانیہ کے بلاک بھی نکال دیئے تھے۔ پہلے ان سے معافی نامہ طلب کیا گیا۔ لیکن لالہ جی نے انکار کر دیا۔ ان کی غیرت مندی نے یہ گوارہ کیا کہ اخبار بند ہو جائے۔ یہ اخبار ۵۵ سال سے جاری تھا۔

بہادر شاہ ظفر نے بھی "سراج الاخبار" کے ذریعہ عوام کو بغاوت پہ ابھارا۔ سید جمیل الدین ایڈیٹر "صادق الاخبار" کو بھی تین سال قید با مشقت کی سزا ملی تھی۔ "منظوم دکن" کے ایڈیٹر عظیم الدین اور امیر الدین کو شہر بدر کر دیا گیا تھا۔ لاہور کے ہفتہ وار "پنجابی" کے ایڈیٹر لالہ جسونت رائے کو دو سال کی قید ہوئی۔

بہرحال ان مجاہدین آزادی نے صحافت کے ذریعہ جنگ آزادی میں برابر کا حصہ ادا کیا۔ اور دراصل بعد کے یعنی ۲۰ ویں صدی کی صحافت اپنی مجاہدین کی قربانیوں کا پرتو لیے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔ جس نے بعد میں انقلاب کی صورت اختیار کر لی۔

مجھے اس بات کا پوری طرح احساس ہے کہ اس موضوع کا حق ادا نہ کیا جا سکا۔ مندرجہ بالا سطور دراصل موضوع کا تعارف ہے کہ اہل علم اور محققین اس موضوع کو علیحدہ سے تحقیق کا موضوع قرار دے کر اس سے انصاف کریں اور ایک مبسوط کتابی شکل میں ان مجاہدین کی قربانیوں کو محفوظ کیا جائے جو علم و ادب کی راہ سے کی گئیں اور آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں۔

صفحہ نمبر ۱۴ سے آگے

ہندوستان کی جنگ آزادی میں عورتیں۔۔۔

آگے بڑھنے لگیں تو فوج کے ایک افسر نے ان پر گولی چلا دی۔ وہ گولی ان کی پیشانی پر لگی، اور وہ شہید ہو گئیں۔ دم توڑتے وقت بھی قومی پرچم اسی طرح ان کے ہاتھوں میں تھا۔

شریمتی کستور با گاندھی سے کون واقف نہیں

مہاتما گاندھی کو گاندھی جی بنانے میں کستور با گاندھی کا بڑا ہاتھ تھا۔ گاندھی جی نے خود بھی کستور با پر سختیاں کی تھیں لیکن کستور با تو ایک مشرقی کردار کی محبت و ایثار کی دیوی تھیں۔ انہوں نے بڑی وفاداری کے ساتھ گاندھی جی کا ساتھ نبھایا تھا اور ان کے ساتھ جیل کی تکالیف بھی برداشت کی تھی۔ سنہ ۱۹۴۲ء کی تحریک میں انہیں بھی گاندھی جی کے بعد اگست میں ہی گرفتار کیا گیا تھا اور انہیں پونے کے آغا خاں محل میں مہاتما گاندھی کے ساتھ ہی نظر بند کر کے رکھا گیا تھا اسی محل کی چہار دیواری میں نظر بندی کے وقت وہ ۲۲ فروری سنہ ۱۹۴۴ء کو شہید ہو گئی تھیں۔

ایک اندازے کے مطابق ہندوستان کی ہر ملت کی قریب ایک ہزار عورتوں نے ہماری جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا۔ لاٹھیاں اور گولیاں کھائی تھیں۔ جیل کی مشقتیں بھی برداشت کی تھیں اور اسی کے باعث شہید بھی ہوئیں۔

عورتوں کی تعداد بھلے ہی کم رہی ہو مگر ان کی قربانی ایک خاص اہمیت رکھتی ہے کہ وہ ملک کے لئے کیا لڑتیں جبکہ وہ خود اپنے گھروں میں ہی شوہروں اور بزرگوں کی نگرانی میں تھیں ویسے جب بھی موقع ملا تو ملک کی آزادی کے لئے جان دینے سے بھی دریغ نہ کیا۔

نیتا سبھاش چندر بوس

کی ایک پلٹن صرف عورتوں کی تھی اور ڈاکٹر لکشمی سہگل اس پلٹن کی کمانڈر تھیں۔ وہ اب بھی بقید حیات ہیں اور کانپور میں اپنا نرسنگ ہوم چلا رہی ہیں۔

اس طرح ہندوستان کی جنگ آزادی میں ہندوستانی خواتین کا اہم رول رہا ہے اور وہ بھی مردوں کے ساتھ برابر کی حصہ دار رہی ہیں۔ ●

صدر ہند شری گیانی ذیل سنگھ ، ش
منوہر در پے کو یکم جون ۱۹۸۵ء سے
"۳۲ ویں قومی فلمی میلے ۱۹۸۵ء میں ش
بہترین معلوماتی فلم بڑاماڈیا" بنانے
چاندی کنول اور ۱۰،۰۰۰ روپے کا
دے رہے ہیں ۔
"بڑاماڈیا" حکومت مہاراشٹر سے
ڈائریکٹوریٹ جنرل برائے اطلاعات و
عامہ کی جانب سے پیش کی گئی تھی ۔
میلے میں "بڑاماڈیا" کو انتھروپولوجیکل
ہیومن ریس زمرے میں بہترین فلم ق
دیا اور بہترین ہدایتکاری اور پیش
کے لئے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کو الگ
چاندی کنول اور دس دس ہزار ر
ایک ایک سند کے ساتھ دیئے گئے



بڑاماڈیا

آر ۔ جی ۔ مائیدیو
اسسٹنٹ ڈائریکٹر
ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز ۔

تلخیص و ترجمہ :۔
فیروزہ فیاض خ

ڈاکیومنٹری فلم "بڑاماڈیا" جو کہ حکومت مہاراشٹر کے ڈائرکٹوریٹ جنرل برائے اطلاعات و رابطۂ عامہ کی جانب سے بنائی گئی تھی ۔ ۳۲ ویں قومی فلمی میلے میں داخلے کیلئے مہاراشٹر کی نمائندہ فلم تھی ۔ اس میلے میں اسے بہترین فلم قرار دیا گیا [انتھروپولوجیکل ہیومن ریس زمرے میں] اور بہترین اداکاری اور پیش کش کیلئے ڈائرکٹر و پروڈیوسر کو الگ الگ "چاندی کنول" ایک ایک سند اور نقد انعامات ۱۰،۰۰۰ روپے فی کس کے حساب سے ملے ۔

قومی راج

یہ انعامات یکم جون ۱۹۸۵ء کو دہلی کے وگیان بھون میں منعقدہ تقریب میں صدر ہند شری گیانی ذیل سنگھ کے ہاتھوں دیئے گئے۔

اس سے قبل اس ڈاکیومینٹری فلم کو ریاستی حکومت کا پہلا انعام اور ۳۰۰۰ روپے نقد انعام مل چکا ہے۔

نیا ضلع گڈ چرولی مہاراشٹر کے مشرقی حصے میں واقع ہے جس کے دونوں جانب سرحدیں مدھیہ پردیش سے ملتی ہیں اور شمال میں اسی کی سرحد آندھرا پردیش سے لگی ہوتی ہے۔ مقابلتاً یہ ایک پسماندہ علاقہ ہے۔ جنگلات سے گھرا ہوا اور یہاں کی زیادہ تر آبادی ادیباسیوں پر محمول ہے اس جنگلوں میں رہنے والے ادیباسی "ماڈیا" کہلاتے ہیں۔ ادھر ایسے ادیباسی جو کہ پہاڑوں کی وادیوں میں رہتے ہیں وہ اپنے آپ کو "بڑا ماڈیا" کہتے ہیں۔ یہ ڈاکیومینٹری فلم انہیں "بڑا ماڈیا" قبیلے کی زندگی کی عکاسی کرتی ہے۔

ریاستی حکومت نے پچھلے چند سالوں سے یہ کوشش کی ہے کہ ترقیاتی اسکیموں سے ادیباسیوں کی زندگی میں تبدیلیاں لائی جائیں۔ خاص طور پر وہ علاقے جو کہ قبائلی ضمنی منصوبوں میں شامل ہیں۔ کیونکہ ریاست میں قبائیلیوں کی آبادی ۲۵٪ ہے مگر پھر بھی ان کے رہنے سہنے، ثقافتی پہلو میں کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوتی ہے۔ خاص طور سے ایسے قبائیلیوں کی رہائش وطور طریقوں میں تبدیلی ناممکن ہے جو کہ پہاڑی علاقوں میں بسے ہوتے ہیں اور جہاں زیادہ تر ناخواندگی ہے۔ وہاں تبدیلیوں کا لانا اور پرانے رسم ورواج سے چھٹکارا دلانا قدرے مشکل کام ہے۔

Free lance سینماٹوگرافر شری منوہر ایس وارنے کو ہدایت کاری اور فوٹوگرافی کی دوہری ذمہ داری ڈاکیومینٹری فلم "بڑا ماڈیا" کیلئے ریاست مہاراشٹر کے ڈائریکٹوریٹ جنرل برائے اطلاعات ورابطہ عامہ نے دی تھی۔ میں نے ان سے ملاقات کی تاکہ فلم کے سلسلے میں ان کے تجربات جان سکوں۔

سوال :۔ آپ نے اپنا کام کیسے شروع کیا؟

جواب :۔ میری یونٹ میں چار ٹیکنیشین تھے جن میں سے ایک میں خود تھا۔ ہم سب کل ۹ آدمی تھے بشمول سرکاری افسران اور جیپ ڈرائیوروں سے جو کہ چندرپور سے ہمراہ ہوئے تھے۔ گڈ چرولی کے کلکٹر شری آر۔ وائی گائیکواڑ اور ضلع پریشد سی ای او شری یو۔ سی۔ سارنگ نے گڈ چرولی میں ہمارے دورے کا مکمل بندوبست کر دیا۔ دونوں جیپوں میں مع سازوسامان کے ہم ۴ بجے دن کو چندرپور سے روانہ ہوئے۔

سوال :۔ اسی سلسلے میں آپ نے کیا کیا احتیاط برتی؟

جواب :۔ بمبئی ہی میں مجھے علم تھا کہ گڈ چرولی میں ملیریا مچھر بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس لئے ہم لوگوں نے پہلے ہی گولیاں ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق کھالی تھیں۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ بھامرہ گڑھ کا ادیباسی ڈیولپمنٹ افسر ملیریا کا شکار ہو کر اچانک فوت ہو چکا تھا۔

سوال :۔ آپ نے اسکرپٹ کیسے تیار کی؟

جواب :۔ بہت تلاش کرنے پر بھی ہمیں "بڑا ماڈیا" قبیلے کے متعلق زیادہ مواد فراہم نہ ہو سکا۔ اسی لئے میرے پاس کوئی تیار اسکرپٹ تو تھی نہیں حالانکہ فلم بنانے کے لئے اسکرپٹ بہت ضروری ہے۔ ہماری یونٹ بھامرا گڑھ دوسرے روز ۳ بجے صبح پہنچی۔ خوش قسمتی سے ہمیں یہ پتہ چل گیا کہ شری بابا آمٹے جنہوں نے اپنی زندگی ادیباسیوں کی بہبود کے لئے وقف کر دی ہے۔ یہاں ادیباسیوں کے لئے بنائے گئے آشرم شالا اسپتال کے دورے پر آتے ہیں جو کہ بھامرا گڑھ کے قریب ہیمل کاسا میں واقع ہے اور اسے ان کی دھرم پتنی اور ان کے بیٹے ڈاکٹر پرکاش آمٹے چلاتے ہیں چنانچہ ہم ہیمل کاسا روانہ ہوئے اور بابا آمٹے نیز ان کے بیٹے سے اس سلسلے میں بات چیت کی میری اسکرپٹ پہنچتے ہی تیار ہو گئی۔ صفحات پر نہیں۔ ہاں میرے ذہن میں۔ مجھے ان کی مدد درکار تھی کیونکہ آٹھ سے دس روز کے اندر اندر ہمیں فلم کی شوٹنگ مکمل کرنی تھی۔ بابا آمٹے نے کہا ہمیں یہاں دس سال ہو گئے مگر آج بھی ہم "بڑا ماڈیا" کو مکمل طور پر نہیں جانتے ہیں۔ آپ ۸ یا ۱۰ روز میں ان کی زندگی کو کیسے سمجھ سکیں گے۔ انہوں نے ہمیں ایک خط شری مکند دکشت کے نام دیا جو کہ ان کے جانکار تھے اور "بڑا ماڈیا" کیلئے بہبودی کے کاموں میں معاون تھے۔ ان سے ملنے پر وہ ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ان سے بھی اسکرپٹ سے مکمل ہوتے

ترمی راج

میں بڑی مدد ملی۔

سوال :۔ آپ کا پہلا قیام کہاں ہوا ؟

جواب :۔ سب سے پہلے ہم بڑاماڈیا کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں گئے۔ یہاں ریاستی حکومت بعض تبدیلیاں کرنے میں کامیاب رہی ہے۔ یہاں بڑاماڈیا کے گھر ایک ہی قطار میں بنے ہوئے نظر آئیں گے اور گھر کی چھتیں منگلور ٹائلز سے بنی ہوئی نظر آئیں گی۔ اس کے علاوہ کھیتوں کے لئے جنگلوں کو صاف کیا گیا ہے۔ انہیں بکریاں، سور اور گائے وغیرہ فراہم کئے گئے ہیں۔

یہ دیکھ کر میں نے سوچ لیا کہ بڑاماڈیا کی زندگی میں جو تبدیلیاں آئیں وہ میں یہاں سے اپنی فلم کے لئے چن سکتا ہوں اور اصلی بڑاماڈیا اب بھی جنگل میں رہتے ہیں۔ وہاں موٹر سے جانے کا راستہ بنا ہے۔ شام تک ہم ایک گاؤں میں پہنچ گئے اور وہاں گوٹل میں ہم نے ٹھہرنا مناسب سمجھا اور آگے بڑھنے سے قبل تھوڑی بہت شوٹنگ کا تہیہ کر لیا۔

سوال :۔ بڑاماڈیا کے نوجوانوں سے آپ نے کیسے رابطہ قائم کیا ؟

جواب :۔ گوٹل میں ہمارے قیام کے دوران بڑاماڈیا کے نوجوان خود ہمیں دیکھنے کے لئے جمع ہونے لگے اس طرح ان سے ملنے کا بہانہ ہاتھ آگیا مگر زبان یارمن ترکی و من ترکی نمی دانم۔ تھوڑی سی ہی مشکل تھی۔ مکندراؤ جو ہمارے ساتھ تھے، ترجمانی کرنے لگے۔ اس کے بعد ۷ بڑاماڈیا نوجوان تیرکمان کے ساتھ آئے۔ وہ اسی علاقے سے تعلق رکھتے تھے جہاں ہمیں کل روانہ ہونا تھا۔ مکندراؤ نے ان سے کہا کہ ہمارے آنے کی خبر مکھیا سے کردیں۔ اس وقت تک بڑاماڈیا نوجوان لڑکے اور لڑکیاں گوٹل کے قریب جمع ہورہے تھے اور "بڑاماڈیا" رقص انہوں نے شروع کردیا۔ ساتھ گانے بھی لگے۔ میں نے اپنے اسسٹنٹ سے کہا کہ وہ اس گیت کو ٹیپ کریں۔ رقص ختم ہونے کے بعد ہم نے وہ ٹیپ لگایا۔ بڑاماڈیا نوجوان متعجب ہوئے اور ہنسنے لگے خوشی سے مارے اور اس طرح ہم لوگ ایک دوسرے سے قدرے کھل گئے اور وہ لوگ رات گئے تک ناچتے رہے۔

سوال :۔ کوئی قابل ذکر تجربہ ؟



پرندوں کا شکار کرنے کیلئے خاص طور پر بنائے گئے تیرکمان کرتا ہوا ایک بڑاماڈیا نوجوان۔

جواب :۔ کھانے کے بعد ہم چاہتے تھے لکڑی پر الاؤ کے اردگرد گوٹل میں رات گذاریں لوگ تھکے ہوئے تو تھے ہی جلد نیند آگئی۔ جنگلی جا[نور کی] آواز سے آدھی رات کو میری آنکھ کھل گئی۔ باقی سب بے خبر سو رہے تھے۔ دوسرے روز مکند کی زبانی [معلوم ہوا کہ] گوٹل میں چیتا آیا تھا۔

سوال :۔ آپ کا پہلا شاٹ کیا تھا ؟

جواب :۔ دوسری صبح ہم نے شوٹنگ کی تیاری[اں کیں۔] بڑاماڈیا دو دوشیزائیں پانی بھرنے گوٹل آئی تھیں۔ ان کے پانی میں عکس نے مجھے پہلے شا[ٹ کے لئے] آمادہ کرلیا جبکہ اپنی گاگر وہ پانی میں ڈالے ہو[ئے تھیں] اور یہی میرا پہلا شاٹ تھا۔ اس کے بعد ہم نے ان [کے گھروں کا] شاٹ لیا جو بہتر حالت میں تھے اور جن کی سرکاری مد[د سے] مرمت کی گئی تھی اور بعد میں ہم گاؤں کی جانب [روانہ ہوئے۔]

سوال :۔ اس کے بعد ؟

جواب :۔ اس کے بعد ہم لوگ ایک بہت [چھوٹے] گاؤں میں پہنچے جس کا نام تھا کواکو[ٹی جو ایک] وادی میں بسا ہوا تھا۔ اور چاروں جانب پہاڑ [اور] گھنے جنگلوں میں سے گذرتے ہوئے ہم وہاں [پہنچے۔]



ڑا ماڈیا" اپنے خوش حالی کے دیوتا کھوماتا کی پوجا کرتے ہوئے۔

ہوں یہ ہمارے ساتھی بڑا ماڈیا نوجوانوں نے جیپ کے لیے
توں کی شاخیں کاٹ کر جگہ بنائیں۔ جس گوتل میں ہمارا
یام تھا اسے بڑا ماڈیا لڑکیوں نے بڑا صاف ستھرا کر رکھا
ھا۔ لکڑی کی گھاٹ کو جنگلی بیلوں اور لکڑی کی چھال
سے باندھا تھا، ہمارے لئے رکھی گئی تھیں۔ جنگل کی
یزوں کا بڑا ماڈیا اچھا استعمال کرتے ہیں۔

سوال :۔ آپ کے کیا تاثرات تھے؟

جواب :۔ بڑا ماڈیا قبائیلیوں کی رنگت کافی کھلی ہوتی ہے۔ یہ اس کے بالکل برعکس ہے جیسا کہ دوسرے مہاراشٹر کے قبائیلیوں کی ہے۔ لڑکوں کے لمبے بال ہوتے ہیں اور وہ انہیں پیچھے باندھ لیتے ہیں۔ جسے جنس مخالف کے لئے پرکشش سمجھا جاتا ہے۔ عورتیں ایک چھوٹا سا کپڑا کمر پر باندھ لیتی ہیں اور ان کے سینے کھلے رہتے ہیں۔ انہیں اس طرح دیکھ کر ہمیں تھوڑی سی جھجک محسوس ہوئی۔ بعض عورتیں ایسی بھی تھیں جنہوں نے اپنے سینے ڈھانک رکھے تھے۔ مگر جلد ہم نے اپنے آپ کو ماحول کے مطابق رنگ لیا۔ مگر اس کے برعکس ہمارے کپڑے انہیں عجیب لگے جو کہ پورے جسم کو ڈھانکے ہوتے تھے۔ میرے پاس بہت سارے چاکلیٹس تھے۔ میں نے انہیں بڑا ماڈیا نوجوانوں میں تقسیم کیا۔ وہ اس کے ریپر میں دلچسپی لینے لگے۔ میں نے ایک چاکلیٹ کو کاغذ سے علیحدہ کیا اور کھایا اور انہوں نے میری تقلید کی۔ انہیں چاکلیٹ بہت اچھی لگی۔ میرے اور ان کے درمیان کچھ اور ربط بڑھا۔

ہمارے ساتھی مکندراؤ جی سے کافی لوگ متعارف تھے۔ وہ ان سے اپنی زبان میں باتیں کرنے لگے جو ہماری سمجھ سے باہر تھیں۔ مکندراؤ جی نے ہمارے یہاں آنے کا مقصد بیان کیا اور ہمارے سامان کے بارے میں انہیں بتایا کہ یہ کس کام آتا ہے جس سے ان کا اعتماد حاصل کیا جاسکا۔ میں چاہتا تھا کہ بڑا ماڈیا کے نوجوانوں کی زبانی ان کے عقائد، ان کی تہذیب، ان کے رسم و رواج، جھاڑ پھونک، جادو ٹونا سے متعلق معلومات اکٹھا کروں جیسے گوتل اور ان کی زندگی میں اس کی اہمیت، خواتین، ان کی زندگی، مذہب وغیرہ کے متعلق باتیں۔ اور مجھے ان سے ان سوالوں کے بڑے بے باک جواب ملے۔ جیسے کہ انہوں نے بذاتِ خود ڈاکیومنٹری بنانے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لی ہو۔

بڑا ماڈیا نوجوانوں نے الاؤ کے اردگرد ناچنا شروع کر دیا۔ مکندراؤ جی نے بھی تان کلاتھ کا ایک کپڑا اپنے اردگرد لپیٹ کر ان کے ساتھ رقص شروع کر دیا۔ مجھے میرے شہری پن نے اس بات کی اجازت نہیں دی۔

سوال :۔ آپ نے وہاں شوٹنگ کس طرح کی؟

جواب :۔ یہ ایک مشکل مسئلہ تھا جیسا کہ وہ لوگ ایکٹنگ اور کیمرے سے نابلد ہیں۔ مکندراؤ جی کو بہت محنت کرنی پڑی۔ Shot حاصل کرنے کے لئے (اور آخر ایک مرتبہ تو مکندراؤ جی بھی تنگ آگئے اور انہوں نے مجھے شاٹ تبدیل کرنے کے لئے کہا۔) میں نے ایک شاٹ دو یا تین گھنٹے میں مکمل کیا اور پوری شوٹنگ دس سے بارہ دن میں ہوئی۔ ۳۱ مارچ ۱۹۸۴ء سے قبل مجھے ہر چیز مکمل کر لینی تھی

سوال :۔ گوتل کیا ہے جس کا آپ نے بار بار ذکر کیا ہے؟

جواب :۔ گوتل بڑا ماڈیا کا ایک کافی بڑا جھونپڑا ہوتا ہے جو کہ یا تو بستی کے اندر یا پھر قدرے باہر بنایا جاتا ہے۔ یہ جھونپڑا گاؤں کا سب سے بڑا جھونپڑا ہوتا ہے۔ جس میں دو بڑے کمرے ہوتے ہیں۔ گاؤں کے کسی ایک شخص کو یہاں

کا ناظم مقرر کیا جاتا ہے جس کے لئے غیر شادی شدہ ہونا ضروری ہے۔ شادی کے فوراً بعد یہ ذمہ داری اس سے لے لی جاتی ہے۔ اس کی ہر بات مانی جاتی ہے اور وہی گوتل کی دیکھ بھال بھی کرتا ہے۔ اس کی شادی کے فوراً بعد گاؤں کا مکھیہ اور پجاری کسی اور شخص کو منتخب کر لیتے ہیں گاؤں کے نوجوان شادی کی عمر کے لڑکے لڑکیاں رات کھانے کے بعد گوتل میں جمع ہوتے ہیں اور یہاں رقص کرتے ہیں اور یہیں رات بھی بسر کرتے ہیں۔ یہاں انہیں شادی سے قبل ہم بستری کی اجازت ہے اگر اس میں لڑکے اور لڑکی کی مرضی شامل ہو تو۔ اور اگر اس طرح کوئی لڑکی حاملہ ہو جائے تو اسے ناجائز حمل قرار نہیں دیا جاتا ہے اور شادی کے بعد وہ بچہ ان لوگوں کے ساتھ رہتا ہے۔ بڑا ماڈیا میں زنا بالجبر کے واقعات ہوتے ہی نہیں ہیں۔ اگر کسی کو زنا بالجبر کے جرم کا مرتکب قرار دیا گیا تو اس کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ وہ پورے گاؤں کو گورگا شراب پلاتے اور اس شراب کا بنانا یا مہیا کرنا مشکل کام ہے یا پھر کئی سال تک اسے گورگا شراب تیار کرنے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے تب کہیں جاکر اسے چھٹکارا ملتا ہے۔ یہ ایک طرح کی سخت ترین سزا ہے۔

گوتل میں رہنے کے دوران لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور اگر چاہیں تو ایک دوسرے سے شادی کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے لڑکے کے باپ کو لڑکی کے باپ کے پاس جانا پڑتا ہے اور وہ اپنے ساتھ شراب بھی ... ہے مع دیگر رشتہ داروں کے وہ پتوں کے ... شراب انڈیلتا ہے۔ پہلے لڑکی کے باپ کو اور پھر ... دیتا ہے۔ اگر لڑکی کا باپ شراب قبول کرے کہ یہ شادی اسے منظور ہے اور اس سلسلے میں آگے ... ہے ورنہ دولہے کے باپ کو خالی ہاتھ واپس آنا پڑتا ... وہ شراب قبول بھی کر لیتا ہے تو لڑکے کے باپ ... شاعرانہ انداز میں کہنا پڑتا ہے کہ ان کے چمن میں ... خوبصورت پھول کھلا ہے جو وہ اپنے لڑکے کے ... چاہتے ہیں اور اس کے بعد بھی ایک پیالہ گھر کی د... رکھا جاتا ہے۔ اگر لڑکی اسے قبول کر لے تو اس ... ہے یہ رشتہ اسے بھی منظور ہے۔ اگر رشتہ نامنظو... باہر ہی نہیں آتی ہے۔ لڑکی کی رضامندی کے بعد یہ ... طے ہو جاتی ہے چنانچہ گوتل کے ذریعے ہی لڑکیا... چن لیتی ہیں اور شادی کروانے میں گوتل کا بڑا اہم ... شادی بیاہ کے وقت کی رسومات کیا ہیں ؟۔

لڑکے کے باپ کی جانب سے لڑکی کے با... دیا جاتا ہے۔ اس میں روپے یا کپڑا جو لڑکی اپنی ... ہے اور سات آٹھ کلو دری شامل ہوتی ہے ... یہ سب نہیں دے سکتا ہے تو اسے لڑکی کے ... پڑتا ہے اور اس مدت کے دوران وہ لڑکی



بڑا ماڈیا،
لوکی اور کدو، روزمرہ کی زندگی
میں مختلف طور سے
استعمال میں لاتے ہیں۔

رشتہ قائم نہیں رکھ سکتا اور اس دوران لڑکی کسی اور کے ساتھ اپنے شوہر کی رضامندی سے تعلقات رکھ سکتی ہے۔ اس دوران یہ شرط ہے کہ لڑکی حاملہ ہونے سے خود کو بچائے رکھے۔

لڑکے والے اکثر لڑکے کو چھوڑنے گاؤں کی سرحد تک آتے ہیں اور لڑکی شادی کرکے لڑکے کے گھر جاتی ہے اس موقع پر گیت گائے جاتے ہیں۔

لڑکا لڑکی کو پنڈال میں لایا جاتا ہے جو پتوں سے کافی سجا ہوا ہوتا ہے۔ لڑکی اور لڑکے کے چہرے پر نقاب پڑی ہوتی ہے اور لڑکا لڑکی بھوماتا کو پانی دیتے ہیں اور پوجا کرتے ہیں کہ اب اس گھر میں ایک نیا جوڑا رہنے آرہا ہے۔

شادی کے بعد لڑکی سوائے اپنے شوہر کے کسی اور سے تعلقات نہیں رکھ سکتی ہے۔ اسے گوتل جانے سے بھی روکا جاتا ہے اور گھر کا کام کاج کروایا جاتا ہے جس میں مچھلی پکڑنا اور جنگلوں سے تیل کی جگہ استعمال کرنے والی بوٹیاں ڈھونڈنا شامل ہے۔ اگر میاں بیوی میں نااتفاقی ہے تو یہ ایک دوسرے سے طلاق لے سکتے ہیں اور عورت دوسری شادی کرسکتی ہے۔ اس صورت میں پہلے شوہر کے بچے بھی اس کے ساتھ دوسرے شوہر کے گھر نہیں رہ سکتے۔ بیوہ کو بھی شادی کی اجازت ہے۔ شادی شدہ عورتوں کو گوتل میں جانے کی ممانعت ہے۔

حاملہ بڑا امادیا خاتون کو اپنا بچہ اپنے آپ پیدا کرنا پڑتا ہے۔ بنا کسی کی مدد کے خود نال کاٹنی پڑتی ہے اور دیگر لوازمات کرنے پڑتے ہیں۔ بچے کو نہلانا وغیرہ۔ سات روز تک ماں اور بچہ الگ رہتے ہیں۔ ماں کو اپنا کھانا آپ پکانا پڑتا ہے۔ اس لئے کئی عورتیں بچے کی پیدائش کے وقت مر بھی جاتی ہیں لیکن بڑا امادیا کا یہ عقیدہ ہے کہ عورت کو ماں بننے کے لئے اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

بچے کی پوری پرورش کی ذمہ داری ماں پر ہوتی ہے ایک سال تک وہ چھاتی کا دودھ پلاتی ہے اس کے بعد اسے کھانا دینے لگتی ہے۔ چار یا پانچ سال کی عمر میں وہ خود اپنے لئے خوراک تلاش کرنے کے لائق ہو جاتا ہے اور ماں کو جنگلوں میں خوراک تلاش کرنے میں مدد کرتا ہے۔ بڑا امادیا اپنے لئے کبھی گائے کا دودھ استعمال نہیں

تودی راج

کرتے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اس پر صرف اس کے بچھڑوں کا حق ہے۔

سوال :- بڑا امادیا کے بارے میں کچھ اور بتائیں؟

جواب :- بڑا امادیا افراد کا کھانا کھانے کا اپنا الگ طریقہ ہے۔ وہ لوگ نوالہ لینے کے لئے انگلیوں کا استعمال نہیں کرتے بلکہ نوالہ پتے پر رکھ دیتے ہیں اور پھر منہ سے اسے پیشانی لگے بنا کھاتے ہیں۔ صبح صبح میں بڑا امادیا گورنگا رس اکٹھا کرتے درختوں پر چڑھتے ہیں اور یہ لوگ درخت سے اتنا ہی گورنگا نکالتے ہیں جتنا انہیں الاٹ کیا گیا ہے۔

سوال :- ان کے مذہب کے بارے میں کچھ بتائیے؟

جواب :- یہ لوگ بھوماتا کے پجاری ہیں۔ مٹی کی مورتی بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ کانسے کی بھی ہوتی ہے جو گھوڑے پر سوار اور سینگوں والی ہوتی ہے۔ تمام مورتیاں مندر جو کہ ایک بڑا جھونپڑا ہوتا ہے اس میں رکھی جاتی ہیں اور پجاری پورے گاؤں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ پوجا کے بعد کانسے کی مورتیاں الگ رکھی جاتی ہیں انہیں کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا ہے۔ بڑا امادیا مندر میں اس وقت ہی جاتے ہیں جب پجاری موجود ہو۔ انہیں دیوی کے عذاب سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ اس لئے مندر کے قوانین پر سختی سے عمل درآمد کیا جاتا ہے۔

مندروں میں صرف انہیں لوگوں کو آنے کی اجازت ہے جو اس قبیلے کے ہیں۔ اس وجہ سے ہمیں شوٹنگ میں بڑی دقت ہوئی۔ کسی بھی جانور کو استعمال سے قبل اسے مندر میں لے جایا جاتا ہے۔ ان میں پہلے انسانوں کی قربانی کا بھی رواج تھا مگر اب یہ رواج ختم ہوگیا ہے مگر مکمل طور پر بند نہیں ہوا اب بھی ایسی خبریں ملتی ہیں۔ وہ جھاڑ پھونک اور جادو ٹونے پر یقین رکھتے ہیں۔ مریض پجاری کے پاس جاتا ہے تاکہ وہ منتر پڑھ کر پھونکے اور اس کی بیماری دور ہو جائے۔ بڑا امادیا قبیلے کے بھوماتا کے ماننے والے زمین پر ہل نہیں چلاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اپنی ماں کا پیٹ نہیں کاٹ سکتے۔ بارش سے قبل یہ لوگ درخت کاٹ کر دریا [illegible] کے بیج بوتے ہیں۔ اس میں تمام گاؤں والے حصہ

لیتے ہیں۔ اور کتائی بھی سب مل جل کر کرتے ہیں۔ اناج ایک جگہ جمع کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہر خاندان اپنی ضرورت کے مطابق اپنے حصّے کا اناج لے جاتا ہے یہاں استحصال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بڑا ماڈیا بہت ایماندار لوگ ہیں۔ مہمان اپنا غلّہ خود اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔

اناج کا ذخیرہ گاؤں کے باہر کیوں ہوتا ہے؟ یہ سوال میں نے ایک بوڑھے بڑا ماڈیا سے کیا تو اس نے بتایا کہ گاؤں میں جھونپڑے میں آگ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے اور اگر اناج کا ذخیرہ گاؤں میں ہو تو ہو سکتا ہے وہ بھی جل جائے ہم اپنے جھونپڑے بہت جلد تیار کر لیتے ہیں لیکن اناج کہاں سے لائیں گے۔

بڑا ماڈیا شکار بھی کرتے ہیں اور وہ بھی گروپ میں اس لئے وہ تیر کا استعمال کرتے ہیں۔ روزمرہ استعمال کے لئے انہیں پیسوں کی ضرورت درپیش نہیں ہوتی ہے۔ اس کا استعمال وہ چند موقعوں پر کرتے ہیں جیسے میلے میں اور وہ اپنی کمائی اس موقع کے لئے جمع کر کے رکھتے ہیں۔ بڑا ماڈیا عورتیں میلوں میں اپنے جسم پر tallo کرواتی ہیں جس سے ہمیشہ کے لئے ان کے جسم پر نقش بن جاتے ہیں۔

موت کی خبر ڈھول بجا کر دی جاتی ہے۔ مردے کو دفنایا جاتا ہے اور قبر پر ایک پتھر رکھ دیا جاتا ہے۔ جتنا اونچا پتھر ہوگا اس انسان کی مقبولیت کا غماز ہوگا۔

سوال:۔ شوٹنگ میں آپ کو سب سے زیادہ کون سا منظر مشکل لگا؟

جواب:۔ رقص کا منظر کیونکہ یہ لوگ رات کے اندھیرے میں ناچتے ہیں اور فلیش لائٹ سے یہ لوگ اس طرح نہیں کر پاتے جتنا کہ نیچرل ہونا چاہئے۔ اس لئے ان سے گزارش کی گئی کہ دن کے وقت کریں اور پھر جب دن کو شوٹنگ ہوتی تو ری ٹیک کے لئے راضی نہیں ہوتے تھے۔ بڑی مشکل سے سکندراو جی نے انہیں راضی کیا اور یہ رقص فلمایا گیا۔

سوال:۔ آپ کی کیا رائے ہے بڑا ماڈیا کے بارے میں؟

جواب:۔ اس ڈاکیومینٹری کے لئے ہم لوگوں کو بڑا ماڈیا ... درمیان رہنا پڑا۔ ہمیں انہیں قریب سے دیکھ... کا موقعہ ملا۔

یہ لوگ کافی امن پسند ہیں، ایماندار ہیں، معصوم ہی... جس وقت ہم لوگ رخصت ہو رہے تھے اس روز پورا گا... ہمیں الوداع کہنے کے لئے آیا ـــــ اور میں آج بھی ان... چہرے نہیں بھول سکتا ہوں۔

قومی راج کے شرح چندے میں تبدیلی

سالانہ:۔ .. .. .. دس روپے
۲ سالہ:۔ .. .. ۔ بیس روپے
۳ سالہ:۔ .. .. .. ۲۷ روپے
۴ سالہ:۔ .. .. .. ۳۶ روپے
۵ سالہ:۔ .. .. .. ۴۵ روپے

چندے کی رقم اسسٹنٹ ڈائرکٹر (ایڈمنسٹریشن) ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر، بیرک نمبر ۱۹، مقابل سروچی بلڈنگ، نزد منترال... بمبئی ۴۰۰۰۳۲، کے پتے پر بھیجی جائے اور چند... کی رقم و قومی راج کی وصولی کے بارے میں خط و کتابت مذکورہ پتے پر ہی کی جائے۔ (ادارہ)

اسکولوں کیلئے کمپیوٹر پلے سینٹرس

حکومت مہاراشٹر نے ریاست کے سلور جوبلی سال ۸۶-۱۹۸۵ء کے جزو کے بطور بعض تعمیری پروجیکٹوں کو جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس میں ایک محکمۂ تعلیم کا کمپیوٹر پلے اسکول پروجیکٹ شامل ہے جس کا مقصد مختلف میدانوں میں کمپیوٹرس کے استعمال کے بارے میں جانکاری دینا ہے۔ ہر ڈیویژنل ہیڈ کوارٹر میں ایک کمپیوٹر پلے سینٹر پائلٹ طرز پر قائم کیا جائے گا۔

دنیا میں کمپیوٹر کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے مہاراشٹر میں بھی اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ کمپیوٹر کا استعمال صنعتی اور زرعی پیداوار اور سروس کے سیکٹروں میں کیا جاتے۔ کمپیوٹر کی معلومات دینے کی غرض سے حکومت مہاراشٹر نے ڈیویژنل ہیڈ کوارٹروں میں پائلٹ طرز پر ایک کمپیوٹر پلے سینٹر قائم کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔ عام تعلیم کے لئے جنرل لگائے گئے کمپیوٹروں کے علاوہ ضلعوں کے مختلف اسکولوں کے ۱۰ سے ۱۸ سال کی عمر کے ۳۰ سے ۴۰ گروپ کے طلباء کو ان مجوزہ سینٹروں میں داخلہ دیا جائے گا اور دو گھنٹے کی ایک اسپیشل ٹریننگ طلباء کے گروپ کو فی طالب علم ایک روپیہ واجبی فیس کے ساتھ دی جائے گی۔ طلباء کو ویڈیو ٹیپ ریکارڈ اور ٹی۔وی کے ذریعے ان کورسوں کی تعلیم دی جائے گی اور اس کی تفصیل کے ساتھ معلومات پلے سینٹر میں لگائے گئے آلات کے ذریعے دی جاتے گی۔ اس کے بعد طلباء کو پمفلٹ کے ذریعے دی گئی ہدایتوں کے مطابق آلات کے استعمال کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

خصوصی تربیت یافتہ اساتذہ بحیثیت مشاہدین کے کام کریں گے اور طلباء کی جانب سے پوچھے گئے سوالات کا جواب دینے کے لئے حاضر رہیں گے۔ یہاں نہ ہی امتحانات لئے جائیں گے اور نہ ہی تعلیم دی جائے گی۔

خاص مقصد

کمپیوٹر پلے سینٹرس کے خاص مقاصد اس طرح ہیں
(الف) کمپیوٹر کے بارے میں صحیح جانکاری دینا۔
(ب) کمپیوٹر کے مختلف پرزوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنا۔
(ج) کمپیوٹر کے پروگرام کی ٹریننگ کی ابتدائی تعلیم دینا۔

نشانہ

یہ پائلیٹ پروجیکٹ صرف ڈیویژنل ہیڈ کوارٹروں میں جاری کئے جائیں گے۔ پروجیکٹ کا نومبر / دسمبر میں تخمینہ لگایا جائے گا۔ اور جلد ہی ان کے تمام ضلعوں کے صدر مقامات میں جاری ہونے کی امید ہے۔ کمپیوٹر سے دلچسپی رکھنے والے تمام افراد کو کمپیوٹر کی ایک عام تعلیم دینے کے علاوہ ہر ضلع میں واقع اسکولوں میں ۱۰ سے ۱۸ سال کے گروپ کے طلباء کو کمپیوٹر کی خصوصی طور سے تربیت دی جائے گی اور اس مقصد کے تحت ڈسٹرکٹ ایجوکیشن افسران ہر اسکول کو سال میں کم از کم ایک مرتبہ مرکز کا دورہ کرنے کا موقع دینے کا پروگرام وضع کریں گے۔

آلات

ریاست کے تمام ڈیویژنل ہیڈ کوارٹروں میں آلات

سے نصب کرنے اور ان کی دیکھ بھال کرنے کے لئے قرالضر ملٹرون سے ڈائن کئے گئے ہیں۔

انتخاب

ڈسٹرکٹ ایجوکیشن افسران کے ذریعے محکمۂ تعلیم اس پروجیکٹ کی عمل آوری کے لئے اسکولوں کا انتخاب ان کی مالی حالت کا جائزہ لینے کے بعد کرے گا محکمۂ تعلیم اسکولوں کے انتظامیہ سے صلاح ومشورہ کرنے کے بعد تین اساتذہ کا اسکولوں کے لئے انتخاب کرے گا۔

حکومت نے اس مقصد کے تحت مندرجۂ ذیل سینٹروں پر کمپیوٹر پیلے اسکولس نصب کرنے کا فیصلہ کیا ہے :۔ بال موہن ودیا مندر، دادر بمبئی ۲۸ ۔ سادھنا ودیالیہ ڈپسر، پونے ۴۸ ۔ دی بوائز ٹاؤن پبلک اسکول ناسک ۵ شری سرسوتی بھون شکشن سنستھا سیکنڈری اسکول، اورنگ آباد ۔ سنی بائی گجراتی ودیالیہ اسا پیٹھ، امراؤتی اور پٹوردھن ہائی اسکول، ناگپور ۔

ٹریننگ

یونیورسٹی آف پونے محکمۂ تعلیم کی طرف سے منتخب کردہ ۱۸ سے ۲۰ گروپ کے اساتذہ کو اگست ۱۹۸۵ء میں تربیت دے گی۔ متعلقہ اساتذہ چھ ہفتوں کی تربیت کے بعد اپنے اسکول جائیں گے اور چلائے جا رہے کمپیوٹر پیلے سینٹروں کے کل وقتی کورس کا چارج لے لیں گے۔

تخمینہ جات

اس پائلٹ پروجیکٹ پر فی اسکول ۱،۰۳،۷۰۰۰ روپے خرچ کئے جائیں گے اور یہ رقم سلور جوبلی تقریبات کے مد میں خرچ کی جانے والی رقم میں سے لی جائے گی۔ سینٹر والے قائم کرنے کے لئے ملٹرون کو دی جانے والی یہ رقم محکمہ جنرل ایڈمنسٹریشن (نمائش) کی طرف سے ادا کی جائے گی۔ اس رقم کی ادائیگی اسکول میں طلباء کی جانب سے اور باہر کے لوگوں کے لئے اس کورس کا اہتمام کر کے وصول کی جائے گی۔ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کی جانب سے بنائے گئے پروگرام کے تحت یہ سینٹر ضلع میں واقع دیگر اسکولوں میں آرگنائزڈ گروپ آف اسٹوڈنٹس کیلئے کھلے رہیں گے

ذریعہ تعلیم

ان کمپیوٹر پیلے سینٹروں میں ذریعہ تعلیم مراٹھی ہوگا پونے یونیورسٹی کی جانب سے تیار کردہ ضروری کاغذات مراٹھی میں تیار کئے جائیں گے۔ اس مقصد کے لئے پونے یونیورسٹی کو ریاستی حکومت کی جانب سے فنڈ فراہم کیا جائے گا۔

محکمۂ تعلیم اس اسکیم میں ایجنسی کے طور پر کام کرے گا اور اس اسکیم کی عمل آوری میں جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ (نمائش)، محکمہ مالیات، ملٹرون اور یونیورسٹی آف پونے میں بطور رابطہ کا کام انجام دے گا۔ ضلعی سطح پر اس اسکیم کی عمل آوری ڈسٹرکٹ ایجوکیشن افسران کی نگرانی میں منتخبہ اسکولوں میں کی جائے گی۔

تبصرہ

تبصرہ نگار

صفیہ خاتون

کرلا بمبئی ۔ ۴۰۰۰۰۰

نام کتاب .. .. حرفِ مستب
(منظوم مجموعۂ کلام)

مصنف .. .. رشمی کانت پاریکھ راہی

مرتب .. .. ڈاکٹر کرامت علی کرامت

پبلشر ۔ بخمی اکیڈمی، پولس لائنز۔ بخشی بازار،
کٹک ۔ ۷۵۳۰۰۱ (اڑیسہ)

تقسیم کار .. موڈرن پبلشنگ ہاؤس
۹ گولا مارکیٹ ۔ دریا گنج
نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

"حرفِ مستب" ایک آزاد غزل سمیت ۸۱ غزلوں کا مجموعہ ہے ۔ ہر غزل شستہ اور اچھوتے اشعار کی حامل ہے اور زندگی کے مختلف مراحل کی عکاسی کرتی ہے ۔ چونکہ جناب رشمی کانت پاریکھ المتخلص بہ راہی گجراتی ہیں اس لئے انہوں نے بعض گجراتی الفاظ کو اپنی غزلوں میں ایسی عمدگی کے ساتھ برویا ہے کہ احساس بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح انہوں نے ہندی اور عربی کے بعض الفاظ کو اپنی اردو غزلوں میں ایسی برجستگی کے ساتھ برمحل استعمال کیا ہے کہ وہ اردو زبان کے جز معلوم ہوتے ہیں۔ بعض دو لفظی / سہ لفظی غزلیں اس مجموعے میں ایسی ہیں جن کی ایجاد کا سہرا انہیں کے سر ہے اور خوبی یہ کہ معنویت مجروح نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر سولہویں غزل جس کا ہر مصرعہ دو لفظی / سہ لفظی ہے ملاحظہ ہو :—

[الف / جس میں ۱۲ بند ہیں] :

(۱) جیون جیون
مدفن مدفن

(۲) چندن چندن
ناگن ناگن

(۳) پیسہ پیسہ
نردھن نردھن

[ب / جس میں ۱۱ بند ہیں]

(۱) یہ عمرِ کارواں
فقط ہے دھواں

(۲) غمِ زندگی
سوا امتحاں

(۳) جہاں بھر کے تم
تمہارا جہاں

[ج / جس میں ۹ بند ہیں۔]

(۱) جہاں کا چلن
عجیب و غریب

(۲) مریضِ وفا
اسیر طبیب

(۳) غمِ زندگی
بھیانک مہیب

ان کے علاوہ بھی چھوٹی بحروں میں مزید غزلیں ہیں ۔ بحرِ طویل میں بھی اچھی غزلیں ہیں۔ غزل ۱۷ ملاحظہ ہو۔

(۱) جو دسترس سے دور ہوں وہ خواب لے کے کیا کروں
ثواب کی تلاش ہے، عذاب لے کے کیا کروں

(۲) ہے سطر سطر میں شکن، پھٹا پھٹا ورق ورق
شکستہ زندگی کی ہیں کتاب لے کے کیا کروں

(۳) ہجومِ غم میں کھو گئی ہے زندگی کچھ اس قدر
نظر فریب حسن کا شباب لے کے کیا کروں

مذکورہ بالا کو فقط مشتے نمونہ از خروارے سمجھئے ۔ کتاب "حرفِ مستب" مجلد ہے اور گرد پوش سے آراستہ۔ تقطیع اور کاغذ پسندیدہ ۔ قیمت ۲۵ روپے، اہلِ ذوق اور اہلِ علم اس سے بخوبی استفادہ کر سکتے ہیں ۔

غزلیات ۸۱ ہیں ۔ انہیں ۱ سے ۸۱ تک نمبر دے دیئے جاتے اور شروع میں اسی انداز سے ایک مناسب سی فہرست لگا دی جاتی تو کتاب کی افادیت بڑھ جاتی ۔

رئیس امروہوی

بندۂ آزادی

سوچتا ہوں کہ اے خدائے کریم — تابکجا رسمِ بندہ آزادی
کیوں اچانک جہاں میں اون قیام — کیوں یکایک سفر کی تیاری
دلِ بیدار قلب کا آزار — چشمِ بینا نظر کی بیماری
تابکجا کارگاہِ ہستی میں — یہ تضادات ایزدِ باری
چند افراد برگزیدۂ خلق — جن کے قبضے میں نعمتیں ساری
اور باقی تمام نوعِ بشر — نذرِ جور و نشانۂ خواری
فکر و فن پر تسلطِ اوہام — علم پر جہل کی عمل داری
جوہرِ عقل اور بیں انساں — اور یہ جوہری تبہ کاری
دورِ حاضر کے اہلِ دانش بھی — عہدِ ظلمت کے ترک و تاتاری

اے خداوند قادر و جبار
کیوں یہ تقدیر، کیوں یہ جباری؟

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

تخلیقِ جدیدہ

میں اک دل ہوں مگر اخلاص کشتہ
میں اک گل ہوں مگر گلچیں گزیدہ!

لہٰذا آئے گا کیا فکر جواں کو — یہ وقت سال خوردہ سن رسیدہ
مگر ہاں! فطرتِ خلاق میری — نہیں مایوس تخلیقِ جدیدہ
اے ذہنِ رسا پر جلوہ گر ہے — نیا اک عالمِ نا آفریدہ!
انوکھی ایک شامِ نو شگفتہ — نرالی ایک صبحِ نادمیدہ
یہ دنیا جس کی پیشانی پہ تحریر — حیاتِ نو کا نقشِ برگزیدہ!
حیاتِ نو کی روحِ آفرینش، — مساوات و اخوت کا عقیدہ
وہ دنیا جس کے مردان خود آگاہ — مئے تخلیق کے لذت چشیدہ

وہ انساں علم و عرفاں میں جو یکتا
وہ آدم آدمیت میں جو چیدہ

غزلیں

نذیر بنارسی
مانڈے ہوٹل وارانسی (یو پی)

پیار سب کچھ ہے زندگی تو نہیں
اور بھی کام ہیں یہی تو نہیں

ملنے والوں کی کچھ کمی تو نہیں
ہاں مگر سب سے دوستی تو نہیں

کہیں تم سا حسین دیکھا ہے
سوچتا ہوں کہ تم وہی تو نہیں

زندگی اپنی کیا لکھوں پیارے
اب مرے پاس وقت بھی تو نہیں

گھر کو جس کی بہت ضرورت ہے
گھر کی تقدیر میں وہی تو نہیں

جو اکیلے ہنسے وہ پاگل ہے
صرف اپنی خوشی خوشی تو نہیں

میکشی ہم نے چھوڑ دی لیکن
ترک پیکر گئی ہے پی تو نہیں

عشق نے پارسا بنایا ہے
ورنہ ہم بھی کوئی ولی تو نہیں

دیکھیے چل کے زندگی کا ثبوت
بیٹھے رہنا ہی زندگی تو نہیں

کتنے محفل سے اٹھ گئے لیکن
رنگِ محفل میں کچھ کمی تو نہیں

زندگی ہے تو پھر ملیں گے نذیرؔ
یہ ملاقات آخری تو نہیں

★

حیات وارثی
باغ انوار لکھنؤ ۳

★

مہ و مہر جس کی تجلیاں اسی رخ کا آئینہ دار ہوں
ہے گرفت گردش وقت پر کہ اسیر گیسوئے یار ہوں

ترے پائے ناز کے فیض سے مری عظمتیں مری رفعتیں
ہیں بلندیاں مری رہگذر تری رہگذر کا غبار ہوں

میں جدھر سے ہو کے گذر گیا ترا تذکرہ بھی مہک اٹھا
ترے نام سے مرا سلسلہ میں نقیبِ فصلِ بہار ہوں

نہ یقین کا کوئی مسئلہ نہ گماں کا کوئی مرحلہ
میں امین ہوں ترے عشق کا میں تری نظر کا قرار ہوں

ضرر ہے حیات سے رابطہ تو کشش ... رہے ... بلا
ہے زمانہ وہم میں مبتلا کہ میں آئینے کا غبار ہوں

✣

مظفر مراد آبادی
۷۲ دریبہ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۶

★

شعور خام کہاں بزم دیدہ ور میں تھا
سراب خود ہی چھپا حرفِ معتبر میں تھا

نہ صبح و شام نہ شب کے گھنے شجر میں تھا
مزاج تیرے خیالوں کی دوپہر میں تھا

لپٹ گئی تھیں کچھ اتنی مسافتیں مجھ سے
میں اپنے گھر میں بھی بیٹھا ہوا سفر میں تھا

تری تلاش میں سب کیلئے تھا نابینا
سراپا آنکھ جو چہروں کی رہگذر میں تھا

بہت ہی مہنگی پڑی فکر کی نگہداری
لٹا کے بیٹھ رہے جو اثاثہ گھر میں تھا

میں جانتا تھا ہر اک چہرۂ خلوص کا راز
مگر اصول کا سودا ابھی اپنے سر میں تھا

رہے تھے خام مظفرؔ ہم نمائشِ فن میں
شمار اپنے سخن کا کہاں ہنر میں تھا

✣



لوکمانیہ تلک سمارک مندر ٹرسٹ کی جانب سے ۱۹۸۵ء کا لوکمانیہ تلک اعزازی انعام آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کو دیا گیا۔ گورنر مہاراشٹر شری کونا پربھاکر راؤ اس تقریب میں تلک سمارک مندر کے ٹرسٹی شری جینت راؤ تلک کے ہاتھوں انعام قبول کر رہے ہیں۔



خبریں - تصویروں میں



امداد باہمی شکر کارخانہ جات کے ۲۵ سال مکمل ہو گئے ہیں۔ اس موقع پر بمبئی میں آکاش وانی سبھا گرہ میں ۷ راگست کو منعقدہ ایک تقریب میں وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے روایتی دیپ روشن کر کے پروگرام کا آغاز کیا۔ تصویر میں سابق وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پاٹل بھی نظر آرہے ہیں۔



بین الاقوامی سال نوجوانان کے تحت دھولیہ میں ۴ راگست سے دو روزہ نوجوانوں کا ایک اجتماع ہوا۔ اس موقع پر وزیر مملکت برائے کھیل کود اور بہبود نوجوانان شری نکل پاٹل اور ایم ایل اے ڈاکٹر شالینی بورسے نظر آرہے ہیں۔ وزیر موصوف کا نوجوانوں کی بہبود سے منسلک مختلف اداروں کے مندوبین کی جانب سے پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔



مار میں پنپوڑ امقام پر دیہی اسپتال کے افتتاح اور کسانوں کی ریلی کی مشترکہ تقریب میں وزیراعلیٰ شری
پاٹل نیلنگیکر نے مجمع کو خطاب کیا۔ تصویر میں جنرل ایڈ منسٹریشن کے وزیر مملکت شری ابھے سنگھ راجے بھونسلے،
دیہی ترقیات شری بھائی ساونت، وزیر برائے باغبانی کام شری شیواجی راؤ دیشمکھ اور ودھان سبھا کے اسپیکر
راؤ جگتاپ دکھائی دے رہے ہیں۔



لاگریجویٹس گلڈ، بمبئی کی
مارت سپریم کورٹ کے
شری پی۔ این۔ بھگوتی کی
روز بمبئی میں عزت افزائی کی
یں گلڈ کے صدر ایڈوکیٹ
سندھوی، وزیر مالیات شری
شندے اور بمبئی ہائی کورٹ کے
شری کونداما دھو ریڈی بھی
یں۔



کلب اور سوویت پورٹ
سے ۲۶ رجولائی کے دن سوویٹ
تاح کیا گیا۔ افتتاح کے موقع
بہبود نوجوانان شری وجے سنگھ
قریر فرماتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ہوٹل والوں سے وزیر اعلیٰ کی اپیل

وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے ہوٹل والوں سے جن کا پیشہ عوامی صحت سے تعلق رکھتا ہے، ان کے ہوٹلوں اور ریسٹورنٹس میں صحت مند ماحول برقرار رکھنے کی اپیل کی۔

وزیر اعلیٰ ۲۴ اگست کو انڈین ہوٹل اینڈ ریسٹورنٹ ایسوسی ایشن کی طرف سے آپ کے اعزاز میں بی۔پی۔ٹی۔ آڈیٹوریم بمبئی میں منعقدہ ایک استقبالیہ تقریب میں حاضرین سے خطاب فرما رہے تھے۔

شری پی۔ڈی۔ شیٹھی کی صدارتی تقریر میں درپیش شکایات کا حوالہ دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ریاستی حکومت ان مسائل کا جائزہ لے کر تمام ممکن مدد مہیا کرنے کی کوشش کرے گا۔ آپ نے توقع ظاہر کی کہ طعام خانوں کو ہمیشہ اپنے ذہنوں میں عوامی خدمت کا جذبہ بیدار رکھ کر کام کرنا چاہیئے تاکہ وہ سماج کی موثر طور سے خدمت کر سکیں۔

ابتدا میں ایسوسی ایشن کے صدر شری پی ڈی شیٹھی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور اعزازی جنرل سکریٹری شری جے۔ڈی۔ نائیک نے شکریہ ادا کیا۔

مرکزی ٹیم کی سرکاری عہدیداران کے ساتھ شہری مسائل پر بات چیت

مرکزی وزارت زراعت حکومت ہند نئی دہلی سے جوائنٹ سکریٹری بی۔پی سکدار کی قیادت میں آٹھ رکنی مرکزی ٹیم کے ممبران نے ۱۷ اگست کو چیف سکریٹری شری بی۔جی دیشمکھ، ایڈیشنل چیف سکریٹری شری بی۔کے بلوے، سکریٹری محصول شری ڈی۔ایم سکھتنکر، میونسپل کمشنر شری جے۔جی۔ کانگا، ایڈیشنل میونسپل کمشنر شری ایس۔ایم مورتی اور دیگر سرکاری عہدیداران بشمول ایم۔ایچ۔ اے۔رڈی۔ اے سے شہری مسائل پر تفصیل کے ساتھ بات چیت کی۔

مرکزی ٹیم ۲۵ جون اور ۲۶ جون ۱۹۸۵ء کو بمبئی میں سیلاب سے ہوئے نقصانات کا جائزہ لینے کی غرض سے دو دن کے دورے پر بمبئی آئی ہوئی تھی۔

بات چیت کے دوران شری بی۔کے سکدار نے نکاسی نالوں کے سدھار اور مستقبل میں سیلاب سے ہونے والے نقصانات کی روک تھام کے لئے مفید مشورے دیئے۔ ٹیم نے بمبئی میں سیلاب کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے پمپوں کے ذریعہ پانی ہٹانے کا مشورہ بھی دیا۔

ٹیم نے ریاستی حکومت کو نکاسی نالوں پر پڑی ہوئی رکاوٹوں کے دور کرنے کی بھی صلاح دی۔

ہسپتالوں اور بچوں کی فلاح کے مراکز کو امداد دینے ے



مدن پورہ میں مورلینڈ روڈ پر موم بتی والا بلڈنگ کے انہدام کے افسوسناک حادثے پر وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے فوری طور پر دورہ کیا اور متاثرہ افراد کو ہر ممکنہ امداد کی یقین دہانی

٩٥١ ٤F



ڈنگ کے حادثے میں
، افراد کی وزیراعلیٰ شری
ی نیلنگیکر نے بہ نفس نفیس
تصویر میں آپ کے ہمراہ
بتن وزیر برائے ہاؤسنگ،
ہونسپل کمشنر شری جے بی کاکا
ل ۔

یہ رو تری سپرنٹنڈنگ انجینئر حکومت ہند وزارت جہازرانی
اور لقل دحل شامل تھے ۔

ے گئے ۔
ومت نے نقصانات کی تلافی کرنے کے لئے
؛ ۳ کروڑ روپے کی امداد کی درخواست کی ہے ۔
کریٹری شری بی ۔ جی دیشمکھ نے مرکزی ٹیم کی
گئے مشوروں کا خیر مقدم کرتے ہوئے ٹیم سے
ی ضرورتوں سے مرکزی حکومت کو آگاہ کرنے
ل ۔

پنے دو روزہ دورے کے دوران سدھارتھ نگر،
ت نگر، مجاس واڑی، جوگیشوری روڈ دلیسٹرن،
ے کے نقصانات، سوای ویویکا نند روڈ،
ری مارگ، ورلی، موزیتہ روڈ، نایئر ہسپتال روڈ،
، کولی واڑہ، مسجد بندر، زکریا بندر روڈ، نانا چو
اسپتال، ابھیودیہ نگر اور ایسٹرن ا
سانات کا جائزہ لیا ۔

م میں شری سنیل بیری اسٹیٹ ڈائریکٹر نیشنل
ن وزارت ورکس اینڈ ہاؤسنگ، ، شری
لیات، شری نرکسانی ڈپٹی سکریٹری سوشیل ویلفیئر
یمن، ایڈیشنل ڈائرکٹر جنرل وزارت صحت،
نروال، نائب مشیر پلاننگ کمیشن اور شری

سرکاری ملازمین کی انتظامی صلاحیت میں اضافہ کے لئے تربیت

چیف سکریٹری شری بی ۔ جی ۔ دیشمکھ نے ۲۳ اگست کو فرمایا کہ اگر سرکاری ملازمین کو انتظامیہ کی جدید تیکنک کی تربیت دی جائے تو وہ اپنے فرائض خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں ۔

چیف سکریٹری حکومت مہاراشٹر کے محکمہ موٹر وہیکل کے افسران کی تربیت اور ترقی کے منعقدہ ایک آٹھ ہفتوں کے تربیتی پروگرام کی الوداعی تقریب میں اپنے خیالات کا اظہار فرما رہے تھے ۔

نیشنل انسٹی ٹیوٹ برائے ٹریننگ انڈسٹریل انجینئرنگ (این آئی ٹی آئی ای) نے اس پروگرام کا اہتمام کیا تھا ۔ اس تربیتی پروگرام میں ۲۲ ڈسٹرکٹ ٹرانسپورٹ افسران نے حصہ لیا ۔ انہیں اس تربیتی پروگرام کو مکمل کر لینے پر شری دیشمکھ کے ہاتھوں سرٹیفکٹ تقسیم کئے گئے ۔

چیف سکریٹری نے اس تربیتی پروگرام پر اپنے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے توقع ظاہر کی کہ ایسے پروگرام زیر تربیت افراد میں قیادت کا جذبہ بیدار کریں گے اور سرکاری ملازمین اپنے فرائض موثر طور سے ادا کر سکیں گے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ این آئی ٹی آئی ای نے اس پروگرام کو منعقد کرانے میں اپنا بھرپور تعاون دیا ہے۔

ٹرانسپورٹ سے سکریٹری شری اے۔ ڈی۔ سامنت نے اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ محکمہ ٹرانسپورٹ حکومت کی ایک محصول جمع کرنے والی ایجنسی ہے اور ایسے تربیتی پروگرام سے عملے کے کام کرنے کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوگا۔

اس موقع پر شری پی۔ جی۔ دیشمکھ نے گرانقدر خدمات انجام دینے والے عملے کو سرٹیفکیٹ تقسیم کئے۔

ابتداء میں ٹرانسپورٹ کمشنر شری وی۔ پی۔ راجا نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور این آئی ٹی آئی ای کے ڈین پروفیسر وی۔ کے گوپالن نے شکریہ ادا کیا۔

ساحل سمندر پر سیاحت کو فروغ

مہاراشٹر کے وزیر سیاحت شری وردا کی مرکز سے اپیل

مہاراشٹر کے وزیر سیاحت شری جواہر لال وردا نے سمندر کے کنارے سیاحت کو فروغ کی اجازت دینے پر زور دیا۔

شری وردا نئی دہلی میں ۲۲ راگست کو سیاحت کے وزراء کی کانفرنس میں حصہ لے رہے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ ریاستی حکومت، خوبصورت سمندری کناروں کو ایسے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتی ہے جس سے "سی بیچ ٹورزم" کے تصور کو فروغ حاصل ہو۔ ملوان، مروڈ جنجیرہ، وینگورلا، سمیم، ناگاؤں وغیرہ جیسے کچھ مقامات ریاستی حکومت نے اس مقصد کے لئے منتخب کئے ہیں۔

آپ نے مرکز سے درخواست کی کہ وہ ریاستی حکومت کو ضلع رائے گڑھ کے کیھم اور ناگاؤں میں مجوزہ ٹورسٹ کمپلیکس جاری کرنے کی اجازت دے تاکہ اس سے ان علاقوں کی دلکشی میں اضافہ کیا جا سکے۔

شری وردا نے ناگپور میں بین الاقوامی ہوائی اڈے کی تجویز پیش کی جس سے اس علاقے میں سیاحت کو فروغ حاصل ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ نریمان پوائنٹ سے سہار ایئر پورٹ تک ہیلی کوپٹر کی سروس مرکزی حکومت کے زیر غور ہے اسے بھی مرکز کی طرف سے جلد از جلد منظوری عطا کی جائے اور انہیں خطوط پر نیرل۔ ماتھیران، پنچگنی، مہابلیشور، علی باغ وغیرہ میں بھی اسی طرح کی سروس کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ آپ نے مرکز سے درخواست کی کہ وہ شرڈی میں وایو دوت سروسیز ناگپور، چندرپور، بمبئی، احمد نگر بمبئی، اور نگ آباد ناگپور کے درمیان شروع کرنے پر غور کرے۔

شری وردا نے سیاحت کو فروغ دینے کی ریاست کی مختلف اسکیمات کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ سیاحوں کی مدد کے لئے ہائی وے پر ۶۰ ہوٹلوں کی تعمیر بھی کی جاتی ہے جن میں سے ۳۰ مقامات کی ریاست میں تین ٹراویل سرکٹ کی نشاندہی کی جا چکی ہے۔

ریاستی حکومت ان ذمہ داریوں کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے نجی اداروں کو بھی اس میں شامل کئے جانے کی تجویز ہے۔ آپ نے اس سلسلے میں مرکزی حکومت سے تعاون کی اپیل کی۔

شری وردا نے مہاتما گاندھی اور ونوبا جی کے ناموں سے جڑے ہوئے سیواگرام اور پونار کی ترقی کے لئے فنڈ منظور کرنے کے لئے مرکزی حکومت پر زور دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ضلع بلڈانہ کے شیگاؤں میں بھی سیاحوں کے دلچسپی کا سامان موجود ہے۔

شری وردا نے غیر ملکی سیاحوں کو لبھانے کے لئے پبلسٹی کی ضرورت پر بھی زور دیا۔ اس طرح پبلسٹی سے غیر ملکی سیاحوں کے دماغ سے ڈر نکالنے میں مدد ملے گی اور وہ بھارت میں بلا خوف و خطر سیاحت کر سکیں گے۔

آپ نے مشورہ دیا کہ اسی طرح کی کانفرنسوں کا ریاستوں میں بھی مرکزی وزیر اور عہدیداران کی موجودگی میں انعقاد کیا جانا چاہیئے تاکہ مسائل کا حل موقع پر تلاش کر لیا جائے۔

داروں سے اپیل
بے سہارا بچوں کے
حل پیش کیجئے

ہائی کورٹ بمبئی نے بمبئی کے رضاکار اداروں سے
ریاستی حکومتوں کے اور دیگر متعلقہ عہدیداران
ست کی ہے کہ وہ ان نادار ولاچار بچوں کے مسئلے
ہدالتی حل تلاش کریں جو بمبئی جیسے شہر میں بے سہارا
ہیں۔ ایسے بچے بالخصوص بچیاں مرتکب جرائم کا
بن جاتی ہیں ۔

۔موٹو کریمینل رٹ پٹیشن نمبر ۵۸۵/ ۱۹۸۵ء میں
بی اپیل نمبر ۴۶۰/ ۱۹۷۹ (ریاست مہاراشٹر
بی) میں بمبئی ہائی کورٹ کے عزت مآب جسٹس
ورشری کوتوال جے جے نے (i)، ریاست مہاراشٹر
پولس، بمبئی عظمیٰ (iii) میونسپل کارپوریشن بمبئی عظمیٰ
گجرات اور
ت انڈیا کو نوٹسیں جاری فرمائی ہیں ۔

ٹ اس بات پر غور وخوض کرنا چاہتی ہے، آیا وہ
ادار بچوں کے سروے کے لئے ہدایتیں دے سکتی
بئی میں محنت ومزدوری کی غرض سے لائے جاتے
ان انہیں جرائم میں مبتلا کر دیا جاتا ہے ۔

بات کو بھی جاننا چاہتی ہے آیا ریاست یا
ت کو اس بات پر آمادہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایسے
زادانہ وصحت مندانہ ماحول پیدا کرے ۔ ہائی کورٹ
ہے کہ ان سے اس اہم کام میں آسانی پیدا کرتے
کارپوریشن برائے بمبئی عظمیٰ ان بچوں سے متعلق
ن کرے جو دیگر علاقوں سے یہاں منتقل ہونے
ہر گوشے میں اور فٹ پاتھوں پر بھٹکتے پھرتے
تے یا بھیک مانگتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔

رٹ نے رضاکار اداروں سے اس بات کی بھی
ہے کہ وہ اس سلسلے میں ان طور طریقوں کو بھی
سے اس مسئلے کو حل کیا جا سکے ۔ ایسے اداروں
کو چاہیئے کہ وہ کورٹ کو اس نازک اور اہم معاملہ کے سلسلے میں اعداد وشمار پیش کر کے مدد کریں ۔

یہ کیس اس اپیل کی وجہ سے ظہور میں آیا جسے ریاست مہاراشٹر نے بریت از روئے فیصلۂ عدالت کے خلاف فائل کیا ہے جس میں ایسی ایک نابالغ لڑکی نشانہ بنی تھی جو نوکری کی تلاش میں بمبئی آئی تھی۔ مذکورہ بالا حکم ۱۳ر اگست ۱۹۸۹ء کو دیا گیا اور نوٹسوں کو ۱۷ر اکتوبر ۱۹۸۵ء تک قابل واپسی کروایا گیا ہے۔

ضلع پریشدوں کیلئے
لاکھینا پلان

ریاستی حکومت نے لاکھینا پلان کی انتظامی اصطلاحات کا یکم نومبر ۱۹۸۹ء سے ضلع پریشدوں میں نفاذ کرنے کی ہدایت دی ہے۔ ان انتظامی اصطلاحات کا ضلع احمدنگر کے کلیکٹوریٹ اور عثمان آباد کے ضلع پریشد میں پہلے سے ہی نفاذ کر دیا گیا ہے ۔

یہ انتظامی اصطلاحات صدر مقاموں اور ضلع پریشدوں کے افسران اور عملے کے بیٹھنے کے انتظامات اور ریکارڈ روم کی دیکھ بھال اور ضروری معاملات کی سرعت کے ساتھ کارروائی سے متعلق ہیں ۔

ضلع پریشدوں کے آجر کو ان ہدایات کی عمل آوری کی تربیت بھی دی جائے گی۔ پنچایت سمیتی اور گرام پنچایت سطح پر بھی اسی طرح کے پروگرام کا تعارف کرایا جائے گا۔

ریاستی حکومت کی مطالعاتی ٹیم نے احمد نگر اور عثمان آباد ضلع پریشد کا دورہ کر کے ان انتظامی اصطلاحات کا مشاہدہ کرنے کے بعد اپنی رپورٹ پیش کر دی ہے ۔

عالمی بینک کے نمائندوں کی
وزیر ہاؤسنگ سے ملاقات

عالمی بینک کے نمائندے مسٹر روستار نے ۱۴ر اگست کو ریاستی ہاؤسنگ وزیر ڈاکٹر دی سبرامنین سے منترالیہ میں ملاقات کر کے بمبئی شہری ترقیات اسکیم سیلٹر پروجیکٹ کے بارے میں تبادلہ خیالات کیا۔ کرایہ داروں کے لئے نئی

تعمیرات کی ہمت افزائی کرنے کے لئے رینٹ کنٹرول ایکٹ میں ترمیم کے بارے میں بھی بات چیت کی گئی۔ اس موقع پر ڈاکٹر سبرامنین نے عالمی بینک کے نمائندوں کو شہر بمبئی میں واقع پرانی اور مخدوش عمارتوں کی مرمت کے لئے عالمی بینک کی طرف سے امداد کی ضرورت پر زور دیا۔ مسٹر روتنار نے فرمایا کہ عالمی بینک، وزیر ہاؤسنگ کی درخواست پر غور کرے گی۔



مہاراشٹر کے چیف سکریٹری شری بھالچندر دیشمکھ پہلے کمپیوٹر پہلے اسکول کا افتتاح کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

پروفیسر میگھے کے ہاتھوں کمپیوٹر ٹریننگ کورس کا افتتاح

وزیر تعلیم پروفیسر رام میگھے نے ۸ اگست کو یونیورسٹی کلب ہاؤس بمبئی میں کمپیوٹر ٹریننگ کے ایک پوسٹ گریجویٹ کورس کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر ٹیکنیکل ایجوکیشن مہاراشٹر کے بورڈ آف ڈائرکٹرس کے ڈائرکٹر ڈاکٹر جی۔ ایس کدو بھی موجود تھے۔

کمپیوٹر لینڈ انسٹی ٹیوٹ پوسٹ گریجویٹ طلبا کے لئے ایک سال کا جزوقتی کمپیوٹر ٹریننگ کورس کا اہتمام کرے گا۔

اس موقع پر پروفیسر رام میگھے نے اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے ۲۱ ویں صدی میں کمپیوٹر کی تیزی سے بڑھتی ہوئی اہمیت کو جتاتے ہوئے اسے نئے چیلنج کا سامنا کرنے کا ایک موثر ذریعہ قرار دیا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اس کام دلانے والے کورس سے طلبا میں خودکفالت اور خوداعتمادی کا جذبہ پیدا ہوگا۔

وزیر موصوف نے مزید فرمایا کہ حکومت نے اس کورس کو اپنی تعلیمی پالیسی میں شامل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ پروفیسر میگھے نے کمپیوٹر لینڈ جیسے انسٹی ٹیوٹ کو مہاراشٹر کے دیہی علاقوں میں جاری کرنے کی اہمیت پر زور دیا ہے تاکہ نئی نسل کمپیوٹر کی معلومات سے استفادہ حاصل کر سکے۔

ڈاکٹر جی۔ ایس کدو نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ اس کورس کے لئے تعلیمی قابلیت کے بجائے طلبا کو اس کورس سے رغبت اور ان کی ذہانت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں اس میں داخلہ دینا چاہیئے۔

ڈاکٹر دیوی سنگھ شخاوت (ایم ایل اے)، ڈاکٹر فیبین فرنانڈس نے بھی اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

ابتدا میں کمپیوٹر لینڈ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر شری اتول نشمر نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور شری نوشیرواں جہانگیر نے شکریہ ادا کیا۔

قومی راج

H/407-1F

PRINTED AT THE GOVT. PHOTOZINCO PRESS PUNE-1985



مہاراشٹر کے اسپورٹس سے متعلق کھلاڑیوں اور پیر دمونرس کو شوچھترپتی ریاستی کھیل کود انعامات، پونے میں گورنر مہاراشٹر
شری کونا پربھاکر راؤ کی زیر صدارت ایک تقریب میں ان کی بیگم شکنتلا پربھاکر راؤ کے ہاتھوں تقسیم ہوئے۔ تصویر میں گورنر، وزیر برائے
کھیل کود شری وجے سنگھ موہتے پاٹل، وزیر مملکت برائے کھیل کود شری ایکل پاٹل، سیکریٹری برائے کھیل کود شری بھاؤ راؤ انعام یافتگان کے ہمراہ دیکھے جاسکتے ہیں



کینیڈا جانے والے این. سی. سی کے طلباء نے یکم اگست کو وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر سے ملاقات کی۔ اس موقع کی ایک تصویر۔



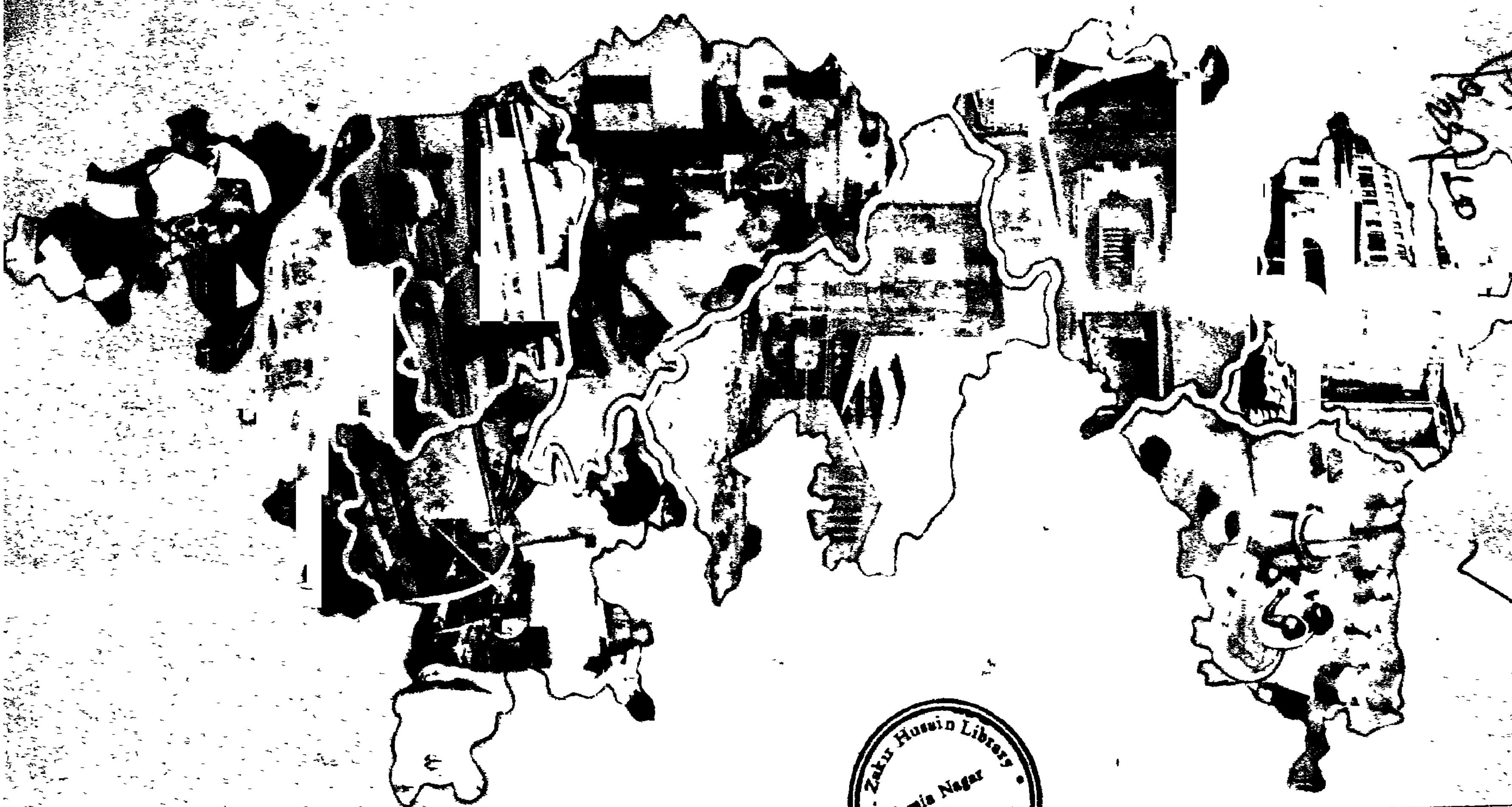
ادیباسیوں کی بہبود کے لیے کام کرنے والے ۲۵ سماجی کارکنوں کو "ادیباسی سیوک" ریاستی انعامات بمبئی میں ۱۴ راگست کے روز وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر کے ہاتھوں دیئے گئے۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں وزیر برائے ادیباسی فلاح و بہبود شری سوروپ سنگھ نائیک اور وزیر مملکت شری مدھوکر پیچڈ بھی نظر آرہے ہیں۔

QAUMIRAJ: **Regd. No. MH-BY South-544** *Licence No. 89 for without prepayment of post*



"بھارت چھوڑ دو" ۔ بمبئی کے گوالیا ٹینک میدان میں مہاتما گاندھی کا تاریخی اعلان ۸ اگست ۱۹۴۲ء

شائع کردہ، شری شانتارام سگنے ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر منترالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲ مطبوعہ گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی ۴



पश्चिम महाराष्ट्र



تنزانیہ ری پبلک کے صدر مسٹر جولیس نیریرے نے مہاراشٹر کے گورنر شری کوناپربھاکر راؤ سے ۲۵ راگست کو بمبئی میں دہلی روانہ ہونے سے قبل ملاقات کی۔ وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر بھی تصویر میں نظر آرہے ہیں۔



وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر، سانگلی میں "سانگلی بنک" کا ۲۳ راگست کو افتتاح کر رہے ہیں۔ تصویر میں شری گلاب راؤ پاٹل ایم ایل اے بھی نظر آرہے ہیں۔



گورنر مہاراشٹر شری کوناپربھاکر راؤ شری سنتوش [illegible] کو [illegible] جمع کرنے کی مہم کے سلسلے میں [illegible] پر انعام پیش کر رہے ہیں۔ [illegible] اہتمام انڈین ریڈ کراس سوسائٹی [illegible] اور [illegible] نے مشترکہ طور پر [illegible]

ہندی، مراٹھی، گجراتی، انگریزی، سندھی اور اُردو
چھ زبانوں میں شائع ہونے والا پندرہ روزہ

قومی راج

— ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے —

جلد ۲ شمارہ ۷

شौर्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

سالانہ: دس روپے فی کاپی ۵۰ پیسے

۱۰ ستمبر ۱۹۸۵ء

چیف ایڈیٹر: شانتا ام سکنے

ایڈیٹر: فیروزہ فیاض خان

مراسلت کا پتہ :-
ایڈیٹر قومی راج
ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
گورنمنٹ آف مہاراشٹر
۱۵ واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ
مقابل منترالیہ۔ بمبئی ۳۲ ۴۰۰۰۳۲

فون نمبر { ۲۰۲۰۶۵۱ ۲۰۲۳۹۵۷

ترسیل زر کا پتہ

اسسٹنٹ ڈائریکٹر (ایڈمنسٹریشن)
ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
گورنمنٹ آف مہاراشٹر
بیرک نمبر ۱۹، مقابل سروجنی بلڈنگ،
نزد منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۲۱
فون نمبر ۲۰۲۱۶۱۳۰

ترتیب

صفحہ نمبر

(مضمون نگاروں کے اظہار خیال یا رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں)

پی۔ آر۔ تھو۔ بیرے

ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپمنٹ کارپوریشن لمیٹڈ

ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپمنٹ کارپوریشن لمیٹڈ کو حکومتِ مہاراشٹر نے دسمبر ۱۹۷۰ء میں قائم کیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو مغربی مہاراشٹر کے ۹ اضلاع میں صنعتی ترقی کو بڑھاوا دے اور اس کی ارتقاء میں مددگار ہو۔ وہ نو۹ اضلاع حسبِ ذیل ہیں:- پونے، ستارہ، سانگلی، سولاپور، کولہاپور، احمد نگر، ناشک، دھولے اور جلگاؤں۔ اس کارپوریشن نے ان مقاصد کے تحت کئی اسکیموں پر عمل درآمد کا آغاز کردیا ہے۔

ترقی کے سلسلے میں سرگرمیاں: تعمیری سہولتوں کے سلسلے میں پیش قدمی

یہ کارپوریشن ایسے نئے کارخانہ داروں اور صنعتی اداروں کو مدد کی پیش کش کرتی ہے جو حصولِ زمین، پانی، بجلی وغیرہ کی فراہمی کا انتظام مہاراشٹر کے ان علاقوں کے لئے کرتے ہیں جو پسماندہ ہیں اور جو اس کے حدودِ اختیارات کے تحت آتے ہیں تاکہ وہاں نئی صنعتیں قائم ہوں۔ کارپوریشن کے افسران کو اس میدان میں مہارت حاصل ہوچکی ہے۔ چنانچہ تعمیری سہولتوں کی بہم رسانی کے سلسلے میں ایسے کام جو پریشان کن ہوتے ہیں اور جن کی ترتیب میں زیادہ وقت لگتا ہے، ان میں بہت سی آسانیاں اس کارپوریشن کی جانفشاں سرگرمیوں کی بدولت مہیا ہوچکی ہیں۔ ضلع پونے کے ماول تعلقہ میں کانہے گاؤں میں جی۔ کے۔ ٹو ا بر۔ فیکٹری جس کا قیام فروری ۱۹۸۴ء میں عمل میں آیا تھا، ہماری دوررس نگاہوں اور خدمتوں کا خوشگوار نتیجہ ہے۔ اس فیکٹری میں ۳۵ کروڑ روپے کا جملہ سرمایہ لگایا گیا ہے اور اس کے ذریعے ۲۰۰ افراد کو ملازمت ملی ہے۔ میسرز لکمے، میسرز گرائینڈ ویل نارٹن، میسرز اٹلس کاپکو، میسرز پریس میٹل کارپوریشن، میسرز کرامپٹن گریس، بعض ان دیگر کمپنیوں میں سے ہیں جن کی ہم نے مدد کی ہے۔ کارپوریشن کو یہ یقین ہے کہ مستقبل قریب میں یہ صنعتیں فروغ پائیں گی اور تجارت، چھوٹی صنعتوں کو ان کی بدولت پسماندہ علاقوں میں رہنے والوں کو ملازمتیں مل سکیں گی۔

چاکن صنعتی کامپلیکس ایک انوکھا تجربہ و آزمائش

پونے شہر اور اس کے نواحی علاقوں میں پمپری چنچواڈ اور بھوساری جیسے مقامات نے گذشتہ بیس سال کے عرصے میں صنعتی طور پر ترقی یافتہ ہونے کا اعزاز حاصل کرلیا ہے تاہم ان علاقوں کی صنعتی ترقی میں جمود پیدا ہوچکا تھا اور پونے ضلع کے اندرونی حصوں میں ان کے بہاؤ کا سلسلہ رک گیا تھا۔ ایسے مرحلے میں ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے چاکن صنعتی کامپلیکس کی انوکھی آزمائش کے ذریعے اس بہاؤ کے رکے ہوئے سلسلے کو جاری کرنے کی ایک نئی راہ نکالی۔

ایسے نئے کارخانہ دار جنہیں تعمیراتی سہولتیں درکار ہوتی ہیں، ہمیشہ ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپمنٹ کارپوریشن میں آتے رہتے ہیں۔ ان نئے کارخانہ داروں کے ساتھ بحث و گفتگو میں اس بات کا انکشاف ہوا کہ پونے ناشک روڈ پر واقع چاکن گاؤں میں ایک صنعتی کامپلیکس قائم کیا جا سکتا ہے۔ یہ گاؤں صنعتی طور پر ترقی یافتہ بھوساری کے علاقے سے دور نہیں ہے۔ اس لئے اس گاؤں کی تعمیراتی سہولتوں کی فراہمی سے پیش قدمی میں پیدا شدہ رکاوٹ دور ہو سکتی ہے، بلکہ نئے کارخانہ دار سرمایہ کاری کے لئے آمادہ و تیار پائے گئے بشرطیکہ انہیں کارپوریشن، زمین دلائے اور دوسری سہولتیں بہم پہنچائے۔

کارپوریشن کے افسران نے فوراً ہی تگ و دو شروع کر دی اور چاکن گاؤں میں ۱۸ ہیکٹر زمین حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ زمین ہر موسم میں قابلِ استعمال پختہ راستے پر واقع ہے اور پونے ناشک شاہراہ سے صرف ½۲ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

اس زمین پر کامپلیکس کے قیام کے سلسلے میں بھومی پوجا تقریب جون ۱۹۸۳ء کے وسط میں اس وقت کے ریاست مہاراشٹر کے ڈپٹی چیف منسٹر کے ہاتھوں انجام پائی۔

اس زمین کو ۶۲ پلاٹ میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان میں سے ۵۷ پلاٹ پر صنعتی یونٹیں قائم کی جائیں گی۔ باقیماندہ پلاٹ پر بلڈنگوں کی تعمیر، پوسٹ اور ٹیلی گراف کی سہولتوں کے لئے مکانات، ٹیلی فون کی تنصیبات، ٹرانسپورٹ کی سہولتوں، بینک، پولس اسٹیشن وغیرہ کا سلسلہ ہوگا۔

ایک واٹر سپلائی اسکیم پر ۱۲ لاکھ روپے کے خرچ سے عمل در آمد کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس اسکیم کے ذریعے روزانہ ۱۶۵ لاکھ لیٹر پانی یہاں کے صنعتی کامپلیکس کو مہیا کیا جائے گا۔ حکومت کے سبھی محکموں نے تمام تعمیراتی سہولتیں بہم پہنچانے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔

آئندہ ایک برس کے اندر اندر کامپلیکس مذکور کی چہل پہل شروع ہو جانے کی امید ہے جبکہ یہ مقام انجنیئرنگ کی اور الیکٹرانک کی صنعتی ہماہمی سے گونجنے لگے گا۔ اس کامپلیکس پر کارپوریشن نے قطعاً اپنا کوئی سرمایہ نہیں لگایا ہے بلکہ یہ شاندار کامپلیکس اس اعتماد کی زندہ جاوید یادگار ہوگی جس کا اظہار نئے کارخانہ داروں نے کارپوریشن کے سلسلے میں کیا ہے۔ ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپمنٹ کارپوریشن کا ایک قابلِ فخر کارنامہ ہوگا کہ اس نے ضلع پونے کے ایک ایسے مقام کو صنعت گاہ میں بدل دیا جس کا اتنا اہم روپ اب



شری الہاس پوار، صدر ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپمنٹ کارپوریشن اور شریمتی لینا مہندلے کارپوریشن' منیجنگ ڈائریکٹر' انجیجات سمیا درشکا (مہاراشٹر) لمیٹڈ، کولہاپور، کے افتتاح کے موقع پر ڈائس پر نظر آ رہے ہیں۔ کارپوریشن نے اس ادارے کو امداد فراہم کی تھی۔

تک لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔

اسی طرح کارپوریشن ضلع جلگاؤں کے مقامات راویر اور ایرنڈول میں اور ضلع ناسک کے مقام ایولہ میں "چھوٹے صنعتی علاقے" قائم کرنے والی ہے۔

مساوی شرکت :

مساویانہ تعمیر کی بنیاد پر تقسیم

ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپمنٹ کارپوریشن ان کمپنیوں کو عروج کی طرف لے جانے کے سلسلے میں جو مغربی مہاراشٹر کے پسماندہ علاقوں میں صنعتوں کو شروع کرنا چاہتی ہیں۔ اور جن کے پاس مساوی رقم کی کمی ہے۔ کارپوریشن نے اب تک ۹۱ لاکھ ۸۸ ہزار روپے ۲۵ کمپنیوں میں مساوی بنیاد لگا دیا ہے۔ اس سرمایہ کاری سے مغربی مہاراشٹر کے پسماندہ علاقوں میں ۴ کروڑ روپے کی مجموعی سرمایہ کاری سے شروع کی گئی صنعتوں کو فروغ حاصل ہوا۔

مہاراشٹر اسکوٹر لمیٹڈ

ایک جوائنٹ سکٹر پروجیکٹ

ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے ستارا میں

اسکوٹر بنانے والی کمپنیوں کے لئے میسرز بجاج آٹو لمیٹیڈ، آکر پونے سے ۱۹۷۴ء میں ایک معاہدہ کیا۔ فیکٹری نے ۵۰۰ کو بالواسطہ اور ۱۵۰ افراد کو بلاواسطہ روزگار فراہم اس نے ستارا میں ۲۸ ضمنی صنعتوں کو بھی جاری کیا۔ اس نے اب تک ۳ لاکھ سے زائد پرایا سکوٹرس تیار کیا ہے

واچ اسمبلی یونٹ

خواتین کیلئے ایک نازک کام

ایچ ایم ٹی گھڑیوں کے پرزوں کو اکٹھا کرنے ہندوستان مشین ٹولز ایک واچ اسمبلی یونٹ کا اجراء مہا میں کرنا چاہتی ہے۔ کارپوریشن نے اس تجویز پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور اپنے حلقے میں اس طرح کے یونٹ کو شروع کرنے کی پیش کش کی۔ ۱۹۷۷ء میں ایچ۔ایم۔ٹی کے ایک معاہدے پر دستخط ہوئے۔ اس یونٹ کے قیام کے کولہاپور شہر کا انتخاب ہوا۔ اس سلسلے میں عمارت کی اس کی ائیرکنڈیشنگ کا کام، وہاں کام کرنے والے افراد تربیت وغیرہ جیسے مرحلوں کو بڑی سرعت کے ساتھ دیا گیا اور اس یونٹ نے ۱۹۷۹ء میں "اجیجیت سمیہ (مہاراشٹر) لمیٹیڈ کے نام سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ یہ



پیکیج اسکیم برائے ترغیبات کے کارپوریشن کی امداد سے حلاپور میں جی پلاسٹک انڈسٹری کا قیام عمل میں

اب تک ۱۵ لاکھ گھڑیوں کے پرزوں کو جوڑنے کا کام پورا کر چکی ہے۔ اس میں کولہاپور کی ۹۰ خواتین کو روزگار فراہم کیا گیا ہے۔

ڈسٹلری : ایک عمدہ ڈیویژن

۱۹۷۷ء میں حکومت نے ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے سپرد ضلع احمد نگر میں چیتلی مقام پر واقع ڈسٹلری کے مرکز کو جاری کیا ہے۔ کارپوریشن نے اس کشیدگی کے مرکز کی انتظام کاری اتنے عمدہ طریقے پر انجام دی کہ اس سے بہت زیادہ فائدہ حاصل ہوا۔ اس ڈسٹلری سے مجموعی طور پر ۲۸ لاکھ لیٹر صنعتی الکوحل اور ۱۶ لاکھ لیٹر دیسی شراب ۸۵-۱۹۸۴ء میں تیار کی گئی۔

پائیلیٹ پروجیکٹ

ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے ڈسٹلری کے فاضل پانی سے پوٹاش اور اسٹیم تیار کرنے کے لئے میسرز تھرمیکس کمپنی کے ساتھ مل کر ایک پائیلیٹ پروجیکٹ کی شروعات کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس پائیلیٹ پروجیکٹ پر ۵۴ لاکھ روپے کا صرفہ آئے گا۔ اس ڈسٹلری سے اول کے دو سالوں میں پوٹاش اور اسٹیم کی تیاری سے ۲۴ لاکھ روپے کی آمدنی ہوگی۔ اگر اس پائیلیٹ پروجیکٹ میں کامیابی نصیب ہوئی تو اسے بڑے پیمانے پر ۲ کروڑ روپے کی لاگت سے بعد میں جاری کیا جائے گا۔ اس پروجیکٹ سے دوطرفہ فائدہ حاصل ہوگا۔ اس سے پوٹاش اور اسٹیم تیار کیا جائیگا۔ اور یہ کہ ڈسٹلری فاضل پانی کی گندگی سے پاک ہوجائے گی۔ ملک بھر میں یہ اپنی نوعیت کا ایک انوکھا پروجیکٹ ہوگا۔ اس کی کامیابی سے ملک بھر کی دوسری تمام ڈسٹلریوں کو ایک نئی راہ مل جائے گی کہ وہ بھی اس پروجیکٹ کو اپنائیں اور آلودگی کے مسئلے کو پُراطمینان طریقے پر حل کریں۔ یہ پروجیکٹ اب مکمل ہونے کے مرحلے پر ہے۔

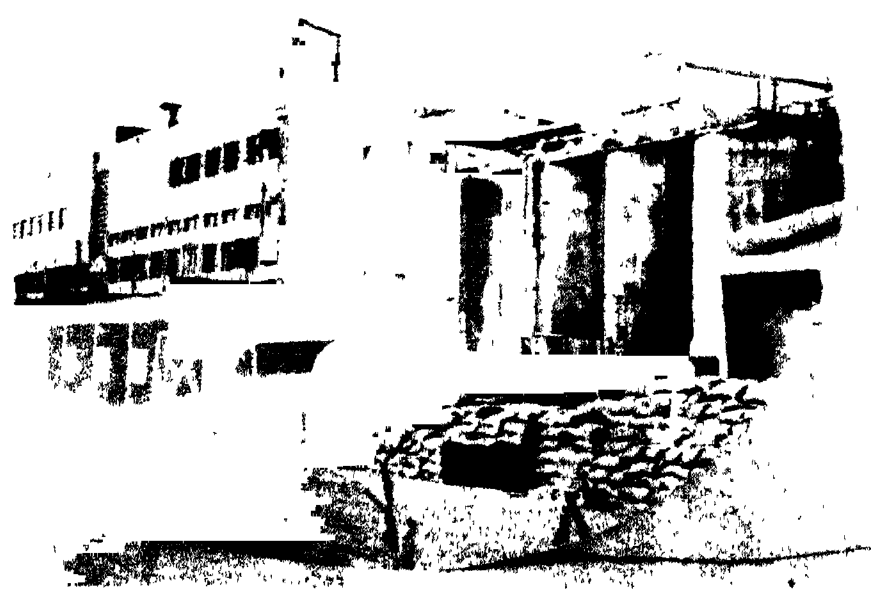
حکومت کی اسکیمیں

ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے حکومت مہاراشٹر کی درج ذیل اسکیموں کو روبہ عمل لایا ہے۔

(۱) سیڈ-منی- اسکیم

نادرالمثال کارکردگی

اس اسکیم سے تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوانوں کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی سکت پیدا کرنے کے لئے جاری



کارپوریشن نے دھولے ضلع میں یونیورسل اسٹارچ اینڈ ایلائیڈ پرائیویٹ لمیٹڈ کی بھی امداد کی۔

کیا گیا ہے۔ کارپوریشن نے اس عنوان میں جو ترقی کی ہے وہ نادر المثال ہے۔ اس اسکیم کے تحت جو ۱۲ سال سے رائج العمل ہے تقریباً ۲۴ ہزار تعلیم یافتہ بے روزگار افراد کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی سکت پیدا ہونے کا عزم پیدا کیا گیا ہے۔ انہیں ۱۵ کروڑ روپے کے لگ بھگ سیڈمنی تقسیم کی گئی۔ اس اسکیم کے لئے تقریباً ۱۰۰ کروڑ روپے کے بینک قرضہ جات کی منظوری عطا کی گئی۔ اس اسکیم کے ذریعے ۵۰ ہزار سے زائد افراد کو روزگار کے مواقع پیدا کئے گئے ہیں۔

کارپوریشن نے ریاست مہاراشٹر میں تقسیم کی جانے والی کل سیڈمنی کا ۵۰ فی صد ادا کیا ہے۔

ترغیباتی پیکیج اسکیم

ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے ۱۲۰۰ چھوٹے صنعت کاروں کے لئے ترغیباتی پیکیج اسکیم کی سہولت فراہم کی ہے۔ اس اسکیم کے تحت مختلف طور پر جو ترغیباتی رقموں کی تقسیم کی گئی۔ وہ ۷ کروڑ ۴۷ لاکھ روپے تھی۔

صنعت کاری ترقیاتی پروگرام

کارپوریشن نے اپنے حلقوں میں ۷۰ تربیتی کیمپوں کا مختلف جگہوں میں اہتمام کیا ہے اور تقریباً ۱۰۰۰ صنعتکاروں کو فیکٹری کی انتظام کاری کے میدان میں، پروجیکٹوں کی تیاری، سرمایہ کاری وغیرہ سے روشناس کرایا اور اس سلسلے میں انہیں مناسب تربیت دی۔

انجنیئر صنعتکاروں کیلئے انٹریسٹ سبسیڈی

کارپوریشن نے مرکزی طور پر جاری کردہ انٹریسٹ سبسیڈی اسکیم پر بھی عمل درآمد کیا ہے۔ تقریباً ۲۸ لاکھ روپے کی انٹریسٹ سبسیڈی ۲۲۷ انجینئروں کو ۳۱ مارچ ۱۹۸۵ء تک تقسیم کی گئی۔

مالی حالت

اپنے وجود میں آنے کے دو سال تک مالی حالت کچھ ٹھیک نہیں تھی لیکن اب بڑی ہی عمدگی سے کام انجام دیا جارہا ہے۔ شروع شروع میں دو سالوں تک کچھ نقصانات ضرور برداشت کرنے پڑے لیکن اس کے بعد پچھلے دس سالوں سے کارپوریشن کو مالی طور پر مسلسل نفع حاصل ہو رہا ہے۔

قومی راج

صفحہ نمبر ۱۵ سے آگے

"بچوں کو ٹیکہ لگوانا"

ڈی۔پی۔ٹی (DPT) یا TRIPPLE ANTIGEN نامی ٹیکے میں مانع ڈفتھیریا، مانع کالی کھانسی (جسے پرٹوسس کہتے ہیں) اور مانع ٹیٹانس عناصر شامل رہتے ہیں۔ دو سال کی عمر تک ڈی پی ٹی ٹیکہ لگوانا چاہیئے۔ اس ٹیکے سے تین انجکشن دئیے جاتے ہیں۔ ہر انجکشن کے درمیان ایک تا دو ماہ کا وقفہ دیا جاتا ہے پھر ڈیڑھ یا دو سال بعد بوسٹر انجکشن دیا جاتا ہے۔ ڈی۔پی۔ٹی انجکشن کو مانع پولیو ٹیکہ کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ انجکشن کے بعد بخار آتا ہے جو ایک یا دو روز میں خود بخود کم بھی ہو جاتا ہے۔ بخار کم کرنے والی دوائیں دی جا سکتی ہیں۔ دوروں کی شکایت والے بچوں کو مانع کالی کھانسی کا ٹیکہ نہیں دیا جاتا۔ ایسے ہی دو سال کی عمر کے بعد مانع کالی کھانسی کا ٹیکہ نہیں دیا جاتا۔ صرف ڈی ٹی (DT) نامی ٹیکہ جو مانع ڈفتھیریا اور مانع ٹیٹانس ہے لگوایا جاتا ہے۔ ڈی ٹی ٹیکہ کے دو انجکشن ایک تا دو ماہ کے وقفے سے دیئے جاتے ہیں۔ پانچ اور چھ سال کی عمر کے درمیان ڈی ٹی ٹیکہ کا بوسٹر انجکشن دیا جاتا ہے۔ اسی وقت مانع ٹائیفائڈ ٹیکہ کے دو انجکشن ایک تا دو ماہ کے وقفے سے دیئے جاتے ہیں۔ انجکشن کے دس تا بیس دن بعد ٹائیفائڈ کے خلاف قوتِ مدافعت میں اضافہ ہونے لگتا ہے جو تقریباً دو سال تک برقرار رہتی ہے۔

مانع گوری ٹیکہ، ایک انجکشن کے ذریعے نویں ماہ سے ایک سال کی عمر تک دیا جاتا ہے۔ انجکشن دینے کے بعد ہلکا سا بخار آتا ہے۔ دواؤں کے استعمال یا پھر خود سے بخار کم ہو جاتا ہے۔

غرض، اس طرح منظم طور پر ٹیکہ لگوانے سے بچوں کو ٹی۔بی، ڈفتھیریا، ٹیٹانس، کالی کھانسی، پولیو، خسرہ اور ٹائیفائڈ جیسے عام امراض سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر خلیل اللہ خاں
۶۵۰ بالدہ روڈ، پیلی گلی، نشاط گنج، لکھنؤ ۶

ریاضؔ خیرآبادی ـ صحافت کے آئینہ میں

واہ کیا رنگ ہے کیا خوب طبیعت ہے ریاضؔ ہو زمیں کوئی تمہیں پھولتے پھلتا دیکھا

کوئی ادیب یا سخنور انکار نہیں کرسکتا کہ ریاضؔ کو قدرت نے حسین اور وجیہہ بنایا ہی تھا ان کو شوخ طبیعت عطا فرمائی تھی ۔ جس محفل میں وہ بیٹھ گئے اسی کی رونق دوبالا کردی ۔ یار باش طبیعت اور رنگینی انہیں کا خاص حصہ تھا ۔

ریاضؔ کو خیام الہند کہیں یا حافظِ ہندوستان کے نام سے پکاریں تو ٹھیک ہی ہوگا ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر اردو شاعر نے کچھ نہ کچھ خمریات کا سہارا لیا ہے ۔ اور کچھ نہ کچھ شیشہ و جام، شراب و میخانہ کے متعلق کہا ہے، لیکن ریاضؔ خمریات کے بادشاہ ہیں ۔ وہ زندگی بھر رندِ پارسا رہے ۔ لیکن شراب اور شراب کے لوازمات کے ایسے نقشے کھینچے ہیں جو روزانہ پینے والا شاعر بھی کبھی نہ کھینچ سکا ۔ ملاحظہ ہو : ـــ

یہ کالی کالی بوتلیں ہیں جو شراب کی
راتیں ہیں ان میں بند ہمارے شباب کی

پھر وہ اپنے محبوب کے شباب کا نقشہ کچھ اس سے کھینچتے ہیں ـــ

چھلکا بیں بھر کے لاؤ گلابی شراب کی
تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی

تمثیل ملاحظہ فرمایئے ۔ ـــ

نازک کلائیوں میں حنا بستہ مٹھیاں
شاخوں میں جیسے منھ بندھی کلیاں گلاب کی

ریاضؔ کا شباب ہی ان کی شراب ہے ۔ ـــ

نشہ سا ہے شراب کا ہر چند پی نہیں
یہ رنگ ہے شباب کا تو زندگی نہیں

ریاضؔ کو لسان الملک کے نام سے پکارا جاتا ہے ، روزمرہ بول چال اور محاورہ کیلئے مشہور ہیں اشعار میں کوئی لسانی غلطی بڑی مشکل سے نظر

آتی ہے ۔

ریاضؔ اپنی شاعری کے علاوہ اپنی شگفتہ نثر نگاری شوخیٔ تحریر اور شریفانہ طنز و مزاح کے لئے ہر دلعزیز ہیں ریاضؔ کو ہم ترجمہ نگار کی حیثیت سے بھی نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں ۔ انھوں نے رینالڈس کی تین انگریزی ناولوں کا ترجمہ کیا ہے، جن کے نام "حرم سرا" نظارہ" اور تصویر (ناممکل) ہیں ۔ حالانکہ وہ انگریزی زبان سے نابلد تھے ۔

ریاضؔ کی صحافت پر کافی قلم فرسائی کی گئی ہے جناب رئیس احمد جعفری نے بہت کچھ لکھا ہے ۔ اور نادم سیتاپوری نے انتخاب فتنہ شائع کر کے بڑا اہم کام کیا ہے فتنہ اور عطرِ فتنہ کی بہت سی کاپیاں گورکھپور اور لکھنؤ کے کتابستانوں میں محفوظ ہیں ۔

ریاضؔ کے اخبارات و رسائل پر جو مواد ابھی تک دستیاب

ہو سکا ہے اس کی روشنی میں ایک سرسری نظر انکی صحافت پر ڈالنا ضروری ہے۔

ریاض الاخبار:۔

یہ وہ اخبار ہے جس نے ریاضؔ کی شخصیت کی دھوم مچا رکھی تھی، اور بڑے بڑے معرکے سر کئے۔

یہ ۱۸۷۲ء میں خیرآباد سے جاری ہوا۔

یہ ہفتہ وار اخبار تھا (لیکن کچھ عرصہ تک ہفتے میں دوبار بھی نکلا)۔ ریاض الاخبار کا مقابلہ آج کی صحافت سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو اسی معیار پر پرکھنا چاہیئے جو اس کے زمانے میں رائج تھا۔ اس زمانے کے اخبار خبریں کم دیتے تھے اور مقالات، نصائح اور ہدایات پر زیادہ توجہ دیتے تھے، قصہ کہانیوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ مقامی حالات اور ملکی سیاسیات پر بہت کم اظہارِ خیال کیا جاتا تھا۔ مقامی حالات پر ریاضؔ کا قلم تیغ جوہردار کی طرح چلتا تھا، اس اخبار میں ریاضؔ کی غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ ریاضؔ کو جب حالات نے مجبور کردیا تو مہاراجہ محمود آباد کے اصرار پر ۱۹۰۷ء میں اس اخبار کو لے کر لکھنؤ چلے آئے اس کے سرِ ورق پر یہ شعر چھپا ہوتا تھا:۔ ؎

تری اٹھان ترقی کرے قیامت کی
ترا شباب بڑھے عمرِ جاوداں کی طرح

ریاضؔ نے ہمیشہ معیاری اردو لکھی، ان کے مضامین پڑھنے کے لئے لوگ بے تاب رہتے تھے۔ لوگ اخبار صرف ان کا ایڈیٹوریل پڑھنے کیلئے خریدتے تھے۔

روزنامہ "تاربرقی":۔

یہ پرچہ کتابی تقطیع کے دو ورق پر چھپتا تھا۔ قیمت ایک پیسے کے دو پرچے، مگر سیتاپور اور خیرآباد کے علاوہ دیگر مقامات پر ایجنٹ ایک ہی پیسے کے فروخت کرتے تھے۔ زیادہ تر کام ان کے احباب کرتے تھے۔ روزنامہ "تاربرقی" خیرآباد سے نکالا، اس میں زیادہ تر پائنیر اور دیگر انگریزی اخبارات کے تراجم ہوتے تھے۔ اس کا تعلق سیتاپور کے قومی کلب سے تھا۔

گل کدۂ ریاض:۔

اس کو شعر و سخن کا ماہنامہ کہنا چاہیئے، ریاضؔ جب "ریاض الاخبار" اور "تاربرقی" سے آسودہ نہ ہو سکے تو انھوں نے ۱۸۷۹ء میں خیرآباد سے یہ گلدستہ نکالا۔ اردو زبان کا مقبول اور مستند پرچہ تھا جس میں مشاہیر شعراء اور والیانِ ریاست کی طرحی غزلیں شائع ہوتی تھیں، یہ نظر سے بالکل عاری تھا، ایک طرح چھ چھ مہینے تک چلتی تھی، اس میں سب منتخب شعر درج کئے جاتے تھے۔ بعض پرچوں میں امیرؔ کی غزل کا صرف ایک ہی شعر چھپا ہوا نظر آتا ہے منشی امیر احمد کے متفرق اشعار کا مجموعہ سب سے پہلے "گوہرِ انتخاب" موسوم بہ "آبِ گوہر" کے نام سے بطور ضمیمہ اس میں شائع ہوا ہے، میر تقی میرؔ کا انتخاب بھی اس میں نکلتا رہا۔

یہ "لمعۂ رخشاں" پریس میں چھپتا تھا۔ اس گلدستہ کے اجراء کے وقت ریاضؔ باقاعدہ طور پر شعر و سخن کے میدان میں آکر آشفتہؔ کے بجائے ریاضؔ تخلص کرنے لگے تھے اسی رعایت سے اس کا نام "گل کدۂ ریاض" پڑا۔ یہ گلدستہ کتابی سائز کے ۴۲ یا ۴۶ صفحات پر ماہانہ نکلتا تھا، اس کا چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔

نادمؔ سیتاپوری فرماتے ہیں:۔

"ادبی حلقوں میں ریاضؔ کو جتنا "گل کدہ" نے روشناس کرایا "ریاض الاخبار" نہ کر سکا"۔ چنانچہ جب ریاضؔ اپنے اخبار اور "گل کدہ" کو لے کر ۱۸۸۱ء میں گورکھپور چلے گئے تو خیرآباد میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا، اور اسے پر کرنے کے لئے ستمبر ۱۸۸۴ء میں اعتبار الملک مضطرؔ خیرآبادی کو ایک ماہانہ گلدستہ "کرشمۂ دلبر" کے نام سے نکالنا پڑا جس کے سرِورق پر یہ شعر لکھا ہوتا تھا:۔ ؎

ترقی پر ہے ترا حسن اب تو یار سے پہلے
غضب ہے چھپا رنگِ گل رخسار سے پہلے

"کرشمۂ دلبر" چھپتا تو تھا لکھنؤ کے مطبع گلزارِ محمدی میں لیکن شائع ہوتا تھا خیرآباد سے، مگر شاید گلدستہ چند سال بھی جاری نہ رہ سکا، کیوں کہ مضطرؔ خیرآباد کو خیرباد کہہ کر چلے گئے لیکن خیرآباد کا یہ ادبی جمود زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا، "کرشمۂ دلبر" بند ہونے کے چند سال بعد آقائے سخن وسیمؔ خیرآبادی نے "گلچیں" جاری کر دیا۔ جو حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے ۱۹۱۸ء تک نکلتا رہا۔

فتنہ" اور"عطر فتنہ":۔

۱۸۵۷ء کے بعد جس قسم کی سوسائٹی نے جنم لیا اس میں
مند ظرافت کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ اس زمانہ کے
اخبارات سرسید کا "تہذیب الاخلاق" "انتخاب اودھ
ورزمیندار" لاہور کے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ "اپریل
ہیں۔ ان کے علاوہ کہیں کہیں قدیم صحافت کے بکھرے
اوراق اور بھی مل جاتے ہیں۔ اردو کا پہلا مزاحیہ
"مذاق" ۷ر جنوری ۱۸۵۵ء کو رام پور سے نکلا۔
اودھ پنچ" سب سے زیادہ مقبول ہوا۔ کیونکہ منشی
سین صاحب بے پناہ لکھنے والے تھے لیکن ان کی
پھکڑ بازی کی حد تک پہنچ جاتی تھی۔
۱۸۸۳ء میں ریاض الاخبار نے اپنی ادبی جولانیوں کے
لئے میدان عمل منتخب کیا اور "فتنہ اور عطر فتنہ" کے
سے دو ننھے منے اخبار نکال دیئے۔
"فتنہ" گورکھپور محلہ نخاس، ہفتہ وار، آٹھ ورقی خورد
سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے، مجاریہ ریاض ازلۃ ولہ
ملک منشی سید ریاض احمد، رئیس خیرآباد، مہتمم نظام
داز، پرنٹر ستیلا بخش، کاتب رام بخش، از مطبع
الاخبار، اجراء ۸ر جولائی ۱۸۸۲ء (اختر شاہنشاہی ص ۱۹۳-۱۹۲)
جیبی سائز کا یہ مختصر سا رنگ برنگی ہفت روزہ
کے دن "ریاض الاخبار" کے ساتھ شائع ہوا کرتا تھا
شروع میں اس کی ضخامت ۱۶ صفحہ تھی، مگر بعد
۱۶ صفحات "عطر فتنہ" کے نام سے اور بڑھا دیئے
عطر فتنہ" دراصل ایک گلدستہ شعر و سخن تھا جس میں
ور کے مشہور گلدستوں کا انتخاب شامل ہوتا تھا۔
ف پر یہ شعر لکھا جاتا تھا:۔ ؎

چھانٹا وہ دل کہ جس کی ازل سے نمود تھی
پسلی پھڑک اٹھی نظر انتخاب کی

عطر فتنہ کے ۱۶ صفحات کے اضافہ ہوتے ہی فتنہ اور
ایک چیز ہو گیا۔ فتنہ کا موسم کے اعتبار سے کاغذ بدلا
جاتا تھا۔ اگر بسنت ہے تو بسنتی رنگ کے کاغذ پر نکلتا تھا
جاڑا پڑ رہا ہے تو گلابی رنگ کے کاغذ پر چھپتا تھا۔ یہ عوام
و حسینان گورکھپور میں بہت مقبول تھا۔

مسلم عباسی گورکھپوری فرماتے ہیں:۔ "ایک مرتبہ کسی
معاملے میں "مینا" طوائف کے بھائی کو پولیس نے پکڑ لیا جو طبلہ
بھی بجاتا تھا۔ دوسری صبح "فتنہ" کا لوکل ایڈیشن نکلا اور
سر ورق پر لکھا تھا ؎

"مینا تڑپ رہی ہے کہ باز و قفس میں ہے"

ریاض خیرآبادی کا یہ چھوٹا سا اخبار معیاری صحافت و
ظرافت کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا جس کے متعلق پہلے دن سے یہ خیال تھا کہ

"ابھی فتنہ ہے کسی دن یہ قیامت ہوگا"

"فتنہ کو اس دور کی ظریفانہ صحافت میں جو اہم مقام حاصل
تھا اس کے متعلق مشہور صحافی اور ادیب میر ناصر علی دہلوی اڈیٹر
"صلائے عام" کی قیمتی رائے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ فتنہ
میں کوئی نہ کوئی بات نکل آتی کہ مدت کی محنت ٹھکانے لگ جاتی ہے"۔
(نقوش لاہور طنز و مزاح نمبر ص ۲۷۰)

ریاض خیرآبادی کے "گلکدۂ ریاض" "ریاض الاخبار" "صلح کل"
اور "فتنہ و عطر فتنہ" یہ سب ایک ہی تصویر کے مختلف روپ
ہیں۔ جو انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد ابھر ابھر کے مٹتے رہے۔

یہ اخبار سنجیدہ شوخی کا بہترین نمونہ تھا۔ نہ پھکڑ بازی
نہ عامیانہ طرز گفتگو، نہ کسی کی ذاتیات کی نقاب کشائی، صرف طنز
پُر لطف فقرے، برجستہ چٹکیاں، بس یہی تھا فتنہ اور عطر فتنہ
اسی لئے بہت جلد مقبول عام ہو گیا۔ یہ ریاض کی ذہانت اور
خوش ذوقی کا غماز تھا۔ ریاض خود اس ذرا سے فتنہ کی
مقبولیت سے واقف تھے۔ ؎

فتنہ کو پوچھتا ہے کوئی کس ادا کے ساتھ
چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا ہوا

صُلح کل :۔

یہ روزنامہ اخبار تھا جو گورکھپور سے ۱۸۹۵ء میں ریاض
نے نکالا تھا۔ مولوی سبحان اللہ خان صاحب رئیس گورکھپور ریاض
کے بہترین اور جگری دوست اور شعر و شاعری کے قدر داں اور
خود بھی کبھی کبھی شعر کہتے تھے۔ اور عظیم تخلص کرتے تھے ۔
حبیب اللہ صاحب بیرسٹر احسان اللہ عباسی صاحب مصنف
تاریخ اسلام جیسی معزز ہستیوں نے ایک کمپنی قائم کی جو رجسٹرڈ
کرا دی گئی۔ کچھ روپیہ جمع ہو گیا اور ریاض کی نگرانی میں اخبار
"صلح کل" کا اجراء عمل میں آیا۔ ریاض پر کام بہت پڑا اور وہ بیمار

قومی راج

پڑ گئے، اپنے بھائی نیاز احمد صاحب کے پاس فرخ آباد چلے گئے۔ بہرحال "صلح کل" کچھ عرصہ تک جاری رہا، اس کے اسٹاف میں مشہور صحافی سید جالب صاحب تھے۔ کچھ دن کے بعد اخبار مولوی سبحان اللہ صاحب کی ملکیت میں آگیا اور حکیم برہم ۱۹۰۲ء میں بھوپال سے پنشن پاکر گورکھپور آگئے اور اس کے اڈیٹر مقرر ہوئے۔ فتنہ و عطر فتنہ بھی حضرت ریاض نے انہیں دیدیا تھا۔ حکیم برہم نے بعد میں "مشرق" بھی نکالا اور آخر تک کامیابی سے کام کرتے رہے۔

ریاض کی انشاء پردازی کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں وہ شگفتہ قلم انشاء پرداز اور ماہر صحافی تھے صحافی اتنے بہتر تھے کہ "ریاض الاخبار" کے ڈنکے بجا دیئے۔ ناول نویس اتنے کامیاب کہ "حرم سرا" کے اوراق آج تک ناول نویسی کی تاریخ میں بنظرِ عقیدت دیکھے جاتے ہیں۔

●

قومی راج کے شرح چندے میں تبدیلی

سالانہ	۱۰ روپے
۲ سالہ	۲۰ روپے
۳ سالہ	۲۷ روپے
۴ سالہ	۳۶ روپے
۵ سالہ	۴۵ روپے

چندے کی رقم اسسٹنٹ ڈائریکٹر (ایڈمنسٹریشن) ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر، بیرک نمبر ۱۹۔ بمقابل سروچی بلڈنگ، نزد منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۲۹ کے پتے پر بھیجی جائے۔ چندے کی رقم و "قومی راج" کی وصولی کے بارے میں خط و کتابت مذکورہ پتے پر کی جائے۔



چیمبور، بمبئی میں گیس سانحہ کے بعد کیلیکو کارخانے میں وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے موقع واردات کا معائنہ کیا۔ تصویر میں وزیر اعلیٰ کے ہمراہ ریاستی وزرا شری سوشیل کمار شندے اور شری نریندر ترڈ کے نظر آرہے ہیں۔



* ایم۔ عالم (ایم۔اے)
کالی باغ، بتیا ۸۴۵۴۳۸
مغربی چمپارن (بہار)

آج کے بچے

کل کے شہری اور معمارِ ملک و ملت ہیں

بچپن کا زمانہ بہت نازک ہوتا ہے۔ آدمی کے اندر بہت سی کمزوریاں ایسی ہوتی ہیں جنہیں بہت کوشش و کاوش کے باوجود آدمی نہیں سمجھ پاتا ہے کہ ان کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟ ایسی کمزوریاں دو طریقوں سے پیدا ہوتی ہیں پہلی ممکن بات تو والدین کا خون ہے جس سے آدمی کو بہت سی کمزوریاں اور اوصاف ملتے ہیں، جس کو Heredity اور وراثت کہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہ کہاوت بہت مشہور ہے کہ مچھوا اگر پیدا ہوتے ہی اپنے بچے کو پانی میں پھینک دیں تو بچہ ہاتھ پاؤں مار کر تیرنے لگے۔ دوسری ممکن بات نہایت پیچیدہ ہے۔ وہ نہ تو خون سے ملتی ہے اور نہ سوسائٹی سے۔ بچپن کے کسی غیر معمولی حادثے سے اس کے ذہن کے نچلے حصے پر ایک ایسی تصویر سی کھنچ جاتی ہے جسے بہت سمجھنے پر بھی نہیں سمجھ پاتا ہے۔ آدمی کا ذہن بہت فراموش کار ہے۔ لیکن حادثات اور واقعات کے نتائج اور انجام کا ردِعمل انسان کی تمام زندگی کے ساتھ لپٹا رہتا ہے!

ماہرینِ نفسیات نے ایک ایسے آدمی کے بارے میں تحقیقات کی۔ جو مضبوط اور بے خوف ہونے کے باوجود پانی میں اُترنے سے گریز کرتا ہے۔ وہ زندگی کے دوسرے تمام معاملات میں بہت ہی جری، بے خوف اور بے باک ہے لیکن دوسروں کو تیرتے دیکھ کر یا کشتی چلاتے دیکھ کر بھی پانی میں اُترنے سے گھبراتا ہے۔ ہمیں اور بھی تعجب ہوتا ہے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس کے ماں باپ اچھے تیراک ہیں پھر پانی سے ڈرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ ایک ایسے ہی کیس کی ایک جرمن ماہر نفسیات نے جب تحقیق کی تو اسے پتہ چلا کہ جب اس آدمی کی عمر صرف ایک دو سال کی تھی تو اس کی آیا ٹب میں نہلاتے وقت اپنے ہاتھ چھوڑ دیا کرتی تھی اور بچہ ڈر کر چیخنے لگتا تھا۔ یہ عمل ایک ماہ تک جاری رہا اور یہی چھوٹی عمر کا خوف بڑا ہونے پر بھی اس آدمی کے تحت الشعور سے نہ جا سکا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوا کہ بچپن کے زمانے میں آیا، یا والدین کی ذرا سی بھول یا لغزش، ذہن کے اندر نہایت گہرا اثر چھوڑ جاتی ہے اور اس کے اثرات انسانی زندگی سے مرتے دم تک زائل نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ انمٹ یعنی نقش کالحجر بن جاتے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ بچوں کی پرورش و پرداخت کوئی سہل اور آسان کام نہیں

ہے بلکہ یہ بہت کٹھن مرحلہ ہے۔ یہ تو آپ نے بچپن کے دکھ کے معمولی سا واقعہ اور حادثہ کا اثر آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اب آپ یہ بھی دیکھئے کہ انسان کی زندگی پر ماحول کا کتنا زبردست اثر ہوتا ہے۔

ایک بار فرانسیسی والدین کے یہاں حبشی بچہ پیدا ہوا۔ ماہرین نفسیات کو بڑی حیرت ہوئی کیونکہ اس علاقے میں کوئی بھی حبشی نہیں تھا۔ سائیکلوجسٹ حضرات چھان بین میں لگ گئے۔ بہت تحقیق اور بسیار تجسس کے ذریعہ یہ سراغ ملا کہ فرانسیسی حاملہ عورت جس آفس میں ملازمت کرتی تھی وہاں حبشی کا ایک مجسمہ (اسٹیچو) بنا ہوا تھا۔ حمل کے زمانے میں صرف اس حبشی کے مجسمے کو دیکھنے کا اس قدر اثر ہوا کہ گورے فرانسیسی ماں باپ کی اولاد کالی کلوٹی حبشی جیسی ہوگئی۔

ان باتوں کا تذکرہ یہاں چھیڑنے کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں ہمارا کام صرف یہ نہیں ہے کہ ہم محض بچے پر بچہ پیدا کرتے چلے جائیں اور ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت سے غفلت اور لاپرواہی برتیں یہ ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ ہمارے آج کے بچے کل کے بہترین شہری اور معمار ملک و ملت ہیں۔ ہمارے اس طرف توجہ نہیں دینے کی بدولت ہمارے معاشرے میں رفتہ رفتہ بہترین شہری اور معمار ملک و ملت قسم کے افراد کا زبردست نقصان ہوتا چلا جا رہا ہے جس کی بدولت معاشرے میں تخریب زیادہ اور تعمیر دن بہ دن کم ہوتی جا رہی ہے۔ ہم اور آپ خود غور کریں کہ گاندھی، جواہر لعل، مولانا ابوالکلام آزاد، اور مولانا محمد علی جوہر اور شوکت علی جیسی عظیم شخصیات کیوں نہیں پیدا ہو رہی ہیں؟

اچھے والدین ہی کے بطن سے بچے اچھے اوصاف کے حامل ہو سکتے ہیں۔ اچھا ماحول ہی انہیں اچھے سانچے میں ڈھال سکتا ہے۔ ورنہ بچوں کی پرورش کے سلسلے میں ہماری تھوڑی سی بھی کوتاہی اور لاپرواہی پرچم انسانیت کو بلند کرنے والے سپوت نہیں بلکہ انسانیت کش اور انسانیت ساز نہیں انسانیت سوز سپوتوں کو جنم دے سکتی ہیں۔

آج کے سماج میں جب ہم اپنے ماحول کا مطالعہ کرتے ہیں تو جگہ بہ جگہ ماں باپ اور بچوں کے درمیان خیالات کا ٹکراؤ دیکھنے میں آتا ہے ایسا کیوں ہے؟ جب اس چبھتے ہوئے سوال کے جواب پانے کے لیے انسان آدمی کی نفسیات کا تجزیہ کرنے لگتا ہے اور انسانی نفسیات کی گہرائیوں میں اتر کر الجھی گرہوں کو کھولنے کی کوشش کرتا ہے تو اس بات کا سراغ ملتا ہے کہ والدین اور اولاد کے درمیان خیالات کا ٹکراؤ کی بہت ساری خالص نفسیاتی وجوہات ہیں —

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بچے پیار کے بھوکے ہوتے ہیں اور آج کا انسان سماجی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی الجھنوں میں الجھ کر اپنے پیار کے بھوکے بچوں کو بھرپور پیار دینے سے قاصر ہے۔ اپنے نونہالوں کے پیار کی بھوک اور پریم کی تشنگی بجھانے سے مجبور ہے اور والدین کے اس پیار کی کمی و قلت بچوں کو مختلف نفسیاتی اور جذباتی کمزوریوں اور الجھنوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ بچے احساس کہتری و کمتری کے شکار ہو جاتے ہیں اور اس روگ سے بے شمار بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ بچے چور، ڈاکو، قاتل وغیرہ وغیرہ بن جاتے ہیں۔

جب کسی والدین کو ایک سے زیادہ بچے ہوتے ہیں تو یہ بھی ایک ہمالیائی حقیقت ہے کہ والدین اپنی چھوٹی اولاد سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور دیگر بچے یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے یہ بچوں کا انتہائی خطرناک احساس ہوتا ہے جسے دور کرنا نہایت ضروری ہے۔ مگر آج کی مصروف و مشغول زندگی میں والدین کے پاس وقت نہیں ہے کہ بچے کو نظر انداز کئے جانے کے احساس کے خلا کو پر کر سکیں۔ اس سلسلے میں حضرت یعقوبؑ کے لڑکے حضرت یوسفؑ کے اس واقعہ کو یاد کیجئے کہ حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں نے محض اس لیے کنوئیں میں پھینک دیا کہ ان کے والد اور بچوں سے زیادہ انہیں عزیز رکھتے تھے۔ اب آپ اس واقعہ سے اندازہ کریں کہ احساس بچوں کو خلیج میں اٹھا کر پھینک ڈالتا ہے۔

ہر بچہ اپنے ننھے منے سینے میں یہ آرزو پالتا ہے کہ والدین ساری توجہ میری طرف ہی مبذول رکھیں۔ اس طرح اگر ایک بچے کی تمنا پوری ہوتی ہے تو دیگر بچوں کی تمناؤں کا خون ہوتا ہے۔ آرزوؤں کا شیش محل چکنا چور ہوتا رہتا ہے یوں بچہ بچپن ہی سے اپنے والدین سے باغی ہوتا چلا جاتا ہے اور باپ کے لاڈلے بیٹے کا دشمن نمبر ایک بن جاتا ہے۔ چونکہ بچپن کے زمانے میں انسان کو بچے کی بغاوت اور دشمنی کا احساس نہیں ہوتا ہے مگر جب بچہ باشعور ہو جاتا ہے تو یکایک والدین اور اولاد کے خیالات و تصورات کے ٹکراؤ کا شدید طور پر احساس ہوتا ہے اور زبردست دھچکا اور جھٹکا لگتا ہے لیکن درحقیقت اس بغاوت اور دشمنی کی بنیاد غیر شعوری طور پر عہد طفلی میں پڑ چکی ہوتی ہے۔ اس طرح بچپن کا زمانہ نہایت ہی نازک ہوتا ہے مگر ہمارے ملک و ملت میں اس نفسیاتی پہلو کا خیال کتنے فیصد انسانوں کو ہے؟ ہم لوگ تو جانوروں کی طرح بچے پیدا کر کے مسموم اور زہر آلود فضاؤں میں کیڑے مکوڑے کی طرح رینگنے اور ٹلپلے

لئے چھوڑ دیتے ہیں۔

رچہ ہندوستان ایک زراعتی غریب ملک ہے۔ یہاں
ے بہت زیادہ غریب لوگ بستے ہیں۔ غریب تو بھلا اپنی
تی کی بدولت اپنے نورِ نظر اور لختِ جگر کی خاطر خواہ دیکھ بھال
ش و پرداخت نہیں کرپاتے ہیں لیکن امیر کبیر لوگ بھی اپنی
صروفیتوں کی بدولت اپنے نونہالوں کی معقول اور مناسب
ل نہیں کرپاتے ہیں۔ ایک امیر کبیر خاندان کے والدین، اپنی
د کی طرف تندہی اور مستعدی سے توجہ دینے سے تمام
معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی چاؤ چونچلے اور کلب و ریس
ل سرگرمیاں اپنے جگر کے ٹکڑے کی ناز برداری کی مہلت ہی
ں۔ اس طرح ٹھوس حقیقت یہی ہے کہ والدین کے اپنے
خانگی معاملات اور اپنی اولاد سے شروع دن کی لاپرواہی
ور نظر اندازی یہی اصل وجہ ہے بچوں کے بگاڑ کی، اور
ٹکراؤ کی۔ خواہ اس کا شعور ہمیں ہو یا نہ ہو۔ مگر اٹل سچائی
حقیقت یہی ہے کہ بعض بچوں کو بچپن میں اس قدر لاڈ
ملتا ہے کہ بچے ضدی ہو جاتے ہیں۔ بچپن سے اب تک والدین
اولاد کی ہر بات مانتے چلے آرہے ہیں۔ اب بڑے
ینے بچے کی اطاعت اور فرماں برداری نہ کریں گے تو اس کا
خیالات کی ٹکر ہوگی۔

رض بچوں کے پیار کی پیاس نہ بجھانا یا انہیں حد سے زیادہ
د پیار کرنا اور ان دونوں کی سرحد کے درمیان توازن نہ
کھنا۔ بچوں کو بھیانک اور مہیب کردار کا حامل بنا دیتا ہے
س طرح دیگر وجوہات بھی ہیں جیسا کہ ہر فرد اپنی انفرادیت
ی شان رکھتا ہے لیکن والدین اپنے بچوں کی انفرادیت کا لحاظ
ئے رعب کے ساتھ اپنی بات منوانے کی ضد کرتے ہیں۔ اور
ی اور اصرار کے ساتھ یہی توقع رکھتے ہیں کہ بچہ اپنے والدین
مانے کے سوا کر ہی کیا سکتا ہے؟ اس لئے بچے سے رائے مشورے
وتہ کے بغیر اپنی بات، اپنا خیال اس پر تھوپنے کی کوشش
حالانکہ لازم تو یہ ہے کہ لڑکا جب بڑا ہو جائے تو والدین
رات و خیالات کو اس پر مسلط کرنے کی بجائے اس سے
ورہ لے کر ہی کسی مسئلہ حیات کا فیصلہ کریں۔ آج کے دور میں
سچائی ہے کہ جب بھی کوئی کسی پر اپنے خیالات، و
کو تھوپنے اور مسلط کرنے کی بے جا سعی کرے گا تو وہاں ٹکراؤ

ہو گا ہی۔

اس طرح حیاتِ انسانی میں مختلف مسائل ابھر کر سامنے آتے ہیں جنہیں لوگ سمجھوتہ سے نہیں بلکہ زور زبردستی سے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی بدولت ٹکراؤ ہر گام پر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات بچہ خودکشی کر لیتا ہے یا بھاگ جاتا ہے تو کبھی والدین گھر چھوڑ دیتے ہیں۔

یہ تلخ حقائق ہیں جن کے سدباب اور تدارک کے لئے نفسیاتی [illegible] چارہ جوئی کی جانی چاہیے۔

ٹکراؤ سے بچنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ والدین اور اولاد اپنے خیالات ایک دوسرے پر لادنے کی بجائے ایک دوسرے سے سمجھوتہ کرکے ہی زندگی کو خوشگوار بنا سکتے ہیں ورنہ اس عصرِ جدید دوسرا کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔

مندرجہ بالا باتوں سے بہ حسن و خوبی اس بات کا پتہ چل گیا کہ بچے کی زندگی اور اس کے کردار پر والدین کے خوف، بچپن کے کسی حادثہ اور واقعہ، اور ماحول کا نہایت عمیق اثر ہوتا ہے۔ ماں باپ کی تھوڑی سی بھی بے توجہی بچوں کو مجرمانہ ذہنیت کا حامل بنا سکتی ہے۔

● ● ●

ہم غربت کے خلاف کامیابی سے جنگ اسی وقت لڑ سکتے ہیں جبکہ ہم نئے خیالات قبول کریں۔ توہمات کو چھوڑ دیں۔ ترقی کی خاطر عزم اور لگن سے کام کریں اور مشکلات میں ہر قربانی دینے کے لئے کمربستہ ہوں۔ اس عظیم کام میں ہاتھ بٹانا ہر فرد کا فرض ہے۔ ہم محض تماشائی بن کر نہیں رہ سکتے۔ غربت کے خلاف جنگ میں ہم سب سپاہی ہیں۔

— آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی

ڈاکٹر سید خواجہ معزالدین
ایم بی بی ایس (عثمانیہ)
گھر نمبر ۱۴۱-۱-۲۳ - دودھ خانہ لین
چارمینار (مشرقی) حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲ (اے پی)

بچّوں کو ٹیکہ لگوانا

انسانوں کو امراض لاحق ہونے کی چند اہم وجوہات میں سے ایک اہم وجہ جراثیم ہیں جراثیم جسم میں داخل ہوکر مرض کا باعث بنتے ہیں لیکن ہمیشہ ضروری نہیں کہ جب بھی جراثیم جسم میں داخل ہوں مرض کا باعث بنیں۔ جسم میں داخل ہونے کے بعد جراثیم کو جسمانی قوتِ مدافعت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جسے IMMUNITY کہا جاتا ہے۔ مختلف اشخاص میں قوتِ مدافعت مختلف ہوتی ہے۔ جسم میں جراثیم کے خلاف قوتِ مدافعت کو بڑھانے کے لئے ٹیکہ کا استعمال کیا جاتا ہے — پہلی مرتبہ EDWARD JENNER نے مرض چیچک کی روک تھام کیلئے ٹیکہ دریافت کیا —

آج طب کا اصول مرض لاحق ہونے سے پیشتر اس پر قابو پالینا ہے۔ بعض امراض ایسے ہیں جن کا علاج آسان اور ممکن نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ٹیٹانس اور کتا کاٹنے سے ہونے والا مرض RABIES کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ ان امراض کو ٹیکوں کی مدد سے روکا جا سکتا ہے جس سے شرح اموات میں کافی حد تک کمی آئی ہے۔

مانع امراض ٹیکے متعدی امراض کو روکنے میں بہت معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ٹیکوں سے بڑھائی ہوئی قوتِ مدافعت مختلف امراض کے لئے مختلف عرصے تک قائم رہتی ہے۔ مقررہ مدت ختم ہونے پر پھر سے ٹیکہ لگوانا چاہیئے۔ ٹیکہ لگوانے سے ہم نہ صرف مرض سے محفوظ رہتے ہیں بلکہ اس مرض کی روک تھام میں بھی مدد ملتی ہے۔ مرض چیچک سے ٹیکہ لگانے اور دوسری تدابیر کے ذریعے آج دنیا کی آبادی چھٹکارا پا چکی ہے۔ مغربی ممالک میں ٹیکوں اور دوسرے اقدامات کی مدد سے کافی حد تک متعدی امراض پر قابو پالیا گیا ہے۔

بچے کی پیدائش کے بعد سے ٹیکے لگوانا شروع کرنا چاہیئے۔ اگلے صفحہ میں ہم ایک چارٹ پیش کرتے ہیں۔ اس چارٹ میں بتلایا گیا ہے کہ کون سا ٹیکہ کب دلوانا چاہیئے۔ ہر ایک بچے کے لئے اس طرح کا ریکارڈ رکھنا مفید ہے۔

چارٹ میں ٹیکہ لگوانے کی مناسب عمر درج کی گئی ہے۔ کسی وجہ سے دیر ہو جائے تو ٹیکوں کے درمیان کا وقفہ برقرار رکھتے ہوئے ٹیکہ لگوانا چاہیئے۔ حتی الامکان پہلی سالگرہ تک بی۔سی۔جی کا انجکشن، مانع پولیو کی تین خوراک، اور ڈی پی ٹی کے تین انجکشن دلوانا بہتر ہے۔ یہ تینوں ٹیکے ایک ساتھ لگوائے جا سکتے ہیں۔

بی سی جی (BCG) ٹیکہ مانع تپ دق یعنی TUBERCULOSIS ٹیکہ ہے۔ مانع ٹی بی ٹیکہ پہلے ان اشخاص کو دیا جاتا تھا جن میں مانٹو ٹیسٹ منفی ہوتا ہے مرض تپ دق عام ہونے کی وجہ سے یہ ٹیکہ ۱۹ سال کی عمر تک بغیر مانٹو معائنہ کبھی بھی دیا جا سکتا ہے۔ بچوں میں اس ٹیکے کو پیدائش کے تیسرے ماہ دیا جانا بہتر ہے۔ یہ ٹیکہ دائیں بازو پر دیا جاتا ہے۔ بی۔سی جی ٹیکہ دینے کے بعد چھ ماہ تک اس بازو پر کوئی دوسرا انجکشن نہ لگوائیں۔ تین تا چھ ہفتوں میں مہاسہ نکل آئے تو یہ مثبت ردِ عمل کی نشانی ہے۔ ٹیکہ کے خراب اثرات بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ بعض اوقات گلے کے غدود بڑھ جاتے ہیں جو

نام ... ... ولدیت ... ... تاریخ پیدائش ... ...

عمر	ٹیکہ	انجکشن / خوراک (مناسب وقت)	ٹیکہ لگوانے کی تاریخ
پیدائش کے تیسرے ماہ سے نویں ماہ تک	بی سی جی	(ایک انجکشن) تیسرے مہینے	
	مانع پولیو ٹیکہ (تین خوراک۔ ایک تا دو ماہ کے وقفہ سے)	(پہلی خوراک) تیسرے مہینے	
		(دوسری خوراک) ۴½ مہینے	
		(تیسری خوراک) چھٹے مہینے	
	ڈی۔پی۔ٹی ٹیکہ (تین انجکشن۔ ایک تا دو ماہ کے وقفہ سے)	(پہلا انجکشن) تیسرے مہینے	
		(دوسرا انجکشن) ۴½ مہینے	
		(تیسرا انجکشن) چھٹے مہینے	
نویں ماہ سے ایک سال تک	مانع خسرہ ٹیکہ	(ایک انجکشن) نویں مہینے	
ڈیڑھ تا دو سال	مانع پولیو ٹیکہ	(بوسٹر خوراک)	
	ڈی۔پی۔ٹی ٹیکہ	(بوسٹر انجکشن)	
اسکول جانے کی عمر (پانچ تا چھ سال)	ڈی۔ٹی ٹیکہ	(بوسٹر انجکشن)	
	مانع ٹائیفائیڈ ٹیکہ دو انجکشن۔ ایک تا دو ماہ کے وقفہ سے	(پہلا انجکشن)	
		(دوسرا انجکشن)	

— علاج کروانے پر کم ہو جاتے ہیں۔

مانع پولیو ٹیکہ دو قسم کا ہوتا ہے SALK VACCINE اور SABIN VACCINE ۔ موخرالذکر کو اول الذکر پر فوقیت حاصل ہے اور عام طور پر یہی ٹیکہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس ٹیکہ کو قطروں کی شکل میں پلایا جاتا ہے۔ اس کے تین خوراک پلائے جاتے ہیں۔ ہر خوراک کے درمیان ایک تا دو ماہ کا وقفہ دیا جاتا ہے۔ پھر ڈیڑھ یا دو سال بعد بوسٹر خوراک دی جاتی ہے۔ خوراک پلاتے وقت خیال رکھیں کہ دو گھنٹے قبل یا بعد بچہ کو دودھ یا کوئی دوسری غذا نہ دی جائے۔ یہ ٹیکہ پیچش یا بخار کے شکار بچوں اور بہت ہی بیمار اور کمزور بچوں کو نہیں دیا جاتا ہے۔

(باقی صفحہ نمبر ۶ پر)

ڈاکٹر محمد منشا الرحمٰن خاں منشاء
۱۱ - اسٹار کی ٹاؤن، منگل بازار
ناگپور - ۴۴۰۰۰۱

ربطِ باہمی

مدوجزر نازد باعثِ لطف ونشاط ہے
اک رشتہ جو مراٹھی کا اردو کے ساتھ ہے
قوموں کے میل جول نے ان کو جنم دیا
دونوں میں ربطِ ضبط بصد احتیاط ہے
دونوں بقائے باہمی کی قدردان ہیں
دونوں کے درمیاں بڑا التفات ہے
شانہ بشانہ دونوں ہی سرگرم کار ہیں
ان میں نہ کوئی بھید نہ وشواس گھات ہے۔
ہے مہاراشٹر میں جو فضائے یگانگت
اس کو فروغ دینے میں دونوں کا ہاتھ ہے
افسانہ ہو کہانی ہو یا شعر و لادلی
ہر صنف میں نمایاں بہم اختلاط ہے
الفاظ ہیں مراٹھی میں اردو کے بے شمار
شبدوں کا یہ ملاپ بڑی خاص بات ہے
اردو میں ہے جو فجر مراٹھی میں ہے پربھات
جو راتری میں رات ہے اردو کی رات ہے

• ایم صمد رضا
سکریٹری انجمن پاسبان ادب
امراوتی (مہاراشٹر)

صبر جب ضبط کی منزل سے گزر جاتا
پھر تو ناکامی کا احساس بھی مرجا
تازہ دم فوج کے دستے کی کمان ہ
وہ جو پتیوں کے کھڑکنے سے بھی ڈرج
در پہ آئے ہیں مرے امن واخوت کے
گھر سے باہر میں نکلتا ہوں تو گھر جا
سنگ تو جسم کو کر دیتے ہیں زخمی
طنز کا تیر کلیجے میں اتر جاتا
جانے اس شہر میں ہیں بھول بھلیا
لوٹ کے آتا نہیں جو بھی ادھر جا
وقت پڑتا ہے تو پھر دن کے اجالے
جو نہیں کرتے ہیں وہ کام بھی کر جا
جان کر چپ ہیں رضا فہم وفراست
وہی پیمانہ چھلکتا ہے جو بھر جا

• محمد حنیف شاہد
۱۱ - نخی بی کی مسجد - قاضی کیمپ
بھوپال - ۴۶۲۰۱۸

تری چشمِ عنایت کا بڑا انعام
شرابِ عشق سے لبریز میرا جام
کوئی دیوانگی ہے یا خردمندی
مرے سر پر محبت کا جو اک الزا
بس اک صدق و صفا اخلاص نی
محبت کا تصور تو جہاں میں عام ہے
نہ پوچھو ہم سے لطف انتظار ماہ
برنگِ صبحِ خنداں اک سکوتِ شا
ہمیشہ میرے دل میں ہوک سی اک
اسی احساس کا شاید محبت نام
یہی ہے شاعرِ دیوانہ شاہد نا
یہی تو بزم میں تیری بہت بدنام

★ عبداللہ کمال
شاہجی بلڈنگ، دوسرا منزلہ،
نور باغ۔ ڈونگری، بمبئی ۹ ۴۰۰۰۰۹

دو غزلیں

سر کا سرمایہ ہے کیا، عقل کے پتھر کے سوا
بھول لکھتے رہے ہم، اپنے مقدر کے سوا

دُور تک صرف خلا اور خدا ساتھ مرے
رخت پرواز ہے کیا، ٹوٹتے شہپر کے سوا

حاشیے پر بھی نہ مفہوم کھلا جینے کا
حیثیت کیا ہے مری حرفِ مکرّر کے سوا

کون سوچے گا مری پیاس کو صحرا کی طرح
کون سمجھے گا مرے غم کو سمندر کے سوا

آخری سانس کا نغمہ بھی لہو رنگ نہیں!
سرخ سورج میں ہے کیا ڈوبتے منظر کے سوا

★

مجھے وہ مسرت بہت ہے، جو اک پل میں ہے
خدا جاوداں کے عذابِ مسلسل میں ہے

ہوئیں شہر آلود سب گاؤں کی لڑکیاں
کہ اب کوئی بھی فرق کالک نہ کاجل میں ہے

سپیروں نے شہروں کو سانپوں سے ڈسوا دیا
خزانہ مگر اب بھی محفوظ جنگل میں ہے

برستا ہے ساون، تو ہوتا ہے مجھ کو گماں
ترا لہلہاتا بدن جیسے بادل میں ہے

مری بازآمد کی اب کوئی صورت نہیں
کوئی مست ہاتھی تمنا کی دلدل میں ہے

فلک گردی کل تک تھی شاہیں کی فطرت کمال
جنوں اونچی پرواز کا آج سی گل* میں ہے۔

* JONATHAN LIVING STONE SEA GULL.



وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر
کمار پرساد ایکبوتل کی سونے کا ایک تمغہ
ایک سرٹیفکیٹ دے کر حوصلہ افزائی کی۔
کمار پرساد ایکبوتل ایس ایس سی امتحان
۸۵-۱۹۸۴ء میں اول مقام حاصل کیا۔

خبریں - تصویروں میں

وزیر برائے ہاؤسنگ اینڈ سلم ایمپرومنٹ
ڈاکٹر دی سبرامنین نے ۲۴ اگست کو
ایم ایل اے حضرات، کاؤنسلرس اور
دیگر عہدیداران کے ہمراہ سائن کولی واڑہ
بمبئی میں واقع سردار نگر کی گندی بستی
کا دورہ کیا۔





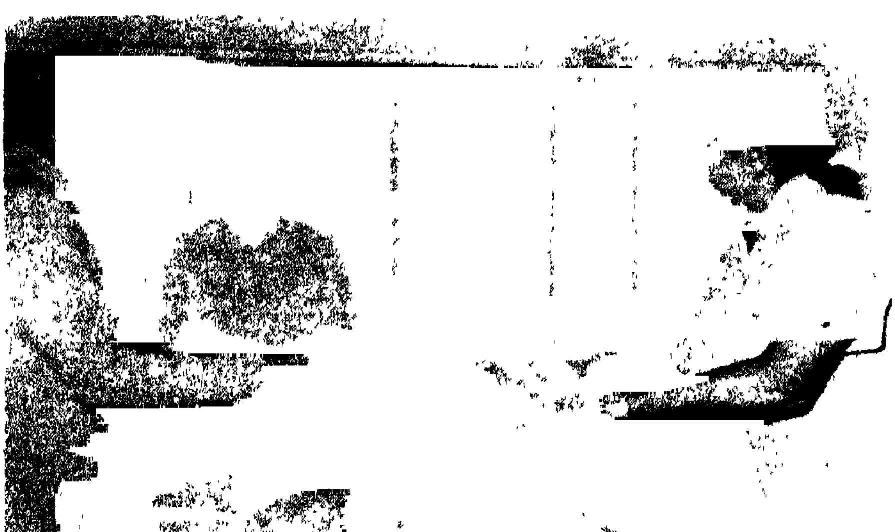
آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کی یاد
"آشا دیپ" کے خصوصی شمارے
وزیر مالیات شری سوشیل کمار شندے
ہاتھوں پونے میں برائے اشاعت اجرا
ہوا۔ زیرِ نظر تصویر میں ویسٹرن مہاراشٹر
ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے صدر شری
الہاس پوار بھی نظر آ رہے ہیں۔



مراٹھواڑہ متر امنڈل کی جانب سے
وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر کو
بمبئی میں گلپوشی کی گئی۔ مرکزی وزیر داخلہ شری
شنکر راؤ چوان، وزیر اعلیٰ کو چاندی کی بنی ہوئی
ویر دل دکمر ٹی پلر کی ایک شبیہہ پیش کر رہے ہیں۔



ڈائرکٹوریٹ برائے نشہ بندی (تعلیم)
نے رویندرا ناٹیہ مندر، بمبئی میں 'یوا سندھیا'
کا اہتمام بین الاقوامی سال نوجوانان کے
موقع پر کیا۔ شری جواہرلال دردا، وزیر برائے
نشہ بندی نے اس موقع پر "آتما کتھن"
کیسٹ کا اجراء فرمایا۔ تصویر میں وزیر مملکت
برائے تعلیم پروفیسر جاوید خان بھی نظر آرہے ہیں



این آئی ٹی آئی ای کی جانب سے منعقد
ایک تقریب میں چیف سکریٹری شری
بی۔جی۔ دیشمکھ ایک ٹرانزک [illegible] کو
ٹرافک کمشنر کے دفتر میں سند پیش
کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔







مہاراشٹر کرناٹک سرحدی تنازعہ سے متعلق مہاراشٹر کے تمام دلوں کے ایم پی اور مہاراشٹر ایکیکرن سمیتی کے ممبران نے ۱۹ راگست کے روز وزیر اعظم شری راجیو گاندھی سے سنسد بھون میں ملاقات کی اور سرحدی تنازعہ سے متعلق حل کے لئے ایک یادداشت پیش کی جو کہ پارلیمان کے ممبران کی جانب سے شری این۔ کے۔ پی سالوے نے پیش کی جس کے جواب میں وزیر اعظم نے پنجاب سمجھوتے اور مہاراشٹر سرحد کے واسیوں کے بیانات ان دونوں کو بنیاد مان کر اور ضرورت محسوس ہوتی تو جج مقرر کر کے مہاراشٹر کرناٹک کے سرحدی تنازعہ کو حل کرنے کی یقین دہانی فرمائی اور آپ نے فرمایا کہ مقررہ مدت کے اندر اس مسئلے کا حل ڈھونڈا جانا ضروری ہے۔ وزیر اعظم کی اس یقین دہانی سے تمام مندوبین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کے علاوہ مہاراشٹر ایکیکرن سمیتی کے ممبران نے اس سلسلے میں دہلی میں موجود وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شیواجی راؤ پاٹل نلنگیکر سے بھی ملاقات کی اور سرحدی تنازعہ پر تبادلۂ خیال کیا۔ سمیتی کے ممبران نے ۱۳ راگست کے روز سنسد بھون، نئی دہلی پر مورچہ لے کر آتے اور روکے جانے پر انہوں نے وہاں دھرنا دیا۔ اس مورچے میں خواتین بھی شامل تھیں۔

مہاراشٹر میں
۳۸ ویں جشن یوم آزادی تقریبات



وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے منترالیہ، بمبئی میں منعقدہ یوم آزادی کی تقریب کے موقع پر رسم پرچم کشائی ادا فرمائی۔ چیف سکریٹری شری بالچند۔ دیشمکھ بھی وزیر اعلیٰ کے ہمراہ۔

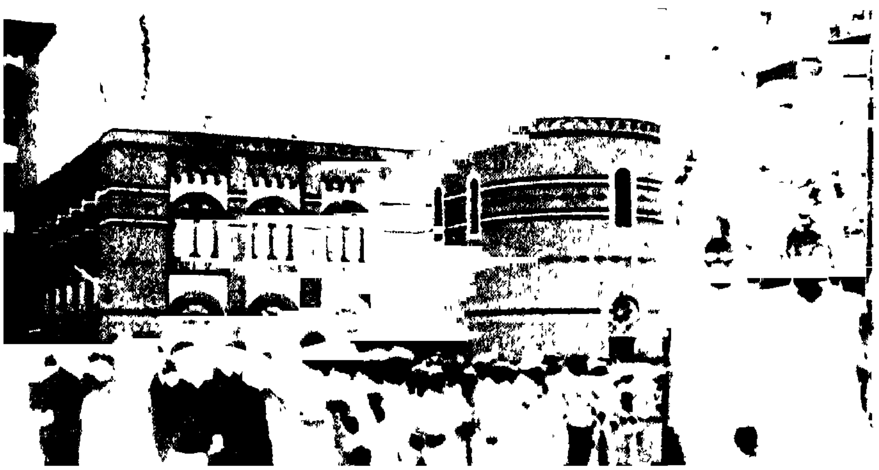
مہاراشٹر میں یوم آزادی کی ۳۸ ویں سالگرہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ منائی گئی۔ ریاست کے مختلف مقامات پر رسم پرچم کشائی کے پروگراموں، پریڈوں اور دیگر ثقافتی پروگراموں کا اہتمام کیا گیا۔ منترالیہ بمبئی میں یوم آزادی کی تقریب بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے قومی پرچم لہرایا۔ اس موقع پر وزراء، وزرائے مملکت، عدلیہ کے ممبران، حکومت کے اہم افسران اور شہر کی ممتاز شخصیتیں موجود تھیں۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے عوام کو اپنے مذہبی، علاقائی اور ہر قسم کے اختلافات اور بھید بھاؤ کو بھول کر اور متحد ہوکر کام کرنے کی اپیل کی تاکہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن رہے۔ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے ملک یقیناً ترقی کی جانب پیش قدمی کر رہا ہے۔ آپ نے اس بات پر زور دیا کہ عوام شری راجیو گاندھی کی رہنمائی پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عوام انہیں اپنا بھرپور تعاون پیش کریں تاکہ ایک طاقتور ہندوستان کی تعمیر ہو سکے۔

شری نیلنگیکر نے یہ بھی فرمایا کہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم کانگریس پارٹی کا صدسالہ جشن اور مہاراشٹر کا جشنِ سیمیں ایک ساتھ منا رہے ہیں۔ آپ نے اس موقع پر آزادی کی راہ میں اپنی عزیز جانیں نچھاور کرنے والے شہیدوں کی قربانیوں کو یاد کرتے ہوئے انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔

اس سے قبل چیف سکریٹری شری بالچندر دیشمکھ نے وزیر اعلیٰ اور مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

گورنر شری کرنا پربھاکر راؤ نے راج بھون پونے میں قومی پرچم لہرایا۔ پونے ڈیویژنل کمشنر شری ... ایس۔ سدھو بھی آپ کے ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں۔ دیکھے جا سکتے ہیں۔





قانون مارکہ ایکٹ شریمتی اندرا گاندھی کے نام کی شمولیت

مرکزی حکومت نے آنجہانی سابق وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے نام کو ایمبلس اینڈ نیمس (نا مناسب استعمال کی ممانعت) قانون بابت ۱۹۵۰ء میں شامل کر دیا ہے۔ اب اس نام کو غلط طور پر تجارتی و دیگر مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

خاندانی بہبود پروگرام پر ریاستوں کو کارکردگی کے لحاظ سے امداد

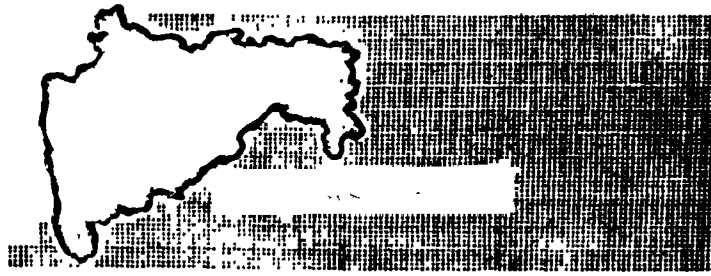
بھائی ساونت

مہاراشٹر کے وزیر برائے صحت شری بی۔ اے ساونت نے مرکزی حکومت کو خاندانی بہبود پروگراموں پر بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والی ریاستوں کو ان کے حصول مقصد تک کے لئے مالی امداد کی گرانٹ دینے کی اہمیت پر زور دیا۔

آپ یہاں وگیان بھون میں سنٹرل کونسل آف ہیلتھ خاندانی ریلیفر کی گیارہویں چار روزہ مشترکہ کانفرنس کی افتتاحی تقریب میں اپنے خیالات کا اظہار فرما رہے تھے۔

شری ساونت نے کانفرنس میں فرمایا کہ مہاراشٹر خاندانی بہبود کے نشانے کو ۱۹۹۱ء میں پورا کرے گا جبکہ دیگر ریاستوں میں یہ نشانہ ۲۰۰۰ء میں پورا کیا جائے گا۔ مہاراشٹر نے جوڑوں کے تحفظ میں ۵۰ فی صد کامیابی حاصل کر لی ہے۔ آپ نے خاندانی بہبود پروگرام میں اپنے مقصد کے قریب پہنچنے والی ریاستوں کو مالی امداد بڑھانے کا مشورہ دیا تاکہ وہ بقیہ کاموں کو تیزی سے مکمل کر سکیں۔

وزیر موصوف نے دیگر ممالک کی بعض خواتین تنظیموں کی کامیابی کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا مرکزی حکومت سماج کی خدمت کرنے والی ایسی تنظیموں کی ہمت افزائی کرنی چاہیئے تاکہ وہ اپنے فرائض بحسن خوبی ادا کر سکیں۔ آپ نے نس بندی کرانے والوں کی ترغیبی رقم میں اضافے کی ضرورت پر بھی زور دیا۔



وزیر اعظم نے وزیر سیاحت مہاراشٹر کی درخواست پر غور فرمایا

وزیر اعظم شری راجیو گاندھی، ریاستی وزیر سیاحت شری جواہر لال دردا کی سمندر میں ۵۰۰ میٹرس کی حد میں ہالی ڈے کمپلیکس کی اجازت کی درخواست پر ہمدردی کے ساتھ غور کرنے پر رضامند ہو گئے ہیں۔

شری دردا نے ۲۲ اگست کو نئی دہلی میں سیاحت کے وزراء کی منعقدہ کانفرنس میں وزیر اعظم سے اس بارے میں ایک غیر رسمی بات چیت کی۔ آپ نے اس بات کا انکشاف کانفرنس میں بات چیت کے دوران کیا۔

سمندر میں ۵۰۰ میٹرس کی حد تک کاٹیج کی تعمیر سے مہاراشٹر کے کوکن علاقے میں سیاحت کی ترقی کا دروازہ کھل جائے گا۔

راشننگ آفس اتوار کو کھلے رہا کریں گے

ہیڈ آفس اور بمبئی تھانہ میں ریجنل ڈپٹی کنٹرولرس آف راشننگ کے دفاتر کے سوائے راشننگ کے تمام دفاتر یکم ستمبر ۱۹۸۵ء سے اتوار کو بھی کھلے رہا کریں گے۔

ریاستی حکومت کے دفاتر میں پانچ دن کے ہفتے کی وجہ سے راشننگ کے دفاتر ہر سنیچر اور اتوار کو بند رہا کرتے تھے لیکن اب راشننگ کارڈ ہولڈروں اور عام آدمی کی سہولت کے پیش نظر راشننگ کے دفاتر میں یکم ستمبر ۱۹۸۵ء سے جمعہ اور سنیچر کو تعطیل رہا کرے گی۔

قومی راج

وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کے خاندانی بہبود پروگرام میں گہری دلچسپی کا حوالہ دیتے ہوئے شری ساونت نے اضافہ آبادی کی روک تھام کو ایک بڑا مسئلہ قرار دیا۔ آپ نے اس کام کو انقلابی ڈھنگ سے کرنے کی ضرورت جتائی۔ آپ نے [illegible] ۳۲۰۰ روپے کی گرانٹ کو بڑھاکر ۶۰۰۰ روپے تک کرنے کی بھی اپیل کی تاکہ وہ اپنے فرائض مؤثر ڈھنگ سے ادا کرسکیں۔ آپ نے خاص طور سے دیہی علاقوں میں کلینک۔کم۔ریذیڈینشل طرز کے صحت مراکز قائم کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

شری ساونت نے مہاراشٹر کی ماضی میں ہوئی ترقی کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے مستقبل میں ریاست میں کچھ اضلاع میں اندھے پن کی روک تھام کے جاری پروگرام کے علاوہ وہاں ٹی۔بی روک تھام پروگرام، جذام روک تھام پروگرام، ملیریا روک تھام پروگرام وغیرہ پروگراموں کی عمل آوری پر زور دیا۔ آپ نے پونے وغیرہ میں مرکز کی جانب سے قائم کردہ آیورویدا اور نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف نیٹروپاتھی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے پروگراموں کو ریاستی حکومت کی جانب سے پیش کئے جانے کی تجویز پیش کی۔

وزیر صحت نے ادویات کے میدان میں موثر کنٹرول اور بہترین کارکردگی کے لئے ہومیو پیتھک ایجوکیشن اور رجسٹریشن کے کاموں میں سدھار کی بابت مہاراشٹر لیجسلیچر میں پیش کئے گئے بل کے بارے میں تفصیلات پیش کیں۔

آپ نے فرمایا کہ ریاستی حکومت ریاست میں کوکن علاقے میں دو مزید گورنمنٹ میڈیکل کالج قائم کرے گی۔ آپ نے مزید فرمایا کہ ناگپور میں بھی ایک پوسٹ گریجویٹ انسٹی ٹیوٹ قائم کئے جانے کی تجویز ہے۔

شری ساونت نے کانفرنس میں حاضرین کو ریاست مہاراشٹر کو متواتر دو سالوں یعنی ۸۳-۱۹۸۲ء، ۱۹۸۴-۱۹۸۳ء سے ۲٫۵ کروڑ روپے کے نقد انعام حاصل کرنے کی بابت بھی مطلع فرمایا۔ آپ نے توقع ظاہر کی کہ کانفرنس میں آپ کے مشوروں پر اچھی طرح غور و خوض کیا جائے گا۔

ماہم پروجیکٹ کیلئے تین کروڑ روپے

ریاستی وزیر مملکت برائے شہری ترقیات ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی نے عہدیداران کو باندرہ، کرلا، علاقے میں ماہم پارک پروجیکٹ کے کام کو سرعت سے مکمل کرنے کے احکامات دیئے۔

وزیر موصوف ریاستی لیجسلیچر کے گذشتہ اجلاس میں ماہم پارک کی بابت دی گئی ان کی یقین دہانی کے تحت ماہم پارک کی جگہ کا دورہ کررہے تھے۔ آپ میئر چھگن بھجبل کے ہمراہ ۲ ستمبر کو تشریف لے گئے تھے۔ باندرہ کرلا کمپلیکس کی ۱۵ ہیکٹرس محفوظ اراضی پر تین کروڑ روپے کی لاگت والے پروجیکٹ پر عمل آوری کی جارہی ہے۔

وزیر موصوف کے ساتھ لیجسلیچر کے ممبران شری منوہر جوشی، شری وامن راؤ مہاڈک، شری سدھیر جوشی، شری جناردھن چندورکر، شری شمیم رشید قریشی اور میونسپل کونسلر شریمتی اندومتی پٹیل بھی شریک تھے۔ بمبئی میونسپل کارپوریشن کے عہدیداران اور بی۔ایم۔آر۔ڈی۔اے بھی اس موقع پر موجود تھے۔

وزیر موصوف اور دورہ کرنے والی پارٹی نے کمپاؤنڈ دیوار، تالاب کے کاموں اور نرسری اور پلانٹیشن کے جاری کاموں کا بھی معائنہ کیا۔

عہدیداران نے وزیر محترم کو پروجیکٹ کے تحت تقریباً ۱۲۰۰۰ درخت لگانے کی جس پر ۳ کروڑ روپے خرچ آئے گا، کی تفصیلات پیش کیں۔ پودوں کو پانی دینے کے لئے زیر تعمیر ایک ذخیرۂ آب جس کے ذریعے وہاں آنے والوں کو پینے کا پانی بھی فراہم کیا جائے گا پروجیکٹ میں تعلیمی ادارہ ایک تجربہ گاہ ملازمین کے لئے مکانات دفتر کی عمارت وغیرہ شامل ہیں۔

کمپلیکس میں گوبر گیس اور ہوا چکی جیسے توانائی پیدا کرنے والے پلانٹس بھی لگائے جائیں گے۔

وزیر موصوف نے جاری کام پر اپنے اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے عہدیداران کو سرعت کے ساتھ کام مکمل کرنے کے احکامات دیئے۔

قارئین کی رائے

- **رشید قاسمی جلگانوی**
کاسوڈا - ضلع جلگاؤں - ۴۲۵۱۱۰

مہاراشٹر ساڑجشن سیمیں،، کے سلسلہ میں مقبول " قومی راج "، کا خصوصی نمبر بہت خوب بن پڑا ہے۔ ۱۳۲ صفحات پر مشتمل اس شمارے میں آپ نے ڈھیر سارا معلوماتی خزینہ بھر دیا ہے۔ یوں تو صنعت و حرفت، ٹرانسپورٹ، زراعت، وغیرہ کے بارے میں ہر جگہ کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔ لیکن اس نمبر میں مراٹھی ادب کے تعلق سے زبردست معلومات ہیں۔

ہاں ..... ایک اعتراض (ضروری) ہے۔ ظاہر ہے، صاحب مضمون پر، مرتب پر نہیں..... کیونکہ " مراٹھی ادب، اور عوامی اظہار،، مضمون لکھنے والے بشر نواز مہاراشٹر کی بزرگ فنکار شخصیت ہیں — مجھے متذکرہ مضمون ادھورا سا اور کچھ سطحی بھی لگا۔ اسی شمارہ میں شامل، نامور مراٹھی اہل قلم گنگا نیشور ناڈکرنی کا مضمون مراٹھی ڈراما پڑھ کر، بشر نواز صاحب کی تحریر مزید پھیکی محسوس ہوتی ہے۔

بشر نواز کے بقول مراٹھی ادب شاعری کی حد تک بی، ایس، میڈھیکر (اصلی نام: مرڈھیکر) کی جدیدیت اور افسانہ میں پروفیسر گنگا دھر گاڈگل، اروند گوکھلے اور پی۔ بی بھاوے سے متاثر رہا ہے " جدیدیت لفظ کے ساتھ وجے تینڈولکر، اردن سادھو، انل بروے اور جیونت دلوی کے نام لینے ضروری تھے۔ ڈرامہ کے ساتھ مراٹھی افسانہ میں بھی ان ناموں کا اپنا ایک مقام ہے۔ صفحہ ۵ پر موصوف لکھتے ہیں۔

" بزرگ ڈرامہ نگار شری وارڈکر (اصلی نام: — کسما گرج اور شرواڈکر) تاریخی ڈرامے لکھتے رہے (طنزاً) لیکن اسی صفحہ کی بیسویں سطر میں لکھتے ہیں! " وی۔ آر۔ شری وارڈکر (یعنی وی۔ وا۔ شرواڈکر) کا حزنیہ " نٹ سمراٹ " یقیناً توجہ کا مستحق ہے " اپنے آپ میں کتنا بڑا تضاد ہے! بشر نواز لکھتے ہیں..." وجے تینڈولکر کے ڈرامے " گیدڑ (صحیح نام، گدھا دڑے) اور سکھارام بائنڈر " اپنے نئے ڈرامائی انداز کی وجہ سے پسند کیے گئے "؛ جبکہ ناڈکرنی کے بقول...

تینڈولکر نے عام آدمی کی زندگی کی پامالی اور خستہ حالی کی ... کی ہے۔ لیکن آج ایک طویل عرصہ بعد انھوں نے اپنی ڈرامہ نگاری کا رخ زندگی کے متعلقہ مختلف سماجی اور ثقافتی تحریکوں ... اظہار کی طرف موڑ دیا ہے۔ " گدھا دڑے، سکھارام بائنڈر اور گھاشی رام کوتوال، اس کی روشن مثالیں ہیں "

ایک جگہ نامدیو ڈھسال، نامدیو ڈیوڈسال ہوگیا ہاں .... بشر نواز کا یہ کہنا " آج کا مراٹھی ادب اپنے پیش رو کے مقابلے میں زیادہ حقیقت پسند ہوگیا ہے " عین صداقت ہے۔ بشر نواز صاحب نے وسنت کانیٹکر کے ڈرامہ کا " رائے گڈھ لا جاگ آلی،، لکھا، جبکہ وہ " رائے گڈھالا جیوہا... اپتے " ہے۔

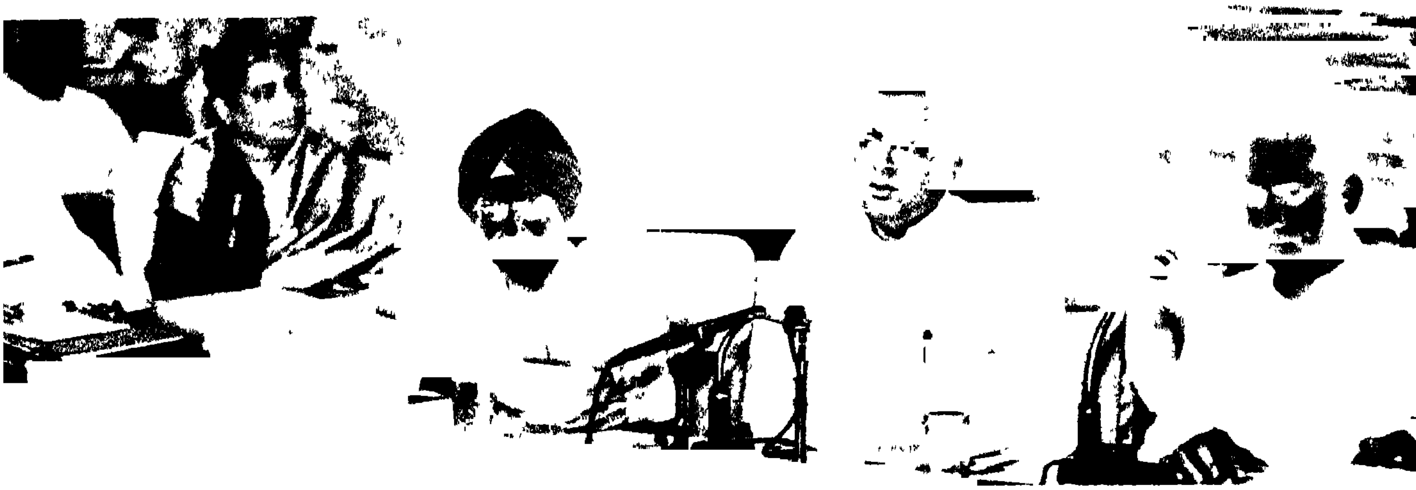
بہرکیف! پرچہ بہت خوب ہے۔ لائق مطالعہ اور قابل ...

⁂ ⁂ ⁂

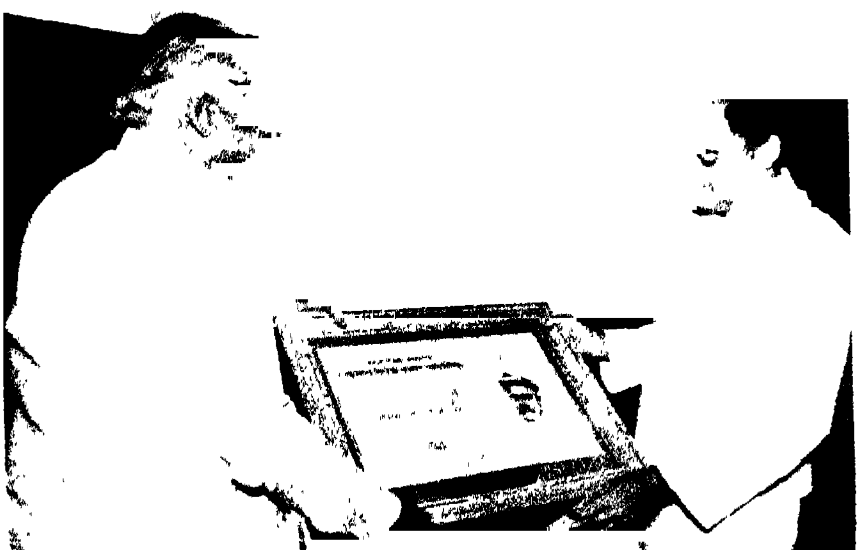
- **پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد فخرؔ**
یڈیٹر ہفت روزہ " معیارِ قوم "
۲۵۳۲ - مادھوپورہ - لین نمبر ۱۲، دھولیا ۴۲۴۰۰۱

" قومی راج " بہت پیچھے چل رہا ہے ... آب و تاب دی ہے۔ ہر اشاعت پر ایک علمی ادبی یا ... اور تنقیدی مضمون اور ایک افسانہ بھی رہے تو بہتر ...

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂



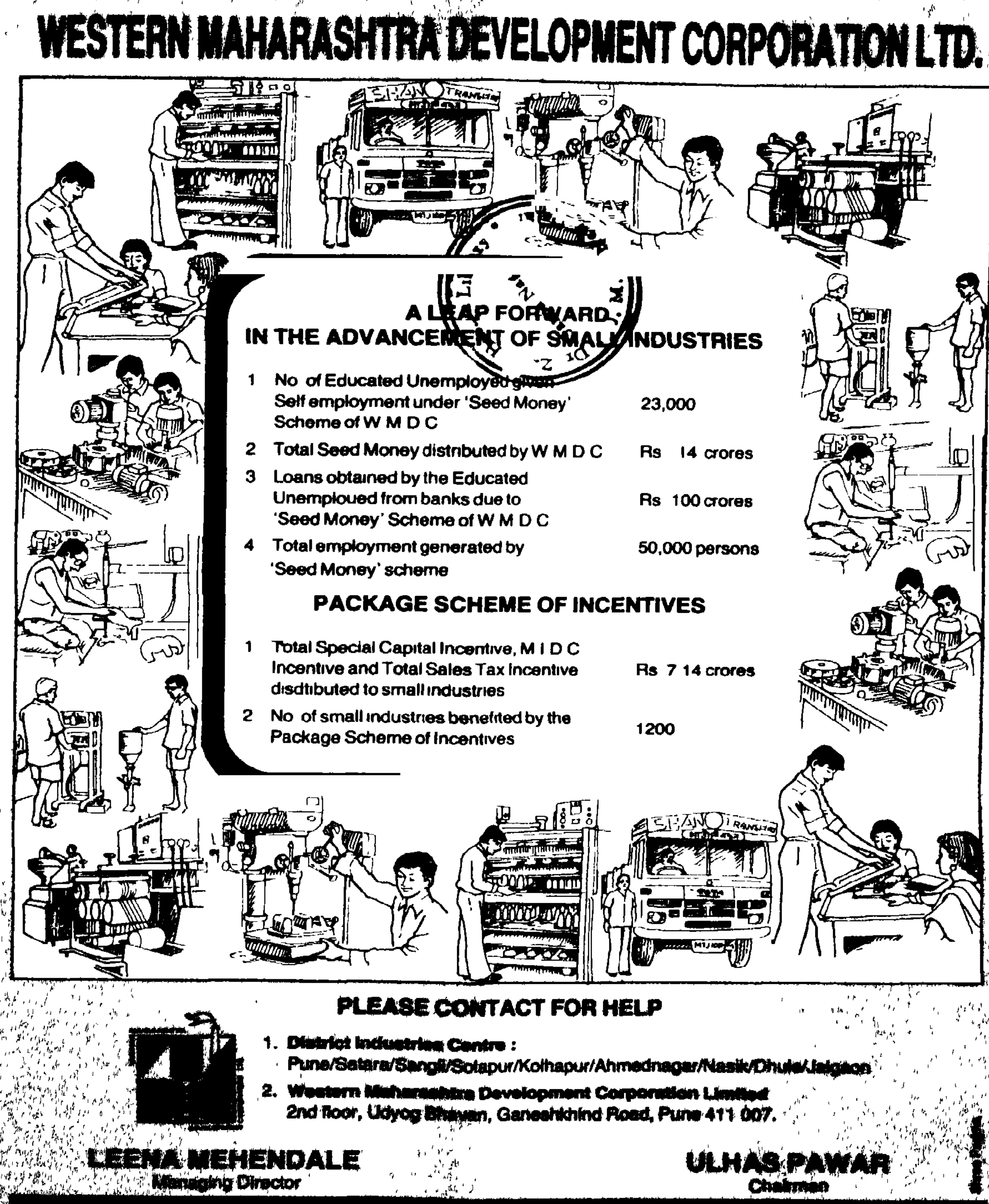
ریاستی وزرائے سیاحت کی ایک کانفرنس، وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کی صدارت میں وگیان بھون، نئی دہلی میں ۲۲ راگست کو منعقد ہوئی۔ تصویر میں
جانب وزیر اعظم کانفرنس کو خطاب فرمارہے ہیں اور مرکزی وزیر مملکت برائے سیاحت شری اشوک گہلوٹ بھی نظر آرہے ہیں۔ بائیں جانب کی تصویر میں مہا
کے وزیر سیاحت جواہر لال درڈا اور وزیر مملکت برائے سیاحت شریمتی سیلن ڈیسوزا بھی نظر آرہی ہیں۔



گورنر مہاراشٹر شری کونا پربھاکر راؤ، وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کو لوکمانیہ تلک ایوارڈ اور ۲۵،۰۰۰ روپے کا ایک چیک پیش کر رہے ہیں جو کہ آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کو دیا گیا ہے اس سے قبل یہ انعام گورنر مہاراشٹر نے یکم اگست کو لوکمانیہ تلک کی جنم شتابدی پر آنجہانی وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے لئے قبول کیا تھا۔



وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شیواجی راؤ پاٹل نلنگیکر نے حال ہی میں ضلعی اور سیشن کورٹ کی عمارت کا بھومی پوجا، جالنہ میں کی۔ چیف جسٹس بمبئی ہائی کورٹ شری کونڈا مادھو ریڈی بھی تصویر میں نظر آرہے ہیں۔

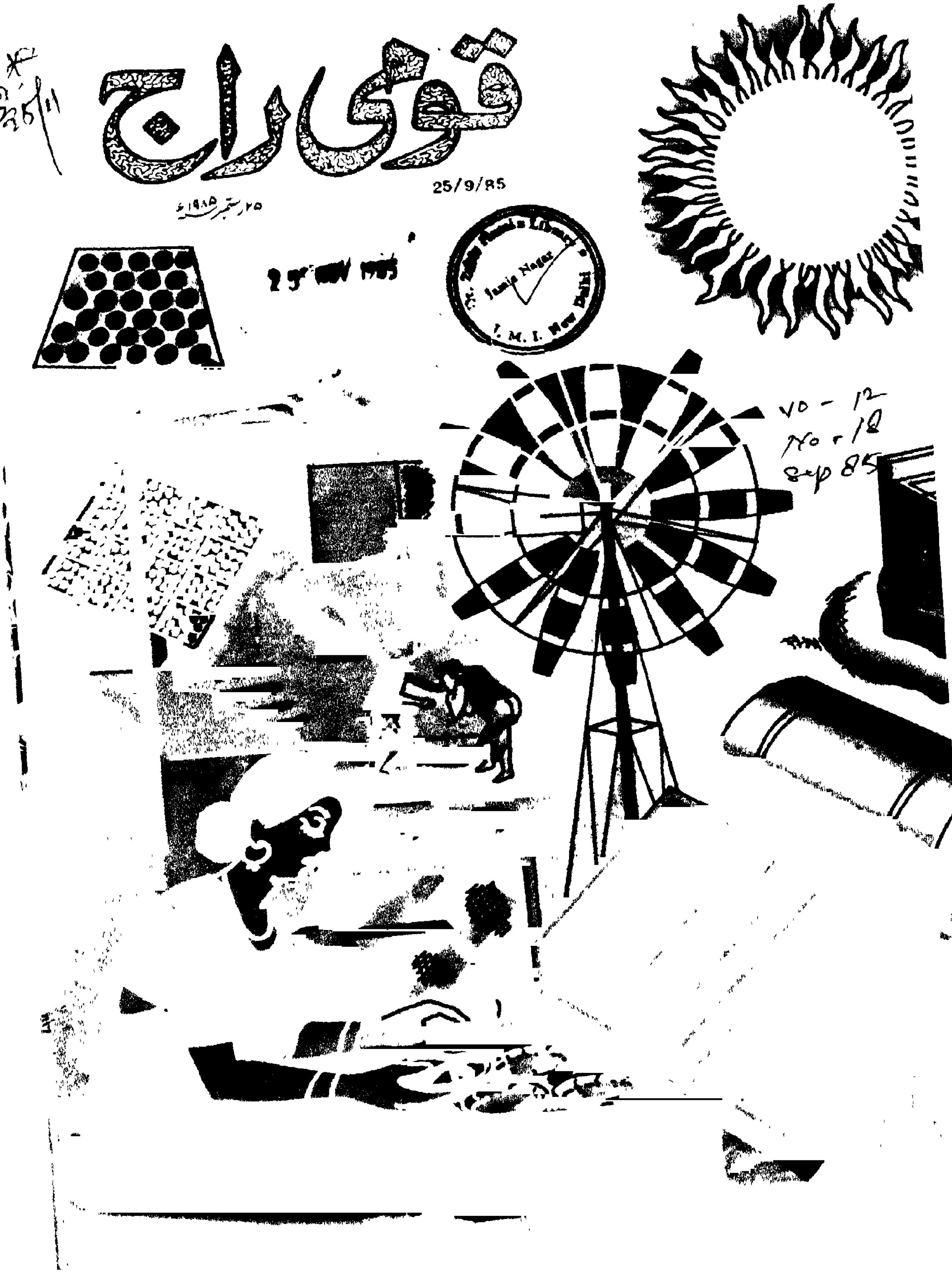

WESTERN MAHARASHTRA DEVELOPMENT CORPORATION LTD.
A LEAP FORWARD
IN THE ADVANCEMENT OF SMALL INDUSTRIES
1 No of Educated Unemployed given Self employment under 'Seed Money' Scheme of W M D C 23,000
2 Total Seed Money distributed by W M D C Rs 14 crores
3 Loans obtained by the Educated Unemploued from banks due to 'Seed Money' Scheme of W M D C Rs 100 crores
4 Total employment generated by 'Seed Money' scheme 50,000 persons
PACKAGE SCHEME OF INCENTIVES
1 Total Special Capital Incentive, M I D C Incentive and Total Sales Tax Incentive disdtibuted to small industries Rs 7 14 crores
2 No of small industries benefited by the Package Scheme of Incentives 1200
PLEASE CONTACT FOR HELP
1. District Industries Centre :
Pune/Satara/Sangli/Solapur/Kolhapur/Ahmednagar/Nasik/Dhule/Jalgaon
2. Western Maharashtra Development Corporation Limited
2nd floor, Udyog Bhavan, Ganeshkhind Road, Pune 411 007.
LEENA MEHENDALE
Managing Director
ULHAS PAWAR
Chairman

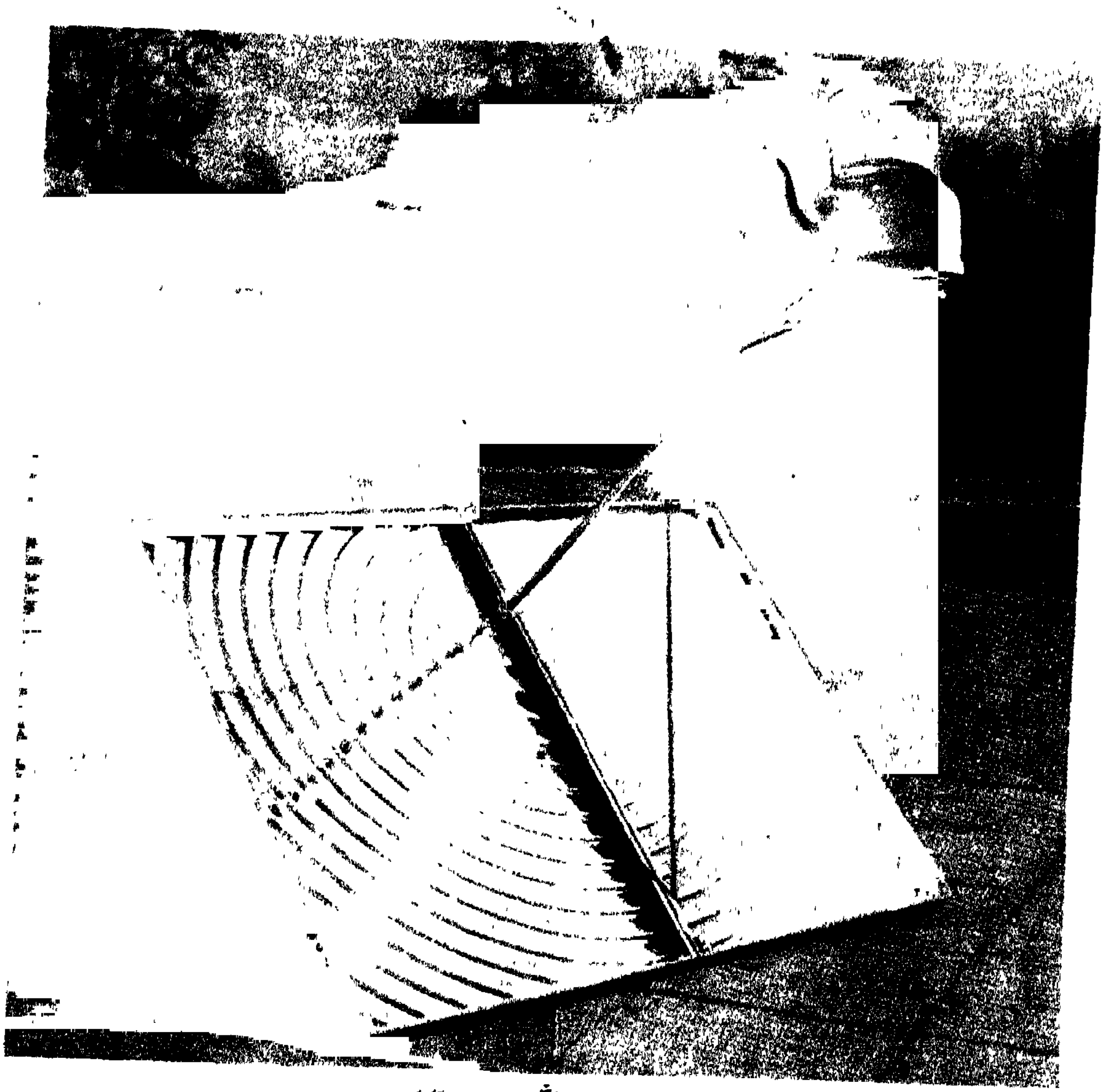
قومی راج

۲۵ ستمبر ۱۹۸۵ء

25/9/85

Vo - 12
No - 10
Sep 85



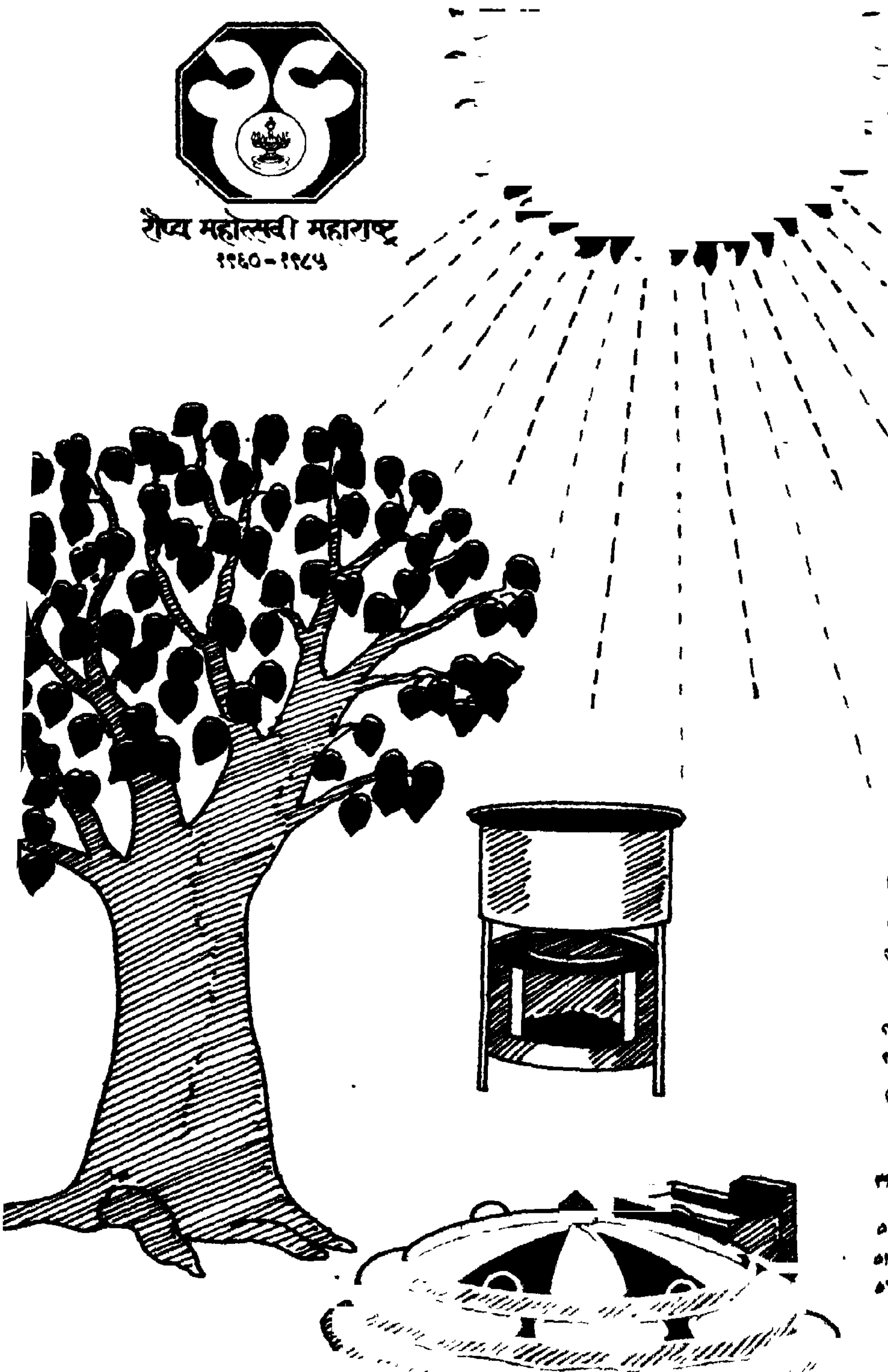


سفری چینی شمسی توانائی کوکر

قومی راج

शौर्य महोत्सवी महाराष्ट्र

१९६०-१९८५



جلد نمبر ۱۲ ، شمارہ نمبر ۱۸

۲۵ ستمبر ۱۹۸۵ء

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

زر سالانہ: دس روپے ❁ فی کاپی ۵۰ پیسے

• چیف ایڈیٹر :- ایس کے سنگھ

• ایڈیٹر :- فیروزہ قیام خان

ترتیب

صفحہ نمبر

★ ڈاکٹر مہیشوری دیال
سیکریٹری: ڈپارٹمنٹ غیر روایتی وسائل توانائی، حکومتِ ہند

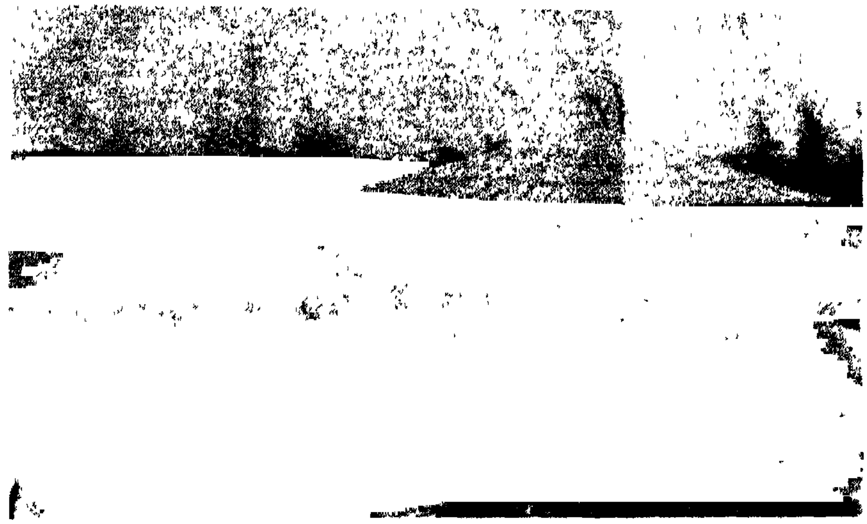
غیر روایتی وسائل توانائی کی ترقی

توانائی معاشی اور سماجی ترقی کے لئے ایک اہم عنصر ہے۔ یہ بات معروف و مشہور ہے کہ معاشی ترقی کی سطح اور استعمال توانائی کے درمیان بالراست تعلق موجود رہے۔ آزادی کے بعد سے ترقی کے جو پلان عمل میں لائے گئے ہیں ان کے لئے لازمی طور پر توانائی کی خاصی بڑی مقدار ضروری ہوئی ہے۔ اس سیکٹر میں پالیسیاں خانگی پیداوار اور تقسیم کے مختلف وسائل توانائی میں بہتری لانے پر اور توانائی کے محفوظ رکھنے اور پنے اور قابل تجدید وسائل توانائی کو ترقی دینے پر مرکوز رہی ہیں۔

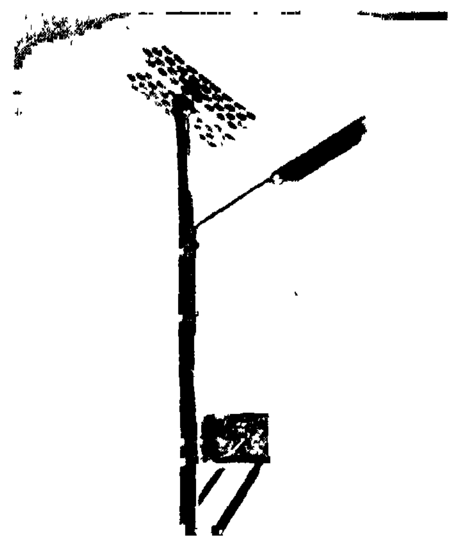
ہندوستان میں، توانائی مختلف وسائل سے حاصل کی جاتی ہے۔ اس کا حصول جانوروں کے گوبر سے لے کر نیوکلیائی ایندھن تک کو محیط ہے اور اس کا استعمال دیہی اور شہری حلقوں میں متعدد طریقوں سے ہوتا ہے۔ ملک کے مختلف حصوں میں توانائی کی تولید، تقسیم اور استعمال، کی صورت حال الجھی ہوئی شکل میں ہے۔ ہندوستان کے منظر توانائی کی خصوصیات میں یہ بات ایک حقیقت ہے کہ تجارتی شکلوں میں توانائی کا فی کس استعمال اب تک بین الاقوامی معیار سے بدرجہا کم ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جملہ توانائی، جو استعمال میں آتی ہے اس میں غیر تجارتی وسائل کا حصہ برسوں سے گھٹتا جا رہا ہے۔

کوئلہ، تیل اور بجلی ہندوستان میں توانائی کی اہم تجارتی شکلیں ہیں۔ ترقیاتی سرگرمیوں کی بڑھتی ہوئی رفتار کے سبب اور آبادی میں مسلسل اضافہ اور معیار بود و باش میں پیش رفت کی بناء پر توانائی کے ان وسائل کی مانگ تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔

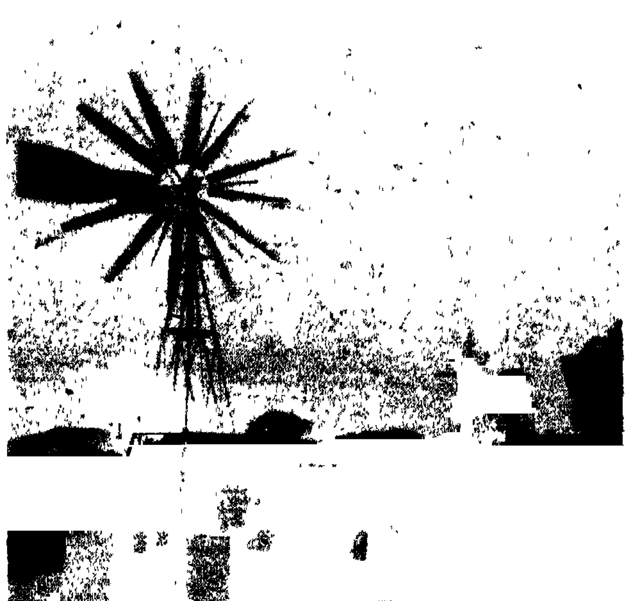
توانائی پر مشاورتی بورڈ کے ایک مطالعہ کے مطابق، اگر موجودہ رجحانات جاری رہے تو کوئلے کے لئے مجموعی مانگ ۲۰۰۳-۲۰۰۲ء میں، ۲۳۳ اور ۲۴۰ ملین ٹن کے درمیان، تیل کے لئے ۷۳ تا ۱۰۱ ملین ٹن کے درمیان اور بجلی کے لئے ۵۰۱ اور ۵۹۲ بلین KWH کے درمیان تک ہو سکتی ہے ان اعداد میں تیل اور کوئلہ کے ان استعمالات کو شمار نہیں کیا گیا ہے۔ جو غیر توانائی والی ضرورتوں کے لئے کام میں لائی گئی ہیں۔ اگر تیل اور کوئلہ کی تمام ضروریات کا احاطہ کیا جائے اور ان کی منتقلی (ٹرانسپورٹیشن) اور تقسیم کی ضروریات کا حساب لگایا جائے تو بالکل واضح طور پر اتنے بڑے اور ضخیم پیمانے پر کوششیں کرنی ہوں گی جو حقیقتاً قابو سے باہر ہو۔



ایک کمیونٹی بایوگیس پلانٹ



شمسی فوٹو والٹیک
چھوٹے پیمانے پر دیہی
شاہراہوں میں قمقموں
کو توانائی مہیا کرنے کیلئے



پینے کے پانی کی فراہمی کیلئے
"پن چکی"

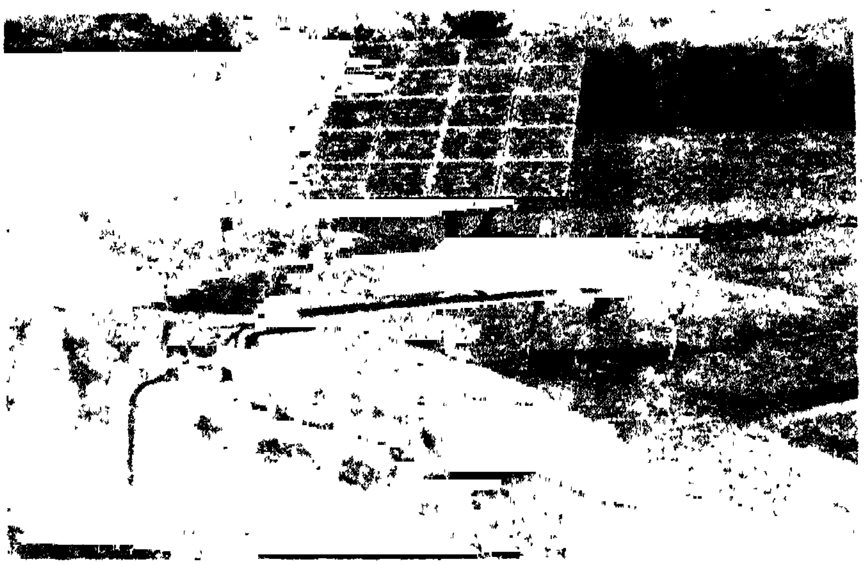
یہ کوشش یقیناً ماحول کی پستی پر بھی منتج ہو۔ موجودہ حالات میں ملک کے کافی وسیع حصے میں جنگلاتی سایہ رو بہ انحطاط ہے۔ اور اس کا سبب وہ ترقیاتی سرگرمیاں ہیں۔ مثلاً آب پاشی کے پراجیکٹ اور راستوں اور صنعتی یونٹوں کی تعمیر ..... جو روز افزوں افزائش پذیر ہیں۔ جس شرح سے جنگلات معدوم کئے جا رہے ہیں وہ نہایت نازک صورتِ حال اختیار کر چکی ہے۔ معادن سے معدنی کوئلہ کی برآمدگی، آئل ریفائنریوں میں تیلوں کی صفائی، مٹی کے تیل اور گیس کا بطور ایندھن جلایا جانا وغیرہ جس سرگرمی کے ساتھ اور جتنے بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے اس کا مخالف اثر بھی ماحول پر اغلباً پیدا ہوگا۔ اگرچہ ہم اس بات کی بہترین کوشش کر رہے ہیں اور کرنا بھی چاہیئے، کہ مذکورہ مخالف اثرات ماحول پر انتہائی کم درجے میں پڑیں۔

توانائی کے نئے اور قابل تجدید وسائل :-

توانائی کے نئے اور قابل تجدید وسائل، ہندوستان میں پلاننگ اور توانائی کے پروگراموں پر عمل درآمد کے سلسلے میں روز افزوں اہمیت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ ان وسائل میں جن سے ہندوستان کو دلچسپی ہے وہ ہیں شمسی توانائی، بایوماس، بایوگیس، ہوا کی قوت سے توانائی (پن چکی)، اور جانوروں کی قوت جو ان کاموں پر لگائی جاتی ہے۔ قدرتاً ان وسائل توانائی کی نوعیت ایسی ہے کہ اندرونِ زمین سے نکلنے والے ایندھنوں کی طرح یہ ختم نہیں ہو جاتے اور ماحول پر ان کا کوئی نمایاں ردِ عمل بھی نہیں ہوا کرتا۔ پھر یہ ملک کے طول و عرض میں آسانی سے اور بڑی مقدار میں دستیاب بھی ہیں۔ پھر اگرچہ ابتدائی سرمایہ کاری قابلِ تجدید توانائی سسٹم کے نصب کرنے میں کچھ زیادہ ہوا کرتی ہے، بایں ہمہ اس کے چلانے اور رکھ رکھاؤ کا خرچ بمقابلہ روایتی وسائل توانائی کے خرچ سے کہیں کم ہوا کرتا ہے۔ نئے اور قابلِ تجدید وسائل توانائی میں ایک عیب یہ ہے کہ یہ اکثر بکھری ہوئی یا منتشر شکل میں ملتے ہیں۔ یکجا اور مرتکز روپ میں نہیں ملتے۔ تاہم، ایسے وسائل کی عدم مرکزیت والی نوعیت کو، ہندوستان جیسے حجم والے اور گوناگوں اختلاف سے بھرپور ملک میں درحقیقت منفعت بخش طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ نئے اور قابل تجدید وسائل توانائی کو جمع کر کے اور تبدیلی کے ساتھ بہت سے مقامات پر استعمال کیا جا سکے اور دیہی حلقوں میں نسبتاً کم توانائی والی ضروریات کی ان کے ذریعے تکمیل عمل میں لائی جا سکے۔ ظاہر ہے کہ ان کے قائم کرنے اور رکھ رکھاؤ کے لیے جانفشانی سے تیار کی جانے والی ویسی کسی تحتی تعمیر کی ضرورت، ترسیل/ تنقیل [illegible] اور تقسیم توانائی کے لیے نہیں ہوگی۔ جیسی کہ روایتی وسائل کے سلسلے میں ہوا کرتی ہے۔ ہندوستان کے ۵۷۶,۰۰۰ قریوں میں سے تقریباً ۲۰۰,۰۰۰



بایوگیس کے استعمال سے
دھوئیں سے پاک
کھانا پکانا



ایک شمسی فوٹو والٹیک پمپ، کا منظر جو دالیونی کرشی ودیا پیٹھ کے ایک کنویں پر نصب کیا گیا ہے ۔

قریئے تاحال بجلی کی روشنی سے محروم ہیں ۔ ان قریوں کا ایک بہت بڑا حصہ پہاڑوں، ریگستانوں، جزیروں وغیرہ جیسے دُور دراز ایک دوسرے سے الگ تھلگ اور دشوار گزار مقامات پر مشتمل ہے ۔ ایسے دیہی خطوں کو برقیانا، نہلگے تحتی تعمیر، برائے توصیل و تقسیم، نیز پیش آنے والے نقصانات اور رکھ رکھاؤ کے بھاری بھرکم اخراجات کا متقاضی ہے ۔ ایسے دیہی حلقوں کی بجلی کی ضروریات کی تکمیل بہتر طور پر شمسی توانائی بن چکی، اور بایوگیس کی بنیاد پر بنائے گئے سسٹموں کے ذریعے ہو سکتی ہے ۔ پکانے اور دوسرے گھریلو کاموں کے لئے توانائی کی ضرورتیں، جو ایسے دیہی حلقوں کو پیش آئیں ۔ ان کی تکمیل، ترقی یافتہ لکڑی کے چولہوں اور بایوگیس اور شمسی سسٹموں کے ذریعے کی جا سکتی ہے ۔ درحقیقت اگر ہم روایتی وسائل کے ذریعے مرکزی مقامات پر توانائی کی تولید اور ان کی توصیل پر ہونے والے مجموعی خرچ کا حساب لگائیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ آج بھی "ایک ہی مقام پر" قابلِ تجدید وسائلِ توانائی کی عدیم المرکز تولید، ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں زیادہ باکفایت ثابت ہوگی ۔ ترقی کا ایک ایسا عدیم المرکز نمونہ مقامی آبادی کے واسطے ترقیاتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لئے حوصلہ افزائی کا اور دیہی علاقوں میں روزگار کے نمایاں مواقع پیدا کرنے کا باعث بن سکتا ہے ۔

بہتر ماحول کی تشکیل اور بلحاظ صحت بہتر سہولتوں کی فراہمی، پینے کے پانی کے لئے آسانیاں، مواصلات اور تفریحات تک اضافی دسترس وغیرہ وہ اہم فائدے ہیں جو دیہاتوں سے شہروں کی طرف لوگوں کی ہجرت کو روکنے میں مدد دے سکتے ہیں اور اس طرح شہروں کے مسائل کو کم کرنے میں بھی معاونت کر سکتے ہیں ۔

بعض نئے اور قابل تجدید وسائل توانائی :۔

چھٹے پلان کے دوران قابل تجدید وسائل توانائی کی ترقی اور استعمال کو اچھا فروغ حاصل ہوا، اور تقریباً آخری سال میں تو بالخصوص اس میں بڑی تیزی آگئی تھی ۔ حکومت ہند نے سال ۱۹۸۱ء میں ایک کمیشن برائے اضافی وسائلِ توانائی کا تقرر فرمایا تھا تاکہ اس اتیریا میں پالیسیوں اور پلانوں کی تشکیل، تحقیق و ترقی میں شدت اور حکومت کے پروگراموں پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جا سکے ۔ ڈپارٹمنٹ آف نان کنونشنل انرجی سورسیز (ادارہ برائے غیر رواجی وسائلِ توانائی) کا قیام سال ۱۹۸۲ء میں عمل میں آیا تاکہ کمیشن کے منظور کردہ پروگراموں کو عملی جامہ پہنائے ۔ کئی ریاستوں میں خاص ایجنسیاں اور محکمے قابل تجدید وسائلِ توانائی کے پروگراموں پر عمل کرنے کے لئے قائم کئے گئے ۔ وہ

پروگرام جس کا تعلق بایو گیس پلانٹس اور ترقی یافتہ چولہوں سے ہے۔ سارے ملک میں عوامی عمل کے مرحلے تک پہونچ چکا ہے۔ مہاراشٹر میں بھی اس پر عملی پیش رفت قابلِ تعریف رہی ہے۔ جیسا کہ آئندہ پیراگرافوں سے معلوم ہوگا۔ شمسی تھرمل سسٹمز (پانی گرم کرنے، پکانے، فصل کو سکھانے، نمی دور کرنے، تعمیری لکڑیوں کو بھٹیوں میں خشک کرنے کے لئے) بھی ملک کے بہتیرے حصوں میں مقبولیت حاصل کرتے اور پھیلتے جا رہے ہیں۔ شمسی فوٹو وولٹیک سسٹمز بھی ..... دور دراز دیہی علاقوں میں چھوٹے پیمانے پر پاور مہیا کرنے کے لئے بڑھتے جا رہے ہیں۔

بایو گیس :-

جانوروں کے بچے کھچے چارہ سے پیدا کی جانے والی بایو گیس کے استعمال میں ہندوستان اولیت رکھنے والے ملکوں میں سے ایک ہے۔ پلانٹس کے دو ڈیزائن فلوٹنگ ڈوم اور فکسڈ ڈوم ماڈیولس۔ — اب مقبول ہو چکے ہیں۔ اور پورے ملک میں بڑی تعداد میں لگائے جا رہے ہیں۔ — ایندھن کے بطور "بایو گیس" کے فائدے پکانے اور روشنی کے لئے بہت مشہور ہیں۔ ان فائدوں میں سے خاص طور پر ہیں۔ گاؤں میں بہتر صاف صفائی اور صحتمندی، آسان اور صاف ستھرا ایندھن، صبح سے شام تک ایک راس طور پر کام کرتے رہنے میں کمی اور عورتوں وغیرہ کی صحت کے حالات میں بہتری مرکزی حکومت کے ایک پروگرام کی تائید کی بدولت، اب بایو گیس ٹیکنالوجی کا استعمال بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔ نیچے دیا ہوا گوشوارہ پورے ملک میں اور ریاست ہٰذا میں اس کی پیشِ رفت کی رفتار موازنتاً پیش کرتا ہے۔ یہ بات نوٹ کئے جانے کے قابل ہے کہ جو پیش رفت ۸۵-۱۹۸۴ء میں ہوئی وہ بالخصوص نمایاں تھی۔ اس سال یہ پیش رفت مقررہ نشان سے بھی تجاویز کر گئی۔ ۔ ۔ ۔ اور مہاراشٹر اس سال، اس میدان میں ریاست نمبر ۱ ثابت ہوئی۔ ۔۔۔ ۱۸۰٬ کی تعداد میں بایو گیس پلانٹس ۸۵-۱۹۸۴ء یعنی صرف (ایک سال میں لوگوں نے لگائے جس سے، لاکھ ٹن لکڑی کی بچت ایک سال میں پیش آئی۔ جو بلحاظ قیمت ۲۰ کروڑ روپیہ سالانہ کے مساوی ہے۔ اس سے اضافی طور پر ۴۰ کروڑ روپیہ سالانہ کے فرٹیلائزر فی سال تلچھٹ کے روپ میں بنائے جا رہے ہیں۔ ساتویں پلان کے دوران امید ہے کہ اس میدان میں نمایاں توسیع ہوگی۔

بایو گیس پلانٹ کی تنصیب میں ہر سال کے دوران پیش رفت کا گوشوارہ

سال	آل انڈیا	ریاست مہاراشٹر
۱۹۸۱-۸۲ء	۲۵٬۳۶۹	۳۰۶۱
۱۹۸۲-۸۳ء	۵۷٬۴۹۸	۳٬۶۱۵
۱۹۸۳-۸۴ء	۹۲٬۵۹۰	۲۴٬۰۰۹
۱۹۸۴-۸۵ء	۱٬۸۰٬۴۳۰	۵۲٬۵۲۶

ترقی دادہ چولہے :-

محکمۂ غیر رواجی وسائل توانائی، ایک ملک گیر پروگرام پر اس ترقی دادہ چولہے کی نمائش اور عام مقبولیت کے لئے عمل کر رہی ہے۔ کئی قسم اور ڈیزائن کے چولھوں کی قیمت کا اندازہ لگایا گیا اور حکومتی مدد سبسیڈی کے ذریعے ترقی کی اسکیموں کے تحت پیش کئے گئے۔ پروگرام کے ایک جز کے طور پر، کئی ٹریننگ کورسیز کی تنظیمیں ترقی دادہ چولہوں کے بنانے کے سلسلے میں منظم کی گئیں۔ یہ چولھے جو گھروں کے اندر دھواں نہیں دیتے ہیں، اور جو جلنے میں اچھی صلاحیت رکھتے ہیں، دو مقاصد پورے کرتے ہیں، ایندھنی لکڑی کی دستیابی کے دباؤ یا بوجھ میں کمی اور دیہی عورت کی صحت میں بہتری، اور صبح سے شام تک، کام کرتے رہنے میں کمی۔ یہ چولہے ماحول کی بہتری میں اضافہ کرتے ہیں اور گاؤں کی عورتوں کو دوسری سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لئے زیادہ وقت فراہم کرتے ہیں جس میں آمدنی پیدا کرنے والی سرگرمیاں بھی شامل ہیں۔

ترقی دادہ چولہوں کے پروگرام نے بہت وسیع پیمانے پر لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی اور پورے ملک میں بہت مقبول ہوا۔ مارچ ۱۹۸۵ء تک، کل ۱۲٬۲۹۰٬۸

چولہے فراہم کئے یا بنائے جا چکے تھے اور یہ اس پروگرام کے تحت بنائے گئے تھے جس کو شروع کئے ہوئے ابھی پورے دو سال بھی نہیں ہوئے تھے۔ جو چولہے ۸۵-۱۹۸۴ء میں لگائے گئے تھے۔ صرف ان کی بدولت سال بھر میں تقریباً ۶ لاکھ ٹن لکڑی کی بچت ہوئی۔ جس کی قیمت تقریباً ۲۴ کروڑ روپیہ سالانہ کے مساوی ہوتی ہے۔ سال مذکور میں صرف مہاراشٹر میں ۸۰,۸۵۷ چولہے بنائے گئے۔ یہ بات کہی جا چکی ہے کہ یہ ایک الگ پروگرام ہے جس نے ملک کے اطراف میں دھواں سے پاک انقلاب،، کی نیو ڈالی۔

بائیو - ماس :-

پکانے کے ایندھن کا قائم مقام ہونے کے علاوہ، بائیو ماس ہندوستان میں دوسرے استعمالات کے لئے بھی ایک اہم وسیلۂ توانائی ہے۔ ہندوستان کے لحاظ سے اس کے کئی نہایت دلکش استعمالات ہیں۔ سے ایک یہ ہے کہ زرعی تلچھٹوں چھانٹوں، کترنوں وغیرہ جیسے دھان کی ڈنٹھل اور کھوجڑ وغیرہ یا توانائی والے باغات اول الذکر کے بارے میں نئی ٹیکنالوجیاں جیسے فلوئیڈائزڈ بیڈ۔ بوائیلر اور زرعی چھانٹوں کا قبل از وقت خشک شدہ ڈھیر، صلاحیتوں کو اس حد تک بڑھاتے ہیں کہ زائد پاور کی تولید ممکن ہے۔ توانائی والے باغات معہ پاور کے تصور کے مطابق، ایک خاص غیر زرعی رقبہ یا افتادہ زمین، تیزی کے ساتھ اگنے والے اور زیادہ پھل دینے والے درختوں یا گھاس کی بعض قسموں کے لئے مخصوص کر دی جاتی ہے۔ کوئی ۳. یا ۵ برس کے بعد، یہ باغات ایسی تیز رفتار شرح سے ایندھن پیدا کرتے ہیں جس سے ایک کیسیفائر اور پاور تولید کرنے والے سسٹم کو چلایا جا سکتا ہے اور ساتھ ہی اتنی لکڑیاں بچ رہتی ہیں۔ اندازہ ہے کہ ۱۰۰۰ ہیکٹر زمین ۳ میگاواٹ پاور پیدا کرنے میں مدد دے سکتی ہے اور ۱۲۵/۱۵۰ خاندانوں کے پکانے کا ایندھن فراہم کر سکتی ہے اور اس کے علاوہ معتد بہ طور پر مقامی روزگار مہیا کر سکتی ہے۔ اندازہ ہے کہ ہزاروں میگاواٹ پاور کی تولید کی جا سکتی ہے۔ اگر افتادہ زمین — یا غیر زرعی زمین کا ایک دستیاب ٹکڑا جو مل سکے۔ اس طرح کام میں لایا جائے۔ اس سے بھی زیادہ نمایاں یہ بات ہے کہ یہ کام غیر مرکزی حیثیت سے کیا جا سکتا ہے اور اس طرح روزگار اور توانائی کے فائدوں سے ایک وسیع رقبے کو فیضیاب کیا جا سکتا ہے۔

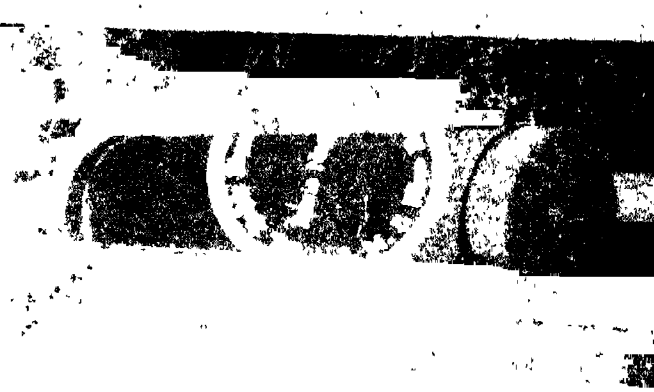
اس قسم کے پروگرام کے لئے یقیناً مالی اعانت درکار ہوگی۔ تاہم اگر اختراعی طور پر مالی امداد کا طریقہ ایجاد کیا جائے، اور بنیادی فنڈ حکومت عطا کرے تو وسائل کو حرکت میں لانے کے لئے زیادہ دشواری نہیں ہوگی اور قرضہ جات کی راہیں مستفید ہونے والوں کے اس طرح سے ہموار ہو جائے گی کہ لوگ اس پروگرام سے دلچسپی لینے لگیں گے۔

شمسی تھرمل سسٹم :-

شمسی تھرمل ٹیکنالوجی میں سورج کی حرارتی توانائی کو توانائی کی مختلف ضروریات کی تکمیل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے باخصوص ان ضرورتوں کے لئے جن کا تعلق کم یا درمیانی درجے کی حرارت سے ہوتا ہے۔ تحقیق اور ڈیولپمنٹ کی کوششوں کے نتیجے میں، جو ملک میں کئے گئے ہیں، بہت سے سسٹمز اور ترکیبیں تجارتی استعمال کے مرحلے تک لائی جا چکی ہیں۔ ان میں شمسی پانی گرم کرنے والے، شمسی سکھانے والے، تعمیری لکڑیوں کو خشک کرنے والی بھٹیاں، شمسی کوکر اور شمسی کھارا پن، دور کرنے والی یونٹیں شامل ہیں۔ شمسی پانی گرم کرنے والے سسٹمز نے جو صنعتی استعمال کے لئے ہیں۔ بہت جلد دو سال کے عرصے میں لوگوں کی پسندیدگی حاصل کر لی اگرچہ یہ دور اس کے لئے ترقی کا ابتدائی، آزمائشی اور نمائشی دور تھا۔ سینکڑوں پراجیکٹ نصب کرنے کے لئے، ملک بھر میں کارخانوں میں.... جیسے ملوں - ہوٹلوں، ہاسٹلوں، کینٹینوں، ڈیری یونٹوں وغیرہ میں نصب کرنے کے لئے حاصل کئے جا چکے ہیں۔ شمسی عمارتی لکڑیوں کی بھٹیوں نے اپنی افادیت نمائش کے ذریعے ثابت کر دی ہے۔ وہ کس طرح کوئلے کی بچت کرتی ہیں۔ دوسری خشک کرنے والی یونٹیں بھی کامیابی کے ساتھ ترقی دی جا چکی ہیں اور نصب کر دی گئی ہیں۔ ان یونٹوں کا ابتداءً خرچ بہت زیادہ ہونے کے پیش نظر مرکزی حکومت اس کے نصب کرنے کی حوصلہ افزائی ایک فیاضانہ حکومتی امدادی (سبسیڈی) کے ذریعے کر رہی ہے۔

جہاں تک انفرادی استعمال کنندگان کا تعلق ہے، اس پروگرام کے ایک جز کے طور پر شمسی کوکرس اور گھریلو پانی

توجی راج



شمسی توانائی سے
پانی گرم کرنے کا
طریقہ کار

گرم کرنے کی یونٹیں اب دستیاب ہیں - مہاراشٹر کی ان تنظیموں میں سے، جنہوں نے شمسی تھرمل سسٹمز نصب کیا ہے - ہندوستان آرگینک کیمکلز، بمبئی کی منترالیہ کینٹین سرکاری اسپتالیں، مہمان خانے وغیرہ ہیں -

شمسی فوٹو والٹیکس :-

شمسی فوٹو والٹیک ٹیکنالوجی، سنلائٹ (دھوپ) کو سیدھے ہی بجلی میں تبدیل کر دیتی ہے اور ہندوستان کے لئے بہت سازگار ہے - ایک فوٹو والٹیک سسٹم بغیر کسی ایندھن کے پاور کی تولید کرتا ہے، اور اس میں کوئی حرکت کرنے والے پرزے نہیں ہوتے - اس لئے آواز نہیں ہوتی - خاموش رہتا ہے اور کسی قسم کی آلودگی بھی پیدا نہیں کرتا - اس کا نصب کرنا اور رکھ رکھاؤ بھی آسان ہے - ان خصوصیات کے سبب فوٹو والٹیک سسٹمز الگ تھلگ اور دور دراز مقامات کے لئے مثالی ہیں - نیز دیہی علاقوں کے لئے بھی چونکہ ابھی یہ مہنگے ہیں اس لئے ان مقامات پر جہاں پاور کی ضروریات زیادہ نہیں ہیں ان کا نصب کیا جانا مہنگا پڑتا ہے - اس ٹیکنالوجی میں نمایاں پیش رفت متوقع ہے جس کا نتیجہ آئندہ چل کر یہ ہوگا کہ اس کی قیمت گھٹ جائے گی -

ہندوستان میں جہاں جہاں ان کی تنصیب عمل میں آچکی ہے وہاں کامیابی کے ساتھ ان کی نمائش بھی کی گئی چنانچہ آبپاشی کے لئے پانی کی پمپنگ اور پینے کے پانی کی فراہمی، راستوں کی روشنی کمیونٹی، ٹی وی سیٹ اور کمیونٹی بلڈنگوں میں روشنی کا اہتمام، میڈیکل ریفریجریٹر، بیٹری چارجنگ وغیرہ -

آندھرا پردیش میں سلوجی پلی، وہ ہندوستان کا پہلا گاؤں ہے جسے اس ٹیکنالوجی کے استعمال کے ذریعے برقیانے کی نوبت آئی - گزشتہ ایک سال کے عرصے میں، ملک کے مختلف حصوں میں، گاؤوں کی ایک کثیر تعداد کو ڈی این ای ایس کے کفالت کردہ ایک پروگرام کے تحت فوٹو والٹیک کی فراہمی کے ذریعے راستوں کی روشنی سے جگمگایا گیا - کرپڈی، گھوٹ دیہار اور کنڈھولی مہاراشٹر کے ضلع ناسک میں ان گاؤوں میں سے ہیں جو راستوں کی روشنی سے، مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ کی معرفت اس طرح روشن کئے جا چکے ہیں -

ہوا کے ذریعے توانائی :-

(پن چکی)

(پن چکی) ہوائی توانائی کے استعمال سے پانی کی پمپنگ، بیٹری چارجنگ اور پاور کی تولید کا کام لیا جا سکتا ہے - ملک کے اکثر ساحلی علاقے ہوا کی اچھی رفتار رکھتے ہیں - جسے پاور کی تولید کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے - اس رخ پر کام کی ابتداء کی جا چکی ہے چنانچہ ڈپارٹمنٹ آف نان کنونشنل

انرجی سروسیز (ڈی این ای ایس) نے ملک میں چند عدد "ہوائی فارم" کی منظوری عطا کر دی ہے۔ اس قسم کا ایک ہوائی فارم جو پہلے "فیز" میں ۵۵۰ کیلو واٹ پاور تولید کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ضلع سندھو درگ کے مقام دیوگڑھ میں مہاراشٹر الیکٹریسیٹی بورڈ کی وساطت سے قائم کیا جا رہا ہے۔ اس یونٹ سے مہاراشٹر گرڈ کو پاور سے سیراب کیا جائے گا۔ اس نوعیت کے سسٹمز، جو بیٹری چارجنگ کے لئے موزوں ہیں۔ "تنہا کھڑے رہنے" کے طریقہ پر استعمال کئے جا سکتے ہیں اور الگ تھلگ مقامات پر پاور کی مختصر ضروریات کی تکمیل کر سکتے ہیں۔

دوسرے پراجیکٹ:۔

ڈپارٹمنٹ آف نان۔ کنونشنل انرجی سروسیز ایسے پراجیکٹوں پر بھی عمل درآمد کر رہی ہے جن کا تعلق توانائی کے دوسرے وسائل سے ہے جیسے جیو تھرمل انرجی اوشن انرجی، اربن ویسٹ، ہائیڈروجن اور کیمیکل سروسیز آف انرجی۔ ایک پراجیکٹ کا قیام دہلی میں عمل میں لایا جا رہا ہے جس کے ذریعے شہری کوڑا کرکٹ کو جلا کر راکھ کرنے سے ۳۰۷۵ میگاواٹ پاور کی تولید ہو سکے گی۔

ایک اور پراجیکٹ ..... جس کی بنیاد شہری کوڑا کرکٹ کی پائرالیسس (آتش انگیزی) پر ہوگی، زیر غور ہے۔ اس کی تنصیب بمبئی میں کیا جانا مقصود ہے۔

آئندہ کے پروگرام

وہ مسائل جن کا تعلق نئے اور قابل تجدید وسائل توانائی سے ہے، گزشتہ چند برسوں سے نمایاں طور پر بین الاقوامی توجہ کی کشش کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اقوام متحدہ نے ایک بین الاقوامی کانفرنس کو اسی مضمون پر نیروبی میں ۱۹۸۱ء میں منظم کیا۔ اس کانفرنس نے ایک پلان آف ایکشن، "این آر ایس ای" کو ترقی دینے اور استعمال کرنے کی دعوت دی۔ اس نے منجملہ دیگر امور کے پختہ ٹیکنالوجیوں کے استعمال اور اضافی مالی وسائل مہیا کئے جانے پر زور دیا۔ ہم، جو ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں، توانائی کے نئے وسائل کی اہمیت سے باخبر ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ رفتہ رفتہ کفایت دار، بنیادی پیداوار ہائیڈرو کاربن پر کم اور قابل تجدید وسائل توانائی پر زیادہ انحصار رکھتے ہوئے، ان نئے وسائل توانائی کو حاصل کرنا کتنا ضروری ہے۔ اسی کی مناسبت سے، موزوں تنظیمی دفاتر مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے تحت قائم کئے گئے اور چھٹے پلان کے دوران اس کے لئے خاص طور پر مالی گنجائش نکالی گئی۔ ان کے نتائج اب ہمارے ملاحظہ کیلئے دستیاب ہیں۔ کئی توانائی کی قابل تجدید ترکیبوں اور سسٹمز کو ترقی دی گئی۔ یہاں تک کہ انہیں تجارتی پیمانے پر استعمال کئے جانے کے درجہ تک لایا گیا۔ ان سسٹموں کے بنانے، تقسیم کرنے، نصب کرنے اور رکھ رکھاؤ کو ترقی دینے کے لئے سارے ملک میں تحتی تعمیرات عمل میں لائی گئیں۔ تحقیق اور ترقی کی کوششوں کو تیز تر کر دیا گیا۔ تاکہ اور زیادہ نئے سسٹم ارتقائی منزلوں تک پہنچائے جائیں اور موجودہ سسٹموں اور ترکیبوں کی صلاحیت بڑھائی جائے، اور ان کی کارکردگی پر اعتماد کو بڑھایا اور قیمتوں کو گھٹایا جائے۔ قومی اور ریاستی سطح پر بعض اہم سسٹموں کے بارے میں سبسیڈی کی اسکیموں پر عمل آوری کے وسیع انتظامات کئے گئے ہیں۔

اب یہ بات ضروری ہے کہ ساتویں پلان کے دوران قابل تجدید وسائل توانائی کے وسیع پیمانے پر استعمال کے لئے ان تمام تدبیروں سے کام لینے کے انتظامات کے بجائے ایسے پروگرام بنائے جائیں اور پیش کئے جائیں جن کا تعلق بایو گیس، ترقی دادہ چولہوں اور شمسی تھرمل توانائی کے مناظر سے ہو اور جن کا خوش گوار اثر لکڑی اور دوسرے رواجی ایندھنوں پر بڑے پیمانے پر بچت کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اگر ان کوششوں کی ساتویں پلان میں ہمت افزائی کی گئی تو یہ ممکن ہے کہ ان اور ان جیسے دوسرے نمایاں سسٹموں سے اچھا خاصا اثر مرتب ہوگا۔

[illegible] جادو ہے جس سے ہماری غریبی دور ہو سکتی ہے اور وہ ہے کڑی محنت، دور اندیشی، آہنی عزم اور سخت ڈسپلن۔

— آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی

وی۔ جی۔ بھڑے
ایم جی تکولے اسکول آف انرجی اسٹڈیز،
یونیورسٹی آف پونے، پونے ۴۱۱۰۰۷

مربوط دیہی توانائی سسٹم

ہندوستان اصلاً ایک زرعی ملک ہے۔ اس کی ۷۰% آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے۔ اس کی مجموعی گھریلو پیداوار کا ۶۵-۷۰ فی صد وہی زرعی سیکٹر سے ہی آتی ہے۔ اس کے گاؤں کی جملہ تعداد تقریباً ۵،۵۰،۰۰۰ ہے جن میں سے ۳،۵۰،۰۰۰ گاؤں ایسے ہیں جن کی آبادی ۵۰۰ سے بھی کم ہے۔ یہ قریئے صنعتی دائروں سے وسیع پیمانے پر منتشر ہیں اور بہت مختصر آبادیوں پر مشتمل ہیں۔

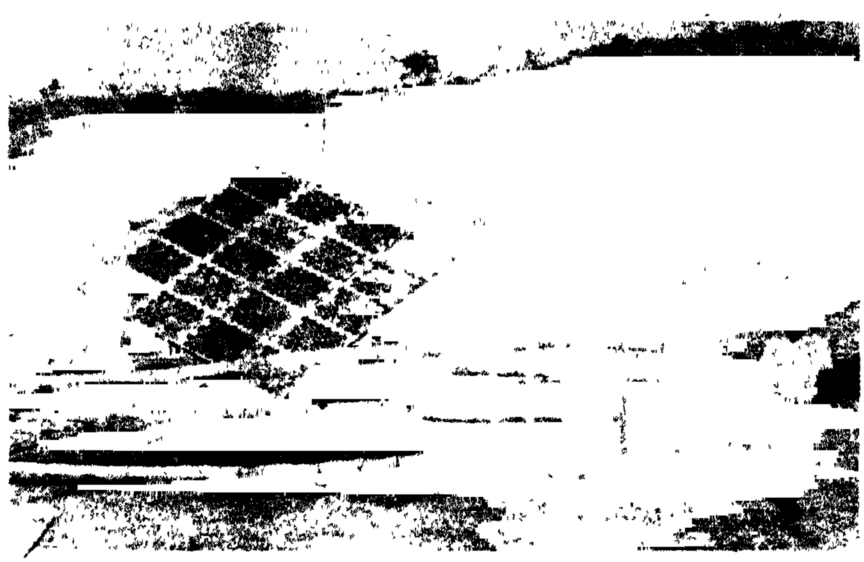
دیہاتوں میں بجلی پہنچانے کی شدید کوشش کے باوجود ان دیہاتوں کی بہت کم تعداد بجلی سے فیضیاب ہوسکی ہے۔ نیچے دیا ہوا گوشوارہ نمبر ۱ بلحاظ آبادی تقسیم کیا گیا ہے اور اس کی وہ تعداد بتلائی گئی ہے جہاں بجلی پہنچی ہے اور جہاں نہیں پہنچی ہے۔

گوشوارہ نمبر ۱۔ دیہاتوں کی تقسیم بلحاظ آبادی

آبادی	تعداد دیہات	تعداد ان دیہاتوں کی جہاں بجلی پہنچ چکی ہے	فی صد کے حساب سے جتنے دیہاتوں میں بجلی پہنچی ہے۔
۴۹۹ تک	۲۷۹,۹۹۵	۳۹,۹۲۴	۱۱
۵۰۰ سے ۹۹۹ تک	۱,۱۸,۶۰۲	۳۲,۳۷۸	۲۷
۱۰۰۰ سے ۱۹۹۹ تک	۶۵,۱۰۱	۲۷,۷۷۵	۴۲
۲۰۰۰ سے ۴۹۹۹ تک	۲۶,۴۰۰	۱۸,۱۷۹	۶۹
۵۰۰۰ سے ۹۹۹۹ تک	۳,۴۰۴	۲,۷۳۹	۸۰
۱۰,۰۰۰ اور اس سے اوپر	۷۷۴	۷۷۴	۱۰۰

جن دیہاتوں میں بجلی پہنچ چکی ہے ان میں بھی دیہات کے کتنے ہی باشندے بجلی سے اس لئے فیضیاب نہیں ہوسکتے کہ ان کی قوت خرید کمزور ہے۔ درحقیقت ایسے گاؤں کو برقیانا غیر کفایتی ہے کیونکہ بجلی کی توصیل کا خرچ زیادہ، لازمی دباؤ کی کمی اور دیہاتیوں کی قوت خرید کی کمزوری اپنی جگہ ایک حقیقت ہے۔ زیر زمین ایندھن کے ساتھ ان تک پہنچنا مشکل ہے۔ اولاً اس لئے کہ زیر زمین ایندھنوں کی ملک میں قلت ہے، دوسرے اس لیے کہ ٹرانسپورٹیشن کے اخراجات اور دیگر کئی دشواریاں رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں۔

اس بنا پر ان دیہاتوں کی تجارتی توانائی کے وسائل تک پہنچ خواہ وہ پکانے کے لئے ہو خواہ روشنی یا آبپاشی کے لئے ہو، دشوار امر ہے۔ قدرتاً، ان دیہاتیوں کا معیار زندگی پست ہے اور جس طرح وہ زندگی گذارتے ہیں وہ غریبانہ ہے۔ حقیقتاً یہ دیکھ کر رحم آتا ہے کہ وہ کیسے رہتے اور کیسے زندگی گذارتے ہیں۔ جس خاندان میں چھ سات افراد ہوں، ان کی روزانہ آمدنی اوسطاً ایک روپیہ ہوتی ہے۔ اس لئے حیرت نہ کی جانی چاہیئے کہ ان دیہاتوں میں بسنے والے لوگوں کی کثیر تعداد غریبی کی سطح سے بھی نیچے زندگی بسر کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کے فارموں میں ہونے والی پیداوار بھی واقعی بہت کم ہوا کرتی ہے۔ اس طرح کی پست معیار زندگی اور نہایت غریبانہ طرز معاش کا دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے دیہات کے باشندے ان دیہاتوں سے قریب شہری مرکزوں کی طرف کوچ کرنے میں زیادہ دلکشی محسوس کرتے ہیں۔ درحقیقت گذشتہ دس سال میں یا اس سے کم و بیش عرصے



۳۰۰ کلو واٹ فوٹو والٹائیک جن سے ٹیلی ویژن، ٹیوب لائٹ اور ۱۵ واٹ کے بنا تار سے سیٹ چلتے ہیں۔

ہیں اس قسم کے دیہاتوں سے ترکِ وطن کر کے شہروں کی طرف اتنے زیادہ لوگ آتے ہیں کہ ایک طرف شہروں میں گندہ بستیوں کے مسائل پیدا ہو گئے اور دوسری طرف دیہاتوں میں جفاکش اور دیہات کا تجربہ رکھنے والے دیہاتیوں کے نہ ہونے سے ایسی کمی محسوس ہونے لگی کہ وہاں کے باشندے بھی چیخ پکار کرنے لگے۔ اگر سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے کہ ہمارے قصبات اور شہر کس طرح بڑھتے جا رہے ہیں تو اندازہ ہوگا کہ کتنے وسیع و عظیم مسائل پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔

آزادی کے بعد سے، حکومتِ ہند کی فیاضانہ حمایت کی بدولت سائنس اور ٹیکنالوجی نے ملک میں حیرت انگیز پیش قدمی کی ہے اور آج ہم جائز طور پر اس بات پر فخر کر سکتے ہیں کہ ہمارا ملک ٹیکنیکل اور سائنٹفک انسانی کارپردازوں کی حیثیت سے دنیا کا تیسرا سب سے بڑا ملک ہے اور صنعتی ملکوں کے لحاظ سے دنیا کا گیارہواں سب سے بڑا ملک۔ پھر بھی یہ بات سوچنے کی ہے کہ ان ترقیوں کا فائدہ آبادی کے بہت ہی مختصر حصے کو پہنچا ہے اور وہ بھی زیادہ تر انہیں جو بڑے شہروں اور قصبوں میں رہتے ہیں۔ آمدنی اور معیارِ زندگی کے مابین عدم مساوات تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ حتیٰ کہ شہری قصبات میں بھی۔ اور اس باب میں غریب دیہاتیوں کا تو ذکر ہی نہیں جو غریبی کی سطح سے بھی نیچے رہ کر زندگی گذارتے ہیں۔ واقعی یہ بات بہت افسوس ناک ہے کہ جو فائدے سائنس اور ٹیکنالوجی سے حاصل ہو رہے ہیں وہ امیر کو زیادہ امیر اور غریب کو زیادہ غریب بنا رہے ہیں۔ اس سے سماجی کشیدگی رونما ہو رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملک کسی آتش فشاں کے دہانے پر

بڑا جمان ہے۔ ایسے نازک وقت میں اس بات پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیئے کہ غریب دیہاتیوں کے مسائل پر کامل اتفاق کے ساتھ توجہ دی جائے اور ان کا قابلِ عمل حل تلاش کیا جائے۔

بعض بنیادی معاملات کا تجزیہ کرنے کے امکانات اور سہل العمل بنانے کی تفتیش کی کوشش میں اور ترقی کے بعض ماڈلوں کے قابلِ استعمال ہونے کی جانچ کرنے کے لئے بعض مثالی دیہاتوں کی مربوط دیہی ترقی کے لئے ہم نے ایک بلو پرنٹ تیار کیا ہے۔ اس مربوط دیہی ترقی کا اصل مقصد یہ ہے کہ خود دیہاتوں میں ملنے والے وسائل سے کام لے کر دیہاتوں میں ایک ایسا تحتی ڈھانچہ پیدا کیا جائے جس سے کہ دیہاتوں کو زیادہ کمائی حاصل کرنے کے قابل بنایا جا سکے اور اس طرح ان کا معیارِ زندگی بڑھایا اور زندگی کی خوبیوں میں صحت، غذائیت، تعلیم وغیرہ کے لحاظ سے اضافہ کیا جا سکے۔ یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ تمام دیہاتوں کے مسائل کا ایک واحد عالمگیر حل نہیں ہے گو یہ ممکن ہے کہ ان مسائل کے عالمگیر حل کی طرف اقدام کی راہ یکساں ہو۔ ہر گاؤں وسائل، سماجی اور ثقافتی پس منظر اور تحریکِ عمل وغیرہ کے لحاظ سے جداگانہ ہے۔ دیہاتی ترقی کا پروسس سست رفتار لیکن یقینی ہوگا جو تمام دیہاتیوں کی بھرپور شرکت کا ضامن ہوگا تاکہ تمام دیہاتی پروسس کی کامیابی کے ذمہ دار ہوں اور دامے درمے اس کی مدد بھی کریں۔

ارتقاکی ہر تدبیر میں توانائی بڑا اہم رول ادا کرتی ہے۔ اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ پہلے دیہی توانائی کا ایک مربوط سسٹم نکالا جائے جو یکانے

روشنی مہیا کرنے، آبپاشی اور پینے کے لئے پانی کی پمپنگ وغیرہ کرنے کے لئے طریقہ مہیا کرے، بعد کے سطور میں ہم دیہی توانائی کے مربوط سسٹم کے حدود میں رہ کر معاملات کو حل کرنے پر توجہ دیں گے۔ ایک تمثیل کی حیثیت سے ہم ضلع پونے کے تعلقہ ویلھے میں واقع شرکوں گاؤں کی مثال دیں گے۔

گاؤں شرکولی

ضلع پونے میں، پونے شہر سے ۵۰ کیلو میٹر دور ویلھے تعلقہ میں شرکولی ایک چھوٹا سا پر سکون گاؤں ہے۔ اس گاؤں کی آبادی ۴۰۷ لوگوں پر مشتمل ہے جس میں ۱۵۰ بالغ مرد، ۱۰۰ بالغہ عورتیں، ۶۰ کم عمر لڑکیاں اور ۹۷ کم عمر لڑکے ہیں۔ گاؤں کا رقبہ تقریباً ۱۲۱۵ ہیکٹر ہے۔ اس گاؤں تک جانے کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے۔ وہاں جانے والے کو پہلے پونے سے پانشیٹ بذریعہ روڈ، پھر پانشیٹ سے شرکولی بذریعہ لانچ جانا ہوتا ہے۔ صبح ۴۔۳۰ پر پانشیٹ سے شرکولی کے لئے ایک لانچ سروس ہے جو صبح کے وقت دودھ جمع کرنے کے لئے پانشیٹ جاتی ہے، بیرونی دنیا سے بس اسی رابطے کے علاوہ کوئی دوسرا رابطہ نہیں ہے۔

توانائی کے سلسلے میں اس گاؤں کی ضروریات کا تخمینہ لگانے کے لئے ایک تفصیلی سروے (گھر گھر پر جاکر) کیا گیا تھا اور اس گاؤں میں توانائی کے وسائل کا جائزہ بھی لیا گیا۔ یہاں کل ۶۰ مکانات ہیں اور آبادی ۴۰۷ نفوس۔ مکانات کے ۳ جھنڈ ہیں [۱] (ا) پڑول واڑی (ب) ویتاگ واڑی اور (ج) سالکر واڑی [۲] بورگے واڑی اور بھونیلے واڑی اور [۳] مدھلا اواڈ، وارلا اواڈ اور پڈیال اواڈ۔ ان تینوں جھنڈ میں (۱) مکانات ۱۷ اور آبادی ۱۱۱ (۲) مکانات ۲۳ اور آبادی ۱۴۳ اور (۳) مکانات ۲۳ اور آبادی ۱۰۴۔ مویشیوں کی تعداد ہر جھنڈ کے حساب (۱) ۲۶ مویشی (۲) ۶۶ مویشی اور (۳) ۴۷ مویشی ہیں۔

سوائے چند خاندانوں کے، دوسرے سب حکومت مہاراشٹر کی بیمہ روزگار اسکیم کے سہارے زندگی بسر کرتے ہیں۔ آمدنی کا اوسط فی کس تقریباً ۲۵۰ روپیہ ہے۔ یہ خوفزدہ کرنے کی حد تک کم آمدنی ہے جس سے زندگی کی بنیادی ضرورتیں پوری کی جاتیں۔

اس گاؤں میں بجلی نہیں آتی ہے اور نہ یہاں زیر زمین ایندھن پہنچ سکتا ہے۔ قابل کاشت زمین ۱۵ ہیکٹر ہے۔ یہاں کافی زمین ہے جس پر کاشت نہیں کی جاتی ہے۔ جس زمین پر کاشت کی جاتی ہے وہ آبپاشی کے تحت نہیں ہے۔ یہاں پینے کے پانی کی کوئی سہولت نہیں ہے۔ پینے کا پانی کم و بیش ایک کیلو میٹر کے فاصلے سے لایا جاتا ہے۔ راستے نہیں ہیں۔ صرف پیدل چلنے کے لئے گذرگاہیں ہیں۔

وہ اکیلی توانائی جس کا استعمال یہ لوگ کرتے ہیں وہ صرف پکانے کے لئے ہوتی ہے۔ زیر زمین ایندھن (گھاسلیٹ وغیرہ) کے نہ ہونے سے گاؤں والے اپنی توانائی کی ضرورت صرف پکانے کے لئے، درختوں کو کاٹ کر یا گائے کے خشک گوبر کے ذریعے پوری کرتے ہیں۔

اس گاؤں میں بارش کی اوسط ۱۵۰ انچ ہے۔ بارش کا موسم بخوبی جانا بوجھا ہوتا ہے اور تین مہینے رہتا ہے۔ خریف میں دھان اور راگی بوئی جاتی ہے جبکہ سال کے باقیماندہ مہینوں میں گاؤں کے لوگ بے کار وقت گذاری کرتے ہیں یا کوئی موٹا اناج اگاتے ہیں۔

تاہم گاؤں کے لوگ "حرکت میں برکت" کے قائل ہیں اور اپنے معیار زندگی کو سدھارنے اور بلند کرنے کے متمنی ہیں۔ اس گاؤں میں



۱۵ کلوواٹ وزن کا
گیسی فائر

جو بیماری آتی ہے وہ سہیا دری دکاس منڈل کے ڈاکٹر موڈک کی بے غرض اور مخلصانہ خدمتوں کی دین ہے۔ ڈاکٹر موڈک، میڈیکل پریکٹیشنز نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی۔ پیدل ہی وہ کئی کیلومیٹر اس حلقے کے گاؤں کی خدمت کے لئے جاتے ہیں۔ درحقیقت احسان مندی کی علامت کے طور پر گاؤں والوں نے ۲۵۰ ایکڑ زمین ڈاکٹر موڈک کے سہیا دری دکاس منڈل کو پٹے پر دی ہے۔ گاؤں والے محنت اور جانفشانی کے لئے تیار ہیں۔ ضرورت صرف ہدایت کی، تھوڑی مدد کی اور رہنمائی کی ہے۔ اس انوکھی حالت کے سبب دیہی ترقیاتی اسکیم کے لئے گاؤں میں انتہائی کامیابی کے مواقع ہیں۔

توانائی کی ضرورت کا تخمینہ

اس گاؤں کو پکانے، روشنی کے لئے پمپنگ برائے آبپاشی اور پینے کے پانی کے لئے کیونٹی کھیل تماشوں، دیہی مواصلات اور بعض دیہی صنعتوں کے لئے توانائی کی ضرورت ہے۔ جس صنعت کو یہ گاؤں چلا سکتا ہے وہ ہے پھلوں کو ڈبوں میں بند کرنا، ان کا تحفظ، لکڑی کے کام وغیرہ۔ اس وقت اس گاؤں میں ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ نیچے گاؤں کی ضرورت توانائی کا ایک عام تخمینہ دیا جاتا ہے۔

پکانا یہاں کل ۵۷ خاندان ہیں اور آبادی ۴۰۶ ۔ یہاں کے لوگوں کی خاص خوراک چاول، دال اور سبزیاں ہیں اور کبھی کبھی جوار یا باجرہ کی روٹی جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے اس گاؤں کے لوگ پکانے کے لئے اُپلیوں سے کام لیتے ہیں۔ اس پر درختوں سے کاٹی گئی جلانے والی لکڑیوں کا اضافہ بھی کرتے ہیں۔ اس دیہات میں توانائی کی ضرورتوں کا اندازہ لگانا بہت دشوار ہے۔ چونکہ ہم یونٹوں کے ایک طریقے سے کام لیتے ہیں اس لئے ہم تخمینہ سے اندازہ لگاتے ہیں کہ ہر خاندان کے لئے اوسطاً KWH ۶ فی یوم پکانے کے لئے لگتا ہوگا۔ اس طرح پکانے کے سلسلے میں توانائی کی ضرورت تخمیناً KWH ۳۴۲ فی یوم ہوسکتی ہے۔

روشنی اس گاؤں کے لوگ رات میں صرف ایک گھنٹے کے لئے تیل کی بتی (دیالی) استعمال کرتے ہیں۔ عموماً وہ آگ جس سے کھانا پکاتے ہیں جھونپڑے کو روشن رکھنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ پھر بھی اندازہ ہے کہ چار گھنٹے کے لئے کم سے کم ۴۰ واٹ کی ضرورت تو ہوگی۔ اس طرح روشنی کے لئے توانائی کی مقدار ۹۱۲۰ واٹ گھنٹے ہوگی۔ دوسرا امکان یہ ہوسکتا ہے کہ مکانات کے ہر جھنڈ کو روشن کر دیا جائے۔ ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ اگر ۴۰ واٹ کے ۱۵ فلوریسنٹ ٹیوبیں مناسب طور سے لگا دیئے جائیں تو پورے گاؤں کو روشن رکھنے کے لئے کافی ہوں گے۔ یوں توانائی پر Kwh ۳٫۶ کا دباؤ پڑے گا۔ یہ ٹیوب اوسطاً چھ گھنٹے روزانہ جلائے جائیں گے۔

آب پاشی اس گاؤں میں قابلِ کاشت زمین کوئی ۱۵ ہیکٹر ہے۔ اوسطاً ۱۵۰ انچ بارش ہوا کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جون۔ ستمبر کے دوران ایک مہینہ آبپاشی ضروری ہوگی اور پھر چار مہینے نومبر سے مارچ تک ماہرین زراعت کی مدد سے تفصیلی مطالعہ کے ذریعے معلوم ہوا کہ گاؤں کے لئے دو ہارس پاور کے چار آب پاشی پمپ درکار ہوں گے جنہیں ایک موٹے اندازے کے مطابق چار گھنٹے روزانہ چلانا ہوگا۔ (یہ اندازہ سالانہ اوسط کی بنیاد پر لگایا گیا ہے)۔ اس لحاظ سے توانائی کی مقدار Kwh ۱۲ فی یوم کے مساوی درکار ہوگی۔

پینے کا پانی اس گاؤں میں پینے کے پانی کی کوئی سہولت نہیں ہے لہٰذا اس بات کی ضرورت ہوگی کہ جھیل سے کسی آبی ذخیرے میں پانی پمپ کیا جائے۔ یہاں پینے کے پانی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک ۳۰۰ واٹ کا پمپ اگر روزانہ ۳ گھنٹے چلایا جائے تو کافی ہوگا۔ اس طرح پینے کے پانی کے لئے جو توانائی درکار ہوگی اس کی مقدار Kwh ۱٫۰ فی یوم ہوگی۔

تفریحات تجویز کیا گیا ہے کہ کمیونٹی ہال میں ایک کیمونیٹی ریڈیو ریسیور اور ایک ٹی۔وی نصب کیا جائے۔ اس سسٹم کا کل وائیٹج تقریباً ۲۰۰ واٹ ہوگا۔ اسے رات میں ۴ گھنٹے چلایا جائے گا۔ اس کیمونٹی ریڈیو اور ٹی۔وی کا اصل مقصد فیملی پلاننگ کا پرچار ہے۔ اس کے علاوہ زراعتی معاملات، صحت، غذائیت بخش کھانے وغیرہ کی تعلیم بھی توانائی کی جملہ ضرورت Kwh ۰٫۸ ہے۔ اس ٹی۔وی پر ویڈیو کیسیٹ، خاص طور سے کیمونیکیشن اسکول کے تیار کردہ فیملی پلاننگ کی باتیں، صحت کی دیکھ ریکھ، غذائیت بخش کھانے اور امور صحت وغیرہ دکھائے جائیں گے۔

دیہی صنعتیں ممکنہ دیہی صنعتیں بہت زیادہ محنت چاہتی ہیں۔ ان صنعتوں میں پھلوں کو ڈبوں میں بند کرنا، لکڑی کے کام وغیرہ ہیں۔ ان کاموں کے لئے ۳۰۰ واٹ توانائی چھ گھنٹے کے لئے درکار ہوگی۔ دیہی صنعتوں کے لئے توانائی کی ضرورت Kwh ۱٫۸ ہوگی۔

دیہی مواصلات (کیمونیکیشن) دیہی توصیلات کے سسٹم، گاؤں کو پڑوس کے قصبے کے ساتھ مربوط کر دیں گے۔ یہ ربط گاؤں اور قصبے میں چند اہم کاموں کے انجام دینے والوں کے مابین ہوگا جیسے (۱) پولس (۲) زراعتی افسر قومی راج

(۳) ڈیری ڈیولپمنٹ افسر (۴) اسپتال وغیرہ۔ دیہی توصیلات کے لئے اوسط ۱۰۰ واٹ، دو گھنٹوں کے لئے، ضروری ہوگی۔ اس طرح دیہی توصیلات کے لئے توانائی کا "لوڈ" (بوجھ) ۰٫۶۲ Kwh ہے۔

نیچے دیئے گئے گوشوارے میں توانائی کے "لوڈ" (بوجھ) کا خلاصہ مذکور ہے:

	کے ڈبلیو ایچ (Kwh)
۱۔ پکانا	۳۴۲
۲۔ روشنی	۳٫۶۶
۳۔ آب پاشی	۱۲٫۶۰
۴۔ پینے کا پانی	۱٫۶۰
۵۔ تفریحات	٫۶۸
۶۔ دیہی صنعت	۱٫۶۸
۷۔ دیہی مواصلات	٫۶۲
۸۔ تعلیمی یونٹ اور نیچے ہوتے سے کشید کرنے کی یونٹ	٫۴۰
جملہ	۳۶۵٫۶۴

گاؤں کی جملہ ضروریات توانائی اوسطاً ۳۶۱٫۷۴ Kwh ہے جس میں سے ۳۴۲ Kwh پکانے کے لئے ضروری ہوگی۔

گاؤں میں توانائی کے وسائل

گاؤں میں قطعاً کوئی تجارتی توانائی کا وسیلہ نہیں ہے۔ پھر بھی گاؤں کے غیر تجارتی اور قابلِ تجدید توانائی کے وسائل کافی ہیں۔ یہ وسائل حسبِ ذیل ہیں:

(۱) ایندھنی باغات (۲) جانوروں اور انسانوں کے فضلے
(۳) شمسی توانائی (۴) ہوائی توانائی

اس گاؤں میں باغات لگانے کی بہت زیادہ گنجائش ہے۔ تجویز یہ ہے کہ ایندھنی لکڑی، گھاس چارہ، ادویاتی پودے نیز بانس اور عمارتی لکڑی اور پھل دار درختوں کی کاشت کی جائے۔ آخر کی تین اشیاء گاؤں کے باشندوں کے لئے زیادہ مددگار ثابت ہوں گی کیونکہ ان سے انہیں زیادہ آمدنی ہوگی اور وہ اس قابل ہوں گے کہ لگایا ہوا سرمایہ قسط وار ادا کرسکیں۔ گھاس چارہ ڈیری میں اضافے کا باعث ہوگا۔ جس سے بعد میں ان کی آمدنی بڑھے گی۔ تجویز یہ ہے کہ مویشیوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اور موجودہ تعداد کو، جو ۱۹۱ ہے، ۴۰۰ تک بڑھایا جائے۔

شرکوی گاؤں میں، تجویز کے مطابق، ۱۰۰ ایکڑ زمین پر باغات لگانا مقصود ہے۔ اس کاشت کے ذریعے امید ہے کہ ایندھنی لکڑی کافی مقدار میں ملے گی جس سے برقی پاور کی تولید ہوگی۔ اگر میسرز تھریکس کے ترقی دادہ گیس پیدا کرنے والے آلات سے کام لیا گیا۔

مویشیوں کے گوبر اور انسانی فضلے

گاؤں میں مویشیوں کی جملہ تعداد ۱۹۱ اور انسانوں کی ۴۰۶ ہے۔ اس سے اتنا مویشیوں + انسانوں کا فضلہ حاصل ہوگا جو بایوگیس کے ۲۲۴۰ مکعب فیٹ صلاحیت رکھنے والے پلانٹوں کی برقراری کے لئے کافی ہوگا۔ ۵۵۰ مکعب فیٹ، ۱۱۰۰ اور ۶۷۵ مکعب فیٹ کی صلاحیت رکھنے والے ۳ بایوگیس پلانٹس پکانے کے سلسلے میں توانائی مہیا کرنے کے لئے کافی ہوں گے اور جو توانائی بچ رہے گی وہ آبپاشی کے لئے ۵ ہارس پاور کے پمپوں کو توانائی مہیا کرنے میں کارآمد ثابت ہوں گے۔

شمسی توانائی

تین (بارانی) مہینوں کے علاوہ، گاؤں شمسی انسولیشن کے لئے مناسب اور بہت سازگار ہے۔ انسولیشن کا اوسط تقریباً ۵٫۶۲ Kwh / م۲ / یومیہ ہے۔ اسے پکانے کے شمسی کوکرس کو چلانے کی خاطر استعمال کیا جاسکے گا اور چاول اور دال پکانے میں جو ایندھن صرف ہوتا ہے اسے بچایا جاسکے گا۔ اس کے علاوہ ۲۰۰ واٹ کے شمسی سیل والے کمیونٹی ریسیور، ٹی۔وی اور دیہی مواصلات سسٹم اس سے توانائی حاصل کرسکیں گے۔

ہوائی توانائی

چونکہ یہ گاؤں پانشیٹ ڈیم (بند) کے کنارے واقع ہے۔ اور پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس لئے یہاں ہوا دائمی طور پر چلتی رہتی ہے۔ اس کی وجہ سے ہوا کی اوسط رفتار ۱۲ کیلومیٹر فی گھنٹہ ہوا کرتی ہے۔ ہوا کی یہ رفتار پن چکیوں کو چلانے کے لئے بہت کافی ثابت ہوگی۔

توانائی کا سسٹم

اوپر مذکور تجزیہ واضح طور پر بتلاتا ہے کہ گاؤں توانائی کی اپنی ضرورت سے کافی زیادہ وسائل توانائی رکھتا ہے۔ مناسب طور سے مخلوط کرنے پر توانائی کی پوری ضرورت پوری ہوسکے گی اور دیہی صنعتیں بھی چلائی جاسکیں گی۔ پونے یونیورسٹی کے "اسکول آف انرجی اسٹڈیز" نے مربوط دیہی توانائی سسٹم (آئیرس) کو ترقی دینے کی ذمہ داری لی ہے

جس کی بنیاد گاؤں میں دستیاب وسائل توانائی پر ہوگی تاکہ ان کی توانائی کے بارے میں تمام ضروریات پوری ہوسکیں۔ سسٹم حسب ذیل اجزاء پر مشتمل ہوگا۔

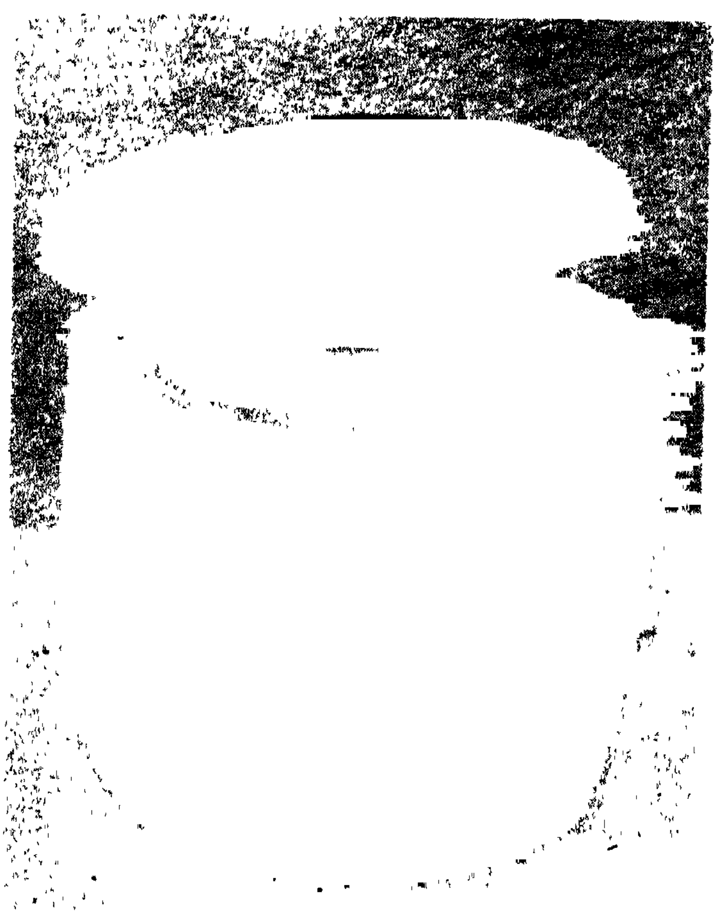
۱۔ ۱۰۰ ایکڑ زمین پر تیزی سے بڑھتے ہوئے درختوں سے لکڑی حاصل کرنے والے پلانٹ	۵۰,۰۰۰/- روپے
۲۔ ۱۰۰ ایکڑ زمین پر بانس کے پلانٹ	۵۰,۰۰۰/- روپے
۳۔ ۵۰ ایکڑ زمین پر چارے کا پلانٹ	۲۵,۰۰۰/- روپے
۴۔ معالجاتی درختوں کے پلانٹ	۲۵,۰۰۰/- روپے
۵۔ تین بائیو گیس پلانٹوں کی تنصیب۔ تین ۵ ہارس پاور پمپوں اور لائٹنگ سسٹم کی تنصیب	۴,۰۰,۰۰۰/- روپے
۶۔ گاؤوں میں ۷۴ شمسی کوکروں کی فراہمی	۱۷,۵۰۰/- روپے
۷۔ تین پن چکیوں کی تنصیب	۴۵,۰۰۰/- روپے
۸۔ ۳۰۰ واٹ والے فوٹو والٹیک پمپ کی تنصیب	۳۰,۰۰۰/- روپے
۹۔ ٹی۔وی، ریڈیو اور مواصلات کیلئے ۳۰۰ واٹ کے شمسی پینل کی تنصیب	۴۵,۰۰۰/- روپے
۱۰۔ گیسیفائر جینریٹنگ سیٹ (۱۵ کلو واٹ)	۲,۰۰,۰۰۰/- روپے
جملہ	۸,۸۷,۵۰۰/- روپے

شرکونی گاؤں میں قائم کردہ مربوط دیہی توانائی نظام ہندوستان کے کسی بھی گاؤں کی ترقی کو ظاہر کرنے والا ایک ماڈل گاؤں ہے۔

گاؤں میں توانائی کے دستیاب ذرائع کی بنیاد پر اور توانائی کی مطلوبہ مقدار کی حصولی کی وجہ سے مربوط دیہی توانائی نظام میں ٹھیک ڈھنگ سے اصلاح کی جاسکتی ہے اور گاؤں میں توانائی کی ضروریات کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ اس سے نہ صرف قیمتی تجارتی ایندھن جیسے پٹرولیم، قدرتی گیس، کوئلہ وغیرہ کی بچت ہوگی بلکہ اس سے گاؤں کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کا ایک طریقہ رائج ہو جائے گا۔

ترجمہ : صفیہ خاتون

ہاٹ باکس



قومی راج

★ اے۔ وی۔ سپرے

مہاراشٹر کے لئے

توانائی کے غیر روایتی اور قابل تجدید وسائل کی موزونیت

توانائی میں جو بحران ماضی قریب میں پیش آیا تھا ممکن ہے کہ بحران مذکور مستقبل میں بھی ویسی ہی شدت کے ساتھ جاری رہے اور اس میں تخفیف نہ ہو۔ اس لئے ایسے معالجات یا اصلاحی اقدامات کا فوری طور پر اختیار کیا جانا بہت ضروری ہے۔ جن کی بدولت حالات بد سے بدتر ہونے سے رک جائیں یہ بحران اس لئے پیش آیا تھا کہ توانائی کی مانگ روز افزوں ترقی پر تھی اور توانائی کے تجارتی مسائل مثل گھاسلیٹ، کوئلہ اور بجلی کی قیمتیں بڑھتی جا رہی تھیں اور تا حال ان میں کمی کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوئی ہے بحران کو ہوا دینے والی ایک اور شے ہے... یعنی ناقابلِ تجدید اور زیر زمین تجارتی وسائل کی محدود نوعیت اور وہ ماحولی مسائل جو ان کے استعمال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

توانائی کے بحران پر غالب آنے کے لئے کم مدتی اور طویل مدتی دونوں قسم کی کارروائیاں اختیار کی جانی چاہئیں۔ کم مدتی کارروائی کے سلسلے میں تجارتی وسائل کے مہیا کرنے میں اضافہ ہے

۱ :- جو ملکی یا دیسی کوششوں کے ذریعے عمل میں آئیں اور....

۲ :- جو توانائی کے تحفظ کے ذریعے عمل میں آئیں

کم مدتی کارروائی کے سلسلے میں ان دونوں طریقوں کا اختیا
کیا جانا لازمی ہے اور طویل مدتی کارروائی کے سلسلے میں غی
روایتی اور قابل تجدید وسائل توانائی کو ترقی دینا نہایت اہم ہ

لھٰذا قابلِ تجدید وسائلِ توانائی میں اضافہ کرنے کے لیئے جتنی جلد قدم اٹھایا جائے اور اس کی ابتداء کردی جائے اتنا ہی مستقبل میں جملہ توانائی کی فراہمی کے لیئے بہتر ہوگا۔

توانائی کے قابلِ تجدید وسائل کی اعانت کرنا اور فروغ دینا، متحدہ و مربوط پیش قدمی کا متقاضی ہے اور اس میں شامل و داخل ہوں گی۔ موجودہ قابلِ تجدید توانائی کی ٹیکنالوجیوں کی منتقلی، ریسرچ اور ڈیولپمنٹ (تحقیق و ترقی) کی جدوجہد کے ذریعے نئی ٹیکنالوجیوں کی اختراع و تولید، مالی محرکات، ٹیکنیکل سروسیز کے لیئے مالی قوت (مین پاور) کی نشوونما اور ان امور کے لیئے ضروری عمارات کی ارتقاء و تنصیب۔ اس کام کی گیرائی و گہرائی متعدد ضوابطی اور ہمہ جہتی اداراتی کوششوں کا مطالبہ کرتی ہے اور درست ہدایتوں اور مشترکہ عمل کی دعوت دیتی ہے۔ اِس میں حکومت کی بلکہ صنعتوں، تحقیقی اداروں میدانی ایجنسیوں اور رضاکار ایجنسیوں کی شمولیت ضروری و لابدی ہوتی۔ اگر مہاراشٹر میں توانائی کے قابلِ تجدید وسائل کو فروغ دینے کے کسی پروگرام کی کامیابی پیشِ نظر ہو۔

پس منظری اطلاعات :-

مہاراشٹر میں، توانائی سیکٹر کی موجودہ حیثیت کا خلاصہ حسب ذیل طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۱) :- مہاراشٹر کی مجموعی آبادی :- ۶۵ میلین
(دیہی ۶۵ فیصد - شہری ۳۵ فیصد)

(۲) :- مہاراشٹر میں توانائی کی موجودہ سالانہ کھپت :-

تجارتی :-

بجلی : تقریباً ۲۰ بلین (کے ڈبلیو ایچ)،
آئل پراڈکس : ۶ میلین ٹن
کوئلہ : ۱۴ میلین ٹن

غیر تجارتی :-

ایندھنی لکڑی : ۱۰ میلین ٹن

گوبری ایندھن (اُپلیاں) : ۱۲ میلین ٹن
فصلوں کے بچے کھچے ٹکڑے یا چھانٹن : ۳ میلین ٹن
بیل گاڑیاں :- ۱٫۵ میلین
بار برداری کے جانور :- ۶ میلین

(۳) :- مہاراشٹر میں بجلی کی پیداوار کا خرچ، ریاستی پلان کے مصارف کا ۳۵ فیصد ہوتا ہے۔ باقی ماندہ وسائل کی ترقی پر رقم کا تعین ۲ فیصد سے کم ہوتا ہے۔

(۴) :- مہاراشٹر میں توانائی کے مجموعی استعمال میں، تجارتی توانائی کا حصہ تقریباً ۶۵ فیصد ہے۔

(۵) :- ریاست میں منصب کردہ پاور کی استعداد تقریباً ۶۰۰۰ میگا واٹ ہے۔

(۶) :- مہاراشٹر میں کوئلہ محفوظ رکھنے کے انبار خانے بہت معمولی ہیں اور دستیاب کوئلہ میں راکھ کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔

(۷) :- بامبے ہائی کے میدانوں سے آئل اور نیچرل گیس کی دستیابی آئندہ ۲۵ / ۳۰ برسوں کے لیئے متوقع ہے۔

(۸) :- ریاست میں ہائیڈل پاور کے امکانات بہت محدود ہیں اور موجودہ سطح سے کسی معتدبہ توسیع کے لیئے کوئی زیادہ گنجائش نہیں ہے۔

(۹) :- ریاست کے کل جغرافیائی رقبہ کا ۲۰٫۸ فیصد (۶۴٫۳۵۰ مربع کیلو میٹر) جنگلاتی علاقہ ہے۔ بنجر ناقابلِ کاشت اور بن جوتی اراضی رقبہ میں تقریباً ۳۴٫۰۰۰ مربع کیلو میٹر ہے۔ اعداد بتلاتے ہیں کہ توانائی لائق باغات کی وسیع نشوونما کے لیئے بہت زیادہ گنجائش موجود ہے۔

(۱۰) :- ریاست کے ساحلی خطوط کی لمبائی تقریباً ۷۲۰ کیلو میٹر ہے۔ ساحلی رقبوں میں ہوا کی رفتار کا سالانہ اوسط تقریباً ۱۵ کیلو میٹر فی گھنٹہ بلکہ اوسط ہے۔ ہوائی جنریٹروں کے استعمال



فوٹو واٹائیک

کے ذریعے پاور کی تولید کے امکانات کافی اچھے ہیں۔ مہاراشٹر آبپاشی اور پانی کی بہم رسانی کے لئے واٹر پمپینگ ونڈ ملوں کے استعمال کے لئے بہت مناسب مقام ہے۔

(۱۱) :- مہاراشٹر میں شمسی حدت تقریباً ۱۵۰۰ سے ۲۰۰۰ KWH فی مربع میٹر فی سال ہوتی ہے۔ لہٰذا شمسی تھرمل اور شمسی فوٹو وولٹیک ترکیبوں کے استعمال کے لئے یہاں اچھی گنجائش ہے۔

(۱۲) :- تقریباً ۹۰،۰۰۰ خاندانی سائز کے بایو گیس پلانٹس فی الحال اس ریاست میں زیر استعمال ہیں۔ یہ پروگرام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ بڑے بایو گیس پراجیکٹوں کے لئے بہت بڑی گنجائش ہے۔ بشرطیکہ شہری کوڑا کرکٹ اور ردّی کے طور پر پھینکی جانے والی اشیاء اور اسی طرح صنعتی کارخانوں کی ردّی اور بیکار اشیاء کے ذریعے ان پلانٹوں کو چلانے کی ترکیب سوچی جائے۔ ایسے بایو گیس کو بڑے پیمانے پر منظم روپ میں استعمال کیا جا سکتا ہے

(۱۳) :- ریاست کے مغربی گھاٹ میں کچھ جیو تھرمل کے امکانات ہیں لیکن اس کا اندازہ و تخمینہ کرنا باقی ہے۔ بہر حال ہو سکتا ہے کہ وہ صرف مارجینل ہو۔

(۱۴) :- ریاست مہاراشٹر کے ساحلی خطوط کافی طویل ہیں۔ لہٰذا مہاراشٹر سمندری بنیاد پر توانائی کی امید کر سکتا ہے — جیسے مدّ و جزر کی لہر موج کی قوت اور سمندری تھرمل کے مختلف خطّوں سے گزرنے پر مقیاس الحرارت کے اتار چڑھاؤ کے ذریعے ...۔ اگرچہ اس قوت سے توانائی کی کمیّت و کیفیت کا تخمینہ لگانا باقی ہے۔

(۱۵) :- شکر کے کارخانوں کے علاوہ تقریباً سب ہی صنعتیں شہری مراکز میں قائم ہیں۔

(۱۶) :- دیہاتی آبادی کا ۸۰ فیصد سے زیادہ حصہ اپنی معیشت کے لئے زراعت پر تکیہ کرتا ہے۔

(۱۷) :- شہری علاقوں میں توانائی کی ضرورتوں کی دیکھ بھال تجارتی وسائل کرتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں توانائی کی ضرورتوں کی بہت بڑی مقدار میں دیکھ ریکھ غیر تجارتی وسائل کرتے ہیں

(۱۸) :- دیہی علاقوں میں توانائی کی ۹۰ فیصد سے زیادہ مقدار، پکانے کے واسطے، قابل تجدید وسائل

جیسے جلانے کی لکڑی، مویشیوں کے گوبر اور فصلوں کے چھانٹن ..... سے حاصل کی جاتی ہے۔ روشنی کی ضرورتوں کے لئے توانائی کی ۷۰ فیصد سے زیادہ مقدار گھاسلیٹ سے پوری کی جاتی ہے۔ باقیماندہ ضرورتوں کی تکمیل کے لئے بجلی اور خوردنی تیلوں سے کام لیا جاتا ہے۔

(۱۹) :- زرعی کاموں کا بیشتر حصہ انسانی اور حیوانی پاور کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے۔ ریاست بھر میں ٹریکٹروں کی تعداد تقریباً ۶۰۰۰ ہے۔ توانائی کی ضروریات کا کثیر حصہ جو آبپاشی کے لئے درکار ہوتا ہے۔ بجلی اور ڈیزل آئل سے پورا کیا جاتا ہے۔

(۲۰) :- پیداوار اور سامان کی معتدبہ مقدار میں منتقلی حیوانی پاور کے ذریعے انجام دی جاتی ہے۔

(۲۱) :- زرعی بنیاد والی دیہی صنعتیں فصلوں کی چھانٹن ڈنٹھل وغیرہ کا استعمال (جیسا کہ گڑ، اور شکر کی صنعتوں میں ہوتا ہے) اور تجارتی ایندھن (جیسا کہ کپڑے کی صنعت اور چاول کی ملوں میں ہوتا ہے) دونوں کا استعمال کرتی ہیں۔

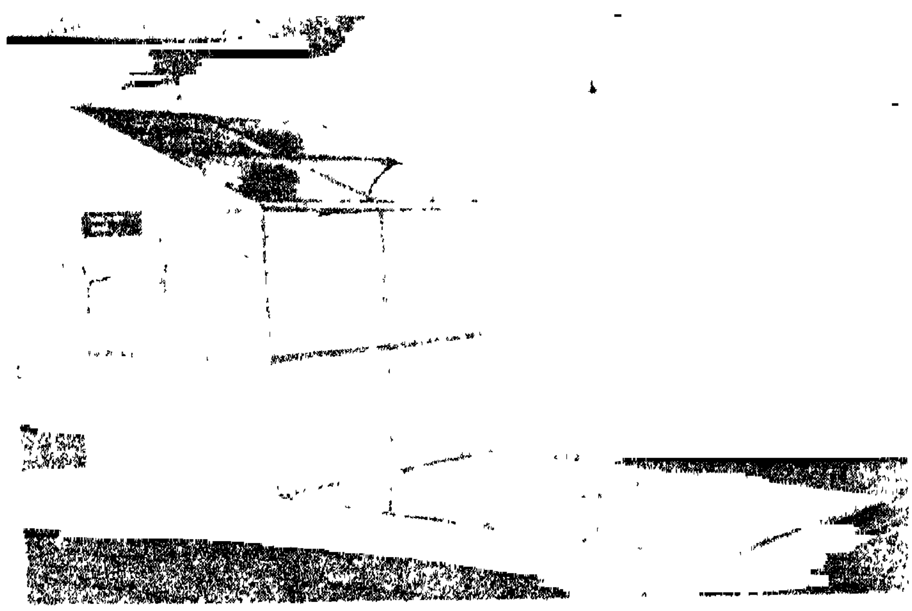
(۲۲) :- دیہی صنعتیں (جیسے اینٹ سازی، پتھر کی پسائی، لوہاری) اور سروس انجام دینے والی صنعتیں (جیسے آٹا پیسنے کی چکیاں) دونوں تجارتی اور غیر تجارتی توانائی استعمال کرتی ہیں۔

(۲۳) :- دیہی حلقوں میں تمام مدوں سے آمدنی کی سطح، شہری حلقوں کی آمدنی کی سطح سے کم ہوتی ہے۔

مجملاً تبصرہ :-

اوپر مذکور تفصیلات سے ناقابل تجدید، اور قابل تجدید وسائل، دونوں کے ذریعے توانائی کی دستیابی کا ایک خاکہ نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ یہ بات بالکل صاف ہے کہ مہاراشٹر میں، زیر زمین توانائی کے وسائل، جن سے توانائی کی تمام ضرورتیں پوری ہو سکیں، ناپید ہیں۔

ایک صنعتی ریاست ہونے کے سبب، مہاراشٹر کو زیر زمین (Primary) میں تجارتی توانائی کے وسائل کی اعلیٰ سطح پر ضرورت ہے۔ یعنی کوئلہ اور تیل (گھاسلیٹ، پٹرول) کی۔ ان زیر زمین وسائل کے استعمال کو اقل ترین



دھان سکھانے کا شمسی آلہ

رکھنے کے لئے ، اور ہائیڈل کے امکانات کی محدودیت کو دیکھتے ہوئے، یہ بات نہایت ضروری ہے کہ صنعتی سیکٹر میں قابلِ تجدید توانائی کے وسائل کا استعمال بڑھایا جائے ——

زرعی سیکٹر بھی تجارتی توانائی کی معتدبہ مقدار مثلاً بجلی، اور ڈیزل آبپاشی اور کیمیکل فرٹیلائزروں کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اگر قابل تجدید توانائی کی ٹیکنالوجیوں میں اضافہ کرتا ہے تو اس کے استعمال میں کمی لانے کی تمہید کی جاسکتی ہے۔

گھریلو سیکٹر، بالخصوص شہری حلقوں میں، تجارتی توانائی کی کافی بڑی مقدار استعمال کرتا ہے۔ اس بات کی کافی گنجائش ہے کہ شہری گھریلو سیکٹر میں قابل تجدید توانائی کی ٹیکنالوجیوں سے کام لیا جائے بلکہ دیہی سیکٹر میں بھی اس قسم کی ٹیکنالوجیوں کا استعمال، قابل تجدید وسائل کے بہتر استعمال کی راہیں کھول سکتا ہے۔

منجملہ طور پر آبادی کا پھیلاؤ اور معاشی ارتقاء کی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے، قابل تجدید توانائی کی ٹیکنالوجیوں کا اضافی استعمال نہ صرف مناسب و موزوں ہے بلکہ نہایت ضروری بھی۔ اضافی استعمال کے ذریعے، یہ ٹیکنالوجیاں نہ صرف معاشی سیکٹروں میں تجارتی وسائل کے محفوظ رکھنے کا باعث بنے گی بلکہ گھریلو سیکٹر میں زراعتی امور اور بنیادوں پر تکیہ کرنے والی صنعتیں اور دیہی صنعتیں بھی کسی حد تک انہیں اختیار کر کے تجارتی توانائی کے وسائل میں کفایت پیدا کرنے کا سبب ثابت ہوں گی۔

اِنتخاب (یا اختیار) کرنے کے امکانات

قابل تجدید توانائی کی ٹیکنالوجیاں تاحال ارتقائی منزلوں میں ہیں۔ انہیں معاشی طور پر ہمیشہ ملنے کے قابل ہونے کا ثبوت دینا ہوگا۔ تب ہی انہیں وسیع پیمانے پر، بالخصوص صنعتی، زرعی، اور گھریلو سیکٹروں میں استعمال کیا جانے لگے گا۔ حکومت کی پیش کردہ موجودہ ترغیبات کا رُخ یقیناً ان ٹیکنالوجیوں کو بڑھاوا دینے میں معاونت کرنے والا ثابت ہوگا۔ ان کوششوں کے نتیجے میں، ان



شمسی چولہا

ٹیکنالوجیوں کی منڈی رفتہ رفتہ بڑھ رہی ہے۔ کوالیٹی بہتر ہوتی جارہی ہے اور استعمال کرنے والے ان سے کام لینے اور ان کے رکھ رکھاؤ کی بابت بیش قیمت تجربہ حاصل کر رہے ہیں۔ واضح طور پر، قابل تجدید توانائی کی ٹیکنالوجیوں کا رُخ، ان کے معاشی طور پر زندہ رہنے میں بہتری کی سمت ہے اور ارتقاء کی موجودہ سطح کو دیکھتے ہوئے متعدد قابل تجدید توانائیوں کے ابھرنے اور پیدا ہونے کی اُمیدیں ہیں

(ا) شمسی توانائی

سورج سے ملنے والی توانائی سے زمین پر زندگی کو برقرار رکھنے میں مدد دیتی ہے۔ زمین پر ہر قسم کی توانائی —— یعنی لکڑی، کوئلہ، تیل (گھاسلیٹ پیٹرول)، قدرتی گیس، ہوا اور ہائیڈرو۔ پاور...... کی ت[illegible] ان پروسیسوں کی بدولت ہوتی ہے۔ جو شمسی شعاع افگنی کے مسلسل او متصل پڑنے سے پیش آتی ہے۔ باز[illegible] روزمرہ کی بولی میں یہی کہا اور سمجھا جاتا ہے کہ زمین پر سو[illegible] کی بالراست شعاع افگنی سے شمسی توانائی پیدا ہوتی ہے۔ سالانہ شمسی شعاع افگنی، ہندوستان میں، بک[illegible] مربع میٹر کی سطح پر تقریباً ۱۵۰۰ سے ۲۰۰۰ KWH [illegible]

ہے اور یہ ۳٪ الٹرا۔وائیولیٹ (بنفشی شعاعوں کی بہت بڑی مقدار)، ۴۲٪ دکھائی دینے والی اور ۵۵٪ انفرا۔ریڈ (سرخ کے علاوہ) شعاعیں پر مشتمل ہوتی ہے بالراست شمسی شعاع انگنی ان ٹیکنالوجیوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، جو اسے سمنت گرمی یا بجلی میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

(الف) سولر تھرمل (شمسی حرارت پیدا کرنیوالی) ٹیکنالوجیاں :-

شمسی تھرمل ترکیبیں شمسی شعاع انگنی کو جذب کرلیتی یا ایک مرکز پر لاتی ہیں۔ اس گرمی کو سیّال چیزوں کے گرم کرنے کے لئے کام میں لیا جاتا ہے تاکہ اس سے اتنی اسٹیم (بھاپ) پیدا کرنے کا یا ہوا کو گرم کرنے کا کام لیا جائے جتنی کہ مطلوبہ شئے کے حصول کے لئے ضروری ہو۔

(۱) پانی گرم کرنے کے لئے شمسی سسٹم :-

اس قسم کے سسٹم ۹۰-۶۰ ڈگری سینٹی گریڈ کے درمیان گرم پانی مہیا کرتے ہیں۔ اس سسٹم میں عموماً فلیٹ پلیٹ کلکٹر (مسطح پلیٹ جیسے گرم پانی جمع کرنیوالے) استعمال کئے جاتے ہیں۔ چونکہ اس میں ماڈیولر (معیار کے مطابق کمی بیشی ممکن بنانے والی) تعمیر سے کام لیا جاتا ہے۔ اس لئے اس سسٹم میں گرم پانی کے لئے ہر حجم اور ہر گنجائش ضرورت کے مطابق تعمیرات کی جاسکتی ہیں۔ اس سسٹم میں اوسطاً خرچ ۴۰ سے ۹۰ روپیہ تک فی لیٹر گرم پانی فی یوم آتا ہے۔ سسٹم کو چالو/بند کرنے کا خرچ قابل فراموش ہے۔

ممکنہ استعمالات :-

(i) :- گھریلو استعمال کے لئے گرم پانی

(ii) :- اسپتالوں، ہاسٹلوں، ہوٹلوں، مہمان خانوں، کینٹینوں، ڈیریوں وغیرہ کے لئے گرم پانی۔

(iii) :- کپڑے کی ملوں اور کیمیکل انڈسٹری کے لئے گرم پانی۔

(iv) :- صنعتوں میں بوائلروں کے لئے پہلے سے گرم کیا جانے والا پانی۔

(۲) سولر ہاٹ ائیر سسٹم (گرم ہوا کے شمسی سسٹم) :-

بہت سی اشیاء کو سکھانے کے لئے گرم ہوا کا استعمال بہت عام ہے۔ سولر ہاٹ ائیر سسٹم کی ڈیزائیننگ ایسی ہے کہ شمسی شعاع انگنی کے زیادہ سے زیادہ استعمال کے ذریعے، کنٹرول کئے جانے والے حالات کے تحت، گرم ہوا کا حصول ممکن ہے۔ یہ سسٹم گرم ہوا .... ۹۰°—۵۰° ڈگری "سی" حرارت رکھنے والی بہت سے کاموں میں استعمال کے لئے فراہم کرسکتے ہیں۔

ممکنہ استعمالات :-

(i) :- سکھانے والی ہوا ..... اناج، فروٹ، سبزیاں، مچھلی وغیرہ سکھانے کے لئے۔

(ii) :- عمارتی لکڑیوں کی مصنوعات کو سکھانے کے لئے بھٹیاں۔

(iii) :- کپڑا اور شکر کی صنعتوں میں سکھانے والے کاموں کے لئے گرم ہوا۔

(۳) سولر ڈی سلائینیشن پلانٹس / سولر اسٹیل (قرنبیق) :-

(شمسی پلانٹ پانی سے نمک الگ کرنے کیلئے / شمشی آلات کشید...)

یہ پلانٹ نمکین پانی سے اور معدنیاتی نمکین پانی سے آب مقطر حاصل کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ شمسی آلات کشید میں، شمسی شعاع انگنی پانی کو مقطر کرتی ہے۔ اسٹیم (بھاپ) جو پیدا ہوتی ہے بعد میں اسے شمسی شعاعوں سے منجمد کر کے آب مقطر حاصل کیا جاتا ہے۔

اِس میں جو سرمایہ لگا ہوتا ہے - وہ ۵۰۰ - ۲۰۰ روپیہ تک فی لیٹر آب مقطر فی یوم ہوتا ہے - چونکہ اس میں ماڈیولر (معیار کے مطابق کمی بیشی ممکن بنانے والی) تعمیر سے کام لیا جاتا ہے - اس لئے ہر حجم اور ہر گنجائش و ضرورت کے مطابق تعمیرات ڈیزائن کی جاسکتی اور بنائی جاسکتی ہیں -

ماڈیول [1 - ایم ۲]

تجارتی طور پر دستیاب ہیں اور (۲ سے ۴) لیٹر آب مقطر فی یوم فراہم کر سکتے ہیں -

ممکنہ استعمالات :-

۱ :- لیبارٹریوں کے لئے آب مقطر -
۲ :- صنعت دواسازی کیلئے آب مقطر -
۳ :- اسٹوریج بیٹریوں کے لئے آب مقطر -
۴ :- ساحلی گاؤں کو پینے کے پانی کی فراہمی -

(۴) شمسی ریفریجریشن پلانٹس

یہ پلانٹس ۱۰° ڈگری سی سے ۴۰° سی تک کی حرارت کے کولڈ اسٹوریج فراہم کر سکتے ہیں - سورج کی گرمی مجتمع کی جاتی ہے اور ریفریجریشن "سائیکل" کو جاری رکھنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے -

(۱) :- کولڈ اسٹوریج، پھلوں، سبزیوں، دودھ اور مچھلی کے لئے -
(۲) :- ڈرگس (عقاقیر، دواؤں) کے لئے کولڈ اسٹوریج
(۳) :- بلڈنگوں میں ائیر کولنگ

(۵) شمسی تالاب

یہ ایک تالاب ہوتا ہے جس کی تہ میں نمک بیٹھ جاتی ہے - ایسے تالاب میں شمسی شعاع افگنی کو جذب کرایا جاتا اور ایک الٹا رخ ٹمپریچر گریڈیئنٹ نصب کیا جاتا ہے - گرمی، تالاب کے نچلے حصے میں جمع ہو جاتی ہے جہاں پانی کا ٹمپریچر ایسی سطح پہ جا پہنچتا ہے جو تقریباً ۳۰° - ۲۰ ڈگری "سی" اوپری سطح کی بہ نسبت بلند ہوتا ہے - ٹمپریچر کا یہ فرق ریفریجریشن "سائیکل" کو چلانے کے لئے یا ہیٹ اکسچینجر کے استعمال کے ذریعے گرم پانی حاصل کرنے کے لئے استعمال میں لیا جاسکتا ہے -

ممکنہ استعمالات :-

(۱) :- پانی گرم کرنے کے لئے
(۲) :- کولڈ اسٹوریج کے لئے
(۳) :- مقامی استعمال کے لئے چھوٹے پیمانے پر پاور پیدا کرنے کے لئے -

(۶) سولر تھرمو - الیکٹرک جنریٹرس

اِن سسٹموں میں، ریفلیکٹروں کے استعمال کے ذریعے شمسی شعاع افگنی کو ایک مرکز پر لایا جاتا ہے - تاکہ اسٹیم (بھاپ) پیدا کی جائے جسے بعد میں ٹربائنوں کو چلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے - اگر سسٹم کی ڈیزائننگ مناسب طور پر کی جائے تو ۱۰۰° سی کی حرارت تک پہنچا جاسکتا ہے -

ممکنہ استعمالات :-

(۱) :- پاور کی تولید
(۲) :- اسٹیم (بھاپ) کی تولید

(۷) :- شمسی کوکرس :-

شمسی کوکر، شمسی توانائی جذب کرتا ہے اور اُسے اس طرح گھیر لیتا ہے کہ باکس میں موجودہ حرارت کو ۱۰۰° سی سے زیادہ تک بڑھایا جاسکتا ہے - یہ حرارت کھانا پکانے کے لئے موزوں ہے - ملک میں فیملی سائز اور کمیونٹی سائز کے شمسی کوکر دستیاب ہیں - پکانے میں صرف ایک سے دو گھنٹے تک صرف ہوتے ہیں اور کھانے کی کوالیٹی اونچے درجے کی ہوتی ہے -

۸) سولر فوٹو والٹیکس

شمسی (فوٹو والٹیک) سیل
لیے یہ بات عین ممکن ہے کہ شمسی شعاع افگنی بالراست
ال کرکے بجلی کی تولید کی جاسکے۔ شمسی سیلس کے
ں اور متوازی جوڑ بنا کر، مطلوبہ پاور کے حجم والے
سی پینل کی تعمیر کی جاسکتی ہیں۔ اس کے باوجود شمسی
سی کا خرچ روایتی بجلی کے خرچ سے ۱۰ گنا زیادہ ہوتا ہے۔
پر تحقیقاتی کوششیں جاری رکھی جائیں تو یہی خرچ جواب
سلں برس پہلے تقریباً ۱۰۰ گنا تھا۔ موجودہ وقت میں
دس گنا کم ہوچکا ہے۔ حالات بتاتے ہیں کہ شمسی
لٹیکس آگے چل کر اہم توانائی کا ذریعہ بن سکیں گے۔
بعض شمسی فوٹو والٹیک کی ترکیبیں
ل میں ہیں۔

۱) شمسی فوٹو والٹیک پمپ :-

شمسی پینل سے پیدا کیا گیا ڈی سی
لب پمپ چلانے کے لئے استعمال کیا جاچکا ہے۔
ہل الیکٹرانک لمیٹیڈ جو حکومت ہند کا ایک ادارہ
ن الحال ۳۰۰ ڈبلیو (۴۵ء۰ ہارس پاور) حجم والے
پمپ بنا رہی ہے اور یہ ۲۵،۰۰۰ روپے میں
ب ہے۔ یہ پمپ تقریباً ۱۰،۰۰۰ - ۳۰،۰۰۰ لیٹر پانی
تقریباً آٹھ میٹر کی بلندی تک اوپر پمپ کر سکتا ہے۔
ب اس سے زیادہ صلاحیت والے پمپ استعمال کے
تیاب ہونے لگیں گے۔

ممکنہ استعمالات :-

(i) :- پانی آب پاشی کے لئے
(ii) گاؤں میں پینے کا پانی فراہم کرنے کے لئے

۲) سولر فوٹو والٹیک روشنی کے سسٹم :-

شمسی فوٹو والٹیک پینلس

اسٹوریج، بیٹریز کو چارج کرنے کے لئے استعمال کئے جارہے
ہیں۔ اس قسم کی بیٹریاں دور دراز کے علاقوں میں فلورسینٹ
لیمپ کو جلانے کے لئے استعمال میں لائی جاسکتی ہیں۔ چونکہ
(زیر زمین ایندھنی وسائل کی تعمیر کا سلسلہ درمیان میں آتا ہے
اس لئے ایسا طریقہ ڈیزائن کیا جاسکتا ہے جس سے کسی
بھی تعداد میں لیمپ جلائے جاسکتے ہیں۔ ایک لیمپ سسٹم
کا خرچ تقریباً ۷۰۰۰/ روپے ہے۔ اس لئے ایک ایسا سسٹم
بنایا جاسکتا ہے جس سے تقریباً ۳۵۰۰۰ روپے میں ۸ لیمپ
جل سکیں۔

ممکنہ استعمالات :-

(۱) :- کمیونٹی لائٹینگ دور دراز قریوں میں
(۲) :- لائٹینگ یا روشنی جنگلاتی علاقوں میں۔

(۳) سولر فوٹو والٹیکس پاور کی پیداوار

مختلف استعمالات کے لئے دور دراز علاقوں
میں پاور کی ضروریات شمسی پینل کے ذریعے پوری کی جا
سکتی ہیں۔ خاص طور پر بیٹریوں کی چارجنگ کے ذریعے
بالراست استعمال بھی ممکن ہے۔

ممکنہ استعمالات

(۱) :- دور دراز کے علاقوں میں ٹی وی، ریڈیو،
وائرلیس مواصلات کی سہولتوں کیلئے پاور۔
(۲) :- بڑی مقدار میں استعمال کے لئے پاور۔
(۳) :- آٹوموبائل بیٹریز کی چارجنگ کیلئے۔
(۴) :- ہائیڈروجن تیار کرنے کے لئے

(ب) ہوا کے ذریعے توانائی

توانائی بذریعہ ہوا شمسی توانائی کی بالواسطہ
شکل ہے۔ شمسی شعاع افگنی کے ذریعے فضا کی غیر
یکساں تپش ہوا سے پیدا ہوتی ہے۔ نیز زمینی سطح کی بے قاعدگیوں
کی وجہ سے بھی۔ جملہ شمسی شعاع افگنی کا تقریباً ۲ فیصد
زمین کی فضا میں جذب ہوجاتا ہے۔ جو توانائی ہوا میں تبدیل



گاؤں میں توانائی کی بچت کے لئے "پون چکی"

ہو جاتی ہے۔ ہوا توانائی کا بہت زیادہ تغیر پذیر وسیلہ ہے یہ دن بھر میں، گھنٹہ گھنٹہ کے دوران تبدیل ہوتی ہے موسم موسم کے دوران تبدیل ہوتی ہے اور ایک مقام سے دوسرے مقام کے دوران تبدیل ہوتی رہتی ہے — ایسی حالت میں ہوا کا مطالعہ کرنا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔ ہوا کی توانائی کو ضبط میں لانا ممکن ہے۔ اس لئے کہ مختلف قسم کی مشینیں ہوا کے سلسلے میں تیار کی جا چکی ہیں۔

(۱) پانی پمپ کرنے والی پن چکیاں

اس قسم کی پن چکیاں رک رک کر چلنے والے پمپوں کے ذریعے پانی پمپ کرنے کے لئے چلائی جاتی ہیں۔ یہ پن چکیاں ۱۰-۴۰ کلومیٹر / گھنٹہ کی درمیانی رفتار سے ہوا کے زور سے چلتی ہیں۔ ہوا کی رفتار کے حساب سے پمپ کئے جانے والے پانی کی مقدار ۲۰۰۰-۱۰۰۰۰ لیٹر / دن ہوگی۔ پانی زیادہ سے زیادہ ۱۰۰ فٹ کی بلندی تک بذریعہ پمپ پھینکا جا سکتا ہے۔ پھر بھی پن چکی کم بلندی تک پانی کو پمپ کرنے کے لئے موزوں ہے۔ بہ حالت موجودہ پانی پمپ کرنے والی پن چکیاں جو دستیاب ہیں ان کی قیمت ۱۲۰۰۰/- روپے سے ۲۵۰۰۰/- روپے تک ہے۔

ممکنہ استعمالات

(۱) :- آب پاشی کے لئے پانی
(۲) :- پانی کی فراہمی پینے کے لئے
(۳) :- کافی مقدار میں پانی کی پمپنگ صنعتوں کے لئے
(۴) :- نمکین پانی کی پمپنگ، نمک کے فارموں کیلئے

(۲) ہوا کے ذریعے بجلی کے جنریٹرس

ہوا کے ذریعے بجلی کے جنریٹرس یا ہوائی ٹربائن کے استعمال سے ہوائی توانائی سے بجلی کی تولید کی جا سکتی ہے۔ فی الحال ہوا کے جنریٹرس بہت سے حجموں میں دستیاب ہیں۔ (۵۰ ڈبلیو - ۵۰۰ کے ڈبلیو) ان کے لئے ۱۵-۷۰ کلومیٹر / گھنٹے کی رفتار سے چلنے والی ہوا درکار ہوتی ہے — پاور کی تولید کے لئے ۷۰ - ۴۰ کلومیٹر / گھنٹے کی نسبت سے چلنے والی ہوا مذکورہ بالا حجم کے جنریٹروں کے لئے مناسب ہے۔ چونکہ پاور کا یہ وسیلہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اس لئے جو پاور پیدا ہوتا ہے وہ عموماً "گرڈ" کی خوراک بن جاتا ہے۔ بصورت دیگر اس جنریٹر کو کسی ڈیزل سیٹ کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے تاکہ پاور معرزہ مقدار میں حاصل ہو۔

ہوا کے بہت سے جنریٹروں کو ایک جگہ جمع کر کے ہوائی (جنریٹروں کا) فارم بنایا جا سکتا ہے۔ آج کل جو ہوائی جنریٹر ۵۰ کے ڈبلیو والے دستیاب ہیں ان کی قیمت تقریباً ۵ / لاکھ روپے ہے۔ بہت زیادہ ہوادار مقامات پر نصب کردہ پاور جنریٹروں کی قیمت ایک لاکھ - ۱۶۰۵ لاکھ فی یونٹ ہوتی ہے۔



کسفورڈ لکشمی چولہا اور مہاراشٹر میں ہمیشہ استعمال ہونے والے چولہے۔

ممکنہ استعمالات :-

۱ :- کثیر مقدار میں پاور کی تولید "گرڈ" کی خوراک کے لئے۔
۲ :- مقید پاور کی تولید۔
۳ :- دور دراز مقامات میں بیٹری چارجنگ۔

(ج) بائیو۔ انرجی

زمین پر پودوں کی نشو ونما شمسی شعاع انگی پر منحصر ہے۔ ان کی تبدیلی کا پروسیس فوٹو سینتھیس کہلاتا ہے۔ درخت، گھاس، اناج، اور پھل سب اسی پروسیس کی پیداوار ہیں۔ ان سب کو بالراست یا تبدیل شدہ شکل میں توانائی کے حصول کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بائیو انرجی توانائی کے وسیلے کی ایک نہایت اہم شکل ہے۔ بالخصوص ان مقامات میں جو دیہی علاقوں پر مشتمل ہیں۔ بائیو۔ انرجی کے زیادہ سے زیادہ استعمال کے لئے موجودہ وسائل اہمیت رکھتے ہیں۔

۱ :- توانائی کے باغات
۲ :- زراعتی چھانٹن وغیرہ
۳ :- زرعی و صنعتی چھانٹن اور ردی چیزیں
(۴) :- شہری ردی اشیاء
(۵) :- حیوانوں کے گوبر وغیرہ

متعدد ٹکنالوجیاں ان بچے کچے ٹکڑوں کو زیادہ سے زیادہ استعمال کر کے توانائی میں تبدیل کرنے کے لئے پیش کی جا چکی ہیں۔

(ا) بائیو... گیس پلانٹ

ہمارے ملک میں دو مکعب میٹر سے ۸۵ مکعب میٹر سائز کے درخت تجارتی طور پر دستیاب ہیں۔ اور اس سے بڑی سائز کے بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ متھین کی تولید کے لئے جانوروں کے گوبر، سیوتیج، ہیا سینتھ جیسے آبی پودے، اناج اور پھلوں کی پروسیسنگ کرنے والی صنعتوں سے نکلنے والے چھانٹن وغیرہ، ڈسٹلری کے بچے کچے مادے، کوڑا کرکٹ وغیرہ سے بائیو گیس پلانٹس اختیار کئے جا سکتے ہیں۔ بائیو... گیس پلانٹس دو طرح سے کار آمد ہوتے ہیں۔ اوّل تو متھین گیس کے لئے دوسرے اچھی کھاد کے لئے۔ بائیو گیس کے لئے ۱۵۰۰/- روپے سے ۴۰۰۰/- روپے تک فی مکعب میٹر گنجائش والے پلانٹس میں کی گئی سرمایہ کاری دو سے پانچ برس کے اندر وصول ہو جاتی ہے۔ ڈیریوں، سیوتیج کے فضلوں کے لئے

اور ڈسٹلریز کے لئے بڑی سائز کے بایو گیس سسٹم بنائے جاسکتے ہیں۔

ممکنہ استعمالات

(۱) :- بایو گیس پکانے کے لئے
(۲) :- بایو گیس روشنی کے لئے
(۳) :- بایو گیس انجنوں کے لئے
(۴) :- بایو گیس پاور پیدا کرنے کے لئے

(۲) ایندھنی لکڑیوں کے چولہے

دیہی علاقوں میں، پکانے کے لئے توانائی کا بڑا ذریعہ ایندھنی لکڑی ہے۔ روایتی چولہے عموماً ۱۰ فیصد تھرمل کی خوبی رکھتے ہیں۔ ملک میں متعدد قسم کے چولہوں کے نئے ماڈل خوب سے خوب تر بنائے گئے ہیں۔ جن کی تھرمل خوبی اور صلاحیت ۱۵ سے ۳۰ فیصد تک ہے۔ ایسے ماڈلوں کو اگر بڑے پیمانے پر اختیار کر لیا جائے تو ایندھنی لکڑی کی کافی بچت ہوسکتی ہے۔ فی الحال ایندھنی لکڑی کے چولہوں پر ایک قومی پروگرام عمل درآمد کے مراحل میں ہے۔

ممکنہ استعمالات

(۱) :- دیہی علاقوں میں گھروں، ہوسٹلوں، ہوٹلوں اور مہمان خانوں میں پکانے کے لئے۔

(۳) بایو- ماس گیس مہیا کرنیوالی

ایندھنی لکڑی اور پوستہ بایو- ماس جب مربوط و منضبط حالات میں جلائے جاتے ہیں تو آتش گیر گیس پیدا کرتے ہیں۔ اس گیس میں کاربن ڈائی آکسائیڈ، ہائیڈروجن اور موتھین مخلوط ہوتے ہیں۔ جو مجموعی گیس کا ۲۰-۴۰ فیصد ہوتے ہیں۔ یہ گیس گرمانے، ڈیزل انجن کے چلانے یا جنریٹر کے چلانے میں استعمال کی جاسکتی ہے۔ اگر اسے جزوی طور پر گیس آور بنایا جائے تو اس سے کوئلہ پیدا ہوسکتا ہے۔ ڈیزل انجن میں اس کا استعمال کیا جائے تو یہ گیس ۶۵-۹۰ فیصد ڈیزل کا بدل ہوسکتی ہے۔ ایک گیس بنانے والا ۷ ہارس پاور کا انجن تقریباً ۳۰,۰۰۰/- روپیہ میں ملتا ہے اور ایک گیس بنانے کی صلاحیت رکھنے والا جنریٹر، جو ۱۰۰ کیلو واٹ کی صلاحیت رکھتا ہو۔ تقریباً ۵۰,۰۰۰/- روپیہ قیمت رکھتا ہے۔ بایو- ماس کے استعمال کی مقدار



ڈاپچری میں توانائی پیدا کرنے والا ایک جنریٹر۔

ب کیلوگرام فی K.W.H پاور آؤٹ پٹ ہوتی ہے۔

ممکنہ استعمالات

(i) :- گھریلو استعمال کے لئے گیس
(ii) :- صنعتوں کے لئے گیس
(iii) :- انجنوں کے لئے گیس
(iv) :- پاور کی پیداوار
(v) :- کوئلہ کی پیداوار

(۴) بایو - ماس - راکھ کا ڈلا

غیر ٹھوس بایو - ماس، جیسے پتے، چھلکے، بھوسا، گنے کا کھوجڑ، زرعی چھانٹن اور ڈنٹھل، سیپیاں، وغیرہ، ٹھوس اور ڈلے کی طرح بنائے جا سکتے ہیں۔ اس طرح کے ڈلے ایندھنی لکڑیوں اور کوئلوں جیسی خاصیتیں رکھتے ہیں۔ ان کو جلا کر سیدھے ہی کوئلہ یا گیس پیدا کی جا سکتی ہے

ممکنہ استعمالات

۱ :- گھریلو استعمال کے لئے ڈلے
۲ :- صنعتوں میں استعمال کے لئے ڈلے
۳ :- گیس پیدا کرنے کے لئے ڈلے

(۵) بایو - ماس - لکویفائر

تخمیری اور آتش پذیری عمل کے ذریعے بایو - ماس کو الکحل میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ الکحل سے توانائی کا کام لیا جا سکتا ہے۔ اسے انجنوں میں اور آٹوموبائلوں میں پٹرول اور ڈیزل کے بدل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(د) ہائیڈل پاور

ھائیڈل پاور مسلمہ طور پر ایک قابل تجدید وسیلۂ توانائی ہے۔ منضبط حالات میں پانی کی کینیٹک انرجی (توانائی باحرکت) کا استعمال ٹربائنوں کے چلانے کے لئے کیا جاتا ہے تاکہ پاور پیدا ہو۔ بڑے ہائیڈل پاور اسٹیشنوں کے لئے آبی ذخائر اور پانی کے بہاؤ کے لئے بہترین اور ہر طرح مکمل انتظام کا ہونا ضروری ہے۔

ادھر کچھ عرصے سے ہائیڈل پاور کو چھوٹے پیمانے پر استعمال کرنے کی ترکیبیں پیدا کرنے کی کوششیں لوگوں کو اپنی طرف راغب کر رہی ہیں۔ اب مناسب ٹیکنالوجیاں دستیاب ہیں۔ جن کا بیچارا اور وسیع پیمانے پر استعمال کیا جانا ضروری ہے۔

منی اور مائیکرو - ہائیڈل پاور پلانٹس :-

ھائیڈل پاور کے ۵ کے ڈبلیو سے ۵ ایم ڈبلیو کی صلاحیت والے ہائیڈل پاور پلانٹ اس زمرے میں شمار ہوتے ہیں۔ ان ٹربائنوں کو کم بلندی پر پانی پہنچانے اور نہروں اور ندیوں کے بہنے والے پانی پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے پلانٹوں کو موسمی آبشاروں اور پانی کے چشموں سے پانی حاصل کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس پاور کو بالراست مقامی استعمال میں یا "گرڈ" کے لئے کام میں لیا جا سکتا ہے۔

ہائیڈرام اور فیولیس پمپ

ان ترکیبوں سے پانی کی بالراست پمپنگ کے لئے ہائیڈل پاور کی کم مقدار خرچ ہوتی ہے۔ ان کے ذریعے پانی ۱۰۰ فیٹ کی بلندی تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس ترکیب کو پمپنگ کے ذریعے آب پاشی کے لئے اور قریوں میں پینے کا پانی پہنچانے کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے

ھ :- سمندری توانائی

سمندری بنیاد پر توانائی مستقبل میں اختیار کرنے کے لئے اہم شئے ہے۔ مناسب ٹیکنالوجیوں کو ترقی دی جا رہی ہے۔ اس وسیلے سے کام لیا جا سکے۔ بعض امید افزا

ٹیکنالوجیاں نیچے مذکور رقبوں میں ہیں :-

(ا) :- تموجی توانائی

سطح سمندر پر موج ہمیشہ رہا کرتے ہیں — موجوں میں جو کینیٹک انرجی (آبی توانائی) ہوتی ہے اُسے پریشرائزڈ ہوا کی شکل میں اسٹور کیا جاسکتا ہے جیسے باری باری سے ٹربائن کو چلانے اور پاور کی تولید کے لئے استعمال میں لایا جاسکتا ہے -

(۲) مدّوجزر (جوار بھاٹے) کے ذریعے توانائی :-

مدّوجزر کے وقت موجوں کی سطح کے درمیان جو فرق پیش آتا ہے وہ عموماً ۳ سے ۶ میٹر تک کا ہوتا ہے - اگر دریائی پانی کو کسی کھاڑی میں جوار کے دوران جمع کرلیا جائے اور بھاٹا کے درمیان اسے چھوڑا جائے اس طرح ٹربائن کو چلانا ممکن ہوسکتا ہے جس سے پاور کی تولید ہوسکتی ہے -

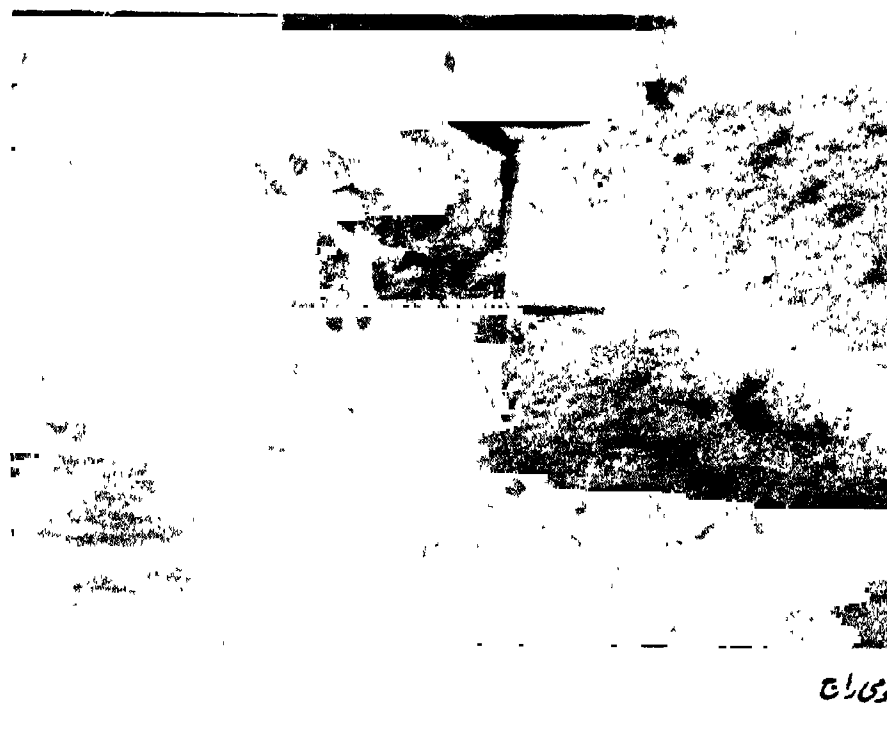
(۳) اوشن تھرمو - الیکٹرک کنورشن (اوٹیک)

اس تصوّر کی بنیاد ٹمپریچر کے اس فرق سے فائدہ حاصل کرنے پر ہے - جو پانی کی سطح گرم اور پانی کی سطح سرد (۱۰۰۰ میٹر یا اس سے زائد گہرائی میں) کے درمیان ہوتی ہے تاکہ اس کے ذریعے گرمی کا ایک ایسا سائیکل یا چکر (رانکین سائیکل) چلایا جائے جس سے بجلی کی تولید ہوتی ہے - "اوٹیک سسٹموں کے ذریعے مستقل پاور کی پیداوار ممکن ہے - اوٹیک سسٹموں پر تجربات کیے جارہے ہیں -

۹ - جیو - تھرمل توانائی

جیوتھرمل توانائی کے وسائل وہ مرتکز شدہ داخلی تھرمل توانائیاں ہیں جو زمین کے بطن میں ... سطح زمین کے نیچے ... چٹانوں اور سیال پانی کی شکل میں قابل دسترس گہرائیوں میں مجتمع ہیں - یہ تھرمل توانائی دراڑیں

سنٹر تعلقے میں
کوٹلے مقام پر
ود ڈگینی فائر



ئے یا مسامات دار چٹانوں میں گرم پانی کی بند ہو کر ہ جانے والی اسٹیم یا بھاپ کی شکل میں ہوتی ہے۔ جیو تھرمل ِاتائی کی قدرتی نکاسیوں کی بعض صورتیں وہ گرم پانی کے چشمے ہیں جو کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔

جیو تھرمل توانائی کو کسی طرح روک کر، باقاعدگی کے ساتھ پاور کی تولید کے لئے یا گرمی کو براست کام میں لاکر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جیو تھرمل توانائی کے استعمال کے لئے آزمودہ اور معاشی طور پر قابلِ عمل ٹیکنالوجیاں موجود ہیں۔

ممکنہ استعمالات

۱ :- پاور کی تولید
۲ :- عمارتی لکڑی، مچھلی اور پھلوں کو خشک کرنا
۳ :- کولڈ اسٹوریج۔ پھلوں اور سبزیوں کے لئے
۴ :- تازہ پانی بذریعہ تقطیر
۵ :- معدنی پانی کو بوتلوں میں بھرائی
۶ :- کھلی جگہ کو گرم رکھنا
۷ :- شراب بنانا اور خمیر اٹھانا
۸ :- دودھ کا پاسچرائزیشن

ی : دیہاتوں کے لئے توانائی کے مربوط سسٹم :-

جبکہ گھریلو، زرعی، صنعتی اور سروس سیکٹروں میں متعدد ٹیکنالوجیاں انفرادی طور پر استعمال کی جا سکتی ہیں۔ اجتماعی طور پر ان ٹیکنالوجیوں کو استعمال کرنے کے امکانات دیہاتوں میں موجود ہیں جن کی توانائی کی بابت تمام ضروریات پوری کی جا سکتی ہیں اور دیہاتوں کو توانائی کے بارے میں خود کفیل بنایا جا سکتا ہے۔

اس طرح دیہاتوں کے لئے توانائی کے مربوط سسٹمز میں حسبِ ذیل شامل کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) :- توانائی سے مربوط باغات
(۲) :- ترقی یافتہ چولہے
(۳) :- شمسی کوکرس
(۴) :- شمسی فوٹو۔ وولٹیک روشنی کے سسٹمز اور پمپس۔
(۵) :- پن چکیاں، پانی کی پمپینگ اور پاور کی تولید کے لئے۔
(۶) :- بایو۔ ماس گیسیفائر انجن
(۷) بایوگیس پلانٹس (انفرادی اور کمیونٹی ٹائپ کے)
۸ :- شمسی خشک کرنے کے سسٹمز

مقامی حالات کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ ٹیکنالوجیوں کو یکجا کیا جا سکتا ہے۔ ان سسٹمز کی کامیابی کا انحصار تمام مقامی افراد کی پوری شرکت اور ہم خیالی پر ہے۔ ٹیکنالوجیوں کے رکھ رکھاؤ کے لئے مؤثر ٹیکنیکل تائید و مدد کی تعمیر بھی ضروری ہے۔

آبادی، پھیلاؤ، سماجی و معاشی حالات، اور زندگی بخش ٹیکنالوجی کی ترقی میں مختلف وسائل توانائی کی دستیابی اور میلان کو دیکھتے ہوئے، بہت ضروری ہے کہ ہمارا شہر نئے اور غیر رواجی توانائی کی ترکیبوں کو بڑھاوا دینے کی بھی کوشش کرے۔ بہت سی اختیار کئے جانے کے لائق نت نئی ٹیکنالوجیاں دستیاب ہیں اور ابتداءً اس کا جو اثر لوگوں پر ہوا ہے وہ کافی حوصلہ افزا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ اس پروسیس کو مربوط کیا جائے۔!

ایس۔ کے۔ سگنے
ڈائریکٹر جنرل،
ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن
اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر۔

بائیوگیس: اِمدادِ باہمی شکر کارخانہ جات کا کلیدی رول

روزمرہ توانائی کی بڑھتی ہوئی مانگ روایتی توانائی پر اثر انداز ہوئی ہے۔ خاص طور سے یہ بات ۱۹۷۳ء کے بعد بہت زیادہ واضح ہو کر سامنے آئی ہے۔ دنیا کی توانائی استعمال میں لانے کی استعداد ۱۹۸۵-۹۰ء تک ۳ فی صد ہو جائے جبکہ ۱۹۸۰ء ۱۹۷۰ء میں ۲۶۳ فی صد تھی۔

بڑھتی مانگ سے قیمت بھی بڑھی ہے اور بڑھنے کی امید ہے۔ اس وجہ سے خانگی یا علاقائی توانائی سپلائی کو زیادہ سے زیادہ مقبول بنانے کی کوشش ہر جگہ جاری ہے اور اس سلسلے میں کئے گئے اقدام صنعت، ٹرانسپورٹ اور گھریلو استعمال میں توانائی کی ضرورت کے لئے فائدے مند ثابت ہو رہے ہیں۔ بائیوگیس کا استعمال گھریلو ضروریات پوری کرنے میں اہم رول ادا کر رہا ہے۔

روایتی توانائی کے استعمال سے ہٹ کر غیر روایتی توانائی کے استعمال کو مقبول بنانے کا کام ترقی پذیر ملکوں میں تیزی سے ہوتا ہے لیکن غیر روایتی توانائی سستے داموں مہیا نہ ہونے کی وجہ سے دیہی ترقیات کا کام اکثر پیچھے رہ جاتا ہے۔ توانائی کا استعمال فی کس (Per capita) کتنا ہوتا ہے اس سے ہم اس جگہ کی ترقی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہندوستان میں توانائی کا استعمال فی کس ۲۱۰ کلوگرام کوئلے کے برابر ہے چین میں ۶۱۸ اور پاکستان میں ۲۲۴، گھانا میں ۲۶۸، سینیگل میں ۲۶۴ اور زمبابوے میں ۷۸۷، ملیشیا ۱۲۲۱ ہے۔
(۱۹۸۰ء ورلڈ ڈیولپمنٹ رپورٹ ۱۹۸۳ء سے ماخوذ)



بائیوگیس گھریلو عورتوں کے لئے ایک نعمت۔

زین ذریعہ

توانائی کا بہترین ذریعہ وہی ہے جو علاقائی ماخذ سے حاصل
با سنے۔ دیہی علاقوں میں جانوروں کے فضلے سے توانائی حاصل
باتی ہے کیونکہ جانوروں کا فضلہ بطور ایندھن استعمال میں لا یا
ا ہے یا اسے کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

بائیوگیس پروگرام میں کھاد بنانے کا پہلو بھی ہے۔ ہندوستان
، زراعتی ملک ہے اور ۳۷ فی صد گھریلو پیداوار زراعت
بتی ہے۔ اور ۱۲۵ ملکوں میں بھارت کا مقام نیچے
، اوپر جاتے ہوئے آرڈر میں ۱۷ ہے۔ (ورلڈ ڈیولپمنٹ
رٹ ۱۹۸۳ء کے مطابق) جسے ورلڈ بینک نے چھاپا تھا۔)
انکہ ۶۹ فی صد آبادی زراعت پر بسر اوقات کرتی ہے۔
زراعتی اراضی سے حاصل ہونے والی آمدنی دوسرے ممالک
مقابلے میں کم ہے کیونکہ فی ایکڑ چاول کی پیداوار ہندوستان
۲۰۵۸ کلوگرام ہے جبکہ آسٹریلیا میں فی ایکڑ چاول
پیداوار ۱۷۹ ۔ کلوگرام، جاپان میں ۵۹۲۹ کلوگرام اور
روس میں ۴۴۵۰ کلوگرام ہے۔ جوار کے لئے بھی ہندوستان
فی ایکڑ ۱۹ ۔ کلوگرام ہے جبکہ ارجنٹینا میں یہ تناسب ۲۵۹۵
کلوگرام، اٹلی میں ۵۶۰۶ کلوگرام اور پیرو میں ۳۲۲۱ کلوگرام
ہے۔ گنے کی پیداوار میں ہندوستان کا مقام دنیا بھر میں دوسرا
ہے لیکن فی ایکڑ پیداوار بہت کم ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ
اراضی کا استعمال ہمارے یہاں کیسے ہوتا ہے۔ اس کی ایک اور وجہ
یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہمارے یہاں زراعت کے لئے اعلیٰ ساز وسامان
مہیا نہیں ہے۔ کھاد بھی معیاری نہیں ہوتی اور کم ہوتی ہے۔ ۳۰ کلو
فی ایکڑ کھاد استعمال کی جاتی ہے جبکہ نیدر لینڈ میں ۳۸۴ کلو
اور جنوبی کوریا میں ۲۱۲ کلو، مصر میں ۱۴۷ کلو اور سری لنکا
میں ۶۱ کلو فی ایکڑ کھاد کا استعمال ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
وہاں کی فی کس آمدنی بھی ہندوستان سے زیادہ ہے۔

بائیوگیس کے استعمال سے حاصل کردہ نائٹروجن کی بنا پر
زمین کی زرخیزی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بائیوگیس نہ
صرف توانائی کے نقطۂ نظر بلکہ زرعی پیداوار میں اضافے کو بھی سامنے
رکھ کر کاشتکاروں کی آمدنی میں اضافے کی خاطر بہترین ذریعۂ
توانائی قرار دیا گیا ہے۔ بائیوگیس پلانٹ کو چھوٹے کھاد بنانے
کے کارخانے اور کسان کے لئے توانائی کا ماخذ مانا گیا ہے۔



ر بغی سنجیو جگدیو راؤ سروتے
پنچ تلسی راؤ گیس پلانٹ سے
دہ اٹھانے والے ایک فرد کے ساتھ۔
گاؤں میں ۵۱ بائیوگیس پلانٹس
رکئے گئے ہیں جو کہ ہندوستان میں
ب سے زیادہ تعداد میں ہیں۔

اہمیت

ترقی پذیر ممالک ان تمام ذرائع سے استعمال کو ترجیح دیتے ہیں یا اسی قسم کی کسی مساوی توانائی کے استعمال کے ذرائع کو نیشنل بائیو گیس ڈیولپمنٹ (NPBD) نے ۲۴ لاکھ بائیو گیس پلانٹس چھٹے منصوبے کے دوران کھولے تھے جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو مگر اس کے لئے امداد باہمی بنکوں کا تعاون قابلِ ذکر ہے۔

بائیو گیس سے توانائی اور کھاد کے علاوہ بھی دیگر فوائد ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے فضلے کی کیمیائی ضخامت کم ہو جاتی ہے۔ ۳۰ سے ۵۰ فی صد تک اور اس پر مکھیاں بھی نہیں بیٹھتی ہیں۔ اس کے باوجود اس پر جو قیمت صرف ہوتی ہے وہ پھر بھی زیادہ ہے۔ ایک چھوٹے کسان کے لئے اس وجہ سے اگر پلانٹ کو بڑھا دیا جائے گا تو لاگت بھی کم ہو جائے گی جیسا کہ سروے کیا گیا ہے کہ فی کلو واٹ توانائی پر ۵۶۰۰ سی ایف ٹی یومیہ پلانٹ اور ۶۰ سی ایف ٹی یومیہ پلانٹ پر بالترتیب ۹۵۴ء۴ پیسے اور ۸۶۵۷٫۲ پیسے چنانچہ یہ مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہوگا جبکہ سستے پلانٹ نہیں لگائے جائیں گے اور سرکاری امداد کے ساتھ ساتھ دیگر اداروں کا تعاون بھی درکار ہے اور اس ضمن میں امداد باہمی شکر کارخانہ جات کلیدی رول ادا کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے دیہی نقشہ ہی بدل سکتا ہے جہاں تک کہ اکولوجیکل توازن اور زرعی پیداوار کا تعلق ہے مہاراشٹر میں امداد باہمی کارخانہ جات کے ذریعے دیہی عوام کے معیارِ زندگی میں مختلف اسکیموں کے ذریعے زبردست تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔

بعض امداد باہمی شکر کارخانے بعض جگہوں پر اچھا کام کر رہے ہیں مگر اچھا نتیجہ برآمد کرنے کیلئے ان کارخانوں کو چو طرفہ کوشش کرنی چاہیئے۔ اور بعض نکات جو کہ یہاں بیان کئے جا چکے ہیں ان پر عمل درآمد کرنا چاہیئے۔

دانشمند کسانوں کو تو اس اسکیم کی ترغیب دی جا سکتی ہے اور وہ پیسے خرچ کر کے اپنے لئے بائیو گیس کارخانہ بھی جاری کر سکتے ہیں اگر انھیں قرض وغیرہ کی سہولتیں بینک سے ملیں۔ کیونکہ اس صورت میں بینک کو قرض واپس کرنا ان کے لئے زیادہ آسان ہوگا۔ مگر شکر پیدا کرنے والے علاقوں میں بھی دولت مند کسان کم ہی ہوں گے جو کہ ۵۰۰۰ یا ۶۰۰۰ روپے گوبر گیس پلانٹ کے لئے خرچ کریں۔ بینک سے قرض ملنے کی صورت میں ۴ سال میں ان کو روپے واپس کرنے ہوں گے اور سود کے ساتھ سالانہ قسط ۱۰۰۰ روپے ہوگی یعنی ۸۰ روپے ماہانہ جو کہ ایک کاشتکار کے لئے زیادہ ہے اور جانوروں کا فضلہ جبکہ مفت مہیا ہے۔ ان کے لئے کوئی ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ ان پر سے یہ بوجھ کم ہو سکے۔



۵۵ سالہ اکائی باقی چوسلے شیروڈ تعلقہ میں شیرلی مقام پر گوبر گیس چولہے سے کھانا پکاتے ہوئے۔

سبسڈی

آج کل مختلف سائز کے گوبر گیس پلانٹ کے لئے حکومت
ـہ کی جانب سے مقرر کردہ شرح پر سبسڈی دی جا رہی ہے جو
ـ بز ۲۰ کل خرچ کا ہوگا ۔ گوبر گیس پلانٹ کے فوائد چونکہ
راہِ راست ہیں بلکہ اس سے درختوں کو نقصان پہنچانے سے
چایا جاسکتا ہے ۔ گندگی وغیرہ کو دور کیا جا سکتا ہے ۔ اس وجہ سے
ـے حصہ بھی کاشتکاروں کی جانب سے دینے کیلئے ہچکچاتے ہیں
رض کی صورت میں قسط کے بوجھ سے بھی وہ گھبراتے ہیں ۔ اس
جہ سے سبسڈی کو اور زیادہ کر دینا چاہیئے یا اضافی سبسڈی مقرر
رنی چاہیئے جو کہ رضاکار اداروں کی جانب سے ہونی چاہیئے
ور یہ شکر امداد باہمی شکر کارخانہ جات علاقوں میں بڑی حد
ں ممکن ہے اور اس صورت میں چھوٹے کسانوں کو زیادہ امداد
ہنچائی جانے دولت مند کسانوں کے مقابلے میں ۔

سبسڈی یا تو نقد کی صورت میں یا جنس کی صورت میں
ـنی چاہیئے ۔ دیہاتوں کے لئے بایوگیس نئی ٹکنالوجی ہے اس وجہ
ے کم سے کم قیمت میں اگر ، انہیں مہیا کیا جاسکے اور
، اس وقت ممکن ہے جبکہ امداد باہمی شکر کارخانہ جات اپنا
عاون پیش کریں ۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب بھی کوئی اسکیم کو مقبول بنانا ہوتا ہے
ر پیکیج طریقۂ کار بھی اپنایا جاتا ہے ۔ اس وجہ سے ہر شکر کارخانہ
ں ایک سیل قائم کیا جانا چاہیئے تاکہ وہ ہونے والی بدعنوانیوں
ر نظر رکھ سکے ۔ سیل میں ایک یا دو ملازمین ہوں جو کہ کاشتکاروں
ی رہنمائی کیا کریں اور بایوگیس ٹیکنولوجی سے متعلق معلومات
راہم کریں ۔ دیکھ بھال کے پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا
ہے اور اس سلسلے میں " نہ نفع نہ نقصان " کی تھیوری پر
مل کیا جائے ۔

اس کے لئے تربیت یافتہ عملہ بھی ہونا ضروری ہے ۔ سرکار کے ساتھ رضاکار اداروں کو بھی چاہیئے کہ وہ اس سلسلے میں معماروں کی تربیت کے لئے کوشاں ہوں اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں تربیت یافتہ معمار ہوتے جائیں ۔ اس طرح سے نہ صرف اس علاقے میں ملازمت کا مسئلہ کسی حد تک حل ہوگا بلکہ اس علاقے کی آمدنی بھی بڑھ جائے گی اور امداد باہمی شکر کارخانوں کی امداد سے وہ کلیدی اہم رول ادا کرسکیں گے یہ دو طریقوں سے ہوسکتا ہے ۔ اول تو ملازمین کی تقرری سے کارخانوں کی تشکیل کے بعد یا پھر تربیتی اسکیم سے وہ جو کام کریں انہیں اس کا صلہ دیا جاتے ۔ اسی طرح کئی ایک کاشتکار اور تعلیم یافتہ نوجوان جو کہ خود کفیل نہیں ہیں اس اسکیم میں شریک ہو جائیں گے ۔

شکر کارخانہ جات علاقائی لیڈروں کو بھی اس پروگرام میں شریک کرسکتے ہیں کیونکہ علاقائی عوام پر ان کا اثر ہوتا ہے اور اسی طرح ان کا اس اسکیم کو قبول کرنا دوسروں کے لئے بھی قابل قبول ہوگا ۔

بایوگیس پلانٹس کو مقبول بنانے کے لئے باقاعدہ مہم چلائی جائے اور شعوری طور پر کوشش کی جاتے ۔

امداد باہمی شکر کارخانہ جات کے اگر ۲۵ فی صد کسانوں کو بھی رام کرلیں تو یہ کام بہت آسان ہوسکتا ہے اور چھٹے پلان کے نشانے کو ریاست میں شکر کارخانہ علاقے میں ہی پورا کیا جاسکتا ہے ۔

(تلخیص و ترجمہ ۔ فیروزہ فیاض خان)



★ ایس۔ایس۔تینیکر

بائیو۔گیس پروگرام

توانائی کے متبادل وسائل و ذرائع کی کھوج، بالخصوص ایسے ذرائع جنہیں دیہی علاقوں میں دستیاب بائیو۔گیس کے دوبارہ، سہ بارہ استعمال سے پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اس دہے میں خاص اہمیت اختیار کرچکی ہے۔ اور اس کی وجہ بڑے پیمانے پر جنگل کو کاٹ کر معمول زمین قرار دینا اور ملک میں انسانی معیشت میں اس کے سبب پیش آمدہ تبدیلیاں ہیں۔ دیہی علاقوں میں لکڑی بالخصوص توانائی کا اصل ذریعہ رہی ہے۔

گوبر اور بائیوگیس کے استعمال سے گیس کی تولید کو اور گذشتہ تین برس میں حکومت کی مالی مدد سے گوبر گیس پلانٹس کی تعمیر کو کافی بڑھاوا ملا ہے اور اس سلسلے میں استعمال کرنے والے کی مالی حالت سے کوئی سروکار نہیں رکھا گیا۔ غالباً دوسرا کوئی پروگرام ایسا نہیں ہے جس میں بہت مالدار دیہی خاندان کو بھی حکومت نے ویسی مالی امداد دی ہو۔ جیسی مالی امداد اس کی طرف سے بائیوگیس پلانٹ کی تعمیر کے لئے دی گئی ہے۔ وجہ ظاہر ہے کیونکہ حکومت چاہتی ہے کہ دیہی علاقوں میں اس ٹیکنالوجی کی حوصلہ افزائی بڑے پیمانے پر کرے۔

دیسی طور پر ترقی دی گئی بائیوگیس ٹیکنالوجی نے ضائع جانے والی نامیاتی اشیاء کو قیمتی ایندھن کے طور پر سازگار بنانے میں مدد دی ہے اور اس خوبی کے ساتھ کہ ان اشیاء کی، زمین کو زرخیز بنانے والی کھاد کی صنعتیں برباد نہیں ہوتیں اور نہ ضائع جاتی ہیں۔ بائیو۔گیس ایک کارآمد ایندھن ہے اور سستی بھی اور جانوروں کے چارہ کے بطور اس کا سازگار ہونا قابلِ تجدید بھی ہے۔ بائیوگیس پلانٹس سے پیدا ہونے والی کھاد، کیفیت و کمیت کے لحاظ سے، عام فا[رم] یارڈ کی کھاد کے مقابلے میں بہتر ہوتی ہے۔ بائیوگیس کا سماجی فا[ئدہ] یہ ہے:۔

(۱) :۔ ایندھن کے لئے درختوں کو بے سوچے سمجھے کا[ٹنے] میں کمی ہوتی ہے اور اس طرح جنگلات کو چٹیل میدان بنا نا[ر]ک جاتا ہے۔

(۲) :۔ گاؤں کی عورتوں اور بچوں میں پھیپھڑوں اور [گ]ـ کی بیماریوں میں مبتلا ہونے والوں کی تعداد میں کمی ہوتی جاتی ہے کیو[نکہ] پکوان گھر میں دھواں نہیں اٹھتا اور سانس کے ساتھ تازہ ہوا ملنے سے بہت سی بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے۔

(۳) دیہی علاقوں میں صحت کے طور طریقوں میں اضا[فہ] ہوتا ہے اور

(۴) پکانا آسان ہوجاتا ہے اور دیہاتی عورتوں کی زند[گی] صبح سے شام تک محنت و مشقت کرتے ہی نہیں گذرتی، بلـ[کہ] انہیں راحت ملتی ہے۔ تقریباً سب ہی سائز کے بائیوگیس پلانٹس سماجی اور معاشی طور پر زندگی پر اچھا اثر ڈالتے ہیں۔ پھر بھی ایندھ[ن]



نلی تھانے ہیرڈ بچی کے مقام پر بائیوگیس پروجیکٹ

سائل کی حفاظت کرنے کے متعلق قومی تصورات اور زراعت
ن نامیاتی فضلوں اور چھانٹوں کے دوبارہ، سہ بارہ استعمال
سان انفرادی طور پر ترجیح نہیں دیتے ۔ اس لئے ضرورت اس
ت کی ہے کہ حکومت آگے بڑھنے اور بایوگیس ٹیکنالوجی کی
قی و توسیع کے لئے اقدامات کرے ۔

بایوگیس کی ملک کے طول و عرض میں بڑے پیمانے
توسیع کے لئے حکومت ہند نے "بایوگیس قومی پروجیکٹ"
تحت ایک وسیع و عریض پروگرام مرتب کیا ۔ ۲۰ ۔ نکاتی پروگرام
ن، نیز چھٹے اور ساتویں پنج سالہ پلان میں شامل کردہ یہ ایک
م پروگرام ہے ۔ اس پروگرام کے تحت، پلانٹ کے مالک کو
ومت کی طرف سے مالی مدد دیتی ہے، جو تخمینی لاگت کے ٪۲۰
٪۵۰ کے درمیان ہوتی ہے ۔ یہ مدد حکومت ہند، پلانٹ
سائز کے حساب سے ایک مقررہ شرح کے مطابق دیتی ہے ۔
لی امداد کی موجودہ شرح حسب ذیل گوشوارے میں درج ہے

بایوگیس پلانٹ تربیت یافتہ معماروں کے
لیے تعمیر کئے جاتے ہیں ۔ تاکہ کوالٹی برقرار رہے ۔ اس غرض سے
ماروں کی تنظیم بنائی گئی ہے ۔ جو دیہاتی معماروں کو تعمیر اور رکھ رکھاؤ
ے سلسلے میں تربیتی کورس کے مطابق تربیت دیتی ہے ۔

۲۰ معماروں کو ۰ دن تک تربیت دی جاتی ہے ۔ اس ٹریننگ
کورس کی بدولت ٹیکنیکل تعلیم و تربیت پائے ہوئے لوگوں کی کافی

مرکزی حکومت کی امدادی رقم
(روپیوں میں)

پلانٹ سائز (مکعب میٹر)	درج فہرست قبائل چھوٹے طبقہ والی زمینوں کے کسان بے زمین مزدوروں سمیت	درج فہرست جاتیاں	تمام دوسروں کے لئے
۱	۲	۳	۴
۲	۲۳۵۰	۲۳۵۰	۱۵۶۰
۳	۲۸۶۰	۲۸۶۰	۱۹۰۰
۴	۳۲۲۰	۳۲۲۰	۲۱۴۰
۶	۳۹۲۰	۲۶۱۰	۲۶۱۰
۸	۴۶۴۰	۲۱۰۰	۳۱۰۰
۱۰	۵۵۴۰	۳۷۰۰	۳۷۰۰
۱۱	۸۱۵۰	۵۴۳۰	۵۴۳۰
۲۰	۱۰۹۶۰	۷۳۰۰	۷۳۰۰
۲۵	۱۲۲۸۰	۸۱۹۰	۸۱۹۰

تعداد، اس ریاست کے ہر بلاک میں تیار کی جا چکی ہے۔ تاکہ آئندہ حوصلہ افزا پروگراموں کی ان کے ذریعے تکمیل ہو سکے۔ اس کے علاوہ، تربیت یافتہ معمار یا ادارہ / ایجنسی جو بایوگیس پلانٹ کی تعمیر اس کی نگرانی کے تحت تعمیر کرنے اور دو سال کی گارنٹی دیتے ہیں۔ ہر بایوگیس پلانٹ پر ۳۰۰ روپیہ "ٹرن کی فیس" کے طور پر پاتے ہیں۔ دیہات کی سطح پر کام کرنے والا جو فائدہ گیر کو اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہر پلانٹ پر ۳۰/- روپیہ بطور ترغیبی رقم کے پاتا ہے۔

اس پروگرام پر عملدرآمد کے لئے ایک کثیر مقصدی ایجنسی اور کثیر مقصدی ماڈل کو ترغیب و تحریص کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ اس طرح مہاراشٹر میں اس پروگرام پر عملدرآمد "کی وی آئی سی" اور ریاستی حکومت کے ذریعے، ضلع پریشدوں کی مدد سے ہو رہا ہے۔ ان اسکیموں پر عملدرآمد کے لئے جن ایجنسیوں سے کام لیا جاتا ہے۔ انہیں بایوگیس پلانٹ کی تخمینی لاگت کا ۲٫۵٪ بطور سروس چارج ملتا ہے۔

عملدرآمد کرنے والی ایجنسیوں کے درمیان صحتمندانہ اور غیر تخریبی مقابلہ آرائی کے لئے حکومت ہند نے ترغیبی انعامات کا اعلان کیا ہے۔ یہ انعامات بہترین ضلع اور بہترین ریاست کی بنیاد پر "قومی سطح" کے انعامات اور بہترین ضلع اور بلاک کی بنیاد پر "ریاستی سطح" کے انعامات ہوا کرتے ہیں۔ ان ترغیباتی انعامات کے سبب پروگرام کو اچھا بڑھاوا ملا۔ سنہ ۱۹۸۵ء - سنہ ۱۹۸۴ء کا سال، ساتویں پنجسالہ پلان میں، زیادہ حوصلہ مندانہ پروگرام کا آغاز کرنے کے لئے تیاری کا سال قرار دیا گیا تھا۔ اس پروگرام کی بڑے پیمانے پر کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے مالی اور انتظامی کارروائیاں اختیار کی گئی تھیں۔ چنانچہ اب اعلیٰ کوالٹی والی تعمیرات، پلانٹ لگانے کے بعد رکھ رکھاؤ کی خدمتیں، کارگذاری کی نگرانی، پروگرام کی سماجی و معاشی اثرات کا مطالعہ اور پلانٹس کے نقائص کی مرمت جہاں ضرورت ہو، وغیرہ پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔

چھٹے پنج سالہ پلان میں حکومت ہند نے ۳۵،۰۰۰ بایوگیس پلانٹس کی تعمیر کا نشانہ مقرر کیا تھا۔ خوشی کی بات ہے کہ کامیابی اس نشانہ سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر حاصل ہوئی۔ جیسا کہ حسب ذیل گوشوارہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سال	نشانہ	حصول
۱۹۸۰-۸۱ء	۳۰۰۰	۲۷۶۸
۱۹۸۱-۸۲ء	۳۰۰۰	۳۰۶۱
۱۹۸۲-۸۳ء	۷۰۰۰	۸۹۳۹
۱۹۸۳-۸۴ء	۹۰۰۰	۲۴۰۰۹
۱۹۸۴-۸۵ء	۲۸،۵۰۰	۵۲،۵۳۸
	۵۰،۵۰۰	۹۱،۳۱۵



گوبر گیس پلانٹس دیہی علاقوں میں بہت مقبول ہو رہے ہیں۔

ہوائی توانائی کے پروجیکٹ کو وسعت دینے کے پروگرام

ہوا کے بارے میں ہر کوئی جانتا ہے۔ طوفانوں میں ہمیں ہوا کی طاقت اور تیزی کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ لیکن اس کے مثبت پہلو بھی ہیں، گہرے سمندر میں بادبانی جہاز، پمپینگ واٹر، اناج پھٹکنے کے کام دراصل ہوا کے ہی ذریعہ انجام پاتے ہیں۔ لیکن اب ان روایتی طریقوں پر نظرثانی کر کے ان سے نئے کام لئے جا رہے ہیں۔

گذشتہ دس سالوں سے تیل کا بحران ہے اور اس بحران کے خاتمہ اور متعدد تجارتی مقاصد کو ...رنے کے لئے ہوائی توانائی تیل کا ایک موثر نعم البدل ثابت ... ہے۔

ہمارے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہوا کیا ہے؟ ...ہ کس طرح سے ہمارے کام آسکتی ہے۔ جب تک ...ج قائم ہے، ہوا کرۂ ارض پر چلتی رہے گی۔ ہوائیں روزانہ ... خطوں کی طرف سے سرد خطوں میں سفر کرتی ہیں، اور ...ں حرکت (cycling) سے پیدا ہونے والی ہوا، ... توانائی ہے۔ سورج، سمندر، صحرا، پہاڑ اور نباتات ...، یہ ہوائی توانائی کی تولید میں مشترکہ طور سے حصہ لیتے ہیں۔

ہوائی توانائی ضروری :-

اس بات کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ ...ں کے اردگرد ہوا کی طاقت کتنی ہے۔ ہم صرف اس کا ...زہ لگا سکتے ہیں جو ۱۰۱۳ میگا واٹ ہے۔ ہم اپنے تجارتی ...صد کے لئے محض ایک فیصد بھی استعمال میں لائیں تو ...م ذرائع سے حاصل ہونے والی موجودہ توانائی سے ہوائی ...ی کئی گنا زیادہ ہوگی۔

ان اعداد و شمار کے ذریعے ہم ہوائی توانائی کے استعمال کا ایک خاکہ ہی پیش کر سکتے ہیں۔ جس کی تفصیلات درج ذیل ہیں

(۱) ہوا ایک علاقہ سے دوسرے علاقے اور ایک مہینے سے دوسرے مہینے تک اور دن کے ۲۴ گھنٹوں کے دوران گردش کرتی ہے۔

(۲) ہوا کے رُخ اور اس کی رفتار اس کی طاقت پر اثر انداز ہوتی ہے۔

(۳) ہوا، پولار اور غیر معتدل علاقوں میں زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ چٹیل میدانی علاقوں کی بہ نسبت ہوا عام طور پر سرد علاقوں اور پہاڑی علاقوں میں زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔

(۴) کم ٹھوس اور غیر متوازن ہوا بڑی مشین کے ذریعہ توانائی بنانے میں معاون ثابت نہیں ہوتی ہے اور مہنگی بھی ہوتی ہے۔

(۵) توانائی کی مشین کو کوئلہ، تیل یا نیوکلیائی طرز کی مشینوں کی طرح آلودگی سے پاک ہونا چاہیئے۔ اسی طرح مشین کو ہائیڈرو الیکٹرک اسٹیشن کی طرح بڑے علاقہ کا احاطہ نہیں کرنا چاہیئے۔

(۶) ہوائی توانائی کی طاقت کو کم کیا جا سکتا ہے

قومی راج

کا محور ہوا کی سمت کے متوازی ہوتا ہے۔ ایسی مشینوں میں پنکھے اوپر کی طرف لگے ہوتے ہیں۔ پنکھوں کی تعداد دو سے بارہ تک ہوتی ہے اور ان پنکھوں کے محور کو ہوا کا رخ دیکھ کر تبدیل کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ایک لمبی دُم کا استعمال کیا جاتا ہے۔ گردش کرنے والی مشین کے پنکھے عموماً براہ راست (ایک پمپ کی طرح یا ایک جنریٹر کی طرح) دستے سے جڑے ہوتے ہیں۔ عام طور سے ہورینزونٹل ایکسیس وائنڈ ملز (افقی محوری پن چکی) کا استعمال واٹر پمپنگ اور پاور جنریشن کے کام کے لئے کیا جاتا ہے۔

۲:- ورٹیکل ایکسیس وائنڈ ملز

(عمودی محوری پون چکی)

اس قسم کی پون چکی مل کے محور پر گردش کرنے والے پنکھے اس کی چوٹی پر لگے ہوتے ہیں اور وہ ہوا کے رُخ پر کام کرتے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے پنکھے ہوا کے رُخ پر خود بخود گھوم جاتے ہیں۔ جس سے گردش کرنے والی مشین کو ٹھیک کرنے کے کام کے لئے جو وقت درکار ہوتا ہے اس کی بچت ہو جاتی ہے۔ ورٹیکل مشین میں (ایس S) شکل کے پنکھے ہوتے ہیں اور اسے "ساونیس" قسم کی "پون چکی" کہتے ہیں۔ یہ پون چکی آسانی کے ساتھ بنائی جا سکتی ہے اور اسے آسانی کے ساتھ چلایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس قسم کی مشین سے بڑی تعداد میں ہوائی توانائی حاصل نہیں کی جا سکتی ہے اور اس مشین میں دو یا تین پنکھے لگائے جاتے ہیں۔

گذشتہ دہائی میں ہوائی توانائی کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لئے پون چکی ملوں کی ایک بڑی تعداد میں سر ا پیدا کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں درپیش مسائل پر توجہ دی گئی ہے تاکہ پون چکی کا زیادہ سے زیادہ استعمال واٹر پمپنگ اور بجلی کی پیداوار حاصل کرنے کے طور پر غور کیا جائے۔

واٹر پمپنگ پون چکی

اس قسم کی "پوت چکی" کا استعمال آبپاشی اور پینے کے پانی کی فراہمی میں کیا جاتا ہے۔ اسے پانی کی پن چکی سے براہ راست میکانیکل پاور (۱ سے ۵ ایچ۔پی کی رینج تک) جوڑ کر واٹر پمپس چلائے جاتے ہیں۔ ایسی "پون چکیوں" کا استعمال یورپ اور امریکہ میں بڑی حد تک کیا جاتا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں صرف اس صدی کے شروع میں ۶۰۰۰۰۰۰ واٹر پمپنگ پن چکیاں چلائی جاتی ہیں اس قسم کی پن چکیاں دیہی اور نیم دیہی علاقوں میں مناسب تصور کی جاتی ہیں۔ یہ پن چکیاں عام طور پر ۱۰ سے ۴۰ کیلومیٹرس فی گھنٹہ کی رفتار سے کام کرتی ہیں۔ ان سے کنوؤں سے پمپ کے ذریعے پانی حاصل کیا جاتا ہے اور یہ کھیتوں میں جہاں پانی دستیاب نہیں ہے وہاں ان کا استعمال کرکے کنوؤں کے ذریعے کھیتوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ ان دنوں واٹر پمپوں کے ذریعے ۱۰،۰۰۰ - ۲۰،۰۰۰ لیٹرس پانی حاصل کیا جاتا ہے۔ ان علاقوں میں جہاں بجلی کی فراہمی نہیں کی جا سکتی ہے، وہاں ان "پن چکیوں" کی زبردست مانگ ہے۔ ان واٹر پمپنگ پن چکیوں کو صرف ہوا کا محتاج ہو کر کام کرنا پڑتا ہے اور یہ کسانوں کی مانگ کے پیش نظر کام نہیں کر سکتی ہیں۔

بھارت میں ہورینزونٹل اور ورٹیکل ایکسیس واٹر پمپنگ وائنڈ ملز تجارتی طور پر دستیاب ہیں۔ ملک میں ان کی صحیح بناوٹ ان کی مقبولیت کا باعث ہو سکتی ہے۔

ہوائی جنریٹر:-

ہوائی توانائی سے بجلی توانائی کی پیداوار میں اضافہ کرنے کی صلاحیت سے دُنیا میں اس کی مقبولیت بڑھ گئی ہے ایندھن کے بغیر بجلی حاصل کرنا ہر کوئی چاہے گا۔ گذشتہ دہائی کے دوران ہوائی جنریٹر کا قابل قدر کام کیا گیا اور اب اس کا تجارتی مقصد کے تحت بھی استعمال کیا جانے لگا ہے۔

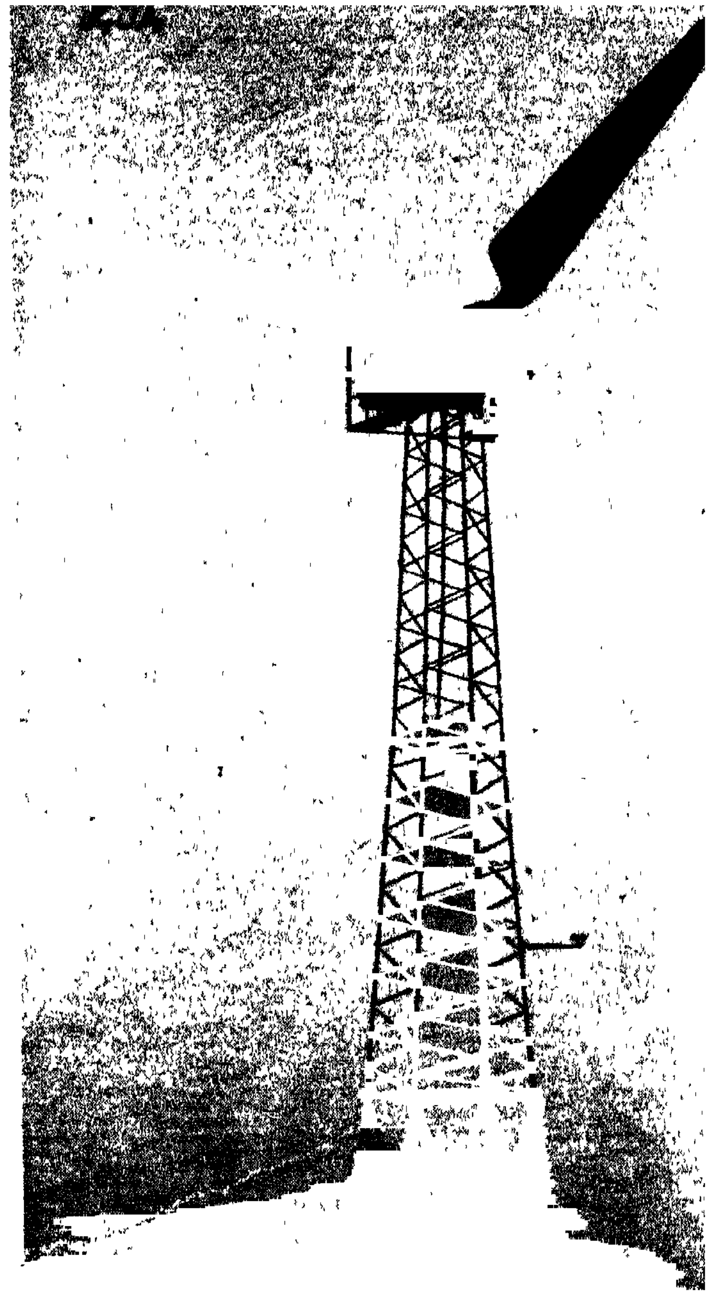
ہوائی جنریٹر کے لئے گردش کرنے والی مشین کے اردگرد مختلف پنکھے لگائے جاتے ہیں۔ جس سے اس سے منسلک الیکٹرک جنریٹر کو چلا کر بجلی حاصل کی جاتی ہے۔ جنریٹر کی سائز کے حساب سے بجلی حاصل کی جاتی ہے۔ جس کا مختلف طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔

ہوائی جنریٹر ۵۰ کلوواٹ سے ۱۰۰۰ کلوواٹ تک کی حد میں کام کر سکتے ہیں۔ چھوٹے جنریٹر گھروں اور کھیتوں میں لگی ہوئی بیٹریوں کو چارج کرنے کا کام کرتے ہیں۔ دُور دراز کے علاقوں میں مواصلاتی آلات کے چلانے کھیتوں میں چھوٹے پمپوں اور دُور دراز کے دیہاتوں کے

اور اسی طرح سے اس میں خرچ بھی کم آتا ہے۔

ان حالات کے تحت مہاراشٹر میں ہوائی توانائی کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ریاست میں ۷۲۰ کیلو میٹرس لمبی کوسٹ لائین ہے۔ اس کے مساوی ویسٹرن گھاٹ میں پہاڑ ہیں۔ ودربھ اور شمالی مہاراشٹر میں ہوائی توانائی کے پروگرام کو وسعت دینے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ میٹرولوجیکل ڈپارٹمنٹ نے ملک میں بڑی تعداد میں تیز ہواؤں والے مراکز کا پتہ لگایا ہے۔

مہاراشٹر میں تھانے، رائے گڑھ، رتناگیری، سندھو درگ، کولہاپور، سولاپور، ستارا، دھولے، جلگاؤں، اورنگ آباد ایوت محل، اور امراوتی اضلاع میں ہوا کی سالانہ رفتار کا اوسط ۱۰ کیلومیٹرس فی گھنٹہ ہے۔ ایسی رفتار واٹر پمپنگ اور بیٹری چارجنگ میں استعمال کی جاسکتی ہے۔ کوسٹ لائین کی سالانہ رفتار کا اوسط ۱۵ کیلومیٹرس فی گھنٹہ ہے جو کہ ہوا سے چلنے والے جنریٹرس کے استعمال میں لائی جاسکتی ہے۔



ہوائی توانائی کا استعمال:-

ہوائی توانائی، غیر کثافت زدہ اور آزاد ہوتی ہے۔ لیکن وہ غیر متوازن، غیر پابند اور بعض اوقات خطرناک بھی ثابت ہوتی ہے۔ خصوصاً کارخانوں میں۔

ایسی توانائی کے لیے مشین کا استعمال ٹیکنالوجیکل مسئلوں کو حل کر کے کیا جاسکتا ہے اور سستا بھی بنایا جاسکتا ہے۔ ہوائی توانائی کا استعمال کرنے والی مشین کو "پون چکی" کہا جاسکتا ہے۔ "پون چکی"، ہوا سے توانائی حاصل کر کے اسے میکانیکل انرجی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ جسے براہ راست الیکٹریسیٹی میں بھی تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ "پون چکی" دو قسم کی ہوتی ہے۔

(۱) :- ہوریزونٹل ایکسس وائنڈ ملز
(افقی محوری پون چکی)

(۲) ورٹیکل ایکسس وائنڈ ملز
(عمودی محوری پون چکی)

۱:- ہوریزونٹل ایکسس وائنڈ ملز
(افقی محوری پون چکی)

یہ پون چکیاں جنھیں مشینوں کا ہیڈ کہا جاتا ہے اور جن

قومی راج

گھروں میں روشنی کرنے کے کام کئے جاتے ہیں۔ بڑے جنریٹرس علاقائی کام یا بجلی کے چولہوں کے استعمال میں آتے ہیں۔ بڑے پیمانے کے جنریٹرس کو بڑی تعداد میں بجلی حاصل کرنے کے لئے نصب کیا جاتا ہے۔ فی الحال ہوریزنڈیٹیکل اور ورٹیکل ہوائی جنریٹرس دستیاب ہیں۔

ہوائی جنریٹر کی صلاحیت عام طور سے ان کی مشین کی بناوٹ پر منحصر ہوتی ہے۔ چھوٹی مشینوں سے ٹاور کی اونچائی بھی اس سلسلے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ بڑی ہوائی مشین کے جنریٹر سے ۴۰ کیلومیٹرس فی گھنٹہ چلنے والی ہوا سے بجلی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ہوائی جنریٹر کو لگانے کے لئے جگہ کا انتخاب بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

ہوائی توانائی کے معاشی فوائد

ہوائی توانائی کے معاشی فوائد (یہاں تک نہ توانائی کے قابل تجدید ذرائع) کا سب سے تابناک پہلو یہ ہے کہ اس میں ایندھن کا استعمال کئے بغیر "پون چکی" کے ذریعے توانائی حاصل کی جاتی ہے۔ ایک پون چکی کی تخمینی لاگت ایک الیکٹرک موٹر یا ڈیزل انجن سے زیادہ ہوسکتی ہے لیکن اس میں ایندھن کا خرچ شامل نہ کرکے خسارے کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ پون چکی کے معاشی فوائد جس میں واٹر پمپنگ اور پاور جنریشن شامل ہیں ایندھن کی قیمت کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

واٹر پمپنگ کے معاملوں میں اور توانائی حاصل کرنے کے معاملے میں پون چکی کے لئے لاگت کا تخمینہ استعمال کرنے والے کی ضرورت کے مطابق کیا جاسکتا ہے جبکہ جنریشن اور الیکٹریسٹی کی فراہمی کا خرچ حکومت برداشت کرتی ہے جوکہ بہت ہوتا ہے اور استعمال کرنے والا صرف الیکٹرک پمپ میں ہی سرمایہ کاری کرسکتا ہے اور ڈیزل کے معاملے میں بھی یہی بات ہوتی ہے۔ کوئلے اور تیل ایندھن کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے پیش نظر آنے والے سالوں میں "پون چکی" کے معاشی فوائد زیادہ ہیں۔

ہوائی جنریٹر کے معاملے میں معاشی فوائد کشش کا باعث ہیں۔ ہوا چلنے والی جگہ پر ہوائی جنریٹر کے ذریعے الیکٹریسٹی حاصل کرنا تھرمل پاور، ہائیڈرو یا نیوکلیئر پلانٹوں کے ذریعے بجلی حاصل کرنے میں خرچ ہونے والی رقم سے مقابلہ کرسکتے ہیں۔ مارکیٹ میں ہوائی جنریٹروں کی بڑھتی ہوئی مانگ اس کی قیمت میں مزید تخفیف کا باعث ہوگی حالانکہ ہوائی الیکٹریسٹی جوکہ قدرتی ذرائع پر منحصر ہوتی ہے وہ قابلِ تجدید ذرائع کی جگہ نہیں لے سکتی۔

ہوائی توانائی کیلئے حکومت کے پروگرام

(۱) بھارت میں ہوائی توانائی کے استعمال کو مدِنظر رکھتے ہوئے حکومتِ ہند نے مختلف ہوائی توانائی ٹیکنالوجیز کو ترقی دینے کا فیصلہ کیا ہے اور اسی سلسلے کی کڑی کے طور پر حکومتِ ہند نے ۱۹۸۲-۸۳ء کے دوران واٹر پمپنگ پون چکی کے لئے ایک قومی پروگرام وضع کیا ہے۔ اس پروگرام کے تحت حکومت مختلف ریاستوں میں مختلف عوامی جگہوں پر واٹر پمپنگ پون چکی لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس پروگرام کا مقصد پینے کے پانی کی فراہمی اور آب پاشی کے کاموں میں پون چکی کو بطور تجربہ استعمال کرنا ہے۔ پون چکی (۱۲-ٹائپ پی-یو ۵۰۰) ڈچ ڈیزائن کی بنیاد پر ہے اور اسے اس پروگرام کے تحت اترپردیش میں غازی پور ضلع میں لگایا گیا ہے۔ سنہ ۱۹۸۲ء سے تقریباً ۱۰۰۰ ایسی پون چکیاں ملک میں لگائی گئی ہیں اور وہ اپنے کام کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ مہاراشٹر میں مختلف مقامات پر ۱۰۰ ایسی پون چکیاں لگائی گئی ہیں اور ان واٹر پمپنگ ملوں سے کسانوں کو فیض یاب ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ اگر ان کی مانگوں میں اضافہ ہوا تو ان کی قیمت میں کمی واقع ہونے کی امید ہے۔ مہاراشٹر کی حکومت نے مہاراشٹر ایگرو انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن لمیٹڈ کو ان کی تیاری کی ایجنسی دی ہے اور کارپوریشن نے ریاست میں پون چکیاں تیار کرکے یہاں نصب بھی کی ہیں۔

(۲) پاور جنریشن کے لئے ہوائی توانائی کے استعمال کے طریقے پر غور و خوض کرنے کے بعد حکومتِ ہند نے مہاراشٹر، گجرات، تامل ناڈو اور اڑیسہ میں پائلٹ پروجیکٹ طرز پر پون چکیاں لگانے کے کام کو کرنے کا تہیہ کیا ہے۔ اس پروجیکٹ پر ریاستی حکومتوں اور الیکٹریسٹی بورڈوں کے تعاون سے عمل آوری کی جارہی ہے۔ یہ ملیں ۱۰ ہوائی جنریٹروں پر مشتمل ہیں اور ہر جنریٹر ۵۵ میگاواٹ کی صلاحیت کا حامل ہے۔ مہاراشٹر میں یہ وائنڈ فارم دیوگڑھ ضلع سندھودرگ میں قائم کیا جائے گا۔ یہ پروجیکٹ نومبر ۱۹۸۵ء میں مکمل ہوجائے گا۔ اور اس تجربے کی روشنی میں پاور جنریشن کے لئے ہوائی توانائی کے کاموں کو وسعت دینے کے کام کئے جائیں گے۔

(۳) اسی طرح وائنڈ فارم پروجیکٹ ویسٹرن علاقوں کے مختلف حصوں میں توانائی کا خاطر خواہ استعمال کرنے کے لئے کاموں کا جائزہ لیا جارہا

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

★ غلام صوفی حیدری
۱۲ بی ۴، انڈین ایرلائنز کالونی،
کالینہ۔ سانتا کروز۔ بمبئی ۲۹-۴۰۰۰

ہم سخن فہم ہیں

ہم غالب کے طرفدار ہیں نہ ذوق کے......

شیفتہ پر شیفتہ ہیں نہ مومن پر فریفتہ غیر جانبدار ہیں اور بالکل غیر جانبدار۔ شعر کہتے بھی ہیں اور شعر سمجھتے بھی ہیں۔ بات کہنی بھی آتی ہے اور بات بنانا بھی، غالب کے غم دل کی طرح ہمارا غم نکتہ چیں نہیں ہے کہ بات بنائے نہ بنے۔ البتہ طبیعت کا رجحان تنقید و تنقیح کی طرف ضرور مائل ہے۔ نقص جوئی کی طرف۔ نقص پوشی کی طرف نہیں۔ ہمیں اپنی آنکھ کا شہتیر تو دکھائی نہیں دیتا دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آجاتا ہے۔ تنقید و تنقیح بھی کیا غیر منفعت بخش دھندا ہے۔ بدنام کرنے کا اور بدنام ہونے کا ــ احباب کا سرکل بڑھانے کا نہیں حلقۂ اعدا وسیع کرنے کا۔ اس لئے ہم اس میدان میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں یعنی مشق تنقید کے لئے چن چن کر گڑے مردے اکھاڑتے ہیں اور ایسے شعراء و ادباء کا انتخاب کرتے ہیں جو اللہ کے پیارے ہو گئے ہیں اس لئے کہ اس میں دشمن بنانے کا خطرہ نہیں ہوتا۔

نہ جانے بچپن میں ہم پر نیاز فتحپوری کی پرچھائیں پڑ گئی تھی یا کسی نے "نگار" کے اوراق کو ڈرے میں گھول کر پلا دیا تھا کہ کسی چیز میں ذرا سا نقص نظر آیا اور ہم نے اس پر انگلی رکھ دی۔ کسی سے ذرا سی لغزش ہوئی اور ہم نے ٹوک دیا۔ کسی میں ذرا سی خامی نظر آئی اور ہمیں اسے منظرِ عام پر لانے کی تحریص ہوئی۔ کبھی کبھی تو ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ چھوٹا منہ اور بڑی بات دماغ خراب ہونے کی علامت نہیں تو اور کیا ہے۔ نیاز کی بات اور تھی وہ بیک وقت مختلف محاذ پر زور آزمائی کرتے تھے اور ہر گراؤنڈ پر اسکور کرتے۔ ایک طرف علامہ سید سلیمان سے ٹکر

لیتے تو دوسری طرف علامہ اقبال سے متصادم ہو جاتے۔ ایسے نادر المثال نقاد اور صاحب کمال انشاء پرداز کو مشہور تر شاعر اور عظیم سے عظیم ادیب پر انگلی اٹھانا زیب دیتا تھا لیکن ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ لیکن وہ جو کہتے ہیں نا کہ بعض افراد نچلے ہیں سو ہمیں بھی آپ ان میں شامل کر لیجئے عین نوازش ہوگی۔

دراصل بات یہ ہے کہ اکثر سخن فہم حضرات نے اپنی مریدانہ خوش عقیدگی اور عقیدت مندانہ خوش فہمی کے باعث یہ سمجھ لیا ہے کہ غالب و اقبال جیسے فلک پایہ شعراء غلطی کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔ ہم اس مفروضہ کے حامل حکام ادب کے احکام کے خلاف انٹیسی پیٹری (ضمانت قبل از گرفتاری) بیل چاہتے ہیں کہ اگر ہم اساتذہ قدیم سے مرعوب ہوئے بغیر ان کے کلام پر تنقید کریں تو گرفتار نہ کر لئے جائیں۔ کیا ہمیں یہ دہرانے کی ضرورت ہے کہ غالب و اقبال مافوق الفطرت افراد یا روایتی دیوزاد نہیں تھے بلکہ ہماری ہی طرح گوشت پوست کے انسان تھے اور انسان سے غلطی ہو سکتی ہے خواہ وہ ادیب ہو یا شاعر، فلاسفر ہو یا نقاد۔ بڑی سے بڑی شخصیت سے غلط طور پر مرعوب ہونے سے اجتہادِ فکر پر ضرب پڑتی ہے

مولانا حالی "برہان قاطع" پر غالب کے اعتراضات کے سلسلہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"تقلید نہ صرف امور مذہبی میں بلکہ ہر چیز، ہر کام اور ہر فن میں ایسی ضروری شے ہو گئی ہے کہ تحقیق کا خیال نہ کسی کے دل میں خطور کرتا ہے اور نہ کسی دوسرے کو اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ سلف کیخلاف کوئی بات زبان پر لائی جائے"

اور سخن فہمی بھی ایک فن ہے اور بھلا یہ فن بھی اس نظریہ کی زد سے کیسے بچ سکتا ہے خواہ آپ کسی بھی زاویۂ نگاہ سے دیکھیں۔ خواہ آپ سطروں کے درمیان کچھ بھی پڑھیں

You may read anything in between the lines

ہم بڑے سے بڑے شاعر کے کسی شعر پر اظہار خیال کار ثواب نہیں تو گناہ بھی نہیں سمجھتے۔

سو آیئے ہم غالب کے مندرجہ ذیل شعر کا جائزہ لیں۔

الف خرام ساقی و ذوق صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ وہ فردوس گوش ہے۔

تشریح :-

یہ جنت نگاہ یعنی لطف خرام ساقی جنتِ نگاہ اور وہ فردوس گوش یعنی ذوق صدائے چنگ فردوس گوش ہے۔ اس طرح دونوں مصرعوں کو ملا کر پڑھیئے تو یوں ہوا کہ لطف خرام ساقی جنت نگاہ ہے اور ذوق صدائے چنگ فردوس گوش ہے

اب آپ اپنی طبع موزوں پر ذرا زور دیں اور ذوق لطیف کو ایک ذرا زحمت تو معلوم ہوگا کہ لطف خرام ساقی جنت نگاہ نہیں ہو سکتا بلکہ خرام ساقی جنت نگاہ ہو سکتا ہے اس لئے کہ خرام ساقی تو آپ دیکھ سکتے ہیں لیکن لطف دیکھا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح ذوق سنا نہیں جا سکتا اس لئے اس کو فردوس گوش ہونے کا شرف حاصل نہیں ہو سکتا۔ البتہ صدائے چنگ سنی جا سکتی ہے۔ اس لئے فردوس گوش ہو سکتی ہے۔ مزید اطمینان کے لئے قطع نظر وزن اور دیگر لوازمات شعر کے آپ یوں پڑھیئے۔

خرام ساقی و صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے

اس طریقِ استدلال سے بھی ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ لطف اور ذوق دونوں الفاظ مصرع اولیٰ میں زائد ہیں۔

اسی موقع پر ہمیں غالب کا ایک اور شعر یاد آ گیا

کہیں نظر نہ لگے ان کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

زخم جگر دیکھ کر محبوب کے دست و بازو کو نظر لگنے کی بات ایک اعلیٰ درجہ کی نازک خیالی اور فلک بوس بلند پردازی ہے۔ اس پر جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ لیکن یہاں بھی مصرع ثانی میں "لطف خرام و جنت نگاہ" والی خامی رہ جاتی ہے یعنی لوگ زخم جگر دیکھ نہیں سکتے اس لئے محبوب کی "خنجر کاریوں" کے نقش و نگار کی وجہ سے اس کے دست و بازو کو نظر لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

راقم الحروف کا اسی مضمون کا ایک شعر ہے

کہیں یوں دستِ وحشت کو نہ ہو جائے نظر یارب
لگا کر ٹکٹکی سب دیکھتے ہیں جیب و داماں کو
(کیف گلفروش)

میرا یہ شعر نہ صرف مذکورہ خامی سے پاک ہے بلکہ نظر لگنے کے لوازمات سے بھی آراستہ۔ خدانخواستہ آپ اپنی جگہ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ میں اپنے شعر کا غالب کے شعر سے موازنہ کر رہا ہوں۔ معاف کیجئے اپنے بارے میں مجھے اتنی بڑی غلط فہمی نہیں ہے۔ من آنم کہ من دانم۔

اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میرا یہ شعر غالب کے شعر کا نقش ثانی ہے تو عرض یہ ہے کہ غالب کا شعر بھی نقش اول نہیں غنی کاشمیری کے ایک فارسی شعر کا نقش ثانی ہے۔ ممکن ہے جب میری اپنی "گلستاں کو" والی غزل زیر تخلیق تھی۔ غالب کے مندرجہ بالا شعر کے تخیّل نے میرے شعر میں غیر شعوری طور سے "پُنر جنم" لے لیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ آپ انسانی پیدائش کے سلسلہ میں "آواگان" کے قائل نہ ہوں، لیکن جہاں تک شاعرانہ تخیّل یا مرکزی خیال کا تعلق ہے آپ کو اس چکر کا قائل ہونا پڑتا ہے کیونکہ شعر و سخن میں مشکل سے ہی کوئی خیال اچھوتا چھوڑا گیا ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ کئی مرتبہ شراب کہنہ غیر ارادی طور سے جامِ نو میں انڈیل دی جاتی ہے اور پینے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ شراب کہنہ ہے یا مئے نوکشیدہ۔ خیر چھوڑیئے اس بحث کو

غالب کا ایک اور شعر سنیئے ؎

ہم وہاں ہے جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

اِس شعر میں بھی زبان کی غلطی ہے اپنی کی جگہ "ہماری" استعمال کیا گیا ہے جو سرتاسر غلط ہے۔

چلتے چلتے اقبال کا بھی ایک شعر ملاحظہ کیجئے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آغازِ اردو شاعری کے قبل بھی فارسی شعراء نے نرگس کو کورچشم باندھا ہے۔ اس مناسبت سے نرگس کے لیے بے نوری باندھنا قابلِ اعتراض نہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں بالکل ربط نہیں۔ نرگس کو تو اپنے کورچشم ہونے کا دُکھ تھا۔ اس کے اپنی کورچشمی پہ ہزاروں سال رونے سے اور چمن میں دیدہ ور پیدا ہونے سے کیا تعلق ہے اس شعر پہ مزید روشنی ڈالنے کے لئے عرفی کا مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

عرفی اگر بہ گریہ میسر شود وصال
صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

مطلب یہ ہوا کہ عرفی کو اگر رونے سے محبوب کا وصال حاصل حاصل ہو سکتا تو میں سو سال تک روتے رہتا۔ دیکھئے دونوں مصرع کتنے مربوط ہیں۔ عرفی کے شعر کی طرح اقبال کے شعر میں جس بات کا دعوٰی کیا گیا ہے اس کی دلیل پہلے مصرع میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

• •

[صفحہ نمبر ۴ سے آگے]

ہے۔ اس مقصد کے تحت کوکن علاقے میں ہوا کی رفتار کا جائزہ لینے کے لئے ایک خود مختار ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ جدید آلات کی مدد سے ہوا کی رفتار ریکارڈ کی جائے گی۔ ہوا کی پیمائش ۱۰ میٹرس سے ۲۰ میٹرس کی بلندی پر کی جائے گی۔ اس ریکارڈنگ کا کام سال بھر کیا جائے گا۔ جس سے ان علاقوں میں ہوائی پاور جنریشن قائم کرنے میں مدد ملے گی۔ اور اس سے بڑے وانڈ فارم پروجیکٹوں کی منصوبہ بندی میں بھی مدد حاصل ہوگی۔

(۴) توانائی کے حصول کے تجربے ساری دنیا میں گذشتہ ۵ سالوں سے کئے جا رہے ہیں جس سے کافی فائدہ حاصل ہوا ہے اور ان تجربوں نے ہوائی توانائی کو مستقبل میں قابلِ تجدید توانائی کے ذرائع کا نعم البدل ہونے کی تصدیق بھی کر دی ہے اور ہوائی جنریٹروں کے سلسلے میں خرچ کی جانے والی رقم کم ہوتی جا رہی ہے اور بڑے وائنڈ فارم پروجیکٹ بھی معاشی طور سے سودمند ثابت ہو رہے ہیں۔ بھارت کی ساحلی ریاستوں بشمول مہاراشٹر کے پاس اچھی ہوا ہے اور یہاں پائلٹ پروجیکٹ کی مدد سے مستقبل میں بہت سے ہوائی توانائی پروگراموں کو آخری شکل دی جا سکتی ہے۔ واٹر پمپنگ اور پون چکی کے ذریعہ آبپاشی کی بہت ساری ضرورتوں کو پورا کیا جا سکتا ہے اور تمام متعلقہ اداروں کی عملی شرکت سے ہوائی توانائی بھارت اور مہاراشٹر کے سنہرے مستقبل کی ضامن ثابت ہو سکتی ہے۔

حیات وارثی
آل انڈیا ہندی اردو سنگم۔ باغ انوار۔
لکھنؤ ۔ ۳

لنگ پُران میں یوگ کی اہمیت

ہندوستانی فلسفۂ حیات اور علمی نکات ویدوں، پرانوں اور اپنشدوں میں نہاں ہیں۔ اسی لئے بقول ڈاکٹر ساگر پریمی انگریز عالم میکسمولر اور جرمن فلسفی شوپن ہاور نے ان صحیفوں کو ذریعۂ نجات کہا ہے۔ پران کی کتھاؤں کو ہماری علمی اور ادبی دنیا میں ایک خصوصی مقام حاصل ہے۔ پران کے تخلیق کاروں کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ صرف ان کے تخلیق کے زمانے کو متعین کیا جا سکتا ہے۔

پرانوں کی تعداد اٹھارہ ہے۔ ان میں لنگ پران گیارہواں ہے۔ عام طور سے اسے آٹھویں صدی کی تخلیق تسلیم کیا جاتا ہے۔

لنگ پران کو ہندوستانی علم کا [illegible] تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں تخلیق حیات، کائنات ... ہندوستانی تہذیب و تمدن اور فلسفے کو بہت خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ بقول ڈاکٹر جی گپتا نیشنل پروفیسر صدر شعبۂ ہندی الہ آباد یونیورسٹی یہ ہندوستانی علوم کا ذخیرہ ہے۔

لنگ پران میں قدیم ترین شیو کتھائیں، اور دھرم سماج اور انسان کی بہبودی کی تعلیمات، نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر رویندر بھرمر ریڈر شعبۂ ہندی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے لنگ پران کو ہندوستانی علم و دانش کی بیش قیمت وراثت قرار دیا ہے۔ لنگ پران میں تزکیۂ نفس اور انسانی فلاح کے لئے یوگ کے جو طریقے بتائے گئے ہیں ان کی افادیت آج بھی مسلّم ہے۔

اسے برہما جی نے ترتیب دیا تھا۔ اس کا خلاصہ شری ویاس جی نے پیش کیا تاکہ اس کو آسانی سے سمجھا جا سکے۔ اس کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں دھرم سماج اور دنیا کی تفصیل کے علاوہ یوگ پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ شری ویاس جی کے شاگرد سوت جی نے تشریح کرتے ہوئے کہا کہ گلے سے نیچے اور ناف سے اوپر بالشت اوپر یوگ کا اعلیٰ مقام ہے۔ یہاں دل کی اہمیت کی جانب اشارہ کیا جا رہا ہے۔ ابرو کے درمیان دماغ اور ناف کے نیچے مولادھار یعنی بنیادی یوگ کے مقام ہیں جن سے نفس آگہی ہوتی ہے۔ دل و دماغ کی بلندی اور نفس پر قابو یوگ کا ماحصل ہے۔

یوگ کی آٹھ قسمیں ہیں

یم، نیم، آسن، پرانایام، پرتیاہار، دھارنا، دھیان اور سمادھی ۔ ان کی تشریح یوں ہے کہ مجاہدہ اور عمل صالح ہے اور یم کی بنیاد عدم تشدد ہے۔ ایمانداری اور پاکبازی ہے لیکن اس کی اصل یم ہے۔

دوسروں کی جان و مال کی حفاظت کرنا اور ظلم نہ کرنا اہنسا یعنی عدم تشدد ہے جس سے روحانی بالیدگی حاصل

ہے۔ سچ بولنا، لالچ سے بچنا یم ہے۔ دل کو برے خیالات سے بچانا، زنا سے پرہیز برہم چریہ ہے۔ جو لوگ گھریلو زندگی گذارتے ہیں۔ شریک زندگی کے علاوہ دوسری عورتوں سے جنسی تعلق نہیں رکھتے وہ بھی برہم چریہ پر عامل ہیں۔ بھوگ کے بعد غسل ضروری ہے۔

برہمن، گورو اور دیوتا کی پوجا کے وقت جو ہنسا کی جائے وہ تشدد نہیں ہے بلکہ دھرم ہے۔ دانشمند انسان عورت کی صحبت سے ہمیشہ دور رہتا ہے کیونکہ مرد گھی کا گھڑا ہے اور عورت آگ۔ عورت کی قربت سے ناآسودگی میں اضافہ ہوتا ہے جس طرح گھی سے آگ کے شعلے بلند ہوتے ہیں۔ جسمانی اور روحانی پاکیزگی اصل بیراگ ہے۔ یہ یم کی تعریف ہے۔

خواہشات محدود رکھنا، صبر و قناعت اختیار کرنا، پاک رہنا، شکر، مجاہدہ، ذکر دھیان نیم ہے۔ سب سے پہلی شرط جسمانی پاکیزگی کی ہے جو غسل سے حاصل ہوتی ہے غسل تین طرح سے ہوتا ہے — پانی، خاک اور جاپ سے۔ بیراگ کی مٹی جسم پر مل کے آتم گیان کے پانی سے نہانے یہی اصل طہارت ہے۔ جو انسان اپنی محنت سے حاصل کئے ہوئے رزق پر قناعت کرے وہ شکر گذار ہے۔ برت مجاہدہ اور جپ ذکر ہے۔

جپ بھی تین طرح سے کیا جاتا ہے — یا چک جپ بلند آواز سے۔ اپانش جپ آہستہ سے، مانس جپ قلب کی گہرائی سے — یہی افضل ذکر ہے۔

بُری باتوں سے پرہیز اندریوں (حواس خمسہ) پر قابو رکھنا پرتیاہار ہے۔ دل و دماغ یکسو کرکے تصور میں مقدس جگہ پہنچنا سمادھی ہے۔ اسی مقام پر یکسوئی کے ساتھ ٹھہرنا دھیان ہے۔ اس کی یاد اور جلوؤں میں کھو جانا سمادھی ہے۔ خود فراموشی کی منزل پرانایام ہے۔ پرانایام بھی تین طرح کا ہے — مند، مدھیہ اور اُتم

مند پرانایام — بارہ ماترا کا ہے یعنی بارہ چھوٹے حروف جتنی دیر سانس روک کر ادا کئے جائیں وہ مند پرانایام ہے۔ چوبیس ماترا کا مدھیہ اور چھتیس ماترا کا اتم ہے — مند پرانایام کرتے وقت پسینہ نکل آتے۔ مدھیہ میں تھرتھراہٹ پیدا ہو اور اتم کے وقت اپنی نشست سے بلند ہو جائے۔

یوگ میں محسوسات ختم ہو جاتے ہیں اور خود فراموشی طاری ہوتی ہے۔ جس طرح خونخوار جنگلی درندے آسانی سے قابو میں نہیں آتے۔ کوڑے کی مار اور پیٹ کی آگ سے ان کی سرکشی دور کی جاتی ہے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ مجاہدہ اور ریاضت سے نفس پر قابو حاصل ہوتا ہے۔

جو ترتیب اور اصول سے پرانایام پر عمل کرتا ہے اس کا دل و دماغ اور جسم طاقتور ہو جاتا ہے، اسے شانتی، پرشانتی، دیپتی اور پرساد حاصل ہوتا ہے۔ گناہوں سے بچنے کا نام شانتی، شیریں کلامی اور حق گوئی پرشانتی، روشنی دیپتی اور حواس خمسہ پر قابو پرساد ہے۔

بُھور مہات، من، برہم، چت، اسمرتی، کھیات، سمیت، ایشور، متی — یہ سب بُدھی یعنی عقل و دانشمندی کے نام ہیں جن کا تعلق حواس خمسہ سے ہے۔ گرم و سرد سے متاثر نہ ہونا بُھور ہے، تمام اشیاء پر اختیار مہات ہے، غور و فکر من ہے، عظمت برہم ہے۔ خواہشات پر قابو چت ہے۔ ذکر اسمرت ہے، علم سمیت ہے، شہرت کھیات ہے، غیب و اختیار ایشور ہے۔ تسلیم کرنا متی ہے اور آگہی بُدھی ہے۔ بدھی کی سدھی پرانایام ہے۔ تمام برائیاں پرانایام سے دور ہو جاتی ہیں۔ دھارنا سے گناہ جل جاتے ہیں پرتیاہار سے دنیاوی لذات کا زہر ختم ہو جاتا ہے۔

دھیان سے گیان ملتا ہے اور سمادھی سے آگہی۔

یوگ کی جگہ

یوگ کے لئے پرسکون ماحول اور صاف ستھری جگہ ضروری ہے۔ دریا کے کنارے آگ کے قریب جہاں سوکھے پتے ہوں جہاں بستر ہو شمشان یا خوفناک جگہ یا جہاں پتھر وغیرہ ہوں، یوگ کے لئے نہایت نامناسب مقامات ہیں بلکہ ایسی جگہ تلاش کرے جہاں خوبصورت مناظر فطرت اور پھول وغیرہ ہوں۔

بارہ پرانایام کی ایک دھارنا، بارہ دھارنا کا ایک دھیان اور بارہ دھیان کی ایک سمادھی ہوتی ہے۔ یوگ کی مشق کے وقت بہت سی دشواریاں ہوتی ہیں لیکن گورو کی توجہ سے تمام دشواریاں دور ہو جاتی ہیں اور یوگ سدھ ہوتا ہے [1] لنگ پران نے تزکیہ نفس کیلئے یوگ کی اہمیت واضح کی ہے اور انسان کو باضابطہ زندگی گذارنے کا درس دیا ہے۔

---

[1] تفصیل کیلئے "جیون کتھا" دیکھئے۔

کمال احمد صدیقی
۲۰۷ - روز ایونیو - نئی دہلی ۱۱۰۰۰۶

ربط و بے ربطی اسباب کے ٹکڑے دیکھے
میرے شہکار .... مرے خواب کے ٹکڑے دیکھے

تم نے قدموں کے تلے پھولوں کو روندا ... ہم نے
ہر قدم پر دلِ بے تاب کے ٹکڑے دیکھے

ہم نے آئینے کے ریزوں پہ توجہ ہی نہ دی
اور کچھ لوگوں نے مہتاب کے ٹکڑے دیکھے

ساز کی قید سے آزاد ہوا جب نغمہ
ساز کے تاروں میں مضراب کے ٹکڑے دیکھے

میں نے اک خواب کی تصویر بنائی کل رات
اور جب آنکھ کھلی خواب کے ٹکڑے بھی دیکھے

شہر سے بھاگ کے آئے ہو خرابے میں کمال؟
صنم و کوزہ و محراب کے ٹکڑے دیکھے؟؟

★

★ ڈاکٹر اختر بستوی
لکچرر شعبۂ اردو، گورکھپور یونیورسٹی
گورکھپور (یوپی)

نظمیں

احساسِ برتری

جب بھی ہوا یہ خوف مرے دل میں جاگزیں
چھوٹا نہ میرے دوست سمجھ لیں مجھے کہیں
فوراً ہی میں نے ایسی نکالی کوئی سبیل
احباب کو ملے مری عظمت کی اک دلیل
اکثر سخنوری کو سہارا بنا لیا
شاعر کی حیثیت سے فضیلت جتا دیا
کہتے ہیں سچ ہی فطرتِ انساں کے جوہری
احساسِ برتری بھی ہے احساسِ کمتری

یادوں کا زہر

بیتے ہوئے دنوں کی ہیں یادیں بھی اک عذاب
رہتا ہے ذہن و قلب پہ ان کا سدا عتاب

ادراک و فہم کو بھی یہ ڈستی ہیں دم بہ دم
جذبات کے لئے بھی نہیں ناگنوں سے کم

چاہا تھا شاعری تو نہ مسموم ہو.... مگر
یادوں کا زہر اس پہ بھی کر ہی گیا اثر

کلیوں کا شباب

جس کلی سے صحنِ گلشن تھا سجا
اس کا رس آوارہ بھونرا پی گیا
جو کلی تھی زینتِ بزمِ نشاط،
ہوگئی وہ نذرِ اہلِ انبساط۔
ہے یہ ہر صورت ہوس کا گر عذاب
کیوں بھلا کلیوں پہ آتا ہے شباب؟

جذبۂ محبت

جب دل میں محبت نے طوفان اٹھایا ہے
ایوانِ خردمندی پل بھر میں گرایا ہے

نظروں سے حقائق کے جلووں کو چھپایا ہے
خوابوں کا صنم خانہ آنکھوں میں بسایا ہے

تشکیک کے شعلوں سے سینے کو جلایا ہے
ہر اپنے پرائے پر الزام لگایا ہے

وحشت کو تلوّن کا آئینہ دکھایا ہے
اک ننھے سے جذبے نے کیا کیا نہ کرایا ہے

★ اوجؔ اعظمی
خیرآباد، اعظم گڈھ ۲۷۶۴۰۳

غزل

بذاتِ خود جو نہیں جائزہ اپنا
وہ کیا سنوار سکیں گے معاشرہ اپنا
کرو جو غیر کی صورت محاسبہ اپنا
عجب نہیں کہ بدل ڈالو فیصلہ اپنا
کہیں نہ برق نگاہی کو نذر ہو جائے
نظر نظر کو دکھاؤ نہ آئینہ اپنا
بقدرِ ہوش و تدبّر بقدرِ علم و ہنر
ہر ایک شخص بناتا ہے دائرہ اپنا
سبھی نے اپنی کہانی سرِ محفل
سنو تو ہم بھی کہیں کوئی واقعہ اپنا
یہ خوف ہے کہ لٹیرے نہ لوٹ لیں اسکو
بچھڑ گیا ہے جو منزل سے قافلہ اپنا
کسی کے گیسوئے برہم کا تذکرہ نہ کرو
سلجھ کے پھر نہ الجھ جائے مسئلہ اپنا
روش روش پہ فریبِ حیات کھاتے ہیں
قدم قدم جو بدلتے ہیں راستہ اپنا
جگر کا خون بھی جلایا ہے تجربات کے ساتھ
ہے شعر شعر میں شامل مشاہدہ اپنا
طرح طرح کے مسائل مری نگاہ میں ہیں
سخنوری ہی نہیں اوجؔ! مشغلہ اپنا

❀ ❀ ❀

عامر برقی اعظمی

شکوہ برشگاف

ڈھونڈھنے نکلا تھا انداز کی جنت کیا ہے
پہلوئے یار میں تصویرِ قیامت کیا ہے
قدرت و ... اعلانِ مشیت کیا ہے
رسمِ پارینۂ دستارِ فضیلت کیا ہے
باعث لطف ہے جنت میں مسافر ہا تھیا ؟
"... ازل سے حرمِ دل کا ہوں خود آ ... "

... بیدہ ریزی ... ارضِ تمنا کو ...
آدمی ... ہو تم ہوئے اے دل گمراہ ،
کون سی راہ ہے دنیا میں پئے رسمِ نباہ
ہے فرشتوں پہ بھی ایمان، کوئی اس کا گواہ .. ؟
... کی بخشی ہوئی قدرت سے بہت دور ہوا میں
"... ناصح کی نصیحت سے بہت دور ہوں میں"

شوخیِ فکر بھی آرام طلب ہوتی ہے۔
جس میں الہام ہر وہ بات عجب ہوتی ہے
شاعری خواب کی مانند بھی کب ہوتی ہے
آہنی رات بھی دیوارِ سبب ہوتی ہے
مرگ ، ہاں مرگ ، پس مرگ بھی دنیائے ثبات
"اے مرے خواب کی تعبیر مری جانِ حیات"

دشت کے گھر کو خدا خانہ کہا کس نے کہا
شمع کی لو کو بھی پروانہ کہا ، کس نے کہا
بت شکن عہد کو پروانہ کہا ، کس نے کہا
خواب کی بات تھی ، افسانہ کہا ، کس نے کہا
موج میں آکے ٹھہر جائے وہ دریائے شباب
"چھیڑ دے ، چھیڑ دے ، ہاں چھیڑ دے فطرت کا رباب"

شکوۂ جہل مٹا دو کہ قیامت ہے قریب
شمعِ مغرب کو بجھا دو کہ قیامت ہے قریب
چاہ میں خود کو گرا دو کہ قیامت ہے قریب
تیغِ ... اور بڑھا دو کہ قیامت ہے قریب
میں بھی اک بار زلیخا کو پشیماں کر دوں ،
"بزمِ امروز کو آئینۂ حیراں کر دوں"

بیخبس اللہ آبادی ، بمبئی

غزل

رنگ محفل جما رہے ہو تم
مجھ کو بیخود بنا رہے ہو تم
زہرِ الفت ضرور پھیلے گا
جوش ناحق دبا رہے ہو
جذبۂ دل کو اپنے اور میرے
تھپکیوں سے سلا رہے ہو
سازِ دل نغمہ زار بن جائے
تارِ دل کا ملا رہے ہو
کر کے ہر روز وعدۂ فردا
شوقِ الفت بڑھا رہے
دے کے جھوٹی تسلیاں مجھ کو
بختِ خفتہ جگا رہے ہو
کر کے پابند خود ہوئے غائب
رسمِ الفت مٹا رہے ہو
ہر روش سے عیاں محبت ہے
رازِ دل کیوں چھپا رہے
دھڑکنوں نے بتا دیا بے حس
رازِ دل کا چھپا رہے ہو تم

نومی راج

تبصرہ

تبصرہ نگار
بشر نواز
معرفت انیس. این. خان
پی. ٹی. ایم. جی. پی. او بمبئی

تبصرہ کیلئے کتاب کی دو جلدیں بذریعہ رجسٹری مرحمت فرمائیں۔ (ادارہ)

شرار جستہ

اردو شاعری، خصوصاً غزل کے کئی رنگ روپ ہیں۔
مصرعوں میں ہر خیال اور جذبے کی سمائی ہو جاتی ہے بشرطیکہ
نے والا غزل کے رموز نکات سے واقف ہو۔
شرار جستہ شرف الدین ساحل کا دوسرا شعری مجموعہ ہے
ان کی غزلیں اس بات کا احساس دلاتی ہیں کہ ان کا خالق
زل کی روایت سے بھی واقف ہے اور بدلتے ہوئے
جانات سے بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری مختلف
ضوعات کا احاطہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایک جانب روایت
رنگ گہرا ہے تو دوسری جانب آج کے معاشرے اور ذہن
جھلکیاں بھی مل جاتی ہیں۔ اس لئے ہم ان کی شاعری کو
ض روایتی شاعری نہیں کہہ سکتے مثلاً

پیالہ زہر کا پینا پڑے گا
نہیں آسان سچی بات کہنا

سزائے موت سنائی اسی کو منصف
مخالفین کا جس کے بیان تک نہ ہوا

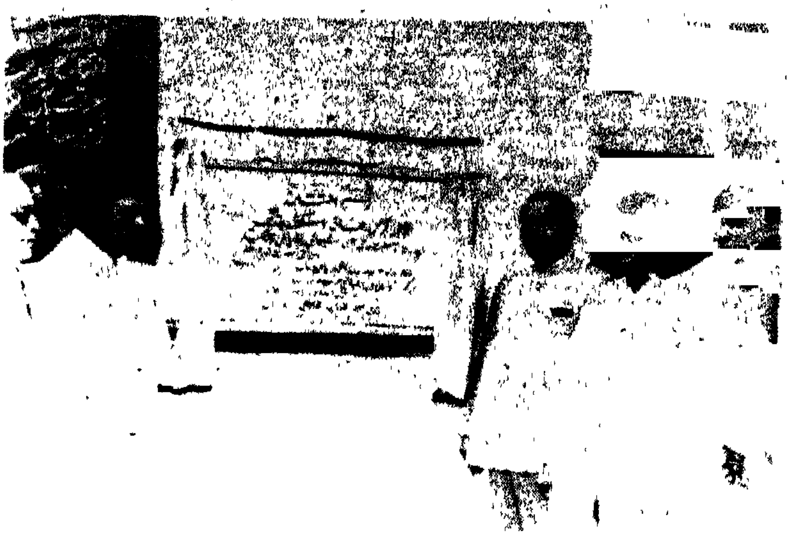
اکثر غزلوں کے لہجے پر ہم عصر شعراء کی چھاپ نظر
تی ہے اور اس سے ساحل کی انفرادیت پر حرف آتا ہے۔
اہم کہیں کہیں وہ دوسروں سے الگ نظر آتے ہیں۔
نظموں میں شاعر کا نقطۂ زیادہ واضح ہے اور اندازہ ہوتا
ہے کہ ساحل اسلام پسند شاعروں کے زمرے میں آتے ہیں۔ وہ ریاکاری اور
مذہب کے نام پر بیوپار کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اور یہیں
سے ان کی شاعری میں احتجاجی عناصر راہ پاتے ہیں۔
تحفۂ زقوم، گناہِ مستقل، وبالِ روح وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔
ربِ کائنات، التجا اور خاتم المرسلین میں خلوص بھی ہے اور
جذبے کی آنچ بھی۔

"شرار جستہ" میں شرف الدین ساحل کے ذوقِ شعر کی
نمائندگی کافی حد تک ہوگئی ہے۔ کتابت و طباعت اوسط سے بہتر
ہے۔ ۹۶ صفحات کے اس غیر مجلد مجموعے کی قیمت دس روپیہ ہے۔
ملنے کا پتہ:۔ علیم پبلشنگ ہاؤس، حیدری مسجد روڈ، مومن پورہ،
ناگپور۔

قومی راج کے شرح چندے میں تبدیلی

ایک سال کیلئے دس روپے ؛ دو سال کیلئے ۲۰ روپے
تین سال کیلئے ۲۷ روپے ؛ چار سال کیلئے ۳۶ روپے
(۵) پانچ سال کیلئے صرف ۴۵ روپے

منی آرڈر کوپن پر اپنا نام، پتہ اور
پن کوڈ نمبر صاف صاف لکھیں۔ اس
رعایت کے بارے میں دوستوں
کو بتلائیں اور زیادہ سے زیادہ
خریدار فراہم کرکے ادب نوازی کا
ثبوت دیں۔



شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر، وزیر اعلیٰ
مہاراشٹر نے ۱۴ ستمبر ۱۹۸۵ء کو اورنگ آباد
میں فاطمہ گرلس ہائی اسکول کی عمارت کے افتتاح
کی رسم انجام دی۔ اس موقع پر پروفیسر جاوید خان
وزیر مملکت برائے تعلیم، پروٹوکول و اوقاف،
جنھوں نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔
بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



...ں - تصویروں میں

سیٹھ گردھن داس تیجپال ہائی اسکول بمبئی ...
۳۰ اگست ۱۹۸۵ء کو "یوم سنسکرت" منایا گ...
اس موقع پر شری وی۔ سی۔ پاگھے نے شر...
ایس۔ پی۔ ویکر کی تصنیف کردہ "اپنشد پر ...
نامی کتاب کا افتتاح کیا۔ یہ اس موقع کی تصو...

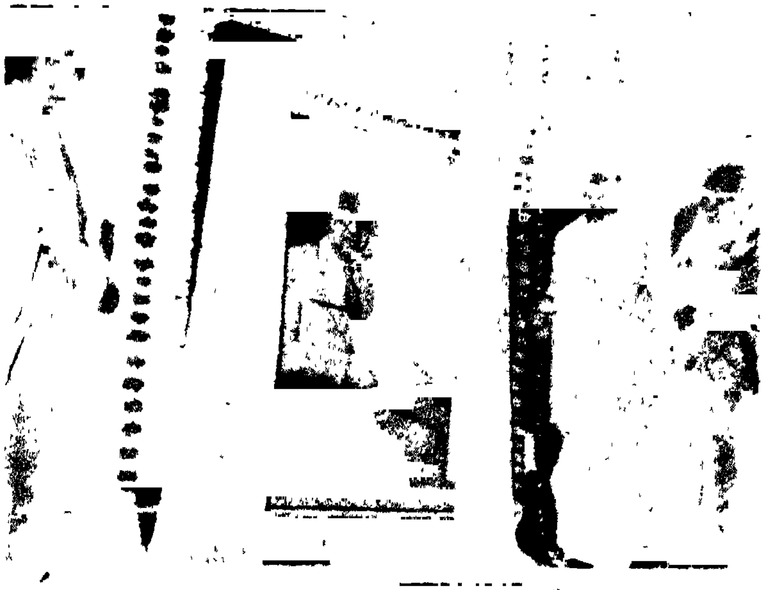




آل انڈیا لوکل سیلف گورنمنٹ انسٹی ٹیوشن
اندھیری، بمبئی کی طرف سے ۳۱ اگست کو
"لوکل سیلف انسٹی ٹیوشن ڈے" منایا گیا۔
اس موقع پر وزیر مملکت برائے شہری ترقیات
اطلاعات و رابطۂ عامہ ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی
شریمتی ... تی ساونت کو پہلا انعام پیش کر رہے
ہیں۔ زیر نظر تصویر میں لوکل سیلف گورنمنٹ
انسٹی ٹیوشن کے ڈائرکٹر جنرل ڈاکٹر کو پڑ ڈیکر بھی
دیکھے جا سکتے ہیں۔
قومی راج

آل انڈیا فیروز گاندھی میموریل سوسائٹی کی طرف سے ۱۲ ستمبر ۱۹۸۵ء کو تاج محل ہوٹل میں آنجہانی فیروز گاندھی کی ۷۳ ویں یوم پیدائش کے موقع پر ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ زیر نظر تصویر میں شریمتی سیلن ڈی سلوا، وزیر مملکت برائے مالیات روایتی دیپ جلا کر جشن دن تقریب کا آغاز کر رہی ہیں۔ تصویر میں سوسائٹی کے سکریٹری جنرل شری آئی۔ سی۔ لانسکا بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

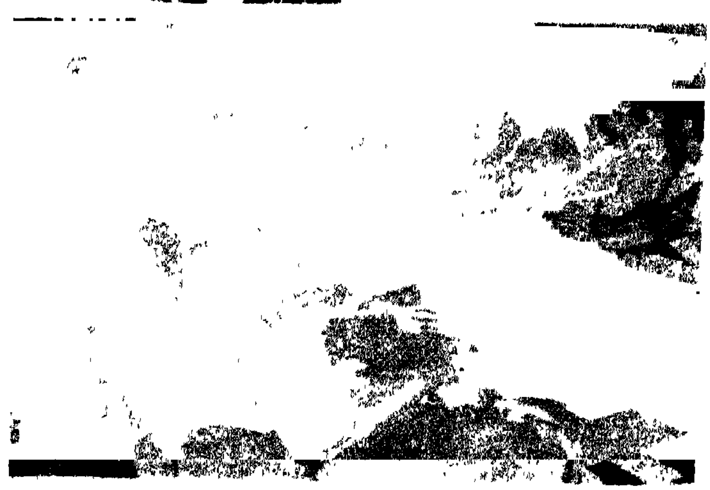




وزیر تعلیم پروفیسر رام میگھے نے ستمبر ۱۹۸۵ء کو بمبئی کے سدھارتھ کالج میں ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کی قد آدم مجسمہ کی نقاب کشائی کی۔ زیر نظر تصویر میں کالج کے پرنسپل شری ایس۔ آر۔ مہتا اور شریمتی مائی امبیڈکر بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

مندرج جاتی اور مندرج قبائل ملازمین کی فلاح و بہبود پر پارلیمانی کمیٹی کے ایک اسٹڈی گروپ نے شری رام کرشنا مجمدار کی قیادت میں ۱۲ ستمبر ۱۹۸۵ء کو منترالیہ میں ریاستی حکومت کے عہدیداران سے ملاقات کی۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔

قومی راج





وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر ورشا میں نیشنل پلانٹ ایسوسی ایشن کی جانب سے منعقدہ فلیگ ڈے مہم میں اپنا ذاتی عطیہ دے رہے ہیں۔ شریمتی تانا دی آپ کو فلیگ لگا رہی ہیں۔



وزیر مالیات شری سوشیل کمار شندے نے بمبئی میں پے اینڈ اکاؤنٹس کے ایمپلائز کریڈٹ کوآپریٹو سوسائٹی کا ۱۱ ستمبر ۱۹۸۵ء کو افتتاح کیا۔ زیر نظر تصویر میں شری سوشیل کمار شندے حاضرین کو سوسائٹی کے رجسٹریشن کے دستاویزات دکھا رہے ہیں۔ آپ کی دائیں جانب کریڈٹ سوسائٹی کے سکریٹری شری ایس۔ ایس۔ آوا تے۔ ڈائریکٹر آف ٹریزیز اینڈ اکاؤنٹس شری ایم۔ جی۔ ہیٹس اور آپ کی بائیں جانب پے اینڈ اکاؤنٹس افسر شری بی بسی ایوسے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



وزیر مملکت برائے رفاہِ عامہ شری ایکے سنگھ راجے بھونسلے نے منترالیہ میں منترالیہ ایمپلائز فیڈریشن کی جانب سے منعقدہ تشخیص دل کیمپ کا افتتاح کیا۔ تصویر میں وزیر موصوف کارڈیوگرام کی مشین کا افتتاح کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ فیڈریشن کے صدر شری ڈی۔ ایل ماتنڈ کر اور شری اروند سردار جنرل سکریٹری شری مرلی دھر ایولے اور ای۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکنیشین بھی دیکھے جا سکتے ہیں

M/482. 2P

مسٹر دیا مالی کی وزیر اعلیٰ سے ملاقات

امریکن کانگریس کے ممبر مسٹر دیامالی نے ۱۰ ستمبر کو منترالیہ میں وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر سے ایک رسمی ملاقات کی اس موقع پر شری مرلی دیورا ایم پی بھی موجود تھے۔

مسٹر دیامالی نے ریاست میں شکر امداد باہمی صنعتوں پر اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ سے اس موضوع پر بات چیت کی۔

مسٹر دیا مالی کے آباواجداد مہاراشٹر سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کا اصلی خاندانی نام مسٹر دھالے ہے۔ آپ یوایس اے میں مسٹر دیامالی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

یوم اساتذہ کی تقریب۔

اساتذہ بچوّں کے شعور کو بیدار کرنے کا عہد کریں ـــــ وزیر تعلیم

مہاراشٹر کے وزیر تعلیم شری رام میگھے نے ۵ ستمبر کو ناگپور میں یوم اساتذہ کے موقع پر اساتذہ کو تلقین کی کہ وہ اس بات کا عہد کریں کہ با صلاحیت نسل کو وجود میں لانے کے لئے وہ بچوں کے شعور کو بیدار کر کے ان میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کریں گے۔

وزیر تعلیم، ڈھنڈوتے رنگ مندر میں یوم اساتذہ کی ایک ریاستی سطح کی تقریب میں اپنے خیالات کا اظہار فرما رہے تھے۔ اس موقع پر ۸۱ اساتذہ کی عزت افزائی کی گئی ـــــ مہاراشٹر کے وزیر مملکت برائے تعلیم پروفیسر جاوید خان نے اس تقریب کی صدارت کی۔

شری میگھے نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ عام آدمی کو صرف تعلیم دینا ہی مقصد نہیں ہے بلکہ وقت کے چیلنج کا سامنا کرتے ہوئے قوم کی ترقی کے لئے جدید تکنیکی تعلیم کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ شری میگھے نے دیہی طلبا کو نئی تعلیمی پالیسی سے روشناس کرانے کی اہمیت پر زور دیا۔

ریاست میں لڑکیوں کی تعلیم کا حوالہ دیتے ہوئے وزیر موصوف نے فرمایا کہ ساوتری بائی پھولے اسکیم کے تحت ۱۲۰،۰۰۰ لڑکیوں کو تعلیم فراہم کرنے کی ذمہ داری قبول کی گئی ہے اور اس اسکیم کے تحت ۲ لاکھ طلبا کے آنے والے سال میں تعلیمی مصارف برداشت کئے جائیں گے۔

ریاست میں پہلی مرتبہ ادیباسی علاقوں میں اساتذہ کا تعاون حاصل ہوا ہے اور ۳۶ اساتذہ جنہوں نے ۸۴-۱۹۸۳ء اور ۸۵-۱۹۸۴ء میں قبائلی علاقوں میں کام کیا ہے۔ ان کی عزت افزائی کی جائے گی۔

ریاست سے ۸۱ اساتذہ جن میں ۱۸ پرائمری، ۱۹ سیکنڈری ۲ اسپیشل اور سات یونیورسٹی سطح کے ٹیچرس شامل ہیں، کی اس منعقدہ تقریب میں انہیں انعام اور ناریل پیش کرکے عزت افزائی کی گئی۔

پروفیسر جاوید خان نے فرمایا کہ اساتذہ نہ صرف اسکول کے ٹیوٹر ہیں بلکہ ان پر طلبا کو ایک مثالی شہری بنانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

ابتدا میں تعلیم کے سکریٹری شری ایم۔ آر کولہاٹکر نے ریاست میں تعلیم کی ترقی کی روایتی تفصیلات پیش کیں اور مہمان خصوصی کا خیر مقدم کیا۔

اس موقع پر وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر کا پیغام ڈائرکٹر آف ایجوکیشن شری وی۔ وی چپلونکر نے پڑھ کر سنایا۔ ڈائرکٹر آف ایجوکیشن شری وی۔ وی چپلونکر نے نظامت کے فرائض انجام دیئے اور شکریہ ادا کیا۔

اس موقع پر وائس چانسلر آف ناگپور یونیورسٹی، شری مدھوکر راؤ چانسیکر، ناگپور کے میونسپل کارپوریشن کے میئر شری سکھارام چودھری، لیجسلیچر کے ممبران شری رنجیت دیشمکھ، شری سنیل شندے، اور دیگر، صدر ضلع پریشد شری وٹھل راؤ تلاتولے سابق وزیر شری بی۔ ایم گائیکواڑ، ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن شری بی۔ جی کامدی ایجوکیشن افسر اور تعلیمی میدان کے ماہرین اور شہر کے ممتاز شہری موجود تھے۔

ضمانت روزگار کونسل کی ازسرِنو تشکیل

حکومتِ مہاراشٹر نے یکم ستمبر ۱۹۸۵ء سے شری دی۔ ایس پاگے کی صدارت میں ریاست مہاراشٹر ضمانت روزگار کونسل کی ازسرِنو تشکیل کی ہے۔ شری وی۔جی پربھو گاؤنکر ایم ایل اے چیئرمین مقرر کئے گئے ہیں۔

دیگر ممبران حسبِ ذیل ہیں:۔ سرو شری بالاصاحب بھراڈے چیئرمین کھادی بورڈ، ای۔ این بھوشیکر، دیا نیشور نانا پروہت، انا صاحب گوٹ کھندے، ہری بھاؤ نایک، ڈی۔ ایس شیرنگارے، ڈاکٹر این۔ کے بگانیکواڑ، سوریہ کانت پلانڈے، گجدھر راتھوڑ، اور شریمتی کمودنی ڈانڈیکر۔

کونسل کی کارگذاری کی معیاد ایک سال مقرر کی گئی ہے۔

سنگاپور تجارتی مشن کی وزیرِ صنعت سے ملاقات

فار ایسٹ لیونگسٹن شپ لمیٹیڈ کے منیجنگ ڈائرکٹر مسٹر چوچیامو بینگ کی قیادت میں بھارت کے ایک ہفتے کے دورے پر آئے سنگاپور مرین اینڈ اوشن انجینئرنگ مشن برائے انڈیا کے ایک ۹ رکنی وفد نے ۹ ستمبر کو منترالیہ میں وزیرِ صنعت شری سدھاکر راؤ نایک سے ملاقات کی۔

مشن کے ممبران نے وزیر موصوف کے ساتھ مہاراشٹر میں شپ بلڈنگ ایئر کرافٹ انجینئرنگ اور الیکٹرونکس انڈسٹریز کے قائم کرنے کی بابت تبادلۂ خیالات کیا۔ پیٹرو کیمیکلز کارپوریشن کے چیئرمین شری سی۔ وی شیشھادری، ایڈیشنل چیف سکریٹری شری بی۔ کے۔ جوگھلے، انڈسٹریز سکریٹری اور پورٹ افسر کیپٹن شری ایم۔ آئی گوکلے نے اس بات چیت میں حصہ لیا۔

پنشن میں اضافہ

حکومت مہاراشٹر نے مہاراشٹر کے مجاہدین آزادی اور جنگ میں کام آنے والے سپاہیوں کی بیواؤں کی ماہانہ پنیشن ۱۵۰ روپے سے بڑھاکر ۲۵۰ روپے تک ماہانہ کردی ہے۔ یہ اضافہ یکم جولائی ۱۹۸۵ء سے کیا گیا ہے۔

مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت کے زائد عارضی پنیشن یافتگان جو یکم مئی ۱۹۸۳ء سے پنیشن حاصل کر رہے ہیں۔ ان کی پنیشن میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔

کم عمری میں ہی نوجوانوں میں ضبطِ نفس پیدا کیا جائے۔ پروفیسر جاوید خان

مہارشی دیانند کالج کی این سی سی یونٹ کے افسر کمانڈنگ اینڈ کیڈٹس کی جانب سے بمبئی میں ۱۱ ستمبر کو شجرکاری اور عطیۂ خون

یوم آزادی کے موقع پر وزیراعلیٰ کی جانب سے ... بمبئی کے ٹاؤن ہال میں دیئے گئے ... کے موقع پر لی گئی تصویر میں بائیں سے وزیرِ مملکت برائے تعلیم، پروٹوکول و اوقاف پروفیسر جاوید خان، شری جمیل کامل، وزیرِ اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر، شریمتی نیلنگیکر، روزنامہ انقلاب کے سب ایڈیٹر شری سید مبین احمد اور شری زبیر خان کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔



روع کرنے کی غرض سے منعقدہ تقریب میں وزیر مملکت
ے تعلیم پروفیسر جاوید خان نے ملک کے نوجوانوں میں کم عمری
ں ضبطِ نفس پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

پروفیسر جاوید خان اس تقریب میں مہمانِ خصوصی کی
ت سے اپنے خیالات کا اظہار فرما رہے تھے۔

وزیر موصوف نے نوجوانوں میں کھیل کود اور تعمیری سرگرمیوں
جاری رکھنے پر ڈائرکٹوریٹ آف این سی سی اینڈ کیڈٹس کی ستائش کی۔

پروفیسر جاوید خان نے فرمایا کہ عطیہ خون پروگرام کو یہ اہمیت
جانی چاہیئے تاکہ بلڈ بینک میں خون کا خاطر خواہ ذخیرہ
ہو اور کوئی بھی انسانی جان خون کی کمی کی وجہ سے نہ جائے۔

شجر کاری کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے پروفیسر جاوید خان
ں سے نوجوانوں کو شجر کاری کے پروگرام کی وسعت دینے
تلقین کی۔

بریگیڈیئر یادو، ڈائرکٹر این سی سی مہاراشٹر نے
، اس موقع پر تقریر کی۔

ابتدا میں کالج کے پرنسپل شری جی۔ پی سریواستوا نے
ر موصوف اور مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

یشنل پوسٹر مقابلے
۳ اکتوبر تک داخلے مطلوب

ڈائرکٹوریٹ آف تعلیم بالغان وزارتِ تعلیم نئی دہلی
سال برائے ۱۹۸۵ء کے لئے تعلیم بالغان کے لئے تیسرے
ی پوسٹر مقابلے کا اعلان کیا ہے۔ اس انعامی مقابلے کا مقصد
خوں کو تعلیم کی جانب راغب کرنے میں مصوروں کی ہمت افزائی
نا ہے۔

اس مقابلے میں ۵۰۰۰ روپے کا پہلا ۳۰۰۰ روپے
دوسرا اور ۲۰۰۰ روپے کا تیسرا انعام رکھا گیا ہے۔
نے والوں کو ایک سرٹیفکٹ بھی دیا جائے گا۔

مقابلے میں حصہ لینے والے تمام مصوروں کو دو رنگوں
اپنے پوسٹر کی ڈیزائن پیش کرنی ہوگی۔ پوسٹر کی ڈیزائن کی سائز
ا × ۲۰ ہونی چاہیئے۔ ہر داخلے کے ساتھ مندرجہ ذیل
مات پیش کرنی ہوگی۔

مصور کا پورا نام اور پتہ اپنے کوڈ نمبر، پوسٹر ڈیزائن
خرہ، نمونہ کا ہندی کا انگریزی میں ترجمہ۔

ہر لحاظ سے مکمل داخلہ، ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ آف
ایڈلٹ ایجوکیشن وزارت تعلیم حکومتِ ہند جامنگر ہاؤس،
بلاک نمبر ۱۰، شاہ جہاں روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۱ کے نام
۳۱ اکتوبر ۱۹۸۵ء تک روانہ کئے جا سکتے ہیں۔ مقابلے کے
نتائج کا اعلان فروری / مارچ ۱۹۸۶ء کے قریب کیا جائے گا۔

تعلیم بالغان کے پروگرام پر تمام ریاستی حکومتیں / مرکز کے
تحت زیر انتظام علاقے، یونیورسٹیز / کالجس، نہرو یوک کیندراس،
شرامک ودیا پیٹھ، رضاکارانہ ادارے وغیرہ کے ذریعے عمل
آوری کی جا رہی ہے۔ اور ان پروگرام کی عمل آوری میں
درج جاتی، مندرج قبائل، سلم باسی، زرعی مزدور، خواتین
وغیرہ جیسے سماج کے پچھڑے ہوئے طبقات کو ترجیح دی جاتی ہے۔

ترسیل زر کا پتہ :-

اسسٹنٹ ڈائرکٹر (ایڈمنسٹریشن۔۲)
ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
گورنمنٹ آف مہاراشٹر،
بیرک نمبر ۱۹، مقابل سرودئے بلڈنگ
نزد منترالیہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

شرح خریداری

سالانہ :- ۱۰ روپے
۲ سالہ :- ۲۰ روپے
۳ سالہ :- ۲۷ روپے
۴ سالہ :- ۳۶ روپے
۵ سالہ :- ۴۵ روپے

رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔ کوپن منی آرڈر پر
اپنا پتہ پن کوڈ نمبر کے ساتھ صاف صاف لکھیں۔
وی۔ پی۔ پی نہیں بھجوائی جاتی ہے۔

تو مضمون شائع ہوا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ ایسے معلوماتی مضامین کو آپ کے پرچے میں جگہ ملنی چاہیئے تاکہ قومی راج ایک سرکاری رسالہ ہوتے ہوئے بھی Readable بن سکے۔ خدا "قومی راج" کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے اور اس کو اردو کے فروغ اور اشاعت میں معاون بنائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

رحمت اللہ قادری بی۔ اے (آنرز) ڈی۔ ایڈ
مدرسہ گلشن اطفال، نیلنگہ، ضلع لاتور (مہاراشٹر)

" قومی راج " پبلک ریلیشنز کا بہترین ذریعہ ہے۔ افسانے غزلیات وہیں ملک کے بیشتر جرائد سے دستیاب ہو جاتے ہیں۔ آپ حکومت کے ترقیاتی منصوبوں کو زیادہ سے زیادہ شائع کریں تاکہ عوام حکومت کے نظریات جان سکیں اور ان کی خوبیوں اور خامیوں پر نظر رکھ سکیں۔
کامیاب جمہوریت کے لئے باشعور شہریوں کا وجود نہایت ضروری ہے اور یہ ذمہ داری قومی راج بخوبی نباہ رہا ہے۔

امتیاز احمد شکیل
۴۱ میرس ہوسٹل، وی۔ ایم ہال،
اے۔ یو۔ ایم، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱ (یو۔ پی)

کچھ دنوں سے قومی راج، مسلسل علی گڑھ آ رہا ہے اور میرے مطالعے میں ہے۔ اپنے طرز کا اردو کا پہلا پندرہ روزہ ہے جو آفسیٹ پرنٹ پر مغربی رسائل کی طرز پر نکل رہا ہے۔ خدا کرے یہ رسالہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔

شوق ماھری
موگمٹ روڈ۔ کھنڈوہ (ایم۔ پی)

قومی راج باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ قومی راج کی روز افزوں ترقی سے دل بہت خوش ہوتا ہے۔ اتنے ڈھیر سے نمبر اور اتنے اچھے آپ ہی کے بس کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی جدوجہد اور ارادوں میں استحکام بخشے۔ آمین۔



نبیل انساری
بلرام پور۔ گونڈہ (یو۔ پی)

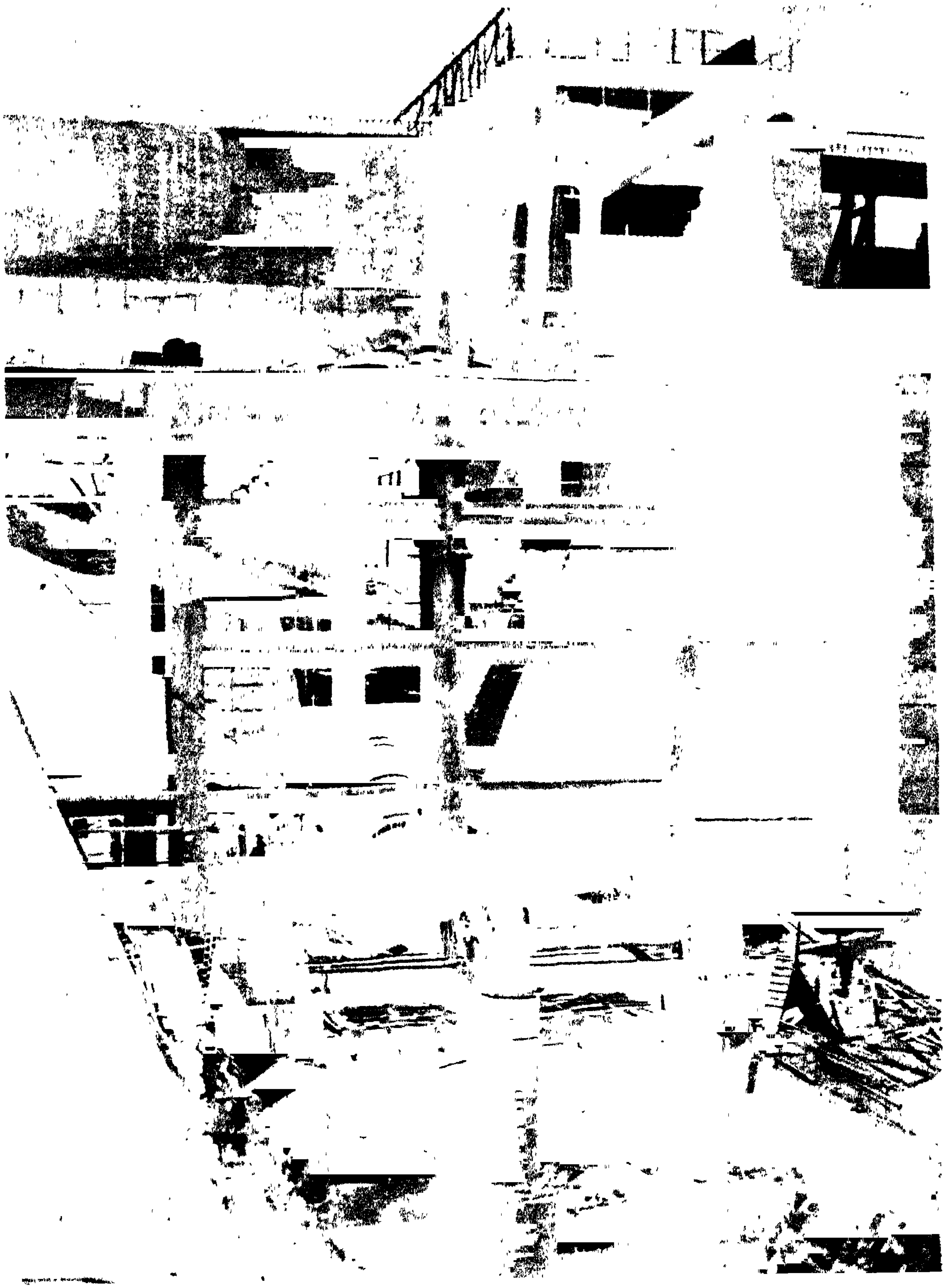
'قومی راج' برابر مل رہا ہے۔ آپ کی ادارت میں "قومی راج" اپنی انفرادیت اور معیار میں نکھرتا جا رہا ہے۔ مبارکباد قبول فرمائیں۔

ایشور راج ماتھر
...ب جیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر)
...، بنجارا گارڈنس، بنجارا ہلس، روڈ نمبر ۱۲
حیدرآباد (اے۔ پی) ۵۰۰۰۳۴

سب سے پہلے تو مبارکباد قبول فرمائیے کہ آپ کی کاوشوں سے آنجہانی یشونت راؤ چوان پر ایک نہایت قابل قدر خاص نمبر کی اشاعت عمل میں آئی۔
میری نظر میں یشونت راؤ جی مہاراشٹر کے نہ صرف پہلے چیف منسٹر تھے بلکہ مہاراشٹر کی بنیاد کو مضبوط کرنے اور مہاراشٹر کا نام روشن کرنے میں انہوں نے جو کام کیا ہے وہ سنہرے الفاظ میں لکھا جانا چاہیئے۔ ایسی عظیم شخصیت کو آپ نے خصوصی نمبر کے ذریعے امر بنا دیا ہے جس کے لئے آپ مبارکباد کی مستحق ہیں۔ اس نمبر میں مہاراشٹر کے تقریب افتتاح کی جو تصاویر شائع کی گئی ہیں وہ واقعی یادگار تصویریں ہیں۔ خاص طور پر "پنسل اسکیچز" (Pencil sketches) جو مہاراشٹر کے مشہور آرٹسٹ نے بنائی تھیں، انہیں شائع کر کے مہاراشٹر کے تقریب افتتاح (Inauguration) کی یاد تازہ کر دی ہے۔

قومی راج کا پرچہ پابندی سے موصول ہو رہا ہے جس کا شکریہ۔
۱۰ جولائی کے قومی راج میں " خوشبو کیا ہے" کے عنوان سے

PRINTED AT THE GOVT PHOTOZINCO PRESS, PUNE-198



... without prepayment of postage

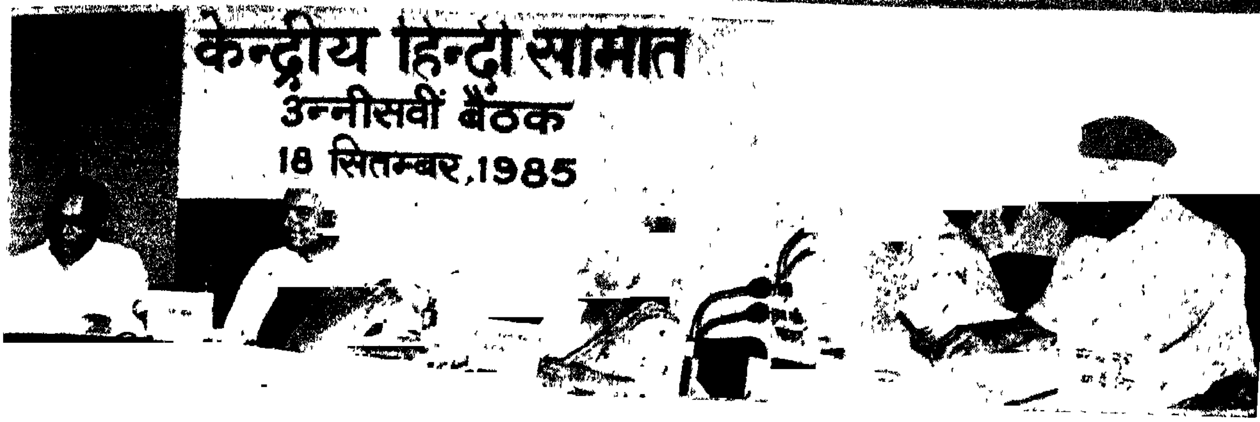


قومی راج

۲۰ دسمبر ۱۹۸۵ء
پندرھواڑہ ترقیات و ثقافت نمبر



Vol. -12
No 20



سنسد بھون، دہلی میں ۱۸ ستمبر کو وزیراعظم شری راجیو گاندھی کی صدارت میں سینٹرل ہندی کمیٹی کا ۱۹واں اجلاس منعقد ہوا ــــ زیرنظر تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں (بائیں طرف) شری شنکر راؤ چوان مرکزی وزیر داخلہ شری راجیو گاندھی ۔ (دائیں طرف) وزیراعلیٰ مہاراشٹر شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر ۔



▲ گورنر، شری کونا پربھاکر راؤ نے حال ہی میں آدھر بیک کی ڈرمیری میں قائم کردہ ایک شاخ کا افتتاح فرمایا ۔ زیرنظر تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں :ــ شری ںکل پاٹل، وزیر مملکت برائے غذا و شہری رسد ۔ تصویر میں دائیں طرف اس موقع پر موجود حضرات دیکھے جا سکتے ہیں

وزیراعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر کی صدارت میں ۲ اکتوبر کو ازسرنو تشکیل کردہ آل پارٹی کمیٹی کا پہلا اجلاس منعقد ہوا ۔ تاکہ ریاست میں خشک سالی جیسے حالات کا جائزہ لیا جا سکے اور اس سلسلے میں اقدامات تجویز کئے جا سکیں ۔ زیرنظر تصویر میں :ــ شری شرد پوار، لیڈر حزب مخالف، شری دادا صاحب جگتاپ، اسپیکر مہاراشٹر لیجلیٹو اسمبلی، شری نریندر ترڈکے، وزیر برائے امداد باہمی، شری سدھاکر راؤ نائیک، وزیر برائے محصول، شری بھائی ساونت، وزیر برائے صحت عامہ، ڈاکٹر وی سبرامنین، وزیر برائے مکانات، شری وجے سینہ موہتے پاٹل، وزیر برائے زراعت اور دوسرے اراکین کمیٹی دیکھے جا سکتے ہیں ۔ ▼



रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

قومی راج

۲۵ اکتوبر ۱۹۸۵ء

جلد نمبر ۱۲ ★ شمارہ نمبر ۲۰

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے
سالانہ: دس روپے ★ فی پرچہ: پچاس پیسے

★
چیف ایڈیٹر: شانتارام سگنے
ایڈیٹر: فیروزہ فیاض خان

25/10/85

ترتیب — صفحہ نمبر

اداریہ

مراٹھی ادبی کانفرنس کے موقع پر

۵۹ ویں کل ہند مراٹھی ادبی کانفرنس ۲۵، ۲۶ اور ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو مراٹھواڑہ میں ناندیڑ کے مقام پر، مراٹھی تہذیب کے گڑھ میں جہاں کافی تعداد میں سنت ہوئے ہیں، منائی جا رہی ہے۔

شری شنکر راؤ پاٹل، مشہور کہانی کار، اس کانفرنس کی صدارت کے فرائض انجام دیں گے اور شری پی۔ وی۔ نرسمہا راؤ مرکزی وزیر برائے ترقیات اس کانفرنس کا افتتاح کریں گے۔ شری شنکر راؤ چوان مرکزی وزیر داخلہ اس موقع پر مہمان خصوصی ہوں گے۔

اس سے قبل کل ہند مراٹھی ادبی کانفرنس، امبے جوگئی ضلع بیڑ، مراٹھواڑہ، میں ہی ہوئی تھی۔ ۴۷ ویں کل ہند مراٹھی ڈرامہ کانفرنس، میں اچاریہ اترے، پی۔ ایل۔ دیشپانڈے اور پی۔ وی۔ بھاوے جیسے مشہور تمثیل نگاروں نے شرکت کی تھی۔

مکندراج، پہلے مراٹھی شاعر، جنہوں نے "ویویک سندھو" لکھی ہے وہ بھی مراٹھواڑہ سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ سنت دیانیشور ایکناتھ مہاراج، سمارتھ رامداس اور دیگر سنتوں نے بھی یہاں کی مٹی کو پاکیزہ بنایا۔ سنت داس گنو، وامن پنڈت اور دیگر بزرگ ادبی شخصیتوں نے مراٹھواڑہ میں مراٹھی ورثہ کو قیمتی بنانے میں مدد کی ہے۔

ہمارا مراٹھواڑہ کی اپنی ادبی، ثقافتی، مذہبی اور تاریخی روایتیں ہیں۔ اس جگہ پر صنعتی ترقی نے بھی قدم رکھا ہے۔ وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے حال ہی میں ۴۲ نکاتی ترقیاتی پروگرام کا مراٹھواڑہ کی ترقی کے لئے اعلان کیا ہے۔ ناندیڑ کی اس کانفرنس میں کئی ادبی شخصیتیں مراٹھی ادب کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گی۔

اس ادبی کانفرنس کے موقع پر "قومی راج" کی جانب سے نیک خواہشات قبول ہوں۔

ایس۔ کے۔ سگنے
ڈائریکٹر جنرل

[نوٹ: مضمون نگار [illegible] متفق ہو ضروری نہیں]

• محمد جمیل مالی

ادبیات میں مراٹھواڑہ کا حصہ

ماضی پر ایک طائرانہ نظر

ویدوں سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ کہ قدیم ہندوستانی ثقافت کی ترقی دریاؤں کے ساحلوں سے وابستہ ہے۔ "داسیوں" جو "آریاؤں" سے پہلے یہاں کے حکمران تھے۔ ان کی بودوباش دریائے گنگا، جمنا اور سندھو کے ساحلوں پر تھی۔ ان دونوں حکمرانوں کی ثقافتیں الگ نوعیت کی تھیں۔ "یکتہ ودھی" پر عمل کرنا "داسیوں" کا شعار نہیں تھا۔ آریاؤں کو اس لئے فتح نصیب ہوئی تھی کہ وہ حکمتِ عملی میں زیادہ مہارت رکھتے تھے۔ لیکن پھر بھی "داسیوں" ثقافت کو مکمل شکست دینا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ جب بھی کوئی "رگوید" میں "داسیوں" کے بسائے ہوئے شہروں، قصبوں اور پتھر کے قلعوں کی تفصیلات و بیانات پڑھتا ہے تو اسے فوراً اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دور میں لوگوں کی خوشحالی، ترقی اور ثقافت کتنے عروج پر تھی۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ "ہڑپہ اور موہنجوداڑو" کی کھدائی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تہذیب جو اس قدیم زمانے میں تھی۔ ترقی یافتہ تھی۔ اور فنون کی دلدادہ اور امن پسند تھی۔

ہندوستانی ثقافت :۔

جب آریائی قبائل ہندوستان میں داخل ہوئے اور پہلی مرتبہ یہاں کے قدرتی طور پر زرخیز زمینوں کو دیکھا تو ان پر یہاں بودو باش اختیار کرنے کی حرص غالب آگئی ۔ چنانچہ انہوں نے " داسیوس "، کے ساتھ جنگ کی ۔ آریاؤں اور " داسیوس "، باشندوں کی جنگیں ورِی تبھا، وسومنت اور برہاٹ پہاڑیوں کے مثلث میں پیش آئیں ۔ " داسیوس "، قوم نے پندرہ سو سال سے زیادہ تک جنگیں لڑیں جن میں وہ بُری طرح سے نیست و نابود کردیئے گئے ۔ اگرچہ داسیوس شکست کھا گئے ۔ وہ کافی مضبوط تھے اور تعداد میں بھی زیادہ تھے ۔ اس کے بعد ان ایام میں جب ان دونوں قوموں نے باہمی جنگیں موقوف کردیں تو غیر آریائی قومیں رفتہ رفتہ مغرب کی طرف منتقل ہوگئیں جبکہ آریاؤں نے اپنی کالونیاں شمال میں بنائیں ۔ اور اسے جنوب کی طرف وسعت دیں ۔ دریائے گوداوری جو مراٹھواڑہ کے درمیان سے بہتی ہے ۔ اس کے ارد گرد کی سرزمین نے دو مختلف ثقافتوں کا سنگم دیکھا ۔ یہ دو مختلف ثقافتیں، آریاؤں اور غیر آریاؤں کی ویدوں کو ماننے والے، اور ویدوں کو نہ ماننے والوں کی تھیں ۔ ایک دوسرے سے باہم دست و گریبان رہنے والی یہ دونوں ثقافتیں رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے مل جل گئیں اور جس کے نتیجے میں ایک واحد ہندوستانی کلچر تشکیل پائی ۔ دریائے گوداوری اور اس کے پاس بسنے والے لوگوں نے اس ملی جلی ثقافت کو پروان چڑھایا، اور اس کا گہرا اثر ادبیات اور فنون پر پڑا ۔

اس وقت باہمی روابط اور رسل و رسائل کے جتنے واسطے تھے انہوں نے ہندوستانی ثقافت جیسے باہمی محبت و بردباری دوسرے مذاہب سے عدم تعرض اور سیکولرازم وغیرہ کو بہت سراہا اور اسے انمول بتلایا ۔ اجنتا غاروں کی پینٹنگ، ویرول کے مجسمے، گوپال نائیک کی موسیقی، داسوپنت کی وِیدیکا سندھو، دیانیشور کی جادوئی طور پر خوبصورت تحریریں ...... یہ سب اس ایک نقطہ کی طرف لے جاتی ہیں جسے انمول ہندوستانی ثقافت کہتے ہیں ۔ مراٹھواڑہ ہی وہ مقام ہے جہاں مختلف ثقافتوں کے باوجود، لوگ ایکدوسرے سے ہمیشہ مل جل کر رہے ۔ ہر ملک میں فاتح اور مفتوح کی ایک تاریخ ہے، لیکن مراٹھواڑہ ایسی سرزمین ہے جو امن کا گہوارہ رہی ہے ۔ اور جس نے ان تاریخی روایات کا کوئی اثر قبول نہیں کیا ۔ قومی یکجہتی کی ان دونوں بڑی اہمیت ہے، لیکن مراٹھواڑہ ہمیشہ سے اس پر عامل رہا ہے ۔ یہاں تک کہ مراٹھواڑہ نے اپنے آپ کو " پوری قوم " کا ایک جزو گردانا ہے ۔

مراٹھواڑہ ہی وہ مقام ہے جو مراٹھی ادب ۔ اور ثقافت کا گہوارہ رہا ہے ۔ مراٹھواڑہ کے بڑے بڑے مضمون نگاروں نے اس زبان میں لکھنا جاری رکھا ۔ اگرچہ تاریخ ان کے ساتھ اس سلسلے میں عدم مساوات کا برتاؤ کرتی رہی ۔ بایں ہمہ یہاں کے مضمون نگار بغیر کسی جھجک کے مضمون نگاری کرتے رہے ۔ اور اس باب میں انہوں نے شہرت کی طلب کو کبھی پیش نظر نہیں رکھا ۔ وہ اس لئے لکھتے رہے کہ ان کے دماغ میں لکھنے کا شوق سمایا ہوا تھا ۔ چنانچہ ہم مراٹھواڑہ کے ادب میں بہت سی ایسی باتیں دیکھتے ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ چیزیں ان کے دماغی رجحانات کا نتیجہ تھیں ۔

مراٹھی کی پیدائش :۔

سنسکرت کی ترقی دریائے سندھو کے سواحل پر ہوئی ۔ رِگ وید کے منتر اور یگنہ بھی دریائے سندھو، گنگا اور جمنا کے سواحل پر نظم کی شکل میں ڈھالے گئے ۔ یقین کیا جاتا ہے کہ یہاں کے قدیم باشندوں نے آریاؤں کے ساتھ روابط بڑھائے اور ان کا ایک دوسرے کے ساتھ میل جول ہوا تو " پراکرت "، (زبان) کی نشوونما ہوئی ۔ وہ لوگ جو مزدور پیشہ تھے انہیں سنسکرت سے بے بہرہ رکھا گیا اور اسی کے نتیجہ میں " پراکرت "، پھلی پھولی اور ایک دوسرے کے معاملات، خواہشات اور امنگوں کے اظہار کا ذریعہ بنی ۔ اسی درجہ کے لوگ اور عوامی ادب نے مل کر مراٹھواڑہ کے ادبیات کی بنیاد رکھی ۔ " گاتھا سپت آشتی "، " شالی وہن " دور کے لئے ایک نمایاں سنگ میل ثابت ہوئی ۔ آگے چل کر انہیں گاتھا گاؤں نے سارے ہندوستان میں لوک گیت کا روپ دھارن کیا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے بڑی بے فکری کی آزاد زندگی بسر کی ہوگی ۔ یہی وجہ ہے کہ گاتھا کی بندشیں غیر مربوط سی نظر آتی ہیں ۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا سنسکرت کی ترقی دریائے

گنگا اور سندھو کے کنارے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر دریائے گوداوری کے قرب و جوار میں بسنے والی قوموں کی زبان کیا تھی؟ بعضوں کا خیال ہے کہ وہ "پراکرت" استعمال کرتے تھے اور یہی ان کا باہمی اظہارِ خیال کا ذریعہ تھا۔ بہت عرصے کے بعد ان کی زبان سنسکرت سے متاثر ہوئی۔

"ابھیر" قوم کا مسکن، دریائے گوداوری اور تاپی کے آس پاس کا علاقہ تھا۔ "ابھیروں" کی ثقافت ہی عوام کی ثقافت تھی۔ بعد میں اسی سماج کو "کریشیوالوں" کا سماج تسلیم کیا گیا۔ اب بھی ہندوستانی ثقافت میں بعض غیر ویدک رسوم اور غیر آریائی رواجات موجود ہیں۔ "وڑ" (بڑ یا برگد کے درخت) اور پیپل کے درخت کی پوجا ان مراسم میں سے ایک ہے۔ جو "ابھیروں" میں مروج تھی۔ وید کے ماننے والوں نے اس رواج کو تسلیم کر لیا۔ دوسری طرف "کریشیوالوں" نے آریوں کے "یگنہ" (بھینٹ دینے کی رسم) کو اپنے رواجات میں شامل کر لیا۔ دونوں ثقافتوں نے ایک دوسرے کی آؤ بھگت کی۔ بعد میں بہت سے قبائل آئے اور ان ہی میں جذب ہو گئے۔ راشٹرکی اور مہاراشٹری انہیں قبائل میں سے ہیں۔ انہیں تمام ثقافتوں اور زبانوں کے میل جول سے مراٹھی پیدا ہوئی۔ مراٹھی کی ابتدائی بولی یا الفاظ آج بھی ان علاقوں کی عوامی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ غالباً "ڈنڈ کارنیہ" مراٹھی زبان کی جنم بھومی ہے۔ "اوپس" نے اسے روحانی بلندی عطا کی۔ گوداوری کے نواحی علاقوں نے پہلے پہل "اوپس" کا تحفہ عطا کیا جو آج بھی ان علاقوں کو روحانی وجدان سے معمور رکھتا ہے۔

بھگوت دھرم :-

مغلوں کی آمد کے بعد مہاراشٹر کے مذہبی اور ثقافتی امور میں بعض تبدیلیاں پیش آئیں۔ مراٹھواڑہ کے "بھگوت دھرم" نے مہاراشٹری ثقافت کو قیام عطا کیا۔ اس ترکیب و تشکیل میں دیروں کے بھونسلے خاندان کا زبردست حصہ ہے۔ چھترپتی شیواجی مہاراج اسی نسل سے تھے۔

پروہتوں کا طور طریقہ :-

"پروہتوں" کے طور طریقوں نے "آریاؤں" کی آمد کے بعد جنم لیا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مورتی پوجا ویدک دور سے قبل رائج تھی اور غیر آریائی قومیں "شیو" کی پوجا کیا کرتی تھیں "رُودرا" کے لئے "یگنہ" گاؤں کے باہر کیا جاتا تھا، اور اس سے یہ مطلب لیا جاتا تھا کہ "رُودرا" ایک غیر ویدک مورت تھی۔ جسے آریاؤں نے "رگوید" کے زمانے میں تسلیم اور قبول کر لیا تھا۔ آریاؤں نے رسوم و رواجات کو سماجی شعار بنا دیا۔ "یگنہ" کی تفصیلات بتلاتی ہیں کہ اس کے انجام دینے میں مختلف گروہ شامل تھے۔ وہ "پُروہت" جو آریاؤں کے ساتھ آئے تھے، ان رسومات کو ادا کیا کرتے تھے۔ اس کے عوض انہیں اناج، گائیں وغیرہ دی جایا کرتی تھیں۔ "پروہتوں" کا طور طریقہ ان معنوں میں کامیابی سے دوچار ہوا کہ انہوں نے "یگنہ" (یعنی اشومیدھ یگنہ) کو سیاسی طاقت کی توسیع کے لئے ایک آلہ کے طور پر استعمال کیا۔ اس طریقہ نے انہیں ایک انوکھی طاقت سے سرفراز کیا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ "رگوید" کی ترتیب ابتدائی صدیوں میں انجام پائی۔ اس کا پہلا اور دسواں "منڈل" اس کے بعد ترتیب دیا گیا۔ تمام "جاتیوں" میں برہمن کا درجہ اول تھا۔ نارائن رشی کے "پورش سکت" نے اس وسیع سماج کی مختلف درجہ بندیاں کی ہیں۔ ویدک لٹریچر نے بعد میں ان کی تائید کی۔ اور پھر "پروہتوں" نے اسے عملی شکل دی۔

سماج میں اپنی انوکھی پوزیشن کو قائم رکھنے کے لئے "پروہتوں" نے مذہبی امور کو ادا کرنے کی اجازت دوسری "جاتیوں" کو کبھی نہیں دی۔ صرف برہمن خاندانوں میں جنم پانے والوں کو ان مذہبی رسومات کے ادا کرنے کی اجازت مل سکتی تھی۔ یہیں سے سماجی بے انصافی شروع ہوتی۔ وشوامتر اور دیوانی کو اپنے حقوق کی خاطر جنگ کرنی پڑی۔ لیکن ویدک دور کے بعد صرف برہمن ان حقوق پر قابض رہے۔ تمام مذہبی کتابیں سنسکرت میں تھیں۔ برہمنوں نے دوسرے "ورنوں" سے تعلق رکھنے والوں کے لئے سنسکرت کا پڑھنا ممنوع قرار دے دیا۔ چونکہ برہمن ہی سنسکرت پڑھ سکتے تھے۔ اس لئے بالواسطہ ملک کے حاکم وہی بنے۔ یہیں سے غیر برہمنوں کے لئے اندھیری راتیں شروع ہوئیں۔

باغی :-

دیانیشوں نے ویدک روایات کے خلاف بغاوت کی۔ "دیانیشوری" کی ترتیب و تدوین کے بعد، مذہب کے دروازے سبھوں کے لئے کھول دیئے گئے۔ دیانیشور کا بائیکاٹ

کیا گیا۔ "بھگوت دھرم" کی کامیابی اس حقیقت سے وابستہ ہے کہ غیر برہمن، جو صدیوں تک دھرم سے بے بہرہ رکھے گئے تھے۔ اب مذہبی امور کی چاشنی سے لطف اندوز ہونے لگے تھے۔ "سان ادب"، جس کے پیش کرنے کا سہرا سنت دیانیشور کے سر تھا۔ اس طرح مذہبی و ثقافتی تحریک کے ذریعے سنت ادب کی روایات کی بنیاد رکھ سکا۔ "دویک سندھو" نے، جس کی ترتیب بندی امبے جوگئی کے مکند راج نے کی، پہلے پہل مذہبی تصورات کو عوام کی زبان میں پیش کیا۔ مراٹھی، دیوگیری کے یادو خاندان کی شاہی زبان تھی۔ ایک طرح سے مکند راج نے اس وقت کے مذہبی خیالات میں انقلاب پیدا کیا۔ اب دھرم عام لوگوں کے لئے کھل چکا تھا۔ عوام احساس کمتری میں مبتلا تھے۔ ان میں اعتماد کی کمی تھی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب ہندوستانی سماج نے پلٹا کھایا۔ مکند راج، کی "دویک سندھو" اور دیانیشور کی "دیانیشوری" نے دھرم کا گیان یا علم کے حصول کا دروازہ سبھوں کے لئے کھول دیا لو چار ورنوں" کے فولادی ڈھانچے کو جوں کا توں برقرار رکھا۔

چار ورنوں کی تردید :-

چکر دھر سوامی نے "چار ورنوں" پر حملہ کیا۔ اس نے "جاتی اور ورن" کے طریقوں کی تردید کی اور "مہانو بھو پنتھ" کی بنیاد ڈالی۔ چکر دھر سوامی، دھرم کے علم کی خاطر جگہ جگہ گئے۔ وہ گوداوری کے ساحل پر پرتشٹھان نگری پہنچے۔ جہاں انہیں "دتاتریہ" کا درشن ہوا اور وہ سنیاسی ہو گئے۔ اس نے ہمہ گیر سچائی کا پرچار کیا اور پھر مہانو بھو پنتھ..... پیٹھن کے پاٹھ شالا کے اہم فلسفہ کی بنیاد رکھی۔

مراٹھی کا روز افزوں استعمال :-

چکر دھر سوامی نے اپنے پیغامات کے لئے مراٹھی کا انتخاب کیا اور ہمیشہ نثر میں لکھا۔ مہانو بھو پنتھ" عوام کے لئے تھا اور یہ بات مناسب ہی تھی کہ عوام تک اپنا پیغام پہونچانے کے لئے وہ زبان انتخاب کی جو لوگوں کی زبان تھی۔ چکر دھر سوامی اس بات پر زور دیا کرتے تھے، کہ ان کے چیلے بھی مراٹھی ہی میں لکھا کریں، اور اس لئے مراٹھی ادب چکر دھر سوامی اور ان کے چیلوں کی تحریرات کی بدولت مالا مال ہو اٹھی۔

مہندر ابھٹ کی کتاب "لیلا چرتر"، جو چکر دھر سوامی کی سوانح و واقعات کے بیان میں ہے۔ صرف کتاب کی حیثیت سے ہی اہم نہیں ہے بلکہ اس زمانے کے سماج کی نقشہ کشی بھی کرتی ہے۔ مہندر ابھٹ نے چکر دھر سوامی سے دیوگاؤں میں مباحثہ و مناظرہ بھی کیا تھا، اور شکست کھانے کے بعد..... چکر دھر سوامی کے چیلے بن گئے تھے۔ بھاسکر بھٹ بدیکر بھی، "شیشو پال ودھ"، جن کی یادگار ہے۔ ایک مہانو بھو تھے۔ "بھاود دیاش"... "پوجا اوسر" کے مصنف بھی مراٹھواڑہ کے تھے۔ اس تصنیف سے ان کا خاص مطلب کرشنا کی پوجا تھی۔ یہ سب مصنفین سنسکرت کے زبردست پنڈت تھے۔

مہانو بھو نے "چار ورنوں" کی تردید کی تو گویا عوام کے لئے گیان (علم) کے دروازے کھل گئے، اور ان میں ایک طرح کا اعتماد جاگ اٹھا۔

بھکتی (عبادت) کا طریقہ :-

بھکتی کا تصور ویدک زمانے کے بعد کی چیز ہے۔ عوام میں بت پرستی کا ذوق بڑھا۔ ایک طرح سے عوام کی یہ محرومیوں اور مایوسیوں کو سکون دینے کی ایک ترکیب تھی تاکہ انہیں ایشوری دھیان گیان میں یکسوئی حاصل ہو۔ اس کے لئے بتوں کو نشان یا علامت سمجھا جانے لگا۔ "رگوید" میں "پاپ پنیہ" کا تصور نہیں تھا۔ "بھکتی سمپرادیہ" نے عام انسانوں کے لئے پوجا کو آسان بنا دیا اور یہ طریقہ عوام میں مقبول ہو گیا۔ نیورتی، گیان دیو، سوپن اور مکتابی۔ "سنیاسی" کی اولاد تھے۔ ویدک روایات کے مطابق یہ "مہاپاپ" (زبردست گناہ) تھا۔ سماج ایسے پورے خاندان کو برادری سے خارج کر دیتا تھا۔ ایسی اولادیں کسی جاتی یا قبیلے میں شمار نہیں کی جاتی تھیں۔ لہٰذا ان کی "زنار" یا جنیو بندی کی تقریب ادا نہیں ہوا کرتی تھی۔

جب ناانصافی حد سے بڑھ جاتی ہے تو انسان خود اپنی نفسی کیفیات پر غور کرنے لگتا ہے۔ دیانیشور کی زندگی میں بھی ایک ایسا مرحلہ پیش آیا تھا۔ درحقیقت اسی مرحلے نے انہیں "دیانیشوری" لکھنے پر آمادہ کیا تھا۔

بھگتی کے طریقے نے عام لوگوں میں روحانیت کو ترقی دی۔ وہ عوام جنہیں دینی کتابوں سے بے تعلق رکھا گیا تھا۔ اب خود دھرمی گیت بنانے لگے۔ دھرم کی باتیں مراٹھی میں کہی جانے لگیں اور سنتوں نے انہیں اپنے تجربات زندگی سے جوڑ دیا۔ سچائی کو، جس طور پر انہوں نے اسے محسوس کیا "ابھنگوں" کے ذریعے اس کا اظہار کیا۔ انہوں نے ایک بہت اچھا اصول بھی پالیا۔ کام عبادت ہے۔ سنت گورا کمبھار جنم کے حساب سے نیچ ذات کا تھا لیکن اپنے کام کی لگن میں اسے وٹھل کا درشن حاصل ہوا۔

ویدک روایات کے مطابق، نیچ ذات کے لوگوں کو انسانوں میں شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ اگرچہ "بھگوت دھرم" کو "نسلی جاتی" کے طریقے میں نیچی جاتیوں کے درجوں کے بلند کرنے میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ انہیں ثقافتی بلندی پھر بھی مل گئی۔ "وِشنو" مساوات پر اعتقاد رکھتے تھے۔ اسی لئے نیچ جاتیوں میں وشنو سنت پائے جاتے ہیں۔ "وشنو" تحریک میں ان سنتوں کا زبردست حصہ رہا ہے۔ یہ تحریک مراٹھواڑہ سے شروع ہوئی تھی، اور مراٹھواڑہ ہی نے اسے عوام میں مقبول بنایا۔

جنار دھن سوامی، سنت ایکناتھ، رینوک نندن، وغیرہ "بھگوت دھرم" کے خاص پرچارکوں میں سے تھے۔ سنت ایکناتھ نے مغل دور میں اس "دھرم" کو چمکتا ہوا رکھا۔ داسوپنت، سنت رام داس اور دیگران نے مراٹھواڑہ کی شان دار تاریخ بنانے میں زبردست رول ادا کیا ہے۔ تقریباً ۴۵۰ سال تک بھگوت دھرم کا اس منظر پر غلبہ رہا۔ "سمپرادایہ" کا مراٹھواڑہ کے افراد کے دل و دماغ پر قدرتاً گہرا اثر رہا۔ دیانیشور اور رام داس دونوں مراٹھواڑہ کے شاعران تھے۔ لیکن ان کی روایتیں الگ الگ تھیں۔ دیانیشور اپنی موزوں تمثیلات کے لئے مشہور تھے۔ جبکہ رام داس سیدھے اور صاف انداز میں لکھا کرتے تھے۔ دیانیشور کا اثر عوام پر زیادہ تھا۔ کیونکہ وہ گھریلو طرز میں بیان کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ منظالم کی مخالفت کرتے وقت بھی مراٹھواڑہ نے شاعرانہ زبان استعمال کی۔

توی راج

غزل

ڈاکٹر محمد منشاءالرحمٰن خان منشاء
۱۱۔ اسٹار کی ٹاؤن۔ ناگپور

شوقِ نظارہ تب و تاب نظر تک رکھیے
گرمیٔ جوشِ جنوں پاؤں سے سر تک رکھیے

دِل جو روئے گا تو طوفان بپا کر دے گا
سلسلہ آنسوؤں کا دیدۂ تر تک رکھیے

قصۂ جور و جفا عام نہ ہونے پائے
گھر کی باتوں کو فقط اپنے ہی گھر تک رکھیے

جان بے ساختہ جلتی ہے تو جلنے دیجیے
یہ سعادت نہ فقط قلب و جگر تک رکھیے

کون سمجھے گا یہاں لفظ و معنی کے رموز
دیکھیے مشقِ سخن عرضِ ہنر تک رکھیے

مشعلِ دل ہی سے ہوتے ہیں اندھیرے نابود
اس کے شعلوں کی لپک ختمِ سفر تک رکھیے

منشاءؔ ہوتی ہیں جہاں حاجتیں پوری سب کی
آپ بھی اپنا تعلق اسی در تک رکھیے

خاتمہ :-

دیانیشور کے تحمل و بردباری کے پرچار، اور رام داس کی افادیت پسندی کے درمیان سنہرا نقطۂ اعتدال کھینچا جاسکتا ہے۔ ویدک اور غیر ویدک روایتوں کا سنگم گوداوری کے کناروں پر پیش آیا تھا۔ اسی طرح ان دونوں، مکاتب فکر کے درمیان سنگم کا وقوع بھی یہیں پیش آنا چاہیے اور اس کی جانچ سائنسی اصولوں پر کی جانی چاہیے۔

مراٹھواڑہ کے لئے ۴۲ نکاتی
نیا ترقیاتی پروگرام

مراٹھواڑہ حلقہ کے معینہ میعاد کے ترقیاتی، ۴۲ نکاتی پروگرام کا وزیراعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے اورنگ آباد میں مورخہ ۱۳/۱۴ ستمبر ۱۹۸۵ء کو منڈل کے منعقدہ اجلاس میں اعلان کیا۔ کچھ زرعی چھوٹے باندھوں کے منصوبہ کو الگ کرکے، دیگر تمام نکات کی ساتویں منصوبہ کے دوران تکمیل کا ریاستی مجلس وزراء نے اسی اجلاس میں فیصلہ کیا۔

یہ ۴۲ نکاتی پروگرام مراٹھواڑہ حلقہ کے مالی، صنعتی، تعلیمی اور ثقافتی ترقی کے منصوبہ سے منسلک ہے اس پروگرام میں بنیترا، نانگی، سارنگی اور اپر مانجرا منصوبہ، جائیکواڑی منصوبہ کے تحت ماجل گاؤں نہری منصوبہ، وشنو پوری اور برہمن گاؤں، سینچائی منصوبہ، ۴۲ چھوٹے نہری... باندھ، زیریں تیرنا منصوبہ وغیرہ اہم سینچائی کے منصوبوں کے ساتھ ساتھ، زرعی ترقی کے لئے ایک زرعی یا زراعتی ٹیکنیکل کالج کا قیام.... خشک بنجر..... زرعی تحقیقی مرکز کا قیام.....اسی تحقیق کے سلسلہ میں ضمنی مراکز... دودھ کا سفوف بنانے کا منصوبہ، وغیرہ کئی اہم منصوبے شامل ہیں۔

صنعتی ترقی کی خاطر "ٹیکسکام" (Texcom) احیاء، برقی، صنعتوں کی ترقی کے لئے آزاد صنعتی نوآبادی، الیکٹرونکس ڈیزائن، اور ٹیکنولوجی سینٹر کا قیام، ریاستی انتظامیہ کے لئے قیام گاہ کا قیام وغیرہ تجاویز کی شمولیت اس ۴۲ نکاتی پروگرام میں کی گئی ہے۔

مراٹھواڑہ ریلوے کی توسیع کے کام میں زیادہ تیزی پیدا ہو۔ اس کے لئے منظور شدہ منصوبہ میں کیا جانے والا مٹی کا کام، مرکزی حکومت کی اجازت سے ریاستی حکومت نے روزگار فراہمی منصوبہ کے تحت اپنے ذاتی خرچ سے کروانے کا تہیہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی زبان کے ریاستی محکمہ کی ممبئی سے اورنگ آباد میں منتقلی، پینے کے پانی کے اضافی منصوبے، آیورویدک (طبیہ) کالج، گیانیشور پارک میں تفریحی مرکز، یہ اس پروگرام کے چند اہم نکات ہیں۔

اس ترقیاتی منصوبہ کے ۴۲ نکات ذیل میں دیئے گئے ہیں۔

۱۔ **جائیکواڑی منصوبے**
ضلع بیڑ، پربھنی اور ناندیڑ کی شمولیت میں ماجل گاؤں بندھ کا تعمیری کام اوّلیت کے ساتھ شروع کیا جائے گا۔

۲۔ تیرنا کے زیریں علاقہ (ضلع عثمان آباد اور لاتور) کا منصوبہ ساتویں پنجسالہ منصوبے کے تحت مکمل کیا جاتے گا۔

۳۔ وشنو پوری۔ اپتا (پہاڑی وادی کا) آبپاشی منصوبہ (ضلع ناندیڑ) اس منصوبے کو بھی اولیت کے ساتھ عمل میں لایا جائے گا۔

۴۔ مراٹھواڑہ کے ایل۔ پی۔ ۲۴ منصوبے کا کام۔
(خرچ کا تخمینہ ۱۸۲۴ لاکھ روپے اور ۹۲۳۰ ہیکٹر زمین

کی پہنچائی) اس منصوبے کو ساتویں منصوبے کے دوران مکمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے ۔

۵۔ برہمن گاؤں کوہستانی وادی کا آبپاشی منصوبہ ۔ (ضلع اورنگ آباد) حکومت سالِ رواں میں اس منصوبے کو اپنے ہاتھ میں لے گی اور اس پر عمل درآمد شروع کر دے گی۔

۶۔ بینے تُرا (ضلع عثمان آباد)، نارنگی سارنگی (ضلع اورنگ آباد) اور بالائی مانجرا (ضلع لاتور) ۔ یہ ضمنی منصوبے ساتویں منصوبے کے دوران ہاتھ میں لئے جائیں گے ۔

۷۔ بین الاقوامی بینک کے تعاون سے خشکی آبی انتظامیہ ادارہ (WALMI) کا ۱۱۶۲۰ کروڑ روپے لاگت کا دوسرا ترقیاتی منصوبہ ۱۹۹۰ء تک پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا جائے گا۔ اس منصوبے کی تکمیل کے بعد اس ادارے کی ٹریننگ کی اہلیت دگنا یعنی ہر سال تقریباً ۵۰۰ ہو جائے گی ۔

۸۔ ٹیکسکام (Tex com.) کو حسبِ ضرورت مالی امداد دے کر ٹیکسکام کا احیاء اور تجدید کا کام انجام دیا جائے گا۔

۹۔ ضلع عثمان آباد میں "وکٹر موپیڈ" نامی جو کارخانہ بند پڑا ہے اسے شروع کرنے کی حکومت کوشش کرے گی۔

۱۰۔ اورنگ آباد میں برقیاتی (الیکٹرونکس) صنعتوں کے فروغ کے لئے ایک علیحدہ صنعتی نوآبادی کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔

۱۱۔ مراٹھواڑہ میں مرکزی حکومت کے الیکٹرونکس کمیشن کے تعاون سے 'سینٹر فار الیکٹرونکس ڈیزائن اینڈ ٹیکنولوجی' قائم کیا جائے گا۔

۱۲۔ اورنگ آباد، جالنہ، امبڈ، خلد آباد، عثمان آباد، بھوکردن،

تودی راج

پربھنی، ناندیڑ، تلجاپور، نلنگا، اوتا، بھوم، اُمرگا، کلمبیڈ، اور نٹرورگ' ان مقامات پر پینے کے پانی کے اضافی منصوبے بروئے کار لائے جائیں گے اور مروجہ طریقوں کے مطابق ساتویں پنجسالہ منصوبے کے دوران انہیں پایۂ تکمیل کو پہنچایا جائے گا۔

۱۳۔ جالنہ اور لاتور ان اضلاع کے نئے مقامات پر حسبِ ضرورت سرکاری عمارتیں، ضلع پریشد کے دفتر اور ملازموں کے لئے رہائشی انتظامات معقول امکانی تدابیر کے ساتھ جلد از جلد کئے جائیں گے ۔

۱۴۔ عدالتِ عالیہ اورنگ آباد کی ضمنی عدالت کی عمارت کی تعمیر کے کام کی اسی مالی سال میں شروعات کردی جائے گی۔

۱۵۔ اورنگ آباد کے دانتوں کے کالج کی عمارت کی تعمیر کا کام جلد ہی مکمل کیا جائے گا۔

۱۶۔ راکشش بُھون کا راستہ کولتار کے ساتھ پختہ بنایا جائے گا اور وہاں مسافروں اور راہگیروں کی سہولت کے لئے ایک سرکاری سرائے بنائی جائے گی ۔

۱۷۔ ناندیڑ کا بند پڑا ہوا سوتی کپڑے کا امدادی کارخانہ "آل انڈیا فیڈریشن آف کوآپریٹیو اسپننگ ملز" اس ادارے یا "مہاراشٹر راجیہ وستر ودیوگ مہامنڈل" کے مالی تعاون سے جلد از جلد دوبارہ شروع کیا جائے گا۔

۱۸۔ لاتور کا بند پڑا ہوا تیل کا امدادی کارخانہ جلد از جلد شروع کیا جائے گا۔

۱۹۔ مراٹھواڑہ کے زرعی کالج کے ماتحت ایک ایگریکلچرل ۔ ایگریکلچرل انجینئرنگ کالج، آئی سی اے آر کی مدد سے شروع کیا جائے گا۔

۲۰۔ بارش کی محتاج زمینوں میں زراعت کو فروغ دینے کے مقصد سے آئی۔سی۔اے۔آر کے ذریعے مراٹھواڑہ میں ایک 'کورڈواہو شیتی (زرعی) سنشودھن کیندر' قائم کیا جائے گا۔

۲۱۔ پربھنی میں گنے کی کھیتی کے فروغ کے تعلق سے ایک ضمنی تحقیقی مرکز قائم کیا جائے گا۔

۲۲۔ مراٹھواڑہ میں حکومت یہ کوشش کرے گی کہ کم از کم پانچ نئے شکر کے امدادی کارخانوں کو اجازت نامے دئے جائیں۔

۲۳۔ ویرول کے قرب وجوار کے علاقے کی ترقی کے تعلق سے مقرر کی گئی جماعت کی سفارشات پر غور کرتے ہوئے ویرول کے مقام پر شاہ جی راؤ کا شاندار مجسمہ نصب کرنا ویرول کی گپھاؤں کی سیاحت کے لئے آنے والے مسافروں کے لئے سہولتوں کی فراہمی کا انتظام کرنا اور گھرشنا پر واقع مشہور مندر کے علاقے میں سدھار لانا وغیرہ کام مناسب تجاویز اور انتخابات کے ساتھ ہاتھ میں لیے جائیں گے۔

۲۴۔ عثمان آباد اور جالنہ، ان میں سے ہر ایک مقام پر ایک ایک سرکاری انتظامیہ قیام گاہ کا جلد از جلد قیام عمل میں لایا جائے گا

۲۵۔ مراٹھواڑہ کی چھوٹی ریلوے لائن کا عرض بڑھانے کے کام میں تیزی پیدا کرنے کے لئے منظور شدہ منصوبے کے مطابق مٹی کے کام، ریاستی حکومت اپنے ذاتی خرچ سے روزگار بہم پہنچانے والے منصوبے کے تحت، مرکزی حکومت کی اجازت سے شروع کرے گی۔

۲۶۔ پرائیویٹ سرکاری ثانوی مدرسوں کو تنخواہوں کی کل رقم کی ۱۲ فیصد رقم تنخواہوں کے علاوہ امدادی رقم (گرانٹ) کی صورت میں دی جائے گی (فی الحال یہ رقم ۴ فی صد ہے۔) اسی طرح زائد ملازمین، زائد کمرے وغیرہ ضرورتوں کے لئے ضرورتمند اسکولوں کے لئے انفرادی طور پر مبلغ ۲۰،۰۰۰ روپے کا عطیہ (گرانٹ) منظور کیا جائے گا۔

۲۷۔ مراٹھواڑہ محکمۂ تعلیم میں ۸۲-۱۹۸۱ء سے تنخواہوں کے علاوہ اخراجات کے لئے عطیہ (گرانٹ) معمولی تناسب کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ اس عطیہ کے فارمولے پر از سرِ نو غور کر کے مراٹھواڑہ شعبۂ تعلیم کی مالی حالت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ساتویں پنجسالہ منصوبے کے اواخر تک حتی الامکان معقول اور مناسب سطح پر تنخواہوں کے علاوہ عطیہ دیا جائے گا۔

۲۸۔ پیٹھن کے مقام پر سنت پیٹھ کے قیام کے سلسلے میں شری بالا صاحب بھارد ے کی صدارت میں ایک جماعت کا قیام عمل میں آیا۔ اس جماعت کا احوال دسمبر ۱۹۸۵ء کے آخر میں حکومت کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ جس کے مطابق حکومت کوئی فوری فیصلہ کرے گی۔

۲۹۔ امباجوگی میڈیکل کالج کے اسپتال میں کوبالٹ۔یونٹ قائم کیا جائے گا۔

۳۰۔ مراٹھواڑہ میں ایک اور آیورویدک۔کالج، شروع کیا جائے گا۔

۳۱۔ ریاستی کابینہ میں مراٹھواڑہ اور دیگر پچھڑے ہوئے علاقوں کو مناسب نمائندگی دی جائے گی۔ نظر انداز کیا ہوا

۳۲۔ اورنگ آباد، عثمان آباد اور لاتور، ان ضلعوں میں صنعتی تربیت کے اداروں کے لئے حسبِ ضرورت عمارتیں ساتویں منصوبے میں تعمیر کی جائیں گی۔

۳۳۔ بیڑ کے مقام پر انتظامیہ قیام گاہوں کی شکل میں مناسب عمارتوں کی تعمیر ساتویں منصوبے کے تحت مکمل کی جائے گی۔

۳۴۔ ناندیڑ سے "گرو گووند سنگھ کالج آف انجینئرنگ" میں 'ٹیکسٹائل ٹیکنالوجی' اور 'شوگر ٹیکنالوجی' کا تربیتی سلسلہ شروع کیا جائے گا۔

۳۵۔ اودگیر کے 'دودھ کا پاؤڈر بنانے کے منصوبے' کے عین مطابق ایک منصوبہ مراٹھواڑہ میں بھی شروع کیا جائے گا۔

۳۶۔ مرکزی حکومت کی طرف سے انعام یافتہ 'جوار تحقیقی مرکز' کی سطح پر ایک مرکز مراٹھواڑہ میں بھی قائم کرنے کی راہ میں حکومت کوشاں ہوگی۔

۳۷۔ پیٹھن کے گیانیشور پارک میں ایک سیاحتی مرکز قائم کیا جائے گا۔ جائیکواڑی منصوبے کے تحت 'گیانیشور پارک' کے ترمیم شدہ تخمینہ میں آراستگی کا کام، سبز روشنی اور فوارہ کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔ اسی طرح ترمیم شدہ تخمینہ سے تقریباً ۵۵ لاکھ روپے خرچ کر کے پیٹھن کے گیانیشور پارک میں پوتھی ستمبھ، گیانیشور مندر اور میوزیم قائم کیا جائیگا۔

۳۸۔ اورنگ آباد کی ریاستی یونیورسٹی کے صحن میں 'وندے ماترم آڈیٹوریم' کی تعمیر کا کام ساتویں پنجسالہ منصوبے کے دوران پورا کیا جائے گا۔

۳۹۔ اورنگ آباد حلقے کے علاقائی میوزیم کی کسی موزوں جگہ پر توسیع کی جائے گی۔

۴۰۔ ریاستی سطح پر 'ذہانتی ترقی کے میدان میں اہم تربیتی ادارہ 'راجیہ آنگل بھاشا سنستھا' کو بمبئی سے مارچ ۱۹۸۶ء سے پیشتر اورنگ آباد منتقل کیا جائے گا۔

۴۱۔ اکتوبر ۱۹۸۵ء سے مراٹھواڑہ میں پسماندہ طبقے کی طالبات کے لئے دو اور طلباء کے لئے سات ہوسٹل کھولے جائیں گے۔

۴۲۔ ریاست کے ثقافتی شعبے کی طرف سے اورنگ آباد ایک ایسا خوبصورت اور شاندار تھیٹر تعمیر کیا جائے گا میں ۱۵۰۰ تماشبین بیٹھ سکیں۔

غزل

★ شفیع اللہ خاں رازؔ اٹاوی
کٹرہ پردل خاں۔ اٹاوہ یوپی ۲۰۶۰۰۱

شاید مرے لہو کا پتا دے رہی ہے رات
دستِ اُفق میں رنگِ حنا دے رہی ہے رات

رُک جاؤ، کھو نہ جائے اندھیرے میں زندگی
ٹھہرو، نئی سحر کا پتا دے رہی ہے رات

انساں کے گناہ چھپانے کے واسطے،
دُنیا کو تیرگی کی ردا دے رہی ہے رات

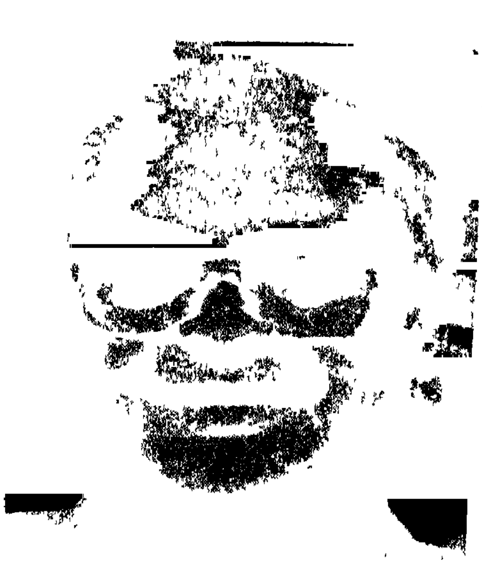
یہ چاندنی کا حسن، یہ شمعوں کی دلکشی
ہر انجمن میں دن کا مزا دے رہی ہے رات

انسان نے وہ زمیں پہ اندھیرے اگائے ہیں
گھبرا کے آسماں کو صدا دے رہی ہے رات

جن کو ستم ظریف اُجالے نگل گئے
ان بیکسوں کے گھر کا پتا دے رہی ہے رات

ٹھکرا رہی ہے رازؔ تو اندھیروں کی آبرو
جلتا ہوا کسی کو دیا دے رہی ہے رات

پی۔ ایس۔ نیرودکر



شنکر پاٹل

ایک بلند پایہ کہانی نویس

۵۹ واں مراٹھی ساہتیہ سمیلن کا اجلاس اس مہینے ناندیڑ میں ہورہا ہے۔ پڑھنے والوں، نقادوں، دقیقہ شناسوں اور مراٹھی ادب کے محبوں کے لئے یہ ایک بڑا واقعہ ہوگا۔ مراٹھی کے ادیبوں کے لئے یہ سمیلن بڑا اعزاز تصور کیا جاتا ہے۔ اس سال کا اعزاز شری شنکر پاٹل کے حصے میں آیا ہے جو مراٹھی میں کہانی نویسی کے ماہر ہیں اور کہانیوں کے ساتھ جن کا لگاؤ اور دلچسپی تیس سال سے زیادہ عرصے کو محیط ہے۔ درحقیقت شنکر پاٹل کا اس عظیم اعزاز کے لئے گذشتہ سال ہی انتخاب کیا جانے والا تھا اور صدارت کے لئے ان کے منتخب کئے جانے کے زیادہ امکانات تھے لیکن وہ رضاکارانہ طور پر صدارتی مقابلے سے دست بردار ہوگئے تھے تاکہ آنجہانی مراٹھی شاعر بکیباب بورکر کو (جو اس وقت اپنی زندگی کے ۷۵ ویں سال میں تھے) اس ممتاز ادبی اعزاز سے نوازا جا سکے۔

شری شنکر پاٹل مخلصانہ طور پر شری بورکر کی شاعری اور شخصیت کے عاشق صادق تھے۔ وہ بورکر کو مراٹھی ادب کے ایک ادبی داستان کی حیثیت دیتے تھے اور ان ہی اسباب کی بنا پر انہوں نے اپنی عمر کے ۵۸ ویں سال میں اعزاز مذکور کے مستحق، ادب میں ان سے بزرگ تر ہستی، کے حق کو غصب کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ شری شنکر پاٹل کے اس برجستہ اور ایثار پیشہ اقدام نے شاعر کے دلی جذبات اور اندرونی احساسات کو بہت متاثر کیا۔ چنانچہ شری بورکر اپنے ایک ہم عصر دوست اور شاعر شری پرشوتم پاٹل کو اس سلسلے میں، ایک خط میں فرماتے ہیں: "اچانک شری پاٹل کے خط کو پڑھ کر میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ موصوف

شنکر پاٹل نے ان خطوط کی نقلیں بھی ساتھ میں جوڑ دی ہیں جو انہوں نے مہاراشٹر ساہتیہ پریشد اور مراٹھواڑہ ساہتیہ پریشد کو روانہ کی ہیں اور جن کے ذریعے موصوف نے دونوں پریشدوں کو اطلاع دی ہے کہ وہ میری خاطر اپنا نام سمیلن کے صدارتی مقابلے سے واپس لے رہے ہیں۔ اگر میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ انہیں مجھ سے بڑی محبت ہے، بلکہ اس لئے کہ ان کے خیالات کتنے بلند ہیں۔" یہ بات بہت افسوسناک اور بدنصیبی کی تھی کہ شاعر بورکر، شری پاٹل کے دست برداری کے باوجود منتخب نہیں کئے جا سکے کیونکہ اس واقعہ کے بعد ہی وہ شدید بیمار ہوئے اور یہی بیماری ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی۔

شری پاٹل کا تعلق ضلع کولہاپور کے ایک دیہی علاقے سے ہے۔ مہاراشٹر کا وہ عجیب وغریب خطۂ زمین جو عام طور سے "گھاٹ" کے نام سے مشہور ہے اور جہاں کے نشیب و فراز، پست و بلند سطح مرتفع اور میدانی ماحول سے شری پاٹل نے اپنی بے حساب اور لاجواب کہانیوں کے لئے افراد و موضوعات و مضامین کا انتخاب کیا اور انہیں صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا۔ کہانیوں کی سلجھی ہوئی شائستہ زبان، میٹھی بولی، خوشنما پوشاک، تصنع سے پاک سادگی، پُرخلوص عادات و اطوار۔ یہ سب اسی ماحول کا اثر ہے جس میں شری پاٹل نے آنکھ کھولی، پلے بڑھے اور بالآخر اپنی کہانیوں کے ذریعے ان میں جان ڈال دی۔ شری پاٹل اپنی عمر کی ساٹھویں منزل کے قریب ہیں اور گذشتہ ۳۵ برس سے علم کے میدان میں مختلف حیثیتوں سے کام انجام دیتے رہے ہیں۔

کولہاپور کے قریب وجوار میں، کسانوں کے ایک غریب مراٹھا خاندان میں پیدا ہونے والے شنکر پاٹل کو اپنی ابتدائی تعلیم، ثانوی تعلیم اور یونیورسٹی کی تعلیم پوری کرنے کے لئے سخت جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ ابھی اسکول جانے والے لڑکے ہی تھے کہ ملک کی تحریک آزادی نے انہیں اپنی طرف کھینچ لیا اور نتیجتاً ایک مہینے کے لئے جیل خانے بھیج دیئے گئے۔ ابھی یہ قید خانے ہی میں تھے کہ یہ دیکھ کر انہیں بڑی مایوسی ہوئی کہ وہ بزرگ مقامی لیڈران جن کی انہوں نے پیروی کی تھی اور جس کی پاداش میں جیل کی سزا بھگت رہے تھے۔ وہ موقع پرست دورخ منافق اور اول درجہ کے بزدل تھے۔ عنفوانِ شباب کے ابتدائی ایام میں ابھرتی ہوئی جوان عمری کے احساسات کے لئے یہ تجربہ ایسا شدید جھٹکا تھا جس نے ان کے تخیلات کو بری طرح متاثر کیا۔ ان کے تخیلات بایں ہمہ، اب بھی بلند ہیں کیونکہ آخر تو وہ ان بہادرانہ دلوں میں راشٹر سیوادل کے زیر تربیت رہ چکے تھے — اور کرم ویر بھاؤ راؤ پاٹل، سانے گروجی، دتو با بھاوے، مہاتما گاندھی جواہر لال نہرو وغیرہ کے بے لوث قومی خدمات سے متاثر تھے بعد میں کرم ویر بھاؤ راؤ پاٹل کے قائم کئے ہوئے "رعیت شکشن سنستھا" کے ذریعے، بہت سے دوسرے کولہاپور اور پونے کے دیہی نوجوانوں کی طرح، انہوں نے بھی پرائمری اور ثانوی تعلیم مکمل کی اور کولہاپور کے مشہور راجارام کالج سے آرٹس کی ڈگری حاصل کی۔

دیہی تعلیم کی پابندی

اس کے بعد شری پاٹل نے "رعیت شکشن سنستھا" میں بطور ثانوی ٹیچر کے، شمولیت اختیار کی۔ وہ چاہتے تھے کہ مہاراشٹر میں دیہی تعلیم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں چنانچہ وہ معاون ٹیچر کی حیثیت سے کام کرتے ہوتے بعد میں "رعیت شکشن سنستھا" کے ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے کولہاپور کے قریب ایک چھوٹے سے پسماندہ گاؤں رودکرڈی میں ملازمت اختیار کر لی۔ اکثر و بیشتر ان کی کہانیوں میں رودکرڈی گاؤں اور اس کے آس پاس کے دوسرے گاؤوں کا ذکر، افراد کے بطور وہاں کے مردوں اور عورتوں کا بیان، اظہارِ خیال اور طرز گفتگو میں عجیب وغریب' دیہی انداز ملتا ہے۔ پھر انہوں نے ہیڈ ماسٹری ترک کر دی اور پونے میں آل انڈیا ریڈیو کے دیہی براڈ کاسٹنگ سیکشن میں بحیثیت ایک افسر کے ملازم ہو گئے اور ایک برہمن لڑکی سے شادی کر لی جس کو یہ ہائی اسکول میں تعلیم دیتے تھے اور پونے میں مستقل طور پر رہنے لگے۔ اس کے بعد تو آپ کلیتاً "پونے کر" ہی ہو چکے ہیں لیکن اتنی تبدیلی کے ساتھ کہ اب آپ ایک سماجی مصلح (ریفارمیسٹ) اور سماجی تبدیلیوں کے پرچارک اور حامی ہیں اور خود اپنے مکان میں صرف اپنے آنجہانی والدین کی تصویروں کی پوجا کرتے ہیں۔ ان کے گھر میں اب نہ کوئی دیوی ہے نہ دیوتا بلکہ اب وہ پکے ملحد (منکرِ خدا) ہیں۔ جب سے ۱۹۷۹ء میں میرا تقرر "بورڈ آف گورنرس آف دی مہاراشٹر ٹیکسٹ بک بیورو، بمبئی اور پونے" کے ایک ممبر کی حیثیت سے ہوا ہے، جس کے شری شنکر پاٹل ایجوکیشنل سکریٹری ہیں، ان سے ذاتی طور پر ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ پرائمری اور ثانوی اسکولوں کے لئے جو درسی کتابیں ٹیکسٹ بک بیورو نے نکالی ہیں۔ ان کی خوبصورتی، مضمون آرائی میں شری پاٹل کے خیالات اور ترتیب بندی کو بڑا دخل ہے۔ وہ دونوں ٹیکسٹ بک بیورو کی سرگرمیوں میں گذشتہ پانچ سال سے مشغول رہے ہیں۔

چھوٹی کہانیاں لطرزیو

شنکر پاٹل چھوٹی کہانیاں لکھنے کی طرف پچاسویں سن میں مائل ہوتے۔ مراٹھی میں مختصر کہانی نویسی کا یہ اختتا

دور تھا لیکن یہیں سے ۱۹۴۵ء کے اس دور کا آغاز ہوا جہاں سے مراٹھی میں مختصر کہانی نویسی کے لئے نئے اسلوب کی بنیاد پڑی اختتامی دور کے مراٹھی میں اول درجے کے مختصر کہانی نویسوں میں پی۔ بی۔ بھاوے، "گنگا دھر گاڈگل" اروند گوکھلے اور دیا نکا تیش مڈگولکر شمار کئے جاتے ہیں۔

کہانی نویسی کے ان استادانہ قلمکاروں نے مراٹھی میں کہانی نویسی کے قدیم روایتی طرز میں وہ انقلاب برپا کیا اور وہ جدت طرازی کی کہ ان میں نیا رنگ جھلکنے لگا اور دلچسپی بڑھ گئی — دیانکا تیش مڈگولکر کی کہانیوں کی بنیاد عموماً مہاراشٹری دیہاتوں کی ہیئت و ترکیب کی ترجمانی کرنے کے ساتھ ساتھ نئے انداز میں سماجی، معاشی اور ثقافتی امور کی اصلاح کی طرف متوجہ کرتا ہے کیونکہ متدیش کی طرح مڈگولکر بھی تو دیہات کا ایک فرد ہے اور اس کا بچپن اور لڑکپن بھی دیہاتوں ہی میں گذرا ہے چنانچہ پچاسویں سنہ اور اس کے بعد کے مراٹھی حکایات کو "گرامین کتھا" (دیہاتی کہانیوں) کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شنکر پاٹل نے اپنی گرامن کتھا کے لئے مڈگولکر کی دیہاتی کہانیوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

کتھا اکلیچا کاندیاچی

(ایک نہایت چالاک آدمی کی کہانی)

جہاں شنکر پاٹل مراٹھی میں حکایت نویسی میں فائق ہیں وہیں بعض دوسری کہانیوں کے لکھنے میں بھی ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ان کہانیوں کی ایک قسم کو "واگ" کہا جاتا ہے جو مراٹھی میں عوامی ڈراموں کے طرز پر ہوتی ہے اور جسے مہاراشٹر میں "تماشا" کے فن کی جان تسلیم کیا جاتا ہے۔ "کتھا اکلیچا کاندیاچی" ایک نہایت چالاک شخص کی کہانی ہے اور گھاٹ کے دیہاتوں میں بلکہ مہاراشٹر کے دوسرے گاؤں میں بھی اس کی باقاعدہ ایکٹنگ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے جسے دیہاتی عوام بڑے ذوق و شوق سے دیکھتے ہیں پاٹل نے اس کہانی کے ذریعے مزاحیہ انداز میں دیہات کے بعض لوگوں کی عیاریوں اور مکاریوں کو اجاگر کیا ہے جسے مہاراشٹر کے گاؤں میں سیاسی انقلاب کے بعد سے کچھ چالاک دیہاتیوں نے اختیار کر لیا ہے۔ اس کہانی سے جہاں طبیعت مگن ہو اٹھتی ہے، وہیں یہ سماجی معاملات پر سنجیدگی کے ساتھ سوچنے پر مائل بھی کرتی ہے اور اس سے اس بات کا صاف اظہار ہوتا ہے کہ حقیقی مزاح کا ہتھیار جسے پاٹل استعمال کرتا ہے اس کا کوئی مقصد ہوتا ہے یا لوگوں میں کسی بات کے سلسلے میں بیداری پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے یا انہیں بعض امور میں بدشگونی لیتے یا غلط عقیدت مندی رکھنے سے باز رکھنا اور سماج سدھار پر زور دینا پیش نظر ہوتا ہے۔

انہوں نے مراٹھی فلموں کے لئے کہانیاں اور مکالمے لکھنے کی ابتدا بھی کر دی ہے جن میں حقیقی سوال و جواب اور کلام و مزاح کا جوش اور جھلک پائی جاتی ہے اور جن کے مکالمے خود مکالمہ نویس کے اس طور طریق کو ظاہر کرتے ہیں جو اس کے اور اس کے گاؤں کی بلکہ اس ماحول کی خصوصیت رہی ہے جس میں ان کی زندگی بسر ہوتی ہے۔

شنکر پاٹل مہاراشٹر میں ایسی کہانیوں کے لئے بھی مشہور ہیں جنہیں عام قصہ گو اپنے لوگوں میں یا بچوں کو خوش کرنے کے لئے دہراتے ہیں۔ قصہ گوئی کو (تعلیم یافتہ) مراٹھی بولنے والوں نے فن ادب کا ایک نہایت پرلطف اور علم آموز انداز تسلیم کیا ہے۔ پاٹل کو مراٹھی پر اتنا عبور حاصل ہے کہ اس طرز کی حکایتیں ایسے الفاظ میں لکھتے ہیں کہ بعض دفعہ ان کے اس طرح کے قصوں کو سننے کے لئے پندرہ ہزار سے بیس ہزار کے قریب دیہاتی اکٹھا ہو جاتے ہیں۔

انہوں نے کوئی بیس برس قبل ایک ناول "تارفولا" بھی لکھا تھا۔ انہیں اس کے لکھنے کے لئے "رائٹرس ورکشاپ" سے ایک گرانٹ عطا کیا گیا تھا۔ اس ناول میں انہوں نے پورے گاؤں کو نیا روپ دھارن کرتے ہوئے دکھلایا ہے۔ اگرچہ سماجی اور روایتی طور پر اس کے پرانے اور عجیب و غریب طور طریقے علی حالہ باقی ہیں اور سیاسی اور معاشی حیثیت سے اس میں جدت پیدا ہوتی جا رہی ہے اور اس کے پس منظر میں نفسیاتی اور ثقافتی معاملات میں وہی بیمار سماج کا رنگ ڈھنگ دکھائی دیتا ہے اور وہی قدیم جمود طاری نظر آتا ہے۔ حیرت ہے کہ شنکر پاٹل کے اس ناول کا ذکر مراٹھی ادب کے نقادوں کی نظر سے بھی بالکل اوجھل ہو گیا اور مہاراشٹر کی اکاڈیمی کے حلقوں میں بھی اسے اس طرح بھلا دیا گیا گویا کہ اس کا کبھی کوئی وجود ہی نہ تھا۔ اس فراموشی کا اثر پاٹل پر بھی ہوا۔ وہ دل شکستہ ہو گئے اور حوصلہ شکنی کے اس انداز سے متاثر ہو کر انہوں نے ناول نویسی ہمیشہ کیلئے ترک کر دی۔ تاہم کچھ پہلے، پاٹل کے لکھے ہوئے اسی ناول نے ان کی

افسانہ نویسی کے بارے میں، مراٹھی ادب کے نہایت بلند پایہ نقاد پروفیسر بھالچندر نیماڈے کی طرف سے نئی دلچسپی پیدا کردی انہوں نے ناول مذکور پر اس کے تمام ادبی اور اختراعی پہلوؤں سے نقادانہ نظر ڈالی اور اس کی تعریف کی کہ ناول مذکور نے ۱۹۶۴ء کے آس پاس دیہی زندگی کے اخلاقی اور سماجی معیار کے انحطاط اور گراوٹ کو نہایت سچائی کے ساتھ پیش کیا ہے پروفیسر نیماڈے اس چیلنج کو بہت اونچا درجہ دیتے ہیں جیسے ناول نویس مذکور نے ان لوگوں کے روبرو پیش کیا ہے جو پرانے گھسی پٹی، جمودپسند طرز کے دلدادہ تھے جو اس وقت کے مراٹھی ناولوں میں مروج تھے۔

نہایت وقیع کارپرداز

لیکن اگر گذشتہ تیس سال کے نہایت وقیع مراٹھی قلمکار کی حیثیت سے شنکر پاٹل کو کوئی پیش کرنا چاہے تو اس کے لئے سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہ ہوگا کہ وہ پاٹل کے مختصر کہانی نویسی کے تمام پہلوؤں کے نرالے طور طریقوں پر غور کرے۔ اس کی مختصر کہانیوں کے کتابی شکل میں مجموعوں کی تعداد درجن بھر یا دو درجن سے زیادہ ہے۔ اس کی کہانی نویسی اپنے سلسلوں اور قسموں، تنوع، مضامین، اور انسانی ماہیت سے لحاظ جس قدر کثیر ہے، اتنا ہی وسیع، دشوار اور پیچیدہ اس ادبی نقاد اور اسکالر کا کام ہوگا جو یہ چاہے کہ وہ پاٹل کی مختصر کہانیوں کا تمام حیثیتوں سے احاطہ کرے۔ اپنی ایک کہانی "ویدھ" (مقصد) میں خود قلمکار کو اس مختصر کہانی کے لئے مضمون کی تلاش میں کافی جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ ساتھ ہی یہ بات بھی بڑی دلچسپ اور باعث انکشاف ہے کہ خود حکایت نویس اپنے خیالات کو ان الفاظ میں سپرد قلم کرتا ہے وہ کہتا ہے۔ "کیا خوب! سارے تجربات کہاں گئے؟ اب میں کہاں ان کی تلاش کروں؟ اور کیا یہ بات ممکن ہوسکتی ہے کہ وہ تلاش سے مل جائیں؟ انہیں تو اپنے طور پر خود (ذہن میں) آجانا چاہیے۔۔۔ کوئی حکایت (پودے کی طرح) دماغ میں میں کہاں اور کیسے لگائی جاسکتی ہے۔ یہ تو کوئی کہہ سکتا ہی نہیں جب ہمیں کسی مختصر کہانی سے واسطہ پڑتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ ہمارا تعاقب کررہی ہو۔ ہمارے لئے اس کا تعاقب کرنے سے کیا فائدہ؟ اس کو تو ہمارے ذہن میں خود آجانا چاہیے۔

سچ مچ اس قسم کی بعض کہانیاں دل کی گہرائیوں کو چھو لیتی ہیں۔"

۱۹۶۶ء میں پاٹل کی منتخب حکایتوں کا ایک مجموعہ شائع ہوا تھا جس کی مطالعہ پر مبنی تمہید مراٹھی ادب کے ایک مشہور نقاد پروفیسر ڈبلیو۔ ایل۔ کلکرنی نے لکھی تھی۔ وہ فرماتے تھے:۔

"شنکر پاٹل کی مختصر کہانی نویسی کے ذریعے ہمیں جو تجربات حاصل ہوتے ہیں وہ گاؤں کے مردوں اور عورتوں کے بارے میں ہیں اور اس نقطۂ نظر سے وہ اپنی ایک امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں۔ ان امتیازی خصوصیتوں کو ٹھیک سے سمجھنے اور پھر انہیں الفاظ میں ڈھالنے کی صلاحیت پاٹل کی نکتہ رسی پر دلالت کرتی ہے اور اس صفت کا حصول کوئی آسان چیز نہیں ہے۔ پاٹل کی مختصر کہانیوں کے ذریعے گاؤں کے مردوں اور عورتوں سے یہ نمایاں تجربات مع ان کی تمام خصوصیات کے، نہایت اطمینان بخش طریقے پر الفاظ کا جامہ پہناتے گئے ہیں جن کے سبب وہ تجربات خود انوکھے دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں گاؤں کی زمین کی خاص نوعیت اور طرز کی بو باس بھی رچی بسی ہوئی سی معلوم ہوتی ہے۔"

کہانیوں میں عورتوں کا ذکر

پروفیسر کلکرنی، پاٹل کی ان منتخب کہانیوں کی اندرونی ساخت سے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ کرتے ہوئے جن پر مراٹھی ادب کی دنیا میں بہت زیادہ بحث و تمحیص ہوئی ہے ان کی کہانیوں میں دیہی عورتوں کی امتیازی خصوصیتوں کا دقیق انداز میں بیان کئے جانے کا ذکر خاص طور سے کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: شنکر پاٹل کی کہانیاں خود بخود خاندانی کہانیاں بن جاتی ہیں اس بات پر غور کرتے کرتے ہوتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیہی عورتیں ان کی کہانیوں میں بڑی اہمیت اختیار کرلیتی ہیں۔ بات جو بھی ہو یہ دیہی عورت اکثر پاٹل کے غور و فکر کا موضوع رہی ہے۔ وہ ماں ہے، گھر کی مالکہ ہے، خسر کے گھر میں رہن سہن اختیار کرنے والی ہے، ایک ساس ہے، ایک بہن ہے اور اس کے علاوہ رشتہ داریوں کی بہت سی شکلوں میں وہ ہمارے سامنے آتی ہے لیکن اس میں ایک رومانی عاشق کا ناطہ نہیں پایا جاتا۔ گویا کہ ایک دیہی عورت کی زندگی میں رومانی عاشق کے لئے ایک کم مدتی ماتحتی کا رول مقسوم ہوچکا ہے۔ اسی لئے پاٹل کی کہانیوں میں عورت کو شاذونادر عاشق کے رول میں پا

نرملی راج

ہیں۔ تکلیف، تکلیف اور صرف تکلیف اس کی زندگی کی پھڑکتی ہوئی نبض ہے! اسی نبض کے نغموں کے ساتھ منسلک ہوکر وہ اپنی شادی شدہ زندگی کو مستعدی کے ساتھ بسر کرتی ہے۔ گویا کہ وہ زندہ ہے تو خاندان کے لئے، اپنے لئے نہیں۔ خاندان اس کا ہے، تمام تر اس کے لئے ہے اور اسی پر اس کا خاتمہ ہے۔ تحمل، تکلیف، خودسپردگی اور دوسروں کے لئے محنت کرتے رہنا، اس کی عادت ہے، مرد کی طرف سے فراموش کردہ عورت صحیح معنوں میں مردوں کا سہارا ہے۔

دائمی انسانی عنصر

اس طرح، شنکر پاٹل نے بحیثیت مختصر کہانی نویس کے، جہاں تک مراٹھی میں جدید کہانی نویسی کی حکمرانی کا تعلق ہے، اپنے لئے شہرت کے مندر میں ایک مستقل جگہ بنالی ہے۔ واقعتاً اس کی مختصر کہانی، جیسے کہ وہ اس کے ہاتھوں قلم بند کی جاتی ہے بالآخر خود "شنکر کی کہانی" یا شنکر کتھا ہو جاتی ہے کیونکہ اسکی طرزِ تحریر نقشہ کشی اور ڈراما۔ سب میں شنکر پاٹل کی خصوصیات ہوتی ہیں۔ درحقیقت پاٹل کی مشہور و معروف مختصر کہانیاں، امکانی حد تک انسانی ڈراما کے دائمی عنصر سے بھرپور ہوتی ہیں۔ ان روحانی گہرائی اور ہٹیلا پن، ان کے نپٹ انسانی حقائق نہ صرف دل و دماغ پر چھا جاتے ہیں بلکہ اندرونی اور بیرونی طور پر پڑھنے والوں کے حساس خیالات و جذبات اس میں گم ہوکر رہ جاتے ہیں۔

ہم پرتدّولے سے زمانے سے سنتے آرہے ہیں کہ کس طرح چھ اشخاص ایک مصنف کی تلاش میں نکلے لیکن شنکر پاٹل کی زندگی ہی میں کچھ عرصے پہلے ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ان کے مراٹھی ساہتیہ سمیلن کا صدر منتخب ہو جانے کے بعد کولہاپور علاقے کے گاؤں والوں اور پاٹل کی جنم بھومی کے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے گاؤں میں ہی تمام روایتی دیہی طمطراق اور انداز جشن کے ساتھ ان کا اعزاز و احترام کیا جائے چنانچہ خود ان کے گاؤں پٹن کوڈولی کے ہزاروں لوگوں نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ ان کا جشن منایا۔ پٹن کوڈولی وہ گاؤں ہے جہاں زیادہ تعداد میں دھنگر یا چرواہے رہتے ہیں۔ یہ بستی چرواہوں کی ہے شنکر پاٹل کو اعزاز میں جو پیشکش دی گئی تھی وہ چرواہوں کی ایک گھونگڈی یا کمبل پر لکھی گئی تحریر تھی اور جسے ان کے ان گنت گاؤں کے لوگوں نے ایک نادر المثال عزت افزائی کی علامت کے طور پر دیا تھا۔ وہ اعزاز جس کی مثال پوری ادبی دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ مجھے امید ہے کہ اس شاندار جشن میں شرکت کے موقع پر شنکر پاٹل کی ملاقات ایسے بہت سے لوگوں سے ہوئی ہوگی جن کا تمثیلی ذکر ان کی کہانیوں میں ہے۔ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہزاروں مرد اور عورت جو اس جشن کے موقع پر جمع ہوئے تھے ان کا مطمحِ نظر کسی مصنف کی تلاش نہیں تھا بلکہ یہ اعتقاد تھا کہ مصنف ان کو مل چکا ہے۔ اور یہ شخصیت اس شنکر پاٹل کی ہے جو مراٹھی میں مختصر کہانیوں کے لکھنے میں پوری مہارت کا حامل ہے اور جو مہاراشٹر کے کولہاپوری دیہی علاقے میں خود اپنے گاؤں کی زمین جوتنے اور بونے والوں کی آنکھوں کا تارا ہے۔

(ترجمہ: شمیم)

صفحہ نمبر ۲۰ سے آگے

تاریخی، ثقافتی اور ادبی نانڈیڑ

کی تنظیم جیسی سرگرمیاں اس براہ میں وقتاً فوقتاً منعقد ہوا کرتی ہیں۔ ناٹیہ شیبروں کا انعقاد بھی ہوا کرتا ہے۔

اخبارات:-

گوڈاور سماچار، جسے شری ڈی۔ جی۔ رسال نے جاری کیا۔ مراٹھواڑہ کا پہلا روزنامہ ہے... اسی طرح ڈیلی پرجاوانی (جس کے مدیر شری شدھاکر ڈونی پھوڑے ہیں) ڈیلی ستیہ پربھا (جس کے مدیر شری پربھاکر راولی ہیں) ڈیلی شرامک الجوٹ (جس کے مدیر شری کرشنا شوا کر ہیں) ڈیلی پنچ نامہ (جس کے مدیر شری لکشمن راؤ گائیکواڑ ہیں) ڈیلی گوداوری ٹائمز (جس کی مدیرہ شریمتی سوریا کانتا پنڈت اور شری اردن کلکرنی ہیں) اور ہفتہ وار پیرووڈ (جس کے مدیر شری جی۔ این۔ آمبیکر ہیں)

یہ تمام اخبارات یہاں سے شائع ہوتے ہیں تاکہ لوگ خبروں سے اور لوگوں کے افکار سے آگاہ رہیں۔ ہر سال یہ اخبارات اپنا خاص دیوالی نمبر بھی شائع کرتے ہیں اور نئے قلمکاروں کو لکھنے کے مواقع بھی دیتے ہیں!

ترجمہ: ایم۔ حیات (ایم۔ اے)

य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

• پانڈورنگ کنتاوارکر

تاریخی، ثقافتی اور ادبی ناندیڑ

ایک تبصرہ

کھوج سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناندیڑ کی تاریخ کی ابتدا چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ اس کا قدیم نام نونند ڈیرا تھا پھر تبدیلئ زمانہ سے یہ نام نندی تات اور نندی کدہ ہوا جیسا کہ بعض پتھر اور تانبے کی تختیوں پر کھدے ہوئے کتبات سے پتہ چلتا ہے۔ چونکہ نندا خاندان نے یہاں سالہا سال تک حکومت کی اس لئے ۱۲ویں صدی عیسوی تک اس شہر کا نام نندی گرام یا نندی تات تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شہر کے آس پاس اس وقت نو پہاڑ تھے جن میں سے بعض جو اب موجود ہیں ان کے نام "کالیکا ٹیکری، ہنومان ٹیکری، دھنگر ٹیکری، برہما ٹیکری، سدھ ناتھ پوری ہیں اگرچہ ان کی تصدیق میں کوئی شہادت دستیاب نہیں ہے۔

چالوکیہ خاندان کی حکمرانی کے دوران شہر "ناندیڑ" مرکز علم کی حیثیت سے مشہور تھا۔ آج بھی برہما پوری، اور سدھ ناتھ پوری میں اس کی تاریخی شہادتوں کا ملنا ممکن ہے۔ لیکن اس باب میں آثار قدیمہ کی کھوج لگانے کا انتظام اب تک کیا نہیں گیا۔ بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں ممکن ہے کہ چکر دھر سوامی کی بود و باش ناندیڑ میں رہی ہو۔ جیسا کہ لیلا چرتر میں مذکور ہے کہ انہوں نے ناندیڑ کے علاقے میں بھاویشور مندر تعمیر کیا تھا۔ بھانو بھاؤ کی یہ مشہور خانقاہ یا دھرم شالہ آج بھی مشہور و موجود ہے۔ ۱۲ویں صدی کے بعد یہاں مسلم حکومت تھی۔ وزیر محمود گاواں مشہور مسلم حکمرانوں میں سے ایک تھا اور وزیر آباد کا علاقہ ہمیں اس حکمراں کی یاد دلاتا ہے۔ سترہویں صدی عیسوی میں شہادت کے مطابق یہ علاقہ بہت سے فوجی حملوں کا نشانہ بنا۔ نظام کے "نظام شاہی"، قطب الدین کے "قطب شاہی" اور بید کے "بیدر شاہی حکمرانوں نے اپنی اپنی آزاد حکومتیں قائم کرکے یہ حکمرانی کی۔ ان حکمرانوں کو ختم کرنے کے لئے، ایسا لگتا ہے کہ مغلوں نے کئی دفعہ حملے کئے۔ اس بات کی شہادت ملتی ہے مغلوں نے قندھار پر ۱۶۲۹ء میں حملہ کیا تھا تاکہ نظام شاہی حکومت کا خاتمہ کر دیں۔ ۱۷۲۴ء میں عثمان علی نے یہاں آزاد نظام شاہی حکومت قائم کی اور دوسروں کو آقا ماننے سے انکا

کیا تھا۔ اس وقت ناندیڑ اور اس کے نواحی علاقے پر بیدر کے صوبہ دار کچھ عرصہ تک حکمراں رہے۔ مسلسل جنگوں کے سبب، اس دوران کی ناندیڑ کی تاریخ صحیح طور پر ضبط تحریر میں نہیں لائی جا سکتی۔ اس کے بعد ایسا لگتا ہے کہ ناندیڑ اور اس کے آس پاس کا ملحق علاقہ نظام کی حکمرانی میں چلا گیا۔ راشٹرکوٹ خاندان نے قندھار پر کافی لمبی مدت تک حکمرانی کی۔ وہاں کے قلعے اور بعض یادگاریں اس خاندان کی حکمرانی اور خوش حالی کی شہادت دیتے ہیں۔ جب یہ علاقہ پوری طرح نظام کی حکمرانی میں چلا گیا تو اس دور کی کوئی ثقافتی یا ادبی دین کا کوئی پتہ دکھائی نہیں دیتا۔

سنہ ۱۹۱۷ء میں ہدگاؤں اور گاؤنے کے مقامات پر ساہتیہ پریشد (ادبی کونسل) کی تشکیل عمل میں آئی اور اس کے جلسے بھی ہوئے جن میں پسماندوں کی سماجی اصلاح اور ان کی سربلندی کی تجویزیں پاس ہوئیں، اور اس سلسلے میں کچھ کام بعد میں کیا بھی گیا۔ پھر سنہ ۱۹۲۰ء میں مہاراشٹر پریشد کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا جلسہ عمری میں بڑے شان دار پیمانے پر ہوا۔ یہاں بھی سماجی اصلاحات کے بارے میں اہم تجاویز منظور کی گئیں۔ شری کورانکر اور شری وامن نائیک، جیسی اہم قانون داں شخصیتوں نے اس تحریک کی سرکردگی فرمائی۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں یہاں کی ریاستی کانگریس وجود میں آئی۔ جس نے پورے علاقہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ پھر یہ فورم اس وقت کے سیاسی حالات کی طرف راغب ہوا۔ جس نے بہت سی تحریکوں کو جنم دیا جن میں سب سے اہم آزادی کی تحریک، مذہبی تعلیم کی ترویج اور مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے متعلق تھی۔ اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ سرکاری ملازمتیں زیادہ سے زیادہ جتنے لوگوں کو دی جا سکیں، دی جائیں۔

سنہ ۱۹۳۶ء کے بعد ناندیڑ قومی آزادی کا مرکز قرار پایا۔ آئندہ چل کر یہ تحریک، "تحریک آزادی حیدرآباد" کے نام سے چلائی جانے لگی۔ سنہ ۱۹۳۸ء کے بعد تحریک کی شدت نے عام آدمی کو اس میں شریک ہونے پر مجبور کیا۔ سنہ ۱۹۴۲ء کی پینور ستیہ گرہ بالخصوص قابل ذکر ہے۔ جس کے نتیجے میں انفرادی ستیہ گرہوں کا چلن چل نکلا۔ اس تحریک میں شرکت کے متعدد محاذات بنائے گئے۔ وہ محاذ جو "جھنڈہ ستیہ گرہ" کے نام سے ناندیڑ میں "جونا مونڈھا" سے شروع کیا گیا تھا۔ بہت کامیاب تھا۔ اس میں ہر مذہب، اور ہر ذات کے لوگوں نے شرکت کی تھی۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے فنڈس ناکافی تھے، اور رقم حاصل کرنے کے لئے عمری بینک پر ڈاکہ ڈالا گیا۔ یہ پوری تحریک سوامی رامانند تیرتھ کی رہنمائی میں انجام پائی۔ جن کے ساتھ سر دیشی ڈگمبر راؤ بندو، شام راؤ بوڈھانکر، صاحب راؤ براڈکر، اننت راؤ بھالے راؤ، جیون راؤ بوڈھانکر، آباصاحب لاہانکر، بھگوان راؤ گنجادے، رگھوناتھ رنجنیکر، گوپال شاستری دیو، کامریڈ وی۔ ڈی دیشپانڈے اور قندھار کے بزرگ فریڈم فائٹر رام داس کو لنور کر تھے۔

مقدس گردوارہ :۔

بابا نندا سنگھ یہاں کچھ وقت کے لئے سترہویں صدی میں ٹھہرے تھے۔ بعد میں گرو گوبند سنگھ، سکھوں کے دسویں گرو کا انتقال یہیں ہوا تھا۔ جن کی یادگار کے طور پر ان کی مقدس سمادھی پر ایک عالیشان گردوارہ بنایا گیا تھا۔ یہ مقام بہت مقدس ہے جہاں دسہرہ اور ہولی پر بہت بھاری جمعیت جمع ہوتی ہے۔ اسے سکھوں کا "دکن کاشی" کہتے ہیں۔

ادبی ناندیڑ :۔

ایسا لگتا ہے کہ ضلع ناندیڑ میں ادبی لٹریچر کا آغاز اور پرورش انتہائی مخالف حالات میں ہوئی۔ وامن پنڈت جن کا تعلق شیہا خاندان سے تھا۔ ایک بڑے شاعر تھے، جن کی شاعری کی پورے مہاراشٹر میں بڑی دھوم تھی۔ سنت شاعر ڈی۔ ایل۔ مہاجن کی شاعری مخالف حالات کے باوجود پھلی پھولی۔ ان کی تصنیفات کی تعداد ۲۰ ہے۔ اس کے علاوہ بھی کافی مواد موجود ہے۔ جن سے اتنی ہی کتابیں مزید لکھی جا سکتی ہیں۔ سنت شاعر وشنو داس کی مذہبی اور عقیدت مندانہ شاعری آج بھی مہاراشٹر کے گھر گھر میں پائی جاتی ہے۔ مشہور سنت داس گنو مہاراج نے بھی ناندیڑ کو اپنا گھر بنایا۔ انہوں نے تقریباً ایک لاکھ بند نظم کئے۔ ان کا ادب مہاراشٹر بھر میں مشہور ہے۔ شری ہری ہر سونولے، سابق پارلیمنٹ ممبر، ناندیڑ ہی کے تھے، اور ایک بڑے شاعر اور کہانی نویس تھے۔ یہ شیڈولڈ جاتی سے تعلق رکھتے تھے

اور نظموں کے علاوہ سماجی معاملات پر آرٹیکل لکھتے تھے ۔ شری ڈبلیو۔آر۔ کانت بھی ناندیڑ ہی کے شاعر تھے۔ آنجہانی وی۔اے۔ عرف تاتیا صاحب کانولے، اپنے اتہاس سنشودھن منڈل کی وساطت سے زندگی بھر تاریخی تحقیق میں لگے رہے۔ نئی نسل کے لکھنے والوں میں آنجہانی شری نرہر کورندکر بہت بلند پایہ مضمون نگار اور زبردست مفکر اور نقاد تھے ان کی تصانیف میں "رچر ڈڈھارا انی کتھ" کے آرٹ کی شرح "شیوراترہ" "جاگر" "بھجن" "نہرو ..... ایک ریویو" اور کئی سیاسی اور سماجی مضامین ہیں۔ نوعمر نسل کے ایک شاعر دیگلورکے "لکشمی کانت تمبولی نے ایک نظم "دور گیلیلے گھر" "امواتۃ سوریاستۃ" "کرشنا کمل" "غزل" ان بعض کتابوں میں سے ہیں جو انہوں نے لکھی۔ ڈاکٹر ایس۔آر۔ گاڈگل اور شری ناگناتھ کوٹاپلے شرح نویسوں میں سے ہیں۔ شری دتہ بھگت ایک مشہور ڈرامہ نویس ہیں جنہوں نے "آورت"..... چکر دیو ہا" اور ایک ایکٹ والے ڈرامے لکھے ہیں ان کے تین ایکٹ والے ڈرامے "اشمک کولیا" "کھیلیا" "کلنکنی" تاحال شائع نہیں ہوئے ہیں۔ جناردن کدم ایک کہانی نویس ہیں جو اپنی کئی کہانیوں کے لئے کئی انعامات حاصل کر چکے ہیں۔ "مدتے" اور "آھار" ان کی کہانیوں کے مجموعے ہیں جو شائع ہو چکے ہیں۔ ناندیڑ کے گووند کلکرنی ایک جذباتی شاعر ہیں۔ جنہوں نے "پاتولے" اور منا چے دوہ لکھے جو نظموں کے مجموعے ہیں۔ شاعر راجہ مکنڈ کو قدیم اور جدید نسلوں میں ایک انوکھا مقام حاصل ہے۔ ان کی نظموں کا ایک مجموعہ "تنناوا" ہے بھاگوت شیرساگر کی نظموں کا ایک مجموعہ "مادھن ہا" اور "ردیندرا"..... ھڈاشنکر کی "تھنئی" اور "دینگی" کی اشاعت ہو چکی ہے۔ امرت دیشمکھ، ڈبلیو۔ایچ۔ کلیانکر، سوبھاش وانسنیکر، بھارت بھوشن گائیکواڑ، مادھو کرشنا ساؤگاؤنکر، ایم۔کے۔ گھل وار، سدھاکر گجرے، اچھا کہنے والے شعراء ہیں۔ شری بھگوان کا تھیکر ایک مضمون نگار شاعر اور نقاد ہیں۔ جن کی کہانیوں کے مجموعے بنام "بھل۔ابھل" اور "آگ۔لاوا۔آگ" کچھ عرصے قبل شائع ہوئے ہیں شریمتی اوشا ایک ٹکے نے "بندی داس" نامی ایک کتاب لکھی۔ اسی طرح پرشرام گیمیکر کی مجموعہ حکایات "وڈاروواٹی" شائع ہو چکی ہے۔ ادب میں دوسرے ابھرتے ہوئے شعراء وغیرہ میں ـــ رشی کیش کامبلے، سوریندر نائیک، پربھاکر وکھ شنشی کھلے، اور ناتھ چیتلے شامل کئے جا سکتے ہیں۔ شرداما بینڈسے، ڈبلیو۔بی۔ دیشمکھ، اور رویندر رسال ایک کتاب کے ساتھی مصنفین ہیں جو منویندر رائے کے متعلق۔ شریمتی پرمیلا تائی بھالے راؤ کی خود نوشت سوانح حیات "اسوستھاچی پھولے" عوام میں کافی مقبول ہے۔

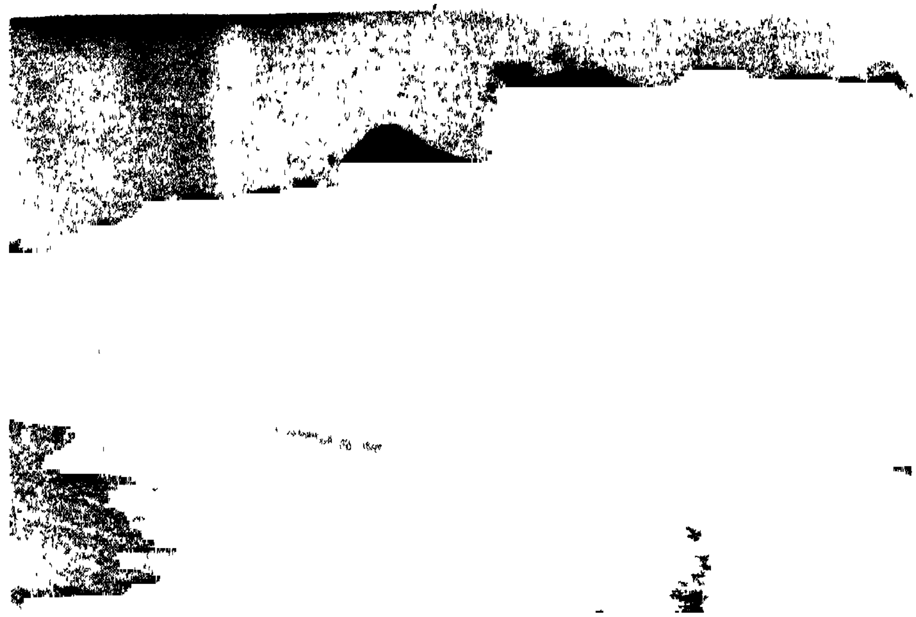
ناندیڑ کی ثقافت :-

شہر ناندیڑ ثقافتی وراثت میں بہت مالا مال ہے یہاں موسیقی، ڈرامہ، ادب، ویاکھیان مالا، کیرتن اور وغیرہ صدیوں سے زبان زد رہے ہیں۔

آنجہانی آنا صاحب گونجکر یہاں کے ایک استاد موسیقی تھے۔ جو ۵۰ برس قبل سے اس فن میں طاق ہیں۔ صرف مہاراشٹر میں ان کی بڑی عزت ہے۔ بلکہ پورے ملک انہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ انہوں نے کئی موسیقی کی تقریبات کا انتظام کیا جو بہت کامیاب رہے ۱۹۵۴-۵۵ء میں انہوں نے ایک کل ہند تقریب موسیقی انتظام کیا تھا جس میں کل ہند شہرت رکھنے والے گیت کار رقاص شریک ہوئے تھے۔ انا صاحب کے چیلوں میں شناتھ نیرالکر، رمیش کانولے، ترمبک دیشمکھ، شام گوروکر شریمتی نلینی دیشپانڈے، شریمتی نرملا تائی والنیکر، شریمتی نرملا سیلے، شریمتی جے شری دیشمکھ، شری مادھو کنجالکر، پربھاکر گڈیوار جیسے ماہرین رقص و موسیقی ہیں جو اپنے فن موسیقی کی شان بڑھا رہے ہیں۔

آنجہانی ڈی۔ایل۔ مہاجن کی رہنمائی میں ایک کیسری سنستھا کام کر رہی تھی۔ کوئی ۵۰ برس پہلے یہ سنستھا سماجی معاملات پر اور مذہبی امور پر کیرتنوں کے پیش کرنے کا انتظام کرتی تھی۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں ساہتیہ پریشد نے غالباً اصلاحات کی کوشش کی۔ اس دوران شرد آشرم کو مقبولیت حاصل ہونے لگی تھی۔ یہ ادارہ بیواؤں کی شادیوں اور ہریجن بہبودی کا کام انجام دیتا تھا۔

ہمیں شری دھر دیو، کوراٹکر وکیل، وامن نائیک، دھ کھیڈکر وکیل، جی۔این۔ آمبیکر، بھگوان راؤ گنجارے لوگوں کے نام بھی اس ادارے کے کارکنوں میں ملتے ہیں۔ جن



قندھار کا قدیم قلعے

سماجی اصلاحات کے سلسلے میں اپنا اہم رول ادا کیا ہے۔

سنسکرت پاٹھ شالہ :-

کوئی ۴۰ برس ہوئے۔ یادنیشور شاستری کستورے نے ایک سنسکرت پاٹھ شالہ کی داغ بیل ڈالی تھی۔ اس سے برسوں تک بہت سے پڑھنے والے پنڈت بن کر نکلے۔ یہاں تحقیق کا کام بھی کیا جاتا ہے۔ یہ پاٹھ شالہ اب ایک کالج بن چکا ہے۔

ابھینو چترا شالہ :-

کلا مہرشی ترمبک راؤ باسیکر نے کوئی ۳۰ سال پہلے اس اسکول کی بنیاد رکھی تھی۔ تب سے بہت سے فنکار اس اسکول سے پڑھ کر اور سیکھ کر نکلے اس اسکول کے تحت کل ہند سطح پر بچوں کے لئے آرٹ کے مقابلے منعقد ہوا کرتے ہیں۔ ان مقابلوں کی بعض تصویریں سمندر پار ملکوں کو بھی بھیجی گئی ہیں۔ یہ اسکول اب کالج بن چکا ہے۔ شری سبھاش باسیکر اس کے پرنسپل ہیں۔

کلا مندر :-

یہ فنکارانہ تعمیر ۵۷-۱۹۵۶ء میں ہوئی تھی۔ اس کے لئے عوام سے چندہ اکٹھا کیا گیا تھا۔ یہاں موسیقی، ڈرامہ، اور ادب پر مباحثے اور سمپوزیم منعقد ہوا کرتے ہیں۔ اس ادارے نے بہت سے ڈرامے پیش کئے ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

سنگیت دیو مانس، ایک راترہ اردھا دیوس، پریم تڑھا رنگ کسا، تردن ترک مھاترے آزک، ایک گھڑت ہوتی، ستا نلتا کورٹ چالو آہے۔

ان ڈراموں نے پورے مہاراشٹر سے خراج تحسین حاصل کیا۔ ایک۔ ایکٹ والے ڈراموں کے مقابلے بھی اس ادارے کے تحت ہوا کرتے ہیں، تاکہ نوجوان فنکاروں کا حوصلہ بڑھے۔ اس ادارے کے تحت مراٹھی ڈراما فیسٹول بھی منعقد ہوا تھا جسے بڑی کامیابی نصیب ہوئی تھی۔

پرتیبھا ناٹیہ مندر :-

اس ناٹیہ مندر کی تعمیر ۱۹۶۳ء میں ہوئی تھی۔ اس کے چلانے والے پرتیبھا نکیتن ہیں۔ اس ادارے نے کئی ڈرامے مثلاً:

وندے ماترم، بھگوان، سنگیت دیو مانس، سنگیت دیونا ھچی دیو ہریات، آخیر جا سوال، شکھنڈی پچے پیتر، کیر۔ ٹیکر اور دوسرے کئی ایک۔ ایکٹ والے ڈرامے پیش کئے۔



مشہور مراٹھی مضمون نگار شری پی۔ این۔ دیشپانڈے، ساہتیہ سمیلن سے خطاب کر رہے ہیں۔ آنجہانی شری وائی۔ بی چوان اور آنجہانی شری پی بی بھاوے ایک مراٹھی ادیب تقریر سننے میں مستغرق ہیں

نہیں پیش کرنے پر پہلے، دوسرے اور تیسرے سو۔ت بھی جیتے۔ شری پانڈورنگ کندارکر، ایک فنکار اور ڈائریکٹر نے ۲۵ سے زیادہ ایک ایکٹ کے ڈراموں میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا، اور یوں بچوں کے تھیٹر کی خدمت کی۔ اس ادارے نے دس سال تک سنگیت سبھا کا بھی انتظام کیا جس میں کل ہند شہرت رکھنے والے سنگیت کاروں اور رقاصوں نے اپنے اپنے فنون کا مظاہرہ کیا۔ اس ادارے نے کئی فنکار اور ڈائرکٹر پیدا کئے۔

گوڈا تیر اِتہاس سنشودھن منڈل :۔

مراٹھواڑہ میں یہ ایک اولیت رکھنے والا ادارہ ہے جو تاریخی تحقیق کا کام انجام دیتا ہے۔ وی۔ اے۔ عرف تاتیا صاحب کانولے کے تاریخی دستاویزات کے مجموعے ایک انمول ترکہ ہیں۔ میوزیم کی بلڈنگ کی تعمیر تکمیل کے قریب ہے۔ اس کا نام آنجہانی تاتیا صاحب کانولے کے نام پر رکھا جائے گا۔

مراٹھواڑہ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر پرنسپل مہیسکر اس ادارے کے صدر اور ڈاکٹر پربھاکر دیو اس کے اعزازی سکریٹری اور ڈائرکٹر ہیں۔

سوانند مترا منڈل :۔

اس ادارے کے قائم کرنے والے بعض سرگرم ورکر

ہیں، اور یہاں ممتاز شخصیتیں باقاعدہ ادبیات پر تقریر کرتی ہیں۔ نیز ڈراموں اور موسیقی پر بھی۔ پروفیسر شری شری نواس پانڈے اور رشام امریکر اس انسٹیٹیوٹ میں کام کرتے ہیں۔

سوامی رامانند تیرتھ ویا کھیان مالا :۔

یہ ویاکھیان مالا گزشتہ ۱۵ سال سے پرتیبھا ناٹیہ مندر کی زیر کفالت منعقد ہوتا رہا ہے۔ یہاں بہت سے ممتاز مفکر اور سیاسی اور سماجی لیڈر لیکچر دے چکے ہیں۔ آنجہانی نرہر کورنڈکر ویاکھیان مالا کے قیام کو تین برس ہوئے۔ یہاں میونسپل کونسل کی زیر کفالت تین زبانوں میں کوی سمیلن (مشاعرے) بھی ہوا کرتے ہیں۔ جن میں پورے ہندوستان سے شعراء شرکت کرتے ہیں۔

شری جی۔ این۔ آمبیکر، جو ناندیڑ میں ثقافتی تحریک کے روح رواں اور ایک ممتاز صحافی ہیں۔ کوئی ۵۰ سال سے ثقافتی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان کی کوشش سے بہت سی تقریبات موسیقی، ادبی میٹنگیں اور کل ہند ڈرامائی فیسٹیول کامیابی کے ساتھ انجام دیئے جا چکے ہیں۔ ان کی رہنمائی میں مراٹھی ناٹیہ پریشد کی ایک شاخ یہاں جاری ہے۔ ڈرامے پڑھنا، ایک ایکٹ کے ڈرامہ

باقی صفحہ نمبر ۱

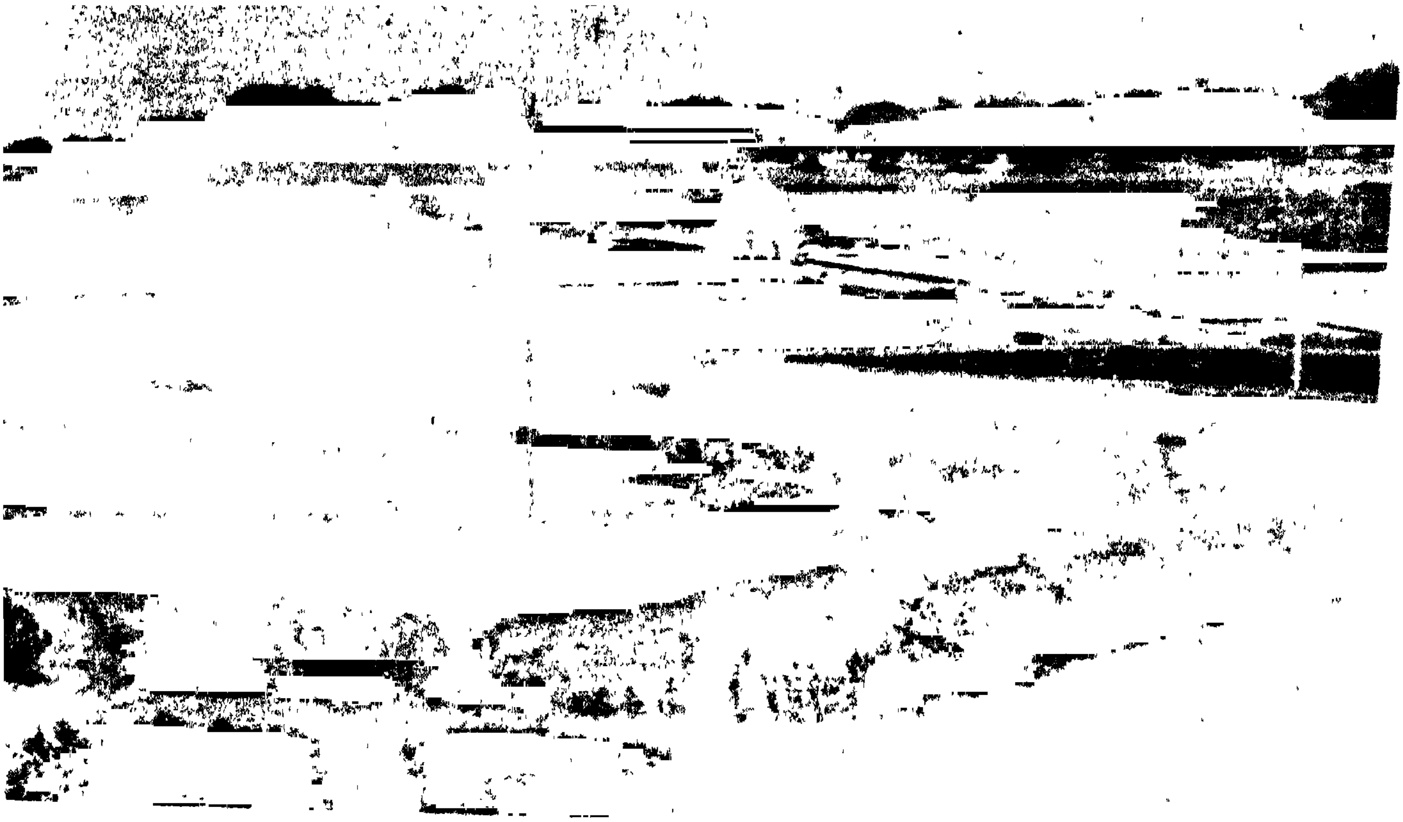
قلمکار:- ڈاکٹر چندر کانت ڈھانڈے   مترجم:- غلام صوفی حیدری

پیٹھن کا دانیشور گارڈن

پیٹھن کا گاؤں جو تواریخ میں "پرتشٹھان" کے نام سے مشہور ہے۔ شالیواہانس طاقتور راجاؤں کی راجدھانی رہ چکا ہے۔ جیسے شالیواہانس بادشاہ تھے ویسے ہی ہاتھماگو کی پیٹھنی سلک کی ساری کو بھی ہندوستانی مستورات کے ملبوسات میں ملکہ کا درجہ حاصل ہے۔ پیٹھن سنت ایکناتھ کی جنم بھومی کے طور پر مشہور ہے۔ سنت دانیشور کے پیدائش کا مقام بھی یہاں سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔ بعض مذہبی رہنماؤں مثلاً..... چکردھر سوامی، مولانا معین الدین اور چمنا پنڈت نے بھی یہاں ایک عرصہ تک اپنے فلسفہ کی تبلیغ کی ہے۔ یہ گاؤں نہ صرف شالیواہانس اور اشماکاس کی راجدہانی رہ چکا ہے بلکہ اس کو مذہبی مقام ہونے کی بھی شہرت حاصل ہے۔ اور دکن کی کاشی سمجھا جاتا ہے۔ مشہور ومعروف برہمن گاگا بھٹا جس نے "شیوراجیہ بھیشیکا" میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ اسی گاؤں سے تعلق تھا۔

یہاں چند صدیوں تک مذہبی، فلسفیانہ اور سیاسی ود رہا۔ اب حالات تبدیل ہو رہے ہیں، اور دریائے داوری پر "جیک واڈی" ڈیم (پشتہ) تعمیر کیا جا چکا ہے ندوستان بھر میں اس بستی کو پہلا ہائیڈرو الیکٹرک پروجیکٹ تعمیر کا فخر حاصل ہے۔ جس میں متضاد سمتوں میں گردش رنے والی مشین پیوستہ ہے۔ گاؤں کو حصار کئے ہوئے سنعتی علاقہ تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے، کہ اؤں کی شان وشوکت جس کی نشان دہی کتب ہائے تواریخ در آثارِ قدیمہ کرتے ہیں پھر سے عود کر رہی ہے۔ اگرچہ فلف اشکال میں گاؤں کی شان وشوکت کی مراجعت کے سلسلہ میں "سنت دانیشور گارڈن" ایک عظیم کردار ادا کرے گا۔

اس کی ابتدا اس وقت ہوئی جب ۱۹۷۶ء میں لوگ سنت دانیشور کی برسی منا رہے تھے حکومت مہاراشٹر نے اس موقع پر سنت دانیشور گارڈن کی تشکیل کا اعلان کیا۔ اسی سرزمین کے ایک فرزند اور مہاراشٹر کے اس وقت کے وزیر اعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان نے اس گارڈن کا سنگ بنیاد رکھا۔ شجرکاری ایک نہایت صبر آزما کام ہے، اور عقیدتمندانہ و مریدانہ جذبہ کا طالب۔ خوش قسمتی سے اردن ٹیر سے اس گارڈن کی تعمیر وتشکیل کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں، جنہیں منجانب سرکار "درکشا متر" (حبیب الاشجار) کے



خطاب سے نوازا گیا ہے۔ اِن کے بزنا پروجیکٹ کے
آس پاس ہزارہا درختوں کی شجرکاری کے تجربہ اور الفت
اشجار کی تعلیل سے دانشور گارڈن کی تشکیل کا کام غیرمعمولی
رفتار سے ہو رہا ہے۔ زمین اور گرد و پیش کے حالات کی وجہ سے
پیپلن روایتاً پھل آور درختوں کی روئیدگی کے ناقابل سمجھا
جاتا تھا لیکن ان روایتی اعتقادات میں انقلاب لانے کے لئے
انسانی کوشش کیا کچھ نہیں کرسکتی۔ یہ گارڈن اسکی ایک
جیتی جاگتی مثال ہے۔ اس کرۂ ارض میں اب ۲۰۱۲۰ درخت
ہیں، اور اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اس منصوبے پر ۲۶ء۳۵
ملین روپیہ خرچ آئے گا۔

گارڈن چار حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

• گلستان • ثمرستان •
• قطعۂ نباتات اور • گوشۂ روحانیت

گلستان:۔

گارڈن میں دو عظیم باب ہیں۔ ایک مشرق میں اور
ایک جنوب میں۔ جب ہم بابِ جنوب سے اندر داخل ہوتے
ہیں تو ہمیں ایک مصنوعی پلیٹ فارم نظر آتا ہے جب ہم اس
پر چڑھتے ہیں تو ہم پر گارڈن کا ابہام آشکار ہو جاتا ہے پلیٹ فا
سرسبز تھا اس کے تختوں اور تابندہ ٹائلز کی ایک حسین تقسی
ہے۔ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ان دونوں میں کون حسین تر
اسی پلیٹ فارم سے ملحق گلستانی حصہ ہے۔ اس قطع
ارض میں ۵۰۷۵ درخت ہیں۔ سرسبز و شاداب احاط
لان اور سڑکوں سے محصور گلپوش درختوں کا یہ مرکزی حصہ بڑ
نظر فریب ہے۔ قطع نظر عام پھولوں کے ہمیں یہاں اعلیٰ اقسا
گل میں عشق اول (First Love) نیلی (Black Lady)
گل عروج (Prosperity) اور کشمیری بابا نظر آتے ہیں۔ شا
میں پھولوں کے مختلف رنگ اور مصنوعی روشنیوں کا امتز
ایک عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے۔ گارڈن میں شہر قائ
مصنوعی ابھار ہے۔ درمیان میں ایک مصنوعی آبشار ج
پلیٹ فارم کی سیڑھیوں پر سے بھی بہتا ہے۔ ایسا منظر پیش کر
ہے جیسے ہزارہا ننھے منے قطرات میں برف باری ہو رہی ہ
اور شام میں یہ آب رواں مصنوعی روشنی کی وجہ سے با
متضاد سماں دکھاتا ہے۔ ہم یہاں مستطیل واٹر ٹینک
دیکھتے ہیں جس میں پانی رہتا ہے، اور جو آبِ رواں کا سلس
قائم رکھتے ہیں۔ یہ مستطیل ٹینک ۲۲ چھوٹے چشموں پر

شتمل ہیں جن پر مختلف رنگوں کی روشنیاں پڑتی ہیں۔ اس طرح کچھ گول اور مربع ٹینک ہیں جو مختلف سائز اور متضاد رنگوں کے ۹ چشموں کو محیط کئے ہوئے ہیں جو ایک مسرت انگیز منظر پیش کرتے ہیں۔

ثمرستان:۔

کوئی بھی منصوبہ مالی نقصان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ عموماً گارڈن پھولوں اور بچوں کے لئے تشکیل کئے جاتے ہیں۔ یہ ایک انوکھی مثال ہے۔ جبکہ ایک گارڈن اپنے اخراجات کا خود کفیل ہے۔ فی الحال اس میں ۶۳۹۵ پھلوں کے درخت ہیں۔ جو لیموں، انگور، کیلے، امرود۔ آم اور نارنگی کے پیڑوں پر مشتمل ہیں۔ یہاں کے بغیر بیج کے لیموں بہت مشہور ہیں۔ اور ان کی بہت زیادہ مانگ ہے۔ ان پھلوں کے درختوں سے گارڈن کو آمدنی ہے۔ اس کا بھی انتظام کیا گیا ہے، کہ زائرین کو بھی یہ پھل مناسب داموں پر دستیاب ہو سکیں۔

توقع کی جاتی ہے کہ گارڈن کو صرف پھلوں کی فروخت سے چھ ملین روپیہ حاصل ہوں گے۔

قطعۂ نباتات:۔

قطعۂ نباتات کی ۲۷ ہیکٹر قطعۂ زمین پر تشکیل کی گئی ہے۔ یہاں نیلگری۔ بوگنویل۔ سرد۔ گل مہر اور اشوکا جیسے نباتاتی درختوں کی ۲۱۹ اقسام ہیں، اور درختوں کی کل تعداد ۵۰٫۷ ہے۔ شجر کاری کا یہ کام فارسیٹ ڈپارٹمنٹ کی طرف سے کیا گیا ہے۔

اس حصہ میں بچوں کے پارک کی بھی تخلیق کی گئی ہے۔ شجر کار اطفال کی دلچسپیوں سے بخوبی واقف ہیں۔ گارڈن کے مشرقی حصہ میں گیٹ کے قریب ان نونہال زائرین کے لئے چلڈرن پارک کے نام سے ایک علیحدہ پارک بنایا گیا ہے۔ جہاں پر جانے کا راکٹ اسٹیپ۔ گراف۔ سنگل بار۔ ڈبل بار اتنے دلفریب طریقے سے بنائے گئے ہیں کہ بچوں کے والدین بھی ان سے افادیت حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بوٹنگ اور سومنگ پول جیسے اور زیادہ دلچسپی کا سامان زیر تدوین ہے۔

گوشۂ روحانیت:۔

ایک انوکھی خصوصیت جو اس پروجیکٹ (منصوبے) سے وابستہ ہے۔ وہ اس کا گوشۂ روحانیت ہے۔ جو ۴٫۱ ہیکٹر زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ تقدیسی خصوصیت کے حامل اشجار جیسے برڑ۔ پیپل۔ رودرکشا۔ اودمبر وغیرہ کی تکمیل کر لی گئی ہے۔ یہ قطعہ زمین ۱۳۳ اقسام کے ایک ہزار اشجار پر مشتمل ہے۔ ماضی میں مخصوص ہستیوں نے جو درخت لگائے تھے وہ بہت ہی تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ ان درختوں کے اردگرد ایک دائرہ کی شکل کے سنگ مرمر کے چبوترے تعمیر کئے جائیں گے، اور ان پر دانشوری غیر فانی اشعار کندہ کئے جائیں گے۔

(باقی صفحہ نمبر ۲۸ پر)



تبصرہ

تبصرہ نگار :- عبدالاحد ساز

زکریا مینور منشن۔ ٹاپ فلور، یوسف مہر علی روڈ۔ بمبئی ۳

کتاب کا نام :- لاشعور (شعری مجموعہ)
شاعر :- نظام الدین نظام
قیمت :- دس روپے

غالباً ۱۹۷۶ء میں نظام الدین نظام سے ایک شعری نشست میں باقاعدہ تعارف ہوا۔ اس وقت نظام کی شاعری ابتدائی مراحل میں تھی اور اس کی شاعری کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا یا اس میں امکانات تلاش کرنا قبل از وقت محسوس ہوتا تھا لیکن چار، پانچ برس کی اس قلیل مدت میں نظام الدین نظام نے جو ترقی کی ہے وہ یقیناً لائق تحسین ہے۔ اس مختصر سے عرصے میں اس نے نہ صرف تدریج اشاعت کے باب میں ایک جاں جہد کے ساتھ اپنا مقام اور اپنی ایک شناخت حاصل کی ہے بلکہ ساتھ ہی اپنے فن اور شاعری کو نکھارنے اور سنوارنے پر بھی بھرپور توجہ دی ہے۔

جہاں تک لاشعور کی روشنی میں نظام کی شاعری کا تعلق ہے اس نے اپنا مواد اور موضوع اپنے ماحول اور گرد بکھری ہوئی بے ترتیب زندگی کی جزئیات سے براہِ راست اخذ کیا ہے۔ عام متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے نوجوان کی روزمرّہ، معاشی کشاکش، اس کی جذباتی شکست و ریخت اور ان کے ضمن میں پیدا ہونے والی نفسیات، نظام الدین کی شاعری کے خاص محرکات ہیں۔

نظام الدین نظام کی شعری شخصیت کا ایک نہایت ہی مستحسن پہلو یہ ہے کہ جدید شاعری کے تقاضوں کو فی الفور پورا کر دینے کے چکر میں اس نے کبھی بھی مصنوعی، داخلیت اور فیشن زدہ ابہام پرستی کا سہارا نہیں لیا (جو کہ اس دور کے شاعروں کے ایک طبقے کا وطیرہ بن کے رہ گیا ہے) نظام نے پوری دیانت داری سے وہی لکھا ہے جو اس نے محسوس کیا ہے اور بہتر لکھنے کے لئے پہلے بہتر جاننے اور سمجھنے کی کوشش بھی کی ہے۔ تجسس اور دریافت کا مادّہ اس کے یہاں یکسر بیدار رہو رہا ہے اور اس نے اپنے اندر کے فن کار کو خوش فہمی، اور آسودگی کی وہ تھپکی کبھی نہیں دی جس سے دل و دماغ پر غنودگی طاری ہونے لگتی ہے۔

"لاشعور" کی جو غزلیں خاص طور پر متاثر کرتی ہیں۔ ان میں کا ایک پرتو آہستہ آہستہ متوازن انداز میں اُبھرتا ہوا محسوس ہ ان غزلوں میں لہجے کا گمبھیرپن، ذرا سا کلاسیکی رچاؤ، جمالیات کا ہا مس اور الفاظ کے انتخاب اور برتاؤ میں مناسب احتیاط اِس کی غماز ہیں کہ کینواس وسیع ہو رہا ہے۔ مثال کے طور پر یہ چند ا پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ؎

تیزاب پھینکتی ہوئی در آئے گی ہوا
دروازہ کھولتے ہوئے چہرہ سنبھالئے

چھپا کے گاؤں سے لانا گھٹائیں آنکھوں میں
پلٹ کے جاؤ تو پانی کا کال لے جانا

اِک آہ دل سے نکلی ہوئی ہواؤں میں کھو گئی
اِک پھول راستے میں پڑا تھا اٹھا لیا

نظم ..... جس پر نظام الدین نظام نے غزلوں ـ مقابلہ میں کم توجہ دی ہے۔ اس کے ہاں زیادہ اہمیت کی حامل ـ وہ بیانیہ اور راست منطقی اسلوب جو غزل کے مزاج کے منـ ہے۔ نظام کی نظم کو کہیں کہیں بڑی حسن کاری اور at ment a کا ایک خاص قرینہ دے گیا ہے۔ امکانات بھی نظام کی نظـ میں زیادہ نظر آتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ غزل کے اشـ میں بھی موضوع کی طرف جو رویے اختیار کئے گئے ہیں۔ وہ شـ کے میلانِ طبع کے نظم کی طرف ہونے کی نشان دہی کرتے ہیں۔

"کیا کیا جائے"، "تجزیہ"، "آبِ بقا"، "پانی سے پانی" اور "بوڑھے برگد کا دُکھ" "لاشعور" کی بہترین نظمیں ہیں زیادہ اچھا ہوتا اگر مجموعے میں چند غزلیں کم اور چند نظمیں شامل کی جاتیں۔

بحیثیت مجموعی "لاشعور" نظام الدین نظام شعری کاوشوں کا خوبصورت انتخاب ہے۔ جو شاعر شعری سفر کے بارے میں قاری کے ذہن میں کچھ اُمید ا تاثرات یقیناً چھوڑ جاتا ہے۔ دس روپوں کے عوض یہ شـ انتخاب محب بکڈپو، بمقابل ہمدرد دواخانہ بھنڈی با سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

قحط سالی کے باوجود اناج کی پیداوار میں استحکام ایک نمایاں کامیابی ہے
گورنر شری کے پربھاکر راؤ

خشک سالی کے باوجود مہاراشٹر نے اناج کی پیداوار میں استحکام کو برقرار رکھا ہے۔ اب اناج کی پیداوار ۹۵ تا ۱۰۰ لاکھ ٹن تک پہنچ چکی ہے۔ ۱۹۷۲ء میں قحط سالی کے دوران اناج کی پیداوار میں ۳۰ لاکھ ٹن کی کمی واقع ہو گئی تھی لیکن اب ریاست میں اناج کی پیداوار میں یہ استحکام ریاست کے لئے قابلِ مبارکباد کامیابی ہے۔ "شیتر سنستھا" کسانوں کی گلپوشی کی تقریب میں تقریر کرتے ہوئے گورنر مہاراشٹر شری کے۔ پربھاکر راؤ نے ۲ اکتوبر کو ناگپور میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

گورنر موصوف نے کسانوں کی ان کوششوں کی تعریف کی کہ انہوں نے ناموافق حالات کے باوجود اناج کی پیداوار کی اونچی سطح کو برقرار رکھا ہے۔ آپ نے کہا کہ دالوں اور تلہن کی پیداوار میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور چھٹے پانچویں پنجسالہ منصوبہ میں پچھلے منصوبے کی بہ نسبت ۲۰ تا ۲۱ فی صد اضافہ ہوا ہے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ مہاراشٹر نے اتنی اہم کامیابی حاصل کی ہے اور دالوں اور تلہن کی پیداوار میں قومی پروگرام کے حیز دسے بطور اضافہ کیا ہے۔ کسانوں کو "کرشی بھوشن" اور "شیتی نیشٹا" کے خطابات سے نوازے جانے والی اس تقریب کو نہایت جوش و خروش کے ساتھ منایا گیا۔ مہاراشٹر کے وزیرِ زراعت شری سریش کمار اور دیگر حضرات نے اس موقع پر شرکت فرمائی۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے، وزیر برائے زراعت شری وجے سنگھ موہتے پاٹل نے یہ امید ظاہر فرمائی کہ امسال خشک سالی کے باوجود اناج کی پیداوار تقریباً ۶۰ ء ۱۱۷ لاکھ ٹن ہو گی۔ آپ نے مزید فرمایا کہ مہاراشٹر مسلسل اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ کسی نہ کسی طرح خشک سالی و قحط سالی سے نپٹا جائے اور اس کام کے لئے زراعتی یونیورسٹیوں سے زیادہ اچھے بیج حاصل کر رہا ہے اور کسان بھی اناج کی پیداوار کو بڑھانے میں اچھا تعاون پیش کر رہے ہیں۔

تقریب میں ۱۸ "شیتی نیشٹا" "شیتکریوں کو جو چھوٹے زمین کے مالکان، قبائلی کسانوں، قحط زدہ کسانوں اور عام کسانوں پر مشتمل تھے، نوازا گیا۔ ۹ کرشی بھوشن خطاب کے حاملین اور چھ گروپ مقابلہ جاتی انعامات جیتنے والوں کو بھی نوازا گیا۔ ان کسانوں کی بیویوں کو وزیرِ زراعت کی اہلیہ کے ہاتھوں ساڑیوں وغیرہ سے نوازا گیا۔

اس تقریب کے موقع پر شری این۔ ڈی۔ موہن راؤ نے جنہیں کرشی بھوشن کے خطاب سے نوازا گیا تھا، کہا کہ یہ بڑے ہی فخر کا مقام ہے کہ ریاست کسانوں کو ان کی بہترین کارکردگی پر خطابات سے نواز رہی ہے۔

اس سے قبل شری سریش کمار، ڈائرکٹر برائے زراعت نے گورنر اور دوسرے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور وزیر مملکت برائے زراعت شری مدھوکر راؤ پیچڈ نے شکریہ ادا فرمایا۔

گورنر نے ٹی۔ بی سیل مہم کا افتتاح کیا

۳۶ ویں نیشنل ٹی۔ بی مہم کا ۵ اکتوبر کو راج بھون میں گورنر شری کونا پربھاکر راؤ نے افتتاح کیا۔

اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے گورنر موصوف نے فرمایا ٹی۔ بی کا غریبی سے بے حد قریبی رشتہ ہے خطِ غربت سے نیچے کی زندگی گذارنے والے ۵۰ فی صد عوام کو اس مسئلہ سے چھٹکارا حاصل کرنا بے حد مشکل امر ہے۔

آپ نے اس کام میں مشغول میڈیکل اور رضاکارانہ ایجنسیوں کو اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے جنگی پیمانے پر کام کرنے کی تلقین کی۔

اس بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لئے موثر اقدامات کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے گورنر محترم نے فرمایا کہ حکومت رضاکارانہ اداروں اور عوام کو اس محاذ پر مشترکہ طور پر کام کرنا چاہیئے تاکہ عوام کی عام صحت کی دیکھ بھال کی جا سکے۔

ڈاکٹر ٹی۔ بی ماسٹر نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور ڈاکٹر جے۔ سی کوٹھاری نے شکریہ ادا کیا۔ مہاراشٹر اسٹیٹ اینٹی ٹیوبرکیولوسیز ایسوسی ایشن نے ایسوسی ایشن کی تاریخ کا مختصر خاکہ پیش کیا اور ڈاکٹر ایم ڈی دیشمکھ نے ٹی۔ بی سیلز سیل مہم کی تاریخ پر روشنی ڈالی۔

وزیر اعلیٰ نے روما بنجارا سیوا سنگھ کی عمارت کی سنگ بنیاد رکھنے کی رسم ادا کی

وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے ۳ر اکتوبر کو مانخورد منڈلے میں چیکو واڑی روما بنجارا سیوا سنگھ میں سلم باسیوں کی مجوزہ عمارت کی سنگِ بنیاد رکھنے کی رسم انجام دی۔

مرکزی وزیر مملکت برائے سائنس اینڈ ٹیکنالوجی شری شیواجی راؤ پاٹل نے بحیثیت مہمان خصوصی شرکت کی۔ ریاستی وزیر ہاؤسنگ ڈاکٹر وی سبرامینن نے اس تقریب کی صدارت کی۔

اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ریاستی حکومت نے ۱۹۷۲ء سے سلم امپرومنٹ کے پروگراموں پر عمل آوری شروع کی ہے اور نلوں کے ذریعے پینے کے پانی کی فراہمی نکاسی نلیے ڈبلیو سی سڑکیں روشنی وغیرہ جیسی شہری ضروریات انہیں مہیا کر رہی ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ سلم میں ایسی ضروریات کی فراہمی کے لئے فی کس خرچ کی جانے والی ۱۲۰ روپے کی رقم کو بڑھا کر ۲۵۰ روپے تک کر دیا گیا ہے۔

شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے فرمایا کہ بمبئی، پونے، ناگپور اور اورنگ آباد شہروں میں ابتدائی طور پر سلم باسیوں کی باز آبادکاری کے پروگراموں کو جاری کیا گیا ہے اور چھٹے پنجسالہ منصوبے کے دوران ۲۴ لاکھ سلم باسیوں کو سہولت دینے کی غرض سے ۴۳ ء ۲۲ کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے

بھابھا اٹامک ریسرچ سینٹر کے قریب بی اے آر سی کو اپنے پروجیکٹ کے پلاٹ درکار تھا اور اس پلاٹ پر رہنے والے ۴۳۰ سلم باسیوں کو بسانے کے لئے ۵ ایکڑ کا متبادل پلاٹ مہیا کیا گیا۔ وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ اس پلاٹ پر ان سلم باسیوں کے لئے قومیائی گئی بینکوں سے امداد حاصل کر کے عمارت تعمیر کی جا رہی ہے۔

اس موقع پر شری شیواجی راؤ پاٹل نے مہاتما گاندھی کی جینتی کے موقع پر سلم باسیوں کی باز آبادکاری کے کاموں کو شروع کرنے پر اطمینان کا اظہار کیا۔

ڈاکٹر وی سبرامینن نے فرمایا کہ ریاستی حکومت نے ہمیشہ شہر میں بسنے والے سلم باسیوں کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی ہے اور فرمایا کہ عمارت کے تعمیر کرنے میں کم سے کم وقت صرف کیا جائے گا۔

ابتدا میں شری ایم۔ بی کمراتے نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ بنجارا سیوا سنگھ روما بنجارا ہاؤسنگ سوسائٹی کے صدر شری رنجیت نائیک نے بھی اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس موقع پر شریمتی پاروتی پریہار ایم ایل اے، بی اے آر سی کے چیرمین، شری راجا رامنا ایم ایچ اے ڈی کے ایڈمنسٹریٹر شری ایس۔ ایس سندارام اور دیگر عہدیداران موجود تھے۔

ڈاکٹر ترپاٹھی نے ضمانت روزگار اسکیم کے کاموں کا معائنہ کیا

مہاراشٹر کے وزیر مملکت برائے اطلاعات اور وردھا ضلع کے انچارج وزیر ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی نے حال ہی میں ضلع میں بارش کے کم ہونے کی وجہ سے بہتے ہوئے پانی کو عارضی بندھارا بنا کر روکنے کی ضرورت پر زور دیا۔ آپ نے دیہاتوں سے حکومت کی مشینری کے ساتھ ایسے کام مکمل کرنے میں تعاون دینے کی اپیل کی۔

ڈاکٹر ترپاٹھی ضمانت روزگار اسکیم کے تحت ضلع میں کاموں کی ترقی کا جائزہ لینے کی غرض سے تشریف لائے تھے اور دیہاتیوں سے خطاب فرما رہے تھے۔

ضلع میں بندھارا کے ۱۶۷ ایسے کام ترقی پر ہیں۔ وزیر موصوف نے جام، سمدراپور ہنگھاٹ روڈ پر کنڈالی اکوسرا ریکاپور میں ضمانت روزگار اسکیم کے کاموں کا معائنہ کیا اور ملازمین کو درپیش مشکلات کا بذاتِ خود معائنہ کیا۔ آپ نے اس علاقہ کے متعلقہ حکام سے فصل کی حالت پر بات چیت کی۔

فی الحال ضمانت روزگار اسکیم کے تحت ۱۱۶ کاموں کو جاری کیا گیا ہے جس میں تقریباً ۳۸۵۸ ملازمین برسر روزگار ہیں۔ ۳۷۷ مزید کاموں کو جاری کر کے ۱۹۲۰۰ ملازمین کو روزگار فراہم کیا جائے گا۔

ناگپور میں نئے دوردرشن ٹرانسمیٹر کا افتتاح

شری وسنت ساٹھے مرکزی وزیر توانائی نے ۲ر اکتوبر کو ناگپور میں ۱۰ کے ڈبلیو ٹی وی ٹاور دوردرشن کیندر کا افتتاح کیا۔

مہاراشٹر کے وزیر مملکت برائے اطلاعات و رابطہ عامہ
ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی نے صدارت کی۔ ناگپور کے میئر شری
سکھارام چودھری نے اس تقریب میں بطور مہمان خصوصی شرکت
ی۔ نیا ٹرانسمیشن ٹاور ناگپور کے اطراف وردھا کے پانچ اضلاع
کے ۱۱۰ کلومیٹر علاقوں کا احاطہ کرے گا اور ۲۰ کلومیٹر کے مزید
فاصلے کے بوسٹر کا استعمال کر کے ناظرین ان پروگرام کو دیکھ سکتے
ہیں۔ اس نئے ٹاور کی تعمیر ۶۵ میٹرس تک کنکریٹ کی بلندی
تک کی گئی ہے اور مزید ۴۵ میٹرس کی بلندی میں لوہے کا
استعمال کیا گیا ہے۔

اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے شری
ساٹھے نے کہا ہے ٹیکنالوجی کے ذریعے دنیا کو قریب لانے
میں دوردرشن ایک موثر ذرائع ابلاغ کا کردار ادا کرتا ہے۔
آپ نے اس دوردرشن کی تعمیر پر بھی اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی نے اپنی تعارفی تقریر میں توقع
ظاہر کی کہ دوردرشن ناگپور کی ثقافتی سرگرمیوں کو بہترین انداز
میں پیش کرے گا۔

ڈاکٹر ترپاٹھی نے اس دوردرشن کا افتتاح آنجہانی
مہاتما گاندھی اور لال بہادر شاستری کے جنم دن پر کرنے پر
اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر ترپاٹھی نے ناگپور میں ٹی۔ وی ٹرانسمیشن
...نے میں مرکزی وزیر شری ساٹھے کی کوششوں کی سراہنا کی۔

ٹاور کے افتتاح کے بعد یونیورسٹی کنونشن ہال میں ایک
تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں ناگپور دوردرشن کے ڈائرکٹر
...یعقوب سید نے اپنی تعارفی تقریر میں اس نئے ٹاور کے
...ے میں تفصیلات پیش کیں۔

ناگپور کے میئر شری سکھارام چودھری نے ناگپور میں
دوردرشن کی بڑی مدت سے محسوس کی جانے والی ضرورت
...پورا کرنے پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

ناگپور کے شاعر شری سدھاکر گیڈ ہاری، ڈاکٹر ہنومنت
...دو، ڈاکٹر منشاء الرحمٰن منشا نے اس موقع پر ایک
...ی پروگرام بھی پیش کیا۔

اس موقع پر ممبران پارلیمنٹ شری بنواری لال پروہت
...وائس چانسلر آف ناگپور یونیورسٹی ڈاکٹر ایم۔ اے چاندسرکر
...بھی موجود تھے۔ ناگپور دوردرشن کے انجینئر شری وائی۔ ایم کیر
...شکریہ ادا کیا۔

میونسپل پروگرام کو روبہ عمل لانے کے لئے مرکزی شہری ترقیات کارپوریشن کا قیام

شہری ترقیاتی اسکیموں کو آگے بڑھانے کے لئے ایک مرکزی شہری ترقیاتی مالیاتی کارپوریشن کا قیام کیا جانا چاہیئے تاکہ متعدد میونسپل کارپوریشن کو درپیش مالی مسائل حل کئے جا سکیں اور ان کے پروگراموں کو روبہ عمل لایا جا سکے۔ ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی، وزیر مملکت برائے شہری ترقیات، حکومت مہاراشٹر نے ۹ راکتوبر کو بمبئی میں شروع ہونے والی لوکل گورنمنٹ اور شہری ترقیات کی دو روزہ مرکزی کونسل کی ۲۲ ویں میٹنگ میں اس بات پر زور دیا۔

ڈاکٹر ترپاٹھی نے اپنی تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ مرکزی حکومت کو چاہیئے کہ وہ شہری ترقیات کی زونل کانفرنس منعقد کرے تاکہ میونسپل کونسلوں کے نمائندے ان میں شرکت کے مواقع پا سکیں۔ گاندھیائی اصولوں پر وردھا ترقیات منصوبہ کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی نے یہ بھی فرمایا کہ مرکزی حکومت نے اب تک اس مزید فنڈ کا اجراء نہیں کیا ہے جس کی وردھا منصوبہ کو روبہ عمل لانے کے لئے ضرورت ہے۔ آپ نے مرکزی حکومت سے اس بات کی درخواست کی کہ اس مالی ضرورت کو فوری طور پر جاری کر دے۔

شہر بمبئی کی آلودگی کے مسئلہ کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی نے فرمایا کہ کافی عرصے سے یہ مسئلہ نازک صورت حال اختیار کر چکا ہے اور یہ کہ متعدد فیکٹریوں کے ذریعے ایسی آلودگی کا سلسلہ جاری ہے۔ اس لئے آپ نے اس بات پر شدت سے زور دیا کہ ریاستی حکومت کو مزید ضروری اختیارات عطا کئے جانے چاہیئے تاکہ ایسی فیکٹریوں کو بمبئی سے باہر منتقل کیا جا سکے۔

ڈاکٹر ترپاٹھی نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ مہاراشٹر ہی ایسی ریاست ہے جہاں زیادہ سے زیادہ شہری علاقے پائے جاتے ہیں۔ یہاں گیارہ میونسپل کارپوریشن ۲۱۶ میونسپل کونسل ہیں۔ درحقیقت مطالبے بڑھتے جا رہے ہیں کہ بہت سی میونسپل باڈیوں کو شہری نوعیت دی جائے۔ یہ تمام ادارے گرچہ حتی الامکان کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ بہتر سے بہتر کام انجام دیں لیکن مالی دشواریوں کی وجہ سے وہ ضروری سہولیات مہیا کرنے سے قاصر ہیں۔

قومی راج

حکومت مہاراشٹرا ان تمام میونسپل کونسلوں کو تقریباً ۵۰ کروڑ روپے کی گرانٹ برائے امداد گذشتہ چند سالوں سے دے رہی ہے لیکن وہ کافی نہیں ہے۔

ڈاکٹر ترپاٹھی نے فرمایا کہ بمبئی ملک کا ایک اہم کمرشیل اور صنعتی مقام ہے اور بہت جلد ایک بڑے شہری حلقے میں تبدیل ہو جانے گا جس میں مہاراشٹر کی تقریباً ۳۵ فی صد آبادی شامل ہوگی۔ اس نے آپ نے اس بات پر زور دیا کہ شہر بمبئی کو کثرتِ آبادی سے پاک کرنا چاہیے اور نئی بمبئی کو ترقی دینا چاہیے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ نئی بمبئی مانخورد بیلا پور ریلوے پروجیکٹ کے لئے مناسب وسائل مہیا کئے جا چاہیے اور نئی بمبئی اور بمبئی کو براہِ راست ٹیلیفون اور مواصلات سے جوڑ دیا جانا چاہیے۔

صفحہ نمبر ۲۳ سے آگے "پیٹھن کا دانیشور کارڈن"

۳۵ لاکھ کی قیمت سے دیانیشوریاں اور گیان پیٹھ تیار کئے جائیں گے۔ یہ ایک تعلیم گاہ ہوگی – مع ایک لائبریری کے، جو مختلف مذاہب کی نایاب کتابوں پر مشتمل ہوگی۔ تجویز ایسی ہے کہ سنت دانیشور دعا "پاسایادان" تمام ہندوستانی زبانوں میں ہال میں کندہ کی جائے۔

طلباء اور محققین اس ودیا پیٹھ سے افادیت حاصل کرسکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مکمل سازو سامان کے ساتھ اقامت گاہیں بھی زیرِ تجویز ہیں۔ یہ برقی قمقموں سے منور اور سازو آہنگ سے مزین یادگار ہال سنت دانیشور گیان منڈر کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔ ہال کے سامنے ایک ۹۰ فٹ کا سنگِ مرمر کا مینار تعمیر کیا جائے گا۔ یہ "پوتھی استجو" کہلائے گا۔ اس پر سنت دانیشور کی تعلیم و تدریس منظوم شکل میں کندہ کی جائے گی۔ ایک اندازے کے مطابق اس کی لاگت ایک کروڑ روپیہ ہوگی۔ قدیم و نایاب چیزیں کھوجنے والی شخصیت شری بالا صاحب پٹیل نے اس سلسلے میں اپنی خدمات پیش کر دی ہیں اور مجوزہ پروگرام کے مطابق ایک عجائب گھر بھی تعمیر کیا جائے گا۔ جن میں ان کی مہیا کردہ نایاب چیزیں باعث دلکشی ہوں گی۔ ٹورسٹ ڈپارٹمنٹ نے بھی اس سلسلہ میں گیسٹ ہاؤس، کینٹن اور روڈ وکانوں کی تعمیر کی پیش کش کی ہے۔

اس شان دار کام کو وزیر اعلیٰ شری شیوجی راؤ پاٹل نیلنگیکر کی رہنمائی اور سرپرستی حاصل ہے۔ یہ مختلف محکمہ جات مثلاً فاریسٹ، آبپاشی اور ٹورزم کی انتھک کوششوں، اور رہنمائی کا بھی حامل ہے۔

مشہور و معروف شالیواہاناس کی سرزمین اب رنگا رنگ چشموں اور رنگ برنگ پھولوں سے سرزمین میں کروٹ لے رہی ہے۔ اور یہ اندازہ لگانا غلط نہ ہوگا کہ یہ دکن کی کاشی اپنے بے مثال پروجیکٹ سنت دانیشور گارڈن گیان پیٹھ اور عجائب گھر کے ذریعہ سے ایک مرتبہ پھر مذہبی ادب کے لئے ایک ودیا پیٹھ ثابت ہوگی۔



وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے
بے حد دی فروخت مرکز کا افتتاح فرمایا۔
تصویر میں شری نریندر تڑکے وزیر برائے
مدد یا ہمی بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



بریں ۔ تصویروں میں

وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے ہیرے جواہرات
ر قیمتی پتھر بر آمد کرنے والوں کی ایک تقسیم انعامات تقریب
ے موقع پر شائع کردہ سوونیئر کا اجرا فرمایا۔ تقریب ۲۰ ستمبر
د بمبئی میں منعقد کی گئی تھی ۔

ز ر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے حال ہی میں شرڈی مقام پر (بائیں جانب) برہن مہار شٹر ڈسٹرکٹ
ا ایسوسی ایشن کے چھٹے سیشن کا افتتاح فرمایا۔ وزیر اعلیٰ صحافیوں اور عوام سے خطاب فرما رہے ہیں۔
طرف) شری بالا صاحب وکھے پاٹل ایم پی، شری وسنت راؤ کالے ۔ چیئرمین آف ایسوسی ایشن ۔ شری شنکر راؤ کولہے ۔ چیئرمین سہکو
یکٹری ۔ شری شیواجی راؤ دیشمکھ، وزیر برائے آبپاشی اور شری مدھوکر راؤ پچڈ، وزیر مملکت برائے ڈیری ترقیات بھی دیکھے جا سکتے ہیں ۔





شری مدھوکر راؤ کیمتکر چیئرمین، ایم ایس ایس، آئی ڈی سی، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر کو منترالیہ میں ۴۵ لاکھ روپے کا ایک چیک پیش کر رہے ہیں۔
یہ رقم ایس ایس آئی ڈی سی کی جانب سے بطور منافع پائی گئی رقم کا ایک جزو ہے۔ وزیر مملکت برائے صنعت شری جے۔ ٹی مہاجن بھی تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

مشہور فلمی اداکارہ شریمتی مالا سنہا نے روایتی دیپ روشن کرکے بمبئی میں یکم اکتوبر کو ڈائرکٹوریٹ برائے چھوٹی بچت کی مہم کا آغاز کیا۔ شریمتی سیلین ڈی سلوا، وزیر مملکت برائے مالیات نے صدارت فرمائی۔ شری ودیادھر کرندیکر ڈائرکٹر برائے چھوٹی بچت بھی تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔



حال ہی میں منترالیہ بمبئی میں ایک ریاستی سطح کی مربوط دیہی ترقیاتی پروگرام کی رابطہ کمیٹی کی میٹنگ کا انعقاد چیف سکریٹری شری بالچندر دیشمکھ کی صدارت میں ہوا تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں :۔ شری ایس۔ ایس۔ تینیکر، سکریٹری منصوبہ بندی و دیہی ترقیات، شری اے۔ کے۔ نارائن، مرکزی سیکریٹری، دیہی ترقیات، دوسرے مختلف محکمہ جات کے سکریٹری حضرات، افسران اور بینکوں کے ڈیولپمنٹ مینجر۔





وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے
حال ہی میں شمسی آبی تپش نظام کا صوبیدار
ایسٹ ہاؤس، اورنگ آباد میں افتتاح فرمایا۔



چیف سیکریٹری شری بی۔ جی دیشمکھ
اورنگ آباد ضلع میں مرشد آباد دواڑی
ام پر ایک کسان جو جدید زراعتی
انوں کا استعمال کررہا ہے معائنہ
ار رہے ہیں۔



شری نریندر تڑکے، وزیر برائے محنت
بمبئی میں سینچری ملس ورکرس کوآپریٹیو
بینک کے جشنِ طلائی تقریبات میں بحیثیت
مہمانِ خصوصی تقریر فرما رہے ہیں۔ ڈاکٹر
رام منوہر ترپاٹھی، وزیر مملکت برائے اطلاعات
و رابطہ عامہ بھی تصویر میں دیکھے جا سکتے
ہیں

★ مہندر پرتاپ بلندؔ جی
معرفت ایگزیکیٹو انجینئر، اری گیشن ڈویژن، پرتاب گڈھ (یوپی)

" قومی راج " کا ۱۰ اگست ۱۹۸۵ء کا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ اس سے پہلے کچھ خاص نمبر بھی ملے تھے۔ خاص طور پر " آنجہانی یشونت راؤ چوان " خصوصی نمبر قابلِ تعریف تھا۔ اِدھر کسی شمارے میں شری اوپیندر ناتھ اشکؔ " کی دو غزلیں پڑھنے کو ملیں۔ آزادی کے بعد شری اوپیندر ناتھ اشکؔ اور شری ظفر پیامی نے اردو میں لکھنا ہی ترک کر دیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ " قومی راج " کے توسط سے اشکؔ صاحب کی غزلیں اردو والوں کے لئے ایک تحفہ کے طور پر ملیں۔ خدا کرے یہ سلسلہ چل نکلے۔

برادرم ڈاکٹر بشیر بدرؔ کی شکایت آپ نے دور کر دی۔ ان کی غزل جیسے وہ غزل کہتے ہوئے کچھ مشکوک سے تھے۔ اچھی ہے۔ موصوف ہمیشہ روشِ عام سے الگ ہٹ کر غزلیں کہتے ہیں۔ یہ غزل بھی اپنے رنگ میں منفرد ہے۔ عتیق احمد عتیقؔ کی غزل بھی پسند آئی۔ خدا کرے تاخیرِ اشاعت پر آپ جلد قابو پاسکیں۔

• • •

★ ابو رافع
سندے نگر۔ ایوت محل (مہاراشٹر)

۱۰ اگست ۱۹۸۵ء کے شمارے میں ڈاکٹر عرفان علیمی کا مضمون " انستھیٹک ..... بے ہوش کرنے والی دوا " پڑھ کر " کلوروفارم " تک پہنچنے کے لئے ماضی میں کیسے کیسے دشوار مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ اس کا علم ہوا۔ اس قسم کے معلوماتی مضامین برابر شائع کیجئے۔ اسی طرح " بابا آمٹے " سے متعلق شری غلام صوفی حیدری کا مختصر مضمون شائع کرنے پر مبارکباد قبول کیجئے۔ بہتر ہوگا کسی مراٹھی جاننے والے اردو دوست سے " بابا آمٹے " پر تفصیلی مضمون حاصل کیجئے۔ ممکن ہے ۹۱ فیصد شاعر، ۶ فیصد نثر نگار، ۲ فیصد نقاد اور ا فی صد قاری پیدا کرنے والی قوم میں قابلِ تقلید " بابا آمٹے " کے خطوط پر کام کرنے والا پیدا ہو۔ نئی نسل کے سامنے آئیڈیل کا ہونا ضروری ہے

صفحہ ۲۲ کے ۲/۱ حصہ پر ڈاکٹر بشیر بدرؔ کی غزل اور ۲/۱ حصہ پر ڈیزائن دیکھ کر حیرت ہوئی، ساتھ ساتھ افسوس بھی ہوا۔ خالص ادبی مضامین اور شعری حصہ کا تناسب ٹھیک ہے۔ " قومی راج " کو صرف ادبی رسالہ بنانے کی قسم مت کھایئے۔

• • •

★ علیم النساء
شاہ گنج چوک، حیدرآباد

" قومی راج " بہترین مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کی طباعت بہت ہی دیدہ زیب ہوتی ہے۔ خدا کرے یہ معیار بنا رہے۔ مبارکباد قبول فرمائیں۔

• • •

★ احمد صدیقی (بی اے)
۱۶۳ - منہاج پور، الہ آباد - ۳ - ۲۱۱۰۰

" قومی راج " مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اس کا ثبوت اس کا ہر تازہ شمارہ ہوتا ہے۔ جو دعوتِ نگاہ دیا کرتا ہے۔

اطلاعات پر مبنی مضامین، مضامین نثر، نظم، غزلیات اور ادبی مضامین سب میں حسنِ معیار کار فرما ہوتا ہے۔ رسالہ کی تشکیل و تزئین اور ترتیب میں ادارہ کی کاوشات اور عرق ریزی کو خاص دخل ہے۔ میری جانب سے اراکین ادارہ اور قلمکار حضرات کو پرخلوص مبارکباد، نیک خواہشات کیساتھ

• • •

★ قاضی فضل رب
صدر شاخ انجمن ترقی اردو۔ واسع درگاہ۔ ضلع بستی (یوپی)

" قومی راج " بے حد پسند آیا۔ اول تو " کم خرچ اور بالانشیں " کے مصداق ہے۔ دوم یہ کہ چند صفحات یوں بولتے ہیں جیسے کہہ رہے ہوں " ہم ہیں کوزہ میں دریا "۔ البتہ ایک مختصر کہانی کا فقدان بہرحال کھٹکتا ہے۔

میں خود آج ہی رقم خریداری ارسال کر رہا ہوں۔ انشاءاللہ اپنے حلقہ میں خریداری کی مہم بھی چلاؤں گا۔

• • •

PRINTED AT THE GOVT PHOTOZINCO PRESS, PUNE-1985

दिवाळी भव्यतम सोडत

एक सामायिक बक्षीस रू. २५ लाख

- रु. १,००,००० ची १८ बक्षिसे
- रु. ५०,००० ची १८ बक्षिसे
- रु. २५,००० ची २४ बक्षिसे
- रु. १०,००० ची ३० बक्षिसे



जिंका १ कोटी ६६ लाख रुपयांची १६ लाख ६६ हजार बक्षिसे.

- सोडत दिनांक : १५ नोव्हेंबर १९८५

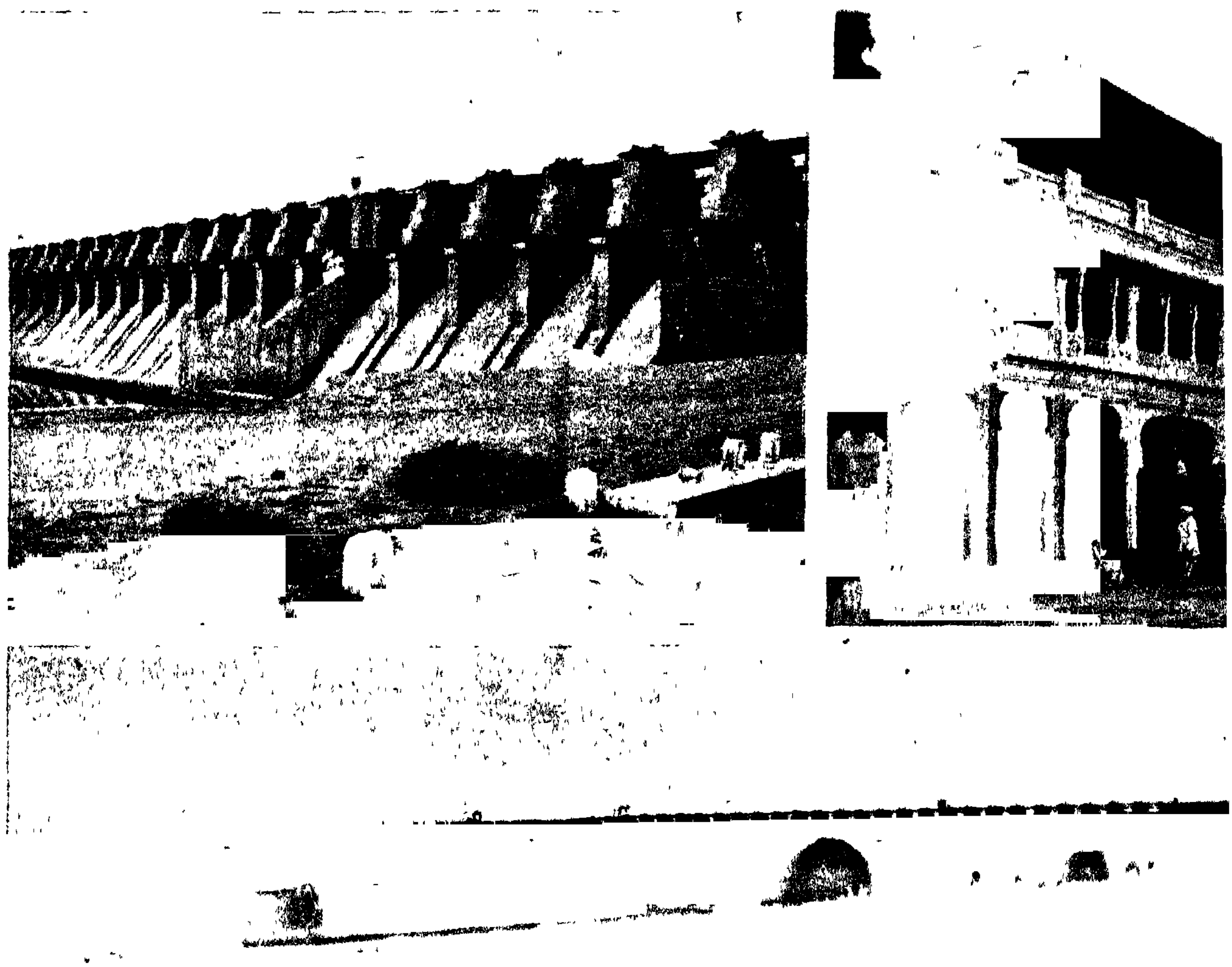
महाराष्ट्र राज्य लॉटरी

तिकिट रु. २/-

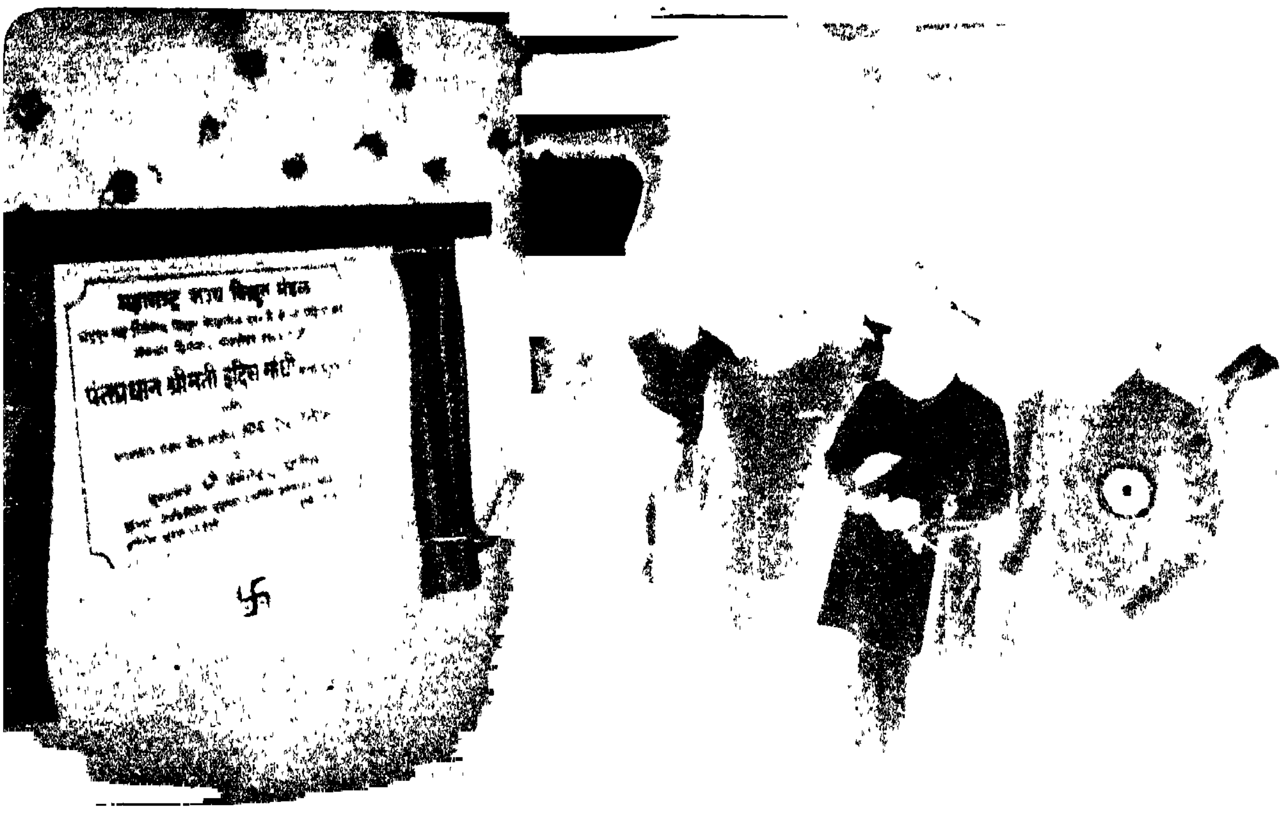
DGIPR/LOT 6/M/85 86

شائع کردہ ۔ شری تسا تارام سنگھے، ڈائریکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر، منترالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲
مطبوعہ : - گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی ۴۰۰۰۰۴ گورنمنٹ فوٹوزنکو پریس - پونے

- پیٹھن: مقام پرست ایکناتھ مندر۔
- جائیکواڑی پروجیکٹ: مراٹھواڑہ کے لئے ایک نعمت۔
- جائیکواڑی پروجیکٹ کے دامن میں دیانیشور باغ کا ایک خوبصورت منظر







آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی نے ۸ر اکتوبر ۱۹۸۴ء چندر پور تھرمل پاور اسٹیشن میں پہلا ۲۱۰ ایم۔ ڈبلیو جنریٹر سیٹ، قوم کے نام موسوم کیا۔ زیر نظر یادگار تصویر میں سابق گورنر مہاراشٹر ایر چیف مارشل آئی۔ ایچ لطیف اور سابق وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

राज्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

۱۰ر نومبر ۱۹۸۵ء

جلد نمبر ۱۲ ★ شمارہ نمبر ۲۱

ترتیب صفحہ نمبر

سرورق پر آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی، روایتی مہاراشٹرین لباس میں۔ (بشکریہ شریمتی سومتی دیوی دھنوتے اگزیکیٹو ٹرسٹی شیومدار پرتشٹھان)

" میرے خون کا ہر قطرہ ملک کی خوشحالی اور استحکام کے کام آئے گا۔" آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی۔



قومی راج

ہندی، مراٹھی، گجراتی، سندھی، انگریزی اور اردو
چھ زبانوں میں شائع ہونے والا پندرہ روزہ

ہر ماہ کی ۱۰ر اور ۲۵ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ: دس روپے ☆ قیمت فی کاپی: ۵۰ پیسے

چیف ایڈیٹر :- ایس۔ کے۔ سگنے
ایڈیٹر :- فیروزہ فیاض خان

مراسلت کا پتہ :-
ایڈیٹر "قومی راج"
ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر،
۱۷واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲
فون نمبر ۲۰۲۰۶۵۱ - ۲۰۴۳۹۵۷ -

ترسیل زر کا پتہ :-
اسسٹنٹ ڈائرکٹر (ایڈمنسٹریشن)
ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
گورنمنٹ آف مہاراشٹر، بیرک نمبر ۱۹، مقابل سروچی بلڈنگ،
نزد منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۲۹ فون نمبر ۲۰۲۱۵۳



ہمارا مؤدبانہ خراجِ عقیدت

ہماری ہر دلعزیز وزیراعظم آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کی ۳۱ر اکتوبر کو پہلی برسی منائی گئی۔ یہی وہ منحوس دن تھا جب انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا گیا اور وہ بھی ایسے لوگوں کے ہاتھوں جو کہ ان کے محافظ تھے۔ شریمتی اندرا جی نے جام شہادت پیا۔ یک جہتی، امن اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی خاطر جس کے لئے وہ عمر بھر لڑتی رہیں۔ دنیا کی تاریخ میں ۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۴ء، یوم سیاہ کی حیثیت سے یاد رہے گا۔

آنجہانی شریمتی گاندھی کی ہمہ جہت شخصیت میں ہمالیہ کی سی بلندیاں اور سمندر کی سی گہرائیاں پنہاں تھیں۔ بہ حیثیت سیاست داں انہوں نے عوام میں جو مقبولیت حاصل کی تھی اس کے بیان کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ اپنے عہد میں وزیراعظم کی حیثیت سے انہوں نے پوری دنیا میں اونچا مقام حاصل کیا۔

بچپن سے ہی اپنی ماں کی طرح اندرا جی کافی سنجیدہ مزاج تھیں اور ضبطِ نفس پر عمل پیرا رہیں۔ وہ اصولوں کی پابند تھیں اور کم عمری میں ہی انہوں نے عام انسانوں کی بھلائی کو اپنا شعار بنالیا تھا۔

سماج کے نادار اور پچھڑے ہوئے افراد بھی ترقی کا فائدہ اٹھاسکیں۔ اس کے لئے انہوں نے ۲۰ نکاتی پروگرام وضع کیا تاکہ غریبوں کے رہن سہن کے درجے کو بلند کیا جاسکے۔ یہ پروگرام غریبوں کے لئے ایک نعمت ثابت ہوا۔ خاص طور سے نوجوانوں کے لئے اور یہ فخر کی بات ہے کہ ۲۰۔ نکاتی پروگرام کی عمل آوری میں مہاراشٹر پیش پیش رہا اور خاندانی منصوبہ بندی پروگرام میں مہاراشٹر نے اوّل مقام حاصل کیا۔

آنجہانی شریمتی اندرا جی کے عہد میں ہی بینکوں کو قومیانے کا تاریخی فیصلہ کیا گیا۔ اعرافِ خاص کا خاتمہ، بنگلہ دیش کی تسلیمی۔ ناوابستہ ممالک ASIAD کی کانفرنس ہندوستان میں ہی منعقد کی گئی اور راکیش شرما کو خلاء میں بھیجنے کا سہرا بھی شریمتی اندرا جی کے ہی سر ہے۔

ریاست مہاراشٹر کی تشکیل میں آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی نے ایک اہم رول ادا کیا تھا۔ آپ ہی نے قومی رہنماؤں کو مہاراشٹر کے عوام کے جائز مطالبے کو ماننے پر راضی کیا تھا۔ یکم مئی ۱۹۶۰ء کو مراٹھی بولنے والے عوام کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا کہ وہ اپنی ایک ذاتی ریاست رکھیں۔ ایسے وقت میں جبکہ اپنی تشکیل کا ریاست جشن سیمیں منارہا ہے ہمیں رنج ہی دینے کے لئے نہ ہی شری یشونت راؤ جی چوان جنہوں نے ریاست کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا فرمایا تھا، نہ ہی اندرا جی حیات ہیں۔

اندرا جی نے ہمیشہ ہی سائنس اور ٹکنالوجی پر زور دیا تاکہ ملک کی ہمہ جہت ترقی ہوسکے اور جہالت اور غربت عوامی زندگی سے دور ہوں۔ اندرا جی کے بعد آپ کے صاحبزادے وزیراعظم شری راجیو گاندھی کی قیادت میں ہندوستان کو ایک نوجوان، باشعور اور حتمی فیصلہ کرنے والا رہنما مل گیا ہے۔ آپ کی رہنمائی میں ملک ۲۱ ویں صدی میں کامیابی کے ساتھ داخل ہورہا ہے۔ بحیثیت وزیراعظم، اپنی قلیل مدت میں آپ نے عالمی لیڈرشپ میں ایک ممتاز مقام پالیا ہے اور ایک کامیاب 'انتظام کار' ثابت ہوچکے ہیں۔

اندرا جی نے کبھی بھی قومی یک جہتی اور 'سروَ دھرم سمبھاؤ' کے مسئلے پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا۔ اس بدقسمت عوامی جلسہ میں جو ایک دن قبل یعنی ۲ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کو منعقد کیا گیا تھا، آپ نے ملک کے عوام کو خطاب فرماتے ہوئے کہا تھا کہ ملک کی سالمیت اور یک جہتی کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کریں۔ آپ نے فرمایا "میں نے اپنی پوری زندگی قوم کی خدمت میں گذار دی ہے اور مجھے اس بات پر فخر بھی ہے۔ اگر میں مر بھی جاؤں تو میرے خون کا ہر قطرہ ملک کو استحکام بخشنے اور خوش حال بنانے میں مددگار ثابت ہوگا۔" شریمتی اندرا گاندھی کی متبرک یاد ہمیں ہمیشہ اس بات پر آمادہ کرے گی کہ ہم ملک کی سالمیت اور یک جہتی کو ہمیشہ ہی برقرار رکھیں۔ اس یاد سے ہم میں وہ جوش و خروش پیدا ہوگا جو ہمیں عام انسانوں بالخصوص سماج کے پچھڑے طبقات کو سدھارنے کا کام انجام دینے پر راغب کرے گا۔ ہم شریمتی اندرا گاندھی کی یاد کو ریاستی حکومت اور پندرہ روزہ 'قومی راج' کی جانب سے سلام عقیدت پیش کرتے ہیں۔

ایس۔ کے۔ سگنے
(چیف ایڈیٹر قومی راج)



★ ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی
(وزیرِ مملکت برائے اطلاعات و رابطۂ عامہ، حکومتِ مہاراشٹر)

رائے بریلی اور اندراجی

بمبئی یا کلکتہ جیسے بڑے شہروں میں، بہت سے لوگ ضلع رائے بریلی کے رہنے ہیں۔ وہاں دوسرے لوگوں کو جب وہ بتاتے ہیں کہ رائے بریلی کہاں ہے تو یہ کہنا پڑتا تھا کہ الہ آباد اور لکھنؤ کے درمیان رائے بریلی واقع ہے۔ وہی رائے بریلی جو جغرافیائی حیثیت سے صرف ایک قصبہ تھا جس سے بہت ہی کم لوگ واقف تھے۔ وہی بعد ازاں اندراجی کا حلقۂ انتخاب بننے ہی نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دُنیا کے اُفقِ سیاست پر ایک چمکدار تارے کی مانند دمکنے لگا۔

رائے بریلی جیسے پچھڑے قصبہ سے سب سے پہلے شری ...روز گاندھی ایم پی چنے گئے۔ شری فیروز گاندھی اس قصبہ ...لئے بہت کچھ کام کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے اس کی شروعات ...کر دی تھی، لیکن ان کے اچانک انتقال سے ضلع کے لوگوں ...تمام خواب موتی کے دانوں کی طرح بکھر گئے۔ ان بکھرے ہوئے ...تیوں کو چننے والا کوئی نہیں تھا۔ شری فیروز گاندھی نے ضلع ...پہلا ڈگری کالج شروع کیا۔ ان کی ڈالی ہوئی یہ بنیاد ...لور یادگار موجود ہے۔ اور یہ ضلع کی تعلیمی تاریخ میں پہلا ڈگری ...لج تھا۔ میرا بچپن، رائے بریلی ہی میں گزرا۔ اس وقت کی ...ئے بریلی، اور آج کی رائے بریلی میں زمین و آسمان کا فرق ہے ...رحقیقت اس حلقۂ انتخاب سے اندراجی کا چنا جانا، اور ...مازاں وزیرِ اعظم کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہونا، اس شہر کے ...ے باعثِ فخر بات تھی اور پھر اس چھوٹے سے شہر کی اہمیت ...دنیا بھر میں چار چاند لگ گئے۔

پنڈت جی کی کرم بھومی

بہت کم لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ رائے بریلی پنڈت جواہر لال نہرو کی کرم بھومی ہے۔ ولایت سے واپسی کے بعد پنڈت جی پرتاپ گڈھ اور رائے بریلی کے غریب کسانوں کے نیتا بنے۔ کسانوں کو اکٹھا کرنے کے لئے پنڈت جی گاؤں، گاؤں گھومتے تھے۔ کارکنوں کی پیڑھی ختم ہو چکی ہے۔ جنہوں نے پنڈت جی کے ساتھ کام کیا تھا۔ تیس سال قبل ان لوگوں میں سے ہزاروں بوڑھے کارکن زندہ تھے۔ جب اندراجی نے پہلا چناؤ رائے بریلی سے لڑا تھا۔ تب انہیں اندرا "بٹیا" کہنے والے لوگ وہاں موجود تھے۔ پہلے چناؤ میں جب وہ ایم پی کے انتخابات کے لئے کھڑی ہوئی تھیں تو گاؤں میں لوگوں نے اپنی بیٹی یعنی اندرا "بٹیا"، کا خیر مقدم کیا تھا۔ چناؤ پرچگنڈہ کے دوران وہ جب بھی راستوں سے گزرتی تھیں، تو انہیں

دس یا بیس بوڑھی عورتیں دکھائی دیتی تھیں، اور ان کی بیٹی ان کے لئے ایک منٹ کے لئے گاڑی روکنا کبھی نہ بھولتی تھیں اور گاڑی میں رکھے ہوئے پھولوں کے ہار، گجرے ان کو دیتی ہوئی اندراجی روانہ ہوجاتی تھیں۔ انہوں نے قریہ قریہ، گاؤں گاؤں کا دورہ کیا تھا۔ لوگ جب کبھی اندراجی کا فخر سے تذکرہ کرتے تھے تو ان کی آنکھیں چمک اٹھتی تھیں۔

یہی وہ جگہ ہے جہاں اندراجی کا جلسہ ہوا کرتا تھا۔

یہی وہ چوپال ہے جہاں اندراجی ناشتہ دیا کرتی تھیں۔

یہی وہ چوراہا ہے جہاں اندراجی وہاں کے کارکنوں سے ملاقات کیا کرتی تھیں۔

۵۰ سال قبل پچھلی پیڑھی کے لوگ بھی تو یہی کہتے تھے کہ اسی راستے سے کبھی پنڈت جی کا گزر ہوا تھا۔ ہاتھیوں پر سوار ہوکر سمیری، بہولا گئے تھے۔ پیڑھیوں کے ساتھ وابستہ یادیں کیونکر معدوم ہوسکتی ہیں۔ اندراجی کی یاد رائے بریلی والے کیونکر بھول سکتے ہیں۔ انہوں نے رائے بریلی کو مشہور و معروف شہر بنانے کے لئے بہت کچھ کیا تھا۔

پہلے کا رائے بریلی :-

آزادی کے پہلے کا رائے بریلی صرف ایک قصباتی شہر تھا۔ یہ شہر تو نہیں کہا جاسکتا تھا اس شہر میں تو تارکول کی پکی سڑکیں تھیں ہی نہیں۔ گاؤں کی بات تو درکنار ہی ہے۔ گندے پانی کی نکاسی کے لئے گٹروں کی بات تو چھوڑیئے، ضلع بھر میں اس وقت دس لاکھ کی آبادی میں صرف ۴/۵ ہائی اسکول ہی تھے۔ شہر کا پرانا بازار جس میں چھوٹی بڑی کل ۵۰-۴۰ دکانیں تھیں۔ کوئی ہوٹل بھی نہیں تھا جہاں چائے ملتی ہو۔ بھاجی پوری کی چار دکانیں تھیں۔ چوراہے پر ایک گھنٹہ گھر تھا جس میں گھڑی نہیں تھی۔ شہر بھر میں کہیں بھی نل نہیں تھے۔ لوگ کنوؤں کا پانی پیتے تھے۔ گلیاں دھول سے اٹی رہتی تھیں۔ جن کو سڑکیں کہا جاتا تھا ان راستوں سے کبھی کبھار کوئی ٹرک یا جیپ گزر جاتی تو دھول سے لوگ نہا اٹھتے تھے۔ رائے بریلی سے ۱۶ میل کے فاصلے پر میرے گاؤں تک کوئی پکی سڑک کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ پیدل، بیل گاڑی یا سائیکل کے علاوہ نقل و حمل کا کوئی دوسرا انتظام نہیں تھا

آج اس ضلع میں تارکول کی سڑکوں پر بسیں دوڑ رہی ہیں۔ ضلع بھر میں ۵۰ ہائی اسکول اور نصف درجن ڈگری کالج قائم ہوچکے ہیں۔ رائے بریلی شہر میں آج جدید طرز کے بازار قائم ہوچکے ہیں۔ گندے پانی کی نکاسی کا انتظام موجود ہے اور نلوں کے ذریعے پانی کی فراہمی ہوتی ہے۔ پارک وغیرہ اور جدید طرز کے بڑے اسپتال بھی موجود ہیں۔ شہر کی تو گویا کایا ہی پلٹ گئی ہے دیش کی ترقی کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس شہر کی ترقی کو کبھی نظر انداز نہیں کیا، اور بڑی اہمیت دی تھی۔ اب وہاں بطور ایم پی مرکزی وزیر شری ارون کمار نہرو منتخب ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی ضلع کی ترقی کے لئے اسی طرح کوشاں ہیں۔ اندراجی نے ہی انہیں رائے بریلی بھیجا تھا اور چونکہ ان کی سیاسی تربیت اندراجی کی سرپرستی میں ہی ہوئی تھی۔ اسی لئے خدمت کرنے کا جذبہ اندراجی ہی کی طرح ان میں بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

کچھ یادیں :-

رائے بریلی کے ہزاروں کارکنوں کو اندراجی جانتی تھیں ضلع بھر کے چار/پانچ سو کارکنوں کو اندراجی ناموں سے جانتی تھیں اور نام لے کر ان سے بات چیت کیا کرتی تھیں۔ جس کسی کارکن کو وہ نام سے بلاتیں تو اس کارکن کا دل بلیوں اچھلنے لگتا اور اسے ایسا محسوس ہوتا گویا کہ وہ آسمان کی بلندیوں پر پہنچ گیا۔ چھوٹے چھوٹے کارکن یہ بھول جاتے تھے کہ وہ ملک کی وزیر اعظم سے بالمشافہ ملاقات کر رہے ہیں۔ اپنا دکھڑا، گاؤں کے مسائل، وہ بلا جھجک و تردد اندراجی کے روبرو رکھتے۔ بے چارے ان کارکنوں کو اس بات کا کیا علم کہ انہیں اپنے ان مسائل اور اپنے ان دکھڑوں کو وہاں کے ایم۔ ایل۔ اے حضرات، یا ضلع پریشد کے ممبران کے روبرو پیش کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن وہ اندراجی کو خاندان کا ایک ذمہ دار فرد سمجھ کر ان کے سامنے اپنے مسائل اور دکھڑوں کو پیش کرتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی اندراجی کے پی۔ اے قلمبند کرتے تھے۔ اور ان مسائل کو فوراً ہی حل کر دیتے تھے۔ جب وہ تشریف لاتی تھیں، لوگ شکایت کرتے ..... نہر میں پانی نہیں ہے، بجلی نہیں ہے، راستے میں پُل نہیں ہیں۔ کبھی ایک چھوٹا کارکن یہ تجویز پیش کرتا کہ گنگا پر اگر پُل تعمیر کر دیا جائے تو مدھیہ پردیش کے لئے

ایک سیدھا راستہ بن سکتا ہے۔ گرچہ کارکن تو بہت چھوٹا تھا لیکن اس کی اس اہم تجویز کو انہوں نے فراموش نہیں کیا اور ۲/۲ سال کی قلیل مدت کے دوران ہی گنگا پر اس تجویز کردہ پل کی تعمیر ہو گئی۔ پھر ان کے سامنے جو بیرون ملک اور درون ملک کے مسائل درپیش ہوتے تو وہ انہیں بڑی ہی خوش اسلوبی کے ساتھ سلجھاتیں۔ لیکن رائے بریلی سے ان کا کچھ زیادہ ہی ذاتی لگاؤ تھا۔ یہاں کے مسائل کو بھی وہ اہمیت دیتی تھیں۔ وزیر اعظم کی کوٹھی میں رائے بریلی کے مسائل کو حل کرنے کا ایک شعبہ تھا۔ جہاں رائے بریلی کے لئے منصوبہ بندی کی جاتی تھی۔ رائے بریلی والے وہاں آتے تھے، اور اپنے مسائل وزیر اعظم کے گوش گزار کرتے تھے۔

اندراجی پہلی بار سنہ ۱۹۵۷ء میں آنجہانی فیروز گاندھی کے چناؤ پروپگنڈہ کے لئے رائے بریلی تشریف لے گئی تھیں ان کے انتقال کے بعد ہی لوگوں نے اندراجی سے یہ گزارش کی تھی کہ اس ضلع سے وہ انتخاب کے لئے کھڑی ہوں۔ لیکن انہوں نے اس بات کو قبول نہیں کیا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کے سال بھر بعد ہی عام انتخابات ہونے والے تھے۔ ضمنی انتخاب میں امیدوار بننا انہوں نے قبول نہیں کیا۔ لیکن جب ضلع بھر کے سینکڑوں کارکن سنہ ۱۹۶۷ء میں دہلی پہنچے اور اپنی پرانی گزارش کو دہرایا تو آپ نے امیدوار بننا قبول کر لیا۔ رائے بریلی کو تو منہ مانگا تحفہ مل گیا تھا۔ وہ سنہ ۱۹۶۷ء اور سنہ ۱۹۷۱ء کے چناؤ میں میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئیں، لیکن ایک دفعہ رائے بریلی نے غلطی کی جب وہ سنہ ۱۹۷۷ء میں ناکام ہو گئیں۔ اس غلطی کا خمیازہ رائے بریلی اور پورے دیش کو بھگتنا پڑا تھا — اندراجی کا رائے بریلی سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ اندراجی کی بدولت ہی لوگ رائے بریلی سے واقف ہوئے تھے۔ ورنہ یہ قصباتی شہر آس پاس کے دوسرے شہروں کی طرح غیر معروف ہی رہتا۔

تاریخی ضلع :-

سنہ ۱۸۵۷ء میں۔ رائے بریلی میں بھیرا — (Bhira) سمیری (Semri)، شنکر پور (Shankarpur) بندر — (Bander) اور مختلف گاؤں کے لوگوں نے اکٹھا ہو کر انگریزوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے تھے۔ اس لئے انگریز اس مخالفت کرنے والے ضلع کو کبھی بھولے نہیں تھے۔ انگریزی حکومت نے ضلع کی ترقی و سدھار کو ہمیشہ نظر انداز کیا۔ جو اس ضلع کے لئے یہ اقدام بطور سزا کیا گیا تھا۔

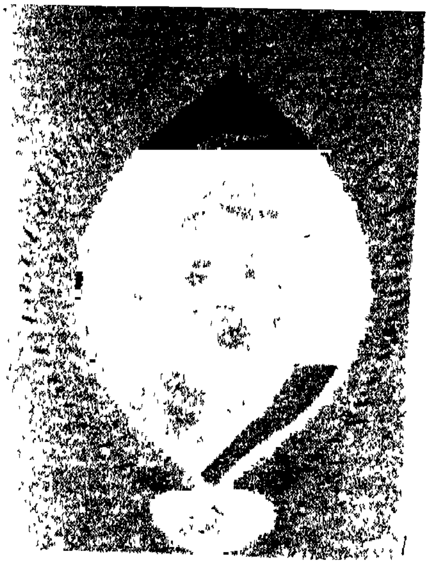
سنہ ۱۹۲۰-۳۱ء اور سنہ ۱۹۴۲ء میں اس ضلع کے کسان ہزاروں کی تعداد میں جیل گئے لیکن حصول آزادی کے فوراً بعد کئی سالوں تک اس ضلع کے لئے کوئی سماجی فلاح و بہبود کا کام انجام نہیں دیا گیا۔ شری فیروز گاندھی ہی وہ پہلے شخص تھے جن کی نظر اس ضلع کی پسماندگی پر پڑی، اور آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی نے مختلف منصوبوں کے تحت رائے بریلی کو صنعتی شہر میں تبدیل کر دیا۔ جذبۂ ایثار کی تاریخ کا چمن رنگ لگائے عزت دار اور سراپا ایثار کے نمونہ والے ضلع کو اندراجی نے نقشۂ عالم میں جینے کا صرف راستہ ہی نہیں بتلایا بلکہ ان راستوں پر لوگوں کو گامزن کیا، جو ترقی کی راہ سے ہمکنار رہے۔

• • •



دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جو ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں اور اندھیارے کا رونا روتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو اٹھ کر ہے کتنا چھوٹا سا کیوں نہ ہو دیا جلاتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں ہر شخص جہاں کہیں بھی وہ کام کرتا ہو۔ ایسا دیا روشن کرے جس سے اندھیارا دور ہو اور ہندوستان کی حالت بہتر ہو۔ جس میں ہم سب ہنسی خوشی جیون بتائیں۔

— آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی



آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی اور سائنس

خراجِ عقیدت

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں (میرؔ)

آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کے لئے ماحول بڑی دلچسپی اور اہمیت کا حامل رہا ہے — اس موضوع پر ان کا فکر خیال و فلسفہ نہایت ہی پاک اور صاف ستھرا معلوم ہوتا ہے، بلکہ دنیا کے جدید دور میں علاقائی و طبقاتی رجحانات سے کہیں بالاتر نظر آتا ہے۔ چونکہ وہ خود کو ہمالہ کی بیٹی تصور کرتی تھیں اور اس حقیقت کے پیش نظر ان کی یہ رمتیت کہ ان کے جسدِ خاکی کا مسکن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمالہ کی برفیلی چوٹیاں اور کوہستانوں کا دامن ہو، ان کے اسی مسلکِ فکر کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔



پہاڑوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ ان کے جغرافیائی یا ارضیاتی وجود ہی کی بات نہیں کرتی تھیں بلکہ قدرت، اور اس کائنات کے مکمل سلسلۂ زندگی کا بھی ذکر کرتی تھیں، جو ازل سے زندہ ہے۔ متحرک ہے اور نوعِ انسانی جس کا ایک جزو لازم ہے۔ ان کے خیال میں ماحولیاتی نظام ٹکڑوں یا حصوں میں بٹی ہوئی ایسی شئے نہیں ہے جس میں صرف جنگلی جانور جیسے شیر، چیتے، ببر شیر، ہاتھی، چرند اور پرند کا ایک بہت بڑا سلسلہ ہے۔ یا صرف ایسے جنگلات جو ہرے بھرے درختوں اور جڑی بوٹیوں سے معمور نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان کا

انگریزی تحریر: ڈاکٹر ترلوکی ناتھ کھوشو، سکریٹری محکمۂ ماحولیات، حکومت ہند، نئی دہلی۔ سابق ڈائریکٹر نیشنل بوٹینیکل ریسرچ انسٹیٹیوٹ لکھنؤ

ایسے مکمل اور مربوط نظامِ زندگی کی طرف اِشارہ
سے زندگی کے ہمہ گیر پہلوؤں سے تعبیر دی جاسکتی ہے۔
ان کی وسیع النظری نے انسان کے کلیدی کردار کو بخوبی
پر کھا تھا، بلکہ ملک کے مختلف قبیلوں کے آدیواسیوں
نظامِ قدرت سے ہمہ وقت یکسوئی کی زندگی گزارتے
قدرت کا ایک حصہ بن کر جیتے ہیں اور اس سے اتنا ہی
تے ہیں جس کی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے
شہروں کی زندگی کافی مختلف ہے۔ کیونکہ یہاں کے لوگ
ت سے ٹکراؤ کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ عناصر اربع
عنصروں (یعنی ہوا، پانی، زمین، نباتات و ذی حیات
جان بھی شامل ہیں) اور سورج سے ملنے والی روشنی کو
نے نظامِ زندگی کی ایک اہم کڑی سے تعبیر دی ہے۔ چونکہ
کے باہمی ربط، باہمی اشتراک اور انحصار میں ہی
ونما اور مطابقت پزیری کا عمل مضمر ہے اور یہی
ہے جو قدرتاً مؤثر و متوازن ہونے کے ساتھ ساتھ
ح و بہبود کو دائم و قائم رکھے ہوئے ہے۔ متذکرہ
باہمی میلان ہماری زندگی یا ماحولی تحفظ کی ضمانت ہے
ماحولی تنزلی اور غریبی کے درمیان گہرے تعلق کا انکشاف
یک طرف ترقی پذیر ممالک کے ترقیاتی منصوبوں، کا
دوسری طرف ترقی یافتہ ملکوں کی لاپرواہی سے جو تکنیکی
یں آرہا ہے۔ اس سے ماحولی تحفظ کے لئے شدید خطرہ
ہے۔ اسلحہ سازی کی دوڑ، کیمیادی جنگی ساز و سامان
اسلحہ سے عالمگیر بربادی کو بھی انہوں نے محسوس کیا
فتاً اس کی وابستگی عالمی امن اور ماحولیاتی تحفظات سے
حق تو یہ ہے کہ ان میں ماحولیاتی مناظر نامہ کا ایک اعلیٰ
لی ذہن موجود تھا۔
کے نظریئے کا ایک حساس پہلو یہ بھی تھا کہ وہ ہمارے
ی سے بے حد متاثر تھیں۔ اور انہیں اس بات کا یقین
س اور ٹیکنالوجی ہی ایک ایسا مثبت و طاقتور ذریعہ
ری سماجی و معاشی ترقی و تبدیلی کے لئے بے حد ضروری
یہ ہے کہ خود انہوں نے اور ان کے لائق والد محترم نے یہ
تھا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی نوعیت اور اس کے اِستعمال
یں ترقی پذیر ممالک کی غربت اور ترقی یافتہ ملکوں کی کامیابی

اور ان کے فروغ کا تعین کرتی ہیں۔ حالانکہ وہ ایک عظیم ماہر ماحولیات یا ایک عظیم ماہر ترقیات کی حیثیت تو نہیں رکھتی تھیں، مگر انہوں نے ہمیشہ ان دونوں موضوعات کے صحت مندانہ، و عالمانہ امتزاج کا ثبوت دیا ہے، اور اپنی تائید و حمایت سے اپنی سرپرستی فرمائی ہے۔ ان کا بنیادی نظریہ ماحولیات اور ترقی تھی، انہوں نے اکثر کہا ہے کہ......

"ترقی ایسی ہو جس میں
بربادی نہ ہو"

آج کل اکثر سُنا جاتا ہے کہ ان کے انتقالِ پرملال سے ملک کی سائنسی جماعت یتیم ہوگئی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ بذاتِ خود سائنس دانوں کی قدرداں اور بہت ہی کرم فرما تھیں، اور ان کے دَور میں سائنس نے نمایاں ترقی کی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا ہے کہ....

"سائنس داں تخلیقی قوت کے
حامل ہیں اور فنکاروں کی
طرح ان کی معقول ہنرمندی
کا احترام کیا جانا چاہیئے"

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ وہ ملک کے چھ بڑے سائنسی محکموں کی سربراہ تھیں جن کے منتظم آٹھ سائنس سکریٹری تھے۔ اس کے علاوہ ملک کے پلاننگ کمیشن میں ایک باضابطہ ممبر، ایک نامور سائنس داں بھی ہیں اور کابینہ کے لئے بھی ایک باقاعدہ منظم "سائنس ایڈوائزری کمیٹی"، موجود ہے۔ ان تمام محکموں سے متعلق سائنس دانوں کی کافی بڑی تعداد ان کی طرف بخوبی رجوع ہوئی۔ حالانکہ ان کے ساتھ کام کرتے اور ملک کی خدمت انجام دینے کی غرض سے ان سائنسدانوں نے اپنے ماضی کے کامیاب سائنسی ریکارڈ کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ بصد عزت و افتخار یہ کہا جانا چاہیئے کہ انہوں نے سائنسدانوں کے کام میں کبھی مخل ہونا جائز نہیں سمجھا اور تمام سائنسی ادارے اپنے اپنے کام کے دائروں میں اپنی خود مختاری کو برقرار رکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ انہوں نے ایکبار کہا تھا کہ.....

"ایسا نہیں ہے کہ میں ان تمام محکموں کے سربراہ ہونے کے ناطے ایک ماہر بھی ہوتی بلکہ کچھ محکمے اور کچھ معاملات ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں خاص تقویت کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی لئے شاید یہ محسوس کیا گیا کہ اگر ایسے محکموں کے سربراہ وزیر اعظم ہوں گے تو ان کی طرف شاید زیادہ توجہ دی جا سکے گی"

ہندوستان کی عظیم وراثت اور اس میں چھپی بلندی پر انہیں پورا اعتماد تھا۔ سائنس اور روحانیت کے باہمی امتزاج پر ان کے کلمات قابل ستائش رہے ہیں۔ کیونکہ بنیادی طور پر دونوں کا ماحصل "سچ کی کھوج" کرنا ہے۔ ہندوستان کے اخلاقی و تمدنی ورثہ پر بھی انہیں فخر تھا۔ جو ہماری زندگی میں، ویدوں، مہاتما بدھ، مہاویر، اشوک، گاندھی جی اور جواہر لال جی سے حاصل ہوا ہے۔ وہ اس بات پر ہمیشہ زور دیتی تھیں کہ ان اخلاقی اقدار کو پنپنا چاہیئے، اور جدید سائنس — اور ٹیکنالوجی سے ہمکنار ہو کر اس تمدنی امتزاج کا تحفظ کیا جانا چاہیئے۔ ذاتی طور پر اور بہ حیثیت ایک عالمی لیڈر کے ماحولیات کو انہوں نے عالمی نقطۂ نظر سے دیکھا، جس میں پوری دُنیا کے لوگ شامل ہیں، اور جو اس کا حصہ ہیں۔ وہ ماحولیات کی فلاح سائنسی و تکنیکی طرز پر چاہتی تھیں، جو ہمارے ملک کے سماجی اور معاشی زندگی کے برحق و موافق ہو۔ تاکہ اس طرح سے حاصل کی گئی ترقی و بھلائی کے کام دائم اور مستحکم رہ سکیں۔ بے شک ان کے اچانک اور غیر فطری سانحۂ ارتحال سے ہندستانی سائنس نے ایک بہت بڑا محسن کھو دیا ہے۔

آج ان کے دکھائے ہوئے عظیم راستے پر چلنا ہمارے لئے اُمید کی کرن ہے۔ ان کی زندگی، مشکلات اور آزمائشوں سے بھری ہوئی تھی۔ جنہیں انہوں نے دوہری قوت اور بلند حوصلے سے سر کر لیا۔ ہم زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتے ہوں، آیئے..... ہم ان کے ادھورے چھوڑے گئے کام کو مستعدی سے پورا کریں۔ میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ یہی اس عظیم ہستی کا خراج تحسین ہوگا۔ اور اسی میں ہمارے عوام کی خدمت اور ملک کے مسئلوں کا حل مضمر ہے۔ انفرادی طور پر اگر ہم اپنے کام کو بخوبی انجام دیتے ہیں تو ہم یقیناً اپنی محبوب لیڈر شریمتی اندرا گاندھی، کے عظیم خوابوں کی تعبیر ضرور دیکھیں گے۔

ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ فرداً فرداً بھی ہم اپنی قوم و حکومت کا ایک حصہ ہیں اور مل کر ایک بہت بڑے ملک کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ ان کی بے مثال شہادت سے ہم متحد ہوں اور ان کے راستے پر چل کر ملک کے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کام کریں۔ ان کی پاک روح ہمیں یقین محکم اور عمل پیہم کی توفیق دے۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہیں۔

"جانے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں"

*

ترجمہ:- موہن لال دیشنوی،
سینئر تکنیکی معاون اُردو،
نیشنل بوٹینکل ریسرچ انسٹیٹیوٹ۔ لکھنؤ

ـٹر ایس۔ کے آڈکر
کرملا۔
ے منو آرٹس اینڈ کامرس کالج
نگر ۴۱۴۰۰۱



وہی چراغ بجھا جس کی لَو قیامت تھی

عظیم سیاسی مفکر، عالمی شہرت کے نیتا، قومی رہنما، ناوابستہ ممالک کی چوٹی کانفرنس کے صدر، قومی ایکتا اور یک جہتی کے حامی، سیکولرزم کے علمبردار، مساوات، اخوت اور امنِ عالم کے پیغمبر، بنی نوع انسان کی غم خوار، بھارت کی وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کی ناگہانی وفات سے ملک کا ناقابلِ تلافی نقصان ہوا۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو صبح ساڑھے نو بجے اپنی ڈیوٹی پر تعینات ایک سر پھرے سنتری نے ان پر گولیوں کی بوچھار کی جس سے بین الاقوامی شہرت کی اس ہستی کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لئے بجھ گیا۔ مرحومہ کی رحلت ملک کے لئے ایک عظیم سانحہ تھا۔ یہ ایک عظیم زندگی کا خاتمہ تھا جس سے ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا جو جلدی پُر نہ ہوسکیگا۔

یہ مضمون شریمتی اندرا گاندھی کی موت کا مرثیہ نہیں ہے
ن کے پاکیزہ خیالات، امنِ عالم اور انسانیت کی فلاح و بہبود
سلسلے میں ان کی انتھک کوششوں کو خراجِ عقیدت ہے۔

شریمتی گاندھی جیسی ہستی صدیوں بعد پیدا ہوتی ہے۔ ان کی
یخ ساز شخصیت نے پورے ایک یُگ کی رہنمائی کی ہے۔ ان
یری اور فیصلہ کن حوصلہ افزائی نے ہندوستان کے آدرش کو
، نئی جہت عطا کی۔ ہندوستان سے باہر کی دنیا میں بھی لوگ
، بین الاقوامی سوجھ بوجھ سے متاثر ہوتے تھے۔ انہوں نے
دلیرانہ اور جگمگاتی ہوئی قیادت میں نہ صرف اپنے ملک کی
دی کو برقرار رکھا بلکہ بنگلہ دیش کے عوام کو بھی آزادی حاصل
نے میں مدد دی۔ اس طرح میں پورے ہندوستان کی سچی
میت اندرا گاندھی کے روپ میں بیدار ہو اٹھی تھی۔

مہاکوی رابندر ناتھ ٹیگور نے ایک بار شری جواہرلال نہرو
بارے میں کہا تھا کہ وہ ایک ایسے انسان تھے جو اپنے کارناموں
، بڑے تھے۔ یہی بات شریمتی اندرا گاندھی پر بھی صادق
ہے۔ ہمارے دیش کے بہت کم لوگ دلیری، فیصلہ سازی،
، انسانی ورثہ اور مستقبل کے مسائل کو سمجھنے میں ان کی برابری
کر سکتے ہیں۔ یہ تمام صفات شریمتی اندرا گاندھی کو ہمارے عہد کی ایک بے حد اہم اور نمایاں شخصیت بناتی ہیں۔ تمام ملکوں کی عورتیں ان کی شخصیت کو اس قوت کا مظہر سمجھتی ہیں جس کا نام عورت ہے۔

موتی لال نہرو، جواہرلال نہرو اور اب اندرا گاندھی ـــــ ایک ہی خاندان کے تین افراد ـــ ایسی مثالیں بہت کم ملیں گی جہاں ایک ہی خاندان میں یکے بعد دیگرے تین نسلوں کو ہندوستان کی رہنمائی کا شرف حاصل ہوا ہو اور یہ تینوں ایک دوسرے سے کتنے مختلف! مشہور خاندان اور مقبول ماں باپ کے گھر پیدا ہونا کچھ آسانیوں کے ساتھ ساتھ کچھ دشواریاں بھی عاید کرتا ہے۔ ہمارا ذہن بہت جلد ان تینوں ہستیوں کے مقابلے کی طرف مائل ہوتا ہے اور بڑی آسانی سے کسی کے ذاتی کارناموں کو اس کی وراثت کا سرمایہ سمجھ لیتا ہے۔ گو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شریمتی اندرا گاندھی کی شخصیت میں گہرا اعتماد ظاہر کرتے ہوئے ہندوستانی عوام نے ان کے والد محترم کے تخیل اور ان کی فعالیت کو جاری رکھنے کی خواہش کا اظہار کیا ہو لیکن یہ بھی سچ ہے کہ شریمتی اندرا گاندھی نے اپنے ذاتی اوصاف کے زور پر دنیا بھر کے سیاسی مدبروں میں اپنا ایک مقام بنالیا تھا۔ ان کا بیدار ذہن علاقائی تعصب اور تنگ دلی کے جذبات

سے مبرّا تھا اور وہ ہمیشہ اپنے ذہن کے دریچوں کو نئے خیالات کے لئے کھلا رکھتی تھیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے اچانک اور اندوہناک حادثۂ وفات کے بعد ملک کی حالت اس کس مپرسی بچے کی سی ہو گئی تھی جو وقت اور حالات کے بے رحم اور بے اماں سمندروں کی لہروں کی گرفت میں آ گیا ہو۔ یہ بچہ ڈوب ڈوب کر اُبھرتا اور ابھر ابھر کر ڈوبتا۔ اس اُبلتے بپھرتے سمندر سے کیا برآمد ہوتا ہے یا اس میں کیا غرق ہوتا ہے۔ بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کے قیاس سے باہر تھا۔ حسد اور ہوس کے نہنگ آئین اور ایوانِ حکومت کے اعتبار اور اقتدار کو نگل جانے یا ان کو پاش پاش کر دینے کے درپے تھے۔ سیاست کے بازار میں سودے بازی کی ہلچل برپا تھا۔ شریمتی اندرا گاندھی کی اعلیٰ صلاحیتوں کی کڑی آزمائش کا وہ پہلا دن تھا۔ انہوں نے اس جوار بھاٹے کو زیر کر لیا۔

شریمتی گاندھی نے اپنی باعمل جرأت آزما دانش مندی سے ہماری قومی زندگی کے ایک اہم عہد میں ہماری رہنمائی کی۔ مہاتما گاندھی ہمارے دیش واسیوں کو غلامی سے نکال کر سیاسی آزادی تک لائے ان سے ہم نے سچائی، عدم تشدد اور خدمتِ خلق کا جذبہ پایا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے ہمیں سامنت شاہی سے نکال کر جدید عہد میں پہنچا دیا۔ ان سے ہم نے جمہوری اقدار، سیکولرزم، سوشلزم اور بین الاقوامی امن کے اصول سیکھے۔ شریمتی اندرا گاندھی نے مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو کے نقشِ قدم پر چل کر ہندی عوام کی غربت اور استحصال کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھا۔ ہر قدم پر دیش کی رجعت پسند طاقتیں ان کی راہ میں روڑے اٹکاتی رہیں مگر انہوں نے بڑی بے جگری سے اس محاذ کو منظور کیا اور وہ ہمارے عوام کی امیدوں کا مرکز بن گئیں۔

شریمتی اندرا گاندھی اپنی عمر کا ایک بہت خوبصورت حصّہ اور اپنی خدمات کا بیش قیمت اندوختہ اپنے قابلِ فخر باپ پر نثار کر چکی تھیں۔ انعام و اکرام کے تصور سے بے نیاز اور اختیار اور اقتدار کی ہر کشش سے دور وہ اپنی محرومی کے غم کو جس صبر و استقلال سے پی گئیں وہ ان کی شخصیت کی تب و تاب میں ہمیشہ اضافہ کرتا رہے گا۔ اکثر اس بات پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ وہ وزیرِ اعظم ہوں یا اندرا گاندھی — دونوں نے حکومت کو اس طرح سنبھالا اور اس درجہ مستحکم کیا کہ مخالفین کی مخالفت بہت ہی معمولی اور پیش پا افتادہ معلوم ہونے لگتی ہے جیسے ان کے ترکش میں کوئی کارگر تیر نہ ہو۔

اکثر ان کی آنکھوں میں گہرے درد کی کسک نظر آئی۔ یہ کرب اور کسک اس وقت خاص طور پر نمایاں ہوتی جب کہیں اور جہاں کہیں ظلم اور زیادتی کا غلبہ پایا گیا، ظالم کی جیت اور مظلوم کی حق تلفی ہو رہی ہو یا ملکی یا بین ملکی سطح پر بازی گری کی بساط بچھائی گئی ہو اور دھاندلی سے پانسے پھینکے جا رہے ہوں، ان کی آنکھوں میں بیزاری اور برہمی کے مدوجزر پائے گئے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کہیں نہ کہیں انصاف اور مساوات کا ترازو ڈانواڈول ہے۔

جب انہوں نے اپنے دیش کی عنانِ حکومت سنبھالی تب ہمارا ملک ایک نازک مرحلے سے گذر رہا تھا۔ اس کو روبراہ کرنے میں موصوفہ نے جس قابلیت اور دلیری کا ثبوت دیا اس کے پیشِ نظر وہ بجا طور پر کہہ سکتی تھیں کہ

I came, I saw and I conquered یعنی "میں آئی، میں نے دیکھا اور میں نے فتح کر لیا"۔ شریمتی گاندھی نے جب دیش کی ڈگمگاتی نیّا کے پتوار سنبھالے تو صرف ناؤ کی سواریوں ہی کی نہیں بلکہ ساری دنیا کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں موصوفہ صرف (प्रियदर्शिनी) پر یہ درشنی ہی ثابت ہوتی ہیں یا اس مہان دیش کی مہان پردھان منتری کی صبر آزما ذمّہ داریوں کو نبھانے کی صلاحیت اور صلابت بھی رکھتی ہیں یا نہیں۔ اپنے دیش کا جگمگاتا ہوا، ہزاروں برس پر پھیلی ہوئی اور ان کی حامل روایت کا رتھ شریمتی گاندھی کی قیادت میں تاریخ ساز اور فیصلہ کن (कुरुक्षेत्र) کروکشیتر سے گذر رہا تھا۔ موصوفہ کی شخصیت کا احاطہ مختصر الفاظ میں اس طرح ہو سکتا ہے۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان (اقبالؔ)

مہاتما گاندھی نے ہمارے غلام ملک کے لئے آزادی کی راہیں ہموار کیں۔ عوام کے دلوں میں پُر امن مگر بے خوف جدوجہد کا جذبہ پیدا کیا۔ پنڈت نہرو نے بتایا کہ صرف سیاسی آزادی ہی کافی نہیں ہوتی، معاشی آزادی کے بغیر ایک خوش حال معاشرے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اس لئے انہوں نے معاشی آزادی کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لئے اپنی ذہانت اور طاقت کا پورا زور صرف کر دیا۔ شریمتی اندرا گاندھی نے ان اصولوں پر نئے ہندوستان کا ڈھانچہ کھڑا کرنے کی جدوجہد کی۔ ظاہر ہے کہ یہ کام چند مہینوں یا چند برسوں میں ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ قومیں کسی جادو کی چھڑی سے ترقی نہیں کرتیں۔ عہد در عہد عوام اور حکومتیں

ون پسینہ ایک کرتی ہیں تب کہیں خوابوں کی تعبیر ملتی ہے۔
شریمتی اندرا گاندھی نے بھی اپنے ملک کی آزادی، ترقی
ی حالی کے خواب دیکھے تھے۔ عوام کی محبت اور چاہت نے
اس مرتبہ تک پہنچا دیا جہاں وہ ان خوابوں کو حقیقت کا
بنانے میں کامیاب ہوئیں۔ نہرو پریوار کے اوصاف
ی گاندھی کو بھی ورثے میں ملے تھے ۔ وہ ہیں مستقل مزاجی
رادوں کی استقامت ۔ ان دو اوصاف کو کام میں لاکر
عل اور بہادر عورت اپنے عہدِ حکومت کے پہلے ہی روز
جعت پسند طاقتوں سے نبرد آزما ہوئیں۔ ان کی سوچ
ی تھی، فیصلوں میں تلوار کی کاٹ تھی، مگر خوابوں میں گلاب
شبو بھی تھی۔ جدوجہد کرنے والے ہندوستانی عوام کے
مل کر انہوں نے وہی خواب دیکھے ۔ جیسے غربت کی جگہ
حالی، جہالت کی جگہ تعلیم کی روشنی، بے کاری کی جگہ روزگا
وانی اور ایک خوبصورت انسان دوست ہندوستانی سماج
ر۔ مگر اس تعمیر میں دیر لگتی ہے۔ ہماری ہر دلعزیز وزیر اعظم
ی گاندھی نے بدلتے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے عوام کی
و بہبود کی غرض سے قوم کو نیا بیس نکاتی پروگرام دیا اور
تکمیل کے لئے ایک نیا نعرہ ([illegible]) "شرم ایو جیتے"
بہت سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ پچھلے پینتیس برس میں کیا
؟ جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ بہت کچھ ہوا اور ابھی بہت
ہونا اور کرنا باقی ہے۔ روشنی کا ہالہ بڑھا ہے اور اندھیرا
ا ہے۔ یہ بھی نہیں کہ چار سو روشنی ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ
ت اندھیرا ہے۔

ہمارے ترقیاتی پروگراموں کی رفتار اور تیز ہوتی اگر
ی اندرا گاندھی کو غیر ملکی حملوں کا مقابلہ نہ کرنا پڑتا۔ ان سے
میں انہوں نے جس دلیری اور مستقل مزاجی اور فیصلہ کن ذہانت
ت دیا وہ کچھ ان ہی کا حصہ تھا۔ اکیلا بنگلہ دیش کی آزادی
عہ ایسا ہے جو ان کی زندگی میں سنہرے حرفوں میں لکھا جائیگا۔
صحیح ہے کہ ان کے عہدِ حکومت میں بھارت کی عسکری قوت
وط ہوئی اور اس کی سرحدوں کے تحفظ میں نمایاں اضافہ ہوا۔

پھر بھی جنگ سے کوئی بنیادی مسئلہ حل نہیں ہوتا نہ خواب
ہیں نہ حسرتیں پوری ہوتی ہیں، نہ جہالت جاتی ہے نہ غربت
ہوتی ہے۔ ان باتوں کو شریمتی اندرا گاندھی سے بہتر کون
ا تھا؟ کیونکہ وہ پنڈت جواہر لال نہرو کے خوابوں کی وارث
تھیں۔ اس لئے انہوں نے بین الاقوامی امن اور شانتی کی خاطر اپنے ملک کے چاروں اطراف میں دوستی اور آشتی کے ہاتھ پھیلائے پاکستان، ایران، سری لنکا، افغانستان، نیپال، ملیشیا، انڈونیشیا ان سب تیسری دنیا کے ممالک میں ہماری طرح کے لوگ بستے ہیں۔ ان سب کی حسرتیں ایک سی ہیں، آرزوئیں ایک سی ہیں۔ ان کے مسائل بھی ایک سے ہیں نہ صرف یہ کہ ہندوستان اور پاکستان کے پسماندہ عوام کے مسائل ایک سے ہیں بلکہ اس برصغیر کے باہر آس پاس کے ملکوں کے بنیادی مسائل بھی ایک سے ہیں۔ یہ مسئلے آپسی جنگوں سے حل نہیں کئے جا سکتے اسی لئے شریمتی گاندھی کی خارجہ پالیسی شانتی اور آشتی، امن اور ہمدردی، امداد باہمی اور اشتراک پر مبنی تھی۔ اسی پالیسی کو اپنا کر ہی اس خطہ کے مسائل حل کئے جا سکتے ہیں۔

اس وقت ہمارے ملک نے جو ترقی کی ہے اس کی وجہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی مضبوط بنیادیں قائم کرنے کے لئے ملک کی مسلسل جدوجہد ہے، نیوکلیئر، خلائی اور سمندری ریسرچ کے میدانوں میں ہماری کامیابیاں ہمارے سائنس والوں کی فہم اور فراست کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انسیٹ ۔ بی جو اس وقت مدار میں گردش کر رہا ہے تیسری منجدھم اور ساگر کنیا جو سمندری تحقیقات میں مصروف ہے ۔ یہ تمام ہم سبھی کے لئے باعث فخر ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں شریمتی گاندھی کی فراست طبع نے کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ ایٹمی قوت کے باب میں ہماری تکنیکی ترقی سے بڑے بڑے ملکوں کے کان کھڑے ہوئے ہیں ان ہی کے دورانِ حکومت بھارت خلائی دور میں پہنچ گیا۔ ہندوستان کے پہلے ہوا باز اسکواڈرن لیڈر راکیش شرما جنہوں نے روسی خلا بازوں کے ساتھ سویوز ٹی ۔ ۱۱ کے ذریعے پہلی ہند۔ روس مشترکہ خلائی پروازوں میں حصہ لیا۔ زراعت میں سبز انقلاب بھی ان ہی کے زمانے میں آیا۔ آج ہزاروں مشکلات کے باوجود ہمارا ملک آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا ہے۔

اردو کی ترویج اور ترقی کے لئے جو کچھ شریمتی گاندھی کے عہدِ حکومت میں ہوا، اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ مزید ترقی کے لئے ان کا کہنا تھا کہ رائے عامہ کو بھی ہموار کرنا ضروری ہے۔ اردو کے لئے ان کے دل میں بھی وہی درد تھا جو پنڈت جی کے دل میں تھا۔ وہ اردو کو فروغ دینے کے لئے حالات کی نزاکتوں کو جانتے ہوئے ضروری اقدام کرتی رہیں۔

قومی یکجہتی کی اہمیت

قومی یکجہتی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کی اہمیت ادھر اور بڑھ گئی ہے کیونکہ آج ہمارا ملک اندرونی اور بیرونی خطروں سے دوچار ہے۔ اندرونی خلفشار وہ لوگ پیدا کرتے ہیں جو اندرا جی کی ترقی پسند پالیسی کے دشمن تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس اندرونی خلفشار میں کچھ بیرونی عناصر بھی کام کر رہے ہوں۔ ملک میں بھی مختلف تفرقہ انداز اور انتشار پسند طاقتیں ہمارے اتحاد اور آشتی کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہیں۔ ہمارے صوفی سنتوں نے اس کی اہمیت پر زور دیا تھا۔ انہوں نے مختلف مذاہب اور ذاتوں میں بٹے ہوئے لوگوں کو اتحاد اور آشتی کا سبق دیا۔ ان کا وسیع تر مشرب انسانیت تھا۔ ان عظیم ہستیوں کا کہنا تھا کہ بنی نوع انسان کی خدمت ہی خدا کی خدمت ہے اور انسان سے محبت خدا سے محبت ہے۔ شریمتی گاندھی کا پختہ یقین تھا کہ تمام مذاہب کی منزل ایک ہی ہے۔ وہ انسانیت کی پرستار تھیں۔ اس کے لئے ان کے دل میں اتھاہ درد تھا۔ اپنی تقریروں میں وہ قومی ایکتا اور یکجہتی پر زور دیتی رہیں۔ آخر اسی کی خاطر انہوں نے اپنی جان قربان کی۔

نویں ایشیائی کھیلوں کا انعقاد

نویں ایشیائی کھیلوں کے مقابلوں کے انعقاد میں شریمتی اندرا گاندھی کا یوگ دان اہم تھا۔ ان کو طرح طرح کے کھیلوں سے دلچسپی تھی۔ اس بنا پر انہوں نے ان کھیلوں کی سرپرستی قبول کی تھی۔ ان کے حسنِ انتظام پر سبھی حیران رہ گئے۔ بھارت کی ساکھ دنیا میں بڑھ گئی۔ وہ ہمارے کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی کرتی تھیں ایشیائی کھیلوں کے دنوں میں اپنی مصروفیت کے باوجود وہ بذات خود الگ الگ اسٹیڈیم پر حاضر رہا کرتی تھیں اور کسی کو پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ وہ تشریف لائی ہیں۔ لاس انجلس اولمپک میں بھارت ہارتا رہا۔ ہماری کھلاڑی پی۔ ٹی۔ اوشا کی ہار پر بھی شریمتی گاندھی نے اس کو بدھائی کا تار بھیجا تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اسی طرح ہاکی میں پاکستانی ٹیم کی فتح پر انہوں نے صدر پاکستان ضیاء الحق کو مبارکباد دی تھی۔ انہوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا تھا کہ "کھیل کود رفاقت اور خیرسگالی کے رشتوں کو فروغ دیتے ہیں۔ ایشیائی کھیلوں کے انعقاد پر بھارت بجا طور پر فخر کر سکتا ہے"۔

دو بڑی بین الاقوامی کانفرنسوں کی میزبانی

شریمتی اندرا گاندھی کے عہدِ حکومت میں دہلی میں دو بڑی بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ مارچ ۱۹۸۳ء میں ناوابستہ ممالک کی ساتویں چوٹی کانفرنس ہوئی۔ اس میں بین الاقوامی انسانی برادری کو آج کے دشوار گذار وقت میں امن کی تلاش میں نئی سمت ملی۔ اس کے ساتھ ہی انصاف اور صلاحیت کی بنیاد پر بین الاقوامی تعلقات کی تعمیر نو کے لئے ایک نیا ڈھانچہ بھی ملا۔

نومبر ۸۳ء میں دولت مشترکہ ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس میں تمام عالم انسانیت کی بہتری کے لئے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کو قریب لانے کے کام کو آگے بڑھایا گیا جس سے مزید طاقت حاصل ہوئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہمارا ملک مختلف قوموں کے درمیان امن اور ترقی کی جدوجہد میں آگے ہے۔

سماج واد کا حامی بھارت

بھارت ایک امن پسند ملک ہے وہ اپنے یہاں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں امن چاہتا ہے۔ شریمتی گاندھی نے ایک بار کہا تھا کہ "ظلم، بدعنوانیوں اور بے انصافیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک مضبوط سرکار کی بہت ضرورت ہے۔ آج ہر ایک ملک میں ایک نہ ایک تشویش ہے لیکن سب سے بڑی تشویش یہ ہے کہ بنی نوع انسان، جس نے اپنے علم میں اتنا اضافہ کیا، اپنی صلاحیت بڑھائی، وہ کدھر جا رہا ہے؟ کیا وہ خودکشی کرنے پر آمادہ ہے؟ امیر اور غریب (ترقی یافتہ اور ترقی پذیر) ممالک کے درمیان فاصلہ بڑھ رہا ہے۔ بھارت امیری اور غریبی کے فاصلے کو کم کرنے کے لئے سماج واد کے راستے پر گامزن ہے تاکہ نابرابری کم ہو اور آزادی کے فائدے ہر شخص تک پہنچ سکیں"۔

ہمہ جہت ترقی کیلئے ۲۰ نکاتی پروگرام

حکومت غریبوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کا مصمم ارادہ رکھتی ہے۔ اس امر کا اظہار چوتھے پنجسالہ منصوبے اور اس کے بعد کے منصوبوں کے ترقیاتی پروگراموں سے بخوبی

ہوتا ہے۔ روزگار کے مواقع بڑھانا۔ آمدنی اور سرمایہ کاری کو غریبوں کے مفاد کے لئے وقف کرنا وغیرہ ان پروگراموں کے خاص مقاصد ہیں۔ شریمتی گاندھی نے جس بیس نکاتی پروگرام کا اعلان کیا تھا اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ ملک میں ایک نئی روح پھونکی جائے۔ اس نئے پروگرام میں بھی پینے کے پانی کی فراہمی، مکانات تعلیم اور صحت کی دیکھ بھال جیسی بنیادی ضروریات پر خاص توجہ دی گئی تھی۔ حکومت سماجی انصاف کے ساتھ ساتھ ترقی کو بڑھاوا دینے کے اصول پر کاربند تھی۔

اقتصادی ترقی کا نیا ۲۰ نکاتی پروگرام

۱۹۸۴ء کا بھارت ۱۹۴۷ء کے بلکہ دس برس پہلے کے بھارت سے بہت مختلف ہے۔ آج اس کا شمار دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں ہونے لگا ہے۔ ہمارے پنجسالہ منصوبوں نے ملک کی معیشت کی روپ ریکھا ہی بدل دی ہے۔ اس کا سہرا ہماری وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے سر ہے۔ ہمارا ملک زندگی کے ہر شعبے میں خودکفالت کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ترقیاتی عمل کے نتیجے میں پیدا شدہ نئے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری تھا کہ اس پروگرام کو از سر نو تشکیل دیا جائے۔ شریمتی گاندھی نے قوم کے نام ایک نشریہ میں ۱۴ جنوری ۱۹۸۲ء کو اس کا اعلان کیا۔ گذشتہ عرصہ میں ہندوستان نے جو اقتصادی ترقی کی ہے وہ ہر اعتبار سے لائق توجہ ہے۔ آج مجموعی پیداوار کے اعتبار سے بھارت کا شمار دنیا کے بڑے ملکوں میں ہوتا ہے۔ اس پر بھی اس کو اقوام عالم میں زیادہ آبادی کے سبب پچھڑا ہوا ملک تصور کیا جاتا ہے۔

کیا ہم آبادی کے اس بڑھتے ہوئے بارگراں کو برداشت کر سکیں گے؟ خاص طور سے ایسے وقت، جبکہ ہم اپنے عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ہمارے ملک کے تقریباً ۵۰ فی صدی عوام غریبی کی سطح کے نیچے زندگی گذارتے ہیں۔ لہٰذا یہ بہت ضروری ہو جاتا ہے کہ غریبی کے خاتمے کے لئے جدوجہد تیز کی جائے۔ شریمتی گاندھی کے مطابق "کنبہ بندی ترقیات سے الگ تھلگ کوئی اور چیز نہیں ہے بلکہ کنبہ بندی اور ترقی کا چولی دامن کا ساتھ ہے"۔

ایک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

آج شریمتی اندرا گاندھی ہمارے بیچ نہیں ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ان کے خوابوں اور آدرشوں کا احترام کریں اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر ملک کی تعمیر میں ہاتھ بٹائیں۔ بھارت کو ایک طاقت ور اور خوش حال ملک بنانے کے لئے انہوں نے ایک نیا نعرہ دیا ([illegible]) "شرم ایو جیتے" (جیت محنت ہی کی ہوتی ہے) عوام الناس کو خودکفیل بنانے کے لئے اور ان کے اعتماد کو جلا دینے کے لئے انہوں نے نیا بیس نکاتی پروگرام پیش کیا۔ ان کا جذبۂ حب وطن کو بیدار کرنے کے لئے قومی ایکتا اور ایک جہتی کا منتر دیا۔ شریمتی گاندھی عالمی شہرت کی لیڈر تھیں۔ امن عالم کے لئے وہ تادم زیست کوشاں رہیں۔ وہ بنی نوع انسان کی غم خوار تھیں۔ ان کی نا وقت رحلت سے ایک عظیم زندگی کا خاتمہ ہوا اور ایک ایسا خلا پیدا ہوا جو جلد پُر نہ ہو سکے گا۔ نا وابستہ ممالک کی صدر کی حیثیت سے اس تحریک کو مضبوط بنانے میں ان کی خدمات ہمیشہ یاد کی جائیں گی۔ ان کو آخری منزل تک پہنچانے کے لئے دنیا بھر کے بڑے بڑے نیتا (لیڈر) دہلی آئے تھے۔ انہوں نے شریمتی گاندھی آنجہانی کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کتنی مہان تھیں اور وہ ان کی کتنی عزت کرتے تھے۔ وہ اپنے کارہائے نمایاں سے امر ہو گئیں۔ بقول شاعر

جسم کی موت کوئی موت نہیں ہے
جسم مٹ جانے سے انسان مر نہیں جاتا

عبدالحق پٹھان
پاٹکا نیشن، بھنڈی بازار، بمبئی

قومی یکجہتی
ایک جائزہ

ہندوستان دنیا کا وہ واحد ملک ہے جہاں عہد قدیم سے انیسویں صدی کے وسط تک سیاسی سطحوں پر مسلسل الٹ پلٹ ہوتی رہی، لیکن سماجی اور ثقافتی اقدار کی ہم آہنگی اور یگانگت متاثر نہیں ہوئی۔ یہ ایک تاریخی معجزہ ہے جس پر دنیا حیرت کا اظہار کرتی ہے۔

ہندوستانی سماج نے سیاسی بازی گری سے قطع نظر ہوکر نئے آنے والوں کے رسم و رواج، تہذیب و تمدن، مذہبی عقائد، طرز زندگی اور معاشرت کے دل کش و مفید عناصر کو اپنی زندگی سے وابستہ کیا۔

دراوڑ اور آریاؤں کے ملاپ نے ایک نئے سماج کو جنم دیا۔ یونانیوں، منگولوں، ترکوں اور ایرانیوں کی طرز معاشرت نے اس سماج کو ارتقائی منزلوں سے گزار کر ایک تناور درخت کا سا استحکام عطا کیا۔ یورپی اقوام نے استحصال کے باوجود ہندوستانی سماج کو مغربی علم و ادب اور سائنسی بصیرت عطا کی اور اس کے رخ کو عہد جدید کی طرف موڑا۔

ماضی کی ان شاندار روایتوں نے آج ہندوستانی سماج کو انسانی ہمدردی، قومی رواداری، مذہبی احترام اور لسانی ہم آہنگی عطا کی ہے۔ ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی گنگا جمنی تہذیب کا گلدستہ آج بھی اپنی شوبھا بڑھا رہا ہے کیونکہ ہم نے اس گلدستہ کے کسی پھول کو غیر نہیں سمجھا، کسی پتی کو بدیسی نہیں مانا بلکہ سب کو گلے لگایا ہے۔ اپنا رنگ انہیں دیا ہے۔ اُن کی خوشبو لی ہے۔

ہندوستان متعدد ریاستوں اور کئی مرکزی علاقوں کی سیاسی اور جغرافیائی اکائیوں کے باوجود ایکتا کی ڈور میں بندھا ہوا ہے۔ زبانیں جدا جدا ہیں، لباس مختلف ہیں۔ آداب معاشرت میں فرق ہے لہجہ الگ ہے۔ رنگ بھی ایک نہیں لیکن مٹی ایک ہے، پانی ایک ہے، ہوا ایک ہے، دھوپ ایک ہے، چاندنی ایک ہے۔ ہمارے دکھ سکھ ایک ہیں، ہمارا خمیر بھی ایک ہے اور اسی اشتراک نے کثرت میں وحدت کو زندہ رکھا ہے۔

کسی ملک کی ترقی اور خوش حالی میں قومی یک جہتی اور اخوت کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ دنیا کے بڑے اور ترقی یافتہ ممالک اپنی قومی یک جہتی اور بھائی چارے کو قائم رکھنے میں کامیاب ہو گئے ہیں کیونکہ وہاں کے عوام ایک نسل، ایک تہذیب، ایک زبان اور ایک کلچر کے علمبردار ہیں۔

ہندوستانی سماج کی یک جہتی اور رواداری کی درخشاں مثالیں ملک کی آزادی کی تحریکوں کے زمانے میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ عدم تشدد کے ذریعے ظالم سامراجیت کے چنگل سے ملک کو نکالنا، قومی یک جہتی اور جذبۂ حب الوطنی کے زندہ ثبوت ہیں۔

آزادی کے بعد سماجی رواداری کی اشاعت و تبلیغ کی ذمہ داری سرکار نے اپنے سر لے لی ہے اور مرکز نے اپنی نگرانی میں ریاستی حکومتوں کو مختلف کمیٹیاں بنانے کی ہدایت کی ہے جو صوبائی سطح پر لوگوں میں یک جہتی، بھائی چارہ اور جمہوری طرز فکر کی نشو و نما کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔ حکومت مہاراشٹر نے بھی کاؤنسلیں قائم کی ہیں جو اپنے اپنے طریقے سے عوام میں ہم آہنگی، ایکتا اور رواداری کے جذبے کو فروغ دینے کی کوشش کر رہی ہیں۔

علاوہ مختلف تعلیمی کمیٹیاں بھی قومی رواداری اور بھائی
کی بھاؤنا کو بیدار کرنے کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔
ان کی کوششوں کے باوجود ہندوستان جیسے عظیم ملک
ں دنیا کی ایک چوتھائی آبادی رہتی ہے، قومی یک جہتی
غ کی ذمہ داری صرف حکومت پر نہیں ڈالی جاسکتی۔
بجمن، ہرادارہ اور ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ملک
ت کو زندہ رکھے اور ترقی کی رفتار کو بڑھائے۔
آج ملک کی یک جہتی اور سالمیت کو سب سے بڑا خطرہ
پسند طاقتوں سے ہے جو اس ملک کی پرانی روایات کو
ا ہتی ہیں جو ذاتی مفاد کے حصول کے لئے امنِ عامہ کو
نے پر تلی ہوتی ہیں جو نانک، گوتم اور چشتی کی امرت
ا زہر کی بوندیں گھول رہے ہیں جو بھارت کی سالمیت
اور "یں" کی اکائیوں میں بانٹنے کی کوشش کر رہے
نکہ ایسے ابن الوقت نام نہاد عناصر کبھی کامیاب
سکتے کیونکہ بھارتی عوام کے دلوں میں یک جہتی،
ا، اخوت اور بھائی چارے کے سوتے صدیوں سے
ہے ہیں۔ ان کے بہاؤ کو چند لوگ مل کر نہیں روک
ت ترقی کی رفتار دھیمی ضرور ہوسکتی ہے۔ اس لئے
کا یہ فرض ہے کہ قومی یک جہتی کو مضبوط سے مضبوط تر
ہیں لگے رہیں اور انسان کے ہاتھوں انسانیت کا خون
دیں۔

صفحہ نمبر ۲۰ سے آگے

فرقہ وارانہ ہم آہنگی

اور تشدد ہوتا ہو۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس طرح کے مجرموں کو سرِعام سخت سے سخت سزا دی جائے۔

ہمارے ملک کے حالات فی الحال ایسے ہیں کہ جب تک ہم فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا قائم نہیں کرسکتے ہم ترقی بھی نہیں کرسکتے۔ ہم غریبوں کے لئے بھی کچھ نہیں کرسکتے۔ حتیٰ کہ ہم اپنے آپ کے لئے، یا اپنے ملک کے لئے بھی کچھ نہیں کرسکتے۔

فرقہ وارانہ ہم آہنگی وقت کی اہم ضرورت ہے وقت کی اہم پکار ہے۔ کیوں نہ ہم سب مل کر، اپنی رنجشیں بھول کر اس وقت کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ملاکر ملک میں ایک نیا، روشن اور جگمگاتا ماحول پیدا کریں جس سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو تقویت ملے اور ملک جنت نشاں بن جائے۔



۸۳-۱۹۸۲ء میں معیاری کتابوں پر
یاستی انعامات پانے والے تمثیل نگار شری
ریمانند گجوی اور افسانہ نگار شری
امت راؤ ہوال کی شری سوشیل کمار شندے
زیر مالیات نے ۲۶ ستمبر ۱۹۸۵ء کو
زت افزائی کی۔ تصویر میں شری شندے
شری گجوی کی عزت افزائی کر رہے ہیں۔

آبروئے وطن

★ جلیلؔ الہ آبادی
رائل گلاس ہاؤس۔ میونسپل مارکیٹ،
اسٹیشن بازار، اورنگ آباد، ۴۳۱۰۰۱



ہند کی شان اور امن کی انجمن
اندرا جی ہو تم آبروئے وطن

سارے بھارت کے جیون کی تم آس ہو
جس سے روشن ہو دل تم وہ احساس ہو
چاند سورج بھی مانگے ہے تم سے کرن
اندرا جی ہو تم آبروئے وطن

مادرِ ہند کی سچی للکار ہو
شکلِ انساں میں تم ایک اوتار ہو
دیش کے ہر بشر کی ہے تم سے لگن
اندرا جی ہو تم آبروئے وطن

کوئی مفلس ہو یا کوئی دھنوان ہو
کوئی کمزور یا کوئی بلوان ہو
سب کو سکھلا دیا زندگی کا چلن
اندرا جی ہو تم آبروئے وطن

پھر نیا ایک سورج اگا ہند میں
پھر نیا اک اجالا ہوا ہند میں
راجیو گاندھی سے روشن ہوا پھر وطن
اندرا جی ہو تم آبروئے وطن

خون سے اپنے باپو نے سینچا جسے
چاچا نہرو نے بھی دل سے پوجا جسے
مہکا مہکا جلیلؔ آج ہے وہ چمن

اندرا جی ہو تم آبروئے وطن
ہاں تم ہی ہو تم ہی آبروئے وطن

نہرو خاندان امریکہ میں





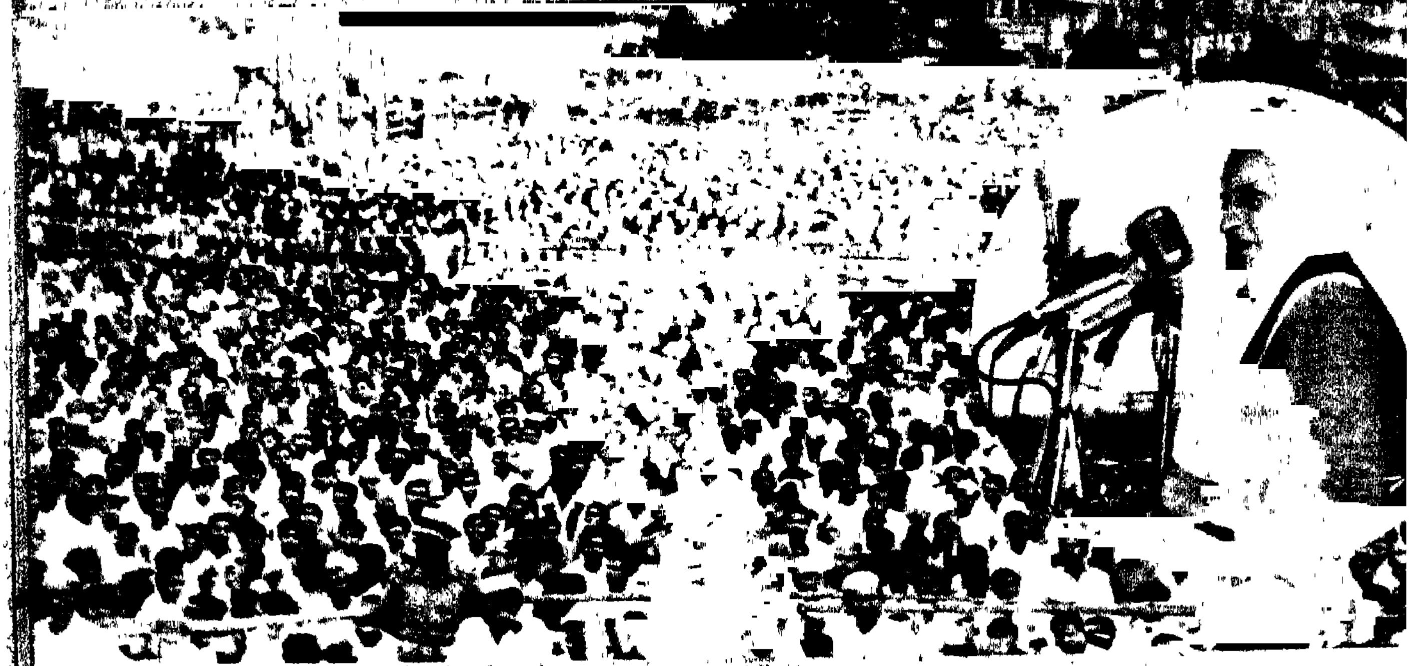
باپو اندرا گاندھی کے ساتھ

اگرچہ آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی سائنسی ذہن کی حامل تھیں آپ
نے روحانیت کا بھی پرچار کیا اور آپ ہر مذہب کی عزت کرتی
تھیں۔ آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کو کلہاپور سے تلجا بھوانی ماتا
کے مندر میں، ناندیڑ کے گرودوارے میں، اور سنت ایکناتھ مہاراج
کی سمادھی واقع پیٹھن، اورنگ آباد ضلع میں دیکھا جاسکتا ہے۔









... جہاں کہیں بھی اندرا جی عوام
...ب کرتی تھیں تو لوگ
...ری لاکھوں کی تعداد میں
...پ کی تقریر سنا کرتے تھے۔









سابق وزیراعظم آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی ایشیائی کو
رام سنگھ نے تین بار ۸۰ میٹری دوڑ میں طلائی تمغہ حا



اندرا جی اپنے والدین کملا اور پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ ۔





آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی اپنے مرحوم بیٹے سنجے گاندھی اور وزیراعظم شری راجیو گاندھی کے ساتھ



ں کے ہاتھوں تھامتے ہوئے۔ شری
ا تھا۔

New Delhi 1983

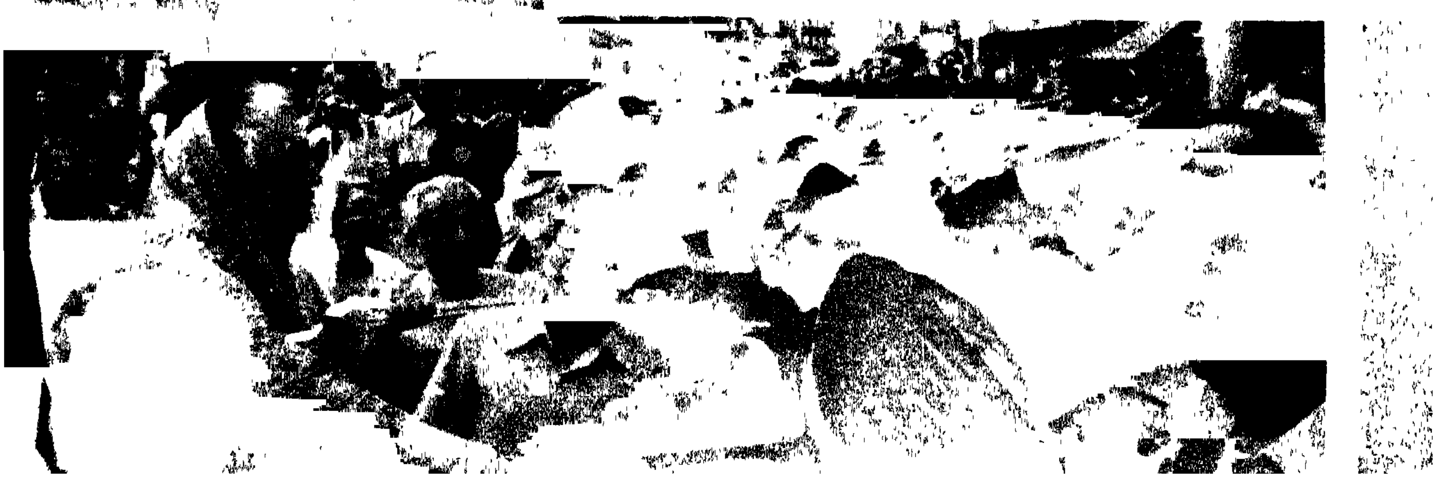




آپ کا طریقہ انتہائی [illegible]
کتنا [illegible] ضرورت مند افراد کی مدد
کے لئے فوراً آمادہ ہو جاتی تھیں اور انھیں دلاسا
اور تسلی دیا کرتی تھیں۔ ہمارا شہر میں آپ نے
بھی بڑی [illegible] اور [illegible] کا مشاہدہ کیا تھا اور
بڑے ہی سکون کے ساتھ متاثرہ افراد کی
مشکلات اور تکالیف کو سنا تھا۔







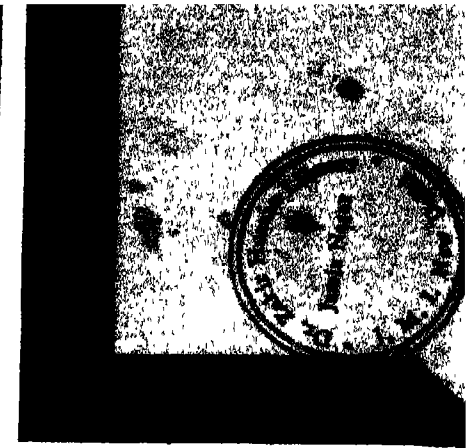




آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کا
۲۰ نکاتی معاشی پروگرام درحقیقت
آدیباسی اور گریجن اور سماج کے
کمزور طبقات کی فلاح و بہبود کے
لئے تھا۔ آپ کے دل میں غریبوں
کے لئے حقیقی ہمدردی تھی زیر نظر
تصویر میں آنجہانی شریمتی
اندرا گاندھی کو ادیباسیوں کے
علاقوں میں دیکھا جا سکتا ہے اوپر
تصویر میں آپ ادیباسی عورتوں
[illegible]
[illegible]
[illegible]

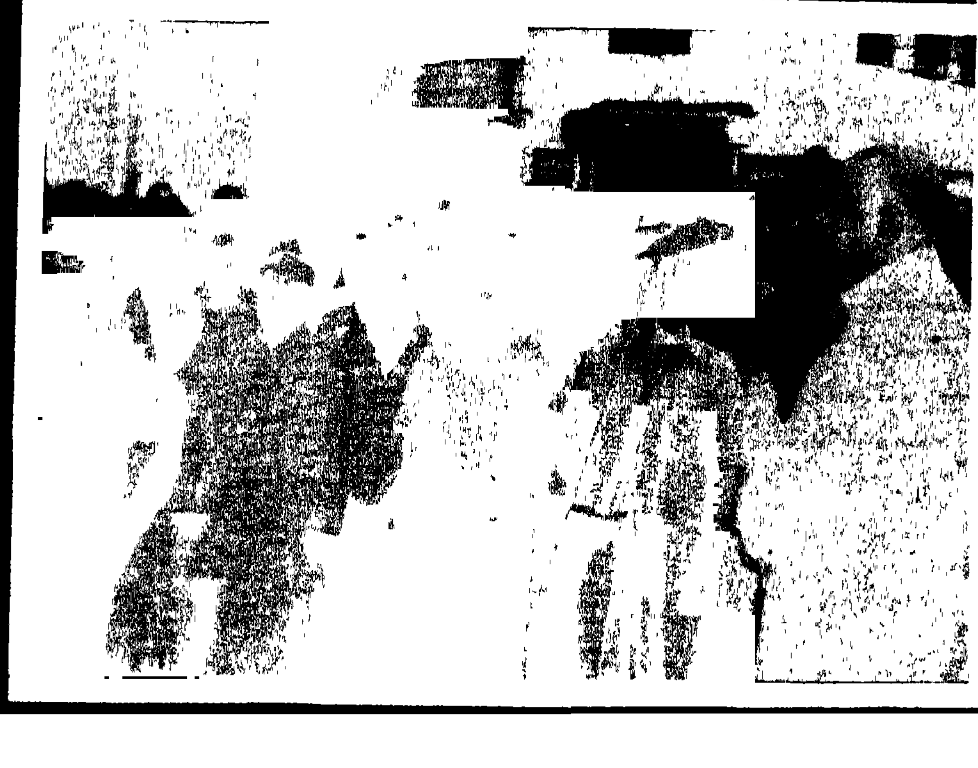






مہاراشٹر کے اہم شہروں میں اندرا
راکھ رکھا ہوا کلش لے جایا گیا تھا
اورنگ آباد میں وزیر اعلیٰ شری
شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے اسے
ہاتھوں میں لیا اور اس پر پھولوں کا
ڈال کر خراجِ عقیدت پیش کیا۔
بمبئی میں، اندرا جی کی راکھ بھرے کلش
پر پھولوں کا ہار ڈال کر انہیں خراجِ
پیش کیا گیا۔ تصویر میں دیکھے جا سکتے
ہیں سابق وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ
وزیر صنعت شری سدھاکر راؤ نائیک
وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر





اِک نیا اِنقلاب تھی اِندرا

★ سکندر حمید عرفان
یونائیٹیڈ انڈیا انشورنس کمپنی لمیٹیڈ
۱۹، پندھانہ روڈ، کھنڈوہ (ایم پی)



امن کا انتساب تھی اندرا
آپ اپنا جواب تھی اندرا

جس کے دم سے مہک اُٹھا تھا چمن
ایک ایسا گلاب تھی اِندرا

ظالموں کے لئے حقیقت میں
اک بھیانک عتاب تھی اِندرا

اس کا ہر لفظ پیار کا پیکر
امن کی اک کتاب تھی اِندرا

نفرتوں کی مہیب ظلمت میں
صورتِ ماہتاب تھی اِندرا

جس نے بنیادِ رسم توڑ ڈالی
اک نیا انقلاب تھی اِندرا

مرحلے تھے ہزار ہا، لیکن
ہر گھڑی کامیاب تھی اندرا

موت کو اس نے زندگی دے دی
یوں بظاہر حباب تھی اِندرا

وہ تھی عرفانؔ عہد کی معمار
وقت کا انتخاب تھی اِندرا

★ ریاض احمد خان
(سینیئر اسسٹنٹ ڈائرکٹر، محکمہ اطلاعات و رابطۂ عامہ، حکومت مہاراشٹر)

فرقہ وارانہ ہم آہنگی

اس حقیقت سے انحراف نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارا مُلک آج سے ہی نہیں بلکہ صدیوں سے مختلف مذاہب کا گہوارہ رہا ہے اور ملک کی یہی خصوصیت اسے دنیا بھر میں مُمتاز رکھتی ہے۔ ہمارے (constitution) یا ہمارے دستور میں ہر مذہب کے ماننے والے کو آزادی سے اپنے رسم و رواج ادا کرنے کی ضمانت دی ہے۔ آج سے ہی نہیں بلکہ ہماری تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ وہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی جو سرزمین ہندوستان میں پائی جاتی تھی۔ دُنیا کے کسی ملک میں دیکھنے میں نہ آتی تھی، لیکن آج اسی ملک میں ہم یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں کہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا ہواؤں میں تحلیل ہو چکی ہے اور اب از سرِ نو اس فضا کو قائم کرنا ہمارا اولین فرض ہو گیا ہے۔

ایسا کیوں ہوا.....؟

یہ ایک بہت بڑا سوال ہے۔

مختصراً اس کا جواب یہ ہوگا کہ ہم نے اپنے ذاتی مفاد کو سرفہرست رکھا اور قوم یا ملک کے مفاد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایسی بدامنی ملک میں تقسیم کر دی جس سے ایک عام آدمی بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ اوروں کی طرح اسے بھی اپنے ذاتی مفاد کو اولیت دینا چاہیے"، اور ملک و قوم کے نیک کاموں کو انہیں لوگوں کے ذمہ ڈال دینا چاہیئے جو یہ کام کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ ایک عام انسان کی فکر اور سوچ میں خود غرضی کتنی گہری ہو گئی ہے

فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی ملک میں از سرِ نو فضا قائم کرنے کے۔ اندازِ فکر ہی بدلنا ہوگا، اور یہ پہلا قدم ہوگا جس پر ہمہ اور ملک کے تمام لوگوں کو عمل کرنا ہوگا، ورنہ اس ہم آہنگی صرف نام ہی نام رہ جائے گا۔

مختصراً میں اس بات کا بھی تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جس طرح حکومت ہند نے اور ریاستی حکومتوں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے جدّوجہد کی ہے اور جا رہی ہے اس کے مثبت نتائج اب تک سامنے نہیں آ۔ بلکہ ہو یوں رہا ہے کہ اس فضا کو قائم کرنے کی تمام تدابیر، ا مؤثر اثرات قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو پاتے ہیں۔ اس

ایک وجہ تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جتنا لگاؤ اس فضا کو قائم کرنے میں شری راجیو گاندھی کو اتنا ہی لگاؤ، اتنی ہی دلچسپی ملک کی سب سے بڑی اقلیت کو بھی ہے۔ یہ سب سے بڑی اقلیت اس سمت وزیر اعظم کے ہر قول و فعل پر صدق دل سے عمل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسے کامیاب بنانے کی سعی کرتی ہے مگر ایسا کرنے میں یہ اقلیت اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتی ہے۔ اس کا ساتھ دینے کے لئے کوئی فردِ واحد بھی نہیں اٹھتا تاکہ یہ اقلیت اپنی آواز کو اپنے جذبات کو ملک کے کونے کونے میں پھیلا سکے۔ جب کبھی ایسے مواقع آتے ہیں اور وزیر اعظم نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی شدید ضرورت پر زور دیا ہے، کچھ نا عاقبت اندیشوں نے ان کی آواز اور ان کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی اقلیت کی آواز کو فرقہ وارانہ جھگڑے اٹھا کر دبا دی ہے۔ یہ آج سے نہیں... بلکہ آزادی حاصل کرنے کے بعد سے ہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہاں میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ ملک کے پہلے وزیر اعظم آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو بھی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی شدید ضرورت کو محسوس کرتے تھے۔ اور سب سے زیادہ توجہ اسی موقف کو دیتے تھے مگر اس سمت ان کی آواز بھی صدائے صحرا ثابت ہوئی۔ یہی نہیں مہاتما گاندھی نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا پیدا کرنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی مگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔

یہ حقیقت ہے کہ بغیر فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کئے نہ تو ملک ترقی کر سکتا ہے اور نہ عوام۔ اس بات کو سبھی سمجھتے ہیں۔ سبھی اس کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں مگر جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کیونکہ ذاتی مفاد سر فہرست ہوتا ہے۔ اس لئے نئی ترقی کی راہیں مسدود کر دی جاتی ہیں۔ ایک وقت ایسا بھی یا تھا جبکہ مہاتما گاندھی۔ آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو، اور شریمتی اندرا گاندھی کے سر یہ الزام لگایا جاتا تھا کہ انہیں ملک ل صرف اقلیتی فرقہ سے ہی محبت ہے اور انہیں کا خیال ان کے ں میں جاگزیں ہو گیا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے اگر ذرا سی توجہ اس امر پر دی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے انی ہے کہ جب تک ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا نہ ہوگی ے ترقی کر ہی نہیں سکتا۔ خوش حالی ملک میں آہی نہیں ہوسکتی اور ب خوش حالی نہ آسکے گی تو عوام کے دلوں میں انتشار، بے اطمینانی یا دہراس قائم رہے گا، اور جب دل ہی میں خوف و ہراس تعمیری ترقی اور ملک کی سالمیت کی طرف کون توجہ دیگا؟

حکومت اپنی طرف سے حتی الامکان کوشش میں لگی ہوئی ہے کہ ملک میں ایسی فضا قائم ہو مگر وہ عناصر جو اس بات کو قطعی پسند نہیں کرتے اور بدقسمتی سے جن کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے حکومت کے ہر اقدام کو غلط رنگ دے کر پیش کرتے ہیں نتیجتاً تمام اسکیمیں تمام پلان اور تمام منصوبے فیل ہو جاتے ہیں۔ یہی اسباب ملک کو ترقی کی راہوں پر گامزن ہونے نہیں دیتے۔ جبکہ ایسی مکدر فضا ملک میں پیدا ہو گئی ہو تو عوام اور حکومت کون سے اقدامات کرے جن پر عمل پیرا ہونے سے ملک کی سالمیت برقرار رہ سکے۔ سب سے پہلے تو حکومت کو چاہیئے کہ وہ اپنے قول سے اور اپنے عمل سے اس جذبہ (Attitude) کو بیدار کرے جس سے ہم آہنگی کی فضا کو تقویت ملے تاکہ عوام کے دلوں میں بھی نیک جذبے پیدا ہوں۔ یہاں پر ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ حکومت اور عوام کے رجحانات کو صحیح طور پر پیش کرنے کی ذمہ داری Media پر بھی بڑی حد تک عائد ہوتی ہے۔ اخبارات اور رسائل عوام کی آواز ہوتے ہیں۔ اخبارات اور رسائل کو بڑی ذمہ داری سے اس نازک معاملے پر قلم اٹھانا چاہیئے، اور اپنے مضامین اور اپنے رپورتاژ میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ عوام کا ردّ عمل مثبت ہو۔ اگر اس طرح کی ذمہ داری اخبارات اور رسائل اپنے آپ پر بذات خود پابندی عائد کریں تو امید ہے کہ پچاس فیصد حالات بہتر ہوسکتے ہیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ عوام کا استحصال کرنے میں سیاست دان بھی دور رہیں۔ یہ ایک منطقی نقطہ ہے کہ غلط بات کا عوام پر فوری اثر ہوتا ہے۔ اگر ایک غلط بات ان کے دلوں پر نقش ہو گئی تو دوسری صحیح باتیں اپنا غلط تاثر ضرور پیدا کریں گی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے ذاتی مفاد کو اولیت نہ دیتے ہوئے ملک کے مفاد پر اپنی تمام تر قوت صرف کریں تاکہ جب ملک کی سالمیت برقرار رہے گی تو عوام اور خواص، سب ہی اس سے مستفیض ہوسکیں گے، ورنہ دونوں ہی کو خطرہ لاحق رہے گا، اور کوئی بھی سکون کا سانس نہ لینے پائے گا۔

ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے سماجی ورکروں کو ایک اہم رول ادا کرنا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح خاندانی منصوبہ بندی کو عام کرنے کے لئے سوشیل ورکر، گاؤں گاؤں، دیہات دیہات پرچار کرتے پھرتے ہیں اسی طرح جذبۂ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے نہ تو گاؤں اور دیہاتوں میں،

موشین دور کر جاتا ہے اور نہ کوئی سیاسی رہنما ۔ حالانکہ سب سے اہم ضرورت اس وقت ملک کو جو درپیش ہے وہ ہم آہنگی پیدا کرنے کی ہے ۔ مگر افسوس تو یہی ہے کہ اس سمت صرف زبانی جمع خرچ سے کام چلایا جاتا ہے ۔ عملی اقدام پس پشت رہ جاتے ہیں ۔ اس بات کا بھی مشاہدہ کیا گیا ہے کہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے اسی وقت بلند ہوتی ہے جبکہ کہیں فسادات ہوں یا کہیں سے دوسرے ملک کی پیش قدمی ۔ خطرہ ٹل جانے کے بعد پھر وہی عوام کا استحصال شروع ہو جاتا ہے ، اور وقتی طور پر جو ہم آہنگی کی فضا قائم ہو جاتی تھی پھر ہواؤں میں تحلیل ہو جاتی ہے حالانکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مستقل طور پر فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے میدان ہموار کیا جا سکتا ہے

ہمارے ملک میں آج تک فرقہ وارانہ فسادات جب بھی ہوئے صرف دو فرقوں کے درمیان ہوئے ۔ مگر اب صورت حال یہ ہے کہ وہ لوگ جن کی ایک سرزمین ہے ایک علاقہ ہے ، جو ایک ہی کھیت میں پیدا ہونے والا اناج اور ایک ندی کے پانی کو استعمال کرتے ہیں ۔ جن کے آپس میں روٹی بیٹی کے رشتے ہیں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں ۔ جو ہمیں پنجاب میں نظر آ رہا ہے ۔ آخر یہ کون سی ایسی بات ہے جو پنجاب میں بسنے والوں کے دلوں میں جاگزیں ہو گئی ہے ، اور وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں ۔ اگر میں یہاں اس بات کا اظہار کروں کہ مختصر سے غلط سیاست دانوں نے ذاتی مفاد کی خاطر یہ نفرت کے بیج بوئے ہیں تو غلط نہ ہو گا ۔ اس بات کا دکھ ہندستان کے ہر فرد کو ہے ۔ ملک کے کسی کونے میں جب فرقہ وارانہ فساد رونما ہوتے ہیں تو انسانیت نواز لوگوں کو دکھ ہوتا ہے ۔ مگر ان کی آواز عوام تک پہنچنے سے پہلے بند کر دی جاتی ہے اور غلط کار اپنی من مانی کرتے رہتے ہیں ۔ پنجاب کے فساد سے متاثر ہو کر کئی آوازیں اٹھیں جنہوں نے آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی اور شری راجیو گاندھی کی آواز کے ساتھ اپنی آواز بلند کی اور فرقہ پرستی کے خلاف نعرہ بلند کیا ، مگر ایسی آوازیں کم تھیں ۔ اسی لئے وہ مؤثر ثابت نہ ہو سکیں ۔ ان آوازوں کو ۔۔۔۔۔ وہ آوازیں جو ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے بلند ہوتی ہیں ۔ پہچاننا ہم سب کے لئے بہت ضروری ہے ۔ اگر انہیں پہچان کر ان آوازوں کے ساتھ ہم نے اپنی آواز بلند نہ کی تو یہ عوام کے ساتھ ۔۔۔۔ ملک کے ساتھ ، ایک کھلی ناانصافی ہو گی ۔ جس کا اثر یہ ہو گا کہ ملک میں کسی کی بھی یہ ہمت نہ ہو گی کہ اس موضوع کی طرف اپنی آواز بلند کرے یا اپنے مضامین سے عوام کو فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے روشن پہلو سمجھائے ۔ ایسا نہ کرنے سے صرف عوام ہی نقصان میں نہیں رہتے ، بلکہ خواص بھی اس لپیٹ میں آتے ہیں ۔

ایک بہت اہم پہلو پر بھی نظر رکھنا ضروری ہے

(اور) وہ یہ کہ ہمارے ملک میں غربت عام ہے ۔ غربت دور کرنے کے لئے ، عوام کو تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے ، اور ان کی غربت دور کرنے کے لئے حکومت ہند نے پلان بنائے ہیں ۔ اسکیمیں بنائی ہیں تاکہ ان پر عمل پیرا ہونے سے غربت دور ہو ناخواندگی دور ہو اور آپسی لڑائی جھگڑے ختم ہوں ۔ ان اسکیموں پر ، ان پلانوں اور منصوبوں پر عمل تو ہو رہا ہے ، مگر خاطر خواہ نہیں ۔ جب تک خاطر خواہ عمل نہیں ہو گا ، جب تک ایمانداری سے عمل نہیں ہو گا ملک سے یہ لعنتیں ختم نہیں ہوں گی ۔ اس لئے ایک طرف جب ہم حکومت کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں تو دوسری طرف سے ذمہ داری عوام پر بھی عائد ہوتی ہے ۔ کیوں نہ عوام ، اپنے آپ میں ایسا جذبہ بیدار کریں جن پر عمل آوری سے ان کی شخصی اور سماجی حالات سدھرے اور ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو ۔ عوام اس سے مبرا نہیں کئے جا سکتے ۔ غرضیکہ حکومت اور عوام ، دونوں کی برابر برابر ذمہ داری ہے کہ وہ ان رہنما اصولوں پر عمل کریں جن سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو تقویت ملے اور ملک کی فضا مکدر نہ ہونے پائے ۔

جہاں تک قانون کا معاملہ ہے ہمارے ملک میں جرم کے مقدمات میں سزا انسانی ہمدردی کو مدنظر رکھ کر دی جاتی ہے ۔ یہاں پر میرا مخلصانہ مشورہ حکومت کو یہ بھی ہے کہ ۔۔۔ "انسانی ہمدردی" کو مدنظر رکھ کر اگر انتشار پسندوں کو سزا دی گئی تو سزا دینے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے ۔ ان مجرموں کو جو ملک کی سالمیت میں رخنہ اندازی کرتے ہیں ، جو ملک کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا کو مکدر کرتے ہیں ۔ جو انسان کو انسان کا دشمن گردانتے ہیں ۔ سخت سے سخت سزا کا مستحق قرار دینا چاہیئے اور جو بھی سزا دی جائے اسے برسر عام دینا چاہیئے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور وہ ایسی جرأت کبھی نہ کر پائیں ۔ انسانی ہمدردی کے لئے دنیا آباد کی گئی ہے ۔ وہ ملک ملک نہیں جہاں انسانی ہمدردی نہ ہو ۔ جہاں انسانیت کے نام پر ظلم

(باقی صفحہ نمبر ۱۵ پر)

• نذیر فتح پوری
۸۳ - ایروڈا روڈ۔ پونے ۶

اُردو کے مُسلمان شعراء کی دیوالی

بقول ڈاکٹر سلام سندیلوی، مُسلمانوں کو
ابتدا ہی سے ہندوستان سے خاص لگاؤ رہا
ہے۔ انہوں نے کبھی اس کو غیر ملک نہیں
سمجھا اور یہاں کبھی غربت کے احساس
نے ان کو نہیں ستایا۔ یہی وجہ ہے کہ
ابتدائی دور کے مُسلمان صوفیاء، فقراء اور
شعراء کی مادری زبان اگرچہ فارسی تھی
مگر وہ ہندی میں بھی گفتگو کرتے
تھے اور ہندی میں شعر کہتے تھے۔ چونکہ
ابتدائی عہد میں باقاعدہ اُردو کی
تشکیل نہیں ہوئی تھی، اس لیے
اورنگ زیب سے قبل فقراء اور صوفیاء،
اردو کو ہندی زبان ہی کہتے تھے۔
غرض کہ صوفیائے کرام آپس میں خصوصاً
اپنے مُریدوں سے ہندی میں گفتگو
کرتے تھے۔ یہی نہیں وہ لوگ یہاں کے
تہواروں سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔
امیر خسرو سے لے کر علامہ سیماب اکبرآبادی
تک اُردو کے بیشمار مسلمان شعراء نے
ہولی - دیوالی - دسہرہ اور تیج کے
تہواروں پر نظمیں لکھی ہیں۔ بالخصوص
نظیر اکبرآبادی کے کلام کا ایک بڑا حصہ
اُنہی موضوعات پر مُبنی ہے۔

دیوالی سے متعلق ان کی تفصیلی
نظم سامان دیوالی کے چند حصے ملاحظہ
فرمائیے.......

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دیوالی کا
ہر اک طرف کو اُجالا ہوا دیوالی کا

سبھی کے دل میں سما بھا گیا دیوالی کا
کسی کے دل کو مزا خوش لگا دیوالی کا

عجیب بہار کا دن ہے بنا دیوالی کا

دیوالی کے روز بازار کی منظر کشی ملاحظہ فرمایئے!

مٹھائیوں کی دکانیں لگا کے حلوائی
پکارتے ہیں کہ لالہ دِوالی ہے آئی

بتاشے لے کوئی برفی کسی نے تلوائی
کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی

سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

دورِ جدید کے شعراء نے بھی اس موضوع پر اپنے رشحاتِ قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔ نازش پرتاب گڈھی کی طویل نظم "دیپاولی" کے چند ٹکڑے دیکھئے۔ اپنی اس نظم میں موصوف نے اس بات کی شکایت کی ہے کہ ہم ایک سال میں صرف ایک رات ایسی مناتے ہیں جو بے شمار چراغوں سے منور ہوتی ہے۔ اس رات میں اُجڑے سے اُجڑے گھر کے در و بام بھی جگمگانے لگتے ہیں۔ مردہ سے مردہ چہرے پر ایک شب کے لئے زندگی کی رمق دوڑ جاتی ہے۔ لیکن جب صبح ہوتی ہے تو ہم شب کی ہر بات بھول جاتے ہیں اور پھر ایک سال کے لئے اندھیروں کی باہوں میں جھول جاتے ہیں۔

برس برس پہ جو دیپاولی مناتے ہیں
قدم قدم پہ ہزاروں دیئے جلاتے ہیں

ہم اب کے سال بھی دیپاولی گزار آئے
سروں پہ رسم کا اک بوجھ تھا اتار آئے

اور اب نہ فکرِ تجلّی نہ فکرِ آگہی
نہ زندگی کا فسانہ نہ دل کی بات کوئی

وہی سلے ہوئے لب اور اتھاہ خاموشی
اب ایک سال تلک روشنی نہیں ہوگی

جہاں سے نازش پرتاب گڈھی کی …
وہاں سے مخمور سعیدی کی نظم "یہ رات" شرو…
ہے

پھر ایک سال کی تاریک راہ طے کر …
متاعِ نور لٹاتی یہ رات آئی ہے

اُفق پہ تا بہ اُفق روشنی کی ارزا…
یہ رات کتنے اُجالوں کو ساتھ لائی…

اس کے بعد مخمور کے قلم سے بھی دیپ… ہے۔ جس کا تذکرہ نازش نے اپنی نظم میں … بھی ایک رات کی روشنی کے قائل نہیں ہیں … کے متمنی ہیں کہ سینۂ ارضِ ہند پر کچھ ایسے دیپ … سے دل و نگاہ منور ہو جائیں اور جسے ہم ہمیشہ … قلب و جاں میں محفوظ کر لیں۔ ایک ایسی روشنی ج… لازوال ہو جس کا پھیلاؤ لامحدود ہو۔

پھر ایک سال کی تاریک راہ طے کر…
متاعِ نور لٹاتی یہ رات آئے گ…

مگر میں سوچ رہا ہوں جب آئے گی تو ہم…
گھرا ہوا انہی ظلمتوں میں پائے گ…

یہ ظلمتیں جو مسلط ہیں ہم پہ صدیوں…
یہ ایک رات میں تو دور ہو نہیں سک…

سیاہ پوش فضائیں یہ دیدہ و دل
نشاط و نور سے معمور ہو نہیں سکیں…

قومی راج

شمیم کہ ہانی کی نظم تقدیم نور ملاحظہ فرمائیے ۔

دیئے جلاؤ مسلسل جلاؤ آج کی رات
تمام سال فضا سے یہی سوال رہا !

کہ تیرے چہرے پہ شانوں پہ آستینوں پر
یہ ناگوار سیاہی کے حاشیے کیوں ہیں

زمیں کی کوکھ، اندھیروں کا مسکن مغموم
کبھی تو جشنِ چراغاں کا گہوارہ بنے

نصیب لمحہ و ایّامِ زندگی کیوں ہے؟
نظر کا درد، جبینوں کی گرد دل کا غبار

کوئی بتاؤ تو دھرتی سے کیا قصور ہوا
قصور یہ کہ مقدس ہے پاک دامن ہے

نکھر کے آئی ہے شعلوں کے آبشاروں سے
یہ اپنی فتح کی تاریخ نور کی تقویم

بڑے جو ظلمتِ دوراں تو مسکراتے رہو
ہوائے تند میں دل کا دیا جلاتے رہو

غلام ربّانی تاباںؔ نے "دیوالی" عنوان سے
ـ نظم کہی ہے جس میں انہوں نے اس کی شکایت کی ہے
، دیوالی غریب کے لئے ایک فریب مسلسل کے سوا کچھ بھی
ہیں ، غریب اپنے شکستہ جھونپڑوں کو سجائے
ـان میں دیپک جلائے بیٹھے نہ جانے کتنی صدیوں سے لکشمی کا
نظار کر رہے ہیں وہ اس اُمید پر زندہ ہیں کہ ایک شب
کشمی دیوی ان پر مہربان ہوگی ایک شب تو ان کے ٹمٹماتے
عوں کی پکار لکشمی دیوی کے کانوں میں گونجے گی ۔ مگر وہ
دلتے ہیں کہ

شکستہ جھونپڑوں ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں میں
کبھی بھی لکشمی دیوی نہ مسکرائے گی
بہار اُن کے چمن میں کبھی نہ آئے گی

ہمارے فکر و تخیل کو باندھنے کے لئے
توہمات کی زنجیر ڈال لیتے ہیں
کبھی دیوالی، کبھی شب برات آتی ہے ۔

اُردو نے اور اُردو کے شعراء نے ہمیشہ دلوں کو جوڑنے اور رشتوں کو مستحکم کرنے کی بات کہی ہے ۔ قومی یکجہتی کا پیغام دیا ہے ۔ ہندو مسلم سکھ عیسائی آپس میں سب بھائی ہیں ۔ سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا اور انقلاب زندہ باد جیسے پیغام اور نعرے صرف اُردو نے دیئے ہیں ۔

منترالیہ میں ملاقاتیوں کے داخلے کے اوقات

حکومتِ مہاراشٹر نے ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۵ء سے منترالیہ میں ملاقاتیوں کے داخلے کے اوقات پر پابندی لگا دی ہے ۔ اب کام کے دنوں میں ملاقاتیوں کو دو پہر ۲ بجے کے بعد منترالیہ میں جانے کی اجازت ہوگی ۔

منترالیہ میں دو پہر ۲ بجے سے قبل ملاقاتیوں کو داخلے کی اجازت نہ ہوگی ۔ دو پہر ۲ بجے کے بعد ملاقاتیوں کو پاس کے بغیر داخلہ ملے گا ۔

وزراء اور سرکاری عہدیداران کو منترالیہ میں ان کے کام کے دوران کسی قسم کی دشواری کا سامنا کرنا پڑے اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حکومت نے اس بات کا فیصلہ کیا ہے ۔ حکومت مہاراشٹر نے ممبران پارلیمنٹ، ممبران اسمبلی اور دیگر عوام سے درخواست کی ہے کہ وہ منترالیہ میں اپنے کام کے سلسلے میں دو پہر ۲ بجے کے بعد تشریف لائیں ۔

• عرفان پربھنوی
بھونی گلی - پربھنی (مہاراشٹر)

دیوالی

یہ روشن دیئے یہ اُجالے کا تہوار
دیوالی کی یہ رات جگمگ ضیا بار،

ہر سمت بستی میں جشن چراغاں
یہ عید مسرت، خوشی کا سماں!

نہائی ہوئی یہ اُجالوں میں رات
برستی ہوئی روشنی کی یہ برسات

گھروں میں اُجالوں کا رقص مسلسل
ہر اک شخص ہے آج خوشیوں سے پاگل

حقیقت میں ہے یہ محبت کا تہوار
برستا ہے آج ہر طرف پیار ہی پیار

کسی کے یہاں ہے چراغوں کی جگ مگ
کسی نے سجائے ہیں اشکوں کے دیپک

حقیقت میں اس کو کہیں گے دیوالی
کسی کی نہ عرفاںؔ رہے رات کالی!

غزلیں

• یکتاؔ ہندی
۲، بستی بائی چال، ہریالی ویلیج،
وکھرولی (ایسٹ) بمبئی ۴۰۰۰۸۳

دارِ فانی سے تہی دست اگر جاؤں گا
پھر بھی جاؤں گا جہاں خاک بہ سر جاؤں گا
کر کے دنیا سے اگر پیار مکر جاؤں گا
اپنی توہین کے احساس سے مر جاؤں گا
مجھ کو مارا غم ہستی کی فراوانی نے
میں نے سوچا بھی نہ تھا دستِ نگر جاؤں گا
اور ڈھائیں گے ستم، گرم ہوا کے جھونکے
دھوپ میں چھاؤں کی خاطر میں جدھر جاؤں گا
مقتلِ دہر میں انساں کا ہے قاتل انساں
میں کہاں ڈھونڈھنے محفوظ سا گھر جاؤں گا
دیکھنا کر دوں اگر ترکِ تماشائے جہاں
کس کے گھر مانگنے تسکینِ نظر جاؤں گا
ضد عدم ہی کی حقیقت میں مری ہستی ہے
مروں گا تو میں اپنے ہی گھر جاؤں گا
اپنے افکار پریشاں پہ بھی اے شاہِ ناز
میں تری زلف نہیں ہوں کہ بکھر جاؤں گا

رشتۂ تسبیح و زنّار کی صورت یکتاؔ
کر کے مربوط زمانے کو گذر جاؤں گا!

• کیفؔ پرتاپگڈھی
۱۲۸ - درگاہ بخاری شاہ،
بھیم پورہ، ڈونگری، بمبئی ۹

دیکھ اے دل غم انجام کی تصویر نہ دیکھ
خواب تو دیکھ مگر خواب کی تعبیر نہ دیکھ

رکھ نظر حال پہ ماضی کا تصور کیسا
اپنی بگڑی ہوئی تدبیر کی تصویر نہ دیکھ

زیست کہتے ہیں جسے ہے وہ جہادِ پیہم
تیغِ تدبیر اٹھا جانبِ تقدیر نہ دیکھ

راس آجائے گی یہ قیدِ مسلسل بھی تجھے
عزم سے کام لے اب پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ

نشہ کی رو سے نکل توڑ بھی دے جام و سبو
دورِ ماضی کے وہ اب گیسوئے شبگیر نہ دیکھ

دے رہی ہے تری منزل تجھے آواز اے کیفؔ
کام ہمت کا ہے اٹھ جانبِ تقدیر نہ دیکھ

ودربھ ترقیاتی پروگرام

۳۸ میں سے ۱۲ نکات کی تکمیل

حکومتِ مہاراشٹر نے سال برائے ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸ء کے دوران ودربھ ترقیاتی پروگرام کی ۳۸ اعلان کردہ ، دہانیوں میں ۱۲ کی تکمیل کر دی ہے۔

درج ذیل یقین دہانیوں کو پورا کیا جا چکا ہے۔

۱۹۸۰ء :۔ خشک سالی کے حالات کی بنا پر کپاس اگانے ںسے وصول کردہ قرض کی واپسی، موسم شروع ہونے سے ہی دھان اور جوار کو کفالتی قیمت دینا، چندرپور ضلع میں متٹ پلانٹوں کی تنصیب، ودربھ میں تعلقہ جات کی از سرِ نو نشکیل۔

۱۹۸۱ء :۔ بلڈانہ، ایوت محل، بھنڈارا اور چندرپور ع میں چھٹے پنج سالہ منصوبہ کے دوران سیلاب روکنے کی ں پر عمل درآمد، صرف ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر ابتدائی ی سہولیات کی فراہمی، ناگپور میں ایک پالی ٹیکنک میں ٹیکسٹائل ی کی شروعات، ایلگاوں اور یڈتورا میں فوری طور پر دو ل ملوں کو قومیانہ، ایک علاقائی لیبراٹری ٹیوٹ کا قیام، یں تعلیمی ڈپلوما کو ڈگری کورس میں تبدیل کرنا، امراوتی سٹی کا قیام، امراوتی ڈویژن میں ایک میڈیکل کالج اور یں ایک ٹیکنیکل کالج کا قیام۔

ر تکمیلے شدہ

ی دھانیے ت

بقیہ یقین دہانیوں کے سلسلے میں اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ مقررہ وقت کے دوران انہیں پورا کر دیا جائے گا۔ کچھ اہم دہانیوں کے سلسلے میں کی گئی کارروائیاں یوں ہیں :۔

۱۲ رجسٹرڈ ٹیکسٹائل ملوں میں سے ۸ ٹیکسٹائل ملوں کو سے دیئے گئے ہیں اور ان کے آگے کی جانے والی کارروائیاں مراحل پر رفتہ رفتہ بڑھ رہی ہیں۔ تین کپاس اوٹنی ملوں ، ایک کا قیام عمل میں آ چکا ہے اور دو ملوں کا قیام جلد از جلد آ جائے گا۔ وردھا ضلع میں ہنگانو مقام پر ایک دھاگہ فیز زیرِ عمل ہے۔ بھنڈارہ میں ایک پانی فراہم کرنے والا منصوبہ زیرِ تکمیل ہے اور ناگپور اور کامٹی میں پانی کی فراہمی کی اسکیموں کے سلسلے میں اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

۳۸ درمیانی آبپاشی پروجیکٹوں میں سے ۱۸ مکمل ہو چکے ہیں اور بقیہ ۲۰ پروجیکٹوں کو ساتویں منصوبہ کی مدت کے دوران پورا کیا جائے گا۔ اسی طرح ۱۱ بڑے آبپاشی پروجیکٹوں میں سے ۸ کو پورا کیا جائے گا اور بقیہ ۳ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کوششیں جاری رہیں گی (یعنی لوور وردھا، گھوشی خرد اور لوور پون گنگا) جو ۱۹۹۰ء کے لگ بھگ پورے ہو جائیں گے۔

راستوں کے سلسلے میں ۵۔۲۶ کلومیٹر کی بجائے ۲۔۲۱ کلومیٹر کے راستوں کی تعمیر چھٹے سالانہ منصوبہ کی مدت کے دوران پوری کی گئی۔ اسی طرح ان گاؤں کو جن کی آبادی ۱۰,۰۰۰ سے زائد نفوس پر مشتمل ہے۔ ان کو باہم جوڑنے کی ایک اسکیم زیرِ عمل ہے اور امید ہے کہ یہ اسکیم ۱۹۸۷ء تک مکمل ہو جائے گی۔ ساتویں پنج سالہ منصوبہ کے اواخر تک صد فی صد گاؤں کو برقانے کا نشانہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ اب تک ۸۶ فی صد تک نشانہ کی تکمیل ہو چکی ہے۔ سات یقین دلائی گئی شکر فیکٹریوں کے قیام کے سلسلے میں سے ۵ کے لئے منظوری دی جا چکی ہے اور مزید کام جاری ہے۔ مرکز کے پاس ۱۰ دوسری تجاویز زیرِ غور ہیں۔

مہاراشٹر ایگریکلچرل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کی جانب سے ودربھ میں ایک فرٹیلائزر پلانٹ تنصیب کیا جائے گا اور اس سلسلے میں ضروری اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ ایک پوسٹ گریجویٹ انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کا کام جاری ہے۔ ناگپور میڈیکل کالج میں ایک عروقِ قلبی اور علم الاعصاب (عصبیات) کے محکمے شروع کرنے کا کام جاری ہے۔

رقمِ خریداری

بذریعہ منی آرڈر بھجوائیں۔ وی۔پی۔ پی نہیں بھجوائی جاتی ہے۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا نام و پتہ صاف صاف اردو کے ساتھ ہندی یا مراٹھی میں بھی لکھ دیں۔ اس طرح رسالہ فوراً ہی جاری ہو سکے گا۔

(ادارہ)

صارفین کے تحفظ کا خیال رکھا جائے
گورنر شری کونا پربھاکر راؤ

گورنر شری کونا پربھاکر راؤ نے ۲۶ اکتوبر کو انڈین مرچنٹس چیمبر، چیمبور، بمبئی میں کونسل فار فیئر بزنس پریکٹس کی پروگرام کمیٹی کی طرف سے "رول آف فیئر بزنس پریکٹس اینڈ سیلف ریگولیشن ینو نیشنل اتھوس" پر منعقدہ سیمینار کا افتتاح کیا۔

شری ایف۔ٹی۔ خورا کی والا نے صدارت کی۔

اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے گورنر شری کونا پربھاکر راؤ نے صارفین کے رضاکارانہ ادارے بزنس مین لیڈر آف سوسائٹی اور میڈیا کی جانب سے صارفین کے تحفظ کی ضرورت پر زور دیا۔ آپ نے حکومت کو صارفین سے تحفظ کے قانون پر موثر طور سے عمل آوری کی نگرانی اور صارفین کو درپیش مشکلات کو دور کرنے کی تلقین کی۔

ایف آئی سی سی آئی کے سابق صدر شری رام کرشنا بجاج نے بھی اس موقع پر تقریر کی۔

ابتداء میں کونسل کے صدر شری خوراکی والا نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور وی۔پی ہری بھکتی نے شکریہ ادا کیا۔

پنجاب کے نوجوانوں کے گروپ کی گورنر سے ملاقات

گورنر مہاراشٹر شری کونا پربھاکر راؤ نے ۲۴ اکتوبر کو یوتھ ایکسچینج پروگرام کے تحت پنجاب سے بمبئی آئے ۱۲۰ لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک استقبالیہ دیا۔ اس پروگرام کا اہتمام بمبئی یوتھ سینٹر کی طرف سے کیا گیا۔

گورنر موصوف نے نوجوانوں کو خطاب فرماتے ہوئے نوجوانوں کے درمیان قومی یک جہتی کی ضرورت پر زور دیا آپ نے یوتھ ایکسچینج پروگرام کی سراہنا کی اور فرمایا کہ نوجوانوں کی دیہی علاقوں میں جاکر رہنا چاہیئے۔

ابتداً میں یوتھ ایکسچینج پروگرام کے تحت مہاراشٹر کے نوجوانوں کے ایک گروپ نے قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لئے پنجاب کا دورہ کیا تھا۔ ان پروگراموں کا مقصد قومی یک جہتی کو فروغ دینے میں نوجوانوں کا تعاون حاصل کرنا ہے۔

ابتداً میں بمبئی یوتھ سینٹر کے چیرمین شری نندو نائیک نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

غریبوں اور سماج کے پچھڑے طبقات کے مفاد کو اوّلیت
دھما چکرا پراورتن ڈے کی تقریب

وزیر اعلیٰ شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے حال ہی میں دیکشا بھومی میں ۲۹ ویں دھما چکرا پراورتن ڈے کے موقع پر ایک بڑے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ سماج سے غریبی کو دور کرنے کی ذمہ داری ریاست اور قوم کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حکومتِ مہاراشٹر نے ہمیشہ عام آدمی کے مفاد کو اولیت دی ہے۔

ری پبلکن پارٹی آف انڈیا کے چیرمین شری آر ایس گوائی نے صدارت کی۔ اس موقع پر مہاراشٹر کے وزیر تعلیم پروفیسر رام میگھے، وزیر مملکت برائے دیہی ترقیات شری دامن راؤ گیڈام، وزیر مملکت برائے سماجی بہبود، شریمتی دامینتی بائی دیشبھرتار، ممبران پارلیمنٹ، شریمتی سروج کھیار ڈے، لیجسلیچر کے شری گیو آواری، شری ریکھا بھند شرما، شری تیج سنگھ راؤ بھوسلے اور دیگر ممتاز افراد موجود تھے۔

"دھما چکرا پراورتن ڈے" کو وزیر اعلیٰ نے تاریخی اہمیت کا حامل بتلایا۔ اس دن ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر نے ۵ لاکھ پیروکاروں کے ساتھ بدھ مت کو قبول کیا جو کہ سماج سے ذات پات کی لعنت کو ختم کرنے کی پہلی کڑی کے طور پر تھا۔

ذات پات کے بھید بھاؤ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ انگریزوں کی چال تھی کہ پھوٹ ڈالو اور راج کرو کی پالیسی پر عمل کرتے تھے۔

آزادی کے بعد حالات بدل گئے اور غریبوں اور سماج کے پچھڑے افراد کو سماج میں ایک با عزت مقام حاصل ہو گیا۔ ہمارے ملک میں جمہوریت زندہ ہے اور ہم ان ملکوں سے بہت آگے ہیں جنہوں نے ہمارے ساتھ ساتھ یا ہمارے بعد آزادی حاصل کی تھی۔ ریزرویشن پالیسی کا حوالہ دیتے ہوئے شری نیلنگیکر [illegible]

فریبوں اور سماج کے پچھڑے افراد کی بہتری کے لئے
ی ہے ۔ اس موقع پر وزیر اعلیٰ نے بابا صاحب امبیڈکر
یتی کے لئے دو لاکھ روپے کے عطیہ کا اعلان کیا ۔

شری آر ۔ ایس گوائی نے اپنے صدارتی خطبے میں فرمایا
۔ بابا صاحب امبیڈکر نے بہت پہلے ہی قومی یکجہتی
ت کو محسوس کر لیا تھا اور بھارتی ثقافت اور قومی ایکتا
اہتوں نے بہت کام کیا ہے ۔ آپ نے مزید فرمایا کہ
بیڈکر نے اپنے فلسفیانہ خیالات کے ذریعے قومی یکجہتی
پیش کیا ہے ۔

ابتدا میں شری ڈبلیو ۔ کے گاڑ نے مہمانوں کا استقبال
، کے سکریٹری شری سدانند ۔ ایف نے شکریہ ادا کیا ۔

اعلیٰ مہاراشٹر کی
ی وزراء سے ملاقات

وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے مرکزی وزیر
ستے اطلاعات و نشریات سے ملاقات کی اور ریاست
ت غیر متفصلہ اسکیموں کی بابت گفتگو کی ۔

اس گفتگو کے دوران مرکزی وزیر نے فرمایا کہ مراٹھواڑہ
ور عثمان آباد کے علاقے میں ٹی ۔ وی ریلے اسٹیشنوں
ی کا قیام اور پربھنی میں ایک مکمل ریڈیو اسٹیشن کے قیام
ی حکومت کی جانب سے منظوری دے دی گئی ہے ۔

وزیر اعلیٰ نے وزیر مملکت برائے اندرونی تحفظ ، شری
رہ سے بھی ملاقات کی اور ریاست میں امن عامہ سے
لات [illegible]

وزیر اعلیٰ نے شری ہزرو سے گفتگو کے دوران فرمایا کہ
رگنپتی جیسے دو بڑے تہوار ریاست میں امن و امان
تھ گذر گئے

ریاستی سیکریٹری برائے داخلہ شری این ۔ آر رنگناتھن بھی
ع پر موجود تھے ۔

ر اعلیٰ مہاراشٹر کی
ی وزیر زراعت سے ملاقات

وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے مرکزی
اعت شری سردار بوٹا سنگھ سے ملاقات کی اور اس بات

کی درخواست کی کہ مزید ۲۵ کروڑ روپے جاری کرے ۔

شری بوٹا سنگھ نے فرمایا کہ مہاراشٹر کا پیش کردہ میمورنڈم زیر غور ہے اور اس بات کی یقین دہانی فرمائی کہ ۲۵ کروڑ روپے کی مزید طلب کردہ رقم فوراً دی جائے گی ۔

آپ نے مزید فرمایا کہ مرکز کی جانب سے ایک ٹیم جلد ہی مہاراشٹر کا دورہ کرے گی اور اس کی وزارت کو امداد کو فوری طور پر منظور کئے جانے کی بابت معلومات بہم پہنچائے گی ۔

بنجر زمینوں پر شجرکاری کرنے میں مدد کیجئے

صنعتکاروں سے چیف سکریٹری کی اپیل

چیف سکریٹری شری بی ۔ جی دیشمکھ نے ۲۵ ر اکتوبر کو انڈسٹریل یونٹوں اور رضاکار سماجی تنظیموں سے اپیل کی کہ وہ تحفظ جنگلات کی حکومت کی ایک اسکیم میں عملی طور سے شامل ہو کر ریاست میں شجرکاری کے پروگرام کو وسعت دینے میں حکومت کے ساتھ تعاون کریں ۔

ممتاز صنعت کاروں کی منترالیہ بمبئی میں منعقدہ ایک میٹنگ سے خطاب فرماتے ہوئے شری دیشمکھ نے انڈسٹریل یونٹوں، رضاکارانہ اداروں، عوام اور پبلک ٹرسٹوں سے بنجر زمین پر شجرکاری کے پروگرام میں عملی طور پر شرکت کرنے کی ضرورت پر زور دیا ۔ جس کے لئے ریاستی حکومت نے بنجر زمین پر ۳۰ سالوں کی ایک ابتدائی مدت کی میعاد میں مزید ۳۰ سالوں کی توسیع کر دی ہے جس کے لائسنس کی فیس سالانہ فی ایکڑ ایک روپیہ ہے ۔

چیف سکریٹری نے صنعت کاروں سے مزید فرمایا کہ لائسنس کے لئے کم از کم ۱۰ ہیکٹرس کا علاقہ دیا جائے گا ۔ اس زمین پر درخت اور چارے کی گھاس اگائی جائے گی جس کی منظوری محکمہ جنگلات سے لینی ہوگی ۔

چیف سکریٹری نے صنعتکاروں سے اس اسکیم میں عملی طور پر شرکت کرنے کی اپیل کی ۔

اس میٹنگ میں اس اسکیم میں مختلف اداروں کی شرکت کرنے کے لئے ۱۶۹ موصول درخواستوں کی بابت گفتگو کی گئی جس میں ۸۹ تنظیموں کو اس اسکیم میں شرکت کا اہل تصور کیا گیا ۔

اس میٹنگ میں شری ایس ۔ پی گودریج چیرمین گودریج کمپنی شری ایم ۔ ایس پٹودھن ، مینیجنگ ڈائرکٹر نوسل ، ڈاکٹر

ایس۔ سبرامینن، بیجر آر۔ ڈی ڈپارٹمنٹ، اے سی سی لیمیٹڈ شری ڈی۔ ایس۔ رنگا ناتھن، صدر اور مینجنگ ڈائرکٹر آئن ایکسچینج لیمیٹڈ شری این۔ ہیرانندانی اور شری ایس کپور، ڈائرکٹر آف انجلی رئیل اسٹیٹ شری۔ وی۔ ٹی چاری، سکریٹری محکمۂ جنگلات شری سی۔ ڈی۔ سنگھ، سکریٹری محکمۂ ماحولیات شری ایم اے بعد بھاڈے، پرنسپل چیف آف فاریسٹ پونے اور شری ایس۔ کے سگتے، ڈائریکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز موجود تھے۔

سلم باسیوں کیلئے امداد بحال کی جائے

ڈاکٹر سبرامنین کی مرکز سے اپیل

مہاراشٹر کے وزیر ہاؤسنگ ڈاکٹر وی۔ سبرامنین نے مرکزی حکومت سے ریاستی سلم امپرومنٹ اسکیمات کے لئے مالی امداد بحال کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ وزیر موصوف سینٹرل کونسل فار لوکل گورنمنٹ اینڈ اربن ڈیولپمنٹ کی یہاں گذشتہ روز ۲۲ ویں اجلاس سے خطاب فرما رہے تھے۔ ڈاکٹر سبرامنین نے فرمایا کہ ریاست کے ذاتی فنڈ سے سلم امپرومنٹ کی اسکیمات پر عمل کیا جا رہا ہے جو کہ ناکافی ہے۔ سلم باسیوں کی تکالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے وزیر موصوف نے خاص طور سے اس بات کی نشاندہی کی کہ حکومت مہاراشٹر نے سلم باسیوں کو واجبی شرح پر ان کی ذاتی کوآپریٹیوز سوسائٹی بنانے کے لئے انہیں کرایہ داروں کا حق دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ سلم باسیوں کی طرز زندگی کو بہتر بنانے کے لئے سلم مشاورتی کمیٹی کا تقرر کیا گیا ہے جو اس ضمن میں مشورے دے گی۔

ڈاکٹر سبرامنین نے مزید فرمایا کہ ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت کی زمین پر سلم باسیوں کی شہری ضروریات فراہم کرنے کی مرکزی حکومت سے درخواست کی تھی لیکن بدقسمتی سے اس سلسلے میں بہت کام کرنا باقی ہے۔

آپ نے وزارت شہری ترقیات کے تمام متعلقہ محکموں کے ذریعے سلم باسیوں کی شہری ضروریات کا جائزہ لینے کی ضرورت پر زور دیا۔ تاکہ ریاستی حکومت ان کی بنیادی ضرورتوں کو مہیا کر سکے۔

دھاراوی کے مسائل کا حوالہ دیتے ہوئے وزیر ہاؤسنگ نے فرمایا کہ ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت سے اس علاقے کی ترقی کے سلسلے میں ضروری امداد دینے کی درخواست کی ہے۔

وزیر موصوف نے مزید فرمایا کہ ریاستی حکومت دو مہینے قبل شری چارلیس کوریا کی قیادت میں ایک اسپیشل گروپ کا اسکیم کو مرتب کرنے کے لئے تقرر کیا ہے جو ریاستی حکومت کی اس سلسلے میں رہنمائی کرے گا۔

آپ نے مزید فرمایا کہ ریاستی حکومت نے بیڑی ورکرس، ویورس۔ بمبئی، پونے، بمبئی ناسک تک ٹیکسی چلانے والے ڈرائیوروں کی مجوزہ ہاؤسنگ کا کام مرکزی وزارت کے تعاون سے جاری کیا ہے۔ آپ نے توقع ظاہر کی کہ وزا[رت] ٹرانسپورٹ اس سلسلے میں ریاستی حکومت کے ساتھ تعاون [کرے گی]۔

بمبئی کی پرانی اور مخدوش عمارتوں کے مسائل کا حوالہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ریاستی حکومت نے کرایہ داروں [کو] حق ملکیت دینے کا ایک انقلابی بل وضع کیا ہے۔ آپ نے [مرکزی] حکومت سے اس بل کو فوری طور پر منظوری دینے کی درخواست [کی]۔

وزیر موصوف نے مزید فرمایا کہ ریاستی حکومت کرا[یہ داروں] کو مناسب تحفظ عمارتوں کے مالکان کو عمارتوں کی دیکھ بھال کے لئے ترغیب دینے کے لئے رینٹ ایکٹ میں ترمیم کرے گی۔

ڈاکٹر سبرامنین نے ایک لینڈ بینک قائم کرنے [کے] مشورے کی حمایت کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ [اس] کا استعمال سماج کے کمزور طبقات کے لئے ہاؤسنگ بنا[نے] کے لئے کیا جانا چاہئے۔

خشک سالی سے متاثرہ افراد کی راحت کے کاموں کی دیکھ بھال کیلئے ڈسٹرکٹ کمیٹیاں

حکومت مہاراشٹر نے ضلع کے متعلقہ انچارج وزیر [کی] صدارت میں علاقوں میں خشک سالی سے متاثرہ افراد کی راحت [کے] کاموں کا جائزہ لینے کی غرض سے ضلع واری کمیٹیوں کی تشکیل کی [ہے]۔ کمیٹیاں متعلقہ ضلع کی خشک سالی کا جائزہ لیں گی۔ [یہ] کمیٹی متعلقہ ممبران پارلیمنٹ، ممبران اسمبلی اور ضلع پریشد کے صدر پر مشتمل ہوگی۔ ضلع کلکٹر کو کمیٹی کا ممبر سکریٹری مقرر [کیا] جائے گا۔

ضلع میں خشک سالی سے متاثرہ افراد کی راحت [کے کاموں] کا جائزہ لینے والے وزرا کے نام حسب ذیل ہیں:۔

اؤ دیشمکھ، ناسک اور احمدنگر۔ شری جواہرلال دردا،
ر اورنگ آباد۔ پروفیسر رام میگھے۔ آکولہ، شری
ھ موہتے پاٹل پونے۔ شری سدھاکر راؤ نایک، امراوتی
، سیرامیئن۔ ناندیڑ۔ شری انت راؤ تھوپٹے۔ سانگلی
، شری نریندر تڑکے، ایوت محل۔ شری اتیجے سنگھ
سلے، جلگاؤں، شری دامن راؤ گنڈوار دھوسلے، شری
ورکر، بیڑ، شری مانک راؤ پلوڈکر، عثمان آباد، لاتور
رراؤ پاٹل، پربھنی اور شریمتی رجنی تائی ساتو جالنہ۔

ی تعلیمی وفد کی
ت برائے تعلیم سے ملاقات

تلف ممالک بشمول فلپائن، انڈونیشیا، تھائی لینڈ،
گنی، نیپال، ساؤتھ کوریا، ویتنام، یونیسکو، پیپر پیس
، نمائندہ بنکاک کی ریجنل آفس سے ایک نمائندہ
، انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن پلاننگ اینڈ ایڈمنسٹریشن،
کے افسران پر مشتمل ایک تعلیمی وفد نے ۲۳ر اکتوبر
ملکت برائے تعلیم پروفیسر جاوید خان سے منترالیہ
ت کی۔ اس دورے کا اہتمام این آئی ای پی اے
ہے۔ سکریٹری (تعلیم) شری مدھوسدن کولہاٹکر نے
کا استقبال کیا۔
وفد اپنے قیام کے دوران تعلیمی نظام خاص طور سے
پرائمری تعلیم کا مشاہدہ کرے گا۔

وزیر مملکت برائے تعلیم پروفیسر جاوید خان نے وفد کا خیر مقدم کرتے ہوئے وفد کو پرائمری اور سیکنڈری تعلیم کی ابتدائی جانکاری پیش کی۔

وفد پونے، اجنتا، ایلورہ اور اورنگ آباد کا دورہ کرے گا۔
وفد پونے کے قریب گھاروتی میں اسکول کمپلیکس کا بھی دورہ کریگا۔

بائیوگیس اور شمسی کوکر میں
مہاراشٹر سرفہرست

مہاراشٹر نے بائیوگیس پروگرام اور سال ۸۵-۱۹۸۴ء کے لئے شمسی کوکر کی فروخت کو بڑھاوا دینے میں پہلا انعام حاصل کرکے ۲ شیلڈ بطور انعام حاصل کئے۔

ریاست نے نیشنل پروجیکٹ کے تحت سدھارے ہوئے کوکر کو مقبول بنانے کا ایک توصیفی سرٹیفکیٹ بھی حاصل کیا۔

ریاستی چیف سکریٹری شری بی۔جی دیشمکھ کو مرکز کے اس فیصلے سے حال ہی میں باخبر کیا گیا ہے۔

ریاست مہاراشٹر ۱۹۸۰ء سے ہی بائیوگیس پروگرام میں سرفہرست رہی ہے۔ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۵ء کے وقفے کے دوران ریاست میں ۸۹,۳۱۵ بائیوگیس کے پلانٹ نصب کئے گئے۔ ریاست میں گذشتہ سال ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۵۲,۵۰۰ بائیوگیس



وزیر تعلیم پروفیسر رام میگھے کے ہاتھوں ۱۷ر اکتوبر ۱۹۸۵ء کو منترالیہ میں "Telephone uses and behaviour learning from Bombay Experience" نامی تحقیقی مقالے کا اجرا کیا گیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں وزیر تعلیم پروفیسر رام میگھے، وزیر مملکت برائے تعلیم پروفیسر جاوید خان، ایجوکیشن کے سکریٹری شری مدھوسدن کولہاٹکر اور مقالے کے مصنف ڈاکٹر ایس۔ کے موڈک اور ڈاکٹر وویک پاٹکر دیکھے جا سکتے ہیں۔



پچھ بھارتی نامی بمبئی کے تہذیبی ادارے نے گجرات و مہاراشٹر کے وزرایہ اعلیٰ کے اعزاز میں استقبالیہ منعقد کیا۔ تصویر میں گجرات کے وزیرِ اعلیٰ شری امر سنگھ چودھری اور مہاراشٹر کے وزیرِ اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر ایک دوسرے کو پگڑی باندھ رہے ہیں

پلانٹ لگائے گئے جبکہ نشانہ ۲۸,۵۰۰ پلانٹ لگانے کا تھا۔ ۸۲-۱۹۸۰ء میں ریاست نے مقررکردہ نشانہ کو پورا کرلیا تھا۔ اس سال کے دوران ریاست نے ۳۰۰۰ پلانٹ کے لگانے کے نشانے کے بجائے ۳۰۶۱ پلانٹ لگاکر اپنی صلاحیت کا بہترین مظاہرہ پیش کیا۔

سال ۸۲-۱۹۸۱ء کے دوران ریاست نے ۸,۹۰۰ بائیوگیس پلانٹ لگانے جبکہ اس کے لئے نشانہ ۷,۰۰۰ پلانٹ کا مقرر کیا گیا تھا۔ سال ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران ریاست نے مقررکردہ ۹۰۰۰ پلانٹ کے نشانے کو پورا کر کے ۲۴,۰۰۹ پلانٹ لگائے۔

اس سلسلے میں ریاست کے عوام نے بھرپور تعاون دیا بہت سے دیہاتوں نے اس پروگرام کی عمل آوری میں گہری دلچسپی دکھائی اور ریاست کے ۱۴ دیہاتوں نے ۱۰۰ سے بھی زیادہ بائیوگیس پلانٹ لگوائے۔ ضلع ستارا میں پھلٹن تحصیل کے ایک چھوٹے دیہات نے ۱۶۰ پلانٹ لگوائے جو کہ ایک قومی ریکارڈ ہے۔

ریاست مہاراشٹر ملک بھر میں شمسی کوکر کی فروخت میں بھی سرِفہرست ہے۔ ریاست میں ۱۰,۰۰۰ سے بھی زیادہ شمسی کوکر کا استعمال کیا جارہا ہے۔

یہ کامیابی دراصل مہاراشٹر اسٹیٹ اسمال اسکیل انڈسٹریز کارپوریشن کی گذشتہ دو سالوں سے چلائی جارہی مہم کا نتیجہ۔ ان کوکروں کو لگانے میں صارفین کو مرکزی اور ریاستی امداد ہوتی ہے۔ انہیں ۶۰۰ روپے کا شمسی کوکر صرف ۲۴۰ ر میں حاصل ہوجاتا ہے۔

"تعلیم کا بنیادی مقصد ایسی تربیت ہے جس سے آدمی اچھا بنے۔ سمجھداری سے سوچ بچار کرسکے اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال سکے۔"

— آنجہانی
شریمتی اندرا گاندھی

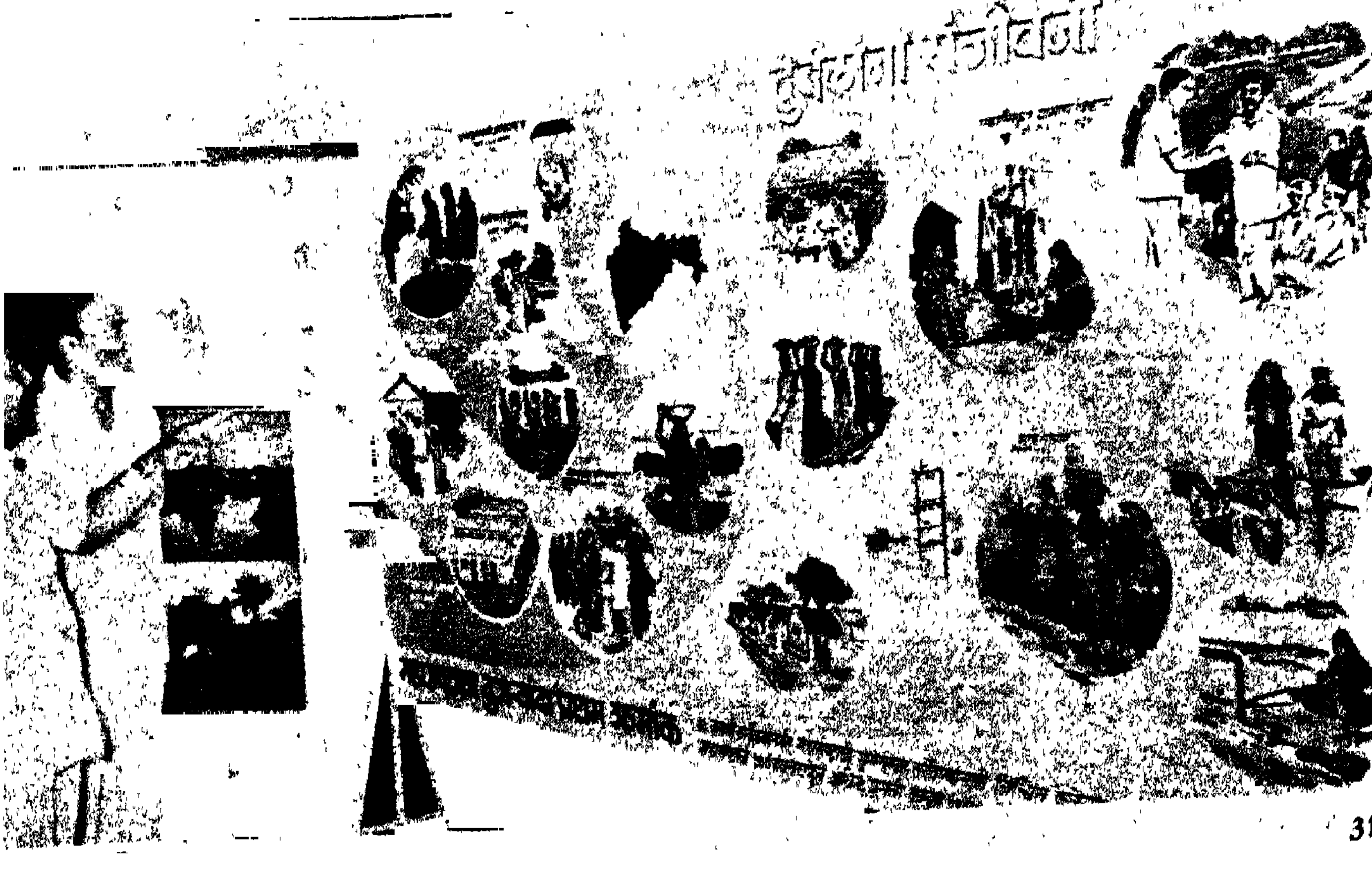
قومی راج

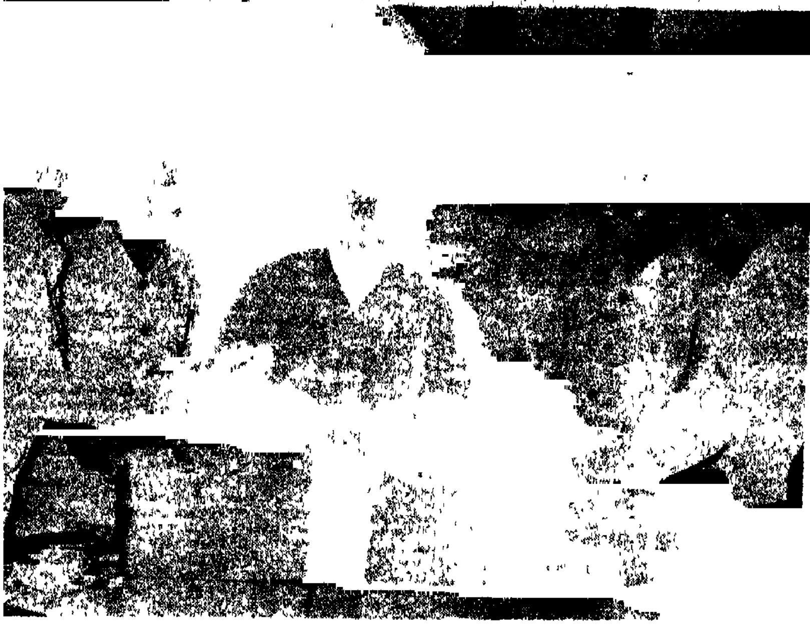


کل ہند مسلم یوتھ کانفرنس پریشد بمبئی کی طرف سے بمبئی کے مہاراشٹر کالج میں حال ہی میں منعقدہ تقریب میں وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر تقریر فرماتے ہوئے، زیر نظر تصویر میں ممبر پارلیمنٹ شری طارق انور اور شمیم قریشی ایم - ایل - اے دیکھے جا سکتے ہیں ۔

خبریں - تصویروں میں

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کے پونے ڈویژن کی جانب سے پونے کے تلک سمارک مندر میں "مہاراشٹر کی ہوتی ترقی پر" ایک تصویری نمائش کا اہتمام کیا گیا تھا جس کا افتتاح پونے کے ڈویژنل کمشنر شری کے ۔ ایس سدھو نے کیا ۔ ڈپٹی ڈائرکٹر آف انفارمیشن شری گوکل سنگھ راجپوت نمائش کی جانکاری ڈویژنل کمشنر شری سدھو کو دے رہے ہیں ۔



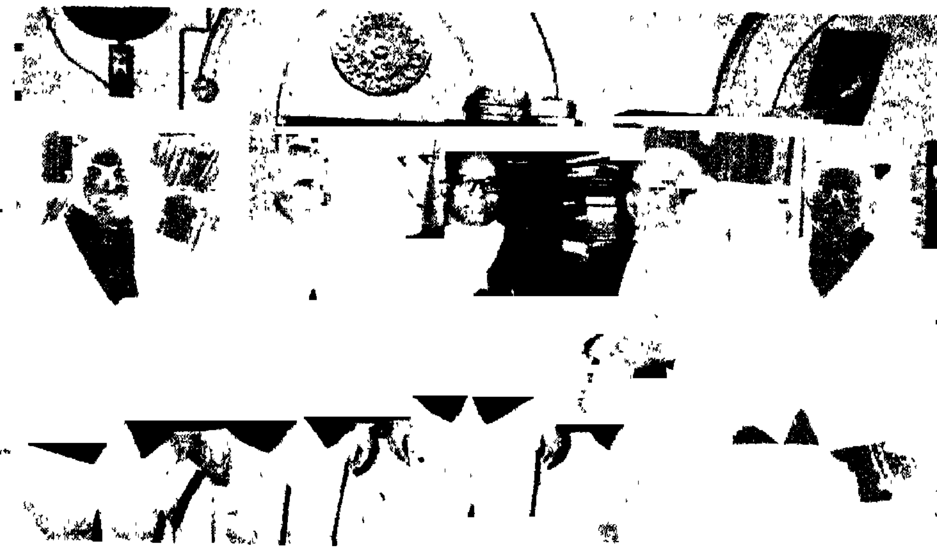


جوائنٹ ڈائرکٹر ی بمبئی میں حال ہی میں ایک کروڑ ۸۰ لاکھ روپے مالیت کی چرس پکڑنے والے ایکسائز افسران کو گیارہ ہزار روپے نقد انعامات کا اعلان کرکے نشہ بندی کے وزیر شری جواہر لال دردا نے منترالیہ میں انہیں مبارکباد دی۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں شری دردا ضبط کی گئی چرس کے پیکٹ کو دیکھ رہے ہیں۔ بائیں طرف چیف سکریٹری شری بھالچندر دیشمکھ اور آبکاری کے کمشنر شری ایم۔ بی چوبے اور دائیں طرف داخلہ (ٹرانسپورٹ) کے سکریٹری شری اے ڈی سامنت اور داروبندی کے ڈپٹی کمشنر شری وی۔ جی شنگرو بے دیکھے جا سکتے ہیں۔

*

بمبئی ہائی کورٹ کے چیف [جسٹس شری] کے مادھو ریڈی نے ۹ر اکتوبر [کو] میں چار نئے ججوں کو ہائی کورٹ [کے] عہدے کا حلف دلوایا۔ زیر نظ[ر تصویر میں] چیف جسٹس شری کے مادھو ریڈ[ی اور نئے] ججوں (بائیں طرف) شری کولے [شری] سالوے اور (دائیں طرف) [شری] رتن پارکھی اور شری لونے کے سا[تھ دیکھے] جا سکتے ہیں۔

*

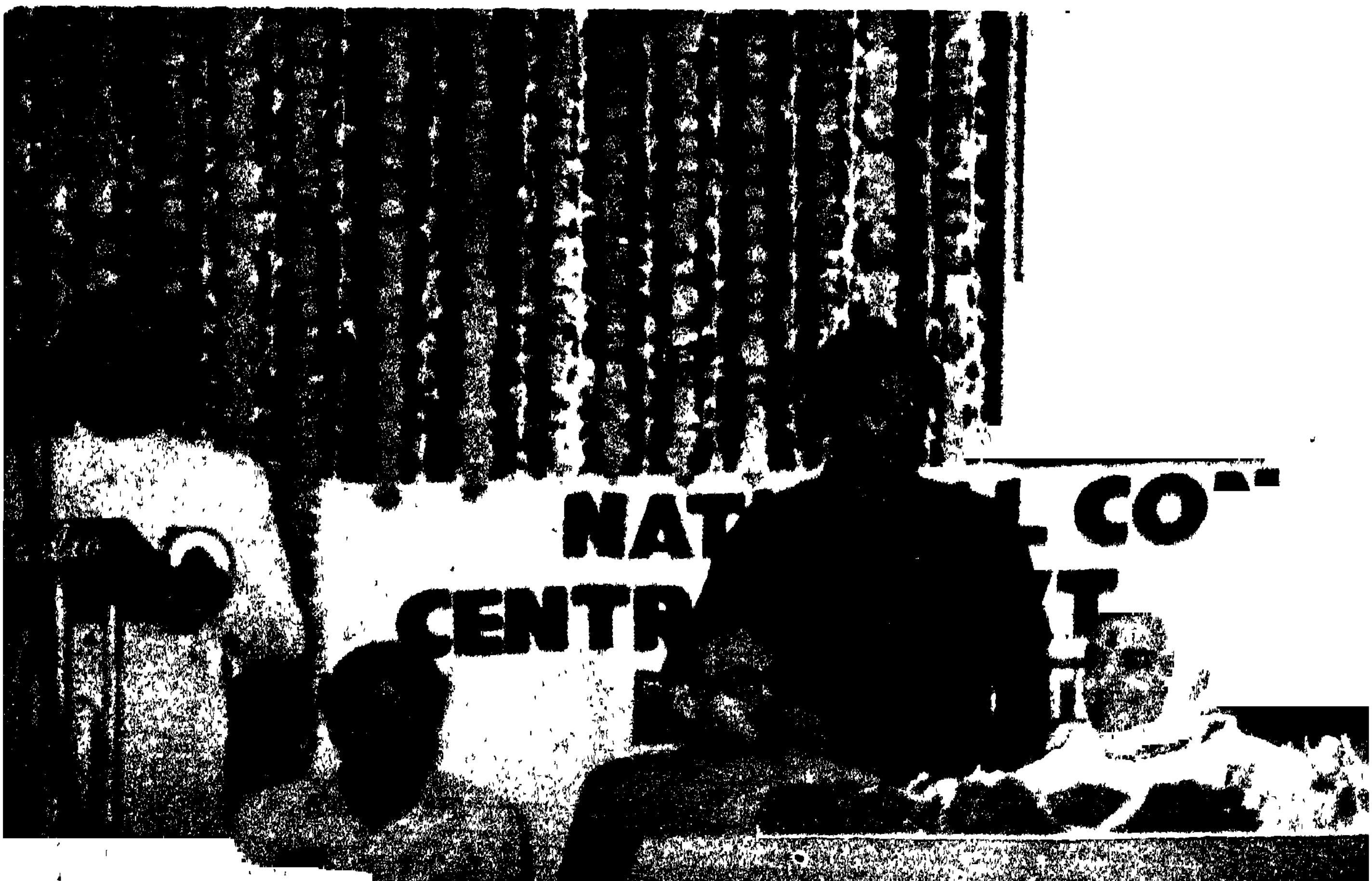


وزیر برائے زراعت، بازآبادکاری، اسپورٹس اور یوتھ ویلفیر شری وجے سنگھ موہتے پاٹل کے ہاتھوں آکولہ میں پنجا[ب راؤ] یونیورسٹی میں مہاراشٹر میں پہلی مرتبہ جاری جنگل بانی کی ڈگری کورس کا افتتاح کیا گیا۔ وزیر مملکت برائے سماجی جنگل بانی [و] بہبود شریمتی دیانتی دیشبھرتا نے اس تقریب کی صدارت کی۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔





وزیر اعظم شری راجیو گاندھی نے حال ہی میں بمبئی کے ولبھ بھائی پٹیل اسٹیڈیم، بمبئی میں نیشنل فیڈریشن آف سینٹرل گورنمنٹ امپلائز کی پہلی سالانہ کانفرنس کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر خطاب فرما رہے ہیں۔ زیر نظر تصویر میں شری مرلی دیورا ایم۔پی اور صدر بی پی سی سی (آئی)، مرکزی وزیر مالیات شری وشوناتھ پرتاپ سنگھ اور وزیر اعظم ہند شری راجیو گاندھی دیکھے جا سکتے ہیں۔





قومی راج

۲۵ نومبر ۱۹۸۵ء   25/11/85

بین الاقوامی سالِ نوجوانان خصوصی نمبر









بین الاقوامی سال نوجوانان خصوصی نمبر

28-11-85

قومی راج

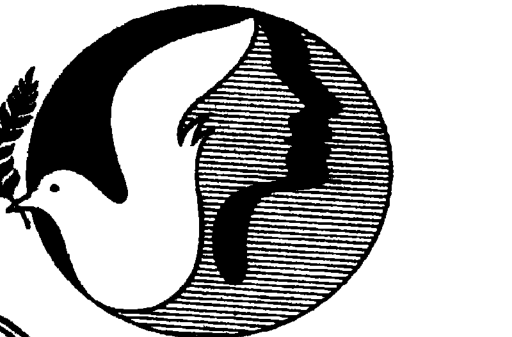
रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

جلد ۱۲ شمارہ ۲۲
۲۵ نومبر ۱۹۸۵ء

ہر ماہ کی ۱۰، ۱۰، ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

زرِ سالانہ: دس روپے قیمت فی کاپی: پچاس پیسے

چیف ایڈیٹر:- ایس۔ کے۔ سگنے
ایڈیٹر:- فروزہ فیاض خان



ہمارا سرورق

بین الاقوامی سالِ نوجوانان ۱۹۸۵ء کی یادگار کے بطور حکومتِ ہند نے اس یوتھ ایمبلیم (نشانِ نوجوانان) کا انتخاب کیا ہے جسے ملک کے نوجوانوں کے لئے بطورِ علامت صفحۂ اول پر شائع کیا گیا ہے۔ اس نشان میں پیش کردہ تصویر میں یہ تصور پیش کیا گیا ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں صلاحیت، قوتِ کردار، عزمِ مصمم اور ہر طرح کی مہم جوئی کے لئے پختہ ارادے کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں نیز یہ نشان باہمی تعاون و ہم آہنگی کے جذبے کے ساتھ کام کرنے کی خواہش کا اظہار کر رہا ہے۔ فاختہ سے امن کی نشان دہی ہو رہی ہے اور اس فاختہ کی چونچ میں دبی ہوئی چھوٹی سی ٹہنی یہ اشارہ کر رہی ہے کہ اس امن کے ذریعے ہی ترقیات کا حصول ممکن ہوسکتا ہے۔ اس نشان کی مدور ڈیزائن یونیورسٹی اور مکمل نظامِ زندگی کو ظاہر کر رہی ہے۔ افقی خطوط سے نوجوانوں کے شوق اور لگن کے محرک جذبے کے نقوش ابھر کر سامنے آ رہے ہیں۔

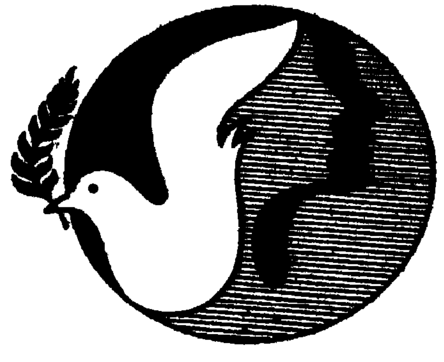
شری دکاس وی مورے جن کی عمر ۳۲ سال ہے اور جو بمبئی کے ایک نوجوان آرٹسٹ ہیں، نے اس نشان کی نقشہ کشی کی ہے۔ انہیں شریمتی مارگریٹ الوا، مرکزی وزیرِ مملکت برائے امورِ نوجوانان، کھیل کود و خواتین کی جانب سے حال ہی میں ۵،۰۰۰ اروپے کے انعام سے نوازا گیا ہے۔

اس شمارے میں

صفحہ نمبر

اداریہ

۱۹۸۵ء کو "سالِ نوجوانان" مانا گیا ہے۔ اقوامِ متحدہ نے اسے "بین الاقوامی سالِ نوجوانان" کے بطور اہتمام کرنے کا اعلان کیا ہے۔ جبکہ عالم بھر میں نوجوانوں کے لئے تمام ممالک میں مواقعوں اور ضروریات پر توجہ مرکوزکی جائے گی یہ رخی مقاصد..... شرکت..... ترقیات اور امن ..... یہی وہ حوصلے ہوتے ہیں جو نوجوانوں میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوتے ہیں اور جو نوجوانوں کو بہ شدت اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ اُٹھ کھڑے ہوں اور ایسا کردار ادا کریں جس سے دنیا انصاف اور امن و شانتی کا گہوارہ بن جائے۔



ہمارے وزیراعظم شری راجیو گاندھی نے بہت ہی مناسب وقت پر "بین الاقوامی سالِ نوجوانان" کی شروعات ۱۲ جنوری ۱۹۸۵ء کو فرمائی۔ یعنی سوامی وویکانند کے جنم دن پر..... سوامی وویکانند نے اقوام کی تعمیر کا بیڑہ، انہیں نوجوانوں کے قوتِ بازو پر بھروسہ کرتے ہوئے اُٹھایا تھا۔ آپ کا پیغام جو خود اعتمادی، خود کفالت اور معقول پسندانہ خیالات و سائنسی مزاج پر مبنی ہے۔ نوجوانوں کی قوتوں کو بیدار کرنے اور حوصلوں کو اُبھارنے کا ذریعہ بن سکے گا۔ اسی لئے شری راجیو گاندھی نے غیرمبہم الفاظ میں یہ جتا دیا ہے کہ "ہندوستان کی آئندہ نسل"، قوم کے لئے باعثِ فخر مقام کی حامل ہوگی۔ اسی نسل کے ذریعے ہندوستان کی ترقی کو بامِ عروج تک پہنچایا جا سکتا ہے"

نوجوان ہی قوت و توانائی کا ذریعہ ہوا کرتے ہیں۔ ان کی قوتوں کو تعمیری کاموں کی طرف گامزن کرنا ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتیں پوری مستعدی سے ایسے اقدامات پر عمل پیرا ہیں جو نوجوانوں کی مکمل ترقی کا ضامن بن سکیں گی۔

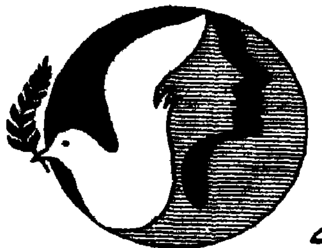
یہ خصوصی شمارہ جو بین الاقوامی سالِ نوجوانان سے متعلق ہے

مختلف مضامین پر مشتمل ہے۔ ان مضامین کے ذریعہ نوجوانوں کے مسائل اور ان کو حل کرنے کے وہ مختلف طور طریقے بیان کئے گئے ہیں جو حکومت اور رضاکار ادارے اپنائے ہوئے ہیں۔ تاکہ نوجوانوں میں ہمت و جرأت اور خود اعتمادی کا جذبہ بیدار کیا جا سکے اور یہ نوجوان قوم کی ترقی کے کاموں میں پُرا عتمادی کے ساتھ شامل ہو سکیں۔

مجھے اُمید ہے کہ قارئین، اس "خصوصی شمارہ" کو ضرور پسند فرمائیں گے۔ اس لئے کہ یہ معلوماتی بھی ہے اور سبق آموز بھی —

ایس۔ کے۔ سگنے

(چیف ایڈیٹر)



* کامل چاند پوری
مالومستری کی چال، راے ڈونگری کستورباروڈ نمبر ۵
بوریولی (ایسٹ) بمبئی ۴۰۰۰۶۶

سنہ ۱۹۸۵ء نوجوانوں کا سال مبارک

ہو مبارک تمہیں نوجوانو — دھوم سے سن پچاسی مناؤ
اپنی تعلیم سے، اپنے فن سے — دیش کی اُنتی کو بڑھاؤ

گنگناتے چلو گیت گاتے چلو
کھیتوں کی طرح لہلہاتے چلو
امن کے گیت سب کو سکھاتے چلو
زندگی کے ترانے سناتے چلو
امن کی شمع کو جگمگاتے چلو
پرچمِ ہند اونچا اٹھاتے چلو

سمٹ جاتا ہیں دیش کی یوجنائیں تمہیں
مشکلیں پست کرنے نہ پائیں تمہیں
دور کرنی ہیں ساری بلائیں تمہیں
اپنے کیا غیر بھی مان جائیں تمہیں
شانتی کے پھریرے اڑاتے چلو
پرچمِ ہند اونچا اٹھاتے چلو

اے مرے دیش کے نوجوانو بڑھو
دیش کی لاج کے پاسبانو بڑھو
باعمل زندگی کے نشانو بڑھو
امن کے شانتی کے دیوانو بڑھو
جنگ بازوں سے آنکھیں ملاتے چلو
پرچمِ ہند اونچا اٹھاتے چلو

راہ دشوار ہو مرحلے ہوں کٹھن
آنے پائے نہ اپنی جبیں پر شکن
یونہی بڑھتے چلو خندہ زن خندہ زن
یعنی صحرا بہ صحرا چمن در چمن!
مسکراتے چلو مسکراتے چلو
پرچمِ ہند اونچا اٹھاتے چلو

چاہے ہندو ہو سکھ ہو مسلمان ہو
تم سبھی ایک ماتا کی سنتان ہو
تم سبھی اس چمن کے نگہبان ہو
ہند کی روح ہو قلب ہو جان ہو
دیپ اہنسا کے گھر گھر جلاتے چلو
پرچمِ ہند اونچا اٹھاتے چلو

اپنی سلماؤں میں اپنی شیلاؤں میں
پائلیں امن کی ہوں ہر اک پاؤں میں
رقص ہوں امن کے شہر میں گاؤں میں
دیش پھولے پھلے امن کی چھاؤں میں
امن کے دیپ کی لو بڑھاتے چلو
پرچمِ ہند اونچا اٹھاتے چلو

روس امریکہ ہو، چین جاپان ہو
کوئی نربل ہو یا کوئی بلوان ہو
ایک ہی دھرم ہو ایک ایمان ہو
جو بھی ہو شانتی کا نگہبان ہو
امن کی فاختائیں اڑاتے چلو
پرچمِ ہند اونچا اٹھاتے چلو

وائی ۔ جے ۔ نستورے
اعزازی منظم آئی وائی وائی پروگرام
حکومتِ مہاراشٹر



شری راجیو گاندھی

وزیرِ اعظم شری راجیو گاندھی

ہندوستانی جوانوں کے محبوب ترین لیڈر

"بلند تصورات رکھنے والا انسان بلند پرواز ہوتا ہے۔" یہ قول ہے نوبل پرائز جیتنے والے فرانسیسی سائنسدان سٹرالیکسیں کیرول (Alexes Ceroll) کا جسے انہوں نے اپنی مشہور کتاب" آن جانا آدمی" شری راجیو گاندھی کے بارے میں کم و بیش گذشتہ بارہ مہینوں کے دوران ان کی کارگذاریوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد لکھی۔ یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ وہ ان مہیب امور سے نبرد آزما ہونے میں جو عظیم ذمہ داریوں نے قدرتاً اور دفعتاً ان کے کاندھوں پر ڈال دی تھیں، نہ صرف بہت بلند حوصلگی کا ثبوت دیا ہے بلکہ کافی بلند قامت ثابت ہوئے ہیں۔

کم لوگوں نے، یہاں تک کہ ان لوگوں میں سے بھی جن کا ان سے قریبی تعلق رہا ہے، شری راجیو گاندھی کے بے پایاں امکانیات کا اندازہ لگایا ہوگا۔ ان کے ہم رتبہ اور ہم عصروں میں سے، چاہے وہ ان کے اسکولی ہم مکتبوں میں سے ہوں چاہے کالج کے ہم درجہ طالب علموں میں سے، کبھی کسی نے یہ بات نہیں کہی جو ریکارڈ پر بطورِ پیش بینی کے ہو کہ یہ خاموشی پسند، تصنع سے پاک، مضبوط ارادوں اور کام کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے والا شخص، اتنی اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہے کہ کام کی بلندی کے مطابق اپنے آپ کو بلند کر لے گا۔ حتیٰ کہ قومی گتھیوں کے سلجھانے اور بین الاقوامی واقعات میں بھی اپنے ارشادات اور دو ٹوک جوابات سے بڑے بڑے لوگوں کو حیرت زدہ کر دے گا۔ دراصل سیاست گذشتہ کچھ برسوں سے، نہایت الجھا ہوا اور بوجھل بنا دینے والا میدان بن چکا ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے لیڈرشپ کی بہت بلند قابلیت اور غیر معمولی انتظامی درکار ہے۔

واقعتاً یہ بات بہت بڑے تعجب کی ہے کہ جوان راجیو گاندھی جو ۱۹۸۱ء یا ۱۹۸۲ء تک آنجہانی وز خاندان کا ایک رکن اور سیاسی زندگی سے صرف سطح واقف تھا، کس سرعت کے ساتھ ملک کی اندرونی مخالف لہروں کی جانکاری حاصل کرلی یہاں تک معاملات میں فیصلہ صادر کرنا اس کے لئے مشکل کے نانا جان بھی ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۴ء تک ہندو وزیر اعظم تھے اور اگرچہ اس وقت شری راجیو نیا ہی دور کبھی اپنے ڈون اسکول میں یا صوبجات متحد میں اپنی تعلیم کے سلسلے میں، رہے۔ غالباً انہیں کا آتے جن کے دوران انہوں نے وزیر اعظم کی زندگی میں بسر ہوتی ہے اس سے واقف ہونے اور اس:

قومی راج

کرنے کی سہولتیں ملیں۔ اس کے علاوہ، خود ان کے پتاجی آنجہانی شری فیروز گاندھی ایک زیرک رکنِ پارلیمنٹ تھے جن کی ہستی دوررس دانشمندی، دیانت داری اور جمہوریت پسندی کے لئے بہت باعزت سمجھی جاتی تھی۔ شری فیروز گاندھی جب پچاس سے اوپر عمر کے تھے اس وقت بھی تمام ارکانِ پارلیمنٹ خواہ وہ کسی پارٹی سے وابستگی رکھتے ہوں، ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ان کی بے وقت موت نے ہندوستان کے سیاسی منظر سے ایک بلند پایہ سیاست داں اور مقبولِ عام شخصیت کو چھین لیا تھا۔

اگرچہ تربیت کے لحاظ سے شری راجیو گاندھی اس اصول کے حامی ہیں کہ صنعت وحرفت کی تنظیم اس کے ماہرین کی نگرانی میں دی جانی چاہیئے اور طیارہ رانی کے کاروبار سے متعلق مسائل میں بالخصوص بحیثیت پائیلیٹ کے خصوصیت رکھتے ہیں۔ انہیں اس بات کو سمجھنے کے کافی مواقع ملے کہ کسی معاملے میں فیصلہ کن رول کے لئے کس نوعیت کی سوجھ بوجھ ضروری ہے اور صنعتی کوششوں کی روزمرّہ سرگرمیوں میں نتیجہ خیز کارکردگی کیسے انجام دی جاسکتی ہے۔ اس باب میں شری راجیو گاندھی درحقیقت آزادی کے بعد کی اس ہندوستانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں جدید ہندوستانی انقلاب کی پُرجوش سرگرمیوں میں شرکت کرنے کی خوش قسمتی نصیب ہوئی اور جو بیل گاڑی کی معیشت کو جیٹ معیشت سے بدل دینے میں کامیاب ہوسکے۔

پنڈت نہرو کا خواب یہ تھا کہ کاش ہندوستانی ان وسیع تبدیلیوں سے روشناس ہو جانے جن میں جدید ترین سائنٹفک ایجادات اور ٹیکنالوجی سے وابستہ اختراعات کارفرما ہوں اور کسی طرح ہندوستانیوں کو اس طرح حرکت میں لایا جاسکتا کہ وہ نئی ٹیکنالوجی کے ڈائنمک رول کو اور اپنی صنعت، زراعت اور دوسری مہمات کو چلانے کے نئے طرز کے انتظامات کو قبول کرلیتے۔ ان کی بیٹی شریمتی اندرا گاندھی نے ان سے بھی زیادہ زور دے کر جدید ٹیکنالوجی کو ان تمام سیکٹروں میں قبول کرلینے کی تلقین کی جس میں زراعت، صنعت، دفاع وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے پندرہ برس سے زائد مدت کے دور میں جبکہ وہ وزیرِ اعظم تھیں، ہندوستان کو جدید بنانے، معاشی زندگی کے تمام سیکٹروں میں تقریباً کامیابی کے ساتھ مدد کی اور ہندوستان کو اناج میں خود کفیل بنادیا اور انجینیرنگ میں اور دوسری

غیر روایتی اشیاء کی برآمدات میں بھی کافی پیش رفت کی۔ انہوں
ہندوستان کو فوجی معاہدات میں شامل نہ ہونے کی اپنی بے مثل فلسفیانہ قابلیت کے ذریعے بین الاقوامی معاملات میں ایک غالبانہ حیثیت میں لاکھڑا کردیا۔ ان کی مضبوط شخصیت او پُرجوش رہنمائی نے ان کے لئے ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں ایک خاص مقام پیدا کردیا تھا اور ہر ایک کو اس سوچ م مبتلا کردیا تھا کہ ان کے باصلاحیت جانشین کی تلاش میں دشوا پیش آئیں گی۔ درا صل ہندوستان کے ناظر شاہدین جو ج پریشانی میں ڈالے ہوتے تھی وہ ان کی اسی جانشینی کا مسئلہ تھا: ہندوستان داخلی اور بین الاقوامی دائروں میں خود اپنی طاقت . آگے بڑھتا جائے۔

تقریباً تین سال پہلے جب شری راجیو گاندھی نے انڈ ایئر لائنز میں اپنے پائیلیٹ کے عہدے سے سبکدوش ہونے فیصلہ کیا تھا اور اپنی والدہ کو ان کے روزمرّہ کے کام میں . بحیثیت وزیرِ اعظم کے ان کے کام میں تیز حکمراں پارٹی کے مد کی حیثیت سے ان کے کام میں مدد دینے کا فیصلہ کیا تھا، کسی کو احساس ہوتا ہی نہیں تھا کہ ان کے لئے سیاسی میدان میں کا دل کشی ہوگی اور اس میں انہیں ویسی دل چسپی اور تسلی مل سکے جس کے غالباً وہ عادی ہو چکے ہوں گے۔ حکمراں پارٹی کے ا جنرل سکریٹری کی حیثیت سے وہ غالباً اپنے طور پر ایک مخصوص ر کی ادائیگی اور بعض مشکل مسئلوں کو سلجھانے کا آغاز کرچکے اور اس کام کو انجام دینے کے سلسلے میں ان پر اس بات کا انکش ہوا کہ ہندوستان میں عوامی زندگی ان کی پوشیدہ قوتوں کو پو وسعت تک مدد دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ خوش قسمتی سے ہی وقت پر ہندوستان، عوامی زندگی کی انتظامی امور کی صنعتی تجارتی سرگرمیوں کی انسانی وسائل کی ترقی اور دوسرے معاملا کے پورے ڈھانچے کی از سرِ نو تشکیل کرنے پر آمادہ تھا۔ آ ہندوستان ۱۹۴۷ء سے ۳۵ سال تک محوِ سفر رہ چکا تھا اس کے طریقۂ کار میں یا انتظامی ڈھانچے میں اب تک کوئی بنی تبدیلی نہیں کی گئی تھی۔ بظاہر اس قسم کی تبدیلی کے لئے کوئی خا ضرورت بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جو اہداف اور مقا صبحِ آزادی کے نمودار ہونے پر پنڈت نہرو کے اور دو قومی رہنماؤں کے پیشِ نظر تھے، انہیں کو ترقی کی ط ہندوستان کے اقدام کو زیادہ تر مناسب و موزوں سمجھا جار

البتہ گذشتہ ۵ تا ۷ برس کے دوران عالمی حالات زبردست تبدیلیوں سے دوچار ہوتے تھے اور سائنسی انکشافات، ٹیکنالوجی متعلق اختراعات، رسل ورسائل اور مواصلات کے میدانوں وغیرہ میں زبردست انقلابات رونما ہو چکے تھے اور یہ بات ضروری ہو چکی تھی کہ ہندوستان بھی اپنی بعض حکمتِ عملی کو نہ صرف نئے سرے سے تشکیل دیتا اور ان کی ڈیزائننگ کرتا بلکہ بعض بنیادی نظریوں اور نشانوں پر پھر سے نگاہ ڈالتا۔ ایک طرح سے، وہ غیر مرئی قوتیں جو تکنیکی اور دوسرے امور کے سبب دُنیا کے طول وعرض میں جاری وساری ہو چکی تھیں، نئے سمت کے تعین کو ضروری قرار دے رہی تھیں۔ خوش قسمتی سے شری راجیو گاندھی کا ہندوستانی سیاست میں داخلہ، عالمی حالات میں رونما ہونے والی ان ہی تبدیلیوں کے دوران پیش آیا۔

لوگوں کی زبانی یہ بات اکثر سننے میں آتی ہے کہ مغربی ملکوں کا یہ عام تصور ہے کہ " زندگی کا آغاز چالیسویں سال سے ہوتا ہے۔" دور حاضر میں انسانی زندگی کی پیچیدگیوں پر نظر ڈالی جائے تو کہنا پڑے گا کہ واقعتاً انسانی زندگی کا تجرباتی دور اب عمر کی اس حد تک طویل ہو چکا ہے اور شری راجیو گاندھی کے سلسلے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات بالکل واقعہ ہے۔ رڈیارڈ کپلنگ نے کہا تھا کہ "مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب اور توام ہوتے ہوتے بھی یہ دونوں مل نہیں سکتے۔ یہ متعصبانہ نظریہ جزوی طور پر نتیجہ ہے بالخصوص ہندوستانی زندگی اور طرزِ معاشرت کی سطحی معلومات کا اور ناواقفی کا اور بالعموم مشرق کی مختلف فیہ روایات کا۔ اضافی طور پر دنیا کے شرقی اور مغربی دونوں سیکڑوں کے مفکرین اور سرگرم عالمین اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ ایسی بہت سی باتیں ہیں جو مشرق مغرب کو دے سکتا ہے اور مغرب مشرق کو۔ شری راجیو گاندھی کی شخصیت مشرق ومغرب دونوں کی روایات واقدار کا بِد جُلا پسندیدہ نمونہ ہے۔ اپنی شالیت کو برقرار رکھتے ہوئے وہ قابلِ عمل فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ پائلیٹ جو کھلے آسمان میں بلند پروازی کیا کرتا تھا، اسے غالباً اس قسم کی صحیح فضا ملی جس میں وہ نیچے سطحِ زمین پر پیش آنے والے واقعات کی زیادہ بامقصد اور الگ منظر کشی کر سکتا تھا۔ ایسے میں بعضوں کا ذہن اس طرف جاتا ہے جو ورڈس ورتھ نے اسکائی لارک کے بارے میں کہا تھا۔ اس نے اپنی نظم کے آخری حصّے میں اس قابلِ تعریف پرندے کی وصف بیان کرتے ہوتے کہا کہ اسکائی لارک بعض عجیب وغریب ملی جلی خصوصیتیں ہیں۔ شاعر کہتا۔

اسکائی لارک

" اس عقلمند جیسا ہے جو بلند پرواز تو ہو لیکن
آوارہ گردی نہ کرتا ہو بلکہ سچائی کے ساتھ آسما
اور گھر کو ایک رشتے میں بندھا ہوا سمجھتا ہو

شری راجیو گاندھی قوم کے مسائل کو نظریہ کلیۃ دیکھنے کی استعداد رکھتے ہیں یعنی پوری قوم کو مختلف اجزا ہیں سمجھتے بلکہ اسے ایک مجموعی حیثیت دیتے ہیں خواہ افراد سیاسی، سماجی، ثقافتی، تعلیمی یا کسی دوسرے حلقۂ عمل سے رکھتے ہوں۔ خواہ وہ بڑی طاقتوں یا دوسرے ملکوں کے ہمارے دو رُخے تعلقات سے متصادم ہوتے ہوں۔ ا تقریر میں جو انہوں نے آل انڈیا ریڈیو اور دو درشن پر ۵، کو قوم سے خطاب کرتے ہوتے فرمائی تھی جب لوک س انتخابات میں عوام نے انہیں اَن تَسی اکثریت سے انتخا تھا، وزیراعظم نے کہا تھا :

" حالیہ انتخابات جمہوریت کے ایک عالیشان جـ مصداق تھے جیسے ہندوستان اپنے قدیم ترکہ کی طرف بنی نوع انسان کے طلوعِ صبح کی طرف لوٹ رہا ہو، اور آزادی کے ساتھ اس دَور کی تجدید کر رہا ہو۔ "

اپنے حوصلہ افزا پیام کو جاری رکھتے ہوتے انہوں نے یقین دلایا کہ پنجاب اور آسام کے مسائل کو اعلیٰ ترین تر جاتے گی۔ دوسرے مسائل کی طرف توجہ فرماتے ہوئے انہ موجودہ معاشی بحران کی شدت پر تشویش کا اظہار کیا ا ڈھانچے کی ازسرِ نو تعمیر اور نئی انتظامی ثقافت کے اجرا دیا۔ بین الاقوامی پالیسی کے مسئلے پر انہوں نے ہندو کے ناوابستگی وپیمان کے عہد کو اور ایک نئے عالم گیرا نظام کی ترتیب وتشکیل کو دہرایا جس کی بنیاد انصاف، اور باہمی تعاون پر ہو۔" آخر میں انہوں نے اپنے ذاتی خیا اظہار فرمایا جس میں سامعین نے وزیراعظم کے حساس و کچھ جھلک دیکھی۔ ہر شہری سے تمام قومی خوش حالی کی کو میں حکومت کے ساتھ دستِ تعاون بڑھانے کی اپیـ ہوئے انہوں نے فرمایا :

" گذشتہ چند ہفتوں میں یہ میری خوش قسمتی رہ

اپنے محبوب اور خوبصورت ملک کے تمام حصوں کا سفر کر سکا۔ میں نے اپنے لاکھوں ہم وطن ہندوستانیوں کو رُو در رُو دیکھا۔ اپنوں کے تمام ثقافتی اختلافات کے باوجود، جو چیز سب سے نمایاں تھی وہ ہندوستان کا اتحاد تھا۔ ہندوستان میں پیدا ہونا اور اس کی عظیم تہذیب کا وارث ہونا بہت بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ ہمارے پاس محفوظ رکھی جانے والی چیزیں جو اپنوں کے لئے ہیں، کافی مقدار میں ہیں اور بعض چیزیں اتنی ہیں کہ ہم دنیا کو دے سکتے ہیں۔ ہم ایک دشوار گذار منزل سے گذر رہے ہیں۔ ہم پر جو بوجھ ہیں وہ بہت بھاری ہیں۔ جو راستے ہمیں طے کرنے ہیں وہ بہت طویل اور پُرپیچ ہیں۔ آپ لوگوں کا تعاون قومی نشانوں تک پہنچنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔"

نئی دہلی میں ۱۲ جنوری ۱۹۸۵ء کو سوامی دویکانند کی ۱۲۲ ویں برسی پر تقریر کرتے ہوئے شری راجیو گاندھی نے ہندوستانی جوانوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ وہ مقامی، سماجی، مذہبی اختلافات اور زبان اور ضلعوں سے متعلق بندھنوں سے اوپر اٹھیں اور ایک متحدہ اور طاقتور ہندوستان کی تعمیر کریں۔

آزادی کے بعد سے ہندوستان کی ترقی کا ناقدانہ انداز میں تجزیہ کرتے ہوئے وزیرِ اعظم نے فرمایا:

"ہندوستان ترقی کے پہلے مرحلے کو طے کر چکا ہے اور اب ہم دوسرے مرحلے کی ابتدا کرنے کو ہیں۔ ہم جو کچھ حاصل کر چکے ہیں اس کا تخمینہ لگانا بہت ضروری ہے۔ ہم سے جو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں ان کی نشاندہی اہم ہے کیونکہ اس کے بعد ہی ہم ان غلطیوں کی اصلاح کر سکتے اور ترقی کی طرف قدم بڑھا سکتے ہیں۔ آج کل کے ہندوستان میں تقریباً ۷۰ فی صد آبادی ۳۵ سے کم عمر کی ہے۔ ہندوستان ایک جوان ملک ہے اور آئندہ صدی کی طرف حوصلہ مندانہ نگاہیں ڈال رہا ہے۔"

تجزیئے کے دوران ہر مرحلے میں ہماری حکمتِ عملی کو نشان سے گھٹا ہوا پایا اور اس لئے اسے پھر سے تشکیل دیئے جانے کی ضرورت پر ملتفت کرتے ہوئے وزیرِ اعظم نے کہا:

"ہمیں تعمیرِ نو کرنا ہی ہے لیکن اس روایتی طرز پر نہیں جسے ہم نے اختیار کر رکھا ہے۔ اس طرزِ تعمیر کے طور طریقوں نے ہمیں کافی مشغول رکھا بھاری بھرکم بالائی حصوں کے ساتھ ہمیں باندھ دیا، ہم جس کے انجام دینے کے اب متحمل نہیں ہو سکتے۔"

چونکہ وزیرِ اعظم کا خطاب جوانوں سے تھا۔ اس لئے انہو[ں] نے اس موقع کو مناسب جان کر جوانوں سے اپیل کی کہ وہ متحدہ ا[ور] طاقتور ہندوستان کی تعمیر کے لئے پُرجوش انداز میں پوری طر[ح] جٹ جائیں۔ آپ نے سلسلۂ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فر[مایا]: "جیسی تعمیر ہم آج کریں گے، مستقبل بھی ویسا ہی ہ[وگا]۔ ہم ایک ساتھ مل کر ایسے ہندوستان کے لئے تعمیر کریں گے [جو] ۲۱ ویں صدی کا ہوگا۔ ہم ایک ساتھ اور ایک جان ہو کر وہاں و[ہاں] تبدیلی کریں گے جہاں جہاں تبدیلیوں کی ضرورت ہوگی۔ ہم ای[ک] ساتھ تمام حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے، تمام رکاوٹوں کو دو[ر] کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔ ہم ایک ساتھ مل کر ایس[ا] ہندوستان بنائیں گے جو طاقتور، دانش مند اور عظیم الشا[ن] ہوگا — جو امن و امان اور تحمل و برداشت کا روشن منارہ ہوگا

میرے خیال میں جس چیز نے شری راجیو گاندھی کو ایک محبوب ہیرو کا درجہ عطا کیا اور ہندوستانی جوانوں کا ایک عظی[م] رہنما بنا دیا، وہ چیز ان کے وہ الفاظ ہیں جو سبھوں کے ایک ہونے پر زور دیتے ہیں اور سبھوں کو ایک شریک کار کی حیثیت سے کام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور جو الفاظ بے ساختہ ا[ن] کے دل کی گہرائیوں سے نکلتے ہیں لہٰذا اس پر تعجب نہ کرنا چاہئے کہ ہندوستان کے جوان وزیرِ اعظم کی مثالی شخصیت اور طرزِ کلا[م] پر دل و جان سے ملتفت ہوتے ہیں۔

جوانوں کی طاقت کی تنظیم

ظاہر ہے کہ وزیرِ اعظم کی دلی خواہش ہے کہ وہ ا[س] عظیم ملک کی جوان طاقت کو اس طرح منظم کر دیں کہ ہندوستا[ن] کامیابی کے ساتھ آئندہ صدی میں داخل ہو لیکن ایسا کرتے ہوئے وہ اس بات میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے کہ جوان ان معاملات [کا] خود بھی تنقیدی جائزہ لیں۔ میرے خیال میں ہر جوان کو اس قسم کی باتیں جو سب سے اعلیٰ عہدے دار کی طرف سے کہی جاتی ہیں پسند آتی ہوں گی۔ پھر شری راجیو گاندھی کی یہ نمایاں خصوصیت ہ[ے]

ہے کہ وہ ہندوستان کی موجودہ ترقی کی خوشنما اور غیر حقیقی تصویر پیش کرنے سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ ساتھ ہی وہ جوانوں کو اُن بے مثل قربانیوں کی آگاہی دینے سے گریز نہیں کرتے جو ہندوستان کی قبل ازیں نسل نے آزادی کے حصول کے لئے دی اور انہیں نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنے اس شاندار ماضی کو فراموش نہ کریں۔

اس سلسلے میں اُن باتوں کو دہرانا برمحل ہوگا جنہیں وزیر اعظم نے لال قلعہ کی فصیل سے ۱۵ راگست ۱۹۸۵ء کو یوم آزادی کے موقع پر قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا :

"اڑتیس سال قبل اس لال قلعہ سے پنڈت جواہرلال نہرو نے پہلے پہل ترنگا لہرایا تھا۔ اندراجی کو آج یہاں ہونا چاہیئے تھا لیکن انہیں ہم سے چھین لیا گیا۔ اب یہ کام میرے کندھوں پر آپڑا ہے۔ آزادی کی تحریک میں نے نہیں دیکھی۔ جب یہاں ترنگا پہلے پہل لہرایا گیا تھا اس وقت میں صرف تین برس کا تھا۔ آج ہندوستان کے دو تہائی لوگ میری ہی طرح ہیں جنہوں نے جنگِ آزادی میں حصہ نہیں لیا۔ ایک نئی نسل سامنے آگئی ہے۔ جنگِ آزادی اسی طرح ہماری میراث ہے جس طرح ہندوستان کے ہمالیہ، گنگا، دکن کے میدان، اجنتا، تاج محل اور مہابلی پورم نیز تمام فنون، فلسفہ اور سائنس ہیں۔

کون ہے جو گوتم بدھ، کبیر، نانک اور گاندھی جی کا خیال آتے ہی فخر محسوس نہ کرے؟ جب ہمیں اپنے جنگِ آزادی کے سورماؤں کی قربانیوں کا خیال آتا ہے جنہوں نے سچائی اور عدم تشدد کی نئی راہ پر چل کر جنگِ آزادی کو کامیابی سے دوچار کیا تو ہم کس قدر فخر محسوس کرتے ہیں۔"

ہمیں وزیر اعظم کی حالیہ تقریر کے ذریعے جو انہوں نے ۴ رنومبر ۱۹۸۵ء کو دہرادون میں ڈون اسکول کی سنہری جوبلی کی تقریب کے موقع پر جس سے وہ خود بھی ایک طالبِ علم رہ چکے ہیں، کی تھی جس سے ان کے خیالات کی گہرائیوں کی شاذونادر عیاں ہونے والی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ایک سوال پیش کرنے کے بعد، آیا صرف جدید ٹیکنالوجی ہی بنی نوع انسان کے لئے باعث خوشی ثابت ہوئی ہے۔ وزیر اعظم نے فرمایا کہ ٹیکنالوجی کی جانب یک طرفہ دوا دوش، ترقی یافتہ ممالک میں کئی پیچیدہ مسائل پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے ہندوستان کے نظام تعلیم کی مکمل طور پر اس طرح از سرِنو تعمیر کا مشورہ دیا کہ وہ ہندوستانی سماج کی اندرونی خصوصیات سے طاقت حاصل کرسکے اور اس قابل ہو کہ کسی بھی موجودہ ملک کی تقلید نہ کرے۔

وزیر اعظم کے اس قسم کے دانشمندانہ اور ہمت افزا [خیالات] انہیں ہندوستان کے ہر جوان شخص کا فطری دوست فلسفی [اور] رہنما بناتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا قدرت نے ہند[وستان] کے جوانوں کی دعا سُن لی کہ وہ انہیں ایک ایسا جگمگاتا ہوا [دماغ] اور فداکار ہیرو عطا کرے جو اس قدیم ملک کی رہنمائی کا [فریضہ] بہترین طور پر انجام دے۔

شرح خریداری
قومی راج

سالانہ : .. .. .. دس روپے
۲ سالہ : .. .. .. بیس روپے
۳ سالہ : .. .. .. ۲۷ روپے
۴ سالہ : .. .. .. ۳۶ روپے
۵ سالہ : .. .. .. ۴۵ روپے

چندے کی رقم اسسٹنٹ ڈائرکٹر (ایڈمنسٹریش[ن]) ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشن[ز] گورنمنٹ آف مہاراشٹر، بیرک نمبر ۱۹، مقابل سرودے بلڈنگ، نزد من[ترالیہ] بمبئی ۴۰۰۰۲۹ کے پتے پر بھیجی جائے او[ر چندے] کی رقم و قومی راج کی وصولی کے بارے میں خط وکتا[بت] مذکورہ پتے پر ہی کی جائے۔ (ادارہ)

"بین الاقوامی سالِ نوجوانان" کے پروگرام کے ضمن میں

وزیرِ تعلیم، پروفیسر رام میگھے کا خصوصی اِنٹرویو!



پروفیسر رام میگھے

سوال :- "بین الاقوامی سالِ نوجوانان" کے ماتحت ہونے والے پروگراموں کی وجہ سے نوجوانوں میں نئے احساسات، نئی خود اعتمادی اور حوصلہ پیدا ہوتا دکھائی دینے لگا ہے۔ خصوصاً بھارت کے وزیرِ اعظم کی، جوان ہوتے ہوئے بھی، نہایت مختصر عرصہ میں، ان کی قیادت کی پوری دُنیا میں (بین الاقوامی) سطح پر سراہنا کی جارہی ہے۔ جب شری پنڈت جواہر لال نہرو کا بھارت کی سیاسی دُنیا میں نزول ہوا۔ اس وقت ہندوستانی، نوجوانوں میں، نوعمروں میں، اور طلباء میں ایک نئے جوش اور مقصدیت اور اپنے نصب العین کا تخیل اور تصور بھی جاگا۔ اسی طرح فی الوقت بھی ایسا ہی کچھ وقوع پذیر ہونے جارہا ہے، یوں بعض اہلِ ہوش اور مفکر محسوس کرنے لگے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی رائے کیا ہے؟

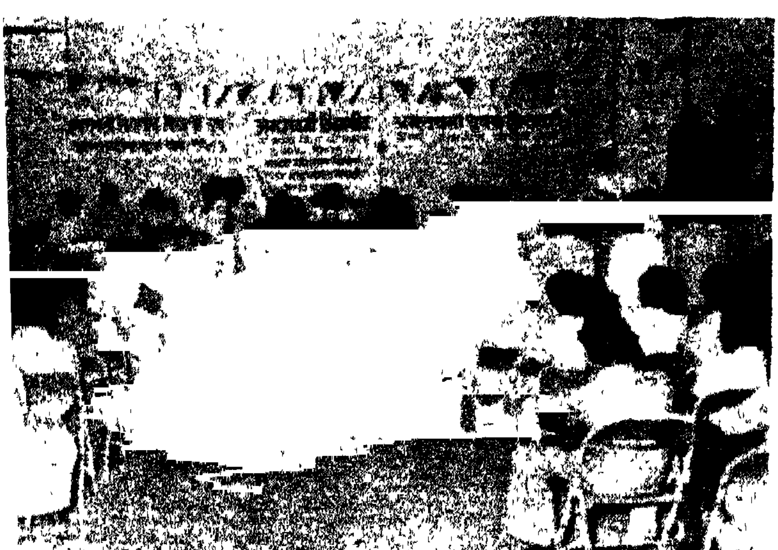
وزیرِ تعلیم :- وزیرِ اعظم کی حیثیت سے شری راجیو گاندھی نے، اپنی حکومت کے مختلف شعبوں میں، اپنے طریقۂ کار کے تعلق سے جو پہلا بیان دیا، جو پہلی درخواست کی، اسی میں، ہندوستان میں تعلیمی نظام کی تجدید اور ترقی کا اپنا جو ارادہ اور منصوبہ پیش کیا، اسی لمحہ سے نوجوانوں میں ایک تازہ اُمنگ اور جوش پیدا ہوگیا ہے۔ میرا یہی خیال ہے۔ آج کا تعلیم یافتہ نوجوان، خود ہی ناکامی، مایوسی، اور بے روزگاری کا شکار ہوا جارہا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی تعلیم پر، بے پناہ خرچ کے باوجود، یہ تعلیم، نہ اس کے خاندان کے لئے اور نہ ملک کی ترقی میں کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ ایک نوجوان دل کا یہ

درد، نوجوان راجیوجی نے پہچانا اور اسی [illegible] اُنھوں نے اپنے طریقۂ کار کے تعلق سے اپنے پہ[illegible] ہی بیان میں، تعلیم سے متعلقہ منصوبوں میں آ[illegible] والے وقت کے تقاضوں کو محسوس کرکے، نظا[illegible] تعلیم میں مناسب اور کارآمد تبدیلیاں پیدا کر[illegible] کا اعلان کیا۔ ملک کی ترقی کے منصوبوں میں تعلیمی مسائل کو ترجیح دینے کا فیصلہ کرکے اور یہ [illegible] شعبۂ تعلیم سے اور قومی ترقیات کے مختلف شعب[illegible] سے تعلق رکھنے والے مفکروں سے مباحثہ کرکے اور ہر مطمحِ نظر پر غور و فکر کرکے، سنہ ۱۹۸۶ء کے تعلی[illegible] سال کے عین ابتدا سے ہی، معینہ منصوبوں پر عم[illegible] درآمد کرنے کا اعلان کرنے سے اور اپنے التواء م[illegible] پڑے ہوئے مسائل کی طرف دل کی گہرائیوں سے توجہ دینے والا یہ نوجوان وزیرِ اعظم ہے، یہ اعتما[illegible] نوجوان نسل میں فی الفور پیدا ہوگیا ہے۔

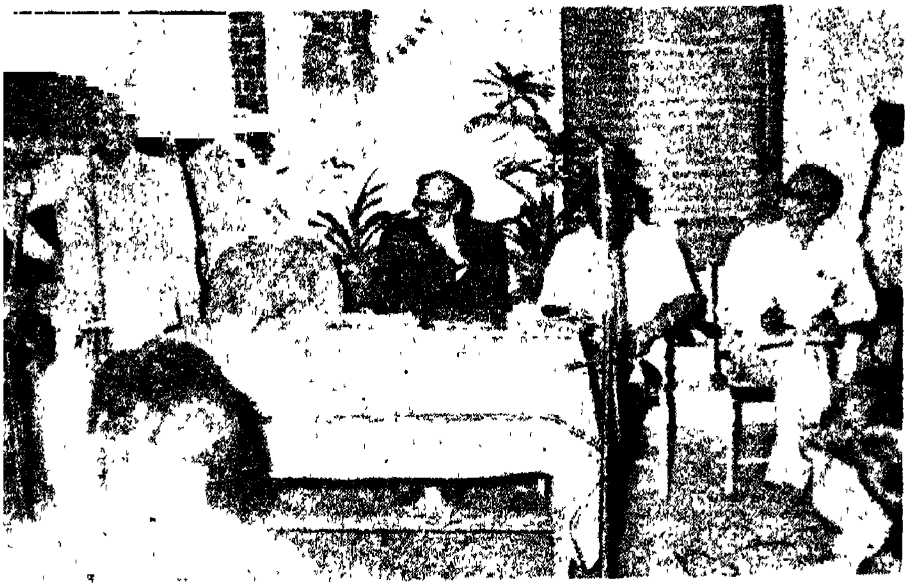
گزشتہ چند مہینوں میں، میں نے، مہاراشٹ[illegible] کے بیشتر اضلاع کا دورہ کرکے تعلیم کی تجدید اور تر[illegible]

کے ضمن میں اساتذہ، والدین، ماہرینِ تعلیم، تعلیمی اداروں کے نمائندے، اور دیگر عناصر سے، اور بالخصوص نوجوانوں سے تبادلۂ خیالات کیا ہے، اور ان کا ردِ عمل جاننے کی کوشش کی ہے۔ جمہوری نظام میں، زندگی کو چھونے والے اس تعلیمی شعبہ کی تجدید سے پہلے، عوام کی رائیں اور تاثرات جان لینے کا جو راستہ وزیرِ اعظم نے بتایا ہے، اسی کی بنیاد پر جلسے، نشستیں، کانفرنسیں اور سیمیناروں کے ذریعے میں ہر سطح اور ہر طبقہ کے لوگوں سے، رابطہ پیدا کر رہا ہوں۔ اس سے میرا خاص اشارہ نوجوانوں کے تاثرات کی طرف ہے۔ ایک طرح سے نیا حوصلہ، نیا جوش، نئی توقعات اُن میں پیدا ہو گئی ہیں۔ اسکولوں، کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے والے نوجوان ہوں یا دیگر، انہیں بالیقین یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ ان کے مستقبل، یا ان کے مقدر کا پوری، اپنائیت اور کاروباری نظریات کے تحت سنوارنے والا وقت اب آنے ہی والا ہے۔ وزیرِ اعظم جس جوش اور حوصلہ کے ساتھ ملک کے مختلف ٹیڑھے مسائل کو، پھر وہ چاہے، پنجاب سے تعلق رکھتے ہوں، آسام سے متعلق ہوں یا بین الاقوامی سطح

پر ہوں، حل کرنے کے لئے منہمک ہیں، اسی
بل بوتے پر نوجوانوں کی زندگی کو ایک نیا رُخ،
موڑ دے دیں گے، یہ توقع اور اُمید نوجوا
میں پھل پھول رہی ہے۔ میں جب جوان تھا، کا
میں زیرِ تعلیم تھا۔ وہ زمانہ مجھے یاد آتا ہے۔ جب
پنڈت جواہر لال نہرو، ہم نوجوانوں کے دیوتا تھے
اُن کی پُرجوش اور حوصلہ مند قیادت نے،
کے پُراثر بیانات اور تقریروں نے اور ان کی
مقصدیت انگیز سیاسی رہنمائی نے ہمارے
کو مسحور کر لیا تھا۔ نوجوانوں کی نسل کو، اپنی زند
کی معصوم اور نازک کتاب سے باہر نکال کر
اعلیٰ خیالات اور عظیم منصوبوں کا اور مستقبل
جائزہ لینے والے خواب انگیز منصوبوں کا جستہ
رغبت پیدا کرنے والی بے پناہ قوت پنڈت
کی گفتار اور کردار میں تھی۔ میں بڑے یقین کے
یہ محسوس کرتا ہوں کہ راجیو جی کی تیز فکر انگیز
پُرعمل اور پیش نظر حالات اور مستقبل کا عمیق
لے کر، کوئی فیصلہ کرنے والی قیادت کی بنا پر
انہوں نے بھارت کی جوان نسل میں نیا جوش
کیا ہے، اور یہ بات بر وقت اور برمحل بین
سالِ نوجوانان کے دوران ہی وقوع پذیر ہوئی



حال ہی میں
بین الاقوامی سالِ نوجوانان
امراوتی یونیورسٹی میں منایا گیا۔



ڈائریکٹوریٹ برائے نشہ بندی (تعلیم) بین الاقوامی سال نوجوانان سیل کے زیر اہتمام بین الاقوامی سال نوجوانان پر ایک سیمینار کا انعقاد پونے میں ہوا۔

یہ بھی ایک خوبصورت اتفاق ہے۔

سوال :— بھارت سرکار نے جس نئے متعینہ تعلیمی طریقۂ کار یا منصوبہ بندی کا اعلان کیا ہے۔ اگر اس منصوبہ بندی کا نوجوانوں کے نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو کیا اس سے وہ مطمئن ہو سکیں گے؟ آپ کا کیا خیال ہے؟

وزیر تعلیم :— نوجوان اس طریقۂ تعلیم اور تعلیمی منصوبہ بندی سے یقیناً مطمئن ہوں گے۔ جیسا کہ میں نے گفتگو کے ابتدا میں کہا ہے۔ نوجوانوں کی ناکامی، مایوسی، بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور آنے والے دور میں بھارت کے اقتصادی، سماجی، تکنیکی، وغیرہ شعبوں کی ترقیاتی اغراض کا بہ نظر غائر جائزہ لے کر ہی وزیر اعظم نے تعلیمی نظام کی تجدید کے منصوبہ کو سب سے پہلا مقام دینے کا اعلان کیا، اور آپ کے اس منصوبہ کا نوجوان طبقہ نے پرجوش خیر مقدم کیا ہے۔ اس کے بعد بھارت سرکار نے متعینہ تجدید تعلیم کے منصوبہ کے اغراض و مقاصد اور نمایاں تفصیلی خاکہ، وسیع غور و فکر اور مباحثہ کی خاطر شائع بھی کیا ہے۔ یہ تفصیلی خاکہ جس صورت میں ہے اسے اسی صورت میں قبول کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ نوجوانوں کی توقعات اور ضروریات کو پیش نظر رکھ کر اسے ترتیب دیا گیا ہے، اور اس سے نوجوان ہر طرح مطمئن اور بہرہ مند ہوں گے۔ میرا یقین ہے۔

سوال :— اسکول، کالج یا کسی بھی آراستہ تعلیمی منصوبہ کا جو نوجوان اور دوشیزائیں فائدہ نہیں اٹھا سکتیں نئے تعلیمی منصوبہ میں ان کا لحاظ رکھا گیا ہے یا نہیں؟

وزیر تعلیم :— ضرور رکھا گیا ہے۔ پوری عقیدت مندی اور اعتماد کے ساتھ۔ جن طلباء / طالبات کو تعلیم درمیان میں ہی منقطع کر دینی پڑتی ہے، جو چھوٹے بچے۔ بچیاں اور نوجوان، دکھاوے کی تعلیم کے بہاؤ میں کسی نہ کسی سبب باہر پھینک دیئے جاتے ہیں۔ جنہیں "ڈراپ۔آؤٹ" Drop-Out اس نام سے پہچانا جانے لگا ہے۔ ایسے طلباء اور طالبات کی تعداد تقریباً چوہتّر فیصد ہے۔ یہ ہمارے تعلیمی نظام کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ نئے تعلیمی منصوبہ میں ابتدائی۔ پرائمری اور پرائمری تعلیم کے بنیادی نقطہ سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک تمام پہلوؤں پر مکمل طور پر غور و خوض کیا گیا ہے۔ موجودہ، آج کے ہندوستان کی اور تیزی سے اکیسویں صدی کی طرف بڑھنے والے ہندوستان کی ترقی پذیر زندگی، شہری جوان، دیہاتی جوان، پسماندہ جوان، کھائیوں۔ گھاٹیوں میں رہنے والا

جوان ، ان سب کو سامنے رکھ کر نیا تعلیمی منصوبہ مرتب کیا گیا ہے ۔ یہ مقصدیت اور کاروباری ضروریات اور لوازمات کو ایک دوسرے سے جوڑنے والا منصوبہ ہوگا اور اس کی بنیاد پر آنے والے دور میں ، اسکولوں ، کالجوں کی تعلیم ، چار دیواری میں مقید تعلیم نہیں ہوگی ۔ "Need-based" ضرورت جس کی بنیاد ہو ۔ یہ ایسا تعلیمی نظام ہوگا ۔ سماج کے مختلف شعبوں کی ضروریات پر غور کرکے ، انتظامیہ اور دیگر شعبوں کے ماتحت ، مختلف سطحوں پر جو مختلف منصوبے زیر عمل ہیں ، ان کے پیش نظر ، قومی زندگی کی لرزہ خیزیاں اور اس کی توقعات اور خواہشات ، جیسے قومی یکجہتی کا مسئلہ ، اسی طرح کے اہم مسائل کے پیش نظر اس تعلیمی منصوبہ پر عمل درآمد کیا جائے گا ۔

سوال :— آج کے بہتر سے نوجوان ، ملازمت کو ہی تعلیم اور زندگی کا عین مقصد تصور کرتے ہیں ۔ آپ اپنے اس تجدیدی تعلیمی منصوبہ کے تحت طالب علم کو کیا نصیحت دینا چاہتے ہیں ۔ آپ کے خیال میں مروجہ تعلیمی نظام اور اس کے نتائج کے مقابلے میں کس درجہ زیادہ مؤثر اور فائدہ مند ہوگا ۔ ؟

دن میں تعلیم :— آزادی کے حصول کو سینتیس سال گزر
تاہم ہمارا نظام تعلیم بڑے پیمانہ پر ، انگریزی د
اس کے اثرات کی تہوں میں رینگتا نظر آتا ہے
بات تسلیم کرنے سے انکار نہیں کی جا سک
انگریز سرکار کو سرکاری امور کی انجام دہی ک
اچھے منتظم اور محرّر چاہیئے تھے ۔ اس مقص
کے حصول کے لئے انہوں نے ویسی ہی درسگا
قائم کیں اور تعلیمی عمارت کی تعمیر کی ۔ اس
کے ہندوستانی سماج کی ، اس طریقہ تعلیم
ترقی کے اِمکانات پائے گئے ۔ تاہم پہلی جنگ
کے وقت سے اس نظامِ تعلیم کی خدیں یا خ
ہم پہ واضح ہونے لگیں ، اسی لئے مہاتما
کی قیادت میں قومی تعلیم کے تجربات کی شرو
ہوئی ۔ حصول آزادی کے بعد ، تعلیمی نظ
تغیر اور تجدید کی جدّوجہد شروع کی گئی ۔ س
کا رادھا کرشنن کمیشن کی یونیورسٹی کی سطح
سے متعلق رپورٹ ، ۱۹۵۲ء کا مدیار کمیہ
ثانوی مدراس کی سطح پر ، تجدید نظام تعلیم
رپورٹ اور بیشتر چھوٹی ۔ بڑی کمیٹیوں کی ، ،



قومی نوجوانان ہفتہ کے دوران شجرکاری پروگرام کا انعقاد کیا گیا ۔



۶۔ نئے قومی تعلیمی نظام کے ریاستی سطح پر
پہلا پریشد کا افتتاح وزیر تعلیم پروفیسر
رام میگھے کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس موقع پر
رہنمایانہ تقریر کرتے ہوئے پروفیسر رام میگھے
نظر آرہے ہیں۔ اس تصویر میں ان کے ساتھ
شکشن سنچالک شری دی۔وی۔ چپلون کر، ریاستی
وزیر شریمتی رجنی ساتو، شریمتی دمنتی بھرتار
وغیرہ شخصیتیں بھی نظر آرہی ہیں۔
(پونے ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۵ء)

اور ریاستی سطح پر تعلیمی رپورٹیں اور پھر اس کے
بعد کی اہم کوشش یعنی ۶۶-۱۹۶۴ء کی کوٹھاری کمیشن
کی رپورٹ یہ ہے آج تک کی کوششوں کی مختصر
سی تاریخ۔ لیکن ان رپورٹوں کے ماتحت جو عملی
کوششیں ہوئیں۔ ان کے ذریعے ہندوستانی
سماج میں اور نوجوانوں کی زندگی میں، بنیادی تبدیلی
کا طریقہ خاطر خواہ پیمانہ پر کارآمد ثابت نہ ہوسکا۔
اس پر طرہ یہ کہ پچھلے پانچ سات برسوں
میں، دنیا کی تکنیکی اور سائنسی میدان میں کچھ ایسی
بے پناہ تبدیلی اور ترقی ظہور میں آئی ہے۔ جسے
ہم "الیکٹرونکس اور کمپیوٹر- ایج" کہنے لگے ہیں۔
اس سمت میں ہمارا ملک بھی قدم بڑھا رہا ہے اور
ایسے آثار صاف نظر آنے لگے ہیں، کہ آنے والے
چند برسوں میں اس سلسلہ میں ہماری ترقی کی رفتار
مسلسل تیز ہوتی جائے گی۔ قطع نظر اس کے اگر
بھارت نے ۱۹۸۵ء ہی کے دوران، مستقبل
میں ہونے والے تغیرات کا جائزہ لے کر، تعلیمی میدان
میں، نظام تعلیم میں ترمیم و اصلاح نہ کی تو ملک
اور نئی نسل کے سامنے گمبھیر قسم کے مسائل اٹھ
کھڑے ہوں گے۔ اگر ہم لکیر کے فقیر بنے رہے، تو ہماری
اپنی بے اعتمادی کے لئے آنے والی نسل ہمیں الزام دیئے
بغیر نہیں رہے گی، اور تاریخ بھی ہمیں ہرگز معاف نہیں
کرے گی۔

سوال :- ہر سماج کی اقتصادی اور صنعتی پیداوار

اور کاروبار اور اسی سماج کا تعلیمی نظا
ان کا باہم کتنا گہرا رشتہ ہوتا ہے، یہ با
اس درجہ واضح طور پر، اب سے پہلے۔
نظام تعلیم میں یا اس کی اصلاح کے منصو
میں پیش نظر نہیں رکھی گئی۔ ایسا کیوں؟

وزیر تعلیم :- وزیر اعظم شری راجیو گاندھی نے اس ض
میں جس وسیع النظری کا ثبوت دیا ہے، او
فکر و نظر (Vision) ہمیں دیا ہے۔ اس
لئے ان کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ قو
زندگی کے اقتصادی، صنعتی اور مختلف شعبو
ہمہ جہت ترقی کا ایک ناقابل تقسیم حصہ، ا
اعتبار سے شعبۂ تعلیم کی منصوبہ بندی اور اسی
پایا جانے والا جوش، نیاپن اور تازگی، ان
کی شکل میں جو ایک نیا زاویۂ نظر وزیر اعظم نے ہم

قومی راج

دیا ہے۔ اس کی رہی ایک انقلابی نوعیت ہے۔

سوال :- اعلیٰ ترقی یافتہ تکنیکی تعلیم کو اپنانے کا نیا اقتصادی نظریہ، جسے وزیراعظم نے تقویت بخشی ہے۔ اس کے اثرات، تعلیمی نظام مرتب کرنے، اور اس پر عمل درآمد کرتے وقت کیا ہوں گے ؟

وزیرتعلیم :- اقتصادی اور صنعتی شعبوں میں، ترقی کے لئے بھارت نے اعلیٰ ترقی یافتہ تکنیکی تعلیم کو اپنانے کے لئے، وزیراعظم کی قیادت اور رہنمائی کے مطابق، گزشتہ چند مہینوں میں کچھ ٹھوس قدم اُٹھائے ہیں۔ اس بات کے اور تعلیمی منصوبہ کے مابین پائے جانے والے گہرے رشتہ کو اچھی طرح سمجھ لینا تمام تعلیمی شعبوں کے لئے نہایت ضروری ہے۔ آنے والے دور میں، زراعت، دھندے پیشے، مختلف چیزیں بنانے اور پیدا کرنے والے مختلف شعبے نقل و حمل، تحفظ اور دفاع، تحقیقات و ایجادات، ان تمام شعبوں کی ترقی اور فروغ کے لئے کس قدر اور کس سطح پر تربیت یافتہ انسانی قوت کی ضرورت ہے۔ اس کا جائزہ لے کر، اسی اعتبار سے، مناسب منصوبہ بندی کے ساتھ تعلیمی شعبہ کی عملی کارروائیوں اور نصاب کی اصلاح و تجدید کا فوری کام ہاتھ میں لینا ہے۔ اس کے لئے تعلیمی اداروں کو ضرورت اور منصوبہ کے مطابق اسباب و لوازمات کا ذخیرہ بھی کرنا ہے۔

"پیشہ وارانہ تعلیم"، کو کچھ پہلے تعلیمی مقصد کی شکل میں قبول کیا گیا تھا۔ پھر بھی اسباب و لوازمات کا ذخیرہ کرنے کے سلسلہ میں، ہر طالب علم کے رجحان اور رغبت کو جان کر، اس کی تربیت اور ترقی کی سمت میں ٹھوس کوششیں نہیں کی جا سکیں۔ یہ اور اس طرح کی اور کوتاہیاں دُور کرنے کا ارادہ اور فیصلہ نئے تعلیمی منصوبہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

سوال :- "تعاون، ترقی اور امن"، ان تینوں مخصوص نظریات کے گرد" بین الاقوامی سال نوجوانان"، کا پروگرام مرتب کیا جائے، یو این او نے یہ فیصلہ کیا اور اسی کے مطابق بھارت اور دیگر ممالک میں فی الوقت مختلف صورتوں میں عملی سرگرمیوں کی شروعات کردی گئی ہے۔ یہاں میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ یو۔این۔او نے جب "تعاون، ترقی، اور امن"، ان تین نظریات، کا انتخاب کیا، تب اس انتخاب کے پس پشت کون سا تصوّر کارفرما رہا ہوگا" ؟

وزیرتعلیم :- میں سمجھتا ہوں کہ مختلف ممالک میں ترقی یا[فتہ] اور ترقی پذیر نوجوانوں کے دِلوں کے ہیجان، اور توقعات کو سمجھ کر، یو این او نے مکمل فکرمندی کے ساتھ ہی یہ تین نظریات اخذ کئے ہیں۔ ویتنام کی جنگ کے زمانہ سے امریکہ کے نوجوانوں میں اضطرا[ب] اور بدامنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جس کی جیتی جاگتی تصویر، سب سے پہلے ہپّی تحریک کی شکل میں دُنیا کی نظروں کے سامنے آئی۔ بعدہٗ اضطراب اور بدامنی کی یہی لہر یورپ کے مختلف ملکوں میں پھیلی، اور اسی نے دانشمندوں کو، ماہرینِ تعلیم اور سماج کے سربراہوں کو اپنے ظاہر اور باطن کا جائزہ لینا سکھایا۔ مختلف اداروں کے ماتحت دی جانے والی تعلیم کا روایتی ڈھانچہ اور لائحہ عمل ہر ملک میں تبدیل ہونے لگا۔ دورِ جدید میں، تعلیم، ہر انسان کی پیدائش سے شروع ہونے والا اور بڑھاپے تک جاری رہنے والا ایک مسلسل عمل ہے۔ یہ قبولیتِ عام کا درجہ پانے لگی، اور شعبۂ تعلیم و کاروباری دنیا کے بیچ کی دراڑ جو متواتر تنگ ہو[تی] جاری ہے۔ اسے جوڑنے۔ ملا کر ایک کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ سماج کے مختلف مرحلوں، موڑوں پر ترقی کا جو عمل جاری ہوتا ہے، اس کا ہو بہو عکس تعلیمی کاموں میں برابر دکھائی دینا چاہئے۔ اسی طرح، ترقی کے لائحہ عمل میں، نوجوانوں کو بتا[نا] لگا ہے بہ گاہے، موقع بہ موقع، معاون و مددگار بن کر ان کی شخصیت کو ان کی قابلیت کو اور قوتوں کو فروغ دینا چاہئے۔ اگر ہم نے یہ چیز

قبول نہیں کیا، تو نوجوان نسل میں مایوسی، ناکامی، اکیلا پن اور بے چارگی، غنڈہ گردی جیسے عناصر بڑھتے جائیں گے۔ ایسا خدشہ اور خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔ سرمایہ داری، یا اشتراکیت جیسے کسی بھی نظریے کا حامل کوئی بھی ملک کا اس خطرہ سے محفوظ رہنا نا ممکن تھا۔ آنے والے وقت کے قدموں کے نشانات کو یو۔این۔ او کی سطح پر، تمام ملکوں کے نمائندوں اور سربراہوں نے دیکھا اور پہچان لیا اور یہی وجہ ہے کہ باہمی تعاون اور ترقی جیسے نظریات قائم کئے گئے اور عالمی امن قائم کرنا اور اسے قائم رکھنا، بنائے رکھنا، ہر ملک اور ہر سماج کے تناؤ اور کشمکش کو دور کرنے کے لئے، اگر نوجوانوں کی قوت اور طاقت عمل پیرا ہی تب ہی ممکن ہو سکے گی اسی تصوّر کے پیشِ نظر "امن" یہ اہم نظریہ "بین الاقوامی سالِ نوجوانان" منصوبہ کی خاطر قائم کیا گیا۔ امن اور ترقی کے لئے مرتب کئے جانے والے تمام منصوبوں میں، پُرجوش انداز میں، تعاون کرنے کا جذبہ اور اہلیت کو نوجوان نسل میں منظم طریقہ پر فروغ دینا، ہی "بین الاقوامی سالِ نوجوانان" کا خاص مقصد ہے۔ یہ میرا یقین ہے۔

اسی سال، جیسا کہ میں نے ابتدا میں کہا ہے وزیر اعظم شری راجیو گاندھی نے نظام کی اوّلیت کے ساتھ تجدید کرنے کا اعلان کر کے، ہندوستانی نوجوانوں میں نئے جوش اور امید کا ماحول و حوصلہ کی فضا پیدا کر دی ہے۔ اب آزمائش ہے شعبۂ تعلیم اور نوجوانوں کی تعمیر اور تقدیر سے تعلق رکھنے والے تمام عناصر کی۔ ان نوجوانوں کو، علم اور تعلیم کی منزل کے ان مسافروں کو جو زادِ راہ ہمیں دینا ہے، وہ ان کے اگلے سفر کے لئے، اسی طرح ملک، اور بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے، اعلیٰ قسم کا اور مستقل ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے متعینہ نظریات اور ارادوں کو تکمیل پہنچانے والے فیصلے کی اگر لامحالہ کوئی ضرورت پیش آ بھی گئی تو بھی ہمارے شہر میں پائے جانے والے والدین، اساتذہ، تعلیمی ادارے علم اور تعلیم سے محبت کرنے والے عوام، مکمل اتفاق اور اتحاد کے ساتھ ایسا ہی فیصلہ دیں گے، یہ میرا اعتماد ہے۔ طرزِ جدید کی اسی کسوٹی پر پہنچانے۔ پڑھنے، والی تعلیم کے زوردار اور روشن منصوبہ کو جیسا بروئے کار لایا جائے گا۔ عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ تبھی آج کی جواں نسل، آنے والے دور کے ہر چیلنج کو پوری ہمت اور حوصلہ کے ساتھ قبول کر کے، پُر امید انداز میں آگے بڑھے گی۔

یہ ہم سب کی تمنا ہے۔ "بین الاقوامی سالِ نوجوانان" کے پروگرام کا تاریخ کی اگلی راہوں اور آگے سفر پر، ایک گہرا، مستقل اور ابدی نقش ہو۔

●●

مترجمہ

مسز اسانہ قاسمی

ضروری گذارش! رقم روانہ کرنے والے حضرات سے

منی آرڈر کوپن پر اپنا نام، پتہ اور چندہ نمبر ضرور تحریر فرمایئے۔ عموماً منی آرڈر کوپن پر لوگ اپنا نام و پتہ نہیں لکھتے جس کی وجہ سے شکایتی خطوط آنے پر کافی چھان بین کے بعد پرچہ جاری کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اگر کوپن پر ہی پتہ تحریر ہو تو قومی راج فوراً جاری کر دیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

राज्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

جوان قوت پر سماجی پابندی ہونی چاہیئے

شری وجے سنگھ موہتے پاٹل وزیر برائے اسپورٹس اور بہبودی جوانان سے شری آر۔ پی جوشی، سب ایڈیٹر نے انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو جوانوں کے بین الاقوامی سال کی روشنی میں لیا گیا تھا۔



شری وجے سنگھ موہتے پاٹل

سوال : ہم گذشتہ جنوری سے جوانوں کا بین الاقوامی سال (آئی۔وائی۔وائی) منا رہے ہیں۔ آخر انٹرنیشنل یوتھ ایئر (آئی۔وائی۔وائی) یعنی جوانوں کا بین الاقوامی سال منانے کا مقصد کیا ہے؟ ادارہ اقوام متحدہ (یو این او) کا خاص رول کیا ہے؟

جواب : یو۔این۔او نے ۱۹۸۵ء کو جوانوں کے بین الاقوامی سال کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا ہے اور اس کا تعلق چند بین الاقوامی امور سے ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے اثرات نہایت تباہ کن تھے۔ اس نے امن اور خوشحالی کے لئے تمام دنیا کو متحد کرنے کی زبردست لگن پیدا کردی. سائنسی اور صنعتی ارتقاء کے باعث دنیا اس طرح باہم میل جول رہی ہے کہ اس سے پہلے کبھی ممکن نہیں تھا۔ اس میل جول نے باہمی خوش فہمی پیدا کی نیز ایک دوسرے کے بارے میں نامناسب خوف کو بھی راہ دیا۔ دورِ حاضر کے سائنسی رجحانات نے نئے خیالات، قدروں اور ثقافت کو جنم دیا۔ سیاسی، سماجی اور ثقافتی زندگی میں مسابقت داخل ہو چکی ہے جس کے اثرات دوررس ہوں گے۔ یہ تبدیلی اتنی تیزی سے پیش آرہی ہے کہ اب سے بیس سال بعد زندگی کا دھارا بنیادی طور پر بدل جائے گا۔

سوال : لیکن اِن بدلتے ہوئے حالات اور جوانوں میں باہمی رابطہ کیا ہے؟

جواب : ان دونوں کے درمیان یقینی طور پر باہمی رابطہ ہے۔ تبدیلی کی تیز رفتاری نے نئی ذمہ داریاں پیدا کر دی ہیں۔ چونکہ جوانوں کو جو آبادی کا ۳۲ فی صد ہیں، تیزی کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات کا سامنا کرنا ہے، وہ بہت اہمیت اختیار کر لیتے ہیں۔ بین الاقوامی جوانوں کے سال کا مقصد یہ ہے کہ جوانوں کو ان نئی ذمہ داریوں اور نئے سماجی طور طریقوں کی آگاہی دی جائے اور سماجی پابندیاں عائد کرکے



شریمنت، دگڑو سیٹھ حلوائی گنپتی ٹرسٹ کے ماتحت، کونڈھوا کے مقام پر دیو داسیوں کے بے سہارا بچوں کے لئے قائم کئے گئے "بال سنسکار کیندر" کا افتتاح، مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات شری وٹھل راؤ گاڈگل کی صدارت میں مہاراشٹر کے وزیر زراعت شری دیجے سنگھ موہتے (ریاستی وزیر زراعت) کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ تصویر میں معزز وزیر بچوں سے باتیں کرتے ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ٹرسٹ کے صدر شری پرتاپ راؤ گوڈسے اور شری الہاس راؤ کارڈوکھے ایم۔ایل۔اے نظر آرہے ہیں۔
(پونے ۲۰ر اکتوبر ۱۹۸۵ء)

ایک خوش حال مستقبل کی تعمیر کی جاسکے۔

: کیا آپ کے خیال میں جوان اتنے قوی ہیں کہ وہ اس ذمہ داری کو بخوبی سنبھال سکیں ؟

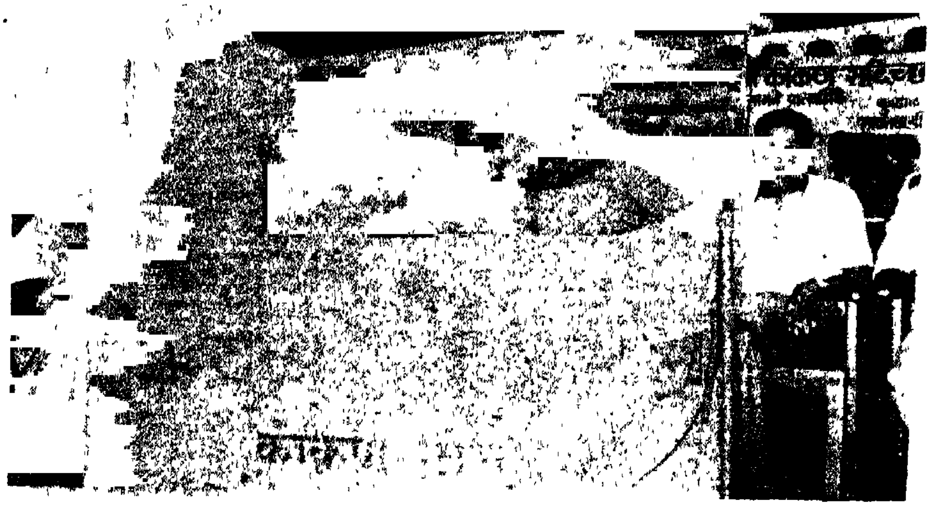
: یقیناً جوان اس ذمہ داری کو سنبھالنے کے قابل ہیں۔ ہمارے محترم وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کی وہ تقریر جو انہوں نے جنرل اسمبلی میں کی تھی، اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ جوان مستقبل کی دنیا کے بارے میں کیسا محتاط ہے۔ سوامی وویکانند جو قوم کی تعمیر میں جوانوں کی طاقت کے بارے میں مطمئن تھے۔ ۱۲ر جنوری کو پیدا ہوئے تھے اور یہ بات نہایت موزوں ثابت ہوئی کہ جوانوں کے بین الاقوامی سال کا افتتاح محترم وزیر اعظم کے ہاتھوں سوامی کی یوم پیدائش پر عمل میں آیا۔

: جوانوں کے بین الاقوامی سال کی ہمارے ملک میں اور خاص طور پر مہاراشٹر میں کیا اہمیت ہے ؟

جوانوں کے بین الاقوامی سال کی ہمارے ملک میں بڑی اہمیت ہے۔ اگر ہم تاریخ کے اوراق کی مختصراً ورق گردانی کریں تو ہمیں اس بات کے کافی ثبوت ملیں گے کہ جوان قوت کس قدر مضبوط تھی اور اس کے تعمیری اقدامات نہ صرف تعمیرِ قوم کے سلسلے میں بلکہ بین الاقوامی مفاہمت کے میدان میں کتنے اہم اور فیصلہ کن تھے۔ گذشتہ سال محترم وزیر اعظم شری راجیو گاندھی نے قوم سازی کے نئے تصورات پیش فرمائے تھے اور اتحاد کی جانب جوانوں کی پیش قدمی کس قدر برجستہ تھی۔ جوان قوت کا اندازہ اس پر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جس عمدگی کے ساتھ محترم شری راجیو گاندھی نے جس اعتماد کے ساتھ مختلف مسائل پر توجہ دی اور پیچیدہ قومی مسائل کو حل فرمایا۔ اس کا گہرا اثر جوانوں نے قبول کیا۔ موجودہ نسل یقینی طور پر تعمیرِ قوم کے سلسلے میں جوان طاقت کی قدر و قیمت جانتی ہے۔

وزیر اعظم شری راجیو گاندھی ملک کی رہنمائی اس عزم کے ساتھ کر رہے ہیں کہ وہ ترقی یافتہ ٹیکنالوجی، تحقیق، نئی انتظامی تیکنک اور معاشیات کے اور سماجی اور سیاسی میدانوں میں سائنٹفک طور پر اقدامات کی مدد سے بنیادی تبدیلیاں پیدا کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ انہوں نے پروگراموں کے عمل درآمد پر زور دیا ہے اگر ہم ملک میں مطلوبہ تبدیلیاں لانے کے خواہش مند ہیں تو جوان قوت متحد ہونا ہوگا۔ اگر ہم نئے ریکارڈ توڑ دینا چاہتے ہیں اور نئی تہ پیدا کرنے کے خواہش مند ہیں تو جوانوں کو ان کے اندرونی قوتوں سے آگاہ کرنا ہوگا۔ جوانوں کے بین الاقوامی سال اس باب میں چند کوششیں شروع کر دی گئی ہیں۔

سوال : مہاراشٹر کے پیشِ نظر سالِ نوجوانان کی اہمیت کیا ہے؟
جواب : ایک بات خصوصی طور پر کہنی ہے کہ مہاراشٹر ہمیشہ سے ہی ہر ترقیاتی مہم میں آگے ہی رہا ہے۔ اس کا بنیادی



"کوکن اسپورٹس"
میں حصہ لینے والے
افراد

سبب یہ ہے کہ مہاراشٹر کو ہمیشہ ہی جوان لیڈرشپ حاصل ہوتی ہے۔ یہاں کے رہنما ہمیشہ ہی جواں ہمت تھے مہاراشٹر کی جوان قوت نے ہمیشہ ہی قوم کی ترقی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور یہ کام ٹھیک چھترپتی شیواجی مہاراج کے دور سے ہو رہا ہے۔ یہاں کی جوان قوت نے جنگِ آزادی میں بہت نمایاں کام انجام دیا ہے۔ کانگریس کے پرچم تلے یہاں کے سیکڑوں نوجوانوں نے اپنی زندگی آزادی کے حصول کے لئے نچھاور کر دی تھیں۔ اس ماہ دسمبر میں کانگریس اپنی صد سالہ تقریب کا اہتمام کر رہی ہے۔ یہ کتنا خوش آیند اتفاق ہے کہ صد سالہ جشن منانے والی پارٹی کا جنم اسی مہاراشٹر میں بمقام بمبئی ہوا تھا۔ اس سال ریاست مہاراشٹر اپنی تشکیل کا جشنِ سیمیں منا رہی ہے۔ ہمارے لئے یہ صحیح موقع ہے کہ ہم کی گئیں ترقیات اور آئندہ کی جانے والی ترقیات کا ایک جائزہ لیں۔ ہمیں میلوں دور اپنی منزلِ مقصود کی جانب کوچ کرنا ہے اور صرف یہی نوجوان نسل ہمیں اس منزلِ مقصود تک پہنچنے میں مدد دے سکتی ہے۔ یہ ایک اہم موقع ہے اور ہمیں نوجوانوں کی قوتوں کو سمیٹنا ہے تاکہ اس سالِ نوجوانان میں وہ مزید باعمل بن سکیں۔

سوال : صحیح تعداد کتنی ہے؟

جواب : ۲۰ کروڑ ہے جس میں سے ۵٪ اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والے طالب علموں کی ہے۔ باقی کے یا تو زیر تعلیم ہیں یا بے روزگار ہیں۔ دیہی علاقوں میں بے روزگاروں کی تعداد زیادہ ہے۔ ایک اندازے کے مطابق سنہ ۱۹۹۰ء میں بے روزگاروں کی تعداد ۵۰ لاکھ ہو جائے گی۔ ہمیں ان تمام بے روزگار نوجوانوں کے لئے روزگار مہیا کرنا ہے یہ تمام افراد کو براہِ راست یا کسی اور طریقے سے پیداواری کاموں میں لگایا جائے اور قوم کی تعمیر کے دھارے میں انہیں بھی استعمال کیا جائے۔ اس کام پر بین الاقوامی سالِ نوجوانان کے دوران زور و شور سے عمل در آمد کیا جائے گا۔

سوال : آزادی سے قبل نوجوانوں کا اقتدار سماجی اور قومی پابندیوں کا مرتکب تھا جبکہ کہا جاتا ہے کہ آج یہ بات بالکل نہیں رہی؟

جواب : یہ تنقید وہ لوگ کرتے ہیں جو کہ آزادی کے بعد کی پیداوار ہیں۔ میرے خیال میں تو اس تنقید کی کوئی بنیاد نہیں۔ اس قسم کی تنقید کرتے وقت ہم وقت کو بھول جاتے ہیں۔ آزادی سے قبل نوجوانوں کے سامنے آزادی حاصل کرنے کا مقصد تھا اور نوجوانوں کی طاقت اکٹھا ہو گئی تھی۔ اس زمانے میں نہ تو نوجوانوں نے دوسرے شعبوں میں اپنے اقتدار کا اثر ڈالا۔ اور نہ ہی اس کے لئے ان کے پاس کوئی گنجائش تھی مگر آزادی کے بعد حالات بالکل بدل گئے ہیں۔ پنچایت راج کی وجہ سے نوجوانوں کی طاقت و اقتدار کا آغاز ہوا۔ جیسے ۲۰۔ ۲۵ سال ہو گئے ہیں اور نوجوانوں نے سماجی، سیاسی اور ثقافتی شعبوں میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ آج نوجوان تعلیم، سماجی تحقیق



دفاع، کامرس میں آگے آگئے ہیں جبکہ آزادی سے قبل اس کا ماحصل محض جدوجہد آزادی تک محدود تھا۔ آج یہ بات نہیں رہی مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ نوجوانوں کو اپنے ملک سے محبت نہیں رہی۔ آج جبکہ تمام شعبے ترقی کی راہ پر گامزن ہیں اور یہ ان تمام شعبوں پر نوجوانوں کا اقتدار ہے۔ آج ملک ترقی کر رہا ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ اس سلسلے میں مزید تیز رفتاری کی ضرورت ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

: بین الاقوامی سالِ نوجوانان، کے موقع پر نشے سے پاک طرزِ زندگی کو مہاراشٹر میں بہت اہمیت دی جا رہی ہے کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ نشے کی لت نوجوانوں میں سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے ؟

: نرکوٹکس اور نشہ آور ادویات کا نوجوانوں کی زندگی پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اسی عمر میں نشے کی لت پڑتی ہے۔ ناامیدی کا نتیجہ ہے یا سماجی ناانصافیوں کا مگر ساتھ ہی ساتھ اس بری عادت سے اسی عمر میں چھٹکارا بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اگر نوجوانوں کی استعداد و طاقت اس طرح ضائع کر دی جائے گی تو قوم کی تعمیر میں یہ چیز بری طرح حائل ہوگا۔ اس وجہ سے نوجوانوں کو نشے سے پاک زندگی گذارنے کی تلقین کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔

مہاراشٹر راجیہ بال کریڈا مقابلوں کا افتتاح وزیر برائے اسپورٹس شری وجے سنگھ موہتے پاٹل نے مشعل روشن کرتے ہوئے کیا۔ آپ کے ساتھ ضلع کے افسرِ اعلیٰ شری وی۔ پی راجے کریڈا اور لوک سنچالک شری آر۔ ایل پنموڑ گنڈ اور ضلع کریڈا ادھیکاری شریمتی سلیمہ خان نظر آ رہی ہیں۔

دوسری تصویر میں مقابلوں میں حصہ لینے والے کھلاڑی حلف لے رہے ہیں۔

(پونے ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۵ء)

سوال : کیا یہ صحیح ہے کہ نوجوانوں اور خاص طور سے شہری نوجوانوں میں نشے کی عادت بڑھتی جا رہی ہے ؟

جواب : منشیات کا استعمال ضرور بڑھ رہا ہے پھر بھی حالات کنٹرول میں ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ آج کل منشیات کا کاروبار چل رہا ہے نہ صرف مہاراشٹر بلکہ ملک کے ہر بڑے چھوٹے شہروں میں یہی مسئلہ ہے۔ اس کا یہی علاج ہے کہ نوجوانوں کو منشیات کے مضرت رساں نتائج سے خبردار کر دیا جائے اور غیر سماجی عنصر جو کہ منشیات کی تجارت کرتے ہیں انہیں سختی سے دبا دیا جائے۔

سوال : آپ نشے سے پاک طرزِ زندگی کی اہمیت کو کس طرح ثابت کر سکتے ہیں؟ اور تبدیلی لا سکتے ہیں ؟



حکومتِ مہاراشٹر نے آکولہ میں
خواتین اور دوشیزاؤں کے مسائل پر تحقیق
نظری سے غور و خوض کرنے کے لئے، جس
کانفرنس کا انعقاد کیا اس کا افتتاح مشہور و
معروف اداکارہ شریمتی آشا پاریکھ نے کیا۔
انہوں نے خواتین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ
"خواتین کو ہی ایک نئے ثقافتی مہاراشٹر کی
تعمیر کرنی ہے۔"

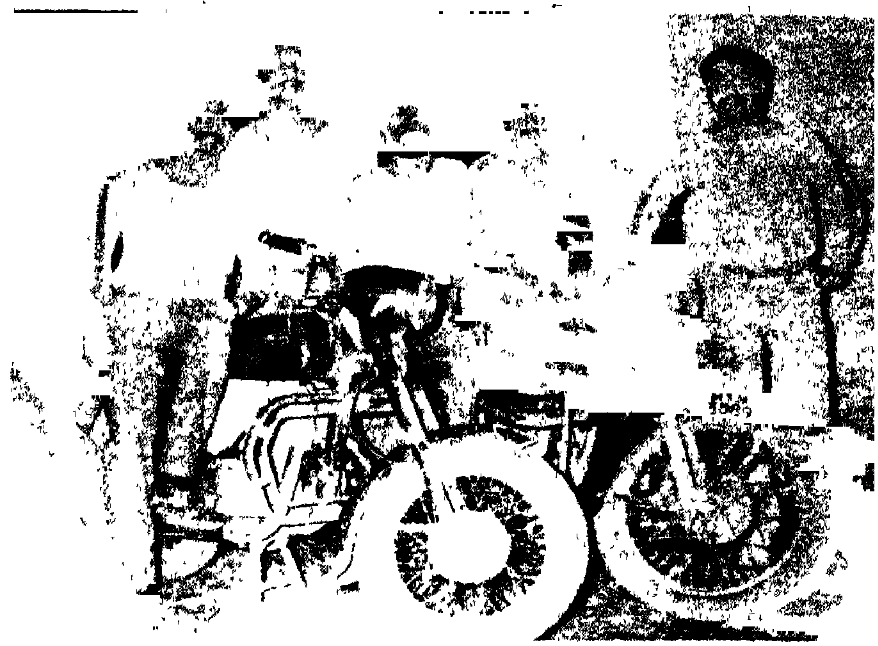
جواب : اس سلسلے میں مہاتما گاندھی جی کے زمانے سے کوششیں جاری ہیں اور ہم نشے سے پاک طرز زندگی کو قائم کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہیں۔ نشے کی لت ایک اچھے انسان کے کردار کو داغدار بنا دیتی ہے۔ انسان کی خوبیاں یکسر ختم ہونے لگتی ہیں۔ نہ تو وہ کوئی فیصلہ اپنے آپ کر سکتا ہے نہ ہی اس میں کسی کام کے لئے پکی لگن اور قربانی کا جذبہ باقی رہ جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ قوم کی تعمیر میں کوئی حصّہ نہیں لے سکتا ہے۔ اس لحاظ سے بین الاقوامی سالِ نوجوانان کی بے حد اہمیت ہے جبکہ اس سال ہی کوشش کی جائے گی کہ نوجوانوں کو یہ تمام باتیں سمجھائی جائیں۔

سوال : آپ دیہی اور شہری نوجوانوں کی طاقت کا کس طرح استعمال کریں گے؟

جواب : دیہی ترقیات کے لئے مواقع بہت زیادہ ہیں۔ اگر نوجوان ہر شعبے میں حصّہ نہ بھی لیں تو کم از کم عوامی رائے کو تو تیار کرنے میں مدد کر سکتے ہیں۔ وہ پیداوار کی سرگرمیوں میں، سماجی باغبانی پروگراموں، خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں میں تو حصّہ لے سکتے ہیں۔ نوجوانان دیہاتوں کو خودکفیل بنانے کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں اور ۲۰-نکاتی معاشی پروگرام کی عمل آوری میں مدد کر سکتے ہیں۔ شہری علاقوں میں نوجوانان غیر سماجی عناصر کے قلع قمع کے لئے سماجی ناانصافیوں کو دور کرنے کے لئے اور جہیز نہ دینے وغیرہ کے سلسلے میں رائے عامہ کو ہموار کرنے میں مدد کر سکتے ہیں

سوال : بین الاقوامی سالِ نوجوانان کے دوران کون کون سے پروگرام وضع کئے گئے ہیں؟

جواب : مہاراشٹر میں کئی پروگرام وضع کئے گئے ہیں۔ گیارہ یونیورسٹیوں کے طلبہ کی شرکت ۸۰۰۰ این سی سی طلبہ اسکول کے جلسے اور صنعتی اداروں کے نوجوان ان پروگراموں میں حصہ لیں گے۔ اس سلسلے میں سیمینار کیمپ مقابلے اور دیگر پروگرام مرتب کئے جا رہے ہیں۔ اس سے یہ تاثر پیدا ہوگا کہ ہر انسان کی اہمیت ہے اور



بین الاقوامی سالِ نوجوانان کے تحت مہاراشٹر کی تہذیب کا تعارف عوام اور نوجوانوں کو ملک گیر سطح پر ہو، اس مقصد کے حصول کے لئے کلیان شہر کے (۱) شری روبیندر پنڈھارکر (۲) یٰسین محمد پٹیل (۳) شری سبھاش مانڈلے (۴) شری وجے ویدیہ اور (۵) جیولیس ڈی سوزا، ان پانچ نوجوانوں کی موٹر سائیکلوں پر ملک کے دورے پر روانگی کے وقت لی گئی تصویر۔

وہ قوم کی تعمیر میں کام آسکتا ہے۔

سوال : سیاست میں نوجوانوں کو کہاں تک حصہ لینا چاہیئے ؟

جواب : میرے خیال میں یہ کہنا کہ نوجوانوں کو سیاست سے علیحدہ رہنا چاہیئے مناسب نہیں ہے کیونکہ سیاست سماجی زندگی کا ایک حصہ بن گئی ہے نوجوانوں کو سیاسی طور پر باشعور ہونا چاہیئے۔ نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ ایسی تحریکات جو کہ تبدیلیاں لانا چاہتی ہیں معاشی اور سماجی طور پر اور جو صرف سیاسی طور پر چلائی نہ گئی ہوں انہیں پہچان سکیں کوئی بھی سیاسی حالات دائمی نہیں ہوتے لہٰذا اس کے اثرات بھی عارضی ہی ہوتے ہیں مگر ان باتوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر مخالف اثرات پیدا کئے جاسکتے ہیں اور ان حالات میں جو سماجی اور معاشی غیر توازن پیدا ہوتا ہے۔ اسے سنبھالنا دشوار ہوتا ہے۔

سوال : نوجوان خواتین بین الاقوامی سالِ نوجوانان میں کہاں تک شریک ہیں ؟

جواب : نوجوان خواتین نے بھی خاطر خواہ حصہ لیا ہے مگر ہمارے ملک میں اب بھی خواتین کافی پیچھے ہیں۔ حالانکہ خواتین ہر شعبے میں شریک ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ کافی ترقی کر گئی ہیں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ہر خاتون ایک ماں بھی ہے۔ اس لئے اس کی ذمہ داریاں بھی زائد ہیں۔ وہی نئی پیڑھی کو سب سے زیادہ متاثر کرسکتی ہے۔ اس وجہ سے ترقی کی راہوں میں اس کا حصہ سب سے زیادہ ہے اور سب سے اہم ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ خواتین کو آزادی دی جائے اور تمام سماجی حقوق سے وہ واقف ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو نوجوان زیادہ فعال بن سکتے ہیں اور میرے خیال میں بین الاقوامی سالِ نوجوانان کے دوران اس موضوع کو زیادہ اہمیت دی جاسکتی ہے۔

مراسلت و ترسیل زر

کے دوران "حوالہ نمبر" (جو آپ کے پتہ یا خط کے اوپر درج ہوتا ہے) اور "پن کوڈ نمبر" ضرور تحریر فرمائیں ۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پتہ صاف صاف لکھیئے بلکہ ہندی، مراٹھی یا انگریزی میں بھی تحریر فرما دیجئے ۔ اِس طرح اندراجات میں آسانی ہوجاتی ہے ۔

रौप्य महोत्सवी महाराष्ट्र
१९६०-१९८५

اسپورٹس سے متعلق مسائل میں نوجوانوں کا بھرپور تعاون ضروری

شری نِکل پاٹل، وزیرِ مملکت برائے یوتھ ویلفیئر اینڈ اسپورٹس سے متعلق مسائلِ نوجوانان پر شری آر۔ آر۔ نیم اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی ملاقات۔



شری نِکل پاٹل

سوال :۔ بین الاقوامی سالِ نوجوانان منانے کے اعلان کا مقصد کیا ہے ؟

جواب :۔ اقوامِ متحدہ نے اپنے تمام ممبران سے یہ اپیل کی ہے کہ سال ۱۹۸۵ء کو بطورِ بین الاقوامی سالِ نوجوانان کے منایا جائے۔ نوجوانوں کی قوت قومی ترقیات کا ایک اہم اور بڑا جزو ہوا کرتی ہے۔ اسی بنا پر اقوامِ متحدہ نے اس سال کو سالِ نوجوانان کے نام منسوب کیا ہے تاکہ ان کی شرکت کو ترقیات اور امن کی جانب گامزن کیا جاسکے۔ ہم نے بھی اقوامِ عالم کی طرح، اس سال کو سالِ نوجوانان کے بطور منانے کا فیصلہ کیا ہے۔

سوال :۔ اس مقصد کے لئے حکومتِ مہاراشٹر نے کیا کیا منصوبے بنائے ہیں ؟

جواب :۔ اقوامِ متحدہ نے اب سال ۱۹۸۵ء کو سالِ نوجوانان کے بطور منانے کا اعلان کیا ہے لیکن حکومتِ مہاراشٹر اس معاملے کی اہمیت سے بہت پہلے سے ہی جانکاری رکھتی تھی۔ ۱۹۷۱ء میں ایک خود مختار ڈائریکٹوریٹ برائے کھیل کود اور فلاحِ بہبود نوجوانان قائم کر دیا گیا تھا۔ اس وقت سے اب تک اس ڈائریکٹوریٹ نے نوجوانوں کی فلاح و بہبود کی خاطر بہت سی اسکیمیں وضع کی ہیں۔ اس ریاست کے رضاکار اداروں کو مختلف سرگرمیوں جیسے، دیہی ترقیاتی اسکیمیں، تعلیم بالغان، جنگل بانی، عطیۂ خون اور طبی تشخیص برائے امراض کے کیمپوں کا اہتمام، چھوت چھات سے نجات، جہیز مخالف مہمات، جنسی تعلیم، قومی یکجہتی کے کیمپوں کا انعقاد، نوجوان مزدوروں کے سیمینار اور نوجوانوں کے پروگرام اور ان کے اجتماع سے متعلق دیگر پروگراموں کو جاری رکھنے کے لئے امداد دی جاتی ہے۔

سوال :۔ کیا اس بین الاقوامی سالِ نوجوانان کے موقع کے لئے خصوصی طور پر کوئی منصوبہ بنایا گیا ہے ؟

جواب :۔ حکومت نے ایک ریاستی رابطہ کمیٹی کا تقرر عمل میں لایا



۔۔۔ خواتین کی کانفرنس میں خواتین اور
۔۔۔وں کی نمائندہ کاری بیماشیلے نے
۔۔۔ پسماندہ طبقہ کی خواتین اور دوشیزاؤں
۔۔۔ حوصلے اور خود اعتمادی کے ساتھ
۔۔۔ قی کے عملی کاموں میں حصّہ لینے کی
۔۔۔ ۔

ہے تاکہ وہ اس سالِ نوجوانان کے منائے جانے کے سلسلے میں پروگراموں کی ایک اسکیم وضع کرے۔ اس کمیٹی کی طرف سے معینہ معیاد کی وضع کردہ اسکیم کو ریاست میں روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ اس اسکیم کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نوجوانوں کے تمام سماجی مسائل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جائزہ لیا جارہا ہے اور یہ کہ تمام ترقیاتی پروگراموں میں نوجوانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو راغب کرنے کی کوشش کرنا ہی اس اسکیم کا عین مقصد ہے۔

۔۔۔ : ۔ لیکن بے روزگار نوجوانوں کے لئے اس اسکیم میں تو کوئی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی ہے؟ کیا آپ کے ذہن میں ان نوجوانوں کی بے روزگاری دور کرنے کیلئے کوئی پروگرام ہے؟

۔۔۔ : ۔ مسئلۂ بے روزگاری تو ایک مہیب شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ حکومت اپنے مختلف محکموں کے ذریعے متعدد روزگار اسکیموں کا آغاز کرتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ اس سالِ نوجوانان کے موقع پر ان اسکیموں کو زیادہ سے زیادہ مشتہر کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں نوجوانوں کی طرف سے ہر قسم کی تجویز کا خیر مقدم کیا جائے گا اور ریاستِ مہاراشٹر کی نوجوانوں کی فلاح و بہبود کمیٹی کی میٹنگ میں یقیناً ان تجاویز پر غور و خوض کیا جائیگا۔

۔۔۔ : ۔ بہت سے نوجوان اس بات کے خواہاں ہیں کہ حکومت مہاراشٹر بھی، حکومتِ کرناٹک کی طرح اپنے دارالحکومت میں ایک ریاستی نوجوان مرکز کا قیام عمل میں لاتے۔ کیا آپ اس مطالبہ پر غور کریں گے؟

جواب : ۔ حکومت نے رضاکار اداروں کو بمبئی میں ریاستی نوجوانان مرکز کی شروعات کی خاطر گرانٹ دینے کے لئے ایک اسکیم منظور کرلی ہے۔ اب تک کوئی رضاکار ادارہ دارالخلافہ شہر میں زمین کی کمیابی کے سبب اس قسم کی کوئی تجویز کے ساتھ سامنے نہیں آیا ہے۔ موجودہ قیمتوں کے مقابلے میں گرانٹ کی رقم ناکافی ہے۔ حکومت تو اس قسم کے مرکز کے شروع کئے جانے کی ہمیشہ سے حامی رہی ہے لیکن یہ تمام معاملات وسائل کی دستیابی پر منحصر ہوتے ہیں۔

سوال : ۔ کیا آپ کے ذہن میں ایسی کوئی اسکیم ہے جس سے مختلف ریاستوں کے نوجوانوں کے مابین تبادلۂ خیالات اور تجربات کی سہولت پیدا کی جاسکے تاکہ قومی یکجہتی کو فروغ حاصل ہو؟

جواب : ۔ نومبر میں قومی سطح کی ایک یوتھ کانفرنس کا انعقاد کیا جارہا ہے۔ یہ کانفرنس نوجوانوں کے مابین تبادلۂ خیالات کے لئے اہم موقع فراہم کرسکتی ہے اور یقیناً یہ کانفرنس قومی یکجہتی کے فروغ کیلئے مددگار ثابت ہوگی۔

سوال : ۔ کیا آپ یوتھ بلیٹن کی اشاعت کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے نوجوانوں کی فلاح و بہبود والی اسکیموں



سے نوجوانوں کو روشناس کیا جا سکے اور نوجوانوں کے مسائل سے متعلق تبادلۂ خیالات میں مدد مل سکے ۔

جواب :۔ یہ ایک قابلِ تعریف تجویز ہے ۔ حکومت نے ایسے جریدے کی اشاعت کے لئے ساتویں پنج سالہ منصوبے میں گنجائش رکھی ہے ۔

سوال :۔ کیا حکومتِ مہاراشٹر کی نوجوانوں کی فلاح و بہبود کے لئے بین الاقوامی سالِ نوجوانان کے دوران جاری کردہ اسکیموں کو صرف اسی سال کے لئے محدود رکھا جائے گا یا آپ ان اسکیموں کو آئندہ برسوں تک جاری رکھیں گے ؟

جواب :۔ قومی تعمیر کے کاموں میں نوجوان کی قوت ایک اہم رول ادا کرتی ہے ۔ حکومت اس قوت کو ایک تعمیری رخ دینا چاہتی ہے اور ہر قسم کے تخریبی کاموں سے ان نوجوانوں کی قوت کو باز رکھنا چاہتی ہے ۔ نوجوانوں کی قوتِ بازو کو تسلیم کرتے ہوئے حکومت نوجوانوں کو یکجا ہونے اور مسلسل کام کرنے کی طرف ہمت افزائی کر رہی ہے تاکہ سماجی، سیاسی اور معاشی حالات بہتر سے بہتر بنائے جا سکیں ۔ ریاستی حکومت اپنی نوجوانوں کی فلاح و بہبود کی اسکیموں کو مستقبل میں بھی جاری رکھے گی درحقیقت یوتھ بلیٹن کی اشاعت ڈویژنل سطح پر یوتھ سینٹر کا قیام اور دوسرے متعلقہ پروگراموں کو ساتویں پلان میں تجویز کیا گیا ہے لیکن ان پروگراموں پر اس وقت تک کامیابی کے ساتھ عمل در آمد نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ نوجوان باعمل اور موثر تعاون پیش نہ کریں ۔ اس لئے میں نوجوانوں سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ پوری دلجمعی کے ساتھ اس پروگرام کا ساتھ دیں ۔

(ترجمہ :۔ عبداللہ)

حکومتِ مہاراشٹر کی طرف سے اکولہ میں منعقد کی گئی عورتوں کی کانفرنس میں مشہور ادیبہ شریمتی گریجا کیر نے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مرد سے چھٹکارا پانے کا نام عورت کی آزادی نہیں ہے بلکہ ہندوستانی تہذیب میں عورت اور مرد کی جس شائی زندگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ عورت کی سچی آزادی ہے ۔

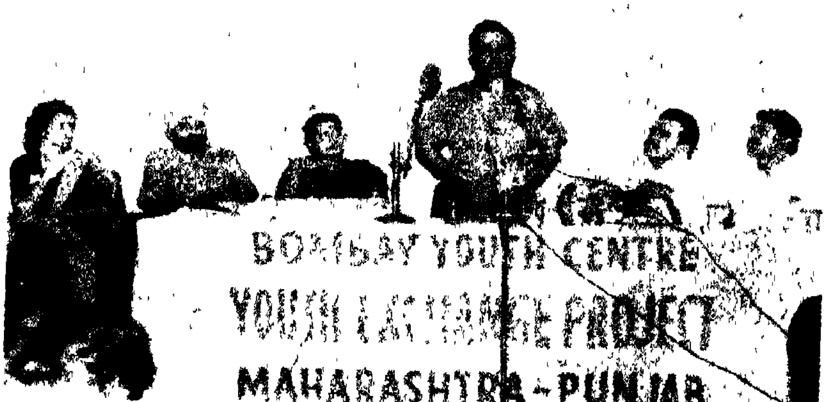
آپ سے گذارش ہے کہ خط و کتابت کرتے وقت یا رقم خریداری بھجواتے وقت اپنا پتہ ، خط اور منی آرڈر کوپن پر صاف صاف لکھیں تاکہ غلطی کا امکان باقی نہ رہے ۔



بسنت راؤ پاٹل، سابق وزیراعلیٰ نے
ییہ نایٹہ مندر بمبئی میں ۱۲ر جنوری کو
ں وویکا نندکی سالانہ برسی کے موقع
وبہبود نوجوانان کے پروگرام کا
ح فرمایا۔



ریاستی وزیر مالیات شریمتی سیلن ڈی سلوا
کے ہاتھوں مورخہ ۳ر نومبر ۸۵ء کو کم بچت
کے محکمہ نے شنمکھا نند ہال میں کم بچت
تقسیم انعامات کا جشن منایا گیا۔ اس موقع
کی تصویر۔



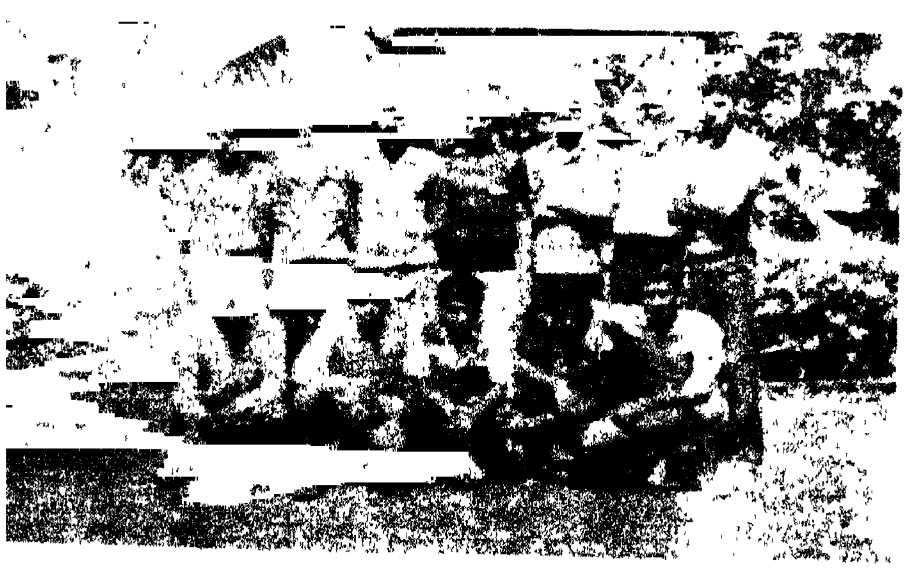
مال ہی میں چلڈرن یوتھ سینٹر کی جانب سے
اراشٹر پنجاب یوتھ ایکسچینج پروجیکٹ کا
ہتمام کیا گیا۔ پروفیسر جاوید خان، وزیر مملکت
ائے تعلیم، اوقاف اور پروٹوکول اس موقع
ر تقریر فرماتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔



شری وجے سنگھ موہتے پاٹل، وزیر برائے کھیل کود اور فلاح و بہبود نوجوانان نے حال ہی میں پونے میں مہاراشٹر اسٹیٹ چلڈرن اسپورٹس مقابلوں کا افتتاح فرمایا۔



ڈائرکٹوریٹ برائے کھیل کود کی جانب سے منعقد کردہ نوجوانوں کی ریلے کا ایک منظر



سری نگر میں منعقدہ ۳۱ ویں قومی اسکول مقابلوں میں "کھو کھو مقابلہ" میں مہاراشٹر کے لڑکوں کی شرکت کا ایک منظر۔



• سُریش ڈیسائی

نئے اقدار کی نسبت سے جوانوں کا رول

ہندوستان کے باشندوں کا چیزوں کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کا طور طریقہ جو گذشتہ دو ہزار سال کے دوران بہت کم تبدیل ہوا ہے۔ اسے صنعتی ثقافت کی آمد سے بنیادی تبدیلیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یورپ کے برخلاف، یہاں تبدیلی کی رفتار اتنی تیز رہی ہے کہ ہندوستان کے باشندے اس کا مقابلہ کرنے سے قاصر رہے اور اس کے نہایت شدید جھٹکے نے لوگوں کی کثیر تعداد کو اخلاقاً، عقلاً اور روحانیتاً شکستہ اور مفلوج کرکے رکھ دیا ہے۔

قدیم سماجی، ثقافتی اور مذہبی اقدار کے درمیان جو خلیج تھی۔ اسے پُر کرنے اور تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کا کام پہلے پہل قدیم زمانے کے اجناس جمع کرنے والوں نے انجام دیا اور پھر ہڑپہ دَور سے پہلے کے آسٹریائی کسانوں نے، پھر دریائے انڈس (سندھ) کے کنارے آباد شہروں کے تاجروں نے، اور آگے چل کر آریائی آباد کاروں کا زمین کی ملکیت پر منحصر سلسلۂ معاش، اور اس طرح کی ملکیت کی بنیاد پر جاگیردارانہ نظام نے انجام دیا۔ گپت دَور کے وقت سے ہندوستانی باشندوں کی اندازۂ قدر و قیمت کے طور طریقہ یا سسٹم کی عکاسی واضح طور پر مہابھارت کی رزمیہ نظموں اور گیتا میں کی گئی ہے۔ جو آج بھی ہندوستانی نفسیات پر بے پناہ اثر رکھتے ہیں۔

کسی معاشرہ کے نظام کی خصوصیت کا گہرا تعلق اس کے پیداواری اور دولت جمع کرنے کے طور طریقوں سے مربوط ہوا کرتا ہے، اور ساتھ ہی پیدا کردہ دولت کی تقسیم کے رنگ ڈھنگ سے بھی، ذریعۂ پیداوار کی نوعیت، اس معاشرہ کے خصوصیت کی نوعیت کا اظہار کرتی ہے۔

ہندوستان کا ذریعۂ پیداوار، موجودہ صدی کے نصف آخر تک غیر متحرک اور سست تھا۔ جس کا مظاہرہ کوشن ٹائپ کے وہ ہل کرتے ہیں جو بہت سے ہندوستانی گاؤں میں اب بھی زیر استعمال اور مروج ہیں۔ اب سے کچھ ہی عرصہ پہلے تک ۸۵ فیصد لوگ دیہاتوں میں رہتے تھے، اور زراعت ان کا ذریعۂ رزق اور وسیلۂ زندگی تھا۔ آج بھی آبادی کا کثیر حصہ ہندوستان کے دیہاتوں میں پھیلا ہوا ہے۔

جبکہ ٹیکنیکل اور سائنسی انقلاب یورپ میں ۱۵ ویں صدی میں شروع ہوا تھا، اور اسی کے نتیجے میں ۱۷ ویں اور ۱۸ ویں صدی کا صنعتی انقلاب ظہور میں آیا۔ ہندوستان کو اپنے زمانۂ وسطیٰ رجحانات اور الگ تھلگ رہنے کی خصوصیت کے سبب مزید تین صدیوں تک انتظار کرنا پڑا۔ تب کہیں جاکر سائنس

اور صنعت کا وجود کسی حد تک محسوس ہونے لگا۔

صنعتی اور تکنیکی و سائنسی تہذیب کو اکثر مغربی، یا یوروپی ثقافت کا اہم عنصر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ تبدیلی پہلے مغرب میں پیدا ہوئی، اور پھر یوروپی تاجروں اور حکمرانوں کے ذریعے ہندوستان پہنچی۔ وہ تبدیلی — جو قیمتوں میں اور قیمت کے طور طریقوں میں رونما ہوئی۔ وہ ان تبدیلیوں کا نتیجہ ہے جو معاشی تعلقات سے متعلق ہیں اور جو پیداوار کے ان نئے طریقوں کے سبب اور پیداوار، اور دولت میں اضافہ کے سبب، نیز ان سب لوگوں کے پھیل کے سبب وجود میں آئی۔ جو دولت پیدا کرتے ہیں" اور اس بناء پر مساوی حصّہ کے طلب گار ہیں۔

جدید پیداواری طور طریقوں کی آمد نے باہمی اقتصادی تعلقات کو کلیتاً الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا، اور اسی کے ساتھ سماجی، اخلاقی اور مذہبی قدریں جن کی بنیادیں قدیم اقتصادی سسٹموں پر تھیں۔ ان تبدیلیوں کی نذر ہوگئیں۔

دنیا اپنی تاریخ میں اتنی تیز پہلے کبھی نہیں دوڑی تھی جتنی تیز اب دوڑ رہی ہے اور ہمارے لئے ضروری ہے کہ وقت کے ساتھ چلیں تاکہ زندگی اچھی بسر ہو۔ اس کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے یعنی یہ کہ نئے نظام کی خصوصیات کو تحفظات کے بغیر گلے سے لگائیں۔

یہ کہنا آسان ہے لیکن کرنا مشکل ہے۔ انسان دوسرے تمام جانوروں کی طرح بنیادی طور پر قدامت پسند ہے اور نامعلوم اُمور کی عادم سلامتی سے دُور بھاگتا ہے۔ اس کے باوجود کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو غیر معمولی جرأت و دور اندیشی کے فیضان سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہمیں زیادہ سے بلندی کی طرف رہنمائی کرتے اور اعلیٰ سے اعلیٰ چیزوں کے حصول کو ممکن بنا دیتے ہیں۔

غیر معمولی ہمت والے یہ لوگ یقیناً وہ جوان ہیں، جو اپنی اختراعی قوتوں سے کام لے کر نامعلوم مستقبل کا سفر اختیار کرتے ہیں اور دشواریوں اور تبدیلیوں سے گزرتے ہوئے ترقی کی طرف قدم بڑھائے چلے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں وہ لوگ جنہوں نے ایک عہد کی مہیب انقلاب انگیزیوں کو طے کر کے دوسرے عہد میں قدم رکھا خون کے آنسوؤں سے تر دامن ہوئے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر آگے بڑھے۔

بدھ، چندرگپت موریہ، آدی شنکر آچاریہ، دیانند، شیواجی، لوکمانیہ تلک انہیں اقسام کے رہنماؤں میں سے تھے۔ تلک اور اگرکر کالج کے طلباء تھے۔ جس وقت انہوں نے اپنے آپ کو قوم کی خدمت کے لئے وقف کرنے کی قسم کھائی۔

آج ہم سماجی و اقتصادی انقلاب اور قدروں کے الٹ پلٹ کے ایسے دور سے گزر رہے ہیں جو کبھی دیکھا اور نہ سُنا۔ قوم کے حوصلہ مند اور دُور اندیش جوانوں کے لئے یہی موقع ہے کہ آگے بڑھیں اور زندگی کے اس خطرناک نشیب و فراز سے سلامتی کے ساتھ نکال لے جانے میں لوگوں کی رہنمائی کریں۔

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے اور چونکہ ہم دیر میں جاگے ہیں اور دورِ جدید کی پکار کو دھیرے دھیرے اپناتے ہیں اس لئے صنعتی انقلاب کی آواز ملک کے کونے کونے میں اب تک نہیں گونجی ہے۔ نئی تہذیب کی روشنی بعض ایسے گوشوں میں بند ہو کر رہ گئی ہے۔ جہاں سے وہ آگے نہیں بڑھ سکی۔ چنانچہ قدیم قسم کے ہل اور زمین بانٹنے کے دوسرے طریقے اب تک ہمارے ملک میں جاری و ساری ہیں۔ جن لوگوں نے نئے تکنیکی و صنعتی دور کو اب تک دیکھا یا اپنایا نہیں ہے۔ قدرتاً وہ انہیں اقدار کو سینے سے چمٹائے ہوتے ہیں۔ جو ان کے پیداواری طور طریقوں کی بنیاد ہیں۔ دوسری طرف بڑے شہری مراکز یقیناً مشینوں کے لائے ہوئے نظام کو پورے جوش و خروش سے خوش آمدید کہیں گے جس کی وجہ سے موجودہ خلیج، نئی اور غیر معروف سماجی بلکہ سیاسی کشیدگی کو جنم دے گی۔ بعض بڑے طاقت ور، بدیسی ملکوں نے ان کشیدگیوں سے حسب منشاء فائدہ حاصل کرنے کی اور اپنے غیر جمہوری منصوبوں کو آگے بڑھانے کی طرف رجحان کا مظاہرہ کیا بھی ہے۔ بعض اوقات یہ کشیدگیاں سخت اور شدید بھی ہوتی ہیں اور ان کی یہ کیفیت باقی رہے گی تاآنکہ صنعتی تہذیب و انقلاب کی گونج ملک کے گوشے گوشے میں پھیل جائے اور آخرکار ایک ملک اور ایک تہذیب وجود میں آجائے۔

ایک تہذیب سے دوسری تہذیب کی طرف تبدیلی کی اس مدت کے دوران جوان مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں کوئی پھولوں کی سیج نہ ہوگی۔ انہیں ملک کے اطراف میں بسنے والے لوگوں کو ان ناگزیر تبدیلیوں کے بارے میں تعلیم دینی ہوگی اور ذہنی طور پر انہیں اس کا استقبال کرنے کے لئے تیار کرنا

ہنیں پیچھے کی طرف مڑنے والے ایسے عناصر سے چوکنا
کا ۔ جو موقع سے فائدہ اُٹھانے کے لئے شامل ہو کر پیشقدمی
ں کی سوئیوں کو پیچھے کر دینا چاہیں گے ۔ جمہوریت، سوشلزم،
نسی مزاج، سائنسی سیکولرزم، پیداواری ذریعوں کا
ں ملکیت میں ہونا، "نئے دور" کا نعرہ ہوگا ۔ لیکن الفاظ
شان ہوں گے ۔ ان کی شکل و شباہت کسی خاص
ظاہر نہیں کرے گی، بلکہ بہادر جوانوں کی جرأت مندانہ
شس ہی ان الفاظ کو کردار کا روپ اور اہمیت عطا کرے گی ۔
لہٰذا اس ملک کے جوانوں سے یہ اُمید کی جا سکتی
یہ ان رکاوٹوں کو دور کریں گے جو سائنٹیفک اور ترقی پذیر
ی طرکے، راستے میں سدِ راہ ثابت ہوں گے ۔ جہاں،
لینا، نفع اندوزی، مجبوروں کی مجبوری سے فائدہ اُٹھانے
سش، ہر قسم کی قدامت پرستی اور جاگیردارانہ نظام
لیے کاربرآری ناجائز اور ممنوع قرار پائیں گی ۔

جبکہ بڑی عمر والوں کو دم دلاسا کے ذریعے اور جھانسا
نی صنعتی قوتوں کے مقابل خاموشی اختیار کرنے پر
ا جا سکتا ہے اور یہ اُمید بھی کی جا سکتی ہے کہ جوان
، بروقت ہمت سے کام لے گی اور ان عناصر کو نئی صنعتی
ی طسے ختم کر دینے کی کوشش کرے گی جنہیں اس سے
، وعداوت ہے ۔ یہ تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب
ختراعی خوبیوں کو بڑھائیں اور جنگ جُویانہ لیڈرشپ
یار کریں ۔ سائنٹیفک فلاسفی کا مطالعہ کریں
یفک نظریہ کا ذوق پیدا کریں اور اس صدی کے بڑے
ں، مثل لینن اور نہرو کی سوانح حیات کا
کریں اور ان سے جوشِ عمل اور اُمنگ حاصل کریں ۔

زبردست حیات آفریں

ہندوستان — جیسا کہ اکثر کہا جاتا ہے کہ ایسی
نا ہے جو حیات بخش ہونے میں بے مثل ہے، اور
ستان کی روایتی تہذیب میں قوت برداشت کی ایسی
سی لڑیاں ہیں جنہیں نئے اور جدید تصورات کے ساتھ
کر ایک اختراعی اور متحرک و پُرجوش سوسائٹی بنایا جا سکتا

....

مثال کے طور پر گیتا میں کاریہ یا کرما پر زور دیا جانا

تلک اور گاندھی جیسے بڑے بڑے لیڈروں میں بہت بڑے بلکہ فوق البشری کارناموں پر سرگرمی کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی تحریک پیدا کی، نئے ماحول میں ہماری رہنمائی بھی کر سکتا ہے یہی بات برہما کے تصوّر کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے جس کا آدی شنکراچاریہ نے وسیع بنیاد پر پرچار کیا ۔ جسے مقدار و تناسب کے لحاظ سے جدید زمانے کی علم طبیعات (فزکس) سے تشبیہ دیا جا سکتا ہے ۔ ہندوستانی روحانیت کی گہرائیوں میں کوئی غیر سائنسی شئے نہیں ہے ۔ روحانیت دوسرا نام ہے اختراعی مادیت کا البتہ جس چیز سے دور رہنا چاہیئے ۔ وہ اس کا کئی گنا توڑ مروڑ کیا جانا اور بیہودگیاں ہیں ۔

نقد معاشیات

صنعتی کلچر، ہمہ جہتی، رشوت ستانی اور نقد معاشیات کی ساری خرابیاں اپنے ساتھ لے آیا ۔ پیسہ اعلیٰ ترین سماجی قیمت حاصل کر چکا ہے، اور وہ پیسہ ہی ہے جو عزت و وقار اور قوت و طاقت کی راہیں ہموار کرتا ہے ۔ اگر آدمی بے زر ہے تو اس کی کوئی قیمت نہیں ۔ اس لئے ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ جس طرح بھی ہو وہ مال دار بن جائے ۔

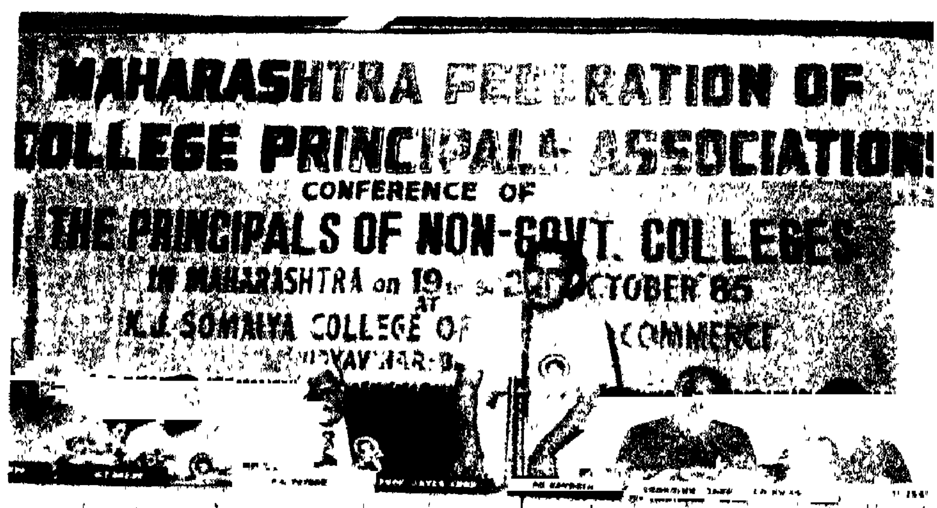
ایک جوان آدمی نے جس کا تعلق ایک بہت بڑے گھرانے سے تھا ۔ دہلی میں مجھ سے بے جھجک رو رو کر بیان کیا کہ وہ پیسہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ پیسہ اُسے کس طرح ملتا ہے ۔ پیسے کے لئے یہ دیوانگی سوسائٹی کے ہر طبقے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی ہوئی ہے ۔ جس کے نتیجے میں تمام روایتی، تصوّراتی اور اختراعی، قدریں خاکستر ہو چکی ہیں ۔

بیل کی مانند جتے رہنے کی، مشینی اور غیر انسانی مادیت پرستی کی اس بظاہر غیر انقلاب پذیر کامیابی نے نہایت اہم ثقافتی پیچیدگی اور بحرانی کیفیت پیدا کر دی ہے ۔ بڑی عمر والوں کے لیے، جنہوں نے اپنا بچپن اور اُٹھتی جوانی تصوّریت — اور صنعتی دور سے قبل کی اختراعی مادیت کے دُھندلکے میں بسر کی ۔ موجودہ مذہبی اور غیر مذہبی عقیدے سے کامل اتفاق ظاہر کرتے ہیں، کہ ؎

اے زر تو خدا نہ ای ولیکن بخدا
ستار عیوب و قاضی الحاجاتی

زندگی میں ان تمام اخلاقی،
ون کا...... جیسے سچائی، ایمانداری
وش اخلاقی، وفاداری، عورتوں
عصمت داری، حبّ وطن، اور
قوں اور الاہیت سے وابستگی وغیرہ
— ... کے ذریعے بے خوفی کے ساتھ،
ناسب قیمت پر قابل خرید ہونا —
ت دشواری پیش آرہی ہے۔
اخلاقی اقدار کے اس انہدام نے روایتی معاشرے
کی جڑ بنیاد کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ پھر بھی یہ بات ذہن میں
رکھنی چاہیئے کہ یہ انہدام صرف صنعتی کلچر کی کرشمہ سازی
نہیں ہے۔ کیونکہ سائنس، ٹیکنالوجی اور صنعت بنی نوع
انسان کے لئے زبردست نعمتیں ہیں اور ان کی وجہ سے
انسان کی زندگی میں بڑی اصلاحی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔
دراصل ان تینوں عناصر کے ذریعے پیدا کردہ اوزار
کا بے اصولی مالکانہ استعمال اور ان عناصر کا سوسائٹی کے
غیر محتاط اور نہایت خودغرض ہاتھوں میں پہنچ جانا، اس
تاریکی اور اخلاقی گراوٹ کا سبب ہے جو گردوپیش میں
دکھائی دے رہی ہے۔
جوان مردوں اور جوان عورتوں کو
چاہیئے کہ وہ اس حقیقت کو بخوبی سمجھ
لیں...... انہیں چاہیئے کہ زیادہ سے
زیادہ پڑھیں اور خوب غوروفکر کریں۔
انہیں یہ بھی چاہیئے کہ سائنٹیفک
فلاسفی، تاریخ، سماجیات اور اقتصادیات،
میں گہرائی تک غوطہ لگائیں۔ ایک مثالی
لیڈر کے لئے لازم ہے کہ وہ صرف
عمل ہی سے کام نہ رکھے۔ بلکہ مطالعاتی
حیثیت سے بھی مالامال ہو اور وہ تلک، گاندھی،
نہرو اور ڈانگے کی طرح کافی علم یافتہ ہو۔ اسے
اپنی عادتوں کو اس نہج پر ڈھال لینا چاہیئے کہ مسائل کی بنیادوں
پر زیادہ توجہ دے سکے اور اسباب کی جڑ تک
پہنچنے کی کوشش کرے اور حقیقتوں کی گہرائی
معلوم کرے۔ صرف ظاہری باتیں اور نمائشی
امور کام نہیں دیں گے —— ●●

● مترجمہ: شمیم



بمبئی میں مورخہ ۱۹ راکتوبر ۱۹۸۵ء وزیر تعلیم سری جاوید خان کے ہاتھوں اساتذہ کی کانفرنس کا افتتاح ہوا۔



صدر جمہوریہ ہند
بمبئی اور پونے میں

۳ر نومبر کو بمبئی میں صدر ہند شری گیانی ذیل سنگھ نے قومی کنونشن برائے کرسچین کا افتتاح فرمایا۔ آپ نے ڈاکٹر لوبس ڈی بسیلو کی کتاب بعنوان "کرسچین کمیونٹی اور نیشنل مین اسٹریم" کا اجراء بھی فرمایا۔

یکم نومبر کو پونے میں چھترپتی شیواجی مہاراج کے مجسمے کا افتتاح فرمانے کے بعد مجمع سے خطاب فرما رہے ہیں۔ تصویر میں دیکھے جاتے ہیں بیرسٹر وٹھل راؤ گاڈگل، مرکزی وزیر مملکت برائے اطلاعات ونشریات، شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر وزیر اعلیٰ، ڈاکٹر ... کور، دفتر صدر جمہوریہ ہند، شری کونا پربھاکر راؤ گورنر مہاراشٹر۔





صدرِ ہند شری گیانی ذیل سنگھ کا ۱۳ نومبر کو شری بھائی ساونت وزیر برائے
صحت اور شریمتی رجنی ساتو، وزیر مملکت برائے صحت عامہ نے سانتا کروز
ہوائی اڈے پر خیر مقدم کیا۔



بمبئی ہاسپیٹل میں صدرِ ہند
شری گیانی ذیل سنگھ نے علیل
سابق وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ
پاٹل کی عیادت فرمائی۔

صدرِ ہند شری گیانی ذیل سنگھ یوتھ ہوسٹلس ایسوسی ایشن
آف انڈیا، مہاراشٹر شاخ کے زیرِ اہتمام ۴ نومبر کو منعقدہ ایک
تقریب میں انعامات تقسیم فرماتے ہوئے۔





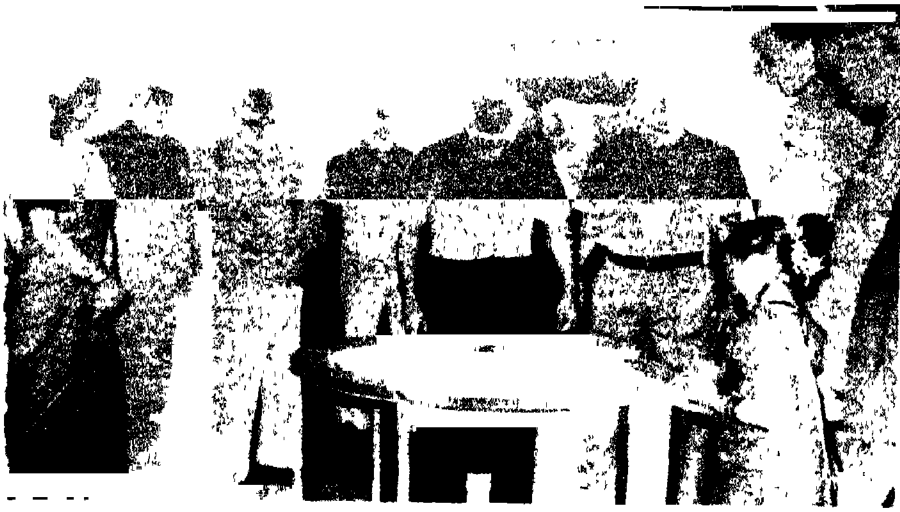
...نومبر کو صدرِ ہند شری گیانی ذیل سنگھ، سنت نامدیو چیئر برائے یونیورسٹی آف پونے کا افتتاح کرنے کے بعد تقریر فرماتے ہوئے
...رت گورنر شری کونا پربھاکر راؤ بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



...ا نومبر کو دھیاری، پونے میں صدرِ ہند شری گیانی ذیل سنگھ نے "عمر رسیدہ نابینا خواتین کی رہائش گاہ" کا افتتاح فرمایا۔ تصویر میں
...دیکھے جا سکتے ہیں شری سروپ سنگھ نائیک وزیر برائے قبائلی فلاح و بہبود، ڈاکٹر منجیت کور دخترِ صدرِ ہند، گورنر شری کونا پربھاکر راؤ
...بیرسٹر وٹھل راؤ گاڈگل، مرکزی وزیرِ مملکت برائے اطلاعات و نشریات۔



صدرِ ہند شری گیانی ذیل سنگھ نے یکم نومبر کو
کیمپ ایجوکیشن سوسائٹی پونے کے صدسالہ جشن کے
اختتام پر نکالے گئے "سووینئر" سات سور بھجز" کا
اجراء کیا۔ تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں (بائیں سے)
شری سروپ سنگھ نائیک وزیر برائے قبائلی بہبود،
ڈاکٹر منجیت کور دخترِ صدرِ ہند، گورنر شری کونا پربھاکر راؤ
اور بیرسٹر وٹھل راؤ گاڈگل مرکزی وزیر مملکت برائے
اطلاعات و نشریات۔



۱۱ نومبر کو نہرو سائنس سینٹر، بمبئی میں ڈاکٹر
سروج گھوس، ڈائریکٹر برائے قومی کونسل
آف سائنس میوزیم نے وزیراعظم شری راجیو
گاندھی کو ایک نمونہ بتاتے ہوئے اس بات
کی تشریح کر رہے ہیں کہ سیٹلائٹ کیونکر
بیضوی محور پر حرکت کرتا ہے۔
(بائیں سے دائیں) دیکھے جا سکتے ہیں:—
شریمتی سونیا گاندھی، وزیراعلیٰ شری
شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر، مرکزی وزیر برائے
انسانی وسائل کی ترقیات شری پی وی نرسمہا راؤ۔

وزیرِاعظم شہر میں



راج بھون بمبئی میں وزیراعظم شری
راجیو گاندھی "گولڈن اوور" پروجیکٹ کے
افتتاح کے موقع پر تقریر فرماتے ہوئے
اس پروجیکٹ کے تحت فوری طبی امداد کے
لئے ایمبولینس فراہم کی جاتی ہیں۔ نیچے
تصویر میں اسی قسم کی ایک ایمبولینس نظر
آرہی ہے۔





ظم شری راجیو گاندھی نے ۱۱ر نومبر کو
ن بمبئی میں "مہاراشٹر" نامی کتاب
ت پبلیکیشنز کی طرف سے شائع کیا گیا
جرا فرمایا۔ اس کتاب کی اشاعت کا
کومت مہاراشٹر نے کیا تھا۔ تصویر
ر رہے ہیں: گورنر شری کوناپربھاکر راؤ
علیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر۔ یہ
یاست مہاراشٹر کے صدسالہ جشن کی
دگار ہے۔



وزیر اعظم شری راجیو گاندھی نے ۱۱ر نومبر
کو قوم کے نام دھرواری ایکرڈ کو منسوب
فرمایا۔ اسے بھابھا ایٹمک انرجی کی جانب
سے جاری کیا گیا ہے۔



ظم شری راجیو گاندھی نے ٹاٹا میموریل
ل میں ۲۲ بستروں والے نرگس دت
یئر یونٹ کا افتتاح فرمایا۔ تصویر
ی سونیا گاندھی اور شری سنیل دت
ی دیکھے جا سکتے ہیں۔



وزیر اعلیٰ نے سوگباشی

وزیرِ اعظم شریمتی اندرا گاندھی کو خراجِ عقیدت پیش کیا

وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے ۱۹ر نومبر کو منترالیہ ممبئی میں سوگباشی وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کی جینتی کے موقع پر منعقدہ ایک سادہ سی تقریب میں ان کی تصویر کی گلپوشی کر کے خراجِ عقیدت پیش کیا۔

اس موقع پر کابینہ کے اراکین، چیف سکریٹری شری بی۔ جی۔ دیشمکھ ایڈیشنل چیف سکریٹری، مختلف محکموں کے سکریٹری، دیگر عہدیداران اور سرکاری ملازمین نے سوگباشی وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کی تصویر کے آگے گلاب کی کلیاں نذر کر کے خراجِ عقیدت پیش کیا۔

وزیر اعظم نے مہاراشٹر پر لکھی گئی کتاب کا اجراء فرمایا

وزیر اعظم ہند شری راجیو گاندھی نے ۱۱ر نومبر کو راج بھون ممبئی میں مہاراشٹر کے سلور جوبلی سال کے سلسلے میں ریاستی حکومت کی جانب سے پیش کردہ، اور مارگ پبلیکیشنز کی جانب سے شائع کردہ مہاراشٹر پر لکھی گئی کتاب کا اجراء فرمایا۔ مارگ پبلیکیشنز کی ایڈیٹر ڈاکٹر (شریمتی) سدایو جوشی نے وزیر اعظم کو یہ کتاب پیش کی۔

"مہاراشٹر" نامی یہ کتاب مہاراشٹر کے ماضی اور حال کے بارے میں معلومات بہم پہنچاتی ہے۔ اس میں ممتاز ادیبوں کی جانب سے لکھے گئے مضامین شامل ہیں، جو مہاراشٹر کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ بے شمار رنگین اور بلیک اینڈ وہائٹ تصاویر بھی شائع کی گئی ہیں۔ اس کتاب کو مراٹھی اور انگریزی زبانوں میں شائع کیا گیا ہے۔

مہاراشٹر کے گورنر شری کے۔ پربھاکر راؤ، وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر، ریاستی کابینہ کے اراکین چیف سکریٹری حکومت کے دیگر سینئر افسران شری مرلی دیورا (ایم پی) اور صدر آر سی سی اور ممتاز افراد اس موقع پر موجود تھے۔

وزیرِ اعلیٰ نے ٹیکے لگانے والی اِسکیم کا آغاز کیا

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے ۱۹ر نومبر کو جے جے اسپتال (بمبئی) میں منعقدہ تقریب میں ٹیکے لگانے کے پروگرام کا آغاز کیا۔

وزیر صحت اور خاندانی بہبود شری بھائی ساونت نے اس تقریب کی صدارت کی۔

اس موقع پر تقریر فرماتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ عالمی صحت تنظیم نے سنہ ۲۰۰۰ء تک سب کے لئے صحت کا نشانہ مکمل کرنے کا عہد کیا ہے۔ ریاستِ مہاراشٹر نہ صرف اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی ہے بلکہ اس نے سنہ ۱۹۹۰ء تک قبل از وقت اس نشانے کو مکمل کر لینے کا تہیہ کر رکھا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے مزید فرمایا کہ بچوں کی شرحِ اموات کو کم کر دیا گیا ہے۔ جو اس پروگرام کی خاص کڑی ہے اور اس سلسلے میں بچوں کو ٹیکے لگانے کا پروگرام بھی وضع کیا گیا ہے۔

شری نیلنگیکر نے مزید فرمایا کہ بچے قوم کی دولت ہیں اور ان کی صحت کی بہتری کی جانب خاص توجہ دی جانی چاہیئے۔ سوگباشی شریمتی اندرا گاندھی کی بچوں سے والہانہ محبت کا حوالہ دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ اس پروگرام سے ان کو صحیح معنوں میں خراجِ عقیدت پیش کیا جا رہا ہے۔

اِمسال اس اسکیم کی تھانے اور ناندیڑ اضلاع میں عمل آوری کی جائے گی، اور ریاست میں بچوں کو اور حاملہ عورتوں کو مختلف بیماریوں سے بچانے کے ٹیکے لگائے جائیں گے۔

وزیر اعلیٰ نے مزید فرمایا کہ ریاست نے عوام کی صحت

کی بہترین طور سے دیکھ بھال کی ہے ، اور توقع ظاہر کی کہ ریاست ٹیکے لگانے کے پروگرام پر بھی کامیابی حاصل کر کے اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھے گی ۔ آپ نے ڈاکٹروں سے اس پروگرام پر مؤثر طور سے عمل آوری کرنے کی اپیل کی ۔

اس موقع پر وزیر اعلیٰ اور وزیر صحت نے بچوں کو پولیو کی بیماری کیلئے دی جانے والی دوا کا معائنہ کیا ۔

وزیر صحت شری بھائی ساونت نے فرمایا کہ ساتویں پنج سالہ منصوبے کے دوران ٹیکے لگانے کے پروگرام پر سرعت کے ساتھ عمل کیا جائے گا ۔ آپ نے یہ توقع ظاہر کی کہ ہافکن انسٹی ٹیوٹ اس سلسلے میں بہترین کام انجام دے گا ۔

آپ نے مزید فرمایا کہ سورگباشی وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ہمارے ملک کے بچوں کی بہبود کے لئے کام کرنے کی تلقین کی ۔ موصوفہ محسوس کرتی تھیں کہ غربت کی وجہ سے بچوں کی دیکھ بھال نہیں کی جا سکتی ہے ۔ لہٰذا ریاستی حکومت کو بچوں کی صحت پر خاص طور پر توجہ دے کر ایک کلیدی رول ادا کرنا ہے ۔

ابتدا میں ہیلتھ سروسیز کے ایڈیشنل ڈائرکٹر ڈاکٹر جی ۔ اے ۔ پالسے نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا ، اور جے جے اسپتال کے ڈین ڈاکٹر آر ۔ سی ۔ چندرا کپور نے شکریہ ادا کیا ۔

وزیر اعلیٰ سے ملنے کے اوقات

وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے ، مندرجہ ذیل زمروں کے ملاقاتیوں سے ان کی سہولت کی خاطر ، ملنے کے اوقات جب بھی وہ بمبئی میں موجود ہوں گے ۔ اس طرح متعین کئے ہیں ۔

ایم ۔ پی ، ایم ایل اے ، ایم ایل سی ، وغیرہ جیسے عوامی نمائندوں سے آپ "ورشا" پر صبح ۹ بجے سے ، ۹ بج کر ۴۵ منٹ پر ملاقات کریں گے ۔ ایسے ملاقاتیوں سے جنہوں نے ملاقات کے لئے پہلے سے ملنے کا وقت نہیں لیا ہے ان سے وزیر اعلیٰ صبح ۹ بج کر ۴۵ منٹ سے ۱۰ بج کر ۳۰ منٹ تک ملاقات کیا کریں گے ۔

منترالیہ میں وزیر اعلیٰ شام کو ملاقاتیوں سے اس دن ان کی تمام سرکاری مصروفیات مکمل ہو جانے کے بعد ملاقات کیا کریں گے ۔

آپ ان ملاقاتیوں سے جنہوں نے پیشگی طور پر ملاقات کے لئے وقت لیا ہے ۔ ان سے آپ اسی مقرر کردہ وقت دن اور مقام پر ملاقات کیا کریں گے ۔

عوام سے شائستگی سے پیش آئیں

وزیر اعلیٰ کی سرکاری ملازمین سے اپیل

وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے سرکاری ملازمین کو حکومت کو ایک صاف ستھرے انداز میں بنا کر پیش کرنے کی اہمیت پر زور دیا ۔ کیونکہ وہ حکومت اور عوام کے مابین ایک رابطہ کا کام انجام دیتے ہیں ۔

راجہ شیواجی ودیالیہ میں ۳ نومبر کو منعقدہ آل انڈیا اسٹیٹ گورنمنٹ ایمپلائز فیڈریشن کی کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ عوام سرکاری دفاتر میں اپنے کام کے سلسلے میں ملاقات کرنے آتے ہیں ۔ سرکاری ملازمین کو چاہیئے کہ وہ عوام سے شائستگی سے پیش آئیں اور ان کی تکالیف کو بناء کسی تاخیر کے حل کریں ۔

شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر نے سرکاری ملازمین سے ایک صاف ستھرا انتظامیہ قائم کرنے کی اپیل کی ۔ ریاست کو ایک ویلفیئر اسٹیٹ بنانے کا خواب اسی وقت شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے جب وہ حکومت کی بہبود کی اسکیمات کی سرعت اور خلوص دل کے ساتھ مؤثر طور پر عمل آوری کریں ۔

وزیر اعلیٰ نے توقع ظاہر کی کہ اس کانفرنس کے مندوبین اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے ۔

اس تین روزہ کانفرنس میں ۵۰۰ وفود ۲۲ ریاستوں کی نمائندگی کر رہے ہیں ۔ اس کانفرنس کی میزبانی کے فرائض مہاراشٹر گورنمنٹ ایمپلائز فیڈریشن انجام دے رہی ہے ۔

آل انڈین اسٹیٹ گورنمنٹ ایمپلائز فیڈریشن کے صدر شری سوکال ایم پی، فیڈریشن کے جنرل سکریٹری شری سوکامل سین، ایم پی۔ مہاراشٹر اسٹیٹ گورنمنٹ ایمپلائز فیڈریشن کے جنرل سکریٹری شری آر۔ جی۔ کرنک، اور دیگر عہدیداران اس افتتاحی تقریب میں موجود تھے۔

ممبئی کے لئے علیحدہ ایس ایس سی

ڈیویژنل بورڈ۔ گورنر کا آرڈیننس

مہاراشٹر کے گورنر نے اپنے ایک آرڈیننس کے ذریعہ پونے ڈویژنل بورڈ آف مہاراشٹر اسٹیٹ سیکنڈری اینڈ ہائر سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ کو فوری طور پر دو علیحدہ ڈیویژنل بورڈوں میں تبدیل کردیا ہے۔ جن کے نام اس طرح ہیں۔

- بمبئی ڈیویژنل بورڈ (دو)
- پونے ڈیویژنل بورڈ

دو بورڈوں کا قیام اس لئے عمل میں آیا ہے کیونکہ ڈیویژنل بورڈوں کی جانب سے اور خاص طور سے پونے ڈویژنل بورڈ جو کہ ۱۵ ضلعوں جیسے بڑے رقبہ کا احاطہ کرتا تھا اسے طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر امتحانات منعقد کرانے میں دشواری پیش آتی تھی۔

بمبئی ڈیویژنل بورڈ کو ۶ ضلعوں پر مشتمل کیا گیا ہے جو اس طرح ہیں۔ شہر بمبئی مضافاتی ضلع تھانے..... رائے گڈھ ...... رتناگیری اور سندھو درگ اضلاع

موجودہ تعلیمی سال کے اختتام کے بعد علیحدہ بورڈ کو فائنل امتحان منعقد کرانے میں مدد ملے گی۔

اسٹیٹ بورڈ اور ڈیویژنل بورڈوں میں ممبران کی تعداد بھی بڑھ جائے گی۔ جس سے وہ فائنل امتحانات میں مراسلاتی کورسوں اور دیگر اقسام کے کورسوں کا اہتمام بخوبی کرسکیں گے۔

قومی راج

مکانات کی تعمیر اور سلم سدھار کیلئے

اربن کوآپریٹیو بنک کی جانب سے قرضوں کی فرا

زراعت اور دیہی ترقیات کا قومی بینک (بی ا
اے آر ڈی) اور کچھ (ش) بنک کو آپریٹیو بینک
کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائیٹیز کو مکانات کی تعمیر
دوبارہ تعمیر اور سلم سدھار کے لئے بعض شرائط
قرض دینے پر رضامند ہو گئے ہیں۔
اس بات کا اعلان منترالیہ میں ۷ رنومبر کو
ہاؤسنگ ڈاکٹر وی۔ سبرامین کی صدارت میں مہارا
ہاؤسنگ اینڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے کاموں
جائزہ لینے کی غرض سے منعقدہ میٹنگ کے دوران
اس میٹنگ میں اس بات کی نشان دہی کی گ
قرضوں کو سالانہ ۱۵ فی صد کی شرح کے حساب سے
سات سالوں میں ادا کرنا ہوگا۔ عالمی بینک پرو
کے تحت ۳۰ ر اسکوائر میٹر کے پلاٹوں پر مکانات
کے لئے ۸۵۰ روپے ماہانہ آمدنی والوں کو ۰۰۰،۵
۶۰۰۰ روپے کی رقم شہری کوآپریٹیو بینکوں کی
سے بطور قرض فراہم کی جائے گی۔
اسی طرح ایم ایچ اے ڈی اے کی جانب سے
کئے ہوئے مکانات جن کا ۹۰ فیصد بقایا ادا کرد
انہیں مکانات کی مرمت کے لئے قرض دیا جائے گ
ایم اے ڈی اے کی جانب سے دیئے گئے مکا
کے مالکان کو ان کی بلڈنگ کی مرمت اور دیکھ بھال
ان قرضوں سے راحت ملنے کی توقع ہے۔
سلم امپرومنٹ اسکیمات کے لئے ق
معاملے کی باریک بینی سے غور و خوض کرنے کے بعد
ہاؤسنگ سوسائیٹیز کی جانب سے سلم باسیوں
جائیں گے۔
ریاستی حکومت سلم باسیوں کی اس امداد
پر عمل آوری صرف عوامی زمین پر بسنے والے سلم با

کے لئے کر رہی ہے۔ ۱۹۷۶ء کی مردم شماری میں شامل کئے جانے والے سلم باسی کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی قائم کر سکتے ہیں۔

ایسے سلم باسیوں کی مجوزہ سوسائٹی کو مدد ان کے معاملات پیش کئے جانے کی صورت میں دی جائے گی۔

ڈاکٹر سبرامینین نے (ایم ایچ اے ڈی اے) گرہانرمان بھون باندرہ (ایسٹ) بمبئی نمبر ۵۱ کے کمیونٹی ڈیولپمنٹ افسر شریمتی پنولکر کی سربراہی میں ایک سیل کو ایسے کاموں کی انجام دہی کے احکامات دیئے۔

شری ڈی۔ ایچ۔ افضل پورکر سکریٹری (ہاؤسنگ) شری بی۔ ایس۔ اے۔ سندرامن ایڈمنسٹریٹر ایم ایچ اے ڈی اور ہاؤسنگ ڈپارٹمنٹ کے سینئر افسران نے اس میٹنگ میں شرکت کی۔

بمبئی میں ٹیوب ویلز کے پروگرام پر
بی ایچ اے ڈی بی کے ذریعہ عمل آوری

بمبئی عظمیٰ میں تقریباً ۲۰۰ ٹیوب ویلز کھودنے کا ایک پروگرام مارچ ۱۹۸۶ء میں شروع کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے فنڈ ڈسٹرکٹ پلاننگ اور ڈیولپمنٹ کمیٹی نے فراہم کیا ہے۔

اس بات کا اعلان وزیر ہاؤسنگ ڈاکٹر ڈی سبرامینین کی صدارت میں ۱۵ نومبر کو منترالیہ میں منعقدہ میٹنگ کے دوران کیا گیا۔ ابتداء میں ڈسٹرکٹ پلاننگ — اور ڈیولپمنٹ کمیٹی کی اس سے پہلے منعقدہ میٹنگ میں ٹیوب ویلز قائم کرنے کے لئے قائم کردہ سب کمیٹی کی رپورٹ پر بات چیت کی گئی۔

بمبئی ہاؤسنگ اینڈ ایریا ڈیولپمنٹ بورڈ (بی ایچ اے ڈی بی) کو امسال ٹیوب ویلز کھودنے کے پروگرام پر عمل آوری کرنے کی ایجنسی دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ کام بمبئی عظمیٰ کی میونسپل کارپوریشن کی مدد سے کیا جائے گا۔

وزیر ہاؤسنگ نے میٹنگ میں فرمایا کہ کنوؤں کی کھدائی کا کام علاقائی ایم۔ ایل۔ اے حضرات سے صلاح ومشورہ کرنے کے بعد کیا جائے گا۔ یہ ٹیوب ویلز ریاستی حکومت کی ملکیت میں رہیں گے اور ان کا انتظام علاقائی باشندوں کی درج شدہ ایسوسی ایشن کے ذریعہ میونسپل کارپوریشن کرے گی۔

ایک کنوئیں پر لاگت کا تخمینہ ۲۵۰۰۰ روپے کے لگ بھگ ہوگا اور ایم ایل اے کے حلقہ کے لئے منظور کردہ فنڈ سے یہ رقم لی جائے گی۔

اس موقع پر شری رام نائیک، شری چندر کانت گوسلیا، شریمتی مرنال گورے تمام ممبران اسمبلی — اور (ٹیوب ویلز کی سب کمیٹی کے ممبران) میونسپل کمشنر شری جے۔ جی۔ کانگا بمبئی کے کلکٹر شری اے۔ پی۔ سنہا، اور بی ایچ اے ڈی بی کے چیف افسر اور شری ایس۔ آر۔ واڈیکر موجود تھے۔

تھانے اور ناگپور کے لئے
نئے پولس کمشنر

حکومت مہاراشٹر نے ۲۱ نومبر ۱۹۸۵ء کو تھانے اور ناگپور میں دو نئے پولس کمشنروں کے تقرر کا اعلان کیا ہے۔ اس سے قبل وزیر اعلیٰ نے ڈی آئی جی سے اسپیشل آئی۔ جی۔ پی کے رتبہ کی تھانے۔ ناگپور میں پولس کمشنران کی اونچے گریڈ کی پوسٹ کا فیصلہ کیا تھا۔

ایڈیشنل کمشنر آف پولس بمبئی شری این۔ سی۔ ڈینکٹ چلم، کو اسپیشل آئی۔ جی۔ پی کے عہدے پر ترقی دے کر شری آر۔ ڈی۔ تیاگی کی جگہ تھانے کا پولس کمشنر مقرر کیا گیا ہے۔ ڈی۔ جی۔ پی، بمبئی کے دفتر میں ڈی۔ آئی جی شری ایس۔ کے۔ سیٹھ کو اسپیشل آئی۔ جی۔ پی۔ کے عہدے پر ترقی دے کر انہیں شری مینڈونکا کی جگہ ناگپور کا پولس کمشنر بنایا گیا ہے۔

بمبئی کے ایڈیشنل کمشنر آف پولس شری سدھاکر دیو کو اسپیشل آئی جی پی کے عہدے پر ترقی دے کر انہیں



لاتور کے حضرت صورت شاہ اردو تعلیمی ادارے کے ثانوی مدرسے کی عمارت کی تعمیر کے سنگ بنیاد کے تحت منعقدہ جلسے میں وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر اراکین کی رہنمائی کرتے ہوئے۔ زیر نظر تصویر میں وزراء، ریاستی وزیر شری رام چندر راؤ پاٹل، ادارہ ہذا کے صدر محمد موسیٰ وغیرہ بھی نظر آرہے ہیں۔

ڈائرکٹر جنرل آف پولس میں اسپیشل آئی۔جی۔پی (ایڈمنسٹریشن) کے عہدے پر فائز کیا گیا ہے۔ ناگپور کے پولس کمشنر شری میلنڈ ونکا کا تبادلہ کرکے ان کا بمبئی کے پولس کمشنر کے دفتر میں ایڈیشنل کمشنر آف پولس (کرائم) کی جگہ پر تقرر کیا۔

تھانے کے پولس کمشنر شری آر۔ڈی۔تیاگی، کا تبادلہ کرکے انہیں بمبئی کے ڈی۔آئی۔جی (ٹریفک) میں ڈی۔آئی۔جی کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ شری پدما نابھن کا تبادلہ کرکے انہیں بمبئی کے پولس کمشنر کے دفتر میں ایڈیشنل کمشنر آف پولس (ایڈمنسٹریشن) کے عہدے پر فائز کیا گیا۔

ایس۔پی۔رینک کے دو ۲ آئی پی ایس افسران کو ترقی دے کر انہیں ڈپٹی انسپکٹر جنرل آف پولس بنایا گیا ہے۔ شری نروسے اے۔آئی۔جی، پی کا ڈی۔جی۔پی بمبئی کے دفتر میں ڈی۔آئی۔جی (منصوبہ بندی اور رابطہ) کے عہدے پر تقرر کیا گیا ہے۔

ایس آر پی ایف گروپ ناگپور کے کمانڈنٹ شری بی۔این۔مشرا کو ڈی۔آئی۔جی کے عہدے پر ترقی دے کر انہیں آئی۔جی۔پی، سی آئی ڈی (کرائم)، پونے، ڈی۔آئی۔جی (کرائم) کے عہدے پر فائز کیا گیا ہے۔

اِنتظامی منظوری

حکومت مہاراشٹر نے ضلع تھانے کے شاہ پور میں سیور ولی چھوٹی آبپاشی اسکیم کی انتظامی منظوری دے دی ہے۔ جس پر لاگت کا تخمینہ ۴۵۰۳۵و۶۳ روپے ہے

اِنتظامی منظوری

حکومت مہاراشٹر نے ضلع رتناگیری کے تعلقہ چپلون میں کڈپ چھوٹے آبپاشی تالاب کے کام کی انتظامی منظوری دے دی ہے۔ جس پر لاگت کا تخمینہ ۸۰و۸۸و۸۳و۳ روپے ہے۔

آخری سر ورق

بین الاقوامی سال نوجوانان کے سہ رخی مقصد یعنی شرکت، ترقیات اور امن کی نشان دہی اس بین الاقوامی نشان کے ذریعے ہو رہی ہے۔ اس کے ذریعے نوجوانوں میں پائے جانے والے حوصلوں کی عکاسی پیش کی گئی ہے نیز اس بات کی تشریح کہ اس دنیا کو انصاف اور امن کا گہوارہ بنانے میں انہیں کس قسم کا کردار ادا کرنا ہوگا۔

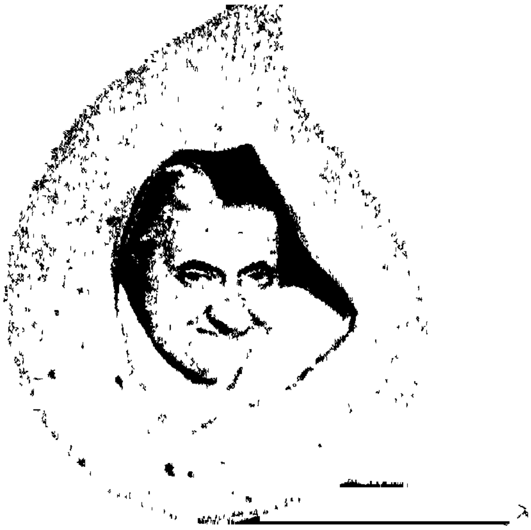


زیرِ نظر تصویر میں معزز گورنر
شری کونا پربھاکر راؤ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۸۵ء کو
راج بھون میں سابق وزیر اعظم آنجہانی شریمتی
اندرا گاندھی کی پہلی برسی کے موقع پر آنجہانی
کی تصویر پر گلہائے عقیدت چڑھاتے
ہوئے خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

آنجہانی
شریمتی
اندرا
گاندھی
کو
خراجِ عقیدت۔

وزیرِ اعظم آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کی
پہلی برسی کے موقع پر سی۔ سی کالج ممبئی
کے ہال میں مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۵ء آنجہانی
کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے ایک
جلسہ منعقد کیا گیا۔ وزیرِ اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل
نیلنگیکر آنجہانی وزیرِ اعظم کو خراجِ عقیدت
پیش کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ آپ کے
ساتھ شری جینت راؤ ٹلک، ممبئی کے میئر
شری چھگن بھجبل، شری ڈی۔ جی کراڈے اور
شری شرد پوار نظر آرہے ہیں۔





।।कात्मतेची हाज्योत सतत तेवत राहील

آنجہانی وزیرِ اعظم شریمتی اندرا گاندھی
کی پہلی برسی کے موقع پر وزیر اعلیٰ شری
شیوراجی راؤ پاٹل نیلنگیکر مورخہ ۳۱ اکتوبر ۸۵ء
آنجہانی کی تصویر کی گل پوشی کرتے ہوئے
خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔ اس موقع
پر وزیرِ تعلیم پروفیسر شری رام میگھے وزیر
برائے جنگلات شری سروپ سنگھ نائیک
اور وزیرِ صنعت شری سدھاکر راؤ نائیک بھی
خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے دکھائی
دے رہے ہیں۔

سابق وزیرِ اعظم آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی
کی پہلی برسی کے تحت حکومتِ مہاراشٹر کے
شعبۂ اطلاعات و رابطۂ عامہ کی جانب سے
شائع کی گئی تصویر۔





قومی راج

وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ
پاٹل نیلنگیکر مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۵ء، منترالیہ میں
سردار ولبھ بھائی پٹیل کے ۱۱۰ ویں یوم ولادت
کے موقع پر ان کی تصویر پر پھول چڑھاتے
ہوئے انہیں خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔



لاتور میں ریاستی انتظامیہ کی مرکزی
عمارت کے لئے "بھومی پوجن" کا جلسہ وزیر اعلیٰ
شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر کی موجودگی میں
منعقد کیا گیا۔ اس موقع کی تصویر۔
تصویر میں (بائیں طرف سے) آمدار دھرما سو شری
وزیر توانائی شری راجندر پاٹل اور وزیر مد د
شری مانک راؤ پالودکر نظر آ رہے ہیں۔

س - تصویروں میں



رشی کال گرو ' دیوگک وگیان سنستھا ' کے
م ٹیک انجینئرنگ کالج کے افتتاح کے
رقع پر وزیر اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر
صدر جلسہ کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے۔
پ کی بائیں طرف وزیر ترقیات اور افتتاح
کے فرائض انجام دینے والے شری
سینہ راؤ، شری این۔ کے۔ پی سالوے۔
مرتھ شکشن منڈل کے صدر شری
دھوکر راؤ کیمت کر اور دائیں طرف معاون
زیر شری بی نریندر ترکے، مرکزی وزیر
ری غلام نبی آزاد، وزیر تعلیم پروفیسر
م سنگھے اور ریاستی وزیر داخلہ شری
ے۔ ڈی مہاجن نظر آ رہے ہیں۔



راج



وزیراعظم شری راجیو گاندھی نے اقوام
متحدہ کے چالیسویں سالانہ خصوصی اجلاس
میں ہندوستانی مندوبین کے ہمراہ شرکت فرمائی
شری سوشیل کمار شندے، وزیر برائے
مالیات اور منصوبہ بندی، مہاراشٹر مندوبین
میں شامل تھے۔ آپ وزیراعظم کے پیچھے
دیکھے جا سکتے ہیں۔



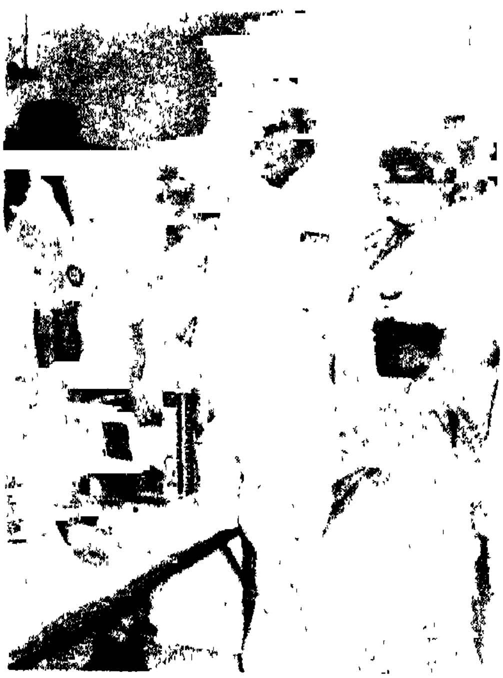
فرینڈز آف سوویت یونین اور انڈو ۔
سوویت کلچرل سوسائٹی [illegible] سے بازس آف
سوویت [illegible] میں [illegible] نومبر ۱۹۸۵ء
اجلاس [illegible] گاندھی کی [illegible] برسی کے رنج ۔
[illegible] قیمت [illegible]
کی تصویر۔ تصویر میں [illegible]
اطلاعات [illegible]
[illegible] جا سکتے ہیں



ناتور میں نہرو یوسٹل کی عمارت کا
سنگ بنیاد شری شیوراجی راؤ پاٹل نیلنگیکر
کے ہاتھوں رکھا گیا۔ اس موقع پر لی گئی
تصویر میں شری ایس ایم لونڈھے بھی
نظر آرہے ہیں۔

وزیراعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر اور
شریمتی سیلن ڈی سلوا، وزیر مملکت برائے
مالیات، راشٹرماتا (آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی)
ڈیتھ اینیورسری کمیٹی کرلا کی جانب سے پہلی
برسی کے موقع پر فری میڈیکل چیک اپ کیمپ
میں ایک عطیہ خون دینے والے شخص کے
ساتھ نظر آرہے ہیں۔ اس کیمپ کا اہتمام
۳۱ اکتوبر کو پارک سائٹ دکھرولی بمبئی میں
کیا گیا تھا۔





یو این او کی چالیسویں سالگرہ کے موقع پر
یو این اے اور انڈین کونسل آف ورلڈ ICWA
شاخ بمبئی، ان کی طرف سے مشترکہ سیمینار کا
سے پاٹکر ہال میں، افتتاح سابق نائب
صدر شری ایم ہدایت اللہ کے ہاتھوں حال
میں کیا گیا۔ اس موقع پر لی گئی اس تصویر میں
جی ایم۔ ہدایت اللہ افتتاحیہ تقریر کرتے
ہوئے ایم یو این اے کے منتظم اعلیٰ شری
بی۔ پی سکسینہ، آئی سی۔ ڈبلیو۔ اے کے
شری گودریج اور اطلاعات۔ ۔۔۔
سکریٹری شری شانتا رام سگنے ڈائریکٹ ۔۔ل
رہے ہیں۔

شری این۔ جی بہادر سیکریٹری برائے
اسپورٹس نے آل انڈیا سول سروسس ۔۔
لفٹنگ مقابلوں کا افتتاح ۲۵ اکتوبر کو
سچیوالیہ جمخانہ بمبئی میں ایک ناریل توڑ کر کیا۔

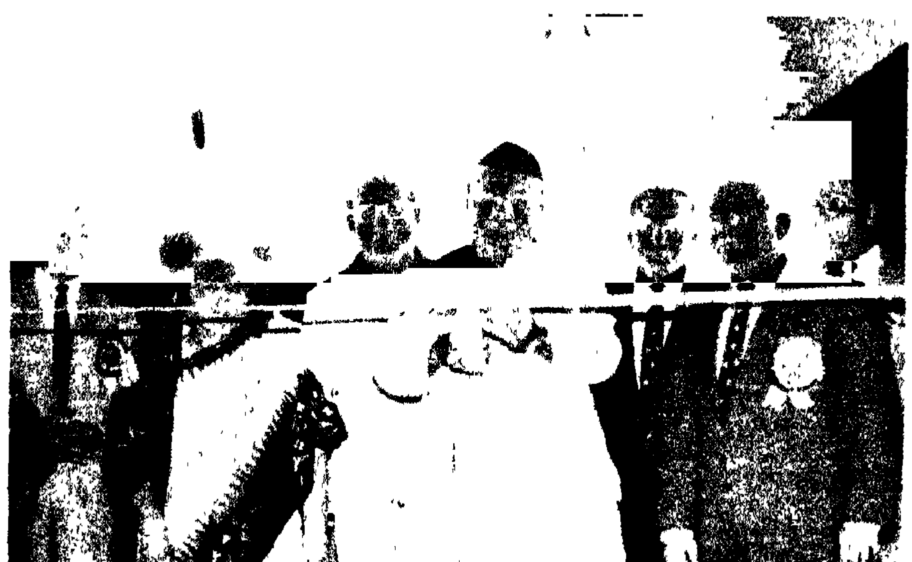




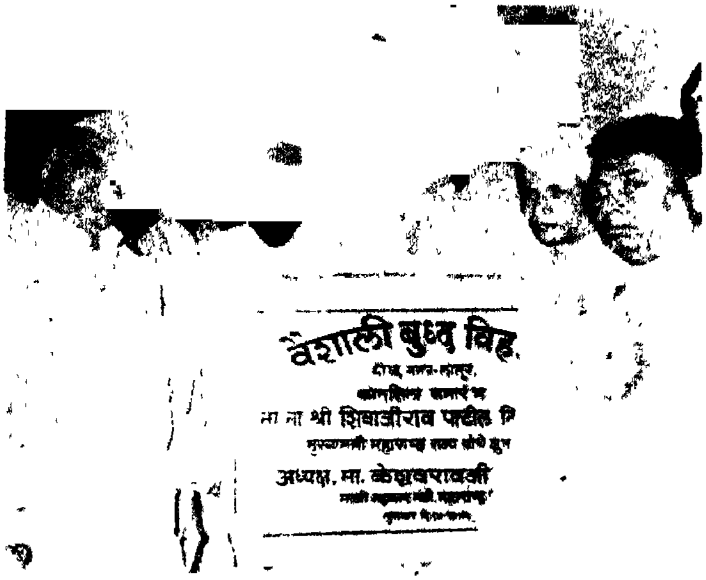
مہاراشٹر ناگری کشیتر وکاس نگمہ کے تحت
پونے ضلع میں زراعتی زمین کا آج ڈاکٹر
رام منوہر ترپاٹھی ریاستی وزیر شہری ترقی
نے شری اننت راؤ دھوپٹے وزیر برائے
امداد باہمی اور ڈیری ترقیاتی منصوبے کے
ساتھ معائنہ کیا۔ ان وزراء کے ساتھ ایم ایل
اے حضرات شری وٹھل راؤ پلٹے، الہاس کاڑو کر
اور شوک موہوڑ بھی تھے۔ (۱۹ اکتوبر ۱۹۸۵)



مہاراشٹر راجیہ الپ سنکھیک وکاس
مہامنڈل نے تیرتی مورتی اسپوریم میں آل انڈیا
ساڑی نمائش، کا گورنر شری کونا پربھاکر راؤ
نے افتتاح کیا۔ افتتاح کے بعد گورنر صاحب
اور ان کی اہلیہ شریمتی پدماوتی، مہاراشٹر کے
ایولہ مقام پر تیار ہونے والی دوشالہ نما
ساڑیوں کا بڑی للک کے ساتھ معائنہ کرتے
ہوئے لی گئی تصویر۔ (۱۸ اکتوبر ۸۵ء)



... بیگام ہاکی میدان پر بمبئی پولس ...
عظیم اجتماع کا افتتاح وزیر اعلیٰ شری
شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر کے ہاتھوں ہوا۔
تصویر میں شریمتی پاٹل نیلنگیکر، پولس
منتظم اعلیٰ شری حونگ، پولس کمشنر شری
سومن، پولس نائب کمشنر شری وینکٹ چلم
مہاراشٹر پولس نائب کمشنر شری چودھری
نظر آرہے ہیں۔





بیڑ ے مقام پر وزیر اعلی شری
راجی راؤ پاٹل نیلنگیکر جنگِ آزادی کے
بازوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے

لاتور میں ... ٹرسٹ کی عمارت کا سنگِ بنیاد وزیر اعلی
شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر کے ہاتھوں رکھا
گیا۔ اس موقع کی تصویر۔ ... تصویر میں
ٹرسٹ کے صدر شری مدہر راؤ آلٹے اور
... سابق وزیر برائے امداد باہمی شری
بیتور وسونونے اور ایم ایل اے شری
دھرما سونکوڈے نظر آرہے ہیں۔

'دھم چکر۔پروتنک دن' کے موقع پر
'دیکشا بھومی' پر حال ہی میں منعقد کئے گئے
جلسے میں وزیر اعلی شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر
تقریر کرتے ہوئے۔ ان کے ساتھ وزیر تعلیم
شری رام میگھے، شری آر۔ایس گوائی، وزیر
سماجی فلاح و بہبود شریمتی دمینتی دیش بھرتار
وزیر دیہی ترقیات شری وامن راؤ گڈ مواڑ
... دجی کھابرڈے۔ آمدار شری
... چند شرما، شری گیو آداری اور ناگپور کے
... شری سکھارام چودھری نظر آرہے ہیں۔



قارئین کی رائے

سہیل احمد صدیقی
بزم فروغ اردو ۔ دیوی روڈ ۔ دھرم آباد ۴۳۱۸۰۹

تازہ شمارا باصرہ نواز ہوا۔ امتیازی حُسن اور صوری حُسن میں قومی راج کا جواب نہیں ۔ آپ نے اچھے لکھنے والوں کا تعاون حاصل کرلیا ہے ۔غزلیں معیاری ہیں ۔ خدا قومی راج کو خوب مقبول بنائے ۔

★

ایس ۔ ایم ۔ تفسیر
ڈانگیہ محلہ ۔ پربھنی (مہاراشٹر ۴۳۱۴۰۱)

'قومی راج ' قدرے دیر سے مگر درست ملتا ہے ۔ اظہارِ حقیقت ہے کہ 'قومی راج ' واحد رسالہ ہے جو ادبی حلقوں میں مقبولِ عام کی سند حاصل کرچکا ہے ۔ اس کے بصیرت افروز مضامین تبصرے ، ریاستی خبریں اور شعر و شاعری ہر حلقے میں پسند کئے جاتے ہیں ۔ میں بھی ان کی پذیرائی کا قائل ہوں بلکہ ان کے مطالعہ کو اپنے لئے وسیلۂ تسکین بھی گردانتا ہوں ۔

★

عرفان پربھنوی
بھوئی گلی ۔ پربھنی ۔ مہاراشٹر ۔ ۴۳۱۴۰۱

'قومی راج ' کے لئے ایک بار پھر نیک خواہشات ۔ آپ کی ادارت میں قومی راج خوب سے خوب تر ہوتا جارہا ہے ۔ مضامین کا انتخاب بھی خوب ہے ۔ سچ پوچھئے تو یہ جریدہ ہمہ مقصدی ہوگیا ہے اور اپنی منزل کی طرف تیزی سے گامزن ہے ۔ شری ریاض احمد خان نے جو راہ دکھائی ہے اسی پر گامزن ہے اور آپ کی رہبری میں رواں دواں ہے ۔ میری رب العزت سے یہی دعا ہے کہ وہ آپ کی ادارت میں اس جریدے کو نہ صرف مہاراشٹر بلکہ پورے ملک کا معیاری اور منفرد جریدہ بنادے اور آپ کو اپنے فرائضِ منصبی میں کامیاب کرے ۔

سعید اعجاز
سعیدیہ سائیکل اسٹور
سپر مارکیٹ ۔ شاپ نمبر ۲۵ ۔ پربھنی ۔ مہاراشٹر

'قومی راج ' خط لکھنے کے بعد سے مجھے مسلسل باصرہ نواز ہو رہا ہے ۔ البتہ قرب وجوار کے کچھ لوگوں کی شکایت ہے کہ ان کو نہیں مل رہا ہے ۔ قومی راج کو سنوارنے کے لئے آپ کی محنت کی داد دیتا ہوں ۔ پندرہ ، اشعار کی اشاعت بھی کیجئے ۔

★

احمد امام
چوڑی محل ۔ وارڈ ۵ ۔ بالاپور ۔ اکولہ ۔ مہاراشٹر

قومی راج کا شمارہ نمبر ۱۴ دیکھنے کو ملا ۔ مضامین کے علا اس شمارے میں غزلوں کا کافی اچھا مواد پیش کیا گیا ہے ۔ تمام غز پسند آئیں ۔

★

عبدالحمید مدرس
اردو اسکول ۔ دیول گاؤں راجہ ۔ ضلع بلڈانہ ۔ مہاراشٹر ۔

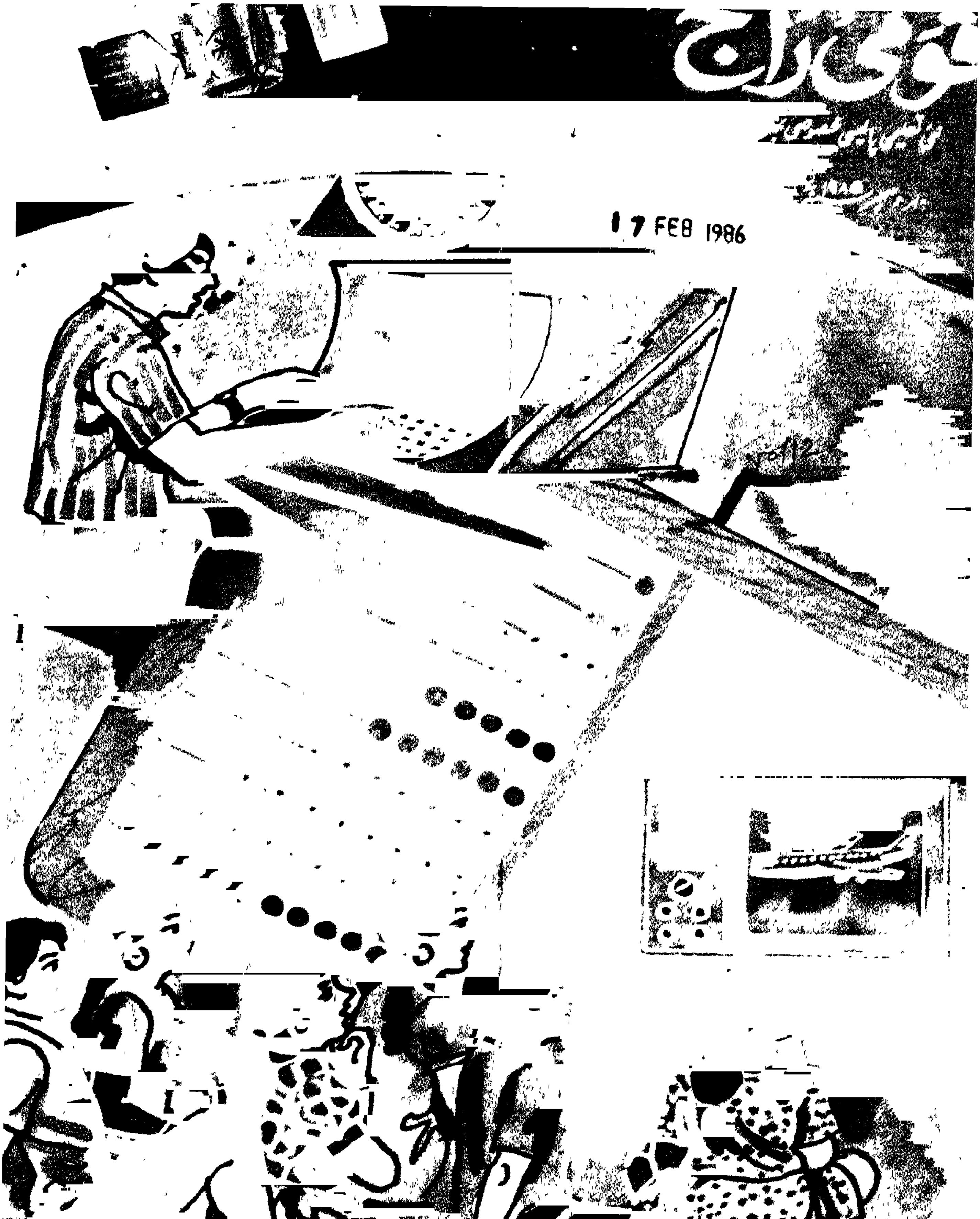
قومی راج برابر مل رہا ہے ۔ ۱۰ رجولائی کا شمارہ نظر سے گ آپ نے قومی راج کو خوب سے خوب تر بنادیا ہے ۔ دیگر ریاستوں کے قارئین کی رائے قومی راج کی بے پناہ مقبولیت کا کھلا اعتراف ہے آپ اور آپ کے تمام عملے کی محنت قابلِ داد ہے ۔ حکومتِ مہاراشٹر مبارکباد کی مستحق ہے کہ ہر پندرہ روز بعد خاص اہتمام سے شائع کیا جاتا ہے ۔

★

> " قومی راج " کے بارے میں اپنی گراں قدر رائے ضرور تحریر فرمائیے ۔
>
> اور
>
> دوستوں میں " قومی راج " کو متعارف کرائیے تاکہ خریداری کی مہم تیز تر ہو ۔ (شکریہ)

1-1F
GOVT PHOTOZINCO PRESS PUNE-1985







र विद्यापीठे
ारण कक्ष



نئی تعلیمی پالیسی خصوصی نمبر

جلد ۱۲ | شمارہ ۲۳ | ۱۰ دسمبر ۱۹۸۵ء

قومی راج

ہندی، مراٹھی، انگریزی، گجراتی، سندھی اور اردو، چھ زبانوں میں
ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

سالانہ دس روپے، فی شمارہ پچاس پیسے، (خصوصی شمارے کی قیمت ایک روپیہ)

چیف ایڈیٹر: ✣ شانتارام سگنے ✣
مینجنگ ایڈیٹر: ✣ رئیس احمد خان ✣
ایڈیٹر: ✣ فیروزہ نیازی خان ✣



شرحِ خریداری

ایک سال کے لئے: ۱۰ روپے ✣ دو سال کے لئے: ۲۰ روپے
تین سال کے لئے: ۲۷ روپے ✣ ۴ سال کے لئے: ۳۶ روپے
پانچ سال کے لئے: ۴۵ روپے

ترسیلِ زر کا پتہ:
اسسٹنٹ ڈائرکٹر (ایڈمنسٹریشن)
ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
گورنمنٹ آف مہاراشٹر۔ بیرک نمبر ۱۹ مقابل سوچی بلڈنگ نو منترالیہ
بمبئی نمبر ۴۰۰۰۳۹

فون نمبر ۲۰۲۱۵۳

نوٹ: رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔ کوپن منی آرڈر پر اپنا پتہ، پن کوڈ نمبر کے ساتھ صاف صاف اردو اور ہندی میں لکھیں۔ وی پی نہیں بھجوائی جاتی ہے۔

ترتیب

اداریہ

تعلیم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان ہر جہت میں ترقی کرے۔ تعلیم ایک خاص اہمیت حاصل کر چکی ہے۔ یہی تبدیلی لاتی ہے اور اکیلے اسی میں یہ طاقت ہے کہ شہریوں کو صاحب علم، ذمہ دار اور وطن دوست بنائے۔

گذشتہ ۳۷ برس میں ملک نے متعدد میدانوں میں قابلِ تعریف کام انجام دیئے ہیں جن میں تعلیم بھی شامل ہے۔ آج ہمارا ملک ۲۱ ویں صدی کی دہلیز پر پہنچ چکا ہے۔ نئی نسل جو ۲۱ ویں صدی میں داخل ہوگی۔ اس کے لئے آئندہ پندرہ سال بہت امید افزا ہوں گے لیکن ساتھ ہی اسے نئے مسئلوں اور چیلنجوں سے واسطہ پڑے گا۔ نئی نسل کو ان نئے چیلنجوں سے مقابلہ کرنے کے لئے اور تمام مسئلوں سے نمٹنے کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ یہ بات نئے طرز کی تعلیم سے آراستہ ہونے کی اور نئے نظریے کو اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ اس ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہمارے جوان اور محبوب وزیر اعظم شری راجیو گاندھی نے ایک نئی تعلیمی پالیسی کو تشکیل دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں خود اپنی رائے ظاہر کرنے کے بعد انہوں نے اہل فہم و فراست سے اپیل کی ہے کہ اپنی رائے ظاہر کریں اور مشورہ دیں۔ محترم وزیر اعظم کی اپیل کا پورے ملک نے بہت اچھا استقبال کیا ہے۔

ہمارا مہاراشٹر ہمیشہ ہر میدان میں پیش پیش رہا ہے۔ جناب وزیر اعظم کی اپیل نے مہاراشٹر میں کافی دلچسپی پیدا کی ہے۔ ریاستی محکمۂ تعلیم نے علاقائی سطح پر سیمیناروں کی تنظیم کی تاکہ تعلیم کو ایک نئی شکل دینے کے سلسلے میں تعلیمی اور دوسرے میدانوں سے بلند پایہ اشخاص بحث و مباحثہ اور غور و خوض کے بعد اپنی اپنی آراء کا اظہار کریں۔ محکمۂ تعلیم نے عورتوں اور جوانوں کی ریلی کی بھی تنظیم کی۔ یہاں تک کہ قبائیلی علاقے میں بھی ایک سیمینار منعقد کیا۔ ریاستی سطح پر ایک تعلیمی کانفرنس کا ورددھا میں انعقاد بھی عمل میں آیا۔ ان سیمیناروں اور کانفرنس میں لوگوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ وہاں بحث و مباحثے بھی ہوئے جس میں تعلیم کے ماہرین نے کھل کر اپنی رائیں اور تجویزیں پیش کیں۔ یہ تجویزیں تکمیل پانے کے بعد مرکزی حکومت کو روانہ کی جائیں گی۔

ہم "قومی راج" کا یہ خاص نمبر لوگوں کی اور خاص طور سے جوانوں اور ماہرین تعلیم کی اطلاع کے لئے شائع کر رہے ہیں تاکہ نئی تعلیمی پالیسی پر ماہرانہ خیالات حاصل کئے جائیں جو انہیں نئے مسئلوں کا سامنا کرنے کی ذمہ داری پر عمل کرنے میں مدد دیں اور ۲۱ ویں صدی کے چیلنجوں سے نمٹنے کے قابل بنائیں۔ ہم ماہرینِ تعلیم کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے تعلیم جیسے اہم مسئلے پر اپنے فاضلانہ خیالات سے نوازا۔ یہ خاص نمبر تعلیم جیسے اہم مضمون کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ جسے امید ہے کہ حوالے کے طور پر "محفوظ جریدہ" کی حیثیت سے استعمال کیا جائے گا۔ مزید امید ہے کہ اس خاص نمبر کو سماج کے ہر طبقے کی طرف سے داد و ستائش ملے گی۔

شری شانتارام سگنے
چیف ایڈیٹر



طریقۂ تعلیم پر نظرِ ثانی

وزیرِ اعظم شری راجیو گاندھی

ریقۂ تعلیم پر نظرِ ثانی

سب سے پہلے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے
ء تعلیم کے بارے میں کچھ خیالات پر اپنے ساتھ شریک ہونے
وقعہ دیا۔ گذشتہ مہینوں میں میں ان کوتاہیوں اور نقائص کے
، بارے میں جنہیں میں نے اپنے طریقۂ تعلیم میں محسوس کیا ہے ،
ت کچھ کہہ چکا ہوں۔ اس سے پہلے کہ میں یہاں ان پر زیادہ تفصیل
، کچھ کہوں، میرے خیال میں یہ ضروری ہے کہ ان باتوں پر تبصرہ کروں
یں ہم حاصل کر چکے ہیں اور اس طریقۂ تعلیم کے اثباتی پہلوؤں
روشنی ڈالوں جو فی الوقت رائج ہے۔ اگر ہم مڑ کر ۱۹۴۷ء کی
یت دیکھیں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ ہمارے اس
یقۂ تعلیم کی بدولت کتنے لوگ پیدا ہوتے جنہوں نے جریدۂ عالم
ا پنے نشانات ثبت کئے، خواہ ان کا تعلق ثقافتی امور سے ہو
ہ سائینسی امور سے ہو اور خواہ سیاسی امور سے، تو ہم دیکھیں گے
اس طریقۂ تعلیم نے بہت کم تعداد میں ایسے افراد پیدا کئے، ان
ں سے اکثر لوگ، جو واقعتاً بہت بلند پایہ تھے۔ غیر ملکوں میں
ـ ـ تے ہوئے تھے اور وہیں تخصیص حاصل کی تھی۔ آیئے ہم
ب کو ـ بہ اب سے کریں۔ ہمیں صرف دنیا کی کسی ایسی لیبارٹری
، یا اسپیس ـ میں قدم رکھنا ہوگا جو ترقی کے انتہائی درجوں میں
ئنسی تحقیق۔ تیکنیکی نشوونما میں مشغول ہو تو دیکھیں گے کہ وہاں
ہدستانی اعلیٰ ترین مراتب پر فائز ہیں؛ وہ ہندوستانی جو اسی

تعلیمی سسٹم کے ذریعے وہاں پہنچے ہیں تو یقینی طور پر اس نے کچھ
حاصل کیا ہے۔ پھر بھلا ہم اس سسٹم یا طریقہ پر معترض کیوں
ہوتے ہیں جس کے ذریعہ ہندوستان نے وہ درجات حاصل
کئے ہیں اور جس کی وساطت سے وہ ایسے افراد پیدا کرنے کے
قابل ہوا جو اعلیٰ ترین سطحات تک پہنچتے ہیں؟ اس کا جواب
یہ ہے کہ ہمیں ماضی کا اتنا زیادہ خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ اب تو
بڑا سوال مستقبل کا ہے۔ دنیا انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آگے
بڑھ رہی ہے۔ وہ ایک اکیلی چیز جو ہندوستان کو اس ترقی کے
شانہ بشانہ رکھ سکتی ہے، وہ ہے ہماری پوری قوم کے لئے، ہمارے
تمام افراد کے لئے مضبوط بنیادی تعلیم۔ اصولاً یہی وہ سوال ہے
جس کو حل کرنے کی کوشش ان کاغذات میں کی گئی ہے جو چند روز
پہلے قوم کے روبرو پیش کئے گئے ہیں۔ ہم قوم کو کس طرح تیار کرنا
چاہتے ہیں تاکہ وہ آئندہ صدی کے چیلنجوں کا مقابلہ کر سکے، ان
حالیہ، جدید ترین ٹیکنالوجیوں کا مقابلہ جو ہمارے سامنے آئیں اور
جیسے جیسے آئیں؟

ترقی، چاہے جس زاویے سے ہم اسے دیکھنے کی کوشش
کریں اور چاہے کسی بھی سمت سے، اس کے معنی یہی ہوں گے کہ
جدید ترین تیکنک کو بالکل بنیادی سطحوں میں اپنی سوسائٹی میں جذب
کریں۔ ہم اپنے آپ کو ساری دنیا سے منقطع نہیں رکھ سکتے اور
اپنے آپ کو بیل گاڑی کے زمانے سے وابستہ کئے رہیں۔ اس لئے
نہیں کہ ہم خوشنما کل پرزوں اور فینسی چیزوں کے دلدادہ ہیں بلکہ

اس لئے کہ زمانۂ حال کے لئے اب وہ چیزیں بہت گراں ثابت ہوں گی پرانی ٹیکنالوجی اب ہمارے بس کی بات نہیں ہے، اس لئے کہ اب اس پر بہت زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ پھر جب ہم قدیم ٹیکنالوجی پر ہونے والے خرچ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو بات صرف اتنی سی نہیں ہے کہ کتنے آدمی برسرِ روزگار اور کتنے بے روزگار ہیں بلکہ دیکھنا یہ ہوگا کہ ایک مقررہ رقم کی سرمایہ کاری سے پیداوار کی مقدار کتنی ہے۔

جب ہم سرمایہ کاری کی بات کرتے ہیں تو ہمارا مطلب سرکاری پیسوں سے نہیں ہوتا۔ ہم اس سرمایہ کی بات کرتے ہیں جو ملک کے غریب ترین لوگوں کے پاس ہوتا ہے۔ ہر پیسہ جو عدم صلاحیت پر ضائع ہوتا ہے وہ ایسا پیسہ ہے جو غریبی بشاد" پر وگراموں کی اس حد تک محرومی کا باعث ہوتا ہے۔ یہی بات ہمیں سمجھنی چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ میں جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کی بات کرتا ہوں کہ اسے ان لوگوں کے فائدے کے لئے صلاحیت کے ساتھ استعمال کیا جائے جو ہمارے ملک میں زبوں حالی کا شکار ہیں۔

یہ کاغذ درحقیقت ایسا کاغذ ہے جو بحث و مباحثہ پر اکساتا ہے یہ کاغذ آخری کاغذ بھی نہیں ہے۔ ہم سننا چاہتے ہیں کہ آپ کا نظریہ کیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر ہم ملک کے ہر فرد کا نظریہ جاننا چاہتے ہیں کیونکہ یہ ایسا مضمون ہے جو ہر شخص پر اثر انداز ہوگا۔ ہمیں اس پر مناسب قومی بحث کرنی چاہیئے اور اکاڈیمی کے دائروں میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، جریدوں کے ذریعے ہر جگہ کرنی چاہیئے۔ اس پر کھلی بحث ہونی چاہیئے۔ تمام تبصرے بغیر کسی روک ٹوک کے برملا آنے چاہئیں تاکہ ہم انھیں دیکھ سکیں، پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں پھر جب آخر میں کاغذ تیار کیے جائیں تو ہم ان تمام چیزوں پر غور کر سکیں جو اس مدت کے دوران آتے ہیں اور بہترین امید کے ساتھ ایسی دستاویز تیار کر سکیں جو ہندوستان کو ترقی کی اگلی صف میں لے جا سکے۔

انسانی ترقی

تعلیم کی تکمیل میں طویل عرصہ لگتا ہے یہ ایک اور وجہ ہے۔ کاموں کو جلد از جلد انجام دینے کی تاکہ نئی طرزِ تعلیم کا آغاز کیا جاسکے اور بہتر تو یہ ہوگا کہ ۱۹۸۶ء سے اس کی ابتدا ہو جائے۔ جب ہم تعلیم کی بات کرتے ہیں تو درحقیقت ہم اپنے لوگوں کی بات کرتے ہیں کیونکہ بہت عرصے تک ہم اپنی آبادی کو ایک مسئلہ اور ایک ذمہ داری سمجھتے رہے ہیں۔ وقت آگیا ہے کہ ہم اسے بدل دیں اور اپنی آبادی کو اپنی دولت اور مضبوطی سمجھنے لگیں۔ اس کو صرف انسانی ترقی کے ذریعے انجام دیا جاسکتا ہے اور تعلیم انسانی ترقی کا دل ہے۔

جب ہم انسانی ترقی کی بات کرتے ہیں تو ہمارا نظریہ وسیع و بلند ہونا چاہیئے۔ صرف اتنی ہی دور تک ہماری نظر نہ رہنی چاہیئے جتنی ہماری طرزِ تعلیم کی چار دیواری سے گھری ہوتی ہے اور جو فی الحال ہمارا طور طریقہ ہے اور جو ہمیں پہلے سے ایک فیصل شدہ نصاب کے درمیان سے گزارتا ہے اور ۲۰ یا ۲۱ سال کی عمر میں وسیع دنیا میں پھینک دیتا ہے اور ہمارے ہاتھ میں صرف ایک غیر یقینی کاغذ کا ٹکڑا تھما دیا جاتا ہے جس پر لکھا ہوتا ہے "کوالیفائیڈ"۔ لیکن اس کاغذ کے ٹکڑے پر ملک کا کوئی شخص یقین نہیں کرتا۔ تعلیم کا طریقہ تو اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ تعلیم کے طریقے کو کام کے دوران بھی جاری رکھنے کا خیال رکھنا چاہیئے۔ یہاں اس پر بحث نہ بھی کی جاتے تب بھی اسے ذہن نشین رکھنا ہوگا۔ صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ کوئی شخص انتظامی سروس میں یا خارجی سروس میں لگ گیا اور ابتداً کچھ عرصے تک وہ ٹریننگ حاصل کرتا رہا۔ پھر ہم اسے دوسری مناسب ٹریننگ کے لئے کبھی واپس بلاتے ہی نہیں۔ کیا یہ اچھی بات ہے کہ ایک پولس مین نئی تیکنک کے بارے میں کسی ریفریشر کورس کے لئے بلایا جاتا ہی نہیں اور نہ ان مسائل کے سلسلے میں جن کا اس کے ساتھیوں کو غالباً دوسرے علاقوں میں مقابلہ کرنا پڑا ہوگا جنہیں جان لینے کے بعد اسے ان جیسے مسئلوں سے نمٹنے میں مدد ملے گی؟ ہماری تمام سروسوں کا یہی حال ہے۔

ہمیں اپنی نوجوان نسل کو ان باتوں کے سوچنے کے قابل بنانا چاہیئے۔ بدقسمتی سے طریقۂ تعلیم جیسا کہ وہ فی الحال ہے لوگوں کو سوچنے سے روکتا ہے۔ لوگوں کو تم سوال کرنے سے منع کرتے ہو تمہیں ایک مقررہ نصاب کی مشق کرنی پڑتی ہے اور امتحان میں تم چاہتے ہو تو وہ انہیں چیزوں کو دہراو ہے۔ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ طریقہ تو ایسا ہونا چاہیئے جو جوان لڑکے اور لڑکیوں کو سوالات پوچھنے پر ابھارے جو انہیں س

پر آمادہ کرے کہ استاد سے ان چیزوں کے متعلق پوچھیں جنہیں
ہ نہیں سکے نہ یہ کہ انہیں صرف رٹ لیا اور بس۔ سوالات کا
ا منوف بچوں کے لئے مفید ہوگا بلکہ استادوں کے لئے بھی فائدہ مند
کیونکہ ان سوالوں کے جواب دینے والے ہوں گے۔ اس طرح
یقہ ترقی پائے گا۔ نئے خیالات پیدا ہوں گے۔ نہ صرف اندرونی
پر طریقۂ تعلیم میں بلکہ اس سے بھی کہیں آگے۔ میں دیکھتا ہوں کہ
ب الگ نسلوں کے درمیان دیواریں تعمیر کرنے پر مائل ہوتے
حکومت کا ایک بڑا حاکم کسی چھوٹے حاکم سے مشورہ نہیں لے گا۔
اونچے درجے کا پولس مین کسی چھوٹے پولس مین سے بات نہیں
ےگا۔ ایک ٹیچر کسی طالب علم سے گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھے گا
ہیں خود ان سے گفتگو کرنی پڑے گی۔ اس طریقے میں تبدیلی
ہوگی۔ یہ ایسی بنیادی تبدیلیاں ہیں جن پر ہمیں کچھ خرچ کرنے کی
ت نہیں ہوگی۔ یہ تو فقط ایک طرزِ عمل کی بات ہے۔ ایک سوچنے
یقہ ہے (تعلیم کا طریقہ ایسا ہونا چاہیئے جو قوم کے عادات و اطوار
ر کرے)۔ قومیت نوازی کو مضبوط بنانا چاہیئے۔ ہمیں اپنی وراثت
ثافت پر عمل کرنا چاہیئے۔ آج کل تو یہ حال ہے کہ ہمیں اسکولوں
ری تاریخ بھی ٹھیک سے نہیں پڑھائی جاتی۔

پیشہ ورانہ تعلیم

اعلیٰ تعلیم سے قطع نظر کرکے ہم پیشہ ورانہ تعلیم کی باتیں
رنے لگے ہیں۔ درحقیقت پیشہ ورانہ تعلیم کو آگے بڑھانے کے
ترقی کی طرف لے جانے کے لئے ہمیں ایسا ماحول پیدا کرنا
جو پیشہ ورانہ تعلیم پانے ہوئے لوگوں کی خواہش کرے۔
پیشہ ورانہ تعلیم سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اگر مارکیٹ میں
سم کی تعلیم پائے ہوئے لوگوں کی مانگ نہ ہو۔ یہ بات مجھے
اور وسیع نظریہ کی طرف لے جا رہی ہے۔ نیا تعلیمی طریقہ
ظریہ کی روشنی میں دیکھا جانا چاہیئے۔ ہمیں سب سے پہلے
قسم کی ایک تصویر بنانی ہوگی کہ آج سے ۱۵-۲۰ سال کے
ہم ہندوستان کو کس روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ صنعت
ہوگی، زراعت کی کیا شکل ہوگی، ملازمتوں کا کیا رنگ ہوگا۔
ملک میں دوسرے تمام محکمے کس نوعیت کے ہوں گے۔ ان
سے ہم کو پیچھے ہٹ کر کام کرنا ہوگا۔ اب اس قسم کے طرزِ تعلیم
میر کرنی ہوگی جن سے وہ ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ اگر ہم
ورانہ تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ اگر ہم بہتر قسم کے موٹر میکنک

اور بہتر بڑھئی یا بہتر عمارتوں کے بنانے والے یا کوئی اچھا کارنامہ
پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے بازار میں مانگ بھی ہونی چاہیئے
اور یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ یہ بہتر کیوں ہے تب ہی یہ بات قابلِ عمل
ہو سکے گی۔

اس لئے ان تمام رابطوں پر غور کرنا ہوگا اور ان کی تعمیر
عمدگی کے ساتھ کرنی ہوگی۔ تعلیم کے بعد صرف رابطے ہی کام نہیں
دیں گے کیونکہ رابطے ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں تعلیم سے سروکار
رکھنے والے مختلف محکموں کے درمیان سسٹم میں داخلی طور پر
تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ ہمارے یہاں محکمۂ زراعت کے
تحت زراعتی یونیورسٹیاں بھی ہیں، محکمۂ محنت کے تحت آئی ٹی آئی
ادارے بھی ہیں۔ وزارت قانون کے تحت قانون کے کالج بھی ہیں
محکمہ الیکٹرانکس کے تحت الیکٹرانکس کے ادارے بھی ہیں۔ یہ سب
ان سے الگ ہیں جو مرکز اور ریاستیں انجام دیتے ہیں۔ ان میں سے
ہر ٹکڑے کے درمیان مناسب سوجھ بوجھ ہونی چاہیئے۔ اگر ہم
کسی خاص کالج یا درس گاہ کی طرف نگاہ کریں تو اسے دیکھنے
میں اس قدر تنگ نظر نہ ہونا چاہیئے کہ اس میں ان طلباء کو جو وہاں
سے نکلتے ہیں پوری تعلیم بھی نہ دی جاتی ہو۔ یہ تو کوئی بہتر بات
نہ ہوگی کہ کسی شخص کو ایک زراعتی کالج میں ٹریننگ دی جائے
اور پھر اسے ایک نہایت محدود منظر میں گھرا ہوا رکھا جائے۔
تعلیم کا بنیادی مقصد نظر سے اوجھل نہ ہونا چاہیئے یعنی
فرد کے عادات و اطوار کی تعمیر جو درس گاہ سے نکلنے کے بعد
دنیا سے واسطہ پڑنے پر اس کے لئے کار آمد ہوگی کیونکہ ہر ایک
درس گاہ کسی خاص میدان میں بلند خصوصیات رکھتی ہے۔

آپ نے مالیات کا سوال اٹھایا ہے۔ میں اس نکتے پر پلاننگ
کمیشن کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتا رہا ہوں اور مجھے آپ سے یہ
کہتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ ہم اس رقم کے علاوہ جو انسانی
وسائل کی ترقی کے لئے ابتداءً عطا کی گئی تھی، مزید ۵۰۰ کروڑ
روپے حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ اس میں سے ایک
بہت بڑا ٹکڑا مجھے یقین ہے تعلیم پر لگایا جائے گا۔

جب ہم اپنے طریقۂ تعلیم پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری نظر
ان چیلنجوں پر پڑتی ہے جو ہمارے سامنے ہیں اور بڑی تعداد میں
ہیں جنہیں دیکھ کر دماغ پریشان اور پراگندہ ہوتا ہے۔ پھر ہمیں
یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کس سمت میں حرکت کرنا ہمارے بہترین
فائدے میں ہوگا۔ ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کیا حکومت

پورے تعلیمی طریقے کے لئے ساری ذمہ داری برداشت کرنے کے لئے تیار ہے خواہ وہ امیروں کے لئے ہو خواہ غریبوں کے لئے یہ سوالات ایسے ہیں جن پر سوچ بچار کی ضرورت ہے۔

خواندگی اور اضافۂ قابلیت

آئندہ صدی میں جس شرح سے ہماری آبادی بڑھ رہی ہے اس کے مطابق ہمارے ملک میں ناخواندہ اشخاص کی تعداد آسانی سے پانچ کروڑ ہو جائے گی۔ ناخواندوں کی اتنی بڑی تعداد ہمارے بس کی بات نہ ہوگی۔ اسی لئے ہم تعلیم پر اتنا زور دے رہے ہیں اور پھر تعلیم ہمارا ابتدائی ہتھیار ہوگا۔ جو ہمارے فائدوں کو مستحکم کرے گا۔ فائدے جو ہم نے جنگِ آزادی میں حاصل کئے ہیں، فائدے جو ہمیں آزادی کے بعد کی ترقی سے ملے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ فائدے غیر مستحکم ہو جائیں۔ یہ بھی ایک ایسا نکتہ ہے جسے ذہن نشین رکھنا ہوگا۔ اس دستاویز میں ہم نے بہت سے پہلوؤں پر نظر رکھی ہے۔ بعضوں پر ہم نے تفصیل سے گفتگو کی ہے اور بعض ایسے ہیں جن کی گہرائی تک ہم نہیں گئے ہیں۔ پیشہ وارانہ تعلیم اسی نوعیت کی ہے۔

ہم تعلیم کو پیشہ ورانہ حیثیت دینے میں کامیاب نہیں ہو سکے جو لوگ اس میں کامیاب رہے ہیں ہمیں ان سے سیکھنا ہوگا۔ اگر ہم دیکھیں گے کہ کوئی نمونہ ہمارے سسٹم سے موافقت نہیں رکھتا تو ہمیں چاہئے کہ ایک نئے نمونے کی نشوونما کریں۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ ہم ایک پٹے پٹائے راستے پر ہی چلیں جہاں یہ واضح ہو جائے کہ ہم ترقی نہیں کر رہے ہیں، ہمیں اپنا طریقہ بدل دینا ہوگا۔ چیلنج کو قبول کریں اور نئے راستے پر قدم بڑھائیں۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ کس طرح ٹریننگ یافتہ عمال سے بہترین طور پر کس طرح کام لیں کہ تبدیلیاں پیش آئیں۔ آج ہم اپنی بڑی صنعتوں کو چلانے کے لئے تقریباً غیر تعلیم یافتہ ناخواندوں کو ملازم رکھ لیتے ہیں جن میں پاور اسٹیشن، پبلک سیکٹر یونٹیں، بڑی صنعتیں شامل ہیں۔ کیا کام یہ بات قابلِ عمل ہوگی؟ کیا کوئی پاور اسٹیشن جو آئندہ پانچ یا دس برسوں میں قائم کیا جانے [illegible] طرح چلایا جائے گا؟ [illegible] بڑی تعداد میں [illegible] لگ سکیں گے؟ کیا [illegible] کمپیوٹر سے کنٹرول [illegible] سکے گا؟ کیا اسے [illegible] سے کنٹرول [illegible] اسے چلانے کے قابل ہوں [illegible] کو کس طرح تعلیم دیں گے کہ وہ ہماری

ان صنعتوں کو جو سن ۱۹۹۰ء سے یا سن ۲۰۰۰ء سے شروع ہونے والے ہوں گے، چلانے کے قابل ہوں گے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن پر ہمیں غور کرنا ہوگا۔ جب ہم پیشہ ورانہ تعلیم کے متعلق سوچیں تو بات ایسے نہیں بنے گی کہ ایک بڑھئی کو قدرے بہتر بڑھئی بنا دیا اور بس۔ مقصد اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع رکھنا ہوگا۔ اس صدی کے آخر تک ایک اوسط درجے کے کاریگر کا رول کیا ہوگا؟ آج اس رول کے لئے بچوں کو ہم کس طرح تیار کریں گے؟

ذہنی دھارے کا فروغ

ہمارے پاس اونچے معیار کے دماغوں کا ایک بلاک ہے۔ ہمیں ان دماغوں کے لئے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں ملک میں بہترین دماغ پیدا کرنے کی فکر ہونی چاہئے۔ میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ ہندوستان ان ملکوں میں سے ہے جہاں بہترین دماغ ہیں۔ البتہ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ ان میں سے چند دماغ باہر جائیں گے تجربہ حاصل کریں گے اور پھر واپس آکر ہمیں فائدہ پہنچائیں گے۔

ٹریننگ اور تعلیم ختم نہیں ہو جاتے۔ جب کالج ترک کیا جاتا ہے۔ یہ ایک مسلسل سلسلۂ عمل ہوتا ہے۔ آپ پڑھتے بھی رہئے اور کام بھی جاری رکھئے اور اگر کوئی سائنس داں یا انجینئر یا ڈاکٹر ہمارے ملک میں اس وقت آتے جب وہ ۵۰ یا ۶۰ برس کا ہو تو ہم نے اسے کھویا نہیں ہے۔ ہم اس کے ان تجربوں سے جو اس نے ہندوستان سے باہر رہ کر حاصل کیا ہے اور زیادہ فائدے میں رہیں گے۔ وہ ان تجربوں کو ہمارے ملک کے فائدے کے لئے واپس لے کر آتے گا۔
ہمیں ہندوستان میں دماغوں کی تعمیر، تربیت اور نشوونما کرنی چاہئے تاکہ وہ ہندوستان میں ہی نہیں، دنیا کے تمام حصوں میں کام کرے، ساتھ ہی ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہمیں اس باب میں نقصان نہ ہوگا بلکہ یہاں ہندوستان میں بھی کام کرنے والے کافی تعداد میں ہیں اور ہندوستان آتے رہتے ہیں۔ میں نے چند سال کے دوران دیکھا ہے کہ وہ ہندوستانی جو باہر ہیں ہندوستان سے بے حد وابستگی رکھتے ہیں۔ وہ واپس آنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہمیں اس میں اپنا نقصان نہ سمجھنا چاہئے۔ ہمیں اس معاملے کو اس نظریے سے نہ دیکھنا چاہئے کہ ہمارے بہترین دماغوں کو وہاں کھینچا جا رہا ہے اور نچوڑا جا رہا ہے بلکہ یوں کہ ہمارے وہ لوگ دماغ کے بینک ہیں جو وہاں سود حاصل

ہے ہیں اور منتظر ہیں کہ ہم ان رقموں کو نکال لیں اور بطور
، دوبارہ ہندوستان میں لگا دیں ۔

لیت کی اہمیت

ایک اور تصور جو عوامی تعلیم کی ہماری کوششوں میں
۔ وہ فضیلت و شرف کا تصور ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
الکل بھول ہی گئے کہ ایسی بھی کوئی چیز ہے ۔ ہر چیز کو معمولی
جاتا ہے بلکہ اس سے بھی کمتر۔ اس خیال کو بدلنے کی ضرورت
یہ ایک ایسی چیز ہے جسے ہمیں حل کرنا ہوگا اور آئندہ چند
ہیں ۔ ہم نے ایک اسکیم ماڈل اسکولز "فضیلت کے نکتے"
کی ہے اور امید ہے کہ اسے ہم ہر ضلع میں آئندہ پانچ سال
بر عمل لا سکیں گے لیکن یہ باقیماندہ سسٹم کے لئے صرف ایک
کے بطور ہے تاکہ سب ہی اس معیار تک پہنچنے کی کوشش
۔ آپ بھی سوچیں کہ پورے سسٹم کو کس طرح بنایا جاتے کہ
ی کی طرف چلے ۔ افضلیت کے بغیر کوئی مثبت نتیجہ نہیں
سکتا ۔

امتحانات ہر ایک کے لئے مزید ٹیڑھے مرحلے ہوا کرتے
سب سے زیادہ طالب علموں کے نزدیک، اگر قریب قریب
کو ممتاز درجہ ملے تو ایک ممتاز اور تیسرے درجے والے
ں ہی کیا رہ جائے گا ؟ کیا صرف اتنا کافی ہے کہ اسی سسٹم
لگاتے رہیں جو فی الحال رائج ہے ؟ جب ہم کسی سسٹم کے
سوچتے ہیں تو صرف اتنا سوچنا کافی نہیں ہوگا کہ ہم آج کے
ں چیز کی نشو و نما کر رہے ہیں۔ جو چیز ہم بحث کے بعد ۱۹۸۶ء
غذ پر لے آئیں وہ ایسی ہونی چاہئے کہ وقت کی پابندی
ں تہ ہو۔ اس میں اتنی صلاحیت ہونی چاہیئے کہ تبدیلیوں کے
ترقی کرتی جائے جیسا کہ ہندوستان میں ہوتا ہے، جس طرح
بیرونی ملکوں میں ہوا کرتا ہے۔ اسے لچکدار ہونا چاہیئے ۔
ے سرے کھلے ہوتے ہوں اور اس میں ویسی روایت ہو ۔

یلے قومی ضرورتیں
قدریں

تعلیمی طریقے کے سلسلے میں یہ دو بنیادی سوالات
ہوتے ہیں : پہلے، کیا وہ طریقہ ان قدروں کی پوری سوجھ
رکھتا ہے جن کا ہندوستان حامی ہے ۔ یعنی سیکولر جمہوری

سوشلسٹ سماجی؟ دوسرے کیا وہ ہماری قوم میں عدم تشدد اور
اسچائی کی تعمیر کرتا ہے ؟ یہ اس قسم کے سوالات ہیں جن کے
جوابات ضروری ہیں۔ کیا وہ پوری نچلی سطح تک جا پہنچا ہے
یا اس میں ایسی رکاوٹیں ہیں جنہیں بعض سماجی گروپ یا معاشی
گروپ پار نہیں کر سکتے ؟ کیا وہ ہر عورت، لڑکی، درج فہرست
قبائل کے ہر ممبر، درج فہرست جاتیوں اور نیچے دوسرے جاتیوں
اور نیچے دوسرے کمزور طبقات تک پہنچ سکتا ہے ؟
کیا وہ انہیں فہم و فراست کی نشو و نما کے پورے مواقع عطا
کرتا ہے ؟ کیا وہ سماجی استحکام میں مددگار ہوگا یا سماجی ہلچل
یا عدم استحکام کو بڑھا وا دے گا ؟ یکساں مواقع کے مسئلے
کا مقابلہ رو در رو کرنا ہوگا۔ سماجی بے چینی کو سکون سے بدلنا
ہوگا۔ یہاں تک کہ طریقۂ تعلیم اس کے اکساتے کا سبب نہ بنے۔
یہ ایسی باتیں ہیں جن پر آپ کو غور کرنا چاہیئے ۔

ہماری اقتصادی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ
ہماری آبادی میں اضافہ کی شرح ہے ۔مزید یہ کہ جہاں تعلیم
آگے بڑھی ہے، بالخصوص عورتوں میں، تو پیدائش کی شرح
بہت حد تک گھٹ گئی ہے۔ اس لئے تعلیم صرف اسکولی تعلیم
سے کہیں زیادہ گہرائی تک اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اسی جیسا ایک بنیادی
مسئلہ ہمارے معاشرے میں قدروں کے سسٹم کی نشو و نما ہے ۔
فہم و فراست کے ڈھانچے کی ایسی نشو و نما جو ہمیں خود مسئلے
کو حل کرنے کے قابل بنائے ۔ ہم خود اعتمادی کی بات کیا کرتے
ہیں لیکن آج خود اعتمادی کے کیا معنی ہیں ؟ زیادہ تر اس کے یہ
معنی کئے جانے لگے ہیں کہ ہم لائسنس کے تحت ایسی کوئی چیز بنائیں
جسے کسی دوسرے نے ترقی دی ہو۔ میں ان سائنس دانوں یا ٹیکنالوجی
کے ماہرین کی تحقیر کرنا نہیں چاہتا جنہوں نے ہندوستانی ٹیکنالوجی
کو ترقی دی جس کی بنا پر آج ہمارے پاس بعض بہترین چیزیں
ہیں، بالخصوص ان میدانوں میں جن کے لئے ہمیں ٹیکنالوجی مہیا کی
ہی نہیں گئی ۔ ہم ترقی کی سرحدوں کے قریب ہیں لیکن بڑی حد
تک ہماری خود اعتمادی صرف ان چیزوں کے بنانے تک محدود
رہی ہے جنہیں دوسرے لوگ ترقی دے رہے ہیں۔ یہ چیز
سوچ بچار کے لحاظ سے بھی محدود رہی ہے ۔حل معلوم کرنے میں
بھی محدود رہی ہے اور مسائل کا اپنے طور پر حل دریافت کرنے
میں بھی

ہندوستانی ذہن ودماغ کی ترقی

تعلیمی طریقہ ہندوستانی دماغ کی نشوونما کرنے کے قابل ہونا چاہیئے۔ اسے نوآبادیاتی ڈھانچے سے باہر نکلنے کے قابل ہونا چاہیئے۔ اس دائرہ سے باہر کی طرف سوچ بچار ہونا چاہیئے اور جہاں سوال فہم و فراست کا ہو تو اسے بڑی حد تک پیش کرنے والا ہونا چاہیئے۔ ہمیں اسے اس طرح ڈھالنا چاہیئے کہ ہم جو حل دریافت کریں وہ ہندوستان ہی میں ملے، ہندوستان سے باہر نہیں۔ بنیادی طور پر یہ ہیں وہ باتیں جن کے بارے میں میں گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے بھی کئی چھوٹے چھوٹے سوالات ہیں جن میں میں جانا نہیں چاہتا۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں نے آپ کا زیادہ وقت لے لیا ہے۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ کتنی اعلیٰ تعلیم کو باقاعدہ رکھنا چاہیئے۔ اس میں کتنے لوگوں کو داخل ہونا چاہیئے؟ کتنے لوگوں کو اس میں داخل نہیں ہونا چاہیئے؟ کیا پیشہ ورانہ تعلیم کو ممیز افراد، پبلک سیکٹر اور پرائیویٹ سیکٹر میں سے استطاعت رکھنے والوں کی طرف سے مدد ملنی چاہیئے؟ کس مرحلے پر پیشہ ورانہ تعلیم کی طرف بھیجنے کی ابتدا ہونی چاہیئے؟ نصاب کا میل اور نصاب میں شامل مضامین کا تعلق اس طبقے کے جذب کرنے کی صلاحیت سے نسبت رکھتا ہے۔ ہم عوامی ذریعۂ تعلیم کو اپنی نوجوان نسل کی کی تعلیم اور تعمیر پر کس طرح استعمال کرنا چاہتے ہیں؟ تعلیم کی نوعیت کیا ہو اور اسے کس حد تک سیاست سے الگ رکھنا چاہیئے؟ ہم کتنی سچائی کے ساتھ ٹیچرس کمیشنوں کی رپورٹوں پر غور کریں اور یونیورسٹیوں کے انتظامی امور کی اصلاح کریں تاکہ کارکردگی بہتر اور زیادہ ذمہ دارانہ ہو، انڈر گریجویٹ اور گریجویٹ کے پروگراموں کو بڑھانے یا گھٹانے کے اصول پر از سر نو منظم کریں۔ جہاں طلبا کو یہ اختیار ہو نظریاتی علم کے ساتھ مراسلاتی شعور کو مربوط کرنے کا اختیار رکھتے ہوں؟ کس طرح ایک طالب علم اپنے زیادہ اصولی کورسیز کو پیشہ ورانہ کورسیز کے ساتھ ملا سکتا ہے۔ پھر ۳+۲+۱۰ کا سوال ــــ کہ اس کی کارکردگی کیسی رہی؟ کیا اس نے وہ کام کیا جو ہم اس کے ذریعے کرنے کے خواہش مند تھے؟ اگر ان میں نقائص ہیں تو کیا ہم نے کسی ایسی بات کرنے میں کوتاہی کی جس کا کرنا ضروری تھا؟ کیا اس پر عمل درآمد کرنے کے طور طریقوں میں خامیاں تھیں؟

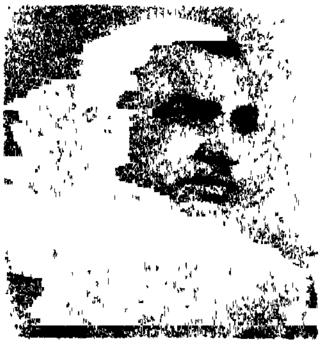
فنڈز کے متبادل انتظامات

میں نے ابھی کہا ہے کہ ہم نے کچھ فاضل رقمیں تعلیم کے لئے الگ رکھ دی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ رقم بھی غالباً ناکافی ٹھہرے جو فنڈز دستیاب ہیں ان کا بہتر طور سے استعمال کیا جانا ضروری ہے۔ پھر بھی اسکول بلڈنگوں کی اچھائی اور سہولتیں جو موجود ہیں ان پر بھی نگاہ رکھنا لازمی ہے۔ دو بالکل واضح راستے ہیں۔ ہم اس بات کو انتخاب کر سکتے ہیں کہ ہم صرف بنیادی تعلیم دیں گے اور اسے آم کے درخت کے نیچے بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ ان ضمنی باتوں کو بدلے گا نہیں جو دی جائیں گی۔ ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ جب اسکول ہر حیثیت سے کامل ہے یعنی بلڈنگ صاف ستھری ہے۔ انسانی حوائج ضروریہ کے انتظامات اچھے ہیں، غسل خانہ بھی موزوں ہے اور دیگر سہولتیں بھی حاصل ہیں تو یہی سب تو ایک گاؤں کے لئے ترقی کے دل اور جدت طرازی کی جان ہیں۔ اس سے پورے گاؤں کو اشتیاق ہوگا کہ وہ آگے کی طرف کوچ کرے البتہ ہم ہر گاؤں میں ایسے اسکول نہیں قائم کر سکتے ہمیں ان دونوں کے درمیان کوئی راہ نکالنی ہوگی۔ ہم بات بنانے کے لئے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ٹیچر اور آم کا درخت فراہم کر دینا ہمارے نوجوانوں کی تعلیم کے لئے کافی ہوگا

مرکز اور ریاست کے تعلقات

غالباً سب سے مشکل سوال تعلیم کے بارے میں مرکز و ریاست کے تعلقات کو حل کرنا ہے۔ اس پہلو پر یہ دیکھنے کے لئے غور کرنا ضروری ہے کہ تعلیم کی نشوونما کس طرح کی جائیگی اور مرکزی فنڈز اور ریاستی فنڈز کا استعمال بہتر تعلیم کی خاطر بہترین انداز میں کیسے کیا جا سکتا ہے۔ شاید اس کا سب سے اہم پہلو ٹیچر ہے۔ اس بات کا انحصار کہ ٹیچر کتنا اچھا ہے اس پر ہے کہ طلبا کتنے اچھے ہوں گے جیسا کہ کسی نے تشریح کی ہے ایک درمیانی ٹیچر بولتا ہے۔ ایک اچھا ٹیچر سمجھاتا ہے اور ایک اعلیٰ ٹیچر مثال و تجربہ دیتا ہے اور بیان کرتا ہے اور ایک

(باقی صفحہ ۱۵ پر)



وزیر اعلیٰ کا پیغام

مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ ڈائرکٹوریٹ جنرل برائے اطلاعات و رابطہ عامہ، حکومت مہاراشٹر کی جانب سے شائع ہونیوالا "قومی راج" نئی تعلیمی پالیسی پر ایک خصوصی شمارہ شائع کر رہا ہے۔

فی الحال اس بات پر پورے ملک میں زوردار بحث چھڑی ہوئی ہے کہ ہندوستان کو مستقبل میں کس قسم کی تعلیمی پالیسی اپنانا چاہیئے یہ بحث تعلیمی پالیسی سے متعلق ہے اور اس میں صرف یہ بات مدنظر رکھی جارہی ہے کہ ملک کو کیونکر ۲۱ ویں صدی میں قدم رکھنے کے لیئے تیار کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے محبوب وزیر اعظم شری راجیو گاندھی اس بات کے متمنی ہیں کہ وہ ہمارے ملک کی مستقبل میں پیش آنے والی ضروریات کے تحت ایک اچھے طرز کا تعلیمی منصوبہ رائج کریں۔ مہاراشٹر وزیر اعظم کی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے اپنے تئیں تیاری کر رہا ہے اس لحاظ سے وہ نئے دور کے چیلنجوں کو قبول کرنے کے لیئے ریاست کی تعلیم کو سائنس اور ٹیکنالوجیوں کی جانب جدید موڑ دے رہا ہے۔

مہاراشٹر نے ابتک تعلیم کے ہر میدان میں نمایاں کامیابیاں و ترقیاں کی ہیں اور ہمیشہ ہی قومی سطح پر صف اوّل میں اپنا مقام رکھا ہے اس ریاست کو دو بار تعلیم بالغان اور تعلیم نسواں کے سلسلے میں انعامات سے نوازا گیا ہے۔ ریاست کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس نے یونیسکو کے انعام "کروپسکیا" کو تعلیم بالغان کے سلسلے میں حاصل کیا ہے۔ ساوتری بائی پھُلے لے پالک اسکیم کے تحت اب تک ۲۰ء۱ لاکھ بچیوں کو مستفید کیا جاچکا ہے۔ ریاستی انتظامیہ کا یہ منصوبہ ہے کہ مارچ ۱۹۸۶ء تک اس اسکیم کے تحت تین لاکھ لڑکیوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرے۔ مہاراشٹر کو یہ یقین ہے کہ وہ تعلیم میں اپنے لامحدود تجربات کی روشنی میں نئی تعلیمی پالیسی سے متعلق منصوبہ سازی میں اہم کردار ادا کرے گا۔

عوام کو نئی تعلیمی پالیسی سے روشناس کرانے کے لئے ملک میں مختلف مقامات پر بحث و مباحثہ کا انتظام کیا گیا۔ نئی تعلیمی پالیسی میں سائنس اور ٹیکنالوجی پر خصوصی زور دیا جارہا ہے۔ دیہی علاقوں میں درپیش مشکلات پر توجہ دی جارہی ہے اور یہ امید کی جاتی ہے کہ ان پر بہت جلد قابو پالیا جائے گا۔ تعلیم کی یہ خصوصیت ہونی چاہیئے کہ وہ مقامی صنعتوں کی ضروریات کی تکمیل کرسکے۔

ایسا خیال ظاہر کیا جارہا ہے کہ پیشہ ورانہ تعلیم کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جانا چاہیئے۔ ان مباحثوں میں جو جو خصوصی اور اہم نظریات سامنے آئے اور جو جو سفارشات کی گئیں انھیں مرکزی حکومت کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ "قومی راج" کا یہ خصوصی شمارہ جو کہ تعلیمی پالیسی سے متعلق ہے عوام کو نئی تعلیمی پالیسی سے روشناس کرانے کا ایک اہم ذریعہ ثابت ہوگا اور عوام میں جوش و خروش پیدا کرنے کا باعث ہوگا اور انہیں اس پالیسی پر اپنی مفید رائے و تجاویز پیش کرنے پر آمادہ کرے گا۔

مجھے امید قوی ہے کہ قومی راج کا یہ شمارہ عوام کیلئے بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوگا۔

شیواجی راؤ پاٹل نلنگیکر
وزیر اعلیٰ مہاراشٹر

قومی راج

نئی تعلیمی شاہراہ پر مہاراشٹر کی پیش قدمی

طلباء آنیوالے دور کے مسائل اور مراحل کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرسکیں، اس کے تحت تعلیم کی تجدید کے پیشِ نظر مرکزی حکومت نے وکسبھا میں اگست ۱۹۸۵ء میں "تعلیم کے مسائل اور اصلاحی نظریات" اس عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا۔ اس مقالہ کا یہ مقصد تھا کہ "نئے تعلیمی اصلاحی نظریات" پر اچھی طرح غور وخوض کرکے اور ملک کی ہر ریاست کے عوام کے خیالات کا جائزہ لےکر ملک میں تعلیم کا ایک ٹھوس اور منظم طریقۂ کار متعین کیا جائے۔

اگست کے آخری ہفتے میں نئی دہلی میں وزارتِ تعلیم کی ایک کانفرنس بلائی گئی۔ اس میں نئے تعلیمی نظام کے ضمن میں مہاراشٹر کا کردار نامی کتاب تقسیم کی گئی۔ اس کتاب میں مہاراشٹر میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۸۵ء تک کی تعلیمی ترقی کا جائزہ لیا گیا تھا اور نئے تعلیمی نظام کے تعلق سے نظریات کا اظہار کیا تھا۔

حکومتِ مہاراشٹر نے مرکزی حکومت کی ہدایتوں کے عین مطابق عمل درآمد کرنا چاہا۔ اس سلسلے میں سابق وزیرِتعلیم شری مدھوکر راؤ چودھری، ان کی صدارت میں ایک اصلاحی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ منترالیہ میں، وزیرِتعلیم کی موجودگی میں، اس کمیٹی کی ایک نشست بلائی گئی، جس میں ریاست کے مختلف شعبوں سے مختلف سطح پر معزز ہستیاں، شعبۂ تعلیم میں باقاعدہ عملی طور پر کام کرنے والی شخصیتیں اور تعلیمی شعبے سے بالواسطہ یا بلاواسطہ متعلقہ نمائندوں کے ردِعمل کا جائزہ لینا لازمی ہونے کے سبب پوری ریاست میں طبقاتی سطح پر سیمینار اور مباحثوں کا انعقاد کیا جانا چاہیئے، اس بات کا فیصلہ کیا گیا اور اس فیصلے کے مطابق ناگپور، ناسک، ستارہ، اورنگ آباد، بمبئی اور ادیباسی علاقوں کے تعلق سے تھانے، یہ مقامات طے کئے گئے ہیں اور ریاستی سطح پر سیواگرام، وردھا میں ایک کانفرنس کے منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اس سیمینار کے تحت، نئے تعلیمی نظام کے ضمن میں

(۱) ابتدائی تعلیم اور تعلیم بالغان
(۲) ثانوی تعلیم
(۳) دھندے۔ پیشوں کی تعلیم اور تربیت
(۴) اعلیٰ تعلیم اور
(۵) اساتذہ کی تربیت، جیسے موضوعات پر گروہی بحث کے اعتبار سے اور بحث و مباحثے کو فروغ دینے کے خیال سے ماہرین سے تحقیقی مضامین لکھوائے گئے اور انہیں تمام مضامین کے مجموعے کی شکل میں ایک کتابچہ شائع کروایا گیا جو ہر شعبہ جاتی سیمینار میں گروہی مباحثہ میں شریک ہونے والے تمام نمائندوں اور مندوبین میں تقسیم کیا گیا۔

گروہی مباحثہ کے دوران، آج مہاراشٹر میں جو طریقۂ تعلیم رائج ہے، اس کی موجودہ تشکیل کے لئے آج سے پہلے جو مختلف جماعتیں اور ادارے قائم کئے گئے، ان کی جو جو سفارشات کارآمد ثابت ہوئیں وہ تمام نمائندوں کے پیشِ نظر ہونی چاہئیں، اسی مقصد کے تحت ۱۹۴۸ء سے ۱۹۸۴ء کے دوران ملک گیر اور ریاستی سطح پر قائم شدہ مختلف جماعتوں کی سفارشات پر مشتمل کتابچہ بھی نمائندوں اور مندوبین میں تقسیم کیا گیا۔

حکومتِ مہاراشٹر کے قیام یعنی ۱۹۶۰ء سے لےکر

یہ سک مہاراشٹر کے تعلیمی حلقے میں ابتدائی تعلیم سے یونیورسٹی
ی سطح تک سبھی جگہ گہری تبدیلی رونما ہوئی۔ ان پچیس برسوں
ران، مہاراشٹر نے تعلیمی میدان میں مختلف سطح پر جو مختلف
دگیاں عمل میں لائیں، جو نئے منصوبے جاری کئے، ان کی واضح
ہ پیش کرنے والا ایک کتابچہ بھی حکومت کی طرف سے حلقہ
سیمینار میں شریک ہونے والے تمام نمائندوں اور مندوبین
پہنچایا گیا۔

مکمل ریاست میں جو حلقہ جاتی سیمینار منعقد کئے گئے
کے ساتھ خواتین اور نوجوانوں کے خیالات، تاثرات
ردِعمل بھی شامل ہو، اس مقصد کے تحت پونے میں خواتین
فرنس اور نوجوانوں کا اجتماع اور بمبئی میں محنت کشوں کا
ع منعقد کیا گیا۔ اس طرح نیا تعلیمی منصوبہ مرتب کرتے وقت ہر
کے کارندوں کا عملی تعاون حاصل ہو، اس بات پر بالخصوص
دی گئی۔

ریاست بھر میں جو حلقہ جاتی سیمینار انعقاد پذیر ہوئے
میعاد تین دن کی تھی۔ ان تمام سیمناروں میں معزز ایم ایل اے
باسی، ضلع پریشد اور مہانگر پالیکاؤں کے نمائندے، ابتدائی
ن، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ، ٹریننگ کالجوں
لچررس، تیکنکی شعبے کے اساتذہ، مختلف انجمنوں کے
۔ اور نمائندے، تعلیمی اور فلاحی انجمنوں کے نمائندے تعلیمی
کے افسران وغیرہ سبھی کو ان میں شریک کیا گیا۔

سبھی حلقہ جاتی سیمناروں کے تحت نئے تعلیمی
بے کے پیشِ نظر مختلف تعلیمی سطحوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے
ے حلقے ترتیب دیئے گئے۔ ہر حلقے کا کام مناسب طریقے
اس کے لئے ہر حلقے میں ایک ماہرِ تعلیم اور دوسے تین
ولقوں کا تقرر کیا گیا تھا۔ سہ روزہ حلقہ جاتی سیمناروں میں
دو دن عام جلسے ہوتے ہیں اور اس حلقے کے کاموں کے
کا جائزہ لیا جاتا ہے اور تیسرے دن عام جلسے میں اس
کے لئے مخصوص سفارشیں جمع کی جاتی ہیں۔

حلقہ جاتی سیمینار اور عام سیمنار میں جو حلقہ وار
رشیں اکٹھا کی گئیں، انہیں کوئی خاص شکل دینے سے پہلے
حلقہ جاتی سیمناروں کی حلقہ وار سفارشوں کا مجموعہ کتابچے
کل میں شائع کیا گیا۔ حلقہ جاتی سیمنار کی سفارشوں کو آخری
دینے کے مقصد سے، سیواگرام وردھا، میں ۲ اور ۳ نومبر ۱۹۸۵ء

کو ریاستی سطح پر ایک کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ اس کانفرنس میں
حلقہ جاتی سیمینار میں پیش کی گئی حلقہ وار سفارشوں پر غور و خوض کیا
گیا ہے اور اس طرح حکومت کو فراہم کیا جانے والا سفارشوں کا آخری
مسودہ تیار کیا گیا۔

ریاستی سطح پر ہونے والی سیواگرام، وردھا کی کانفرنس کا
افتتاح شعبۂ انسانی طاقت اور ترقیات کے مرکزی وزیر شری
پی۔ وی۔ نرسمہاراؤ کے ہاتھوں ہوا تھا اور صدارت کے فرائض
مہاراشٹر کے وزیرِ اعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نلنگیکر نے انجام دیئے
تھے۔ اس کانفرنس میں مہاراشٹر کے وزیرِ تعلیم پروفیسر رام میگھے،
وزیرِ محنت شری نریندر ترڑکے، ریاستی وزیرِ تعلیم پروفیسر شری جاوید خان
تیکنکی تعلیم کے ریاستی وزیر شری رامچندر پاٹل، سماجی فلاح و بہبود کے
ریاستی وزیر شریمتی دمینتی دیش بھرتار اور ضلع وردھا کے وزیر برائے
سرپرستگان اور ریاستی وزیر شہری ترقیات ڈاکٹر شری رام منوہر ترپاٹھی
یہ سب حاضر تھے۔ مباحثے میں حصہ لینے کے لئے سابق وزیرِ تعلیم
اور وشکالو سمیتی کے صدر شری مدھوکر راؤ چودھری اور سمیتی کے
دیگر ممبران، ریاست کے ماہرینِ تعلیم، مختلف تعلیمی اداروں کے
منتظمین، اساتذہ نوجوان مندوبین، نمائندہ خواتین اور شعبۂ تعلیم کے
اعلیٰ افسران بھی موجود تھے۔

کانفرنس کے افتتاح کے موقع پر استقبالیہ کمیٹی کے صدر
شری باپو صاحب دیشمکھ نے حاضرین کا خیر مقدم کیا اور وزیرِ تعلیم
پروفیسر رام میگھے نے اپنی تمہیدی تقریر میں، انعقاد پذیر حلقہ جاتی
تعلیمی سیمینار کا جائزہ لیا اور یہ بات واضح کی کہ تعلیمی ترقی کے ضمن
میں ۱۹۳۷ء، ۱۹۴۵ء اور ۱۹۷۲ء میں یہاں ہونے والی قومی
تعلیمی کانفرنسوں کا جائزہ لینے سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ
جب جب نظامِ تعلیم میں تبدیلیوں کی ضرورت محسوس ہوئی تب
تب حکومت نے اسی مقدس سرزمین کا رخ کیا۔ بعد ازاں انہوں
نے فرمایا کہ آج بھارت کے ہر دلعزیز وزیرِ اعظم شری راجیو گاندھی
کے اعلان اور فرمان پر ۲۱ ویں صدی کے لئے تعلیم کے میدان
میں جو بھی چیلنج ہیں، مہاراشٹر انہیں قبول کرنے اور ان پر عمل درآمد
کرنے کے لئے تیار اور بے چین ہے۔ مہاراشٹر تعلیمی ترقی میں
قومی سطح پر ہمیشہ پیش پیش رہا ہے اور نئے تعلیمی منصوبوں کے
ضمن میں بھی مہاراشٹر پورے ملک کو نئے خیالات دے گا۔
نئی راہیں دکھائے گا۔ اس بات کا بھی انہوں نے یقین دلایا۔ انہوں
نے بڑے فخر کے ساتھ اس بات کا اعلان بھی کیا کہ حکومت مہاراشٹر

قومی راج

کو تعلیم بالغان کے میدان میں اپنی نمایاں کارکردگیوں کے لئے یونیسکو (UNESCO) کا کیپ سکیا ' یہ خاص انعام بھی دیا گیا ہے۔

مشعل روشن کرنے کے بعد ریاستی سطح پر ہونے والی اس کانفرنس کا افتتاح انسانی قوت اور ترقیات کے مرکزی وزیر شری نرسمہا راؤ نے کیا۔ آپ نے اپنی خوبصورت افتتاحیہ تقریر میں نیا تعلیمی منصوبہ مرتب کرنے کے سلسلے میں مرکزی حکومت کی توقعات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ عوام کو چاہئے کہ اس منصوبے کے تعلق سے اپنے خیالات اور اپنی خواہشات کا کھل کر اظہار کریں۔ تعلیم جیسے وسیع اور اہم موضوع پر سبھی کا ہم خیال ہونا نہایت ضروری ہے لیکن اسی طرح تمام قابلِ قبول تجویزوں پر بیک وقت عمل درآمد کرنا بھی اتنا ہی مشکل بھی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ آج تک کسی اور موضوع پر اس قدر وسیع پیمانے پر ملک کے عوام کا باہم مباحثہ اور تعاون دیکھنے میں نہیں آتا۔ سماج کی بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق تعلیم کی افادیت تو وقت کی اہم ضرورت ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ہی ملک میں انسانی قوتوں کا فروغ اور ترقی بھی ضروری ہے۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ تعلیمی نظام میں پائی جانے والی تمام ترکوتاہیوں اور خرابیوں کا تدارک اور انسانی قوتوں کی ترقی کے اہم ذریعے کی حیثیت سے تعلیمی ترقی بھی ضروری ہے۔

سماج اور ملک میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور بیکاری کے سبب نظامِ تعلیم پر اعتراضات کرنے کے مزاج پر ناپسندیدگی اور برہمی کا اظہار کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ تعلیم صدیوں سے جاری ایک روایتی نظام ہے۔ یہ تو محض بے پناہ اور تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی آبادی اور روزگار کے کافی اور مناسب مواقع فراہم نہ ہونے کی وجہ سے بے روزگاری میں اضافہ ہوا ہے۔ درحقیقت روزگار مہیا کرنا سماج کی ذمہ داری ہے۔ اس کے لئے نظامِ تعلیم کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ بات انہوں نے زور دے کر کہی' تاہم جو نظامِ تعلیم صنعتی ترقی کا ضامن ہو' وہ بھی نہایت ضروری ہے۔ تعلیمی ترقی کے میدان میں مہاراشٹر ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ اور آئندہ بھی وہ رہنمائی (Pace Setting) کرتا رہے گا۔ اپنی اس خواہش کا اظہار بھی انہوں نے اپنی تقریر کے آخر میں کیا۔ اس کے بعد اپنی صدارتی تقریر میں آج کے حالات سے میل نہ کھانے والے انگریزوں کے خود غرضانہ طریقے پر جاری کردہ نظامِ تعلیم کی خامیوں کا جائزہ لے کر انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ تعلیم کے ذریعے ہی نئی نسل میں مساوات اور بھائی چارے کا شعور بھی پیدا کیا جانا چاہئے۔ آبادی میں تعداد کا اضافہ قابلِ تشویش سہی لیکن ہمیں اپنی خوبیوں کے فروغ میں جو کمی دکھائی دیتی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ تشویشناک ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ نئی نسل پر بہتر ثقافتی اثرات کے لئے ذہنی ڈھانچوں کی اعلیٰ تعمیر و تربیت بھی تعلیم کے ذریعے انتہائی ضروری ہے۔

ریاستی وزیرِ تعلیم شری جاوید خان کی صدارت میں کانفرنس کا اختتام ہوا۔ اس وقت مہمانِ خصوصی' ریاست کے وزیر برائے تیکنکی تعلیم شری رام چندر پاٹل تھے۔ تیکنکی اور پیشہ ورانہ تعلیم اور تعلیمی تربیت جیسے شعبوں پر بھرپور توجہ دینے کی ضرورت پر انہوں نے زور دیا۔

افتتاحی جشن کے بعد مشترکہ سیمینار کی صدارت' پونے یونیورسٹی کے سابق چانسلر اور مہاراشٹر کی کئی یونیورسٹیوں سے منسلک پروفیسر رام تاکولے نے کی۔ ابتداء میں ابتدائی تعلیم' ثانوی تعلیم اعلیٰ تعلیم' تیکنکی اور پیشہ ورانہ تعلیم اور تعلیم بالغان' اس زمرے کے مضامین کا خلاصہ بیان کیا گیا۔ اس کے بعد اس زمرے کے پانچویں موضوعات میں سے ہر ایک پر' باہری کھلے میدان میں درختوں کے سائے میں شعبہ جاتی مباحثے ہوئے۔ اس طرح کانفرنس کا پہلے دن کا کام ختم ہوا۔

مذکورہ بالا پروگرام کے دوران حلقہ جاتی سیمینار میں سارے عوام کو شامل کرنا نہ تو ممکن تھا اور نہ کاروباری اعتبار سے مناسب ہی تھا' اس لئے حکومت نے ریاست کے سبھی روزناموں میں ایک اعلان شائع کرکے تمام تعلیمی منصوبے کا مفصل خلاصہ ایک کتابچے کی شکل میں سبھی تک پہنچانے کی ذمہ داری اپنے سر لی اور یہ کتابچہ تعلیم میں دلچسپی لینے والے اور اپنا ردِ عمل ظاہر کرنے والے ہر شخص کو اس کے مطالبے کے مطابق فراہم کرنے کا انتظام مہاراشٹر راجیہ' تعلیمی و تحقیقی کمیٹی' تعلیمی تربیتی محکمہ پونے' تعلیمی حلقوں کے نائب سکریٹری کے دفاتر اور شعبۂ تعلیم کے اعلیٰ افسران اور ضلع پریشد کے شعبۂ تعلیم کے افسران کو سونپا گیا۔ اس اعلان کو سر آنکھوں پر لیا گیا اور مہاراشٹر راجیہ تعلیمی تحقیقی کمیٹی اور تعلیمی تربیتی محکمہ کو ہر سطح کے عوام کی طرف سے ان کے خیالات اور تاثرات کے مطابق کارآمد تجویزیں پہنچی ہیں اس کے علاوہ ریاست کے شعبۂ تعلیم کے ذمہ دار عہدیداران' تعلیمی انجمنوں' ایم ایل اے

حلقہ جاتی اور دیگر سیمیناروں اور مباحثوں میں شرکت کرنیوالے اشخاص کی حلقہ وار تعداد

سیمینار	ابتدائی تعلیم	ثانوی اور ہائر سیکنڈری تعلیم	اعلیٰ تعلیم	دھندے پیشے اور تیکنکی تعلیم	اساتذہ اور تربیتی تعلیم
۲	۳	۴	۵	۶	۷
ناگپور	۵۶	۵۳	۳۸	۳۲	—
ناشک	۵۰	۶۴	۵۲	۳۴	۱۹
ستارا	۵۹	۶۰	۴۵	۲۵	۲۵
اورنگ آباد	۱۱۲	۱۴۱	۵۶	۵۴	—
بمبئی	۶۳	۹۸	۶۰	۳۵	—
مہیلا پریشد پونے	۲۳	۱۷	۳	۲۴	۱۰
نوجوانوں کا اجتماع پونے	—	—	۲۵	۳۷	—
ادیباسی سیمینار تھانے	۱۰۰	۲۹	۱۹	۱۵	۳۰
کل میزان	۴۶۳	۴۹۲	۲۹۸	۲۵۹	۸۴

نئی قومی تعلیمی پالیسی

علاقائی سیمینار اور کانفرنسیں

قام : ناگپور
خ : ۲۲ رسے ۲۴ ستمبر ۱۹۸۵ء
ظم : شری شیواجی ایجوکیشن سوسائٹی، امراوتی
اح : پروفیسر شری رام میگھے، وزیر تعلیم، ریاست مہاراشٹر
در : شری مدھوکر راؤ چودھری، صدر قیادت کمیٹی۔
ر : شری راؤ صاحب انگولے،
جلسی) صدر، شری شیواجی ایجوکیشن سوسائٹی امراوتی
ڈینیٹر، شری آر۔ایس۔ جامبھولے، صدر مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ
آف سیکنڈری اینڈ ہائر سیکنڈری ایجوکیشن۔ پونے ۱۰

قام : ناشک
: ۲۳ رسے ۲۵ ستمبر ۱۹۸۵ء
ظم : ناشک ڈسٹرکٹ مراٹھا ودیا پرسارک سماج، ناسک
اح : پروفیسر شری رام میگھے، وزیر تعلیم ریاست مہاراشٹر۔

صدر : شری مدھوکر راؤ چودھری، صدر قیادت کمیٹی۔
صدر : شری رام ٹاکولے۔
(الوداعی جلسہ) پونہ یونیورسٹی۔ پونے ۷
کوآرڈینیٹر : شری ری۔وی چپلونکر، ڈائریکٹر آف ایجوکیشن، پونے ۱

۳۔ مقام : ستارا
تاریخ : ۲۹ر ستمبر ۱۹۸۵ء سے یکم اکتوبر ۱۹۸۵ء
منتظم : رعیت شکشن سنستھا، ستارا
افتتاح : شری مدھوکر راؤ چودھری، صدر قیادت کمیٹی۔
مہمان خصوصی : پروفیسر شری رام میگھے، وزیر تعلیم، ریاست مہاراشٹر،
صدر : ڈاکٹر شریمتی چترا نایک، انڈین انسٹی ٹیوٹ
(الوداعی جلسہ) آف ایجوکیشن، ریاست مہاراشٹر۔
کو۔آرڈینیٹر : شری وی۔آر۔ ناگپورے
ڈائریکٹر ایم۔ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔ پونے ۳۰

۴۔ مقام : اورنگ آباد
تاریخ : ۳۰ر ستمبر ۱۹۸۵ء سے ۲ر اکتوبر ۱۹۸۵ء

قومی راج

منتظم : شری سرسوتی بھون ایجوکیشن سوسائٹی اینڈ
سوامی ارامانند تیرتھ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۔ اورنگ آباد ۔
افتتاح : پروفیسر شری رام میگھے، وزیر تعلیم، ریاست مہاراشٹر۔
صدر : پرنسپل شری پی ۔ بی ۔ پٹوے ۔ سانگلی
مہمان خصوصی : پروفیسر شری جاوید خان، ریاستی وزیر تعلیم
ریاست مہاراشٹر۔

صدر
(الوداعی جلسہ) : شری بھجنگ راؤ کلکرنی ۔ اورنگ آباد ۔
کو۔آرڈینیٹر : شری پی ۔ ڈی مہاجن، ڈائریکٹر آف ایجوکیشن
(تعلیم بالغان) پونے ۵

~~~~~ ※ ~~~~~

۵۔ مقام : بمبئی
تاریخ : ۱۷ر اکتوبر ۱۹۸۵ء
منتظم : میونسپل کارپوریشن، بمبئی عظمیٰ ۔
افتتاح : پروفیسر رام میگھے، وزیر تعلیم مہاراشٹر۔
صدر : شری چھگن بھجبل، میئر بمبئی ۔
صدر : پروفیسر شری جاوید خان ۔ ریاستی وزیر تعلیم،
(الوداعی جلسہ) ریاست مہاراشٹر ۔
کو۔آرڈینیٹر : شری وائی ۔ ایم ڈوبے ۔ ڈائریکٹر آف ایجوکیشن
(بالغ ایجوکیشن) پونے ۔ ۴۱

~~~~~ ※ ~~~~~

۶۔ یوتھ کانفرنس

مقام : پونے
تاریخ : ۲۴ر اکتوبر ۱۹۸۵ء
منتظم : پونا یونیورسٹی ۔ پونے
افتتاح : شری جاوید خان، ریاستی وزیر تعلیم، ریاست مہاراشٹر
صدر : ڈاکٹر شری وی ۔ جی بھڑے، وائس چانسلر،
پونا یونیورسٹی ۔ پونے ۷

مہمان خصوصی
(الوداعی جلسہ) : شری انا صاحب شندے، سابق وزیر ۔

کو آرڈینیٹر : وائس چانسلر، پونا یونیورسٹی

۷۔ ادیباسی تعلیم پر سیمینار

مقام : تھانے
تاریخ : ۲۹ر اکتوبر ۱۹۸۵ء،
منتظم : ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن اینڈ ٹرائب ویلفیئر۔
(ریاست مہاراشٹر)
افتتاح : شری رام میگھے، وزیر تعلیم، ریاست مہاراشٹر
صدر : شری سروپ سنگھ نائیک منسٹر فار ٹرائبل ویلفیئر،
(ریاست مہاراشٹر)
مہمان خصوصی : شری مدھوکر راؤ پیچڈ منسٹر آف اسٹیٹ فار
ٹرائبل ویلفیئر، ریاست مہاراشٹر۔
صدر : شری مدھوکر راؤ پیچڈ منسٹر آف اسٹیٹ فار
(الوداعی جلسہ) ٹرائبل ویلفیئر۔ ریاست مہاراشٹر۔
مہمان خصوصی : شری مانک راؤ گاوٹ ۔ ممبر آف پارلیمنٹ
کو آرڈینیٹر : شری ایس ۔ این انگولے، ڈائریکٹر مہاراشٹر
اسٹیٹ بیورو آف ٹیکسٹ بک پروڈکشن اینڈ
کری کیولم ریسرچ ۔ پونے ۴

اور ایم ایل سی حضرات اور خیر خواہ جماعتوں کی طرف سے بھی اپنی اپنی سطح پر جابجا مباحثے، تقاریر، اجتماع منعقد کر کے ان کے تاثرات اور تجاویز درج کی گئی ہیں ۔

ریاستی وزیر تعلیم نے حکومت کے تمام وزراء اور ایم ایل اے صاحبان کو ذاتی اور انفرادی طور پر خطوط لکھ کر ان کی سفارشات اور تجاویز طلب کیں اور اس میں بھی سبھی کی طرف سے بھرپور تعاون حاصل ہوا ۔

اس کے علاوہ شعبۂ تعلیم کے افسران نے عملی تجربات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آخری سفارشات مرتب کی جائیں، اس مقصد کے تحت، شعبۂ تعلیم کے تمام افسران کو اپنے اپنے خیالات اور تاثرات کا کھل کر اظہار کرنے کا موقع دیا گیا ہے ۔

عوام کی طرف سے موصول ان کے تاثرات، مختلف روزنامچے (روزانہ اخبار) ہفتہ وار رسائل میں شائع شدہ مختلف مضامین، ان سب کا مجموعی خاکہ تیار کرنے کا کام ریاست مہاراشٹر کے تعلیمی، تحقیقی اور تربیتی شعبوں میں گہرے انہماک کے ساتھ جاری ہے ۔

مہاراشٹر میں ہونے والے ان تمام سیمینار اور مباحثوں کے حصول خیالات اور تاثرات سے مجموعی خاکے یا احوال کا ترجمہ کام بھی انہیں اداروں کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔

شری راجیو گاندھی نے ۲۹ اگست ۱۹۸۵ء کو نئی دہلی بھون میں تمام وزرائے تعلیم کی قومی سطح پر منعقدہ کانفرنس نامیہ جلسے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس اظہار کیا کہ "آیئے، ہم سب مل کر بیٹھیں، مل کر گفتگو کریں۔ کریں اور اپنے تمام تر مقاصد کے حصول کے لئے ایک ہو جائیں۔"

وزیر اعظم کے اس بیان کے عین مطابق مہاراشٹر کے نئے صوبے کے ضمن میں اب تک کافی کام ہو چکا ہے۔ یہ اننا پڑے گا۔

صفحہ نمبر ۸ سے آگے

، ٹیچر روح پھونک دیتا ہے۔" ہمیں ایسے ٹیچروں کی ما کرنی چاہیئے جو روح پھونک سکیں۔ یہ ہے وہ نکتہ لئے ہمیں کام کرنا ہوگا اور اگر ہم اپنی توجہات کا مرکز کو بنانا چاہتے ہیں تو میرے خیال میں اس سے قبل کہ ہم بھی بڑھائیں، ہماری توجہات کا مرکز زیادہ تر یہ ہونا ۔ ٹیچروں کو ٹریننگ دیں، ٹیچروں کو بلند مراتب تک ں۔ ٹیچروں کے لئے ریفریشر کورس بنائیں اور ٹیچروں دیں۔

آخر میں مجھے امید ہے کہ آپ سب لوگ آئندہ چند ل اس بحث و مباحثے میں حصہ لیں گے اور پہل کرنے جارحانہ انداز میں حصہ لیں گے کیونکہ تب ہی وہ سامنے آئیں گے جن کے ہم متلاشی ہیں جیسا کہ رگ وید رہے "آیئے ہم ایک ساتھ حرکت کریں، ایک ساتھ یک ساتھ بولیں۔ ایک مشترکہ مقصد کیلئے ۔ تعلیم کیلئے۔"

[شری راجیو گاندھی کی افتتاحی تقریر جو انھوں نے ریاستوں کے وزرائے تعلیم ... کی تھی۔]



درج ذیل گوشوارے سے اس کا اندازہ واضح طور پر لگایا جا سکتا ہے۔

(۱) سنہ ۲۰۰۱ء کے اخیر تک آبادی کا تخمینہ

باب	۱۹۸۱ء	[illegible]
کل آبادی (لاکھ میں)		
مرد	۳۲۴٫۱۵	۴۹۹٫[illegible]
عورتیں	۳۰۳٫۶۹	۴۶۹٫۲۱
کل	۶۲۷٫۸۴	۹۶۹٫۱۴
۶ سے ۱۴ سالہ آبادی کا تخمینہ		
لڑکے	۶۲۰٫۹۷	۹۲٫۰۲
لڑکیاں	۵۹٫۵۸	۸۷٫۲۷
کل	۱۲۲٫۵۵	۱۷۹٫۲۹

۲۔ جماعت اوّل تا ہشتم : طلباء/ طالبات کی تعداد کا تخمینہ

باب	سنہ ۱۹۸۴ء	سنہ ۲۰۰۱ء
جماعت اوّل تا ہشتم کے طلباء/طالبات کی تعداد (لاکھ میں)		
لڑکے	۶۷٫۴۷	۸۰٫۰۰
لڑکیاں	۴۹٫۵۱	۸۰٫۰۰
کل	۱۱۶٫۹۸	۱۶۰٫۰۰
۶ سے ۱۴ سالہ طلباء/طالبات کا فی صد تناسب :		
لڑکے	۱۰۱٫۰۷	۸۶٫۹
لڑکیاں	۷۸٫۷	۹۱٫۷

... [illegible] قاسمی
۱۴۵ ... ولا کمپاؤنڈ،
پائپ روڈ، کرلا، بمبئی ۴۰۰۰۷۰



وزیر تعلیم مہاراشٹر سے ایک مُلاقات

ریاستِ مہاراشٹر کے وزیرِ تعلیم پروفیسر رام میگھے دو روز قبل ہی صوفیہ، آسٹریا میں ہوتے والی یونیسکو کانفرنس سے واپس آئے تھے اور مجھے اندیشہ تھا کہ ان کے اس دورے کی وجہ سے ان کے دفتری کام کاج کا پروگرام درہم برہم ہوگیا ہوگا۔ لہٰذا میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر ذاتی ملاقات کے لئے آج موقع نہ مل سکے تو کسی دوسرے وقت ان سے مل لوں گا لیکن یہ میری خوش قسمتی تھی کہ دس منٹ کے انتظار کے بعد ان کے پی اے نے مجھے اندر بلالیا۔

وہ مجھے ایک چھوٹے اور سجے ہوتے مطالعے کے کمرے میں لے گیا۔ جیسے ہی میں اس کمرے میں داخل ہوا پروفیسر میگھے نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا اور گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ اپنی فائیلوں کو ایک طرف رکھتے ہوتے انہوں نے مجھے اپنا مدعا بیان کرنے کو کہا۔ میں نے اپنا پورٹ فولیو کھولا اور دو فائلیں نکالیں جن میں سینکڑوں اخباری تراشے تھے اور مرکزی وزارتِ تعلیم کی دستاویز تعلیم کا چیلنج، ایک پالیسی بہ نظر مستقبل کے صفحات اُلٹنے لگا۔

میں اپنا پہلا سوال کرنے ہی والا تھا کہ وزیر موصوف نے شاید لال، ہری اور کالی پنسلوں سے نشان زدہ مواد کو دیکھ لیا۔ انہیں شاید حیرت ہوئی ہوگی اور انہوں نے دوستانہ انداز میں اور قدرے مذاقاً کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ آپ نے اس دستاویز کا ناقدانہ ایکسرے معائنہ کیا ہے جیسا کہ ایک ڈاکٹر اپنے مریض کے ساتھ کرتا ہے۔ وزیر کے اس مشاہدے نے فضا کو بے تکلف بنادیا۔

چائے کی ایک چسکی لینے کے بعد میں نے کہا۔ "میرے تاثرات کو آپ چند لمحوں کے لئے بھول جایئے لیکن میرے پاس اخبارات کے جو تراشے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہر طبقے کے لوگوں نے اس دستاویز پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ ان تراشوں میں تنقیدی اداریے، مختلف شعبوں میں کام کرنے والے ماہرین کے مضامین، ایڈیٹر کے نام مراسلات وغیرہ ہیں۔ لہٰذا میں یہ جاننا چاہوں گا کہ کیا حکومت کو اس بات کی توقع تھی کہ تعلیمی نظام میں تبدیلی کے بارے میں وزیراعظم کے اعلان پر اتنے بڑے پیمانے پر لوگ اپنے تاثرات پیش کریں گے؟

وزیر :- عوامی زندگی میں اہم چیز یہ ہے کہ کون سے خاص موقع پر کس قسم کا فیصلہ کیا جائے۔ وزیراعظم شری راجیو گاندھی نے اپنی وقت شناسی کو غیر معمولی طور پر ظاہر کیا ہے۔ وزیراعظم بننے کے فوراً بعد ۱۲ رنومبر ۱۹۸۴ء کو قوم سے خطاب کرتے ہوتے انہوں نے اپنی دوسری پالیسیوں کے ساتھ تعلیمی نظام کو جدید تر بنانے کی ضرورت پر بھی زور دیا۔ وزیراعظم کی اس اہم پالیسی تقریر کو مرکزی حکومت کے ڈائریکٹوریٹ آف آڈیو ویژول پبلسٹی نے "ایک ساتھ ہم بھارت کو مضبوط اور بڑا بنا سکتے ہیں" کے تحت پرنٹ کیا۔ تعلیمی نظام کو مکمل طور پر تبدیل اور

سے ہیچ پر چلانے کے وزیر اعظم کے فیصلے نے نوجوان نسل کو بڑی حد تک متاثر کیا جو کہ اپنے نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے حالیہ تعلیمی نظام سے بالکل ہی ناامید تھے۔

ال :۔ چونکہ ۱۹۸۵ء کے سال کو بین الاقوامی نوجوانوں کا سال کہا گیا اور وزیر اعظم نے ۶ تا ۷ ہفتے قبل ہی نوجوان نسل کے ارادوں کے بارے میں اعلان کیا تھا تو یہ ایک لحاظ سے تاریخی واقعہ ثابت ہوا۔

یر :۔ ان دونوں باتوں کا ایک ساتھ واقع ہونا بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آج بھارت میں تقریباً ۱۷ فی صد لوگ ۲۵ سال کی عمر سے کم ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وزیر اعظم نے ایک خاص عمر کے لوگوں کو ملک کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنے کا ارادہ کیا۔ ۱۲ جنوری ۱۹۸۵ء کو بین الاقوامی نوجوانوں کے سال کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر اعظم نے دوسری چیزوں کے ساتھ اس اہمیت کو بھی اجاگر کیا کہ نوجوانوں کی طاقت ہی بھارت کے مستقبل کو بنانے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھارت نے اپنی ترقی کا پہلا مرحلہ طے کر لیا ہے اور اب دوسرے مرحلے میں داخل ہونے کی کوشش میں ہے لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کی ستائش کریں اور ہم نے جو غلطیاں کی ہیں وہ معلوم کریں۔ اس کے لئے ہمیں اپنے ماضی پر ڈالنی ہوگی اور ایک عوامی مباحثہ کرنا پڑے گا تاکہ ہم اپنی پرانی غلطیوں کو دوبارہ نہ دہرائیں اور نئے طور طریقے اختیار کئے جائیں۔ دنیا ایک نئے تکنیکی انقلاب کی دہلیز پر ہے۔ لہٰذا ہمیں اب جدید اور اونچی تکنیک کو قبول کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی لئے وزیر اعظم نے نوجوانوں کو تلقین کی کہ وہ ۲۱ ویں صدی کی طرف دیکھیں اور ملک کو اگلی صدی کی طرف لے جانے کیلئے جدوجہد کریں۔ وزیر اعظم خود نوجوانوں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ نوجوانوں کے بارے میں اپنے خیالات کا بہتر طریقے سے اظہار کر سکتے ہیں۔

ل :۔ کیا اسی دو طرفہ پالیسی کی وجہ سے وزیر اعظم کے تعلیمی نظام کی تشکیل نو کے بارے میں اعلان کو بھارت کے سماج کے مختلف طبقوں نے خوش آمدید کہا ہے؟

وزیر :۔ آپ کا کہنا صحیح ہے۔ پچھلے چند مہینوں میں میں نے ریاست مہاراشٹر کے مختلف حصوں کے دورے کئے تاکہ اساتذہ، تعلیمی ماہرین، تعلیمی اداروں کے نمائندوں، چیمبر آف کامرس اور صنعتوں اور دیگر ایجنسیاں جو اس تعلیمی کوشش میں شامل ہیں، کے خیالات معلوم کئے جائیں ہر جگہ میں نے نئی تعلیمی تبدیلیوں کے بارے میں طالب علموں کے نمائندوں اور نوجوان تنظیموں کے ساتھ مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرنے کی کوشش کی۔ میں نے یہ وزیر اعظم کی ایما پر کیا تاکہ سماج کے ہر طبقے کے ساتھ گفتگو کی جانے اور انہیں بھارت کے تعلیمی نظام کی ترقی میں حصہ لینے کے لئے تیار کیا جائے۔

سوال :۔ میری ان دو بڑی فائیلوں میں انگریزی اور مراٹھی اخبارات کے سینکڑوں تراشے ہیں جن میں وزیر اعظم کی ملک کو ۲۱ ویں صدی کی طرف لے جانے اور جدید تکنیک کو اپنا کر ملک کو جدیدیت کی طرف گامزن کرنے کی کوششوں پر تنقید شامل ہے۔ اس طرح کی غیر معمولی کوششیں کرنا بہت کم لوگوں کا کام ہے۔ بہت سارے واقف کار تبصرہ نگاروں نے اور سماج کے مختلف طبقوں نے اس پر اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے جس چیز کی سب سے زیادہ تعریف کی ہے وہ ہے صاف گوئی جس کو لے کر تعلیم کا چیلنج ایک پالیسی تناظر، کی دستاویز میں حالیہ تعلیمی پروگراموں میں جو خامیاں اور ناکامیاں ہیں ان کو پیش کیا ہے۔ عام طور پر اس طرح کی صاف گوئی جس میں حکومت کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا خاکہ پیش کیا گیا ہے عام لوگوں کے لئے دستیاب نہیں ہوتا۔ مجھے اس قسم کی تبدیلی پر تعجب ہے۔

وزیر :۔ میرا خیال ہے کہ یہ ہمارے وزیر اعظم کا اختیار کردہ حکومت کی نئی طرز پر کارگذاری کا براہ راست نتیجہ ہے۔ وہ لوگوں کو اعتماد میں لینے کا اور انہیں فیصلے سازی کے کام میں استعمال کرنے کے بارے میں ان کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ تعلیم کا چیلنج، ایک پالیسی تناظر، کی دستاویز ایک بنیادی حیثیت کی دستاویز نے مقصد کو پورا کرتی ہے۔ اس دستاویز کے تیسرے باب میں ماضی کے طریقہ کار کا

تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور اسے پڑھنے پر لگتا ہے کہ یہ کامیابیوں اور ناکامیوں کا ایک گوشوارہ ہے جسے زمانۂ حال کے تعلیمی نظام کے ایک شعلہ گو ناقد نے مرتب کیا ہو۔ اسی طرح چوتھے باب میں تعلیمی نظام کی تشکیلِ نو کے لئے ہدایات دی گئی ہیں جو اس طرح اونچی سطح پر بحث میں لائے گئے ہیں۔

سوال :۔ وہ کون سا شعبہ ہے جس میں یہ دستاویز اپنے مقصد کو پورا کرنا چاہتی ہے؟

وزیر :۔ بہت ساری چیزیں ہیں جن کو یہ دستاویز حاصل کرنا چاہتی ہے۔ وہ تمام چیزیں اہم ہیں۔ سب سے پہلی اہمیت اس کی یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ زمانۂ حال اس طرح کے کام کو انجام دینے کے لئے سازگار ہے یا نہیں۔ نوجوان نسل بالعموم بے چینی محسوس کر رہی ہے اور جو تعلیم کے نتیجے سے ذرا بھی مطمئن نہیں ہے۔ ملک نئے دور کی دہلیز پر ہے جس میں صرف زرعی اور صنعتی علاقے ہی نہیں بلکہ دوسرے میدان جیسے ذرائع آمد و رفت، پیغام رسانی، معلومات وغیرہ میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔ اس طرح یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ تعلیمی نظام کو از سرِ نو مرتب کیا جائے۔ میرے خیال میں یہ ایک سب سے اہم مقصد ہے جو یہ دستاویز حاصل کرنا چاہتی ہے۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہر ایک کو آگاہ کیا جائے کہ اس ترقی کی راہ پر گامزن دنیا میں تعلیم کے بدلے کردار کی روشنی میں ہمارے تعلیمی نظام کو نئے سرے سے تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔

اس دستاویز کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ پیداواری عمل سے رونما ہوتے اور نصاب اور پڑھانے کے طریقوں اور غیر رسمی تعلیمی پروگراموں کے درمیان ربط قائم کئے جانے کی ضرورت پر زور دینا ہے۔ جب تک بھارت کی نوجوان نسل کو اس قابل بنایا نہیں جاتا کہ وہ اس آزاد خیال تعلیمی پروگرام کے نئے کردار کو قبول کریں تب تک ان کا مستقبل تاریک ہے۔

حال ہی میں وزیراعظم نے اپنی کابینہ کو دوبارہ تشکیل دیتے ہوئے ایک الگ انسانی وسائل کی ترقی کے نام سے بنانے کا اعلان کیا اور شری پی۔ وی۔ نرسمہا راؤ جو کہ ایک تجربہ کار اور دور رس نگاہ رکھتے ہیں انہیں اس کا انچارج مقرر کیا گیا ہے۔ اس نئی توسیع شدہ وزارت نے اب وزارتِ تعلیم کی نگرانی کرنی شروع کر دی ہے۔

سوال :۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وزیراعظم نے ڈھانچے کی تبدیلیوں کو جنہیں عمل در آمد کی اونچی سطح پر کیا جانا چاہیئے اس سلسلے میں یہ پیش رفت کی ہے؟

وزیر :۔ عوام نے تعلیمی نظام کو تبدیل کرنے کے وزیراعظم کے ارادے کو پسند کیا ہے۔ اب جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ کہ جن پروگراموں کا مرکزی اور ریاستی سطح پر اور غیر سرکاری شعبوں میں نفاذ کی ضرورت ہے ان کو تفصیل کے ساتھ ظاہر کیا جائے۔ اس سلسلے میں یہ ایک مناسب اقدام ہے کہ ایک علیحدہ وزارت انسانی وسائل کی ترقی کو معرض عمل لانے کیلئے مرکزی سطح پر بنائی گئی ہے۔

ہمیں اپنے ملک کے ہر شخص کو اس حقیقت سے واقف کرانا چاہیئے۔ اگر باقاعدہ اور ترتیب سے کوشش کی جائے تو ہمارا ملک یقیناً ترقی کر سکتا ہے۔ تعلیم کی از سرِ نو ترتیب جس میں تکنیکی پیشہ ورانہ تعلیم کے مواقع مہیا کرنے پر زور دیا گیا ہو کو بھارت کے ثقافتی روایات اور انسانی اقدار کی حفاظت سے میل کھانا چاہیئے، دوسرے لفظوں میں وزیراعظم نے ہمیں آگاہ کیا ہے کہ ہمارے ملک کی خوش حالی ہمارے تعلیمی نظام کو از سرِ نو منظم کرنے میں ہے ــــ

انٹرویو کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ میں وزیر تعلیم کے ساتھ ایک گھنٹے سے زیادہ دیر تک بولتا رہا۔ بہت سارے دوسرے ملاقاتی باہر کے ہال میں جمع ہوئے تھے۔ لہٰذا میں نے وزیر موصوف کے تعلیمی نظام کو تبدیل کرنے کے وزیراعظم کے بنیادی خیال کی تشریح کرنے پر ان کا شکریہ ادا کرنے کے بعد ان سے رخصت چاہی۔ [س۔ ر۔ ع]

پروفیسر جاوید خان
وزیرِ مملکت برائے تعلیم، پروٹوکول اور اوقاف
حکومت مہاراشٹر



ملک کی معاشی ترقی کیلئے تعلیم کا نیا ڈھانچہ ضروری

مہاراشٹر کے قیام کو ۲۵ سال ہو چکے ہیں اور یہ اس کا سلور جوبلی سال جاری ہے۔ اس کے ساتھ ہی انڈین نیشنل کانگریس اپنی سو سالہ سالگرہ منا رہی ہے۔ یہی موقع ہے جبکہ ہمیں اپنی تمام راہیں متعین کرنی ہیں۔

معاشی ترقی میں تعلیم ایک بہت ہی اہم کردار نبھاتی ہے۔ ترقیاتی منصوبوں کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے تربیت یافتہ نفری قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس بات کو ذہن میں رکھ کر ہی تعلیم کا ڈھانچہ تیار کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ملک کی سماجی اور معاشی ترقی میں تعلیم اور تربیت کی اہمیت مسلم ہے۔ آج کا جو تعلیمی نظام ہے وہ اس کو پورا کرنے میں پوری طرح سے ناکام ہوا ہے۔ اس لئے منصوبہ بند کمیشن نے ساتویں پانچ سالہ منصوبے میں زبردست تبدیلیوں کا مشورہ دیا ہے جس کے تحت بنیادی سطح کی تعلیم جو ۶ سے ۱۴ سال کے بچوں کو دی جاتی ہے۔ اس میں سنہ ۱۹۹۰ء تک زبردست تبدیلیاں لاکر اسے ملک کے تمام بچوں کو ایک نئی اور پختہ راہ سے روشناس کرایا جائے گا۔

ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح کی تعلیم کے کتنے ہی مضامین تقریباً بے مقصد ہیں۔ ان کو بھی معاشی ضرورت کے لئے پھر سے منظم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ تربیت یافتہ قوت حاصل کی جا سکے۔

ان سب باتوں کے مدِنظر ساتویں پنجسالہ منصوبے میں مندرجہ ذیل دس تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

۱۔ بنیادی تعلیم کو عام کرکے ۱۴ سال کی عمر تک سارے بچوں کو اس سے مستفید کرنا، تعلیم ادھوری چھوڑنے والوں کی تعداد کو کم سے کم کرنا خاص طور سے پرائمری سطح کے لڑکیوں کے اسکولوں میں۔

۲۔ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کے مضامین میں بہتری لائی جائے تاکہ سماج سے متعلق کاموں میں پوری شمولیت کے ساتھ زندگی کے حقائق کی روشنی سے تعلیم کو منسلک کیا جا سکے۔

۳۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے موجودہ سہولتوں کو یکجا کرکے ایسے پروگراموں کو زیرِ عمل لایا جائے جن سے کم سے کم مزید خرچ کئے بغیر تعلیم میں بہتری پیدا ہو سکے۔

۴۔ بالغوں کو ان کے تعلیمی پروگراموں کے ذریعے بنیادی حساب کتاب، لکھنا پڑھنا، دنیاوی ماحول سے شناسائی کے ساتھ ساتھ روزمرہ کی زندگی (اور مقامی ماحول) کے مطابق ان کو بنیادی ہنر سکھایا جا سکے۔

۵۔ نوجوانوں کی ذہنی تربیت کے لئے مستحق طالب علموں کو وظائف اور مالی امداد کے ایک پروگرام پر عمل درآمد۔

۶۔ کمزور / پسماندہ طبقات جیسے شیڈولڈ کاسٹ، شیڈولڈ ٹرائبس، نوبدھسٹ قبائل وغیرہ کے بچوں کی تعلیم پر خاص زور دینے کے لئے خصوصی سہولتوں کی فراہمی۔

۷۔ تعلیم کی ہر سطح پر چوطرفہ بہتری لانے کی غرض سے مدرسین کی خصوصی تربیت کا انتظام اور ساتھ ہی تعلیمی اداروں میں جسمانی ترقی کی سہولیات کی فراہمی۔

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

م۔ آر۔ کولہاٹکر
ریٹری محکمہ تعلیم

نئی تعلیمی پالیسی

"ٹائمز میگزین" کو دیئے گئے اپنے حالیہ انٹرویو میں وزیراعظم نے آزادی کے بعد ملک کی صنعتی، سائنس، ٹیکنالوجی اور زراعتی ترقیات کو سراہا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ انٹرویو میں آپ نے یہ بھی کہا کہ تعلیمی میدان میں ہم نے ابھی خاطرخواہ ترقی نہیں کی ہے۔ ہمارا تعلیمی معیار ابھی اس قابل نہیں ہوا ہے کہ ۲۱ ویں صدی کے دیوقامت مسائل سے سامنے اپنے پاؤں جما سکے۔

وزیراعظم کا یہ کہنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ حکومت لیم کو کس قدر اہمیت دیتی ہے اور نئی تعلیمی پالیسی ترتیب ینے میں اور نیا تعلیمی ڈھانچہ تیار کرنے میں کس قدر دلچسپی تی ہے۔

۱۹۶۸ء کی تعلیمی پالیسی کی اساس کوٹھاری کمیشن

۶۔۱۹۶۴ء کی رپورٹ پر رکھی گئی تھی اور پارلیمانی کمیٹی نے ان ر پر خصوصی توجہ دی جن کے لئے کوٹھاری کمیشن نے سفارش تھی۔ یہ اسی توجہ کا نتیجہ تھا کہ ریاستی حکومت سے مشورہ کرنے کے ر حکومت نے سنٹرل ایڈوائزری بورڈ آف ایجوکیشن (C.A.B.E) م کرنے کا فیصلہ کیا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ پالیسی بی تھی، مگر کسی حد تک واضح نہ تھی۔

نئی تعلیمی پالیسی کو رد کرنے کی وجہ محض یہ نہیں ہے کہ وہ نرہ سال پرانی ہو چکی ہے بلکہ اس درمیان ان پالیسیوں میں چند ںیلیاں ہوئیں جن کا تعلق براہ راست تعلیم سے تھا شلاً صنعت یلٹرونک، کمپیوٹر، ہیلتھ وغیرہ وغیرہ۔ پالیسی کوئی جامد شئے نہیں۔ ندگی کے ساتھ ساتھ یہ بھی نئے نئے قالب میں بدلتی رہتی ہے ل ہونے کے آخری مرحلے میں بھی پالیسی میں ترمیم و تنسیخ کی پاسکتی ہے۔

نئی تعلیمی پالیسی کے تحت .C.L.A.S.S پروجیکٹ (Computer Literacy and Studies Scheme) شروع کیا گیا جس کے ذریعے پورے ملک کے چنندہ کالجوں میں کمپیوٹر کو متعارف کیا جائے گا اور ۔لزی اسکولوں میں طبیعات اور ریاضی جیسے مضامین کمپیوٹرن مدد سے پڑھائے جائیں گے۔

اعلیٰ سطح کی نئی پالیسی مندرجہ ذیل پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے۔

اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا ہمارے لئے آج کا گمبھیر مسئلہ نہیں ہے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے طلباء کو کئی سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں لیکن ہمارے لئے سب سے بڑا مسئلہ ہمارے محدود وسائل ہیں۔ محدود وسائل ہی کی وجہ سے بے روزگاری کا مسئلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ جو لوگ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے ایسے مواقع فراہم کئے جائیں گے کہ بے روزگاری کا سامنا کئے بغیر وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں۔

درج فہرست اقوام و قبائلی اقوام کے لئے ابتدا ہی سے آسامیوں کی ریزرویشن کی سہولت مہیا کی جا رہی تھی لیکن ابھی یہ سہولیات ناکافی ہیں۔ چنانچہ نئی تعلیمی پالیسی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ گریجویشن ہونے سے قبل انہیں خصوصی تربیت اور کوچنگ کی سہولت فراہم کی جائیں۔

مراسلاتی کورس مختلف یونیورسٹیوں میں جاری ہے

لیکن ان میں سے بیشتر ناقابلِ اعتماد ہیں چنانچہ یہ ضروری ہے کہ مراسلاتی کورس کا ایک نیا نظام اوپن یونیورسٹی (Open University) کی شکل میں تشکیل دیا جائے۔ اِس ضمن میں ۱۱ نومبر کو نیشنل اوپن یونیورسٹی (National open University) کا افتتاح ہوا ہے۔ حکومتِ مہاراشٹر نے بھی Open University قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

تعلیمی پالیسی نے ڈگری کورس کے تعلیمی ڈھانچے کی تشکیلِ نو پر بھی زور دیا ہے اور تجویز دی ہے کہ نصاب کو تین اہم زمروں میں منقسم کیا جاتے۔

Core Course

Foundation Course اور

Applied Course

Foundation Course کا تعلق ذہنی نشوونما سے جبکہ Applied Course کا تعلق براہِ راست زندگی سے ہے یہ کورس طالبِ علم کو اس کے آس پاس بکھری ہوئی زندگی سے روشناس کراتا ہے۔

بہت کم یونیورسٹیوں نے اس طریقۂ تعلیم کو اپنایا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ اقتصادی بحران ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی کے تحت اس امر کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے کہ طالبِ علموں کو پڑھانے کے لئے خاص ٹریننگ دی جائے۔ عام طور پر یہ ٹریننگ معلموں کو دی جاتی ہے۔ اس کا تعلق محض ابتدائی ثانوی تعلیم سے ہوتا ہے لیکن نئی تعلیمی پالیسی معلموں کی ابتدائی وثانوی تعلیم کی تربیت دینے کے علاوہ ایسی تربیت دینے کے حق میں ہے جو اعلیٰ سطح کی تعلیم کا بھی احاطہ کرسکے۔

بہت سی ریاستوں کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں معلم کی حیثیت ایک سرکاری ملازم کی ہوتی ہے چنانچہ سرکاری ملازمین پر لاگو ہونے والی تمام بندشیں ان پر بھی لادی جاتی ہیں جبکہ اعلیٰ تعلیمی میدان میں اس طرح کی بندشیں نہیں ہیں۔ ماضی میں ان بندشوں کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی تھی جو بری طرح سے ناکام رہی چنانچہ اس ضمن میں ٹھوس اقدام اٹھانے کی اشد ضرورت ہے۔

یونیورسٹی کسی مخصوص علاقے تک محدود یا مقید نہیں رہتی۔ اس کے دروازے ملک کے تمام لوگوں بلکہ پوری دنیا کے طالبِ علموں اور معلموں کے لئے وا ہوتے ہیں لیکن

تعارف :-

شری ایم۔ آر۔ کولہاٹکر

(آئی۔ اے۔ ایس)

شری ایم۔ آر۔ کولہاٹکر (آئی۔ اے۔ ایس) کا تقرر بحیثیت ایجوکیشن سیکریٹری ۱۸ رمئی ۱۹۸۵ء کو ہوا۔ آپ کی تعلیمی میدان اور انتظامی اُمور میں کافی دسترس ہے۔ آپ نے ۱۹۵۳ء میں ایس۔ ایس۔ سی۔ امتحان (بمبئی بورڈ) میں اول مقام حاصل کیا تھا۔ آپ نے ۱۹۵۸ء میں پونے یونیورسٹی سے اول درجہ میں ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ آپ کو ۱۹۶۰ء میں آئی۔ اے۔ ایس کے لئے منتخب کیا گیا آپ مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ آپ کے مضامین، اور مقالات کئی رسائل میں چھپ چکے ہیں۔

۱۹۸۳ء میں آئی آئی پی اے کے رسالہ میں مقالہ نویسی کے مقابلے میں آپ کے لکھے ہوئے مقالہ کو اول انعام دیا گیا تھا۔

تنخواہ کے اسکیل کا revision کے علاوہ سکونت کی بندشیں، بے ضابطگی اور تعلیمی اداروں کی لسانی پالیسیاں ایسی رکاوٹیں ہیں جو یونیورسٹی کے معنی کو محدود کرتی ہیں۔

ڈگری کورس کی تشکیلِ نو سماجی مطابقت کو سدھارنے میں کلیدی رول ادا کرے گی لہٰذا تعلیم بالغان کے پروگرام کا تجزیہ بھی اسی زاویۂ نگاہ سے کرنا چاہیئے۔ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن نے

مخصوص فنڈ تعلیم بالغان کے سینٹروں سے لئے مختص کر رکھا
جوکہ کالج اور یونیورسٹی کے تحت چلتے ہیں۔ گوکہ ان کی تعداد
بہت کم ہے۔ مہاراشٹر میں بھی کالجوں اور یونیورسٹیوں کی
تعداد کے لحاظ سے سینٹروں کی تعداد بہت کم ہے۔

پالیسی کی دستاویز کالجوں کو خود مختاری عطا کرنے کے
میں ہے۔ گر پالیسی کی یہ تجویز بہت جدید طرز کی ہے لیکن جنوبی
مشرقی ایشیا (تھائی لینڈ) میں یہ پروجیکٹ بہت ہی کامیاب رہا
ہے۔ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن نے چند مخصوص کالجوں کو خود مختار
دیا ہے۔

ہمارے معاشرے میں ریفارم کالجوں اور یونیورسٹیوں
کی اشد ضرورت ہے اور اس کے لئے ایک ایسے ادارے کی
ضرورت ہے جو ریفارم کالجوں اور یونیورسٹیوں کو فنڈ مہیا کر سکے۔
یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کا نام اس حوالے سے لیا جا سکتا ہے۔

یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کو از سر نو تشکیل دینے کی
ضرورت ہے۔ چونکہ اس کی شاخیں ملک بھر میں پھیلی ہوتی ہیں لیکن
محض ایک مرکزی دفتر اس کی تمام شاخوں کی سرگرمیوں کی نگرانی
کرنے کے لئے ناکافی ہے۔ چنانچہ ہر ریاست میں سب زونل
آفسوں کی اشد ضرورت ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ نئی پالیسی صد فی صد یا مکمل طور پر کوئی نئی
چیز نہیں ہے بلکہ اس کی جڑیں پرانی پالیسی میں پیوست ہیں گوکہ
نئی پالیسی کے چند پہلو جدید طرز کے ہیں اور بتدریج بگڑتے
ہوئے حالات کو روکنے کے لئے اور اس کی فوری اصلاح
کے لئے ایسی پالیسی کی ضرورت تھی جو جدید طرز کی ہوں۔

(ترجمہ : اسلم پرویز)



صفحہ ۱۹ سے آگے

۸۔ محکمے کے مختلف پروگراموں کو روبہ عمل لانے کے
لئے اور متاثر کن دیکھ بھال کے ذریعے تعلیمی انتظامیہ
کو مضبوط کرنا۔

۹۔ تعلیمی ڈھانچے کی دوبارہ تربیت جس کے ذریعے
قومی ترقیات کے مقاصد پوری طرح حاصل ہو سکیں۔

۱۰۔ پورے تعلیمی نظام میں سیکولرازم، جمہوریت، قومی
یک جہتی اور محنت کی عزت کا سبق مل سکے ایسی کوششیں۔

مجھے امید ہے کہ اگر ہم ان پروگراموں کو پوری مستعدی
اور ایمانداری سے روبہ عمل لائیں تو ہماری آنے والی نسلوں کے
ساتھ ملک کا مستقبل بھی روشن ہوگا جس کی مجھے پوری امید ہے۔

●●

مضمون نگار حضرات سے گذارش

☆ فل اسکیپ کاغذ کے صرف ایک طرف
صاف اور خوش خط تحریر فرمائیے۔

☆ کاربن کاپی یا زیروکس کاپی کے بجائے
اصل مسودہ روانہ فرمائیے۔ اور آخر میں
اپنا نام اور پتہ ضرور لکھ دیجئے۔

☆ صرف غیر مطبوعہ تخلیقات روانہ فرمائیے۔
مضامین کی نقل اپنے پاس محفوظ رکھئے۔

☆ غیر طلبیدہ تخلیقات کا معاوضہ دینے
یا نہ دینے کا فیصلہ ادارہ کرتا ہے
اس سلسلہ میں توجہ یا
کسی یاددہانی کی
ضرورت نہیں ہے۔

(ادارہ)

النو تائی واگھ

تعلیم

اِنسانی زندگی کی ضروریات میں تعلیم بھی اہم ضرورت ہے۔ زمانۂ قدیم سے اولادِ آدم کو تعلیم دینے کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ ماحول اور حالات میں ہونے والی تبدیلیوں کی طرح ہی تعلیم کے طریقوں میں بھی تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ مختلف ممالک کے اہلِ علم اپنے اپنے ذہن و فکر اور اپنی اپنی ضروریات کے مطابق تعلیم کے طریقے طے کرتے ہیں۔ قرونِ اولیٰ سے ہی بھارت رشیوں اور منیوں کا دیش رہا ہے۔ عظیم اہلِ دماغ اور دوراندیشوں کا دیش رہا ہے۔ تخصصی تعلیم سے لے کر روحانیت کے حقائق کی کھوج میں مسلسل اور پیہم سرگرداں دیش۔

ہمارے اس دیش میں تعلیم اور اس کے مختلف مفید اور کارآمد طریقوں کے ضمن میں عظیم تحقیقاتی کام ہوتے ہیں، بے شمار دور اندیش مفکروں نے تعلیم کے طریقوں میں اہم تبدیلیاں عمل میں لائی ہیں اور اس کی تازہ ترین مثال ہے، ہمارے محترم مہاتما گاندھی۔ انہوں نے تعلیم کے نئے طریقوں کے ذریعے انسان اور تعلیم حیات کی روشن قندیل دکھائی ہے۔ اس کے بعد دمحارٹی کمیشن اور دیگر تعلیمی کمیشن مقرر کئے گئے۔ ان جماعتوں نے بڑے غور و فکر کے بعد تعلیم کے تحت کارآمد اصول اور ضابطے مرتب کئے اور ان پر عمل درآمد کے لئے احکامات بھی نافذ کئے۔ اہم با مقصد تعلیم کی راہیں اب تک بھی متعین نہیں کی جا سکیں اور ساری تعلیم کی گاڑی اب تک صحیح پٹری پر نہیں آ پائی۔ مفکروں اور دانشوروں کی یہی رائے ہے اور اسی بنا پر موزوں اور مفید طریقۂ تعلیم کی کھوج کی راہ میں انتھک کوششیں جاری ہیں۔

آخر کون سے مقاصدِ تعلیم کا ماحصل ہیں؟

(۱) انسان میں اتنی قابلیت اور اہلیت پیدا کرنا کہ وہ اپنی زندگی خوددارانہ انداز میں اطمینان و سکون کے ساتھ گذار سکے۔

(۲) انسان کو ایسے مواقع فراہم ہو سکیں کہ اس کی ذاتی خوبیوں کو فروغ حاصل ہو۔

(۳) انسان میں خوش اخلاقی، باہمی عزت و احترام اور خدمتِ خلق کا جذبہ جیسی قوتیں فروغ پا سکیں تاکہ تمام سماجی عناصر باہمی یک جہتی کے ساتھ زندگی گذار سکیں۔

اسی طرح کی اور بھی کئی باتیں ہیں لیکن سب کا واحد مقصد یہی ہے کہ انسان، انسان کی طرح جی سکے۔

تعلیم دینے کی نہیں، لینے کی چیز ہے۔ چرند، پرند، کیڑے مکوڑے اور انسان جنہیں جاندار متصور کیا جاتا ہے، وہ سب اپنی پیدائش کے بعد اپنی پہلی سانس سے لے کر دنیا کو خیرباد کہتے وقت یعنی اپنی آخری سانس تک اپنی ضرورت اور قوت کے مطابق تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

یہ فنِ تعلیم کے ڈھانچے کو تیار کرنے والے ماہرین اور مفکرین کا کام ہے کہ جنہوں نے جس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے انہیں ویسی ہی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم ہو سکیں،

اسی کے عین مطابق ماحول پیدا کیا جا سکے اور اسی کے مطابق مواقع اور سہولتیں مہیا کی جا سکیں اور اس کے لئے مناسب تحقیق کی ضرورت ہے۔

تعلیم حاصل کرنے کا یہ کام کب سے شروع ہوتا ہے؟ جاندار کی پہلی سانس سے۔ چرند، پرند اپنی غذا تلاش کرنے اور اپنے تحفظ کی قوت حاصل کرنے بھر تعلیم حاصل کر لینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ایک چڑیا اپنی چونچ میں، اپنے بچوں کے لئے غذا لاتی ہے اور انہیں کھلاتی ہے۔ یہ میں نے دیکھا ہے۔ چڑیا کے بچے اپنی چونچیں کھولے، اپنے گھونسلے میں بیٹھے ہیں، چڑیا ہر ایک کی چونچ میں ایک ایک دانہ ڈالتی ہے۔ کس قدر دل کو چھونے والا منظر ہوتا ہے یہ! اس کے کچھ دن بعد وہ چڑیا میں نے دیکھا، اپنے بچوں کو اڑنا سکھانے لگتی ہے۔ بچوں کے جب پر نکل آئیں تو انہیں ان کا استعمال کرتے بھی آنا چاہیئے۔ چڑیا نے تو صرف انہیں ضروری سبق دیئے، ان کی رہنمائی کی کوشش اور جدوجہد تو اس کے بچوں ہی کی تھی۔

ماں کی آغوش میں

انسان کی اولاد بھی بالکل اسی طرح، پیدائش کے فوراً بعد ہی سے خود ہی اپنی نشوونما کے ہمہ تن کوشاں رہتی ہے۔ کروٹ لینا، اوندھا سیدھا ہونا، رینگنا، بیٹھنا، کھڑے ہونا، چلنا، اس سارے عمل کے دوران بچے کو کس قدر محنت اور جانکاہی سے کام لینا ہوتا ہے۔ وہ اپنی مسلسل کوششوں سے قطعی باز نہیں آتا۔ یہ بات قابلِ غور ہے۔ کروٹ لیتے لیتے جب وہ اوندھا ہونے لگتا ہے تب اپنے ہی جسم کے نیچے اسے دبے ہاتھ کو نکالنے میں اُسے کتنی دقت پیش آتی ہے۔ وہ اپنی ہی گردن کو پکڑ نہیں پاتا۔ کھڑا ہونے کے لئے یا چلنے کی کوشش میں وہ بار بار گرتا ہے اور ہم کہتے ہیں "گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں" ظاہر ہے تکلیفوں اور مصیبتوں کے بغیر آدمی ترقی کی راہ پر گامزن بھی تو نہیں ہو سکتا۔ ان جسمانی حرکات کی تربیت کے ساتھ ساتھ اس کی زبان کی غلغلش بھی اپنا رنگ دکھاتی ہے اور ت... ت... ت، ب... ب... ب، ب... پ... پ سے بابا... پا... پا، ما... ما... جیسی آوازیں پیدا ہونے لگتی ہیں اور گرد و پیش کے احباب خوش ہوتے ہیں کہ بچے نے ان کے نام سے، حالانکہ بچے کو بذاتِ خود اس بات کا علم نہیں ہوتا۔ زبان کی حرکتیں نہ اس کی تعلیم۔ اس کے ساتھ ہی، کان، آنکھ، ناک، زبان، جسم، ان سب کے ذریعے بھی، دنیا کی مختلف چیزوں کا تعارف حاصل کرنے اور انہیں جاننے پہچاننے کا کام اسکی اپنی ذات کی طرف سے برابر جاری رہتا ہے اور وہ رفتہ رفتہ ماں، ابا، بہن، بھائی، دادا، دادی، نانا، نانی، کائیں کائیں، میاؤں، میاؤں سبھی کو پہچانتے جاننے لگتا ہے۔ اس کا الفاظ کا ذخیرہ بڑھتا جاتا ہے عام طور پر ڈیڑھ سال سے دو سال تک کے بچے بولنا اور چلنا سیکھ جاتے ہیں۔ اپنی ضرورتوں کی ادائیگی کی سمجھ ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے ہی ہاتھ سے کھانا کھانے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ بعض بچوں کو یہ باتیں سیکھنے کے لئے سوا، دو، ڈھائی برس بھی لگ جاتے ہیں لیکن ان ساری حرکات و سکنات کی تعلیم ان کی اپنی ذاتی ہوتی ہیں۔ یہ بات ہمیں ذہن نشین کر لینی چاہیئے۔ جب بچے کی یہ فطری تربیت جاری ہوتی ہے، اس وقت انہیں مناسب کھلونے کھیلنے کے لئے دینا۔ رینگتے یا دوڑتے ہوتے، بچہ گر تو نہیں جائے گا، اس بات کی طرف توجہ دینا، بچے کو کھیلنے کودنے کے لئے کشادہ جگہ مہیا کرنا، بچے کی ضرورت کے مطابق اس کی مدد کرنا، یہ سب بڑوں کی ذمہ داریاں ہیں۔

ایک اور اہم بات پر پورا پورا دھیان دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ حصولِ تعلیم کا عمل بچے کی پیدائش سے ہی شروع ہو جاتا ہے، عمر کے پانچ سال پورے ہونے پر نہیں۔

عموماً ڈیڑھ دو برس کا ہونے تک بچہ گھر میں ماں کے آنچل کے سائے میں رہتا ہے۔ یہ کہنا کچھ مناسب نہیں ہوگا، بولنا آجانے پر اس کی باطنی، ذہنی اور جبلیاتی نشوونما زیادہ تیزی سے ہونے لگتی ہے۔ اس سے پہلے اس کی اس صورت میں نشوونما ہو رہی تھی، بات ایسی بالکل نہیں ہے۔ گرد و پیش کے لوگوں کی پہچان سے ماں نے پیروں میں چپل ڈالی، یہ دیکھتے ہی یہ سمجھ لینا کہ اب وہ باہر جانے کے لئے نکل رہی ہے اور ایسے میں وہ اپنے کو بھی گود میں بٹھا کر باہر لے جائے، اس طرح کی ضد کرنا، یہ باتیں بچپن کی کی فطری نشوونما کی ہی علامتیں ہیں لیکن ڈھائی سے پانچ سال کی عمر کے دوران اس فطری نشوونما کا عمل کچھ زیادہ ہی تیزی سے ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی زندگی کا یہ اہم ترین وقفہ ہوتا ہے۔

گھر کا آنگن

بچہ گھر سے آتا ہے وہاں وہ کھیلتا ہے۔ اگر تم نے اسے کھلونے دیئے تو وہ کھلونوں سے کھیلے گا اور اگر نہ دیئے تو

وہ خود تلاش کر لے گا لیکن کھیلنے گا ضرور، اور کھیلتے کھیلتے ہی بہت کچھ سیکھے گا بھی ضرور۔ اس دور میں بچے کم از کم سات باتیں اپنے تجربہ سے سیکھتے ہیں۔ بالکل گھر کے کام (ہوم ورک) کی طرح۔

[۱] ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے اعضا کی حسبِ ضرورت حرکات وسکنات کی تربیت دے سکیں۔ وہ شرارتیں کرتے ہیں، اچھل کود کرتے ہیں۔ بھاگ دوڑ ہمیشہ شروع رہتی ہے۔ اِدھر کی چیز اُدھر رکھنا، یہی ان کا شغل ہوتا ہے۔

[۲] ان کی ہر حِس (حسّی قوت) اپنے کام میں ماہر اور تیز ہوجاتی، اس لئے وہ تجربات میں لگے رہتے ہیں۔ وہ کوئی چیز چکھ کر دیکھتے ہیں، کسی چیز کو پٹختے ہیں، کسی چیز کو اٹھاتے ہیں۔ ایسی حرکتیں متواتر جاری رہتی ہیں۔ یہ سب ان کی شرارتیں نہیں ہوتیں، بلکہ ان کی ذاتی تعلیم اور نجی تربیت ہی کا ایک اہم پہلو ہوتی ہیں۔

[۳] بچے اسی عمر میں اپنے میں مختلف عادتیں پیدا کرنا سیکھتے ہیں۔ جیسے صفائی، خودکفیلی وغیرہ اسی عمر میں پیدا ہوتی ہے۔

[۴] اسی عمر میں بچے دنیا کو پہچاننا سیکھتے ہیں۔ اپنی تمام حِسی قوتوں کا استعمال کرکے تجسّس اور نقالی جیسی اندرونی قوتوں کی مدد سے گرد وپیش کی دنیا کو اپنے میں ضم کر لینے کی ان کی جد وجہد ہمیشہ جاری رہتی ہے۔

[۵] وہ اپنے آس پاس پائے جانے والے سماج کے رسم ورواج ۔۔ کرکے، ان پر عمل کرنا سیکھتے ہیں۔

[-] بول چال کی زبان کو ہم اچھی طرح سمجھ کر اس میں اچھے اچھے ۔۔ گفتگو کر سکیں۔ اس کے لئے ہمیں بہت کچھ سننا چاہیئے دیکھنا چاہیئے ۔۔ پھر بولنے کے، گفتگو کرنے کے مواقع بھی ملنے چاہئیں۔

[-] بچوں میں سماجی جذبے کو فروغ ملنا چاہیئے۔

یہاں ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت سے جو سیکھتے ہیں وہاں ہم ان کے لئے حالات اور ماحول کو سازگار بنائیں۔ انہیں حسبِ ضرورت کھلونے فراہم کرنا، ان کی رہنمائی کرنا، یہ بزرگوں کی ذمّہ داری ہے۔ گھر کے آنگن میں بچہ اکیلا نہیں کھیلتا۔ اس کی اپنے ہم عمر دوستوں کی ٹولی ہوتی ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ان کے کھیل کو دور ہی سے دیکھیں۔ میرے آنگن میں، تین سال سے چھ سال تک کے اہلِ کار قسم کے لوگوں کے بچے شام میں جمع ہوتے ہیں، آپ اپنے کھیل کھیلتے ہیں۔ جو گیت انہیں آتے ہیں، ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں ۔۔ ی کے ساتھ گاتے ہیں، ناچتے ہیں۔ ”اونٹ بابا، اونٹ بابا ۔۔ ن کا کھیت تیار ہے۔“ مگر جب اس کے جواب میں اونٹ یہ کہتا ہوا بھاگ کھڑا ہوتا ہے ”نا رے بابا، نا، نا، لالچ میں بس مار ہے۔“ تو بچوں میں ہنسی کے فوارے چھوٹ جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہوا نا کہ ان بچوں نے، اس کہانی میں پائے جانے والے مزاح کو، طنز کو اور نصیحت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ یہی ان کے جذبات اور احساسات کی دنیا ہے۔ یہی ان کی زندگی ہے۔

اس عمر کے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے مناسب ماحول، سہولیتیں اور مواقع فراہم کرنے چاہئیں اور ان کی رہنمائی کرنی چاہیئے اگر بعض حالات میں یہ سارے انتظامات نہ بھی ہو پائیں، تو بھی ان کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ رکتا نہیں ہے لیکن بعض کوتاہیوں کی بنا پر بعض باتوں میں ان کی نشوونما اور فروغ میں کمی پیدا ہوجاتی ہے ان کے جذبات گھٹ کر رہ جاتے ہیں۔ کتنے ہی بچے غلط روی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ پیڑ اپنی ہی قوت کے سہارے بڑھتا ہے لیکن اس کی جڑوں میں پانی ڈالنا ہی پڑتا ہے۔ اس عمر میں زمین پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں کھینچنے والا بچہ مستقبل کا عظیم مصور بھی ہوسکتا ہے۔ آج کا بے ہنر بچہ کل کا موسیقارِ اعظم بھی ہوسکتا ہے۔ آج مٹی کے کھلونے بنانے والا بچّہ کل کا ایک بہت بڑا مجسمہ ساز بھی بن سکتا ہے۔ آج عددوں کا جوڑ توڑ کرنے والا بچّہ اپنے وقت کا ماہر ریاضیات بھی ہوسکتا ہے۔

آج سے پچیس سال بعد کے بھارت کی شاندار جگمگاتی تصویر آج کے بچوں کو بنانی ہے اور اسی لئے اس عمر پر اور اس کی تربیت اور تعمیر پر ہماری گہری نظر ہونی چاہیئے۔ یہی ان کی ابتدائی تعلیم یا تعلیم کا ابتدائی اور بنیادی مرحلہ ہے۔

اسکول یعنی پانچ سال کی عمر کے بچوں کی درس گاہ۔ تعلیم اسی عمر سے شروع ہوتی ہے۔ ہم اس غلط خیال کا شکار ہو بیٹھے ہیں اور اسی لئے بچے کی بیش قیمت زندگی کی طرف سے بے توجہی برتتے ہیں اور اس طرح ہماری قومی دولت ضائع ہو رہی ہے۔ اس کا تحفظ ضروری ہے۔ اور اسی سبب جب بچہ آنگن میں کھیلنے لگتا ہے یعنی عام طور پر ڈھائی سال کی عمر سے بچے کی نشوونما اور تعمیر میں مددگار ثابت ہو۔ ایسی تعلیم اور تربیت کی طرف ہمیں توجہ دینی چاہیئے۔ یہی ابتدائی درس گاہ، عام طور پر بچوں کے مکتب یا مدرسے کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔

ملک کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے جو ملک اور حکومت کے لئے ایک مسئلہ بن گیا ہے۔ اسی اعتبار سے بچوں کی تعداد بھی بکثرت ہے۔ بڑے شہروں کے بچّے، دیہی، جنگلاتی اور پہاڑی علاقوں کے بچے، ساحلی علاقوں اور کہاروں، گپھاؤں کے بچے

اور راستوں پر بھٹکنے والے بچے، سبھی ان میں شامل ہیں۔
امیر گھرانوں کے اقبال مند بچے، اوسط طبقے کے زندگی سے لڑتے والے ماں باپ کے بچے، بوسیدہ کٹی پھٹی جھونپڑیوں میں جنم لینے اور جینے والے بچے، کوہستانوں میں قدرت کی آغوش میں کھیلنے، پلنے والے بچے جن کا ترقی یافتہ دنیا سے دور کا بھی رشتہ اور تعلق نہیں ہوتا۔ ان سارے بچوں کو بھی جینے کا حق ہے۔ مناسب غذا اور مناسب انداز میں پرورش موزوں اور کارآمد تعلیم و تربیت اور ہر طرح کا تحفظ انہیں بھی حاصل ہونا چاہیئے اور ان سارے حقوق اور ضروریات کے تعلق سے کسی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیئے۔ کوئی بھی کسی طرح کی محرومی کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔
اگر ہم نے ابتدائی تعلیم کی اہمیت کو سمجھ لیا اور سدھار اور ترقی کا تہیہ کر لیا تو یہ بھی ایک معرکہ کا کام ہوگا۔ لیکن یہ سب ہو کیسے؟ اس سوال پر ہی، مفکر اور منصوبہ بندی کرنے والے ذہن کانپ جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم اس غلط فہمی میں بھی مبتلا ہیں کہ بچوں کی ابتدائی عمر کی تعلیم و تربیت گراں ہوتی ہے۔ ایسے میں ہمیں حالات اور ان کے تقاضوں کو سمجھ کر ان کے مطابق عملی کام کرنے چاہئیں پھر کوئی دشواری پیش نہیں ہوتی۔
ابتدائی مدرسہ یا مکتب درختوں کے سائے تلے بھی چلائے جا سکتے ہیں، ریگستان میں بھی چلائے جا سکتے ہیں۔ جھونپڑیوں میں بھی چلائے جا سکتے ہیں۔ وسیع عمارتوں اور شاندار محلوں میں بھی چلائے جا سکتے ہیں۔ اگر ہمیں ایسے مدرسوں کے لئے خوبصورت تصویریں، عمدہ کھلونے اور ضرورت کی قیمتی چیزیں میسر آ سکتی ہوں تو ماشاء اللہ کیا کہنے لیکن اگر ایسی چیزیں نہ بھی ملیں تو قدرتی ماحول میں میسر آنے والے پھول پتے، بیج، پھلیاں، پر، گھونسلے سیپیں اور شنکھ، کوڑیاں وغیرہ چیزوں کا، ہم تعلیمی امدادی سامان کی شکل میں استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے مدرس کے پاس ویسی دور بین نظر ہونی چاہیئے۔ ضرورت کے مطابق سامان تیار کرنے یا حاصل کرنے کا جذبہ چاہیئے اور ان کے استعمال کے پس پشت جو مقاصد ہوں ان کو پیش نظر رکھ کر ان کا استعمال کیا جانا چاہیئے۔
بچے کھیلتے ہیں اور کھیلتے کھیلتے سیکھتے ہیں۔ اس کے لئے انہیں بڑی تعداد میں کھلونے ہم پہنچانے چاہئیں اور وہ کھلونے ایسے ہونے چاہئیں جو ان میں کچھ جاننے، سیکھنے کا جذبہ اور امنگ پیدا کر سکیں اور انہیں کی مدد سے وہ کچھ سیکھ سکیں۔ مثلاً کارک والی پیٹی یا صندوق ایک تعلیمی کھیل۔ بچے کارک نکال لیتے ہیں پھر سوراخ میں ڈالتے ہیں اور اس طرح اس صندوق سے بچے گھنٹوں کھیلتے رہتے ہیں۔ ایسے صندوق پانچ طرح کے ہوتے ہیں ۱۔ اس صندوق میں تمام سوراخ یکساں ہوتے ہیں۔ ۲۔ اس صندوق میں اونچائی کم ہوتی جاتی ہے۔ ۳۔ اس صندوق میں رقبہ کم ہوتا جاتا ہے۔ ۴۔ اس صندوق میں اونچائی اور رقبہ دونوں کم ہوتے جاتے ہیں۔ اور ۵۔ اس صندوق میں اونچائی بڑھتی جاتی ہے اور رقبہ کم ہوتا جاتا ہے۔ بچے بعض اوقات ایک ہی صندوق سے کھیلتے ہیں اور کبھی کبھار اکٹھا دو تین صندوقوں سے کھیلتے ہیں اور دل چاہنے پر تو پانچوں صندوقوں سے ایک ساتھ کھیلتے ہیں۔ سوراخوں میں کارک ڈالنا، کتنا آسان کھیل۔ لیکن اس کھیل سے بچے کیا سیکھتے ہیں؟ اس سے ان کی نظر کسی چیز پر مرکوز ہونا سیکھتی ہے۔ ان میں یکسوئی کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ چیزوں کے حجم کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ الفاظ کا ذخیرہ بڑھتا ہے۔ ایسا ہے یہ ایک چھوٹا سا کھلونا اور ایسے کھلونوں سے بچے کچھ نہ کچھ ضرور سیکھتے ہیں لیکن بازار میں ایسے کھلونے کافی مہنگے ملتے ہیں۔ اس لئے کارک والے صندوق کی قسم کے کھلونے ہم ستار کے ہاتھوں تیار بھی کروا سکتے ہیں۔ اگر یہ نہیں تو ایک کے اندر ایک داخل ہونے والی ماچس کی پیٹیوں جیسی لمبی لمبی پیٹیاں ہی بنوا کر ان کا کھلونے کی طرح استعمال کر سکتے ہیں ایسے کھلونوں سے بچے کیا کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ یہ بات مدِنظر رکھنی چاہیئے۔
چھوٹے بچوں کے مدرسے گراں اور خرچیلے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے دو خاص سبب ہیں۔ ایک مناسب جگہ اور دوسرا حسبِ ضرورت بڑی مقدار میں کھلونے، لیکن یہ دونوں چیزیں بھی سستے داموں کس طرح مہیا کی جا سکتی ہیں — ہم مندرجہ بالا سطروں میں دیکھ ہی چکے ہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ بچوں کے مدرسے ہمیشہ کھلے میں ہی چلا کریں — جھونپڑی ہی کیوں نہ ہو لیکن بس آسرا کھر ہو۔ گاؤں یا آبادی کے وسط میں ہو مستقل ہو اور وہاں پانی کا بہتر انتظام ہو۔

اور کیا مہنگا پڑتا ہے ؟

تعلیم باقاعدگی کے ساتھ ہو۔ اس کے لئے تعلیم کی شروعات ابتدائی مدرسہ ہی سے ہونی چاہیئے۔ اگر یہ بات ایک بار قبول کر لیا

تو وہ تعلیم مہنگی پڑتی ہے۔ اس بے بنیاد سبب پر اسے نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔

آج کل جگہ جگہ، آنگنوں میں چھوٹے بچوں کے مدرسے کھولے اور چلائے جا رہے ہیں۔ یہ ایک خوشی کی بات ہے۔ ایسے مدرسے، آشرم شالاؤں یا مکتبوں سے منسلک ہوتے ہیں۔ بہتیری جگہوں پر اس قسم کی آشرم شالائیں یا مکتب حکومت کے تعاون سے بھی قائم کئے جا رہے ہیں۔ شہروں میں منی کے۔ جی (Mini K.G.) اسکول بڑی تعداد میں قائم ہیں جن میں داخلے کے لئے والدین گھنٹوں قطار میں کھڑے رہنے کی صعوبت بھی برداشت کرتے ہیں۔ داخلہ کی بھاری فیس بھی ادا کرتے ہیں۔ گلی گلی میں ایسے بال مندر، بچوں کے مدرسے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر تو ہمیں خوشی سے پھول کر کُپّا ہو جانا چاہیئے لیکن ایسا نہیں ہوتا کیونکہ یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ ان بال مندروں یا بچوں کے مدرسوں کے قیام میں بچوں کی تعلیم کے مقاصد کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہوتا ہے۔ بال مندر کا مطلب عموماً یہ لیا جاتا ہے کہ یہاں چھوٹے چھوٹے بچے تھوڑی دیر کے لئے جمع ہوں، کھیلیں کودیں اور پھر انہیں مٹھائی، گولیاں، چاکلیٹ دے کر چھوڑ دیا جاتے۔ یہاں کھیل کے بھی کچھ خاص طریقے نہیں ہوتے۔ کھانے کی چیزیں بھی مخصوص، بچے لیتے ہیں اور گھر چلے جاتے ہیں۔ یہ سب دیکھ کر بڑا رنج ہوتا ہے کہ یہاں چھوٹے بچوں کی تعلیم کا مقصد ہی فوت ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

بال مندر یا بچوں کے مدرسے کا ہر پروگرام اہم اور اہمیت کا حامل ہوتا ہے کہ اس سے بچوں کو کچھ نہ کچھ اچھی تعلیم ملتی ہے۔ حمد، گیت، کہانی، قصے، بچوں کے ناٹک، خوش گپیاں، نمونے کے اسباق، سیر و تفریح، مختلف چیزوں کا ذخیرہ کرنا وغیرہ باتوں سے ان کی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور زبان دانی میں بھی پختگی اور وسعت پیدا ہوتی ہے۔ تجسس اور بیداری پیدا ہوتی ہے۔ وہ حوصلہ مند بنتے ہیں۔ ان میں سماجی شعور بیدار ہوتا ہے۔ ان میں اچھی عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ نیک اخلاق بنتے ہیں۔ زندگی کا ایک شعبہ کاروباری بھی ہوتا ہے جس میں بچے چیرنا، کاٹنا، کوٹنا، چھیلنا، گھِستا، بٹانا، پیسنا جیسے گھریلو کام کرتے ہیں۔ بھلا یہ کہاں کے کھیل ؟ جی ہاں، یہ بھی کھیل ہی ہیں۔ علاوہ اوکھلی، موسلا، چکی، گھِستی، چھری کا نٹا یہ سب بھی بچوں کے لئے کھلونے ہی ہیں۔ چاقو، قینچی، چھری وغیرہ بچوں کے ہاتھوں میں دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ صرف انہیں ضروری ہدایتیں دینا ضروری ہے کہ وہ انہیں کس طرح استعمال کریں۔ پھر کاٹنے، چیرنے کے لئے انہیں بھرپور چیزیں دی جائیں، تو وہ بڑے شوق اور لگن سے وہ کام کرتے ہیں۔

گذشتہ چالیس برسوں میں بچوں کے ایسے اسکولوں میں کسی لڑکے یا کسی لڑکی نے اپنا ہاتھ کاٹ لیا ہو یا اگربتی کی تیلی سے بھی ایک ایک دوسرے کو مارا ہو، ایسا ایک بھی واقعہ وہاں پیش نہیں آیا۔ فوری علاج سے متعلقہ تمام ضروری چیزیں وہاں احتیاطاً رکھی جانی چاہئیں۔ یہ بھی اتنا ہی صحیح اور ضروری ہے۔

بچے ان باتوں سے کیا سیکھتے ہیں

بچوں میں یکسوئی، سلیقہ مندی پیدا ہوتی ہے۔ اعصابی عمل میں باقاعدگی کی بنا پر مستی اور جوش پیدا ہوتا ہے اور ان میں کام کا شوق اور جذبہ بڑھتا ہے۔ چیر کر، کاٹ کر، گھِس کر، کوٹ کر تیار کی جانے والی چیزوں کا استعمال پکوانوں میں کیا جاتا ہے۔ ہمارے جنگلاتی علاقوں کے بال مندروں میں ہمیشہ کوٹنے اور گھِسنے وغیرہ کے لئے مختلف چیزیں ملتی ہیں، ایسا نہیں ہے۔ ایسی حالت میں ہم وہاں مٹی کے ڈھیلوں اور اینٹوں کے ٹکڑوں کا بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ مٹی اور اینٹوں کے برادے کا استعمال مٹی کے کام اور زیبائش کے کاموں میں کیا جاتا ہے۔

بچوں کے مدرسے (بال مندر) میں فن کاری کا ایک اہم شعبہ ہوتا ہے۔ چھوٹے بچے تصویریں بناتے ہیں۔ کارڈ پر سلائی کا کام کرتے ہیں۔ کاغذ کی کشتیاں بناتے ہیں۔ مٹی کے کام میں تو وہ پہروں مگن رہتے ہیں۔ شاہی محلات سے لے کر درختوں کے سائے میں چلائے جانے والے بال مندروں تک میں فنکاری کا شعبہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ بچوں کی نظر میں حسن کا شعور پیدا ہوتا ہے انگلیاں نازک اور خوبصورت موڑ لینا سیکھتی ہیں۔ دل سکون اور طمانیت محسوس کرنے لگتا ہے۔

بال مندروں میں بچوں کو دی جانے والی مٹھائی بھی خاص اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ شہروں سے مٹھائیوں کے ڈبے منگوائے جاتے ہیں۔ ان ڈبوں میں لڈو اور پیڑوں سے لے کر روٹی اور چٹنی جیسی گھریلو چیزیں تک ہوتی ہیں۔ عام ڈبے میں یہی مناسب ہے کہ بچوں کو صرف چپاتی اور سبزی دی جاتے۔

بعض جگہوں پر بال مندروں میں مختلف چیزیں تل بھون کر کھانے کے لئے دی جاتی ہیں۔ یہ بھی ایک عمدہ بات ہے۔ ایسی چیزیں تیار کرنے میں بچے بھی ہاتھ بٹاتے ہیں۔ سبزی کاٹنا، چپاتی بنانا،

ہونگ پھلی چھیلنا، اناج یا بیج کوٹنا' ایسی کئی باتیں وقت بہ وقت کرنی ہوتی ہیں، جو بچے بڑے شوق سے کرتے ہیں۔ اسی طرح ہر روز نئی نئی چیزیں کھانے سے طرح طرح کے ذائقوں کا علم ہوتا ہے۔ ایک ہی طرح کا کھانا اور وہ بھی پکا پکایا کھانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

اجتماعی طور پر بیٹھ کر کھانا، اس کی بھی اپنی تعلیمی اور ثقافتی اہمیت ہے۔ سب کا مل کر کھانے کے لئے بیٹھنا، جگہ جگہ سجاوٹ، اگر بتیوں کی خوشبو، خدا کے نام کے ساتھ کھانے کی ابتدا، اطمینان کے ساتھ کھانا۔ کھانے کے ساتھ ساتھ خوش گپیاں اور خوشی کا ماحول، سبھی باتیں اس اجتماعی کھانے میں شامل ہیں۔ جیسے خوشیوں کا ایک تہوار۔ جب بچوں میں کھانے کی چیزیں تقسیم کی جائیں تو یہ احتیاط برتی جائے کہ بچوں میں مٹھائی بٹور کر فوراً گھر بھاگنے کی عادت گھر نہ بنائے۔ اجتماعی طور پر کھانے کے فائدے یہ ہیں کہ بچے صفائی کے عادی بنتے ہیں۔ ان میں قوتِ ضبط اور مستقل مزاجی پیدا ہوتی ہے ان میں سماجی شعور بیدار رہتا ہے۔ ان کے مزاج میں تہذیب کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔

بال مندروں کے بعض ثقافتی پروگرام بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ بچوں کا اجتماعی جشن سالگرہ منانا، ان کی دستکاری کی چیزوں کی نمائش کرنا۔ بچوں کے ساتھ کسی کے گھر جاکر اس سے ملنا۔ اس طرح بچوں کے والدین سے تعلقات اور قربت پیدا ہوتی ہے۔ آپسی اور باہمی تعاون کا جذبہ پیدا ہوتا اور بڑھتا ہے اور ایسی ملاقات دونوں فریق کی خوشی کا سبب بنتی ہے۔ ایک امنگ اور محبت بھرا ماحول پیدا ہوجاتا ہے۔ اس طرح کے سبھی حالات کسی بھی قسم کے بال مندر کے تحت حالات کے مطابق پیدا کئے جا سکتے ہیں۔

اس طرح کی کئی باتیں ہیں۔ بچوں کا مدرسہ یعنی دن کے چار پانچ گھنٹوں کے بچوں کا گھر۔ اس گھر میں وہ آزادانہ نقل و حرکت کر سکتے ہیں، گھوم سکتے ہیں، پھر سکتے ہیں۔ خوش گپیاں کر سکتے ہیں۔ کھیل سکتے ہیں، کچھ نہ کچھ ہنگامہ جاری رکھ سکتے ہیں اور انہیں سب باتوں کے ذریعے آنے والی زندگی کی تعمیر کی تیاریاں کر سکتے ہیں۔ اسی لئے ہمارے نظامِ تعلیم کی شروعات بال مندروں یا بچوں کے مکتب اور مدرسوں سے ہی ہونی چاہیے۔

بچوں کی تعلیم کا ڈھانچہ نفسیات، نظامِ تعلیم اور علم شہریت ہی کی مدد سے تیار کیا جانا چاہیے۔ بچوں کی تعلیم کے بنیادی مقاصد کو سامنے رکھ کر ہی علمی اقدامات کرنے چاہئیں اور اس کے لئے اس کام میں حکومت ہی کو پوری پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں بے توجہی نہیں برتی جانی چاہئے۔ بنیاد مضبوط ہونی چاہیئے۔ تبھی جو عمارت بنے گی وہ مخدوش نہیں ہوگی۔ اگر ہم آنے والی نسل کو علم کی شوقین، متجسس، حوصلہ مند اور بہادر بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں بچوں کی تعلیم کی عمارت بچوں کے مدرسہ کی شکل ہی میں تعمیر کرنی چاہیئے۔

بچوں کی تعلیم کے تعلق سے یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ اس تعلیم کے مقاصد کو مدنظر رکھ کر جو تعلیم دیں سکیں' ایسے ہی مناسب اساتذہ بچوں کے مدرسہ کے لئے منتخب کئے جائیں۔ اس سلسلے میں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اساتذہ ابتدائی مدارس کے نظامِ تعلیم کی رو سے تربیت یافتہ ہوں۔ ایسے تربیت یافتہ اساتذہ آسانی سے مل سکیں۔ اس کے لئے آٹھ دن کے لئے ایک مہینے کے لئے، تین مہینے کے لئے جگہ جگہ تربیتی کلاسیں بھی چلائی جاتی ہیں جن میں کچھ سرکاری اور کچھ خانگی ہوتی ہیں لیکن ایسی فوری تربیت کس کام کی؟ بچوں کی تعلیم کے مقاصد کو سامنے رکھ کر ان کے عین مطابق تعلیم کے طریقے مرتب اور متعین کئے جانے چاہئیں۔ تربیت کے دوران ان ساری باتوں پر غور و خوض کیا جانا چاہیئے اور ساتھ ہی عملی کام بھی۔ ہم کس طرح تیریں؟ اس سوال کا حل یہ نہیں ہے کہ ہم تیراکی کے موضوع پر کوئی کتاب پڑھ لیں اور بس۔ اس کے لئے پانی میں چھلانگ لگاکر ہاتھ پاؤں مارنے کی ضرورت ہے۔ بالکل اسی طرح تربیت کے دوران بالواسطہ، بچوں کے اسکول چلانے کا، طریقۂ تعلیم کے مطابق اسباق پڑھانے کا تجربہ حاصل کرنا چاہیئے۔ اس ضمن میں تربیت کی معیاد کم ازکم چھ مہینے تو لازمی طور پر ہونی چاہیئے۔

بچوں کے مدرسے کے طریقۂ کار میں ضرورت کے مطابق تبدیلیاں اور ردوبدل کرنا پڑتا ہے۔ اس ضمن میں اسے بھی ایک ضروری پروگرام بنایا جانا چاہیئے کہ دیہاتوں سے بچوں کو بلاکر اکٹھا کیا جائے۔ انہیں تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کیا جائے اور ساتھ ہی انہیں صاف ستھرا رہنا بھی سکھایا جاسکے۔ شہری بچے تو مدرسہ میں صاف ستھرے ہوکر ہی آتے ہیں۔ بچوں کو اپنی چپلیں، اپنے کھانے کے ڈبے کہاں رکھنے ہیں، یہ طے کرلینا چاہیئے اور پھر یہ کوشش کی جانی چاہیئے کہ بچے اپنی چپلیں

در کھانے کے ڈبے اسی جگہ رکھیں۔

بچوں کے مدرسے کی اہمیت والدین اور عام لوگوں سے منوا لینا یہ بھی ایک اہم کام ہے۔ شہروں میں بچوں کے مدرسوں کی ضرورت اس لئے اہم سمجھی جاتی ہے کہ ایک بار بچے کا داخلہ کیا تو بارہویں جماعت تک کے لئے بے فکری ہو جاتی ہے۔ ایسے سکولوں میں یہ پابندی ہوتی ہے کہ اگر کوئی اپنے بچے کو اس اسکول میں پڑھانا ہی چاہتا ہے تو اسے بچے کی پڑھائی پہلی جماعت سے ہی وہاں کرانی چاہیئے اور اس پابندی کے سامنے، اپنے سکول چلانے کی خاطر، اسکول کے منتظمین، والدین کے سروں کو جھکا لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں اساتذہ کو کوئی اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ شہروں میں یا بڑے قصبوں میں، بچوں کے مدرسے، بچوں کے مدرسے سے آگے بڑھنے نہیں پاتے۔ بچوں کے سرکاری اسکولوں میں اس قسم کی پابندیاں نہیں ہوتیں اس لئے وہاں تعلیم کا بھی کوئی معیار نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے والدین کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ ان کے بچوں کو خانگی اسکولوں میں داخلہ مل جائے۔ اپنے بچے فرفر انگریزی بول سکیں، پڑھ سکیں اور تیزی کے ساتھ لکھ بھی سکیں، بس سبھی والدین یہی تہیہ کئے بیٹھے ہیں۔ انگریزی جو محض ایک مضمون کی حیثیت رکھتی تھی اب بیشتر اسکولوں میں ذریعۂ تعلیم کے درجے کو پہنچ گئی ہے۔

بچے کو دس برس کی عمر تک مادری زبان بخوبی آ جانی چاہیئے۔ مادری زبان میں اسے اچھی طرح بولتے بھی آنا چاہیئے اور دوسروں کی بات سمجھنے کی بھی اس میں خاطر خواہ صلاحیت پیدا ہو جانی چاہیئے۔ ایک بار مادری زبان پر بچے کو قدرت حاصل ہو جائے تو پھر دوسری کسی بھی زبان کے سیکھنے میں اسے کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آتی۔ ہمیں انگریزی زبان آنی چاہیئے۔ اس ضد کی بنا پر ہوتا یہ ہے کہ گھر میں تو ہماری بول چال کی زبان اور' اور اسکول میں جو زبردستی اور مجبوراً بولنی پڑے وہ زبان اور۔ کوئی زبان سیکھنے کے ابتدائی دور میں، یہ کڑوی اور میٹھی بیک وقت دو ذائقوں والی گولی، بچوں کے لئے بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں بعض بچے تو بے چارے، گونگے ہی بن کر رہ جاتے ہیں۔ اس لئے یہی بہتر صورت ہے کہ بچے پہلے مادری زبان ہی پر عبور حاصل کرے۔ البتہ بچوں کے مدرسوں میں، بچوں سے کچھ انگریزی اور کچھ دیسی زبانوں کے گیت

گوانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ والدین کو اس اہم بات کا احساس دلا دینا چاہیئے اور اسی لئے ہفتہ میں کم سے کم ایک بار والدین کا بھی اجتماع رکھا جائے، جیسے بچوں کا مدرسہ والدین اور سرپرستوں کے لئے بھی ایک مندر، ایک عبادت گاہ کی حیثیت رکھتا ہو۔ روزانہ کچھ نہیں تو دو چار سرپرستوں یعنی بچوں کے گھروں کو بھی وزٹ دینا چاہیئے۔ سرپرستوں سے ملاقات کرنی چاہیئے۔ یہ بات دیہی علاقوں کی طرح شہروں میں بھی لازمی طور پر کی جانی چاہیئے۔

دیہاتوں میں بچوں کے مدرسوں کے طریقۂ کار کے تعلق سے والدین یا سرپرستوں کی طرف سے ایسے کوئی خاص تقاضے نہیں ہوتے لیکن ان سے یہ بات منوا لینا پھر بھی ضروری ہے کہ ان کے بچوں کے لئے بال مندر یا بچوں کے مدرسے ضروری ہیں۔ وہاں گھر گھر جا کر بچوں کو اکٹھا کر کے مدرسہ لانا پڑتا ہے۔ انہیں صاف ستھرا بنایا جاتا ہے۔ اسی لئے دیہاتوں میں والدین اور سرپرستوں کے اجتماع اور ان کے گھر جا جا کر ان سے ملاقاتیں کرنا نہایت ضروری ہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ ابتدائی مدرسوں میں تعلیم کا بار مالی اعتبار سے حکومت برداشت نہیں کر سکتی لیکن اس کے باوجود اگر ہم ابتدائی مدرسوں کی تعلیمی اہمیت تسلیم کرتے ہیں تو خرچ کے بار کی خاطر اس سے فرار اختیار نہیں کر سکتے۔ شہروں میں خانگی ابتدائی مدرسے بچوں کے والدین اور سرپرستوں سے فیس وصول کر کے چلائے جا سکتے ہیں۔ اس لئے وہاں، اگر حکومت کچھ خرچ بھی نہ کرے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن ابتدائی مدرسوں کے تعلیمی مقاصد کے حصول کی خاطر حکومت کی رہنمائی اور اصولی پابندیاں ضروری ہیں۔ عطیہ یافتہ یا غیر عطیہ یافتہ (Granted/Non-Granted) دونوں قسم کے ابتدائی مدرسوں کے طریقۂ کار میں یکسانیت اور ہم آہنگی کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس کے لئے میں یہ سمجھتی ہوں کہ حکومت کی طرف سے مخصوص تعلیمی قوانین و ضوابط کا تعین لازمی ہے۔

آج کل دیہاتوں، قصبوں میں حکومت کی طرف سے آشرم شالائیں (مکتب / خانقاہ) اور کھلے آنگنوں میں چلنے والے مدرسے چلائے جاتے ہیں۔ وہاں بھی بچوں کے مدرسوں کے طریقۂ کار کی تجرباتی طور پر جانچ کر لینی چاہیئے۔ وہ طریقۂ کار بھی حصول مقصد کی کسوٹی پر پورا اترنا چاہیئے۔

سماجی بہبود کے اداروں کی طرف سے بچوں کے جو مدرسے چلائے جاتے ہیں، وہاں بھی ان اصولوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

پسماندہ طبقہ کے بچوں کے لئے بھی جگہ جگہ ابتدائی مدرسے قائم کئے گئے ہیں مگر وہاں بچوں کی تعداد اور حاضری دونوں ہی بے حد کم یا برائے نام ہوتی ہیں، کیونکہ بچوں کو مدرسہ آنے میں کئی دشواریاں درپیش ہوتی ہیں۔ انہیں میں سے ایک دشواری یہ بھی ہے کہ ان بچوں کو گھر پر اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کو سنبھالنا ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم نے مدرسوں سے منسلک ایسی بال واڑیاں اور پالنا گھر بھی قائم کئے ہیں لڑکا یا لڑکی، جو مدرسہ آتی ہے، اپنے ننھے بھائی یا بہن کو گود میں اٹھائے یا اپنے ڈھائی تین سالہ بھائی یا بہن کو انگلی تھامے ساتھ لاتی ہے۔ عمر کے اعتبار سے ان تینوں قسم کے بچوں کا وہاں معقول انتظام ہونا چاہیئے، جیسے ننھے بچوں کیلئے پالنا گھر ڈھائی تین سالہ بچوں کے لئے بال واڑی اور تقریباً دس گیارہ سالہ لڑکے لڑکیوں کے لئے، ابتدائی مدرسہ میں ان کی اپنی جماعت غرض تینوں قسم کی عمر والے بچے ایک ہی چھت کے نیچے، دن کے تین چار گھنٹے ایک ساتھ رہتے ہیں، تب کیوں نہ اسے ہم اپنی "وکاس واڑی" کہیں؟ پسماندہ طبقے کے لئے تو ایسی وکاس واڑی گویا ابتدائی تعلیم کا ایک وسیع شعبہ ہی ہے۔

اس طرح کی ہر وکاس واڑی میں جو ہمارے ادارے کی طرف سے چلائی جاتی ہے، بچے عمر کے حساب سے الگ الگ حصوں میں بٹ جاتے ہیں لیکن کچھ دیر کے لئے ایک ساتھ جمع بھی ہو جاتے ہیں اور سال ڈیڑھ سال کی عمر والے پالنا گھر کے بچے بھی حمد اور گیت کے پروگرام میں دوسرے بچوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ ننھے ننھے ہاتھ تالیاں بھی بجانے لگتے ہیں۔ کچھ گنگنانے بھی لگتے ہیں اور اداکاری کے ساتھ گائے جانے والے گیت کے دوران بھی وہ اپنی طور پر کچھ نہ کچھ حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ غرض ان بچوں کو اسی عمر سے تعلیمی ماحول میسر آنے لگتا ہے اور یہی ساری باتیں اس کی نشو و نما اور فروغ میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

بال واڑی کے بچے بہتر نظم و نسق کے طور طریقے اپنے گھر بھی لے جاتے ہیں۔ بہتیرے والدین اور سرپرست کہتے ہیں، ہم وہ سب کچھ، جو وہ بچے مدرسے سے لاتے ہیں قبول کر لیتے ہیں جیسے تھالی کا بھوجن، لیکن گھر کا زنانہ انتظامیہ انہیں بچوں کو حکم دیتا ہے۔ "ہاتھ دھو کر آؤ، ادب سے بیٹھو، دعا پڑھو" اور پھر وہ خود ہی منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہے۔ گھر کا یہ زنانہ گویا ایک سیدھی سادی معصوم لڑکی۔

پالنا گھر اور بال واڑی سے مدرسہ میں آنے والے بچوں کو تعلیم کا چسکا لگ چکا ہوتا ہے۔ اس لئے بچوں کی حاضری با قاعدہ اچھی ہوتی ہے۔ بچے عموماً ناکامیاب بھی نہیں ہوتے اور انتہائی ناگزیر حالات ہی میں انہیں اسکول چھوڑنا پڑتا ہے اس لئے پسماندہ علاقوں کے لئے اور جہاں ماں باپ بچوں کو گھ چھوڑ کر جاتے ہیں ایسی جھونپڑ پٹیوں میں یا چھوٹے چھوٹے دیہاتوں اور قصبوں میں، وکاس واڑیوں کا قیام نہایت ضروری ہ

حکومت مہاراشٹر کا لڑکیوں کی تعلیم کے تعلق سے انہ متبنیٰ بنانے کا منصوبہ ہے یا کچھ صنعت کار صنعتی ترقی کے دیہاتوں کو متبنیٰ بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح اگر وکاس واڑیوں کے متبنیٰ بننے، بنانے کا کوئی منصوبہ بنایا جائے تو کتنا اچھا ہو۔

پسماندہ علاقوں میں ترقیاتی منصوبوں کے تحت وکاس واڑیوں کے لئے ارادتاً کچھ رقم مقرر کر دینا لازمی ہے۔

ان بچوں کے لئے تعلیمی اسباب اور ذرائع قدرت ہی سے حاصل کرنے ہوتے ہیں۔ تعلیم کے لئے معمولی جھونپڑ پٹیاں بھ استعمال میں لائی جا سکتی ہیں لیکن مقصد عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی تعل ہونی چاہیئے اور اس کے لئے اعلیٰ درجہ کے اساتذہ کا ہونا بھ اتنا ہی ضروری ہے۔ اسی طرح انہیں عمدہ غذا اور اچھے کپڑے بھی میسر آنے چاہئیں۔

ابتدائی مدرسے، بال واڑی اور وکاس واڑی میں کا کرنے والے اساتذہ کو باقاعدہ تربیت حاصل کرنی چاہیئے یہ بات اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں منا تنخواہیں بھی ملنی چاہئیں۔ پرائمری اور ثانوی مدرسوں کے مقابل میں ان اساتذہ کا کام بھی، کسی بھی لحاظ سے کم درجہ کا نہیں ہوتا۔ ا کے برخلاف ان کا کام زیادہ ہوشمندی اور جانکاہی کا ہوتا ہ س کے لئے انہیں سماج میں مناسب مقام، عزت اور مرتبہ بھی حا ہونا چاہیئے۔ تنخواہ کا پیمانہ، پروویڈنٹ فنڈ (مستقبل کیلئے بچ پنشن وغیرہ سبھی چیزوں کا انہیں بھی پورا پورا فائدہ ملنا چاہیئے ابتدائی مدرسوں میں کام کرنا، آدھے وقت کی ڈیوٹی کے برابر اس طرح کی لوگوں میں ایک عام غلط فہمی ہے۔ بالواسطہ بچوں ک تین گھنٹے لگاتار پڑھائی کے علاوہ اور بھی کوئی کام ہوتے ہ جیسے کام ختم ہونے پر اسباب کا سمیٹنا۔ اگلے دن کی تیاری، ا دن کے کام کا تفصیلی اندراج، مختلف مضامین سے متعلق تعد ا... ی، سامان تیار کرنا اور کروانا۔ اگر سامان ٹوٹا پھوٹا ... ہو

... ...رتی، والدین اور سرپرستوں سے ملاقاتیں۔ اس طرح ... تیں ہوتی ہیں۔ مدرسے کے لڑکی کی ... سماجی اور ... ترقی کا ریکارڈ انہیں اساتذہ کو پوری توجہ کے ساتھ تیار ... رکھنا ہوتا ہے۔ یہ بچے بذاتِ خود انسان ڈھالنے کی ... تجربہ گاہ ہیں اور ہمارے ابتدائی مدرسوں کے اساتذہ اس تجربہ گاہ میں کام کرنے والے محقق اور موجد ہیں۔ اساتذہ کا سماج ... ہر سطح پر احترام اور عزت کی ہی جانی چاہیئے تبھی ہماری ابتدائی تعلیم بامقصد اور کامیاب ثابت ہوگی اور ہمارے بچوں کے روپ میں پائے جانے والے ہیرے خوبصورت انداز میں مختلف شاندار پہلوؤں کے ساتھ تراشے جا سکیں گے۔

الغرض

[۱] ابتدائی تعلیم یعنی تمام تعلیم کی بنیاد۔ تعلیم کی ابتدا یہیں سے ہونی چاہیئے۔

[۲] وہ تعلیم ایک مرتبہ ضابطے کے ساتھ دی جانی چاہیئے۔

[۳] شہروں سے لے کر دور دراز اندرونی علاقوں تک، امیروں سے لے کر غریبوں تک، ہر سطح کے لڑکے لڑکیوں کو ابتدائی تعلیم کا فائدہ ملنا چاہیئے

[۴] پسماندہ علاقوں میں جگہ جگہ دکاس واڑیاں (ترقیاتی ادارے) قائم کئے جانے چاہئیں۔

[۵] والدین اور سرپرستوں کی بھی خاطرخواہ تعلیم ہونی چاہیئے۔

[۶] ابتدائی مدرسوں کے لئے تعلیمی، امدادی سامان کی تیاری اور تخلیق گرد و پیش کے حالات اور ماحول کی مدد ہی سے کی جانی چاہیئے۔ حتی الامکان اساتذہ کو خود ہی ایسی تعلیمی امدادی چیزیں یا سامان تیار کرنا چاہیئے۔

[۷] ابتدائی مدرسوں کے طریقۂ کار میں یکسانیت ہونی چاہیئے اس کے لئے عطیہ یافتہ یا غیر عطیہ یافتہ تمام ابتدائی مدرسوں کی حکومت کی طرف سے رہنمائی بھی کی جانی چاہیئے اور ان پر قانونی پابندیاں بھی ... ہونی چاہیئے۔

[۸] ابتدائی مدرسوں کے اساتذہ کے لئے تربیت کی میعاد کم از کم چھ مہینے ہونی چاہیئے۔

[۹] ابتدائی مدرسوں کے اساتذہ کو مناسب تنخواہ، الاؤنس اور پنشن ملنی چاہیئے۔

میں نے بالکل صاف دلی کے ساتھ اپنے خیالات آپ کے سامنے پیش کئے ہیں۔ بچوں کے لئے بھی میرا یہی تحفہ ہے

(مترجم: مرز ... ...
... بمبئی)

توی لنج

مُصنفہ کا تعارف :-

شری الوُتائی واگھ، بی۔ اے

منتظمہ۔ گرام بال شکشا کیندر، دکاس واڑی، کوسباڈ ہل۔ صدر۔ ضلع تھانے، استری شکشک۔ جاگرتی سمیتی، دکاس واڑی۔ کوسباڈ ہل۔ تعلقہ۔ دہانو۔ ضلع تھانے۔ پن کوڈ ۴۰۱۷۰۳

حکومتِ مہاراشٹر کی جانب سے مثالی معلمہ کا انعام

غریبوں کی دوست کی حیثیت سے اعزاز

"مہاراشٹر دگیان پریشد کی طرف سے انعام اور تمغہ

اچل کرنجی کے "فائی، فاؤنڈیشن" کی جانب سے مبلغ روپے دس ہزار کا انعام اور تمغہ

بین الاقوامی سال اطفال ۱۹۷۹ء کے دوران بچوں فلاح کا کام کرنے والی عظیم شخصیت کو دیا جانے والا مبلغ روپے ۲۰ ہزار کا انعام، جو انہیں بھارت کے نائب صدر کے ہاتھوں دیا گیا

آدیباسی بچوں کی تعلیم اور فلاح کے میدان میں زندگی کے طویل ۵۰ برس تک جو خدمات انجام دیں۔ ان کے صلہ میں، ان کی عمر کی ۷۱ ویں سالگرہ کے موقع پر، عام جلسہ میں، ایک لاکھ روپے کا عطیہ عطا کیا گیا۔

ریاستِ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ کے ہاتھوں، جنوری ۱۹۸۱ء میں مرحومہ ساوتری بائی پھلے (مہاتما پھلے کی اہلیہ) کی یادگار کے ضمن میں دیا گیا پہلا انعام۔

۲۶ جنوری ۱۹۸۵ء کو صدرِ ہند کی جانب سے "پدم شری" کا خطاب عطا کیا گیا ۱۹۸۵ء کا شریمتی جانکی دیوی بجاج ... ... حاصل کیا۔

• پی ۔ ٹی ۔ مہاجن
ڈائرکٹر آف ایجوکیشن (تعلیم بالغان) ایم ۔ ایس ۔ پونے

ریاستِ مہاراشٹر میں
تعلیم بالغان کا پروگرام

ملک کی آبادی میں بلحاظ عمر ۱۵-۳۵ کا گروپ بہت زیادہ نتیجہ خیز اور زبردست اہمیت کا حامل خیال کیا جاتا ہے، اور مردم شماری کے اعداد اور اسی قسم کے دوسرے مطالعات سے انکشاف ہوا ہے کہ اس گروپ میں تعلیم یافتگی کا فیصد حصہ بہت قلیل ہے۔ عدم تعلیم یافتگی اس بکثرت وقوع کو متعدد وجوہ سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ جو سماجی، معاشی، جغرافیائی اور ثقافتی نوعیت کے ہیں۔ اس لئے یہ بات نہایت اہمیت کی ہے کہ سوسائٹی کے اتنے اہم اور مفید عنصر کو جلد از جلد تعلیم بالغان پروگرام کے تحت لایا جائے جو بالآخر سوسائٹی کی بہبودی پر منتج اور منجملہ طور پر پورے ملک کی بھلائی کا باعث ہوگا۔

اس ریاست میں اس مسئلہ کی شدت کا احساس پچھلے ۲۰ - ۲۵ سال کے دوران ہوا۔ کچھ الگ تھلگ اور غیر اجتماعی کوششیں ریاست میں کی گئیں، تاکہ آبادی کے ۲۰ - ۳۵ کی عمر والے گروپ کو اس پروگرام کے تحت لایا جائے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۶۰ء سے پہلے، تعلیمی پروگرام میں اس پر توجہ دی جانے لگی، اور سنہ ۱۹۶۰-۶۱ء میں گرام سکشن مہم (دیہی تعلیم کی تحریک) اس ریاست میں بڑے پیمانے پر شروع کی گئی۔ اس "دیہی تعلیم کی تحریک" کی عوام نے بڑی حوصلہ افزائی کی۔ چنانچہ انہوں نے اس کی طرف پورے انہماک کے ساتھ توجہ دی۔

اس تعلیمی پروگرام نے ۹۹ لاکھ بالغوں پر اپنا سایہ ڈالا۔ اس تحریک نے وسیع مقبولیت حاصل کی۔

"محمد رضا شاہ پہلوی" کا وہ انعام جسے ایک دُنیا حاصل کرنے کی مشتاق تھی۔ اس ریاست کو یونیسکو نے ۱۹۷۲ء میں "دیہی تعلیمی پروگرام" کے سلسلے میں بہترین کام کرنے پر نوازا۔

اس مسئلہ کی زبردست اہمیت کے پیشِ نظر....

حکومت ہند نے "قومی تعلیم بالغان پروگرام" کا ۱۹۷۸ء میں قومی سطح پر آغاز کیا۔ ریاستی حکومت نے بھی قومی اہمیت کے اس کام میں اپنی بساط بھر حصہ لیا، اور انہیں خطوط پر ۱۹۷۸ء میں ہی ریاستی تعلیم بالغان کا پروگرام شروع کیا۔ تعلیم بالغان پروگرام، حکومت ہند کے اعلان کردہ "۲۰ نکاتی سماجی واقتصادی ارتقاء کے پروگرام کے تحت نکتہ نمبر ۱۶ (ب) کی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے۔ یہ پروگرام" درج فہرست جاتیوں اور نئے بدھسٹوں کے لئے خاص جزءِ ترکیبی والے پلان"، اور کمزور طبقات اور پسماندہ علاقوں کی بہبودی کی اسکیمات" میں بھی شامل ہے

چوتھے تعلیمی جائزہ کے مطابق جو اس ریاست میں ۱۹۷۸ء میں زیرِ عمل لایا گیا تھا۔ ریاست ہذا میں ۳۵-۱۵ عمری گروپ میں (۸۲٫۷۱) لاکھ غیر تعلیم یافتہ تھے۔ اس میں ۲۶٫۵۸ لاکھ مرد اور ۵۶٫۱۳ لاکھ عورتیں تھیں — ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۳۵ - ۱۵ عمری گروپ میں غیر تعلیم یافتہ آبادی ۱۱۶٫۴۹ لاکھ ہے۔

موجودہ تعلیم بالغان پروگرام"، کا مقصد ۳۵ - ۱۵ عمری گروپ کی غیر تعلیم یافتہ آبادی کو احاطہ کرنا ہے۔ قوم کے وہ گروپ جن میں غیر تعلیم یافتہ افراد بکثرت ہیں۔ ان میں درج فہرست جاتیاں، درج فہرست قبائل عورتیں، اقلیتی زبان والے، دیہی حرفت پیشہ، بے زمین مزدور، حاشیائی زمین والے کاشتکار، گھریلو ملازمین، گندی بستیوں میں رہنے والے اور غریبی کی سطح سے نیچے زندگی گزارنے والے افراد شامل ہیں۔ اس لئے تعلیم بالغان کے مرکزوں میں بالغوں کا نام درج کرتے وقت، ایسے بالغوں کے ناموں کے اندراج کو اہمیت دی جاتی ہے جو مذکورہ بالا طبقات سے تعلق رکھتے ہیں۔

موجودہ تعلیم بالغان پروگرام ان سابقہ بنیادوں کی بہ نسبت وسیع تر بنیاد رکھتا ہے۔ جو تعلیمی یافتگی کے نشان کے حصول کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ تعلیم یافتوں میں شمار کئے جانے کے علاوہ، موجودہ پروگرام، بالغوں میں تعلیم میں مہارت کاموں میں مہارت کی نشو ونما اور سماجی بیداری کے احساسات کو فروغ دینے کے مقاصد بھی اپنے اندر رکھتا ہے

پروگرام کے تحت، ناخواندہ بالغوں کے لئے مراکز تعلیم بالغان کھولے جاتے ہیں۔ ہر مرکز ۳۰ بالغوں کو داخلہ عطا کرتا ہے۔ ایک جز وقتی معلم $1\frac{1}{2}$ سے ۲ گھنٹے کے لئے روزانہ (ہفتے میں ایک دن چھٹی کے ساتھ) بالغوں کو سکھانے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ ہر مرکز کی میعاد ۱۰ مہینوں کی ہوتی ہے۔ بالغوں کے حصولِ علم کا اندازہ چوتھے ساتویں اور دسویں مہینے میں لگایا جاتا ہے — تاہم جدید ترین رہنمایانہ خطوط کے مطابق، جو حکومت ہند کی طرف سے موصول ہوئے ہیں۔ ہر مرکز تعلیم بالغان کا تدریسی سال ۱۲ مہینے کے نصاب کے اصول پر رکھا جاتا تجویز کیا جا رہا ہے۔ جس میں سے ابتدائی ۸ مہینے خواندگی کی سرگرمیوں کے لئے ہوں گے، اور باقی کے ۴ مہینے خواندگی کے بعد کی سرگرمیوں کے لئے ہوں گے۔ یہ رہنمایانہ خطوط حکومت کے زیرِ غور ہیں تاکہ وہ اس اصول کو تدریسی اور مالی دونوں حیثیتوں سے اختیار کرلے۔ ہر ۳۰ مرکز تعلیم بالغان کے لئے "بیٹ"، کی سطح پر ایک سپروائزر مقرر کیا گیا ہے۔ جو معائنہ کرنے کے ساتھ ساتھ معلم اور بالغان کی رہنمائی بھی، جہاں کہیں اور جب کہیں ضرورت ہوگی، کرے گا۔ ہر ضلعی ہیڈ کوارٹر پر آفیسر" ضلع تعلیم بالغان آفس" قائم کیا گیا ہے۔ افسر ضلع تعلیم بالغان، بالغوں کے تعلیمی پروگرام کا، جس پر ضلع میں عمل درآمد کیا جا رہا ہے، انچارج ہوگا۔ اسے پروجیکٹ افسران اور کلرکوں کا عملہ، اور گاڑیاں مہیا کی گئی ہیں۔ تاکہ اس پروگرام پر مؤثر طور پر عمل کیا جاسکے۔ ریاستی سطح پر "ڈائرکٹر آف ایجوکیشن (تعلیم بالغان) کو ریاست میں پروگرام کی مؤثر پلاننگ، تنظیم، عمل درآمد، مانیٹرنگ، اور اندازہ لگانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اسے اس مقصد کے لئے ضروری افسران

اور کلرکوں کا عملہ نیز گاڑیاں مہیا کی گئی ہیں ۔

تعلیم بالغاں کے پروگرام میں ایسے متعدد مسائل شامل ہیں جن کا تعلق بالغوں کی روزمرہ زندگی سے ہے ۔ اس طرح، ظاہر ہے کہ اکیلے محکمۂ تعلیم ہی بالغوں کی تمام ضرورتوں کی تکمیل نہیں کر سکتا ، اور اس لئے مختلف محکموں سے ، جیسے محکمۂ زراعت، مویشی پالن، کوآپریشن، ڈیری ڈیولپمنٹ، بینکنگ، انڈسٹریز، صحت عامہ، ریڈیو، ٹی۔ وی، پریس، میوزک اور رقص کے ڈائرکٹوریٹ وغیرہ سے ضرورت کے مطابق تعاون کی درخواست ہے ۔ اس لئے ان محکموں کے افسروں اور کارکنوں سے گزارش ہے کہ وہ معلموں اور افسروں کے تربیتی کیمپوں میں شریک ہوں انہیں تعلیم بالغاں کے مرکزوں میں بھی تشریف لانے کی دعوت دی جاتی ہے جہاں ان کی بالغوں سے رو برو ملاقات ہوگی اور وہ ان مسائل پر گفتگو کر سکیں گے جو بالغوں کے درپیش ہوں گے ۔

ریاستی بورڈ برائے تعلیم بالغاں کی تشکیل ریاست کے وزیر اعلیٰ کی چیرمینی میں عمل میں آئی ہے ۔ تاکہ ریاست میں اس کے پروگرام پر مؤثر طور پر عمل درآمد کیا جا سکے ۔ اس بورڈ کے ممبران میں بھی افسران نیز غیر افسران میں سے مشہور شخصیتیں، جو زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں، شامل ہیں ۔ انہیں خطوط پر، ضلع بورڈ برائے تعلیم بالغاں بھی ضلع کلکٹر کی چیرمینی میں تشکیل دیا گیا ہے تاکہ ہر ضلع میں اس کے پروگرام پر مؤثر طور پر عمل درآمد ہو ۔ مرکز تعلیم بالغاں کی سطح پر، مقامی کمیٹیاں برائے تعلیم بالغاں تشکیل دی گئی ہیں ۔

ریاستی مرکز وسائل (اسٹیٹ ریزورسس) انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن (پونے) میں سینٹر قائم کیا گیا ہے ۔ انسٹی ٹیوٹ آف برائے تعلیم بالغاں کا قیام اورنگ آباد میں عمل میں آیا ہے ۔ یہ ادارے بالغوں کے لئے سکھانے اور سیکھنے کے سامان و اسباب تیار کرنے کے ذمہ دار ہیں نیز مختلف سطحوں پر سکھانے والوں اور نئے سیکھے ہوؤں کے لئے حوالہ کے بطور کارآمد سامان، تخمینہ لگانے کے اوزار اور تعلیم بالغاں کے عہدے داروں کی ٹریننگ ۔۔ یا تربیت کے ذمہ دار بھی ۔

بالغوں کے لئے صرف پڑھائی لکھائی میں ہی شعور حاصل کر لینا کافی نہیں ہے ۔ اس بات کے کافی امکانات ہیں کہ ناخواندگی ان پر غالب آجائے اگر انہیں ایسے مواقع بہم پہنچانے کی پائیدار کوششیں نہیں کی گئیں جن کی بدولت وہ اپنی خواندگی کو برقرار رکھ سکیں ۔ مہاراشٹر وہ پہلی ریاست ہے جس نے اس مقصد کے تحت ۱۹۸۰-۸۱ء سے اس کے بعد میں بھی سلسلہ وار پروگرام جاری رکھا ہے ۔

۸۲-۱۹۸۱ء میں حکومت ہند نے بھی خواندگی کے بعد تسلسل قائم رکھنے والے پروگرام کو شروع کیا ۔ ان پس از خواندگی میں معاونت کرنے اور تسلسل قائم رکھنے والے مرکزوں کے قریب لائبریریاں کھولی گئی ہیں جہاں مختلف مضامین پر پڑھنے کی چیزیں نئے پڑھنے والوں کے لئے موجود رہتی ہیں ۔ ان مرکزوں پر ان کے مسائل پر بھی گفتگو ہوتی ہے اور کوششیں کی جاتی ہیں کہ ان دشواریوں کو حل کیا جائے

حکومت (ریاستی اور مرکزی دونوں) کی طرف سے چلائے جانے والے پروگرام برائے تعلیم بالغاں کے علاوہ بعض رضاکارانہ ایجنسیوں کو بھی حکومت ہند گرانٹ ۔ ان ۔ ایڈ عطا کرتی ہے تاکہ وہ اس پروگرام کو عمل میں لائیں ۔ اسی طرح یونیورسٹی گرانٹس کمیشن بھی کالجوں ۔۔ اور یونیورسٹیوں کو گرانٹ ۔ ان ۔ ایڈ سے نوازتی ہے ۔ تاکہ وہ کالج کے طالب علموں کے ذریعے تعلیم بالغاں کے پروگرام پر عمل کریں ۔

اس پروگرام کے ۱۹۷۸ء میں آغاز کے وقت سے تقریباً ۱۹ ر ۴۳ لاکھ بالغوں کو، تا ۸۵-۱۹۸۴ء، (۴۲ ر ۱۳ لاکھ مردوں اور ۷۷ ر ۱۰ لاکھ عورتوں کو) مختلف تعلیم بالغاں کی اسکیموں کے تحت، نوشت و خواند کے قابل بنایا جا چکا ہے ۔ چھٹے پنچ سالہ پلان کے آخر تک، ۳۰۰ تعلیم بالغاں کے مراکز کے ۳۵ پراجیکٹ تھے جو ریاست کے ۳۰ ضلعوں میں، مرکزی حکومت کی کفالت کردہ اسکیم "رورل فنکشنل لٹریسی پراجیکٹ"، کے تحت برسرکار تھے ۔ پس از خواندگی اور بعد از خواندگی تسلسل قائم رکھنے والے پروگرام جو حکومت ہند کی کفالت کے تحت جاری تھے جملہ ۲۵۳۵ پس از خواندگی اور تسلسل قائم

رکھنے والے مراکز ۲۳ ضلعوں میں کام کر رہے تھے۔ ریاستی پروگرام برائے تعلیم بالغاں کے تحت جملہ ۶۳۸۰ مراکز تعلیم بالغاں ریاست کے ۳۰ ضلعوں میں برسرکار تھے۔ ریاست سے کفالت کردہ تسلسلی (فالو۔اپ) پروگرام کے تحت ریاست میں ۲۴۶۵ لائبریریاں کام کر رہی تھیں۔ ریاست کی کفالت کردہ اور مرکز کی کفالت کردہ اسکیمیں مع ان تعلیم بالغاں پروگرام کے، جنہیں رضاکارانہ ایجنسیوں اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی وساطت سے چلایا جا رہا تھا۔ ۸۵-۱۹۸۴ء تک ۱۹،۲۴ لاکھ بالغوں کا احاطہ کر چکی تھیں۔ ریاست میں پروگرام برائے تعلیم بالغاں کی تفصیلی کیفیت ستمبر ۱۹۸۵ء مذکورہ گوشوارہ میں ملاحظہ ہو۔

گوشوارہ اگلے صفحہ پر دیا جا رہا ہے

چونکہ ناخواندگی عورتوں کا وقوع زیادہ تر عورتیں، درج فہرست جاتیوں و قبائل میں ہے۔ اس بات کی پوری کوشش کی جا رہی ہے کہ اس کا فیض زیادہ سے زیادہ عورتوں، درج فہرست جاتیوں اور درج فہرست قبائل کو پہنچ سکے۔ خاص شمولیتی پلان کا اطلاق، تعلیم بالغاں پروگرام پر کیا گیا ہے۔ جس کے تحت ٪۲۵ مراکز تعلیم بالغاں، اور پس از خواندگی اور تسلسلی مراکز (فالو۔اپ۔سینٹران) (جملہ نشان میں ہے) ہریجن بستیوں میں کھولے جائیں، تاکہ درج فہرست جاتیوں کے بالغوں کو زیادہ سے زیادہ درج رجسٹر کیا جا سکے۔ اسی طرح ایسے اضلاع کو جن میں درج فہرست جاتیوں کی کثرت ہے۔ نشان زد کیا جا چکا ہے اور تعلیم بالغاں کے مراکز اور پس از خواندگی مرکز قبائلی علاقوں میں درج فہرست آبادی کے لئے کھولے جا رہے ہیں۔ اگرچہ عورتوں کے مراکز تعلیم بالغاں کے لئے کوئی نشانہ مقرر نہیں کیا گیا ہے۔ پھر بھی تمام ضلعوں کو اس قسم کی ہدایتیں جاری کی جا چکی ہیں کہ عورتوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو رجسٹر کیا جا سکے جو کم از کم جملہ مندرج بالغوں کا ٪۶۰ ہو۔

آبادی میں اضافہ کے پیشِ نظر، ہر سال ابتدائی تعلیم کے لئے داخلہ سے محروم، تعلیم بالغاں کے پروگرام میں شمولیت سے محروم اور ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے اعداد کو بنیاد تصور کرتے ہوئے، غیر تعلیم یافتہ آبادی بتاریخ ۸۵-۴-۱، اندازاً ۶۴۱،۹۹ لاکھ تھی۔ حکومتِ ہند نے ۳۵-۱۵ عمری گروپ کے لئے ۱۹۹۰ء تک تعلیم یافتگی کے حصول کا نشانہ ٪۱۰۰ مقرر کیا ہے۔ اس طرح ۶۴،۹۹ لاکھ بالغوں کو ۱۹۹۰ء تک تعلیم بالغاں کے پروگرام میں شامل کر لینا ہوگا۔ ان تمام حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کام میں مشغول گروپ، پلاننگ کمیشن، حکومتِ ہند نے ساتویں پنج سالہ پلان کے لئے اور ۸۶-۱۹۸۵ء کے سالانہ پلان میں اتنی نسبت سے تیز رفتاری پیدا کرنے پر توجہ دی ہے۔ تجویز یہ ہے کہ حکومتِ ہند (مالی اور طبعی) طور پر ٪۵۰ حصہ اس تمام پروگرام برائے تعلیم بالغاں میں لیگی، جن پر عمل درآمد ساتویں پنج سالہ پلان میں ہوگا۔

چھٹے پنج سالہ پلان کی میعاد کے دوران، تعلیم بالغاں کے پروگرام کے لئے ۱۱۲۰،۰۰ لاکھ روپیہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ جس میں حکومتِ ہند کا حصہ ٪۶۲۰ لاکھ روپیہ تھا۔

اس خیال سے نشانات مقررہ مدت میں پورے ہو جائیں۔ ساتویں پنج سالہ پلان میں اور ۸۶-۸۵ء کے اس سالانہ پلان میں، جو حکومت کے زیرِ غور ہے، بھاری بھرکم توسیع کی تجویز ہے (جس میں موجودہ جاری اسکیموں میں توسیع اور بعض نئی اسکیموں کا شروع کیا جانا بھی شامل ہے)

ان تجربوں کی بنا پر جو چھٹے پنج سالہ پلان کے دوران پروگرام پر عملدرآمد میں حاصل ہوئے تھے۔ تعلیم بالغاں کی ماہیت و نوعیت کے مختلف پہلوؤں پر بھی اس وقت نظر رکھی گئی تھی۔ جب ساتواں پنج سالہ پلان اور ۸۶-۸۵ء کے سالانہ پلان کی تشکیل ہوئی تھی۔ ساتویں پنج سالہ پلان میں بعض ایسی اسکیموں کی تجویز بھی شامل ہے۔ جن کے ذریعے تعلیم بالغاں کے مرکزوں میں بالغوں کی حاضری بڑھانا اور قائم رکھنا مقصود ہے، نیز معلمین بالغان کے اچھے کام کو سراہنا، جو انہوں نے تعلیم بالغاں کے مرکزوں کو چلانے کے سلسلے میں انجام دیئے ہوں۔ ہونہار بالغوں کو حرفتی تربیت دینا، انتظامی مشینری کو ضلعوں، علاقوں اور ریاستی سطحوں

(باقی صفحہ نمبر ۴۲ پر)

تعلیمِ بالغان پروگرام میں ترقی کی رپورٹ برائے سہ ماہ مختتمہ ستمبر ۱۹۸۵ء

سی = سینٹر (مرکز) ای: (انرولمنٹ داخلہ) (روپے لاکھوں میں)

نکتہ نمبر بلحاظ ۲۰ نکاتی پروگرام	تفصیل	بجٹ برائے ۸۶-۱۹۸۵ء: پلان کے بغیر	پلان کے تحت	جملہ	مالی ترقی سہ ماہی خرچ: پلان کے بغیر	پلان کے تحت	جملہ	مجموعی خرچ ۸۶-۱۹۸۵ کے دوران: پلان کے بغیر	پلان کے تحت	جملہ
۱۷ (ب)	بالغوں کی ناخواندگی ختم کرنا									
۱۔	مرکز کی کفالت کردہ اسکیم	۱۷۱٫۴۱	-	۱۷۱٫۴۱	۶۶٫۳۶	-	۶۶٫۳۶	۱۱۴٫۹۵	-	۱۱۴٫۹۵
۲۔	ریاست کی کفالت کردہ اسکیم	۱۲۰٫۶۴	-	۱۲۰٫۶۴	۳۱٫۲۰	-	۳۱٫۲۰	۵۲٫۱۷	-	۵۲٫۱۷

آئیٹم	طبعی ترقی کا نشانہ	تین مہینے میں حاصل شدہ کامیابی	سال بھر میں حاصل شدہ کامیابی	کیفیت
۱۔ سی	۱۰۵۰۰	۱۰۴۹۵	۱۰۵۰۰	
ای	۳۱۵۰۰۰	۳۳۲۶۵۸	۳۳۲۶۵۸	
۲۔ سی	۶۰۸۰	۵۹۸۹	۶۰۷۸	
ای	۱۸۲۴۰۰	۱۸۷۰۶۴	۱۹۰۷۳۲	**

** (۱) ۴۴۰ مراکز (۲۱۰ خاص سی۔ایس ایس، ۲۳۰ بے قاعدہ تعلیم ٹی۔ایس۔پی علاقہ) اگرچہ مرکزی حکومت سے امداد ملتی ہے لیکن ریاستی حکومت کی کفالت کردہ ہے۔ اس لئے ریاستی پروگرام کے تحت شامل کیا گیا۔

(۲) اس رپورٹ کے سہ ماہ کے دوران ۱۹۴۱ تعلیم بالغان مراکز تھے جن میں بالغان کی درج شدہ تعداد ۴۲۱۱۴ تھی اور جس کے کارپرداز رضاکار ایجنسیاں تھیں۔ ان اعداد میں شہر بمبئی سوشیل ایجوکیشن کمیٹی، بمبئی کے مراکز بھی شامل ہیں۔

(۳) اس رپورٹ کے سہ ماہ کے دوران ۱۲۳۲ تعلیم بالغان مراکز تھے جن میں بالغان کی درج شدہ تعداد ۳۲۲۶۲ تھی۔ ان کے چلانے والے یو۔جی۔ایس پروگرام کے تحت یونیورسٹیاں اور کالج تھے۔

(۴) سالانہ پلان برائے ۸۶-۱۹۸۵ء تا حال حکومت کے زیر غور ہے اور احکامات کا انتظار ہے اس لئے اعداد صرف بغیر پلان والے پروگرام کی عکاسی کرتے ہیں۔

• پروفیسر م۔ خ۔ شاذلی
شری شیواجی کالج۔ قندھار

بال بھارتی.... درسی کتب کا ادارہ

حکومتِ برطانیہ کے زمانہ میں اور آزادی کے بعد بھی چند سال تک درسی کتب کی تالیف اور اشاعت اور فراہمی ایک بڑا مسئلہ تھا۔ انگریزی اور بعض بھارتی زبانوں کے ادباء اور علماء بطور علمی شوق درسی کتب ترتیب دیتے تھے اور حکومت کے پاس بغرضِ منظوری بھجوا دیا کرتے تھے، یا کبھی حکومت کی جانب سے بعض مصنفین کو درسی کتب ترتیب دینے کے لئے کہا جاتا تھا۔ مصنف کو رائلٹی کے علاوہ اگر دیگر ریاستوں میں بھی وہی کتب جاری ہوتیں تو مزید کمیشن ملتا تھا۔ اس لئے ایک ہی کتاب برسوں جاری رہتی تھی جب تک کہ کوئی دوسرے صاحب نئی تالیف نہ پیش کر دیں۔

حکومتِ برطانیہ کے آخری دَور میں اُردو درسی کتب مرحوم خواجہ لطیف احمد نے جماعت اوّل سے میٹرک تک تالیف کی تھیں۔ حیدرآباد و ریاست میں محمد اسمٰعیل صاحب کا نام مشہور تھا۔ مرہٹی میں ترکھڑکر کا انگریزی گرامر کافی مشہور تھا۔ ان کتب میں مواد بھی زیادہ تر انیسویں صدی کے نصف آخر کے ادب سے لیا جاتا تھا۔ انیسوں صدی کے ادب میں صرف اقبال، منشی پریم چند، ٹیگور، وغیرہ کو شامل کیا گیا تھا۔ ہندوستان میں دیگر زبانوں کے ادب کی رفتار اس سے بھی زیادہ سُست تھی۔ انگریزی زبان کی درسی کتب زیادہ تر غیر ملکی مصنفین سے لکھائی جاتی تھیں، یا اِن کی سابقہ تصانیف کو نصاب کے لئے منظور کر لیا جاتا تھا۔ بعض انگریز بطور خاص ہندوستانی ماحول کے مطابق انگریزی درسی کتب تالیف کرتے تھے۔

سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد جنگ عالمگیر دوئم کے اثرات اور کئی برس قائم رہے۔ ہماری جنگ آزادی کی تھکن نے ایک عرصہ تک ہمیں اتنی فرصت نہ دی کہ درسی کتب کی طرف پوری توجہ دے سکیں۔ البتہ تعلیم عام کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ تعلیمی ادارے "عام تعلیم (MASS EDUCATION)" کے پروگرام کے تحت بڑی تیزی سے قائم کئے جاتے رہے۔ طلباء کی تیزی سے بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر پھر ایک بار درسی کتب کی فراہمی کا مسئلہ کھڑا ہو گیا اس کے علاوہ ہمارے رہنماؤں نے یہ بھی سوچا کہ انگریزوں کا قائم کردہ

نظام تعلیم بنیادی طور پر ہماری قومی اغراض و مقاصد کے مغائر تھا۔ اس کے لئے مکمل نظام تعلیم کو تبدیل کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ مختلف کمیشن قائم ہوئے لیکن ارادہ صرف ارادہ ہی رہا۔ الا یہ کہ چند نصابی کتب کو ہم تبدیل کرسکے۔ تیسرے یہ کہ لسانی بنیادوں پہ ریاستوں کی تنظیم نو نے سہ لسانی فارمولے کو جنم دیا۔ جس کے تحت پھر درسی کتابوں کی تیاری اور فراہمی کا مسئلہ سامنے آیا۔ یہ تمام حالات آزادی کے بعد تقریباً بیس سال تک رہے۔ اسی دوران تعلیم بالغان کا ایک وسیع پروگرام بھی ہاتھ میں لیا گیا۔ جس کے لئے تحتانیہ مدارس کی درسی کتب مفید ثابت نہ ہوئیں اور علیحدہ طور پر تعلیم بالغان کے لئے علیحدہ نصاب کے مطابق کتب کی تیاری اور فراہمی کا مسئلہ سامنے آیا۔

بہرحال مندرجہ بالا پے در پے بدلتے حالات اور قوم کے اغراض و مقاصد کے تحت ایک ایسے ادارے کی سخت ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ جو باقاعدگی سے منظم طور پر جماعت اوّل سے میٹرک تک کی درسی کتب کی تیاری اور فراہمی کا بندوبست کرسکے۔

درسی کتب کے تعلق سے ایک اور مسئلہ بھی ماہرین، اور رہنماؤں کے سامنے قابل غور رہا۔ درسی کتب کی تیاری کے وقت انفرادی مصنف، مؤلف یا ادارے کے نقطۂ نظر کی بڑی اہمیت سامنے آئی۔ برطانوی مصنفین اپنے مخصوص نقطۂ نظر اور مقصد کے تحت درسی کتب تیار کرواتے تھے۔

آزادی کے بعد ہمارے بھارت میں بھی اکثر و بیشتر مصنفین و مؤلفین اپنے مخصوص نقطۂ نظر کے تحت درسی کتب تیار کرنے لگے۔ جو کبھی ملکی اور قومی نقطۂ نظر سے سیکولرزم کی بنیادوں پہ متصادم بھی ہوتا تھا۔ بعض اوقات درسی کتب کے لئے موزوں اور مفید اور سیکولر مواد کی عدم فراہمی بھی ایک بڑی رکاوٹ تھی۔ عرصہ کے بعد مرکزی طور پر (NCERT) نے بطور خاص اس کام کی طرف توجہ دی اور بغیر کسی مذہبی، لسانی یا نظریاتی اختلاف کے صرف قومی یکجہتی کے تصور کو سامنے رکھ کر درسی کتب کا بندوبست کیا۔

اس طرح آزادی کے بیس سال بعد مہاراشٹر کے ماہرین تعلیم کے سر یہ سہرا بندھتا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے ادارے کی ۱۹۶۷ء میں بنیاد ڈالی۔ جس کو مہاراشٹر اسٹیٹ بیورو آف ٹیکسٹ بک پروڈکشن اینڈ کریکولم ریسرچ کا نام دیا۔ حکومت مہاراشٹر کی سرپرستی میں آزاد ادارہ کا مقصد جماعت اوّل سے جماعت ہفتم تک ہر مضمون کی درسی کتب کی تیاری اور فراہمی مقرر کیا گیا اور بیورو باقاعدہ طور پر سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ اور پبلک ٹرسٹ ایکٹ کے تحت بطور چیریٹیبل ٹرسٹ کے رجسٹر کرایا گیا۔

درسی کتب کے مسوّدہ کی تیاری :-

ٹیکسٹ بک بیورو، گو حکومت کی زیر سرپرستی قائم ہوا لیکن کلی طور پر خود مختار ادارہ ہے۔ جس کی تمام توانائیاں درسی کتب کی تیاری و فراہمی پہ مرکوز رہتی ہیں۔ چنانچہ بیورو کا کام تین اہم مرحلوں میں تکمیل پاتا ہے۔ جس کے لئے تین شعبے قائم ہیں۔ علمی شعبہ، شعبۂ طباعت اور شعبۂ جلد سازی۔ جن میں سب سے اہم شعبہ علمی شعبہ ہے۔ اسی شعبہ کی جانب سے ماہرین مضمون اور ماہرین زبان کو درسی کتب کے مسودہ کی تیاری کے لئے دعوت دی جاتی ہے۔ اس شعبہ میں مسودہ کی تیاری کے لئے جدید ترین معلومات اور مستند و غیر مستند مواد کی جانچ ہوتی ہے اس شعبہ میں مسودہ کی تیاری کے لئے مزید ماہرین کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں اور اس طرح متعدد بار جانچ پڑتال کے بعد مسوّدہ کو آخری شکل دی جاتی ہے اور بعد میں اس کو طباعت کے شعبہ کو بھیجا جاتا ہے۔

یہاں یہ تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری ایجوکیشن بھی ایک سرکاری ادارہ ہے جو جماعت ہشتم سے جماعت دوازدہم تک درسی کتب کی تیاری اور فراہمی کا بندوبست کرتا ہے اور اسی طرح علمی شعبہ میں معلومات کی جدّت، صحت، اور تصحیح کی جانچ کر کے طباعت کے لئے اسی بیورو کو چند ہدایات کے ساتھ روانہ کر دیتا ہے۔ اس طرح ایس۔ ایس۔ سی بورڈ کا نصف سے زیادہ کام اسی ٹیکسٹ بک بیورو کو کرنا پڑتا ہے۔

مسوّدہ کی تیاری کے بعد شعبۂ طباعت اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ یہاں اعلیٰ تکنیکی ماہرین موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بیورو تقریباً ۱۵۰ (ڈیڑھ سو) مطبع جات کی خدمات حاصل کرتا ہے۔ جن میں زیادہ تر آفسیٹ پریس ہیں اور یہاں چھ کروڑ کتب کی طباعت اور جلد سازی ہوتی ہے۔ اس طرح طباعت کا شعبہ دراصل

سال بھر نہایت مصروف رہتا ہے۔ تاکہ جماعت اوّل سے رہویں جماعت تک کی مختلف مضامین کی کتب کی فراہمی تمام یاست میں بروقت ہوسکے۔ اعداد وشمار کے اعتبار سے بیورو ہر سال (۷۰۴) سات سو چار موضوعات پر کتب تیار کرکے فراہم کرتا ہے۔ جن میں ۳۹۲ جماعت اوّل تا ہفتم اور ۲۸۹ جماعت ہشتم تا دہم اور ۲۳ کتب برائے گیارہویں (بارہویں جماعت شامل ہیں۔ ان کے علاوہ بعض ہدایاتی کتابچے ہینڈ بک، ورک بک، اور دیگر مطالعاتی کتب علیحدہ ہیں۔

درسی کتب کی اشاعت:-

یوں تو جماعت، اوّل سے جماعت ہفتم تک کی تمام درسی کتب کی تیاری، اشاعت اور فراہمی کا کلی طور پر بیورو ذمہ دار ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ایس۔ ایس۔ سی بورڈ کی جماعت ہشتم سے جماعت بارہویں جماعت تک کی درسی کتب بھی بیورو ایجنسی کی بنیادوں پر فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ بیورو نے سال ۸۲-۱۹۸۱ء کے درمیان جماعت اوّل تا ہفتم کی ۳۸۶ موضوعات پر کتب شائع کیں۔ جبکہ ایس۔ ایس۔ سی بورڈ کی ۳۴۲، موضوعات پر کتب فراہم کی ہیں۔ اس میں ایک ہی موضوع کی کتاب مختلف ذرائع تعلیم کے لئے زبانوں میں شائع کردہ کتب کی تعداد بھی شامل ہے۔ بیورو ہر تعلیمی سال میں طباعت یا مکرر طباعت کا کام بھی کرتا ہے۔ ۸۴-۸۳ء سال کے دوران بیورو نے مندرجہ ذیل کتب شائع کی ہیں۔

جماعت	نام کتاب
چہارم	بال بھارتی (۷ زبانوں میں) ۸ رسم الخط میں
ششتم	ریاضی (۷ زبانوں میں)
ہنم	۹۲ - موضوعات پر

درسی کتابوں کی فراہمی:-

درسی کتب کی تیاری، طباعت اور اشاعت کے بعد بیورو کے سامنے سب سے اہم کام ان درسی کتب کی فراہمی کا ہے اور بیورو نے ابتدا ہی سے اس بات پر زور دیا ہے کہ تعلیمی اداروں کو بالراست ترجیحی بنیادوں پہ فراہم کی جائیں اور اس کے لئے تعلیمی اداروں کو پندرہ فیصد (۱۵٪) ڈسکاؤنٹ بھی دیا جاتا ہے۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ آج کل زیادہ سے زیادہ تعداد میں تعلیمی ادارے اس سہولت سے استفادہ کرنے کے لئے آگے آرہے ہیں۔ اس مقصد کے لئے بیورو نے چار علاقائی ڈپو (REGIONAL DEPOT) اورنگ آباد، ناگپور، پونا اور بمبئی میں قائم کئے ہیں۔ جن کو خصوصی ہدایات دی گئی ہیں کہ اپنے علاقہ کی خریدار اسکولوں کی ضروریات کا سروے کریں۔ ان کے علاوہ کوآپریٹیو ادارے ہیں۔ جن کو بیورو کتب کی فروخت کے لئے تھوک ایجنسی دیتا ہے لیکن بیورو صرف کوآپریٹیو اداروں ہی کو سول ایجنسی دیتا ہے۔ جیسے بمبئی کا "اپنا بازار" ناگپور کا "سہکار بھنڈار" ناسک کی ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو سوسائٹی وغیرہ ان کے علاوہ قدیم کتب فروش بھی اپنا رول ادا کرتے ہیں۔ تقریباً بارہ سو کتب فروش اس وقت بیورو کے پاس رجسٹرڈ ہیں۔ جو ضلع ایجنسی یا علاقائی ڈپو سے کتب خریدتے ہیں اور اپنے اپنے حلقۂ خریدار میں فروخت کرتے ہیں۔

درسی کتب کی قیمت:-

درسی کتب کی قیمتوں کا بھی بڑا مسئلہ بیورو کے سامنے تھا۔ قیمت کے تعلق سے بیورو نے صرف کتب کی تیاری کے اخراجات ہی کو نظر میں رکھا اور "بغیر نفع ونقصان" کے اصول کو اپنا کر لاگت کو طبع شدہ تمام کتب (تمام زبانوں میں) کی تعداد پہ تقسیم کردیا جاتا ہے۔ اس طرح لاگت کے علاوہ دیگر اخراجات کو بھی (۶۶۶۷) فیصد کے حساب سے قیمت میں شریک کردیا جاتا ہے۔ قیمت کے تعین کے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے کہ طلباء کو مناسب داموں پر کتب دستیاب ہوں۔ بیورو کا دوسرا بڑا مقصد یہ ہے کہ نہایت عمدہ کاغذ اور طباعت کے ساتھ کتاب خوبصورت گٹ اپ میں سستے داموں طلباء کے ہاتھوں میں پہنچے۔

کتاب کا معیار:-

کتب کے معیار کو برقرار رکھنے کے لئے بیورو نے ایک مخصوص طریق کار اختیار کیا ہے۔

علہ:- علمی معیار کی خاطر بیورو نے موضوعاتی کمیٹی

قائم کی ہے۔ اس کمیٹی میں مختلف سطح کے ماہرین ... لئے گئے ہیں۔ جو درسی کتب کی تالیف کا تجربہ بھی رکھتے ہوں اور ساتھ ہی نصاب سے بھی پوری طرح واقفیت رکھتے ہوں۔

۲ :- ماہرین اور دیگر علماء اور پنڈتوں سے کتب کی جانچ کروائی جاتی ہے۔

۳ :- بعض درسی کتب کو آزمائشی طور پر بعض اسکولوں میں تدریس کے لیے بھیجا جاتا ہے اور اساتذہ کی رائے معلوم کی جاتی ہے۔ یہ سب سے اچھا طریق کار ہے تاکہ عملی طور پر یہ معلوم کیا جا سکے۔ کہ کتاب میں کہاں خامی ہے۔ ان مدرسین کی آراء حاصل کر کے کتاب میں مناسب تبدیلیاں کی جاتی ہیں۔

۴ :- اندراجات اور واقعات کی صحت کی جانب خاص طور پر توجہ دی جاتی ہے۔

۵ :- علمی معیار کے علاوہ کتاب کی طباعت، اور گٹ اپ کی طرف بھی خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ ضروری مقامات پہ تصاویر بھی دی جاتی ہیں جس کے لیے مشہور اور نامور فنکاروں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں یا بعض مقامات پہ فوٹو بلاک سے بھی کام لیا جاتا ہے۔

قومی یکجہتی کا تصور :-

بیورو کے کام کا سب سے قابل تقلید و تعریف پہلو یہ ہے کہ بیورو درسی کتب کی تیاری کے وقت بطور خاص اس پہلو پہ توجہ دیتا ہے کہ درسی کتب میں قومی یکجہتی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، اتفاق اور اتحاد کے تصور کو پوری طرح تقویت پہنچے اور بچوں کے ذہن قومی یکجہتی اور ملک کی سالمیت کے خطوط پہ سوچنے کے عادی ہو جائیں انگریزوں کے دور سے ہی یہ خامی ہماری تمام درسی کتب میں پائی جاتی تھی۔ خصوصاً عہد وسطیٰ کی تاریخ کے تعلق سے نہایت غلط تاثر دینے والے واقعات درسی کتب میں درج کر دیئے جاتے تھے۔ دراصل ان لوگوں کا تو مقصد ہی یہی تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کسی طرح کا اتحاد پیدا ہونے نہ پائے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ہم سب ہی یہ سوچ رہے تھے کہ اب وہ غلطی نہ دہرائی جائے۔ لیکن اکثر ریاستوں میں اس نہایت اہم مسئلہ کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ اور خصوصاً ادب اور تاریخ کی درسی کتب میں غلط اندراجات کے تعلق سے متعدد بار احتجاجات ہوتے رہے۔

بیورو اس تعلق سے قابل مبارکباد ہے کہ اس نے درسی کتب میں قومی یکجہتی کے تصور کو اولیت دی۔ خصوصاً ادب اور تاریخ کی کتب کی کافی چھان بین کر کے ایسے کسی قابل اعتراض اندراج کو شامل نہ کیا۔ جس سے طلباء کے نوخیز ذہنوں میں فرقہ وارانہ نفرت اور عناد کا کوئی تصور پیدا ہو۔ اس مقصد کے لئے بیورو نے حکومت ہند کے مشہور ادارہ نیشنل کونسل آف ایجوکیشن ریسرچ اینڈ ٹریننگ (NCERT) کی جاری کردہ ہدایات کو ہمیشہ سامنے رکھا ہے اور قومی یکجہتی کی قدروں کو درسی کتب میں بنیادی حیثیت دینے کا اہتمام کیا ہے۔ NCERT کے علاوہ ریاستی حکومت کی وقتاً فوقتاً قائم کردہ کمیشنوں اور کمیٹیوں کے رہنما اصولوں کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔

چنانچہ مندرجہ بالا نقطۂ نظر کے تحت پنجم تا ہفتم جماعتوں کی تمام ادب اور تاریخ کی کتب کی از سر نو جانچ کی گئی۔ جو پہلی بار ۱۹۸۲-۸۳ء اور ۱۹۸۳-۸۴ء میں استعمال کی جانے والی تھیں۔ ایسی تمام کتب کی تعداد ۶۶ تھی۔ جن میں سے ۶۰ کتب کے تعلق سے کسی طرح کے قابل اعتراض بیان کی شکایت نہیں آئی۔ البتہ چھ ۶ کتابوں کے تعلق سے چند جزوی شکایات آئی تھیں۔ جن کے مطابق بیورو نے فوراً مناسب تصحیحات کر لیں اور ان کو ۱۹۸۳-۸۴ء میں جاری کر دیا گیا۔ قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے کتب کی جانچ کے لئے بیورو نے مخصوص طریق کار اختیار کیا ہے۔

طریق کار :-

۱ :- زبان، ادب اور تاریخ کی کتب کیلئے دو تین ماہرین کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ جو ترقی پسند ذہن کے مالک ہوں اور قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے NCERT کے رہنما اصولوں کے تحت جانچ کرنے کے لئے ان سے کہا جاتا ہے۔ ان سے کتب میں دی گئی تصاویر اور نقشہ جات پر بھی نظر ثانی کے لئے کہا جاتا ہے۔ تاکہ کسی قسم کی بھی کوئی قابل اعتراض بات باقی نہ رہ

۲ :- ریاستی حکومت کی جانب سے قومی یکجہتی کے مقصد سے قائم کردہ کمیٹیوں کی رپورٹیں ماہرین کو مہیا کی جاتی ہیں تاکہ ان کے دیئے ہوئے رہنما اصول بھی سامنے رہیں۔ ماہرین کی جانچ کے بعد یہ کتب ان کمیٹیوں کو بھیجی جاتی ہیں۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ

ماہرین نے کمیٹیوں کی سفارشات سے کہاں تک استفادہ کیا ہے

۳ :- سرکاری کمیٹیوں کی طرف سے جانچ کے بعد وصول شدہ رپورٹوں کو مزید ماہرین کے پاس روانہ کیا جاتا ہے تاکہ ماہرین پوری طرح متفق رہیں اور ان رپورٹوں کے مطابق مناسب تصحیحات کرلیں۔

بیورو کا بے مثال کام :-

نصابی کتب کی تیاری اور فراہمی کے علاوہ بیورو نے ایک نہایت مفید کام بھی اپنے ذمہ لیا ہے۔ اسی کام کی ابتدار اس طرح ہوئی کہ تلے گاؤں میں مدرسین کا ایک کیمپ منعقد کیا گیا۔ جس میں ۴۵ مدرسین شریک تھے۔ وظیفہ یاب یا وظیفہ کی عمر کو پہنچے۔ مدرسین سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنی ملازمت کے دوران درس و تدریس کے جن تجربات سے گزرے ہیں انہیں بیان کریں اور اسی مرحلہ پہ اس خیال نے جنم لیا۔ کہ اگر وہ لوگ اپنی سوانح حیات تحریر کریں تو تمام نوجوان مدرسین کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور ان کی اشاعت کی ذمہ داری بیورو نے قبول کرلی ۔چنانچہ اب تک ایک سوانح حیات شائع ہوچکی ہے اور دیگر ابھی اشاعت کے مرحلہ میں ہیں۔ تعلیم کے میدان میں یہ ایک نہایت درجہ مفید اور قابل تقلید کام ہے۔ یہ کام ابھی تک کسی بھی ریاست میں شروع نہیں کیا گیا ہے۔ اس حقیقت سے ہم اچھی طرح واقف ہیں کہ تعلیمی میدان میں لاکھوں ایسے افراد ہیں جنہوں نے یہ بے مثال خدمات انجام دیں ہیں اور کئی قیمتی تجربات سے گزرے ہیں اور ایک سچے و دیانت دار معلم کے کردار کے حامل رہے ہیں۔ لیکن ان کے معاشی اور سماجی حالات کے پیش نظر وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے ہیں کہ وہ اپنی سوانح حیات لکھ کر شائع کریں۔ بیورو نے اس عظیم کام کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ جو ملک و قوم کی ایک بے مثال خدمت کے علاوہ تعلیمی میدان میں فکر و خیال کا ایک غیر معمولی اضافہ ہوگا۔

بیس نکاتی پروگرام :-

حقیقت یہ ہے کہ بیورو کی تمام سرگرمیوں کے پیچھے ۲۰ نکاتی پروگرام کی روح کارفرما ہے۔ ۲۰ نکاتی پروگرام کی کامیابی کے لئے بیورو نے غیر معمولی کردار ادا کیا ہے۔ خصوصاً نکتہ ۷ امیں درسی کتب کی فراہمی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے

"سستے دام دکانات کے ذریعہ اشیاء کی تقسیم میں زیادہ سے زیادہ وسعت پیدا کرنا جن میں دور دراز علاقوں میں متحرک دوکانیں، صنعتی علاقوں کی دوکانیں اور طلباء کے ہوسٹل بھی شامل ہیں۔ جن کے ذریعہ طلباء کو نصابی کتب اور کاپیاں ترجیحی بنیادوں پر فراہم کرنا اور اس طرح تحریک تحفظ خریدار کو مضبوط کرنا"

عرصہ دراز سے یہ عام مشاہدہ رہا ہے نصابی کتب زیادہ تر شہری علاقوں میں دستیاب ہوتی رہی ہیں۔ دیہاتوں اور چھوٹے گاؤں میں طلباء اور مدرسین کو نصابی کتب کے تعلق سے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن بیورو نے تعلیمی اداروں اور مدارس کے تعاون سے نصابی کتب دور افتادہ دیہاتوں میں بھی طلباء کو مناسب داموں اور اعلیٰ درجہ کی کتب کی فراہمی کا بندوبست کیا ہے۔ جو معیار تعلیم کی بنیاد ہے۔ نصابی کتب کے علاوہ بیورو نے دیگر تعلیمی اشیاء کی فراہمی کا انتظام بھی کیا ہے۔ جیسے ورک بک، مدرسین کے لئے ہینڈ بک وغیرہ، جن کا فائدہ نہ صرف کلاس روم میں بلکہ غیر رسمی تعلیمی اداروں میں بھی پہنچتا ہے۔

رعایتی قیمت پر اعلیٰ درجہ کی نوٹ بک (کاپی) کی تقسیم دراصل معیار تعلیم کا اہم ستون ہے۔ سستے داموں نوٹ بک کی دستیابی کے علاوہ اس اسکیم کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ تمام تعلیمی میٹریل طلباء اور مدرسین کو گھر بیٹھے بآسانی فراہم ہوگا۔ تعلیمی اداروں کی اس اسکیم میں شمولیت نے دراصل مدرسین اور طلباء میں امداد باہمی کا غیر معمولی تصور پیدا کردیا ہے۔ بعض سکولوں میں نوٹ بک تیار کرنا "ورک اکسپیرئینس" کا ایک اہم تعلیمی جز بن گیا ہے۔

بیورو کی تنظیم :-

بیورو کا نظم و نسق چلانے کے لئے ایک "بورڈ آف گورنرس" قائم ہے۔ جس کے صدر وزیر تعلیم اور نائب صدر

ڈائرکٹر آف ایجوکیشن ہوتے ہیں۔ ان دو کے علاوہ سات (۷) سرکاری اور چھ غیر سرکاری عہدیداران بورڈ میں شامل ہوتے ہیں۔ روزمرہ کے کاروبار چلانے کے لئے اس بورڈ کے تعاون کے لئے مندرجہ ذیل کمیٹیاں قائم ہیں۔

(۱) اکیڈیمک کونسل (۲) ریسرچ کونسل
(۳) ایگزیکیٹیو کمیٹی (۴) پیداوار و تقسیم کونسل

اور بیورو کے میمورنڈم کو بورڈ کے دستور کی حیثیت حاصل ہے۔ جس میں تمام عہدہ داران کے حقوق و فرائض درج ہیں۔ بیورو نے تمام سات زبانوں کے لئے "سبجیکٹ کمیٹی" قائم کی ہیں اور چار غیر لسانی مضامین کے لئے۔ ہر کمیٹی میں پانچ ممبر شامل ہوتے ہیں۔ جو درسی کتب کے مسودے اور دیگر تعلیمی اشیاء کی تیاری کی نگرانی کرتے ہیں۔ ہر پانچ سال کے بعد نصابی کتب تبدیل کی جاتی ہیں۔

بیورو کا دفتر مندرجہ ذیل شعبوں پر مشتمل ہے۔۔

۱ :۔ فائنس ۲ :۔ اکیڈیمک
۳ :۔ ایڈمنسٹریٹیو ۴ :۔ پروڈکشن
۵ :۔ ڈسٹریبوشن ۶ :۔ ریسرچ
۷ :۔ انٹرنل آڈٹ

اس طرح ٹیکسٹ بک بیورو تعلیم کی ترقی و ترویج میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی ضرورت بھارت کی تمام ریاستوں میں محسوس کی جارہی ہے۔ مہاراشٹرا کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے اس نہایت اہم ترین کام کی ابتداء کی ہے۔ پونا میں بیورو کی ایک عظیم الشان عمارت نہایت پُر فضا مقام پر "بال بھارتی" کے نام سے قائم ہے۔ جو خوبصورتی کے اعتبار سے بھی بے مثال ہے۔ اس عمارت کے قیام کا سارا کریڈٹ آنجہانی مسٹر شیولے کر ڈائرکٹر آف ایجوکیشن کو جاتا ہے۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

تعارف :۔

بی۔ ٹی۔ مہاجن

(ڈائرکٹر آف ایجوکیشن (ایڈلٹ ایجوکیشن) ایم۔ اے۔

بی۔ ٹی۔ مہاجن۔ ڈائرکٹر آف ایجوکیشن تعلیم بالغان) ایم۔ ایس۔ پونے۔ ۸۴-۱۹۸۰ء کی مدت کے دوران چیرمین، مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری اینڈ ہائر سیکنڈری ایجوکیشن کی حیثیت سے منتخب ہوئے۔ چھٹے انسٹی ٹیوٹ برائے ٹیچر، تعلیم دہندگان جس کی تنظیم یونیسکو، یونیورسٹی آف فلپائن کو یزان سٹی نے کی، آپ نے شرکت فرمائی۔

ریاست مہاراشٹر میں تعلیم بالغان پروگرام

(صفحہ نمبر ۳۵ سے آگے)

مضبوط بنانا، علاقائی وسائلی مراکز قائم کرنا، جن کے ذریعے بالغوں، نوخواندوں، بالغوں کے معلموں اور تعلیم بالغان کے کارکنوں کے لئے پڑھانے، پڑھنے اور حوالہ دینے کے اسباب وسامان تیار کرنا اور تعلیم بالغان کے کارکنوں کو مؤثر اور کافی تربیت دینا مقصود ہو۔

اس موقع پر یہ بات نوٹ کئے جانے کے قابل ہے کہ اس ریاست کو ۲۵ لاکھ روپیہ کا پہلا انعام اس سلسلے میں عطا کیا گیا ہے کہ اس نے ۸۳ — ۱۹۸۲ء کے دوران زنانہ تعلیم بالغان کے میدان میں "بہترین کارکردگی" پیش کی ہے۔

اس انعام کا اعلان حکومت ہند کی طرف سے ۸۴ ۸۳ ۱۹ء میں کیا گیا تھا۔ اس انعام کی رقم سے زنانہ تعلیم بالغ کے کارکنوں کے لئے ایک ادارہ قائم کرنے کی تجویز ہے۔

(ترجمہ: عبدالخالق)

ڈاکٹر کے. جی. دیشمکھ
وائس چانسلر، امراؤتی یونیورسٹی

مہاراشٹر میں کھلی یونیورسٹی کے اغراض و مقاصد اور کارکردگی

" تعلیم زندگی کے پورے میدان کا احاطہ کرتی ہے۔ ایسی کوئی چیز نہیں ہے، چاہے وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو جس کا تعلق تعلیم سے نہ ہو"
یہ بیان مہاتما گاندھی کا ہے اور ۲۱ ویں صدی کے لئے نئی تعلیمی حکمتِ عملی کی منصوبہ بند ابتدا کے لئے اچھا اور کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔ ہمارے پالیسی سازوں کا کہنا ہے کہ تعلیم، انسانی زندگی کا ایک اہم روپ ہے اور اسے اس سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق تعلیم کو اب اہم ذمہ داری کا جزوِ اعظم قرار دیا گیا ہے یعنی انسانی وسائل کی ذمہ داری۔

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انسانی وسائل کی کسی بھی ترقی کے سلسلے میں تعلیم کو انسانی شخصیت کے ارتقا میں نہایت اہم رول ادا کرنا ہوگا۔ ہمارے منصوبہ سازانِ تعلیم اب صرف زمانۂ حال کا ہی خیال نہیں کر رہے ہیں بلکہ تعلیم کے اس وسیع رول کا خیال کر رہے ہیں جس سے ۲۱ ویں صدی میں واسطہ پڑنے والا ہے۔ تعلیم کی روایتی شکل موجودہ حالات میں کافی نہیں ہے کیونکہ تعلیم کے لئے ہمارے لاکھوں ہم وطنوں کی بڑھتی ہوئی پیاس کو یہ بجھانے کے لئے ناکافی ہے۔ یہ لوگ غالباً روایتی تعلیم کے فوائد سے مختلف وجوہ کی بنا پر فائدہ حاصل نہ کرسکیں یعنی اقتصادی یا جغرافیائی یا مناسب سہولتوں کی کمیابی ان کے آڑے آسکتی ہے لیکن ہم انہیں زیادہ دنوں تک اندھیرے میں نہیں رکھ سکتے۔ اگر تعلیم کے ذریعے ہر فرد کو عمر یا جنس کی قید کے بغیر فائدہ پہنچانا مقصود ہے تو ضروری ہے کہ یہ ہر ہندوستانی شہری کے لئے آسانی سے ملنے والی چیز ٹھہرے جس کا اسے حق ہے۔ اسی سیاق کے تعلق سے کھلی یونیورسٹی کے ذریعے تعلیم کا تصور نہایت مناسب و موزوں ٹھہرتا ہے۔
نوجوان طالب علموں کو اس تکنیکی زمانے کا مقابلہ کرنے کے قابل بنانے کے لئے مناسب تعلیم لازمی طور پر دینی ہوگی۔ اگر نئی نسل جو ۲۱ ویں صدی میں داخل ہونے والی ہے، اپنے آپ کو تیاری میں کم پائے گی تو وہ ان کی کوتاہیوں کے لئے ہمیں ذمہ دار قرار دے گی۔ ہمارے وزیرِ اعظم محترم شری راجیو گاندھی نے اپنی ۵ رجنوری ۱۹۸۵ء کی قوم کے نام نشر کردہ تقریر میں اس باب میں اپنی فکرمندی کا اظہار کیا ہے یعنی اس طریقۂ تعلیم پر جو بڑھتے ہوئے جمود کی طرف لے جارہا ہے جس پر انہوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ نئی تعلیمی پالیسی کی تشکیل ضروری ہے۔ یہ مسودہ تعلیم کا چیلنج۔ کچھ پہلے عام کیا جاچکا ہے۔ آج پوری قوم متفکر ہے اور اس قسم کی تعلیم کے بارے میں محوِ گفتگو ہے جس کے ذریعے ایسے جوانوں کو تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا جائے جو اس قابل ہوں کہ موجودہ وقت کے حقائق کا مقابلہ کرسکیں اور آئندہ پیش آنے والے امور کا مقابلہ کرسکیں تاکہ ملک کو اپنی رہنمائی میں ۲۱ ویں صدی میں داخل کرسکیں۔

حکومتِ ہند نے تعلیمی کمیشن ۶۶-۱۹۶۴ء کی سفارشات کی بنیاد پر ۱۹۶۸ء میں تعلیم پر قومی پالیسی کا اعلان کیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ اس طریقۂ تعلیم میں اس طرح انقلاب لایا جائے

جو لوگوں کی زندگی کے ساتھ قریبی تعلق رکھتا ہو۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی پر پورا زور دیا گیا۔ تعلیم کی اچھائی کو تمام مرحلوں میں بلند کرنے کی بھرپور اور پائیدار کوشش اور اخلاقی اور سماجی اقدار کو بیدار کرنے پر پوری توجہ دلائی گئی۔ اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ "طریقۂ تعلیم" کو اس قابل ہونا چاہیئے کہ وہ ایسے جوان مرد اور عورتیں پیدا کریں جن کے اخلاق بلند ہوں، قابلیت اعلیٰ درجہ کی ہو اور وہ قومی خدمت اور قومی ترقی کے لئے دل و جان سے خواہاں ہوں تب ہی تعلیم اس قابل ہوگی کہ وہ قوم کی پیش رفت میں زبردست رول ادا کرے اور لوگوں میں عام شہری اور عام کلچر رکھنے کا احساس پیدا کرے اور اس طرح قومی یک جہتی کو مضبوطی اور فروغ عطا کرے۔ یہ ضروری ہے کہ اگر ہمارا ملک اس بات کا خواہاں ہے کہ قوموں کی جمعیت میں اپنا صحیح مقام حاصل کرے جو اس کی شاندار ثقافتی روایات اور بے پناہ امکانیات کے شایانِ شان ہو۔" لیکن موجودہ تعلیم اس مقصد کے حصول میں ناکام رہی ہے۔

موجودہ طریقۂ تعلیم کی ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ یہ کل وقتی تعلیم پر انحصار رکھتا ہے اور جزوقتی اور پرائیویٹ مطالعہ کو فراموش کر دیتا ہے۔ یہ ایک فرد کی زندگی کو تین مرحلوں میں تقسیم کر دیتا ہے

(۱) قبل از اسکول مرحلہ

(۲) اسکولی مرحلہ؛ پورے وقت پڑھنا اور کام کچھ نہیں۔ اور

(۳) اسکول کے بعد کا مرحلہ؛ کل وقتی کام اور پڑھنا کچھ نہیں۔

تعلیم کی اس دستوری نوعیت کی بنا پر یہ کم و بیش صرف چند افراد کا حق بن کر رہ گیا ہے۔ تعلیم کو، جو لوگوں کی خوشحالی اور بہبودی کی علامت ہے اس طرح تبدیل کرنا ہوگا کہ ہر فرد کسی باقاعدہ یا بے قاعدہ طریقۂ تعلیم کے تحت لایا جا سکے۔ زندگی میں کام اور تعلیم کو ساتھ ساتھ ہونا چاہیئے یعنی تعلیم کو زندگی بھر کا طرزِ عمل خیال کیا جانا چاہیئے۔ جوانوں کو کل وقتی تعلیم کے بعد دفعتاً مجبور نہیں کیا جانا چاہیئے کہ کل وقتی تعلیم سے کل وقتی کام کی طرف مائل ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے کی طرف تبدیلی بہ سہولت اور ہموار انداز پر ہو۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ کل وقتی تعلیم پر پورا بھروسہ رکھنے کی پالیسی سے ہٹا جائے اور جزوقتی اور پرائیویٹ مطالعہ کی روش کو ترقی دی جائے۔

دوسرا مرحلہ جو ہندوستانی طریقۂ تعلیم کو درپیش ہے وہ ہے بڑی تعداد کا دباؤ۔ باوجود اس کے کہ محروم رہ جانے والوں اور دسترس نہ رکھنے والوں کی شرح زیادہ ہے پھر بھی باقاعدہ کل وقتی طریقۂ تعلیم کے لئے نہ کافی تعداد میں تعمیرات ہیں، نہ وسائل ہیں اور نہ مستحذین جو تعلیم کے تمام متلاشیوں اور حاجتمندوں کی کفالت کر سکیں۔ بایں ہمہ، بلند پایہ ثقافتی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے لئے اداروں کی بہتات ہے۔ اگرچہ سماجی دباؤ کے سبب پڑھنے اور پڑھانے کی سہولتیں کافی نہیں ہیں۔

۵۱-۱۹۵۰ء میں صرف ۲۷ یونیورسٹیاں تھیں جن میں داخل شدہ طلباء کی تعداد تقریباً ۳ لاکھ تھی اور ۸۳-۱۹۸۲ء میں یونیورسٹیوں کی تعداد چند مجوزہ یونیورسٹیوں سمیت ۱۵۲ اور طلباء کی تعداد تقریباً ۳۰ لاکھ تک جا پہنچی۔ پھر بھی اداروں کی اتنی بڑی تعداد طلباء کی بڑھتی ہوئی آبادی کی ضرورتیں پوری کرنے سے قاصر ہے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں کو بڑھتی ہوئی طلباء کی تعداد سے قدرے خلاصی عطا کرنے کے لئے اور محدود وسائل کی دستیابی کے پیشِ نظر، صرف یہی ایک علاج رہ جاتا ہے کہ کھلی یونیورسٹی کے طریقے کو اختیار کیا جائے اور ریڈیو، ٹی۔وی، آڈیو اور ویڈیو ٹیپ، کمپیوٹروں وغیرہ جیسی جدید ٹکنالوجی سے کام لیا جائے۔

اعلیٰ تعلیم کو صرف معدودے چند لوگوں کا حق شمار کیا جاتا ہے لیکن آج سائنس اور ٹکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں معاشرتی تبدیلیاں، طرزِ زندگی اور کام کرنے کے طور طریقے اتنی تیزی سے بدلتے جا رہے ہیں کہ ہر شخص میں اسی لحاظ سے اتنا علم اور اتنی مہارت ضروری ہونی چاہیئے جو پڑھے لکھے معاشرے میں اس کی بود و باش اور ترقی کے لئے ضروری ہے۔

پہلی کھلی یونیورسٹی کا قیام صوبہ جات متحدہ انگلستان میں ۱۹۶۹ء میں عمل میں آیا۔ اس کھلی یونیورسٹی کی نمایاں کامیابی کو دیکھ کر دنیا کے بیس سے زیادہ ملکوں نے جیسے پاکستان، سری لنکا، ایران، کناڈا، جاپان، تھائی لینڈ، مغربی جرمنی وغیرہ نے اپنے اپنے ملک میں کھلی یونیورسٹیاں قائم کیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں لوگوں کی بڑی تعداد کا اب تک زیورِ تعلیم سے آراستہ ہونا باقی ہے اور جہاں ایسے بہتیرے ہیں جو کارخانوں وغیرہ میں پہلے ہی سے مشغول ہیں۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں اور اپنی معلومات کو زمانۂ حال کے پہلو بہ پہلو لانا چاہتے ہیں۔ اس کا حصول صرف کھلی یونیورسٹی کے طریقۂ کار کو اختیار کرتے پر ممکن ہے۔ پہلی کھلی یونیورسٹی ہمارے نئے تعلیمی منصوبہ بندی کے سیاق کے مطابق نئی دہلی میں ۱۹ نومبر ۱۹۸۵ء سے کام شروع کر چکی ہے تاکہ

ستان کی خدمت کرے۔ واضح رہے کہ ہندوستان میں پہلی کھلی
رسٹی آندھرا پردیش میں ۱۹۸۲ء میں قائم ہوئی تھی تاکہ اس
ست کے طلباء کی تعلیمی ضروریات پوری ہوں۔ مہاراشٹر کی حکومت
مال ہی میں ڈاکٹر دیشمکھ کمیٹی کی رپورٹ کو منظوری عطا کی ہے
مہاراشٹر نے کھلی یونیورسٹی قائم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ تاکہ
ست کی خاص الخاص ضروریات پوری کی جا سکیں۔

مہاراشٹر میں کھلی یونیورسٹی کا مقصد علم کو ریاست کے
بترین کونے تک لے جانا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے
اور اسے صحیح معنوں میں عوامی یونیورسٹی (جمہوری بیت العلوم)
نے کے لئے اس کے پیش نظر مندرجۂ ذیل مقاصد ہوں گے۔

۱۔ ان طلباء کو تعلیمی مواقع بہم پہنچانا جو غربت زدہ
ی و اقتصادی حالات کے سبب اعلیٰ تعلیم سے محروم رہے۔

۲۔ آبادی کے ایک کثیر طبقے تک تعلیمی مواقع کو وسعت
بشمول ان کے جو روزگار سے لگے ہوتے ہیں اور ان عورتوں
بالغوں کے جو حصولِ علم کے دلدادہ اور مختلف میدانوں
مہارت حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں۔

۳۔ عام اور خاص سطحوں تک حصولِ تعلیم کے لئے
لام بہم پہنچانا اور ترقی دینا جو مختلف زبانوں میں قسم قسم
، مضامین کو حاوی ہوں جیسے انسانیت نوازی پر مشتمل ادب
شرتی سائنس، سائنس اور ٹیکنالوجی اور وہ مختلف پیشہ ورانہ
نوں کے لئے ہوں اور یہ تعلیم خط و کتابت، روابطی پروگراموں
مطالعاتی مرکزوں کے ذریعے ہو اور دور پر واقع مقامات
لئے مختلف تعلیمی واسطوں جیسے چھپی ہوئی چیزوں آڈیو ویژول
یو، ٹیلی ویژن وغیرہ کے ذریعے ہو۔

۴۔ پیشہ ورانہ زراعتی اور ٹیکنیکل تعلیم کے لئے بندوبست
اور اسے فروغ دینا۔

۵۔ تعلیم کو جاری رکھنے اور توسیع دینے کے لئے انتظام
اور اسے ترقی دینا۔

۶۔ تعلیمی ٹیکنالوجیوں کے میدان تحقیق و ارتقاء کے لئے
بعد ورانہ مقامات پر علم کے موثر اور باصلاحیت طور پر
انے، سیکھنے، تخمینہ لگانے اور پھیلانے کا بندوبست کرنا اور
، فروغ دینا۔

۷۔ ایسے کم مدتی (شارٹ ٹرم) اور طویل مدتی نصاب
کرنا جو مختلف تعلیمی سطحوں تک سرٹیفکٹ، ڈپلوما اور
ڈگری دیئے جانے پر منتج ہوں تاکہ ان سے انفرادی، اداراتی
اور معاشرتی علم، مہارت اور ترقیاتی ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔

۸۔ تحقیقات کی ہمت افزائی کرنا اور مختلف میدانوں میں
نمایاں طور پر امتیازی تحقیقات کے کاموں پر ڈگری عطا کرنا اور

۹۔ علم کے پھیلانے کے بندوبست کرنا۔

ان اغراض کے حصول کے لئے یونیورسٹی دور دراز مقامات
پر تعلیم دینے کے لئے جدید ٹکنالوجی کو بروئے کار لائے گی۔ یونیورسٹی
ترسیل کے ان تمام لوازمات جیسے ریڈیو، ٹی۔وی، ویڈیو ٹیپ، فلم
اور فلمی پٹیاں خط و کتابت کے اسباب و سامان روابطی پروگرام
کے لوازمات اور کمپیوٹروں سے کام لے گی۔

۱۸ سال سے اوپر عمر کا ہر بالغ جو زبان دانی کے شعور اور
عام مطالعات پر مبنی امتحان داخلہ پاس کرے گا۔ کھلی یونیورسٹی
میں داخلے کا حق دار ہوگا۔ وہ طلباء جو ۱۲ ویں یا اس کے مساوی
امتحانات پاس کر چکے ہوں گے۔ بالراست داخلہ پائیں گے۔

لچک دار ساخت کے کورس کو نئے سہل القرب طریقوں پر
ترقی دی جائے گی تاکہ وہ کورس کام کرنے والے اور جز وقتی مطالعہ
کرنے والے طلباء کے لئے ان کے حالات کے لحاظ سے موزوں
ثابت ہو اور اس میں یہ سہولت بھی ہو کہ طلباء اپنی رفتار اور
سہولت کو مدنظر رکھ کر پڑھ سکیں اور ڈگری پروگرام کے لئے
کافی و امتیازی معلومات اکٹھا کر سکیں۔ یہ تمام کورس ایسی
نوعیت کے ہوں گے کہ ان میں کمی بیشی کرنا ممکن ہوگا۔

جو طلباء امتحان میں کامیاب ہو کر گریجویٹ ہو جائیں گے انہیں
سبھوں کے لئے قبول کر لینا لازمی ہوگا۔ مطالعاتی اشیاء کے معیار
اور بلندی و خوبی کو نیز طلباء کا تخمینہ لگانے کے تمام معیاروں کو
برقرار رکھنا ہوگا۔

چونکہ مہاراشٹر اغلب طور پر مراٹھی بولنے والی ریاست
ہے۔ اس لئے یونیورسٹی میں ذریعۂ تعلیم مراٹھی اور انگریزی رکھنا
ہوگا۔ اس کے قیام کے سال دو سال کے بعد وہ دوسرے ذرائع
تعلیم جیسے ہندی، گجراتی، اردو وغیرہ اختیار کر سکتے ہیں۔

کھلی یونیورسٹی اپنے کام کاج کے لئے تعمیرات سے بہت کم
واسطہ رکھے گی اور اسے طبعی اور قدرتی سہولتوں اور ماہرین
پر، جو کالجوں، یونیورسٹیوں، تعلیمی اور سوسائٹی کے دیگر اداروں
میں دستیاب ہوتے ہیں، بھروسہ کرنا ہوگا۔ تعلیم سے بہرہ ور
کرنے اور معیار کا اندازہ لگانے کے لئے بیرونی ماہرین سے
تو لی جا

کام لینے کی ضرورت ہوگی۔ سالہا سال مابعد میں کھلی یونیورسٹی کو خود اپنا تعلیمی براڈکاسٹنگ اور / یا عدم براڈکاسٹنگ چینل کا سلسلہ قائم کرنا ہوگا تاکہ اس کے ذریعے علم کو پھیلانے کا کام لیا جا سکے۔

نصابات اور ڈگریاں

نصاب دو قسم کے ہوں گے : امتیازی نصابات جو ڈگریوں کے لئے محسوب ہوں گے ؛ ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ اور غیر امتیازی نصابات جو ہر شہری کے لئے ہوں گے۔ امتیازی نصابات میں ان لوگوں کو امتحانِ داخلہ پاس کرنا ہوگا جن کی عمریں ۱۸ سال سے اوپر ہوں گی یا جنہوں نے ۱۲ ویں پاس کیا ہوگا۔ ڈگری پروگرام میں (الف) بنیادی نصابات (ب) باطنی قلبی یا مضامینی نصابات (ج) اَیپلائیڈ (متعلق) نصابات (د) زبان دانی کے نصابات اور (ہ) پروجیکٹ کے کام — کچھ عرصے بعد، عوام کے لئے مختصر نصابات، جو ان کی ترقیاتی ضروریات کے مضامین سے تعلق رکھتے ہوں گے، غیر امتیازی نوعیت کے بطور لازماً مہیا کئے جائیں گے۔

بنیادی نصابات

یہ نصابات عام نوعیت کے ہوں گے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم میں اپنے متعلق زیادہ آگاہی پیدا ہو نیز سماجی، ثقافتی اور طبعی ماحول کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل ہو۔ خاص نصابات بھی ہوں گے تاکہ ان کے ذریعے موزوں بنیاد کا قیام عمل میں آنے اور کسی ایک پیشے کے فہم و فراست میں جیسے سماجی سائنس، سائنس اور ٹیکنالوجی، تجارت اور انتظام کاری، تعلیم وغیرہ جس میں طالب علم ڈگری کے لئے اپنے مضمون کے مطالعات جاری رکھنے کا حق دار ہو، ترقی ہو

(ii) باطنی/قلبی نصابات

اس میں کئی ایک رواجی اور / یا غیر رواجی قسم کے نصابات ہوں گے جیسے سیاست، زبان دانی، اقتصادیات، تجارت، فلسفہ، جنگلات سے متعلق میتھیمیٹکس (حسابات) کمپیوٹر، سائنس، بیالوجی، فزکس، کیمسٹری، بوٹنی (نباتیات)، زولاجی (حیوانیات)۔ طالب علم کو دو یا تین مضامین کی پیشکش کی جائے گی۔ انتخاب لچکدار ہوگا۔

(iii) ایپلائیڈ نصابات

بہت سے پختہ کار بالغین، جو مختلف پیشوں میں مشغول ہوں گے۔ ان پیشوں میں بہتر اور جدید علم حاصل کرنے کے خواہاں ہوں گے تاکہ اپنی پیشہ ورانہ صلاحیت کو ترقی دیں۔ ایسے نصابات، مختلف امتیازات کے ہوں گے جس کی پیش کش یونیورسٹی کثیر تعداد میں کرے گی۔

(iv) زباندانی کے نصابات

توصیلات (کمیونیکشن) کے اس دور میں زباندانی میں اچھی دسترس — پڑھنے، لکھنے، بولنے اور سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے طالب علم کو زباندانی میں کچھ نصابات کی تکمیل کرنی ہوگی۔

(v) پروجیکٹ کے کام

بہت سے کام میں لگے ہوئے طالب علم اسے پروجیکٹ کے کام کو تیار کرنے کے لئے مطالعہ میں رکھنا مفید پائیں گے

کھلی یونیورسٹی کے کام

کھلی یونیورسٹی کے ابتدائی کام یہ ہوں گے : پڑھانا تحقیق اور توسیع۔

۱۔ پڑھائی سیکھنے کے ساز و سامان کی حفاظت۔
۲۔ پڑھائی سکھانے والے ساز و سامان کی تقسیم۔
۳۔ رہنمائی / پڑھانا۔
۴۔ طالب علم کی ذہانت کا اندازہ لگانا اور درجہ مقرر کرنا۔
۵۔ تحقیق اور توسیع۔

فیلی / باطنی نصاب سے متعلق عملہ، معائنہ اور سکھائی سے تعلق رکھنے والے ساز و سامان کو مربوط کرے گا اور ان کی تیاری کا انتظام کرے گا۔ نصاب تیار کرنے والی جماعت (ٹیم) لکھے گی اور نصاب کے ساز و سامان (میٹریلس) تیار کرے گی۔ یہ جماعت مضامین کے ماہرین اور اساتذہ پر اور میڈیم اور تعلیمات میں مہارت رکھنے والوں پر مشتمل ہوگی۔ ان میٹریلس کی نقلیں وسیع پیمانے پر تقسیم کی جائیں گی۔ تمام میڈیموں یعنی پرنٹ (چھپے ہوئے) آڈیو۔ ویڈیو وغیرہ پڑھنا سکھانے والے میٹریلوں کے لئے استعمال کی جائیں گی۔ نصابی میٹریل

طلباء کو خط و کتابت کے ذریعے اور / یا مقامی اسٹڈی مرکزوں کے ذریعے تقسیم کئے جائیں گے۔

تحقیق یا ریسرچ کھلی یونیورسٹی کے بڑے اور اہم کاموں میں ایک ہوگا جس کا مقصد علمی اختراعات کرنا ہوگا۔ دور دراز مقامات میں علم کی تحقیق پر زیادہ مرکوز ہونا اور تعلیم کی ٹیکنالوجی کو ترقی دینا، نیز تعلیم میں ٹیکنالوجی جس کا مقصد موثر کفایتی اور باصلاحیت تعلیمی میٹریلس کی پیداوار ہو اور ان طریقوں اور مشینوں کی اختراع جو دور دراز کے سیکھنے والوں کیلئے مفید ہوں۔

تخمینہ لگانا

زمانۂ حال کی کامپلکس دنیا میں جس کی زیادہ شدید بحرانی کیفیتوں کا مقابلہ ناگزیر ہے اور روز افزوں الجھے ہوتے معاملات جن سے عہد برآ ہونا لازمی ہے، تخمینہ لگانے کا کام بھی انقلاب کی ضرورت ثابت کرتا ہے۔ اس لحاظ سے کھلی یونیورسٹی کا یہ مقصد ہوگا کہ وہ تخمینہ لگانے کی ٹیکنالوجی کو بڑھائے تاکہ اس کے ذریعے اپنا ذاتی تخمینہ لگانے میں، پڑھانے والے کا تخمینہ لگانے میں اور یونیورسٹی کے ذریعے طالبِ علم کا تخمینہ لگاتار نصاب کے تحت لگانے میں مدد ملے۔ آنے والے سالوں میں ایک طالبِ علم کو اس قابل ہونا ہوگا کہ وہ خود اپنا امتحان اس نصاب میں لے سکے جسے وہ اپنے مطالعاتی رفتار کے مطابق تیار کر لیتا ہے۔ یونیورسٹی کی یہ کوشش ہوگی کہ وہ اپنے طالبِ علم کو یہ پیش کش کرے کہ وہ اپنا امتحان ایک سال میں دو مرتبہ سے زیادہ دے سکے۔

کھلی یونیورسٹی کا مقصد ابتدائی یہ ہے کہ وہ ایک عوامی یونیورسٹی بنے اور اپنے طالبِ علموں کو نصابوں کی ایسی وسیع قسمیں پیش کرے جو پڑھنے والے معاشرے میں مطلوب ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ ۲۱ ویں صدی کی یونیورسٹی ہوگی۔ یونیورسٹی کو بہترین کوششیں عمل میں لانی ہوں گی تاکہ وہ جدید ٹیکنالوجیوں سے کام لے اور اپنی تمام کارکردگیوں کی تکمیل کرے۔ یونیورسٹی جہاں تک ممکن ہوگا، اپنے تمام کاموں کو جلد از جلد کمپیوٹرائز کرے گی۔

ضروریات کی بنیاد پر جو چیزیں مطلوب ہوں گی، ان کے مطابق یونیورسٹی کو تعلیم کے میدان میں بعض مختصر اور طویل میعاد کے سرٹیفکیٹ، ڈپلوما کورسیز، انتظامی امور، صنعت اور ٹیکنالوجی، زراعت اور زرعی صنعتوں اور سماجی سائنسوں کے لئے ڈیزائننگ کرنی ہوگی اور انہیں ترقی دینا ہوگا۔

وسائل

ابتداء میں کافی بڑی رقم لگانے کی ضرورت پیش آسکتی ہے علاوہ فیاضانہ عطیوں اور شرکت داری کے جس کی امید بہتوں کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ روشن دماغ سماجی سائنس داں اور ماہرین حساب و شمار کی ضرورت بھی پیش آئے گی تاکہ وہ ساری ریاست میں معاشرے کے مختلف طبقوں کے لئے علم اور ماہرین کی ضرورت کا تخمینہ نکالیں۔ مضامین کے ماہرین اور لکھنے والوں کی میڈیموں اور زبان دانی کے ماہرین کی ضرورت بھی ہوگی تاکہ وہ نصابوں کی تدوین کرنے والی جماعت کے ساتھ کام کریں۔ آڈیو ویژوئیل پیداوار و آرٹسٹوں کی ضرورت بھی اعلیٰ درجے کے تعلیمی پروگرام مرتب کرنے کے لئے پیش آئے گی۔ دور دراز کے سیکھنے والوں رہنمائی کے لئے پرانے تجربہ کار اور علمی اہلیت رکھنے والے اشخاص کی خدمتوں سے بھی بحیثیت معلم (ٹیوٹر) اور تخمینہ لگانے والوں کے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

یونیورسٹی کے لئے فیاضانہ عطیات کی امید صنعتوں بینکوں کوآپریٹیو اور حکومت کے محکموں کی طرف سے کی جاسکتی ہے جو تعلیم دینے کے ساز و سامان کے اخراجات کو پورا کرنے اور ترقی دینے میں مالی امداد دیں کیونکہ یہ وسائل خود ان کے ملازمین کے لئے معاشرے کے بعض طبقوں کیلئے مفید ہوسکتے ہیں۔

مالیات

کھلی یونیورسٹی کو ایک آزاد کیمپس، انتظامی یونیورسٹی بلڈنگ، کمپیوٹر سینٹر، لائبریری، گیسٹ ہاؤس ان فیکلٹیوں کے لئے جو وزٹ کے لئے تشریف لائیں گے، پریس وغیرہ کی ضرورت ہوگی۔

چونکہ یہ ایک بالکل نیا تصور ہے جو کثیر تعلیمی واسطوں کے ذریعے دور دراز بسنے والے طلباء کی بڑی تعداد کے ساتھ جو دور دراز علاقوں میں آباد ہیں، ربط قائم کرنے کے لئے کیا جارہا ہے اسلئے ابتدائی خرچ کے لئے کافی بڑی رقم درکار ہوگی۔

آخر میں، میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کھلی تعلیم، اس طرح سے، واحد طریقہ ہے جس کے ذریعے ہندستان کے عوام کی تعلیم کے لئے بڑھتی ہوئی پیاس کو بجھایا جاسکتا ہے۔ روایتی طریقۂ تعلیم، علم کی روز افزوں مانگ کو پورا کرنیکے ناقابل ہے۔ کسی بھی علمی معاشرے میں سب سے پہلی چیز جو لوگوں کی بہبودی کے لئے کی جانی چاہیئے وہ صرف یہ نہیں ہے کہ وہ

(باقی صفحہ نمبر ۵۰ پر)

وی۔آر۔ناگپورے
ڈائریکٹر، ایم۔ایس کونسل آف ایجوکیشنل
ریسرچ اینڈ ٹریننگ۔پونے۔ ۳۰

نوجوانوں کیلئے کمپیوٹر کی تعلیم

آج کے دور میں کمپیوٹر کا استعمال روزافزوں اس قدر بڑھتا جا رہا ہے کہ مستقبل قریب میں کمپیوٹر کا استعمال تقریباً ناگزیر ہوجائے گا۔ یوں بھی دنیا اس وقت اطلاعاتی تکنیکی انقلاب کی زد میں ہے۔ جس کی وجہ سے اشیاء کی ہیت و ماہیت میں تغیر رونما ہو رہا ہے جو اس کے استعمال اور کھپت دونوں ہی میں یکساں تبدیلی کا باعث ہے۔ یوں بھی کسی تغیری عمل سے رفتہ رفتہ ایک فرد کے کردار میں ڈرامائی تبدیلی رونما ہو ہی جاتی ہے۔

آج اپنی موجودہ نسل کو ہم جو تعلیم دے رہے ہیں وہ ان کی نسل کی کارکردگی پر اثر انداز ہوگی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم آج موجودہ نسل کو جوکہ ابھی پرائمری اور سیکنڈری اسکولوں میں زیرِ تعلیم ہے، کمپیوٹروں کے متعلق اور اس کے استعمال سے کما حقہ واقف کرائیں تاکہ حال و مستقبل کے تیکنیکی ماحول کو سمجھنے اور عمل کرنے میں انہیں آسانی ہو۔ مستقبل قریب میں جسے کمپیوٹر سے واقفیت ہوگی، اسے استعمال کرنے و سمجھنے کی اس میں لیاقت ہوگی، وہ ایک گم گشتہ فرد ہوگا اور ایسا ملک جو اپنے شہریوں کو کمپیوٹروں سے واقفیت نہیں دے گا اس کی ٹیکنالوجی اور استعمال سے واقف نہیں کرائے گا وہ دیگر ممالک کے ساتھ صنعتی میدان میں اپنا مقام نہیں بنا پائے گا۔

آج اقصائے عالم میں کمپیوٹر انقلاب برپا ہوا ہے۔ اس لئے مستقبل قریب میں انسانی زندگی کے مختلف میدانوں میں کمپیوٹر کے کردار کو مدِنظر رکھتے ہوئے حکومت نے چند منصوبوں پر عمل کرنے کا تہیہ کیا ہے تاکہ طلباء کل کی ترقی یافتہ تکنیکی سوسائٹی میں اپنا مقام بنانے کے لئے پوری طرح سے چاق و چوبند رہیں۔ اس لئے حکومتِ ہند نے اسکولوں میں کمپیوٹر کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا ہے اور حکومتِ مہاراشٹر نے ریاست کی سلور جوبلی پروگرام سے ایک حصے کے بطور کمپیوٹر پلے اسکول شروع کیا ہے۔

اسکولوں میں کمپیوٹر کی تعلیم و تربیت کلاس پروجیکٹ

حکومتِ ہند نے چھٹے پنجسالہ پلان کے آخری سال یعنی ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران کمپیوٹر کی تعلیم دینے کا ابتدائی پروجیکٹ شروع [illegible] ہے۔ اس پروگرام کے نفاذ میں سب سے زیادہ اہم کردار [illegible] تعاون محکمۂ الیکٹرونک اور وزارتِ تعلیم کا ہے ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران حکومتِ ہند نے اس مقصد کیلئے مختلف ریاستوں و مرکز کے تحت والے علاقوں سے ۲۵۰ اسکولوں کا انتخاب کیا۔ اس پروجیکٹ میں حکومتِ مہاراشٹر نے بھی حصہ لیا۔ اور ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران ریاست بھر سے ۱۹ اسکولوں کا انتخاب کیا گیا۔ حالیہ سال ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران ۴۲ مزید اسکولوں کا انتخاب کیا گیا جہاں پروجیکٹ پر کام کی ابتدا ہو چکی ہے اس طرح کل ۶۱ اسکول جن میں ۱۸ کیندریہ ودیالیہ بھی شامل ہیں اس پروجیکٹ پر کام کرنا شروع کر چکے ہیں اس پروجیکٹ کیلئے بحیثیت ماڈل ایجنسی کے مرکزی سطح پر نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ نئی دہلی اور ریاستی سطح پر مہاراشٹر اسٹیٹ کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ پونہ مشترکہ طور پر فعال ہیں۔ اس پروجیکٹ کے تجزیئے کا کام اسپیس ایپلی کیشن سینٹر احمدآباد کو سونپا گیا ہے۔

پروجیکٹ کے مقاصد

اس پروجیکٹ کی اہمیت کمپیوٹر سائنس کے اصولوں کی تعلیم میں نہیں بلکہ ہنرمندی کے فروغ میں مضمر ہے۔ پروجیکٹ کے اہم مسائل حسب ذیل ہیں :

(۱) پہلے مرحلے میں سینئر سیکنڈری سطح پر کمپیوٹر کی تعلیم کی ابتدا۔
(۲) پہلے مرحلے ہی میں طلبا کو سینئر سیکنڈری سطح پر ان کی قابلیت کو نظر انداز کرتے ہوئے کمپیوٹر کی تعلیم و تربیت میں شرکت کرانا۔
(۳) طلبا و اساتذہ میں کمپیوٹر کو اس حیثیت سے متعارف کرانا کہ مستقبل میں انسانی ترقی بالخصوص تعلیمی میدان میں کام آنے والا سب سے مقدم آلہ جس کا استعمال ناگزیر ہوگا۔
(۴) کمپیوٹر کو آسان اور طلبا میں عام فہم بنانا۔

وسائلی مراکز

اس پروجیکٹ کے لئے ریاست مہاراشٹر میں درج ذیل اداروں کو وسائلی مراکز کے بطور منتخب کیا گیا ہے۔

(۱) ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف فنڈامنٹل ریسرچ۔ بمبئی۔
(۲) انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، پوائی، بمبئی۔
(۳) یونیورسٹی آف پونا، پونے۔
(۴) والچند کالج آف انجینئرنگ، سانگلی۔
(۵) وشویشوریا ریجنل کالج آف انجینئرنگ، ناگپور۔

وسائل مراکز کے چند اہم امور حسب ذیل ہیں :

(۱) منتخب اسکولوں کے اساتذہ کی مدد کرنا۔
(۲) پروگرام کے نفاذ کی نگرانی۔
(۳) اساتذہ کو موزوں ٹریننگ دینا۔
(۴) دیگر وسائلی مراکز سے قریبی ربط وضبط رکھنا۔
(۵) پروگرام کو ہر دلعزیز بنانے کیلئے کوشش۔

اس پروجیکٹ کا خاص مقصد کمپیوٹر سائنس کی تعلیم دینا نہیں ہے بلکہ انہیں کمپیوٹر کے استعمال اور اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا ہے جس سے انہیں کمپیوٹر کا علم حاصل ہو سکے۔

کمپیوٹر پہلے اسکول

مہاراشٹر کے اندرونی علاقوں میں کمپیوٹر کی تعلیم و تربیت کی موجودہ سطح کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے اقدامات کرنا ضروری سمجھا گیا ہے جس سے سیکھنے والے کو صنعتی پیداوار اور زرعی و ملازمتی سیکٹر میں کمپیوٹروں کے استعمال سے واقف کرایا جاتے اس ضمن میں ریاست مہاراشٹر میں ابتدائی پروجیکٹ کے بطور ہر ڈیویژنل ہیڈ کوارٹر پر کمپیوٹر پہلے سینٹر قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ریاست مہاراشٹر نے اس پروجیکٹ کو سلور جوبلی پروگرام کا ایک حصہ بنا دیا ہے۔ اس پروجیکٹ کیلئے درج ذیل چھ اسکولوں کو منتخب کیا گیا ہے۔

(۱) بال موہن ودیا مندر، دادر، بمبئی۔
(۲) سخی بائی گجراتی ودیالیہ، امراوتی۔
(۳) شری سرسوتی بھون ہائی اسکول، اورنگ آباد۔
(۴) سادھنا ودیالیہ، ہڈپسر، پونے۔
(۵) بوائز ٹاؤن پبلک اسکول۔ ناشک۔
(۶) ضلع پریشد پٹوردھن ہائی اسکول۔ ناگپور۔

اولذکر پانچ مراکز پر تمام ضروری آلات مہیا ہیں جبکہ ناگپور کے آخری مرکز پر جلد ہی آلات مہیا کردئے جائیں گے مہاراشٹر الیکٹرانک کارپوریشن لمیٹڈ، بمبئی (میلٹرون) ان مراکز کو مندرجہ ذیل آلات فراہم کر رہی ہے۔

(۱) کیلکیولیٹرس ۲۵
(۲) ایجوکیشنل ہوم کمپیوٹرس ۲
(۳) مائیکرو کمپیوٹر ۱
(۴) کلر ٹی وی اینڈ ویڈیو کیسیٹ پلیئر ۱
(۵) اوور ہیڈ پروجیکٹر ۱
(۶) سلائیڈ پروجیکٹر ۱

متذکرہ بالا منتخبہ ہر اسکول سے تین اساتذہ کو پونے یونیورسٹی تربیت دیتی ہے۔ پونہ یونیورسٹی نے اس ضمن میں

مراٹھی میں کتابچے، ہدایتی پمفلٹ اور ویڈیو ٹیپ وغیرہ فراہم کرنا شروع بھی کر دیا ہے۔ طلباء یہاں ۲ تا ۳ گھنٹوں کے لئے آتے ہیں۔ اس طرح ۳۰ تا ۴۰ طلباء کے گروپ کو ویڈیو ٹیپ ریکارڈر اور ٹی وی مونیٹر کے ذریعے ایک واقفیتی کورس کرایا جا رہا ہے اس کے بعد پلے سینٹر میں آلات کے تعلق سے تفصیلات بتائی جائیں گی اور بعد ازاں طلباء کو یہ سکھایا جائے گا کہ کسی آلے یا اوزار کو کس طرح بروئے کار لایا جاتا ہے اور یہ سب پمفلٹ اور ہدایتی کتابچے کے مکمل مطالعہ کے ذریعے ہو سکے گا۔ اس تعلق سے

خصوصی طور پر ٹریننگ کئے ہوئے اساتذہ کا تقرر ہوگا جو بطور رہنما کے وہاں موجود رہیں گے اور طلباء کے استفسار پر ان کے سوالوں کے جوابات دیں گے۔ البتہ وہاں عام طور پر دی جانے والی تعلیم نہیں ہوگی۔ ہر سینٹر پر دو آپریٹر ہوں گے جو مذکورہ مراکز کو چلانے میں ممد و معاون ہوں گے۔

مقاصد

کمپیوٹر پلے سینٹر کے اہم مقاصد حسب ذیل ہیں۔

(۱) کمپیوٹر کو آسان ترین بنانے اور اسے آسان و عام فہم بنانا۔

(۲) کمپیوٹر کے کام کرنے کے طریقۂ کار کو مختلف پہلوؤں سے سمجھانا۔

(۳) کمپیوٹر کو چلانے اور استعمال کرنے کے لئے ابتدائی ٹریننگ کا انتظام۔

خصوصی توجہ کے لئے اسکول جانے والے ۱۰ تا ۱۸ سال کی عمر کے درمیان کے طلباء کا انتخاب کیا جائے گا۔ اس ضمن میں ریجنل ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن اور ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر ایک پروگرام کا خاکہ تیار کریں گے تاکہ کم از کم سال میں ایک بار ہر اسکول اس مرکز میں آ سکے۔

ریاست مہاراشٹر اسکولوں میں کمپیوٹروں کے استعمال کو زیادہ اہمیت دینا چاہتی ہے۔ فی الحال اسے ہم نے چھوٹے پیمانے پر شروع کیا ہے لیکن بہت جلد اسے بڑے پیمانے پر وسعت دے دی جائے گی۔ ہم نے تجویز کیا ہے کہ کم از کم ہر ضلع میں ایک کمپیوٹر اسکول کی تشکیل ہونی چاہئے۔ طلباء اور اساتذہ کو اس نئی تکنیک سے واقفیت دلانے کے لئے اسکولوں میں کمپیوٹرس اور الیکٹرانک کلب قائم کئے جائیں گے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمیں اپنے اسکولوں

تعارف:

شری وسنت آر۔ ناگپورے

شری وسنت آر۔ ناگپورے [illegible] [illegible] ادر ترقی [illegible] [illegible] کے تعلیمی شعبہ کا [illegible] [illegible] [illegible] تعلیم [illegible] کونسل کی طرف سے [illegible] تعلیمی۔ اصلاحی۔ کمیٹی اور نئے تعلیمی منصوبہ کے تحت ریاستی سطح پر "کرن۔ دھارا سمیتی" کے نمائندہ اور ناظم۔

کے نصاب میں مناسب تبدیلیاں کرنی ہوں گی جس کے لئے ریاست کے ہر اسکول میں مائیکرو کمپیوٹرس اور دیگر آلات کی فراہمی لازمی ہوگی اور یہ سب ۲۱ ویں صدی تک ہی ممکن ہو سکے گا۔ یقیناً یہ ایک چیلنج ہے جو ہمیں قبول ہے۔

(ایس۔ ایم۔ اسلم)

صفحہ نمبر ۷۴ سے آگے

کھلی یونیورسٹی

بہتر طور پر واقفیت رکھتے ہوں بلکہ یہ ہونی چاہئے کہ وہ زیادہ انسان نواز اور سماجی طور پر زیادہ مفید ہوں۔ دور دراز کے مقامات کے بسنے والوں کی تعلیم اپنی لچکدار نوعیت اور جدید ساده سے روابط کے ذریعے پیش نظر مقاصد کی تکمیل بہ سہولت اور باصلاحیت انداز میں کرے گی۔

(ترجمہ: عبدالقیوم)

• چترا نائیک

تعلیمی چیلنجوں کا مقابلہ: غیر رواجی طور پر

کسی بھی صاحب فہم پڑھنے والے پر یہ بات واضح ہو جانی چاہیئے کہ اس دستاویز جیسے "تعلیم کا چیلنج: پالیسی کیساتھ ظاہری نسبت" کے عنوان سے اگست سنہ ۱۹۸۵ء کے اواخر میں لوک سبھا میں ہمارے معزز وزیراعظم نے پیش فرمایا ہے۔ کوئی سادہ و آسان تعلیمی مشق نہیں ہے۔ اس کے سماجی و اقتصادی روابط، جو اس کے پہلے باب سے ہی عیاں ہیں۔ اس تعلیمی رول کیطرف چند واضح اشارات کرتے ہیں جو ایسے تیزی کے ساتھ بدلتے ہوئے ان قومی اور بین الاقوامی حالات میں، جن پر انسانی ضروریات اور امنگوں کی چھاپ لگ چکی ہے۔ ادا کرنے ہونگے جیسا کہ پیراگراف ۱-(۶) میں مذکور ہے:-

"تبدیلی، بجائے موجودہ حالت پر قائم رہنے کے، کامیاب زندگی کے لئے اصولی قول بن چکا ہے، اور باقاعدگی کے ساتھ تبدیلی لانے کے لئے، تعلیم کو بطور ہتھیار کے تسلیم کیا جا چکا ہے۔ اگرچہ تعلیم کا تعلق لازمًا انفرادی ترقی کے ساتھ وابستہ رہا ہے۔ پھر بھی اس بنیادی امر کی سمت اس کی پہنچ، اب سماجی لوازمات کے ساتھ مشروط ہو چکی ہے۔ جنہیں اب ایک نئی اہمیت حاصل ہو چکی ہے، تاکہ تصادم اور تشدد کی نوبت بہت کم پیش آئے۔ تجربات کے زبردست ذخائر ان طور طریقوں کے بارے میں جمع کئے جا چکے ہیں۔ جن کے ذریعے تعلیم وہ رول ادا کر سکتی ہے، جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس عملی کارروائی میں خود تعلیم کا تصوّر ہی تبدیل ہو چکا ہے۔ اب یہ باقاعدہ تعمیرات، اور اداروں کی چہار دیواری میں محدود نہیں رہی۔ علم کی باضابطہ توسیع فرد کے لئے زندگی بھر سیکھنے کا تصور پیدا کر چکی ہے۔ اور اداروں کا ارتقاء، تعلیم کو جاری رکھنے کا خود حصول تعلیم کے عملی طریقوں اور اس کی تخصیصیت، نوز خاصیت کے بارے میں بہت سی باتوں کا انکشاف ہو چکا ہے۔ ماضی کی مستحکم اطاعتی تعلیم کے حُدود نے بین اطاعتی تعلیم اور تحقیق کو راہ دے دی ہے۔ اب ٹیکنالوجیوں کا استعمال، خوبیوں کو دوبالا کرنے اور تعلیم کی دسترس میں اضافہ کرنے کیلئے بڑے پیمانہ پر ہونے لگا ہے۔"

نوی لنج

پانے نئی سازوں کے کنایۃً یا مجملاً اشاروں کو آن
متعدد بیانات کے ساتھ جو اوپر مذکور کیا۔ پیراگراف
میں درج ہیں، اگر پڑھنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔
سب سے پہلے بیان کے اس حصے کی طرف ذہن جاتا ہے
جس میں موجودہ حالت کو تبدیل کرنے یا اس پر غالب
آنے کا ذکر ہے۔ کیونکہ "تبدیلی" کامیاب زندگی کے لئے اصولی قول
ہے۔ موجودہ تعلیمی حالت کو لامحالہ قومی مطالبوں، اور
بین الاقوامی تبدیلیوں کے سامنے پسپائی اختیار کرنی ہوگی۔
اس لئے تعلیم کو بطرز نو ڈھالنا ہوگا تاکہ وہ موجودہ سماجی
و اقتصادی معمولات کی ترمیم و تبدیلی کے لئے ایک اوزار
کا کام دے، نیز اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ تبدیلی
باقاعدگی کے ساتھ لائی جائے، تعلیم کو ایک ایسے ہتھیار
کی شکل دینی ہوگی جو تصادم اور تشدد کو ختم کردے۔ اس
مقصد کے پیش نظر، تعلیم کو نہ صرف افراد کے امکانیات
کو سازگار روپ میں ترقی دینی ہوگی۔ بلکہ ان کی سماجی
ذمہ داریوں کو بھی بلند اخلاق کی چمک دمک عطا کرنی ہوگی۔
انسانی حالات اور مواقع میں دائمی اور سریع رفتار تبدیلی
کے امکانات سماجی لگاؤ کی نشوونما کو ناگزیر بنا دیتے ہیں۔
پیراگراف مذکور اس بات کی طرف مزید اشارہ کرتا
ہے۔ کہ معاشرتی تبدیلیوں کے تقاضوں کے تحت تعلیم کا
رول ہمیشہ تبدیل پذیر رہا ہے، اور دستوری ساخت اور
اداروں کا پابند نہیں رہا ہے۔ اس فقرے کو دیکھئے۔ علم کی
بالفعل توسیع نے زندگی بھر سیکھنے کا تصور پیدا کر دیا
ہے اور اداروں کا ارتقاء، تعلیم کو جاری رکھنے کا......
نئی ٹیکنالوجیوں کا استعمال خوبیوں کو دوبالا کرنے اور تعلیم
کی دسترس میں اضافہ کرنے کے لئے بڑے پیمانے پر ہونے
لگا ہے۔"
مختصر الفاظ میں ہم سے کہا جا رہا ہے کہ ہمیں لگاتار
سیکھتے رہنا ہوگا تاکہ ہم اپنے آپ کو تبدیلیوں کے مطابق
ڈھال لیں۔ حسب خواہش...
...اقدار... ساز دتو بازمانہ ... ساز
اقدار... نئی ٹیکنالوجیوں کا استعمال ناگزیر ہوگا...
... قدروں کو برقرار رکھنا اور اسے سماج
کی ہر ... پہنچانا یقینی ... ساتھ لازمی ہوگا۔

پیراگراف مذکور کی یہ تشریح بتلاتی ہے کہ تعلیم دینے کے
پرانے خیالات میں ہمیں ترمیم کرنی ہوگی۔ جدید سسٹم کے دروازے
پوری طرح کھلے رکھنے ہوں گے تاکہ تعلیم کے مواقع سبھوں کو دستیاب
ہو سکیں۔ بچوں اور بالغوں، مردوں اور عورتوں، شہریوں اور
دیہاتیوں ... کو بھی اس کے فیض پہنچ سکیں، اور
جتنی ... ممکن ہو پہنچ سکیں۔ صرف اسی طرح کا بالفعل وہ
طریقہ ہو سکتا ہے جس کی بدولت پوری قوم، پورا ہندستانی
معاشرہ، تبدیلی لانے والی قوتوں سے، تعمیری انداز میں ...
... کیا ہے۔

ایک پہلو - روپی تعلیمی طریقہ

ایک ... موجودہ تعلیمی طریقہ کی بہ عجلت تمام تشکیل کو، جو
فرائض منصبی کے مفاد میں ... عملاً مختلف ہو۔ ...
تعمیرات اور اداروں میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ مذکورہ ...
اس پر نہ صرف محولا بالا پیراگراف میں زور دیتا ہے۔ بلکہ ...
سے آخر تک اسے مؤکد کرتی ہے۔ ہندستانی تعلیمی مہم کا مطمح نظر
یہ ہوگا:
انسانی وسائل کی نشوونما تاکہ ہزاروں مہارتوں اور علمی
علاقوں پر برتری حاصل ہو جو تبدیلیوں کے چیلنج کا مقابلہ کرنے
کے لئے اور زندگی کی صفتوں میں مادی اور ثقافتی دونوں حیثیتوں
سے بہتری لانے کے لئے ضروری ہے۔ تعلیم کے لئے صرف
ابتدائی وقتی طور پر وقف ہونا بے معنی ہے۔ ماضی کی مہارتوں
کو ترک کرنا اور نئی چیزوں کو سیکھنا ایک لگاتار چلنے والا
سلسلہ عمل ہوگا جس سے ہر فرد کی زندگی میں بہت سی
مختصر اور طویل مدت کی کھلی تعلیم ضروری ہوگی۔ کام کرنا اور
... مشترک طریقہ کار ہوگا
جس ... والا" اور ... والا" "پڑھانے والا" اور
"... والا" الگ الگ ہستیاں نہیں ہوا کریں گی۔ ہر فرد کو
(عورت ہو یا مرد) اپنے اندر اپنی قوم کے اور دنیا کے ...
... ہونا ...
ظاہر ہے کہ ... کے طریقہ تعلیم کو جس میں تعلیم گاہ کی ہر
کی پابندی کرنی پڑتی تھی، اور شدید طور پر منضبط رہنا پڑتا تھا
تیزی کے ساتھ بدلنا ہوگا۔ یہ طریقے، لازمی ہوگا کہ ... موجودہ

جو ہر کوئی بھی سیکھنے والا کسی بھی عمر میں ضرورت کے مطابق داخل ہو سکے گا - اور مناسب طور پر اسے پڑھائی کے اس واحدہ کو مکمل کرنا ہوگا - جسے اس نے (مرد ہو یا عورت) چنا ہوگا تاکہ کام کی تبدیلیوں، الملوجی انقلاب، ذاتی احتیاجات اور شخصیت کی موزونیت سے عمدگی کے ساتھ نمٹ سکے۔ اس کثیر الوجوہ، کھلے جزوی طور پر وابستہ ادارہ اور جزوی طور پر انفرادیت پسند، طریقہ تعلیم میں یہ پہلے سے فرض کر لیا جائے گا کہ اس میں سیکھنے کے لئے ہر ایک آنے والا کم از کم اتنی بنیادی تعلیم پائے ہوئے ہو جو مزید تعلیمی وسائل تک پہنچنے کے لئے پہلے سے ضروری ہیں - چاہے تعلیم باقاعدہ رہی ہو یا بے قاعدہ، چاہے اندرون چہار دیواری رہی ہو، چاہے بیرون چہار دیواری۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ خیالی پلاؤ پکائے جا رہے ہیں - کھلی تعلیم کے طریقے تجارت، صنعت میں، سائنس کے بہتیرے حلقوں اور ٹیکنالوجی میں، آرٹ اور علم تعمیرات (آرکیٹیکچر) میں، ہزاروں بڑے اور چھوٹے پیشوں میں، ان ملکوں میں، متشکل ہو چکے ہیں - جنہوں نے تبدیلی کی قوتوں کا عقلی طور پر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے -

ہماری موجودہ تعلیم :-

دستاویز میں نچلی سطح سے لے کر اوپر تک بہت سے تعلیمی نشیب و فراز ہیں۔ سسٹم کی پرائمری درجے میں درس گاہوں کے انتظامات بتلاتے ہیں کہ وہ منہدم ہونے کے قریب ہیں (پیراگراف ۲/۴۱) صنعتی کارخانوں میں، کام کی صلاحیت متاثر ہے کیونکہ نجی کارخانوں میں ۵۸ فیصد کام کرنے والے، جو ایسے کام پر متعین ہیں جن کے لئے ٹیکنیکل تعلیم اور مہارت ضروری ہے۔ اس کام کے لئے تعلیم یا ٹریننگ سے بے بہرہ ہیں - ثانوی اور اعلیٰ تعلیمی درجے میں، حالات اسی طرح ناقابل بیان ہیں، اور اس سسٹم کی عدم صلاحیت اتنی زیادہ خرچیلی ہے کہ ملک اسے مزید عرصہ تک برداشت نہیں کر سکتا۔

جو لوگ میٹریکولیٹ یا گریجویٹ ہیں - بالخصوص وہ طلباء جو عام تعلیم مکمل کرتے ہیں - ان کو دیکھ کر موجودہ ڈھنگ پر تعلیم کو جاری رکھنے کی نامعقولیت ظاہر ہوتی ہے۔ دستاویز بار بار بیان کرتی ہے کہ تقریباً ۷۰ فیصد پرائمری عمر کے طلباء اسکول جاتے ہی نہیں ہیں یا پھر انہیں درج رجسٹر نہیں کیا جا سکا یا پھر داخل ہونے سے رہ گئے۔ غیر درج شدہ بچوں کی اکثریت لڑکیوں پر اور خاص کر دیہی حلقوں کی لڑکیوں پر مشتمل ہے - اس بات پر غور کرتے ہوئے کہ ۸۰ فیصد دیہی عورتیں، جو کام کرنے والی عورتیں ہیں زراعت یا اس سے متعلق پیشوں میں کام کرتی ہیں - تعلیم سے ان کی محرومی زرعی پیداوار اور دیہی ترقی کے لئے کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ کل وقتی باقاعدہ طریقہ تعلیم میں [illegible] ہی نہیں ہے کہ ایسے مسئلوں کا حل پیش کر سکے — [illegible] ناقابل انکار طور پر خزانے پر ایک [illegible] دکھائی دیتا ہے —— ایک ایسا آلہ جو خوشحال اور غریبوں کے درمیان خلیج بڑھا رہا ہے اور ثانوی اسکول سرٹیفکیٹ کے ان حاملوں کے لئے صرف ملازمت حاصل کرنے کی ایک ترکیب ہے جو کوئی بامعنی کام کرنے کے ناقابل ہوں - دستاویز مذکور صحیح طور پر موجودہ یک رنگی طریقہ تعلیم کے کارآمد ہونے پر شک کا اظہار کرتا ہے (پیراگراف ۴/۱۲) - غریبوں فراموش کردہ اور پرائمری عمر کا وہ سیکھنے والا گروپ جو روزگار سے لگا ہوا ہے - نوزائیدہ بالغ افراد جو پرائمری تعلیم حاصل نہ کر سکے [illegible] ہندستان میں کام کرنے کے ساتھ سیکھنے کے بہت زیادہ حاجت مند ہیں - ان کے سلسلے میں دستاویز، نئے سرے سے آغاز کئے جانے کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ یعنی بے قاعدہ تعلیمی پروگرام [illegible] لحاظ سے ناخواندہ بالغوں کا مسئلہ بھی واضح طور پر سامنے آجاتا ہے جس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ اگر ملک کی ۶۰ فیصد [illegible] کرنے والی جماعت ناخواندہ ہو تو سوچنا پڑے گا کہ ہم [illegible] اکثریت رکھنے والی اکیسویں صدی میں قدم رکھنے کے لیے اپنے آپ کو کہاں تک [illegible] ؟ پرائمری تعلیم کے ادارہ جاتی سسٹم کی شکستگی اور ہندستان کی دور تک پھیلی ہوئی ناخواندگی بالغاں کے درمیان جو رشتہ ہے وہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔

جیسا کہ بہت سی تحقیق و تلاش سے منکشف ہو چکا ہے، پرائمری تعلیم کے مسائل اکثر غیر تعلیمی جیسے ہی ہوا کرتے ہیں - جاتیاں، عقیدہ، امور، قبائلی بود و باش، مفلسی اور سماجی رواجات جیسے کم عمری میں لڑکیوں کی شادیاں، یہ سب تعلیم کی بے قاعدگی اور درس گاہوں کے ذریعے پرائمری تعلیم

توی راج

کے طریقے کی شکست کے شاخسانے ہیں۔ کیا ان رکاوٹوں کے باوجود، پرائمری طریقۂ تعلیم جلد از جلد کوئی ایسا راستہ دریافت کر سکتا ہے۔ جو بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کر دے؟ کیا پرائمری تعلیم کو ایک ہموار سطح پر قائم کیا جا سکتا ہے جو موجودہ ایک جیسے طریقہ کا نعم البدل ثابت ہو؟ کیا غیر رواجی تعلیم مدد دے سکتی ہے؟ کیا پرائمری تعلیم کا ایک کھلا ہوا طریقہ ترتیب دیا جا سکتا ہے جس میں سیکھنے والے کے لئے سہولت ہو۔؟ ہم نے کھلی یونیورسٹی کے ذریعے، خارجی امتحانات کی اجازت دے کر، مرکزوں کے ساتھ مشوروں کی رہنمائی میں، اعلیٰ تعلیم کے تصور کو قبول کر لیا ہے۔ کیا ہم دانشمندی کے ساتھ، صنعت اور تعلق کے رکھ رکھاؤ کے لئے حفاظتی ترکیبات ترتیب دے کر جو نہ صرف تعلیمی صلاحیت کی خاطر دو لازمی عناصر ہیں بلکہ تعلیمی انصاف کی خاطر بھی پورے طریقۂ تعلیم کو کھلا ہوا قرار نہیں دے سکتے.....

"دی چیلنج" کے دستاویز میں، پیراگراف ۲ (۴۱) اور ۳ (۷) ہمیں ان نکتوں پر کچھ اشارات مہیا کرتے ہیں۔

غیر رواجی تعلیم:۔

قومی طریقۂ تعلیم ترتیب دیتے وقت کوئی قوم اس کی تاریخی جڑوں کو فراموش کرنے کا حوصلہ نہیں کر سکتی۔ ہم نے اپنے آپ کو برطانوی غلبہ کے تحت بہت خسارے میں ڈالا۔ جب ہم نے خود اپنی بعض اچھی تعلیمی روایات کو سیاہ کرنے اور نظر انداز کر دینے کی اجازت دے دی۔ لیکن قدیم غلطیوں کی اصلاح ہمیشہ ممکن ہے۔ غیر رواجی تعلیم کا تصور ہندوستان کے لئے نیا نہیں ہے۔ اگرچہ مغرب اس خیال پر ہے کہ اس نے اپنے طور پر کوئی دریافت کی ہے۔ قدیم گرو کل طریقے میں سال کے کسی وقت بھی گرو کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تھا۔ اس کے روبرو، باہمی اتفاق سے پڑھائی کے کورس کا مطالعہ کرتا تھا۔۔۔ "سوادھیا" کے ذریعے خود ہی بہت کچھ پڑھتا تھا اور آخر میں اپنے حاصل کردہ گیان کو اپنے گرو اور ہم درسوں اور دوسرے طلباء کے روبرو، دہرا کر، سوال و جواب کے ذریعے، بحث و مباحثہ کے روپ میں اور عملی مشق کا مظاہرہ کر کے، پیش کرتا تھا۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ "گرو" پر فوقیت لی جائے، اور گرو اپنے چیلے کی باریک بیں طالب علمانہ نگاہ سے مغلوب ہونے

پر خوشی کا اظہار کرتا تھا۔ تعلیم کے معنی یہ ہوا کرتے تھے کہ شاگرد کی ذہانت کو تیز تر کیا جائے۔ گویا اس طرح سے لیاقتی اعضاء اور پٹھوں کو خوب کھینچنا مقصود ہوتا تھا۔ اس وقت رواجی امتحانات کا کوئی دستور نہیں تھا۔ کیونکہ تعلیم و مطالعہ کا مقصد کسی خاص ملازمت کے لئے چنا جانا نہیں ہوا کرتا تھا۔ چالاک ذہن کے لئے ہر کام موزوں سمجھا جاتا تھا۔ (اب مغربی ماہرینِ نفسیات ان ہی خیالات کا اظہار کرنے لگے ہیں۔) لیکن تعلیم کے لئے گرو کل ہی واحد رائج طریقہ نہیں تھا۔ ہمارے بہتیرے گاؤں تعلیم دینے کے دیسی مراکز تھے۔ خانہ بدوش معلمین ملک میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے اور فلسفہ کی تعلیم دیتے تھے۔ مفید معلومات کی اطلاع دیتے تھے۔ تازہ علم سے نوازتے تھے، زبانوں کو نشو و نما دیتے تھے، تازہ علم سے اپنے سفر کے دوران نئے علوم جمع کرتے تھے، تاکہ ان سے مختلف لوگوں اور جاتیوں کو زیادہ سے زیادہ نوازیں جہاں مرد، عورتیں اور بچے اس قسم کی مسلسل تعلیم سے تقریباً یکساں طور پر فیضیاب ہوں۔

غیر رواجی تعلیم کا جدید تصور بھی علم کے مسلسل، ضرورت کی بنیاد پر اور دائمانے اصول کے مطابق حاصل کرنے پر زور دیتا ہے۔ جو کسی درسگاہ یا پیشہ ور استاد سے حاصل کردہ نہیں بلکہ مختلف ذرائع سے حاصل کیا ہوا ہوتا ہے یہ تصور اس سوجھ بوجھ کا نتیجہ ہے کہ نمونے پر ڈھالا ہوا طریقۂ تعلیم پرانا ہو چکا ہے۔ یہ طریقہ سماج کے تمام طبقوں میں تعلیم کے یکساں پھیلاؤ میں ناکام رہا ہے۔ بلکہ اس کی اندرونی ساخت میں حصول تعلیم کی تیزی کے ساتھ بدلتی ہوئی ضرورتوں کے ساتھ گھل مل جانے کے برعکس مزاحمت کا عنصر کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ پس از جنگ دنیا میں جو پیشوں اور سماجی و سیاسی طرزِ زندگی میں ہر جگہ ڈھانچوں کی تبدیلیوں کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ روایتاً، درسگاہی تعلیم صرف محدود اثرات میں ضرورت کی تکمیل کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سن ۶۰ سے شروع ہونے والے برسوں میں غیر رواجی تعلیم کی شدید اہمیت کھل کر سامنے آ گئی۔ ہندوستان میں ایجوکیشن کمیشن (۱۹۶۴-۶۶) نے اس بات کی تنبیہ کر دینا ضروری جانا کہ کل وقتی رواجی طریقے کے ساتھ ہماری وفاداری بے محل ہے۔

"یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کل وقتی تعلیم پر بحیثیت واحد تعلیمی وسیلہ کے تکیہ کرنا اکثر ایک فرد کی زندگی کو تیرہ بن رو کر

۔۔ (tight ...) اور سختی کے ساتھ تقسیم کردہ حصوں میں بانٹ دیتا ہے۔ اولاً مرحلہ قبل از اسکول جو نہ رواجی تعلیم کا ہوتا ہے۔ نہ کام کرنے کا، دوسرا وہ مرحلہ جو کل وقتی تعلیم اور ہر کام سے بے تعلقی کا ہوتا ہے اور تیسرا مرحلہ جو پورے وقت کام کرنے کا اور تعلیم سے بے تعلقی کا ہوتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ کل وقتی تعلیم پر قریب کلیتاً تکیہ کرنے کی موجودہ پالیسی ترک کر دی جائے اور دوسرے دو وسیلوں پر یعنی جز وقتی اور خود وقتی تعلیم کو ہر مرحلے میں اور ہر سیکٹر میں بڑے پیمانے پر بڑھاوا دیا جائے اور انہیں وہی مرتبہ دیا جائے جو کل۔ وقتی تعلیم کو دیا جاتا ہے۔ دوسرے بالغوں کی اور مسلسل طور پر رہنے والی تعلیم کو جس سے فی الحال قریب قریب بالکل چشم پوشی برتی جا رہی ہے۔ بڑے پیمانے پر موکد کیا جانا چاہیئے۔ ایک ساتھ مل کر یہ دونوں اصلاحات ــــ

- ان لوگوں کو جنہوں نے ایک مرحلے کی یا تعلیم کی تکمیل نہیں کی ہے۔ تعلیم کو یا اس مرحلے کو مکمل کر لینے کے قابل بنائیں گی، اگر ان کی خواہش ہو گی، تاکہ وہ دوسرے مرحلے کی طرف بڑھ سکیں۔
- ایک برسر روزگار شخص کو حصول علم، قابلیت اور پیشہ ورانہ مہارت حاصل کرنے کے قابل بنائیں گی، تاکہ وہ بہتر کارپرداز بنے اور زیادہ آمدنی پیدا کرنے کے مواقع سے فیضیاب ہو۔
- تعلیم یافتہ شخص کے علم کو تازہ رکھنے میں مددگار ہوں گی اور اسے اس قابل بنائیں گی کہ وہ اپنے مفاد کے میدان نئی تعلیم کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔"

بعد میں، بین الاقوامی تعلیمی کمیشن کی رپورٹ "پڑھائی تاکہ بنیں"، کسی قدر صاف گوئی سے کام لے کر رقم پرداز ہے:

"تعلیم کو اسکولی عمارت کی چار دیواری میں بند رکھنا ختم ہونا چاہیئے۔ تمام اقسام کی موجودہ درس گاہوں کو، خواہ وہ پڑھانے کے لئے بنائی گئی ہو۔ یا نہیں، اور سماجی، اور اقتصادی سرگرمیوں کی بہت سی شکلوں کو، تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہیئے۔"

مصنوعی اور فرسودہ رکاوٹیں، جو مختلف تعلیمی طریقوں، نصابات اور سطحوں اور رواجی اور غیر رواجی تعلیم کے درمیان حائل ہیں۔ منہدم کر دی جانی چاہئیں۔ قدیم طریقۂ تعلیم کا رفتہ رفتہ آغاز کیا جانا چاہیئے۔ ایک ہر سمت سے کھلا طریقہ سیکھنے والوں کو اس کے اندر، افقی اور عمودی دونوں طرح سے حرکت کرنے میں مدد دیتا اور حدود انتخاب کے دستیاب فاصلوں کو بڑھاتا ہے۔"

غیر رواجی ابتدائی تعلیم

ہندوستان میں رواجی تعلیم کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اسکی پہنچ دیہی اور قبائلی آبادی تک نہیں ہے۔ اگر ابتدائی تعلیم کو ہمہ گیر نہیں بنایا گیا تو ہندوستان کو جدیدیت کا جامہ پہنانے اور اقتصادی ترقی کی توقعات خواب و خیال بن کر رہ جائیں گی۔ اس بات کو سمجھتے ہوئے، حکومت ہند کے سینٹرل ایڈوائزری بورڈ آف ایجوکیشن نے ۱۹۷۵ء میں اس مسئلہ پر گہرا غور و خوض کیا اور غیر رواجی تعلیم پر ایک اسٹینڈنگ کمیٹی قائم کی جس کو ترجیحی طور پر ابتدائی تعلیم کو ہمہ گیر بنانے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

اسٹینڈنگ کمیٹی نے فیصلہ دیا کہ ......

"ہر بچہ جو بہ لحاظ عمر ۶ سے ۱۴ سال کے گروپ کا ہو اگر ممکن ہو تو اسے کل وقتی بنیاد پر تعلیم حاصل کرنی ہوگی، اور جز وقتی بنیاد پر اگر ضرورت ہو۔"

اس طرح غیر رواجی تعلیم کو مستحکم طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن، یہ ایک نیا تصور تھا جس سے منتظمین کو اطمینان نہیں ہوا۔ اگرچہ دستور ہند "تعلیم کو ہمہ گیر" بنانے کا حامی ہے اور لازمی طور پر "کل وقتی اسکولی تعلیم کو ہمہ گیر بنانے کی بات" نہیں کرتا۔ آرٹیکل ۴۵ کے معنی روایتی طور پر کل وقتی اسکولنگ لئے گئے اور اس کے تشکیل دیئے گئے طریقہ پر سختی کے ساتھ عمل درآمد ہوتا رہا۔ پرائمری اسکولوں کا نصاب ریاست کی طرف سے ہر جگہ کے تمام بچوں کے لئے یکساں رکھا گیا اور اسے غلط طور سے "انصاف پسندی" کا نام دیا گیا۔ اس طرح ہر بچے کے لئے ایک ہی قسم کا سبق پڑھنا ضروری ٹھہرا خواہ وہ بمبئی کے کف پریڈ قلابہ میں رہتا ہو خواہ دھاراوی کی گندی بستی میں، خواہ دھرم گاؤں کے قبائلی بھیلوں میں سے ہو خواہ کسی گنے کے علاقے میں نقل وطن کر کے لیبر کیمپ میں رہنے

والے مزدوروں میں سے ہو۔ تعلیم میں اس "انصاف پسندانہ اسٹیم رولر" نے ان حالات کے اختلاف پر کوئی توجہ نہیں دی۔ جن میں ان غریب اور محروم بچوں کی زندگی گزر رہی ہے۔ کیونکہ بعض بچوں کو زندگی گزارنے کے لئے ۷/۸ سال کی عمر سے ہی کام کرنا پڑتا ہے۔ ان طبقوں کو رواجی تعلیم سے کوئی فائدہ نہیں لہٰذا اسٹینڈنگ کمیٹی نے سفارش کی کہ "تعلیم کا ایک نیا طریقہ تشکیل دیا جانا چاہیئے" اور کمزور طبقات کے لئے تعلیم کا انصاف پسندانہ طریقہ بحال کیا جانا چاہیئے۔ اس بات کی احتیاج نہ صرف ہندوستان میں محسوس کی گئی۔ بلکہ بہتر ترقی کی طرف گامزن ملکوں میں بھی جہاں بچوں کو خاندان کی معاشی سرگرمیوں میں چھوٹی عمر سے ہی شریک ہونا پڑتا ہے ان کے لئے صرف دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ یا وہ تعلیم کو بالکل ترک کر دیں یا ان کے لئے اچھی جز۔ غیر رواجی جز۔ وقتی تعلیم کا بندوبست کیا جائے جو ان کی ضرورتوں، امنگوں اور سہولتوں کو مدنظر رکھ کر کیا جانا چاہیئے۔

غیر رواجی تعلیم کیا ہے ؟

فلپ کومب اور منظور احمد کی مشہور تصنیف "دیہی بچوں اور جوانوں کے لئے حصولِ علم کی نئی راہیں ——" میں غیر رواجی تعلیم اس طرح ہے :

• مقررہ رواجی تعلیم سے ہٹ کر کوئی بھی منظم تعلیمی سرگرمی غیر رواجی تعلیم کے تحت آتی ہے خواہ اس پر الگ رہ کر عمل کیا جا رہا ہو۔ خواہ وہ کسی وسیع سرگرمی کا اہم حصہ ہو۔ جس کے ذریعے ایک سمجھے جانے کے قابل اور سیکھنے کی غرض سے یکجا جمع ہونے والے (چھوٹے یا بڑوں کی)، کسی جماعت کی خدمت مقصود ہو۔

ہندوستانی ماہرین تعلیم نے غیر رواجی تعلیم کی تعریف یوں کی ہے

(ا) جن تک "ابتدائی طور پر نہ پہنچا گیا ہو" ان کا پڑھائی کی مختلف سطحوں تک پہنچنا۔

(ب) تا بہ عمر ان کی تعلیم جو تیزی کے ساتھ انقلاب پذیر دنیا کے مطابق، پیشہ ورانہ اور اطلاعی طور پر اپنے آپ کو ڈھالنا چاہتے ہوں "

(ج) غیر نتیجہ خیز، (صرف حصول مقصد سے وابستہ لیکن جس کے لئے کسی رواجی امتحان کا طریقہ نہ ہو۔

(د) پڑھانے کی بجائے خود اپنے پڑھنے پر زور دینا۔

(ه) میعاد تعلیم نصاب وغیرہ لچک دار ہوں۔

(و) پڑھائی میں مقدار کی بجائے تعلیم کی اچھائی اور متعلق و کارآمد ہونے پر زور دینا۔

(ف) بعض ہنرمندیوں کا فوری حصول جن کی تعلیم کے دوران ضرورت ہو۔ وغیرہ ......

غیر رواجی تعلیم پر موافقانہ اور مخالفانہ تبصرے

تعلیم کے قدیم منتظمین اور اساتذہ اس بات کے حامی ہیں کہ طالب علموں پر کڑی نظر رکھی جانی چاہیئے کہ وہ کیا پڑھتے ہیں ..... ؟ اور کیسے پڑھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر رواجی یا غیر رواجی تعلیم میں مقامی طبقوں اور جماعتوں کے لوگوں نے شرکت کی یا اس کی تنظیم شروع کی تو ان کے غلبہ و تسلط پر اثر پڑے گا جسے وہ قدیم زمانے سے اپنا محفوظ حق سمجھتے آئے ہیں۔ بعضوں کے مطابق وہ اساتذہ جن پر غریب شاگردوں کی تعلیم کے ساتھ پیشہ ورانہ حیثیت سے کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ وہ یقیناً اس لچکدار، غیر رواجی تعلیم کی مخالفت کریں گے۔ جس میں انہیں زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔ اس طرح گذشتہ دس سال کے عرصے میں رواجی اور غیر رواجی تعلیم کی موافقت و مخالفت میں بہت سے دلائل پیش کئے جاتے رہے ہیں۔

(الف) غیر رواجی تعلیم کی موافقت میں حسب ذیل دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) :- غیر رواجی تعلیم تمام سطحوں پر اور تمام اقسام کی اور اندرون درس گاہ کی ہو۔ یا بیرونِ درسگاہ کی کھلی ہوئی ترسیلات و ذرائع ابلاغ کے اس دور میں زندہ رہنے کا ذریعہ ہے۔

(۲) :- ترقی پذیر ملکوں میں، سماجی اور اقتصادی رکاوٹوں کے سبب آبادی کا بڑا حصہ بنیادی تعلیم سے

اپنے حق سے محروم رہتا ہے ۔ یہ محرومی ترقی کے
کاموں میں حصہ لینے سے انہیں روکتی ہے ۔ ان
کے لئے غیر رواجی تعلیم ضروری ہے ۔

(۳) :- غریب بالغیں اور کام پر لگے ہوئے بچوں کو تعلیم کی ہوا بھی نہیں لگتی ۔ کیونکہ رواجی طریقہ تعلیم کی توسیع پر ہونے والا خرچ ان کی استطاعت سے باہر ہوتا ہے ۔ غیر رواجی تعلیم ہی ان کے بنیادی حق تعلیم کو بحال کر سکتی ہے ۔

(۴) :- غیر رواجی تعلیم ہی وہ زبردست ذریعہ ہے ، جو زمانہ جدید کے تکنیکی امور اور کاموں نیز ماحول کے ہم پلہ ثابت ہو سکتی ہے اور ترقی پذیر ملکوں کے لئے سازگار ہو سکتی ہے ۔

(۵) :- اگر صرف رواجی کل ۔ وقتی ابتدائی طریقہ تعلیم پر تکیہ کیا گیا تو بچوں اور بڑوں کی بہت بڑی تعداد تعلیم سے محروم رہے گی ۔ کیونکہ دوسری باتوں کے علاوہ معاشی حدبندیاں ایک طرف اور لوگوں کی سماجی و اقتصادی حالتیں دوسری طرف زبردست رکاوٹیں ثابت ہوں گی ۔ اگر غیر رواجی تعلیم پڑھنے والوں کی ضرورتوں کے حساب سے مناسب ہیں تو ان پر خرچ کم اور نتیجہ کہیں بہتر ہوگا

(۶) :- غیر رواجی تعلیم ایک ہی وقت میں فرد کی غرض پوری کرتی اور سماجی ترقی سے بہتر طور پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس میں مدت بھی نسبتاً کم لگتی ہے

مختصراً یہ کہ رواجی تعلیم میں یہ چھ بڑے نقائص ہیں

۱ :- فی کس زیادہ خرچ ۔
۲ :- مختصر تعلیم کے لئے طویل مدت ۔
۳ :- نصاب نہایت بھاری بھرکم
۴ :- فوری سماجی و اقتصادی ماحول سے بے تعلقی
۵ :- ٹیچروں کی روایت پرستی
۶ :- امتحانات کا دباؤ جبکہ غیر رواجی تعلیم ان نقائص سے پاک ہے ۔
۷ :- غیر رواجی تعلیم میں ابلاغ و ترسیل کے موجودہ ، ذریعوں ، ریڈیو ، ٹی وی ، عوامی ذرائع تعلیم ، ایک کا دوسرے سے شخصی رابطہ اور گروپ کا باہمی عمل کا بہ سہولت استعمال کیا جا سکتا ہے ۔

(۸) :- غیر رواجی تعلیم دباؤ سے نسبتاً پاک ہوتی ہے ۔ کیونکہ یہ معیار نواز امتحانات پر زور نہیں دیتی ۔ وہ امتحانات جن میں سیکھنے والے کی رفتار ترقی کی تشخیص کرنے کی بجائے ، اس کی کارکردگی کا مقابلہ دوسروں کی کارکردگی سے کیا جاتا ہے ۔

(۹) :- پیشہ ورانہ تعلیم کو غیر رواجی تعلیم کی حیثیت سے بہترین طور پر منظم کیا جا سکتا ہے ، تاکہ ٹیکنالوجی اور طرز زندگی کے تیز رفتار انقلاب کے ساتھ اس کو شانہ بشانہ رکھا جا سکے ۔

(۱۰) :- غیر رواجی تعلیم ، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کو کھلے اور کاروباری طریقے کے مطابق کرنے میں مدد دے سکتی ہے ، اور ان مراحل میں تعلیم کی توسیع کے لئے سازگار ہو سکتی اور درسگاہوں کی تعلیم پر ہونے والے بھاری اخراجات سے بچا سکتی ہے ۔

(۱۱) :- غیر رواجی تعلیم میں کسی طبقے سکھانے کے مختلف وسائل استعمال کئے جا سکتے ہیں ، اور اس طرح سیکھنے کے طریقوں کو متبادل اور مالا مال کیا جا سکتا ہے ۔ اس کی دیکھ بھال اور معائنہ وغیرہ خود طبقے کے لوگ ، دوسروں کے ساتھ تعاون کرکے انجام دے سکتے ہیں ۔

ب :- غیر رواجی تعلیم کے مخالفت میں حسب ذیل دلیلیں پیش کی جاتی ہیں :

۱ :- غیر رواجی تعلیم ، کل ۔ وقتی تعلیم سے مختلف ہے ، اس میں امتیاز برتا جاتا اور تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع سے محروم رکھا جاتا ہے ۔

۲ :- غیر رواجی تعلیم کو صرف عارضی طریقہ کار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے اور تمام سیکھنے والوں کو کل وقتی تعلیم مہیا کرنے سے پہلے اسے استعمال کیا جا سکتا ہے ۔

۳ :- غیر رواجی تعلیم کی باقاعدہ ، سسٹم کے مطابق ،

ترویج

منصوبہ بندی، سپروائزنگ انتظام، مانیٹری، اور تخمینہ
کاری و معیار بندی نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے
اس کے فائدے مشکوک ہوا کرتے ہیں۔

۴ :- غیر رواجی پرائمری تعلیم کی حمایت غالباً والدین نہیں
کریں گے اگر ان کی خواہش یہ ہوتی کہ بچہ باقاعدہ
تعلیم جیسی سرٹیفکیٹ حاصل کرے جو اس کے
لئے آئندہ کی رواجی تعلیم اور حصول ملازمت
کے لئے کارآمد ہو سکتی ہے۔

۵ :- غیر رواجی تعلیم سے صرف غریب فائدے میں
رہیں گے اور دولتمند رواجی تعلیم کا فائدہ
اٹھائیں گے۔ اس سے سماجی و اقتصادی عدم
یکسانیت پیدا ہوگی۔

۶ :- رواجی تعلیم کی جڑیں بہت گہری ہیں اور اس پر
لوگوں کا اعتقاد ہے۔ یہ سماجی مرتبہ حاصل کرنے
کے لئے اور معاشی فائدہ کے اعتبار سے مفید ہے
غیر رواجی تعلیم کا نعم البدل نہیں ہو سکتی کیونکہ اول الذکر
سیکھنے والوں کو رواجی تعلیم جیسے فائدوں سے
فیضیاب نہیں کر سکتی۔

۷ :- رواجی تعلیم کی زیر سرپرستی کام کرنے والے ٹیچروں
کی لیاقت (Qualification) باقاعدہ سمجھی
جا سکتی ہے اور تعلیمی قابلیت کا اس طرح یقین
ہوا کرتا ہے۔ غیر رواجی تعلیم میں یہ بات شاید
ہی ممکن ہو سکے۔

۸ :- رواجی تعلیم میں اگر ضمیمہ کے روپ میں، غیر رواجی
تعلیم کا اضافہ کیا جائے تو اعتراض کی صورت میں
غالباً پیدا نہیں ہوگی، لیکن تعلیمی سرمایہ کا بڑا
حصہ حسب دستور رواجی تعلیم کو جاری رکھنے
پر لگایا جانا چاہیئے۔

غیر رواجی تعلیم اور ترقی

یہ بات عموماً بیان کی جا سکتی ہے کہ غیر رواجی تعلیم
کی تصوراتی نوعیت ان مباحثوں کے ذریعے کافی صاف
ہو چکی ہے جو اس کے متعلق گذشتہ دس سال میں ہمارے آس

پاس ہوتے رہے ہیں۔ مباحثوں سے یہ بات منکشف ہوتی
کہ غیر رواجی تعلیم کا اقتصادی ترقی کے اصول کار کے س
قریبی تعلق ہے۔ اس کی طرف اشارہ خاص طور پر ترقی
معاشیاتی دانشوروں نے پر زور انداز میں کیا ہے۔ انہو
غیر رواجی تعلیم کے متعدد فوائد بھی گناتے ہیں۔

ہندوستانی حالات و معمولات کے لحاظ سے
رواجی تعلیم میں فی کس خرچ میں کمی کے امکانات ہیں اور فو
ضرورتوں کے لحاظ سے خواہ وہ پیشہ ورانہ ہوں، خواہ سماج
ثقافتی ہوں، ان کے ذریعے اہم فائدوں کے امکانات ہیں
اچھے کاروبار کی تعلیم کے نقطۂ نظر سے، اس سے زندگی بنتی
سیکھنے والے کا تعلق اس کے ماحول کے ساتھ قائم ہوتا
مزید سیکھنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہوتے ہیں
ہے کہ غیر رواجی تعلیم ہندوستان کی رواجی تعلیم سے پیدا
نقائص اور کوتاہیوں کے لئے اکسیر ثابت ہو۔

یہاں یہ کہنا مقصود نہیں ہے کہ غیر رواجی تعلیم
معجزات ظہور میں آئیں گے لیکن اس سے ہندوستان جیسے
پذیر ملک کے لئے فائدوں کے بہت سے امکانات ہیں
کی یہ خواہش ہے کہ جلد از جلد ایک جدید قوم کا روپ
اختیار کر لے۔

غیر رواجی تعلیم میں نئی سمتیں

غیر رواجی ابتدائی تعلیم پر جو زور دیا گیا اس
سبب چھٹے پنج سالہ پلان کی میعاد کے دوران کئی تجربوں
طرف رجحانات بڑھے جن کے لئے حکومت ہند نے
بین الاقوامی تنظیموں نے مالی مدد دی۔ کام کرنے والے لڑکو
کی غیر رواجی تعلیم پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا گیا۔

تامل ناڈو میں کام کرنے والے لڑکوں کے لئے ایک پرو
کو ترقی دی گئی اور وہاں کے ڈائرکٹوریٹ آف پبلک انس
میں ایک مخصوص غیر رواجی تعلیمی سیکشن قائم کیا گیا ہے
مدھیہ پردیش میں، غیر رواجی پرائمری تعلیم پراجیکٹ
ڈپارٹمنٹ نیز رضاکار تنظیموں کی زیر کفالت تجربات
جاری ہیں۔ بہار اور اتر پردیش میں بعض پروجیکٹ شرو
کئے گئے ہیں۔ غیر رواجی پرائمری تعلیم میں پہلے وسیع عملی

قومی راج

ریسرچ پروجیکٹ کو، انڈین انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن، پونے کے ذریعے حکومتِ مہاراشٹر، حکومتِ ہند اور یونیسیف کی امداد کے تحت ترقی دی گئی ہے۔ اس نے ایک سو سے زیادہ قریوں کو اپنے دائرے میں لیا ہے۔ جن کی آبادی ۰۰۰ و۲۱ دا ہے اور اس نے تقریباً ۳۰۰ و۴ بچوں کو، جو ۹ تا ۱۴ عمر والے گروپ کے ہیں اور جن میں ۲۰۰ و۳ کی تعداد میں لڑکیاں ہیں، بامعنی، اچھی صفت کی غیر رواجی پرائمری تعلیم سے آراستہ کرنے میں کامیابی حاصل کرلی ہے۔

اس پراجیکٹ نے مائکرو۔ پلاننگ کا ایک پروسیس تشکیل دیا ہے۔ جو مالی اور تنظیمی طور پر ایک قابلِ انتظام نمونہ ہے۔ متعلق نصاب اور ساز و سامان کے ساتھ پڑھانے اور ٹیچروں کی ٹریننگ کی تکنیک سمیت، سپروائز کرنے اور تخمینہ لگانے کے طریقوں پر مشتمل اور اس طبقے کو اس طور سے سمیٹتے ہوئے کہ ان تمام کامیاب عناصر کا نقشِ ثانی اس جیسے علاقوں میں تیار کیا جاسکتا ہے۔ یا ملک میں کہیں بھی اس کو بطور نمونہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ جب یہ بات یاد آتی ہے کہ ہندوستان میں نہایت محتاط تخمینے کے مطابق، ۶۰ر۳ کروڑ بچے ایسے ہیں جو کام کرنے پر مجبور ہیں۔ اور کروڑوں لڑکیاں (جنہیں مردم شماری میں کام کرنے والیوں میں شمار نہیں کیا گیا) کل۔ وقتی طور پر گھروں میں کام کرتی ہیں تاکہ خاندان کے بالغ افراد کو قوتِ لایموت حاصل کرنے کی مہلت دی جائے تو غیر رواجی تعلیم کی اہمیت اور جلد از جلد ضرورت واضح ہوجاتی ہے۔ اس لئے ہندوستان میں غیر رواجی تعلیم کے ترجیح طلب علاقے، ہمہ گیر ابتدائی تعلیم اور پیشہ ورانہ تعلیم ہیں تاکہ دیہاتوں میں قبائلی علاقوں میں معاشی ترقی کو فروغ حاصل ہو۔

یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ کوٹھاری کمیشن کی رپورٹ کو، تعلیم اور ترقی،، کا نام دیا گیا تھا۔ جس نے تعلیم کے سماجی، و اقتصادی اغراض کو غور و فکر کی ایک نئی سمت عطا کی تھی۔ اگر ہم غیر رواجی تعلیم کو سنجیدگی کے ساتھ منظم کریں، اور ترقی کو فروغ دینے والے عنصر کی حیثیت دیں تو ہم ہندوستان کی تعلیم کو وہ روپ اور صفت دے سکیں گے جو اس کی اہمیت کو تاریخ کی جڑوں میں جما دے گی اور ان چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے قابل بنادے گی جسے حکومتِ ہند نے ہمارے غور و خوض کے لئے درج فہرست کیا ہے اور تاکہ ہندوستان کی تعلیم کو اس طرح ترتیب دیں کہ ۲۱ ویں صدی کے مطالبات سے ہموار طور پر اور بہ سہولت عہدہ برآ ہوسکیں۔

(ترجمہ:- ایم حیات) ●●

تعارف:-

ڈاکٹر چترا نائیک

ڈاکٹر چترا نائیک، ممبر، سینٹرل ایڈوائزری بورڈ، حکومتِ ہند، اعزازی پروفیسر، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، پونے، بی۔ اے (آنرز) بی ایڈ (فرسٹ کلاس امتیازی مقام) پی۔ ایچ۔ ڈی (ایجوکیشن)، آپ کے کئی مضامین اور تحقیقی مقالات چھپ چکے ہیں۔

★ شری ایم۔ آر۔ کولہاٹکر
سیکریٹری تعلیم۔ حکومتِ مہاراشٹر

مُلازمتوں کو ڈگریوں سے بے تعلق رکھنا

۱:- ہندوستان میں، آزادی کے بعد سے اعلیٰ تعلیم میں حیرت انگیز توسیع پیش آئی ہے۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں ملک میں ۲۰ یونیورسٹیاں تھیں۔ سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء میں ان کی تعداد ۱۲۰ ہوگئی۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں ۲۶۳ کالج تھے۔ سنہ ۸۲-۸۱ء میں ان کی تعداد ۳۸۸۶ ہوگئی۔ اعلیٰ تعلیم میں اضافہ نہ صرف درس گاہوں کی تعداد سے ہوتا ہے بلکہ طالبعلموں کی تعداد سے بھی۔ داخلہ لینے والوں کے اضافہ کی شرح الگ الگ رہی ہے۔ سنہ ۱۹۵۰ء ویں کے دوران یہ شرح ۱۲۰۴٪ تھی۔ اور سنہ ۱۹۶۰ء ویں کے دوران، ۱۳۰۴٪ - پھر سنہ ۱۹۷۰ء ویں میں اضافہ تو ہوا لیکن صرف ۳۰۸٪ کی شرح سے۔ عمر کے لحاظ سے ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم میں شریک ہونے والوں کی شرح کا اندازہ ۴۰۸ لگایا گیا ہے لیکن یہ بھی بہت کم ہے۔ بمقابلہ ۱۳٪ کے (جو انگلستان کی تھی) ۲۵٪ کے (جو امریکہ کی تھی) اور ۵۰٪ (جو جاپان کی تھی) لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ہندوستان جیسے غریب ملک کے لئے توجہ ہٹانے والی بہت سی چیزیں ہیں جیسے اعلیٰ تعلیم کے لئے وسائل کی کمیابی۔

۲:- توسیع چونکہ منصوبہ بندی کے ساتھ نہیں ہوئی اس لئے کالجوں اور یونیورسیٹوں کی سہولتیں پوری طرح فائدہ بخش نہیں ہوسکیں۔ درس گاہوں کی ابتدا اکاڈیمک احتیاجات پر پورے غور و فکر کی بنا پر نہیں پیش آئی۔ سنہ [illegible]ء میں یو۔سی۔جی ایکٹ میں ترمیم کی گئی تاکہ یو۔سی۔جی کو یہ اختیار د

توری راج

کہ یونیورسٹی کی طرف سے دیئے جانے والے گرانٹ کو روک دیا جائے تاوقتیکہ ان شرائط کی پابندی نہ کی جاتے جو اس سلسلہ میں رولز میں مندرج ہیں۔ لیکن اس سے یونیورسٹیوں کی بہتات رک نہیں سکی۔ اس نے صرف ان ریاستی یونیورسٹیوں کی مالی مدد سے انکار کر دیا جو سنہ ۱۹۷۱ء کے بعد طویل مدت کے لئے شروع کی گئی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سی نئی یونیورسٹیاں فنڈز کی کمی کا شکار ہیں، اور عملہ کی کمی کا بھی۔ جہاں تک کالجوں کا تعلق ہے، یو۔ سی۔ جی نے رہنمایانہ خطوط، کالجوں کے شروع کرنے کے بارے میں ریاستی حکومت کی رہنمائی کے لئے جاری کئے ہیں لیکن یہ رہنمایانہ خطوط دستوری زور و تاکید سے عاری ہیں۔ ملک کے ۲/۵ کالجوں کے بارے میں خیال ہے کہ وہ باقی رکھے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ یہ کافی سہولتیں نہیں رکھتے۔ یعنی ان کے مکانات نہیں ہیں۔ اسی طرح ان میں لائبریری کی سہولتیں اور لیبارٹری کی سہولتیں نہیں ہیں۔ ان کے پاس کھیل کے میدان اور اچھا کوالیفائڈ عملہ بھی نہیں ہیں۔

۶۳ :- درس گاہوں کی ایک بڑی تعداد، جو ساز و سامان سے بخوبی آراستہ بھی نہیں ہیں۔ گریجویٹ تیار کرتے رہتے ہیں۔ خاص طور سے آرٹس، سائنس اور کامرس میں جو تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی تعداد میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات واضح رہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بڑی تعداد میں طلبہ داخلہ لیا کرتے ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ڈگری یافتہ ہونا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ڈگری ملازمتوں کی کنجی ہے۔ اس لئے اگر ملازمتوں کو ڈگریوں سے بے تعلق کر دیا جائے تو اس سے طلباء کی یونیورسٹی اور کالج کی طرف دوڑ اور ہجوم میں کمی آجائے گی۔ جب طلباء کا اس طرح سے ہجوم گھٹ جائے گا تو درس گاہوں کی بہتات بھی موقوف ہو جائیگی قلت زدہ وسائل باقی ماندہ درس گاہوں کے لئے استعمال کی جاسکیں گی اور اعلیٰ تعلیم کی خوبیوں میں اضافہ ہوگا۔ بعض اوقات یہی تجویز ہر مرض کی دوا کے طور پر اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں پیش کی جاتی ہے۔ اس لئے تجویز مذکور کے حسن و قبیح پر غور کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

۶۴ :- وہ دستاویز جس کا عنوان ہے۔ "تعلیم کا چیلنج، .... پالیسی پر مقابلے کے انداز میں ایک نظر"! ملازمتوں کو ڈگریوں سے بے تعلق کئے جانے کا کوئی ذکر نہیں کرتی۔ اس کے پیراگراف ۴/۸۴ میں ہے:

"اگر ڈگریوں کو ملازمتوں سے بے تعلق کر دیا گیا تو بڑی حد تک انڈر گریجویٹوں کے مسلسل دباؤ سے راحت مل جائے گی۔

"اگر ٹریننگ کے لئے معقول یقین دہانی کے ساتھ گنجائش نکالی جاسکیں کہ بڑے پیمانے پر ملازمتیں مل سکیں گی لیکن یہ یقین دہانی ملازمت دینے والوں کے اشتراک عمل سے ہونی چاہیئے"!

دستاویز ایک اور مقام رقم پرداز ہے کہ.... ملازمتوں اور ڈگریوں کو ایک دوسرے سے بے تعلق کرنے کا سلسلہ پیش آچکا ہے۔ کیونکہ پرائیویٹ سیکٹر کے بہت سے ملازمت دہندہ طالب علموں کی حاصل کردہ ڈگریوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس بات کو نوٹ کر لینا چاہیئے کہ ملازمتوں اور ڈگریوں کو ایک دوسرے سے بے تعلق کرنے کے معاملے کو ایک مثبت تجویز کے روپ میں جانچا جانا چاہیئے۔

۶۵ :- جب یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ ملازمتوں کو ڈگریوں سے بے تعلق کیا جانا چاہیئے تو یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کی مانگ، ملازمتوں کے لئے مانگ کا بالراست نتیجہ ہے اور اگر ڈگری اور ملازمت کے درمیانی تعلق کو توڑ دیا جائے تو اعلیٰ تعلیم کے لئے مانگ، خود بخود ختم ہو جائے گی۔

۶۶ :- غالباً یہ فرض کر لینا صحیح نہیں ہوگا کہ اعلیٰ تعلیم کے لئے مانگ کلیتاً ملازمتوں کے لئے مانگ کا کام ہے۔ اول یہ کہ اعلیٰ تعلیم کی مانگ بھی سماجی وابستگی رکھتی ہے۔ روایتی طور پر، اعلیٰ تعلیم کو پسندیدہ اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ اس میں سماجی اچھائی ہے۔ جس حد تک تعلیم

تری سنج

سماجی طور پر پسندیدہ ہے ۔ اعلیٰ تعلیم بھی سوسائٹی میں ایک فرد کی پوزیشن یا مرتبے کو بڑھانے کا آلہ بن جاتی ہے دوسرے الفاظ میں، اعلیٰ تعلیم بلندی کی طرف لے جانے کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے ۔ اگر ایک بار اسے تسلیم کر لیا جائے کہ یہ امر واقعہ ہے تو کوئی بھی تجویز جس میں اعلیٰ تعلیم کی دستیابی کو گھٹانے کی تاثیر ہوگی یقیناً غیر انصاف پسندانہ شمار کی جائے گی ۔ ہندوستان جیسے ملک میں، جو ماضی میں ہر قسم کے غیر انصاف پسندیاں برداشت کر چکا ہے ۔ مثلاً سماجی اقتصادی علاقائی وغیرہ ، اس بات پر توجہ دینا اشد ضروری ہے کہ فائدوں سے محروم سیکشنوں کو اعلیٰ تعلیم پانے کے مواقع سے محروم نہ رکھا جائے ۔

ع۷ :- اعلیٰ تعلیم بالخصوص غیر پیشہ ورانہ تعلیم کو بھی بعض قدروں کے دلنشین بنانے کا ایک ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے ۔ ایک وسیلہ جس سے دانشمندی اور دماغی قابلیتیں بڑھانے کا کام لیا جا سکے اور تنقیدی نظریہ کو تیز تر کیا جا سکے ، اور بالعموم اسے اپنے تصورات کے مطابق روشن خیالی کا ذریعہ یا غلط خیالی سے نجات کا طریقہ سمجھا جا سکے ۔ بالکل خالص پیشہ ورانہ تعلیم کے اس اہم رول سے انکار کے مترادف ہوگا ۔

ع۸ :- تیسرے یہ کہ اعلیٰ تعلیم بھی ایک ایسا سیکٹر ہے جہاں تحقیق جاری رہتی ہے ، اور نئی تعلیمات دی جاتی رہتی ہیں ۔ یہ خاصیت اس حقیقت کے ساتھ مربوط رہتی ہے کہ تعلیمی سیکٹر خود اپنی طور پر ملازمت مہیا کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے ۔ ہندوستان میں کالجوں اور یونیورسیٹیوں کی تعداد میں آزادی کے بعد سے کافی حد تک اضافہ ہوا ہے ۔ جس کی وجہ طالبعلموں درس گاہوں کی تعداد کا بڑھنا ہے ۔ لہٰذا کم از کم اعلیٰ تعلیم کے میدان میں ڈگری کا حصول ، ملازمت کے حصول کے لئے کمترین قابلیت کا درجہ قرار دیا جانا چاہیئے ۔ اس لئے اس میدان میں ملازمتوں کو ڈگریوں سے الگ یا بے تعلق نہیں کیا جا سکتا ۔

ع۹ :- اس طرح یہ بات دیکھی جا سکتی ہے کہ اعلیٰ تعلیم کی مانگ بہت سی ڈوریوں کی بٹی ہوئی رسی کی طرح ہے اور ملازمتوں کو ڈگریوں سے الگ کر دینا، اعلیٰ تعلیم کی کوتاہیوں کے لئے اکسیری علاج نہیں سمجھا جا سکتا ۔ یہ بات، دستاویز کے اس حوالے سے بھی واضح ہوتی ہے کہ جو پہلے پیش کیا جا چکا ہے ۔ دستاویز کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ ملازمتوں کو ڈگریوں سے علیحدہ کر دینا دو پیشگی لوازمات کا متقاضی ہے ۔

- ٹریننگ ۔ کے مواقع فراہم کرنا ۔
- ملازمت کا یقین دلانا ۔

ع۱۰ :- بایں ہمہ ہندوستان جیسے وسیع ملک میں، جس میں متعدد ریاستوں کا وجود ہے ۔ جو تعلیم کے میدان میں کچھ اختیارات رکھتے ہیں ۔ ملازمتوں کے لئے مختلف یونیورسیٹیوں کی عطا کردہ ڈگریوں کے باہم مقابلہ کرنے کا سوال ، خود ایک مسئلہ بن جاتا ہے ۔ اسکول کی سطح پر اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش امریکہ میں بھی کی گئی تھی ، وہاں اس کا یہ حل تجویز کیا تھا کہ اسکولی لیاقت کا امتحان (سکولی ایپٹیٹیوڈ ٹیسٹ ۔ ایس اے ٹی) لیا جایا کرے ۔

اس قسم کے قومی امتحانات کا ہندوستان میں لیا جانا بہتر ہوگا ۔ تاکہ ان طالب علموں کی لیاقت ، جو مختلف یونیورسیٹیوں سے امتحانات پاس کر کے نکلتے ہیں ، ایک یکساں بنیاد پر آزمائی جا سکے ۔ اس نقطۂ نظر سے ایک " قومی میرٹ اگزامینیشن " رکھنے کی تجویز رکھی گئی ہے ۔ جس میں ڈگریاں ملازمتوں کے ساتھ جوڑی ہوئی ہوں گی ۔ یو ۔ جی ۔ سی نے ایک " قومی ٹیسٹ برائے ریسرچ فیلوشپ " یو ۔ سی ۔ جی سے نوازنے کے لئے ابتدا بھی کر دی ہے ۔ دوسرے کئی اداروں نے بھی پیشہ ورانہ کورس کے لئے اپنے یہاں داخلے کے امتحانات اپنے طور پر رکھے ہیں ۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایک قومی اسکیم برائے میرٹ ٹیسٹنگ ریاستوں کے باہمی ربط کے ساتھ رکھی جائے ۔

ع۱۱ :- جس طرح پیشہ ورانہ کورسیز کے لئے امتحانات لینے کے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی امتحانات کے انعقاد کی

(باقی صفحہ نمبر ۲ پر)

ڈاکٹر سریش گرسولے

۲۱ اکیسویں صدی میں درسی کتب

یکم مئی سنہ ۱۹۶۰ء کو مہاراشٹر کے قیام کے بعد یہاں کے لوگ آزادانہ طور پر مختلف میدانوں میں ترقی کی راہیں تلاش کرنے لگے جس طرح شیواجی مہاراج نے آزاد مراٹھا حکومت کی راہیں ہموار کی تھیں اور ان راہوں سے سب کو روشناس کروایا۔ وہی راہیں بعد میں ترقی کی راہیں کشادہ ہوتی رہیں۔ ان سے ترقی کی راہیں ہموار ہوئیں بعد کی نسل نے ان کا احسان مانا۔ اسی طرح بیسویں صدی میں مہاراشٹر کی ترقی کی بنیاد یکم مئی سنہ ۱۹۶۰ء کو رکھی گئی تھی۔ اناج کے لئے کھیتی، پینے کے لئے پانی۔ پہننے کے لئے کپڑا اور رہنے کے لئے گھر جیسے بنیادی اور اہم ترین شعبہ جات کی طرف سب سے پہلے توجہ کا مرکوز ہونا فطری امر تھا۔ طفلِ مہاراشٹر رینگنے کھیلنے لگا۔ دوڑنے بھاگنے لگا اور پھر چھ سال کی عمر میں یعنی اسکول جانے کی عمر میں ۲۷ جنوری سنہ ۱۹۶۷ء میں اس کے لئے پُراثر مگر سیدھی سادی، سہل اور سستی درسی کتب تیار کرنے کا کام شروع ہوا۔

"بال بھارتی" پہلی کتاب رنگ برنگی تصویروں، گیتوں اور کہانیوں سے سج دھج کر کم سن مہاراشٹر کے سامنے پہنچی اور یہ کتاب اس قدر پسند کی گئی کہ بچے، درسی کتاب اور اسکول ایک دوسرے سے ہل مِل گئے۔ ریاست کی دیگر زبانوں مثلاً ہندی، گجراتی اردو، کنڑ، سندھی اور انگریزی میں بھی کتابیں تیار ہونے لگیں۔ کامیابیاں قدم چومنے لگیں، مزید امیدیں ان کتب سے وابستہ ہوگئیں اور یکے بعد دیگرے جغرافیہ، تاریخ، سائنس، ریاضی مضامین کی درسی کتب بھی تیار ہوئیں طلبہ کی عمر کے لحاظ سے ان کے معیار کے مطابق نصاب تعلیم تیار ہونے لگا اور درسی کتب مرتب ہونے لگیں یہ کام مشکل ترین، عظیم محنت اور مہارت طلب ہے۔ نصابی کتب کے ذریعے کم سن، حساس ذہن اور نازک دل بچوں میں سے حساس، ذمہ دار اور قابل شہری پیدا کرنا یہ اہم ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے تعلیمی میدان میں بالخصوص درسی کتب کی اشاعت کے سلسلے میں یہ قدم اٹھایا گیا۔ یہ صرف ماہرِ تعلیم، استاد، ادیب، شاعر، مدیر، مرتب، مصور، طابع و عوامی نمائندے میں سے کسی ایک فرد کا کام نہیں بلکہ ان سب کے اشتراک و تعاون سے درسی کتب آراستہ ہونے لگیں، ان سب کی امیدیں روایات، جذبات، تجربات کو یکجا کرنا ذمہ داری کا کام ہے۔ ان تمام باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر درسی کتب وجود میں آنے لگیں۔ اس کے لئے سائنس و آرٹ کے حسین سنگم کا کام حکومت نے اپنے ادارے "مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و ابھیاس کرم سنشودھن منڈل" کو سونپ دیا۔

گذشتہ سترہ برسوں میں "بال بھارتی" نے ابتدائی تعلیم کے میدان میں نئی نسل کو سنوارنے کا اہم کام پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دیا ہے اور اسی لئے ملک گیر سطح پر یہ ادارہ اہم اور اعلیٰ درجے کا حامل ہے۔ بال بھارتی کا حلقۂ کار دن بدن وسیع ہوتا جارہا ہے کیونکہ شعبۂ تعلیم میں نئے نئے خیالات جنم لے رہے ہیں



"بال بھارتی" کا
مطالعہ کرتے ہوئے
سابق گورنر مہاراشٹر
ائیر چیف مارشل
آئی. ایچ. لطیف
اور
بیگم لطیف

ان خیالات کی نشو ونما اور ان پر عمل درآمد کے سلسلے میں درسی کتب عام طلبہ اساتذہ اور سرپرستوں کے لئے ایک بہترین اور اہم تعلیمی ذریعہ بن گئی ہیں اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سات زبانوں میں پہلی سے ساتویں جماعتوں کے لئے تقریباً آٹھ سو درسی کتب و دیگر قابلِ مطالعہ ادبی کتب گذشتہ سترہ سالوں میں تیار کرنے کا اہم فریضہ ادارے نے انجام دیا ہے۔ علاوہ ازیں تمام درسی کتب پہلے مراٹھی زبان میں تیار کرنے اور اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی کامیاب کوشش بھی قابلِ افتخار ہے۔

کسی بھی مضمون کی درسی کتاب پہلے علاقائی زبان، سہل، مستند، پُر اثر، سائنٹفک لوازمات سے آراستہ، زبان مراٹھی میں تیار کی جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مروجہ زبان، دیہی زبان اور بولیوں کی پہچان بھی درسی کتب کے ہی ذریعہ بچوں کو ہوتی ہے۔ کھائی، وادی، پہاڑ، ندی، نالوں کا جغرافیہ۔ قلعوں، کارناموں، حاکم اور حکومت کی تاریخ، ترقی، تجربات اور علم کی طاقت کی شناخت کرنے والی سائنس، تجارتی ذہانت اور حساب کی باریکیاں سکھانے والی ریاضی، ان تمام مضامین سے طلبہ کو روشناس و متعارف کرانے کے لئے رنگین تصاویر، جاذب نظر اشکال، نقشے اور سرورق سے آراستہ مختلف النوع درسی کتب نمودار ہوئیں نیز کھیلوں، گیتوں نصیحتوں اور کہانیوں کی زائد از نصاب کتب بھی برائے مطالعہ ترتیب دی گئیں۔ بچے کا دل ان کتب کا گرویدہ ہو گیا — اور پاٹھیہ پستک منڈل بھی بچوں کی دنیا میں محو ہو گیا۔

نت نئے خیالات کو عملی جامہ پہناتے وقت نظموں کے گیت بنے اور گیتوں کو موسیقی مل گئی اور یہ گیت بچوں کے لبوں پر رقصاں ہو گئے "بولتی بال بھارتی" کے کیسیٹ کو کامیابی سے دوچار کرنے کیلئے مراٹھی کے نامور مصنف، شاعر اور سنگیت کاروں نے اپنی آواز، الفاظ، سُر، دیئے اور یہ بولتی درسی کتاب ہی بن گئی۔

ہر ماہ بچوں سے ملاقات کرنے والا ماہنامہ "کِشور" کہانیوں، گیتوں، تصویروں اور دلچسپیوں کا خزانہ ہے اور ان دلچسپیوں کو لوٹنے کے لئے بچے بوڑھے سب ہی کمربستہ رہتے ہیں۔ یہ کارنامہ بھی ادارۂ ہٰذا کے لئے باعثِ فخر ہے کیونکہ تعلیمی میدان میں بالراست یہ کارنامہ کچھ کر گذر جائے گا۔

تدریس کے میدان میں اساتذہ کی اعانت کے لئے پروفیسرس اور ماہرینِ تعلیمات تحقیق کر رہے ہیں۔ ان کو آگے بڑھانے اور ان پر عمل کرنے کا کام بھی اسی قدر اہم ہے کیونکہ

ان سے حاصل ہونے والے فوائد، تجربات، معلومات، درسی کتب کی تیاری و ترتیب میں مشعلِ راہ ہوں گے۔ اس تحقیقی کام کا آغاز ہوا، تحریک ہوئی اور درسی کتب کو آخری شکل دینے سے قبل مقاصد کی کسوٹی پر پرکھنے کے لئے کئی لوگوں نے اشتراک کیا۔

لاکھوں کی تعداد میں شائع ہونے والی درسی کتب کو مقصدیت کی کسوٹی پر پرکھ کر معیاری اور سستی بنانے رکھنا نہایت اہم کام ہے تعداد میں اضافے کے ساتھ ہی افادیت میں اضافہ پر توجہ رکھتے ہوئے "نہ نفع نہ نقصان" کے اصول پر اغلاط سے پاک نئی و جدید طرز کی درسی کتب طلباء تک وقت پر پہنچانا جیسے تمام مقاصد سینے سے لگاتے ہوئے ادارے کے تمام ذمہ داران اپنے حلقۂ کار سے باہر نکل کر بھی کام کرتے ہیں۔ اسی لئے سستی بیاضوں کی تقسیم کا ریاست گیر پروجیکٹ "آزادی کی کہانی" یہ تاریخی کتاب "تحریک آزادی کے گیت" "آدرش بال بھارتی کوش" جیسے اہم ترین پروجیکٹ کو عملی شکل دی جارہی ہے۔ علاوہ ازیں ریاستی درسی کتب بک ڈپو بھی کامیابی سے ہمکنار ہے۔ اس کے پس منظر میں بچوں کی زندگی سنوارنے والی درسی کتب کی ترتیب و تیاری میں مصروف، حصولِ مقصد کے دلوانے لاتعداد لوگ ادارہ کو عظیم تر بناتے ہیں، ایسے عظیم ادارے ریاست کا نام ملک میں اور ملک کا نام دنیا بھر میں روشن کرتے ہیں۔

اکیسویں صدی کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے اپنے ترقی پذیر ملک میں نئی تعلیمی پالیسی پر عمل درآمد نہایت ضروری ہے۔ نئے نئے خیالات، درسی کتب، دیگر ادب کیسٹ، ٹیپ ریکارڈر، کمپیوٹر، ٹی۔ وی کا استعمال بڑھتا جائے گا اور کاغذ کے بجائے پلاسٹک پر چھپے ہوئے نقشہ جات، رنگین تصاویر، کیسٹ، فلم، تعلیمی فلم، کمپیوٹر کے کھیل اور کمپیوٹر معلم نمودار ہونے کے آثار نمایاں ہیں لیکن ان حالات میں بھی طلبہ، اساتذہ، بچوں، ہم اور آپ کو قریب لانے کا بہترین ذریعہ بلاشبہ درسی کتب ہی ہیں ہاں! ان کی ظاہری شکل و صورت میں تبدیلی ہوگی۔ اندر کا ڈھانچہ وہی رہے گا اور بچوں کی زندگی سنوارنے نیز ملک و قوم کا مستقبل روشن کرنے کے مقاصد بھی وہی رہیں گے

آنے والے کل کی ہمہ گیر زندگی کی بنیاد رکھی جاتی گی۔۔۔ اکیسویں صدی میں اس نظریے کے تحت ترقی کے لئے اقدامات کئے جائیں گے۔ آج ہمارے ترقی پذیر ملک کے لئے واحد تعلیمی ذریعہ درسی کتب ہیں لیکن کل مختلف ذرائع کی اس میں شمولیت ہوگی۔ ٹی۔ وی اور ویڈیو کی طرح گھر بیٹھے اور دل چاہے جب تعلیم حاصل کی جا سکے گی۔ یہ تعلیم اپنی مرضی و منشا کے مطابق رہے گی لہٰذا دیرپا نقش ثبت کرے گی۔ سائنس کی راہ ترقی کی راہ ہے اور ترقی کی راہ کبھی ختم نہیں ہوتی ہے اور ہمارے لئے یہ بات باعثِ فخر و انبساط ہے کہ آج ہم اسی راہ پر کھڑے ہیں۔

(ترجمہ: غنی فاروقی)



بال موہن، بالیہ منڈل، ادارہ، بمبئی میں کمپیوٹر ٹریننگ سینٹر کا افتتاح کرتے ہوئے شری بھالچندر دیشمکھ، چیف سیکریٹری۔

کتابوں کے طرز پر زندگی کو ڈھالئے

گیانیشور نے "گیانیشوری" میں نصیحت کی ہے کہ "کتابوں کی طرز پر زندگی کو ڈھالئے" اور اسی قول کی مناسبت سے "بال بھارتی" کو کتابوں کے طرز پر طرز زندگی کو ڈھالنے والا مہاراشٹر کا واحد ادارہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ بال بھارتی کا تعارف مہاراشٹر کے دیہاتوں اور شہروں کے بچوں، استادوں اور سرپرستوں اور عام شہریوں کو درسی کتب کی صورت میں ۱۹۶۷ء سے ہوا ہے۔ کوٹھاری کمیشن کی سفارشات کے مطابق درسی کتب کو تیار کیا گیا تب مہاراشٹر میں "مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پُستک نرمتی و ابھیاس کرم سنشودھن منڈل" نامی ادارہ ۱۹۶۷ء میں حکومت نے پونے میں قائم کیا۔ دیہاتوں، غریب لوگوں اور پسماندہ علاقہ جات کے طلبہ کو کم سے کم قیمت میں لیکن پُرکشش طباعت سے آراستہ معیاری کتب کس طرح فراہم کی جائیں؟ اس پہلو پر ادارہ غور وخوض کرنے لگا۔

اس ادارے کا نام "مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و ابھیاس کرم سنشودھن منڈل" ہے۔ لیکن اس کا "بال بھارتی" نام طلبہ اور عام لوگوں میں شہرت رکھتا ہے۔ پہلی جماعت کی پہلی کتاب "بال بھارتی" ہے۔ اس لئے "بال بھارتی" زبان زد خاص وعام ہے۔

آنند آشرم میں شیواجی، تاج محل میں سرہنچ، اسی طرح بال بھارتی میں "پاٹل" کا ہونا تعجب خیز بات ہے کیونکہ پاٹل کی سرگرمیوں اور نمائندگی کی جگہ دیہات یا اسمبلی کی میٹنگ ہے۔ لیکن ہمارے شنکر پاٹل کا دل تقصے کہانیوں اور مضامین کیطرح "بال بھارتی" میں کسطرح سمو گیا۔ اس بات پر رہ رہ کر حیرت ہوتی ہے۔ ان کا اس طرح ہل مل جانا کئی ایک افراد کے سامنے مجسمہ سوال بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

دراصل ان کے ادبی ذوق میں ادب اطفال اور درسی کتب کی ترتیب وتزئین کی صلاحیتوں کے گوشے نہاں ہی تھے اور جب یہ گوشے روشن ہوئے تو ادب اطفال، علوم انسانی، طلباء کی زبان دانی کی قوت اور سہل انداز بیان وتحریر ان تمام پر پاٹل کا دیہی قدردل سے بھرا ہوا دل ہمدردانہ انداز میں سوچنے لگا۔ زیادہ تر دیہی طلباء کو ان کی مرتبہ مراٹھی کی درسی کتب کہانیوں کی کتابوں سے بھی زیادہ فرحت بخش اور پرکشش محسوس ہوئیں۔ ان میں شامل تصاویر، پرکشش رنگ، زبان اور اعلیٰ مقاصد نے بچوں کے دلوں کو موہ لیا اور اس کامیابی کا سہرہ شنکر پاٹل کے سر جاتا ہے۔ گ۔ د۔ ماڈگلکر، ن۔ گ۔ گورے، پ۔ ل۔ دیش پانڈے، منگیش پاڈگاؤنکر جیسے مراٹھی کے نامور مصنفین وشعراء نے درسی کتب کے لئے اپنی نگارشات پیش کیں۔

جدوجہد کرنے والے اساتذہ کے تجربات کو یکجا کرکے ان کی آپ بیتی کی اشاعت کے سلسلے کا آغاز "دادا صاحب ریگے" کی آپ بیتی "میری زندگی میرے بچے" سے ہوا ہے۔ بھارت کی منظور شدہ زبانوں کے زمرے میں یہ ادارہ اولیت کا درجہ رکھتا ہے۔ حال ہی میں رتناگیری کی رادھا بائی شیوڈے کی آپ بیتی اس ضمن میں شائع ہوئی ہے۔

پاٹھیہ پُستک منڈل ایک نظر میں

سال	کتب	شائع شدہ جلدوں کی تعداد
۸۳ - ۱۹۸۲ء	۴۵۲	۴۰۲۷۵۵۰۰
۸۴ - ۱۹۸۳ء	۴۶۷	۴۴۹۹۴۰۰
۸۵ - ۱۹۸۴ء	۴۰۳	۴۰۸۸۱۸۰۰
۸۶ - ۱۹۸۵ء	۴۶۴	۴۷۰۳۱۵۰۰

کتابوں اور بیاضوں کے سالانہ کاروبار تقریباً ۱۸ کروڑ روپے ہے۔

نوی راج



نصابی کتابوں کی نمائش کے افتتاح کے وقت بین الاقوامی جغرافیائی تعلیمی کمیشن کے صدر ڈاکٹر جوسے اسٹولٹمن اور مسز اسٹولٹمن ۔

منڈل کی کارکردگی ایک نظر میں

۱۔ حکومت سے منظور شدہ نصاب پر مبنی درجہ اوّل تا ہفتم کتب ۴۶۴

۲۔ آٹھویں سے بارہویں جماعت کی کتب ۳۲۹

۳۔ رعایتی داموں کی بیاضوں کی براہِ راست اسکولوں کو فراہمی ۔ تقریباً قیمت ۳٫۶۵ کروڑ

۴۔ بیس نکاتی پروگرام میں اشتراک سترہویں نکتہ پر عمل درآمد

۵۔ پونے بمبئی، ناگپور اور اورنگ آباد میں درسی کتب کی تقسیم کے لئے بک اسٹال ۔

۶۔ ہر سال تقریباً ۴٫۵۰ کروڑ کتابوں (جلدوں) کی اشاعت ۔

۷۔ دیہی علاقوں کے لئے فروخت کے گشتی مراکز

۸۔ بک ڈپو اسکیم پر عمل درآمد ۔

۹۔ مہاراشٹر گیر سطح پر ماہرینِ طباعت سے طباعت کے لئے اعانت حاصل کی جاتی ہے ۔

۱۰۔ پوری ریاست میں کتابوں کی فروخت کیلئے رجسٹرڈ بک سیلر ۔

۱۱۔ پاٹھیہ پُستک منڈل کی خود اعتمادی اور خود کفالت ۔

۱۲۔ شعبۂ تعلیم میں قابلِ ذکر تحریر، ترتیب اور مہارت ۔

۱۳۔ شعبۂ پیداوار کی خوبیوں کی ریاست گیر سطح پر منظوری و ستائش ۔

۱۴۔ تقسیم، انتظام اور شعبۂ مالیات کے بڑھتے ہوئے کاروبار کو سنبھالنے کی اہلیت رکھنے والے ملازمین ۔

۱۵۔ "نہ نفع نہ نقصان" کے اصول پر مبنی رعایتی داموں والی درسی کتب ۔

۱۶۔ معیاری لیکن سستی کتب کی اشاعت ۔

(ترجمہ: غنی غازی)

ڈاکٹر ایم ۔ دوبے
ڈائریکٹر برائے ہائر ایجوکیشن

انڈر گریجویٹ کورسیز کی ازسرِ نو تشکیل

موجودہ اولین ڈگری کورسوں پر زیادہ تر اس وجہ سے تنقید کی جاتی ہے کہ یہ "کتابی تعلیم" پر زیادہ زور دیتے ہیں، اور سماجی اور قومی ضروریات سے ان کا رشتہ بہت کم ہوا کرتا ہے۔ طلباء ان مسائل سے اکثر ناواقف ہوتے ہیں جن سے "کام کی دنیا" میں ان کو واسطہ پڑنے والا ہے یا اس طرزِ خیال اور طور طریقے سے آگاہ نہیں ہوتے جن سے انہیں آئندہ حالاتِ زندگی میں سابقہ پڑے گا۔ تعلیم کا موجودہ نظام اکثر انہیں عوام سے بے تعلق سا کر دیتا ہے اور ایک ایسا غلط قدر و قیمت کے لگانے کا رجحان پیدا کر دیتا ہے جو تیزی کے ساتھ بدلتی ہوئی اور ترقی پزیر سوسائٹی کے لئے مددگار ثابت نہیں ہوتا۔ کورسوں کی ازسرِ نو تشکیل دینے کا مقصد یہ ہے کہ ان حالات کو بدلنے کے لئے ایک اہم معالجاتی پروگرام مہیا کیا جائے۔

۲۔ ۱۹۷۷ء میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی جانب سے اختیار کردہ پالیسی کا وہ ڈھانچہ جس کا تعلق "ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کی نشوونما" سے ہے، اس طرح مرقوم تھا: اعلیٰ تعلیم کی اصلاح کا ایک بڑا پروگرام یہ ہے کہ انڈر گریجویٹ کے مرحلے میں کے کورسوں کی ازسرِ نو تشکیل کی جاتے تاکہ وہ نہ صرف طلباء کے لئے بلکہ پوری قوم کے لئے زیادہ مفید مطلب اور بامعنی ثابت ہو سکیں اور سماجی انقلاب اور قومی ترقی میں مدد بھی دے سکیں۔

یہ بات بے حد ضروری ہے کہ ہر انڈر گریجویٹ طالبِ علم کو چار اہم امور کی بنیادی تعلیم لازمی طور پر دی جائے۔

(i) بنیادی کورسیز کے ایک مجموعے کی تعلیم جن کا مقصد یہ ہو کہ طالبِ علم کو تاریخِ ہند اور ثقافت، ہندوستان کی جنگِ آزادی کی اور دنیا کے دوسرے حصوں کی تاریخ، بھارت کی سماجی اور معاشی زندگی و حالات کی معلومات اور گاندھیائی نظریات و خیالات سے واقفیت حاصل ہو۔

(ii) چند ایسے اہم نصابات کی تعلیم جو طلباء کو موٹی موٹی باتوں سے آگاہی حاصل کرنے کے مواقع فراہم کریں گے اور ان کے ساتھ بعض چیدہ ضوابط کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ بھی (جو ایک ہوں یا زیادہ) شامل ہو۔

(iii) بعض متعلقہ (ایپلائیڈ) مطالعات جن کا تعلق

کورس یا نصاب کے پروجیکٹوں / میدانی سرگرمیوں سے ہو جو نصاب کی اصل سرگرمی کی شکل میں ہوں گے اور جو آخری سال میں انجام دیئے جائیں گے ــــ اور

(iv) کسی پروگرام میں مشغولیت وانہماک جو قومی نوعیت کے ہوں یا سماجی خدمت سے تعلق رکھتے ہوں اور جن کی تعلیم ابتدائی دو سال میں دی جائے۔

۳۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے، اپنے نظرثانی کردہ رہنمایانہ خطوط میں، جو تعلیمی ڈھانچے کی نئے سرے سے تشکیل و ترتیب سے تعلق رکھتے ہیں اور جس کی اشاعت ۱۹۸۳ء میں ہوئی تھی نیچے مذکور نئے نکتے / خاص اغراض پیش کئے ہیں :۔

(i) مفید مطلب ہونے یا لچکدار ہونے کے عام اصولوں کے تحت اس بات کی فوری ضرورت ہے کہ اکاڈیمک کورسیز کے مشتملات کو اولین ڈگری کی سطح پر ایسے موزوں ایپلائیڈ مشتملات کے ساتھ جوڑ دیا جائے جن کا اصل مسئلہ سے تعلق ہو اور جو بالراست تعلق اور رشتہ مقامی / علاقائی ضروریات اور عملی تجربے سے رکھتے ہوں تاکہ آرٹس، سماجی سائنسیز اور سائنس کے کورسیز، اولین ڈگری کی سطح پر مقامی ماحول سے اور مقامی طبقے کی ترقیاتی ضروریات سے متعلق ہو جائیں اور انہیں، کام / میدان / عملی تجربہ اور پیداوار کے ساتھ جوڑا جا سکے۔ اس کے نتیجے میں ڈگری کی سطح پر موٹی موٹی بنیادوں کے ساتھ کورسوں کے دوبارہ تشکیل دینے کی اور کافی حد تک مکمل کرنے کی ضرورت ہوگی تاکہ انہیں ایک عملی اور دیہی ماحول کے ساتھ قابلِ عمل بنایا جا سکے۔

(ii) کورسوں کو از سرِ نو تشکیل کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ کورسوں کی پھر سے صحیح اور واضح سمت ان مضامین کے سلسلے میں متعین کر دی جائے جو علاقائی / قومی ضروریات کے حسبِ حال ہوں اور ساتھ ہی بعض ایسے متعلق ایپلائیڈ ضابطوں / مضامین کے سلسلے کی ابتدا بھی کر دی جائے جن کا تعلق بنیادی مضامین یا مجوزہ مضامین سے ہو۔ اکیڈمک مضامین پر مشتمل کورس لازمی طور پر دیہی رہے گا تاکہ ان کورسیز کے پڑھنے والے طلبا۔ پوسٹ گریجویٹ تعلیم کی طرف رخ کرنے کے قابل رہیں۔ اگرچہ ان کی سمت کا تعین ممکن ہے کہ ڈسپلن (ضابطہ) مذکور کے موزوں حالات کے ساتھ چسپاں کرنے کے علم کے بارے میں مختلف ہو۔

(iii) ایپلائیڈ نوعیت کے جن نئے کورسیز کو شروع کرنے کا خیال ہے۔ ان کے بارے میں یہ لازمی نہیں ہے کہ پیشہ ورانہ اور / یا ملازمت سے وابستہ کورسیز ہوں۔ البتہ ان میں موزوں مہارت اور لیاقت کی نشوونما کا عنصر ضرور ہونا چاہیئے۔ کورسیز کی تشکیل نو میں یہ خیال جاگزیں ہے کہ انہیں مقامی ضروریات کے ساتھ سازگار بنایا جاتے اور سائنس اور آرٹس گریجویٹوں کے ان میں ملازم ہو جانے کے حدود و امکانات کو بڑھایا جائے۔ موجودہ کورسوں کو پھر سے اس طرح سے نئی سمتیں دی جائیں کہ طلبا۔ کتابی علم کو میدانی مسئلوں کے سلسلے میں، میدانی عمل کی وساطت سے پروجیکٹوں پر کام کے ذریعے اور توسیع وغیرہ کو عمل میں لاکر استعمال کر سکیں تاکہ وہ ضابطہ مذکور کے ایک حصے کے بطور شمار کیا جا سکے۔ دوسرے الفاظ میں موجودہ روایتی کورسیز کا تعلق ٹھوس مسئلوں سے ہونا چاہیئے اور اس کا رجحان علاقائی نشوونما کے ساتھ ہو۔

یہ اغراض کافی وسیع بنیاد رکھتے ہیں اور ایپلائیڈ اور پیشہ ورانہ مضامین کے شامل کئے جانے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں نیز نصاب میں توسیعی سرگرمیوں کا اضافہ کرتے ہیں۔

۴۔ نئے تشکیل کردہ نصابات ریاست کی یونیورسٹیوں میں جاری ہو چکے ہیں۔ بمبئی یونیورسٹی وہ پہلی یونیورسٹی واقع ہوئی ہے جس کے بنیادی کورسیز اور ایپلائیڈ کورسس کی ابتدا کرنے کا سہرا ایس۔ این۔ ڈی۔ ٹی میں دو کالجوں نے نیز مراٹھواڑہ یونیورسٹی اور شیواجی یونیورسٹی نے بھی گذشتہ چند برسوں سے تعلیم کی تشکیل نو شروع کر دی ہے۔ پونے یونیورسٹی نے اس پروگرام کی ابتداء ۱۹۸۳ء سے رہنمایانہ بنیاد پر سات منتخبہ کالجوں میں کر لی ہے اور ناگپور یونیورسٹی نے اس کام کا آغاز ۱۹۸۴ء سے کیا ہے۔ ایک یونیورسٹی کے تشکیل کے نمونے دوسری یونیورسٹی سے مختلف ہیں۔

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے بھی ماضی قریب میں بعض چیدہ کالجوں کو مالی مدد دی ہے۔ ایک یونیورسٹی کو لیکچروں، نصابات کے

سازوسامان کی تیاری، پڑھانے میں مدد دینے والی چیزوں وغیرہ کے واضح اسباب سازی کے لئے مالی مدد بھی دی گئی ہے۔ کیونکہ یونیورسٹی اور کالج کی کچھ تشکیلِ نو کے سلسلے میں ان اسباب کی ضرورت پیش آیا کرے گی۔

۵۔ وہ دستاویز جس کو "تعلیم کا چیلنج ۔ ایک پالیسی کا ظاہری تناسب" اب اس معاملے پر زور دے رہا ہے اور بتلاتا ہے کہ یہ اشد ضروری ہے کہ اس نئے تشکیل کردہ کورس کی پلاننگ کر کے اسے آرٹس، ادبیات اور سائنس میں جاری کر دیا جائے اور سوسائٹی کے ساتھ عموماً اور کام کی دنیا کے ساتھ خصوصاً اس کو مضبوطی کے ساتھ مربوط رکھا جائے۔ انڈر گریجویٹ کے پروگراموں کی دوبارہ تنظیم، متناسب تبدیلی کے نمونے پر کی جائے جس میں ایک طالب علم کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ ان متعلقہ کورسوں کو اصولی علم، زبان، توصیلات، مہارت، ثقافت، اسپورٹس اور پیشہ ورانہ نوعیت کے پروگرام کے ساتھ جوڑ سکے۔

۶۔ اس تجویز کو یکساں طور پر عملی جامہ پہنانے کیلئے متفقہ کوشش ضروری ہے۔ نظر ثانی کردہ رہنمایانہ خطوط کے اغراض کا بنیادی طور پر تقاضہ ہے کہ مختلف اجزاء ترکیبی کو یکجا کیا جائے۔ جیسے (۱) بنیادی کورسیز (۲) قلبی کورسیز (۳) ایپلائیڈ کورسیز (۴) پیشہ ورانہ کورسیز (۵) شخصیت کی نشوونما اور قومی خدمت کو واضح سمت دینے والے کورسیز اور پروجیکٹ کے کام اور کام کے تجربے وغیرہ۔ اس نوع کے پروگراموں کا اختیار کرنا ہوسکتا ہے کہ مختلف سطحوں پر انتظامی ڈھانچوں کی تشکیل پر توجہ دینے کا احساس دلائے تاکہ پروگرام پر بحسن وخوبی عمل درآمد ہو اور اس پر مالی خرچ بھی کرنا پڑے۔

۷۔ ریاستی حکومت نے اس سمت کاروائی کا آغاز کردیا ہے اور ایک ریاستی لیول کمیٹی بنائی ہے تاکہ انڈر گریجویٹ کورسیز کی تشکیل کا عام پروگرام عمل میں لایا جائے۔ کمیٹی کی رپورٹ حکومت کو بھیجی جاچکی ہے اور اس پر سرگرمی کے ساتھ غور کیا جارہا ہے۔

(ترجمہ: عبداللہ)

صفحہ نمبر ۶۴ سے آگے

ملازمتوں کا ڈگریوں سے ...

ضرورت کو ساقط نہیں کیا گیا ہے۔ اسی طرح قومی میرٹ اگزامینیشن کے لیے جانے سے، ڈگریوں کے حصول کی ضرورت ساقط نہیں ہونی چاہیئے۔ اس سے، بلاشک وشبہ ان چند طلباء کو ہی فائدہ ہوتا ہے۔ جو ادارہ جاتی میکنزم سے باہر تعلیم حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں۔

۱۲۔ اگر ہم ڈگریوں کو روزگار سے الگ کر دینے کے مسئلہ پر غور کریں تو اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ ڈگریوں سے روزگار کا علیحدہ کیا جانا کوئی علاج نہیں۔ اعلیٰ تعلیم کا مطالبہ جداگانہ ہے اور روزگار کے مطالبہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اصل مسئلہ مناسب تعداد میں روزگار کے مواقعوں کی کمیابی ہے اور اس سے قومی آمدنی کے فروغ کی شرح پر ضرب پڑتی ہے۔ ہندوستان میں فروغ کی سالانہ شرح پچھلے چند برسوں سے ۳ فیصد ہے۔ اگر اس شرح کو بڑھایا گیا تو ہی اس بات کا امکان ہے کہ بے روزگاری کا مسئلہ ختم کیا جاسکتا ہے۔ بے روزگاری کا مسئلہ اس لئے پیدا نہیں ہوا ہے کہ روزانہ کالج میں تعلیمیافتہ طلباء کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔

یہ مسئلہ اس لئے درپیش ہے کہ روزگار کے مواقعوں کی کمیابی ہے اور یہ کہ تعلیم یافتہ بیروزگاروں کی بھرمار ہے۔ اس نقطۂ نظر سے ہمیں تعلیم کے رول اور محدودیت پر غور کرتے ہوئے تعلیمی پالیسی کو وضع کرنا ہے۔

ترجمہ:۔ اقبال احمد

ایٹمی ہتھیاروں کا انجماد



شری سشیل کمار شندے
وزیر مالیات مہاراشٹر
جنرل اسمبلی کے چالیسویں
اجلاس سے خطاب فرماتے
ہوئے۔

شری ایس۔ کے شندے بھارتی نمائندہ اور ممبر برائے مالیات کے بیان پر مبنی جو یو این آئی کی جنرل اسمبلی کے ۴۰ ویں سیشن کی پہلی کمیٹی میں اور مسودۂ قرارداد بعنوان " ایٹمی ہتھیارات کے انجماد" پر جاری کیا گیا۔ (اے۔ سی۔ ۱۔ ۴۰۔ ایل۔ ۲۵)۔

ایجنڈا آئیٹم ۶۱۔ ایف۔ مسودہ قرارداد بعنوان "ایٹمی ہتھیارات کے استعمال پر پابندی سے متعلق کنونشن۔ (اے۔ سی I ۔ ۴۰۔ ایل۔ ۲۶)

میں، الجیریا، ارجنٹینا، بہاماس، بنگلہ دیش، بھوٹان سے ایتھوپیا، اکویڈر، مصر، ہندوستان، انڈونیشیا، مڈغاسکر، نائیجیریا رومانیہ، ویت نام اور یوگوسلاویہ کی جانب سے مسودہ قرار داد بعنوان " ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال پر پابندی کا انعقاد" پیش کر رہا ہوں جو دستاویز اے سی ۱۔ ۴۰۔ ایل۔ ۲۶ پر مشتمل ہے۔ گذشتہ کئی سالوں سے جنرل اسمبلی ان قرار داروں پر غور کر رہی ہے اور ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال پر پابندی کے لئے مطالبہ کر رہی ہے یہ بات معنی خیز ہے کہ ایٹمی ہتھیار رکھنے والی دو ریاستوں نے



شری سوشل کمار شندے
پاکستان کے صدر جنرل ضیاء
کے ساتھ۔

اس مطالبے کی تائید بھی کی ہے۔ خاص طور سے ۱۹۸۲ء میں جنرل اسمبلی نے ہتھیاروں کی تخفیف کے سلسلے میں جو کانفرنس بلائی تھی اس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ اس معاملے کا بغور مطالعہ کیا جائے تاکہ اس مقصد کے تحت ایک مسودہ قرارداد بنایا جا سکے۔ بہرحال اس کانفرنس میں ابھی تک کوئی بھی کارروائی عمل میں نہیں آئی۔ مزید برآں اس کا بھی کوئی معقول جواب نہیں دیا گیا کہ ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال پر پابندی عائد کیوں نہیں کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا ایک بار پھر ہم اس مسودہ قرار پر زور دے رہے ہیں تاکہ ایٹمی ہتھیارات کے استعمال پر پابندی عائد کی جائے اور جنگ کو روکا جا سکے۔ ریاست ہائے اقوام متحدہ کے ممبران نے بڑی تعداد میں اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ ہم بخوبی اس طویل اور مشکل کام سے واقف ہیں جو ایٹمی ہتھیارات کے استعمال پر پابندی سے متعلق ہے۔ یہ واقفیت ہمارے اس مستحکم یقین کامل کی مزید تصدیق کرتی ہے کہ اس بنیادی اقدام کی فوراً پیروی کی جائے۔ تمام عالمی اقوام اس فیصلے پر پہنچے ہیں کہ ان ایٹمی خطرات کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ ممالک جو اپنی حفاظت کی غیر مستحکم رائے کی وجوہات کے لئے ایٹمی ہتھیارات کے استعمال پر پابندی کے خلاف تھے۔ وہ بھی ایٹمی جنگ کے اثرات سے خوفزدہ ہیں اور اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ ایٹمی جنگ چھڑنے نہ پائے۔ اس مسودہ قرارداد میں ہماری رسائی بہت آسان اور براہِ راست ہے۔ جیسا کہ سویڈن کے عزت مآب وزیر اعظم مسٹر اولوف پالمے نے اپنے خطاب کے دوران جنرل اسمبلی میں کہا ہے کہ ایٹمی ہتھیارات کے استعمال قابل مذمت ہے اور ہمیں بین الاقوامی قوانین کے ذریعے ایٹمی ہتھیارات کے استعمال پر پابندی عائد کرنے کے متعلق اقدامات کرنے ہوں گے۔

تمام ایٹمی ریاستوں کے 'ایٹمی ہتھیارات نہ استعمال کرنے کے اس فیصلے نے عالمی ممالک کے اپنے رویہ میں تبدیلی مزید پیدا کی ہے جو ایٹمی جنگ کے لئے ہتھیارات کا ذخیرہ رکھتے ہیں کیونکہ یہ ہتھیارات وقار اور اقتدار کے لئے پائیدار نہیں ہیں بلکہ انسانیت کے خلاف ایک جرم ہے۔ تاہم ہتھیارات پر پابندی کا یہ فیصلہ

کہ ان خطرناک ہتھیارات کی ناکارگی کا ایک صریح تصدیق کا باعث ہے جو ایٹمی ریاستوں کے ایٹمی خطرے کے اصول کی بلاشبہ تصدیق کرتا ہے۔ ایل۔ ۲۶ دستاویزات میں مسودہ قرارداد کا یہ تمہیدی حصہ مذکورہ بالا تدابیر کی عکاسی کا نچوڑ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ امسال یہ پہلی کمیٹی ان قراردادوں کے مقاصد اور اصولوں کی بڑے پیمانے پر تصدیق کرے گی۔

مسٹر چیئرمین ایٹمی موقوفی کے لئے جو دوسرا مسئلہ ہمارے سامنے ہے وہ ہماری دوسری تجاویز میں شامل ہے جو دستاویز اے۔سی۔I۔ ۴۰۔ایل۔ ۲۵ پر مشتمل ہے اور جس کا عنوان "ایٹمی ہتھیارات کا انجماد" ہے۔ دوسرے خصوصی سیشن میں جو ہتھیارات کی تخفیف کے لئے وقف کیا گیا تھا۔ ہم نے چوتھی بار جنرل اسمبلی کے سامنے ہتھیارات کے انجماد پر یہ قرارداد پیش کی ہے کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ایٹمی ہتھیارات کا انجماد، ایٹمی تخفیف اور ایٹمی ہتھیارات کی دوڑ روکنے کیلئے ایک براہِ راست منطقی اور عملی راستہ ہے۔ ہماری کوششوں کو دو اہم سخت آسان اور قابلِ شناخت عناصر پر مرکوز کرنا ہے جو ایٹمی اسلحہ کی دوڑ کے لئے مرکزی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ ایٹمی ہتھیارات کی پیداوار اور ذروں میں تبدیل ہونے والے مادوں کی پیداوار ہے جو ہتھیاروں کے مقصد کے لئے ضروری ہے۔ لہٰذا ہماری انجماد کی تجاویز، منجملہ مکمل طور پر ایٹمی ہتھیارات کی پیداوار کو بند کرنا ہے اور ہتھیارات کے مقاصد کے لئے ذروں میں تبدیل ہونے والے مادوں کی مکمل کٹوتی کرنا ہے۔ ہم وسیع انجماد کے دیگر سخت عناصر سے بخوبی واقف ہیں جو ایٹمی ہتھیارات کی آزمائش پر فوری روک لگاتا ہے۔ تاہم ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ایٹمی ہتھیارات کی آزمائش کی موقوفی جو اسلحہ کی تخفیف کے لئے ہے۔ تمام کثیرالاطراف اجلاس کے ایجنڈا میں ۲۵ سالوں سے زیادہ عرصے سے سرفہرست ہے اور جنرل اسمبلی نے کئی قراردادیں خصوصاً اس سلسلے میں منظور کی ہے۔ اس مسودہ قرارداد کو پیش کئے جانے کا مقصد یہ ہے کہ ایک فوری اور عملی تجاویز کا نفاذ کیا جا سکے۔ ایٹمی ہتھیارات کی پیداوار پر روک لگاتے جانے کی تصدیق ان ذرائع کے ذریعے کی جا سکتی ہے جو ذرائع ایٹمی ہتھیارات کی تخفیف اور بندش کے ان تجاویز کی منظوری کی تصدیق کرتے ہیں۔ ذرات میں تبدیل ہونے والے مادوں کی پیداوار میں کمی بین الاقوامی سطح پر تمام ایٹمی سہولیات جیسے ایٹمی ہتھیارات کی لیبارٹریز کی آراستگی اور ری پروسیسنگ پلانٹ وغیرہ کے لئے پُرامن ثابت ہوگی اور ایٹمی انجماد کے جانچ کے لئے اس طرح کوئی بھی مسئلہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

اس کا ہمیں بڑی تیزی سے احساس ہونا چاہئے کہ ایٹمی ہتھیارات کے انجماد کے لئے تمام ہتھیارات رکھنے والی طاقتوں کو متفق ہونا چاہئے تاکہ صرف وہ جن کے پاس بڑی تعداد میں ایٹمی اسلحہ موجود ہیں۔ اگر ہم صحیح معنوں میں ایٹمی اسلحہ کی دوڑ کو روکنا چاہتے ہیں اور مزید جدید ایٹمی ہتھیارات کو کم کرنا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ ہم ہر جگہ ایٹمی ہتھیارات کی پیداوار پر روک لگائیں۔ لامتناہی پروپیگنڈہ اور بحث کہ کون ایٹمی اسلحہ کی دوڑ میں آگے ہے، فضول ہے۔ اس میں مزید اضافہ نہیں ہونا چاہئے۔ ہتھیاروں کے انجماد کا فیصلہ براہِ راست ایٹمی ذخیروں میں فوری طور پر کمی لائے گا اور اس طرح ایک مکمل تخفیف اسلحہ عمل میں آئے گی۔

ایٹمی اسلحہ کا انجماد بہت قلیل مقدار میں ہوا ہے۔ اگر ہم انسان کو ایٹمی مشکلات سے نجات دلانا چاہتے ہیں تو ایٹمی ممالک اس انجماد کو عملی جامہ پہنائیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری مسودہ قرارداد امسال اس پہلی کمیٹی میں اور اس کے بعد جنرل اسمبلی میں زیادہ سے زیادہ وفود کی حمایت حاصل کرے گی۔ (ترجمہ: اظہر خان)

مراسلت کا پتہ:
ایڈیٹر قومی راج
ڈائرکٹوریٹ آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
گورنمنٹ آف مہاراشٹر
۱۵واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریشن بلڈنگ
مقابل منترالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲
فون نمبر: ۲۰۲۰۶۵۱ — ۲۰۲۳۹۵۷

تبصرہ

شگاف در شگاف

(ایک مطالعہ)

تبصرہ نگار :- سید اختر الاسلام
۱۵۸ شاہ تمن، پونے۔

ستمبر سنہ ۱۹۸۰ء میں انجمن مصنفین اردو تملناڈو (مدراس) کی طرف سے شائع کردہ افسانوی مجموعہ کے جواں سال دجواں فکر خالق، ادیب و شاعر علیم صبا نویدی کے خمیر میں قدرت نے پہلے افسانہ نگاری کے جراثیم ودیعت کئے، جس کا ثبوت "روشنی کے بھنور" ہے۔ اس کے بعد بھیا کا رُخ شعر و شاعری کی طرف ہوا اور اس نے طرح نو (ماڈرن غزلیں) لمس اول (ٹیپ بند نظمیں) اور ردِ کفر (آزاد غزلیں) تخلیق کیں۔ بعد ازاں وہ پھر افسانہ نگاری کی طرف رجوع ہوا۔ یہاں اس نے اس افسرِ جہاں کو بے نقاب کیا جس کی قربت، محبت اور نفرت نے لاتعداد رنگینیاں پیدا کرکے اس کے شیشہ دل کو کرچوں میں بدل دیا تھا۔ یہ مثبت، اور منفی تحفہ اس نے اپنے ہم عصروں اور ہم صفیروں کی نذر کر دیا، تاکہ وہ بھی اپنے تجربات، حادثات، واقعات اور مشاہدات کا نفسیاتی مطالعہ کریں۔ جیتے پھرتے جسم کتنی زبردست ساحرانہ کیفیت رکھتے ہیں۔

"شگاف در شگاف" ایسے ذہن کی اُپج ہے جس میں وسیع و بسیط کائنات کے خارجی لوازمات کے ساتھ ساتھ مشاہداتی حسن یعنی جمالیاتی حِس پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اختصار، جامعیت وغیرہ کے نقطۂ نظر سے ان افسانوں کو نثری نظم کہا جائے تو بجا اور برجستہ ہے۔

سرِ تخلیق کا محرک خیال ہوتا ہے۔ جو کچھ انسان دیکھتا ہے اس کا عکس اس کے ذہنی کینوس پر پڑتا ہے۔ احساس سے اس میں رنگینیاں پیدا ہوتی ہیں جو زیب داستاں ہو جاتی ہیں۔ اس خیال کو نثری، شعری، پابند، آزاد، طویل، مختصر، جسامت، ہیئت اور نام کے خانوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ہم عصر ساتھی اور آئندہ نسلیں اس سے استفادہ کرکے ان ہی خطوط کے مابین متوازی اپنے تجربات و مشاہدات کو لفظوں کے قالب میں ڈھال لیتے ہیں۔ اس طرح وقت کی زنبیل بھرتی چلی جاتی ہے۔ اس دوران طرح طرح کے اسلوب پرورش پاتے چلے جاتے ہیں۔

"روشنی کے بھنور" ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں علیم صبا کی طرح دو اور تخلیق کار بھی شامل تھے۔ اس مجموعہ میں تجریدی اف فنی ادب کی جو پرچھائیاں قید کی گئی تھیں۔ اسی سوچ کو صبا نے اجاگر کیا۔ اسی نقطۂ آغاز میں لطیف علائم کے ساتھ قدیم اسلوب کی بھی پاس داری تھی اور یہی نقش اول نقشِ آخر بن گیا۔

"شگاف در شگاف" کے اٹھارہ مختصر افسانے انسانی نفسیات میں ایک اہم اضافہ ہیں۔ اس کے ذریعے جنسی تلذذ کا باب وا ہوتا ہے۔ فطری طور پر ہر انسان میں جمالیاتی حِس کی جلوہ گری ہوتی ہے۔ یعنی حسین چیز دیکھ کر دل میں ایک ولولہ اور شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے ایک خاص قسم کا سرور اور وجدان ملتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ حیوانی جذبہ بھی تشکیل پانے لگتا ہے۔ جس کو انسان اپنے دل کے نہاں خانوں میں بند کئے رہتا ہے۔

آج ہر طرف جنسیات موضوعِ بحث ہے اور انسان جنسی تلذذ حاصل کرنے کی تگ و دو میں سرگرداں ہے۔ اسی سے طرح طرح کی بے راہ رویاں اور خرابیاں انسان کا مقدر ہو گئی ہیں۔ چونکہ ہمارے یہاں جنسیات کی تعلیم و تربیت پر دھیان نہیں دیا جاتا۔ اسی لئے طرح طرح کے جرائم سامنے آ رہے ہیں۔ اخلاقی اصلاح و سُدھار کے ضابطے اور قاعدے مرتب ہو رہے ہیں۔۔۔ یہ افسانے اسی حیوانی جذبہ کی بیخ کنی میں پیش پیش کئے جا سکتے ہیں۔

درحقیقت جنسیات پر خیالات مجتمع کرنا تلوار کی دھار پر چلنے جیسا ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی پر فحش نگاری کا الزام عائد ہو جاتا ہے۔ اس قبیل کا پہلا افسانہ نگار سعادت حسن منٹو تھا۔ جس نے اپنے منفرد طرزِ نگارش سے اس تاریک گوشے کے تمام رموز بے نقاب کرکے اسے ایک لازمی موضوعِ فکر بنا دیا۔ اس کی تخلیقات میں انسانی ذہن کی حقیقی عکاسی ہوتی ہے۔

علیم صبا نویدی کے یہ افسانے منٹو کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے تاہم ان سے خاموشی کو تکلم ضرور ملا ہے۔ گندے اور گھناؤنے معاشرے کے تاریک پہلو اس سے منظرِ عام پر آئے ہیں۔۔۔ ہاں! پھر بھی ایک خاص قسم کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ جو اس کی خود اعتمادی کے فقدان کے سبب ہے۔ شاید وقت اس کی اصلاح کر سکے۔

●●

★ بیکل اتساہی
بلرام پور۔ گونڈہ (یوپی)

گیت

ہم کو الگ نہیں کر سکتا شعلہ ہو یا شبنم
ایک ہے دیش ایک ہیں ہم

ایک چمن ہے اپنا، جس میں "رنگ ہزاروں خوشبو ایک"
جسم ہمارے الگ الگ ہیں لیکن اپنا لہو ہے ایک
بھاشاؤں کے تار کئی ہیں پھر بھی اک سرگم
ایک ہے دیش ایک ہیں ہم

الگ الگ موجیں ٹکراتیں، ہے خاموش سمندر ایک
شکھروں کے سو رنگ روپ ہیں مُسکاتا ہمگر در ایک
اپنی جگہ اٹل ہے پیری بدلا کرے موسم
ایک ہے دیش ایک ہیں ہم

دَر دہلیز الگ ہیں سب کے اک چوپال گاؤں ہے ایک
بے شمار برگد کی شاخیں دھوپ کے آنگن چھاؤں ہے ایک
سورج ایک گگن پر اپنے اک اپنا پونم
ایک ہے دیش ایک ہیں ہم

ہندو مسلم سکھ عیسائی جُدا ہیں راہیں منزل ایک
ڈھنگ الگ ہیں ہر کشتی کا طوفانوں میں ساحل ایک
جینے کا جلسہ اک جیسا ہے موت کا اک ماتم
ایک ہے دیش ایک ہیں ہم

★ قمر سنبھلی
۱۵۰۰۔ نئی سڑک، دہلی ۶

قومی یکجہتی

جینے کے لئے جو سکھاتی ہے محبت
تبدیل وفاداری میں جو کرتی ہے محبت
ہم ایک تھے، ہم ایک ہیں، ہم ایک رہیں گے
بھولا یہ سبق یاد دلاتی ہے محبت

آغوش کشادہ ہے قمرؔ اپنے وطن کی
یہ کوہ و دمن، ارض و سما سب کے لئے ہیں
مذہب ہو کسی کا کوئی تخصیص نہیں کچھ
یہ مہر و مہ و آب و ہوا سب کے لئے ہیں

ہر دیں نہ جُدا چمک رکھتا ہے
ہر ذرہ ستاروں کی دمک رکھتا ہے
یہ موتیا، یہ سوسن و [illegible]
ہر پھول الگ [illegible] رکھتا ہے

ہم ہیں وطن صاحب عظمت ہیں سبھی
دھرتی کے لئے باعث عزت ہیں سبھی
وہ ہندو، مسلم ہوں، مسیحی ہوں کہ سکھ
گلشن میں شریکِ غم و راحت ہیں سبھی

غزلیں

درشن موہن
۱۵۸ - پشپا انجلی - آئی پی - ایکس ٹینشن II - دہلی ۹۲

لطف اندوز ہے ذہن پُرفن
آندھ وشواس نے گھیرا ہے من
سر دعورت ہے دھرو پدگاین
اَٹ گیا دُھول سے اپنا درپن

ق

نشے نے اپنے دکھائے لچھن
راہگیروں سے بغلگیر ہوئی
حسرت دغم سے ہے دل تابستاں
اپنے کردار کو اس میں پہچان
رسم کے ٹوٹ گئے سب بندھن
ایک دوشیزہ بے پیراہن
اور آنکھیں ہیں سلگتا ساون
ہے تجھے پیار کا درپن ارپن

یوں تو درویش بنا پھرتا ہے
تفرقہ کیش ہے کرشنا موہن

ہوا دن رین کیوں بے چین من میرا
یہ کیسی آگ بھڑکی ہے میرے من میں
ہمارے پیار میں وجہ کشاکش ہے
کبھی سادہ تھی میرے عشق کی فطرت
دیا ہے کرشن نے سندیش گیتا میں
تجھے ارپن ترے درپن، ہیں تیرے ہی
پُرانا ہو گیا ہے پیرہن میرا
پھنکا جاتا ہے جس سے تن بدن میرا
پرایا پن ترا اور اپنا پن میرا
بنا ہے بانکپن اب تو چلن میرا
ملے مانو ملن ہی سے ملن میرا
حقیقت میں نہ من میرا نہ تن میرا

چُبھن ہے کرشن موہن طنز میں اتنی
نہ راس آیا زمانے کو چلن میرا

تسنیم فاروقی
تلسی داس مارگ، نزد وکٹوریہ گنج
ہاسپٹل، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

گھات میں پھرتی رہیں رسوائیاں
آہٹیں گنتی رہیں تنہائیاں

اس کو کیا سمجھیں گی یہ اُونچائیاں
کتنا پانی پی گئیں گہرائیاں

اِن غزالوں کا نہ پیچھا کیجئے
ہاتھ میں آتی نہیں پرچھائیاں

کر چکے ہیں ہم بھی جب رنگین تھے
ڈھول ڈھپا چھیڑ ہاتھا پائیاں

کھلتی بیلوں کو مچلتا دیکھ کر
یاد آتی ہیں تری انگڑائیاں

جیسے ماضی کے سہانے واقعے
چاندنی میں باغ کی پرچھائیاں

چلتے وقت ان منتظر آنکھوں میں ہم
چھوڑ آئے پیار کی سچائیاں

سب اندھیرے میں جُدا ہو جائیں گی
روشنی کی دوست ہیں پرچھائیاں

اَب تک اے تسنیم ہم بھولے نہیں
بور سے مہکی ہوئی انگنائیاں



کراڈ میں آنجہانی شری یشونت راؤ چوان کی پہلی برسی کے موقع پر وزیراعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نلنگیکر سمادھی پر پھول چڑھا کر خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔ وزیراعلیٰ کے قریب شری شنکر راؤ جگتاپ اسپیکر، مہاراشٹر اسمبلی اور شری شیواجی راؤ دیشمکھ، وزیر برائے آبپاشی بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ دائیں طرف اس موقع پر خراجِ عقیدت پیش کرنے والے عوام کا ہجوم دیکھا جاسکتا ہے۔



خبریں - تصویروں میں

گورنر مہاراشٹر شری کونا پربھاکر راؤ نے کولہاپور ضلع میں واقع [illegible] بوٹانیکل لیباریٹری کا معائنہ [illegible] اسی موقع کی ہے۔



وزیراعلیٰ شری شیواجی راؤ پاٹل نلنگیکر نے "شردھانجلی کیسٹ" کا اجرا آنجہانی محترمہ اندرا گاندھی کی جنم برسی کے موقع پر فرمایا۔



مسلم [illegible] کمیٹی کی جانب سے
عید میلاد النبیؐ کے موقع پر بمبئی میں
ایک جلوس نکالا گیا جس کی قیادت مہاراشٹر
کے وزیر مملکت برائے تعلیم پروفیسر جاوید خان
نے کی۔ زیر نظر تصویر میں کھلی جیپ میں
وزیر موصوف کے ہمراہ شری اکبر پریم جی
اور شری خواجہ غلام جیلانی دیکھے جا سکتے ہیں

شری سوشیل کمار شندے، وزیر برائے
مالیات "۱۹۸۵ء کا سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ"
کماری انگیتا شاہ کو دیتے ہوئے۔
تقسیم انعام کی یہ تقریب ۲۷ نومبر کو سوویت
لینڈ، بمبئی کے آڈیٹوریم میں منعقد کی گئی تھی۔



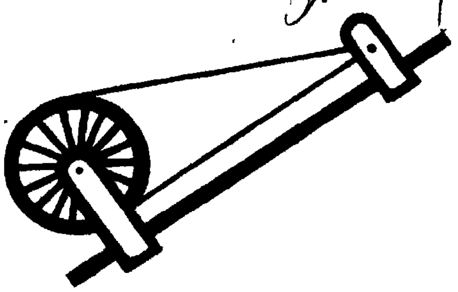


[illegible] تریپاٹھی، وزیر مملکت
برائے اطلاعات و رابطہ عامہ، بمبئی کے
اردو ہفتہ وار "ہندستان جدید" کا اجرا فرمایا
اس ہفتہ وار کی اشاعت نصرت پبلیکیشنز
کی جانب سے ۲۶ نومبر کو شروع ہوئی۔

PRINTED AT THE GOVT. [illegible]




भारत
माझा
देश



قومی راج

۱۰۰

کانگریس صدسالہ جشن خصوصی نمبر

Vol - 12
No. 24
Dec, 1985



دسمبر ۱۹۸۵ء



کانگریس

صد سالہ جشن خصوصی نمبر

۲۸ دسمبر ۱۹۸۵ء

قومی راج

جلد ۱۲

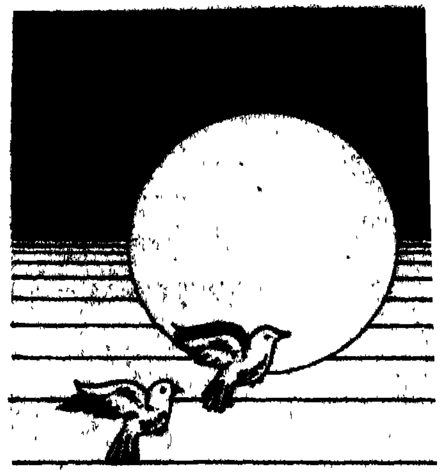
شمارہ ۲۳

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے
زرِ سالانہ: دس روپے۔ فی پرچہ: پچاس پیسے

اس شمارے کی قیمت
دو روپے

چیف ایڈیٹر :- ایس۔ کے۔ بسگنے

مینیجنگ ایڈیٹر : ریاض احمد خان ایڈیٹر :- فیروزہ فیاض خان





فہرست

اداریہ

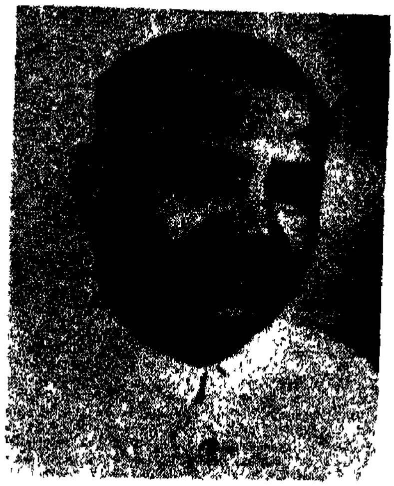
"قومی راج" انڈین نیشنل کانگریس کے صد سالہ جشن کے موقع پر یہ خصوصی شمارہ پیش کر رہا ہے۔ جس نے بھارت کی حصولِ آزادی میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس خصوصی شمارہ میں پرانے کانگریسی حضرات جیسے دادا بھائی نوروجی، گوپال کرشن گوکھلے، لوکمانیہ بال گنگادھر تلک، مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، سردار ولبھ بھائی پٹیل، نیتاجی سبھاش چندر بوس، مولانا ابوالکلام آزاد، اندرا گاندھی و دیگر حضرات کے کارناموں پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان مشہور شخصیتوں کے کارنامے یقیناً نوجوان نسل کو ترقیاتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور ملک کو امن و خوش حالی کا گہوارہ بنانے پر آمادہ کریں گے۔

"قومی راج" کو یہ فخر حاصل ہے، کہ اس نے مشہور قلمکار و صحافی حضرات جیسے آر کے کرنجیا، کے، اے، عباس، یوسف ناظم، ایشور راج ماتھر وغیرہ نے زریں مضامین کو شاملِ اشاعت کر سکا ہے۔

ہمیں پوری امید ہے کہ اس خصوصی شمارہ کا ہر طبقۂ قوم کی جانب سے خیر مقدم کیا جائیگا، اور لائبریریوں میں اس کو حوالہ جات کے لئے محفوظ کر لیا جائیگا۔

آخر میں ..... میں ان تمام حضرات کا بشمول گورنمنٹ پرنٹنگ پریس کے عملے کے شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے اپنی انتھک کوششوں سے اس خصوصی شمارے کو دلچسپ اور لائقِ مطالعہ بنا دیا ہے۔

ایس۔ کے۔ سگنے
(چیف ایڈیٹر)



کانگریس کی سربراہی میں بھارت کی
۲۱ ویں صدی کی جانب پیش قدمی

شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر
(وزیر اعلیٰ مہاراشٹر)

انڈین نیشنل کانگریس جس نے ہندوستان کو آزادی دلانے میں سب سے زیادہ جدوجہد کی ۲۷ دسمبر سے ۲۹ دسمبر ۱۹۸۵ء کو بمبئی میں صدسالہ جشن منا رہی ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں سو سال قبل اس کا جنم ہوا تھا۔ یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ مہاراشٹر کی تشکیل کا جشن سیمین بھی کانگریس کے صدسالہ جشن کے ساتھ جاری ہے۔

مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ میری پارٹی کے سربراہوں نے مجھے کانگریس کے صدسالہ جشن کی تقریبات کی استقبالیہ کمیٹی کا چیرمین منتخب کیا ہے۔

مہاراشٹر اور بمبئی کے مشہور لیڈران جیسے دادا بھائی نوروجی بدرالدین طیب جی، دنشاواچھا، گوپال کرشن گوکھلے، رحمت اللہ سایانی، فیروز شاہ مہتا اور لوکمانیہ تلک نے کانگریس کی تعمیر اور دوسری تمام تحریکات کے سلسلے میں زبردست رول ادا کیا ہے اور آج بھی ہم مستحکم طور پر پارٹی کے ساتھ ہیں جو اپنی سربراہی میں ملک کو ۲۱ ویں صدی کی جانب لے جا رہی ہے۔

بمبئی کا انوکھا رول

بمبئی کا اگست کرانتی میدان ہی وہ مقام ہے جہاں سے مہاتما گاندھی نے برطانوی سامراج کو للکار کر کہا تھا۔
"ہندوستان چھوڑ دو"
لوکمانیہ تلک جنہوں نے "سوراج میرا پیدائشی حق ہے اور میں اسے لے کر رہوں گا۔" اور "ہوم رول میرا پیدائشی حق ہے" کہا تھا، مہاراشٹر کی ہی دین ہیں۔

یہی وہ سرزمین ہے جہاں کئی سماجی مصلح جیسے مہاتما پھلے راجشری شاہو مہاراج، اگرکر، مہارشی کروے، مہارشی وٹھل رام جی شندے اور ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کا جنم ہوا۔

لہٰذا بہتر ہے کہ ہم پارٹی کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالتے چلیں جو ہندوستان کے ارتقاء اور قومی زندگی کی ترقی کی تاریخ ہے مگر اس مضمون کا خاص مقصد جدوجہد آزادی میں کانگریس

کا حصہ بتلاتا ہے اور ۱۹۴۷ء میں آزادی کی حصولیابی کے بعد بڑھتی ہوئی قومی ترقی میں کانگریس نے کیسے ایک موثر ہتھیار کے طور پر کام کیا ہے۔ کانگریس کی تاریخ کہتی ہے کہ کانگریس کا انعقاد جو کچھ بھی ہوا اس کے بانی جو بھی ہوں، ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ خیال کہیں پوشیدہ تھا کہ ہمیں ایسی پارٹی کی تشکیل کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں پونے میں انڈین نیشنل یونین کو دسمبر ۱۸۸۵ء میں منعقد کرنے کے لئے مارچ ۱۸۸۵ء کو ایک نوٹس جاری کیا گیا۔

اور یہ خیال جو کچھ واضح نہ تھا، کچھ مبہم سا تھا مگر پھر بھی اس نے شمال وجنوب، مشرق ومغرب کے ہر ہندوستانی کے ذہن کو ایک عملی پروگرام کے لئے تیار کیا۔ مگر پونے کو یہ فخر حاصل نہ ہو سکا کہ وہاں کانگریس کا پہلا اجلاس ہو سکے کیونکہ وہاں ہیضہ کی وبا پھیل گئی اور یہ اجلاس جو کہ پونے میں ہونے والا تھا نہ ہو کر اس کے لئے جو جگہ مقرر کی گئی وہ تھی بمبئی۔

انڈین نیشنل کانگریس کا ابتدائی اجلاس

انڈین نیشنل کانگریس کا پہلا اجلاس گوکل داس تیج پال سنسکرت کالج کے ہال میں منعقد ہوا اور شری ڈبلیو۔ سی بنرجی کو ۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء کے دن پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ اسی تاریخی ہال میں کانگریس ورکنگ کمیٹی اپنے سو سال پورے کرنے پر ۲۷ دسمبر ۱۹۸۵ء کو ایک اجلاس کرنے لگی جس میں شری راجیو گاندھی صدارت کے فرائض انجام دیں گے۔

کانگریس کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کانگریس کے پہلے صدر نے یہ مؤثر الفاظ کہے تھے "اس نے (برطانیہ نے) ہمیں ایک نظم دیا ہے۔ ریلوے دی ہے اور سب سے بڑھ کر مغربی تعلیم کی لامحدود نعمتوں سے ہمیں روشناس کرایا ہے لیکن ایک اہم کام کرنا ابھی باقی ہے۔ جتنی زیادہ انسان تعلیم کے میدان میں ترقی کرے گا۔ اتنا ہی اس کا سیاسی شعور پختہ ہوتا جائے گا۔ اور سیاسی طور پر ترقی کی خواہش اس میں تیز تر ہوتی جائے گی۔"

آج سو سال بعد اس بات پر نظر ڈالی جاتی تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ آج بھی سیاسی ترقی کے معماروں میں سے تھے جنہوں نے اس کی پہلی کڑی جوڑی تھی۔

کانگریس کے پہلے اجلاس میں مندوبین کی کل تعداد ۷۲ تھی مگر کلکتہ میں ہوئے کانگریس کے اجلاس میں یہ تعداد بڑھ کر ۴۳۶ ہو گئی تھی۔

۱۸۸۵ء میں کانگریس کا اجلاس محض تجرباتی تھا۔ ۱۸۸۶ء میں ابتدائی تھی مگر ۱۸۸۷ء میں جب مدراس میں اس کا اجلاس ہوا تو ظاہر تھا یہ ایک مستقل قومی ادارہ بن چکی تھی۔

سنہ ۱۹۰۶ء ایک اہم سال

کلکتہ میں سنہ ۱۹۰۶ء کو منعقدہ کانگریس کا اجلاس ایک علیحدہ اہمیت کا حامل تھا۔ اول تو دادا بھائی نوروجی کی مداخلت سے اعتدال پسندوں اور نیشنلسٹوں میں جو آن بن تھی وہ دور ہو گئی یہ اجلاس اس لئے بھی تاریخی بن گیا کہ اس وقت سوراج کا تصور ابھر کر سامنے آ گیا۔

گاندھی جی کا عہد

۱۹۱۹ء سے انٹی رولٹ بل احتجاج سے گاندھی جی عہد کا آغاز ہوا۔ پنجاب میں مارشل لاء، جلیانوالا باغ کا قتل اور خلافت تحریک اور عدم تعاون کی تحریک کے واقعات جدوجہد آزادی میں زبردست اہمیت کے حامل ہیں۔

آزادی کے بعد کے تمام تر واقعات بذات خود موجود تاریخ کی اہم دستاویزات ہیں۔ جواہر لال نہرو کے عہد اور شریمتی اندرا گاندھی کے عہد نے کانگریس کو مواقع فراہم کئے کہ وہ ملکی اور غیر ملکی پالیسی میں ایک تسلسل پیدا کر سکیں۔ جو کہ سیکولرازم، سوشلزم اور ڈیموکریسی نیز وابستگی پر مبنی ہیں۔

جبکہ نو آزاد ایشیائی و افریقی ممالک مستحکم و مضبوط جمہوری اقدار کو لے کر آگے بڑھنے میں ناکام ہوئے تب کانگریس ہندوستانی عوامی تحریک کے طور پر ملک میں سیاسی پارٹی کامیابی سے ہمکنار کر دیا۔

دستور ہند کو اپنانے اور جمہوریہ کو قائم کرنے کے صنعتی پالیسی، پنجسالہ منصوبہ جات، انشورنس اور بینک قومیانا۔ یکے بعد دیگرے عام انتخابات میں کامیابی، غیر جانبدار پالیسی میں کامیابی NAM میں رہنمائی وغیرہ ایسے کارنامے جو کسی تعریف کے محتاج نہیں ہیں۔

قومی راج

سماجی انصاف

کانگریس نے سماجی انصاف اور یک جہتی کے سلسلے میں بہت کچھ کیا ہے مگر اب بھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ آنجہانی وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کا ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام آج بھی جاری ہے جوکہ قوم کو آگے بڑھانے کیلئے اپنی نوعیت کا منفرد پروگرام ہے۔

۲۰ نکاتی پروگرام کی عمل آوری میں مہاراشٹر پیش پیش

کانگریسی حکومت میں ریاست مہاراشٹر نے ۲۰ نکاتی پروگرام کی عمل آوری میں کافی تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا۔
ریاست مہاراشٹر ۲۰ نکاتی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے میں فی الحال اول نمبر پر ہے جس کا خاص مقصد ان تمام افراد کے لئے جو غریبی کے خط سے نیچے زندگی گذار رہے ہیں سماجی انصاف مہیا کرنا ہے

اِن تمام باتوں کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ کانگریس کو ہمیشہ ہی باتجربہ اور باصلاحیت افراد کی رہنمائی حاصل رہی۔ یہ ان تمام مشہور ہستیوں کی محنت کا نتیجہ ہے کہ ۶۰ ویں دہائی کے آخری سالوں میں بھی پارٹی کو دھکا نہ لگ سکا جبکہ کئی ریاستوں میں پارٹی کافی پیچھے رہ گئی تھی لیکن دیگر ریاستوں کے افراد نے یہ اندازہ جلد لگالیا کہ وہ غلطی پر تھے اور دوبارہ کانگریس نے اعلیٰ مقام حاصل کرلیا جس مقام کی کہ یہ پارٹی مستحق تھی۔

شری راجیو گاندھی
پیہم جدوجہد اور نئی راہ کے نمائندے

اور کانگریس اسی طرح قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی۔ شری راجیو گاندھی جی اس استحکام و پیہم جدوجہد اور نئی راہ کے نمائندے ہیں۔ اور یہ تبدیلیاں اس ملک کے لئے سودمند ہیں۔

ارتقاء

کانگریس جوکہ آج قومی سطح پر ایک ہمہ گیر پارٹی ہے اس کا ارتقاء سو سال قبل چند اسٹیلیکچوئلز کے ذریعے ایک چھوٹے سے اجتماع میں ہوا مگر اس پارٹی کی ترقی کا تعلق بمبئی شہر سے جوکہ اس پارٹی کی جائے پیدائش ہے اور ریاستی حکومت کا ہیڈ کوارٹرز ہے، کسی نہ کسی طرح ضرور رہا ہے۔
اس وقت ہمیں چاہیئے کہ ہم قومی یک جہتی، سیکولرزم اور سوشلزم کے ذریعے قائم کرنے کے کام کو استحکام بخشیں جیسا کہ ہمارے رہنماؤں نے سو سال قبل ان باتوں کی بنیاد ڈالی تھی۔

یہ صد سالہ تقریبات ہمیں اپنی باطنی حالات کا جائزہ لینے، غور و فکر کرنے اور ۲۱ ویں صدی پر ایک غایت نظر ڈالنے کے مواقع فراہم کر رہے ہیں۔
شری راجیو گاندھی اس وقت پتوار سنبھالے ہوئے ہیں۔ وہی ناخدا ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کانگریس اپنے مقاصد کو جن میں غریبوں کے لئے سماجی انصاف، بچھڑے لوگوں کے لئے بہتر معاشی زندگی۔ ٹیکنالوجی میں ترقی اور قومی یک جہتی، مساوات اور امن کی بحالی کی بحالی شامل ہے، حاصل کر کے رہے گی۔

فوری توجہ کے لئے

اپنے پتے کی تبدیلی کی اِطلاع، حوالہ نمبر (جو آپ کے پتے کے اوپری حصّہ پر درج ہوتا ہے) کے ساتھ لکھیئے، اور نئے پتہ کے ساتھ پُرانا پتہ بھی تاکہ آپ کو نئے پتہ پر قومی رسالہ جاری کیا جاسکے۔
جواب طلب امور کیلئے جوابی خط بھجوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمام خطوط کے جوابات توجّہ کے ساتھ ادارے کی طرف سے بھجوائے جاتے ہیں۔
(ادارہ)

پیغام

ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی

(وزیر مملکت برائے اطلاعات و رابطہ عامہ)



ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی
وزیر مملکت برائے اطلاعات و رابطۂ عامہ

مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ حکومت مہاراشٹر کے محکمۂ اطلاعات و رابطہ عامہ کے پندرہ روزہ "قومی راج"، جو کہ مراٹھی، گجراتی، ہندی، انگریزی اور سندھی میں بھی شائع ہوتا ہے کانگریس کے صد سالہ جشن کے موقع پر ایک خصوصی نمبر شائع کر رہا ہے۔

کانگریس کی صد سالہ تاریخ ملک کی بیداری اور ہمہ جہت ترقی کی تاریخ ہے۔ اس صدی میں تعلیمی، سماجک اور سیاسی تبدیلیوں میں کانگریس ہمیشہ تعمیر و ترقی کی راہوں پر گامزن رہی ہے۔ اس لمبے عرصے میں ملک کی ترقی کی سمت کانگریس نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ فراموش نہیں کئے جا سکتے۔

دادا بھائی نوروجی، فیروز شاہ مہتہ، گوپال کرشن گوکھلے، لوک مانیہ تلک، مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، اور سردار پٹیل، نے دیس کے لوگوں کی مسلسل رہنمائی کی ہے۔ جس کی مثال، دنیا کے کسی بھی حصّہ میں نہیں ملے گی۔ آج ہمارے ملک میں جو ایک مضبوط اور مستحکم جمہوریت کی بنیاد پڑی ہے وہ کانگریس کے سیکولر مزاج کی نشان دہی کرتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ "قومی راج"، کا یہ خصوصی شمارہ قارئین کو کانگریس کی کارکردگی کے بارے میں پوری پوری اطلاعات فراہم کر سکے گا۔

محکمۂ اطلاعات و رابطۂ عامہ کے رسالوں کی روایت اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ اس کے خصوصی شمارے پڑھنے اور محفوظ کرنے کے لائق ہوتے ہیں۔

کانگریس کے صد سالہ جشن پر شائع ہونے والا یہ خصوصی نمبر بھی، مجھے امید ہے کہ اپنی روایت برقرار رکھے گا۔

ڈاکٹر رام منوہر ترپا

★ آر۔ کے۔ کرنجیا
ایڈیٹر ان چیف (ہفت روزہ بلٹز) اور (روزنامہ ڈیلی)

ترجمہ:۔ عبدالوحید خاں جامعی

راجیو گاندھی — حقیقی راجیو کیسے بنے؟

وزیراعظم کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد ایک سال کے اندر ہی راجیو گاندھی کا نام اور شہرت ہندوستان کی سرحدوں کے پار پانچوں براعظموں تک پھیل چکی ہے آج بیرونی ممالک اور اپنے وطن دونوں ہی جگہ انھیں یکساں مقبولیت حاصل ہے — سمندر پار ان کے خاص دوروں میں ان کے ہمراہی یہ اندازہ لگائے بغیر نہ رہ سکے کہ ان کی پُر وقار شخصیت وہاں کے لوگوں اور رہنماؤں کے لئے کس قدر پُرکشش ہے۔ انہوں نے اپنے اردگرد حالات پر بھی اثر ڈالا اور دکھادیا کہ سب سے چھوٹا نوجوان سربراہ بھی اعلیٰ طاقتوں کے سربراہوں کی ہمسری کر سکتا ہے —

ناساؤ میں دولتِ مشترکہ کے ممالک کے سربراہوں کی چوٹی کانفرنس میں انہوں نے اس نازک موقع پر جبکہ ایک طرف برطانیہ کی وزیراعظم، مارگریٹ تھیچر اور دوسری طرف افریقی لیڈروں کے درمیان جنوبی افریقہ کے خلاف پابندیاں عائد کرنے کے سوال پر سخت اختلاف رونما تھا۔ بڑے تدبر، مصلحت اور ڈپلومیسی سے کام لے کر ثالث کا کردار بخوبی نبھایا، اور کثرت رائے سے فیصلہ کرایا۔ ادارہ اقوام متحدہ کی چالیسویں سالگرہ کے موقع پر وہاں جمع ہونے والے ریاستوں کے سربراہوں کے درمیان راجیو گاندھی نے بھی بنیادی طور سے تیسری دنیا کے ممالک کی طرف سے ریگن، تھیچر اور کوہل کی رجعت پسندی اور نئے نوآبادیاتی رجحان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔

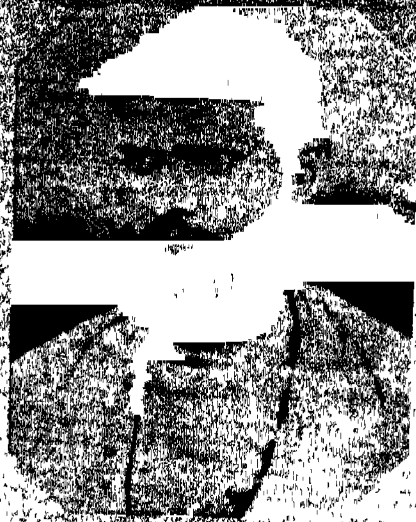
عالمی رہنماؤں کی اس سب سے بڑی اسمبلی میں اپنی سب سے پہلی حاضری پر ہی انہوں نے بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود کی خاطر بڑی پُرمغز تقریر کی، اور جنرل اسمبلی کو نیوکلیر خطرات اور تباہکاری سے آگاہ کیا گیا: ایسی فصاحت وبلاغت کی مثال ان کے نانا پنڈت جواہر لال نہرو کے سوا اور کسی رہنما میں دیکھنے میں نہیں آتی۔ ان کے پُرزور دلائل مثالی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان کا بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں حوالہ دیا جاتا ہے۔

اس سال مئی، جون اور اکتوبر میں گورباچوف اور ریگن

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

جدوجہد آزادی کے جانباز انقلابی



























روسی صدر گورباچوف وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کا پھولوں سے استقبال کرتے ہوتے دیکھے جا سکتے ہیں۔

کے ساتھ ملاقات کے دوران انہوں نے ذاتی طور سے دوستی قائم کرلی، اور اس کے سبب امن اور ترک اسلحہ کی موجودہ بات چیت میں انہیں اعلیٰ سطح پر اہم مقام حاصل ہوا ہے۔ جینوا چوٹی کانفرنس کی کامیابی میں خواہ کم ہی سہی، وہ بھی حصے دار ہیں۔ امن عالم کے لئے ان کی جدوجہد کی اور کسی نے نہیں بلکہ فیڈل کیسٹرو جیسی شخصیت نے تعریف کی ہے، جو بعد از جنگ انقلابیوں میں واحد حیات فرد ہیں۔ انہوں نے راجیو کو "شہزادہ امن" کا خطاب دیا ہے۔

ادارۂ اقوام متحدہ کے اجلاس کے موقع پر نیویارک کے "والڈورف آیسٹوریا" میں تین دن قیام کے دوران ان سے خود انہی کی درخواست پر ملاقات کرنے والے بڑے اور تجربہ کار عالمی رہنماؤں کی لمبی چوڑی فہرست سے ان کی زبردست قیادت کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔ ساتھ ہی ہندمیں نادان مغربی لابی نمائندوں پر جو راجیو کی جواہر لال نہرو کے ساتھ خشک مزاج بتاتے ہیں۔ ان کی سیاسی عظمت اور وقار عیاں ہوجاتا ہے۔

ان کی پُر وقار شخصیت سے ملک کا وقار بڑھا ہے۔ اسی خوبی کو دیکھ کر ہندوستان کے کچھ حاسد حلقوں میں بغض و عداوت پیدا ہوئی۔ وہ وزیر اعظم کی امن عالم کے لئے جدوجہد کو حقیقت ناشناسی کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ، امن عالم کی فکر چھوڑیں اور اندرونی مسائل دفاع اور ترقیات پر توجہ دیں۔ یہ ان کی مہمل دلیل ہے۔ انہیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہی تو وہ سیاسی کارنامہ ہے جو راجیو وطن اور سمندر پار انجام دے رہے ہیں۔

کیا خطرناک ہتھیاروں اور ایٹم بم کے ساتھ پاکستان کی مدد کرنے والوں کے خلاف ان کی مہم کا مقصد اپنی سرزمین اور اس کے باشندوں کی حفاظت ٹھیک ہے ——؟ کیا برصغیر میں نیوکلیر اسلحہ کی دوڑ کو روکنے کے لئے ان کی کوشش کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہمارے حقیر ذرائع کو فوجی طاقت بڑھانے کی بجائے ترقی میں لگایا جائے۔ بہر حال ایک ایسے لیڈر کو جس نے پنجاب، آسام، اور شمال مشرقی سرحد جیسے گھریلو مسائل پر باہمی رضامندی سے سمجھوتہ کرا کے ناممکن کو ممکن کر دکھایا، اور برصغیر میں کسی حد تک کامیابی سے پڑوسیوں کے ساتھ خوشگوار فضا پیدا کی۔ یہ صلاح دینا کہ وہ چند بے تکی ترجیحات پر توجہ دیں، بدنیتی اور بے ایمانی نہیں ہے۔

جیسا کہ معاشی منصوبہ بندی سے واضح ہوتا ہے در حقیقت دفاع اور ترقیات کی راجیو کے ذہن اور پروگراموں میں انتہائی



وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کا کیوبا کے صدر مسٹر فیڈل کیسٹرو استقبال کر رہے ہیں۔

صفحہ ۔ سے آگے ۔ راجیو گاندھی۔

ترجیح دی گئی ہے ۔ ہم اس کے حل سے متفق ہوں یا نہ ہوں، یہ الگ بات ہے ۔ اس وقت بحث ترجیحی اُمور کی ہے ۔ راجیو نے بڑی خوبی سے امن عالم اور ملکی ترقی دونوں ہی کو اہمیت دی ہے جو ایک دوسرے پر منحصر ہے ۔

ایک سال کی مختصر مدت میں وزیر اعظم کا گھریلو ریکارڈ بھی بڑا پُراثر رہا ہے ۔ پنجاب اور دیگر ریاستوں کے مسائل کے علاوہ قوم کے نام اپنے اولین پالیسی نشریہ بیان میں یہ اپیل کی کہ ملک کو کمزور کرنے والی طاقتوں کے خلاف حُبِ وطن کے جذبہ سے متحد ہو جائیں ، اور قومی ترقی کے کاموں میں جٹ جائیں ۔ انہوں نے قوم کو نہ صرف وہی راہِ عمل دوبارہ دکھائی جو جدوجہد آزادی کے دوران اختیار کی گئی تھی بلکہ اکیسویں صدی کی سمت ہندوستان کی رفتار کو تیز تر کیا ۔

اِنتخابات کے بعد وزیر اعظم نے سب سے اول دل بدلی کے خلاف قانون پارلیمنٹ میں پاس کرا کے اپنے خلوص اور نیک نیتی کا ثبوت دیا ۔ سالہا سال سے اپوزیشن دل بدلی کو روکنے کا مطالبہ کر رہی تھی ۔ لیکن اس مقصد سے کوئی قانون اس وقت بھی وضع نہیں کر سکی ۔ جب کہ وہ برسرِ اقتدار آئی تھی ۔ اس کی صاف وجہ یہ ہے کہ دو کمیونسٹ پارٹیوں کے ماسوا ان کی اکثریت دل بدلنے والوں ہی پر مشتمل ہے ۔

دل بدلی کی لعنت کو روکنے کے بعد راجیو نے دیویسکر مالی معیشت پر دھیان دیا ۔ اپنے نئے بجٹ میں متنازعہ ٹیکس مراعات کے اعلان کا مقصد بھی یہی تھا کہ معاشی میدان میں ایمان داری اور دیانت کو بحال کیا جائے ۔ کاروباری برادری کا کہنا تھا کہ ٹیکس چوری کا سبب اس کی بڑی شرح ہے ۔ اسی خیال کو سامنے رکھتے ہوئے راجیو نے اس بات پر زور دیا کہ ان مراعات سے ایمان داری کو بڑھاوا ملنا چاہئے ۔ لیکن انہوں نے یہ دھمکی بھی دی کہ اگر ٹیکس چوری اور مالی معیشت جاری رہی

تو سخت قدم اُٹھایا جائے گا۔ اپنے قول کے مطابق ان رعایتوں کے بعد اقتصادی مجرمین اور کالا دھندا کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی گئی۔

یہ تبدیلیاں متنازعہ ہیں۔ ان پر نکتہ چینی کی گئی ہے اور یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ نہرو ..... اندرا راہِ ترقی سے انحراف ہے۔ صرف نتائج ہی سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ یہ کہاں تک ٹھیک یا غلط ہے۔ راجیو کے معاملہ میں انصاف کی بات تو یہی ہے کہ ایک سال سے بھی کم مدت اس کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے کافی نہیں کہی جا سکتی ہے۔

وزیر اعظم شری راجیو گاندھی آسام معاہدہ پر دستخط کرتے ہوئے۔ آپ کے ہمراہ مرکزی وزیرِ داخلہ شری ایس۔ بی۔ چوان بھی نظر آ رہے ہیں۔

فوری ردعمل یہی تھا کہ قیمتیں ایک دم چڑھ گئیں، اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ افراطِ زر دوگنا ہو جائے گا۔ بہرحال تازہ ترین اطلاعات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قیمتوں میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا اور افراطِ زر کی شرح بھی رُک گئی ہے۔ اس کے ساتھ معیشت میں جو ٹھٹھر کر رہ گئی تھی پھر جان پڑ گئی ہے، اور صنعت بھی نئے اعتماد کے ساتھ ابھر رہی ہے۔

اگر صنعت کام نہ کرے تو راجیو اس قابل ہیں کہ اسے حرکت میں لانے کے لئے اقدامات کر سکیں۔ انہوں نے کالے دھن کو ختم کرنے کا بیڑہ اُٹھایا ہے اور یہ بندوبست کیا ہے کہ صنعت بدعنوانی اور ٹیکس چوری سے پاک ہو، اور ٹھپ ہونے سے بچ جائے۔

راجیو کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ تجربہ سے سیکھنے کے لئے تیار ہیں اور ہندوستان جیسے ملک میں ترقی





شری راجیو گاندھی (اس وقت) ایم۔پی
اب وزیراعظم! بمبئی میں انڈین نیشنل کانگریس
کے ۸۳ ویں سیشن کے دوران۔

کی سطح پر جو اس نے حاصل کی ہے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں کہ تجربہ اور غلطیوں سے سیکھا جائے۔

ایسے ناقدین جو وزیراعظم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ روایاتی معیشت کی راہ سے ہٹ گئے ہیں، یہ بھول جاتے ہیں کہ انہوں نے کس طرح اس دباؤ کا مقابلہ کیا جو پبلک سیکٹر میں حصہ مقررہ میں کمی کے لئے ڈالا گیا تھا۔ جس کا وعدہ اندرا گاندھی نے کیا تھا، اور غربت کو مٹانے کے لئے حسب وعدہ اندراجی کی طرح کمربستہ رہے۔ اس کا اظہار ساتویں ترقیاتی دستاویز سے ہوتا ہے۔ جو پچھلے ماہ ہی منظور کی گئی ہے۔

یہ بلاشبہ صحیح ہے کہ انہیں ذاتی طور سے یہ تجربہ نہیں ہے کہ لوگوں کے غریب، کمزور اور درماندہ طبقات کی زندگی کیا ہوتی ہے۔؟ لیکن وہ گاندھی جی کے اس ارشاد کی تعمیل کر رہے ہیں کہ "ہمارے لاکھوں بھوکے، کمزور اور غریب ترین لوگوں میں آخری آدمی تک سوراج کا پھل پہنچایا جائے۔"

اسی نصب العین کو سامنے رکھ کر انہوں نے مدھیہ پردیش، اڑیسہ اور راجستھان وغیرہ کے دور دراز جنگلات، اور گاؤں گاؤں جا کر قبائلی اور پس ماندہ طبقہ کے لوگوں سے ملاقات کی اور ان بھولے بسرے لوگوں تک راحت، امید اور انصاف کا پیغام پہنچایا۔ وہ فی الحال چند مہینوں ہی میں اتنے زیادہ پسماندہ علاقوں کا دورہ کر چکے ہیں جتنا کہ شاید ان کے کسی پیشرو نے اپنی مدت کار کے دوران بھی نہ کیا ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ اہمیت کی بات یہ ہے کہ ان کے دوروں کے بعد فوراً ہی عملی اقدامات کئے جاتے ہیں اور ان بھلائے ہوئے دیہی باشندوں کے لئے الگ منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ یہاں ساتویں منصوبہ سے متعلق پیرا نقل کیا جاتا ہے۔

"چھٹے منصوبہ کے تحت مندرج جاتی/مندرج قبائل اور دیگر پس ماندہ طبقات کی سماجی و معاشی ترقی کے لئے طریقہ کار یہی تھا کہ سابق منصوبوں کے مقابلے میں خاص جزوی منصوبہ اور خاص مرکزی امداد سے بڑے پیمانے پر، سرمایہ اور امداد ان کے لئے دی جائے۔ ساتویں منصوبہ میں بھی ان کی سماجی و معاشی ترقی کے لئے اس طریقہ پر زور دیا گیا ہے۔ انہیں پیشہ ورانہ اور اقتصادی تقویت پہنچائی جائے گی۔ ایسے پروگرام وضع کئے جائیں جن کے ذریعہ ان کی کم سے کم ضروریات پوری ہوں اور ساتھ ہی ایسے واضح مربوط پروگرام پر زور دیا جائے جس میں ان کی ضروریات کا صاف صاف اندازہ کیا گیا ہو۔ آبادی کے اس جزکی امداد پر خاص توجہ دی جائے گی تاکہ وہ غربت کی سطح کو پار کر سکے۔"

اس مقصد کے تحت ساتویں منصوبہ کے دوران ۲ کروڑ گھرانوں کی مربوط دیہی ترقی پروگرام کے تحت امداد دیجائے گی۔ اس نشانہ سے شرح غربت ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۳۷ فیصد سے گر کر ۹۰-۱۹۸۹ء میں ۲۶ فیصد سے بھی کمتر رہ جائے گی۔ یعنی ۹۰-۱۹۸۹ء تک غریب لوگوں کی تعداد ۲۷۳ سے گھٹ کر ۲۱۱ ملین رہ جائے گی۔

غذا کی فاضل مقدار ہی دیہی ترقی کی جان ہے۔ چاول، اور گیہوں امدادی قیمتوں پر مربوط قبائلی ترقیاتی منصوبوں کے ذریعہ تقریباً پانچ کروڑ (۵۰ ملین) قبائلیوں کو فراہم کرنا پڑتا ہے۔ دیہی علاقوں اور شہری جھونپڑپٹیوں میں بچوں، حاملہ عورتوں اور دودھ پلانے والی ماؤں کو اسی طرح اناج مہیا کرنا ہوتا ہے۔ دیہی بے زمین لوگوں کے لئے ضمانت روزگار پروگرام اور قومی دیہی روزگار پروگرام کی توسیع کی جائے گی۔ تاکہ فی الحال پانچ کروڑ کام کے دنوں سے اور ۸۷-۱۹۸۶ء میں مزید دس کروڑ کام کے دنوں کی گنجائش نکالی جائے گی۔ اس طرح ہمارا تیزی سے بڑھتا ہوا غذائی ذخیرہ بھوکے عوام کو کھلانے میں استعمال کیا جائے گا۔ جس سے خزانہ پر لگ بھگ ۱۰۰ کروڑ روپے خرچ کا بار پڑے گا۔ لازمی پروگراموں کے منصوبوں میں یہ خاص ہدایت دی گئی ہے کہ یہ پروگرام.... لامرکزیت کی بنیاد پر زیر عمل لائے جائیں، اور اولین سطح ہی پر لوگ ان میں حصہ لیں۔ ہماری رائے میں یہ بہترین دستاویز ہے اور گاندھی جی کے بے مثال دیہی احیاء تصور کی حامل ہے۔ اس سے وزیراعظم کو انتہائی غربت و افلاس اور کم تری کا تھوڑا بہت اندازہ اور تجربہ ہوا ہے۔

آخر کس چیز نے راجیو گاندھی کو راجیو بنایا۔ ہندوستان کا راجیو، ناوابستہ ممالک کی تحریک کا راجیو، ساری دنیا کا راجیو۔ لوگ یہ سوال کرتے ہیں۔

کیسے ایک پائیلیٹ، برسر اقتدار آنے کے بعد ایک سال ہی کی مدت میں ایسا کرشمہ انجام دے سکتا ہے اور قومی اور بین الاقوامی مقبولیت اور شہرت حاصل کر سکتا ہے اس کا جواب شاید لفظ پائیلیٹ ہی میں مضمر ہے۔ ہوابازی کے حکام پائیلیٹ میں ڈسپلن، اعلیٰ اخلاق اور حقیقت پسندی پیدا کرنے پر توجہ دیتے ہیں۔ جو ایک ترقی یافتہ اور کامل انسان کی خاص خوبیاں ہیں۔

وزیراعظم شری راجیو گاندھی قبائلیوں کے ہمراہ





وزیرِ اعظم شری راجیو گاندھی، سنت ہرچند سنگھ لونگوال اور شری ارجن سنگھ کے ہمراہ پنجاب معاہدہ پر دستخط کرتے ہوئے جس کی بنیاد پر ریاستی انتخابات کی راہ ہموار ہوئی۔

راجیو میں یہ سب خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں - پنجاب کے معاملہ پر انہوں نے ان خوبیوں کا مظاہرہ کیا۔ فروری میں انتخابی دورے کے وقت میں نے ہوائی سفر کے دوران ان سے انٹرویو لیا، اور دریافت کیا کہ وہ پنجاب کے مسئلہ میں کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں .....؟

انہوں نے جواب دیا کہ بلاشبہ سب سے اول ہمیں اسے ہی حل کرنا ہے - پھر یکایک ان کی آنکھوں میں ایک عجیب چمک پیدا ہوئی جسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ان کا ذہن وقت اور مقام سے بہت آگے پرواز کر رہا ہے -

انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ "اس کا حل بڑی جلد نکل آئیگا جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے"

غالباً ہوا باز نے اس کا حل سوچ لیا تھا، اور جس طرح پائیلیٹ پورے زور و اعتماد سے ہوائی جہاز زمین پر اُتارتا ہے، وہ بھی اسی طرح پورے زور و شور سے اس کا اظہار کرنے والے تھے۔

پھر بھی انہیں اپنی صلاحیت کا اور کس بل دکھانا ہے - لوگوں نے ایسے نازک حالات میں انہیں راج گدی پر بٹھا کر بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے - اس نوجوان وزیر اعظم نے پہلے تین دن کے اندر ہی اپنی صلاحیت کا ثبوت دیا جبکہ ان کی والدہ کے قتل کے بعد راجدھانی میں ایک قیامت برپا تھی - اور فضا میں گولیاں سنسنا رہی تھیں - ہم میں سے جن لوگوں نے اس وقت دن رات ان کی سرگرمی — دوڑ دھوپ اور ہوشمندی دیکھی ہے - وہ یقیناً ان کی صلاحیت کے قائل ہوں گے - انہوں نے بڑے اعتماد، قوت،

حوصلہ مندی اور تدبر سے اس بے امنی کو فرو کر دیا۔ اس کی مثال اس ملک کی تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی۔

وہاں ایسے مشیر بھی تھے جنہوں نے اس بحران پر قابو پانے کے لئے ایمرجنسی نافذ کرنے کا مشورہ دیا، اور یقیناً مسز اندرا گاندھی کے قتل کے بعد حالات کچھ ایسے نازک تھے ان میں ایمرجنسی کا نفاذ جائز ہی ہوتا اور انتخابات بھی ملتوی کر دینا مناسب ہوتا۔ لیکن راجیو نے پوری حوصلہ مندی سے کام لیا اور جلد ہی انتخابات کرنے کا حکم دے دیا۔

یہ فیصلہ اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ انہیں عام لوگوں اور جمہوری حل پر کس قدر اعتماد تھا۔ بعد میں ان کی پر جوش انتخابی مہم سے رہنما اور لوگوں میں قریبی دوستی پیدا ہو گئی۔ انہیں بے مثال جیت حاصل ہوئی، اور وہ قوم کے بلا شرکت غیرے سرپرست اور قائد بن گئے۔

بعد ازاں راجیو نے قوم کو مشترکہ محاذ پر جمع کیا، تاکہ ملک کو کمزور کرنے کی سوچی سمجھی سازشوں سے بچایا جا سکے۔ ان کی انتخابی فتح کسی نام نہاد ہمدردانہ رائے دہی کا نتیجہ تھی۔ بلکہ یہ تو فخر و افتخار نوجوانوں کی طاقت، ترقی، سائنس، اور اعلیٰ تکنیک کے لئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اتحاد، سلامتی اور آزادی ہند کے حق میں رائے دہی تھی۔

اس لمبے، دبلے پتلے، ہنس مکھ، اور خوبصورت نوجوان فرد نے اپنی حسین بیوی بچوں کے ساتھ دنیا بھر میں کروڑوں انسانوں کے دلوں میں جگہ بنائی ہے۔ جو وطن اور سمندر پار ان کے بے نظیر کارناموں کا نتیجہ ہے۔ یہ کرشمہ تو انہوں نے اپنے کھلے دماغ، ضابطہ پرستی، حقیقت پسندی، دیانتداری، انکساری، سادگی، اعتدال پسندی، سخت محنت کی صلاحیت انسانی اقدار کے گہرے احساس کی بدولت انجام دیا ہے۔ راجیو میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھی میں تھیں۔

میں اس موقع پر نامور انقلابی فیڈل کیسٹرو کو نہیں بھول سکتا، جنہوں نے راجیو کو زبردست خراج تحسین ادا کیا ہے۔ فیڈل کیسٹرو نے ہوانا کے شاندار محل انقلاب میں راجیو اور سونیا کے اعزاز میں شاندار دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ اس وقت میں نے اپنے میزبان سے پوچھا کہ ان کے خیال میں راجیو کی شخصیت اور کارکردگی کیسی ہے؟

اس دیو پیکر مرد نے اپنے دونوں ہاتھ میرے کاندھوں پر رکھ دیئے اور جواہر لال نہرو اور اندرا کے ساتھ اپنی گہری دوستی کی یاد دلائی۔ انہوں نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ "یہ خوشگوار یادیں یہاں دفن ہیں۔ آج راجیو اس یاد کو زندہ کرنے اور دوستی کو مضبوط کرنے آئے ہیں"

انہوں نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ —

"پچھلے ۲۵ سال کے دوران میں دنیا کے بہت سے رہنماؤں اور اشخاص سے مل چکا ہوں۔ لہٰذا میں اس قابل ہوں، کہ انسان کے کردار اور صلاحیت کی جانچ کر سکوں۔ اب یکا یک راجیو سے ملا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ پاک و صاف، نیک منکسر المزاج اور دیانتدار فرد ہیں۔ وہ بڑے ذہین نوجوان ہیں۔ استقامت، انسانیت اور صبر و تحمل کے مالک ہیں۔ اور اپنے خیالات بڑی تفصیل اور وضاحت سے پیش کرتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ کے ملک اور کانگریس کے لئے یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ انہیں راجیو جیسا لائق اور فاضل رہنما ملا ہے۔ وہ بڑے نیک، عالی مرتبت انسان ہیں۔ وہ تو شہزادہ ہیں جو امن و ترقی کے کاموں میں ہمہ تن لگا ہے"

فیڈل کیسٹرو کے اس خراج تحسین کی ایک اور مشرقی رہنما ترد نگ چینیہ نے رہنمائی کی ہے۔ جو ویت نام جیسے انقلابی ملک سے تعلق رکھتے ہیں، اور ہوچی منہ کے ہم عصر ہیں۔ کیا اب اس سے بھی زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت باقی ہے؟ ان ہی چیزوں نے راجیو گاندھی کو راجیو بنایا ہے۔

امان اللہ خاں شیروانی
پرنسپل اسلامیہ کالج ۔ اٹاوہ ۔ یو۔پی

انڈین نیشنل کانگریس کے بانی

مسٹر اے۔ او۔ ہیوم

کانگریس کا جنم صرف ایک سیاسی پارٹی ہی کا جنم نہیں تھا بلکہ ایک ایسی تحریک کا جنم تھا جس نے ہندوستان میں نہ صرف سیاسی بیداری پیدا کی بلکہ اہلِ ملک کو قومی اتحاد، سیکولزم، قربانی اور عدم تشدد کا ایک انوکھا اور انسانیت افزا سبق سکھایا۔ حالانکہ اس تحریک کا مقصد شروع میں انگریزی حکومت کو سیاسی طور پر مضبوط بنانا تھا لیکن اس کے ساتھ اس تحریک نے ملک میں ایک زبردست سیاسی اور سماجی انقلاب کی بنیاد ڈالی۔ اس تحریک کے جنم داتا کے طور پر ایک انگریز افسر مسٹر اے۔ او۔ ھیوم کا نام لیا جاتا ھے۔ لیکن خود مسٹر ھیوم نے ۱۸۹۴ء میں لندن میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان مرحوم سے ایک ملاقات میں بتایا تھا کہ "انڈین نیشنل کانگریس" بنانے کا خیال انہیں سر سیّد احمد خان مرحوم کی کتاب "اسباب بغاوتِ ھند" سے پیدا ھوا۔ یہ بات "انجمن اسلام بمبئی" کی رپورٹ میں درج ھے اور اس رپورٹ کی کاپی آج بھی خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ھے [حوالہ "کانفرنس گزٹ" علی گڈھ صفحہ نمبر ۸، جلد نمبر ۱۰ شمارہ نمبر ۱۲ اور ۱۳) بہرحال اس تحریک کا بانی عملی طور پر مسٹر ھیوم کو ھی تسلیم کیا جاتا ھے۔

مسٹر ایلن ہیوم کے والد مسٹر جوسف ہیوم اسکاٹ لینڈ کے ایک محبِّ وطن اور انسانیت کے علمبردار سیاست داں تھے۔ وہ برطانوی پارلیمنٹ کے رُکن تھے۔ ان کا تعلق ہندوستان سے بھی بڑا گہرا تھا۔ ۱۷۹۶ء سے ۱۸۰۸ء تک وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کے سلسلے میں ہندوستان میں رہے تھے۔ مسٹر جوسف ہیوم بڑے ہی آزاد خیال، جمہوریت پسند اور بے باک انسان تھے۔ مسٹر ایلن ہیوم نے اپنے والد سے نہ صرف ہندوستانی رشتہ بلکہ جمہوری قدروں سے دلچسپی بھی وراثت میں پائی تھی۔

مسٹر اے۔او۔ ہیوم کا تقرر بنگال سول سروس میں ۱۸۴۹ء میں ہوا تھا اور ۱۸۸۳ء تک وہ حکومت کے مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے۔ وہ تقریباً ۱۸ سال تک اٹاوہ (یوپی) کے کلکٹر رہے۔ کئی سال کسٹم میں کمشنر اور محکمۂ زراعت کے ڈائریکٹر بھی رہے۔ آخر میں وہ حکومتِ ہند کے ایک اہم شعبے کے سکریٹری ہوگئے۔ لیکن حکومتِ ہند سے کچھ پالیسیوں پر اختلاف پیدا ہوجانے کی وجہ سے انہیں وقت سے پہلے ہی ملازمت سے سبکدوش ہونا پڑا۔ مسٹر ہیوم نہ صرف ایک بہترین

منظم تھے بلکہ صاحب بصیرت بھی تھے۔ وہ اعلیٰ انسانی اقدار کے حامی، سیاسی شعور رکھنے والے مدبّر اور مرد آہن بھی تھے۔ ان کی سوچ اور فکر کا انداز اس زمانے کے انگریزی افسران سے کچھ مختلف تھا۔ ایک طرف وہ انگریزی حکومت کے حامی تھے تو دوسری طرف ان کی خواہش تھی کہ یہ حکومت ہندوستانیوں کے لئے زحمت کی جگہ رحمت بنے لیکن ان کو یہ بھی اندازہ ہوگیا تھا اس وقت انگریزی حکومت اور غیر ملکی افسران ملک کی ضروریات، لوگوں کے احساسات و جذبات اور یہاں کے سیاسی حالات کو سمجھے بغیر لاٹھی کے زور پر حکومت کرنا چاہتے تھے۔ مسٹر ہیوم کے خیال میں اس خرابی کی بنیادی وجہ اس دور کی افسر شاہی تھی۔ اول تو حکومت اور عوام میں رابطے کے ذرائع کا فقدان تھا۔ دوسرے انگریز افسر شاہی کی فرعونیت شملہ کی اونچائی پر نیچے میدانوں میں رہنے والے عوام کے احساسات سے بے خبر رہتی تھی۔ مسٹر ہیوم نے اپنی سیاسی بصیرت سے یہ بھی اندازہ لگالیا تھا کہ اہل ہند سیاسی اور معاشی پستی کی طرف بڑھ رہے ہیں جس کے نتیجے میں انگریزی حکومت کی دیواروں میں شگاف پڑنے کا امکان تھا۔ انھوں نے یہ بھی محسوس کرلیا تھا کہ یہاں کا دانشور طبقہ ذہنی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ اس کی وجہ سے کسی وقت بھی عوام کے ضبط کا بندھن ٹوٹ سکتا تھا۔ زیریں سطح جو کچھ بھی ہو رہا تھا مسٹر ہیوم کو بخوبی علم تھا "پرانی بوتلوں میں نئی شراب" جوش میں تھی اور کسی وقت بھی بوتلوں کے پھٹ جانے سے شراب بہہ سکتی تھی۔ ان کے خیال میں اس کا ایک ہی علاج تھا "ہندوستانی عوام پر بھروسہ" ہندوستانی عوام کی ذہانت، تہذیبی وراثت اور امن و شانتی کے لئے ان کے جذبۂ عقیدت پر اعتماد کیا جائے اور انہیں ملک کے سیاسی اور انتظامی ڈھانچے میں شامل کیا جائے۔

حکومت سے علیحدگی کے بعد ان کی انسان دوستی، غربا پروری اور ہمدردانہ فطرت نے جوش مارا اور انھوں نے ہندوستان میں "قومی تحریک" کو جنم دیا۔ اس قومی تحریک کا ایک رخ تھا "انڈین نیشنل کانگریس"۔ کانگریس کی تعریف کرتے ہوئے خود مسٹر ہیوم نے ایک جگہ لکھا تھا۔ یہ چند مہذب اور تعلیم یافتہ ہندوستانیوں اور کچھ ان کے انگریز دوستوں کی ایک ایسی جماعت ہے جو ہندوستان کی بہتری کے لئے وجود میں آئی ہے۔" مسٹر ہیوم کی تحریک کے تین اہم اور بنیادی مقاصد تھے۔ ہندوستان کی رنگارنگ آبادی اور مختلف عناصر میں قومی ایکتا پیدا کرنا۔ دوسرے یہاں کے عوام کی سیاسی، اخلاقی اور سماجی بنیاد پر ایک تنظیم بنا کر ایک نئے اور جدید ہندوستان کو جنم دینا۔ تیسرے ہندوستان اور انگلستان کے درمیان شک و شبہ کی فضا کو دور کرنے ایسا راستہ اختیار کرنا جس سے دونوں ملکوں کے عوام کی بھلائی ہو سکے۔ دراصل مسٹر ہیوم آزادی اور جمہوریت کے زبردست حامی تھے اور ان کے خیال میں "مغرب کو کسی حالت میں یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی سیاسی اور معاشی اغراض کی خاطر مشرق کو غلام بنائے رکھے اور اس کا معاشی اور سیاسی استحصال کرتا رہے۔" بین الاقوامی حالات اور عالمی سیاسی بیداری پر ان کی گہری نظر تھی۔ اسی دور میں جاپان میں وہاں کی فوجی جابریت کے خلاف عوامی تحریک نے فتح حاصل کی تھی اور اس کے نتیجے میں عوامی خواہشات اور احساسات کے مطابق دستوری حکومت وجود میں آچکی تھی۔ مسٹر ہیوم ہندوستان میں بھی حکومت برطانیہ کے زیر سایہ قومی حکومت کے خواہاں تھے اور ایسی حکومت ان کے خیال میں سلطنت برطانیہ کے لئے طاقت اور استحکام کا باعث ہوسکتی تھی۔ انہیں انقلابی خیالات کی روشنی میں انھوں نے انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد ڈالی۔ انھوں نے یکم مارچ ۱۸۸۳ء کو ایک گشتی خط کلکتہ یونیورسٹی کے گریجویٹس کے نام جاری کیا اس خط کے ابتدائی الفاظ یہ تھے۔ "آپ ہندوستان کے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ہیں اور اس طرح آپ ہندوستان کی معاشی، سیاسی، سماجی اور اخلاقی ترقی کے لئے سب سے بڑا ذریعہ بھی ہیں کیونکہ کسی ملک کے تعلیم یافتہ نوجوان اس ملک کی خوش حالی اور ترقی کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ آپ چاہیں تو ملک کو اپنی ذہنی صلاحیتوں سے باغ و بہار بنا سکتے ہیں۔ اس کے لئے کچھ قربانیوں کی ضرورت ہے۔

مجھے پوری امید ہے کہ آپ کا قومی جذبہ آپ کو ان قربانیوں کے لئے تیار کر دے گا۔ انفرادی طور پر یہ کام مشکل ہوگا۔ میرے خیال میں آپ سب مل کر ایک ایسی تنظیم کی تشکیل کریں جس کا مقصد ملک کی فلاح و بہبودی ہو۔ فی الحال

اس عظیم کام کے لئے صرف پچاس نوجوان ایک پلیٹ فارم پر آجائیں اور ایک عظیم قومی تحریک کے جنم داتا بن جائیں اور ملک کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیں۔" غالباً اسی جذبے اور خلوص کے ماتحت مسٹر گوکھلے نے "سرونٹ آف انڈیا سوسائٹی" کی بنیاد ڈالی تھی اور اس سوسائٹی کا موٹو تھا۔ "وہ جو تم میں سب سے بڑا ہے اس کو تمہارا خادم ہونا چاہیئے۔"

مسٹر ہیوم کا کلکتہ یونیورسٹی کے گریجویٹس کے نام یہ طویل خط ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے۔ "اگر آپ لوگوں میں سے ایسے پچاس افراد بھی نہیں مل سکے تو پھر ملک کا خدا حافظ۔ غیر ملکی لوگ آپ پر حکومت کرتے رہیں گے اور آپ کے مسائل کبھی حل نہیں ہوسکیں گے۔ اگر آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور محبِ وطن حضرات بھی اپنے ملک کی آزادی کے لئے اپنے ذاتی اغراض کو قربان نہیں کرسکتے اور اپنے ملک کے لئے ایک ایسی غیر جانب دار حکومت بنانے میں مدد نہیں کرسکتے جس میں آپ لوگوں کا زیادہ حصّہ ہو تو ہم جیسے آپ کے دوست آپ کے بارے میں غلط رائے قائم کئے ہوئے تھے اور اس ملک کی فلاح وبہبود کے لئے لارڈ رپن کے خواب رائیگاں جائیں گے۔ پھر میرے خیال میں اس سے بہتر حکومت آپ کے لئے اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ آپ کی یہ شکایتیں بھی کوئی معنی نہیں رکھیں گی کہ آپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا۔ اس سے یہ ثابت ہوگا کہ انگریزوں کو آپ پر حکومت کرنے کا پورا حق ہے اور یہ حکومت اس وقت تک قائم رہنا چاہیئے جب تک آپ پر یہ اچھی طرح واضح نہ ہوجائے کہ ذاتی قربانی اور خود غرضی کے خلاف جذبات ہی قومی آزادی اور خوش حالی کے ضامن ہوتے ہیں۔"

اس سحر انگیز اپیل کا یہ اثر ہوا کہ "انڈین نیشنل یونین" جماعت کی تشکیل عمل میں آگئی۔ اس یونین نے اپنے مقاصد میں حکومت برطانیہ کی وفاداری کو مقدم رکھتے ہوئے حکومت کو عوام کی بھلائی کے کام کرنے کے لئے ترغیب دینا، عوام کے مسائل کو حکومت کے سامنے پیش کرنا اور حکومت کی طرف سے عوام کی غلط فہمیوں کو دور کرنا شامل کرلیا تھا۔ اس یونین کی رکنیت کے لئے کچھ شرائط ضروری رکھی گئی تھیں۔ اول صاف ستھرا ریکارڈ، دوسرے ملک کی مادی، ذہنی، اخلاقی اور سیاسی ترقی کے لئے خواہش، سوم ذہانت جسے تعلیم نے فروغ دیا ہو، چوتھے عوام کے لئے ذاتی قربانیوں کا جذبہ اور پانچواں اچھا کردار۔ اس یونین کی مختلف بڑے شہروں میں لوکل کمیٹیاں بنائی گئیں۔ مرکزی دفتر پونے میں رکھا گیا تھا اور مسٹر ہیوم کو اس کا جنرل سکریٹری بنایا گیا تھا۔ اس یونین کی طرف سے ۱۸۸۵ء کے آخر میں ایک کانفرنس پونے میں منعقد کئے جانے کا عزم کیا گیا۔

اس طرح ایک قومی تحریک کی بنیاد رکھنے کے بعد مسٹر ہیوم کچھ ہم خیال دوستوں سے صلاح ومشورہ کرنے اور انگریز سیاست دانوں کا ردِ عمل معلوم کرنے کے لئے انگلستان چلے گئے۔ وہاں انہوں نے جن لوگوں سے ملاقات کی اور اس ہندوستانی تحریک کے لئے صلاح ومشورہ کیا، ان میں لارڈ رپن، لارڈ ڈلہوزی، مسٹر سلیگ ایم۔ پی اور مسٹر ابڈ سمیور سیاست دان شامل تھے۔ مسٹر ہیوم کو یہ بھی احساس تھا کہ برٹش پریس ہندوستان کی خبروں اور یہاں کے مسائل کی طرف خاص توجہ نہیں کرتا جو بھی خبریں برطانیہ بھیجی جاتی تھیں ان پر جانبداری کا لیبل لگا ہوتا تھا۔ اس لئے انہوں نے "انڈین ٹیلی گراف یونین" کی تشکیل بھی کی اور اس کے لئے چندا جمع کرکے برطانیہ کے اخبارات میں علیحدہ سے تار بھجوانے شروع کردیئے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے برطانیہ کے مشہور اخبارات اور رسائل سے خط وکتابت کرکے انہیں اس بات پر راضی کرلیا تھا کہ وہ "انڈین ٹیلی گراف یونین" کی بھیجی ہوئی خبروں کو شائع کریں گے۔ بدقسمتی سے یہ سودمند ادارہ فنڈ کی کمی کے باعث جلد ہی بند ہوگیا لیکن ان تمام باتوں سے مسٹر ہیوم نے برطانیہ میں ہندوستان کی ہمدردی کے لئے ایک حلقہ تیار کرلیا تھا۔

"انڈین نیشنل یونین" کی مجوزہ کانفرنس ۲۵ر دسمبر سے ۲۸ر دسمبر ۱۸۸۵ء تک پونے میں ہونے والی تھی لیکن ان تاریخوں سے چند روز قبل پونے میں ہیضہ پھیل جانے کی وجہ سے کانفرنس کو بمبئی میں منتقل کردیا گیا۔ اس کانفرنس میں باقاعدہ ایک سیاسی تنظیم کی بنیاد ڈالی گئی اور اس کا نام "انڈین نیشنل کانگریس" رکھا گیا۔ اس طرح دسمبر ۱۸۸۵ء کی یہ کانفرنس "انڈین نیشنل کانگریس" کا پہلا اجلاس تسلیم کیا گیا ہے۔ اس اجلاس کی صدارت جناب ڈبلیو۔ سی۔ بنرجی

سے کی تھی اور اس میں اس زمانے کی بہت سی مشہور ہستیوں نے شرکت کی تھی۔ ان میں بنرجی صاحب کے علاوہ دادا بھائی نوروجی اور مسٹر سبرامینم بھی شامل تھے۔ اس اجلاس میں وہ تاریخی اور دوررس تجویز پاس کی گئی تھی جس کے ذریعے صوبائی کونسلوں میں منتخب اراکین کی اکثریت اور کونسلوں کو مزید اختیارات کی مانگ کی گئی تھی۔ مسٹر ہیوم کے خیال میں اس اہم تجویز کی بدولت ہی سنہ ۱۹۰۹ء کی "مورلے اصلاحات" کے لئے راستہ کھلا تھا۔

ابتدا میں حکومت ہند اور خصوصاً لارڈ ڈفلن اس وقت کے گورنر جنرل کی ہمدردیاں مسٹر ہیوم کی قومی تحریک کو حاصل تھیں جو کہ اس بات سے واضح تھا کہ کانگریس کے دوسرے اجلاس (کلکتہ) کے موقع پر گورنر جنرل نے کانگریس کے اراکین کو گورنر ہاؤس میں ایک گارڈن پارٹی میں مدعو کیا تھا لیکن بعد میں حکومت کی پالیسی میں کچھ تبدیلی آگئی اور پھر کئی سال تک حکومت کی طرف سے اس تحریک کے لئے نہ صرف تغافل برتا گیا بلکہ سرد مہری کا رویہ اختیار کیا گیا۔ حکومت کے اس خلاف توقع برتاؤ نے مسٹر ہیوم کے جذبات کو مجروح کیا اور انہوں نے ایک جگہ اپنا خیال ظاہر کیا تھا "شروع میں حکومت اور افسر شاہی کی ہمدردیاں صرف دکھاوے کی تھیں۔ عوام کی بھلائی کا جذبہ کسی کے دل میں نہیں تھا۔" مسٹر ہیوم کے خیال میں ہندوستان کے عوام اور غریب کسانوں کے مصائب کو کوئی بھی نہیں سمجھ رہا تھا۔ اس دور کے بھیانک قحط سے متاثر ہوکر اور یہاں کے غریب کسانوں کی ہمدردی میں مسٹر ہیوم نے ایک پمفلٹ شائع کیا۔ اس پمفلٹ کا عنوان تھا "بوڑھے آدمی کی امید" [Hope of an old man]۔ اس میں انہوں نے انگلستان کے عیش کوش اور آرام پسند طبقے سے اپیل کی تھی۔ "بہتر سے بہتر کھانے اور پہننے والے انسانو! تمہیں یہاں کے عوام کی تباہی و بربادی کا ذرا بھی احساس ہے؟ ان میں بہت سوں نے اپنی پیدائش سے موت تک سورج کی کرنیں تک نہیں دیکھیں۔ محنت، بھوک، افلاس، بیماری اور غموں کا بوجھ ہی ان کی مختصر زندگی کی کہانیاں ہیں۔"

مسٹر ہیوم نے اپنے جوانی کے دور میں انگلستان میں غلہ مخالف تحریک (Anti corn league) کا مشاہدہ کیا تھا اور اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ تحریک کی کامیابی کا راز "زبردست پروپیگنڈہ" پر مضمر ہے۔ اس مثال کو سامنے رکھ کر انہوں نے بھی زبردست پروپیگنڈہ کے ذریعے کانگریس کو عوام میں مقبول بنانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ اس سلسلے میں انہوں نے پورے ملک کا دورہ کرکے فنڈ جمع کیا۔ عوامی جلسے منعقد کئے۔ ملک کی بہت سی زبانوں میں پمفلٹ شائع کئے۔ اس زبردست پروپیگنڈہ سے حکومت ہند اور حکومت برطانیہ دونوں تڑپ اٹھیں لیکن بقول مسٹر گوکھلے "مشکل یہ تھی کہ یہ تحریک کسی ہندوستانی نے نہیں شروع کی تھی بلکہ اس کا بانی ایک انگریز تھا ورنہ اس کو شروع ہوتے ہی دفن کر دیا جاتا۔" مسٹر ہیوم اور ان کے بااثر ساتھیوں کی وجہ سے حکومت اس کی کھل کر مخالفت نہ کر سکی لیکن اس کی ہمدردیاں جو بقول مسٹر ہیوم دکھاوے کی تھیں ختم ہوگئیں اور انگریزوں کی نجی گفتگو، کلبوں اور پارٹیوں میں اس پر نکتہ چینی کی جانے لگی۔ مسٹر ہیوم کو اس کا احساس ہوگیا تھا۔ ایک جگہ انہوں نے لکھا تھا: "دوست میرے پاس منہ لٹکائے آتے ہیں اور کہتے ہیں تمہارا مقصد تو ٹھیک ہے لیکن تم عوام کے جذبات کو بھڑکا کر ایک ایسی فضا تیار کر رہے ہو جس کا تمہیں خود احساس نہیں۔ تم ایسی ڈھیل دے رہے ہو کہ مستقبل میں اس پر قابو نہ پا سکوگے۔" آہستہ آہستہ مسٹر ہیوم اور ان کے ساتھیوں کے خلاف افسر شاہی کا ایک گروہ تیار ہوگیا اور اس نے ہیوم مخالف پروپیگنڈہ شروع کر دیا اس سلسلے میں انہوں نے سب سے افسوسناک قدم یہ اٹھایا کہ مسلمانوں کے ایک بااثر طبقے کو مسٹر ہیوم اور ان کی قومی تحریک کے خلاف ورغلانا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں سرکار پرست تعلقداروں اور زمینداروں کا ایک طبقہ کانگریس کو مسلم مفاد کے خلاف سمجھنے لگا اور اسی وقت سے ملک کے ہندو اور مسلمانوں میں شک وشبہ کے جذبات پلنے لگے۔ انگریز افسر شاہی نے اس کو مزید ہوا دینے کے لئے "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی پالیسی کو باقاعدہ اپنا شعار بنا لیا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے۔ مسٹر ہیوم کو اپنے دفاع میں تقریریں کرنا پڑیں۔ یہ تقریریں ایک کتابچہ کی شکل میں شائع بھی ہو گئیں۔ ان تقاریر میں مسٹر ہیوم نے "انڈین نیشنل کانگریس" کے مقاصد کو واضح کرنے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے بتایا تھا۔

"کانگریس کا مقصد ہندوستانی عوام سے توہم پرستی، چھوت چھات اور بہت سی سماجی برائیوں کو دور کر کے انہیں تعلیم یافتہ اور روشن خیال بنانا ہے۔ اس کا مقصد کسی حالت میں ان کے جذبات کو حکومت کے خلاف بھڑکانا نہیں ہے۔" ان تقریروں میں انہوں نے اُن کے ساتھیوں نے یہ بھی بتایا تھا "کانگریس کا مقصد یہ بھی ہے کہ عوام کو حکومت کے کارنامے بتائے جائیں اور ان کو ذہن نشیں کرادیا جائے کہ انگریزی حکومت ان کے فائدے اور بھلائی کے لئے ہے۔ مسٹر ہیوم کی اس صفائی کے باوجود حکومت کانگریس سے بدظن رہی اور اس کی سرد مہری برقرار رہی۔ اس سلسلے میں مسٹر ہیوم اور سر آکلینڈ کالون کی خط وکتابت نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ کئی اہم باتوں پر روشنی ڈالتی ہے۔ مسٹر آکلینڈ اس زمانے کے مشہور آئی سی ایس افسر تھے اور ایک صوبے کے لفٹننٹ گورنر رہ چکے تھے۔

اپنے طویل خط میں مسٹر آکلینڈ نے کانگریس پر تین اعتراضات کئے تھے۔ اول یہ کہ کانگریس کا مقصد حکومت برطانیہ کی مدد کرنا تھا لیکن دن بدن وہ حکومت کی نکتہ چیں بنتی جارہی تھی اور اس طرح حکومت کی طرف سے ہندوستانی عوام کو بدظن کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ دوسرے اس وقت ہندوستان کے سیاسی حالات اور یہاں کے عوام کی تعلیمی اور سیاسی پستی اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ یہاں کوئی سیاسی پارٹی بنائی جاتی۔ تیسرا الزام یہ بھی تھا کہ ایک طرف کانگریس کی وجہ سے عوام اور ان کے نمائندوں اور دوسری طرف حکومت کے افسروں اور حکومت کے بہی خواہوں کے درمیان زبردست خلیج حائل ہوتی جارہی تھی جس سے ملک کا اتحاد خطرے میں تھا۔

مسٹر ہیوم نے ان الزامات کے جوابات بھی بڑے تفصیل سے دیئے تھے۔ انہوں نے لکھا تھا "کانگریس کا اصل مقصد ہندوستانی عوام اور حکومت میں اشتراکِ عمل پیدا کرنے کا ہی ہے۔ انہیں ایک دوسرے سے بدظن کرنے کا نہیں ہے۔ افسر شاہی اپنے کردار اور اپنے ردعمل سے غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ یہ لوگ پہاڑوں پر بڑے بڑے بنگلوں میں بیٹھ کر عوام اور خصوصاً غریب کسانوں کے حالات سے لاعلم رہتے ہیں اور ان کی بھلائی کے لئے کوئی کام نہیں کرتے، اس لئے یہاں کی حالت بگڑ رہی ہے اور عوام میں بے چینی پیدا ہورہی ہے کسی وقت بھی لاوا پھٹ سکتا ہے۔

اور تباہی آسکتی ہے۔ اسی لئے اس وقت ایسی تنظیم کی ضرورت ہے جو حکومت کو اس طرف متوجہ کرسکے" ان کے خیال میں "تحریک اور جوابی تحریک" کا اشارہ کچھ مسلم لیڈران اور بڑے تعلقداروں اور زمینداروں کی طرف تھا جن کو انگریز افسروں نے کانگریس اور مسٹر ہیوم سے بدظن کرنے کی کوشش کی تھی۔

مسٹر ہیوم نے ہندوستان میں اپنے کارناموں کے ساتھ ساتھ انگلستان میں بھی ایک ایسا مضبوط حلقہ بنالیا تھا جو وہاں کانگریس سے ہمدردی رکھتے ہوئے تھا اور اس کے مقاصد کے لئے کام کررہا تھا۔ اس کے لئے لندن میں ایک رسالہ "انڈیا" نام سے نکالا گیا۔ اس رسالہ میں اکثر ایسے مضامین شائع کئے جاتے تھے جن سے حکومت برطانیہ، پارلیمنٹ اور وہاں کے عوام کی توجہ ہندوستانی مسائل کی طرف مبذول کرائی جاتی تھی۔

۱۸۹۴ء میں مسٹر ہیوم ہندوستان سے وداع ہوکر انگلستان چلے گئے۔ ۱۸ مارچ ۱۸۹۴ء کو بمبئی پریسیڈینسی ایسوسی ایشن کے الوداعی خطبہ کے جواب میں مسٹر ہیوم نے بڑے بیش بہا اور اثر انگیز خیالات کا اظہار کیا تھا۔ بین الاقوامی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا "ہوسکتا ہے یورپ میں جنگ چھڑ جانے سے برطانیہ میں ایسی پارٹی اقتدار میں آجائے جسے ہندوستانی مسائل سے کوئی ہمدردی نہ ہو اور سالوں آپ لوگوں کو مراعات نہ مل سکیں۔ ایسی حالت میں بددل ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ آخر میں فتح سچائی کی ہوتی ہے اور ایک دن برطانیہ کی عظیم قوم کو بھی سچائی قبول کرنی پڑے گی۔ اور تمہارے مسائل کا حل سوچنا ہوگا۔ اس کے لئے جدوجہد جاری رکھی جانے۔" انہوں نے ہندوستانی عوام کو کچھ سماجی اصلاحات کی طرف بھی توجہ دلائی۔ ان میں لڑکیوں کی تعلیم اور کم سنی میں شادی کو ختم کرنا خاص طور پر تھے۔ ان کے خیال میں ان دونوں مسئلوں کو جدید طرز پر نپٹانے پر بہت کچھ ہندوستانی ترقی کا انحصار تھا۔

انگلستان میں مسٹر ہیوم تقریباً ۱۲ سال مزید حیات رہے اور آخر ۸۴ سال کی عمر میں ۳۱ جولائی ۱۹۱۲ء کو اس دنیا کو خیرباد کہہ دیا اور اس طرح ہندوستان کی قومی تحریک کا پہلا اور ابتدائی باب ختم ہوا۔ ان کے انتقال پر ہندوستان میں کافی غم منایا گیا۔ یہاں کے اخبارات اور قومی رہنماؤں نے ان کی زندگی اور کارناموں پر بڑے اچھے الفاظ میں تبصرے

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

• صاحب علی خاں (ریسرچ اسکالر)
۳۵۔ سی، آر، ایم ہال
اے۔ ایم۔ یو۔ علیگڈھ (یوپی)

معمارِ قوم ——— دادابھائی نوروجی

دُنیا کے ہر حصّے اور ہر دور میں ایسے راست باز بندگانِ خُدا پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جنہوں نے اپنی پوری زندگی انسانیت کی خدمت میں گزار دی۔ انیسویں صدی کے اواخر میں بھی نئے دور کے انداز معاشرت کی داغ بیل ڈالنے کے لئے ہمارے ملک میں چند ایسی عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں جن کے دل محبت سے پُر تھے۔ اور جن کی آنکھیں دُور اندیشی کے نور سے منور تھیں۔ اس جماعت میں کچھ اہم شخصیتیں ایسی تھیں جو مذہبی اور سماجی اصلاح کے میدان میں مستعد تھیں۔ سوامی دیانند سرسوتی، راجہ رام موہن رائے اور جسٹس رانا ڈے وغیرہ کا شمار اسی زمرے میں کیا جاتا ہے۔ ان عظیم ہستیوں کے علاوہ چند ایسے معمارِ قوم اُبھر کر سامنے آئے جنہوں نے قومی بیداری کا صُور پھونکا۔ خواب غفلت میں پڑے ہوئے سماج کو بیدار کیا اور اسے اپنے حقوق کا احساس دِلاکر آزادخیالی کی طرف مائل کیا۔ اس روشن خیالی کی بنیاد ڈالنے والے دادابھائی نوروجی سریندر ناتھ بنرجی اور سرسید احمد خاں وغیرہ تھے!

ان نیک نفس حضرت کی بے مثال خدمات کی وجہ سے عوام الناس انہیں قیامت تک یاد کرتی رہیں گے۔ ایسے بے لوث لوگوں میں دادابھائی کا نام سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ جنہوں نے ملک کی حفاظت اور قوم کی خدمت کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کردی تاکہ ملک امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے اور قوم سکون و اطمینان سے زندگی بسر کرسکے۔

دادابھائی کی پیدائش ۴ ستمبر ۱۸۲۵ء کو گجرات میں بمقام نوساری ہوئی۔ انہوں نے ۹۲ سال کی طویل حیات پائی جب یہ چار سال کے تھے تو وقت کے بے رحم ہاتھوں نے ان کو باپ کی شفقت سے محروم کردیا۔ غریب ماں کے ہاتھوں سے

ان کی پرورش ہوئی ۔ بچپن مشکلات میں گزرا ۔ لیکن وہ بلا کے ذہین تھے ، اور محنتی بھی ۔ ابتدائی تعلیم بمبئی کے ایک پرائمری اسکول میں ہوئی ۔ اس کے بعد انہوں نے الفسٹن کالج بمبئی میں تعلیم حاصل کی ۔ طالب علمی کے زمانے میں ان کو نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئیں اور ۱۸۴۰ء میں کلیئر وظیفہ ملا ۔ ۱۸۴۶ء میں انہوں نے بی ۔ اے پاس کیا ۔ الفسٹن کالج میں طالب علمی کے زمانے میں ایک علمی انجمن قائم ہوئی ۔ جس کے روح رواں دادا بھائی ہی تھے ۔

دادا بھائی کی غیر معمولی ذہانت کو دیکھ کر ان کے استادوں نے پیشن گوئی کی تھی کہ ......

"یہ لڑکا کروڑوں میں ایک ہوگا "

انہوں نے معاشیات کا خوب گہرا مطالعہ تھا اور اچھی خاصی لیاقت بھی پیدا کرلی ۔ اپنی محنت اور لیاقت سے ہندستان میں پہلی مرتبہ دادا بھائی الفسٹن کالج میں پہلے نیچرل سائنس اور پھر بعد میں ریاضی کے سینیئر پروفیسر ہو گئے ۔ لیکن علمی اور سوشیل ترقی کے لئے وہ ہمیشہ کوشش کرتے رہے ۔ ملک و قوم کی خستہ حالی دیکھ کر ان کا دل درد سے بھرا ہوا تھا ۔ وہ ملک کی آزادی اور قوم کی فلاح و بہبود کے لئے ہمیشہ جدید عملی ترکیبیں سوچتے اور اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرتے ۔ وہ انگریزی تعلیم پھیلانے ، اسکول ، کالج ، اور انجمن قائم کرنے میں ہمہ تن مصروف رہے ۔

دادا بھائی کی شخصیت جتنی دلکش تھی اتنی ہی ہمہ گیر بھی تھی ۔ وہ بیک وقت اصلاحِ معاشرہ کے پُر زور علمبردار ، آزادی وطن کے مجاہد ، غیر معمولی بصیرت کے ماہر تعلیم ، دیدہ ور سیاسی مدبر ، روشن خیال کے مفکر ، بے خوف صحافی اور رہنمائے قوم تھے ۔ الفسٹن کالج میں پروفیسر شپ کے زمانے میں ایک انجمن " اسٹوڈنٹس لٹریری اینڈ سائنٹیفک سوسائٹی " قائم کی ۔ جس کا خاص مقصد یہ تھا کہ طالب علموں کی بھلائی ہو اور ان میں ادبی سائنٹیفک فکر بیدار ہو ۔ اس انجمن کے تحت ایک ماہنامہ رسالہ بھی نکلنا شروع ہو گیا تھا اور پھر کچھ دنوں بعد یہ رسالہ گجراتی اور مراٹھی میں بھی شائع ہونے لگا ۔

دادا بھائی کو احساس ہو گیا تھا کہ بغیر جدید تعلیم کے ہمارے ملک میں روشنی ممکن نہیں ۔ جدید تعلیم سے ان کا مقصد یہ تھا کہ قوم کی ذہنی سطح بلند ہو ۔ اور ان کی مادی و اقتصادی حالت بہتر ہو ۔ ان کا خیال تھا کہ قوم اس وقت ہی ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے جب اس میں علم کا چرچا ہو ۔ یعنی زیادہ سے زیادہ لوگ علم حاصل کریں اور ترقی کی منازل کو طے کرتے ہوئے ملک کو برطانوی حکومت کی غلامی سے آزاد کرائیں اور قوم کی خدمت میں لگ جائیں ۔

دادا بھائی مغربی طرز تعلیم کے دلدادہ تھے ۔ صحتمند اور صالح معاشرے کے لئے وہ تعلیم نسواں کو ضروری قرار دیتے تھے ۔ اس لئے تعلیم نسواں پر ان کی خاص توجہ تھی ۔ چنانچہ ہندستان میں تعلیم نسواں کا پہلا اسکول بمبئی میں دادا بھائی نے ہی قائم کیا تھا ۔ اس اسکول کی بنیاد پڑنے کے بعد بہت جلد ملک میں جا بجا تعلیم نسواں کے اسکول ، کالج ، اور ایسوسی ایشن ظہور میں آئے ۔ وہ عورتوں اور مردوں کے مساوی حقوق کے حامی تھے ۔ انہوں نے بمبئی شہر کے مختلف شعبوں میں کئی ایک تعلیمی اور سماجی نسواں سینٹر کھولے ۔ اس کے علاوہ "بمبئی ایسوسی ایشن" "فرام جی انسٹی ٹیوٹ" "پارسی جم خانہ" "ایرانی فنڈ" "ودھوا دِواہ" "سبھا ئیک سنگھ" اور "وکٹوریہ اینڈ البرٹ میوزیم" وغیرہ مختلف عوامی انسٹیٹیوٹ کی تعمیر میں کافی حصہ لیا ۔ اس طرح بمبئی شہر کی ترقی کی بنیاد ڈالنے میں بھی ان کی مدد شامل تھی ۔ اور پھر کچھ دنوں کے بعد " راس گفتار" (ستیہ وادی) نام کا ایک گجراتی ہفتہ وار اخبار آزاد خیالی ، قومی بیداری اور روشن دماغی کے فروغ کے لئے جاری کیا تھا ۔ اسی طرح تمام انجمنوں کا مقصد ملک کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانا ، اور قوم کی خدمت کرنا تھا ۔

غرضیکہ دادا بھائی اپنے تدبر ، دُور اندیشی ، اور حکمت عملی سے اپنے وطن کو غلامی کی زنجیروں سے نجات دلانے اور قوم کی حالت بہتر بنانے کے لئے مسلسل کوشاں رہے ۔

دادا بھائی ۱۸۵۶ء میں ایک تجارتی پارسی کمپنی (کاما اینڈ کمپنی) کے لئے لندن گئے اور کافی مصروفیت کی بناء پر پروفیسر شپ سے استعفیٰ دے دیا ۔ وہاں بھی وہ قوم اور ملک کی بقاء اور استحکام کی تدبیریں سوچتے رہے ، اور بالآخر دو انجمنیں ایک "لندن انڈین سوسائٹی" اور دوسری "ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن" کی بنیاد رکھ کر اپنے اس خیال کا اظہار کیا — کہ انگریزوں کو چاہیئے کہ وہ بھارت کے قومی رہنماؤں کو حکومت دیدیں ان انجمنوں میں چند انگریز بھی شرکت کیا کرتے تھے ۔

[انہوں نے اپنے انگریز دوستوں کو بتایا کہ برطانوی قوم

سارے ہندوستان کا معاشی استحصال کر رہی ہیں، اور حکومت نے ہندوستان کے کروڑوں بے زبان انسانوں کو غیر معمولی اخراجات سے مفلس وقلاش بنا دیا ہے اور ان پر فضول اخراجات کا ایسا بار ڈالا ہے جو ہندوستان جیسے ملک کے لئے نا قابلِ برداشت ہے۔

دادا بھائی ہندوستان کے وہ پہلے سیاسی رہنما تھے جنہوں نے انگلستان جا کر اس قدر جرأت سے یہ باتیں کہیں کہ ہندوستانی ہوشیار، محنتی، اور ہنرمند ہیں۔ ان کو کنگال مت کرو۔ ورنہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ وطن کی سلامتی کے لئے انگلستان کے گوشہ گوشہ میں کئی ایک تقریریں کیں، اور رسالوں و اخباروں میں مضامین بھی قلمبند کئے۔ اس طرح انہوں نے اپنے وطن سے بہت دور سات سمندر پار ہندوستانیوں کی بقاء کے لئے ایک تحریک بھی چلائی جو مسلسل کئی سال تک چلتی رہی۔ اس مشن میں مدد کرنے والے اومیش چندر بنرجی — منموہن گھوش اور فیروز شاہ مہتہ وغیرہ کئی ہندوستانی نوجوانوں کی ایک جماعت تھی۔

یہ نوجوان اپنی تعلیم وغیرہ کے سلسلے میں ان دنوں، انگلستان میں قیام پذیر تھے۔ دادا بھائی ۱۸۶۹ء میں لندن سے واپس آ گئے تھے، اور ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی قوم نے انہیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کا پُرجوش استقبال کیا، اور ان کی خدمات کی وجہ سے قوم نے انہیں ۳۰ ہزار روپے کی ایک تھیلی نذر کی۔ یہ روپے پھر انہوں نے قوم کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کر دیئے۔ وہ ۱۸۷۲ء تا ۱۸۷۴ء بڑودہ میں دیوان کی حیثیت سے مقرر رہے۔

دادا بھائی اپنے ملک و قوم کے سچے ہمدرد و شیدائی تھے۔ ان کے سامنے واضح مقصد تھا کہ قوم کی تعمیر و تشکیل ہو سکے۔ چنانچہ اسی مقصد کے تحت ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس، (قومی جماعت) کی بنیاد ڈالنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور تھوڑے ہی مدت میں اس تنظیم نے ملک و قوم میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا۔

انہوں نے لوگوں میں ذہنی بیداری اور گرد و پیش سے باخبر رہنے کی صلاحیت پیدا کی۔ اور ہندوستانیوں کو ایک نئی اور روشن صبح کے طلوع ہونے کا پیغام سُنایا۔ برطانوی حکومت ہمارے ملک کی دولت کئی طریقوں سے اپنے ملک کو بھیجتی تھی جس سے ہمارا ملک مفلس ہو رہا تھا، اور اس پر روک لگانے کے لئے تقریریں کیں اور مضامین بھی شائع کئے۔

سن ۱۸۹۲ء میں امیدوار کی حیثیت سے برطانوی پارلیمنٹ کے انتخاب کے لئے کھڑے ہوئے، اور کامیاب بھی ہوئے۔ یہی وہ پہلے ہندوستانی سیاسی لیڈر تھے جنہوں نے برطانوی پارلیمنٹ کے شاہی دربار میں کرسی پا کر اپنے وطن کا نام روشن کیا تھا، اور ہندوستانی عوام کی زندگی کی اصل حالت کا اظہار مدلل طور پر کیا کہ برطانوی حکومت کے ظلم و استبداد سے ہندوستانی عوام غریب سے غریب تر ہوتے جا رہے ہیں اور عام ہندوستانی کی سالانہ آمدنی، اوسطاً بیس روپے ہے۔ یعنی ہر ایک مرد، اور ہر ایک عورت کے حصے میں اوسطاً صرف ۱/۲ ۳ پیسے روز کے آتے ہیں۔ پھر بھی اس میں سے تین روپیہ سالانہ یعنی ۱۵ فی صد حصہ ٹیکس کے رُوپ میں برطانوی حکومت وصول کر لیتی ہے۔ یہ راز فاش ہوتے ہی، برطانوی حکومت بہت شرمندہ ہوئی۔

انہوں نے "بھارت کی غریبی" نام کی ایک کتاب بھی لکھی جس میں چھوٹے سے چھوٹے اقتصادی و معاشی نکتوں کو بھی پُراثر استدلال طریقے سے پیش کیا۔

دادا بھائی کا درد مند دل اپنے وطن اور اہلِ وطن کی ترقی کے لئے ہمیشہ تڑپتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے برطانوی پارلیمنٹ میں تحریک پیش کی کہ "انڈین سول سروسز" کا امتحان انگلستان اور ہندوستان میں ایک ہی وقت میں لیا جائے ان کی کوشش سے یہ تحریک منظور بھی ہو گئی۔ اسی وقت سے "انڈین سول سروسز" کا امتحان ہندوستان میں بھی ہونے لگا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں نظم و نسق پر ہونے والے اخراجات پر غور و خوض کرنے کے لئے ۱۸۹۶ء میں ایک کمیشن مقرر کروایا جسے ہم ویلی کمیشن کہتے ہیں۔ ان کا معاشیات کا مطالعہ اس کام میں بہت مفید ثابت ہوا۔ دادا بھائی کو اس مقررہ کمیشن کا رکن ہونے کا شرف حاصل تھا۔ دادا بھائی کی روشن خیالی کی وجہ سے انگریزی حکومت ان کی بڑی قدر کرتی تھی۔

دادا بھائی وہ پہلے محبِ وطن ہیں جن کے سر پر قوم نے تین بار "انڈین نیشنل کانگریس" (قومی جماعت) کا تاج رکھا یعنی ۱۸۸۶ء، ۱۸۹۳ء اور ۱۹۰۶ء میں وہ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ وہ اپنے ہم وطنوں سے کہا کرتے تھے .....

"متحد ہو جاؤ اور سوراجیہ حاصل کرو، سوراجیہ کے بغیر ہماری مفلسی اور غلامی دور نہیں ہو گی۔"[1]

۱۹۰۵ء میں وائسرائے لارڈ کرزن نے بنگال کی تقسیم کی تھی۔ جس کے خلاف دادا بھائی نے زوردار آواز بلند کی۔ جو پورے ملک میں گونج اٹھی تھی، اور پورا ہندوستان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اگرچہ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس (قومی جماعت) کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ لیکن دراصل جان اس میں اس وقت پڑی جب بنگال کی تقسیم کی سخت مخالفت کی گئی اور سارے ملک میں ان تعلیم یافتہ حلقوں نے جو سیاسی شعور رکھتے تھے۔ بنگال ایجی ٹیشن کی تائید کی۔ یہ شورش لارڈ کرزن کے جانے کے بعد وائسرائے لارڈ منٹو، اور لارڈ ہارڈنگ کے زمانے میں بھی جاری رہی۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۱ء میں شاہ جارج پنجم تقسیم بنگال کی منسوخی کا اعلان کرنے پر مجبور ہو گیا اور منقسم بنگال کو پھر سے ایک صوبہ کی شکل دے دی۔ ۱۹۰۶ء میں "انڈین نیشنل کانگریس" کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ جس میں بہ حیثیت صدر، دادا بھائی نے اعلان کیا کہ قومی جماعت کا نصب العین "سوراجیہ" (خودمختاری) ہے۔

دادا بھائی وہ پہلے اعلیٰ دماغ بزرگ تھے جنہوں نے ہندوستانی قوم کو "سوراجیہ" کا منتر دیا تھا۔ کلکتہ کے اجلاس میں عوام کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔۔۔

"متحد ہو جاؤ اور سوراجیہ کے لئے مسلسل کوشش کرتے رہو، تاکہ ان لاکھوں انسانوں کی حفاظت ہو سکے۔ جو آج افلاس اور مہلک امراض کے شکار ہو رہے ہیں ان کروڑوں انسانوں کو روٹی ملے جو پیٹ بھر کھانا نہ ملنے کی وجہ سے بھوکوں مر رہے ہیں۔ اور بھارت ایک بار پھر دنیا کی عظیم ترقی یافتہ ممالک کے صف اول میں کھڑے ہو کر اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کر سکے۔"[2]

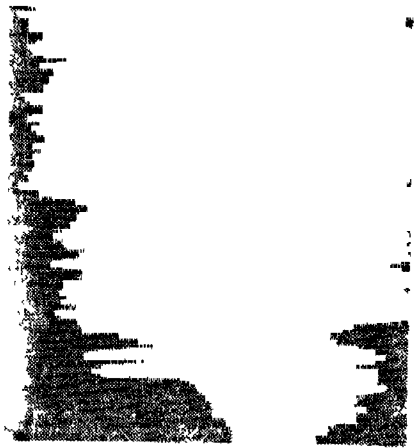
اس اجلاس میں دادا بھائی کے ادا کئے ہوئے رول کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس کے علاوہ وہ "سودیشی" تحریک کے بھی حامی تھے۔ سیاست میں ان کے نظریات ترقی پسندانہ قومیت پرستی پر مشتمل تھے۔ ان کا رجحان اعتدال پسندی کی جانب تھا۔ وہ حصول آزادی کی جدوجہد میں قانونی اور آئینی طریقوں سے تجاوز کے قائل نہیں تھے۔ دادا بھائی کی غیر معمولی لیاقت اور صلاحیت کو بھانپ کر بمبئی یونیورسٹی نے ۱۹۱۶ء میں ان کو ایل۔ ایل۔ ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کی تھی۔ اس طرح آزادی جدوجہد میں دادا بھائی کی بے مثل قربانیاں اور بے لوث خدمات ہماری تاریخ کا ایک درخشاں باب بن کر رہیں گی۔ بلاشبہ دادا بھائی نے اپنی قابلیت، انتھک محنت، دور اندیشی اور صدق دلی سے ملک کی تعمیر و ترقی اور خوشحالی کے لئے عملی زندگی گزاری۔ غرضیکہ انہوں نے قومی کلفتوں کی تاریکیوں کو دور کرنے کے لئے جو اہم کارنامے انجام دیئے اس سے ہندوستان کی تاریخ کے صفحات ہمیشہ روشن رہیں گے۔

دادا بھائی نوروجی کی بزرگی، علم اور تجربے کی وجہ سے قوم انہیں دادا صاحب (پتامہ) کہہ کر ان کی قدر و منزلت کرتی ہے۔ ۳۰ جون ۱۹۱۷ء میں یہ سنجیدہ عوام کا خادم اور جدید ہندوستان کا معمار دنیائے فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گیا۔ اگرچہ انہیں اس دنیا سے گزرے برسوں ہو چکے ہیں لیکن ان کا نام آج بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

1۔ بھارت نرماتا، مصنف کرشن ولبھ دیویدی

2۔ انسائیکلوپیڈیا آف دی انڈین نیشنل کانگریس جلد پنجم ۱۹۰۶-۱۹۱۱ء
مرتبہ:- اے۔ ایم۔ زیدی

نثار اختر انصاری
ایڈیٹر ہمہ گیر
مومن پورہ چوک ناگپور ۱۸



قومی یک جہتی اور گاندھی جی

بھارت میں قومی یک جہتی کی تصویر تاریخ کے ہر دور میں دکھائی دیتی ہے۔ انگریزوں کے ظلم وجبر کے خلاف ہندوستانیوں نے مل جل کر جہاد کیا اور یک جہتی و اتحاد کا بے مثال مظاہرہ پیش کیا — تحریکِ آزادی کے دوران ہمارے رہنماؤں نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے قومی یک جہتی کا ایسا جذبہ پیدا کیا جس نے بھارت میں انگریزی سامراج کے پرچم کو اکھاڑ پھینکا۔ تاریخ کے اس موڑ پر ہم گاندھی جی کی قربانی، ایثار اور جدوجہد کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے ہیں ہمارے بزرگوں نے بھارت کی آزادی اور اتحاد کے لئے بڑی قربانیاں دیں۔ گاندھی جی نے اپنی شہادت سے اس پر مہر لگا دی ہے۔

۲ر اکتوبر ۱۸۶۹ء کو وہ جلیل القدر ہستی پیدا ہوئی جو غلام ہندوستانیوں کی نجات دہندہ بن گئی۔ گاندھی جی کی شخصیت دنیا کے عظیم سیاسی رہنماؤں میں منفرد نظر آتی ہے۔ بقول پنڈت جواہرلال نہرو "ہمارے دیش نے ایک عظیم انسان کو جنم دیا جس نے نہ صرف بھارت کو منور کیا بلکہ سارے عالم کو روشنی بخشی۔" آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والے رہنماؤں میں گاندھی جی کی شخصیت میرِ کارواں کی حیثیت رکھتی ہے۔ دنیا کی پسماندہ قوموں نے ان سے جبر وظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا درس حاصل کیا۔ خود بھارت میں انہوں نے آزادی کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ ذات پات میں اعلیٰ وادنیٰ کا فرق مٹانے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کا یہ نظریہ قومی یک جہتی کو فروغ دینے میں مددگار ثابت ہوا۔ عدم تشدد کے زریں اصول نے قومی یک جہتی کو جوڑنے کا کام کیا۔

گاندھی جی کے قومی یک جہتی سے نظریات کے تحت اس وقت بھارت میں ایک ایسا خوشگوار ماحول پیدا ہو گیا تھا جہاں آپسی اختلافات کا نام تک نہ تھا۔ چاروں طرف بھائی چارگی کا ماحول تھا۔ پوری قوم ایک تھی۔ زبان اور مذہب کے تفرقات مٹ گئے تھے۔ سارے ہندوستانی ایک تھے۔ ان کا ملک ایک تھا۔ ان کا جذبۂ عمل ایک تھا اور مقصدِ حیات بھی ایک ہی تھا یعنی حصولِ آزادی۔

مہاتما گاندھی نے کہا تھا — "اتحاد ایک طاقت ہے یہ صرف کتابی کہاوت نہیں بلکہ زندگی کا ایک اصول ہے۔ اگر ہم منتشر ہوں گے تو تباہی یقینی ہے۔ قومی یک جہتی کا مطلب صرف ہندو اور مسلمان میں اتحاد نہیں بلکہ ان سب جماعتوں کا اتحاد ہے جو ہندوستان میں آباد ہیں۔ چاہے ان کا مذہب کچھ بھی ہو۔" گاندھی جی صرف اپنی قوم اور ملک ہی کا فائدہ نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کا دل تمام دنیا کے انسانوں کی محبت سے لبریز تھا۔ دنیا میں پائیدار اور مکمل امن کے لئے صرف وہی ایک راستہ ہے۔ جس کی سمت گاندھی جی نے رہنمائی کی یعنی سچائی، محبت اور اہنسا۔ گاندھی جی نے کہا تھا — "فرقہ وارانہ نفرت ایک بدترین بیماری ہے۔ میں ہندو ہوں، تم مسلمان ہو، میں گجراتی ہوں، تم مدراسی ہو، ہمیں اس تنگ نظری کو فراموش کر دینا چاہیئے۔ مشترک بھارتی قومیت میں "میں" اور "میرا" کے احساس کو مٹا دینا چاہیئے۔

قومی یک جہتی کے پیشِ نظر ان کا عقیدہ تھا کہ تمام بھارت کے رہنے والے ایک قوم کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی اپنی حکومت یعنی قومی راج ہو۔ جہاں غلام اور آقا کا تصور ہی نہ ہو، ایک ایسے بھارت کی تعمیر کی جائے جس میں نہ اعلیٰ طبقہ ہو نہ ادنیٰ۔ تمام فرقے کے لوگ مل جل کر اتحاد سے باہمی محبت کے ساتھ اپنا جیون بسر کریں۔ یہ تصورات لے کر امن و آشتی کے اس پجاری نے شعور کی منزل میں قدم رکھتے ہی یہ محسوس کیا کہ ہندی قوم غلامی کی زنجیر میں درد و کرب سے بے چین ہے۔

لہٰذا اس غلامی سے ہندوستانیوں کو نجات دلوانے کے لئے اپنی بیرسٹری چھوڑ کر عزم و استقلال کے ساتھ آزادی حاصل کرنے کے لئے کبھی جیل میں انگریزوں کے مظالم سہے۔ کبھی وطن سے دور رہے، کبھی برت رکھا، آندولن کیا، ستیہ گرہ کی لیکن ہمت نہ ہاری۔ جنوبی افریقہ میں قیام کے دوران گاندھی جی کو سخت ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ ہندوستانیوں سے دل آزار سلوک کیا جاتا تھا۔ انہیں کم تر اور ادنیٰ سمجھا جاتا تھا۔ خود گاندھی جی کو ریل گاڑی سے نیچے اتار دیا گیا۔ اس وحشیانہ سلوک سے انہیں سخت کوفت ہوئی۔ لہٰذا گاندھی جی نے کالے اور گورے کے امتیاز۔ نسلی بھید بھاؤ اور آپسی کدورت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم کر لیا۔

آپ نے اپنا لباس اور رہن سہن ایسا رکھا کہ غریب عوام اور ان میں کوئی فرق باقی نہ رہے۔ ہریجنوں، اچھوتوں اور پسماندہ طبقوں کو اوپر اٹھانے اور ان میں گھل مل جانے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ ایک موقع پر انہوں نے کہا "اگر میں دوبارہ جنم لوں تو میری خواہش ہے کہ میری پیدائش کسی اچھوت کے گھر ہو۔"

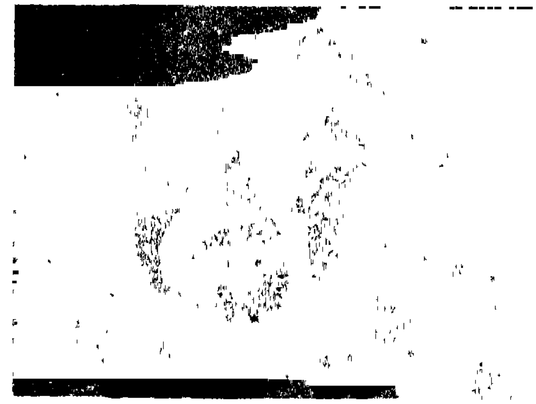
گاندھی جی میں انسانیت کے ساتھ ساتھ نفس کی پاکی بھی تھی۔ وہ لیڈر ہونے کے باوجود . بھی تھے۔ اگر وہ چاہتے تو دنیاوی الجھنوں سے فراغت حاصل کر کے کسی گوشے میں زندگی بسر کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ہمیشہ عوام سے تعلق رکھا۔ وہ محض ایک سیاست داں ہی نہیں بلکہ ایک مذہب کے مبلغ بھی تھے لیکن انہوں نے جس مذہب کی تبلیغ کی وہ ہندو اسلام۔ سکھ یا عیسائی دھرم نہ تھا بلکہ وہ دھرم تھا انسانیت ایکتا اور بھائی چارگی۔ ان کا کہنا تھا کہ تمام مذاہب کی روح ایک ہے۔ تمام مذاہب ایک ہی تناور درخت کی شاخیں ہیں۔

گاندھی جی کا یہ پیغام "باہمی رواداری کے ساتھ ساتھ زندہ رہو اور رہنے دو" ایک ایسا پیغام ہے جو کسی خاص وقت کے لئے محدود نہ تھا۔ آج بھی ان کا یہ پیغام ہمیں آواز دے رہا ہے کہ ہم نفرت تشدد اور آپسی اختلافات کو بھول کر دوستی شانتی اور پریم کا ہاتھ بڑھائیں۔

انہوں نے اپنے اخبار "ینگ انڈیا" میں لکھا تھا۔ "اتحاد کی بنیاد باہمی خوف پر نہیں ہونی چاہئے بلکہ دو برابر کے ساتھیوں کا اتحاد ہونا چاہئے جو ایک دوسرے کے مذہب کا احترام کرتے ہوں۔" ان کا خیال تھا کہ ہندوستانی آپس میں لڑنا نہیں چاہتے کچھ رہنما اپنے مفاد کے لئے عوام کو اکساتے رہتے ہیں اور چھوٹی موٹی باتوں کو اتنی اہمیت دے دیتے ہیں جیسے وہ مذہب کا جز ہوں۔ لوگوں کو اس سلسلے میں چوکس رہنا چاہئے اور مفاد پرست رہنماؤں کے بہکاوے میں آکر کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہئے جس سے ہمارے اتحاد کو نقصان ہو۔ قومی یک جہتی کے لئے رواداری اولین شرط ہے۔ ہر فرقہ کو دوسرے فرقہ کے مذہبی جذبات کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے قومی یک جہتی کی جڑیں مستحکم ہو سکتی ہیں۔

آزادی کے بہت تھوڑے دنوں بعد وہ ہمارے بیچ سے اٹھ گئے۔ گاندھی جی کی یہ امن و شانتی حاسدوں سے دیکھی نہ گئی اور وہ شہید کر دئیے گئے۔ ۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء کو رونما اس ناپاک حرکت سے پوری دنیا متاثر ہوئی لیکن گاندھی جی اپنے عظیم مقصد میں کامیاب رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی جب امن اور محبت، قومی یک جہتی کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے تو دنیا کی نظریں بھارت کی جانب اٹھتی ہیں۔

حالانکہ آج دنیا بارود کے ڈھیر پر بیٹھی ہے۔ لیکن گاندھی جی کا امن و قومی یک جہتی کا دکھایا ہوا راستہ انسانیت کو جوڑنے کا کام کرتا رہے گا۔ گاندھی جی نفرت بھری دنیا میں محبت کا پیغام لائے تھے۔ ان کی آواز صدیوں گونجتی رہے گی۔ مہاتما گاندھی وہ موم تھے جس سے ٹکرا کر لوہے کو پسینہ آ جاتا تھا۔ ان میں وہ خاکساری اور نرمی تھی جس کے آگے انگریزوں کا غرور جھک جاتا تھا۔ وہ صرف بھارت ہی نہیں بلکہ اس عہد اور اس صدی کے سب سے عظیم رہنما اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک فرد واحد تھے۔



سُبھاش چندر بوس

محبوب راہی
نزد گلزاری مسجد، بارسی ٹاکلی
ضلع اکولہ (مہاراشٹر)

گرے تھے ہم اٹھا دیا سبھاش چندر بوس نے
جو سوئے تھے جگا دیا سبھاش چندر بوس نے

خود آپ کو مٹا دیا سبھاش چندر بوس نے
مگر ہمیں جلا دیا، سبھاش چندر بوس نے

قلعہ جو سامراج کا وطن کی سرزمیں پہ تھا
اسے ہلا ہلا دیا۔ سبھاش چندر بوس نے

اندھیرے جس سے مٹ گئے تمام دردویاس کے
چراغ وہ جلا دیا سبھاش چندر بوس نے

گلِ نشاط و عیش اور غنچہ ہائے آرزو
روش روش کھلا دیا سبھاش چندر بوس نے

لگا کے نعرہ جے ہند کا تمام دیش میں
ہر ایک کو جگا دیا، سبھاش چندر بوس نے

سب کے جوش اور امنگ سے ہر ایک دل کو پھر
نیا اک حوصلہ دیا سبھاش چندر بوس نے

وطن کی آن بان اور وقار اپنی قوم کا
جہاں میں بڑھا دیا، سبھاش چندر بوس نے

بنا کے اپنی فوج اک جیالے سورماؤں کی
پہاڑوں سے لڑا دیا سبھاش چندر بوس نے

پھر ایک دن نہ جانے کن خلاؤں میں وہ کھو گیا
نہ کچھ آتا پتا دیا، سبھاش چندر بوس نے

اے راہی جس پہ چل کے منزلوں پہ ہم پہنچ گئے
وہ راستہ دکھا دیا سبھاش چندر بوس نے



مہاراشٹر میں کانگریس تحریک اور جنگِ آزادی

• شیخ شمیم احمد
سابق ایم ایل اے۔ ایس۔ ای۔ ایم

مغلیہ دور کے خاتمہ کے ذمہ دار دراصل کچھ حد تک تو خود مغل ہیں اور جو رہی سہی کسر باقی تھی وہ انگریزوں نے پوری کردی۔ سولھویں صدی ہی سے انگریز سیاحوں نے ہندوستان کی عظمت اور دولت کو حریص نظروں سے دیکھنا شروع کردیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ہندوستان سے تعلق بڑھاتے گئے۔ مغل دربار سے ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کرنے کا پروانہ حاصل کیا اور وطن فروش ہندوستانیوں سے مل کر پورے ملک پر اپنا تسلط جمالیا۔ ہندوستان میں رہنے بسنے والے عام لوگوں کو اس بات کا احساس اس وقت ہوا جبکہ پانی سر سے اونچا ہوگیا تھا اور اس وقت سوائے انگریزوں کی اطاعت کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ مگر آخر کب تک بدیسی حکومت کا جوا اپنے کاندھے پر رہنے دیتے، باوجود بے بس اور لاچار ہونے کے شمع آزادی ۱۸۵۷ء میں روشن کردی گئی اور مغل دربار کے آخری شہنشاہ سراج الدین بہادر شاہ ظفر اس شمع آزادی کو نذرداں کرنے کے جرم میں بے وطن کردیئے گئے اور دیارِ غیر میں ہمیشہ کے لئے جا بسے۔

آہستہ آہستہ شمعِ آزادی کی لَو بڑھتی گئی جس سے پورا ملک منور ہوگیا۔ نوجوانوں میں جوش و خروش اس قدر بڑھا کہ وہ اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سوئے دار رواںہ ہوتے رہے۔ کئی آزادی کے متوالوں نے پھانسی کے پھندے کو گلے لگالیا، اور بے شمار انگریزوں کی گولیوں کا نشانہ بنے۔ انگریز چونکہ پوری طرح ملک پر قابض تھے۔ اس لئے انہوں نے انتہاپسندی کی حدود توڑ دیں اور نت نئے مظالم عوام پر ڈھانے لگے۔ قدرت نے اس دور میں ہندوستانیوں کے دلوں میں قوتِ برداشت بھردی تھی اور ساتھ ہی ساتھ جذبۂ آزادی بھی۔ یہی وہ جذبۂ آزادی تھا جو ملک کے ایک کونے سے

دوسرے کونے تک پھیلتا چلا گیا۔ جسے انگریزوں کی سنگینیں بھی نہ دبا سکیں۔ یوں تو اس وقت ملک کی ہر ریاست میں شمع آزادی کے پروانوں کی کمی نہ تھی۔ مگر پھر بھی جو آواز مہاراشٹر سے اُٹھتی تھی ملک کے کونے کونے میں پھیل جاتی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ مہاراشٹر کے عوام دیس کی آزادی کے لئے ہمیشہ پیش پیش رہے اور اپنی قربانیوں کی زندہ مثال ملک والوں کو پیش کی۔

۱۸۱۸ء میں پیشواؤں کے دَور کا جب خاتمہ ہوا اور عوام نے یہ محسوس کیا کہ انگریز انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیں گے تو وہ انگریزوں کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ جن میں اوما جی نائیک اور ان کے دست راست بابو ترمبک جی ساونت نے بغاوت کا پرچم بلند کر لیا، اور جنگِ آزادی میں شریک ہو گئے۔ تورنا قلعے کے اطراف کی پہاڑیوں پر ان کا تسلط قائم ہو گیا اور انگریز یہاں آنے سے گریز کرنے لگے۔ اوما جی نائیک ۲۸-۱۸۲۷ء تک ان پہاڑیوں پر سے جنگ کرتے رہے آخر کار پکڑے گئے اور ان پر مقدمات دائر ہو گئے۔ ابھی ان دونوں کی آواز مغربی گھاٹ کے پہاڑوں پر گونج ہی رہی تھی کہ کولہاپور کی سرزمین سے داداجی دولت راؤ گھوڑپڑے میدان میں آ گئے مگر ۱۸۲۹ء ہی میں ان کی آواز دبا دی گئی۔

اس وقت مغربی ساحل پر عربوں کی کافی آمد و رفت تھی۔ عرب مہاراشٹر کے لوگوں میں کافی گھل مل گئے تھے۔ کیونکہ ستارہ کے راجہ پرتاپ سنگھ کو انگریزوں نے گدی سے سبکدوش کر دیا تھا۔ اس وجہ سے انہیں دوبارہ گدی نشین کرنے کے لئے ان کے قابلِ اعتماد مصلاح کار نرسنگھ راؤ دتاریہ پیٹکر نے دو عرب دوستوں کی مدد حاصل کی۔ ان دو عربوں میں اول تو تھے۔ سلیم بن آباد اور دوسرے تھے طالب بن علی ان دونوں بہادروں نے ستارہ پر راجہ پرتاپ سنگھ کا جھنڈا گاڑ دیا۔ مگر یہ کامیابی عارضی ثابت ہوئی اور انگریزوں نے دوبارہ ۱۸۴۱ء میں ستارہ کے راجہ کو بے دخل کر دیا۔

اسی دوران کولہاپور میں ایک سانحہ ہوا اور وہ یہ کہ ۱۸۳۷ء میں شاہ جی کی وفات ہو گئی اور ان کی جگہ پر کم سن شیواجی چہارم گدی نشین ہوا، اور داجی کرشنا پنڈت حکومت کی دیکھ بھال کرنے کے لئے وزیر مقرر ہوئے۔ داجی کرشنا پنڈت رعایا میں اپنا اثر و رسوخ قائم نہ کر سکا اور بدنام ہو گیا۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ مہاراشٹر کے قلعوں پر قابض ہو جائے۔ یہاں پر گڈکری قابض تھے۔ مگر گڈکری خاندان کے کرشنا پنڈت کو اپنے منصوبوں میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ اپنی شکست قریب اور ساتھ دیکھتے ہوئے داجی کرشنا پنڈت انگریزوں سے مدد کا خواہاں ہوا۔ انگریزوں نے اس موقع پر بے دریغ دولت صرف کی۔ بے شمار فوجی روانہ کئے اور آخر کار گڈکری خاندان کو شکست ہوئی۔

اسی جدوجہد میں ساونت واڑی کا علاقہ جو اپنی پُرسکون فضا اور سیدھے سچے لوگوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ بڑھتی ہوئی انگریزی فوج سے بُری طرح متاثر ہوا۔ علاقے کا چین و سکون غارت ہو گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پھونڈ ساونت اور انا صاحب کئی سرداروں کی مدد سے مہاراشٹر کے قلعوں پر قابض ہو گئے۔ مہاراشٹر کے قلعے کچھ اس انداز سے تعمیر کئے گئے ہیں کہ حملہ آور کو انہیں تسخیر کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا پڑے۔ مگر ایک تو انگریزوں کا خوف و دہشت اور دوسری طرف فوج کی کمی کے باعث انگریز انہیں قید تو نہ کر پائے مگر علاقے سے بھگا دینے میں کامیاب ہو گئے۔

اِسی طرح مہاراشٹر کے بھیل جو خاندیش اور اورنگ آباد کے اضلاع میں سکونت پذیر تھے۔ پہاڑوں پر قابض تھے۔ مگر مراٹھوں۔ پنڈھاریوں اور قحط سالی کی وجہ سے ان کی طاقت کمزور پڑ گئی۔ انگریزوں نے اِس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا۔ بھیلوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ اندرونِ جنگلوں میں روپوش ہو گئے۔ سہیادری سلسلہ کوہ پر بسنے والے بھیل بھی انگریزوں سے شکست کھا گئے، اور ۱۸۵۰ء تک پورے مغربی مہاراشٹر پر انگریزوں کا تسلط قائم ہو گیا۔

انگریزوں کے اس مغربی مہاراشٹر پر تسلط کی وجہ سے مہاراشٹر کے عوام کے دلوں میں ان کے خلاف غم و غصہ کے ملے جلے جذبات اُمڈتے رہے اور وہ اس بات کے منتظر رہے کہ جب بھی کوئی موقع نصیب ہو وہ دِل کھول کر انگریزوں سے بدلہ لے سکیں۔ انہیں یہ موقع اس وقت ہاتھ لگا جب ملک میں آزادی حاصل کرنے کی جدّوجہد شروع ہو گئی۔ اب ان کے لئے یہی ایک موقع تھا کہ وہ مِل کر یا تنِ تنہا انگریزوں سے بدلہ لینے

کے لئے صف آراء ہو جائیں - انہوں نے اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بڑی دلیری سے جب بھی موقع ملتا - انگریزوں سے نبٹتے اور انہیں اکثر موت کے گھاٹ اتار دیتے - اس وقت تک ان میں کوئی ایک ایسی تنظیم نہیں تھی جو انہیں مل کر لڑنے یا مقابلہ کرنے کی صلاح دیتی - جس کی وجہ سے بغیر کسی تنظیم کے وہ انگریزوں سے صف آرا ہوتے چلے آرہے تھے - اگر انگریزی فوج انہیں محاصرہ کرکے قریب پہنچتی یہ جنگلوں میں چھپ جاتے جہاں سوائے درندوں کے اور کسی کا گذر نا ناممکن ہوتا - جو انگریزوں کے ہاتھ لگ جاتے تو موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے - انگریزوں سے انہوں نے نہ تو زندگی کی بھیک مانگی اور نہ رحم کی درخواست کی - یہ اس قوم کی خودداری کا پتہ دیتی ہے - انگریز سپاہی کیونکہ مراٹھوں کے ستائے ہوئے ہوتے اس لئے رحم کے لفظ کو اپنی لغت سے برخاست کر چکے تھے ـــ

ہندوستانی انگریزوں کا ظلم وستم سہتے رہے اور جب انڈین نیشنل کانگریس عالم وجود میں آئی تو ان کے حوصلے بھی بڑھ گئے -

کانگریس کا پہلا اجلاس بمبئی میں دسمبر ۱۸۸۵ء میں منعقد ہوا - ہندوستان کے سیاسی افق پر اس وقت بمبئی کے دادا بھائی نوروجی کا نام سرفہرست تھا - دادا بھائی کے ساتھ جبکہ کانگریس گھٹنوں کے بل چل رہی تھی اسے بدرالدین طیب جی جیسا راست آدمی ملا جس نے اپنی علمی لیاقت سے کانگریس کا لائحہ عمل تیار کیا - بدرالدین طیب جی کے ساتھ ساتھ کاشی ناتھ ترمبک تیلینگ اور فیروز شاہ مہتہ بھی سیاست کے افق پر نمودار ہوئے اور اپنے کردار کے انمٹ نقوش انڈین نیشنل کانگریس پر ثبت کر دیئے - پہلے اجلاس میں بدرالدین طیب جی ، اپنی مصروفیت کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکے - جس پر ان کے خلاف سازش کی گئی مگر ان کی صاف گوئی نے ہر شخص کے دل سے شک وشبہہ کا شائبہ تک مٹا دیا - بمبئی کے اس اجلاس میں رحمت اللہ سیانی اور عبداللہ دھرمسی نے بھی شرکت کی جس پر بمبئی کے گورنر لارڈ ریے نے مسلمانوں کو کانگریس کا ساتھ دینے کو کہا مگر بدرالدین طیب جی نے انہیں صاف طور سے جواب دے دیا -

بدرالدین طیب جی نے کھلے الفاظ میں اس بات کا اعلان کر دیا کہ اگر ملک کو بدیسی اقتدار سے آزاد کرانا ہے تو ہر ہندوستانی کو ، چاہے وہ کسی بھی مذہب یا فرقہ سے تعلق رکھتا ہے ، ایک ساتھ مل کر کام کرنا ہوگا -

بدرالدین طیب جی کے اس اعلان نے کانگریس میں ان کی اہمیت بہت بڑھا دی اور اہل پارٹی ان کی صلاح ومشورے بغیر کام نہ کرتے - جب ۱۸۸۷ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس ہوا تو بدرالدین طیب جی کو اس کی صدارت سونپی گئی جسے انہوں نے بخوشی منظور کر لیا - انہوں نے اپنی صدارتی خطبہ میں اس بات پر زور دیا کہ جب تک ہر ہندوستانی آپس میں مل جل کر کام کرنے کی عادت نہیں ڈالے گا اتنی ہی کٹھنائیاں ملک کی آزادی حاصل کرنے میں پیدا ہوتی جائیں گی - مدراس کے اس اجلاس نے اہل بمبئی اور مہاراشٹر کا وقار بلند کر دیا - کیونکہ انہیں بدرالدین طیب جی جیسے رہنما کی خدمات حاصل تھیں -

مہاراشٹر سے جنگ آزادی میں نمایاں طور پر حصہ لینے والوں میں پونے کے چافیکر برادران کا نام ہمیشہ امر رہے گا - ان کے علاوہ ویر ساورکر ، لوک مانیہ تلک ، گوپال کرشن گوکھلے جیسی شخصیتوں پر نہ صرف مہاراشٹر بلکہ پورا وطن فخر کر سکتا ہے - جنہوں نے مادرِ وطن کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا -

جس وقت مہاتما گاندھی نے نمک قانون کی مخالفت میں ڈانڈی میں " مارچ " کی اسی وقت ۱۹۳۰ء میں ان کی حمایت میں " Salt satyaghra " بورڈی ضلع تھانے میں ہوئی - جس کی قیادت اچاریہ بھیسے اور آترے نے کی - جنگ آزادی میں بمبئی کے ساتھ ساتھ ودربھ کا علاقہ بھی پیش پیش رہا ہے - اسی دوران جبکہ گاندھی " ڈانڈی مارچ " میں مصروف تھے اور بورڈی میں اچاریہ بھیسے نمک قانون توڑنے کے لئے " مارچ " کی تیاری کر رہے تھے - باپو صاحب اٹے نے جنگل قانون توڑنے کا فیصلہ کیا اور اپنے ساتھیوں سمیت پوسد میں یہ تحریک شروع کر دی - باپو صاحب اٹے کے علاوہ بھی ودربھ کے مشہور لیڈروں جیسے دادا صاحب کھاپرڈے - ویر وامن راؤ دیشمکھ ، جمنا لال بجاج نے بھی جگہ جگہ مظاہرے کئے اور جنگ آزادی کے صف اول کے سپاہیوں میں ان کا شمار ہونے لگا -

مہاراشٹر کی تاریخ میں پونے کے چافیکر برادران کا نام ہمیشہ روشن رہے گا - وطن کی آزادی کی خاطر انہوں نے نہ صرف

اپنی جان کی بازی لگائی بلکہ ان کی سرگرمیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انگریز حکمرانوں نے ان کے گھر بار تباہ کر ڈالے ۔ اسی طرح لوکمانیہ تلک جنہوں نے "آزادی میرا پیدائشی حق" ہے" کا نعرہ بلند کیا ۔ ہندوستان کے طول و عرض میں مشہور ہوئے ۔ ویر ساورکر گوپال کرشن گوکھلے اور راناڈے نے اپنی تحریکوں سے پورے ملک میں تہلکہ مچا دیا ، اور جنگ آزادی کے صف اول کے سپاہیوں میں ان کا شمار ہونے لگا ۔ مہاراشٹر میں جنگ آزادی کی فضا میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا ۔ ان جانثاروں نے عوام کے دلوں میں آزادی کا جو جذبہ پیدا کیا وہ آزادی حاصل ہونے تک قائم رہا
جنگ آزادی میں شہیدوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا ۔ جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں ہر ہندوستانی پر روز بروز بڑھتی گئیں ، اور اسی کے ساتھ ہر ہندوستانی کے قدم منزل مقصود کی طرف بڑھتے گئے ۔ یہاں تک کہ ۸ اگست ۱۹۴۲ء کا دن آپہونچا ۔ جب مہاتما گاندھی نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے بدیسی حکمرانوں سے کہا کہ وہ ملک چھوڑ دیں ۔ دوسری طرف ہندوستانیوں سے اپیل کی کہ وہ سب مل کر "کرو یا مرو" کا بیڑا اٹھائیں ۔ اس تحریک کے شروع ہونے سے ایک بار پھر ملک میں نئی امنگ پیدا ہوگئی اور لوگ "کرو یا مرو" نعرہ پر عمل پیرا ہوگئے ۔ دراصل ۱۹۴۲ء کی یہی وہ ....
ہندوستان چھوڑ دو " تحریک تھی جس سے انگریزوں کے پیر اکھڑنا شروع ہوگئے ، اور انہوں نے بھی یہ سمجھ لیا کہ اب ہندوستان میں ان کے اقتدار کے گنتی کے دن باقی رہ گئے ہیں ۔
یوں تو ملک کے ہر حصے سے شمع آزادی کے پروانے اٹھے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ مہاراشٹر میں انڈین نیشنل کانگریس کے منصوبہ جات کو جتنی کامیابی حاصل ہوئی وہ کسی اور جگہ اس پارٹی کو نہیں مل سکی ۔

● ●

ضروری گذارش

رقم خریداری روانہ فرمانے والے حضرات سے : منی آرڈر کوپن پر اپنا نام، پتہ، پن کوڈ نمبر ضرور تحریر فرمائیے ۔ عموماً منی آرڈر کوپن پر لوگ نام، پتہ نہیں لکھتے جس کی وجہ سے شکایتی خط آنے پر کافی چھان بین کے بعد پرچہ جاری کیا جانا ممکن ہوتا ہے ۔ اگر کوپن پر پتہ لکھا ہو تو فوراً "قومی راج" جاری کر دیا جاتا ہے ۔ (ادارہ)

صفحہ نمبر ۲۱ سے آگے

"انڈین نیشنل کانگریس کے بانی"

کئے تھے ۔ مسٹر گوکھلے نے کہا تھا "مسٹر ہیوم ان عظیم انسانوں میں سے ایک تھے جو انسانیت کی بقا اور ترقی کے لئے اس دنیا میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے ہیں"۔ مسٹر سریندر ناتھ بینرجی کے الفاظ تھے "مسٹر ہیوم نے ہمیشہ ہندوستان کی سیاسی ترقی کے لئے بڑی لگن اور خلوص سے کام کیا اور آنے والی نسل انہیں ہمیشہ یاد رکھے گی ۔" پنڈت مدن موہن مالویہ نے فرمایا تھا "مسٹر ہیوم شرافت ، انسانی ہمدردی ، اخلاص اور بے غرض خدمات کے لئے ایک ستون تھے ۔ حقیقت میں وہ ایک شریف ترین انگریز تھے ۔"
ان ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ یہاں کے اخبارات نے بھی مسٹر ہیوم کی خدمات اور ان کے عظیم کارناموں کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ۔ کلکتہ کے مشہور اخبار "بنگالی" نے لکھا تھا "مسٹر ہیوم اس انڈین نیشنل کانگریس کے بانی تھے جس نے ملک کو ایک انقلابی موڑ دیا ہے"۔ "امرت بازار پتریکا" کا خیال تھا "مسٹر ہیوم کا کردار نہ صرف پاک وصاف تھا بلکہ بے مثال تھا ۔ اس ملک کے لئے ان کی پُر خلوص اور بے غرض خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی ۔" "انڈین مرر" (Indian Mirror) نے انہیں ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا تھا "غلام ہندوستان کی قومی زندگی میں بیداری ان ہی کے دم سے آئی تھی"۔ اخبار "لیڈر" کے الفاظ تھے "وہ کروڑوں ہندوستانیوں کے غم و آلام کو مسٹر ہیوم نے محسوس کیا اور انہیں اپنی زبان دی ۔"
غرضیکہ مسٹر ایلن اکٹیوین ہیوم کی یہ قوم احسان مند تھی اور رہے گی کہ انہوں نے اس ملک میں سیاسی بیداری پیدا کر کے ایک ایسی تنظیم کی بنیاد ڈالی تھی جس نے پچھلے سو برس میں ہندوستان کو نہ صرف سامراجیت سے آزادی دلائی بلکہ دنیا میں بے مثال قومی اتحاد ، قربانی اور عدم تشدد کا نمونہ پیش کیا ۔

نوٹ :- اس مضمون کے لکھنے میں "مہاراشٹر گزیٹیئر" اور مسٹر ہیوم کی سوانح عمری مصنفہ مسٹر الیکزینڈر ، آکسفورڈ پریس ، لندن سے مدد لی گئی ہے ۔

• خواجہ احمد عباس

جواہر لال نہرو

اگر جواہر لال ایک سیاست داں نہ ہوتے تو وہ ایک بہت بڑے جرنلسٹ اور مصنف ہوتے۔ انہوں نے کئی موضوعات پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ وہ ڈینیل ڈیفو کی طرح سیاسی کتابچے بھی لکھ سکتے تھے، اور ایچ۔ جی۔ ویلس کی طرح Sciene fiction بھی لکھ سکتے تھے۔ انہوں نے اخباروں کے لئے مضامین بھی لکھے ہیں — لکھنؤ کا نیشنل ہیرالڈ انہوں نے ہی قائم کیا تھا۔ جس میں ان کے سیاسی Commentations چھپتے تھے۔ جب وہ غیر ملکی دورے کرتے تھے، تو وہیں سے نیشنل ہیرالڈ کے لئے اپنی رپورٹ بھیجتے تھے۔ نیشنل ہیرالڈ میں چھپے ہوئے اُن کے تبصرے بڑی دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے۔

اُنہیں پڑھنے اور لکھنے کا اِتنا شوق تھا کہ جیل میں بھی وہ آرام کرنے کے بجائے اخبار، رسالے اور کتابیں پڑھتے ہی رہتے تھے۔ پڑھنے سے تھک جاتے تو لکھنے بیٹھ جاتے۔ انہوں نے اپنی سوانح عمری आत्म कथा کا زیادہ تر حصہ جیل میں ہی لکھا ہے۔ ان کی آتم کتھا سب سے پہلے لندن میں سنہ ۱۹۳۶ء میں چھپی تھی۔ ان کی آتم کتھا دنیا کی بہترین آتم کتھاؤں میں سے ایک سمجھی جاتی ہے۔ ان کی دوسری مشہور کتاب Discovery of India ہے، جو ہر لحاظ سے ایک دستاویزی حیثیت رکھتی ہے۔

ایک بار وہ جیل میں تھے اور ان کی بیٹی اندرا (جو اس وقت بچی تھی) کسی مجبوری کی وجہ سے ان سے ملنے نہیں آسکتی تھی، تو وہ اپنی بیٹی کو ہر ہفتہ جیل میں سے ہی خط لکھا کرتے تھے۔ ان خطوں میں وہ اپنی لڑکی کو سمجھایا کرتے تھے کہ وہ اپنے پاپا کے جیل میں رہنے کی وجہ سے فکرمند نہ ہو بلکہ اپنی توجہ اپنی پڑھائی لکھائی میں رکھے۔ جب اندرا ان خطوں کو پڑھتی تھی تو اس میں وقت کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا تھا۔ اندرا ان خطوں کو جمع کرتی رہتی تھی۔ بعد میں وہ خط ایک کتابی شکل میں "Glimpes of World History" کے نام سے شائع ہوئے۔

انہوں نے ایک ہندو گھرانے میں جنم لیا تھا مگر وہ ہر مذہب کا احترام کرتے تھے۔ وہ ہندوستان کو ایک

Secular State سمجھتے تھے۔ جہاں پر ہر شخص کو اپنا مذہب ماننے کی اور اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی پوری آزادی حاصل ہو۔

وہ ہر مذہب کے تیوہاروں کو مانتے تھے۔ ہولی کے موقع پر بچوں کے ساتھ رنگ بھی کھیلتے تھے، اور بڑوں کے ساتھ بھی۔ اس دن ان کے گھر میں کسی طرح کی اونچ نیچ کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کوئی ہریجن لڑکا یا لڑکی بھی پردھان منتری کے منہ پر رنگ مل سکتا تھا، یا رنگ کی پچکاری مار سکتا تھا، اور جواب میں چاچا نہرو بھی پچکاری مارتے تھے۔

عید کے دن وہ اپنے مسلمان دوستوں کے یہاں جاتے تھے۔ جیسے مولانا ابوالکلام آزاد اور رفیع احمد قدوائی۔ باقاعدہ عید ملتے تھے اور فرمائش کر کے سوئیاں بھی مزے لے لے کر کھاتے تھے۔

اُردو زبان سے جواہر لال نہرو کو بڑی محبت تھی۔ غالب اور دوسرے شاعروں کے اشعار انہیں یاد رہتے تھے۔ اردو کے بہت سے ادیبوں اور شاعروں سے ان کی بنتی تھی۔ جیسے جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری، ڈاکٹر ذاکر حسین اور خواجہ غلام السیدین، اردو کے بارے میں ان کی اپنی رائے الگ تھی، اور سرکاری الگ۔ وہ گاندھی جی کے اس فارمولے پر چلنا چاہتے تھے، کہ اتری بھارت کے سب لوگ دونوں زبانوں اور دونوں لپیوں کو سیکھیں اور استعمال کریں لیکن ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان بننے کے بعد عام لوگوں کا رویہ ہندی کے بارے میں کٹر ہوتا گیا اور لوگوں نے نہ پنڈت جواہر لال نہرو کی بات مانی نہ گاندھی جی کی۔

دراصل پنڈت نہرو کشمیری برہمنوں کی پرانی ملی جلی کلچر کا نمونہ تھے جہاں سنسکرت میں "راج ترنگی" بھی پڑھائی جاتی ہے اور اردو میں "دیوانِ غالب" بھی پڑھایا جاتا ہے۔ کالیداس اور اکبر بھی پڑھائے جاتے ہیں، اور فارسی کی حکایات سعدی بھی پڑھائی جاتی ہے۔

پنڈت نہرو نہ ہندی کے دشمن تھے نہ اردو کے۔ دونوں زبانوں کے ادیبوں اور لیکھکوں کو پیار کرتے تھے۔ بنگالی میں رابندر ناتھ ٹیگور سے ان کی دوستی تھی، اور وہ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ یہ ان کا ہی کرشمہ تھا۔ بھارت کے سمویدھان میں چودہ زبانوں کو قومی زبان تسلیم کیا گیا ہے اور برابر کا درجہ دیا گیا ہے۔ وہ تامل اور تیلگو نہیں جانتے تھے۔ مگر ان کی بھی اتنی ہی عزت کرتے تھے جتنی ہندی اور اردو کی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہندی پورے ہندوستان کی بھاشا رہے اور غیر ہندی ریاستوں کے لوگ رفتہ رفتہ ہندی کو سیکھیں۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ انگریزی کو ایک تیسری زبان کی حیثیت سے ہندوستان میں برقرار رکھا جائے۔ کیونکہ سائنس و ٹیکنولوجی کی تعلیم کے لئے انگریزی کا جاننا بہت ضروری ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو کو اپنے دیش کے ماضی پر بڑا فخر تھا۔ لیکن اس ماضی میں جو بڑی باتیں تھیں ان کو وہ اپنانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مستقبل سائنس کے ساتھ ہے۔ ٹریکٹروں کے ساتھ ہے۔ دریاؤں میں پر بنے بڑے بڑے بندھوں کے ساتھ ہے۔ بجلی گھروں کے ساتھ ہے۔ فولاد کے کارخانوں کے ساتھ ہے۔ کیمیائی کھاد بنانے والی فیکٹریوں کے ساتھ ہے۔ تب ہی تو ان چیزوں کو "نئے ہندوستان کے مندر" کہا کرتے تھے۔

پنڈت نہرو نہ صرف ہندوستان کے بلکہ دنیا کے دو ایک پریہ نیتاؤں میں سے ایک تھے۔ وہ جہاں بھی جاتے تھے وہاں ان پر پھولوں کی بارش ہو جاتی تھی۔ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لوگ ان کی ایک جھلک دیکھنے آتے تھے۔ معمولی آدمی کا تو ذکر ہی کیا بڑے بڑے قابل دانشور ان سے مصافحہ کر کے فخر محسوس کرتے تھے۔

عام طور پر نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو کسی بھی موقع پر فلمسٹاروں سے ملنے کا موقع ملتا ہے تو وہ ان سے اپنی ڈائری میں دستخط کرواتے ہیں لیکن پنڈت نہرو ہی ایسے نیتا تھے، جن سے نہ صرف نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، بلکہ یونیورسٹیوں کے پروفیسر، اخباروں کے رپورٹر، اور غیر ملکی نمائندے بھی اپنی نوٹ بک میں پنڈت نہرو سے دستخط کروا کر اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتے تھے۔

اگر کسی جرنلسٹ نے پنڈت نہرو کے ساتھ فوٹو کھنچوالیا تو وہ اس فوٹو کو اپنی سب سے قیمتی چیز سمجھتا تھا۔ اگر پنڈت نہرو نے کسی کو اس کے خط کا جواب دے دیا، تو وہ اس خط کو اپنی جان سے بھی زیادہ پیار کرتا تھا۔

میں دوسرے کا ذکر کیوں کروں ...... ؟ اپنی ہی مثال دیتا۔

ہوں۔ جب میں طالب علم تھا، اور علی گڑھ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا، تو میں نے پنڈت نہرو کو ایک خط لکھا تھا۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے میرے خط کا جواب دیا۔ میں نے وہ خط بہت سنبھال کر رکھا تھا۔ لیکن میری بدقسمتی کہ Partition کے وقت جب پانی پت میں بھی خون خرابہ ہوا اور میرے پریوار کے لوگوں کو پانی پت میں بنا بہت سا سامان چھوڑ کر بمبئی آنا پڑا۔ تب وہ خط بھی وہیں رہ گیا۔ ان خطوں کے کھو جانے کا مجھے آج بھی افسوس ہے۔!!

اُن کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ فلمسٹار بھی اُن کے آٹوگراف لینے کے خواہشمند رہتے تھے۔

دوسرے نیتا فلم والوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ لیکن پنڈت نہرو ایسے نہیں تھے۔ وہ فلم والوں کی بھی قدر کرتے تھے۔ چاہے وہ فلم اسٹار ہو۔ یا پروڈیوسر یا ڈائرکٹر، یا میوزک ڈائرکٹر، وہ فلم کو بھی ایک آرٹ سمجھتے تھے.....

سورگباشی پرتھوی راج جی جو کئی سال راجیہ سبھا کے ممبر رہے۔ ان کے نزدیکی دوستوں میں سے تھے۔ ایک موقع پر کسی عام جلسے میں جہاں بڑے بڑے وزیر موجود تھے پنڈت نہرو پرتھوی راج جی کا ہاتھ پکڑ کر ان کے سامنے گھومتے رہے تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ ایک پردھان منتری اور ایک فلم کلاکار میں بھی دوستی ہو سکتی ہے۔

نوجوان فلمسٹاروں میں راج کپور اور دلیپ کمار سے بہت پیار کرتے تھے۔ ایک بار جب وہ دونوں ان کے سامنے موجود تھے تو پنڈت نہرو نے مجھ سے کہا تھا:۔

"یہ دونوں کلاکار ہمارے سیکولر ہندوستان کے اتحاد کی دو روشن نشانیاں ہیں۔"

۱۹۵۴ء میں راج کپور، دوسرے فلمی کلاکاروں کے ساتھ اپنی فلم "آوارہ" لے کر سوویت یونین گیا تھا۔ وہاں "آوارہ" فلم نے حیرت انگیز ریکارڈ قائم کئے اور راجکپور اور نرگس کے نام ہر خاص و عام کی زبان پر چڑھ گئے۔ سینکڑوں سوویت ماں باپوں نے اپنی اولادوں کے نام راج کپور اور نرگس کے نام پر رکھے۔ اگلے برس یعنی ۱۹۵۵ء میں جواہر لال نے پردھان منتری کی حیثیت سے روس کا دورہ کیا جہاں بڑی ہی گرمجوشی سے ان کا سواگت کیا گیا۔ میری تجویز پر ایک سوویت پبلشنگ ہاؤس نے اُن کی "آتم کتھا" کا روسی زبان میں انواد پرکاشت کیا تھا۔ جو ان کے وہاں جانے سے پہلے ہی چھپ گیا تھا۔ واپس آکر پنڈت نہرو نے مجھ سے، اور کئی آدمیوں سے بلکہ ایک بار پبلک میٹنگ میں بھی کہا کہ:۔

"روس میں مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ
ہندوستان کے لئے بہت ہمدردی اور دوستی
کا جذبہ ہے۔ وہاں میں خاصا مقبول ہوں مگر
شاید راج کپور سے کچھ کم ہی۔"

راجکپور اور جواہر لال نہرو کا بھلا کہاں مقابلہ ہو سکتا ہے۔ مگر اس طرح پنڈت نہرو ایک فلم کلاکار کی مقبولیت کا ذکر کر کے اس کا حوصلہ بڑھانا ضرور چاہتے تھے۔

۱۹۵۵ء میں ہی سنگیت ناٹک اکاڈمی کی طرف سے ایک فلم سیمینار منعقد ہوا تھا۔ اس کا انتظام ایک زمانے کی مشہور فلم آرٹسٹ شریمتی دیویکا رانی نے کیا تھا۔ اس سیمینار کا ادگھاٹن پنڈت نہرو نے کیا تھا، اور اس موقع پر جو بھاشن انہوں نے کیا تھا اس سے فلم والے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تھے۔ انہوں نے شروع میں کہا تھا....

"میں نے کئی مہینے پہلے اس سیمینار کا
اُدگھاٹن کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ ظاہری
میل و محبت کے ساتھ۔ مگر سچ پوچھئے
تو بڑی خوشی کے ساتھ۔ میل و محبت تو
کرنا ہی پڑتا ہے تاکہ آدمی بہت سستا
نہ ہو جائے۔ لیکن اگر میں سچ مچ بھی آج
کے ادگھاٹن میں شامل ہونے کے قابل نہ
ہوتا تب بھی دیویکا رانی کے اصرار کے
سامنے میری کچھ نہ چلتی۔"

یہاں یہ ذکر کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ دیویکا رانی کے موجودہ شوہر جو بہت مشہور روسی پینٹر ہیں وہ بھی پنڈت نہرو کے دوستوں میں سے تھے۔ ان سے شادی ہونے

(باقی صفحہ ۵٦ پر)



پروفیسر م۔ خ۔ شاذلی
شری شیواجی کالج۔ قندھار

مولانا محمد علی جوہر

نپولین کا دل، برکے کی زبان اور میکالے کا قلم رکھنے والا۔ مولانا حسرت موہانی کے سے خلوص، شیخ الاسلام مولانا محمود الحسن کی سی دینداری علامہ اقبال کے سے تفکر اور حکیم اجمل خاں جیسی فراست کا مالک۔ حب الوطنی اور ہندو مسلم اتحاد کا ایک عظیم پیکر، جنگِ آزادی کا ہیرو، مولانا محمد علی جوہر ۱۰ر دسمبر ۱۸۷۸ء کو آنکھ کھولتا ہے تو اپنے عزیز ملک کو سامراجی طاقتوں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا پاتا ہے کسے معلوم تھا کہ لاتعداد صلاحیتوں کا مالک یہ سپوت، اپنے وطن اور قوم کی آزادی کی جنگ کا ایک فتح مند سپاہی ثابت ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگِ آزادی میں بھارت کے کونے کونے سے کروڑوں شہریوں نے برابر کا حصہ ادا کیا۔ قربانیاں دیں صعوبتیں سہیں، حتیٰ کہ جانیں دے دیں لیکن نہ صرف یہ کہ ان کی تصاویر اخبارات کی زینت نہ بن سکیں بلکہ ۱۹۴۷ء کے بعد ہماری خود غرضیوں کا یہ عالم رہا کہ ہم ان جانثارانِ قوم و وطن کو تاریخ میں ریکارڈ بھی نہ کر سکے۔ اب تو بات یہاں تک پہنچی کہ سربرآوردہ رہنمایانِ جنگِ آزادی کو یاد کرنے کے لئے بھی ہمارے پاس نہ وقت ہے نہ جذبہ۔ ان شاندار ایوانوں میں بیٹھے جن کے لئے ان بزرگوں نے اپنی زندگی کی بازی لگادی! ایک دو نشستیں کرکے، ٹکٹ جاری کرکے یہ سمجھنے لگتے کہ ہم نے حق ادا کر دیا۔

بی اماں، عین جوانی میں بیوہ ہوئیں۔ انیسویں صدی کا وہ زمانہ جب کہ انگریزی تعلیم و تربیت کو اچھی نظر سے نہ دیکھا جاتا تھا۔ بی اماں چاہتی تھیں کہ بچے جدید تعلیم سے بھی آراستہ ہوں اور محمد علی کو انہوں نے بریلی ہائی اسکول تعلیم کے لئے روانہ کر دیا۔ والد مرحوم عبدالعلی خاں ریاست رام پور میں ایک معمولی ملازمت میں تھے۔ انتقال کے بعد آمدنی کا سلسلہ بھی مسدود ہو گیا۔ لہٰذا بی اماں نے اپنے زیورات فروخت کرکے محمد علی کی تعلیم کا بندوبست کیا۔ علی گڑھ کالج سے جو اس وقت الہ آباد یونیورسٹی سے ملحق تھا بی۔ اے کامیاب کر لیا۔ پھر آکسفورڈ یونیورسٹی لندن سے بی اے آنرز کیا۔ آئی۔ سی۔ ایس کے لئے امیدوار تھے لیکن انتخاب نہ ہو سکا۔ ہندوستان لوٹنے کے بعد شادی کر لی اور ریاست رام پور میں محکمۂ تعلیمات میں ملازمت اختیار کی۔ اس کے بعد بڑودہ ریاست کے تحت نوساری کے کمشنر رہے۔ اس وقت ہمارے ملک میں آزادی کی لہر چل پڑی تھی۔ حکومتِ برطانیہ کی لوٹ کھسوٹ اور ظالمانہ رویے کا بھانڈا پھوٹ چکا تھا۔ سب سے زیادہ کس پرسی کی حالت مسلمانوں کی تھی۔ محمد علی نے جہاں انگریزی تعلیم حاصل کی تھی وہیں مولانا عبدالباری فرنگی علی کی صحبتِ صالح نے انہیں اسلام اور اسلام کے تقاضوں سے بہرہ ور کیا، لہٰذا وہی محمد علی، اب اسلام جدید سائنس اور ادب کا ایک مؤثر امتزاج مولانا محمد علی جوہر کی شکل میں منظرِ عام پہ آیا۔ انیسویں صدی ختم ہو رہی تھی، حالات تیزی سے تبدیل ہوتے جا رہے تھے۔ ہندوستانی عوام جد و جہد آزادی کا پرچم لہرا چکے تھے۔ مولانا نے ملازمت کے دوران ہی حالات کو شدت سے محسوس کیا اور مضامین لکھنا شروع کئے۔ انشا پردازی کا شوق شروع ہی سے تھا۔ مولانا کے مضامین ٹائمز آف انڈیا اور انڈین اسپکٹیٹر میں شائع ہونے لگے ریاست

بڑودہ نے مولانا پہ پابندی عائد کرنے کا فیصلہ کیا۔ مولانا شروع ہی سے ایک آزاد طبیعت کے انسان تھے۔ اصول و اخلاق کی پابندی کے علاوہ وہ کسی طرح کی پابندی برداشت نہ کر سکے ۱۹۱۰ء میں بلا تکلف ملازمت کو خیر باد کہہ دیا جبکہ ریاست میں ملازمت کے بہتر سے بہتر مواقع فراہم تھے۔ استعفیٰ دینے کے بعد کلکتہ پہنچے جو اس وقت ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کی راجدھانی تھی اور ۱۴ر جنوری ۱۹۱۱ء کو انگریزی ہفتہ وار "کامریڈ" کا پہلا شمارہ شائع ہوگیا۔ جب راجدھانی کلکتہ سے دہلی منتقل ہوئی تو مولانا نے کامریڈ کا دفتر بھی دہلی میں منتقل کر لیا۔ انگریزی صحافت میں مولانا کی صلاحیت کا یہ عالم تھا کہ برطانیہ سے آتے ہوئے انگریز ہندوستان میں "کامریڈ" کو بے حد دلچسپی سے پڑھتے۔ خاص طور پہ لارڈ ہارڈنگ اور ان کی بیوی کامریڈ کے بڑے دلدادہ تھے۔ اسی کے ساتھ آپ نے مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور قاضی عبدالغفار کی مدد سے اردو ہفتہ وار "ہمدرد" بھی جاری کر دیا اور ۱۳ر جون ۱۹۱۳ء کو ہمدرد کا پہلا شمارہ شائع ہوگیا۔ مولانا ایک نڈر اور دیانت دار صحافی تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ نہایت بالغ نظر اور اعلیٰ مدیر کی حیثیت میں سارے عالم کی صحافت پہ گہری نظر رکھتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب یورپ میں جنگِ بلقان شروع ہو چکی تھی ترکی کو یورپ کا مردِ بیمار کہہ کر یوروپی طاقتیں اسے یورپ کے نقشے سے ختم کرنے کے منصوبے بنا رہی تھیں۔ مولانا نے نہایت بے باکانہ انداز میں یوروپی طاقتوں کے خلاف اور ترکی مسلمانوں کی حمایت میں مضامین لکھنے شروع کئے۔ حکومتِ برطانیہ کی نظریں مولانا کی اس خاموش جدوجہد پہ لگی تھیں۔ ان ہی دنوں لندن ٹائمز نے ایک اداریہ سپردِ قلم کیا جس میں ترکی پر سخت اور بے جا الفاظ میں تنقید کی گئی تھی۔ مولانا نے فوراً اس کا دندان شکن جواب دیا۔ جس میں حکومتِ برطانیہ پر سخت تنقید کی گئی۔ اسی دوران مولانا نے ایک طبی مشن ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی سرکردگی میں ترکی روانہ کیا۔ ۳ر اگست ۱۹۱۳ء کو کانپور کی مسجد کا سانحہ پیش آیا جہاں سیکڑوں مسلمان حکومت کی گولیوں کا نشانہ بنے۔ مولانا نے فوراً ایک وفد تیار کیا اور راست برطانوی پارلیمان میں پہنچ گئے اور مسجد کی از سر نو تعمیر کے احکامات لے آئے۔ ان تمام واقعات نے حکومتِ برطانیہ کو چوکنا کر دیا اور "ترکوں کی پسند" کے عنوان سے جو مضمون مولانا نے ۱۳ر ستمبر ۱۹۱۴ء کی کامریڈ کی اشاعت میں شائع کیا، اس کو بہانہ بنا کر ۱۵ر مئی ۱۹۱۵ء کو مولانا محمد علی اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی کو نظر بند کر دیا گیا۔ مسوری، مہرولی اور لینسڈاؤنی جیسے مقامات پہ رکھ کر آخر میں چھندواڑہ میں پہلے ۳ سال رکھے گئے۔ اس عرصے میں حکومت کی کوشش تھی کہ مولانا سیاست سے علیحدہ رہنے کا اقرار نامہ لکھ دیں۔ مولانا نے لکھا "جہاں ملکی مفاد کا سوال ہوگا۔ میں پہلا اور آخری ہندوستانی ہوں اور جہاں مسلم مفاد کا مسئلہ ہے وہاں میں پہلا اور آخری مسلمان رہوں گا۔" حکومتِ برطانیہ مطمئن نہ ہوئی اور تمام نظر بند رہائی کئے جانے کے بعد بھی علی برادران کو چند دیگر الزامات کے تحت باقاعدہ طور پر قید کر دیا گیا اور مولانا بیتول جیل میں ۸ر جون سے ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء یعنی ۷ ماہ قید رہے۔ ان ایام نظر بندی کے دوران مہاتما گاندھی نے مولانا کو لکھا تھا ـــ

"میں نے آپ کے خلاف الزامات پڑھوا کر سُنے۔ میں نے آج تک ایسے معمولی اور بیہودہ الزامات نہیں دیکھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا جواب قطعی راست اور معتبر ہوگا۔ اگر کمیٹی کا فیصلہ خلاف ہو تو اس سراسر نا انصافی کے خلاف جس کو آپ نے اتنے تحمل اور اتنی طویل مدت تک برداشت کیا ہے ایک ایسی احتجاجی تحریک چلائی جا سکتی ہے کہ جس سے غم و غصے کی لہر پورے ہندوستان میں پھیل جاتے۔"

اسی دوران گاندھی جی نے وائسرائے کو بھی لکھا کہ ـــ

"مجھے ایسا احساس ہوتا ہے کہ علی برادران کو بلا وجہ نظر بند رکھ کر ان کو متعدد مصیبتوں میں مبتلا کیا گیا ہے۔ ہندو اور مسلمان دونوں ہی ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پورے ہندوستان میں ہندو مسلم تہذیب کی ان سے بہتر مثال ملنا مشکل ہے۔ اس انتہائی تکلیف دہ صورتِ حال میں بھی دونوں نے تعجب خیز صبر و عمل کا مظاہرہ کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نیکیوں ہی کو ان کا جرم سمجھا گیا ہے۔"

۲۹ر دسمبر کو مولانا رہا ہوئے۔ ۲۹ر دسمبر کو امرتسر میں کانگریس کا سیشن منعقد ہوا جہاں علی برادران کا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ اس سیشن میں مولانا نے حکومتِ برطانیہ کے خلاف بڑی جاندار تقریر کی۔ بین الاقوامی حالات پر تبصرہ کیا اور ترکی کی خلافت عثمانیہ کا مسئلہ رکھا۔ یوروپی طاقتیں اور خاص طور پہ حکومتِ برطانیہ ترکی میں خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کی کوشش میں معروف تھیں۔ مولانا نے خلافت کا مسئلہ اٹھا کر ہندوستانی عوام کو ساری دنیا کے آزادی پسند

عوام سے منسلک کر دیا اور ۸ رفروری ۱۹۲۰ء کو کلکتہ میں خلافت کمیٹی کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا جس کی صدارت کی ذمہ داری مولانا ابوالکلام آزاد نے اٹھائی ۔

مارچ ۱۹۲۰ء میں مولانا ایک وفد لے کر لندن پہنچے کہ وہاں خلافت عثمانیہ کے تعلق سے ہندوستانی عوام کے جذبات سے حکومت برطانیہ کو واقف کروایا جائے۔ اس وفد کی تائید نہ صرف مسلمانانِ ہند نے کی بلکہ ہندوستان کے صفِ اول کے کانگریسی رہنماؤں جیسے لوکمانیہ تلک، مدن موہن مالویہ، مہاتما گاندھی وغیرہ کی تائید حاصل رہی۔ اسی قیام کے دوران مولانا نے لندن سے ECHO DE ISLAM اور دوسرا THE MUSLIM OUTLOOK پیرس سے شائع کیا۔ اس موقع سے مولانا فرانس اور اٹلی کے سیاسی رہنماؤں سے بھی ملے جو کسی طرح ترکی کو ختم کرنے کی فکر میں تھے۔ بدقسمتی سے وفد اپنے مقصد میں ناکام رہا اور حکومتِ برطانیہ نے خود ترکی مسلمانوں کی مدد سے خلافتِ عثمانیہ کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا۔ مایوسی کے بعد مسلمانانِ ہند میں ایک نیا جوش و جذبہ پیدا ہوا اور یہیں سے تحریکِ ترکِ موالات شروع ہوئی، بلکہ آر۔سی۔ مزمدار نے لکھا ہے۔

"گاندھی جی کی تحریک ترکِ موالات راست تحریکِ خلافت کی پیداوار تھی ۔"

تحریکِ خلافت کی مذہبی اور سیاسی حیثیت پہ بے حد مباحث ہوتے ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر نے اس کی جو وضاحت کی ہے وہ اسی قدر کہ " ترکی کے ساتھ ہماری ہمدردی سیاسی یا علاقائی نہیں ہے بلکہ مذہبی ہے کیونکہ سلطانِ ترکی پیغمبر کا جانشین خلیفہ ہے"۔ انہوں نے یہ بھی وضاحت کی کہ " غلام ہندوستان ترکوں اور وہاں کی خلافت کی مدد نہیں کر سکتا "۔ علاوہ ازیں یوروپی طاقتوں کا مسلمان ملکوں کو زیر کرنے کی تحریک سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ تمام ایشیائی ممالک کو غلام بنانا چاہتے ہیں جن میں ہندوستان بھی شریک ہے۔ چنانچہ ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ دراصل تمام دنیا کے مسلم ممالک کے مسائلِ آزادی سے منسلک ہے۔ دوسرے یہ کہ مولانا کے خیال میں سیکولر قومیت ایک ناکارہ عمل ہے۔ اس کے مقابلے میں مذہبی قومیت یعنی ایک سچا مسلمان یا ایک سچا ہندو ہی اپنے ملک کا سچا محبِ وطن ہو سکتا ہے ۔

بہرحال تحریکِ خلافت، تحریکِ ترکِ موالات نے ہندوستان کی تحریکِ آزادی کو زبردست طاقت عطا کی۔ نہ صرف یہ بلکہ ہندو مسلم اتحاد کا ایک ناقابلِ فراموش دور پیدا کیا۔ مولانا محمد علی اور گاندھی جی نے تمام ملک کا ایک طوفانی دورہ کیا۔ ہندوستانی عوام نے سرکاری ملازمتوں سے استعفیٰ دے دیا۔ وکلاء نے عدالتیں ترک کر دیں۔ طلباء نے مدارس کو خیرباد کہا۔ اعلیٰ عہدیداروں نے حکومتِ برطانیہ سے عطا کردہ خطابات کو ٹھکرا دیا اور کروڑوں عوام تمام کے تمام جنگِ آزادی کے لئے میدانِ عمل میں نکل آئے ۔

فروری ۱۹۲۱ء میں لکھنؤ کی خلافت کانفرنس میں مولانا نے خطبۂ صدارت دیتے ہوئے کہا تھا ۔

> "آج میں اعلان کرتا ہوں کہ ہندوستان کی فوج گاندھی جی کی فوج ہے۔ ہر شخص گاندھی جی کی پولس ہے۔ ہر شخص گاندھی جی کے ساتھ ہے ۔ بلکہ اپنے مذہب اور ملک کی طرف ہے ۔ حالات اب بالکل بدلے ہوئے ہیں ۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدائے قدوس نے خود اسی خصوص میں احکام جاری کر دئے ہیں ۔"

۸ رجولائی ۱۹۲۱ء کی کراچی خلافت کانفرنس میں مولانا محمد علی جوہر نے زیادہ سخت قدم اٹھایا اور تمام علمائے کرام، مولویوں اور مذہبی فرقوں کو للکارا کہ کسی مسلمان کے لئے مذہباً جائز نہیں کہ وہ حکومتِ برطانیہ کی افواج میں ملازم رہے۔ اسی کانفرنس میں یہ تجویز بھی منظور ہوئی کہ اگر حکومتِ برطانیہ نے ترکی پر حملہ کیا تو ہندوستانی عوام یکایک علم آزادی بلند کر دیں گے بہرحال ان مخالف حکومت تجویزوں کا منظور ہونا تھا کہ حکومتِ برطانیہ نے ۱۴ رستمبر ۱۹۲۱ء کو مدراس کے سفر میں والٹیر ریلوے اسٹیشن پہ گرفتار کر لیا۔ ان کے ساتھ ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا حسین احمد، مولانا نثار احمد اور جگت گرو شنکر آچاریہ بھی گرفتار ہوئے۔ شنکر آچاریہ کے علاوہ تمام کو دو سال کی قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ یہی وہ کراچی کا نام نہاد سازشی مقدمہ تھا جس میں مولانا اور ان کے ساتھیوں پہ الزام لگایا گیا تھا کہ انہوں نے حکومتِ برطانیہ کی افواج کے سپاہیوں کو حکومت کے خلاف ورغلایا۔

۵ رفروری ۱۹۲۲ء کے خوفناک حادثہ نے جس میں ایک مشتعل ہجوم نے چاورا چوری کے مقام پر کئی پولس افسران کو زندہ جلا دیا تھا، حالات میں یکایک تبدیلی پیدا کر دی۔ گاندھی جی نے تحریک ملتوی کر دی۔ وہ خود بھی گرفتار ہو گئے اور ملک میں فرقہ واریت نے سر اٹھایا۔ اسی دوران دسمبر ۱۹۲۳ء میں کوکناڈا

کے کانگریس سیشن کی صدارت کرتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر نے جو اسی ماہ جیل سے رہا ہوئے تھے ایک طویل خطبۂ صدارت دیا۔

۲۶ دسمبر کے اس خطبے میں مولانا نے زیادہ زور قومی یک جہتی اور ہندو مسلم اتحاد پہ دیا اور تحریک ترک موالات کے تعلق سے انہوں نے کہا تھا ـــ

"میں چیلنج کرتا ہوں کہ تاریخِ عالم میں ایسی کوئی مثال بتائی جائے کہ جہاں کروڑوں لوگ آزادی کے لئے کھڑے ہوتے ہوں اور وہ تحریک پُرامن رہی ہو جیسا کہ یہاں مہاتما گاندھی کی قیادت میں ہوا ہے۔"

ہندو مسلم تعلقات کے تعلق سے مولانا نے کہا ـــ

"بڑا افسوس اسی پر ہوتا ہے کہ ہر فرقہ صرف یہی یاد رکھتا ہے جس سے اس کو تکلیف پہنچی ہے اور خود اس نے دوسروں کو کیا تکلیف پہنچائی ہے۔ اس کا سان و گمان بھی ان کو نہیں رہتا۔ مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا ـــ

"غلامی کی جوا جو جسم اور روح دونوں کو مقید رکھتا ہے جتنا جلد ہو سکے اٹھا کر پھینک دو۔"

ہندو مسلم تعلقات خراب ہو جانے پر گاندھی نے ۱۸ ستمبر ۱۹۲۴ء کو اپنا برت شروع کیا اور اتفاق سے یہ برت انہوں نے مولانا محمد علی ہی کے مکان پہ شروع کیا۔ ان کا خود کہنا تھا کہ جس قدر خلوص اور محبت انہوں نے مولانا محمد علی کے یہاں دیکھا اور کہیں نہ دکھائی دیئے۔ گاندھی جی نے ایک بار "ینگ انڈیا" میں لکھا تھا کہ "ایسے کسی تین آدمی کو میں نہیں جانتا جن کے دل آپس میں ایسے ملے ہوئے ہوں جیسے کہ علی برادران اور میرے دل ہیں"۔

مولانا محمد علی جوہر کی قوم پرستی کے تعلق سے بھی کافی اختلافِ رائے رہا ہے لیکن یہ بات واضح ہے ملک کی آزادی اور حب الوطنی کو مولانا محمد علی اسلام ہی کا ایک حصہ سمجھتے تھے۔ ایک سچا مسلمان ایک سچا محبِ وطن ہوتا ہے اسی لئے انہوں نے کہا ہے کہ اگر مسلمان ہندوستان کی آزادی کا نعرہ لگاتا ہے تو وہ صرف قرآنی احکام کا احیاء ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ حبِ وطن کے لئے اسلام کی قربانی پسند نہ کرتے تھے۔ نہ ہی انہوں نے کبھی ایسا قدم اٹھایا۔ دراصل ہندوستان کی آزادی کے لئے والہانہ جدوجہد بھی انہیں اسلام ہی کی دین تھی۔ مسلمانوں کے مسائل پہ غور کرتے ہوئے بھی انہوں نے کبھی ملک اور ہمسایہ قوم کو علیحدہ نہیں سمجھا۔ ہندوستان کی آزادی کے تعلق سے مولانا نے جب بھی نمائندگی کی کبھی اس میں فرقہ پرستی کا شائبہ بھی نہ آنے دیا۔ اس طرح مولانا محمد علی جوہر اپنے فکر و عمل میں جہاں ایک سچے مسلمان تھے وہیں ایک دیندار محب وطن (نیشنلسٹ) بھی تھے۔ دراصل مولانا نے اسلام کے تصور آزادی کو ہندوستان کے حالات پہ منطبق کیا۔ کیونکہ اسلام بجز خدا کے ہر ایک کی غلامی کا منکر ہے اور اسی تصور نے مولانا کو ایک بہتر نیشنلسٹ بننے میں مدد دی۔

۱۹ نومبر ۱۹۳۰ء کی گول میز کانفرنس کی تقریر تو دراصل سیاسیات کا کوئی طالبِ علم فراموش نہیں کر سکتا۔

"میں اپنے ملک کو اسی وقت جاؤں گا جبکہ میرے ہاتھ میں پروانۂ آزادی ہو۔ نہیں تو میں غلام ملک میں واپس نہیں جاؤں گا۔ میں کسی بیرونی آزاد ملک میں مرنا پسند کروں گا۔ اگر تم نے ہندوستان کو آزادی نہیں دی تو مجھے یہاں تمہیں قبر کے لئے جگہ دینی پڑے گی۔"

تقریر کے آخر میں آپ نے کہا تھا ـــ

"میں امید کرتا ہوں کہ مجھے دوبارہ مکمل اجلاس میں تقریر کے لئے طلب نہیں کیا جاتے گا۔ جب تک کہ جنابِ صدر! آپ یہ اعلان نہ کر دیں کہ ہندوستان بھی اسی طرح آزاد ہے جس طرح کہ برطانیہ۔"

اور واقعہ بھی یہی ہوا کہ چند ہی روز بعد یعنی ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو اس آزادی کے جانثار نے واقعی انگلستان ہی میں دم توڑ دیا۔ لاش بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کے قریب جامع عمر کے متصل دفن کر دی گئی جس پر اقبال نے کہا تھا ؎

خاکِ قدس اور آباغوشِ تمنا در گرفت
سوئے گردوں رفت ازراہے کہ پیغمبر گذشت

بیت المقدس اور مولانا کے مقبرے کا ایک ماڈل "یادگار تصاویر" اور مولانا کے مخطوطات آج بھی ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری نئی دہلی میں محفوظ ہیں۔ بیت المقدس میں ان دنوں صرف دنیا کے یہودی، عیسائی اور مسلمانوں کی عظیم شخصیتوں ہی کی تدفین ہوتی تھی۔

مولانا کی سیاسی ہنگامہ آرائیوں میں اتفاق سے ان کی ماہر تعلیم کی حیثیت اکثر دھندلا جاتی ہے۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ ان سیاسی ہنگاموں کے باوجود مولانا سنجیدہ مسائل پہ

اسی قدر سنجیدگی سے غور وفکر کرتے ہیں جو ان مسائل کا تقاضہ ہے۔ ترکِ موالات کی تحریک کے زمانے میں طلبا نے جب اسکول اور کالج چھوڑ دیئے تو ان کے لئے نیشنل اسکول اور نیشنل کالج کھولے جارہے تھے۔ یہ دراصل ایک تہذیبی انقلاب کی تیاریاں تھیں جو وقتی انقلاب کے مقابلے میں زیادہ دور رس اور موثر ہوتی ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں اس سلسلے میں جامعہ ملیہ کا قیام عمل میں آیا جس کے پہلے پرنسپل مولانا محمد علی جوہر مقرر ہوئے۔ اس ادارے کے نام کے ساتھ لفظ "اسلامیہ" کا اضافہ گاندھی جی نے خود کیا تھا۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کا افتتاح علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مسجد میں اسیر مالٹا شیخ الاسلام محمود الحسن کے ہاتھوں انجام پایا جن کا خطبۂ افتتاحیہ ان کے بے حد کمزور ہونے کے باعث ان کے شاگرد مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھا۔ دراصل جامعہ ملیہ کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اولڈ بوائز ایسوسی ایشن نے قائم کیا تھا۔ ان میں سے بعض کو زبردستی علی گڑھ ہوسٹل سے نکالا گیا۔

اس وقت مولانا نے ایک رسالہ "مسلم قومی تعلیمی اداروں کے لئے تعلیمی اسکیم" کے نام سے شائع کیا جو آج بھی ہماری تعلیمی سرگرمیوں میں رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس اسکیم کے مطالعے سے یہ اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ مولانا اس دور میں اپنے زمانے سے کس قدر آگے تھے۔ تفصیلات میں گئے بغیر میں یہاں دو تین باتوں کا ذکر کروں گا جن کو آج کئی برسوں کے بعد سوچنے پہ مجبور ہیں۔ مولانا نے یہ اسکیم گجرات ودیاپیٹھ کے صدر مدرس شری کالیلکر، تصدق احمد خاں شیروانی، مولوی محمد علی صاحب، حبیبیہ کالج کابل کے پرنسپل اور بیرسٹر خواجہ عبدالحمید جیسے ماہرینِ تعلیم کے مشورے سے تیار کیا تھا۔ یہ اسکیم دراصل تمام ہندوستان میں قومی تعلیم کا ایک مکمل خاکہ تھا جو بلا لحاظ مذہب وملت اور زبان ہندوستان کی تمام قومی اسکولوں میں نافذ کیا جا سکتا تھا۔ دراصل ۱۹۳۷ء کی ذاکر حسین کمیٹی کی نیشنل بیسک ایجوکیشن کی اسکیم مولانا کی اسکیم ہی کی کاپی ہے۔ اس اسکیم میں تین تعلیمی مرحلے ہیں۔ ۸ تا ۱۲ سال کے بچوں کے لئے تحتانیہ اسکول ۱۳ تا ۱۷ سالہ بچوں کی ہائی اسکول تعلیم ۱۸ تا ۲۰ ڈگری درجہ کی تعلیم۔ مولانا ہندوستانی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانے پر زور دیا۔ البتہ انگریزی کا استعمال انہوں نے صرف سائنس کے مضامین کے لئے روا رکھا۔

سیکنڈری اسٹیج پہ مولانا نے انگریزی زبان کے سیکھنے کی حمایت کے بجائے دیگر یوروپی زبانوں پہ زور دیا اور آج ہم یہی سوچ رہے ہیں کہ کالج کی سطح پر دیگر ایشائی زبانوں کو سیکھنے کا اہتمام کریں۔ دراصل اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ طالب علم میں ایک زبردست وسعتِ نظر پیدا ہوتی ہے اور علم کی طرف رجحان بڑھتا ہے۔ ہائی اسکول سطح پر ہندی، اردو، کوئی ایشیائی یا یوروپی زبان سکھائی جائے۔ زبان کے علاوہ مندرجۂ ذیل مضامین میں طلبا خود کوئی ایک مضمون منتخب کرے۔ تاریخ (تاریخ ہند اور تاریخ اسلام)، جغرافیہ، شہریات، سیاسیات، معاشیات نیچرل سائنس، ریاضی، منطق، ابتدائی نفسیات اور ڈرائنگ۔ یہاں طلبا کے انتخاب کو اہمیت دی گئی ہے۔

کالج سطح پر مولانا نے اس طرح کی تعلیم کا اہتمام کیا تھا کہ نیشنل یونیورسٹی کا گریجویٹ کسی سرکاری یونیورسٹی کے ایم اے کے طالبِ علم کے برابر صلاحیت رکھے اور سیکنڈری تعلیم کا معیار کسی سرکاری ہائی اسکول کے انٹرمیڈیٹ کے معیار کے برابر ہو۔ مولانا بی۔ اے کے لئے پاس کورس کے قائل نہ تھے بلکہ بی۔ اے میں کسی ایک مضمون میں آنرز کے کورس کو لازمی قرار دیا تھا۔ آج یو۔جی۔سی نے منظور کیا ہے کہ پاس کورس کا گریجویٹ ایم۔ اے میں داخلہ نہیں لے سکتا جب تک کہ وہ بی۔ اے میں اسپیشل کورس تکمیل نہ کرے۔ کالج کے لئے مسلم طلبا، اسلامی تھیولاجی کے علاوہ مطالعۂ اسلام، تاریخ، سماجیات، فلسفہ، ریاضی، سائنس، ادب اور قانون میں سے کوئی ایک مضمون لے سکتا ہے۔ ہندو طلبا اسلامی تھیولاجی کے بدلے ہندو دھرم شاستر کا کوئی مضمون لے سکتے ہیں۔

اسکیم میں مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے پر زور دیا گیا ہے اور نصابی کتب تعلیمی بورڈ کے تحت تیار کی جائیں۔ خانگی پبلشر اور خانگی مصنفین کو اسکیم میں اہمیت نہیں دی گئی ہے آج ہمیں اس مشکل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کے علاوہ اسکیم میں روایتی گرامر کے مطالعے کے بجائے ڈائریکٹ میتھڈ (DIRECT METHOD) کو اپنایا گیا ہے جو برسوں بعد ہمارے ماہرینِ تعلیم کی سمجھ میں آیا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ مولانا نے اس اسکیم میں صرف ان ہی مضامین کو اہمیت دی ہے جو طالبِ علم کی عملی زندگی میں

(باقی صفحہ ۵۵ پر)

یوسف ناظم

انڈین نیشنل کانگریس اور سیکولر بھارت

ہندوستان میں سیکولرزم کی بُنیاد اُس وقت پڑی جب ہندوستان آزاد بھی نہیں ہوا تھا۔ لیکن یوں سمجھئے یہ آزادی سے کچھ ہی دن پہلے کی بات ہے۔ ہندوستان کی آزادی کا منصوبہ تقریباً مکمل ہوچکا تھا۔ صرف اعلان کا انتظار تھا۔ یہ اعلان ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوا جبکہ اس سے دو تین مہینے پہلے، یعنی مئی ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی نے دستورِ ہند کے مسودے کی ۱۳-۱۴-۱۵ دفعات کو منظور کرلیا۔ یہی تین دفعات (آرٹیکل) سیکولرزم کی سنگِ بنیاد ہیں سیدھے سادے لفظوں میں سیکولرزم ایک غیر مذہبی زاویۂ نگاہ ہے۔ لیکن ہمارے یہاں چونکہ الفاظ کا بے جا اصراف اور بے جا استعمال کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ اس لئے سیکولرزم کو لادینی سے تعبیر کیا گیا۔ لادینی ہونے کے معنی کچھ اور ہوتے ہیں جبکہ غیر مذہبی نقطۂ نظر ایک مثبت نظریۂ حیات ہے۔

اُلٹ پھیر ہماری زندگی کا معمول ہے۔ مثال کے طور پر لفظ محبّت نہایت ہی بامعنی لفظ ہے لیکن چونکہ ہم نے محبت کو مختلف پیرایوں میں دیکھا اور برتا ہے۔ اس لئے اس لفظ کے ساتھ ساتھ جب تک پاک کا لفظ بلور موقعہ استعمال نہیں کیا جاتا۔ ہم محبت کو بھی لغویت سمجھتے ہیں۔ یہی صورتحال

سیکولرزم کے معاملے میں ہے۔ بہرحال غنیمت ہے اس کے ساتھ کوئی لاحقہ یا سابقہ نہیں لگایا گیا ہے۔ سیکولر کے تعلق سے سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ خودِ دستورِ ہند میں سیکولرزم کی کوئی تعریف نہیں کی گئی ہے بلکہ دستور میں سیکولر کا لفظ بھی استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ یہ احتیاط

ضروری بھی تھی۔ ایک ترقی پذیر ملک کے مسائل اور طریق کار کو الفاظ میں مقید کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ صرف بنیادی اُصول کا ذکر کافی ہے۔

سیکیولرزم کے موضوع پر بڑی گرما گرم بحثیں ہو چکی ہیں اور یہ بحثیں ان لوگوں نے کیں جو واقعی دانشور تھے (اس بیان سے کسی کی دُم کا پہلو نہیں نکلتا ہے) یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے صرف اپنے ہی مذہب کا نہیں، دوسرے مذاہب کا بھی تنقیدی نظر اور تعمیری نیت سے مطالعہ کیا تھا، اور سیاست تو ان کا اپنا موضوع تھا۔ بدلتے حالات اور مستقبل پر بھی ان کی نظر تھی۔ یہ سب لوگ باوجود دین کے مختلف عقائد رکھتے تھے۔ سر جوڑ کر بیٹھے اور انہوں نے ملک اور قوم کو ایک ایسا نظریۂ حیات دیا جو اس برصغیر کے رہنے بسنے والوں کو ذہنی و قلبی وابستگی کی ڈور میں باندھ سکتا ہے۔

ہندوستان جیسے عظیم ملک میں جو مختلف مذاہب اور فرقوں کے افراد کا ملک ہے۔ ایک ایسا ہی نظامِ حکومت، اور طریقۂ حیات، ملک کو تباہی و بربادی سے بچا سکتا ہے جس میں ملک کے تمام افراد کو بلا کسی امتیاز کے اور بغیر کسی برتری اور فوقیت کے زندہ رہنے کا حق حاصل ہو۔ جہاں ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہو۔ "مذہبی آزادی" کے موضوع پر بھی دستور ساز اسمبلی میں زبردست بحث ہوئی تھی، اور مقررین نے چاہا تھا کہ ڈاکٹر امبیڈکر (جو ہمارے دستور کے خالق اور معمار سمجھے جاتے ہیں) مذہبی آزادی کا مطلب واضح الفاظ میں سمجھائیں ڈاکٹر امبیڈکر نے اس کی کوئی وضاحت نہیں کی اور یہ دفعہ اپنی اصلی حالت میں برقرار رہی۔ نہ صرف یہ بلکہ اپنی مذہب کی ترویج و اشاعت کی دفعہ بھی جوں کی توں برقرار رہی، اور آج بھی ہر فرقے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہب کے بارے میں دوسرے مذہب کے افراد کو معلومات بہم پہونچائے، اور انہیں اپنے حلقۂ مذہب میں منتقل ہونے کی دعوت دے۔ جبر وغیرہ کے معاملات بہرحال جرم شمار ہوں گے۔ سیکیولرزم وسیع الخیالی اور وسیع القلبی کے بغیر اس فصل کی طرح ہے جو اُگنے سے پہلے ہی زیرِ زمین دم توڑ دے۔ سیکیولرزم کے نظریے کو ہر ملک اور ہر مذہب نے اپنے اپنے حساب سے مختلف پیرہن دیئے لیکن ان سب کپڑوں میں مہک اسی پھول کی ہے — جو دھنک کے رنگوں کا ہونے کے باوجود یک رنگی اور ہم آہنگی کا مظہر ہے۔ یورپ میں حکومت اور کلیسا میں ایک ان لکھا سمجھوتہ ہے۔ ہندوستان میں ہندو فلاسفی نے اسے اپنے مذہبی عقائد کی بنا پر قبول کیا ہے۔ ہندو مت کی بنیادی نظریئے یہ ہے کہ دُنیا کے تمام مذاہب سچ کی تلقین کرتے ہیں۔ اس لئے رواداری کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر مذہب کو احترام کی نظروں سے دیکھا جائے — اسی جذبۂ رواداری اور قوت برداشت پر سیکیولرزم کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ مذہبی نقطۂ نظر کے علاوہ ایک قومی نقطۂ نظر بھی ہوتا ہے۔ جس کے تحت مذہب اور وطنیت کو اس طرح شیر و شکر کرنا پڑتا ہے کہ نہ تو مذہب کی رُوح مجروح ہو نہ وطنیت کا جذبہ گھائل.....

یہ ایک پیچیدہ اور بے حد دشوار طریقۂ حیات ہے لیکن بہرحال اسی نظامِ حیات کو ہندوستان میں اپنایا گیا۔ تخریبی طاقتوں نے سیکیولرزم کو نقصان پہنچایا، اور نت نئے طریقوں سے یہ حربے اب بھی استعمال کئے جا رہے ہیں۔ لیکن سیکیولرزم کا نظریہ ایک مقدس امانت ہے جو ملک کی آزادی کے ساتھ ہم رشتہ اور پیوست ہے۔ آزادی اور سیکیولرزم ہندوستان میں دو علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔ ان دونوں کو الگ کرنا جسم کو رُوح سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔ اس امانت کو سنبھالنے کا کام انڈین نیشنل کانگریس نے ہندوستان میں جس طریقے سے انجام دیا پچھلے ۴۲ برس کی تاریخ اس کی مکمل تصویر پیش کرتی ہے۔

ملک میں فرقہ وارانہ فسادات ضرور ہوئے، لسانی فسادات بھی ہوئے۔ ایک ہی فرقے کے دو گروہوں میں تصادم بھی ہوا۔ کمیونزم، سوشلزم، ریجنلزم (Regionalism) کمیونلزم، مذہبی جوش و خروش، ان تمام مسائل سے انڈین نیشنل کانگریس میں سامنا ہوا اور عہدہ برآ ہونا تھا۔ ملک کو ترقی کے راستے پر بھی سائنس جو ہر روز ایک نئی شمع روشن کرتی ہے، ایک نئی راہ سجھاتی ہے۔ اسے بھی اپنانا ہے۔ سائنس کی بہت سی باتیں مذہبی اعتقادات کے خلاف پڑتی ہیں۔ ان تمام مسائل کو جو ایک دوسرے کی ضد میں بھی انہیں ایک ایسے سانچے میں ڈھالنا جو سب کے لئے قابلِ قبول ہے۔ اس کارنامے سے بڑا ہی نہیں

بلکہ بہت بڑا کارنامہ ہے جو یورپ میں کلیسا اور ریاست کے بیچ کی خلیج کو پاٹنے کے لئے انجام دیا گیا۔

یورپ میں معاشی، تعلیمی، سماجی اور مذہبی مسائل اتنے پیچیدہ اور گمبھیر نہیں ہیں جتنے کہ ہندوستان میں ہیں۔ بیسیوں زبانیں بولنے والے افراد، بیسیوں قبائل سے تعلق رکھنے والے باشندوں اور بیسیوں عقائد کے حصار میں محصور لوگوں کو بیسویں صدی کے ترقی یافتہ اور سائنسی دور میں زندگی گزارنے کا طریقہ سکھانا اور ان کی ذہنی تربیت کرنا، بازیچۂ اطفال نہیں جان جوکھم کا کام ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس نے سنگین حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ایمرجنسی بھی نافذ کی اور اس کا خمیازہ بھگتا۔

آج بھی ہم متضاد نظریات کے گھیرے میں گھرے ہوئے ہیں۔ فرقہ واریت بار بار سر اٹھاتی ہے۔ زبانیں زہر اگلتی ہیں۔ آگ کے شعلے بلند ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ دانشور اور کچھ باہمت لوگ ہیں جو سیکولرزم ہی کو پناہ گاہ سمجھتے ہیں اور اس کی حفاظت کو اپنا مذہب اور ایمان سمجھتے ہیں۔

ابھی حال ہی میں یونیٹی (Unity) اور یونی فارمیٹی (Uniformity) کے فرق کو بھی واضح کیا گیا۔ یکساں سول کوڈ کا مطالبہ اس آواز کی گونج فضا میں موجود ہے لیکن اس کی ماہیت اور جزوی تفصیلات سے پوری طرح آگاہی کم لوگوں کو ہے۔

یوں تو سیکولرزم کے بارے میں کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن کے۔ رام کرشنن کی تازہ ترین کتاب "ہندوستان کا تعارف" Introducing India جو ۱۹۸۲ء میں پبلی کیشن ڈویژن دلی کے زیر اہتمام شائع ہوئی صرف چند لفظوں میں سیکولرزم کو اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

"دستور ہند کے وجوہ و فحوا ہندوستانی عوام کے اس عہد اور عزم پر مشتمل ہیں کہ ملک کے تمام باشندوں کو، سماجی، معاشی، اور سیاسی سطح پر انصاف کی نعمت فراہم کی جائے گی۔ انہیں اپنے خیالات، اعتقادات، ایمان، عقائد کے اظہار اور عبادت کی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں برابری کے حقوق اور مواقع حاصل ہوں گے۔ ان میں اخوت اور ہم آہنگی پیدا کی جائے گی۔ فرد کی آزادی متاثر نہ ہوگی۔ اور قوم کا اتحاد پیشِ نظر ہوگا"۔ یہ صرف کسی سیاسی جماعت کا عہد یا عزم نہیں ہے بلکہ ہندوستانی عوام کا عہد ہے اور اس عہد کی تکمیل کی ذمہ داری ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔

انڈین نیشنل کانگریس ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی اور اس کا اولین مقصد آزادی کی لڑائی لڑنا تھا۔ آزادی کی جدوجہد پوری ۶ دہائیوں تک جاری رہی اور کہیں ۶۲ ویں سال میں ہم اپنی منزل پر پہنچے۔ اس مقصد کی تکمیل کے بعد یہ بحث بھی چھڑی کہ اب جبکہ ہندوستان آزاد ہو چکا ہے انڈین نیشنل کانگریس کا مقصد پورا ہو چکا اور اسے برقرار رکھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن آزادی کوئی میوہ یا مٹھائی نہیں ہے کہ کھا لی جائے اور ہاتھ دھو لئے جائیں۔ یہ تو ایک پودا ہے جسے اپنے خونِ جگر سے سینچنا پڑتا ہے۔ گھر بنا لینا کافی نہیں ہے۔ گھر کی حفاظت بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔

انڈین نیشنل کانگریس، آزادی کا تحفہ اگر کسی کے حوالے کرتی تو کس کے حوالے کرتی۔ یوں دستورِ ہند کے مطابق ہر سیاسی جماعت کو حق حاصل تھا کہ باغبانی کے فرائض اپنے ذمہ لے لیتی۔ اور اس حق سے آج بھی کسی کو محروم نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن ملک کی آزادی کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس عہد کا بھی پاس رکھنا ہے۔ جس کی روشنی سے دستور ہند کا صفحۂ اول منور ہے۔ یعنی سیکولرزم کا عہد..... یہ ایک مقدس عہد ہے جو شہیدانِ وطن کے خون سے لکھا گیا ہے۔ اس عہد کی پشت پر ہماری ہزاروں سال پرانی تہذیب، ثقافت، مذہبی اور دینی تعلیمات، ہمارے رشیوں، منیوں اور صوفیوں کے خیالات اور فرمودات سبھی کچھ ہیں۔ ان سے روگردانی ایسا ہی ہے جیسے درخت کی اس ٹہنی کو کاٹنا جس پر ہمارا اپنا آشیانہ بنا ہو۔

یوں تو انڈین نیشنل کانگریس کی عمارت کی ایک ایک اینٹ اپنی جگہ اہم ہے۔ لیکن اس عمارت کے اہم ستون جو مینارہ نور بھی ہے۔ ان میں کانگریس کی پہلی خاتون صدر اینی بیسنٹ، گوپال کرشنا گوکھلے، دادا بھائی نوروجی، لالہ لاجپت رائے، بال گنگا دھر تلک،

(باقی صفحہ نمبر ۴۸ پر)

ہندو پاک میں اپنے معیار، مزاج اور تہذیب
کے اعتبار سے اُردو کا منفرد رسالہ

فن اور شخصیت

گذشتہ شمارے

- مہندر ناتھ نمبر
- جانثار اختر نمبر
- غزل نمبر
- کملیشور نمبر
- فیض احمد فیض نمبر
- آپ بیتی نمبر
- قتیل شفائی نمبر
- نرگس دت نمبر
- ساحر لدھیانوی نمبر

زیرِ ادارت
پروفیسر گوپی چند نارنگ
صابر دت

★

لائف ممبر شپ کیلئے
ربط پیدا کیجئے!

جاری کردہ
انور سلطانہ
ساحر پبلشنگ ہاؤس
پرچھائیاں، رائٹرز لین،
جوہو چرچ بمبئی ۴۹-۴۰۰۰

آئندہ شمارے

- خواجہ احمد عباس نمبر
- فکر تونسوی نمبر
- قرۃ العین حیدر نمبر
- منٹو نمبر
- فراق نمبر
- جوش نمبر
- تصویر نمبر

زیرِ ترتیب

- گنیش بہاری طرز نمبر



جواہر لال نہرو، مہاتما گاندھی اور سردار پٹیل
ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ سے فرصت۔



مہاتما گاندھی اور سبھاش چندر بوس۔







مہاتما گاندھی گرودیو رابندر ناتھ ٹیگور
کے ساتھ شانتی نکیتن میں۔



مہاتما گاندھی، مولانا ابوالکلام آزاد اور آچاریہ کرپلانی



مہاتما گاندھی،
ڈاکٹر راجندر پرساد کے ساتھ



مہاتما گاندھی، پہلے ستیہ گرہی
آچاریہ ونوبا بھاوے کو
آشیرواد دیتے ہوئے ۔



[illegible]



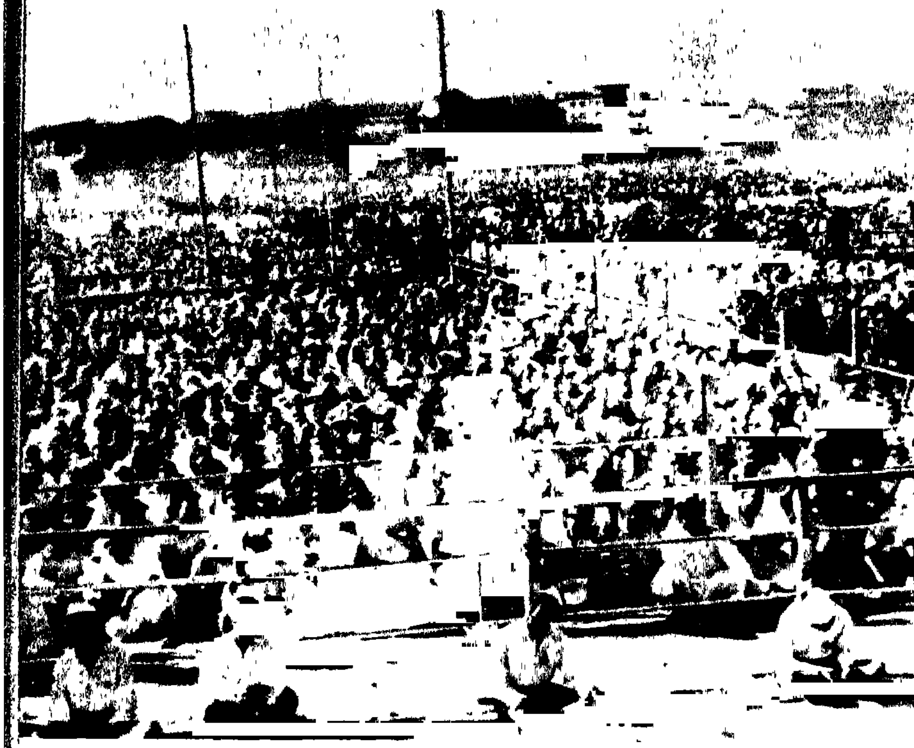
[illegible]

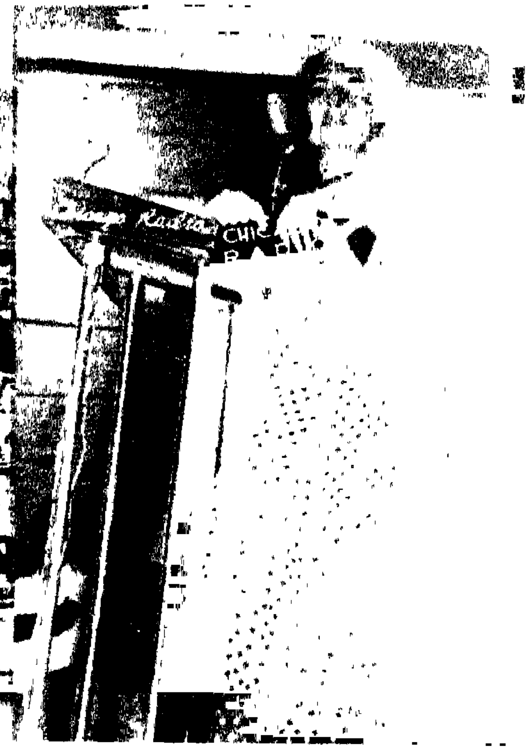
[illegible]
کانگریس آئی سی سی سیشن میں
جون ۱۹۸۳ء میں بمبئی میں
منعقد کیا گیا تھا۔















[illegible]



[illegible]



[illegible]



پربھات پھیری اور مظاہرے
"سول نافرمانی" کے دور میں
روزمرہ کے معمول تھے۔



[illegible]



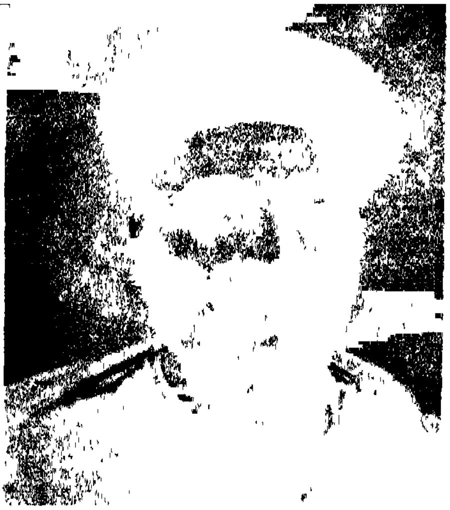
[illegible]



[illegible]



[illegible]



• ایم حیات

بال گنگا دھر تلک
ایک مقبولِ عام رہنما

برطانوی دور کی ہندوستانی تاریخ میں بال گنگا دھر تلک کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ آپ واحد شخص ہیں جنہیں صحیح معنوں میں بھارت کا "لوکمانیہ" کہا جاسکتا ہے۔ اپنی ۶۴ سالہ زندگی میں اس شخصیت نے نہ صرف ملک گیر پیمانے پر بلکہ بین الاقوامی سطح پر مقبولیت حاصل کی تھی۔ آپ ایک سچے محبِ وطن، سیاستداں اسکالر اور فلاسفی کی حیثیت سے عالم بھر میں مشہور و معروف تھے۔

ڈاکٹر پی۔آر پرانجپے کا تعلق موڈریٹ یا لیبرل پارٹی سے تھا۔ اکثر و بیشتر تلک اور آپ کے درمیان نوک جھونک ہوتی رہتی تھی لیکن تلک کی موت کے بعد آپ نے اپنی تقریر میں جسے آل انڈیا ریڈیو سے نشر کیا گیا تھا، یہ کہا: تلک کو صحیح معنوں میں مہاراشٹر کا بے تاج بادشاہ کہا گیا ہے۔ برطانوی حکومت نے ہمیشہ ہی سے آپ کو دشمن نمبر ا قرار دیا تھا لیکن مہاراشٹر کی عوام اور ملک بھر کے لوگوں نے آپ کو خصوصی عزت بخشی اور آپ کے کہنے پر اپنی قیمتی جانوں تک کو قربان کر دینے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ یہ جذبہ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ مہاتما گاندھی کے بعد آپ ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتے تھے۔

شروع سے ہی تلک کانگریس کے سچے حامی تھے۔ چونکہ اس زمانے میں کانگریس کے بڑے بڑے ہندوستانی لیڈر جیسے دادا بھائی نوروجی، ایم۔جی رانا ڈے۔ سریندر ناتھ بنرجی، رمیش چندر دت، پنڈت مدن موہن مالویہ، فیروز شاہ مہتا، بپن چندر اپال، لالہ لجپت رائے، اروند گھوش اور غیر ملکی لیڈر جیسے ہیوم ویڈر برن کاٹن اور اینی بیسنٹ کے سامنے جو کانگریس کے ترجمان مانے جاتے تھے اور جن کی باتوں میں بلا کی کشش تھی۔ تلک کی شخصیت کچھ زیادہ ابھر کر عوام کے سامنے نہیں آئی تھی۔

بجز فیروز شاہ مہتا کے دوسرے تمام لیڈروں نے تلک کے خیالات کو ہندوستانی عوام کے جذبات پر پوری طرح حاوی گردانا ہے۔ اس لئے کانگریس کے پہلے ۲۵ سالہ دور کو صحیح معنوں میں تلک دور سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ اور ۱۹۲۰ء تا ۱۹۴۷ء کے دور کو گاندھیائی دور سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ صرف یہی دو رہنما تھے جنہیں ہم ہندوستانی عوام کے احساسات وجذبات کے صحیح ترجمان کہہ سکتے ہیں۔

تلک کی عوامی زندگی اس وقت سے شروع ہوتی جب انہوں نے دکن ایجوکیشن سوسائٹی کو استعفٰی دے کر علیحدگی اختیار کرلی اور "کیسری" اور "مراٹھا" نامی اخبارات جاری کئے۔ سوسائٹی کے ممبران دیگر چیزوں کے ان دو ہفتہ واری اخبارات کے بھی مالکان تھے لیکن انہوں نے ان اخبارات کو سوسائٹی کے ساتھ ساتھ چلانے میں دشواری کا باعث سمجھا۔ اس لئے انہوں نے تلک کو ان اخبارات کی پوری ذمہ داری سونپ دی۔ بحیثیت مالک ومدیر کے، تلک نے ان دونوں اخبارات کو تعلیم کے فروغ اور ملک میں بیداری کا جذبہ ابھارنے میں صرف کر دیا۔ اس لحاظ سے آپ ایک اسکول وکالج مدرس سے زیادہ ایک قومی مدرس بن گئے۔ اس کے بعد آپ نے

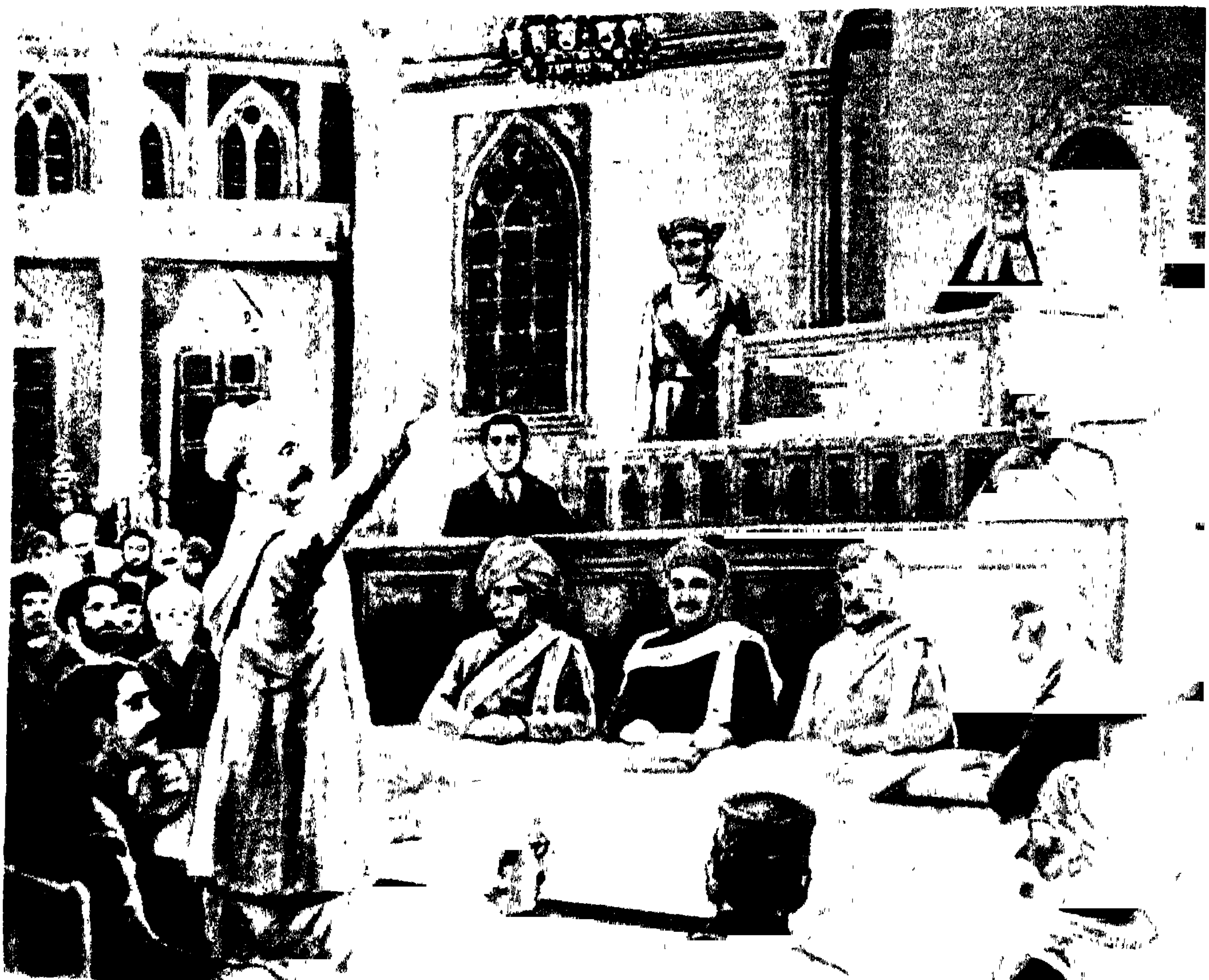
اپنی زندگی عوام کی قوتوں کی تعمیر کیلئے وقف کر دیا اور غیر ملکی تسلط سے عوام جس کرب و اذیت سے دوچار ہو رہے تھے ان کے خلاف آواز بلند کی۔

تلک کی اس پہلی عوامی خدمت کی وجہ سے حکومت اور ان کے درمیان ایک ٹکراؤ پیدا ہو گیا۔ اسے "کرافورڈ معاملہ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ کرافورڈ ایک آئی اے ایس افسر تھا اور بدعنوانی اور رشوت خوری میں بہت ملوث رہتا تھا۔ معاملتدار جو عموماً ہندوستانی ہوا کرتے تھے۔ اس کی اس رشوت ستانی جیسی کریہہ حرکت میں نہ چاہتے ہوئے بھی آلۂ کار بن جاتے تھے۔ اس زمانے میں لارڈ رے، بمبئی کے گورنر تھے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک کمیشن مقرر کر کے اس بدعنوان افسر کی تحقیقات کرائے۔ راناڈے، تلک اور گوکھلے نے اس اقدام کی تعریف کی اور حمایت کی۔ ایسے معاملتداروں کو جو کرافورڈ کے ہاتھوں آلۂ کار بنے تھے انہیں اس بات کی دعوت دی گئی کہ بنا کسی خوف و دہشت کے کمیشن کے سامنے آکر معلومات بہم پہنچائیں لیکن انکوائری کمیشن نے معاملتدار کو موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے انہیں سزائیں دیں۔ اس لحاظ سے کمیشن وعدہ خلافی کا مرتکب ہوا۔ تلک اور دوسرے لوگوں نے اس ناانصافی کے خلاف آوازیں بلند کیں۔ اس تحریک کے لیڈر تلک تھے۔ آپ نے متعدد احتجاجی میٹنگیں منعقد کیں اخبارات میں اس اقدام کے خلاف آواز اٹھائی اور برطانوی پارلیمنٹ میں اس سوال کو لے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیچارے معاملتداروں کے معاملے کی چارہ جوئی ہوئی اور انہیں انصاف ملا۔ ان معاملتداروں نے بعد ازاں تلک کی توصیف و احترام میں ایک عوامی جلسہ منعقد کیا اور انہیں ایک "جیبی گھڑی" اور ایک "چین" دی۔

تلک نے ایک پرائیویٹ لا کلاس کا اجراء کیا جہاں انہوں نے نوجوانوں کو ضلعی کورٹ اور ہائی کورٹ کے امتحانات کے لئے تربیت دینا شروع کر دی۔ یہ سلسلہ کچھ برسوں تک جاری رہا۔ اس کا امید افزا نتیجہ بر آمد ہوا۔ بہت سے وکلاء ان کے طالبِ علم تھے۔ وہ وکلاء پورے دکن اور کوکن کے اضلاع میں پھیل گئے اور اپنے علاقوں میں تلک طرز کی سیاسی تحریکوں کو جاری کر دیا۔ تلک نے بمبئی یونیورسٹی سینیٹ کی جگہ کے لئے مقابلہ لڑا۔ آپ پونا سٹی میونسپلٹی اور بمبئی لیجسلیٹو کونسل کے لئے بھی امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوئے اور ان تمام جگہوں پر کامیابیاں حاصل کیں۔ آپ کی ان کامیابیوں سے آپ کی عوامی ہر دلعزیزی بالکل عیاں تھی۔ بحیثیت صحافی آپ نے عوامی مجبوریوں اور تکالیف کے سدِ باب کے لئے اور عوام کو اقتصادی، سماجی انصاف دلانے کی خاطر اپنے قلم کو ہمیشہ تیار رکھا۔

تلک سروجنک سبھا کے ایک با اثر ممبر تھے۔ اس سبھا کے تحت آپ نے ایک زبردست تحریک محصولیات اراضی کو ختم کرنے کے سلسلے میں شروع کی۔ اس سلسلے میں آپ کو داجی صاحب کھرے، راؤ بہادر چنتامن راؤ ویدیا، تاریخ کے محقق وی کے راجواڑے، پروفیسر ایس۔ ایم پرانجپے اور اے۔ ایس۔ شیتھے اور آپ کے ساتھی سروشری وی۔ ایس کیلکر اور کے پی کھاڈلکر اور ڈی۔ وی آپٹے کی حمایت و تعاون حاصل ہوا۔ اس سلسلے میں قابل افراد نے قحط زدہ علاقوں کا دورہ کیا اور اہم معلومات اکٹھا کیں اور حکومت کو اس سلسلے میں ایک رپورٹ پیش کی۔ لیکن حکومت کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اس لئے تلک اور ان کے ساتھیوں نے کسانوں کو مشورہ دیا کہ وہ کسی بھی قسم کا ٹیکس ادا نہ کریں۔ انتہائی جدوجہد کے بعد حکومت کو کئی معاملات میں یہ ٹیکس ختم کرنا پڑا۔

اس واقعہ کی وجہ سے تلک کی ہر دلعزیزی میں زبردست اضافہ ہوا۔ طاعون سے ایک زمانے سے پونے کے افراد متاثر ہو رہے تھے اور یہی حالت دوسرے علاقوں کی بھی تھی۔ اس زمانے میں کیپٹن رینڈ (Rand) طاعون ریلیف افسر مقرر ہوئے تھے مگر انہوں نے راحت کاری کے لئے جو اقدام کئے ان سے لوگوں کی مصیبتوں میں مزید اضافہ ہو گیا اور لوگوں نے طاعون سے مرنا بہتر سمجھا، بجائے راحت کے کاموں کو قبول کرنے کے کیپٹن رینڈ نے تلک کی ایسے موقع پر بھی مخالفت کی اور لوگوں میں ان کے لئے نفرت کے جذبات پیدا ہو گئے۔ اس کے بعد رینڈ کے قتل نے سرکار کے لئے تلک کو گرفتار کرنے کے لئے کافی موقع فراہم کر دیا۔ لیکن تلک کو رینڈ کے قتل سے ملوث کرنا ایک مشکل کام تھا چاہے تلک کی تقاریر و تحریرات کتنی ہی اشتعال انگیز ہوں مگر انہیں کسی بھی طرح قتل و غارت گری سے نہیں جوڑا جا سکتا تھا مگر اس وقت کی حکومت کو اپنا قہر کسی پر تو توڑنا ہی تھا۔ اس لئے انڈین پینل کوڈ کو توڑ مروڑ کر تلک



"سوراج میرا پیدائشی حق ہے اور میں اسے لے کر رہوں گا"۔ بمبئی ہائی کورٹ میں لوکمانیہ تلک ۔

کو جیل بھیج دیا گیا۔

میلس مولر اور آر۔سی دتہ نے تلک کی موافقت میں آواز اٹھائی اور کچھ تلک کی خرابیٔ صحت کی بنا پر ایک سال کے بعد تلک کو رہا کر دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے تبدیلیٔ آب و ہوا کی غرض سے جنوبی ہند کا دورہ کیا اور صحت ٹھیک ہونے پر انہوں نے دوبارہ کیسری کی ادارت سنبھال لی۔ لارڈ کرزن اس وقت ہندوستان کے وائسرائے تھے اور ان کے تقسیم بنگال نے بنگالیوں میں بہت زیادہ بے اطمینانی پھیلا دی تھی۔ اسی وقت تقسیم کی منسوخی کا مطالبہ کیا گیا۔ لوگوں نے سودیشی تحریک کا ساتھ دیا اور پورا مہاراشٹر تلک کے پیچھے ہو لیا۔ اسی زمانے میں بنگال میں تشدد پسندوں نے ایک تحریک شروع کی اور سیاسی قتل اور ڈاکے روزمرہ کے واقعات ہو گئے۔ پنجاب بنگال اور مہاراشٹر تشدد پسند لیڈران کے مراکز تھے۔ تلک تشدد پسند تحریک کے محرک نہیں تھے مگر یہ کہنے میں انہیں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی کہ سرکار کے رویے نے اس قسم کے حالات پیدا کئے ہیں اور لوگوں میں بے اطمینانی کا بیج بویا۔ سرکار نے اپنا رویہ سخت کر دیا اور بہت سے

نوجوانوں کو گرفتار کیا گیا اور ان میں سے کئی ایک کو پھانسی دی گئی۔ ہندوستان میں بدامنی کی لہر پھیل گئی۔

آزادی کے لئے لڑنے والوں میں بھی دو گروہ پیدا ہو گئے ایک تو اعتدال پسند اور دوسرا انتہا پسند۔ تلک انتہا پسندوں کے سربراہ اور گوکھلے اعتدال پسندوں کے رہنما قرار دیئے گئے اور کیسری میں ان کے مضامین نے دھوم مچادی اور ان کے سخت رویے نے انہیں دوبارہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے کر دیا۔ اس مرتبہ سرکار نے انہیں چھ سال کی قید بامشقت کی سزا دی اور جرمانہ بھی عائد کیا۔ گورنر آف بمبئی پریزیڈنسی نے بعد میں ان کا جرمانہ معاف کر دیا اور قید بامشقت کے بجائے محض جیل میں انہیں رکھا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار کا مقصد انہیں جسمانی ایذا پہنچانا نہیں تھا بلکہ ان کی سرگرمیوں کو لگام دینا تھا۔ تلک کو منڈالے جیل سے جب رہا کیا گیا تو پہلی جنگِ عظیم چھڑ گئی۔ تلک نے اپنی وفاداری برطانیہ سرکار سے ظاہر کی اور کہا کہ وہ ہمیشہ برطانیہ سرکار کے وفادار تھے حالانکہ انہیں دو مرتبہ جیل میں بند کیا گیا لیکن ان کی وفاداری یکطرفہ نہیں ہے۔ وہ اپنے ملک کے لئے سیاسی خودمختاری چاہتے ہیں جیسے دوسرے دولت مشترکہ کی حکومت کے زیر ممالک میں تھی۔

اگر برطانوی سرکار ہندوستان کو سیاسی خودمختاری عطا کرتی ہے تو وہ فوج میں بھرتی کیلئے ایک مہم شروع کرنے کیلئے راضی ہیں مگر اس کیلئے بھی تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو اعلیٰ عہدے اور تربیت کا مطالبہ انہوں نے کیا۔

یوں کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ تلک تحریک نے عوام کو برطانوی راج کے خلاف آواز اٹھانے کی سکت اور ہمت پیدا کی اور برطانوی راج ڈگمگا اٹھا۔ ★

صفحہ نمبر ۴۳ سے آگے

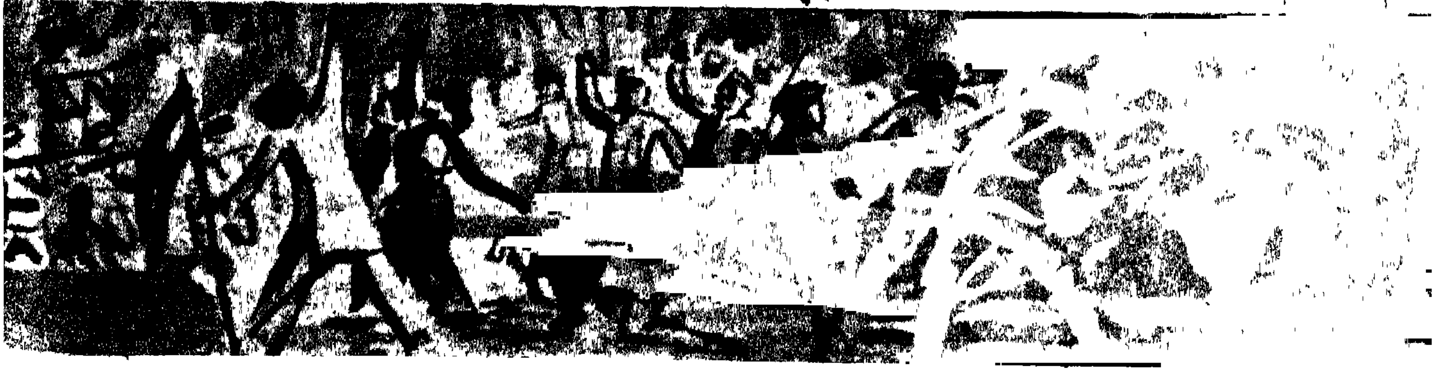
انڈین نیشنل کانگریس اور سیکولر بھارت

بپن چندر پال، سبھاش چندر بوس، مہاتما گاندھی، ابوالکلام آزاد، راج گوپال چاری، سردار ولبھ بھائی پٹیل، اور پنڈت نہرو، کے نام سرِفہرست ہیں۔ آزادی کی لڑائی لڑنے والوں، اور ان عظیم جاں باز سپاہیوں نے اپنے بعد آنے والوں کو ایک مقدس امانت سونپی ہے۔

دستورِ ہند ہمارے لئے ایک ایسا صحیفہ ہے جو مذہبی نہ ہوتے ہوئے بھی تمام مذاہب کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ سیکیولرزم کا یہی پہلو سب سے زیادہ تابناک پہلو ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ سیکیولرزم کوئی پھول نہیں، ایک بھاری سِل ہے اور اسے وہی سپاہی اٹھا سکتے ہیں جو یہ کہہ سکیں کہ

ع

سَو پُشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری ★





بھارت اور انڈین نیشنل کانگریس

بھارت کے وزیراعظم کے لئے لندن میں انڈین لیگ کے ممبران سے ملے بغیر واپس آنا ممکن نہیں۔ اس میٹنگ کی اہمیت اس لئے ہے کہ ہم لوگ انڈین نیشنل کانگریس کا صدسالہ جشن منا رہے ہیں۔

کانگریس نے ہی ہندوستان کو آزادی دلائی اور اسی نے ہندوستان کے جمہوری ادارہ جات تعمیر کئے اور ایک صدی اور ابھی کانگریس اسی طرح ہی سرگرم عمل ہے جتنی کہ ہمیشہ تھی۔ کانگریس پارٹی دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ادارہ ہے۔ جب میں اس کی جانب دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے نانا کے الفاظ یاد آجاتے ہیں جو کہ انہوں نے گنگا کے بارے میں کہے تھے۔

"گنگا، ہندوستان کا دریا ہے۔ قرب وجوار کے رہنے والوں کا محبوب دریا، جو کہ ان کی ثقافت — نسلی تذکروں — امیدوں — خوابوں — گیتوں — فتحوں کا اور شکستوں سے جڑا ہوا ہے"

ہندوستانی سیاست میں کانگریس کا وہی مقام ہے جو کہ ہمارے ثقافتی دھارے میں گنگا کا ہے —

نوری راج



آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی اپنے دونوں لڑکوں سنجے گاندھی اور راجیو گاندھی کے ساتھ۔

کانگریس نے ہر مذہب، علاقے اور معاشرے کے لوگوں کو متاثر کیا۔ جدید بھارت کا سیاسی اتحاد اس بات کا غماز ہے کہ ہم لوگ سیاسی طور پر متحد ہیں، اور اس بات کا سہرا کانگریس کے سر ہے۔

کانگریس کے آغاز سے ہی اس کے برطانوی دوست پائے گئے ہیں۔ کانگریس کے پہلے جنرل سیکریٹری مسٹر اسکاٹش مین اللن اکیٹوین ہیوم تھے، اور ان سو سالوں میں کانگریس کے ۵ صدور برٹش ہوئے ہیں۔ جن میں خواتین کی تعداد ۳ ہے اور مردوں کی تعداد ۲ ہے۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ تمام انگریز، انگریزی حکومت یا کالونی کے حق میں نہیں تھے۔ ایسے لوگ بھی ان میں تھے جنہوں نے برطانوی سامراج کو قبول نہیں کیا جو منصفانہ مزاج رکھتے تھے اور مساوات پر جن کا ایمان تھا۔ برطانیہ میں ایسے افراد موجود تھے جنہوں نے برکے (BURKE) اور شیری ڈن (Sheridan) کے زمانے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ جیرمی بنیتھم (Jeremy Bentham) راجہ رام موہن رائے کے دوستوں میں سے تھے۔ اس کے علاوہ دادا بھائی نوروجی ہاؤس آف کامن کے رکن تھے، اور انہوں نے برطانیہ کے ہندوستان میں استحصال کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ سر ولیم جونز، جیمس پرنسپ اور دیگر علماء کا ذکر بھی ضروری ہے جنہوں نے ہماری زبانوں اور ہمارے قیمتی ورثے کو ہمارے آرٹ و سائنس کو سیکھنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔

ابتدائی سال

انڈین نیشنل کانگریس نے ابتداء میں ہندوستان کا کیس برطانوی حکمراں طبقے کے سامنے رکھنے میں کافی جدوجہد کی اور لندن میں دفتر قائم کیا۔ اسی دوران کامن ویلتھ ہوم رول لیگ فار انڈیا کی تشکیل ہوئی۔ اس کے بعد انڈین لیگ سنہ ۱۹۳۰ء میں قائم کی گئی۔ مہاتما گاندھی کے زمانے میں قائم کردہ لیگ نے برطانوی عوام کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی جن میں گزشتہ مہینوں کا ذکر کرنا بھی خاص طور پر ضروری ہے۔ جنہیں کئی برطانوی دوستوں کا تعاون حاصل ہوا اور ہندوستانی طلبہ بھی ان کے ساتھ ہو لئے۔ جن میں میرے والدین بھی شامل تھے۔

اس بے چند عرصہ پہلے کی بات ہے جب کہ جواہر لال نہرو نے دیگر کالونیوں کے مجاہدین آزادی سے تعلقات بڑھائے تھے یہ تعلقات بر بیبلس کے (oppressed Nationalities) کے ذریعہ بڑھائے گئے تھے۔ کانگریس کے ذریعے انڈین لیگ نے بھی اپنے تعلقات ان اداروں سے استوار کئے اور یہاں سامراجی طاقتوں کے خلاف میٹنگیں ہونے لگیں نہ صرف ہندوستان بلکہ ایشیا اور افریقہ کے ممالک کی آزادی کے لئے بھی۔

میں ان تمام حضرات کا شکر گذار ہوں جو کہ اس وقت سرگرم عمل تھے اور آج بھی ان میں سے کئی ایک اب

بھی ہمارے درمیان جدوجہد میں مشغول ہیں جیسے جولیس، سلورمین، فیبز براکوسے، مائیکل فوٹ، جینی لی، اور کئی ایسے ہیں جن کی یادیں ہمارے دلوں میں روشن ہیں جیسے بریلسفورڈ، اگاتھا ہیرسن، ہیرالڈ لاسکی، نیسے بے وان، کنگسلے مارٹن، جے۔بی۔ایس ہلڈین۔

اہنسا اور ستیہ گرہ

جنگ آزادی میں ہمارے ہتھیار تھے۔

ستیہ گرہ اور عدم تشدد..... یہی وجہ تھی کہ آخر میں تلخی پیدا نہیں ہوئی اور اس کا سہرا ہندوستان کے عدم تشدد اور برطانیہ کے آئین کے احساس کو جاتا ہے۔ دونوں ممالک میں روشن دماغ حضرات کی کمی نہ تھی جو کہ تابناک مستقبل کے خواہاں تھے۔

کانگریس پارٹی نے ہی ہندوستانی جمہوریت کو استحکام بخشا اور معاشی ترقی و سماجی تبدیلیوں کے لئے گنجائش پیدا کی۔

کانگریس نے ہی ہندوستانیوں کو پُر امن اور جمہوری طریقے سے تبدیلی کا سبق پڑھایا اور کانگریس نے ہندوستان کے تمام علاقوں اور فرقوں سے مختلف لیڈران اور رہبران پیدا کئے۔ کانگریس آغاز سے ہی سیکولر رہی۔ اس پارٹی میں کبھی کوئی گنجائش صوبائی اور علاقائی وفاداروں کے لئے نہیں رہی۔ مہاتما گاندھی جی کی لیڈری میں یہ ایک عوامی پارٹی بنتی چلی گئی اور اس پارٹی نے یہ عہد کر لیا تھا کہ چھوت چھات جیسی سماجی برائیوں کا انسداد کیا جائے اور خواتین کے لئے سارے سیاسی حقوق حاصل کئے جائیں۔ یہ پارٹی غریبوں کی ۔ بے زمینوں کی اور محروموں کی پارٹی بن گئی۔

شری جواہر لال جی کے عہد میں غریبی ہٹانے کا مشکل کام ان کے سامنے تھا۔ پسماندگی دور کرنے کا اور زرعی یعنی ٹیکنالوجیکل ترقیات میں قدم آگے بڑھانے کا کام، ان تمام مقاصد کی حصولیابی مشکل ترین کام تھے۔ اس زمانے میں کانگریس میں سماج واد کی آواز بلند ہوئی، اور جمہوریت، سیکولرزم کے بعد یہ تیسری اہم کڑی تھی۔

خود کفالت کی حصولیابی

آزاد ہندوستان نے جب اپنا دستور بنایا تب جواہر لال نہرو نے منصوبہ بندی کے ذریعے ترقی کو طے کرنے کا آغاز کیا۔ ان کی اور اندرا جی کی سربراہی میں ہم نے اناج کی پیداواری میں خود کفالت کی منزل کو پایا، اور بڑی حد تک غریبی کو دور بیخ پھینکا، اور صنعتی پیداوار محیط کو وسیع تر کیا۔ مضبوط سائنٹیفک اور ٹیکنالوجی سازوسامانوں سے۔

اندرا جی کی کانگریس پر جواہر لال نہرو کی کانگریس سے زیادہ نکتہ چینی کی گئی، مگر انہوں نے اپنے اصولوں سے انحراف نہیں کیا اور عوام میں اپنی مقبولیت کو برقرار رکھا اور اس طرح اپنے وفاداروں کے حلقہ کو استوار رکھا۔

پچھلے ۱۶ سالوں میں دو مرتبہ پارٹی ٹوٹی۔ مگر اس سے گویا فائدہ ہی ہوا، اور کانگریس پارٹی عوام سے اور قریب تر ہو گئی۔ میں کانگریس کی تعریف اور توصیف بیان نہیں کئے جا رہا ہوں۔ اس کی کچھ خامیاں بھی مجھے معلوم ہیں۔ مگر ہندوستان جیسے ملک میں جہاں کئی مذاہب ہیں اور علاقائی وفاداریاں موجود ہیں۔ وہاں پر کانگریس جیسی پارٹی کی اشد ضرورت ہے، جو کہ اپنے وسیع اصولوں کی بنیاد پر صبر و استقلال کی تعلیم دے سکتی ہے۔ ہندوستانی تہذیب جس میں کثرت میں وحدت شامل ہے کانگریس ہی ایک ایسی پارٹی ہے جو اپنے آپ میں سبھی کو سمو سکتی ہے۔

مستقبل کیا ہے؟ میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ کانگریس اور ہندوستان آگے ہی بڑھتے رہیں گے اور غریبی دور کرنے کے لئے معاشی ترقی اور ٹیکنولوجیکل ترقی کے لئے ہندوستان اپنی پالیسی پر عمل پیرا رہے گا۔ طاقت کے جال سے دور، دنیا کے تمام ممالک کے درمیان امن و مساوات کی برقراری کے لئے جدوجہد کرتا رہے گا۔

*

[۱۴ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو انڈیا لیگ، لندن میں کی گئی وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کی تقریر پر مبنی]

(تلخیص و ترجمہ:۔ فیروزہ فیاض خان)

وحید انور

راجیو گاندھی
ایک ہمہ گیر شخصیت

راجیو گاندھی کی حکومت کے بارہ مہینے مکمل ہو چکے ہیں۔ اس مختصر سے عرصے میں ملک کے حالات میں کافی تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔
آج ہندوستان نہ صرف ایشیا کا ایک عظیم ملک ہے بلکہ دنیا کے جو اس وقت دو تین بڑے ملک ہیں۔ اس کی حیثیت ان کے برابر ہو گئی ہے۔ اس ملک کو اونچا اٹھانے میں شری راجیو گاندھی کی شخصیت کارفرما ہے۔

جواہر لال نہرو ہمارے ملک کے پہلے عظیم لیڈر اور وزیراعظم تھے جنھوں نے نئے ہندوستان کی بنیاد رکھی۔ سب سے پہلے انہوں نے ملک کی اقتصادی اور معاشی حالت کی طرف توجہ دی۔ قومی جذبے اور یک جہتی کا پرچار کیا۔ غریب کسانوں اور مزدوروں کی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔ ملک میں انڈسٹریز قائم کیں — تاکہ ملک ترقی اور خوش حالی کی طرف بڑھ سکے۔

زندگی بھر انہوں نے ایک "سیکولر ہندوستان" کا خواب دیکھا — ملک کو "سوشلزم" کے راستے پر لانا چاہا۔ رجعت پسند طاقتوں سے لڑتے رہے — اور فرقہ واریت کے خاتمے کے لئے کوشاں رہے۔

وہ نئے ہندوستان کے معمار تھے۔ ان کا شمار دنیا کے عظیم لیڈروں میں ہوتا تھا۔ انہوں نے ہی ہندوستان کو بنایا اور اسے اونچا مقام عطا کیا۔

جواہر لال نہرو کے بعد لال بہادر شاستری کا دور آیا۔ اور پھر ان کے بعد اندرا گاندھی وزیراعظم بنیں۔ انہوں نے اپنے والد کی پالیسیوں پر عمل کیا — ان ہی کے راستے پر چلیں — وہ ایک طاقتور شخصیت کی مالک تھیں — با صلاحیت اور ہمت والی خاتون تھیں۔ ان کے خلاف ایک اپوزیشن کا پورا گروپ موجود تھا جو ہمیشہ ان کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا کرتا تھا لیکن اندرا جی ان کی پرواہ نہیں کرتی تھیں — بس اپنا کام کئے جاتی تھیں۔ ایک دور ایسا بھی آیا جب جنتا گورنمنٹ آئی لیکن یہ عوام کے وعدے پورے نہ کر سکی — تھوڑی ہی عرصے میں ختم ہو گئی۔

دوبارہ کانگریس کی جیت ہوئی اور اندرا گاندھی پھر برسر اقتدار آگئیں۔ نئے نئے مسائل کھڑے ہوئے۔ اپوزیشن نے ان کے خلاف محاذ بنایا — رجعت پسند طاقتیں ان کے خلاف متحد ہو گئیں — کانگریس کو نئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ عوام میں پھر بے چینی بڑھ گئی۔

آسام میں "آسامی غیر آسامی تحریک" شروع ہوئی۔ گجرات میں "اینٹی ریزرویشن تحریک" نے زور پکڑا۔ پنجاب میں "علیحدگی پسندی" کا رجحان بڑھنے لگا۔

ادھر جنوب میں کانگریس کو شکست ہوئی۔ تامل ناڈو میں انا ڈی ایم کی حکومت آگئی۔ کرناٹک میں جنتا پارٹی کی اور آندھرا پردیش میں تیلگو دیشم کی حکومت۔

کانگریس کا وقار بُری طرح متاثر ہوگیا۔
ملک میں ابتری اور دہشت انگیزی کا دور شروع ہوگیا۔
اندرا گاندھی اپنے اصولوں اور آدرشوں کی خاطر اپنی جان تک کی بھی پرواہ نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کی موت ہوگئی۔ ان کی موت سے ملک کو سخت نقصان پہنچا۔ ملک ایک طاقتور لیڈر سے محروم ہوگیا۔
ہر طرف مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ سوال یہ تھا کہ ایسے نازک حالات میں اندرا گاندھی کی جگہ کون لے گا۔؟
متفقہ طور پر راجیو گاندھی کو ملک کا لیڈر چنا گیا۔
پھر الیکشن ہوئے (پنجاب اور آسام چھوڑ کر)
کانگریس کو بھاری اکثریت سے کامیابی ملی۔ شری راجیو گاندھی نے اپنی حکومت بنا ڈالی۔
لوگوں میں ہر طرف چہ میگوئیاں ہونے لگیں "شری راجیو گاندھی حکومت نہ چلا سکیں گے"
"یہ سیاست داں نہیں" "ان کو کسی قسم کا تجربہ نہیں حکومت چلانے کا" وغیرہ
لیکن راجیو گاندھی نے لوگوں کے سارے شک وشبہات دور کر دیئے۔ ساری قیاس آرائیوں کو جھٹلا دیا۔
جہاں شریمتی اندرا گاندھی کو ملک کے اہم مسائل کو طے کرتے میں کئی سال لگے وہاں شری راجیو گاندھی نے اس ایک سال کے عرصے میں بڑی حد تک ملک پر قابو پالیا۔ ان مسائل کو حل کرنے کا حل ڈھونڈھ نکالا۔ اندرا گاندھی نے ملک کو جہاں چھوڑا تھا۔ راجیو گاندھی نے اسے آگے پہنچا دیا۔ انہوں نے اپنی قابلیت سے ملک کو اور عوام کو دکھا دیا کہ وہ حکومت چلانے کے اہل ہیں۔ عوام کے مسائل کو سمجھنے اور اسے حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔
ایک انتہائی نازک دور میں انہوں نے یہ کارنامہ کر دکھایا یہاں تک کہ ان کے مخالفین بھی ان کے معترف ہو گئے۔
آخر وہ کون سی وجوہات ہیں کہ شری راجیو گاندھی نے اتنے مختصر عرصے میں، اتنی جلد نہ صرف ملک میں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی شہرت حاصل کرلی۔ اپنا ایک مقام بنا لیا اس حیرت انگیز ترقی پر سب حیران ہیں۔
اور آج شری راجیو گاندھی کا شمار دنیا کے بڑے لیڈروں میں ہونے لگا ہے۔ اس وقت وہ شاید دنیا کے سب سے کم عمر سیاست داں اور لیڈر ہیں۔ انہوں نے ملک کے سارے سینئر اور اہم لیڈروں کو پیچھے چھوڑ دیا۔
اگر شری راجیو گاندھی کو پنڈت نہرو اور شریمتی اندرا گاندھی کی تربیت ملی ہے لیکن وہ اپنے سابقہ لیڈروں سے مختلف ہیں۔ ان کے کام کرنے کا اپنا ایک الگ ڈھنگ ہے۔ ان میں ایک "نڈرپن" ہے۔ ان میں حالات کو سمجھنے کی صلاحیت ہے۔ وہ ٹھنڈے دل ودماغ سے ہر معاملے کو سوچتے ہیں۔ وہ اپنے برتاؤ سے لوگوں کو متاثر کر دیتے ہیں اسی لئے ان کی شخصیت کے سب گرویدہ ہیں۔ شری راجیو گاندھی نے ایسے سب لوگوں کو Expose کر دیا جن سے ملک کو نقصان پہنچ رہا تھا۔
آج ان کے ساتھ کام کرنے والوں کی ایک پوری ٹیم ہے جو مستعد نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ یہ محنتی ہیں۔ سچی لگن سے کام کرتے ہیں اور قابل ہیں۔
شریمتی اندرا گاندھی کے برخلاف شری راجیو گاندھی پنڈت جواہر لال نہرو کی طرح LIBERAL ہیں۔ شریمتی اندرا گاندھی اپوزیشن کو قابو میں نہ کرسکیں تھیں لیکن شری راجیو گاندھی نے اپوزیشن کو قابو میں کرلیا ہے۔ آج ایم۔جی راماچندرن، رام کشن ہیگڈے اور این۔ٹی راما راؤ جیسے لیڈر بھی ان کی تعریف کرتے ہیں جو کل تک ان پر نکتہ چینی اور تنقید کرتے تھے۔ شری راجیو گاندھی نے انٹرنیشنل پالیٹکس میں بھی اپنا مقام بنالیا ہے۔
شری راجیو گاندھی کے آتے ہی سرکار میں کئی اہم تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ جیسے
انڈسٹریل اور ٹیکسٹائل پالیسی، نئی ایجوکیشن پالیسی وغیرہ۔
شری راجیو گاندھی نے Tribal Areas میں ادیباسیوں میں گھوم کر ان کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے۔ ان پچھڑے ہوئے طبقات کی زندگی کو وہ بہتر بنانا چاہتے ہیں۔
آج ساری دنیا میں سب سے اہم مسئلہ امن کا مسئلہ ہے کیونکہ اس کے بغیر خوشحالی ممکن نہیں ہے۔ شری راجیو گاندھی بار بار بڑی طاقتوں سے نیوکلیئر ہتھیاروں پر پابندی لگانے کی اپیل کر رہے ہیں۔
ابھی حال ہی میں اپنی بدیشی یاترا میں انہوں نے



وزیر اعظم شری راجیو گاندھی امریکہ کے صدر مسٹر رونالڈ ریگن کے ساتھ۔

پریسیڈنٹ رونالڈ ریگن کو اس سلسلے میں توجہ دلائی ہے۔ ان کی بدیشی یاترا کا ایک فائدہ یہ ہوا ہے کہ ان ممالک سے نہ صرف مالی تعاون ملا ہے بلکہ ٹیکنیکل تعاون کے معاہدے بھی ہوئے ہیں۔ خاص طور سے روس اور جاپان کا تعاون ہمیں حاصل ہوا ہے۔

حال ہی میں Third World کے لیڈروں کی ناوابستہ ممالک کی کانفرنس (Non-Aligned Nations Conference) کا انعقاد ہوا تھا۔ شری راجیو گاندھی اس تحریک کے روحِ رواں ہیں اور اس کے سب سے اہم لیڈر۔ انہوں نے ساؤتھ افریقہ میں ہو رہے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ تحریک آزادی فلسطین کے وہ شدت سے حامی ہیں۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کانگریس کے دورِ حکومت میں ملک نے کافی ترقی کی ہے۔ لیکن یہ قطعی منزل نہیں ہے۔ ملک کو اور آگے بڑھنا ہے اور ترقی کرنا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب ملک کے عوام بھی اپنی ذمہ داری محسوس کریں۔ ہمیں ایک "سیکولر ہندوستان" تعمیر کرنا ہے۔

ہمارا ملک ایک ایسا ملک ہے جہاں مختلف مذاہب اور عقائد کے ماننے والے رہتے ہیں۔ ان میں ایک قومیت کا جذبہ پیدا کرنا ضروری ہے۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی کے خانوں میں بانٹ لیا ہے۔ اس طرح کی باتیں ماضی میں ممکن تھیں۔ ہمیں ان خانوں سے نکل کر قومی یکجہتی کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو "ایک قوم" اور ایک سچے ہندوستانی کی حیثیت سے سوچیں۔ ملک کے ہر فرد کو اس ملک کی ترقی میں حصہ لینا ہے۔ ملک سے صوبہ واریت، مذہبی تعصب اور جہالت کا خاتمہ کرنا ہے۔ بے کاری اور بے روزگاری کو دور کرنا ہے۔ کرپشن اور کالے دھن کا خاتمہ کرنا ہے۔

یہ ایسے مسائل ہیں جنہیں شری راجیو گاندھی جیسے لیڈر ہی حل کر سکتے ہیں۔ آج ملک کو ان کی سخت ضرورت ہے۔

بارہا شری راجیو گاندھی نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کی طرف زور دیا ہے۔ تب ہی ملک کی اقتصادی اور معاشی حالت سدھر سکتی ہے۔

اس وقت شری راجیو گاندھی کے سامنے اندرون ملک اور باہر اہم مسائل در پیش ہیں۔ پنجاب کا مسئلہ حل کرنے میں ایک حد تک کامیابی ہوئی ہے۔ اب آسام میں الیکشن کروانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

پڑوسی ممالک سے ٹینشن دور کرنا ہے۔ چین، پاکستان اور سری لنکا سے دوستی اور بہتر تعلقات استوار کرنا ضروری ہے۔

کانگریس کا سو سالہ جشن ہو رہا ہے۔ آیئے ہم شری راجیو گاندھی کے ہاتھ مضبوط کریں کیونکہ اس وقت ان سے زیادہ موزوں، قابل اور طاقت ور لیڈر ملک کو نہیں مل سکتا۔

شریمتی اندرا گاندھی کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اب شری راجیو گاندھی کا دور شروع ہوا ہے۔ ایک نئے ہندوستان کی تعمیر ہو رہی ہے۔ دنیا کے نقشے پر ایک نئے ہندوستان کا وجود ابھر رہا ہے۔ ہندوستان، جس میں

یک جہتی ہوگی ـــــ
شانتی ہوگی ـــــ
خوش حالی ہوگی ـــــ

صفحہ ۴ سے آگے   مولانا محمد علی جوہر

کار آمد ثابت ہوں۔ خاص طور پر مسلمانوں کو انہوں نے سائنس کی تعلیم پہ زیادہ آمادہ کیا۔

اسکیم کی سب سے بڑی اہمیت ووکیشنل ایجوکیشن کی ہے اسکیم میں پیشہ ورانہ تعلیم پہ زور دیا گیا اور تمام ہندوستان کے مختلف پیشوں کی ایک طویل فہرست اسکیم میں شامل ہے۔ طالب علم، اپنے منتخبہ پیشہ کی تعلیم حاصل کرسکتا ہے اور اس میں مہارت حاصل کرکے اس پیشے کو ترقی دے سکتا ہے، جیسے برتن سازی (مرادآباد کا مشہور پیشہ) قفل بنانا وغیرہ وغیرہ یہ شعبے شہری اسکولوں میں جاری رہیں گے۔ دیہاتی اسکولوں کے لئے اسکیم میں زراعتی تعلیم کو شامل کیا گیا ہے تاکہ کسانوں کے لڑکے جو اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کرسکیں، زراعتی تعلیم حاصل کریں تاکہ وہ اچھے ماہر کسان کی طرح کاشتکاری کرکے زیادہ اناج پیدا کرسکیں۔

اسی طرح یہ اسکیم ایک طرف ملک کی تعلیمی ضرورت پوری کرتی ہے تو دوسری طرف صنعتی اور زراعتی ترقی کی بھی ضمانت دیتی ہے۔ تیسرے اس کی بدولت تعلیم بالغان کا مسئلہ بھی بڑی حد تک حل ہوسکتا ہے۔ گویا یہ اسکیم روحانی، طبعی اور پیشہ ورانہ تعلیم کا ایک ایسا امتزاج تھا جس سے طالب علم کی ہمہ جہتی ترقی مقصود تھی جس کی ہمیں سخت ضرورت ہے۔

ٹکنالوجی کو اس اسکیم میں ایک علیحدہ شعبہ کی حیثیت دی گئی ہے۔ ماحول اور مقامی حالات کے اعتبار سے بعض مخصوص مدارس ٹکنالوجی کے کھولے جاسکتے ہیں۔ نصف صدی پیشتر اس عظیم ماہر تعلیم نے آج کی جدید بنیادوں پہ ایک مکمل تعلیمی اسکیم جاری کی تھی۔ اگر وہ آج تک ہمارے ملک میں اپنائی جاتی تو شاید آج حالات کچھ اور ہوتے اور بیشتر مسائل سے آج ہمیں دوچار نہ ہونا پڑتا۔ انہوں نے اسکیم میں بڑی بنیادی بات بتائی جس کا آج بھی اطلاق ہوسکتا ہے۔

"No educated lad should be able to justify as so many do it at present, his slavish dependence upon Government service, on the ground that he has no qualifications other than those required for clerkship."

ان تمام سیاسی ہنگاموں، انقلابی سرگرمیوں اور پریشانکن حالات اور صعوبتوں میں بھی مولانا محمد علی جوہر کی ظرافت طبع مرنے نہیں پائی۔ حاضر جوابی اور مزاح میں مولانا بے مثال تھے۔ مولانا کے بڑے بھائی کا تخلص گوہر تھا۔ کسی نے پوچھا مولانا! آپ کے ایک بھائی کا تخلص گوہر، آپ کا جوہر، تیسرے بھائی کا تخلص کیا ہونا چاہیئے؟ مولانا نے مسکرا کر کہا، ہاں اس کا تخلص شوہر ہوسکتا ہے۔ مولانا کے ایک دوست کا نام چندرہنس تھا آپ اس کو ہمیشہ "مہبط" کہتے تھے۔ آپ نے کہا یہ آپ کے نام کا فارسی ترجمہ ہے۔

ایک بار جیل سے رہائی پر ایک دوست نے مبارکباد دی۔ آپ نے مسکرا کر جواب دیا "میں ریٹرن ٹکٹ لے کر آیا ہوں۔"

ایک جلسۂ عام میں بپن چندر پال نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "انگریزوں نے ہمارا کافی استحصال کیا ہے۔ اب انہیں اپنے سازوسامان کے ساتھ واپس جانا چاہیئے۔" مولانا نے تقریر کے دوران ہی لقمہ دیا۔ "بھائی سازوسامان اپنا ہے۔"

مولانا سنٹرل اسمبلی میں جانے کے مخالف تھے لیکن بعض کانگریسی نہ مانے اور وہ سنٹرل لجسلیٹو اسمبلی میں داخل ہوگئے۔ مولانا بھی پریس گیلری میں بحیثیت صحافی پہنچے۔ چغہ وغیرہ دیکھ کر پنڈت مدن موہن مالویہ نے ہنس کر کہا "میں نے سمجھا، شاید رام پور کے نواب گھرانے کی کوئی بیگم آرہی ہے" مولانا نے برجستہ جواب دیا "آپ صحیح کہتے ہیں پنڈت جی۔ اس ایوان میں سوائے عورتوں کے اور کون آسکتا ہے!"

مولانا کو ابتدائے عمر ہی سے شاعرانہ ذوق تھا لیکن زندگی اور حالات انہیں کہیں اور کھینچ لے گئے۔ اس کے باوجود جوہر کا کلام اپنی جگہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے جس پر تبصرے کے لئے ایک علیحدہ مقالہ کی ضرورت ہوگی۔ البتہ اظہار خیال کا سادہ، پرکار لہجہ، احساس تپش اور زبان کی برجستگی نے مولانا کے اشعار کو زبان زد خاص و عام کردینے اور ان اشعار کی حیثیت ضرب المثال سی ہوگئی۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

نقد جاں نذر کرو سوچتے کیا ہو جوہر
کام کرنے کا یہی ہے تمہیں کرنا ہے یہی

ایک بار مولانا بیجاپور جیل میں تھے۔ بیٹی، ٹی بی

جیسے مرض میں مبتلا تھی لیکن علاج اور تیمار داری کے لئے بھی سرکار برطانیہ نے انہیں رہا نہ کیا تو آپ نے بیٹی کو منظوم خط لکھا جس کا ایک شعر ہے ۔

تیری صحت مجھے مطلوب ہے لیکن جو اُسے
نہیں منظور تو پھر مجھ کو بھی منظور نہیں

مولانا کی شاعری کا بڑا حصہ نعتیہ اور صوفیانہ کلام پہ مشتمل ہے انیسویں صدی کی شاعری پہ اقبال کا تاثر ہر جگہ ملتا ہے ۔ مولانا کا شعر ہے ۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

پتہ نہیں مولانا کو کس انداز کی موت پسند تھی یا وہ موت کے تعلق سے کیا سوچا کرتے تھے ۔ بہرحال مولانا نے ایک جگہ کہا ہے ۔

ہے رشک ایک خلق کو جوہر کی موت پر
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

اور ہوا بھی ایسا ہی۔ آج تک لوگ مولانا کی موت پر رشک کرتے ہیں ۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد علی جوہر تاریخ ہند کی وہ اہم ترین شخصیت ہے جس کی صد سالہ سالگرہ شایانِ شان طریقے پر منائی جانی چاہیئے ۔ ایک مختصر مقالہ میں مولانا کی ہمہ جہت شخصیت کو سمویا نہیں جا سکتا ۔ البتہ گاندھی جی کے الفاظ ہیں ۔

"The brave brothers (Mohammed Ali and Shaukat Ali) are staunch lovers of their country, but they are muslims first and everything else after and it must be so with every religiously minded men --- No two musalmans have done more than they to raise the status of Islam in India --- They have shown themselves true nationalists."

صفحہ نمبر ۳۵ سے آگے ۔ " جواہر لال نہرو "

سے بہت پہلے جب دیویکا رانی کی مشہور اور مقبول فلم " اچھوت کنیا " ریلیز ہوئی تھی ۔ وہ فلم پنڈت نہرو نے جیل سے چھوٹ کر کہیں دیکھ لی تھی ۔ انہیں فلم بہت پسند آئی تھی اور خاص کر اچھوت کنیا کے رول میں دیویکا رانی کی اداکاری نے تو انہیں بہت ہی زیادہ متاثر کیا تھا ۔ انہوں نے اپنی زندگی میں شاید پہلا اور آخری " فین لیٹر " دیویکا رانی کو لکھا تھا، اور جس وقت یہ خط دیویکا رانی کو بمبئی ٹاکیز کے اسٹوڈیو میں ملا تو میں وہاں موجود تھا ۔ اپنی ڈاک کھولتے ہی جیسے ہی دیویکا رانی کی نظر پنڈت نہرو کے خط پر پڑی وہ خوشی کے مارے اچھل پڑی ۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کے پاس اتنی بڑی ہستی کا تعریفی خط آئیگا

میں نے پوچھا: "کس کا خط ہے جو آپ اتنی خوش ہیں .....؟"

دیویکا رانی نے جواب دیا: "یہ تم سوچ بھی نہیں سکتے ۔ پنڈت جواہر لال نہرو کا خط ہے"

ایک بار شاید انٹرنیشنل فلم فیسٹیول کا ادگھاٹن کرتے ہوئے پنڈت نہرو نے کہا تھا:

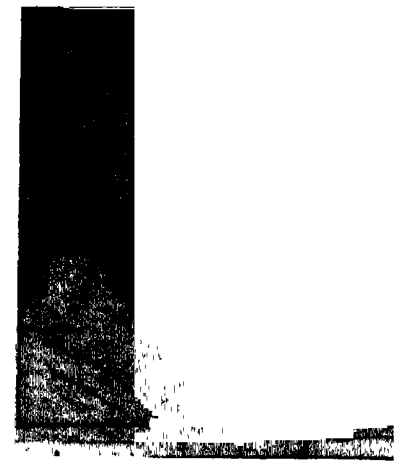
"سیاست دانوں میں اور فلم والوں میں کافی چیزیں ملتی جلتی ہیں ۔ دونوں کا دارومدار عوام کی خوشی، اور ہمدردی پر ہے ۔ اگر سیاست داں کو عوام ووٹ نہ دیں تو وہ الیکشن ہار جائے گا، اگر فلمسٹار کی فلم نہیں چلے گی تو وہ بھی گمنامی میں رہے گا ۔ یہ دونوں عوام کی بہبودی اور بہتری کے لئے بڑا کام کر سکتے ہیں "

آج جواہر لال نہرو ہمارے بیچ نہیں ہیں لیکن ان کی یادیں، ان کی باتیں، ان کے اصول آج بھی زندہ ہیں ۔ اس لئے میں کہوں گا کہ جواہر لال مرے نہیں بلکہ آج بھی زندہ ہیں ۔۔ ہر مزدور میں جس کو انہوں نے اپنے ادھیکاروں کے لئے جدوجہد کرنا سکھایا ۔

جواہر لال نہرو زندہ ہیں ہر کسان میں، جسے انہوں نے نہ صرف زمینداروں اور ساہوکاروں کے چنگل سے چھڑایا، بلکہ میل جول کر سائنٹفک طریقے سے زراعت کرنے کا راستہ بھی دکھایا ۔

جواہر لال نہرو زندہ ہیں ۔۔۔ ہر ہندوستانی ننھے منے بچے کی معصوم مسکراہٹ میں، اس لئے کہ یہ مسکراہٹ کی کلی پھول بن کر ہندوستان کا مستقبل بنے گی ۔ جس مسکراتے ہوئے مستقبل کے لئے جواہر لال نہرو اپنی ساری عمر سرگرم عمل رہے ۔ آج جواہر لال نہرو کو مرے ہوئے سولہ برس ہو گئے ۔ لیکن جواہر لال نہرو آج بھی زندہ ہیں ۔

سردار پٹیل - ایک تاثر



برنائیٔ فراست کی نگاہوں سے عیاں تھی
فولاد کا کردار تھا حاکم کی زباں تھی
وہ ثابت و سیّال تھا اُس طرزِ عمل کا
آزادی کی پیکار کی جو روحِ رواں تھی
کیا پیرِ مجرّد کی شباہت تھی یقیناً
اِک روحِ توانائیٔ مجسّم میں جواں تھی
سردارِ حقیقی وہ محافظ تھا وطن کا
حکمت کی لچک اس کیلئے وجہ زیاں تھی
ماتھے کی شکن، ماضیٔ رفتہ کے فسانے
آنکھوں کی چمک کل کے مقدّر کا نشاں تھی
ظاہر کی درشتی میں سیاست کے تقاضے
سینے میں دلِ نرم کی توفیق نہاں تھی
قدروں پہ رکھیں اس نے حکومت کی اساسیں
جمہور کو آسودگیٔ امن و اماں تھی

ارباب ریاست کو سیاست سے سنبھالا
تنظیم کے ہاتھوں میں تسلّط کی عناں تھی
تخریبی عناصر کے لئے مرگِ مفاجات
وہ ابروئے پیچاں جو جسارت کا نشاں تھی
جس کام کو ہاتھوں میں لیا کر کے دِکھایا
وہ جرأت تکمیل رفیقوں میں کہاں تھی
بے وقت اُسے چھین لیا موت نے ہم سے
تھی کونسی حکمت جو تجاوز میں نہاں تھی
اے شومیٔ تقدیر کے خود ساختہ کاتب
خوش ظرفی تری ہند کے حصے میں کہاں تھی
اُس روحِ مقدس کو سراسیمہ نہ کرنا
زنجیرِ تناسخ کی کڑی کتنی گراں تھی

رام پرکاش راہی
اے-سی قدوائی نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۳

• ٹی۔ وی۔ پروتے

گوپال کرشن گوکھلے

ہمارے لئے یہ حیرت کی بات ہے کہ گوپال کرشن گوکھلے ان تمام محبانِ وطن میں سے ایک تھے جنہوں نے کم عمر پاکر بھی کانگریس کی سیاسی آزادی کی جدوجہد میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ ۹ مئی ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے اور ۱۹ فروری ۱۹۱۵ء کو انتقال کر گئے۔ یعنی انہوں نے اپنی زندگی کے ۵۰ سال بھی پورے نہیں کئے۔ لیکن ان کی مصروفیات اور کارناموں کا عالم ہی کچھ اور تھا۔

گوپال کرشن گوکھلے نے ۱۸ رسال کی عمر میں بمبئی یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا۔ ۲۰ رسال کی عمر میں انہوں نے سپرفیسر اور سدھارک نامی اخبار میں بحیثیت ایک معاون ایڈیٹر کام کیا اور ۲۵ سال کی عمر میں سارو جنک سبھا کے ایک سہ ماہی رسالے میں ایڈیٹر بنے۔ اور بمبئی صوبائی کانفرنس کے سکریٹری بھی رہے اور ۳۴ سال کی عمر میں انڈین نیشنل کانگریس کے سکریٹری بنے، ۳۶ سال کی عمر میں، ایم۔ ایل۔ اے، ۳۹ سال کی عمر میں کانگریس کے صدر، ۴۰ سال کی عمر میں سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کے بانی اور اپنے آخری ایام تک سپریم لیجسلیٹو کونسل میں عوام کے خصوصی ترجمان کی حیثیت سے کام کیا۔

انہوں نے ایک عام انسان کی طرح زندگی کے نشیب و فراز کا تجربہ کیا اور حب الوطنی، پاکیزہ خیالات اور مضبوط ارادہ، یہ صفات انکو اپنے بزرگ استاد جسٹس رانا ڈے سے ورثہ میں ملی تھی اور اسی لئے وہ زندگی میں اتنے کامیاب و کامران رہے اور ان کی خدمات اتنی شان دار رہیں۔

لوک مانیہ تلک نے گوکھلے کے کارناموں کو صحیح طور پر "کیسری" میں گوکھلے پر یادگاری مضامین کے ذریعے اجاگر کیا ہے۔ جس کا نچوڑ ایک سنسکرت کہاوت کے مطابق یہ ہوتا ہے کہ "لمبے عرصے تک سلگتے رہنے سے اچھا ہے کہ ایک لمحے کے لئے جلنا!"

فرگوسن کالج میں پروفیسر کی حیثیت سے انہیں انگریزی، تاریخ اور اقتصادیات پڑھانے میں مزہ آتا تھا۔ لیکن انہوں نے ضرورت کے مطابق کسی بھی مضمون کو پڑھایا ہے۔ وہ سچا ضمیر اور فرض شناس تھے اور کسی کام کی تکمیل کے لئے کسی بھی تکلیف اٹھاتے تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ انہیں فرگوسن کالج میں گریجویٹ کی سطح سے کم کے طالب علموں کو ساؤتھ لی کی "لائف آف نیلسن" پڑھانا تھی۔ ایک امیر البحر کی زندگی میں بحری اصطلاحات کا ہونا لازمی ہے، جو اس شعبے سے غیر منسلک شخص کے لئے بالکل ہی اجنبی ہوتی ہیں۔ حالانکہ یہ ایک نامناسب نصابی

کتاب تھی، لیکن گوکھلے کو وہ پڑھانا ہی تھی۔ چنانچہ انہوں نے بمبئی ہاربر پر کئی مرتبہ چکر لگائے۔ مختلف قسموں کے جہازوں کا معائنہ کیا اور اس طرح تمام بحری اصطلاحات پر مہارت حاصل کرلی اور یوں بہت ہی کم وقت میں وہ جہازوں کے بارے میں ایک پیشہ ور جہازی کی طرح بولنے کے قابل ہوگئے۔

اپنی پروفیسری کے زمانے میں گوکھلے عملی طور پر، راناڈے صاحب کے زیر تربیت تھے۔ جو خود ایک مکمل استاد تھے۔ گوکھلے نے سارو جنک سبھا کے سہ ماہی کی ادارت کی، اور وہ سبھا کے سکریٹری بھی رہے۔ ان کے لئے یہ ایک نادر موقع تھا کہ وہ عوام کے سوالات کا مختلف زاویوں سے مطالعہ کرتے تھے، اور ان پر اپنی رائے قائم کرتے تھے۔ وہ کسی بھی کام کے لئے عملی طور پر اور جوش و خروش کے ساتھ تیار رہتے تھے۔ اپنے کام کو وقت پر انجام دینے کے لئے رات بھر جاگتے تھے۔ لیکن اپنے استاد کی ناراضگی مول لینا انہیں گوارہ نہیں تھا۔ وہ اور جسٹس راناڈے عموماً بدھ کے دن ملتے تھے تاکہ جو مسائل سامنے ہوں ان پر بحث کی جائے۔ اگر گوکھلے کو بخار آیا ہوتا تو راناڈے صاحب اس کو وقت پر کام نہ ختم ہونے کے لئے جائز جواز نہیں سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بخار تو دوا لے کر اتر جائے گا لیکن ایک بدھ جو ہاتھ سے نکل گیا وہ دوبارہ نہیں مل سکتا۔

اس لئے اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ ویلی کمیشن کے سامنے تحریری اور زبانی گواہی دیتے وقت انہیں بڑی خوشی ہوئی کیونکہ سرینواس شاستری کے الفاظ میں بھارت کے لئے جتنے گواہان تھے ان میں گوکھلے کی شخصیت سب سے زیادہ پرکشش اور اہم تھی۔ اس وقت سریندر ناتھ بنرجی، دنشا واچھا، کیتی سبرامنیم آئیر اور خود دادا بھائی نوروجی جو کہ ویلی کمیشن کے رکن تھے۔ موجود تھے۔ لیکن گوکھلے کتنے منکسر المزاج تھے انہوں نے راناڈے صاحب کو انگلینڈ سے لکھا کہ اگر آپ کو بیانات پڑھنے کا وقت ملے اور پڑھ کر تسلی ہو تو میں سمجھونگا کہ مجھے وہ انعام ملا جس کا کہ میں عرصے سے متمنی تھا۔

گوکھلے کی کارکردگی کو سبھوں نے سراہا اور ان کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو فخر سے اس کا سینہ پھول گیا ہوتا۔ مگر فخر ان کی ذات میں نہیں تھا۔ راؤ بہادر وی جی جوشی کے نام اپنے ایک خط میں انہوں نے لکھا ہے کہ ......

"ـــــ یہ تمام توصیف دراصل میرے لئے نہیں بلکہ آپ اور راؤ صاحب (راناڈے) کے لئے ہے۔ میں نے تو انہیں آپ کے نمائندے کے طور پر حاصل کیا ہے، اور اب میں آپ کے اور راؤ صاحب کے قدموں پر گرو دکشنا کے طور پر گر کر یہ کہتا ہوں، اور میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے جو اتنا بڑا تعاون دیا اس کے لئے دل کی گہرائی سے نکلا ہوا شکریہ قبول کریں۔"

سنہ ۱۹۰۰ء میں گوکھلے، لوک مانیہ تلک کے حلقہ انتخاب سے بمبئی لیجسلیٹو کونسل کے لئے منتخب ہو کر آئے۔ لالہ لجپت رائے ایک دوسرے معاون تھے جو ان کے ساتھ رہے، اور اس طرح ان کی اچھی جوڑی بنی۔ بھارت میں اپنی واپسی سے چند روز قبل انہیں سنہ ۱۹۰۵ء میں کانگریس کے بنارس سیشن کی صدارت کرنے کے لئے منتخب کیا گیا۔ بنارس میں اپنے صدارتی خطبے میں انہوں نے کہا کہ......

"ـــــ ہم نے انگریزوں کی حکومت میں سو سال مکمل کئے لیکن آج ہمارے پانچ گاؤں میں سے چار میں اسکول نہیں ہیں اور آٹھ بچوں میں سے سات بچے جاہل ہی رہ جاتے ہیں۔"

سنہ ۱۹۰۸ء میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ .....

"ـــــ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے لوگ اپنے خود کے ملک میں رہیں جیسا کہ دوسرے لوگ ان کے اپنے ملک میں رہتے ہیں .... میں چاہتا ہوں کہ مردوں اور عورتوں کو ذات پات کی تمیز کے بغیر اپنے طور پر آگے بڑھنے کے مواقع ملیں میں چاہتا ہوں کہ بھارت کو دوسرے ملکوں کی طرح سیاست، صنعت، مذہب، ادب سائنس اور آرٹس میں مناسب جگہ ملے۔"

بطور ایم ایل اے انہوں نے فوج میں اور سول سروس میں بھارت کے لوگوں کو نوکری دینے اور صنعتی تحفظ، شہری اور فوجی خرچ میں کمی، ہندو مسلم اتحاد، پسماندہ طبقے کے لئے یکساں مواقع، مکمل شراب بندی، استحصال شدہ کسانوں کے لئے رعایت اور نمک پر

ٹیکس کو کم کرنے یا ختم کرنے وغیرہ، قسم کی ضروریاتِ زندگی پر زور دیا۔

لارڈ ہارڈنگ، بھارت کے ایک سابقہ وائس رائے نے ایک بار گوکھلے سے پوچھا:

"..... اگر میں یہ کہوں کہ تمام انگریزی افسران
اور افواج ایک مہینے کے اندر بھارت چھوڑ دیں گے تو آپ
کیسا محسوس کریں گے"؟

گوکھلے نے جواب دیا:

"..... مجھے یہ خبر سن کر بڑی خوشی ہوگی، لیکن
اس سے پہلے کہ آپ جنت الفردوس میں پہنچیں!
ہم آپ کو تار روانہ کریں گے کہ آپ واپس آجائیں"۔

اس جواب سے گوکھلے کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ انگریزوں کو حاکم کی حیثیت سے نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ انہیں دوست اور مددگار کی حیثیت سے چاہتے تھے۔

۵۰ سال سے کم کے عرصۂ حیات میں انہوں نے برطانیہ عظمیٰ کا سات بار بحری سفر کیا۔ جس میں ایک بار وہ جنوبی افریقہ بھی گئے۔ جب وہ پانچویں مرتبہ پبلک سروس کمیشن جسے اس وقت اسلنگٹن کمیشن بھی کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں برطانیہ جارہے تھے تو ان کے ہمراہ آنجہانی سر پرفلا چندر رائے بھی تھے — پی۔سی۔ رائے کہتے ہیں کہ ایک صبح کو جہاز میں ناشتے کے ٹیبل پر گفتگو کا رخ اس موضوع پر مڑ گیا کہ حکومت ہند تعلیم پر کتنا خرچ کرتی ہے۔ ایک انگریز بیوپاری نے زوردار لہجے میں پوچھا —

"کیوں! کیا ہم تعلیم پر بہت خرچ نہیں کر رہے ہیں"؟

گوکھلے نے فوراً جواب دیا۔

"جناب ہم سنے آپ کا کیا مطلب ہے۔؟ کیا میں یہ سمجھوں کہ برطانیہ نے چندہ کرکے ایک رقم جمع کی اور وہ خیرات کے طور پر، تعلیم کے لئے بھارت میں خرچ کی جاتی ہے۔ کیا آپ اس سے واقف ہیں کہ انگلینڈ اس طرح خرچ نہیں کرتا بلکہ بھارت کے محصول میں سے بہت ہی کم رقم تعلیم پر خرچ کی جاتی ہے"۔

گوکھلے کی بات کرنے کی ہمت اور حکومت کے مالیاتی نظام کے بارے میں ان کی معلومات ہمیشہ ان کی زبان پر رہتی تھی۔ اور اسی لئے انگریز بیوپاری کو گوکھلے کے برجستہ جواب نے لاجواب کر دیا۔

گوکھلے محبانِ وطن اور عوام کی نسلوں کو جنہوں نے سنہ ۱۹۱۵ء میں ان کے انتقال کے بعد ان کی تقلید کی براہِ راست متاثر تو نہ کرسکے ہوں گے لیکن ایک صاحبِ ادراک ان کے عوام پر اور حالات پر اثر کو بخوبی جانتا ہے۔ انہوں نے گاندھی جی کو بھی متاثر کیا۔ اور اگر گاندھی جی ابھی تک اپنے اہلِ وطن کو متاثر کر رہے ہیں (جو ایک حقیقت ہے) تو گوکھلے بھی آج ہمیں متاثر کر رہے ہیں۔ انہوں نے جواہر لال نہرو کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا خود نہرو نے کہا تھا کہ .....

"— میں گوکھلے کی سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی
جو کہ ابھی اپنے شروع کے مرحلے میں تھی یعنی سنہ ۱۹۱۲-۱۵ء
کے زمانے میں اس سے متاثر ہو گیا تھا۔ حالانکہ میں نے
اس میں شامل ہونے کے لئے کبھی نہیں سوچا، کیونکہ
میرا ارادہ وکالت کو ترک کرنے کا نہیں تھا —
تاہم میں سوسائٹی کے ارکان کی ستائش کرتا تھا، کہ
جنہوں نے اپنے آپ کو ملک
کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا"۔

گرچہ تلک اور گوکھلے سیاست کے میدان میں ایک دوسرے کے حریف رہے ہیں۔ تاہم تلک اپنے یادگاری مضمون میں، گوکھلے کے بارے میں کہتے ہیں کہ ......

"— گوکھلے کو قدرت نے بہت ساری صفات
عطا کی تھیں۔ لیکن اُن میں سب سے بڑی صفت
مادرِ وطن کے لئے اپنے کو بے غرض اور مکمل طور پر
نوجوانی میں ہی وقف کرنا تھی"۔

غرضیکہ گوکھلے عوام کے خدمت گار اور عوام کے نمائندوں کے شہزادے تھے۔

ترجمہ: سید روشن عبدالقادر ▲▲

★ ریاض احمد خان

ناگپور کے تین تاریخی اجلاس

انڈین نیشنل کانگریس کو مکمل تعاون

انڈین نیشنل کانگریس نے اپنے ایک سو سالہ دور میں ملک کے ہر بڑے اور چھوٹے علاقے میں سالانہ اجلاس منعقد کئے ہیں۔ یہ روایت آزادی ملنے کے بعد سے اب تک قائم ہے۔ اور سالانہ اجلاس بڑی آب وتاب سے منعقد کئے جا رہے ہیں۔

مہاراشٹر کو اس بات کا فخر ہے کہ کانگریس کا سب سے پہلا اجلاس بمبئی میں ۲۵ سے ۳۱ دسمبر ۱۸۸۵ء میں منعقد ہوا اور اب انڈین نیشنل کانگریس اپنا صد سالہ اجلاس بھی بمبئی میں منعقد کر رہی ہے۔

اس لحاظ سے بمبئی اور مہاراشٹر کا مقام ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے جہاں سے ملک گیر تحریکیں شروع ہوتیں اور ملک کے کونے کونے تک پھیلتی چلی گئیں۔

مہاتما گاندھی کو بمبئی کے عوام کی سیاسی بیداری
اس قدر یقین تھا کہ وہ انتہائی ضروری اعلانات بمبئی
میں کیا کرتے تھے۔ چاہے کانگریس کا سالانہ اجلاس ہو یا
ٹی ممبران کی میٹنگ ہو۔ بمبئی کے عوام بھی گاندھی جی کے
ہلکے سے اشارے پر تن من کی بازی لگانے سے نہیں
کتے تھے۔ گاندھی جی کے علاوہ سب سے زیادہ بمبئی پر
جہ خاص دینے والے سردار ولبھ بھائی پٹیل ہیں جنہوں نے
ندھی جی کے نقشِ قدم پر عمل کیا اور بمبئی کے عوام پر بھرپور
اعتماد کیا۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل باوجود مردِ آہن ہونے کے
خاص وعام میں عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور اس
وقت جب کسی مسئلہ پر گاندھی جی یا پنڈت جواہر لال نہرو
اپنا فیصلہ صادر کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے،
تب سردار پٹیل بڑی خوبصورتی سے اس مسئلہ کا حل پیش
کر دیا کرتے تھے۔

بمبئی کی عام فضا کانگریس کے حق میں ہموار کرنے کے
بعد مہاراشٹر کے تاریخی شہر ناگپور پر قومی رہنماؤں کی

نظریں پڑیں۔ "ناگپور"، ہندوستان کی تاریخ میں ایک قدیم شہر ہے جہاں ناگا حکمرانوں کی حکومت تھی جو بتدریج آٹھ پیڑھیوں تک قائم رہی۔ ناگپور کے ساتھ ساتھ ودربھ کا علاقہ بھی وابستہ ہے جس کی تاریخی اہمیت بھی کچھ کم نہیں ہے لارڈ کرشنا کی رانی رکمنی اور راجہ نالا، کی پتنی دمینتی ودربھ ہی سے تعلق رکھتی تھیں۔ ناگا حکمرانوں کے بعد ناگپور پر.... سولھویں صدی سے گونڈ راجاؤں کا تسلّط قائم ہوا جو چانذہ (چندرپور) سے ہجرت کرکے ناگپور آگئے اور اسی شہر کو اپنی راجدھانی بنالیا۔ گونڈ راجاؤں کے بعد ۱۷۴۸ء میں جب پونے میں باجی راؤ پیشوا کی حکمرانی تھی۔ اس وقت راگھوجی بھونسلہ، ناگپور کے حکمران ہوئے۔ انہوں نے یہ حکمرانی راجہ نیل کنٹھ کو سبکدوش کرکے حاصل کی۔ راجہ نیل کنٹھ اور راگھوجی بھونسلہ میں کبھی نااتفاقی نہیں ہوئی۔ بلکہ راگھوجی نے ہمیشہ نیل کنٹھ کا ساتھ دیا۔ ناگپور میں بھونسلہ دور ۱۸۰۳ء تک جاری رہا۔ لیکن راگھوجی دوئم نے مراٹھا جنگ میں سندھیا کا ساتھ دیا اور شکست کے بعد اپنی ایک تہائی حکومت کھو بیٹھا۔ راگھوجی دوئم کی وفات کے بعد راگھوجی سوئم گدی پر براجمان ہوئے جن کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ انہوں نے ایک بچہ کو گود لیا جو آگے چل کر جانوجی کے نام سے جانا پہچانا جانے لگا۔ بھونسلہ خاندان کی وفاداری کو مدنظر رکھتے ہوئے جانوجی کو "راجہ آف دیودر"، کا خطاب ملا۔ دیودر ستارہ ضلع میں ہے جہاں سے بھونسلہ خاندان کا تعلق چلا آرہا ہے۔

کانگریس کا ہر اجلاس اپنے پروگراموں کی وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے جیسا کہ سورگباشی وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے بنگلور کے آل انڈیا نیشنل کانگریس کے اجلاس میں ۱۹۶۰ء میں فرمایا تھا۔ جواہر لال نہرو نے اپنے بیان کی تصدیق کرتے ہوئے مزید کہا تھا کہ کانگریس کے ہر سالانہ اجلاس کے موقع پر ملک کے مختلف اور پیچیدہ مسائل پیش کئے جاتے ہیں اور سب کے مل بیٹھنے سے ان کے حل تلاش کرنے میں بڑی آسانی ہوجاتی ہے کیونکہ ہمارا ملک آبادی کے لحاظ سے، رقبہ کے لحاظ سے، اور ملک میں بسنے والے مختلف دھرموں کے ماننے والوں کے لحاظ سے ایک عظیم ملک ہے، اور ہر قدم پر مسائل کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ کانگریس کے اجلاس ہی ایک ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں ملک کے رہنما ایک ساتھ بیٹھ کر لائحۂ عمل تیار کرکے مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان اجلاس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے ملک میں اختلاف رائے رکھنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ عام فلاح وبہبود کے لئے اگر ایک منصوبہ تیار کیا جاتا ہے تو اس پر بے شمار تنقید ہوتی ہے جس سے حوصلے پست ہونے کی نوبت آتی ہے مگر یہ کانگریس کی ہمّت ہے کہ وہ اختلافات کو ختم کرکے اپنے Public oriented منصوبہ جات پر عمل پیرا ہوجاتی ہے۔

آل انڈیا نیشنل کانگریس کا ساتواں اجلاس ۱۸۹۱ء میں ناگپور میں منعقد ہوا جو ناگپور میں ہونے والے اجلاس میں پہلا اور اپنی انفرادی حیثیت سے مشہور رہا۔ ناگپور میں اس وقت کانگریس میں پڑھے لکھے لوگوں نے شرکت شروع کردی تھی اور عوام میں سیاسی بیداری دن بدن بڑھتی جارہی تھی۔ ناگپور کے اس تاریخی پہلے اجلاس کے صدر مدراس کے ایڈوکیٹ آنند چارولہ چنے گئے۔ جن کا نام پنڈت آیودھیا ناتھ نے پیش کیا۔ سر فیروز شاہ مہتہ نے جس کی تائید کی۔ یہ اجلاس ناؤنوجی راؤ گوجر کی بلڈنگ لال باغ میں منعقد ہوا تھا۔ یہاں پر جو شامیانہ تعمیر کیا گیا تھا اس کی لمبائی ۱۶۵ اور چوڑائی ۱۱۰ تھی۔ شامیانے کی اس ساخت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ناگپور کا یہ اجلاس کس قدر اہمیت کا حامل تھا۔ مہاراشٹر کے مشہور لیڈر اور رہنما لوک مانیہ تلک نے بھی اس اجلاس میں شرکت کی تھی۔ یہ آل انڈیا کانگریس کا دوسرا اجلاس تھا جس میں لوک مانیہ تلک نے شرکت کی۔

سب سے پہلے بمبئی میں ہونے والے کانگریس کے پانچویں اجلاس میں جو کہ ۱۸۸۹ء میں منعقد ہوا تھا۔ لوکمانیہ تلک نے شرکت کی تھی۔ ناگپور میں ہونے والے اس اجلاس میں ملک کے مختلف حصوں سے ۸۱۲ مندوبین نے شرکت کی۔ یہ اجلاس ۲۸ دسمبر سے ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء تک جاری رہا یہی وہ تاریخی اجلاس ہے جس میں مسٹر ہیوم (Mr. Hume) کانگریس کے بانی نے آخری بار شرکت کی، اور ہندوستان سے انگلستان واپس ہوئے۔

ناگپور اجلاس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ

ـس میں متفقہ طور پر یہ قرار داد پاس کی گئی کہ دادا بھائی نوروجی
نام برٹش پارلیمنٹ کی مرکزی ممبر شپ کے انتخاب کے لئے
بھیجا جائے ۔ اس اجلاس میں خاص طور سے ہندوستان کی
اشی بہتری کے اقدام پر توجہ دی گئی، نیز حکومت سے یہ بھی
طالبہ کیا گیا کہ اسلحہ پر کم سے کم رقم خرچ کی جائے ۔

نا گپور کا یہی وہ پہلا اجلاس ہے جہاں سے کہ
ڈین نیشنل کانگریس ایک آزاد ادارہ بن گیا جس میں بدیسی
کرانوں کی کوئی بھی نمائندگی نہیں تھی ۔ اس سے پہلے انڈین نیشنل
نگریس کا براہ راست تعلق لندن میں برٹش انڈیا کانگریس
ے تھا ۔ اگر ناگپور کے رہنما اور عوام اس بات پر فخر کریں، تو
ے جا نہ ہوگا کہ یہ انہیں کی کارکردگی کا نتیجہ تھا کہ ناگپور کے پہلے
جلاس میں ہی کانگریس ایک آزاد اور خود مختار پارٹی بن گئی ۔
ن اجلاس کے دس سال بعد سر سریندر ناتھ بنرجی، اور
روز شاہ مہتہ کی نمائندگی نے عوام کے دلوں میں کانگریس کی
قعت قائم کر دی اور کانگریس کے لئے فنڈ جمع کرنے کا
کام بڑے پیمانہ پر شروع ہوا جس کی ابتدا ناگپور کے اسی پہلے
سیشن کے بعد ہوئی ۔ جس میں ناگپور کی دو مشہور سیاسی
ر سماجی شخصیتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔

اوّل تو کیشو راؤ جوشی تھے جنہوں نے بیل گاڑی میں بیٹھ
کر گاؤں گاؤں کا دورہ کیا اور پارٹی کے لئے چندہ جمع کیا ....
دوسرے شخص تھے لالہ بھاگیرت پرشاد، جو فنڈ جمع کرنے
کے لئے بازار میں آلو بیچا کرتے تھے ۔ ناگپور والوں کی خوش قسمتی تھی
کہ انہیں بپن بوس (Bipin Bose) جیسی شخصیت کی
رہنمائی حاصل ہوئی ۔ یہ بپن بوس ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے
کہ ناگپور میں "دی سودیشی وستو پرچارنی سبھا (The
Swadeshi Vastra Pracharni Sabha) قائم ہوئی
جس سے مقامی بنکروں، لوہاروں اور ستاروں کی ہمت افزائی
ہوئی اور لوگوں نے سودیشی مال کو اپنانا شروع کیا ۔ اسی
سلسلے میں اگر کیشو راؤ بھاؤ لکرا در کرشنا پھاٹک کا نام نہ لیا
جائے تو بڑی ناانصافی ہوگی کیونکہ انہیں دونوں شخصیتوں کے
انتھک کوششوں کی بدولت، ہینگن گھاٹ اور پل گاؤں میں
ٹیکسٹائل مل قائم ہوئے اور ناگپور میں سودیشی مل قائم کرنے
کا منصوبہ بنایا گیا ۔ ناگپور میں سودیشی تحریک کی تقویت دینے
والوں میں پونے کے گنیش واسو دیو جوشی کے شاگرد رشید

ی راج

ٹرمبک راؤ کھرے جنہیں سر وجنیک کاکا، کا خطاب بھی
ملا تھا ..... پیش پیش ہیں ۔

کانگریس کے اجلاس کے بعد لوگوں میں خود اعتمادی دن
بدن بڑھتی جا رہی تھی اور یہ اسی خود اعتمادی اور سیاسی
بیداری کا نتیجہ تھا کہ اجلاس کے دو سال بعد ۱۸۹۳ء میں
ناگپور میں ایک عام جلسہ منعقد کیا گیا اور وائسرائے کونسل کی
ممبری کے لئے گنگا دھر راؤ چٹ نویس کا نام پیش کیا گیا ۔
ناگپور سے گنگا دھر راؤ چٹ نویس اور سی ۔ وی ۔ نائیڈو
اس وفد میں بھی شامل کئے گئے جو ۱۸۹۱ء میں سکریٹری آف
اسٹیٹ سے ملنے انگلستان گیا تھا ۔

اس وفد کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہ حکومت برطانیہ
کو ان مشکلات سے روشناس کرائیں جو ہندوستانی برداشت
کر رہے ہیں ۔ ۱۸۹۷ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس
امراؤتی میں منعقد ہوا ۔ اس اجلاس میں قحط سالی سے نبرد آزما
ہونے کے طریقوں پر بحث و مباحثہ ہوا ۔ یہی وہ اجلاس ہے
جس نے کانگریس میں انتہا پسندی کا بیج بویا ۔ انڈین نیشنل
کانگریس نے پونے کے دو انگریز آفیسروں، مسٹر رینڈ
(Rand) اور مسٹر آئیرسٹ (Ayerst) کے
قتل کی وجہ سے لوک مانیہ تلک کو قید کر لیا تھا ۔ اس وجہ سے
اس کی بھی مذمت کی ۔ دادا صاحب کھاپر ڈے نے انگریز
حکومت پر الزام لگایا کہ وہ رعایا کی خوشحالی کی طرف توجہ
نہ دیتے ہوئے ہندوستانیوں کو آپسی خلفشار میں مبتلا
کر رہی ہے جبکہ ملک میں قحط پڑا ہوا ہے، اور طاعون جیسی بیماری
پھیلی ہوئی ہے ۔ اسی موقع پر سر سریندر ناتھ بنرجی نے انگریز
حکمرانوں کو سخت الفاظ میں کہا کہ لوکمانیہ تلک کو گرفتار کر کے انہوں نے
غلطی کی ہے جو ہندوستانی کبھی معاف نہیں کریں گے ۔ اسی
اجلاس میں یہ بھی طے پایا کہ انڈین پینل کوڈ کی دفعہ ۱۲۴ ۔ ۷
میں جو تبدیلی حکومت وقت نے کی ہے اُسے منظور نہ کیا جائے ۔

انیسویں صدی کے اختتام تک ملک ایک دوراہے
پر کھڑا ہوا تھا ۔ ایک طرف انڈین نیشنل کانگریس متواتر
۱۶ برسوں سے حاکم وقت کو ہندوستانیوں کی چھوٹی چھوٹی
مانگیں پوری کرنے کے لئے کاغذی گھوڑے دوڑا رہی تھی، اور
دوسری طرف وہ حکومت کے بڑھتے ہوئے دباؤ کی بھی
مخالفت کر رہی تھی ۔ اس صدی کے شروع کے دس سال بڑی

کشمکش میں گزرے۔ جس میں کانگریس پارٹی ہی کے انتہا پسندوں کی کامیابی ہوتی رہی۔ اسی دوران لوکمانیہ تلک اور سریندر کی رہنمائی نے ہندوستانیوں کے حوصلے بلند رکھے اور کانگریس پارٹی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ سودیشی اشیاء کو اپنا یا اور بدیسی مال کو جلا دینا یا اس کا بائیکاٹ کر دینا ہندوستانیوں کا خاص حربہ بنا۔ اسی جدوجہد میں بے شمار شمع آزادی کے پروانوں کو پھانسی کے پھندے پر لٹکنا پڑا اور انہوں نے بھی خوشی خوشی موت کی آغوش میں پناہ لینا منظور کیا جس کی وجہ سے کانگریس میں ایک نیا عزم، ایک نیا ولولہ پیدا ہوا جس نے نوجوانوں کے دل میں آزادی کی اہمیت بڑھا دی۔

انڈین نیشنل کانگریس کا ناگپور میں دوسرا اجلاس ۱۹۲۰ء میں منعقد ہوا۔ اسی دوران ۱۹۰۷ء میں بھی ناگپور میں ایک اجلاس منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا مگر ایسی انتشار کی وجہ سے یہ اجلاس بجائے ناگپور کے سورت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں لوک مانیہ تلک انتہا پسندوں کے سرگرم رکن قرار دیئے گئے۔ اسی دوران لوک مانیہ تلک کو ختم کرنے کے لئے ان پر دو مرتبہ قاتلانہ حملے بھی ہوئے مگر وہ دونوں مرتبہ بچ گئے۔ تلک کو بچانے میں ڈاکٹر مونجے، ڈاکٹر گدرے، ڈاکٹر ڈھنڈی راج پینٹ شامل تھے۔ اسی وقت سے ناگپور میں لوکمانیہ تلک کو ماننے والوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوتا چلا گیا، اور ناگپور کے لوگ تلک کی ہر بات دل سے سنتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے۔ ناگپور کے انڈین نیشنل کانگریس کے دوسرے اجلاس کے موقع پر لوکمانیہ تلک نے اپنا ۴ نکاتی پروگرام کا منصوبہ تیار کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ

- ملک میں بنی ہوئی اشیاء کا استعمال زیادہ سے زیادہ کیا جائے۔
- بدیسی مال کا قطعیٔ بائیکاٹ کیا جائے۔
- قوم کو زیادہ سے زیادہ حصول تعلیم کی طرف راغب کیا جائے۔
- شراب بندی پر سختی سے عمل کیا جائے۔

ناگپور کی خوش قسمتی تھی کہ اسی دوران پروفیسر آروبندو گھوش جو ناگپور میں آروبندو یوگی راج کہلائے۔ تشریف لائے، اور قوم پرستوں کی حمایت کی۔

لوک مانیہ تلک کے چار نکاتی پروگرام نے عوام کے دلوں پر خوب اثر کیا۔ یہاں تک کہ سرکاری ملازم بھی ان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ جس کی وجہ سے انہیں سزاؤں کا حقدار ٹھہرایا گیا۔ اسی وجہ سے لوک مانیہ تلک کو پھر گرفتار کر لیا گیا۔ یہ جولائی ۱۹۱۸ء کی بات ہے جس کی خاص وجہ یہ تھی، کہ لوک مانیہ تلک نے مانک ٹولہ بم کیس پر ایک مضمون شائع کیا تھا، جو حکومت وقت کے سراسر خلاف تھا۔ لوکمانیہ تلک کی اس گرفتاری کی وجہ سے پورے شہر ناگپور میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی اور لوگ تشدد پر اتر آئے تھے۔ اس وقت کے مشہور اخبار "ہندی کیسری" جس کے ایڈیٹر پنڈت مادھو راؤ سپرے تھے نے وطن پرستوں کی حمایت میں پُراثر مضامین لکھے جس کی بدولت انہیں جیل ہوئی۔ ان اخبارات نے ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۴ء تک بڑی جرأت مندی سے کام کیا جس کی وجہ سے حکومت وقت نے ان پر مقدمات بھی قائم کر دیئے۔ حالات ایسے سنگین ہو گئے کہ اخبارات معمولی سی عوامی شکایت شائع کرنے سے گریز کرتے تھے۔ ناگپور کے اخبار "مہاراشٹر" نے ان پابندیوں کے باوجود حکومت کے خلاف عوام کی آواز اپنے اخبار کی مدد سے پھیلانا شروع کر دی جس کی وجہ سے ایک ہزار پانچ سو روپے بطور ضمانت جمع کرنا پڑے۔ اس وقت کے لحاظ سے یہ رقم ایک بہت بڑی رقم ہوتی تھی۔

یہ ناگپور ہی کا حصہ ہے کہ جس وقت لوکمانیہ تلک اور ڈاکٹر اینی بیسنٹ نے "ہوم رول لیگ" قائم کی تو سب سے پہلے یہاں کے عوام آگے آئے۔ دوسرے نمبر پر ودربھ کا علاقہ آتا ہے جس نے ہوم رول لیگ کو سراہا۔ لوک مانیہ تلک نے ہوم رول لیگ کی مستحکمی کے لئے ملک کے کونے کونے کا دورہ کیا۔ ادھر ڈاکٹر بیسنٹ نے ودربھ اور ناگپور کو ہوم رول لیگ کا مرکز بنا لیا۔ اس موقع پر ناگپور اور ودربھ کے لوگوں نے لوکمانیہ تلک کو ایک لاکھ دس ہزار روپے کا چندہ سوراج فنڈ کے لئے دیا۔ یہ ۱۹۱۸ء کی بات ہے کہ ملک گیر شہرت یافتہ لیڈر بپن چندر پال ناگپور تشریف لائے اور ایک بڑے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ....

" ہر ہندوستانی کو وہی حقوق حاصل ہونا چاہیئے، جو اس ملک میں انگریزوں کو حاصل ہیں "

انگریزی سرکاری افسران نہ تو ہندوستانیوں کو

برابری کے حقوق دینے کے قائل تھے اور نہ آزادی دینے کے۔

ناگپور میں انڈین نیشنل کانگریس کا ۳۵واں سالانہ اجلاس (ناگپور میں ہونے والا دوسرا) اس لئے بھی تاریخی اہمیت اختیار کر چکا ہے کہ اس اجلاس میں گاندھی جی نے ۹۔ نکاتی پروگرام جاری کیا۔ جس کی رُو سے تمام ہندوستان میں تحریک عدم تعاون (NON-CO-OPERATION MOVEMENT) شروع ہوئی سب سے بڑی بات جو ہوئی وہ یہ کہ ناگپور میں دو تعلیمی ادارے قائم ہو گئے۔ ● آسہایوگ آشرم (اور ● تلک ودیالیہ۔

طلبہ کی ایک کثیر تعداد نے سرکاری اسکولوں، اور کالجوں سے چھٹکارہ حاصل کر لیا اور تلک ودیالیہ میں داخلہ لے لیا۔ اس وقت ناگپور میں ڈاکٹر ایم۔ آر۔ چونکر، اور ڈاکٹر پرانجپے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ اس وجہ سے حکومت نے انہیں گرفتار کر لیا۔ اس تحریک کی وجہ سے پورے ملک میں بدنظمی پھیلنا شروع ہو گئی ——— انتشار میں ہندوستانیوں کا ہی نقصان ہوتا تھا۔

گاندھی جی فکرمند تھے کہ کلکتہ میں چوری چورہ کے پاس ایک پولس کانسٹیبل مار دیئے جانے کی اطلاع ملی۔ اسی وقت گاندھی جی نے یہ تحریک واپس لے لی۔! اس تحریک کے واپس لئے جانے سے پورے ملک میں ناامیدی پھیل گئی، اور لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ گاندھی جی کا یہ فیصلہ ان کی عجلت پسندی کا نتیجہ ہے۔ گاندھی جی نے اس فیصلہ کا کسی اجلاس میں جواب تو نہیں دیا، بلکہ اپنے ایک مضمون میں جو "ینگ انڈیا" میں شائع ہوا تھا اس میں مفصل حالات لکھ دیئے کہ کن وجوہات کی بناء پر تحریک واپس لینا پڑی۔

ناگپور کے عوام خاموش نہیں رہے اور انہوں نے ۱۳ اپریل ۱۹۲۳ء کو "جھنڈا ستیہ گرہ" کی بنیاد ڈالی تاکہ اس تحریک سے وابستہ لوگ سرکاری عمارتوں پر کانگریس کا پرچم لہرائیں۔ سب سے پہلے پنڈت سندرلال اور سبھدرا کماری چوہان نے اپنے حامیوں کو جمع کیا اور جبلپور کی میونسپل بلڈنگ پر ترنگا لہرا دیا۔ پنڈت سندرلال اور کماری چوہان کو حراست میں لے لیا گیا اور دونوں کو چھ ماہ کی قید بامشقت ہوئی۔

ناگپور کانگریس کمیٹی اور مہاکوشل کانگریس کمیٹی نے یکم مئی ۱۹۲۳ء کو "جھنڈا جلوس" نکالا اور جس کی قیادت جمنا لال بجاج اور بھگوان دین نے کی۔ اس جلوس کو ڈسٹرکٹ کورٹ سے کافی فاصلہ پر روک دیا گیا۔ جس کی وجہ سے جمنا لال بجاج کورٹ کی عمارت پر جھنڈا نہیں لہرا سکے۔ جلوس میں کیونکہ جوش و خروش تھا اور ذرا سی غفلت بھی ہنگامی صورت اختیار کر سکتی تھی۔ اس لئے جمنا لال بجاج نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہیں ستیہ گرہ شروع کر دی۔ اس وقت ناگپور کے دو بہادر لڑکوں.... ابھیانکر اور مومن کو ناگپور کے لوگوں کی طرف سے "بہادری" کا خطاب دیا گیا کیونکہ جس بے خوفی سے انہوں نے اس تحریک میں حصہ لیا تھا وہ جذبہ قابل رشک تھا۔

گاندھی جی کی "ڈنڈی مارچ"، نے جو ۱۲ مارچ ۱۹۳۰ء کو شروع ہوئی اور ۵ اپریل کو ختم ہوئی جس نے عوام کے حوصلے بلند کر دیئے اور جنگ آزادی کی جدوجہد میں جوش و خروش بھی بڑھتا گیا۔ اسی مارچ کے مثبت نتائج میں سے ایک یہ تھا کہ ناگپور میں ۱۶ اپریل کو "فرسٹ وار کونسل" کی بنیاد پڑی۔ جس کے صدر ایم۔ دی۔ ابھیانکر منتخب ہوئے اور ممبران میں جمنا لال بجاج، مہاتما بھگوان دین، ڈاکٹر کھرے، پونم چند رنیکا اور نیل کنٹھ راؤ دیشمکھ (دیردنکر) قابل ذکر ہیں۔ اسی وقت برار میں بھی وار کونسل کی داغ بیل ڈالی گئی جس کے صدر ویروامن راؤ جوشی منتخب ہوئے اور برج لال بیانی، سکریٹری ممبران میں بھیاجی سہسرابودھے، راناڈے، داگھ مارے، ڈانگرے۔ ڈومک قابل ذکر ہیں۔ ابھی یہ تحریک شباب پر بھی نہ آئی تھی کہ ابھیانکر اور وامن راؤ جوشی جو اس تحریک کے روح رواں تھے گرفتار کر لئے گئے اور انہیں دو دو سال کی قید بامشقت ہوئی۔

سول نافرمانی تحریک کو ملک میں سب سے زیادہ اہمیت ناگپور ہی میں ملی اور ناگپور سے ہی یہ جذبہ ملک کے کونے کونے میں پھیلا۔ گاندھی جی کو اس بات کا اچھی طرح علم تھا کہ ناگپور اور ودربھ کے علاقے عوامی رائے ہموار کرنے میں پیش پیش ہیں۔ اسی وجہ سے جب دوسری مرتبہ سول نافرمانی تحریک شروع ہوئی تو ناگپور سے تقریباً ڈیڑھ ہزار والنٹیروں نے اپنے آپ کو گرفتار کرایا۔ ناگپور اور ودربھ کا علاقہ گاندھی جی کو کچھ اس طرح بھایا کہ انہوں نے اپنی مستقل سکونت وردھا میں اختیار کر لی۔



لالہ لاجپت رائے ، لوکمانیہ تلک اور بپن چندر پال ۔

سنہ ۱۹۳۴ء تک گاندھی جی یہاں مقیم رہے ، اور اسی دوران انہوں نے سابرمتی آشرم کی طرز پر ایک آشرم "سیواگرام" قائم کیا۔ جس کی تعمیر میں جمنالال بجاج کا مکمل تعاون رہا۔ سنہ ۱۹۳۴ء سے وردھا اور سیواگرام ملک بھر کی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بن گئے ۔

ناگپور اور ودربھ میں سیاسی بیداری ملک کے دوسرے صوبوں کی بہ نسبت بہت زیادہ تھی ۔ جس کی ایک وجہ تو یہ رہی کہ گاندھی جی نے وردھا میں اپنا آشرم قائم کرلیا ، اور دوسرے یہ کہ شروع سے ہی یہاں کے عوام کانگریس ذہنیت سے متاثر تھے ، اور کانگریس کے ہر حکم پر اپنا سر خم کرلیتے تھے ۔

اسی علاقے سے تعلق رکھنے والے اچاریہ ونوبا بھاوے بھی ہیں ۔ جنہوں نے انفرادی ستیہ گرہ تحریک کی بنیاد ۱۷ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء کو ڈالی اور عوام کو ذہن نشین کرایا کہ جنگ انسان کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے ۔ انفرادی ستیہ گرہ کا جذبہ یہاں سے شروع ہوکر تمام ملک میں پھیل گیا ۔

انڈین نیشنل کانگریس کا ناگپور میں سالانہ اجلاس تیسری مرتبہ ۳۸ سال بعد سنہ ۱۹۵۹ء میں منعقد ہوا۔ کانگریس کے ہر اجلاس کی طرح یہ اجلاس بھی پوری طرح کامیاب رہا۔ جس میں ملک کے رہنماؤں نے حصہ لیا۔ کیونکہ ناگپور کا یہ اجلاس ایک آزاد فضا میں ہوا تھا ۔ جہاں پر بدیسی حکمرانوں کی زیادتی نہیں تھی ۔ اس لئے اس اجلاس میں سب سے زیادہ توجہ پنج سالہ منصوبہ جات کی کامیابی پر مرکوز کی گئی ۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے بنگلور میں انڈین نیشنل کانگریس کے ۶۰ ویں اجلاس کے موقع پر یہ کہا تھا کہ .... سنہ ۱۹۵۹ء کے ناگپور کے سیشن کے موقع پر جو فیصلے کئے گئے تھے ان پر اس ایک سال کے دوران پوری طرح عمل آوری ہوئی ہے "

مطلب یہ کہ ناگپور کے اجلاس کی ہر طرح کی کامیابی کا وزیر اعظم نے اعتراف کیا تھا۔

ایم۔ اقبال
اسسٹنٹ ایگزامنر،
ای۔ بی۔ پی

کانگریس پر گاندھیائی اثرات

انڈین نیشنل کانگریس نے اپنی اثرانگیز تحریکات سے نہ صرف بھارت بلکہ عالمی تاریخ میں اپنی نوعیت کا ایک منفرد مقام پیدا کیا ہے۔ قومی تحریک کی علمبردار انڈین نیشنل کانگریس نے ۱۸۸۵ء سے ہندوستان کی سیاست پر نمودار ہوتے ہوئے ہندوستان پر سامراجی حکومت کے غلبے کو کمزور کرنا شروع کیا تھا۔

۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء کا زمانہ کانگریس کے لئے عالمی تاریخ مرتب کرنے کا دور تھا کیونکہ اسی زمانے میں بابائے قوم مہاتما گاندھی نے ستیہ گرہ کی تحریک کے ذریعے عدم تشدد پر قائم رہتے ہوئے حصول آزادی کی جدوجہد کی دنیا میں ایک نئی مثال قائم کی تھی۔ زیر نظر مضمون میں کانگریس پر گاندھیائی گاندھیائی اثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

کانگریس کا جنم

ہندوستان میں انگریزی دور حکومت میں کئی وقوع پذیر واقعات اور سیاسی وجوہات نے ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد ڈالی۔ بیرونی وجوہات میں سب سے زیادہ جس بات نے کانگریس کو اپنے نظریات اور پروگرام مرتب کرنے پر آمادہ کیا وہ تھا انگریزی دستور اور سامراجی نظام۔ چنانچہ ۱۸۸۶ء میں خود پنڈت مدن موہن مالویہ نے کانگریس کے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا "جب انگریز خود ایک نمائندہ جماعت کے بغیر اپنے وجود کا تصور نہیں کرتا تو پھر یہ انگریز ہم سے کیسی امید کر سکتے ہیں کہ ہم اپنے لئے بھی کوئی نمائندہ جماعت کی مانگ نہ کریں۔ کانگریس ہماری وہ نمائندہ جماعت ہے جس کے بنیادی دستور میں پارٹی کا موقف بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ یہ پارٹی ہندوستانی عوام کے لئے ایسے نظام حکومت کی حامی ہے جو کہ برطانوی حکومت کے خود مختار اراکین نے حاصل کی ہے۔"

کانگریس کے وجود کے کچھ عرصے بعد، خصوصاً ۱۹۰۵ء میں کانگریس پارٹی میں دو گروہ پیدا ہو گئے۔ ان میں ایک گروہ "اعتدال پسند" اور دوسرا گروہ "انتہا پسند" تھا۔ اعتدال پسند گروہ بہت عرصے تک کانگریس پر حاوی رہا۔ اس گروہ میں قابلِ ذکر رہنما وں میں راجہ رام موہن رائے، مہادیو گووند راناڈے، فیروز شاہ مہتا، سریندر ناتھ بنرجی اور گوکھلے اہم ہیں۔ اعتدال پسند گروہ نے یہ نظریہ اپنایا تھا کہ شہری حقوق اور خود مختار حکومت کے حصولِ مقصد کے لئے سیاسی جدوجہد دستور کے دائرہ میں رہ کر کی جانی چاہیئے۔ ایک اہم اعتدال پسند رہنما گوکھلے نے "ہندوستانی سماج کے خدمت گار (Servants of India) نامی جماعت کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے اپنے موقف کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمارا مقصد برطانوی نظام حکومت کی طرح یہاں بھی اپنی خود مختار حکومت کا قیام ہے جس کے لئے جدوجہد پُر امن ہو۔"

کانگریس کا دوسرا گروہ جو "انتہا پسند" کے نام سے مشہور تھا اس میں اہم اراکین بال گنگا دھر تلک، لالہ لجپت رائے، بی پن چندر پال اور اربندو گھوش شامل تھے۔ اس گروہ نے "سوراجیہ" کو اپنا مقصدِ عین بتاتے ہوئے "شیواجی" کو اپنا رہنما تسلیم کیا تھا اور اس نظریئے کو اپنایا تھا کہ انگریزوں سے عدم تعاون برتا جائے اور اپنے حقوق کے حصول کے لئے تشدد کا راستہ بھی اپنانے سے گریز نہ کیا جائے۔

کانگریس میں دیگر فرقوں کے علاوہ مسلمانوں نے بھی

ایک بڑی تعداد میں شرکت کی۔ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۲۱ء تک کانگریسی مسلمانوں میں کئی مشہور رہنما پیدا ہوئے۔ سرسید احمد خاں، امیر علی بدرالدین طیب جی، آر۔ ایم سیانی، مولانا ابوالکلام آزاد خاص طور سے کانگریس پر اثر انداز ہوتے اور اپنے اپنے حلقے میں مسلمانوں کو انڈین نیشنل کانگریس کے زیر سایہ منظم اور متحد کرنے کی کامیاب کوششیں کیں۔

مہاتما گاندھی اور کانگریس

کانگریس کے سیاسی افق پر مہاتما گاندھی کے نمودار ہوتے ہی انڈین نیشنل کانگریس کا نقشہ ہی بدل گیا۔ مہاتما گاندھی ہی وہ واحد شخصیت ہیں جو اپنی موت تک یعنی ۱۹۴۸ء تک نہ صرف کانگریس پر بلکہ ہندوستان کی سیاست پر چھاتے رہے۔ مہاتما گاندھی نے کانگریس میں اعتدال پسند اور انتہا پسندوں کا رسوخ ضائع کرتے ہوئے عدم تشدد کے ساتھ جدوجہد آزادی کی قیادت کی اور کانگریس میں ایک نیا نظریہ قائم کیا۔ مہاتما گاندھی نے خود اپنے الفاظ میں عدم تشدد کی اہمیت واضح کرتے ہوئے کہا تھا "انگریز حکومت سے عدم تعاون غلط نہیں ہے لیکن اس کے لئے تشدد کا راستہ جدوجہد آزادی میں محض ایک رکاوٹ ہے۔ تشدد ایک برائی ہے اور ایک برائی کئی برائیوں کو جنم دیتی ہے چنانچہ میری کوشش یہی ہے کہ میں اپنے ہم وطنوں کو عدم تشدد کی طرف راغب کروں کیونکہ عدم تشدد ہی کامیابی کا ضامن ہے۔"

مہاتما گاندھی کانگریس کے ایک اہم ستون ثابت ہوئے۔ انہوں نے صحیح طور سے ہندوستانی عوام کو سیاسی طور سے بیدار کیا۔ آپ ہی کے پیش کردہ نظریات کی بنا پر جدوجہد آزادی کے کانگریس کے پلیٹ فارم سے عوام اور رہنماؤں کے درمیان فاصلہ کم سے کم تر ہوتا گیا۔ ان ہی کے اصول کی وجہ سے ہندوستان کی دو بڑی قومیں ہندو اور مسلم اپنے اختلافات بھول کر متحد ہوئیں اور جدوجہد آزادی میں ایک دوسرے کے دوش بدوش شرکت کی۔ اس سلسلے میں مہاتما گاندھی نے صرف زبانی جمع خرچ نہیں کی بلکہ عملی ثبوت پیش کرتے ہوئے عدم تعاون کی تحریک کے ساتھ ساتھ تحریک خلافت کی کھل کر حمایت کی۔ مہاتما گاندھی نے کانگریس کو سب سے اہم نظریہ سوشلزم کا دیا چنانچہ آپ کے بعد بھی پنڈت جواہر لال نہرو نے کانگریس کے سوشلزم کے نظریے کو قائم رکھا۔

گاندھیائی اثرات کا ابتدائی دور

۱۹۲۰ء میں گاندھیائی دور کی ابتدا ہوئی۔ اس سے قبل تک کانگریس اعتدال پسند اور انتہا پسندوں کی کشمکش کا شکار تھی۔ چنانچہ کئی جگہوں پر کانگریس کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ سیاسی طور سے یہ دور بڑا نازک دور تھا۔ عوام متحد نہ تھے فرقہ واریت لسانی اختلافات عام تھے اور رہنما محض ایک تماشہ بنے ہوئے تھے۔ ایسے بحرانی دور میں ایک معجزہ رونما ہوا جب امرتسر میں ۱۹۱۹ء میں کانگریس کے سالانہ جلسے میں مہاتما گاندھی نے لسانی اختلافات کا خاتمہ کرتے ہوئے ہندی کو قومی زبان قرار دیا۔ مہاتما گاندھی کی اس بے باکی سے نہ صرف عوام بلکہ پال، مالویہ، جناح، کاپڑیہ، داس اور لالہ جی جیسے ایک دوسرے کے مخالف رہنما بھی متاثر ہوتے اور اپنے اختلافات بھول کر مشترکہ جدوجہد کا آغاز کیا۔ ستمبر ۱۹۲۰ء میں کلکتہ میں کانگریس کے خصوصی اجلاس اور ناگپور میں اسی سال کانگریس اجلاس میں مہاتما گاندھی نے ایک نئے انداز سے کانگریس پر اپنا اثر قائم کیا۔

مہاتما گاندھی سے قبل جو کانگریس محض "درمیانی طبقہ کی ایک مباحثہ کلب" تھی، مہاتما گاندھی نے اسے ایک عوامی جمہوری ادارہ کے سانچے میں ڈھال دیا۔ مہاتما گاندھی کے زیر اثر کانگریس کا عوام کے ساتھ نزدیکی رابطہ قائم ہوا اور اس کا پیغام ہندوستان کے ۷ لاکھ دیہاتوں کے کونے کونے تک پہنچا۔ یہ گاندھی جی کے اثرات تھے کہ کانگریس کے اصولوں کو ہندوستانی عوام کے سب سے بڑے طبقہ کسانوں نے بھی قبول کیا۔ مہاتما گاندھی کی مضبوط قیادت کی بدولت کانگریس کی نوعیت "برائے عوام" سے تبدیل ہو کر "عوام کا ادارہ" بن گئی۔

گاندھیائی نظریات

مہاتما گاندھی نے کانگریس میں کئی اہم نظریات کا اضافہ کیا۔ جس نظریے نے کانگریس کو سب سے زیادہ شہرت بخشی وہ تھا عدم تشدد اور ستیہ گرہ کا نظریہ۔ سوراجیہ کو مقصد معین قرار دیتے ہوئے گاندھی نے دنیا کو سچائی (ستیہ) کا راستہ دکھایا۔ آپ نے سچائی کے حصول کے لئے عدم تشدد کو ضروری قرار دیا اور اس نظریئے کا عملی ثبوت پیش کیا۔

فرقہ واریت، لسانی اختلافات اور چھوت چھات کا خاتمہ یہ تمام گاندھیائی نظریات کا عملی نمونہ ہیں جنہوں نے کانگریس پر ایک دائمی اثر قائم کیا اور کانگریس کو تقویت بخشی۔



نہرو ۔ گاندھی

مہاتما گاندھی کے بعد

جواہر لال نہرو، مہاتما گاندھی کے بعد وہ شخصیت ہیں جنہوں نے ۲۰ ویں صدی کے کانگریس پر گاندھیائی اثرات اور نظریات کو قائم رکھا۔ صحیح معنوں میں خود گاندھی جی نے جواہر لال نہرو کو اپنے جانشین کے طور پر تسلیم کیا تھا۔ چنانچہ جواہر لال نہرو کے زیر قیادت کانگریس نے جدید ہندوستان کی تعمیر شروع کی لیکن ان ہی اصولوں پر قائم رہ کر جو مہاتما گاندھی نے کانگریس کو عطا کئے تھے۔

شریمتی اندرا گاندھی

کانگریس کے گاندھیائی نظریات عالم گیر سطح پر صحیح معنوں میں شریمتی اندرا گاندھی کے زیر قیادت مقبول عام ہوتے اس کا مشاہدہ دنیا نے اس وقت کیا جب شریمتی اندرا گاندھی کو ناوابستہ ممالک کی کانفرنس کا صدر چُنا گیا شریمتی اندرا گاندھی نے کانگریس کی قیادت کرتے ہوئے گاندھیائی نظریات اور پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا۔ خود اپنے ملک میں ان نظریات کو عام کرنے میں کامیاب ہوئیں ۔ مہاراشٹر میں وردھا اسکیم، شراب بندی، چھوت چھات کا خاتمہ، بندھوا مزدوری کا خاتمہ، تعلیم بالغان جیسی باتوں کو قانونی شکل دے کر شریمتی اندرا گاندھی نے گاندھیائی اصولوں کو عملی جامہ پہنایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانگریس کے ان گاندھیائی نظریات کو عوام نے اس طرح قبول کیا جس طرح مہاتما گاندھی کے دور میں قبول کیا تھا اور نہ صرف شریمتی اندرا گاندھی کو کانگریس کے ٹکٹ پر دوبار چناؤ میں کامیاب کیا بلکہ ملک بھر میں کانگریس کی اکثریت قائم کر دی ۔

راجیو گاندھی

آج شریمتی اندرا گاندھی کے بعد ہمارے ہر دلعزیز رہنما شری راجیو گاندھی نے بڑے ہی نازک دور میں کانگریس کی قیادت کا بوجھ سنبھالا ہے ۔ شریمتی اندرا گاندھی کی ناگہانی موت کے بعد راجیو گاندھی کی قیادت کو جب مخالفین ڈکیٹرشپ قرار دے رہے تھے نوجوان راجیو گاندھی نے تمام خطرات مول لیتے ہوئے گاندھی جی کے جمہوری نظریہ پر عمل کیا اور عام انتخابات کروائے۔ اس عمل نے عوام کو اتنا متاثر کیا کہ کانگریس نے ایک بار پھر مضبوط قیادت کے ساتھ ملک میں ابھر کر آئی ۔

دورِ جدید میں راجیو گاندھی نے مہاتما گاندھی کے زرین اصولوں کو اپنا موقف ٹھہراتے ہوئے ایک بار پھر کانگریس کو مضبوط قیادت بخشی ہے۔ عدم تشدد کا وہ پیغام جس نے مہاتما گاندھی کے دور میں ہندوستانی عوام کو متاثر کیا تھا ۔ آج وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کے غیر ملکی دوروں کے ذریعے دنیا کے کونے کونے میں پہنچ رہا ہے آج دنیا کا طاقت ور ترین ملک بھی گاندھی جی کے نظریہ عدم تشدد کو اہمیت کو تسلیم کر رہا ہے اور راجیو گاندھی کے ساتھ ساتھ دنیا کے تمام سربراہان مملکت اس بات پر متفق نظر آرہے ہیں کہ ایٹمی دھماکوں اور جنگی ہتھیاروں کی زور آزمائی کی بہ نسبت عدم تشدد کا راستہ ہی صحیح معنوں میں عالمی امن کا ضامن ہے ۔

★ فاروق احمد چھوٹانی

ایک سچّا کانگریسی: حاجی میاں چھوٹانی

دیش کی آزادی کی جانب جلنے والے پُرخطر اور پُرخار راستے پر ایسی متعدد اعلیٰ و پاکیزہ لیکن فراموش کردہ ہستیوں کے نقشِ قدم نظر آتے ہیں۔ جنہوں نے اپنا سب کچھ صرف اس مقصد کے لئے نچھاور کردیا کہ ہم وطنوں کو غلامی سے نجات ملے۔ وہ آزاد فضا میں سانس لے سکیں۔ ایسی ہی ایک ہستی جناب حاجی میاں محمد چھوٹانی کی تھی۔ جو ۱۰ر نومبر سنہ ۱۸۷۳ء کو بمبئی کے میمن برادری کے ایک سربرآوردہ اور ممتاز تاجر خاندان میں پیدا ہوئے، اور اپنے والد جناب حاجی جان محمد چھوٹانی کا سایہ سر سے اُٹھنے پر اپنے چھوٹے بھائی میاں احمد چھوٹانی کے ساتھ خاندان کے عمارتی لکڑی کے کاروبار کو سنبھالا۔ اس بیوپار میں حیرت انگیز ترقی کی اور لکڑیوں کے "شاہ تاجر" کے نام سے مشہور ہوئے۔

حکومت برطانیہ کی جانب سے سارے ہندوستان کے ریلوے کے لئے لکڑی کے سلیپر سپلائی کرنے کا ٹھیکہ ملا۔ ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں دفاتر قائم ہوئے۔ برما اور کیرالا میں جنگلات خریدے گئے۔

حاجی میاں محمد چھوٹانی کی عظمت و امارت کا یہ عالم تھا کہ چھوٹانی برادران کے ریلوے کے سفر کے لئے "اسپیشل چھوٹانی کوچ" کا حکومتِ برطانیہ نے اہتمام کیا تھا۔

سنہ ۱۹۱۲ء میں حاجی میاں محمد چھوٹانی، بمبئی میونسپل کارپوریشن کے ممبر منتخب ہوئے۔ ایجوکیشن کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے نمایاں کارنامے سرانجام دیئے۔

کارپوریشن میں ایک ممبر نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ پارسیوں کو "بنگلی" کے ذریعے آخری رسوم ادا کرنے سے روکا جائے اور انہیں تدفین کی رسم ادا کرنے پر مجبور کیا جائے۔

حاجی میاں محمد چھوٹانی نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی اور فرمایا کہ کسی فرقہ کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانا ایک

نقصانِ عظیم ہے۔ نتیجتاً وہ تجویز رَد ہوگئی۔ پارسی قوم کے افراد سینکڑوں کی تعداد میں آئے تھے۔ جب موصوف کارپوریشن بلڈنگ سے باہر آئے اور اپنی دو گھوڑوں کی گاڑی میں سوار ہوئے تو پارسیوں نے کوچوان سے کہاکہ گھوڑوں کو گاڑی سے علیحدہ کردے۔ کیونکہ پارسی برادری کے نوجوان گاڑی کو کھینچ کر میاں محمد چھوٹانی کو گھر پہنچائیں گے۔ لہٰذا جلوس کی شکل میں اور نعروں کی گونج میں انہیں میمن واڑہ روڈ کی رہائش گاہ پر پہنچا یا گیا۔ یہ پارسیوں کا احسان اَدا کرنے کا طریقہ تھا۔

جولائی ۱۹۲۱ء میں بمبئی میں پرنس آف ویلس کی آمد پر فسادات پھوٹ پڑے تھے۔ آنجہانی صدر جمہوریہ ہند شری راجندر پرشاد نے اپنی نوشتہ "آتم کتھا" میں حاجی میاں محمد چھوٹانی کی معہ شنکر لال بینکر، اور عمر سبحانی کی کوششوں کو، فساد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی تعریف کی ہے۔ مہاتما گاندھی کی حمایت خلافت تحریک کے لئے ہندو مسلم اتحاد کے لئے نیک شگون تھا۔

حاجی میاں محمد چھوٹانی آل انڈیا سینٹرل خلافت کمیٹی کے صدر ۱۹۲۱ء میں منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۳ء تک چار سال میں علی برادران اور دیگر ساتھیوں کی مدد سے، ۵۶ لاکھ روپے جمع کرنے کا ریکارڈ قائم کیا۔ ۱۰ لاکھ روپے مصطفےٰ کمال پاشا کو بھیجے گئے۔ ۳۰ لاکھ روپے ہندوستان اور بیرونی ممالک میں داخلی اور خارجی پروپیگنڈے پر خرچ کیے گئے۔ ۱۶ لاکھ روپے حاجی میاں محمد چھوٹانی کی تحویل میں خلافت کمیٹی کی تجویز کے مطابق رکھے گئے۔ خلافت کے لیڈروں نے برطانیہ کی ہندوستانی فوج میں شامل مسلمان پلٹن کو اپنے اثر و رسوخ میں لے لیا تھا۔ برطانوی حکومت کو تشویش پیدا ہوگئی اس لئے ہندوستان کو وائسرائے لارڈ ریڈنگ کے مشورے کے مطابق برطانیہ کے وزیر اعظم لائڈ جارج نے ہندوستان کی صورتِ حال پر بات چیت کرنے کے لئے ہندوستانی مسلمانوں کے وفد کو لندن بلایا تھا، جس میں صدر حاجی میاں محمد چھوٹانی، دہلی کے ممتاز رہنما ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حسن امام، وغیرہ شامل تھے۔ مگر پہلے وفد کی طرح یہ وفد بھی کچھ حاصل کئے بغیر خالی ہاتھ واپس آیا۔

حاجی میاں محمد چھوٹانی، مہاتما گاندھی کے معتمد اعلیٰ تھے۔ گاندھی جی کی "عدم تعاون تحریک" اور "سودیشی تحریک" میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ مورخہ ۲۲ ر اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ایک خط میں آپ نے مہاتما گاندھی کو پانچ ہزار چرخوں کی پیشکش کی تھی، اور لکھا تھا کہ ......

"میرا خاندان سودیشی تحریک میں پیش پیش ہے، اور پانچ ہزار چرخے "انجمن ھلائے میمن" کی جانب سے مُفت تقسیم کئے جائیں گے"

مزید ایک لاکھ چرخوں کی پیشکش کرتے ہوئے لکھا کہ.....

"میں چاہتا ہوں کہ سودیشی تحریک مقبول ترین ہو"

آپ بذاتِ خود کھدّر پوش رہتے تھے، اور جملہ خاندان کے افراد کو کھدّر پہننے کی تلقین کرتے تھے۔ لہٰذا جملہ خاندان کے افراد کھدّر پہنتے تھے اور چرخہ چلاتے تھے۔ عید کے موقع پر بھی خاندان کے ہر فرد کو کھدّر پہننے کا حکم دیا تھا، اور فرمایا تھا۔

"عید کے دن کھدّر کے کپڑے نہیں پہنوگے تو میں آپ لوگوں سے عید نہیں ملوں گا"

اُس زمانے میں ایک نظم بہت ہی مشہور تھی۔ جس کا ایک مصرعہ تھا ؎

میں مرجاؤں تو مرکر بھی کفن میرا سودیشی ہو

پیری روڈ، باندرہ کے بنگلہ میں ولی محمد گھابوٹیا جو وہاں رہتے تھے۔ اس طرح وصیّت کرکے اِنتقال کرگئے کہ ان کا کفن کھدّر کا ہو۔ لہٰذا مرحوم کو کھدّر کے کفن میں سُپردِ خاک کیا گیا۔

مہاتما گاندھی، موتی لال نہرو، شریمتی سروجنی نائیڈو، علی برادران، مولانا ابوالکلام آزاد جب بھی بمبئی آتے تو چھوٹانی خاندان کے ہی پیری روڈ، باندرہ کے بنگلہ میں مہمان بنتے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان کا بنگلہ ہر قسم کے اربابِ سیاست کے لئے خفیہ مذاکرات، مباحث کا مرکز تھا۔ جہاں ہندوستان کی قسمت اور قوم کے مستقبل کے بارے میں فیصلے کئے جاتے تھے۔ حاجی محمد چھوٹانی آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ایگزیکیٹو ممبر بھی تھے۔

حاجی میاں محمد چھوٹانی اِس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ خلافت، عدم تعاون اور سودیشی تحریکیں برطانوی

سامراجیت کے خلاف شروع کی گئی تھیں، اور ایک سرکاری ٹھیکیدار کی حیثیت سے ان تحریکوں سے وابستگی اُن کے حق میں مفید نہ تھی۔

مذکورہ تحریکوں میں ان کی شمولیت نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ برطانوی استعماریت کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ حکومت نے ان کو خریدنے کے لئے زبردست رشوت پیش کی، اور وہ یہ کہ زندگی بھر ریلوے کے ٹھیکے کے علاوہ انہیں "نائٹ" کا خطاب دیا جائے گا۔ جو ان دنوں بہت بڑا اعزاز تھا لیکن شرط یہی تھی کہ ان تحریکوں سے الگ ہو جائیں ...... لیکن حاجی میاں محمد چھوٹانی اپنی جگہ پر ثابت قدمی سے جمے رہے۔ چنانچہ حکومتِ برطانیہ نے ان کے سرکاری ٹھیکے منسوخ کر دیئے۔ سیوڑی بمبئی میں "چھوٹانی سومل" مع اسباب کے نذرِ آتش کر دی گئی۔

خلافت کمیٹی کا سولہ لاکھ روپے جو ان کی تحویل میں تھا وہ بھی جل کر خاک ہوگیا۔ آپ نے خلافت کمیٹی کے سولہ لاکھ روپے وکٹوریہ سومل، چھوٹانی سومل، معہ زمین، بنگلہ، مشینری، کاروار کے جنگلات میں لکڑیوں کے ذخیرے، ہارڈ ویر کا اسٹاک، بورڈ کے حوالے کر دیا، جو عمر سبحانی، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولوی محمد علی، مولوی معظم علی، مولوی تصدق احمد خان شیروانی پر مشتمل تھا۔

بورڈ نے بازار میں ۱۶ لاکھ روپے کی قیمت لگوا کر اپنی تحویل میں لے لیا۔ ۳۰ مارچ ۱۹۲۴ء کو کمال پاشا نے ترکی میں خلافت ختم کر دی۔

علامہ اقبال نے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ؎

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

حاجی میاں محمد چھوٹانی، موتلی بائی اسٹریٹ، بائیکلہ کے ایک فلیٹ میں منتقل ہو گئے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

"نہرو رپورٹ"، پر مسلمانوں میں بے چینی پھیل گئی۔ لہٰذا ایک جلسہ آزاد میدان بمبئی میں غلط فہمیاں دُور کرنے کے لئے منعقد کیا گیا تھا۔ پنڈت موتی لال نہرو، خان عبدالغفار خان، اور منی بین کارا موتلی بائی اسٹریٹ کے فلیٹ پر حاجی میاں محمد چھوٹانی کے پاس آئے اور اصرار کیا، کہ آپ آزاد میدان کے جلسہ میں تقریر کریں۔

آپ نے آزاد میدان کے عظیم الشان جلسہ میں بڑی مؤثر تقریر کی۔ مسلمانانِ ہند نے انہیں ناصر الاسلام کے لقب سے نوازا تھا۔

حاجی میاں محمد چھوٹانی ہلائی میمن چھوٹانی جماعت کے بانی صدر تھے۔ بابا عبدالرحمٰن شاہ بابا کی درگاہ تعمیر کروا کے ایک ٹرسٹ قائم کیا۔ مینارہ مسجد جسے آپ کے دادا ہاشم چھوٹانی نے تعمیر کروایا تھا اس کے مینجنگ ٹرسٹی ۲۰ سال تک رہے۔ آپ نے برسوں قوم کے ہونہار اور ضرورت مندوں کے لئے اسکالرشپ کی شکل میں خطیر رقم اعانت کی۔ میمن واڑہ روڈ پر قوم کے لئے ایک دواخانہ قائم کیا۔ اس کے علاوہ دہلی کے طلبہ کالج کے لئے دس ہزار روپے کی خطیر رقم کا عطیہ دیا۔

۱۹۱۹ء میں، بمبئی میں "چلڈرنس ویلفیئر" فنڈ میں آپ نے تین موتیوں کے قیمتی ہار جن کی مجموعی مالیت تقریباً ۱۸ ہزار روپے تھی، عطیہ کے طور پر دیئے۔

۱۹۳۲ء میں ناصر الاسلام حاجی میاں محمد چھوٹانی کا زیارت خانۂ کعبہ کا سفر ان کی زندگی کا آخری سفر تھا ــــ ۳۰ جون ۱۹۳۲ء کو مدینہ منورہ میں جاں بحق ہوئے، اور جنت البقیع میں حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی قبر کے پاس ان کے جسدِ خاکی کو سپردِ خاک کیا گیا۔

مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے اپنے اخبار "سچ" میں، پنڈت نہرو نے اپنی کتاب "ڈسکوری آف انڈیا" اور مولانا ابوالکلام آزاد نے "انڈیا ونس فریڈم" میں دھرتی کے سپوت حاجی میاں محمد چھوٹانی کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

● ●

آپ سے گذارش ہے

خط و کتابت کرتے وقت، یا رقم خریداری بھیجاتے وقت اپنا پتہ، خط اور منی آرڈر کوپن پر صاف صاف ضرور لکھیں۔ تخلیقات روانہ فرماتے وقت ابتدا میں نام اور پتہ لکھنا نہ بھولئے۔ بشرطِ ممکن اپنا نام اور پتہ پن کوڈ نمبر کے ساتھ انگریزی، مراٹھی، یا ہندی میں بھی لکھیں تاکہ صحیح اندراج کیا جا سکے اور کسی غلطی کا امکان نہ رہے۔

(ادارہ)

ایشور راج ماتھر

آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی.....

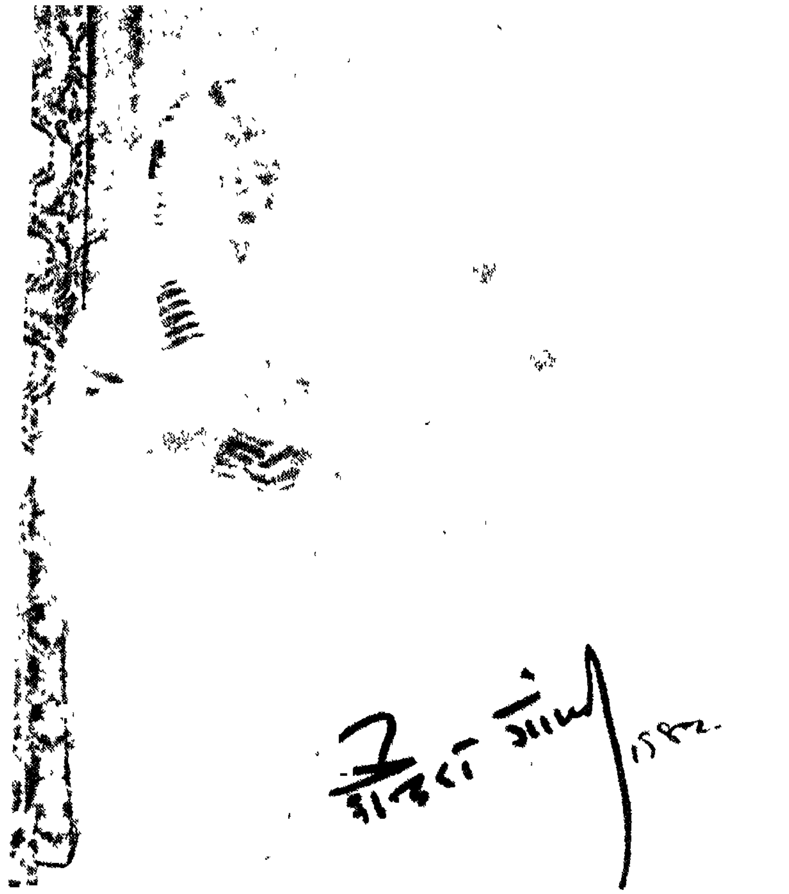
بطور نجات دہندہ!

جس طرح ایک ماں کو اپنی اولاد سے فطری طور پر والہانہ محبت ہوتی ہے اور وہ اپنی اولاد کی ترقی، صحتمندی خوشحالی کی فکر میں لگی رہتی ہے۔ اسی طرح اندرا جی کو ہندوستان کی فلاح و بہبود، ترقی، صحت مندی کی نہ صرف فکر تھی، بلکہ ہمیشہ اسی لگن میں لگی رہتیں کہ ملک و قوم کو کس طرح جلد از جلد ترقی کی راہ پر لا کھڑا کریں۔ انہوں نے اپنی زندگی ملک و قوم کی خدمت کے لئے وقف کردی۔ نہ اپنی ذاتی صحت کا خیال کیا اور نہ اپنی جان کی پرواہ کی۔ دھمکیوں، دباؤ کے باوجود ہندوستان کی سالمیت، عوام کی خوشحالی اور قومی وقار کو بلند سے بلند تر کرنے میں لگی رہیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اندرا جی نے ایک عام جلسہ میں اعلان کیا تھا اگر میرے خون کا ایک ایک قطرہ ملک اور قوم کی خدمت میں کام آئے تو مجھے فخر ہوگا۔ حیف صد حیف کہ ہندوستان کی اس مایہ ناز خاتون کو ایک بزدل قاتل کی گولیوں کا شکار ہونا پڑا۔ انہوں نے جان کی قربانی دی لیکن ملک اور قوم کی آن بان شان میں رتی برابر فرق نہ آنے دیا۔

جس وقت اندرا جی نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ ملک ایک بحرانی کیفیت سے گذر رہا تھا۔ ملک دشمن عناصر، اندرون ملک انتشاری کیفیت پیدا کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ ہر طرح کی کوشش کی جارہی تھی کہ حکومت establise نہ ہوجائے۔ افراتفری پھیلے۔ معاشی الجھنیں پیدا ہوں۔ ہمسایہ ملکوں کی طرف سے نہ صرف ان انتشاری طاقتوں کو مالی اور فوجی امداد ملتی رہی بلکہ ہمسایہ ملک اپنی فوجی طاقت کا بھی مظاہرہ کررہے تھے تاکہ ہماری ساری توانائیاں اور سرمایہ فوجی اور دفاعی سازوسامان خرید کرنے میں صرف ہوجائیں، اور ہندوستان کی ترقی رک جائے۔ معاشی پستی آجائے، سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہندوستان جس تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا اس میں رکاوٹ پیدا ہوجائے اور ہمارا مالیاتی نظام درہم برہم ہوجائے، اور ہندوستان دوسرے غیر ترقی یافتہ ملکوں کی طرح بڑی طاقتوں کے چنگل میں پھنس جائے اور ملک کی جغرافیائی سالمیت، خود داری اور وقار کو دھکا پہنچے۔

دشمنوں کے یہ سب منصوبے اندرا جی کی بین الاقوامی شخصیت اور شہرت ان کے تدبر اور دوراندیشی و حکمت عملی کی وجہ سے ناکام ہوئے۔ انہوں نے معاشی اور مالیاتی معاملات کے سلسلے میں ٹھوس قدم اٹھائے۔ صنعتی ترقی، سائنس اور ٹیکنالوجی، معاشی و مالیاتی نظام کو Re organise کرکے، صنعتی اور زرعی پیداوار کو بڑھا کر اور ملک کو خود مکتفی بنا کر اور قومی یکجہتی کی جڑوں کو مضبوط بنا کر ہندوستان کے موقف کو اس قدر مستحکم بنایا کہ دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ ہندوستان کی طرف بری نظر اٹھا کر دیکھنے کے قابل نہ رہے۔

شریمتی اندرا گاندھی نے ملک کے لئے جو خدمات انجام دی ہیں ان کو تین حصوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ سماجی، معاشی اور سیاسی۔ یہ ان کا یقین تھا کہ جب تک ملک سے غریبی دور نہیں ہوتی، خاطر خواہ ترقی ممکن نہیں۔ اس لئے سب سے پہلے انہوں نے اپنی خاص توجہ چھوٹے کسانوں، چھوٹے ادیوگ دھندوں میں کام کرنے والے self employed، دیہی صنعتوں کے بے زمین مزدوروں وغیرہ یعنی غریبی کی سطح سے نیچے رہنے والوں کو،



شری الیشوراج مانتر سابق ڈائریکٹر مہاراشٹر انفارمیشن سینٹر نئی دہلی، سورگباشی شریمتی اندرا گاندھی کو ان کی سالگرہ کے روز ۱۹ نومبر ۱۹۷۶ء کو پورٹریٹ پیش کررہے ہیں جس میں اندرا جی نوگزی مہاراشٹرین ساڑھی مہاراشٹرین ڈھنگ سے پہنے ہوئے تھیں۔



معاشی پستی سے نکال کر خوش حال زندگی بسر کرنے کے قابل
بنانے کی اسکیمیں بنائیں۔ اندرا جی کا بیس نکاتی پروگرام ایک
دُور اندیشانہ قدم تھا۔ اس سلسلہ میں دو اہم قدم اُٹھائے
گئے۔ سب سے پہلے تو بینکوں کو قومیایا گیا۔ اب تک جو
غریب طبقے بینکوں سے پونجی حاصل نہ کر سکتے تھے۔ ان کو
اب بغیر کسی ضمانت کے قرض مہیا ہونے لگا۔ چھوٹے چھوٹے
دھندے کرنے والے لوگ جیسے لوہار، بڑھئی، چھوٹے
دکان دار، چھوٹی موٹی ورکشاپ کے مالک، بنکر، ہینڈلوم
میں کام کرنے والے، چرم کا کام کرنے والے، چھوٹے کسان
وغیرہ، اب اپنے دھندوں کو ترقی دینے اور غریبی کی سطح
سے اوپر آنے کے راستہ پر گامزن ہوئے۔ یہ قدم اس
لئے اٹھایا گیا کہ بیج ورشی یوجناؤں سے ان غریب طبقات کو
خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچ رہا تھا — اسی کے ساتھ
Integrated Rural Development
پروگرام شروع کیا گیا۔ چنے ہوئے دیہی علاقوں میں اس پروگرام
کے تحت ہمہ جہت ترقی کا بندوبست کیا گیا۔ اس پروگرام
کے تحت دیہی صنعتوں، پینے کے پانی کا انتظام، کھاد، بیج،
دوا جراثیم کش ادویات اور سینچائی کے ذرائع مہیا کیے گئے۔
چونکہ ہماری آبادی کے ۷۵ فیصد لوگ دیہاتوں میں رہتے
اس لئے ان دیہی علاقوں کے لوگوں کو خصوصی توجہ کے ذریعہ
معاشی خوش حالی کے راستہ پر گامزن کرنا ضروری ہو گیا تھا۔
اندازہ لگایا گیا ہے کہ تقریباً دو کروڑ لوگ ان اسکیموں سے
فائدہ اٹھا سکے، اور وہ اب معاشی پستی سے نکل کر خوشحالی
کے راستے پر آچکے ہیں۔

شریمتی گاندھی نے یہ محسوس کیا کہ جب تک
ہندوستان زرعی اعتبار سے اور غذائی محاذ پر خودکفیل
نہیں ہوتا اور غلہ بیرونی ممالک سے غیر ملکی زرمبادلہ
خرچ کر کے درآمد کیا جاتا رہے گا، ترقی اور خوشحالی ممکن نہیں
انہوں نے زرعی محاذ پر ریسرچ کی اہمیت پر زور دیا
اور انڈین کونسل آف اگریکلچر اینڈ پیسٹ کنٹرول
کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ ریسرچ کے ذریعہ ایسے اجناس
کی قسمیں بڑھائیں جو کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ
پیداوار دے سکیں۔ جوار، باجرا، مکئی اور چاول کے اگانے

میں خاص ریسرچ کیا گیا۔ ہمارے زرعی سیاست دانوں نے
ملک کی آب وہوا، مٹی اور دوسرے موسمی حالات کو،
پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے اقسام ڈھونڈ نکالے جو کیڑوں
اور جراثیم سے بچنے کی صلاحیت رکھتے تھے، اور کم سے کم
پانی میں بھی نشو و نما پا سکتے تھے، اور ہر ایکڑ میں پیداوار
دوگنی ہو سکتی تھی۔ اسی کے ساتھ کسانوں کو عمدہ بیج، زرعی
کھاد، کیڑے مکوڑوں سے بچانے کی ادویات اور وقت
پر — قرض کی فراہمی وغیرہ ایسے اقدامات تھے جس سے
دیہی علاقوں میں ایک نیا اعتماد، ایک نئی اُمنگ اور خوشحالی
کی نئی لہر دوڑ گئی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسان دل لگا کر محنت کرنے لگے
دوہری زمین (Double croping) اور بڑھتی ہوئی پیداوار
سے مستفید ہوتے رہے۔ سارا ملک تھوڑے ہی عرصہ میں
غذائی معاملوں میں خودکفیل ہو گیا اور اب وہ اس قابل
ہے کہ دوسرے ملکوں کو اناج برآمد کر سکتا ہے۔ اندرا جی
دُور اندیشی، تدبر اور اسکیموں کو پوری طرح سے لاگو کر کے
شہری اور صنعتی انقلاب کے ساتھ ساتھ دیہی علاقوں
میں ایک نیا معاشی انقلاب لایا جس کو Green
Revolation کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔
اس "سبز انقلاب" کے ساتھ ساتھ
اندرا جی نے دیہی خوشحالی کے لئے National Dairy
Development Corporation کے ذریعے دُودھ کی پیداوار میں حیرت انگیز
اضافہ کی بنیاد ڈالی۔ قومی سطح پر National Dairy
Devolopment Corporation اور ریاستی سطح
پر اسٹیٹ Dairy Devolopment Corporation کے ذریعہ
دُودھ کی پیداوار میں اضافہ کیا اور دُودھ سے بنی ہوئی
چیزیں مثلاً پنیر، مکھن، اور گھی کی پیداوار میں اضافہ ہوا اور
مناسب داموں پر یہ چیزیں دستیاب ہونے لگیں۔ اسی
کے ساتھ مرغی پالن، مچھلی پالن اور چھوٹی چھوٹی گھریلو صنعتوں
کی طرف خاص توجہ کی گئی۔ جس کی وجہ سے دیہی علاقوں میں
معاشی خوش حالی کے نئے دروازے کھل گئے۔ غذائی
طور پر خودکفیل ہو جانے سے کروڑوں روپیوں کا Foreign
Exchange جو غذائی درآمد پر خرچ ہو رہا تھا اب اسی

رقم کو سائنسی اور ٹیکنالوجی ریسرچ کے ذریعہ عام آدمی کے فلاحی کاموں پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

غرضیکہ اندرا جی کی قیادت میں ایسی غیر معمولی ترقی زراعت، صنعت، سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہوئی کہ ترقی یافتہ ممالک اور بڑی طاقتیں اس حیرت انگیز ترقی کو دیکھ کر حسد کرنے لگیں۔ اس دور میں ہندوستان کے G.N.P میں چھ یا سے سات فیصد اضافہ ہوا۔ جو قابلِ ستائش ہے۔

انتہائی دور اندیشی، خود اعتمادی اور حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے اندرا جی نے مدبرانہ پالیسیوں کو اپنایا۔ ملک میں انتشاری کیفیت کو سر اٹھانے نہ دیا — پنجاب اور آسام میں انتشاری طاقتوں کو قابو میں رکھا۔ ملک کے دفاعی معاملات کو اسی سطح پر برقرار رکھا کہ کوئی ملک ہندوستان کو کمزور نہ سمجھے اور نہ بری نیت سے ہمارے ملک کی طرف نگاہ اٹھائے۔ عصری اسلحہ، دفاعی ساز و سامان اور ہتھیار بنانے میں ہندوستان کو دیگر ممالک پر انحصار کرنے کی بجائے اندرون ملک میں اپنی ہی فیکٹریوں میں تیار کرنے کا بندوبست کیا اور ہندوستان کو اس قابل بنایا کہ دفاع اور ہتھیار بنانے میں ملک خود کفیل ہو جائے۔

اندرا جی کی بین الاقوامی شخصیت اور ان کی پالیسی کچھ ایسی رہی کہ بڑی طاقتیں جو دوسرے چھوٹے چھوٹے ملکوں میں مقامی حکومتوں کا تختہ الٹنے، انقلاب پیدا کرنے اور سماجی اور سیاسی صورتِ حال کو زیادہ پیچیدہ بنانے میں کامیاب ہوئیں۔ وہ بھی ہندوستان کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں۔ اندرا جی کی پر اثر، رعب دار بین الاقوامی شخصیت تھی۔

اس سلسلہ میں اندرا جی کا سب سے بڑا کارنامہ تیسری طاقتوں کی اہمیت، افادیت اور بین الاقوامی سطح پر ان کا اثر و رسوخ کو بڑھاوا دینا ہے۔ ان کی شخصیت نڈرپن، اور تدبر کو اس وقت بین الاقوامی پہچان ملی جبکہ ان کو (N. A. M) میں ناوابستہ ممالک کی کانفرنس میں متفقہ طور سے صدر منتخب کیا گیا۔

دنیا کی تقسیم جو عام طور پر امریکی اور روسی بلاکس میں ہو چکی تھی۔ اب تیسری دنیا کو ایک خاص جگہ حاصل ہوئی۔ N.A.M. کی صدارت قبول کر کے انہوں نے روس اور امریکہ پر یہ واضح کر دیا کہ سیاسی اور معاشی معاملات میں تیسری دنیا کے لوگ بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ تیسری دنیا کے قائد کی حیثیت سے اندرا جی نے پیچیدہ بین الاقوامی مسئلوں مثلاً ایران۔ عراق جنگ، جنوبی افریقہ اور افغانستان اور نکاراگوا کو عالمی جنگ کے مرکز بننے سے روکا، اور ان کو مقامی معاملات تک محدود رکھا۔ دنیا کی امن قائم رکھنے اور ایٹمی جنگ سے نجات دلانے میں اندرا جی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ CHOGAM اور ایشیائی گیمس کے انعقاد سے ہندوستان کی قابلیت اور قیادت کا لوہا ساری دنیا سے اندرا جی نے منوایا۔

نہ صرف ہندوستانی عوام بلکہ ساری دنیا کے امن پسند اور ترقی پسند عوام اندرا جی کے شکرگذار ہیں کہ انہوں نے ایٹمی جنگ کے خوفناک نتائج، اور بربادی سے انہیں بچا لیا۔ عالمی امن کی برقراری اور پرامن ترقی کی تاریخ میں اندرا جی کا نام سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔



ایم۔ ایچ۔ شیخ



مولانا ابوالکلام آزاد
صفِ اوّل کے سیاستداں

انڈین نیشنل کانگریس کی تخلیق ۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء کو مسٹر اے۔ ہیوم کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ وہ ایک وسیع النظر انگریز تھے اور نہایت آزاد خیال لیکن انسانیت نواز تھے۔ کانگریس کی تخلیق کے جرم میں حکومتِ انگلشیہ نے انہیں حکومت سے علیحدہ کر دیا تھا۔ پھر اسی تاریخ کو اس کا سالانہ اجلاس مختلف شہروں میں ہوتا رہا جس میں ملک کے اطراف سے نمائندگان شرکت کرتے تھے۔ ان اجلاسوں میں مختلف تجویزیں پاس ہوتیں اور وائسرائے کو بھیج دی جاتی تھیں۔ حکومت انہیں کبھی کبھی منظور کرتی۔ کانگریس کی تخلیق کے کوئی تین سال بعد یعنی ۱۸۸۸ء میں مولانا آزاد کی پیدائش مکہ معظمہ میں ہوئی۔ انڈین نیشنل کانگریس کے تاریخی کارناموں میں تحریک سے آزادی تک مولانا آزاد، جواہر لال نہرو اور گاندھی جی کا زبردست حصہ رہا ہے۔

مولانا آزاد کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ ماں، بہنوں، بھائیوں نے عربی اور اردو میں ان کی تعلیم پر پوری توجہ دی۔ مدرسے کی باقاعدہ تعلیم مکہ معظمہ میں ہی پیدائش کے چار پانچ سال بعد شروع ہوئی۔ مولانا آزاد نے عربی کے علاوہ فارسی اور اردو میں بھی اچھی استعداد بہم پہنچا لی کیونکہ ان کی والدہ صرف عربی جانتی تھیں اور بہنیں اردو سے بھی واقف تھیں۔ فارسی کی ابتدا ان کی خالہ نے کر دی تھی۔

پہلا ہفتہ وار اخبار جسے خود مولانا آزاد ایڈٹ کیا کرتے تھے "المصباح" تھا لیکن یہ اخبار کچھ عرصے بعد بند ہو گیا۔ اس کے بعد "رسالہ محمدیہ" اور "خدنگ نظر" کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دیئے۔ اسی اثنا میں مولانا نے انگریزی کی ضرورت کے مطابق تعلیم بھی حاصل کر لی تھی۔ آپ مشق سخن بھی فرماتے تھے اور شعر و شاعری کی مجلسوں میں بھی شریک ہوتے تھے۔

۱۹۰۳ء تک مولانا تعلیم سے فراغت حاصل کر چکے تھے۔ اس وقت ان کی عمر کوئی ۱۴ برس کی تھی۔ آپ کی ادارت میں "لسان الصدق" نکل رہا تھا۔ اس کے بعد مولانا کو تقریر کرنے کے مواقع بھی ملے اور چند ہی تقریروں کے بعد آپ کا نام بال گنگا دھر تلک، مولانا حسرت موہانی وغیرہ کے ساتھ عزت سے لیا جانے لگا۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ آزادی کے لئے آپ کے پاس کوئی دلیل ہے تو مولانا نے جواب دیا کہ ہم دو چیزوں کو دلیل کے بغیر مانتے ہیں۔ ایک اپنے اللہ کو اور دوسرے آزادی کو۔

ابوالکلام آزاد نام کی وجہ تسمیہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ مولانا کو ابوالکلام نام کس نے دیا۔ بلوغت سے پہلے ہی انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے کی صدارت کے لئے ایک بار مولانا آزاد چنے گئے۔ انجمن کے ان جلسوں میں پورے ہندوستان سے جید علمار فضلا و اصحاب علم شریک ہوا کرتے

تھے۔ مولانا نے اس موقع پر ایسی فصیح و بلیغ تقریر بحیثیت صدر کے فرمائی کہ مجمع عش عش کر اٹھا اور اسی جلسے نے انہیں "ابوالکلام" کے خطاب سے نوازا۔

یہ اللہ کی سنت جاریہ ہے کہ جس سے وہ جو کام لینا چاہتا ہے اس کے لئے اسے وہ تمام ضروری ساز وسامان اور عقل و دانش سے آراستہ کر دیتا ہے۔ چونکہ مولانا سے آزادئ ہند کا کام لیا جانا تھا۔ اس لئے انہیں اس سلسلے میں علم، تحریر اور تقریر سے بلکہ دل نشیں فصاحت و بلاغت اور علم کلام سے نوازا گیا چنانچہ وہ تھوڑی دیر میں لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیتے تھے۔ ایک بار بمبئی میں شبلی و آزاد کی ملاقات ہوئی تو اس ملاقات سے شبلی اس قدر محظوظ ہوئے کہ ابوالکلام کو مولانا ابوالکلام پکار اٹھے، اپنے ساتھ ندوۃ العلماء لکھنو لے گئے اور عرصے تک اپنے ساتھ رکھا۔

یہ زمانہ غالباً ۱۹۱۰ء کے اختتام کا تھا کہ تحریک آزادی کی بڑھتی ہوئی رو کے پیش نظر مولانا محمد علی جوہر نے (جن کے نام سے بمبئی میں محمد علی روڈ موسوم ہے) انگریزی میں 'کامریڈ' اخبار نکالا، یہ بلند پایہ اخبار جس کی زبان بہت شستہ تھی اور دانشور طبقہ بلکہ انگریزوں کے ملک انگلستان میں بھی اپنی اعلیٰ زباندانی کے سبب کافی مقبول تھا، انگریزوں کو بہت کھٹکی۔ مولانا آزاد تحریکِ آزادی میں نئی روح پھونکنے کے منتظر تھے۔ ملک میں کوئی اردو اخبار پنجاب، یوپی، دہلی، کلکتہ، بہار وغیرہ میں لوگوں میں زندگی کی لہر دوڑانے کے قابل نہیں تھا۔ موقع کو غنیمت جان کر مولانا ابوالکلام آزاد نے چاہا کہ پہلے ذاتی پریس قائم کریں اسی مناسبت سے "الہلال پریس" کا قیام عمل میں آیا۔

سیاسی حالات میں تیزی سے تبدیلی آرہی تھی۔ اسی دوران اٹلی نے طرابلس پر چڑھائی کی۔ ترکوں اور عربوں نے متحد ہو کر اٹلی کا مقابلہ کیا۔ بہت شدید جنگ ہوئی۔ یورپی ممالک نے اٹلی کو خوب اکسایا جس کے نتیجے میں دنیائے اسلام میں اٹلی اور یورپ کے خلاف نفرت کا آتش فشاں پھوٹ پڑا۔ ہندوستان پر بھی اس کا اثر ہوا۔ وقت آگیا تھا کہ مولانا آزاد "الہلال پریس" کو حرکت دیتے۔ چنانچہ پہلی جنگِ عظیم سے کچھ پہلے پریس مذکور سے 'الہلال' آب و تاب کے ساتھ شائع ہونے لگا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ یہیں سے اردو صحافت کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ الہلال بہت مقبول ہوا۔ اس کی تحریر سوتے ہوؤں کو بیدار اور سرد دلوں کو گرمانے لگی۔ ترکی مدد کے لئے "ہلال احمر" کا طبی مشن (بمقابلہ صلیب طبی مشن احمر کے) غالباً ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی سرکردگی میں روانہ بھی ہوا۔ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات نے ترکی سے ہمدردی اور امدادی تعاون کا اظہار کیا لوگ (خصوصاً بمبئی میں) صبح کے اخباروں کے لئے چشم براہ رہتے تھے۔

ابھی جنگ طرابلس کی چنگاریاں بجھی بھی نہیں تھیں کہ ترکوں کے خلاف جنگِ بلقان کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ جنگ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک پورے زور و شور سے عالم اسلام میں لڑی گئی۔ مولانا آزاد کا الہلال، پنجاب میں ظفر علی خان کا زمیندار، مولانا محمد علی جوہر کا کامریڈ، لکھنو کا مسلم گزٹ، بمبئی میں حافظ علی بہادر خان کا ہلال اور دوسرے شہروں سے شائع ہونے والے اخبارات نے لوگوں میں زندگی کی روح پھونکنے میں زبردست حصہ لیا۔ گاندھی جی نے اپنے "ینگ انڈیا" کی کسی اشاعت میں لکھا کہ جنگ بلقان کی بدولت مسلمان جاگ گئے ہیں۔ اب میں انہیں سونے نہیں دوں گا۔ اب ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی ایک دوسرے کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر ہندوستان کی جنگِ آزادی میں حصہ لیں گے۔ مولانا آزاد کے الہلال نے تو اسے جہاد اور قتال فی سبیل اللہ سے تعبیر کیا۔ اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ الہلال کے بعض گذشتہ نمبروں کو پھر سے شائع کرنا پڑا۔

المختصر یہ کہ جنگ کا زور اتنا بڑھا کہ برطانیہ نے ہندوستان سے فوجیں بھرتی کرنا شروع کر دیں تاکہ یہ فوجیں برطانیہ کی موافقت میں اور ترکوں اور عالم اسلام کی مخالفت میں لڑیں۔ اس پر بھی شدید احتجاجات ہوئے۔ ہندوؤں نے بھی محسوس کیا کہ یوں انگریز ہندوستان کی غلامی کی زنجیروں کو اور مضبوط کر دے گا لہٰذا وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر میدانِ عمل میں کود پڑے اور جلد ہی ترکی بلقانیوں پر فتحیابی کے قریب پہنچ گیا۔

اسی اثناء میں قصہ خوانی بازار اور جلیانوالا باغ کے مصائب پیش آئے جنہوں نے انگریزوں کے خلاف نفرت پھیلا دی۔ انگریز نے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کے بہت سے پھندے پھینکے، لیکن سب بے کار گئے۔ پھر کرپس مشن بھیج کر ۳۵-۱۹۳۴ء میں برطانیہ نے "ڈومینین اسٹیٹس" کی پیش کش کی جس کے سلسلے میں گاندھی جی، مولانا آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا محمد علی جوہر، پنڈت مدن موہن مالویہ اور متعدد ہندوستانی رہنماؤں کو انگلستان جانے اور بحث و مباحثہ کرنے

(باقی صفحہ ۸۴ پر)

★ غلام صوفی حیدری
B/14 - 12 - انڈین ایر لائنز کالونی،
کالینہ سانتا کروز۔ بمبئی نمبر ۲۹۔

پنڈت جواہر لال نہرو اور جنگِ آزادی

ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے لیکن ویسا ہی ہوا۔ خاندانی نام (Sur name) بہت کم بدلتے ہیں لیکن یہ خاندان کول سے نہرو ہوگیا۔

سنہ ۱۷۱۶ء میں جب مغل بادشاہ فرخ سیر کشمیر گیا تو جواہر لال کے جدِ امجد راج کول پر نظر پڑی۔ قدرگوہر شاہ داند یا بداند جوہری۔ چنانچہ بادشاہ جب دلی لوٹا تو ان کے ساتھ راج کول بھی تھے۔ فرخ سیر نے نواحِ دلی میں ایک جاگیر عطا کی۔ یہاں ان کا مکان ایک نہر کے کنارے تھا بس خاندان کا نام نہرو ہوگیا۔ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔

جواہر لال کے پردادا لکشمی نارائن نہرو ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں تھے۔ دادا گنگا دھر نہرو غدر کے بعد سنہ ۱۸۶۱ء میں دہلی کے کوتوال رہے۔ دادا کے ایک بھائی بنسی دھر نہرو محکمۂ عدلیہ میں میر منشی تھے، اور دوسرے بھائی راجپوتانے کی ایک ریاست کھتری میں دیوان تھے۔ پنشن پانے کے بعد آگرہ میں وکالت کی۔ ان ہی کے سایۂ عاطفت میں پنڈت موتی لال نہرو کی پرورش ہوئی۔

پنڈت موتی لال نہرو نے ۱۶ سال کی عمر تک مکتب میں رہتے ہوئے ادب تہ کیا اور عربی فارسی سیکھی۔ بعد میں انگریزی کی تعلیم حاصل کر کے ہائی کورٹ وکیل کے درجہ کو پہنچے اور الہ آباد ہائیکورٹ میں بڑے زور و شور سے پریکٹس کرنے لگے ان کو اپنی آمدنی پر اتنا اعتماد تھا کہ جتنا کماتے اتنا خرچ کر دیتے۔

۱۶ نومبر سنہ ۱۸۸۹ء کی ایک شبھ گھڑی پنڈت موتی لال نہرو کے گھر انگریزی کہاوت کے مصداق ایک بچہ منہ میں چاندی کا چمچہ لئے ہوئے پیدا ہوا

اس بچہ کا نام جواہر لال رکھا گیا کہتے ہیں کہ نام کا اثر زندگی پر پڑتا ہے۔ چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ پنڈت جی، جب تک جئے ہیرے جواہر کی طرح جھل جھل کرتے رہے جواہر کی پیدائش کے بعد ۱۱ سال تک پنڈت موتی لال کے گھر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ چنانچہ موتی لال جی کے منشی میر مبارک علی ہی جواہر لال جی کے بچپن کے ساتھی ہمراز اور ہم پیالہ و ہم نوالہ رہے ان کی دونوں بہنیں ان سے بہت چھوٹی تھیں۔ ۱۶ سال کی عمر میں تعلیم و تدریس کے سلسلہ میں ۱۹۰۵ء انگلستان گئے سنہ ۱۹۱۰ء میں بی۔ اے کیا، اور ۲۳ سال کی عمر میں بیرسٹری سند حاصل کر کے ہندوستان کو مراجعت کی، اور الہ آباد ہائیکورٹ میں اپنے پتا جی کی طرح پریکٹس شروع کر دی

یوں تو سنہ ۱۹۱۲ء میں ایک ڈیلیگیٹ کی حیثیت سے جواہر لال بانکی پور (پٹنہ) کے آل انڈیا کانگریس کے اجلاس

میں شرکت کر چکے تھے، اور سیاسی سرگرمیوں میں حصّہ لینا شروع کر دیا تھا۔ دونوں ہوم رول لیگوں کے ممبر بھی بن چکے تھے۔ ایک ہوم رول لیگ وہ جس کی صدر مسز اینی بسنٹ تھی اور دوسری ہوم لیگ وہ جو لوک مانیہ گنگادھر تلک کی زیرِ سرکردگی تشکیل پائی تھی، لیکن پھر بھی پنڈت جواہر لال نہرو کی مہاتما گاندھی سے پہلی ملاقات لکھنؤ کانگریس کے ۱۹۱۶ء کے اجلاس میں ہوئی۔ اسی سال وہ کملا سے شادی کے پوتر رشتہ میں باندھ دیئے گئے۔

۱۹۱۹ء کے آخری ہفتہ میں آل انڈیا کانگریس کا اجلاس امرتسر میں ہوا اس کے صدر پنڈت موتی لال نہرو تھے اس اجلاس میں نہ صرف تلک مہاراج شریک تھے، بلکہ علی برادران (مولانا شوکت علی و مولانا محمد علی) نے بھی شرکت کی تھی اور نوجوان جواہر لال بھی شریک ہوئے تھے۔ غالباً اسی اجلاس سے واپس ہو رہے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ رات کی گاڑی کا سفر تھا۔ کانگریس کے متعدد ڈیلی گیٹ اور سینکڑوں افراد اختتام اجلاس کے بعد لوٹ رہے تھے۔ ٹرین کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ جواہر لال جی غلطی سے ایک ملیٹری کے کمپارٹمنٹ میں بیٹھ گئے۔ اسی سال جلیانوالہ باغ میں قتلِ عام ہوا تھا۔ سو ہو سکتا ہے کہ قاتل کا خیال آیا ہو۔ چنانچہ شیطان کا خیال کیجیے اور شیطان حاضر (Think of The devil and devil is here) کی انگریزی کہاوت کے مصداق پنڈت جی نے جنرل ڈائر کو اپنی نشست کے قریب ہی بیٹھا ہوا پایا۔ جنرل ڈائر کمیٹی کے سامنے شیخی بگھارنے جا رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب نوجوان نہرو جی کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ لیکن کیا کرتے ملٹری کے ڈبے میں تھے۔ خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کے دل میں بدیشی حکومت کی مخالفت جڑ پکڑ گئی۔

اِدھر مہاتما گاندھی جنوبی افریقہ سے لوٹے تو ہندوستان کی سیاست پر چھا گئے۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی ستیہ گرہیں شروع کیں۔ جس میں پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت جواہر لال نہرو، اور کملا نہرو، پورے نہرو خاندان نے حصّہ لیا۔ یہاں ایک بات خاص معلوم ہوتی ہے کہ نوجوان جواہر نے گاندھی جی کی تحریک میں اپنے پوجیہ پتاجی سے پہلے نہایت جوش و خروش کے ساتھ حصّہ لینا شروع کیا اور رفتہ رفتہ نہ صرف عوام و دیگر رہنما بلکہ خود گاندھی جی بھی نوجوان نہرو کو اپنا جانشین سمجھنے لگے۔ ۱۹۲۰ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس لالہ لجپت رائے کی صدارت میں منعقد ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تحریکِ خلافت بہت زور پر تھی۔ حالانکہ جنگِ عظیم کے بعد ترکی حکومت کے جو حصے بخرے کر دیئے گئے تھے۔ تحریکِ خلافت اس سلسلے میں انگریزی حکومت کے خلاف ہندوستان میں ایک اقدام تھا۔ لیکن ہزارہا ہندو عوام لفظ خلافت کو انگریزی حکومت کی مخالفت سمجھتے تھے۔ بہرحال اس زمانے میں جو ہندو مسلم اتحاد کے نظارے دیکھنے میں آئے تھے۔ ان کے لئے آج تک نظریں ترستی ہیں۔ خدا جانے اسی سلسلہ میں تاریخ اپنے آپ کو کب دُہرائے گی۔

تحریکِ خلافت و گاندھی جی کی تحریکِ ترکِ موالات

دونوں تحریکیں ایک دوسرے میں ضم ہو گئی تھیں۔ ان دنوں میں نے آنکھوں سے ہندوستانیوں کو خود کی ملکیت کا ہزاروں روپیہ کا بدیشی کپڑا جلاتے دیکھا ہے۔ آل انڈیا خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماءِ ہند نے بھی تحریکِ ترکِ موالات کا مکمل ساتھ دیا۔

آخر میں اس تحریک کی غیر معمولی کامیابی نے مخالفین کو بھی اس کا حامی بنا دیا تھا، اور ہر محاذ پر نان کوآپریشن (عدمِ تعاون) کا شدید مظاہرہ ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ ہندو مسلم ایک جان دو قالب ہیں۔ ہر نوجوان جواہر لال کی آواز پر لبیک کہتا کہ ایسے میں ایک بدبخت واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ جس نے ترکِ موالات کی تحریک کی کلی کو کھلنے سے پہلے ہی مسل ڈالا۔ ہوا یہ کہ چورا چوری (ضلع گورکھپور) میں کسانوں نے پولس کے مظالم سے تنگ آ کر پولس تھانے کو آگ لگا دی اور چھ سات پولیس والوں کو زندہ جلا دیا۔ عوام کے تشدد پر اُتر آنے کے خوف سے گاندھی جی نے تحریکِ ترکِ موالات واپس لے لی۔ اس وقت پنڈت جواہر لال جیل میں تھے۔ اس واقعہ نے گویا انگریزوں کو پولس راج قائم کرنے کا کھلا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ اس پر مزید ستم یہ ہوا کہ حکومت نے تقسیم کرو اور حکومت کرو (Divide & Rule) کی پالیسی کا اتنا گھناؤنا مظاہرہ کیا کہ کل ہندوستان میں فسادات پھوٹ پڑے اور اس آزادی کے لئے جو شاید ۱۹۳۰ء ہی میں مل جاتی۔ ۱۹۴۷ء تک جان لیوا انتظار کرنا پڑا۔

آمدم برسرِ مطلب سنہ ۱۹۲۳ء میں نہرو کا آل انڈیا
کانگریس کمیٹی کے صدر کے طور پر انتخاب ہوا اور کئی برسوں تک
ہ اس عہدے سے انصاف کرتے رہے۔ اس زمانے میں
حریکِ آزادی میں حصہ لینا لوہے کے چنے چبانے کے برابر تھا۔
سنہ ۱۹۲۷ء میں پنڈت جی بین الاقوامی تحریک سے متعلق ہوئے
ونکہ اس سال آل انڈیا کانگریس نے انہیں مظلوم قوموں کی
ن الاقوامی کانفرنس میں اپنا مندوب بنا کر برسیلز بھیجا۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں
اہور کے آل انڈیا کانگریس کے اجلاس کے صدر منتخب ہوئے سنہ ۱۹۲۸ء
یں ان کے والد پنڈت موتی لال نہرو انڈین نیشنل کانگریس
ے صدر تھے۔

سنہ ۱۹۳۲ء اور سنہ ۱۹۴۳ء کے حالات کا اندازہ لگانا معمولی
ت نہیں۔ ہندوستان کے نظامِ حکومت میں تشدد بُری طرح
ھوٹ چکا تھا۔ ایک آدھ صوبے کو چھوڑ کر تمام ملک پولس
ے تشدد کی زد میں تھا۔ صوبۂ سرحد اور بنگال میں تو جبر و تشدد
ی انتہا ہو چکی تھی۔ صوبۂ سرحد میں پہلے سے ہی فوجی نظام
ھا۔ یہ دونوں صوبوں میں کئی کئی دفعہ پورے پورے دیہاتوں
جرمانہ عائد کیا جاتا تھا۔ سرخ پوش تحریک نے حکومت
ی ناک میں دَم کر رکھا تھا۔ ۲۷ اپریل سنہ ۱۹۳۳ء کے وزیرِ ہند
ے دارالعلوم کے مندرجہ ذیل بیان سے بھی گورنمنٹ کے ظلم و ستم
 تاریکی پر روشنی پڑتی ہے۔

"مسٹر سموئل ہور کو اطلاع ملی ہے کہ سنہ ۱۹۳۲ء
میں پانچ سو قیدیوں کو سول نافرمانی کی تحریک کے
سلسلہ میں کوڑے لگائے گئے ہیں"

دھرہ دون جیل میں پنڈت جواہر لال نہرو کو سات ماہ
ک کسی سے ملاقات کی اجازت نہیں دی گئی۔ نہرو جی احمد نگر
یل میں تین سال رہے۔ جنگِ آزادی میں وہ نو مرتبہ جیل میں
ئے اور "جوانی کی راتیں اور مُرادوں کے دن" کے ایک دو نہیں،
ل نو سال جیل میں گذارے۔ درمیانی عرصہ میں وہ چند دنوں کے
ے رہائی بھی پاتے تھے۔ تو سوشیل زندگی سے اجتناب کرتے تھے
، پھر جیل میں جانے کے بعد تنہائی کی زندگی اور جیل کے ماحول کو
پنے لئے سازگار بنا سکے۔ اس ایک واقعہ سے اس بات پر
وشنی پڑتی ہے کہ حکومت کی جانب سے ہر جیل میں تحریکِ
زادی کے قیدیوں کے ساتھ سختی کرنے کے احکامات روبہ عمل

تھے۔

ہوا یہ کہ ایک مرتبہ برٹش گورنمنٹ کے ایک پٹھو جو "سر" کے
خطاب سے بھی سرفراز تھے۔ بطور وزیٹر ایک جیل میں گئے اور
جیل کے وزیٹنگ رجسٹر میں یہ ریمارک (جھوٹا) لکھ دیا کہ جیلر کا
تحریکِ آزادی کے قیدیوں کے ساتھ شریفانہ سلوک ہے۔ اس
ریمارک کی وجہ سے راتوں رات جیلر کا کسی دُور دراز جیل خانے
میں ٹرانسفر کر دیا گیا۔

سنہ ۱۹۳۶ء میں پنڈت جواہر لال نہرو پھر آل انڈیا کانگریس
کے صدر منتخب ہوئے اور اسی سال ان کی اہلیہ کملا نہرو کا سوئزرلینڈ
میں انتقال ہو گیا۔ جہاں وہ علاج کے لئے گئی تھیں۔

مارا دیارِ غیر میں ہم کو وطن سے دُور

(محمد علی جوہر)

سنہ ۱۹۴۲ء میں سر اسٹوفورڈ کرپسی ہندوستان آئے تو
"کرپسی واپس جاؤ" کے فلک شگاف نعروں سے ہندوستان
کا آسمان گونجنے لگا۔ اسی سال ۱۸ اگست کو آل انڈیا کانگریس
کمیٹی کے اجلاس بمبئی میں "کوئٹ انڈیا" (ہندوستان
چھوڑ دو) کا ریزولیشن پاس ہوا۔ پولس کے ظلم و ستم سے تنگ
آکر بہت سے "لیڈر" "انڈر گراؤنڈ" چلے گئے ؏

زیرِ زمیں رہے کہ نہ آسماں رہے
عزت کیساتھ ہم نے گذاری جہاں رہے

(صوفی)

"کوئٹ انڈیا" تحریک پورے ملک میں بڑی دُھوم سے چلی
مہاراشٹر بھی اس سلسلے میں ملک کے کسی صوبے سے پیچھے
نہیں رہا۔ نانا پٹیل نے "پتری سرکار" قائم کر کے انگریزوں کے
چھکے چھڑا دیئے۔ دیگر رہنماؤں نے بھی بڑی بے جگری سے پولس
کے ظلم و ستم کا مقابلہ کیا۔ سنہ ۱۹۴۵ء میں جنگ ختم ہو گئی۔ شملہ
میں وائسرائے کی طرف سے ہندوستانی رہنماؤں کی ایک کانفرنس
بلوائی گئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔ مولانا ابوالکلام آزاد، اور
سردار ولبھ بھائی پٹیل جیلوں سے رہا کئے گئے۔ مہاتما گاندھی
پہلے ہی رہائی پا چکے تھے۔ کانفرنس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔
سنہ ۱۹۴۶ء میں انگلستان سے ایک کیبنیٹ مشن،
ہندوستان بھیجا گیا۔ اسی سال نہرو کو وائسرائے کی طرف سے

(باقی صفحہ ۸۲ پر)

ڈاکٹر رویندر رامن داس
ایم اے، پی ایچ ڈی

شہیدانِ وطن

"جزیرہ انڈمان" کی قید (جیل) اگر امریکہ، انگلینڈ، جرمنی یا روس میں بھی ہوتی تو، اس مقدس جگہ کی زیارت کرنے کیلئے ہر روز ہوائی جہاز چکر کاٹتے رہتے۔ جو ممالک کی کوئی تاریخ نہیں وہ تاریخی واقعات کی حفاظت کرنے کیلئے کیسی جد وجہد جاری رکھتے ہیں یہ دیکھیئے۔ مغربی ممالک سے دیگر باتوں کی نقل نہ کی جائے تو ہمارا کام چل جائے گا مگر ان سے تاریخ کے [illegible] سنہری واقعات، اس کی حفاظت اور اس پر عمل کرنے کی جرأت کیسے کرنی چاہیئے۔ یہ باتیں اگر ہم بھارتی سیکھ لیں تو ہمارے دیش کی ترقی ہونے کیلئے وقت نہیں لگے گا۔

کس طرح سفر کیا جائے ؟ ایسا ہم کہتے ہیں ۔ بھارتی انقلابیوں کی قربانیوں اور ایثار سے اور جنگِ آزادی کے مقدس جگہ بنی ہوئی انڈومان کی "سیولر جیل" کو ہر ایک بھارتی کیلئے دیکھنا لازمی ہے۔

متبرک جگہ انڈومان کی زیارت کرنے کیلئے ۱۶ مئی ۱۹۸۱ء کو میں انڈومان کی راجدھانی "پورٹ بلیئر" ہوائی اڈے پر اترا ہوائی اڈے کے ویٹنگ روم میں نیتاجی سبھاش چندر بوس اسی ہوائی اڈے پر اتر کر آزاد ہند فوج کی ۲۹ دسمبر ۱۹۴۳ء کے دن سلامی لے رہے ہیں۔ اس بات کو پیش کرنے والی عظیم الشان تصویر وہاں پر لگی ہوئی ہے۔ پورٹ بلیر کا رن وے (ہوائی جہاز اترنے کا راستہ) بنانے میں پہلے نمبر پر جاپانی ہیں۔ جب جاپان نے یورپین قوم سے انڈومان کو فتح کیا اور نیکوبار جزیرہ آزاد ہند سرکار کے قبضے میں دینے کا اعلان جاپان کے وزیر اعظم جنرل توجی انہوں نے ۶ دسمبر ۱۹۴۳ء کے دن کیا تھا۔ ان جزیروں کو نیتاجی سبھاش چندر بوس نے عزت اور مرتبے کے ساتھ سلامی دی اور نیتاجی نے کہا :

"جزیرہ انڈمان کی آزادی کی فتح یا کامیابی اس بات کی دلیل ہے کہ ملک کی آزادی میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے ملک کی آزادی کے متوالوں کو یہاں کی جیل میں انگریزوں نے لاکر قید کیا۔ ان کو انگریزی حکومت کو برباد کرنے کے الزام میں سخت سزائیں دی گئیں اور ایسے سیکڑوں قیدیوں کو اس طرح اس جزیرے کی قید میں قیدی بناکر رکھا گیا۔ ہماری جنگِ آزادی کے متوالوں کو جنہوں نے ہزاروں مشکلوں اور اذیتوں کو برداشت کرکے اس جزیرے کو آزادی دلائی۔ آگے چل کر سلسلے وار ہندوستان آزاد ہوگا۔"

انڈمان جیل کلکتہ سے جنوب مشرق کی سمت میں ۵۱۰ (پانچ سو دس) میل دور ہے۔ چھوٹے چھوٹے ۲۰۵ جزیروں کا مجموعہ ہے۔ اس کا رقبہ ۲۵۰۸ مربع میل ہے۔ اس جزیرے کا خاص حصہ ۱۵۶ (ایک سو چھپن) میل لمبا اور بیس میل چوڑا ہے۔ کارنیکو بار یہ جزیرہ اور پورٹ بلیر بندرگاہ ۱۴۳ میل دور ہے نیکوبار جزیرے کی لمبائی ۱۴۳ میل، چوڑائی ۳۶ میل اور رقبہ ۶۳۴ میل ہے۔ نیکوبار جیل سمندر سے صرف ۹۱ میل کے فاصلے پر ہے۔

۱۸۵۷ء سے راج قیدیوں کو انڈومان لے جاتے کا

فیصلہ ۱۵ ار جنوری ۱۸۵۸ء کے دن ہوا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلابیوں کو جب قیدی بنا کر انڈومان لایا گیا

تو اس وقت انڈومان میں قید خانہ نہیں تھا۔ آبادیوں میں ہر شہری پرسکون زندگی بسر کریں اور باغی راج قیدیوں کو دھکا پہنچے اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ۱۸۵۷ء میں اس جزیرے سے پر چار دیواری بنا کر چھوٹا سا قید خانہ تعمیر کروایا گیا۔ یہاں کے قیدیوں کو زنجیروں سے جکڑ کر رکھا گیا۔ اس لئے اس قید خانے کا نام "ہاتھ پر زنجیر گیا نگ جیل" ہو گیا۔

۱۸۵۷ء کے انقلابی

انڈومان کو بھیجے ہوئے اندازے کے مطابق دو ڈھائی ہزار قیدیوں میں سے صرف کچھ (تھوڑے سے ہی) قیدیوں کے نام معلوم ہیں۔ بہادر سنگھ، دیوی بھٹا، گلاب خان، جواہر سنگھ بھونرا، بھایا رام، لورا، قیوم خان، سراج الدین، انہوں نے مدھیہ پردیش میں بھنڈ لیشور یہاں پر انگریزوں کے خلاف بغاوت شروع کی تھی۔ اسی لئے ان کو انڈومان بھیجا گیا۔ مولوی فضل الحق خیر آبادی، مولوی لیاقت علی الہ آبادی، مولوی سید علاؤ الدین، ہیما چل سنگھ، لولو سنگھ، بھیما نائیک — اور غریب داس پٹیل، ان شہیدانِ وطن کی موت ۱۸۵۸ء میں اسی جزیرے پر ہوئی۔

سپہ سالار تانتیا ٹوپے ان کے ساتھ مدھیہ پردیش کے نیماڑ کے بھارونا جماعت کے دھوبی باؤلی کا صدر بھیما نائیک نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ انگریزوں کا مقابلہ کیا کیپٹن کیٹنگز نے بھیما نائیک کو شکست دی۔ ۱۸۶۱ء میں بھیما نائیک کو پکڑ کر انڈومان کی قید میں روانہ کیا۔

مولانا محمد جعفر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے انقلابی نے انڈومان جزیرے پر بیس سال کی سزا کاٹ کر اپنے گاؤں واپس آئے۔ انہوں نے فارسی زبان میں اپنی آپ بیتی لکھی ہے۔

بھیکا جی پنت گوکھلے

امبرناتھ کے کیلاش وملا بائی رڈارکر کی طرف سے بھیکا جی پنت گوکھلے کی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ وملا بائی رڈارکر وکو کمپنی کے آفیسر کی بیوی ہے۔ ان کے شوہر کا نام ہنومنت ہری رڈارکر ہے۔ وہ ان کے ساتھ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۲ء کے درمیان انڈومان میں رہتے تھے۔ جاپان نے جو انڈومان پر حملہ کیا تھا۔ اس میں شری رڈارکر کام آئے۔ شریمتی رڈارکر نے انڈمان اور دوسری جنگِ عظیم کے شہید ایسی دو کتابیں شائع کی ہیں۔

سردار بابو گوکھلے کے خاندان میں بھیکا جی پنت گوکھلے یہ وملا بائی رڈارکر کے پردادا۔ نرگند ادارے کے ممبر ایک سردار تھے۔ نرگند ادارے کے بانی بابا صاحب نرگندکر کو گود لینے کے لئے بمبئی سرکار نے انکار کر دیا اس وجہ سے بابا صاحب نے انگریز ریسیڈنٹ منسن پر حملہ کر دیا اور ان کا سر قلم بند کیا۔ عوام نے منسن کا سر گھر کے سرے پر لٹکا کر نرگن کے چوراہے پر لٹکا دیا۔ انگریز سپہ سالار بھاؤ توک نے بابا صاحب نرگندکر کو تورن کے جنگل میں پکڑ کر پھانسی دیدی۔

بابا صاحب نرگندکر نے ایک بوڑھی ماں اور اپنی بیوی کو بھیکا جی پنت گوکھلے کے حوالے کیا تھا۔ اپنی ذات سے بھیکا جی پنت کو تکلیف ہوگی۔ اس وجہ سے ان دونوں عورتوں نے مل کر پر بھاندی میں کود کر خودکشی کرلی۔ بھیکا جی پنت گوکھلے ۶ ماہ تک بن باس میں تھے۔ اس کے بعد ان کو شولاپور میں قید کر لیا گیا چودہ سال کالے پانی کی سزا دے کر ان کو انڈومان بھیج دیا گیا۔ سزا کی مدت ختم ہوتے میں صرف تین دن کا عرصہ تھا کہ وہ رحلت کر گئے۔

رنگ راؤ پاگے ترکھیڑکر

۱۸۵۷ء کے جنگ آزادی کے ہیرو نانا صاحب پیشوا سے ان کے خطوط رنگ راؤ پاگے کے پاس گئے۔ پاگے نے ضلع ناندیڑ میں کولاس کا راجہ دیپ سنگھ کی مدد سے انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے کی کوششیں کیں۔ رنگ راؤ کی گواہی میں ذیل کی تفصیل درج ہے:

کولاس میں میں ویدیہ (ڈاکٹر) کی حیثیت سے رہا اور لوگوں کا علاج کرنے لگا۔ تین دن کے بعد ایک بوڑھے کی مدد سے میں نے راجہ کی ملاقات لی۔ اس کو نانا صاحب پیشوا کے خطوط دکھائے۔ راجا صاحب نے نانا صاحب کی انکوائری شروع کی۔ اعلیٰ پوری حقیقت ان کو بتلائی اور حکم کے مطابق برتاؤ کرے اور انتظام کریں ایسی خواہش ظاہر کی۔ رنگ راؤ کی انکوائری کرنے کے بعد ریسی ڈنٹ نے

اُن کو پھانسی کی سزا کا حکم دے دیا۔ مگر گورنر جنرل نے اس سزا کو تبدیل کر کے ان کو سنہ ۱۸۵۹ء میں انڈمان میں کالے پانی کی سزا کا حکم دینے کا فیصلہ کیا۔ اسی قید میں سنہ ۱۸٦۰ء میں رنگ راؤ پا گئے کا انتقال ہوگیا۔

ناسک کے کلکٹر جنکشن ان کے قتل کے الزام میں اننت کانہرے کو پھانسی کی سزا دی گئی اور ان کے ساتھی داجی نارائن جوشی کو کالے پانی کی سزا دی گئی۔ بابا راؤ ساورکر اور جنگِ آزادی کے مجاہد ساورکر ان دونوں کو انڈمان جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ انڈمان کی جیل میں ہی ساورکر نے لکھی ہوئی نظمیں "کملا" اور "گوگنتک" طویل نظموں کا جنم ہوا۔ انقلابیوں کو انڈمان کی جیل میں جو تکلیفوں اور مصیبتوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کی معلومات ساورکر نے لکھی ہوئی کتاب "میری جنم ٹھیپ" میں درج ہے۔

بھارت کی آزادی کے بعد انڈمان اور نیکوبار ان جزائر کو بھارت حکومت میں شامل نہیں کیا گیا۔ انڈمان کی جیل میں جس وقت ساورکر حکومت کے قیدی کی حیثیت سے تھے۔ انہوں نے اس جزیرے کی حفاظت کے بارے میں جو لکھا تھا اس کے مطابق یا نظریے سے حکومتِ ہند اس جزیرے کی ترقی کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔

" مشرق کی طرف انڈمان اور نیکوبار یعنی بھارت کے مشرقی سمندری راستے کے دروازے ہی ہیں۔ اگر یہ جزائر بھارت کے قبضے میں نہیں ہوں گے تو اور اگر وہاں کی حفاظت اور فوجی قوت کم ہوگی تو مشرق کی طرف سے کوئی بھی سمندری حملہ ایک دم کلکتہ کے دروازے پر ہوگا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں۔ لیکن انڈمان کے پورے جزیرہ بھارت کی حکومت میں ہوگا تو اس کو سمندری ہوائی حملے کے فوجی چھاؤنی قرار دیا جائے گا۔ اس کی عمدہ طور پر حفاظت کر کے وہاں پر بھارتی نیوی دل کی فوج کا ہمیشہ پہرہ رہے گا تو مشرق سے کوئی بھی بیرونی دشمن کے حملے کا مقابلہ اسی جگہ ہوگا اور دشمن کو یہیں پسپا کر دیا جائے گا۔ پچھم میں "لکش دیپ" جنوب میں "سنغل دیپ" اور مشرق میں انڈمان، نیکوبار، دیپ پورنج، ان سب جگہ پر طاقتور سمندری فوج کی چھاؤنی اور سندھو درگ کی طرح حفاظت کی جائے۔

صفحہ ۷۸ سے آگے

مولانا ابوالکلام آزاد

کی دعوت دی گئی لیکن یہ مشن لندن جانے پر بھی ناکام رہا۔ اس کے بعد لیڈروں کو بمبئی میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ختم ہونے کے بعد گرفتار کر کے احمد نگر کے قیدخانے میں ڈال دیا گیا۔ کانگریس ممنوع جماعت قرار پائی اور حکومت کی طرف سے بھرپور سختی شروع کر دی گئی۔ اس کے جواب میں بمبئی کے ہر مکان پر جگہ جگہ "کانگریس ہاؤس" کا لیبل چپکا دیا گیا اور "برٹشرز گو بیک"۔ "ہندوستان چھوڑ دو" (Quit India) کی تحریک پوری شدت سے جاری کرنے میں آئی۔ نتیجتاً لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے آف انڈیا نامزد کیا گیا جن کے ہاتھوں سب لیڈروں کو رہائی اور ہندوستان کو آزادی ملی۔ اس طرح ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء ہندوستان کا یوم آزادی قرار پایا۔ مولانا ابوالکلام نے ۲۲ نومبر ۱۹۸۵ء مطابق ۲ شعبان ۱۳۷۷ھ میں وفات پائی اور دہلی میں مدفون کئے گئے۔ وفات کے وقت آپ مرکزی حکومت میں وزیرِ تعلیم تھے۔

صفحہ نمبر ۸۱ سے آگے

جواہر لال نہرو اور جنگِ آزادی

عارضی حکومت بنانے کی دعوت دی گئی۔ ۹ دسمبر کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا، اور لیگ نے عدم تعاون کیا اور تقسیم ملک کی تجویز پیش کی۔

۲۰ فروری سنہ ۱۹۴۷ء کو برطانیہ کے وزیراعظم ایٹلی نے جون سنہ ۱۹۴۸ء سے پہلے ہندوستان کو مکمل اختیارات دینے کا اعلان کیا۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے وائسرائے بن کر آئے اور اسی سال جون میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ملک کی تقسیم قبول کر لی۔ اس طرح ۱۵ اگست سنہ ۴۷ء کو ہندوستان کو آزادی ملی اور پاکستان وجود میں آیا۔ ہندوستان کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو بنے اور ۱۷ سال تک وزارتِ عظمیٰ کی کرسی کو زینت بخشی۔ اسی عرصہ میں ایک دردناک واقعہ مہاتما گاندھی کی شہادت تھی۔

۲٦ جنوری سنہ ۱۹۵۰ء کو دستورِ ہند کی تکمیل ہوئی، اور ہندوستان ایک آزاد جمہوریت قرار دیا گیا۔ ● ●

خلیل احمد صباغی

قومی یکجہتی اور کانگریس

رخصت ہونے والے سال ۱۹۸۵ء میں کانگریس کا صد سالہ جشن منایا جارہا ہے۔ یہ جشن امید سے کہیں زیادہ دھوم دھام سے منایا جاتا مگر مسز گاندھی کے دردناک قتل کی وجہ سے ملک کا ہر فرد آبدیدہ تھا۔ ہر ہندستانی کا دل تڑپ رہا تھا۔ ہندستان کے سبھی ریڈیو اسٹیشنوں پر جہاں اس المیہ سے پیشتر فلمی نغمے گونجتے رہتے تھے۔ وہاں بروقت ماتمی دھنیں سنائی دیتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ملک سے ایک عظیم ماں رخصت ہوگئی ہے۔ وہ ماں جس نے اپنے خون کی آخری بوندیں بھی اس ملک پر اور اس ملک کے رہنے والوں پر قربان کردیں۔ مسز گاندھی کے قتل کا سبب اگر حقیقت کی نظروں سے دیکھا جائے تو قومی یک جہتی کی خاطر ایک ایسا ناقابلِ فراموش ایثار ہے جسے ہندستان کے عوام کبھی نہیں بھلا سکیں گے۔

مسز گاندھی نہیں چاہتی تھیں کہ موجودہ ہندوستان ٹکڑوں میں تقسیم ہوجائے۔ کیونکہ ہندوستان ایک گلستان ہے جس میں مختلف رنگوں کے پھول مہکتے ہیں مگر سب کی خوشبو ایک ہے بھلا ایسے بے مثالی گلستان کا محافظ اپنے گلشن کو کس دل سے ٹکڑوں میں تقسیم ہوکر برباد ہوتے دیکھ سکتا تھا۔ نتیجہ یہی ہوا کہ گلستان کے محافظ نے خود اپنی جان دے دی مگر اپنے گلشن پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ مسز گاندھی کے المناک قتل کے بعد ہندوستان میں جب فرقہ وارانہ ہنگامے شروع ہوئے اس وقت ان کے بڑے بیٹے اور ہندوستان کے نوجوان وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی نے بھی عدیم المثال قومی یک جہتی کا ثبوت دیا۔ جب تک ہنگامے بند نہیں ہوئے مسٹر راجیو گاندھی ہر لحاظ سے ہندوستان کے عوام کو قومی یک جہتی کا درس دیتے رہے اور بلوائیوں کے خلاف انھوں نے سخت احکامات جاری کردیئے مسٹر راجیو گاندھی نے اس نازک موقع پر بھی یہ ثابت کردیا کہ کانگریس اور اس کے لیڈر اپنے ملک اور اپنے ملک کے عوام کی خاطر اپنے دل پر صدمے کا عظیم بوجھ برداشت کرسکتے ہیں۔ مگر ہندوستان کو اجڑتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔

کانگریس ہندوستان کی ایک مخصوص سیاسی جماعت ہے جس کا آغاز ہی قومی یک جہتی سے ہوا ہے۔ کانگریس میں آغاز سے اب تک ہر فرقہ اور ہر مذہب کے نمائندوں نے برابر کا حصّہ لیا ہے۔ ہندستان کی آزادی بھی قومی یک جہتی کا آئینہ ہے۔ اور اس آئینے میں ہندوستان میں رہنے والے ہر فرقہ اور ہر مذہب کے ماننے والے کا چہرہ دکھائی دیتا ہے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی سبھی نے متحد ہوکر انگریزوں کی بربریت کا مقابلہ کیا ہے تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ہندوستان کو آزاد کرانے میں ہر مذہب و ملت کے افراد نے قربانیاں پیش کی ہیں۔ ہندوستان کو آزاد کرانے میں پنڈت موتی لعل نہرو، مہاتما گاندھی، اور جواہر لال نہرو کے علاوہ شہید سردار بھگت سنگھ، مولانا ابوالکلام آزاد اور دین بندھو اینڈریوز وغیرہ کی بھی جاں فشانیاں شامل ہیں۔ اور یہ سب لیڈر کانگریس ہی سے وابستہ تھے۔ جہاں تک قومی یک جہتی کا سوال ہے کانگریس نے قومی یک جہتی کا دامن کبھی نہیں چھوڑا ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان کا وجود سامنے آیا اس وقت قومی

(باقی صفحہ نمبر ۸۶ پر)

احمد اللہ خان
باٹلی والا کمپاونڈ، ۹۰ مور لینڈ روڈ،
بمبئی ۴۰۰۰۰۸۔

انڈین نیشنل کانگریس
صد سالہ تاریخ کے آئینے میں

انڈین نیشنل کانگریس کا قیام ۱۸۸۵ء میں عمل میں آیا تھا۔ اس سے پہلے ہندوستان میں ملک گیر پیمانے پر ایسی کوئی تنظیم وجود میں نہیں آئی تھی جو ہندوستانی عوام کے جذبات اور ان کے مسائل کی ترجمانی کرسکے البتہ چھوٹی چھوٹی علاقائی تنظیمیں تھیں جو اپنے عوام کے سماجی و سیاسی مسائل سے دلچسپی رکھتی تھیں۔ مثلاً بمبئی میں ایسی تنظیم موجود تھی جس کا نام پریسیڈنسی ایسوسی ایشن تھا۔ مدراس میں مہاجن اور کلکتہ میں انڈین ایسوسی ایشن جیسی سیاسی و سماجی تنظیموں کا وجود تھا جو ہندوستانی عوام کے مسائل پر غور و خوض کرتی تھیں لیکن ان کا دائرۂ کار انتہائی محدود تھا۔

انڈین نیشنل کانگریس
کے قیام کی تجویز

۱۸۸۴ء میں آئی سی ایس آفیسر سر اے۔ او ہیوم نے اس وقت کے وائسرائے لارڈ ڈفرین کے سامنے ملک گیر پیمانے پر ایک تنظیم کے قیام کی تجویز رکھی۔ ایک ایسی تنظیم جو ہندوستانی عوام کے سماجی مسائل پر غور و خوض کرسکے۔ لارڈ ڈفرین نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ اس کے ساتھ ہی اس نئی تنظیم کو سماجی مسائل کے علاوہ سیاسی مسائل پر بھی غور و خوض کرنے اور تبادلۂ خیال کرنے کا حق حاصل ہونا چاہئے۔ سر ہیوم کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اس نئی تنظیم کی صدارت صوبائی گورنر کو سونپ دی جائے لیکن لارڈ ڈفرین چاہتے تھے کہ اس تنظیم کی صدارت کسی ہندوستانی لیڈر کو سونپی جائے تاکہ وہ پوری آزادی کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کرسکے۔ چنانچہ لارڈ ڈفرین اور سر ہیوم کے خیالات کے مطابق انڈین نیشنل کانگریس ایک نئی سیاسی تنظیم کی حیثیت سے وجود میں آئی جس کا مقصد تھا کہ عوام کے خیالات و جذبات اور ان کے سماجی و سیاسی مسائل سے انگریزی حکومت کو روشناس کرائے تاکہ حکومت اپنی پالیسیوں میں یہاں کے عوام کی مرضی کے مطابق ترمیم و تبدیلی کے علاوہ اس میں سدھار پیدا کرے۔

اس کے بعد سر ہیوم نے بمبئی مدراس اور کلکتہ دورہ کیا اور خاص خاص لیڈروں سے ملاقات کی اور ان کے سامنے اس تنظیم کے قیام کی تجویز پیش کی جسے تمام لیڈروں نے منظور کرلیا اور اس تنظیم کو قائم کرنے اور اسے ملک گیر حیثیت دینے کی کارروائیوں پر غور کرنے لگے۔

۱۸۸۵ء میں
کانگریس کا قیام

۱۸۸۵ء کے شروع ہوتے ہی انڈین نیشنل کانگریس کے قیام کے لئے ملک کے بڑے بڑے لیڈروں کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس سلسلے میں ملک کے تمام علاقوں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس

ے میں بلائی جائے اس کے لئے ایک سرکلر پورے ملک میں جاری کیا گیا
میں لکھا گیا تھا کہ اس کانفرنس کا مقصد ملک و قوم کی ترقی کے لئے
نداری اور محنت سے کام کرنے والے مختلف علاقوں اور صوبوں سے
ق رکھنے والے نمائندوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرانا اور
ہ کے لئے سیاسی و سماجی سرگرمیوں اور کارروائیوں کے بارے میں
لے کرنا جو ہندوستانی عوام کے مزاج سے موافقت رکھتے ہوں۔ دراصل
کانفرنس کا مقصد کانگریس کے قیام کا اعلان کرنا تھا۔ لہٰذا پونے کی
عوامی تنظیم "سروجنک سبھا" نے اس کانفرنس کی میزبانی قبول کی اور اس
سلے میں ایک استقبالیہ کمیٹی بنائی جس کا مقصد تھا کانفرنس میں شرکت کرنے
لے مہمان نمائندوں کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا انتظام کرنا نیز
فرنس کا اہتمام کرنا۔ یہ کانفرنس پونے کے پیشوا اڑہ ہال میں ہونے والی
ن لیکن بدقسمتی سے اس دوران پونے شہر میں کالرا کی بیماری وبائی شکل
ختیار کر رہی تھی لہٰذا کانفرنس پونے کے بجائے بمبئی میں منعقد کرنے
فیصلہ کیا گیا۔

کانگریس کی بنیاد
بمبئی میں رکھی گئی

مارچ ۱۸۸۵ء میں اس کانفرنس کا اہتمام گوالیا ٹینک بمبئی میں کیا گیا
س کانفرنس کے لئے گوکل داس تیج پال سنسکرت کالج اور گوالیا ٹینک
ے قریب واقع ہوسٹل کے ذمہ داروں نے پوری سہولتیں فراہم کرنے کا
نتظام کیا۔

کانفرنس کا پہلا اجلاس دوپہر ۱۲ بجے شروع ہوا جس میں اس نئی
تنظیم کے قیام کا اعلان کیا گیا اور اس کا نام انڈین نیشنل کانگریس رکھا گیا۔ اس
اریخی جلسے میں مسٹر اے۔ او۔ ہیوم۔ شری ایس سبرامنیم اور شری آئر کے
علاوہ شری ڈبلیو۔ پی۔ بنرجی، دادا بھائی نوروجی، شری این۔ جی چنداورکر
شری فیروز شاہ مہتا جیسے بڑے عوامی نمائندوں نے شرکت کی۔ اس موقع
پر ملک کے مختلف علاقوں کے اخباری نمائندے بھی جلسے میں موجود تھے۔
ن میں پونے کے اخبار کیسری مراٹھا، لاہور کے اخبار ٹریبون، بمبئی کے
خبار "اندو پرکاش" اور مدراس کے روزنامہ "ہندو" جیسے اخباروں
کے نام قابل ذکر ہیں۔ اجلاس کے پہلے راؤنڈ میں مندرجہ ذیل نو۹ تجاویز
پیش کی گئیں۔

(۱) ہندوستانی حکومت کی کارگزاری کی جانچ کے لئے شاہی کمیشن
کا قیام۔

(۲) لندن میں انڈین کونسل کو ختم کرنے کی مانگ۔

(۳) دوھان پریشد میں سرکار کے ذریعے ممبران کی نامزدگی کی جگہ چناؤ

(۴) آئی۔ سی۔ ایس کا امتحان انگلینڈ کے ساتھ بھارت میں بھی لیا
جائے۔

(۵) اور (۶) فوجی بجٹ میں کٹوتی

(۷) برما کو بھارت سے الگ نہ کیا جائے بلکہ اس کو بھارت کے ایک
حصّہ کی حیثیت دی جائے۔

(۸) کانگریس کی منظور شدہ تجاویز کو منظور کیا جائے۔

(۹) کانگریس کا اگلا اجلاس ۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء کے دن کلکتہ میں منعقد
کیا جائے۔

شری بنرجی نے جو اس جلسے کی صدارت فرما رہے تھے اپنی صدارتی
تقریر میں کانگریسی نمائندوں سے متحد، سرگرم اور چوکنا رہنے کی اپیل کی۔ یہ
کانگریس کی تحریک کی تاریخی شروعات تھی۔ رفتہ رفتہ کانگریس کی سرگرمیاں بڑھتی
گئیں اور آخر اس حد تک پہنچ گئیں جب انگریز حکمراں کے لئے یہ سب سرگرمیاں
ناگوار گزرنے لگیں۔

کانگریس کی تحریک کا موڑ
جنگِ آزادی کی سمت

۱۸۸۵ء میں کانگریس کے قیام کے ایک ہی سال بعد یعنی ۱۸۸۶ء میں
کانگریس کی تحریک کا رنگ جنگ آزادی میں بدلنے لگا۔ کانگریس اب آزادی
کے حصول کے سمت بڑھنے لگی اور انگریزی حکومت چوکنا ہوگئی۔ ۱۸۸۶ء سے
آزادی ملنے تک یعنی ۱۹۴۷ء اس عرصے کے دوران جنگ آزادی کے تعلق
سے سینکڑوں اہم تاریخی واقعات رونما ہوئے۔

شروع میں کانگریس کا مقصد تھا ہندوستانی عوام کے حقوق کا تحفظ
اور ان کے سیاسی و سماجی مسائل کا حل تلاش کرنا لیکن کانگریسی لیڈر یہ اچھی
طرح سمجھ چکے تھے کہ جب تک ملک پر انگریزوں کی حکومت برقرار رہے گی۔
تب تک یہاں کے عوام اپنے حقوق سے محروم ہی رہیں گے اور کسی بھی صورت
سے انہیں اپنے حقوق دلائے نہیں جاسکتے ان کے سامنے عوامی حقوق حاصل
کرنے کا ایک ہی راستہ تھا "سوراج"۔ جب یہ سوال پیدا ہوا کہ آخر
سوراج کس طرح حاصل کیا جائے ملک کو آزاد کس طرح کیا جائے تو اس
سوال نے کانگریس کو اختلاف کا شکار بنا دیا۔ اور کانگریس دو گروپ میں
بٹ گئی۔ ایک گروپ اعتدال پسند تھا جو بغیر خون خرابے کے آزادی
حاصل کرنے کے حق میں تھا۔ اس گروپ کی قیادت گوپال کرشن گوکھلے
موتی لال نہرو اور دیگر لیڈر کر رہے تھے۔ دوسرا انقلابی گروپ تھا جسے
تاریخ انتہا پسند گروپ کا نام دیتی ہے اس گروپ کی قیادت لوک مانیہ

تلک جیسے کرانتی کاری لیڈر کر رہے تھے جس میں دادا بھائی نوروجی بھی
پیش پیش تھے۔ ان کے علاوہ تحریک جنگ آزادی میں مولانا ابوالکلام
آزاد، مدن موہن مالویہ اور چترنجن داس جیسے لوگ بھی عوام کے رہنما بن کر
میدان میں اتر گئے تھے۔

۲۰ سال تک جنگ آزادی لڑنے والے بہادر اور انقلابی لیڈر لوک
مانیہ تلک اس دنیا سے کوچ کر گئے اور دونوں گروپ کا کنٹرول مہاتما گاندھی
نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کے بعد اس وقت کے نوجوان لیڈر
پنڈت جواہر لال نہرو بھی اس قومی جنگ میں شریک ہو چکے تھے۔

مہاتما گاندھی کا یہ یقین تھا کہ وہ اہنسا کے اصولوں پر چل کر
ملک کو آزاد کرالیں گے مہاتما گاندھی نے اپنی تحریک کو عوامی تحریک کا
رنگ دے دیا اور پورے ملک کی عوام کو بیدار کر دیا۔ دوسری طرف
انقلابی گروپ کو یہ یقین تھا کہ بغیر ہتھیاروں کے استعمال کے ملک کو آزادی
نصیب نہیں ہو سکتی اور اسی یقین کی بنا پر سبھاش چندر بوس نے آزاد ہند
فوج کی تشکیل شروع کر دی۔

یہ ۱۹۲۹ء کا دور تھا جب تحریک پورے زور پر تھی اور دونوں گروپ
کے درمیان پنڈت جواہر لال نہرو رابطے کا کام کر رہے تھے۔ چندر شیکھر
آزاد، شہید بھگت سنگھ۔ خودی رام بوس۔ ویر ساورکر۔ اشفاق اللہ خاں،
چافیکر برادران وغیرہ کی انقلابی سرگرمیوں نے انگریزی حکومت کی
بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

۱۹۴۲ء میں حکومت کے خلاف مہاتما گاندھی نے ستیہ گرہ
شروع کر دی جس کے نتیجے میں کئی لوگ مارے گئے۔ اس کے بعد پورے
ملک میں آزادی حاصل کرنے کے لئے تحریک پھیل گئی ایک ایک آدمی
اپنے اپنے طور پر آزادی حاصل کرنے کے لئے میدان میں کود پڑا۔

ادھر آسام اور بنگال میں سبھاش چندر بوس کی آزاد ہند فوج نے
اپنی سرگرمیاں دکھانی شروع کر دیں۔ آزاد ہند فوج کے سپاہیوں نے
انڈمان، نکوبار، امپھال، منی پور وغیرہ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء تک کے عرصے میں جنگ آزادی کے دوران
کئی مجاہدوں کو شہید کر دیا گیا کئی انقلابیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا اور کئی
لیڈروں کو جیلوں میں بھر دیا گیا اور ان کے ساتھ غیر انسانی برتاؤ کیا گیا طرح
طرح کی تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ آخر ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو انڈین نیشنل
کانگریس کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو گیا۔ ملک آزادی کی فضا میں سانس لینے
لگا۔

۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو راشٹر پتا مہاتما گاندھی کو ایک جنونی نے
گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔ ملک کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے
۔ قومی راج

ملک کو ترقی کی راہوں پر گامزن کیا۔ ان کے بعد شریمتی اندرا گاندھی نے پنڈت
نہرو کی طرح مہاتما گاندھی کے اصولوں پر چل کر وزیر اعظم کی حیثیت سے
ملک سے غریبی جہالت اور پستی کو دور کرنے کی بھرپور کوششیں کیں اور
آخری سانس تک غریبوں کی فلاح و بہبود، قومی یکجہتی اور عالمی امن
کے لئے کام کرتی رہیں۔ ان کے بعد انقلابی نوجوان لیڈر شری راجیو گاندھی
نے ۱۹۸۴ء سے ملک و قوم کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالی۔
ہندوستان کو فخر حاصل ہے کہ اسے شری راجیو گاندھی جیسے وزیر اعظم
کی قیادت میں پھولنے پھلنے اور ترقی کرنے کا موقع ملا۔ یہ ہے انڈین
نیشنل کانگریس کی صد سالہ تاریخ کا مختصر جائزہ۔

صفحہ نمبر ۸۵ سے آگے

قومی یکجہتی اور کانگریس

یکجہتی کا شیرازہ تقریباً بکھر چکا تھا یہ وہ دل خراش دور تھا جب ہندوستان
کے عوام خود کو ہندوستانی نہیں سمجھ رہے تھے۔ بلکہ ہندو، مسلم، سکھ
اور عیسائی سمجھ رہے تھے۔ ایسے تشدد آمیز موقع پر بھی کانگریس کے
لیڈروں نے ہی کوشش کیں کہ ہندو پاک تقسیم کے بعد ہونے والے فسادات
بند ہو جائیں۔ یکجہتی کی اس جد و جہد میں کچھ تا کچھ لوگ اپنے ہی فرقے
کے ایک عظیم لیڈر سے بدظن ہو گئے اور یہ بدظنی یہاں تک بڑھی کہ
۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کی ایک منحوس شام مہاتما گاندھی کو موت کے
گھاٹ اتار دیا گیا۔ مگر راج گھاٹ پر ان کی سمادھی آج بھی ہندوستان
کے عوام کو قومی یکجہتی کی راہ دکھا رہی ہے۔

ہندوستان کی سلامتی کے لئے قومی یکجہتی کتنی ضروری ہے
اس کا اندازہ خود ہندوستانی ہی لگا سکتے ہیں۔ ہندوستان کی جمہوریت
سیاسی پارٹیوں پر نہیں بلکہ قومی یکجہتی پر قائم ہے اور کانگریس ہی
قومی یکجہتی کی علم بردار رہی ہے۔





بدرالدین طیب جی سنہ ۱۸۸۷ء







این۔ جی چند اوارکر سنہ ۱۹۰۰ء







آر۔ این۔ مدھولکر سنہ ۱۹۱۲ء





The First Indian National Congress